اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا

(یہ تو ایک نصیحت ہے پس جس کا جی چاہے (اس سے) اپنے رب کی طرف راستہ اختیار کرے)

للّٰہ الحمد ہر آں چیز کہ خاطر می خواست — آخر آمد ز پس پردۂ تقدیر پدید

مکتوبات

حضرت مجدّد الفِ ثانی

شیخ احمد فاروقی سرہندی قدس سرّہ السّامی

کے

دفتر اول کے مکتوب ۱ سے ۱۷۱ تک مکتوبات کا

اردو ترجمہ

مترجمہ

حضرت مولانا سیّد زوّار حسین شاہ صاحبؒ

ناشر

ادارۂ مجدّدیہ: ۲/۵، ایچ، ناظم آباد ۳، کراچی

إِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذَ إِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا

(یہ تو ایک نصیحت ہے پس جس کا جی چاہے (اس سے) اپنے رب کی طرف راستہ اختیار کرے)

للہ الحمد ہر آں چیز کہ خاطر می خواست — آخر آمد ز پسِ پردۂ تقدیر پدید

مکتوبات
حضرت مُجدّد الفِ ثانی

شیخ احمد فاروقی سرہندی قدس سرہ السامی کے

دفتر اول کے مکتوب ۱ سے ۱۷۱ تک مکتوبات کا

اردو ترجمہ

مترجمہ

حضرت مولانا سیّد زوّار حسین شاہ صاحبؒ

ناشر

ادارۂ مُجدّدیہ: ۲/۵، ایچ، ناظم آباد۳، کراچی

ماہِ صفر ۱۴۰۹ھ مطابق ۱۹۸۸ء

مطبوعہ احمد برادرس پرنٹرس۔ ناظم آباد۲ کراچی — قیمت ۔/

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مکتوباتِ حضرت مجدد الفِ ثانیؒ کے دفتر اول کے ایک سو اکہتر (۱۷۱) مکتوبات کے ترجمہ کی

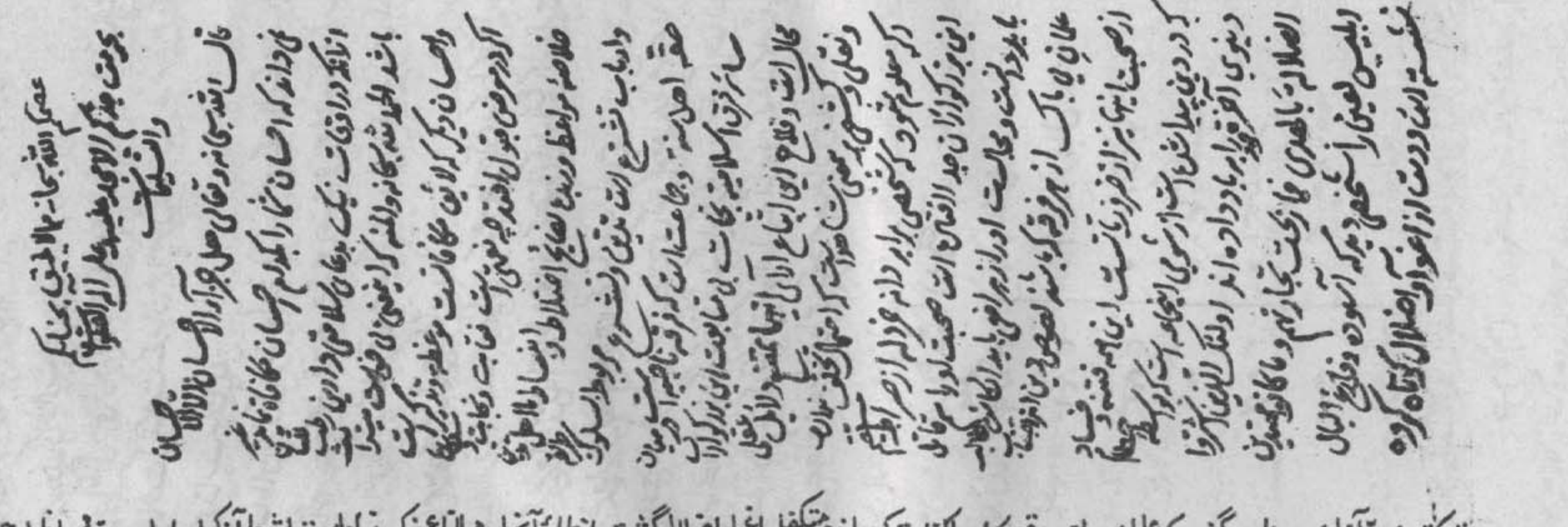
فہرستِ مضامین

صفحات

صفحات

اشاریہ

عکس مکتوب مبارک حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ کہ بدست حق پرست خود نوشتہ بہ نواب والاجاہ سیادت پناہ مرتضیٰ خاں سید فرید بخاری رحمہ اللہ ارسال فرمودہ اند۔ ایں مکتوب دو صد و سیزدہم است از دفتر اول۔ بقیۂ مکتوب بر ہامش نوشتہ شدہ بر پشت کاغذ اندراج یافتہ۔ چونکہ حضرات اجداد کرام رحمہم اللہ از وجہ بوسیدگی کاغذ جامہ چسپانیدہ اند خواندہ نمی شود وعبارت "عصمکم اللہ سبحانہ" و "جنابکم" و "سائر فرق" از وجہ بوسیدگی کاغذ ضائع شدہ است۔ اَلْبَقَاءُ لِلّٰہِ سُبْحَانَہٗ وَحْدَہٗ۔


عصمکم اللّٰه سبحانه عما لا یلیق بجنابکم
بحرمت جدکم الامجد علیه وعلی آله الصلوات
والتسلیمات
قال اللّٰه سبحانه وتعالی هل جزاء الاحسان الا الاحسان
می داند که احسان شما را بکدام احسان مکافات نماید غیر
ازانکه در اوقات نیک بدعای سلامتی دارین رطب اللسان
باشد الحمد للّٰه سبحانه والمنه که این ضعیف بی قوت میسر است
و احسان دیگر که لائق مکافات است موعظه و تذکیر است
اگر در معرض قبول افتد چه نعمتی است نعمت [illegible] و نجابت [illegible]
خلاصهٔ مواعظ و زبدهٔ نصائح اختلاط و انبساط با اهل حق
و ارباب تشریع است تدین و تشرع مربوط بسلوک طریقه
حقه اهل سنت و جماعت است که فرقه ناجیه است در میان
سائر فرق اسلامیه نجات بی متابعت این بزرگواران
محال است و فلاح بی اتباع آرای اینها ممتنع دلائل عقلی
و نقلی و کشفی بر همین معنی شاهد است که احتمال تخلف ندارد
اگر معلوم شود که شخصی برابر دانه خردله از صراط المستقیم
این بزرگواران جدا افتاده است صحبت او را سم قاتل
باید دانست و مجالست او را زهر افعی باید انگاشت طالب
علمان بی باک از هر فرقه که باشند لصوص دین اند اجتناب
از صحبت اینها نیز از ضروریات است این همه فتنه و فساد
که در دین پیدا شده است از شومی اینجماعه است که بواسطه حطام
دنیوی آخرت را برباد داده اند اولئک الذین اشتروا
الضلالة بالهدی فما ربحت تجارتهم وما کانوا مهتدین
ابلیس لعین را شخصی دید که آسوده و فارغ البال
نشسته است و دست از اغوا و اضلال کوتاه کرده

(بقیہ مکتوب) سر آنرا پرسید لعین گفت کہ علماء سوء ایں وقت کار مرا کفایت کردہ اند و متکفل اغوا و اضلال گشتہ۔ از طلبۂ آنجانب مولانا عمر نیک نہاد است بشرط آنکہ او را دل بد نہند و اظہار حق دلیر سازند و حافظ امام نیز جنون اسلام دارد کہ در اسلام ازاں جنون چارہ نبود لَنْ یُّؤْمِنَ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یُقَالَ اِنَّہٗ مَجْنُوْنٌ۔ معلوم شریف است کہ ایں فقیر بگفتن و نوشتن در تحریض بر صحبت نیک تقصیر نکردہ است و در مبالغہ نمودن از اجتناب از مصاحب سوء خود را معاف نداشتہ کہ آنرا اصل عظیم میداند۔ وَالْقَبُوْلُ عِنْدَ کَرَمِ بَلْ یُنَالُ مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ فَطُوْبٰی لِمَنْ جَعَلَہُ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ مَظْہَرًا لِلْخَیْرِ۔ تذکر احسانہائے شما بریں گفتگوئے می آرد و ملاحظہ تصدیع و ملال را از میان برمی اندازد۔ والسلام

تعارف

(از مخدومی و محترمی حضرت ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب مدظلہ العالی سابق صدر شعبہ اردو سندھ یونیورسٹی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ تعالیٰ کا بے پایاں احسان ہے کہ اس نے اپنے بندوں کی ہدایت کے لیے بے مثل قرآن پاک نازل فرمایا جو اپنے ظاہری اور معنوی محاسن کے لحاظ سے ہر زمانے میں ایک معجزہ بن کر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ایک اور بہت عظیم احسان یہ ہے کہ اُس نے حضرت امام ربّانی مجدد الفِ ثانی قدس سرہ کے مکتوبات شریفہ کو بھی اپنے بندوں کے لئے ایسے ہی محاسن والا ایک نسخۂ کیمیا بنا دیا جس کا فارسی ادب میں کوئی جواب نہیں۔

کفر و شرک کے رئیس ولید بن مغیرہ نے قرآن پاک کی بعض آیات سُن کر کہا تھا کہ "بے شک اس کلام میں شیرینی اور دلپذیری ہے، اس میں سیرابی ہے، اس میں ثمر ہے۔ واللہ یہ کلامِ بشر نہیں" — مکتوباتِ شریفہ کے متعلق ہم اتنی بڑی بات تو نہیں کہہ سکتے، البتہ حضرت علامہ سید عبد الحکیم ابن المصطفیٰ الآروسی علیہ الرحمہ (کتاب "اصحاب الکرام") کے اس قول کو دہرائیں گے کہ "کتاب اللہ اور احادیث کے بعد اسلامی کتب میں سب سے افضل مکتوباتِ امامِ ربانی ہیں جن کا پوری دنیا میں کوئی جواب نہیں۔"

کتاب جتنی عظیم ہوتی ہے اسی قدر وہ قبولِ عام حاصل کرتی ہے، پھر اس کے مختلف تراجم ہوتے ہیں اور شروح بھی تیار کی جاتی ہیں۔ یہی بات مکتوباتِ شریفہ کے حق میں بھی ہے کہ کئی بزرگوں نے ان کے مکمل اور نامکمل ترجمے کیے۔ ہمارے نہایت بزرگ شیخ حضرت مولانا شاہ زوّار حسین صاحب علیہ الرحمہ (م ۱۴۰۰ھ) نے بھی مکتوباتِ شریفہ کا ترجمہ فرمایا تھا، اور اُسے سلیس و عام فہم بنانے کی کوشش فرمائی تھی، پھر جیسی کہ ان کی عادتِ شریفہ تھی اس ترجمہ میں بھی جگہ جگہ مفید حواشی اور تعلیقات بھی شامل فرماتے تھے، حضرتؒ کا مزاج محققانہ تھا اور وہ جزئیات تک کو شرح و بسط کے ساتھ پیش فرماتے تھے، یہی خصوصیت اس ترجمے سے بھی عیاں ہے — مخدومی قبلہ حاجی محمد اعلیٰ صاحب مدظلہ کا خاص کرم ہے کہ وہ حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ کی ایک ایک چیز کو محفوظ رکھنے کی سعی میں لگے رہتے ہیں اور جماعت کو، نیز عام قارئین کو مستفید فرماتے رہتے ہیں۔ ہم ان کو نقدِ دل ہی پیش کر سکتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو اجرِ عظیم عطا فرمائے۔ آمین،

احقر غلام مصطفیٰ خاں

پیش لفظ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ط نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ ط

امابعد حق سبحانہٗ وتعالیٰ جلّ شانہٗ اپنے کلامِ مجید فرقانِ حمید میں ارشاد فرماتا ہے: كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ط (یعنی اے اُمّتِ محمدیہؐ! اللہ تعالیٰ کے نزدیک) تم تمام امتوں سے بہتر ہو جو عالم (دنیا) میں بھیجی گئیں. تم نیک کاموں کا حکم کرتے ہو اور بُرے کاموں سے روکتے ہو اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو) —— اور حدیث شریف میں وارد ہے: عُلَمَآءُ اُمَّتِيْ كَاَنْبِيَآءِ بَنِيْ اِسْرَآئِيْلَ (یعنی میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے پیغمبروں کی مانند ہیں)۔ نیز حدیث شریف میں وارد ہے: اَلْعُلَمَآءُ وَرَثَةُ الْاَنْبِيَآءِ (یعنی علماء، انبیاء کے وارث ہیں)

صدق اللہ تعالیٰ ورسولہ الکریم ونحن علیٰ ذٰلک من الشاھدین۔

حقیقت یہ ہے کہ جس طرح حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ فرما کر ہر طرح کی بکثرت نعمتوں سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم، اور آپ کی امت کو نوازا، اور خاص طور پر آپ کو رؤف رحیم، رحمۃ للعالمین اور خاتم النبیّین جیسے معزز القاب سے سرفراز فرما کر تمام انبیاء ورسل پر فضیلت عطا فرمائی، اسی طرح آپ کی امت کو كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ فرما کر جملہ امم سابقہ پر فضیلت کا مستحق بنا دیا۔ اور اس امت کو ایسے عمدہ عمدہ کام کرنے کی توفیق بخشی کہ جن کی سعادت امم سابقہ کو نصیب نہیں ہوئی —— مثلاً جنگِ بدر کے موقع پر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ سے مشورہ فرمایا تو مہاجرین کی طرف سے حضرت مقداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کھڑے ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ! آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو حکم ملا ہے اس کا اعلان فرمایئے ہم بنی اسرائیل کی طرح آپ کو یہ جواب نہیں دیں گے کہ فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ۝ (اے موسیٰ) پس تو جا اور تیرا رب، اور تم دونوں لڑو، ہم تو یہیں بیٹھے ہیں) —— اور انصار میں سے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا "آپ حق تعالیٰ کے حکم کا اعلان فرمایئے اُس اللہ تعالیٰ کی قسم

جس نے آپ کو نبی بنا کر بھیجا ہے، اگر آپ حکم دیں، کہ سمندر میں کود جاؤ تو ہم حکم ملتے ہی سمندر میں کود جائیں گے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کل جب آپ دشمن سے جنگ کریں گے تو آپ دیکھیں گے کہ ہم دشمن کے مقابلہ میں کس صبر اور کیسی ثابت قدمی کا ثبوت پیش کرتے ہیں۔"

اسی طرح امم سابقہ میں سے کوئی امت بھی اپنے پیغمبر کی لائی ہوئی کتاب کی حفاظت نہ کرسکی لیکن اس کے برخلاف آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لائی ہوئی کتاب "قرآن مجید" حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے فضل و کرم سے چودہ سو سال گذرنے کے بعد بھی ایک حرف تو کیا ایک نقطہ زیر زبر اور پیش کے اختلاف سے بالکل پاک ہے اور ان شاء اللہ تعالیٰ قیامت تک تحریف سے محفوظ رہے گی۔ اگرچہ قرآن مجید کے متعلق حق سبحانہٗ وتعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (بیشک ہم نے ذکر (قرآن) کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں) لیکن چونکہ ظاہری اسباب کے درجہ میں قرآن مجید کی جمع و تدوین کا کام اس امت کے ہاتھوں انجام پذیر ہوا، نیز اسی امت کے حفّاظِ کرام کا لامتناہی سلسلہ بھی اس کی حفاظت کا ذریعہ بنا، لہٰذا یہ سب حق سبحانہٗ وتعالیٰ کا فضل وکرم ہے جو اس امت کو اجر و ثواب کا مستحق بنا رہا ہے ـــــــــ پھر یہی نہیں بلکہ اس امت کے علمائے نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی "حیاتِ طیّبہ" آپ کے اقوال و افعال، آپ کے اٹھنے بیٹھنے، کھانے پینے، آرام کرنے، عبادت کرنے کے طریقے اور جنگ و صلح کے کارنامے اس خوبی سے قلمبند کئے کہ ان کے تصور ہی سے ایمان تازہ ہوتا ہے اور روح وجد میں آجاتی ہے، لہٰذا یہ سعادت بھی امم سابقہ کے علماء میں سے کسی کو نصیب نہیں ہوئی کہ انھوں نے اپنے پیغمبر کی حیاتِ مبارکہ اور اقوال و افعال کو اس طرح محفوظ کیا ہو۔ اور ہوسکتا ہے کہ اس امت کے علماء انہی سعادتوں کی بنا پر "عُلَمَاءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَاءِ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ" کے معزز لقب سے نوازے گئے ہوں۔

قرآن و حدیث کی تدوین کے علاوہ اس امت کے علماء نے اپنے اپنے دور میں امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فریضہ بڑی تن دہی سے ادا کیا اور کلمۃ الحق کو بلند کرنے میں بڑی جانفشانی اور قربانی سے کام لیا اور اس سلسلہ میں درس و تدریس اور تصانیف و تالیف بھی فرمائیں۔

دینِ اسلام کے ہزار سالہ دور کے آخر اور الفِ ثانی کے شروع میں جبکہ مغلیہ سلطنت عروج پر تھی، جلال الدین اکبر بادشاہ نے ہندو رانیوں سے شادیاں رچا کر اپنے دادا کے مصرع "بابر بعیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست" پر اپنا ایمان قربان کردیا، اور اپنی مطلب براری کے لئے ہر طرح کے حیلے تراش کر غلط اجتہاد کے

دروازے کھول لئے، لہذا جسقدر برائیاں اور بدعتیں ممکن تھیں وہ سب عہدِ اکبری میں خوب پھلی پھولیں، اکبر کے انتقال کے بعد جہانگیر تختِ شاہی پر بیٹھا تو وہ بھی اپنے باپ کے قدم بقدم چلا حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی رحمت جوش میں آئی اور اُس نے امامِ ربانی حضرت مجدد الفِ ثانی شیخ **احمد** فاروقی سرہندی قدس سرہ السامی کو پیدا فرمایا، جنھوں نے اِعْلَاءِ کَلِمَۃِ حَقٍّ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ ھُوَ اَکْبَرُ جِھَادٍ کا حق ادا کرتے ہوئے بادشاہِ وقت کے سامنے کلمۃ الحق بلند کیا جس کی پاداش میں جہانگیر بادشاہ کی طرف سے اذیتوں کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ چنانچہ آپ کا مال واسباب[1] ضبط کیا گیا اور آپ کو قید وبند کی صعوبتیں بھگتنی پڑیں اور ایک عرصہ تک لشکر کے ہمراہ رہنا پڑا، ان سب مصائب کو آپ نے نہایت صبر وتحمل سے برداشت کیا، بعد ازاں فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا ہ کے تحت حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے تمام مشکلات کو آسانی میں تبدیل کردیا اور وہی جہانگیر جو آپ پر اسقدر مظالم ڈھا رہا تھا حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے فضل وکرم اور آپ کی حُسنِ تبلیغ کی وجہ سے آپ کا گرویدہ ہوگیا۔ چنانچہ حضرت مجدد علیہ الرحمہ کی شاہی دربار میں آمد ورفت شروع ہوگئی، جیسا کہ ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں[1]: —— "ایک تازہ معاملہ جو آج ظاہر ہوا ہے لکھتا ہوں اچھی طرح سماعت کریں۔ آج شنبہ کی رات کو بادشاہی مجلس میں گیا تھا ایک پہر رات گزرے وہاں سے واپس آیا"[2]

اسی طرح ایک دوسرے مکتوب میں دربارِ شاہی سے متعلق تحریر فرماتے ہیں: —— "علاوہ ازیں اس طرف کے احوال واوضاع حمد کے لائق ہیں، عجیب وغریب صحبتیں گزر رہی ہیں اور حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی عنایت سے امورِ دینیہ اور اصولِ اسلامیہ کی ان گفتگوؤں میں سر مو سستی اور مداہنت دخل نہیں پاتی اور حق تعالیٰ کی توفیق سے (بادشاہ کی) ان محفلوں میں وہی باتیں بیان ہوتی ہیں جو خاص خلوتوں اور مجلسوں میں بیان ہوا کرتی ہیں۔ اگر ایک مجلس کا حال لکھا جائے تو اس کے لئے ایک دفتر چاہیے الخ"[3]

جہانگیر بادشاہ کی اصلاح کے نتیجہ میں شاہجہاں جیسا بیٹا اور عالمگیر جیسا دیندار پوتا پیدا ہوا، بلکہ اس کے بعد بھی دیندار بادشاہوں کا سلسلہ جاری رہا۔

مکتوبات کی ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے ان میں سے کسی ایک میں بھی اپنے ذاتی اغراض ومفادات کو پیشِ نظر نہیں رکھا بلکہ اشارہ تک نہیں فرمایا۔ چنانچہ ہر مکتوب

---

[1] مکتوبات حضرت مجدد الفِ ثانیؒ دفتر سوم مکتوب ۲ع۔ [2] ایضاً دفتر سوم مکتوب ۱۰۶۔ [3] ایضاً مکتوب ۴۳

مکتوب الیہ کی شخصیت و منصب کے مناسب اور نصیحت و موعظت سے لبریز ہے، مثلاً جہانگیر بادشاہ کے نام جو مکتوب آپ نے تحریر فرمایا ہے اس میں لشکرِ دعا اور لشکرِ غزا کی تشریح بڑی خوبی سے بیان فرمائی ہے۔

...... "فتح و نصرت دو قسم کی ہے، ایک قسم وہ ہے جس کو اسباب کے ساتھ وابستہ کیا ہے اور وہ فتح و نصرت کی صورت ہے جو لشکرِ غزا سے تعلق رکھتی ہے، اور دوسری قسم فتح و نصرت کی حقیقت ہے جو مسبب الاسباب کی طرف سے ہے آیتِ کریمہ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ (یعنی نہیں ہے مدد و نصرت مگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے) میں اسی نصرت کی طرف اشارہ ہے، جو لشکرِ دعا سے تعلق رکھتی ہے، لہٰذا لشکرِ دعا اپنی عاجزی و انکساری کے باعث لشکرِ غزا پر سبقت لے گیا.... نیز دعا قضا کو روک دیتی ہے جیسا کہ مخبرِ صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: لَا یَرُدُّ الْقَضَاءَ اِلَّا الدُّعَاءُ (سوائے دعا کے کوئی چیز قضا کو نہیں ٹال سکتی)۔ تلوار اور جہاد میں یہ طاقت نہیں کہ قضا کو رد کر سکے، لہٰذا لشکرِ دعا ضعف اور عاجزی کے باوجود لشکرِ غزا سے زیادہ قوی ہے" الخ [1]

امام ربانی حضرت مجدد الفِ ثانی قدس سرہ نے تبلیغ دین کے لئے مکتوبات کا ذریعہ اختیار کیا تاکہ ہر علاقہ کے ماحول اور حالات کے تقاضوں کے مطابق مکتوبات لکھے جائیں اور ان کے ذریعے لوگوں کے عقائد کی درستگی اور اخلاق و اعمال میں اخلاص کی پختگی پیدا ہو سکے اور لوگ صحیح معنوں میں سچے اور پکے مسلمان بن سکیں ——— نیز مکتوب الیہ حضرات میں بڑے بڑے گورنر، وزرا اور علمائے کرام و مشائخ عظام بھی ہیں، مثلاً خواجہ مرزا حسام الدین احمد، جو ابو الفضل و فیضی کے بہنوئی ہیں۔ خان اعظم مرزا عزیز کوکہ جو کہ اکبر بادشاہ کے ہم عمر اور دودھ شریک بھائی اور امرائے شاہی میں سے تھے۔ عبدالرحیم خان خاناں صاحب السیف والقلم، محب العلماء والفقراء، کئی زبانوں کے ماہر، اور کئی صوبوں میں گورنر رہے۔ شیخ فرید بخاری آپ بھی امرائے شاہی میں سے تھے اور مختلف صوبوں میں گورنر رہے۔ علماء میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں —— غرض یہ کہ مکتوب الیہ حضرات بلند درجہ اور با اثر شخصیتیں تھیں تاکہ وہ اپنے اپنے حلقوں میں ترویجِ شریعت اور احیائے سنت کے لئے کام کر سکیں۔

شیخ فرید بخاری کو تحریر فرماتے ہیں: "عہدِ اکبری میں بھی علماء کے اختلاف نے دنیا کو مصیبت میں ڈال دیا تھا اور اب بھی وہی علماءِ سو کی صحبت کا اندیشہ درپیش ہے اس صورت میں شریعت کی ترویج کی کیا گنجائش ہے" [2]

---

[1] مکتوبات حضرت مجدد الفِ ثانیؒ دفتر سوم مکتوب ۴۷ — [2] ایضاً دفتر اول مکتوب ۵۳۔

نیز ایک دوسرے مکتوب میں شیخ فرید کو تحریر فرماتے ہیں :۔ " دنیا جہان کے ساتھ بادشاہ کی نسبت ایسی ہے جیسی کہ بدن کے ساتھ دل کی نسبت کہ اگر دل اچھا و درست ہے تو بدن بھی درست و صحیح ہے اور اگر دل خراب ہو جائے تو بدن بھی بیکار ہو جاتا ہے۔ بادشاہ کے درست و بہتر ہونے میں دنیا جہان کی درستی و بہتری ہے اور اس کے بگڑنے پر جہان کا بگڑنا موقوف ہے الخ"۔ ؎۱

مکتوبات میں بڑی تعداد ایسے مکتوبات کی ہے جو شریعت و طریقت اور حقیقت و معرفت کے مضامین پر مشتمل ہیں اور ان میں آپ نے جگہ جگہ اس بات پر زور دیا ہے کہ اصل کام شریعت کی پیروی ہے اور طریقت و حقیقت دونوں شریعت کے خادم ہیں، چنانچہ ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں :۔۔۔۔۔

" شریعت کے تین جزو ہیں: علم، عمل اور اخلاص، پس طریقت و حقیقت دونوں شریعت کے جزو اخلاص کو کامل کرنے میں شریعت کے خادم ہیں"۔ الخ ؎۲

نیز تحریر فرماتے ہیں: " جو عمل بھی روشن شریعت کے مطابق کیا جائے وہ ذکر میں داخل ہے اگرچہ وہ خرید و فروخت ہی ہو، لہٰذا تمام حرکات و سکنات میں احکامِ شریعت کی رعایت کرنا چاہئے تاکہ وہ سب کام ذکر ہو جائیں"۔ ؎۳

اسی طرح فرائض کی اہمیت پر زور دیتے ہوئے فرماتے ہیں: " فرائض میں سے کسی ایک فرض کو چھوڑ کر نوافل میں سے کسی نفلی عبادت میں مشغول ہونا لایعنی (بیکار باتوں) میں داخل ہے ۔۔۔۔۔ ایک نفلی حج کی خاطر اتنے ممنوعات کا مرتکب ہونا اچھا نہیں ہے (یعنی نفل کا ادا کرنا اگرچہ حج ہی کیوں نہ ہو جبکہ وہ کسی فرض کے فوت ہونے کا سبب بنتا ہو تو وہ بھی لایعنی میں داخل ہے)"۔ الخ ؎۴

نیز تحریر فرماتے ہیں: " فرضوں میں سے کسی ایک فرض کا اس کے اپنے وقت میں ادا کرنا ہزار سال کے نوافل ادا کرنے سے بہتر ہے اگرچہ وہ نوافل خلوصِ نیت کے ساتھ ادا کئے جائیں خواہ وہ نماز، زکوٰۃ، روزہ اور ذکر و فکر وغیرہ میں سے کوئی بھی نفل ہو"۔۔۔۔۔ (چند سطروں کے بعد تحریر فرماتے ہیں) " زکوٰۃ کے حساب میں ایک دانگ صدقہ کرنا نفلی طور پر سونے کے بڑے بڑے پہاڑ صدقہ کرنے سے کئی درجہ بہتر ہے۔ اسی طرح اس دانگ کے صدقہ کرنے میں کسی مستحب کی رعایت کرنا مثلاً اس کا کسی قریبی محتاج کو دینا بھی اس نفلی صدقہ سے کئی درجہ بہتر ہے"۔ (جو کسی غیر کو دیا جائے) ۔۔۔۔۔ (اسی مکتوب کے آخر میں درج ہے) " جس طرح آپ کی مبارک مجلس میں تصوف کی کتابوں سے کچھ بیان ہوتا رہتا ہے اسی طرح فقہ کی کتابوں میں سے بھی کچھ بیان ہوتا رہنا چاہئے

؎۱ مکتوبات دفتر اول مکتوب ۴۷۔ ؎۲ ایضاً دفتر اول مکتوب ۳۶۔ ؎۳ ایضاً دفتر دوم مکتوب ۳۵۔ ؎۴ ایضاً دفتر اول مکتوب ۱۲۳

..... بلکہ اگر تصوف کی کتابوں سے بیان نہ بھی ہو تو کچھ مضائقہ نہیں کیونکہ وہ احوال سے تعلق رکھتی ہیں اور فقہ کی کتابوں سے بیان نہ ہونے میں نقصان کا احتمال ہے۔"[1]

نیز دنیا طلبی سے متعلق فرماتے ہیں: "فقراء کے لباس میں ہو کر اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کی مبغوضہ (ناپسندیدہ) دنیا کی تلاش و جستجو میں لگا رہنا بہت ہی بُری بات ہے۔"[2]

نیز ایک صاحب کے قول "کہ حق سبحانہٗ و تعالیٰ عالم الغیب نہیں ہے" پر آپ کو جوش آجاتا ہے اور فرماتے ہیں: "میرے مخدوم! فقیر کو اس قسم کی باتیں سُننے کی طاقت ہرگز نہیں ہے، میری رگِ فاروقی (ایسی باتوں سے) بے اختیار جوش میں آجاتی ہے اور ایسے کلام کی تاویل و توجیہ کی فرصت نہیں دیتی۔ ان باتوں کا کہنے والا خواہ شیخ کبیر یمنی ہو یا شیخ اکبر شامی، ہمیں تو حضرت محمد عربی علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کا کلام (حدیث) درکار ہے نہ کہ محی الدین عربی، صدر الدین قونوی اور عبد الرزاق کاشی کا کلام، ہم کو نص (قرآن و حدیث) سے کام ہے نہ کہ فص (فصوص الحکم) سے، فتوحاتِ مدنیہ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث) نے ہم کو فتوحاتِ مکیہ سے بے نیاز کر دیا ہے۔"[3]

تصوف سے متعلق اکثر مکاتیب بہت دقیق ہیں جیسا کہ خود حضرت مجدد علیہ الرحمہ اپنے صاحبزادے حضرت خواجہ محمد معصومؒ کو تحریر فرماتے ہیں: "ہم نے اپنے معارف جدیدہ جو تم کو لکھے ہیں وہ تمہارے لئے ایک سبق کے بعد دوسرے سبق کی حیثیت رکھتے ہیں ان کا مطالعہ سرسری طور پر نہ کریں بلکہ بہت غور سے پڑھیں، شاید کہ ان معارف کے پوشیدہ اسرار تم پر کھل جائیں اور تمہارے لئے سعادت کا سرمایہ بن جائے۔"[4]

غالباً حضرت خواجہ محمد معصومؒ اسی مکتوب کے جواب میں حضرت مجدد علیہ الرحمہ کو تحریر فرماتے ہیں: ———

"اگرچہ پہلے کئی بار اس مکتوب کو پڑھا تھا لیکن گویا اس راز سے آگاہ کرنا مصلحتاً نہیں تھا اس لئے آنکھ بند کئے ہوئے اس مضمون سے گذر جاتا تھا اب (آپ کی) توجہ شریف سے امیدوار ہے کہ اس معما کا کوئی دریچہ کھل جائے گا الخ"[5]

مکتوبات شریف کی افادیت اور مقبولیت کا اس بات سے اندازہ کیجئے کہ وہ فارسی، عربی اور اردو زبانوں میں متعدد بار شائع ہو چکے ہیں۔ — مکتوبات بزبان فارسی حضرت مولانا نور احمد امرتسریؒ نے[6] جس محنت و کاوش سے شائع کئے وہ قابلِ تعریف ہیں۔ مولانا مرحوم نے جگہ جگہ ضروری تشریح کے لئے حواشی کا اضافہ کر کے مضامین کو آسان بنا دیا ہے۔ حق تعالیٰ مولانا مرحوم کو جزائے خیر عطا فرمائے آمین۔

---

[1] مکتوبات دفتر اول مکتوب ۲۹ [2] اول مکتوب ۱۴۹ [3] اول مکتوب ۱۰۰ [4] سوم مکتوب ۸۵ [5] مکتوبات معصومیہ دفتر اول مکتوب ۱۔

[6] اسی نسخہ کا عکس لیکر اسی بڑے سائز پر مخدومی حضرت ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خاں صاحب مدظلہ العالی نے شائع کیا ہے جو دستیاب ہے۔

مکتوبات شریفہ کے اردو مترجم بزرگوں نے جس محنت و جانفشانی سے تراجم کئے وہ قابلِ داد ہیں لیکن موجودہ حالات کے پیشِ نظر ضرورت تھی کہ ایک سلیس و با محاورہ ترجمہ ہو جو موجودہ دور کے تقاضوں کو بھی پورا کر سکے، اس ضرورت کی جانب بعض علمائے کرام نے اس عاجز کو متوجہ کیا۔ چنانچہ ان علمائے کرام میں حضرت مولانا سید محمد بدر عالم محدث میرٹھی مہاجر مدنی علیہ الرحمہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں جس کا اندازہ درج ذیل کے مکتوب سے ہو سکتا ہے جو حضرت موصوف نے اپنے آخری ایام میں مدینہ منورہ سے اس عاجز کے نام تحریر فرمایا تھا۔

وھو ھذا

از محمد بدر عالم عفی عنہ
المدینۃ المنورۃ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مکرم عنایت فرمایم جناب منشی محمد ارشاد صاحب سلمہ ربہ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کا محبت نامہ ملا تھا آدھا حصہ مشکل تھا امید ہے اس کتاب[1] کی تصحیح مولانا عزیزی صاحب نے مکمل کر دی ہوگی۔ جو کام آپ نے شروع کیا ہے وہ بہت مبارک ہے۔ [illegible] اسمیں آپ کا حافظ و ناصر ہو۔ صرف اتنا تو آپ خیال رکھیں ایک تصحیح کا دوسرے یہ کہ اسکے مضامین موجودہ پیدا شدہ فرقوں کیلئے اعتراض کا باعث نہ ہوں عزیزم افسوس ہے کہ صوفیائے کرام کا وجود دن بدن فنا ہو رہا ہے اور علم تصوف روز بروز رخصت ہو رہا ہے مولانا میاں مرحوم نے بھی حضرت شاہ اسمٰعیل کی چند منظوم کتابیں طبع کرا کے میرے نام ارسال کی تھیں مرحوم کو بھی یہی فکر دامنگیر تھا حضرت مجدد صاحب کی کتابوں میں سب سے صحیح مکتوبات شریفہ ہیں جو [illegible] کا خلاصہ ہیں اگر آپ پہلے توجہ کر کے اسکی جانب متوجہ ہو جائے تو بڑا کام [illegible] کا خلاصہ جس وجہ سے ہو [illegible] بھی سب خود ہی ضرور ہے۔ حضرت مجدد صاحب کے دیگر ملفوظات مخطوطات مخدوم [illegible] انکی جس کی تصحیح کیلئے کوئی آمادہ ہوتا ہے۔ [illegible] اور بجز اس کے کیا عرض کروں والحمد للہ اولاً و آخراً

(پیش نظر گرامی نامہ میں تاریخ درج نہیں لیکن غالباً اس کے بعد جو گرامی نامہ موصول ہوا اس میں ۴ ربیع الاول ۱۳۸۴ھ درج ہے)

[1] اس سے مراد "رسالہ تہلیلیہ" ہے۔

اگرچہ حضرت مولانا موصوف علیہ الرحمہ کی شفقت و محبت اس عاجز پر بہت زیادہ رہی ہے لیکن مندرجہ بالا مکتوب پر عاجز حیران تھا کہ اس قدر اہم کام اور یہ بے علم و عمل ناکارہ انسان، حضرت مولاناؒ نے ایسی بات کیسے تحریر فرمائی ——— چنانچہ اس بات پر ایک طویل عرصہ گذر گیا اور یہ عاجز کوئی عملی قدم نہ اُٹھا سکا۔ پھر کچھ عرصہ ہوا کہ محترم مولانا محمد سعید الرحمن صاحب علوی مدظلہ العالی ایڈیٹر خدام الدین لاہور نے تحریر فرمایا "حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کے مکتوبات کا صحیح ترین ترجمہ وقت کی شدید ضرورت ہے اس کی کوئی سبیل نکالیں" ——— آپ کی تحریر نے ایک طرح سے عاجز کو جھنجوڑ ڈالا اور عاجز نے مولانا موصوف کو جواب میں تحریر کیا کہ "عاجز جو کچھ کر سکتا ہے ضرور کرے گا لیکن فرمائیں کہ میں کیا کروں؟"۔

اس جواب کے بعد حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے خصوصی مدد و نصرت فرماتے ہوئے کام کرنے کی راہ سُجھادی اور خیال آیا کہ سیدی و مرشدی حضرت مولانا سید زوار حسین شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے جو سَو مکتوبات کا اردو ترجمہ[1] کیا تھا وہ محفوظ ہے، علاوہ ازیں آپ کی تالیف "حضرت مجدد الفِ ثانیؒ" میں بھی جگہ جگہ بکثرت مکتوبات کے اجزا کا ترجمہ موجود ہے لہٰذا ان کی روشنی میں بسم اللہ کر دی جائے اور جہاں ضرورت ہو وہاں دوستوں کو تکلیف دی جائے ——— چنانچہ کام شروع کئے ہوئے کچھ ہی عرصہ گذرا تھا کہ ایک مہربان دوست محترم جناب پروفیسر ڈاکٹر حافظ محمد عادل صاحب سہارنپوری مدظلہ العالی نے از خود بقیہ اجزا کے ترجمہ کی خدمت اپنے ذمہ لے لی ——— کیونکہ ترجمہ کا زیادہ تر حصہ اور تشریح و تعلیقات، نیز مکتوب الیہم اور دیگر بزرگوں کے تذکرے وغیرہ حضرت شاہ صاحبؒ کی کتاب سے استنباط کئے گئے ہیں اس لئے پیشِ نظر ترجمہ کو حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ کے نامِ نامی اسمِ گرامی سے شائع کیا جا رہا ہے۔

مکتوبات شریف کے دفترِ اول جس کا تاریخی نام "دُرّ المعرفت" ۱۰۲۵ھ ہے اور اس میں پیغمبرانِ مرسل اور اصحابِ بدر کی تعداد کے مطابق تین سو تیرہ (۳۱۳) مکتوبات ہیں، اس دفتر کو حضرت مولانا یار محمد جدید بدخشی طالقانی علیہ الرحمہ نے مرتب کیا ہے۔ جن کو ضخامت کی طوالت کے خیال سے دو حصوں میں تقسیم کر کے پہلے پیشِ نظر حصہ کو ایک سو اکہتر (۱۷۱) مکتوبات پر ختم کر دیا ہے۔ اگر حق تعالیٰ کی توفیق شاملِ حال رہی تو انشاء اللہ تعالیٰ

---

[1] مزید ترجمہ اس خیال سے نہیں کیا کہ مکتوبات شریف کے ترجمے تو بہرحال موجود ہیں لیکن مکتوباتِ معصومیہ کے ترجمہ کو تو کسی نے بھی ہاتھ نہیں لگایا۔ لہٰذا اس کو مقدم کرنا چاہیے۔ چنانچہ حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے بفضلہ تعالیٰ مکتوباتِ معصومیہ کے تینوں دفتروں کا اردو ترجمہ فرما دیا جس کو ادارۂ مجددیہ شائع کر چکا ہے اور دستیاب ہے۔

دوسرے حصے میں دفترِ اول کی تکمیل اسی انداز پر کی جائے گی ــــــ دفتر دوم[۲] میں اسماء الحسنیٰ کے مطابق ننانوے ۹۹ مکتوبات ہیں اس کو ایک حصہ میں ــــــ اور دفتر سوم[۳] جس میں قرآن مجید کی سورتوں کے مطابق ایک سو چودہ ۱۱۴ مکتوبات ہیں اس کو بھی ان شاء اللہ تعالیٰ ایک حصہ میں شائع کیا جائے گا۔ اس طرح مکتوبات کا پیش نظر ترجمہ چار جلدوں میں تکمیل کرنے کا ارادہ ہے وباللہ التوفیق۔

آخر میں یہ عاجز حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے حضور میں سجدۂ شکر ادا کرتا ہے کہ اُس نے اِس ناکارہ کو پیشِ نظر مکتوبات کی اشاعت کی توفیق بخشی ورنہ "کہاں میں اور کہاں یہ نکہتِ گل" لیکن حقیقت یہ ہے کہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ کا ہمیشہ اس عاجز پر اسقدر فضل وکرم رہا ہے اور ہے کہ اس پر جسقدر بھی شکر ادا کروں کم ہے ؎

گر بر تنِ من زباں شود ہر موئے　　　یک شکرِ تو از ہزار نتوانم کرد

حدیث شریف مَنْ لَّا یَشْکُرِ النَّاسَ لَا یَشْکُرُ اللّٰہَ (جو شخص لوگوں کا شکر ادا نہیں کرتا وہ اللہ تعالیٰ کا شکر بھی بجا نہیں لاتا) کے تحت عاجز کے لئے بھی ضروری ہے کہ پیشِ نظر ترجمہ سے متعلق اپنے دو ۲ محسن بزرگوں کی ارواحِ مقدسہ کی خدمت میں ہدیۂ تبریک پیش کرے، جن میں ایک بزرگ تو شیخنا و مرشدنا حضرت مولانا سید زوار حسین شاہ صاحب علیہ الرحمہ ہیں جن کی صحبت و برکت سے اس عاجز کو کام کرنے کی صلاحیت حاصل ہوئی۔ اور حقیقت یہ ہے کہ "ادارہ مجددیہ" حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ کے فیض ہی کا مرہونِ منت ہے اور آپ ہی کی تالیف و تصانیف کی برکت سے سرسبز و شاداب ہے ــ اور دوسرے بزرگ حضرت مولانا سید محمد بدر عالم صاحب محدث میرٹھی ثم المہاجر مدنی علیہ الرحمہ ہیں، جنھوں نے سب سے پہلے اس عاجز کو پیش نظر ترجمہ کی طرف توجہ دلائی جیسا کہ حضرت موصوف کے عکسی مکتوب سے ظاہر ہے، نیز آپ نے "ادارہ مجددیہ" نام تجویز فرمایا تھا یہ عاجز ایصالِ ثواب کے بعد اِن دونوں بزرگوں کے حق میں دعاگو ہے، حق سبحانہٗ وتعالیٰ ان کی جملہ کوششوں کو قبول فرماکر جنت الفردوس کے درجات میں سے اعلیٰ درجہ عطا فرمائے آمین

"خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں ان بزرگوں میں"

تیاری کے دوران بعض مقامات کے حل کے سلسلے میں مخدومی حضرت قبلہ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب مدظلہ العالی کے مشوروں سے مستفیض ہوتا رہا، نیز حضرت ڈاکٹر صاحب موصوف کا یہ عاجز

بہت ممنون ومشکور ہے کہ آپ نے اپنی انتہائی مصروفیات کے باوجود پیشِ نظر ترجمہ کو از اول تا آخر ملاحظہ فرماکر اس کی اصلاح فرمائی اور جو اشعار ترجمہ سے رہ گئے تھے ان کا اشعار میں ترجمہ فرماکر چار چاند لگادیئے، جزاہ اللہ احسن الجزاء۔

بعدازاں یہ عاجز ان سب بزرگوں اور دوستوں کا بھی شکریہ ادا کرتا ہے جنھوں نے اس مبارک کام کی ترغیب دلائی اور اس میں عاجز کا ہاتھ بٹایا اور اپنے قیمتی مشوروں سے نوازا۔ خصوصاً محترم حضرت مولانا محمد عبدالرشید صاحب نعمانی مدظلہ العالی نے بھی بعض دقیق مسائل کے حل میں عاجز کی بہت مدد فرمائی ۔ اور محترم جناب پروفیسر ڈاکٹر حافظ محمد عادل صاحب مدظلہ کا بھی بہت مشکور ہوں کہ آپ مسلسل اپنا قیمتی وقت دیکر کام کو آسان کررہے ہیں ۔ نیز محترم مخدوم زادہ حافظ سید فضل الرحمٰن صاحب مدظلہ العالی اور محترم قاری عبدالستار صاحب مدظلہ العالیٰ نے تصحیح وغیرہ فرماکر عاجز کے لئے مزید سہولت کا ساماں کردیا۔ حق سبحانہٗ وتعالیٰ ان سب حضرات کو دونوں جہان میں بیش از بیش ترقیاں عطا فرمائے، آمین۔

پیش نظر ترجمہ میں درج ذیل باتوں کا خاص طور پر خیال رکھا گیا ہے:۔

(۱) ہر صفحہ کی پیشانی پر "دفتر اور مکتوب نمبر" درج کردیا گیا ہے۔

(۲) جو مکتوبات عربی زبان میں ہیں ان کی پیشانی پر لفظ "عربی" درج کردیا ہے تاکہ معلوم ہوسکے کہ اصل مکتوب عربی زبان میں ہے، اور جس مکتوب میں "عربی وفارسی دونوں ہیں اس کی پیشانی پر "عربی وفارسی" لکھدیا ہے۔ نیز مکتوب کا نمبر ہندسوں کے علاوہ الفاظ میں بھی دیدیا ہے۔

(۳) ہر مکتوب جس صفحہ سے شروع ہوا ہے اس کے فٹ نوٹ میں مکتوب الیہ کا مختصر تعارف دیدیا ہے تاکہ معلوم ہوسکے کہ مکتوب الیہ کون بزرگ ہیں اور کس حیثیت کی شخصیت ہیں اور ان کے نام مکتوبات کی تعداد اور کس دفتر اور کس نمبر کے مکتوبات ہیں۔

(۴) مکتوب کے اندر بھی جن بزرگوں کا اسمِ گرامی آیا ہے ان کا مختصر تذکرہ اسی صفحے کے فٹ نوٹ میں دیدیا ہے البتہ جن حضرات کے حالات معلوم نہ ہوسکے وہاں خاموشی اختیار کرلی ہے۔

(۵) مکتوبات میں جو آیات مبارکہ آئی ہیں اُن کا حوالہ آیت کے ساتھ ہی دیدیا ہے اور ساتھ ہی ترجمہ بھی دیدیا گیا ہے۔

(۶) بعض اصطلاح کے معنی اصطلاح کے ساتھ ہی دیدیئے ہیں اور بعض کی تشریح فٹ نوٹ میں کردی گئی ہے۔

(۷) تخریج احادیث کی بھی کوشش کی گئی ہے اور مولانا نور احمد امرتسری علیہ الرحمہ کے حواشی سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔

(۸) مضامین کو واضح کرنے کے لئے حاشیہ پر بھی عنوانات قائم کردیئے گئے ہیں۔

(۹) کتاب کے آخر میں اشاریہ کو حسب ذیل عنوانات کے ساتھ مرتب کیا گیا ہے:۔

آیاتِ قرآنی ـــــ احادیث مبارکہ ـــــ عبادات ـــــ

مقولے ـــــ مصطلحات ـــــ اسماء الرجال ـــــ اسماء الاشیاء ـــــ

اسماء الکتب ـــــ اسماء البلاد ـــــ سنہ و ماہ وغیرہ بڑی کاوش سے ترتیب دیئے گئے ہیں۔

چونکہ پیشِ نظر مکتوبات کی ترتیب وتدوین وغیرہ کی ذمہ داری اس عاجز و نحیف پر رہے اس لئے قارئین کرام کی خدمت میں درخواست ہے کہ جہاں کہیں کوئی سقم یا غلطی محسوس کریں وہ اس عاجز کی نااہلی پر موقوف کرتے ہوئے عاجز کو مطلع فرماکر شکریہ کا موقع دیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی تصحیح کردی جائے۔ ؎

ہر کہ خواند دعائے طمع دارم زانکہ من بندۂ گنہگارم

احقر محمد اعلیٰ قریشی عفی عنہ

یکم صفر ۱۴۰۹ھ

۱۴ ستمبر ۱۹۸۸ء

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ اَضْعَافَ مَا حَمِدَهٗ جَمِيْعُ خَلْقِهٖ كَمَا يُحِبُّ رَبُّنَا وَيَرْضٰى وَ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنْ اَرْسَلَهٗ رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ كُلَّمَا ذَكَرَهُ الذَّاكِرُوْنَ وَكُلَّمَا غَفَلَ عَنْ ذِكْرِهِ الْغَافِلُوْنَ كَمَا يَنْبَغِيْ لَهٗ وَيَحْرٰى وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهِ الْبَرَرَةِ التُّقٰى وَالْاَتْقٰى ط۔

[ترجمہ: تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب (پالنے والا) ہے، تمام مخلوقات نے اس کی جو جو تعریفیں کی ہیں اس سے بھی بدرجہا بڑھ کر اس کی تعریف ہے ایسی تعریف جیسی کہ خود ہمارا رب چاہتا اور پسند کرتا ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کہ جن کو اللہ تعالیٰ نے تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے آپؐ کی شایانِ شان صلوٰۃ و سلام ہو جبتک کہ یاد کرنے والے آپؐ کو یاد کرتے رہیں اور غافلین آپؐ کی یاد سے غافل رہیں (یعنی ہمیشہ ہمیشہ آپؐ پر صلوٰۃ و سلام ہو) اور آپؐ کی تمام آل و اصحاب پر بھی (اسی طرح سے ہمیشہ ہمیشہ) صلوٰۃ و سلام ہو جو کہ سب کے سب نیک، صالح، متقی اور پاکباز ہیں۔]۔

اس کے بعد واضح ہو کہ یہ کتاب محققین کے غوث، عارفین کے قطب، ولایتِ محمدیؐ کی روشن دلیل، شریعتِ مصطفویؐ کی حجت، اسلام اور مسلمانوں کے پیشوا، ہمارے امام اور شیخ حضرت شیخ احمد (بن شیخ عبدالاحد قدس سرہٗ) فاروقی نقشبندی کو اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ سلامت رکھے اور ہمیشہ کی زندگی عطا فرمائے، آپ کے پاک نشانات والے مکتوباتِ گرامی کا یہ پہلا دفتر ہے جس کو اس پاکیزہ بارگاہ کی خاک پر بیٹھنے والوں (خادموں) میں سے ایک ادنیٰ ترین خادم، حقیر فقیر یار محمد[1] جدید بدخشی طالقانیؒ نے اس امید پر جمع کر کے تحریر کیا ہے کہ اس کا نفع حق تعالیٰ جل وعلا شانہٗ کے طالبوں کو پہنچے۔ یہ حقیر اللہ تعالیٰ سے (ہر قسم کی غلطیوں اور لغزشوں سے) حفاظت اور (اس کام کی تکمیل کی) توفیق مانگتا ہے۔

---

[1] حضرت مولانا یار محمد جدید بدخشی طالقانی علیہ الرحمہ صاحبِ علم و عرفان تھے۔ آپ نے حضرت مجددؒ سے بعض کتابیں پڑھیں اور عرصہ دراز تک حضرتؒ کی خدمت میں رہے۔ (نزہۃ الخواطر ج ۵ ص ۴۳۴)۔ آپ حضرت مجددؒ کے مخصوص خلفاء میں سے تھے، آپ نے باطنی سلوک حضرت مجددؒ کی خدمت میں کامل طور پر حاصل کر کے خلافت پائی، شریعت اور طریقت کے بڑے پابند تھے۔ آپ نے حضرت مجددؒ کے مکتوبات کا دفترِ اول مرتب کیا (روضۃ القیومیہ رکن اول، ص ۳۳۵)۔ مکتوبات شریف میں آپ کے نام صرف ایک مکتوب دفتر اول مکتوب ۱۹۰ ہے۔

مکتوب ۱ اول

ان احوال کے بیان میں جو (اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ ہیں) اسم الظّاہر[۱] کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں۔ اور توحید کی ایک خاص قسم کے ظہور اور ان عروجات کے بیان میں جو محدّد (عرش) کے اوپر واقع ہوئے ہیں اور بہشت کے درجات اور بعض اہل اللہ (اولیاء اللہ) کے مراتب کے ظاہر ہونے کے بارے میں اپنے بزرگ و محترم پیر و مرشد کی خدمت میں تحریر کیا، جو کہ خود کامل، اور دوسروں کو کامل کرنے والے ہیں، ولایت کے درجات سے مشرف، اور ایسے راستہ کی طرف ہدایت کرنے والے ہیں جس کی ابتدا میں انتہا شامل ہے، اور وہ پسندیدہ دین کی تائید کرنے والے ہمارے شیخ و امام حضرت شیخ محمد[۲] باقی نقشبندی[۳] احراری ہیں، اللہ تعالیٰ اُن کے پاکیزہ اسرار کو مزید پاکیزگی عطا فرمائے اور ان کو ان کی تمنا کے انتہائی درجے تک پہنچائے۔

۱؎ اللہ تعالیٰ کے جن ننانوے (۹۹) اسمائے حسنیٰ کا ذکر حدیث شریف میں آیا ہے ان میں سے ایک اسم الظاہر ہے، یہاں معارفِ اسم الظاہر سے مراد وہ معارف و تجلیات ہیں جو سالک کے ادراک و تعبیر میں آسکتی ہیں جیسا کہ تجلیاتِ اسماء و صفاتِ تعالیٰ و تقدس۔ اور اسم باطن کے معارف کہ مراد وہ تجلیات و معارف ہیں جو کہ بے چونی و بے کیفی کے باعث سالک کے ادراک سے بلند ہیں۔ اور یہ جو بعض عارفوں نے کہا ہے مَنْ عَرَفَ اللّٰهَ طَالَ لِسَانُهٗ (جس نے اللہ تعالیٰ کو پہچانا اس کی زبان دراز ہو گئی) یہ معرفت اسم الظاہر کے معارف سے وابستہ ہے، اور یہ جو بعض عارفوں نے فرمایا مَنْ عَرَفَ اللّٰهَ كَلَّ لِسَانُهٗ (جس نے اللہ تعالیٰ کو پہچانا اس کی زبان گونگی ہو گئی) یہ معرفت اسم باطن کے معارف سے وابستہ ہے۔

۲؎ آپ کا اسم گرامی رضی الدین محمد باقی معروف بہ خواجہ باقی باللہ اور خواجہ بیرنگ بھی کہتے ہیں۔ آپ کے والد قاضی عبد السلام خلجی سمرقندی کابل کے مشہور عالم باعمل اور صاحبِ وجد و حال بزرگ تھے۔

حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ کی ولادت باسعادت ۹۷۱ھ شہر کابل میں ہوئی۔ بچپن ہی سے بزرگی و تقدس کے آثار آپ کی پیشانی نورافشانی سے ظاہر تھے۔ پانچ سال کی عمر ہوئی تو آپ کو خواجہ سعد کے مدرسہ میں بٹھا دیا گیا اور آٹھ سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ فرما لیا اور نماز روزے کے ضروری مسائل بھی یاد کر لئے۔ اس کے بعد آپ نے کابل کے مشہور عالم مولانا صادق حلوائی سے تلمذ اختیار کیا اور اُنہی کے ہمراہ ماوراء النہر تشریف لے گئے اور تھوڑے ہی عرصہ میں آپ نے مولانا حلوائی کے شاگردوں میں ممتاز درجہ حاصل کر لیا (باقی بر صفحہ آئندہ)

اسم الظاہر کی تجلیات کا ظہور

عریضہ: آنجناب کا ادنیٰ ترین خادم، احمد آپ کی بلند بارگاہ میں عرض کرتا ہے اور آنجناب کے ارشادِ گرامی کے مطابق اپنے پریشان حالات حضور کی خدمتِ[۱] عالیہ میں پیش کرنے کی گستاخی کرتا ہے کہ راہِ سلوک طے کرنے کے دوران (حق سبحانہٗ وتعالیٰ اس خادم پر) اسم الظاہر کی تجلی کے ساتھ (مختلف مظاہر میں) جلوہ گر ہوا، یہاں تک کہ تمام اشیاء میں خاص تجلّی کے ساتھ علیحدہ علیحدہ ظاہر ہوا، خاص طور پر عورتوں کے لباس میں بلکہ اُن کے اعضا میں جدا جدا ظاہر ہوا، اور میں اس گروہ (عورتوں) کا اسقدر مطیع وفرمانبردار ہوا کہ کیا عرض کروں، اور میں اس طاعت وفرمانبرداری میں بے اختیار تھا۔ (اسم الظاہر کی تجلّی کا) جو ظہور کہ اس لباس (یعنی طبقۂ مستورات) میں ہوا ایسا اور کسی جگہ میں نہیں ہوا، جسقدر عمدہ وپاکیزہ خصوصیات اور عجیب وغریب خوبیاں اس لباس میں ظاہر ہوئیں اتنی کسی اور مظہر میں ظاہر نہیں ہوئیں، میں اُن کے سامنے پگھل کر پانی پانی ہوا جاتا تھا اور اسی طرح

(بقیہ حاشیہ از صفحۂ گذشتہ) بعد ازاں "مردِ کامل" کی تلاش آپ کو مختلف ممالک میں لے گئی۔ آخر حضرت خواجہ امکنگی قدس سرہ کی بیعت واجازت سے مشرف ہوکر ہندوستان تشریف لے آئے۔ دہلی پہنچنے کے بعد روحانی حلقوں میں بہت جلد آپ کی شہرت ہوگئی اور بہت سے امرائے شاہی بھی آپ کے معتقد ہوگئے۔ ۱۰۰۸ھ میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ بھی آپ سے بیعت ہوکر خلافت واجازت سے مشرف ہوئے۔ آپ نے بروز ہفتہ ۲۵ جمادی الاخری ۱۰۱۲ھ میں اس دارِ فانی سے عالمِ جاودانی کی طرف رحلت فرمائی۔

آپ کا مزار دہلی (ہندوستان) میں مرجع عوام وخواص ہے۔ "بحرِ معرفت" سے تاریخِ وفات نکلتی ہے۔ پسماندگان میں دو صاحبزادے خواجہ عبید اللہ عُرف خواجہ کلاں اور خواجہ عبد اللہ عُرف خواجہ خورد تھے۔ خلفائے کرام میں حضرت مجدد الفِ ثانیؒ، شیخ تاج سنبھلیؒ اور خواجہ حسام الدینؒ مشہور ہیں۔ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم۔

مکتوبات شریف کے جامع نے حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کی خدمت میں ارسال کردہ جملہ عریضے جن کی تعداد بیس[۲۰] ہے ادباً واحتراماً مکتوبات کے شروع میں مسلسل درج کئے ہیں جو پیشِ نظر ہیں۔

[۳] نقشبندی، منسوب بہ خواجۂ خواجگان حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند بخاری قدس سرہ العزیز جو کہ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ قدس اللہ اسرارہم کے مقتدا وپیشوا ہیں ـــ احراری منسوب بخواجہ عبید اللہ احرارؒ ہیں جو کہ سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ کے ایک جلیل المرتبہ بزرگ گذرے ہیں۔

(حاشیہ صفحۂ ہذا) [۱] جاننا چاہیئے کہ سالکین کو راہِ سلوک طے کرنے کے زمانے میں مختلف قسم کے حالات و واردات اپنے اپنے مزاج اور طبیعت کے مطابق پیش آتے ہیں، مرید کے لئے ضروری ہے کہ وہ ان حالات و واردات کو اپنے پیرو مرشد کی خدمت میں عرض کردیا کرے۔

اسم الظاہر کی تجلّی کا ظہور ہر کھانے پینے اور پہننے کی چیز میں الگ الگ ہوا، جو عمدگی و خوبی، لذیذ اور پُر تکلف کھانے میں تھی وہ کسی اور کھانے میں نہ تھی، اور میٹھے پانی میں بھی دوسرے (یعنی کھاری) پانی کے مقابلہ میں یہی فرق تھا بلکہ ہر لذیذ و شیریں چیز میں خصوصیاتِ کمال میں سے اپنے اپنے درجے کے مطابق الگ الگ ایک خصوصیت تھی، یہ خادم اس تجلّی کی خصوصیات کو بذریعہ تحریر عرض نہیں کر سکتا اگر آنجناب کی خدمتِ عالیہ میں حاضر ہوتا تو شاید عرض کر سکتا لیکن ان تجلّیات کی جلوہ گری کے زمانے میں یہ خادم رفیق اعلیٰ[1] (یعنی محبوبِ حقیقی حق تعالیٰ جلّ شانہٗ) کی آرزو رکھتا تھا اور حتی الامکان ان ظہورات کی طرف متوجہ نہیں ہوتا تھا لیکن چونکہ مغلوب الحال تھا اس لئے (اس تجلی کے اثرات سے متأثر ہوئے بغیر) کوئی چارہ نہیں تھا۔ اسی اثنا میں معلوم ہوا کہ یہ تجلّی اس (سابقہ) نسبتِ تنزیہی کے مخالف نہیں ہے باطن اُسی طرح اس نسبتِ تنزیہی میں گرفتار ہے اور ظاہر کی طرف بالکل بھی متوجہ نہیں ہے۔ اور ظاہر کو جو کہ اس نسبتِ تنزیہی سے خالی اور بیکار تھا (اسم الظاہر کی) اس تجلّی سے مشرف فرمایا گیا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ میں نے ایسا ہی پایا ہے کہ باطن ہرگز کجیٔ نظر میں مبتلا نہیں ہے اور وہ تمام معلومات و ظہورات سے منہ پھیرے ہوئے ہے اور ظاہر جو کہ کثرت اور دُوئی کی طرف متوجہ تھا اِن تجلیات کے ساتھ سعادت مندی کا طالب ہوا ہے۔ کچھ مدت کے بعد یہ تجلّیات پوشیدہ ہو گئیں اور وہی (سابقہ) حیرت و نادانی (جہل) کی نسبت اپنی حالت پر قائم رہ گئی اور یہ سب تجلیات اس طرح پوشیدہ ہو گئیں گویا کہ کبھی تھی ہی نہیں۔ اور اس کے بعد ایک خاص قسم کی فنا ظاہر ہوئی اور اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ تعیّنِ علمی جو کہ تعیّنِ (ذاتی) سے واپس لوٹنے کے بعد ظاہر ہوا تھا وہ اس فنا میں گم ہو گیا اور کوئی اثر باقی نہیں رہا کہ جس پر انانیت و نفسانیت کا گمان ہو سکے اس وقت حقیقی اسلام کے آثار رُونما ہونے لگے اور شرکِ خفی (یعنی ریاکاری و نفسانی خواہشات کی پیروی) کے نشانات مٹ جانے کی علامات ظاہر ہونے لگیں، اور اسی طرح اپنے اعمال کو ناقص سمجھنا اور اپنی نیتوں و ارادوں کو تہمت زدہ جاننا ظہور میں آنے لگا، غرضکہ عبودیت (بندگی) اور نیستی (فنائیت) کی بعض علامات پھر سے (دوبارہ) ظاہر ہوئی ہیں، حق سبحانہٗ وتعالیٰ آنجناب کی توجہ کی برکت سے بندگی کی حقیقت تک پہنچائے ــــــ اور محدِّد (عرش) پر بہت دفعہ عروج واقع ہوتے ہیں۔

---

[1] اللہ تعالیٰ کے لئے رفیق کا لفظ حدیث میں وارد ہے: ان اللہ رفیق یحب الرفق فی الامر (یعنی اللہ تعالیٰ نرم خو ہے اور معاملات میں نرمی ہی کو پسند فرماتا ہے) نزع کے وقت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک پر یہ کلمات تھے: اَللّٰھُمَّ بِالرَّفِیْقِ الْاَعْلٰی (اے اللہ! مجھے رفیقِ اعلیٰ (محبوبِ حقیقی) سے ملا دے)

عروج

پہلی مرتبہ جو عروج[۱] واقع ہوا اور مسافت طے کرنے کے بعد جب عرش کے اوپر پہنچا تو دار الخلد یعنی بہشت اپنے متعلقات کے ساتھ مشہود ہوا، اس وقت دل میں خیال آیا کہ وہاں (بہشت میں) بعض اشخاص کے مقامات کا مشاہدہ کروں، جب میں اس امر کی طرف متوجہ ہوا تو اُن اشخاص کے مقامات نظر آئے اور ان اشخاص کو بھی ان کے مکان و مرتبہ اور شوق و ذوق کے اعتبار سے اپنے اپنے مرتبہ کے مطابق ان مقامات میں دیکھا۔

دوسری مرتبہ پھر عروج واقع ہوا۔ بڑے بڑے مشائخ، ائمۂ اہل بیت و خلفائے راشدین کے مقامات اور حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاص مقام اور اسی طرح باقی تمام انبیاء و رُسل (علیہم السلام) کے مقامات، اُن کے مرتبوں کے فرق کے مطابق اور فرشتوں کی بلند ترین جماعت کے مقامات عرش کے اوپر مشاہدہ میں آئے اور اس قدر عروج واقع ہوا کہ مرکزِ زمین سے عرش تک یا اس سے کچھ کم، اور حضرت خواجۂ نقشبند[۲] قدس اللہ تعالیٰ سرہ الاقدس (اللہ تعالیٰ ان کے پاکیزہ ترین اسرار کو اور بھی پاکیزہ بنائے) تک پہنچ کر ختم ہوا۔ اور اس مقام کے اوپر بلکہ معمولی سی بلندی کے ساتھ اُسی مقام میں چند مشائخ مثلاً شیخ معروف کرخی[۳] اور شیخ ابو سعید خراز[۴] (رحمہما اللہ) تھے اور باقی مشائخ میں سے بعض

۱؎ عروج سے مراد سالک کا حق تعالیٰ کی ذات و صفاتِ عالیہ کے مشاہدہ میں مستغرق ہو جانا اور مخلوق سے منقطع ہونا ہے۔

۲؎ حضرت خواجۂ خواجگان سید بہاؤ الدین نقشبند بخاری قدس سرہ سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ کے امام و پیشوا ہیں۔ کمخواب بافی کے پیشے یا اللہ تعالیٰ کا نقش دلوں پر بٹھانے کی وجہ سے آپ نقشبند مشہور ہوئے اور اسی وجہ سے اس طریقہ کو نقشبندیہ کہتے ہیں۔ بظاہر حضرت امیر کلال علیہ الرحمہ سے فیض یافتہ تھے۔ صحابۂ کرام علیہم الرضوان کے طریقے کے مطابق یہ طریقہ آپ پر فائض ہوا۔ بخارا سے تین میل کے قریب قصبہ قصرِ ہندوان میں آپ کی ولادت محرم ۷۱۸ھ میں ہوئی اور وہیں شب دوشنبہ ۳ ربیع الاول ۷۹۱ھ میں وفات پائی۔ "قصرِ عرفان" کے اعداد سے سالِ وصال برآمد ہوتا ہے۔

۳؎ حضرت شیخ معروف کرخی قدس سرہٗ اولیائے کرام و قدمائے مشائخ میں سے ہیں، کنیت ابو محفوظ والد ماجد کا نام فیروز یا فیروزان ہے۔ حضرت داؤد طائیؒ سے مصاحبت رکھتے تھے۔ ۲۰۰ھ بغداد میں اس دار فانی سے رحلت فرمائی۔

۴؎ شیخ ابو سعید خراز قدس سرہٗ اولیائے کرام میں سے ہیں، آپ کا اسم گرامی احمد بن عیسیٰ اور لقب خراز ہے۔ کہتے ہیں کہ ایک روز موزہ سیتے اور پھر ادھیڑتے تھے۔ لوگوں نے پوچھا یہ کیا ہے؟ فرمایا "اس سے قبل کہ نفس مجھے مشغول کرے میں نفس کو مشغول کرتا ہوں۔ اصلاً بغدادی تھے صوفیائے کرام کی صحبت میں مصر چلے گئے پھر مکہ مکرمہ میں مجاور ہو گئے، بڑے جلیل المرتبہ بزرگ ہوئے ہیں۔ آپ کے معقولات میں سے ہے رِیَاءُ الْعَارِفِيْنَ خَيْرٌ مِّنْ إِخْلَاصِ الْمُرِيْدِيْنَ۔ ۲۸۶ھ میں وفات پائی۔
(عارفوں کی ریا (دکھاوا) مریدوں کے اخلاص سے بہتر ہے)

حضرات اس مقام سے نیچے اپنے مقامات رکھتے تھے اور بعض مشائخ اسی مقام میں تھے لیکن ذرا نیچے تھے مثلاً شیخ علاؤ الدولہ[1] و شیخ نجم الدین کبریٰ[2] (رحمہما اللہ)، اور اس مقام سے اوپر ائمہ اہل بیت کے مقامات تھے اور ان کے اوپر خلفائے راشدین کے مقامات تھے رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین (اللہ تعالیٰ ان سب سے راضی ہو)، اور باقی تمام انبیائے کرام علیٰ نبینا و علیہم الصلوٰۃ والسلام کے مقامات آنسرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام سے ایک طرف علیحدہ تھے، اور اسی طرح ملائکہ مقربین صلوات اللہ وسلامہ علیٰ نبینا و علیہم اجمعین کے مقامات اس مقام کے دوسری طرف علیحدہ تھے، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام تمام مقامات سے بلند و برتر تھا، اور اللہ تعالیٰ ہی تمام امور کے حقائق کو پوری طرح جانتا ہے ـــ اور جس وقت میں چاہتا ہوں اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کی عنایت سے عروج واقع ہو جاتا ہے اور بعض اوقات بلا ارادہ بھی عروج واقع ہو تا ہے اور کوئی دوسری چیز بھی مشاہدہ میں آجاتی ہے اور بعض عروجوں کے نتائج و احکام بھی ظاہر ہو جاتے ہیں اور اکثر چیزیں بھول جاتی ہیں اور میں بہت چاہتا ہوں کہ بعض حالات کو لکھ لوں (نوٹ کر لوں) تاکہ آنجناب کی خدمت میں عریضہ لکھتے وقت یاد آجائیں لیکن یہ بات حاصل نہیں ہوتی کیونکہ یہ امور حقیر اور ہیچ نظر آتے ہیں کہ ان سے توبہ استغفار کرنا ہی مناسب ہے چہ جائیکہ ان کو لکھا جائے۔ اس عریضے کے لکھتے وقت بھی بعض چیزیں یاد تھیں لیکن عریضہ ختم کرنے تک یاد نہیں رہیں ورنہ لکھی جاتیں اس لئے زیادہ گستاخی نہیں کی۔

ملا قاسم علی[3] کی حالت بہتر ہے اس پر استہلاک اور استغراق (فنا و محویت) کا غلبہ ہے اور اس نے جذبہ (سیر انفسی) کے تمام مقامات سے اوپر قدم رکھا ہے پہلے وہ صفات کو اصل (اپنی ذات) سے دیکھتا تھا اب اس کے باوجود صفات کو اپنے آپ سے جدا دیکھتا ہے اور اپنے آپ کو بالکل خالی پاتا ہے بلکہ اس نور کو بھی جس کے ساتھ صفات قائم ہیں اپنے آپ سے جدا دیکھتا ہے اور خود کو اس نور سے ایک طرف (الگ) پاتا ہے اور دوسرے دوستوں کے حالات بھی روز بروز بہتری و ترقی پر ہیں، انشاء اللہ العزیز دوسرے عریضے میں یہ خادم مفصل عرض کرے گا۔

۱؎ شیخ رکن الدین علاء الدولہ احمد بن محمد البیانکی قدس سرہ سمنان کے بادشاہوں میں سے تھے ۶۵۹ھ میں ولادت ہوئی۔ شیخ نور الدین عبد الرحمٰن سے صاحب اجازت ہوئے۔ کہتے ہیں کہ آپ نے اپنی عمر میں دو سو سے زیادہ چلے کئے۔ شب جمعہ ۲۲ رجب ۷۳۶ھ میں وفات پائی۔

۲؎ شیخ نجم الدین کبریٰ کی کنیت ابو الجناب، اسم گرامی احمد بن عمر اور لقب کبریٰ ہے۔ کہتے ہیں کہ وجد کی حالت میں آپ کی نظر جس پر پڑ جاتی تھی وہ ولایت کے درجہ تک پہنچ جاتا تھا۔ چنگیزی لشکر سے لڑتے ہوئے ۶۱۸ھ میں شہادت پائی۔

۳؎ ملا قاسم علیؒ کے نام صرف ایک مکتوب ۱۱۸ دفتر اول میں ہے نیز آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوبات ۱۱۰ و ۱۲۰ میں بھی ہے۔

مکتوب ۲ دوم

ترقیات کے حاصل ہونے اور اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کی عنایات پر فخر کرنے کے بیان میں اپنے بزرگوار پیر و مرشد قدس سرہ العزیز کی خدمت میں تحریر کیا۔

عریضہ: آنجناب کا کمترین غلام وخادم احمد آپ کی بلند بارگاہ میں عرض کرتا ہے کہ مولانا شاہ محمد[1] نے رمضان شریف کے مبارک مہینے کے قریب آنجناب کی جانب سے استخارہ کا حکم پہنچایا، اسقدر فرصت نہ ملی کہ ماہِ مبارک رمضان شریف تک آنجناب کی آستانہ بوسی سے مشرف ہوسکتا، ناچار رمضان المبارک کے گزرنے پر (حاضری کے ارادہ سے) اپنے آپ کو تسلی دی، حضور کی بلند توجہات کی برکت سے اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کی جو مہربانیاں اور عنایتیں ہر وقت اس خاکسار پر مسلسل اور پے در پے وارد ہورہی ہیں ان کے متعلق کیا عرض کرے۔ شنوی ؎

من آں خاکم کہ ابرِ نوبہاری　　کند از لطف بر من قطرہ باری
اگر بر روید از تن صد زبانم　　چو سبزہ شکر لطفش کے توانم

ترجمہ
(میں وہ مٹی ہوں جس پہ ابرِ کرم　　گوہر افشاں ہے اپنی بارش کا
مثلِ سبزہ ہوں سَو زباں بھی　　کس طرح اس کا شکر ہوگا ادا)

اگرچہ اس قسم کے احوال کا ظاہر کرنا جرأت وگستاخی کا وہم پیدا کرتا ہے اور فخر ومباہات کی خبر دیتا ہے ؎

ولے چوں شہ مرا برداشت از خاک　　سزد گر بگذرانم سر ز افلاک

ترجمہ (اٹھایا شہ نے جب مٹی سے مجھ کو　　بجا ہے سر کروں اونچا فلک سے)

اس خادم کو عالم صحو[2] وبقا کی ابتدا ماہ ربیع الآخر کے آخری دنوں سے حاصل ہے اور اب تک ہر ایک مدت میں کسی خاص بقا کے ساتھ مشرف فرماتے ہیں۔ ابتدا حضرت شیخ محی الدینؒ[3] کی تجلّیٔ ذاتی سے ہوئی ہے

عالم صحو وبقا کی سیر

۱؎ مکتوبات شریف میں مولانا شاہ محمد کے نام صرف ایک مکتوب دفتر دوم مکتوب ۵۴ ہے لیکن اس میں مولانا کی بجائے سید کا لفظ درج ہے ― ۲؎ صحو بالفتح، ہوشیار ہونا ― ۳؎ مراد شیخ محی الدین ابن عربیؒ

؎ حدیث شریف میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم استخارے کا بڑا اہتمام فرماتے تھے آپ کا ارشاد ہے کہ ابن آدم کی سعادت اس بات میں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے استخارہ (طلب خیر) کرتا رہے اور یہ اس کی بدبختی ہے کہ وہ استخارہ ترک کردے (رواہ الترمذی والحاکم فی المستدرک)

کبھی صحو میں لاتے ہیں کبھی پھر سُکر[1] میں لے جاتے ہیں اور اس نزول[2] وعروج[3] میں عمدہ اور نئے نئے علوم اور عجیب وغریب معارف کا فیضان و ورود فرماتے ہیں اور ہر مرتبہ میں خاص مشاہدہ واحسان (اخلاص) کے ساتھ مشرف فرماتے ہیں جو کہ اسی مقام کی بقا کے مناسب ہے۔

رمضان المبارک کی چھٹی تاریخ کو ایسے بقا سے مشرف فرمایا اور ایسا احسان واخلاص میسر ہوا کہ یہ خادم کیا عرض کرے۔ جانتا ہے کہ استعداد کی انتہا وہیں تک ہے اور وہ وصل بھی جو کہ اس خادم کے حال کے مناسب تھا اس مقام میں حاصل ہو گیا ہے اور مقامِ جذبہ کی جہت اب پوری ہو گئی ہے اور سیر فی اللہ[4] میں جو کہ مقامِ جذبہ[5] کے مناسب ہے اس خادم کی سیر شروع ہو گئی ہے، فنا جتنی زیادہ کامل ہو گی اس پر قائم ہونے والی بقا بھی اسی قدر زیادہ کامل تر ہو گی اور بقا جسقدر زیادہ کامل ہو گی صحو بھی اسی قدر زیادہ ہو گا اور جس قدر زیادہ صحو حاصل ہو گا علومِ باطنی کا فیضان و ورود بھی شریعتِ حقہ کے موافق زیادہ ہو گا کیونکہ کمال درجہ کا صحو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو حاصل تھا اور جو معارف و علوم انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے ظاہر ہوئے ہیں وہ شریعت کے احکام اور وہ عقائد ہیں جو کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کے بارے میں انھوں نے بیان فرمائے ہیں اور ان احکام وعقائد کے ظاہر کی مخالفت بقیۂ سکر کی وجہ سے ہے۔ اس وقت جو معارف وعلوم اس خاکسار پر جاری ہوئے وہ زیادہ تر معارف وعلومِ شرعیہ کی تفصیل اور ان کا بیان ہے اور استدلالی[6] علم کشفی وضروری علم بنتا جاتا ہے اور مجمل علم مفصل ہوتا جاتا ہے۔ ع

گر بگویم شرح ایں بیحد شود (ترجمہ) (گر کروں شرح حد سے باہر ہے)

ڈرتا ہوں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ گستاخی تک نوبت پہنچ جائے۔ ع

بندہ باید کہ حدِ خود داند (چاہیے بندہ اپنی حد میں رہے)

---

[1] سُکر بالضم، مست ہونا ——— [2] نزول سے مراد، اپنی تکمیل کے بعد دوسروں کی تکمیل وارشاد کے لئے مخلوق کی طرف متوجہ ہونا۔ اصطلاح میں اس کو سیر عن اللہ باللہ کہتے ہیں، مراتبِ نزول کی انتہا مقامِ قلب تک ہے اور ارشاد و تکمیل اس مقام تک واپس آنے سے تعلق رکھتی ہے ——— [3] عُرُوج بضمتین، اوپر کے مقام میں ترقی کرنا اور ذات و صفاتِ عالیہ کے مشاہدہ میں مستغرق ہو کر مخلوقات سے منقطع ہونا جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔

[4] سیرِ فی اللہ سے مراد اسماء وصفات وشیون واعتبارات وتقدیسات اور تنزیہات کے مراتبِ وجوب میں حرکتِ علمیہ ہے اور اس سیر کو بقا باللہ بھی کہتے ہیں ——— [5] مقام جذبہ سے مراد سیرِ انفسی ہے اور اسی کو سیر فی اللہ بھی کہتے ہیں ——— [6] علمِ استدلالی وہ علم ہے جو دلیل کے ذریعے سے حاصل ہوتا ہے اور کشفی وہ علم ہے جو کشف کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے*

* ضروری منسوب بضرورت ہے بمعنی بداہت یعنی وہ علم جو بداہت کے طور پر حاصل ہو اور دلیل وفکر کا محتاج نہ ہو مجمل سے مفصل ہونا یعنی وہ علم جو پہلے اجمال واختصار کے طور پر حاصل ہو پھر تفصیل کے ساتھ حاصل ہو جائے۔

مکتوب ۳ سوم

بعض دوستوں کے ایک خاص مقام پر رُک جانے اور بعض دوستوں کے اس مقام سے گذر کر تجلّیٔ ذاتی کے مقامات میں پہنچ جانے کے بارے میں، یہ عریضہ بھی اپنے پیرو مرشد بزرگوار کی خدمت میں تحریر کیا۔

بعض احباب کے حالات

عریضہ: (گذارش) یہ ہے کہ سلسلۂ طریقت کے جو دوست یہاں ہیں اور اسی طرح جو دوست وہاں ہیں، ہر ایک کسی نہ کسی مقام میں رُکا ہوا ہے، اُن کو ان مقامات سے نکالنے کا معاملہ سخت مشکل ہے، یہ خادم اس قدر طاقت اپنے اندر نہیں پاتا جو اس مقام کے مناسب ہے، حق سبحانہٗ وتعالیٰ آنجناب کی توجہاتِ عالیہ کی برکت سے ترقی عطا فرمائے۔ اس خادم کے متعلقین میں سے ایک شخص اس مقام سے ترقی حاصل کرکے تجلیاتِ ذاتی کی ابتدا تک پہنچ گیا ہے اس کی حالت بہت اچھی ہے اس خادم کے قدم پر قدم رکھتا ہے، دوسرے متعلقین کے بارے میں بھی یہ خادم امیدوار ہے۔ ——— وہاں کے بعض دوسرے دوست مقربین[1] کے طریقہ سے مناسبت نہیں رکھتے اُن کے حال کے موافق ابرار[2] کا طریقہ ہے، مختصر یہ کہ جو یقین انھوں نے حاصل کیا ہے وہ بھی غنیمت ہے، ان کو اسی طریقۂ ابرار کے ساتھ حکم فرمانا چاہیئے۔ ع

ہر کسے را بہر کارے ساختند (ترجمہ) (ہر کسی کے واسطے ایک کام ہے)

ان احباب کے نام مفصل طور پر لکھنے کی جرأت نہیں کی، کیونکہ آنجناب سے پوشیدہ نہیں ہوں گے اس لئے زیادہ گستاخی نہ کی ——— اس عریضے کے لکھنے کے دن میر سید شاہ حسین نے اپنے مراقبہ کی حالت میں ایسا دیکھا کہ گویا وہ ایک بڑے دروازے پر پہنچا ہے اس کو بتایا گیا ہے کہ یہ دروازۂ حیرت ہے (سید شاہ حسین کہتا ہے کہ) جب میں اس کے اندر کی طرف نظر کرتا ہوں تو آنجناب (حضرت خواجہ باقی باللہؒ) کو اور آپ (حضرت مجدد صاحبؒ) کو دیکھتا ہوں اور میں بہت ہی کوشش کرتا ہوں کہ اپنے آپ کو اس کے اندر داخل کروں لیکن میرے پاؤں ساتھ نہیں دیتے۔

---

[1] مقربین، جمع مقرّب اسم مفعول بمعنی نزدیک کیا ہوا، یعنی جو حق تعالیٰ کا قرب حاصل کئے ہوئے ہوں، ان کا طریقہ محبت وعشق اور ذکر وفکر، مراقبہ ومشغولیٔ باطن، استہلاک واستغراق، بقا وفنا اور حق سبحانہٗ کے غیر سے اپنے باطن کو پوری طرح مجرد والگ رکھنا ہے۔

[2] ابرار، بالفتح جمع بارّ بمعنی نیکی کرنے والے لوگ، ان کا طریقہ کثرتِ عبادت یعنی نماز روزہ وغیرہ میں کثرت سے مشغول رہنا۔

مکتوب ۴ چہارم

بڑی قدر و شان والے ماہِ مبارک ماہِ رمضان کی فضیلتوں کے بیان میں اور حقیقتِ محمدی علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے بیان میں۔ یہ عریضہ بھی اپنے پیر و مرشد بزرگوار کی خدمت میں لکھا۔

عریضہ: آنجناب کا کمترین خادم گذارش کرتا ہے کہ مدّت سے حضور کا کوئی گرامی نامہ صادر نہیں ہوا جس کی وجہ سے اس بلند بارگاہ کے خادموں کی کوئی اطلاع موصول نہیں ہوئی، ہر وقت انتظار ہے۔ ماہِ مبارک رمضان شریف کا آنا مبارک ہو، اس مبارک مہینے کو قرآن مجید کے ساتھ جو کہ تمام ذاتی و شیونی کمالات کا جامع ہے اور اس دائرہ اصل میں داخل ہے جس میں کسی ظلّیت و فرعیّت کو دخل نہیں ہے اور قابلیتِ اولیٰ یعنی حقیقتِ محمدیہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کا ظلّ ہے جس کو کامل مناسبت حاصل ہے اور اسی مناسبت کی وجہ سے قرآن مجید کا نزول اسی ماہِ مبارک میں واقع ہوا ہے۔ آیۂ کریمہ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيٓ أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ (بقرہ آیت ۱۸۵۔ رمضان المبارک وہ مہینہ ہے جس میں قرآن مجید نازل ہوا) میں اسی بات کا بیان ہے، اور اسی مناسبت کی وجہ سے یہ مہینہ بھی تمام بھلائیوں اور برکتوں کا جامع ہے، جو برکت اور بھلائی تمام سال میں جس کسی شخص کو اور جس راستہ سے بھی پہنچتی ہے وہ اس عظیم الشان ماہِ مبارک کی برکتوں کے بے پایاں سمندر کا ایک قطرہ ہے، اور اس ماہِ مبارک میں دل جمعی کا حاصل ہونا تمام سال کی جمعیت حاصل ہونے کا سبب ہے اور اس ماہ مبارک کا تفرقہ (انتشار و پراگندگی) تمام سال کے تفرقہ کا سبب ہے۔ "پس اس شخص کے لئے خوشخبری ہے جس پر یہ مہینہ اس حالت میں گذر گیا کہ وہ اس سے راضی و خوش ہوا اور اس شخص کے لئے ہلاکت ہے جس پر یہ مہینہ ناراض ہوا اور وہ شخص اس ماہِ مبارک کی خیرات و برکات سے محروم رہا"۔ اور ہو سکتا ہے کہ قرآن مجید کا ختم کرنا اس ماہ مبارک میں اسی لئے سنت ہوا ہو تاکہ تمام اصلی کمالات[1] اور ظلّی برکات[2] حاصل ہو جائیں۔ پس جس نے ان دونوں (یعنی کمالاتِ اصلی و برکاتِ ظلّی) کو جمع کیا امید ہے کہ وہ اس ماہِ مبارک کی برکتوں اور نیکیوں سے محروم نہیں رہے گا ——— جو برکتیں اس ماہِ مبارک کے

رمضان المبارک کے فضائل

---

[1] کمالاتِ قرآن مجید۔ [2] وہ برکات جو قرآن مجید کے اس ماہِ مبارک میں نازل ہونے سے تعلق رکھتے ہیں۔

دِنوں سے وابستہ ہیں وہ اَور ہیں اور جو برکتیں اس ماہِ مبارک کی راتوں سے تعلق رکھتی ہیں وہ اور ہیں۔ اور ہو سکتا ہے کہ روزہ کے افطار[3] میں جلدی کرنا اور سحری کھانے میں تاخیر کرنا افضل و اولیٰ ہونے کا حکم اسی حکمت کی وجہ سے ہو، تاکہ دونوں وقتوں کے اجزاء کے درمیان پوری طرح امتیاز حاصل ہو جائے۔

قابلیتِ اولیٰ جس کا اوپر ذکر ہو چکا ہے اور جس کو حقیقتِ محمدی بھی کہتے ہیں (اس کے مظہر یعنی حضرت محمدؐ پر صلوات و تسلیمات ہوں) اس سے مراد ذات کی قابلیت تمام صفات کے ساتھ متصف ہونے کی وجہ سے نہیں ہے جیسا کہ بعض صوفیائے کرام نے یہ حکم بیان کیا ہے، بلکہ ذات عزّ شانہٗ کی قابلیت اس علم کے اعتبار سے ہے جو کہ اُن تمام ذاتی و شیونی[1] کمالات سے تعلق رکھتا ہے جو قرآن مجید کی حقیقت کا حاصل ہیں اور قابلیتِ انصاف جو کہ خانۂ صفات کے مناسب ہے اور اللہ تعالیٰ جلّ شانہٗ کی ذات اور صفات کے درمیان برزخ[2] ہے وہ دوسرے انبیا علیٰ نبینا و علیہم الصلوات و التسلیمات و التحیات کے حقائق ہیں، یہی قابلیت ان اعتبارات کے لحاظ سے جو اس میں مندرج (شامل) ہیں بہت سے حقائق بن گئی ہے۔

حقیقتِ محمدیؐ

وہ قابلیت جس کو حقیقتِ محمدی علیہ الصلوٰۃ والتحیہ کہتے ہیں، اگرچہ ظلیت رکھتی ہے (ظلّ آمیز ہے) لیکن صفات کا رنگ اس کے ساتھ ملا ہوا نہیں ہے اور پردہ و واسطہ درمیان میں حائل نہیں ہے اور محمدی المشرب جماعت کے حقائق خاص اس علم کے اعتبار سے جو بعض اُن کمالات کے ساتھ تعلق رکھتا ہے (اللہ تعالیٰ کی) ذات کی قابلیتیں ہیں، اور وہ قابلیتِ محمدیہ اللہ تعالیٰ جلّ شانہٗ کی ذات پاک اور اُن متعدد قابلیتوں کے درمیان برزخ ہے اور اُن بعض صوفیائے کرام کا یہ حکم لگانا (کہ حقیقتِ محمدی ذات کی قابلیت ہے جو کہ تمام صفات کے ساتھ متصف ہے) اس وجہ سے ہے کہ خانۂ صفات میں قابلیتِ محمدیہ کی قدم گاہ ہے اور بس، اور خانۂ صفات کے عروج کی انتہا اس قابلیت تک ہے اسی لئے ضروری طور پر اس قابلیت کو آنسرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کیا گیا ہے اور چونکہ یہ قابلیتِ انصاف ہرگز دور نہیں ہوتی اسی وجہ سے ان بعض صوفیائے کرام نے بھی یہ حکم لگایا ہے کہ

---

[1] جاننا چاہئے کہ صفات و شیونات میں بہت باریک فرق ہے، تمام صفاتِ الٰہیہ خارج میں ذات تعالیٰ و تقدس پر وجودِ زائد کے ساتھ موجود ہیں۔ اور شیونات محض اعتبارات ہیں جو ذاتِ جلّ شانہٗ میں اعتبار کئے گئے ہیں جیسا کہ حضرت مجدد صاحب موصوف قدس سرہٗ نے مکتوب ۲۸۷ جلد اول میں اس فرق کو ایک مثال سے واضح فرمایا ہے اور اس مکتوب کو اس مکتوب چہارم کی شرح قرار دیا ہے، ان مضامین کو اس مکتوب میں مطالعہ کرنا چاہئے ——— [2] برزخ بالفتح، دو چیزوں کے درمیان حائل کو کہتے ہیں اور مرنے کے بعد سے قیامت تک کے زمانے کو بھی اسی لئے برزخ کہتے ہیں۔

[3] حدیث میں وارد ہے کہ لوگ ہمیشہ خیر پر گامزن رہیں گے جب تک کہ وہ افطار میں (وقت ہو جانے کے بعد) عجلت سے کام لیں گے (متفق علیہ از مشکوٰۃ)

حقیقتِ محمدی ہمیشہ حائل ہے ورنہ قابلیتِ محمدیہ علیٰ مظہرہا الصلوٰۃ والتحیہ (اس کے مظہر پر صلوٰۃ و سلام ہو) جو کہ ذاتِ باری جل شانہٗ میں مجرد اعتبار ہے جس کا نظر سے دور ہونا ممکن بلکہ واقع ہے اور قابلیتِ اتصاف بھی اگرچہ اعتباری ہے لیکن برزخ ہونے کی وجہ سے اس نے ان صفات کا رنگ اختیار کرلیا ہے جو وجودِ زائد کے ساتھ خارج میں موجود ہیں اور اس کا دور ہونا ممکن نہیں ہے اسی لئے اس حائل کے ہمیشہ موجود ہونے کا حکم کرتے ہیں ——— اس قسم کے علوم جو اصالت وظلّیت کی جامعیت سے پیدا ہوتے ہیں بہت وارد ہوتے ہیں ان میں سے اکثر کاغذ کے پرچوں پر لکھے جاتے ہیں۔ مقامِ قطبیت مقامِ ظلّیت کے علوم کے دقائق کے پیدا ہونے کا مقام ہے اور فردیّت کا مرتبہ دائرۂ اصل کی معرفتوں کے وارد ہونے کا ذریعہ ہے۔ ان دو دولتوں یعنی مقامِ قطبیت[1] اور مرتبۂ فردیت کے جمع ہونے کے بغیر ظل اور اصل کے درمیان تمیز کرنا حاصل نہیں ہوتا، اسی لئے بعض مشائخ قابلیتِ اولیٰ کو جسے تعینِ اول کہتے ہیں ذات پر زائد نہیں جانتے اور اس قابلیت کے شہود (مشاہدہ میں آنے) کو تجلّیٔ ذاتی خیال کرتے ہیں، اور حق وہی ہے جو میں نے تحقیق کیا ہے اور حقیقتِ امر وہی ہے جس کو میں نے واضح طور پر بیان کیا ہے اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ہی حق کو ظاہر فرماتا ہے اور وہی سیدھے راستے کی طرف ہدایت بخشتا ہے ——— وہ رسالہ جس کے لکھنے کے لئے اس خاکسار کو حکم ہوا تھا اس کے پورا کرنے کی توفیق حاصل نہیں ہورہی ہے اور مسودے (تحریرات) اسی طرح پڑے ہوئے ہیں، معلوم نہیں اس توقف (رکاوٹ) میں اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کی کیا حکمت ہے۔ زیادہ لکھنے کی جرأت کرنا ادب کے خلاف ہے۔

---

[1] مقامِ قطبیت ومرتبۂ فردیت، جاننا چاہیئے کہ ابدال واقطاب واغواث وافراد واوتاد واخیار وابرار اور نقباء اولیاء اللہ کے اقسام ہیں۔ ان میں سے بعض مخلوق سے پوشیدہ ہیں اور آپس میں ایک دوسرے کو بھی نہیں پہچانتے اور اپنے حال کی عمدگی کو بھی نہیں جانتے اور وہ چار ہزار ہیں اور ان میں سے بعض اہلِ حل وعقد ہیں اور وہ بارگاہِ حق جلّ مجدہٗ کے سردار ہیں اور وہ تین سو ہیں جیسا کہ نفحات الانس میں لکھا ہے۔ امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کی ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، آپؐ نے فرمایا کہ ابدال شام میں رہتے ہیں اور وہ چالیس مرد ہیں جب ان میں سے کوئی مرجاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے بدلے میں کسی دوسرے آدمی کو مقرر فرمادیتا ہے ان کے وجود کی برکت سے بارش برستی ہے اور انصاف حاصل کیا جاتا ہے اور ان کی مدد سے دشمنوں سے انتقام لیا جاتا ہے اور ان کی برکت سے اہلِ شام سے عذاب کو ٹا دیا جاتا ہے۔ اہلِ شام کی تخصیص قرب وجوار کی وجہ سے ہے ورنہ ان کی برکت وامداد تمام دنیا کے لئے ہے خاص طور پر اس شخص کے لئے ہے جو ان سے مدد واعانت طلب کرے۔ ماخوذ از ترجمۂ مشکوٰۃ وتفصیلہ فی المرقاۃ وغیرہ۔

مکتوب ۵
پنجم

ایک مخلص دوست خواجہ برہان الدین کی سفارش اور اُن کے بعض حالات کے بیان میں۔

یہ بھی اپنے پیرو مرشد بزرگوار کی خدمت میں لکھا۔

عریضہ: حضور کا ادنیٰ ترین خادم عرض کرتا ہے کہ ایک رسالہ حضرات خواجگانِ نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے طریقہ کے بیان میں لکھ کر ارسالِ خدمت کیا ہے حضور کے ملاحظہ سے گذرے گا ابھی مسوّدہ ہے، چونکہ خواجہ برہان جلدی روانہ ہوگئے اس لئے اس کو صاف نقل کرنے کا وقت نہ ملا، خیال ہے کہ بعض دوسرے علوم بھی اس کے ساتھ ملائے جائیں۔ ایک روز رسالہ "سلسلۃ الاحرار"[1] نظر سے گذرا۔ اس وقت دل میں خیال آیا کہ حضور سے درخواست کروں کہ آنجناب خود اس رسالہ کے بعض علوم کے بارے میں کچھ تحریر فرمائیں یا اس فقیر کو حکم دیں تاکہ اس کے بارے میں کچھ لکھے۔ یہ خیال بہت پختہ ہوگیا تھا کہ اسی اثنا میں اس مسوّدے کے بعض علوم کا فیضان ہوا، اور اس رسالہ سلسلۃ الاحرار کے بعض علوم مجمل طور پر اس رسالہ کے ضمن میں بیان ہوگئے ہیں، اگر اسی مسوّدے کو اُس رسالہ کا تکملہ بنالیں تو اس کی بھی گنجائش ہے، اور اگر بعض مناسب علوم کو اس مسودے میں سے انتخاب کر کے اس رسالہ کے ساتھ ملالیں تو یہ بھی ایک صورت ہے۔ اس سے زیادہ لکھنے کی جرأت کرنا ادب کے خلاف ہے۔

خواجہ برہانؒ[3] نے اس عرصہ میں خوب محنت کی ہے اور تیسری سیر[2] سے بھی جو کہ مقامِ جذبہ کے مناسب ہے کچھ حصہ پالیا ہے۔ خواجہ برہان کا دل صوبہ مالوہ میں معاش کے لحاظ سے ان کا دل پراگندہ رہتا ہے وہ آپ کی خدمتِ مبارک میں حاضر ہو رہے ہیں، حضور ان کے لئے جو حکم فرمائیں گے وہ مبارک ہوگا۔

---

[1] رسالہ "سلسلۃ الاحرار" حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ نے اپنی اُن رباعیات کی جو کہ آپ کی بزرگ، دقیق تصنیفات میں سے ہیں شرح فرمائی ہے اور اس شرح کا نام سلسلۃ الاحرار رکھا ہے۔ (ماخوذ از حواشی فارسی مکتوبات)

[2] تیسری سیر سے مراد سیر عن اللہ باللہ ہے جو کہ علم اعلیٰ سے علم اسفل کی طرف اور پھر اس اسفل سے دوسرے اسفل کی طرف حرکتِ علمیہ کا نام ہے — [3] غالباً آپ سرونج (مالوہ) کے تھے جن کا ذکر حضرات القدس (۲ حضرت ہفتم کرامت ۷) میں آتا ہے۔ آپ کا مزار بھی وہاں ہے۔

مکتوب ۶ ششم

جذبہ وسلوک کے حاصل ہونے اور جمالی وجلالی دونوں صفتوں کے ساتھ تربیت پانے اور فنا وبقا اوران کے متعلقات کے بیان میں اور نسبتِ نقشبندیہ کی فوقیت کے بیان میں، یہ بھی اپنے پیرومرشد بزرگوار کی خدمت میں لکھا۔

عریضہ: حضور کا کمترین خادم احمد عرض کرتا ہے کہ مطلق طور پر ہدایت کرنے والے یعنی اللہ تعالیٰ جلّ شانہٗ نے آنجناب کی توجہ عالیہ کی برکت سے جذبہ[ع] وسلوک کے دونوں طریقوں اور جمال[1] وجلال[2] کی دونوں صفتوں سے اس حقیر کی تربیت فرمائی ہے، اب جمال عین جلال ہے اور جلال عین جمال ہے۔

"رسالہ قدسیہ" (مصنفہ حضرت خواجۂ خواجگان خواجۂ بزرگوار نقشبند قدس سرہ العزیز) کے بعض حاشیوں میں اس عبارت کو اپنے ظاہری مفہوم سے پھیر کر اپنے موہوم مطلب پر حمل کیا ہے، حالانکہ یہ عبارت اپنے ظاہری معنی پر محمول ہے اور ظاہری معنی سے ہٹانے اور تاویل کے قابل نہیں ہے، اور اس تربیت کی علامت محبتِ ذاتی کے ساتھ متحقق ہونا ہے اس کے تحقق سے پہلے ممکن نہیں ہے، اور محبتِ ذاتی فنا کی علامت ہے اور فنا سے مراد اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز کا فراموش ہو جانا ہے ——— پس جب تک تمام علوم پورے طور پر سینے کے میدان سے صاف نہ ہو جائیں اور سالک جہل مطلق کے ساتھ متحقق نہ ہو جائے وہ فنا سے بہرہ ور نہیں ہو سکتا، اور یہ حیرت وجہل دائمی ہے اس کا زائل ہونا ممکن نہیں ہے اور ایسا نہیں ہے کہ کبھی حاصل ہو جائے اور کبھی زائل ہو جائے ——— حاصل کلام یہ ہے کہ مقامِ بقا باللہ سے پہلے جہالت محض ہے اور مقامِ بقا باللہ حاصل ہونے کے بعد جہالت اور علم دونوں جمع ہو جاتے ہیں، سالک عین نادانی کی حالت میں شعور کے ساتھ ہوتا ہے اور عین حیرت کے وقت میں حضور کے ساتھ ہوتا ہے اور یہ مقام حق الیقین[3] کا مقام ہے کہ اس میں علم اور عین ایک دوسرے کے لئے

جمال اور جلال کی صفات کے ساتھ تربیت

---

[1] جَمال بالفتح، صورت وسیرت کی خوبصورتی، یہاں مراد انعام واکرام ہے ——— [2] جلال بالفتح بزرگی، یہاں مراد قہر وغضبِ الٰہی کا اظہار بذریعہ الم ومصیبت ہے ——— [3] جاننا چاہیئے کہ حق الیقین، عین الیقین، علم الیقین اور اپنے سے باہر میں نظر کرنا، اپنے آپ میں نظر کرنا اور ان کے ایک دوسرے کے لئے حجاب ہونے یا نہ ہونے کی تفصیل حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ نے جلد اول مکتوب ۲۷۷ میں فرمائی ہے وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

[ع] قولہ جذبہ وسلوک، جذبہ، سیرِ انفسی اور سلوک، سیرِ آفاقی کو کہتے ہیں۔

حجاب نہیں ہیں اور وہ علم جو اس قسم کی جہالت سے پہلے حاصل ہوتا ہے وہ احاطۂ اعتبار سے خارج ہے، (یعنی اعتبار کے لائق نہیں ہے) اس حالت کے باوجود اگر علم ہے تو اپنے آپ میں ہے اور اگر شہود ہے تو وہ بھی اپنے آپ میں ہے اور اگر معرفت یا حیرت ہے تو وہ بھی اپنے آپ میں ہی ہے جبتک کہ نظر باہر کی اشیاء میں ہے بے حاصل (بیکار) ہے، اگرچہ اپنے آپ میں بھی نظر رکھتا ہو، بیرونی اشیاء سے نظر بالکل منقطع ہو جانی چاہئے ——— حضرت خواجۂ بزرگ (یعنی خواجہ بہاؤالدین نقشبند) قدس اللہ سرہٗ فرماتے ہیں کہ "اہل اللہ فنا و بقا کے بعد جو کچھ دیکھتے ہیں اپنے آپ میں دیکھتے ہیں اور جو کچھ پہچانتے ہیں اپنے آپ میں ہی پہچانتے ہیں اور ان کی حیرت اپنے وجود ہی میں ہے[2] —— اس عبارت سے بھی صاف طور پر مفہوم ہوتا ہے کہ شہود اور معرفت اور حیرت اپنے نفس میں ہی ہے اور بس، اپنے آپ سے باہر کی اشیاء میں ان میں سے کوئی بھی نہیں ہے جبتک ان تینوں میں کوئی ایک امر بھی اپنے نفس سے باہر میں ہے اگرچہ اپنے آپ میں بھی رکھتا ہو اس کو فنا حاصل نہیں ہے تو بقا اس کو کس طرح حاصل ہو جائے گی (کیونکہ) فنا و بقا میں مرتبہ کی انتہا یہی ہے اور یہ فنا مطلق ہے اور مطلق فنا عام ہے، اور بقا فنا کے اندازہ کے مطابق ہوتی ہے (یعنی جسقدر فنا کامل ہوگی بقا بھی اسی قدر کامل ہوگی) اسی لئے بعض اولیاء اللہ فنا و بقا کے ساتھ متحقق ہونے کے بعد اپنے باہر میں بھی شہود رکھتے ہیں، لیکن ان بزرگواروں (یعنی مشائخ نقشبندیہ قدس اسرارہم) کی نسبت تمام نسبتوں سے بلند تر ہے ؎

نہ ہر کہ آئینہ دارد سکندری داند نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

(ترجمہ) محض آئینہ رکھنے سے سکندر بن نہیں سکتا فقط سر کے منڈانے سے قلندر بن نہیں سکتا

جب بہت سے قرن (کئی صدیاں) گذرنے کے بعد اس سلسلۂ عالیہ کے بڑے بڑے مشائخ میں سے ایک یا دو کو اس نسبت کے ساتھ شرف بخشتے ہیں تو دوسرے سلسلوں کے بارے میں کیا بیان کیا جائے، یہ نسبت حضرت خواجہ عبدالخالق[1] غجدوانی قدس سرہٗ کی نسبت ہے اور اس نسبت کو پورا اور کامل کرنے والے

---

[1] آپ امام مالکؒ کی اولاد میں سے ہیں اور آپ صوفیائے کرام کے تمام گروہوں کے نزدیک مقبول ہیں، آپ شریعت و سنتِ نبویؐ کی متابعت فرماتے اور بدعت و خواہشاتِ نفسانی کی مخالفت کرتے رہے ہیں۔ کہتے ہیں کہ حضرت خضر علیہ السلام آپ کے پیرِ طریقت تھے اور حضرت خواجہ ابو یعقوب یوسف ہمدانی قدس سرہ آپ کے پیرِ صحبت و خرقہ تھے۔ وہ آٹھ کلمات جن پر سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ کی بنیاد ہے آپ ہی کے مقرر کردہ ہیں، یہ ہیں: (۱) ہوش در دم۔ (۲) نظر بر قدم۔ (۳) سفر در وطن۔ (۴) خلوت در انجمن۔ (۵) یاد کرد۔ (۶) باز گشت۔ (۷) نگاہداشت۔ (۸) یادداشت۔ ۱۲ ربیع الاول ۵۷۵ھ کو غجدوان (بکسرِ غین) میں وفات ہوئی جو بخارا کے قریب ہے ———

[2] اس عبارت سے کوئی سادہ لوح یہ نہ سمجھ بیٹھے کہ حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے اس کی ذات میں حلول کر لیا یا دونوں میں اتحاد ہو گیا۔ کیونکہ یہ عقیدہ صریح گمراہی ہے۔

حضرت خواجۂ خواجگان یعنی حضرت خواجہ بہاؤ الدین[1] نقشبند قدس سرہم ہیں اور آپ کے خلفا میں سے حضرت خواجہ علاؤ الدینؒ[2] اس دولت سے مشرف ہوئے تھے۔ ع (عطار)

ایں کارِ دولت ست کنوں تا کرا دہند (ترجمہ) (یہ ہے عظیم کام، ملے دیکھئے کسے)

یہ عجیب معاملہ ہے کہ پہلے جو بلا و مصیبت بھی واقع ہوتی تھی وہ فرحت و خوشی کا باعث ہوتی تھی اور یہ فقیر هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ (ق آیت ۳۰) کیا اور زیادہ بھی ہے) کہتا تھا اور دنیاوی ساز و سامان میں سے جو کچھ کم ہو جاتا تھا اچھا معلوم ہوتا تھا، اور یہ فقیر اسی قسم کی خواہش کرتا تھا اور اب جبکہ عالمِ اسباب میں نزول واقع ہوا ہے اور اپنی عاجزی و محتاجی پر نگاہ پڑی ہے، اگر تھوڑا سا بھی نقصان لاحق ہو جاتا ہے تو پہلے ہی جھٹکے میں ایک قسم کا رنج و غم پیدا ہو جاتا ہے اگرچہ وہ جلدی دور ہو جاتا ہے اور کچھ بھی باقی نہیں رہتا۔ اور اسی طرح اگر پہلے یہ عاجز بلا و مصیبت کے دور ہونے کے لئے دعا کرتا تھا تو اس سے اس بلا و مصیبت کو دور کرنا مقصود نہیں ہوتا تھا بلکہ اس سے مقصود اللہ تعالیٰ کے حکم اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ (مؤمن آیت ۶۰) تم مجھ سے مانگو میں قبول کروں گا) کی تعمیل و فرمانبرداری بجالانا تھا لیکن اب دعا سے مقصود بلاؤں اور مصیبتوں کا رفع کرنا ہے اور وہ خوف و غم جو پہلے زائل ہو چکے تھے اب پھر لوٹ آئے ہیں اور اب معلوم ہوا کہ وہ حالت سُکر کی وجہ سے تھی صحو کی حالت میں عاجزی و محتاجی اور خوف و حزن اور غم و خوشی جس طرح سے کہ عام لوگوں کو لاحق ہوتی ہے اس خاکسار کو بھی ہے، ابتداء میں بھی جب کہ دعا سے بلا و مصیبتوں کا دفع کرنا مقصود نہیں تھا دل کو یہ بات اچھی نہیں لگتی تھی لیکن حال غالب تھا اس لئے مجبور تھا، دل میں خیال گذرتا تھا کہ انبیاء علیہم السلام کی دعا اس قسم کی نہیں تھی کہ جس سے وہ اپنی مراد کا حاصل ہونا چاہتے ہوں اب جبکہ یہ خاکسار اُس حالت سے مشرف فرمایا گیا اور معاملہ کی حقیقت واضح کردی گئی تو معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی دعائیں عاجزی و حاجتمندی اور خوف و حزن کی وجہ سے تھیں محض حکم کی تعمیل کے لئے نہیں تھیں۔ بعض امور جو اس فقیر پر ظاہر ہوتے رہتے ہیں حضور کے حکم کے مطابق کبھی کبھی اُن کے عرض کرنے کی گستاخی کرتا ہے۔

---

[1] آپ کا تذکرہ مکتوب ۱ کے فٹ نوٹ میں گذر چکا ہے ص ۳۵ پر۔

[2] آپ کا اسم گرامی محمد بن علی بن محمد البخاری ہے۔ آپ حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند بخاریؒ کے اصحابِ کبار میں سے تھے حضرت خواجۂ موصوف نے اپنی حیاتِ مبارکہ میں ہی اپنے بہت سے طالبانِ طریقت کی تربیت آپ کے سپرد کردی تھی، آپ کی وفات عشا کی نماز کے بعد بدھ کی رات کو ۲۰ رجب ۸۰۲ھ میں ہوئی۔ مزار مبارک موضع جغانیاں از ماوراء النہر میں ہے۔

مکتوب ہفتم

اپنے بعض عجیب و غریب حالات اور بعض ضروری استفسارات کے بیان میں، یہ بھی اپنے پیرومرشد بزرگوار کی خدمت میں لکھا۔

عریضہ: حضور کا کمترین خادم، **احمد** عرض کرتا ہے کہ جو مقام محدّد (عرش) کے اوپر ہے اپنی روح کو عروج کے طریق پر اس مقام میں پاتا تھا اور وہ مقام حضرت خواجہ بزرگ (یعنی حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہٗ) کے ساتھ مخصوص تھا، کچھ زمانہ گذرنے کے بعد اپنے عنصری بدن کو بھی اسی مقام میں پایا اور اس وقت یہ بات خیال میں آئی کہ یہ عالم سارے کا سارا عنصریات و فلکیات سے نیچے چلا گیا ہے اور اس کا نام و نشان باقی نہیں رہا۔ اور چونکہ اس مقام میں بعض اولیائے کبار کے سوا اور کوئی نہیں تھا، اس وقت تمام عالم کو اپنے ساتھ ایک ہی جگہ اور ایک ہی مقام میں شریک پاکر بہت حیرت حاصل ہوتی ہے کہ پوری پوری بیگانگی کے باوجود اپنے آپ کو اُن کے ساتھ دیکھتا ہے۔ غرضکہ وہ حالت جو کبھی کبھی حاصل ہوتی تھی جس میں کہ نہ خود رہتا تھا اور نہ عالم، نہ نظر میں کوئی چیز آتی تھی نہ علم میں، اب وہ حالت دائمی ہو گئی ہے، خِلقتِ عالم کا وجود دید و دانش (دیکھنے و جاننے) سے باہر نکل گیا ہے۔

عجیب و غریب بشارات

اس کے بعد اسی مقام میں ایک بلند محل ظاہر ہوا کہ جس کے ساتھ سیڑھی رکھی ہوئی ہے میں وہاں پہنچ گیا، وہ محل بھی اس عالم کی طرح آہستہ آہستہ (درجہ بدرجہ) نیچے چلا گیا اور میں ہر گھڑی (لمحہ بہ لمحہ) اپنے آپ کو اس کے اوپر چڑھتا ہوا محسوس کرتا تھا، اتفاقاً (یعنی ایک دفعہ جبکہ) میں وضو کے شکرانہ کی نماز (تحیۃ الوضو) ادا کر رہا تھا کہ ایک بہت ہی بلند مقام ظاہر ہوا اور مشائخ نقشبندیہ قدس اللہ اسرارہم میں سے چار[1] بزرگ مشائخ کو اس مقام میں دیکھا، اور دوسرے مشائخ مثلاً سید الطائفہ[2] وغیرہ کو بھی اس مقام میں پایا اور بعض دوسرے

---

[1] علامہ محمد مراد مکی رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ شاید ان چار سے مراد خواجہ عبد الخالق غجدوانیؒ، خواجہ محمد بہاؤالدین نقشبندؒ، خواجہ علاؤالدین عطارؒ اور خواجہ عبید اللہ احرارؒ ہیں۔ اور اُس قلمی نسخہ کے حاشیہ پر جو کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے روضۂ مقدسہ پر ہے لکھا ہے کہ ان سے مراد حضرت خواجہ نقشبند، خواجہ محمد پارسا، خواجہ علاؤالدین عطارؒ اور خواجہ عبید اللہ احرار قدس اسرارہم ہیں۔

[2] یعنی حضرت خواجہ جنید بغدادی علیہ الرحمہ آپ کی کنیت ابوالقاسم اور لقب قواریری، زجاج و خزاز ہے، قواریری اور زجاج اس لئے لقب ہوا کہ آپ کے والد ماجد آبگینے فروخت کرتے تھے اور خزاز اس لئے کہتے ہیں کہ آپ خز کے کپڑے کا کام کرتے تھے۔ آپ حضرت سری سقطیؒ کے بھانجے اور خلیفہ تھے سنہ ۲۹۷ھ میں وصال ہوا۔ آپ کا مولد، وطن اور مدفن بغداد ہے۔

مشائخ اس مقام کے اوپر ہیں لیکن اس کے پایوں کو پکڑے ہوئے بیٹھے ہیں اور بعض اپنے اپنے درجہ کے مطابق اس مقام کے نیچے تھے اور میں نے اپنے آپ کو اس مقام سے بہت دور پایا بلکہ اس مقام کے ساتھ کچھ مناسبت بھی نہیں دیکھی، اس واقعہ سے میں نہایت بے چین و بیقرار ہو گیا، قریب تھا کہ دیوانہ ہو کر نکل جاؤں اور غم و غصہ کے باعث اپنے جسم کو جان سے خالی کر دوں (یعنی مر جاؤں)، کچھ وقت اسی حالت پر گذرا آخر آنجناب کی بلند توجہات سے اپنے آپ کو اس مقام کے مناسب دیکھا، اول اپنے سر کو اس کے بالمقابل پایا پھر آہستہ آہستہ جا کر اس مقام کے اوپر بیٹھ گیا۔ توجہ (غور کرنے) کے بعد دل میں ایسا گذرا کہ وہ مقامِ تکمیل کا مقام ہے کہ سالکین سلوک مکمل کرنے کے بعد اس مقام پر پہنچتے ہیں، جس مجذوب نے سلوک مکمل نہ کیا ہو اس کو اس مقام سے کوئی حصہ حاصل نہیں ہے اور اس وقت ایسا خیال بھی پیدا ہوا کہ اس مقام پر پہنچنا اُس واقعہ کا ثمرہ و نتیجہ ہے جو آنجناب کی خدمت مبارک میں رہتے ہوئے دیکھا تھا اور حضور کی خدمت میں عرض کیا تھا کہ حضرت امیر (علی بن ابی طالب) کرم اللہ تعالیٰ وجہہ فرماتے ہیں کہ میں اس لئے آیا ہوں کہ تجھ کو آسمانوں کا علم سکھاؤں الخ، اور جب میں نے اچھی طرح توجہ کی تو اس مقام کو تمام خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے درمیان حضرت امیر کرم اللہ وجہہ کے ساتھ مخصوص پایا۔ واللہ سبحانہٗ اعلم (اور اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے)۔

دوسرے یہ کہ ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ بُرے اخلاق و عادات لمحہ بہ لمحہ (ہر گھڑی) نکلتے جاتے ہیں بعض دھاگے کی طرح وجود سے نکلتے ہیں اور کبھی دھوئیں کی طرح باہر نکلتے ہیں، بعض اوقات یہ خیال ہوتا ہے کہ سب نکل گئے ہیں، پھر کسی وقت کچھ اور ظاہر ہوتا ہے اور باہر نکلتا معلوم ہوتا ہے۔

دوسری عرض یہ ہے کہ کیا بعض امراض اور سختیوں کے دفع کرنے کے لئے توجہ کرنے سے پہلے یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ اس توجہ کے دینے میں حق تعالیٰ کی رضامندی ہے یا نہیں، یا یہ توجہ اس بات پر مشروط نہیں ہے۔ رشحات[۱] کی ظاہری عبارت سے جو کہ خواجہ عبید اللہ احرار قدس اللہ تعالیٰ سرہ الاقدس سے منقول ہے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ توجۂ مذکور اس بات پر مشروط نہیں ہے۔ اس بارے میں مناسب حکم فرمائیں، اس کے باوجود اس طرح توجہ کرنا اچھا نہیں معلوم ہوتا۔

۱؎ رشحات، مولانا فخر الدین علی بن الحسین الواعظ الکاشفی المشتہر بالصفیؒ کی تصنیف ہے اس میں حضرات نقشبندیہ قدس اسرارہم کے حالات درج ہیں اور خاص طور پر حضرت ناصر الحق والدین خواجہ عبید اللہ احرار قدس سرہٗ کے حالات تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں۔ (م ۹۳۹ھ)

تیسری عرض یہ ہے کہ حضورِ حق کا حصول ثابت ہو جانے کے بعد طالبانِ طریقت کو ذکر سے روکنا اور اس حضور کی نگہداشت[1] کے لئے حکم کرنا ضروری ہے یا نہیں اور حضور کا وہ کونسا مرتبہ ہے جس میں ذکر نہیں کرتے لیکن بعض طالب ایسے ہیں جنھوں نے شروع سے آخر تک ذکر کیا ہے اور ذکر سے بالکل نہیں رکے ہیں اور اپنے کام کو انتہا کے نزدیک تک پہنچایا ہے۔ اس معاملہ کی حقیقت کیا ہے جو مناسب ہو ارشاد فرمائیں۔

چوتھی عرض یہ ہے کہ حضرت خواجہ عبید اللہ احرار قدس سرہ اپنے ملفوظات میں فرماتے ہیں "آخر میں ذکر کا حکم دیا جاتا ہے کیونکہ بعض مقاصد وہ ہیں جو ذکر کے بغیر حاصل نہیں ہوتے"۔ آنجناب سے اُن مقاصد کا تعین فرمانے کی درخواست ہے۔

پانچویں عرض خدمتِ اقدس میں یہ ہے کہ بعض طالب طریقہ سیکھنے کی طلب ظاہر کرتے ہیں لیکن لقمہ (غذا) میں احتیاط نہیں کر سکتے اور اس بے احتیاطی کے باوجود حضور اور ایک قسم کا استغراق حاصل کر لیتے ہیں اور اگر لقمہ (کی احتیاط) کے بارے میں ان کو تاکید کی جائے تو طلب کی سُستی کی وجہ سے طریقے کو بالکل ترک کر دیتے ہیں، اس بارے میں کیا حکم ہے۔ اور بعض دوسرے طالب ایسے بھی ہیں جو محض ارادت (و عقیدت) کے طور پر اس سلسلۂ شریفہ سے تعلق پیدا کرنا (یعنی بیعت ہونا) چاہتے ہیں اور ان کا ارادہ ذکر کی تعلیم حاصل کرنے کا نہیں ہے، اس قسم کی بیعت (تعلق پیدا کرنا) بھی جائز ہے یا نہیں، اور اگر جائز ہے تو اس کا کیا طریقہ ہے، زیادہ گستاخی کرنا نہایت بے ادبی ہے۔

مکتوب ۸ ہشتم

اُن احوال کے بیان میں جو بقا اور صحو سے تعلق رکھتے ہیں، یہ بھی اپنے پیرو مرشد بزرگوار کی خدمت میں لکھا۔

عریضہ: کمترین خادم **احمد** عرض کرتا ہے کہ جب سے اس خاکسار کو صحو میں لائے ہیں اور بقا عطا فرمائی ہے عجیب و غریب علوم و معارف جو پہلے معلوم و متعارف نہیں تھے پے در پے و مسلسل فائض و وارد ہو رہے ہیں، ان میں سے اکثر قوم یعنی صوفیائے کرام کے قول اور ان کی مروجہ و مستعمل اصطلاح کے ساتھ

عجیب و غریب واردات:

[1] نگہداشتِ حضور، اس سے مراد، دل کو ماسوی اللہ کے خیال سے باز رکھنے کا مراقبہ ہے اس طرح پر کہ اگر ایک سانس میں ستّو دفعہ کلمہ طیبہ کہے تو دل کسی اور طرف نہ جائے حتیٰ کہ اسماء و صفات سے بھی غافل ہو جائے اور صرف احدیتِ مجردہ کو اپنے خیال میں رکھے۔ (از ضیاء القلوب حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہ)۔

موافقت نہیں رکھتے بمسئلۂ وحدت الوجود اور اس کے متعلقات کی نسبت جو کچھ ان حضرات نے بیان کیا ہے اس خاکسار کو اس حال سے ابتدا میں ہی مشرف کر دیا گیا اور کثرت میں وحدت کا مشاہدہ حاصل ہوا۔ پھر اس مقام سے کئی درجے اوپر لے گئے، اور اس ضمن میں کئی قسم کے علوم کا افادہ نصیب ہوا، لیکن ان مقامات و معارف کے مصداق کوئی بات قوم (صوفیائے کرام) کے کلام سے واضح طور پر پائی نہیں جاتی، البتہ ان میں سے بعض بزرگوں کے مبارک کلام میں اجمالی طور پر رموز و اشارے پائے جاتے ہیں لیکن ان علوم کی صحت پر ظاہر شریعت کی موافقت اور علمائے اہلِ سنت کا اجماع شاہد عادل ہے، وہ کسی چیز میں بھی روشن شریعت کے ظاہر سے مخالفت نہیں رکھتے اور حکما اور ان کے عقلی اصولوں کے ساتھ کچھ بھی موافقت نہیں رکھتے بلکہ علمائے اسلام کی ایک جماعت جو اہلِ سنت سے مخالفت رکھتے ہیں وہ بھی ان (حکما) کے اصول سے موافق نہیں ہیں۔

استطاعت مع الفعل

استطاعت[1] مع الفعل کا مسئلہ منکشف ہو گیا ہے، انسان فعل سے پہلے کچھ قدرت نہیں رکھتا جب فعل سرزد ہوتا ہے اس کے ساتھ متصل ہی قدرت بخشتے ہیں اور اسباب و اعضاء کے صحیح سالم ہونے کی صورت میں مکلّف بناتے ہیں، جیسا کہ علمائے اہلِ سنت و جماعت نے ثابت کیا ہے، اور اس مقام میں یہ خاکسار اپنے آپ کو حضرت خواجہ نقشبند قدس اللہ تعالیٰ سرہ کے قدم پر پاتا ہے، آپ اسی مقام پر ہوتے ہیں۔ اور حضرت خواجہ علاؤ الدین عطار قدس سرہ کو بھی اس مقام سے کچھ حصہ حاصل ہے، اور اس سلسلۂ عالیہ کے بزرگوں میں سے حضرت خواجہ عبد الخالق غجدوانی قدس اللہ تعالیٰ سرہ الاقدس ہیں جو مشائخ ان سے پہلے گذرے ہیں ان میں سے حضرت خواجہ معروف کرخی و امام داؤد[2] طائیؒ و حضرت خواجہ حسن[3] بصری اور

[1] استطاعت مع الفعل:۔ یہ علمائے اہلِ سنت اور معتزلہ کے درمیان ایک اختلافی مسئلہ کی طرف اشارہ ہے۔ معتزلہ کا عقیدہ ہے کہ مکلّف (انسان) میں ہر فعل کی استطاعت اس فعل کی ایجاد سے پہلے موجود ہے اور اہل سنت کا عقیدہ یہ ہے کہ ہر فعل کی استطاعت اس کی ایجاد کے ساتھ متصل ہی ہوتی ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کا کشف اہل سنت کے موافق ہے اور اس کی تائید و تقویت کرتا ہے۔ جاننا چاہیئے کہ استطاعتِ فعل بمعنی قدرتِ حقیقیہ جو کہ اکتسابِ فعل کا سبب و علّت ہے فرقۂ ناجیہ اہلِ سنت کے نزدیک فعل کے ساتھ متصل ہے فعل پر تقدم زمانی نہیں رکھتی جیسا کہ معتزلہ کہتے ہیں اور احکامِ شرعیہ کی تکلیف کے صحیح ہونے کا دار و مدار اس قدرت پر نہیں ہے لیکن قدرت و استطاعت بمعنی سلامت اسباب و آلات و جوارح کو فعل پر تقدمِ زمانی حاصل ہے اور احکامِ شرعیہ کا مکلف ہونا اسی پر مرتب ہے اور تکلیفاتِ شرعیہ کی صحت کا دار و مدار اسی پر ہے نہ کہ پہلی استطاعت پر۔ واللہ اعلم۔

[2] حضرت خواجہ داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ اکابر صوفیا کرام میں سے تھے اور سید القوم تھے آپ کی پرہیزگاری (ورع) کمال درجہ کا تھا، تمام علوم میں پوری دسترس رکھتے تھے اور فقہ میں خصوصی امتیاز رکھتے تھے۔ (باقی بر صفحۂ آئندہ)

خواجہ حبیب عجمی[۱] قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم المقدسۃ اسی مقام میں تھے، ان تمام مقامات و معارف و علوم کا حاصل، کمالِ بُعد (دُوری) و بیگانگی ہے اور کام علاج سے گذر چکا ہے، جبتک حجابات (پردے) لٹکے ہوئے تھے کوشش و اہتمام کے ذریعے ان کے رفع کرنے (اُٹھانے) کی گنجائش تھی اب اس کی بزرگی (جلال) اس کا حجاب ہے۔

ع فَلَا طَبِیْبَ لَهَا وَلَا رَاقِیْ۔ (ترجمہ) نہیں طبیب کوئی اس کا اور نہ افسوں گر

شاید انھوں نے اس کمال بیگانگی اور بے مناسبتی کا وصل و اتصال نام رکھا ہے، ہائے افسوس، ہائے افسوس، (مولانا جامی رحمہ اللہ کی کتاب[۲] یوسف زلیخا" کا یہ شعر (ان کے) حال کے موافق ہے ؎

درافگندہ دَف ایں آوازہ از دوست
کز و بر دست دَف کو باں بود پوست

(ترجمہ) آرہی ہے دَف سے وہ آوازِ دوست
ہے مگر دف والے کے ہاتھوں میں پوست

شہود (مشاہدہ) کہاں ہے، اور شاہد (مشاہدہ کرنے والا) کون ہے، اور مشہود (جس کا مشاہدہ کیا جائے) کیا ہے؟

ع خلق را روئے کے نماید او (ترجمہ) خلق کو دیدار کب بخشیں گے وہ[۳]

مَا لِلتُّرَابِ وَرَبِّ الْاَرْبَابِ (خاک کو تمام پالنے والوں کے پالنے والے کے ساتھ کیا نسبت ہے، کہاں خاک اور کہاں وہ رب الارباب)۔ یہ خاکسار اپنے آپ کو ایسا بندۂ مخلوق جانتا ہے جو کوئی قدرت نہیں رکھتا، اور اسی طرح تمام عالم کو بھی غیر قادر مخلوق جانتا ہے اور خالق و قادر حق تعالیٰ عزوجل کو جانتا ہے، اس کے سوا (اللہ تعالیٰ اور مخلوق میں) کوئی نسبت ثابت نہیں کرتا، اپنے عین ما آیئنہ ہونے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

ع درکدام آئینہ درآید او (ترجمہ) کون سے آئینے میں سما سکتا ہے وہ)

(حاشیہ از صفحہ گذشتہ) بیس سال تک امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی شاگردی کی ہے اور حضرت فضیل و حضرت ابراہیم ادہم قدس سرہما کی بھی زیارت کی ہے آپ کے پیر طریقت حضرت حبیب راعی تھے لوگوں نے آپ کی والدۂ ماجدہ سے آپ کی وفات کا حال دریافت کیا تو انھوں نے فرمایا کہ تمام رات نماز ادا کرتا تھا آخری رات میں سر سجدہ میں رکھا اور پھر نہیں اٹھایا۔

[۳] آپ کے محامد بیشمار ہیں۔ آپ کی والدہ ماجدہ ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی مولاۃ (لونڈی) تھیں، بچپن میں جب آپ کی والدہ صاحبہ کسی کام میں مشغول ہوتیں اور آپ رونے لگتے تو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا آپ کو بہلانے کیلئے اپنا پستان مبارک آپ کے منہ میں دیدیا کرتی تھیں۔ ایک مرتبہ قدرتِ الٰہی سے حضرت ام المومنینؓ کے پستان سے دودھ کے چند قطرے ظاہر ہوئے جو آپ نے چوس لئے جن کی برکت سے حق تعالیٰ نے آپ کو بیشمار سعادتوں سے نوازا۔ آپ کی ولادت ۲۲ھ میں اور وفات شب جمعہ ۴ محرم ۱۱۰ھ کو بصرہ میں ہوئی۔

(حاشیہ صفحہ ھذا) [۱] آپ ابتدا میں مالدار آدمی تھے حضرت خواجہ حسن بصریؒ کے دست حق پرست پر توبہ کی اور آپ کی صحبت کی برکت سے مستجاب الدعوات بزرگ ہوگئے آپ کے مناقب مشہور ہیں اور فضائل کتابوں میں مذکور ہیں۔ آپ کے سامنے جب قرآن مجید پڑھا جاتا تو آپ بہت روتے۔ کسی نے پوچھا کہ آپ سمجھتے نہیں تو روتے کیوں ہیں؟ فرمایا کہ اگرچہ میری زبان عجمی ہے مگر دل عربی ہوگیا ہے۔ ۱۵۶ھ میں بصرہ میں وفات ہوئی (انوار اصفیا)

[۲] مولانائے روم کا ایک شعر ہے: "چنگ تار و چنگ چوب و چنگ پوست ٭ از کجا می آید ایں آواز دوست"

اور اہلِ سنت و جماعت کے علمائے ظاہر سے اگرچہ بعض اعمال کی ادائیگی میں کوتاہی واقع ہو جاتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کے متعلق ان کے عقائد کی درستی کا جمال اسقدر نورانیت رکھتا ہے کہ اعمال کی وہ کوتاہی و کمی اس نورانیت کے مقابلہ میں ہیچ و ناچیز دکھائی دیتی ہے اور بعض ظاہری صوفیانہ طرز کے لوگ چونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کے متعلق اسقدر درست عقیدے نہیں رکھتے لہٰذا ریاضتوں اور مجاہدوں کے باوجود اُن میں وہ جمال نہیں پایا جاتا ـــــ اور اس خاکسار کو علماء اور طلبا سے بہت محبت ہو گئی ہے، ان کی روش اچھی معلوم ہوتی ہے اور خواہش رکھتا ہوں کہ میں ان (علماء و طلباء) کے گروہ میں شامل ہو جاؤں اور (اصولِ فقہ کی مشہور کتاب) تلویح[1] کے مقدماتِ اربعہ کو (جو کہ اس کتاب کا دقیق و مشکل مقام ہے) ایک طالب علم کے ساتھ مباحثہ (تکرار) کرتا رہوں (نیز) فقہ کی کتاب ہدایہ کا بھی ذکر و تکرار کیا جاتا ہے اور معیت و احاطۂ علمی کے مسئلہ میں علماء کے ساتھ شریک رہے، اسی طرح حق سبحانہٗ و تعالیٰ کو نہ عالم (کائنات) کا عین جانتا ہوں اور نہ عالم کے متصل اور نہ منفصل اور نہ عالم کے ساتھ اور نہ عالم سے جُدا اور نہ عالم کا محیط اور نہ عالم میں ساری (سرایت کرنے والا) جانتا ہوں اور (مخلوق کی) ذاتوں اور صفات و افعال کو اس کا پیدا کیا ہوا جانتا ہوں، میرا یہ عقیدہ نہیں ہے کہ مخلوق کی صفتیں حق تعالیٰ کی صفتیں ہیں اور ان کے افعال حق تعالیٰ کے افعال ہیں، بلکہ مخلوق کے افعال میں حق تعالیٰ سبحانہٗ کی قدرت کو اثر انداز جانتا ہوں اور مخلوقات کی قدرت کو تاثیر میں کوئی دخل نہیں جانتا، جیسا کہ علمائے متکلمین[2] کا مذہب ہے ـــــ اور اسی طرح حق تعالیٰ کی صفاتِ سبعہ[3] (۱ حیوٰۃ، ۲ علم، ۳ قدرت، ۴ ارادہ، ۵ سمع، ۶ بصر، ۷ کلام) کو موجود[4] جانتا ہوں اور حق سبحانہٗ و تعالیٰ کو صاحبِ ارادہ و اختیار[5] جانتا ہوں

۱؎ تلویح، اصولِ فقہ کی ایک بہت بڑی اور معتبر کتاب ہے جو علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ کی نفیس تصنیفات میں سے ہے۔

۲؎ علمائے متکلمین کا یہی مذہب ہے کہ بندوں کے افعالِ اختیاریہ میں حق تعالیٰ کی قدرت کو مؤثر جانتے ہیں اور جمہور معتزلہ صرف بندہ کی قدرت کو مؤثر جانتے ہیں اور بعض کا مذہب یہ ہے کہ دونوں قدرتیں مؤثر ہیں۔

۳؎ علمائے اشاعرہ کے نزدیک حق تعالیٰ کی صفاتِ حقیقیہ ذاتیہ ازلیہ سات ہیں: حیوٰۃ، علم، قدرت، ارادہ، سمع، بصر اور کلام، اور وہ خلق و تکوین کو ارادہ و قدرت کی فروعات جانتے ہیں لیکن علمائے ماتریدیہ تکوین کو بھی صفاتِ حقیقیہ میں شمار کرتے ہیں پس علمائے ماتریدیہ کے نزدیک صفاتِ حقیقیہ آٹھ ہیں۔ اور حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی تحقیق بھی ماتریدیہ کے موافق ہے چنانچہ مبدأ و معاد (منہا ۲۱) میں فرماتے ہیں: "صحیح یہی ہے کہ قدرت اور ارادہ کے علاوہ تکوین ایک علیحدہ حقیقی صفت ہے اس کی وضاحت یہ ہے کہ "قدرت" کے معنی یہ ہیں کہ اس میں فعل و ترک یعنی کسی کام کا کرنا اور اسے چھوڑ دینا دونوں باتیں صحیح ہوں اور "ارادہ" کے معنی یہ ہیں کہ قدرت کی ان دونوں جہتوں یعنی فعل اور ترک میں سے کسی ایک جہت کو مخصوص اور متعین کر لیا جائے لہٰذا اس طرح قدرت کا درجہ ارادہ کے درجہ پر مقدم ہوتا ہے اور "تکوین" جسے ہم صفاتِ حقیقیہ میں سے سمجھتے ہیں اس کا درجہ قدرت اور ارادہ کے درجوں کے بعد آتا ہے پس قدرت تو فعل (کرنے) کی جہت کو درست قرار دینے والی صفت (یعنی مصحح فعل) ہے اور ارادہ فعل کی جہت کو خاص کرنے والی صفت (مخصص فعل) ہے اور تکوین اسے وجود میں لانے والی ہے لہٰذا تکوین کی صفت کو مانے بغیر چارہ نہیں ہے۔ (منہا ۱۹)

(موجد فعل)

۴؎ بخلاف معتزلہ کے کہ وہ حقیقت میں وجودِ صفات کے منکر ہیں کیونکہ وہ آثارِ صفات کو عینِ ذات پر مرتب کہتے ہیں۔ ۵؎ بخلاف فلاسفہ کے کیونکہ وہ حق سبحانہٗ کو مضطر اور بے اختیار جانتے ہیں جس طرح کہ آگ اور پانی کو جلانے اور غرق کرنے میں بے اختیار جانتے ہیں۔

اور یقینی طور پر قدرت کے معنی صحتِ فعل و ترکِ فعل[1] تصور کرتا ہوں (میرے عقیدے کے مطابق) قدرت کے یہ معنی نہیں ہیں کہ اِنْ شَاءَ فَعَلَ وَاِنْ لَّمْ یَشَاءْ لَمْ یَفْعَلْ (اگر چاہے تو کرے گا اور اگر نہیں چاہے تو نہ کریگا) اس لئے کہ دوسرا جملہ شرطیہ (ان لم یشاء الخ) ممتنع ہوگا۔ جیسا کہ حکما یعنی فلاسفہ اور بعض (وجودی) صوفیوں نے کہا ہے کیونکہ یہ بات ایجاب تک پہنچ جاتی ہے جو حکما (فلاسفہ) کے اصول کے موافق ہے۔ اور قضا و قدر کے مسئلہ کو علمائے اہلِ سنت و جماعت کے مطابق جانتا ہوں (برخلاف جبریہ و قدریہ کے)۔ پس مالک کو کامل اختیار ہے کہ اپنی مِلک میں جس طرح چاہے تصرف کرے اور (مخلوق کی) قابلیت اور استعداد کا اس میں کچھ دخل نہیں جانتا، کیونکہ یہ عقیدہ ایجاب (اللہ تعالیٰ پر واجب ہونے) کی طرف لے جاتا ہے، حالانکہ حق سبحانہٗ و تعالیٰ مختار ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس (اسی پر دوسرے عقائد کو بھی قیاس کر لیجئے۔ چونکہ اپنے حالات کا عرض کرنا نہایت ضروری ہے اس لئے اس کے لکھنے کی گستاخی کی جرأت کی ہے۔ ع

بندہ باید کہ حدِّ خود داند (ترجمہ) (چاہیئے بندہ اپنی حد میں رہے)

مکتوب ۹ نہم

ان حالات کے بیان میں جو نیچے اترنے کے مقام یعنی مقامِ نزول[2] سے مناسبت رکھتے ہیں،

یہ بھی اپنے پیر و مرشد محترم بزرگوار کی خدمت میں لکھا۔

عریضہ: یہ اس سیاہ رُو بدبخت اور بدخُو گنہگار کا عریضہ ہے جو اپنے وقت و حالت پر مغرور

---

[1] اس میں اہلِ کلام اور فلاسفہ کے مابین مختلف فیہ مسئلہ کی طرف اشارہ ہے یعنی حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی قدرت دو معنی کا احتمال رکھتی ہے ایک ایجاد اور عدمِ ایجاد اور یہ دونوں باتیں ممکن اور جائز ہیں اور اسی معنی کے لحاظ سے قدرت کو صحتِ فعل اور ترکِ فعل سے تعبیر کرتے ہیں اور اس تقدیر پر اشیا کی ایجاد اور ان کی عدمِ ایجاد میں سے کوئی چیز حق تعالیٰ پر واجب نہیں ہے، اہلِ ملل و شرائع نے اسی کو اختیار کیا ہے اور دوسرے معنی ہیں اِنْ شَآءَ فَعَلَ وَاِنْ لَّمْ یَشَأْ لَمْ یَفْعَلْ مع استحالۂ شرطیہ ثانیہ کے، یعنی وہ چاہے گا تو کرے گا اور اگر نہ چاہے تو نہیں کرے گا لیکن نہ چاہنا ممتنع و محال ہے پس اس سے نہ کرنے کا ممتنع ہونا بھی لازم آئے گا پس ایجادِ عالم کو چاہنا اور موجود کرنا دونوں واجب ہوئے اور اختیار نہ رہا، اور فلاسفہ اس کے قائل ہیں۔

[2] جاننا چاہیے کہ حضرت مجدد الفِ ثانی قدس سرہٗ نے اس مضمون کو دفترِ اول کے مکتوب ۲۲۲ میں اس سے زیادہ وضاحت کے ساتھ تحریر فرمایا ہے وہاں ملاحظہ کرنا چاہیئے اور گیارہویں مکتوب میں بھی اس کو بیان فرمایا ہے۔

اور وصل و کمال پر فریفتہ شدہ ہے جس کا کام سراسر اپنے آقا کی نافرمانی ہے اور جس کا عمل سرِ بسر عزیمت و اولیٰ کو ترک کرنا ہے، جس نے مخلوق کی نظر گاہ یعنی اپنی ظاہری حالت کو عمدہ بنایا ہوا ہے اور حق تعالیٰ کی نظر گاہ یعنی دل کو خراب و برباد کیا ہوا ہے، جس کی تمام ہمت و کوشش اپنے ظاہر کو آراستہ کرنے پر لگی ہوئی ہے اور اس کا باطن اس کے باعث ہمیشہ رسوائی میں ہے، اس کا قال اس کے حال کے بالکل برخلاف ہے اور اس کا حال اس کے اپنے خیال پر مبنی ہے، اس خواب و خیال سے کیا حاصل ہوتا ہے اور اس قال و حال سے کیا عقدہ کشائی ہوتی ہے (لہذا) بدبختی اور خسارہ کے سوا کچھ حاصل نہیں ہے، سرکشی اور گمراہی ہر وقت اس کے عمل میں ہے، وہ فساد و شرارت کا مبدأ اور ظلم و معصیت کا منشا (پیدا ہونے کی جگہ) ہے، غرضکہ اس کا تمام جسم عیوب اور مجموعۂ گناہ ہے، اس کی نیکیاں لعنت اور ردّ کرنے کے لائق ہیں اور اس کی بھلائیاں طعن اور پھینک دینے کے قابل ہیں، "رُبَّ قَارِئُ الْقُرْاٰنِ وَالْقُرْاٰنُ یَلْعَنُہٗ"[۱] (بہت سے قرآن کریم پڑھنے والے ایسے ہیں کہ قرآن مجید اُن پر لعنت کرتا ہے) یہ حدیث اس کے حق میں معتبر گواہ ہے۔ اور "کَمْ مِنْ صَائِمٍ لَیْسَ لَہٗ مِنْ صِیَامِہٖ اِلَّا الظَّمَأُ وَالْجُوْعُ"[۲] (بہت سے روزہ دار ایسے ہیں کہ جن کو سوائے بھوک اور پیاس کے روزہ سے کچھ حاصل نہیں ہوتا) یہ بھی اس کے بارے میں شاہد صادق ہے۔ پس اس شخص پر افسوس ہے جس کا حال اور مرتبہ، کمال اور درجہ اس قسم کا ہو، اس کا استغفار کرنا[۳] بھی دوسرے تمام گناہوں کی طرح گناہ ہے بلکہ ان سے بھی زیادہ شدید گناہ ہے اور اس کا توبہ کرنا بھی دیگر تمام برائیوں و نافرمانیوں کی طرح برائی و نافرمانی ہے بلکہ ان سے بھی زیادہ بدتر ہے، اور یہ مقولہ "کُلُّ مَا یَفْعَلُہُ الْقَبِیْحُ قَبِیْحٌ" (یعنی بُرا آدمی جو کچھ کرتا ہے بُرا ہی ہوتا ہے) اس بات کا مصداق ہے۔

ع　ز گندم جو، ز جو گندم نیاید　　(ترجمہ ع: نہ جو گندم سے اُگتے ہیں نہ گندم جو سے اُگتی ہے)

اس کا مرض ذاتی ہے جو علاج کو قبول نہیں کرتا اور اس کی بیماری اصلی ہے جو دوا کو قبول نہیں کرتی، جو چیز کسی کی ذات میں داخل ہو یعنی ذاتی ہو وہ اس کی ذات سے کبھی زائل نہیں ہوتی۔

ع　سیاہی از حبشی کَے رود کہ خود رنگ است　　(ترجمہ ع: نہیں جاتی ہے حبشی کی سیاہی کیونکہ فطری ہے)

۱؎ یہ ایک حدیث ہے جس کو امام غزالی رحمہ اللہ نے احیاء العلوم میں حضرت انس رضی کی روایت سے ذکر کیا ہے اور تخریج احیاء کرنے والے سب حضرات نے اس پر سکوت فرمایا ہے۔ ۲؎ رواہ ابن ماجہ و نسائی بتغیر الفاظ۔

۳؎ کسی عارف نے کہا ہے کہ استغفارنا یحتاج الی استغفار کثیر ع: ہست استغفار ما محتاج استغفار ما۔

؎ سبحہ در کف توبہ بر لب دل پُر از ذوقِ گناہ　　معصیت را خندہ می آید بر استغفار ما

کیا کر سکتا ہوں۔ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ كَانُوْا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ (سورۂ نحل آیت ۳۳) (ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ لوگ خود اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں)۔ ہاں خیرِ محض کے لئے شرِ محض بھی ہونا چاہئے تاکہ خیر (بھلائی و نیکی) کی حقیقت واضح ہو جائے۔ "وَبِضِدِّهَا تَتَبَيَّنُ الْأَشْيَاءُ" (اور چیزیں اپنی ضدوں یعنی بالمقابل چیزوں ہی سے پہچانی جاتی ہیں)۔ خیر و کمال موجود تھا لہٰذا اس کے بالمقابل شر و نقص بھی ہونا چاہئے تھا حُسن و جمال کو (اپنے اظہار کے لئے) آئینہ کی ضرورت ہوتی ہے اور آئینہ چیز کے مقابل ہی ہوتا ہے پس لازمی طور پر خیر کے لئے شر اور کمال کے لئے نقص بمنزلہ آئینہ کے ہے، لہٰذا جس چیز میں نقص و شر زیادہ ہوگا خیر و کمال بھی اسی قدر زیادہ نمایاں ہوگا۔

دیدِ نقص کی فضیلت

عجیب معاملہ ہے کہ اس ذم (برائی) نے مدح (تعریف) کے معنی پیدا کر لئے اور یہ شرارت و نقصان، خیر و کمال کا محل و مقام بن گیا، پس لازمی طور پر عبدیت کا مقام تمام مقامات سے بلند ہوگا اس لئے کہ یہ معنی یعنی اپنے نقص کو دیکھنا مقامِ عبدیت میں نہایت کامل اور مکمل طور پر پائے جاتے ہیں (لہٰذا) محبوبوں کو اس مقام سے مشرف فرماتے ہیں اور محبین (محبت کرنے والے) ذوقِ شہود کے ساتھ لذت حاصل کرتے ہیں، بندگی میں لذت حاصل کرنا اور اس کے ساتھ اُنس اختیار کرنا محبوبوں کے ساتھ مخصوص ہے، مُحبوں کا اُنس محبوب کے مشاہدہ میں ہے اور محبوبوں کا اُنس[1] محبوب کی بندگی میں ہے اسی اُنس (یعنی بندگی) میں ان کو اس (دیدِ نقص کی) دولت کا شرف بخشتے اور اس نعمت کے ساتھ سرفراز کرتے ہیں۔ اس میدان کے یکتا شہسوار، دین و دنیا کے سردار اور اولین و آخرین کے آقا حبیب رب العالمین ہیں علیہ من الصلوات اتمہا ومن التحیات اکملہا (آپ پر کامل ترین درود اور اکمل ترین سلام ہوں)۔ اور (کارکنانِ قضا و قدر) جس کو محض فضل و کرم سے (نقصِ اعمال کے دیکھنے کی) یہ دولت عطا فرمانا چاہتے ہیں اس کو آنسرورِ عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کمال درجہ کی متابعت نصیب فرما دیتے ہیں اور اس متابعت کے وسیلے سے اس کو بلند مقامات کی دہلیز پر لے جاتے ہیں۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ (سورۂ جمعہ آیت ۴) (یہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل و کرم والا ہے)۔

شر اور نقص کے کمال سے مراد[2] سالک کا علم ذوقی ہے اس سے یہ مراد نہیں کہ وہ شخص شرارت و نقص سے

---

[1] اُنس بالضم کسی چیز کے ساتھ آرام پکڑنا۔ — [2] یہ ایک سوال کا جواب ہے جو کہ پہلے بیان سے پیدا ہوتا ہے اور وہ سوال یہ ہے کہ صوفی جب بے حد فضائل اور بے شمار بزرگیوں سے متصف ہو جاتا ہے تو پھر وہ کمال درجہ کے شر و نقص سے کیسے متصف ہو سکتا ہے اس کا جواب حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کے فرمان سے ظاہر ہے۔

متصف ہو، اس علم والا شخص اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کے اخلاق سے متخلق ہوتا ہے، (دیدِ نقص کا) یہ علم بھی اسی تخلق باخلاق اللہ ہی کا ثمرہ ہے، شرارت و نقص کی اس مقام میں سوائے اس کے اور کوئی گنجائش نہیں ہے کہ علم اس کے ساتھ تعلق رکھتا ہے، یہ علم شہودِ تام (کامل مشاہدہ) کے واسطہ سے خیر محض (سراسر بھلائی) ہے، اس خیر (بھلائی) کے پہلو میں تمام چیزیں شر نظر آتی ہیں، یہ کیفیت نفسِ مطمئنہ کے اپنے مقام میں نزول کر لینے کے بعد ہے۔

جبتک[1] سالک اس طرح سے اپنے آپ کو زمین پر نہ ڈالے اور (اپنے نفس کی فنا یعنی) کام کو اس درجہ تک نہ پہنچائے اپنے مولائے کریم جل شانہٗ کے کمالات سے بے نصیب رہتا ہے پس وہ شخص کس طرح بے نصیب نہیں ہوگا جو اپنے آپ کو عین مولا و آقا جانتا ہے اور اپنی صفات کو حق تعالیٰ شانہٗ کی صفات سمجھتا ہے، تعالی اللہ عَنْ ذٰلِکَ عُلُوًّا کَبِیْرًا (یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے بہت ہی اعلیٰ و ارفع ہے) ایسا خیال کرنا اسماء وصفات میں الحاد و زندقہ ہے، اس عقیدے والے لوگ اس گروہ میں شامل ہیں جن کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے وَذَرُوا الَّذِیْنَ یُلْحِدُوْنَ فِیْٓ اَسْمَآئِہٖ اعراف آیت ۱۸۰ (ان لوگوں کو چھوڑ دو جو اللہ تعالیٰ کے اسماء میں الحاد کرتے ہیں) یہ بات ضروری نہیں ہے کہ ہر وہ شخص جس کا جذبہ اس کے سلوک پر مقدم ہو وہ ضرور محبوبین میں سے ہے لیکن محبوبیت میں جذبہ کا مقدم ہونا شرط ہے ہاں البتہ ہر جذبہ میں محبوبیت کے ایک قسم کے معنی پائے جاتے ہیں کہ جس کے بغیر جذب حاصل نہیں ہوتا اور محبوبیت کے وہ معنی کسی عوارض سے پیدا ہوتے ہیں ذاتی نہیں ہیں، اور محبوبیت کے ذاتی معنی اشیاء میں سے کسی شئے کے ساتھ معلل نہیں ہیں (یعنی محبوبیتِ ذاتیہ کسی علت اور سبب کے بغیر حاصل ہوتی ہے) جیسا کہ ہر منتہی کو آخر جذبہ حاصل ہے لیکن وہ محبوں کے گروہ میں داخل ہے (محبوبین کے گروہ میں داخل نہیں ہے) اور کسی عارض کے تعلق سے اس میں محبوبیت کے معنی پیدا ہو گئے ہیں (ذاتی نہیں ہیں) اور اس قسم کی محبوبیت جو کسی عارض کی وجہ سے حاصل ہوئی ہو سالک کے مطلقاً محبوبین میں سے ہونے کے لئے کافی نہیں ہے، اور وہ عارض تصفیہ اور تزکیہ ہے۔ اور بعض مبتدیوں میں آنسرور عالم علیہ الصلوۃ والسلام کا اتباع مجمل طور پر اس معنی کے حصول کا سبب ہے خواہ وہ اتباع بعض امور میں ہی ہو بلکہ منتہی میں بھی (اس کے حصول کا باعث) اتباع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہے اور بس، اور محبوبین میں بھی اس محبوبیتِ ذاتیہ کے معنی کا ظہور فضلِ ربی ہونے کے باوجود آنسرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے

۱؎ اس کا خلاصہ مقصد یہ ہے کہ سالک کے لئے ضروری ہے کہ اپنے عدم ہونے کی حقیقتِ ممکنہ کو جو کہ شرارت و نقص کا مبدأ ہے اور خیر و کمال سے محض خالی ہے پہچانے تاکہ اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کے کمال کو پہچان لے کہ وہ ہر لحاظ سے سراسر خیر و کمال ہے جیسا کہ عارفوں نے کہا ہے مَنْ عَرَفَ نَفْسَہٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّہٗ (جس نے اپنے آپ کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا)۔

اتباع ہی سے وابستہ ہیں بلکہ میں کہتا ہوں کہ وہ معنیٰ ذاتی بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مناسبتِ ذاتیہ کے واسطہ سے ہیں اور (اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے) جو اسم اس سالک کا رب (تربیت کرنے والا) ہے اس خصوصیت کے حق میں اُس اسمِ الٰہی کے مناسب واقع ہوا ہے جو کہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کا رب ہے اور اس نے یہ سعادت وہیں سے حاصل کی ہے، وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ وَاِلَیْہِ الْمَرْجِعُ وَالْمَاٰبُ، وَاللّٰہُ یُحِقُّ الْحَقَّ وَھُوَ یَھْدِی السَّبِیْلُ (اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ہی حق بات کو جانتا ہے اور اسی کی طرف سب کو لوٹ کر جانا ہے، اور اللہ تعالیٰ حق بات کو ثابت کرتا ہے اور وہی سیدھا راستہ دکھاتا ہے)۔

مکتوب ۱۰ دہم

غیر مشہور معانی کے لحاظ سے قُرب و بُعد اور فرق و وصل کے حصول کے بارے میں اور اُن کے بعض مناسب علوم میں ــ یہ بھی اپنے محترم پیر و مرشد کی خدمت میں تحریر کیا۔

عریضہ: حضور کا کمترین خادم عرض کرتا ہے کہ کافی عرصے سے اس بلند بارگاہ کے خادموں کے حالات سے اس خادم کو اطلاع موصول نہیں ہوئی، ہر وقت انتظار ہے ؎

عجبے نیست اگر زندہ شود جانِ عزیز　　چوں از آں یارِ جُدا ماندہ پیامے برسد

کیا عجب ہے کہ مری جاں کو ملے تازہ حیات　　اگر اس دُور کے محبوب کا آجائے پیام

یہ خادم جانتا ہے کہ یہ آپ کی بارگاہ کے لائق نہیں ہے، ؏

ایں بسکہ رسد زدور بانگِ جرسم　　(ترجمہ)　　یہی کافی ہے کہ آتی ہے جرس کی آواز

عجیب معاملہ ہے کہ انتہائی بُعد کو قُرب کے نام سے موسوم کرتے ہیں اور نہایت فراق کو وصل کہتے ہیں، گویا کہ درحقیقت اس کے ضمن میں ان حضرات نے قرب و وصال کی نفی کی طرف اشارہ کیا ہے، شعر

کَیْفَ الْوُصُوْلُ اِلٰی سُعَادَ وَدُوْنَھَا　　قُلَلُ الْجِبَالِ وَدُوْنَھُنَّ خُیُوْفُ

کس طرح پہنچوں میں اپنے یار تک　　راہ میں حائل ہیں کوہ و غار تک

لہٰذا ناچار ہمیشہ کا غم اور دائمی فکر لاحق رہتا ہے، مُراد کو بھی آخر کار مرید کے ارادہ کے ساتھ مرید ہو جانا چاہیے اور محبوب کو محب کی محبت کے ساتھ محب بن جانا چاہیے۔ دین و دنیا کے سردار آنحضرت علیہ من الصلوات اکملہا

ومن التحیات افضلہا (آپ پر کامل ترین صلوات اور افضل ترین تحیات ہوں) مُرادیّت و محبوبیت کے مقام پر فائز ہونے کے باوجود محبین و مریدین میں سے ہوئے ہیں، اسی لئے راویانِ حدیث نے آپؐ کے حال کے متعلق اس طرح خبر دی ہے کہ کَانَ[1] رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مُتَوَاصِلُ الْحُزْنِ دَآئِمُ الْفِکْرِ (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہمیشہ غم و فکر کے آثار چھائے رہتے تھے) ـــــــ اور آنسرورِ عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ مَا[2] اُوْذِیَ نَبِیٌّ مِثْلَ مَا اُوْذِیْتُ (یعنی جتنی ایذا مجھ کو دی گئی ہے اس کی مثل ایذا کسی نبی کو نہیں دی گئی) ـــــ مُحب[3] (محبت کرنے والے حضرات) محبت کے بوجھ کو اٹھا سکتے ہیں محبوبوں کو اس بوجھ کا اٹھانا دشوار رہے۔

اس قصہ کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ ع

قِصَّۃُ الْعِشْقِ لَا انْفِصَامَ لَہَا　(ترجمہ) نہیں ہے انتہائے قصۂ عشق

حاملِ عریضۂ ہٰذا شیخ اللہ بخش ایک قسم کا جذب و محبت رکھتا ہے اس نے اصرار کر کے چند کلمات حضور کے خادموں کی طرف لکھوائے ہیں غرضکہ حضور کی خدمت میں حاضری کا شوق ظاہر کر کے ان حدود کی طرف متوجہ (یعنی روانہ) ہوا ہے۔ پہلے اس نے اپنے بعض ارادوں کا اظہار کیا جب اس خاکسار کی طرف سے عدم دلچسپی محسوس کی تو صرف ملاقات پر راضی ہو کر یہ چند کلمات لکھوائے ہیں، زیادہ (عرض کرنے کی) گستاخی ادب کے خلاف ہے۔

مکتوب ۱۱
یازدہم

بعض مکاشفات اور اپنے قصور کی دید اور تمام اعمال و اقوال میں اپنے آپ کو تہمت زدہ قرار دینے کا مقام حاصل ہونے اور شیخ ابو سعید ابو الخیر[4] (قدس سرہ) کے اس کلام کا سِر (بھید) ظاہر ہونے کے بیان میں جو انھوں نے فرمایا ہے کہ "جب عین نہیں رہتا تو اثر کہاں رہتا ہے" اور بعض احبابِ سلسلہ کے حالات کے بیان میں، یہ بھی اپنے محترم پیر و مرشد بزرگوار کی خدمت میں لکھا۔

عریضہ: آپ کے کمترین خادم، احمد کی گزارش یہ ہے کہ جس مقام میں پہلے اپنے آپ کو دیکھا تھا

---

[1] رواہ الترمذی فی شمائلہ و البیہقی فی شعب و دلائلہ و الطبرانی فی کبیر و ابن عساکر ـــــ [2] رواہ ابن عدی و ابن عساکر از جابر رضی اللہ عنہ ولفظہ مَا اُوْذِیَ اَحَدٌ مَا اُوْذِیْتُ ، رواہ احمد و ترمذی، و ابن حبان عن انس رضی اللہ عنہ مرفوعاً بلفظ لَقَدْ اُوْذِیْتُ فِی اللّٰہِ وَ مَا یُؤْذٰی اَحَدٌ وَ اُخِفْتُ فِی اللّٰہِ وَمَا یُخَافُ اَحَدٌ ـــــ [3] یعنی آنسرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم با وصف محبوب و مراد ہونے کے چونکہ محب بھی ہیں اسی لئے یہ متواتر غم و فکر میں رہنے کی تکلیف برداشت کرنا محب ہونے کی حیثیت سے تھا نہ کہ محبوبیت ہونے کی حیثیت سے ـــــ [4] آپ کا نام فضل اللہ بن ابو الخیر ہے۔ آپ کے پیرِ طریقت شیخ فضل اللہ بن حسن سرخسی ہیں۔ اپنے وقت کے تمام مشائخ آپ کے گرویدہ تھے۔ آپ کی رباعیات بہت مشہور ہیں۔ غزنی میں ۳۵۷ھ میں ولادت ہوئی اور بوقت عشا بروز جمعہ ۴ شعبان ۴۴۰ھ میں وفات پائی۔
(نفحات)

جب حضور کے ارشادِ گرامی کے مطابق پھر اس کو ملاحظہ کیا تو خلفائے ثلاثہ (یعنی حضرتِ صدیقِ اکبر و حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کا گذر اس مقام میں نظر آیا لیکن چونکہ یہ خادم اس مقام میں اقامت و قرار نہیں رکھتا تھا اس لئے پہلی دفعہ میں (یہ حضرات) نظر نہ آئے، جیسا کہ ائمہ اہلِ بیت میں سے حضرات امام حسن، امام حسین اور امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے علاوہ دوسرے ائمہ اس مقام میں قرار و ثبات نہیں رکھتے لیکن ان کا گذر اس مقام میں واقع ہوا ہے جس کو بڑی دقیق نظر سے معلوم کیا جا سکتا ہے ——— اور یہ جو اپنے آپ کو اول اس مقام کے نامناسب دیکھتا تھا تو یہ بے مناسبتی دو قسم کی ہے: ایک یہ کہ طریقوں میں سے کسی طریقے کے ظاہر نہ ہونے کی وجہ سے بے مناسبتی طاری ہو جاتی ہے اور جب اس کو راستہ دکھا دیا جاتا ہے تو وہ بے مناسبتی دور ہو جاتی ہے، اور دوسری بے مناسبتی مطلق ہے جو کسی طرح بھی زائل ہونے کے قابل نہیں ہے ——— اور جو راستے کہ اس مقام تک پہنچانے والے ہیں وہ صرف دو ہیں ان کے علاوہ تیسرا کوئی راستہ نہیں ہے یعنی ان دو[1] راستوں کے علاوہ کوئی اور راستہ ظاہر نہیں ہوتا۔ ایک یہ ہے کہ اپنے نقص و قصور کو دیکھے اور قوتِ جذب حاصل ہونے کے باوجود تمام نیک کاموں میں اپنی نیتوں کو تہمت زدہ خیال کرے، دوسرے کسی کامل مکمل صاحبِ جذب شیخ کی صحبت حاصل کرنا جس نے سلوک کو پورا کیا ہو۔

حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے حضور والا کی عنایت کے طفیل میں پہلا راستہ استعداد کے مطابق عنایت فرمایا ہے اس خادم سے جو نیک عمل بھی وقوع میں آتا ہے اس عمل میں اپنے آپ کو تہمت زدہ تصور کرتا ہوں بلکہ جبتک اپنے اوپر چند قسم کی تہمتیں نہ لگاؤں بے آرام اور بے چین رہتا ہوں، اپنے متعلق ایسا سمجھتا ہوں کہ مجھ سے کوئی عمل ایسا واقع نہیں ہوتا جو کہ دائیں طرف کے فرشتوں (کاتبین کرام) کے لکھنے کے قابل ہو اور جانتا ہوں کہ میرا دائیں طرف کا اعمال نامہ نیک عملوں سے خالی ہے اور اس کے لکھنے والے فرشتے بیکار اور فارغ ہیں، میرے وہ اعمال بارگاہِ حق جل و علا (میں پیش ہونے) کے لائق کب ہو سکتے ہیں اور ہر اس شخص کو جو دنیا میں ہے خواہ وہ کافر[2] فرنگ

بہترین عمل

۱؎ اس میں اشارہ ہے کہ دو ہی راستے ہونا میں حصر استقرائی ہے حقیقی نہیں ہے۔

۲؎ یہ قول اس بزرگ کے قول کے موافق ہے جو فرماتے ہیں کہ جبتک صوفی اپنے آپ کو فرنگی کافر سے برا نہ جانے وہ فرنگی کافر سے بھی زیادہ برا ہے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ یہ بات کس طرح صحیح ہو سکتی ہے جبکہ صوفی مؤمن تو ضرور ہے اور کبھی عالم و پرہیزگار بھی ہوتا ہے اور ہوش و حواس کی حالت میں اپنے اوصاف و اعراض کا علم بھی رکھتا ہے اور ایک ہی نوع کے افراد میں سے ایک فرد کو دوسرے فرد پر انہی اوصاف و اعراض کی وجہ سے فضیلت ہوتی ہے نہ کہ ذات و حقیقت کی وجہ سے۔ پس جب صوفی یہ جانتا ہے کہ کافر فرنگ کفر و معاصی کے ساتھ متصف ہے (باقی بر صفحۂ آئندہ)

اور زندیق ملحد ہی کیوں نہ ہو اپنے سے کئی درجے بہتر جانتا ہوں اور اپنے آپ کو اُن سب سے بدتر خیال کرتا ہوں اور جذبہ کی جہت اگرچہ سیر الی اللہ کے تمام ہونے کے ساتھ پوری ہو گئی تھی لیکن اس کے بعض لوازمات و متعلقات رہ گئے تھے جو کہ اس فنا کے ضمن میں جو مقامِ سیر الی اللہ کے مرکز میں واقع ہوئی تھی پورے ہو گئے، اور اس فنا کے حالات اس خادم نے پہلے عریضے میں تفصیل کے ساتھ لکھ دیئے ہیں۔ اور حضرت خواجہ احرار قدس سرہ نے جو اس کام کی نہایت کو فنا کہا ہے ہو سکتا ہے کہ یہ وہی فنا ہو جو تجلیٔ ذات سیر فی اللہ کے تحقق (حقیقی حصول) کے بعد متحقق ہوئی ہو، اور فنائے[1] ارادہ بھی اسی فنا کی ایک شاخ (قسم) ہے۔ ؎

ہیچ کس[2] را تا نہ گردد او فنا نیست رہ در بارگاہِ کبریا

(ترجمہ) ہو نہ کوئی شخص جب تک حُبِّ مولا میں فنا پا نہیں سکتا وہ راہِ بارگاہِ کبریا

اس مقام کے نامناسب لوگ بھی، جو کہ دو گروہ ہی نظر میں ہیں: ایک گروہ اس مقام کی طرف متوجہ ہے اور اُس تک پہنچنے کا راستہ تلاش کر رہا ہے، اور دوسرا گروہ اس مقام کی طرف کوئی التفات و توجہ نہیں رکھتا اور حضورِ والا کی توجہ اس مقام تک پہنچنے کے (دونوں) راستوں میں سے دوسرے راستہ (یعنی شیخ کامل و مکمل مجذوب سالک کی صحبت) کی طرف زیادہ ظاہر ہوتی ہے اور اسی راستے کے ساتھ مناسبت معلوم ہوتی ہے۔ چونکہ اس خادم کو حضورِ والا کی جانب سے (عرضِ احوال کا) حکم دیا گیا تھا اس لئے تعمیلِ ارشاد کے لئے بعض امور کے

(بقیہ حاشیہ از صفحۂ گذشتہ) اور وہ صوفی جو خود ایمان و دیگر فضائل کے ساتھ متصف ہے تو وہ اپنے آپ کو کافرِ فرنگ سے زیادہ بُرا کس طرح سمجھے گا اور اگر تکلف کے ساتھ ایسا سمجھے گا تو وہ ان فضائل کو ان رذائل سے برا جاننے والا ہو گا اور اس عقیدہ کی برائی و فساد شرعاً و عقلاً ظاہر ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس اشکال کے جواب کی تحقیق اس بات کے جاننے پر موقوف ہے کہ حضراتِ مجددیہ قدس سرہم کے نزدیک حقائقِ ممکنات، اعدام اضافیہ و ظلالِ صفاتِ حقیقیہ سے مرکب ہے۔ یعنی اِن اعدام نے علمِ الٰہی میں اسماء و صفات کے تقابل کی بنا پر ایک ثبوت پیدا کر لیا ہے اور انوارِ صفات کے آئینے ہو کر جہاں (جہان) کے مبادیٔ تعینات ہو گئے ہیں اور خارجِ ظلی میں جو کہ خارجِ حقیقی کا ظل ہے صنعتِ خداوندی سے وجودِ ظلی کے ساتھ موجود ہو گئے ہیں۔ اور اس ترکیب کی بنا پر خیر و شر کے آثار کا مصدر ہو گئے ہیں، عدمِ ذاتی کی جہت سے شر کا کسب کرتے ہیں اور وجودِ ظلی کی جہت سے خیر کا کسب کرتے ہیں پس صوفی کی نظر شریفہ و خسیسہ مظاہر پر وجود کی جہت سے پڑتی ہے جو کہ ان مظاہر میں ہے اور خیر کا مصدر ہے اور جب اپنے اندر نگاہ کرتا ہے تو اس کی نگاہ عدم کی جہت پر پڑے گی جو اس کی ذاتی ہے اور شرارت کا منشا ہے اور وہ اپنے آپ کو ہر خیر و کمال سے مطلقاً خالی دیکھے گا اور عارضی خیر و کمال کو جو کہ اس نے وجود کی جہت سے کسب کیا ہے اپنی ملکیت سے نہیں پائے گا مجبوراً اپنے آپ کو کافرِ فرنگ اور دیگر خسیس چیزوں سے بھی بدتر سمجھے گا۔
(منقول از مکتوب نہم از مکاتیب حضرت مظہر جان جاناں قدس سرہ باختصار یسیر)

(حاشیہ صفحۂ ھذا) [1] فنائے ارادہ سے مراد یہ ہے کہ اپنے ارادہ کو حق تعالیٰ شانہ کے ارادہ میں فنا و گم کر دے۔
[2] اس مضمون کا عربی شعر بھی ہے ؎ و من لم یکن فی حب مولاہ فانیا ٭ فلیس لہ فی کبریاہ سبیل،

لکھنے میں جرأت و گستاخی کی ہے ورنہ ع

من ہماں احمدِ پارینہ کہ ہستم ہستم (ترجمہ) میں وہی احمد ہوں خادم ہوں پرانا آپ کا

دوسری عرض یہ ہے کہ اس مقام کے دوسری مرتبہ ملاحظہ کے وقت دوسرے مقام ایک دوسرے کے اوپر ظاہر ہوئے (جن میں سے بعض بعض کے اوپر تھے) نیازمندی اور عاجزی سے توجہ کرنے کے بعد جب اس خادم کو اس پہلے مقام سے اوپر کے مقام میں رسائی حاصل ہوئی تو معلوم ہوا کہ یہ مقام حضرت ذی النورین (حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ) کا مقام ہے اور دوسرے خلفا کو بھی اس مقام میں عبور واقع ہوا ہے اور یہ مقام بھی تکمیل و ارشاد کا مقام ہے اور اسی طرح سے اس مقام کے اوپر کے دو مقام بھی جن کا اب ذکر کیا جاتا ہے تکمیل و ارشاد کے مقام ہیں (یعنی) اور اس مقام کے اوپر ایک اور مقام نظر آیا جب اس مقام میں رسائی حاصل ہوئی تو معلوم ہوا کہ وہ حضرت فاروقِ اعظم (حضرت عمر) رضی اللہ عنہ کا مقام ہے اور دوسرے خلفا کا بھی اس مقام میں عبور واقع ہوا ہے اور اس مقام کے اوپر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا مقام ظاہر ہوا اور اس خادم کو اس مقام میں بھی (عبور کے طور پر) رسائی حاصل ہوئی اور اپنے مشائخ (یعنی اپنے سلسلہ کے بزرگوں) میں سے حضرت خواجۂ نقشبند (خواجہ بہاؤالدین نقشبند بخاری) قدس سرہ الاقدس کو ہر مقام میں اپنے ہمراہ[1] پاتا تھا، اور دوسرے خلفاء کا بھی اس مقام میں عبور واقع ہوا ہے، ان مقامات میں رسائی حاصل کرنے کے بارے میں دوسروں میں اور صاحبِ مقام میں) فرق، عبور و مقام اور مرور و ثبات کا ہے (یعنی صاحبِ مقام کو اس جگہ اقامت و قرار حاصل ہے اور دوسروں کو صرف عبور و مرور حاصل ہے) اور اُس مقام (یعنی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے مقام) کے اوپر آنحضرت خاتم الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقام کے علاوہ اور کوئی مقام معلوم نہیں ہوتا اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے مقام کے برابر میں ایک نہایت عمدہ نورانی مقام ظاہر ہوا جس کی مانند کبھی دیکھنے میں نہیں آیا تھا اور وہ مقام اس مقام سے قدرے بلندی پر تھا، جیسا کہ چبوترہ کو سطح زمین سے کچھ اونچا بناتے ہیں اور معلوم ہوا کہ یہ مقام محبوبیت کا مقام ہے اور وہ مقام رنگین اور نقش و نگار والا تھا۔ اس خادم نے اپنے آپ کو بھی اس مقام کے پرتو[2] سے رنگین و منقش محسوس کیا، اس کے بعد اس کی کیفیت میں اپنے آپ کو

مقاماتِ خلفاء میں عبور

مقامِ محبوبیت

---

[1] یعنی جس طرح کہ باپ اپنے بیٹے کے ساتھ اور شیخ اپنے مرید کے ساتھ اور استاد اپنے شاگرد کے ساتھ ہوتا ہے۔ پس سمجھ لیجئے اور کسی دوسرے شبہ میں پڑکر غلطی کا مرتکب نہ ہو جائیے ——— [2] اس میں حضرت مجدد قدس سرہ نے ایک مشہور شبہ و اعتراض کا ازالہ فرمایا ہے یعنی یہ نہیں فرمایا کہ میں اس مقام سے اپنے آپ کو رنگین پاتا ہوں بلکہ یہ فرمایا کہ اس مقام کے انعکاس و پرتو سے اپنے آپ کو رنگین محسوس کرتا ہوں، اور یہ بھی نہیں فرمایا کہ اس مقام میں داخل ہوا ہوں (باقی بر صفحۂ آئندہ)

لطیف پایا اور ہوا کی مانند یا بادل کے ٹکڑے کی طرح چاروں طرف افق میں پھیل گیا اور بعض اطراف میں چھا گیا اور حضرت خواجۂ بزرگ (حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبند قدس سرہ) حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے مقام میں ہیں اور یہ خادم اپنے آپ کو اس کیفیت کے ساتھ جو کہ عرض کی گئی ہے (یعنی اپنے آپ کو رنگین اور منقش و لطیف ہوا یا بادل کے ٹکڑے کی طرح منتشر پایا) اس مقام کے برابر و مقابل کے مقام میں پاتا ہے۔

ایک اور عرض یہ ہے کہ اس عمل یعنی ارشاد و تبلیغ میں مشغول ہونے کو ترک کرنا پسندیدہ نظر نہیں آتا اور کیسے پسندیدہ ہو سکتا ہے جبکہ حالت یہ ہے کہ دنیا گمراہی کے بھنور میں غرق ہو رہی ہے اور جو شخص اپنے اندر اس بھنور سے ان کو نکالنے کی طاقت پاتا ہے وہ اپنے آپ کو کس طرح معاف و معذور سمجھ سکتا ہے، اگرچہ اس کو دوسرے کام بھی درپیش ہوں پھر بھی (ارشاد کے) اس کام میں مشغول ہونا ضروری اور پسندیدہ ہے لیکن شرط یہ ہے کہ بعض خطرات و خواہشات جو اس عمل کے دوران ظاہر ہوتی رہیں ان سے استغفار کرنا اپنے اوپر ضروری سمجھا جائے، اسی شرط سے (اللہ تعالیٰ کی) رضا میں داخل ہو جائے گا، اس شرط کا لحاظ کئے بغیر (اللہ تعالیٰ کی) رضا میں داخل نہیں ہو سکتا اور نیچے ہی ٹھہرا رہتا ہے، لیکن حضرت خواجہ نقشبند اور حضرت خواجہ علاؤالدین عطار قدس اللہ تعالیٰ اسرارہما (اللہ تعالیٰ ان کے اسرار کو پاکیزہ بنائے) کے بارے میں اس شرط کا لحاظ کئے بغیر ہی یہ عمل پسندیدہ ہے، اس کمترین خادم کا یہ عمل اس شرط کا لحاظ کئے بغیر کبھی (اللہ تعالیٰ کی) رضا میں داخل ہے اور کبھی اس سے نیچے ہی ٹھہرا رہتا ہے۔

(بقیہ حاشیہ از صفحۂ گذشتہ) بلکہ فرمایا کہ اس مقام سے رنگین و منقش ہوا ہوں، اور وصول مقام ہیں اور مقام کے پرتو سے رنگین ہونے میں بہت فرق ہے۔ اور اس قول کی اور بھی توجیہات ہیں جیسا کہ خود حضرت مجدد قدس سرہٗ نے جلد اول مکتوب ۲۰۲ میں فرمایا ہے کہ وہ شخص جو اپنے آپ کو حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے افضل جانے اس کا حکم دو حال سے خالی نہیں یا وہ زندیق محض ہے یا جاہل صرف۔ .... وہ شخص جو حضرت امیر (علی) رضی اللہ عنہ کو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے افضل کہے اہل سنت و جماعت کے گروہ سے نکل جاتا ہے تو پھر اس شخص کا کیا حال کہ جو اپنے آپ کو (ان حضرات سے) افضل جانے۔ اور اس گروہ (صوفیا) میں یہ بات مقرر ہے کہ اگر کوئی سالک اپنے آپ کو خسیس (خارش زدہ) کتّے سے بہتر جانے تو وہ ان بزرگوں کے کمالات سے محروم ہے ——— سلف کا اجماع اس پر منعقد ہو چکا ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تمام انسانوں سے افضل ہیں۔ وہ بڑا ہی احمق ہے جو اس اجماع کے برخلاف کرے" ——— نیز اس اشکال کے حل کے لئے مکتوب ۲۰۸ دفتر اول مطالعہ کرنا چاہئے۔ مزید حضرت مجددؒ نے اشکال مذکور کا جواب صراحت کے ساتھ دفتر اول مکتوب ۲۲۰ اور ۲۹۲ میں بھی تحریر فرمایا ہے۔

یہ وہی مکتوب شریف ہے جس کی بنا پر حضرت مجددؒ کے خلاف جہانگیر بادشاہ کو بھڑکایا گیا تھا، اور اس نے آپ کو گوالیار کے قلعہ میں قید کر دیا تھا۔

دیگر عرض یہ ہے کہ نفحات میں حضرت شیخ ابو سعید ابوالخیرؒ کے ملفوظات میں آیا ہے کہ "عین نمی ماند اثر کجا ماند" (جب عین (ذات) ہی نہیں رہتا تو اثر (صفت) کہاں رہے گا)۔ لَا تُبْقِی وَلَا تَذَرُ (مدثر آیت ۲۸) یعنی عشق کی آگ نہ باقی چھوڑتی ہے اور نہ ہی ہاتھ روکتی ہے (یعنی نہ ذات وصفات باقی رہنے دیتی ہے اور نہ پیچھا ہی چھوڑتی ہے)۔

یہ بات شروع میں مشکل معلوم ہوتی تھی کیونکہ حضرت شیخ محی الدین ابن عربیؒ اور ان کے متبعین کا نظریہ یہ ہے کہ عین (ذات) جو کہ اللہ تعالیٰ کے معلومات میں سے ایک معلوم ہے اس کا زائل ہونا محال ہے ورنہ علم جہالت سے بدل جائے گا اور جب عین زائل نہیں ہوتا تو اثر بھی کہیں نہیں جاتا"۔ اور اسی طرح ذہن میں یہ بات پختہ ہو چکی تھی۔ اور حضرت شیخ ابو سعید قدس سرہ العزیز کی بات کسی طرح حل نہیں ہوتی تھی، پوری طرح توجہ کرنے کے بعد حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے اس بات کا راز ظاہر فرمادیا اور یہ بات تحقیق کو پہنچ گئی کہ "نہ عین باقی رہتا ہے نہ اثر" اور اپنے اندر بھی اس بات کی حقیقت[۵۱] وکیفیت کو معلوم کرلیا اور کوئی اشکال باقی نہیں رہا۔ اور اس معرفت کا مقام بھی نظر آگیا جو کہ اس مقام کے اوپر بہت ہی بلند ہے جس کو کہ حضرت شیخ محی الدین ابن عربی قدس سرہٗ اور ان کے تابعداروں نے بیان فرمایا ہے اور دونوں نظریے (بحثیں یعنی میرا اور حضرت شیخ محی الدینؒ کا قول) ایک دوسرے کے ہرگز خلاف نہیں ہیں، ایک بحث کسی ایک مقام سے ہے اور دوسری بحث کسی دوسرے مقام سے ہے۔ زیادہ تفصیل سے عرض کرنا طول کلامی اور رنج کا باعث ہے۔

ابن عربیؒ اور حضرت مجددؒ کا نظریہ متضاد نہیں

اور نیز جو کچھ حضرت شیخ ابو سعید ابوالخیر قدس سرہ نے اس حدیث[۵۲] (یعنی تجلیٔ ذاتی برقی) کے دائمی ہونے کے متعلق فرمایا ہے وہ بھی ظاہر ہو گیا کہ حدیث سے کیا مراد ہے اور اس کا دوام کیا ہے اور اس خادم نے اپنے آپ میں بھی اس حدیث کو دائمی پایا اگرچہ یہ نوادرات[۵۳] میں سے ہے۔

ایک اور عرض یہ ہے کہ ہر کتاب کا مطالعہ کرنا بالکل اچھا نہیں معلوم ہوتا البتہ جس کتاب میں ان بزرگوں کے کمالات وبلند مراتب کا ذکر درج ہے جو کہ مقامات میں واقع ہوئے ہیں اس کتاب کا مطالعہ اچھا معلوم ہوتا ہے تاکہ اس قسم کی کوئی چیز دیکھی جائے۔ اور متقدمین مشائخ کے حالات بہت پسند آتے ہیں حقائق اور معارف کی کتابیں خاص طور پر توحید وجودی اور تنزلاتِ مراتب[۵۴] کا مطالعہ نہیں کر سکتا، یہ خادم اپنے آپ کو

---

۵۱ یعنی خود بھی قال سے حال کے ساتھ علم الیقین سے عین الیقین کے ساتھ متصف ہو گیا ہوں ——— ۵۲ مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو مکتوبات شریف دفتر اول مکتوب ۲۱ و ۲۷ ——— ۵۳ یعنی اس سے صرف اخص الخواص اولیاء کرام کو مشرف کرتے ہیں۔

۵۴ تنزلاتِ مراتب، جن کو تنزلاتِ خمسہ، حضراتِ خمسہ اور تعیناتِ خمسہ بھی کہتے ہیں تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو دفتر دوم مکتوب اول۔

اس بارے میں حضرت شیخ علاؤ الدولہ قدس سرہ کے ساتھ زیادہ مناسبت پاتا ہے اور ذوق و حال میں اس شیخ موصوف (شیخ علاؤ الدولہؒ) کے ساتھ متفق ہے، لیکن (توحید وجودی والوں کے موافق) جو معرفت پہلے حاصل ہو چکی ہے وہ اس کے انکار اور شدت تک نہیں آنے دیتی۔

دیگر عرض یہ ہے کہ کئی مرتبہ بعض امراض کے دور کرنے کے لئے توجہ کی گئی اور اس کا اثر بھی ظاہر ہوا اور اسی طرح بعض مُردوں کے حالات جو عالمِ برزخ سے ظاہر ہوئے تھے ان کے رنجوں اور تکالیف کے دور کرنے کے لئے بھی توجہ کی گئی لیکن اب اس خادم میں اس توجہ پر قدرت نہیں رہی کیونکہ اب (بوجہ حق تعالیٰ شانہٗ میں نہایت مستغرق رہنے کے) اپنے آپ کو کسی چیز پر جمع نہیں کر سکتا ہوں۔ (یعنی غیرِ حق جل شانہٗ کی طرف توجہ کرنے کی طاقت اب اس فقیر میں نہیں رہی ہے)۔

بعض تکلیفیں لوگوں کی طرف سے اس فقیر پر گذریں اور انھوں نے بہت ظلم و ستم کئے اور فقیر سے تعلق رکھنے والے بہت سے لوگوں کو ناحق طور پر ان لوگوں نے برباد اور جلاوطن کر دیا، اس فقیر کے دل پر ان کے حق میں کسی قسم کا غبار اور رنج بالکل نہیں آیا، ان کے ساتھ برائی کرنے کا خیال دل میں گذرنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

جن بعض دوستوں نے مقامِ جذبہ (سیرِ انفسی) کا مشاہدہ و معرفت حاصل کر لی ہے اور ابھی تک سلوک کی منزلوں میں قدم نہیں رکھا ان کے بعض حالات عرضِ خدمت کئے جاتے ہیں، امید ہے کہ حق سبحانہٗ و تعالیٰ جذبہ کی جہت کے کامل ہو جانے کے بعد ان حضرات کو سلوک (سیرِ آفاقی) کی سعادت سے مشرف فرمائے گا۔ (ان دوستوں میں سے ایک) شیخ نور اسی مقام میں رُکا ہوا ہے نقطۂ فوق تک جو کہ جذبہ کے مقام میں ہے نہیں پہنچا ہے، حرکات و سکنات میں تکلیف دیتا ہے اور (اس کی) قباحت و برائی کو نہیں سمجھتا، بلا ارادہ اس کا کام توقف میں پڑ جاتا ہے، اور اسی طرح اکثر دوستوں کا کام آداب کی رعایت نہ کرنے کی وجہ سے توقف (رکاوٹ) میں پڑ جاتا ہے، اس بارے میں حیران ہوں کہ اس خادم کی طرف سے ان کے توقف کا کوئی ارادہ نہیں ہے بلکہ ان کی ترقی کا ارادہ ہے، بلا ارادہ ان کے کام میں توقف و دیر واقع ہو جاتی ہے ورنہ راستہ تو بہت ہی نزدیک ہے۔ مولانا معہود (مذکور یعنی شیخ نور) کا مزید حال یہ ہے کہ نیچے کی طرف اخیر نقطے تک (ایک لحاظ سے) پہنچ گیا اور اس نے جذبے کے کام کو انجام تک پہنچا لیا۔ اور اس مقام کی برزخیت تک پہنچ گیا اور فوق کو من وجہ نہایت تک پہنچا لیا، اس نے اول اول صفات کو بلکہ اس نور کو جس کے ساتھ صفات قائم ہیں اپنے آپ سے جدا دیکھا، اور اپنے آپ کو شیخ فانی معلوم کیا، اس کے بعد صفات کو ذات سے جدا دیکھا اور

بعض دوستوں کے حالات

اس دیکھنے کے ساتھ مقامِ جذبہ کی احدیت تک پہنچا، اور اب دنیا کو اور اپنے آپ کو ایسا گم کر دیا ہے کہ نہ احاطہ کا قائل ہے نہ معیت کا، اور پوشیدہ ترین ذات (یعنی مرتبۂ تجرد و احدیتِ صرفہ) کی طرف ایسا متوجہ ہے کہ حیرت و نادانی کے سوا کچھ حاصل نہیں رکھتا ــــــ اور سید شاہ حسین بھی مقامِ جذبہ کے ذریعہ آخری نقطہ کے نزدیک پہنچ چکا ہے یعنی اس کا سر نقطہ تک پہنچ گیا ہے اور اسی طرح وہ صفات کو ذات سے جُدا دیکھتا ہے لیکن ذاتِ احد کو سب جگہ پاتا ہے اور اس ظہور سے خوش و خرم ہے ــــــ اور اسی طرح میاں جعفر بھی آخری نقطہ کے قریب پہنچ چکا ہے اور بہت ذوق و شوق اور جذبہ اس سے ظاہر ہوتا ہے، شاہ حسین کے لگ بھگ (حال) ہے اور دوسرے دوستوں میں بھی فرق ظاہر ہو رہا ہے ــــــ میاں شیخیؒ و شیخ عیسیٰ اور شیخ کمال جذبہ میں نقطۂ فوق تک پہنچ گئے ہیں اور شیخ کمال بھی نزول کی طرف متوجہ ہے (یعنی تکمیل و ارشاد کے لئے خلق کی طرف متوجہ ہے) ــــــ اور شیخ ناگوری نقطۂ فوق کے نیچے کے حصہ تک آیا ہے لیکن ابھی اس کو بہت سفر درپیش ہے۔ اور اس جگہ کے دوستوں میں سے اب تک آٹھ یا نو افراد بلکہ دس افراد نقطۂ فوق کے نیچے کے حصہ تک پہنچے ہیں، بعض نقطہ تک پہنچ کر نزول کی طرف متوجہ ہیں۔ بعض دوسرے دوست نقطہ کے قریب ہیں اور بعض دُور ــــــ میاں شیخ مزمل اپنے آپ کو گم پاتا ہے اور صفات کو اصل سے دیکھتا ہے اور مطلق کو سب جگہ پاتا ہے اور اشیاء کو سرابؒ کی مانند ناقابلِ اعتبار جانتا ہے بلکہ کچھ بھی نہیں پاتا ہمولانا مذکور کے بارے میں ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ اس کو دوسرے لوگوں کی تعلیم کے لئے اجازت دینا پسندیدہ بات ہے لیکن اجازت وہ ہو جو جذبہ کے مناسب ہو اگرچہ اس کے بعض امور باقی رہ گئے ہیں جن کا اس کو استفادہ کرنا ضروری تھا لیکن اس نے روانہ ہونے میں جلدی کی اور توقف نہ کیا۔ حضورِ والا کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو رہا ہے آپ جس طرح اس کے کام کی بہتری تصور فرمائیں اس کو حکم دیں۔ جو کچھ اس خاکسار کی سمجھ میں آیا عرض کر دیا گیا وَالْحُكْمُ عِنْدَكُمْ (اور اصل حکم تو آپ ہی کا ہے) ــــــ خواجہ ضیاءالدین محمد چند روز یہاں رہا اُس نے کسی قدر حضور و اطمینان حاصل کر لیا تھا آخر کار اسبابِ معیشت کی کمی کی وجہ سے اپنے آپ کو اطمینان کے ساتھ نہ رکھ سکا اور لشکر (کی ملازمت) کی طرف متوجہ ہو گیا ــــــ اور مولانا شیر محمد کا لڑکا بھی ملازمت کی طرف متوجہ ہے اس کو بھی کسی قدر حضور و جمعیت حاصل ہے، بعض موانعات کی وجہ سے اس نے زیادہ ترقی نہیں کی۔ زیادہ لکھنا گستاخی ہے۔ ع

بندہ باید کہ حدّ خود داند (ترجمہ) چاہیے بندہ اپنی حد میں رہے

لہ سراب بفتح، گرمی کے دنوں میں پیاسے مسافر کو صحرا کی ریت آفتاب کی تپش سے دور سے پانی کی مانند نظر آتی ہے یعنی اس کو ریت پر پانی کا دھوکا ہوتا ہے اور کبھی چاندنی رات میں بھی ایسا ہی دھوکا ہوتا ہے، مراد مطلق دھوکا ہے۔

عریضۂ ہذا کے لکھنے کے بعد ایک ایسی کیفیت ظاہر ہوئی اور ایک ایسا حال پیش آیا کہ جس کو تحریر کے ذریعے بیان نہیں کیا جا سکتا، اور اس حال میں فنائے ارادہ متحقق ہو گئی جیسا کہ پہلے ہی ارادہ کا تعلق مُرادوں سے منقطع ہو چکا تھا لیکن اصل ارادہ باقی رہ گیا تھا چنانچہ ایک عریضہ میں عرض کیا جا چکا ہے، اب اس وقت ارادہ بھی جڑ سے نکل گیا ہے اور (اب بجز ذاتِ حق بحتہ کے) نہ مراد باقی ہے نہ ارادہ، اور اس فنا کی صورت بھی نظر آئی اور بعض علوم جو اس مقام کے مناسب ہیں فائض (ظاہر) ہوئے، چونکہ باریکی و پوشیدگی کے باعث ان علوم کو تحریر میں لانا دشوار تھا اس لئے مجبوراً قلم کی باگ کو ان علوم کے تحریر کرنے سے موڑ لیا، اس فنا کے ثابت ہونے اور علوم کے فیضان کے وقت وحدت سے اوپر ایک خاص نظر ظاہر ہوئی ہے اگرچہ یہ بات طے شدہ ہے کہ وحدت سے اوپر کوئی نظر نہیں ہے بلکہ کوئی نسبت نہیں ہے لیکن اس خادم کو جو کچھ پیش آتا ہے عرض کر دیتا ہے اور جبتک کہ یقین کے درجہ کو نہیں پہنچ جاتا لکھنے کی جرأت نہیں کرتا، اور اس مقام کی صورت وحدت سے پرے اس طرح دیکھتا ہے جیسا کہ آگرہ دہلی سے پرے ہے اور اس میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں ہے اگرچہ نظر میں نہ وحدت ہے نہ اس سے ماوراء کوئی اور چیز، اور نہ کوئی اور مقام ہے جس کو حق ہونے کے عنوان سے جانے یا حق کو اس کے ماورا (پرے) جانے، حیرت و نادانی اسی طرح خالص و صاف ہے اور اس دید سے کوئی فرق نہیں ہوا۔ میں نہیں سمجھتا کہ کیا عرض کروں سب تناقض در تناقض (ایک دوسرے کی ضد) ہے جس کو بیان نہیں کیا جا سکتا اور حال بلاشبہ ثابت ہے۔ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ وَاَتُوْبُ اِلَی اللّٰہِ مِنْ جَمِیْعِ مَاکَرِہَ اللّٰہُ قَوْلًا وَّ فِعْلًا وَّ خَاطِرًا وَّ نَاظِرًا[1] (یعنی میں اللہ تعالیٰ سے مغفرت چاہتا ہوں اور قول، فعل، خیال اور نظر میں سے جو چیز بھی اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے اس سے توبہ کرتا ہوں)۔

اور نیز اس وقت ایسا معلوم ہوا کہ پہلے فنائے صفات کے بارے میں جو کچھ جانتا تھا دراصل وہ صفات کی خصوصیات اور ان کے مابہ الامتیاز کی فنا تھی جو کہ وحدت کے ضمن میں درج ہوئی تھی اور (دیگر) خصوصیات دور ہو گئی تھیں، اب اصل صفات بھی اگرچہ ایک دوسرے میں داخل ہونے اور مل جانے کے طور پر ہوں برطرف ہو گئی ہیں اور غلبۂ احدیت نے کسی چیز کو بھی باقی نہیں چھوڑا ہے اور جو تمیز کہ اجمالی یا تفصیلی علم کے مرتبہ سے غلبۂ احدیت

[1] خطرات و وساوس کے لئے تنہائی میں یہ الفاظ تین مرتبہ زبان سے کہے ؛ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ مِنْ جَمِیْعِ مَاکَرِہَ اللّٰہُ قَوْلًا وَّ فِعْلًا وَّ خَاطِرًا وَّ سَامِعًا وَّ نَاظِرًا لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ اور اس وقت سانس کو تینوں مرتبہ قوت کے ساتھ کھینچے اس طرح پر کہ گویا وہ کسی چیز کو دماغ سے دور کر رہا ہے اور دل کو زبان کے موافق کرے یعنی دل میں اس استغفار کے معنی کا لحاظ رکھے (از حاشیہ مکتوباتِ حضرت مجددؒ بزبان فارسی از مولانا نور احمد امرتسریؒ)

حاصل ہوئی تھی، نہیں رہی اور نظر پوری طرح خارج پر آگئی (اور بزرگوں کا یہ مقولہ کَانَ اللّٰہُ وَلَمْ یَکُنْ مَعَہٗ شَیْءٌ وَھُوَ اَلْاٰنَ کَمَا کَانَ[1] (یعنی اللہ تعالیٰ تھا اور اس کے ساتھ کوئی چیز نہیں تھی اور اب بھی ویسا ہی ہے جیسا کہ تھا) اس وقت حال کے مطابق ہوگیا ہے اور پہلے اس حدیث کے مضمون کا صرف علم تھا حال نہیں تھا (یعنی اب علم و حال دونوں جمع ہیں) امید ہے کہ حضور والا اس کی صحت و غلطی پر آگاہ فرمائیں گے۔

دیگر یہ کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مولانا قاسم علی کو مقام تکمیل سے کچھ حصہ حاصل ہے اور اسی طرح یہاں کے بعض دوستوں کو بھی اس مقام سے کچھ حاصل ہونا معلوم ہوتا ہے۔ وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ اَعْلَمُ بِحَقِیْقَۃِ الْحَالِ (حقیقتِ حال کو اللہ تعالیٰ ہی زیادہ بہتر جانتا ہے)۔

مکتوب ۱۲ دوازدہم

مقام فنا و بقا اور ہر چیز کی خاص وجہ کا ظہور حاصل ہونے اور سیر فی اللہ و تجلی ذاتی برقی وغیرہ کی حقیقت کے بیان میں، یہ بھی اپنے پیر و مرشد بزرگوار کی خدمت میں تحریر کیا۔

عریضہ:۔ آپ کا کمترین خادم، احمد خدمتِ عالیہ میں عرض کرتا ہے کہ اپنی کوتاہیوں کے بارے میں کیا عرض کروں، مَاشَاءَ اللّٰہُ کَانَ وَمَالَمْ یَشَأْ لَمْ یَکُنْ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ (یعنی جو کچھ اللہ تعالیٰ نے چاہا وہ وجود میں آگیا اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے نہیں چاہا وہ وجود میں نہیں آیا اور نافرمانیوں اور گناہوں سے بچنا اور حق تعالیٰ کی فرمانبرداری اور مرضی پر عمل کرنے کی طاقت اللہ تعالیٰ کی بلند و عظیم ذات (کی مدد) کے بغیر ممکن نہیں)۔

فنا و بقا کا ظہور

جو علوم کہ فنا فی اللہ اور بقا باللہ[2] سے تعلق رکھتے ہیں حق تعالیٰ نے اپنی عنایت سے ظاہر فرما دیئے ہیں اور اسی طرح اس خادم نے معلوم کرلیا ہے کہ ہر چیز کی وجہ خاص کیا ہے اور سیر فی اللہ کے کیا معنی ہیں اور تجلیٔ ذاتی برقی کیا ہوتی ہے اور محمدی المشرب کون ہے اور اسی قسم کی دوسری چیزیں، اور ہر ایک

---

[1] مشکوٰۃ شریف میں عمران بن حصین سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ نے فرمایا کان اللّٰہ ولم یکن شی قبلہ اور صحیح بخاری کتاب بدء الخلق میں یہ روایت ان الفاظ کے ساتھ وارد ہے کان اللّٰہ ولم یکن شی غیرہ اور ساداتِ صوفیہ کی عبارتوں میں یہ عبارت واقع ہوئی ہے۔ کان اللّٰہ ولم یکن معہ شیٔ۔ ان بزرگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ والآن علی ما علیہ ——— [2] فنا فی اللہ، بقا باللہ اور تجلیٔ ذاتی وغیرہ اصطلاحاتِ صوفیہ کی تشریح دوسرے مکتوبات خصوصاً دفتر دوم مکتوب ۹۴ و دفتر سوم مکتوب ۶۴ میں مطالعہ کریں اور اقسامِ سیر کو حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے دفتر اول مکتوب ۱۴۴ میں بیان فرمایا ہے۔

مقام میں اس کے لوازمات وضروریات کو دکھاتے اور ان کی سیر کراتے ہیں، اور شاید ہی کوئی ایسی چیز رہ گئی ہو کہ جس کی اولیاء اللہ نے نشاندہی کی ہے، اس کو راستے میں چھوڑ دیتے ہوں اور نہ دکھاتے ہوں (یعنی ایسی کوئی چیز نہیں ہے جو نہ دکھائی گئی ہو) قُبِلَ مَنْ قُبِلَ بِلَا عِلَّۃٍ (یعنی جو کوئی بھی خدائے تعالیٰ کی بارگاہ میں مقبول ہوا ہے وہ بلا علت (سبب) ہی محض عنایتِ الٰہی سے مقبول ہوا ہے)۔ جس طرح یہ خادم ہر چیز کی ذات اور اصل کو اللہ تعالیٰ کی مخلوق (پیدا کی ہوئی) جانتا ہے اسی طرح قابلیتوں اور استعدادوں کو بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق اور بنائی ہوئی جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ قابلیتوں کا محکوم وتابع نہیں ہے اور کوئی چیز ایسی نہیں کہ اُس پر حاکم ہو، زیادہ لکھنے کی گستاخی مناسب نہیں۔ ع

بندہ باید کہ حدِّ خود داند (ترجمہ) (چاہیے بندہ اپنی حد میں رہے)

مکتوب ۱۳
سیزدہم

اس بیان میں کہ اس راستے (راہِ سلوک) کی کوئی انتہا نہیں ہے اور حقیقت کے علوم شریعت کے علوم کے عین مطابق ہیں، یہ بھی اپنے پیرو مرشد بزرگوار کی خدمت میں تحریر فرمایا۔

عریضہ: حضورِ والا کا کمترین خادم **احمد** عرض کرتا ہے، افسوس ہزار افسوس کہ اس راستے کی کوئی انتہا ہی نہیں ہے، اس راستہ کی سیر نہایت تیزی کے ساتھ اور واردات وعنایات نہایت کثرت سے واقع ہو رہے ہیں، اسی لئے مشائخ عظام نے فرمایا ہے کہ سیر الی اللہ پچاس ہزار سال کا راستہ ہے، تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ (سورۃ المعارج آیۃ ۴) (یعنی فرشتے اور روح یعنی جبرئیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی طرف چڑھتے ہیں یعنی عروج کرتے ہیں ایک ایسے دن میں جس کی مقدار یعنی طول پچاس ہزار سال ہے) اس آیۂ مبارکہ میں شاید اسی معنی کی طرف اشارہ ہے۔

جب کام ناامیدی تک پہنچ گیا اور امیدیں منقطع ہوگئیں تو آیت وَهُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْ بَعْدِ مَا قَنَطُوْا وَيَنْشُرُ رَحْمَتَهٗ (شوریٰ ۴۲ آیت ۲۸) (اور اللہ تعالیٰ ہی ہے جو کہ لوگوں کے ناامید ہونے کے بعد بارش نازل فرماتا ہے اور اپنی (عام) رحمت کو پھیلا دیتا ہے) مددگار ہوئی۔ (یعنی اس آیتِ مبارکہ سے تسلی ہوئی اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے کام بن گیا)۔

چند روز ہوئے کہ اشیاء میں سیر واقع ہوئی ہے اور رشد و ہدایت کے طالبوں و مریدوں کی بھی کثرت ہو گئی ہے، القصہ ان کی رشد و ہدایت کا کام شروع کر دیا گیا ہے لیکن ابھی تک اپنے آپ کو (ارشاد و تکمیل کے) اس مقام کے قابل نہیں پاتا ہوں، لیکن لوگوں کے اصرار کی وجہ سے مروّت و حیا کے باعث کچھ نہیں کہتا ہوں' اور توحید وجودی کے مسئلے میں پہلے اس خادم کو تردّد تھا جیسا کہ کئی مرتبہ عرضِ خدمت کیا جا چکا ہے اور افعال و صفات کو اصل سے جانتا تھا جب معاملے کی حقیقت معلوم ہو گئی تو وہ تردّد دور ہو گیا اور مقولہ) ہمہ از وست کے پلّہ (دامن) کو (مقولہ) ہمہ اوست کے دامن سے بھاری و غالب پایا اور اس (ہمہ از وست) میں ہمہ اوست سے زیادہ کمال دیکھا اور افعال و صفات کو بھی دوسرے رنگ میں معلوم کیا۔ سب کو ایک ایک کر کے دکھایا اور (ان کے) اوپر سے گذر کرایا، (چنانچہ) شک و شبہ بالکل جاتا رہا، تمام کشفی علوم ظاہر شریعت کے مطابق نکلے اور ظاہر شریعت سے بال بھر (یعنی ذرا بھی) مخالفت نہیں پائی۔ اور بعض صوفیہ جو ظاہر شریعت کے خلاف کشفوں کو بیان کرتے ہیں وہ سہو کی وجہ سے ہے یا سُکر (مستی) کی وجہ سے (ورنہ) باطن ظاہر کے بالکل مخالف نہیں ہے۔ راہِ سلوک طے کرنے کے دوران سالک کو جو مخالفت نظر آتی ہے ان اختلافات کی توجیہ کرنے اور ان میں موافقت پیدا کرنے کی ضرورت ہے لیکن حقیقی منتہی[۱] باطن کو ظاہر شریعت کے موافق پاتا ہے۔ (ظاہری) علما اور ان بزرگوں (صوفیائے کرام) کے درمیان صرف اسی قدر فرق ہے کہ علما (امورِ شریعت کو) دلیل اور علم کی وجہ سے جان لیتے ہیں اور یہ بزرگ کشف و ذوق کے ساتھ حاصل کرتے اور پا لیتے ہیں۔ ان بزرگوں کے حال کی صحت پر اس مطابقت سے زیادہ مدلّل اور کونسی دلیل ہو سکتی ہے (کہ ان حضرات کا تمام کشف کتاب و سنت اور ظاہر شریعت کے موافق ہوتا ہے اور ظاہر شریعت سے ذرا بھی ہٹا ہوا نہیں ہوتا) آیت کریمہ يَضِيقُ صَدْرِي وَلَا يَنطَلِقُ لِسَانِي (سورہ شعرا آیت ۱۳) (یعنی میرا سینہ تنگ اور میری زبان گونگی ہوئی جاتی ہے) میرے شاملِ حال ہے میں نہیں سمجھتا کہ کیا عرض کروں، بعض حالات کے لکھنے کی توفیق نہیں پاتا اور عریضوں میں بھی لکھنے کی گنجائش نہیں ہے، شاید اس میں کوئی حکمت ہوگی۔ اس فراق زدہ محروم کو غریب نوازی کی توجہ سے محروم نہ رکھیں اور راستہ میں نہ چھوڑیں ؎

این سخن را چوں تو مبدأ بودۂ گر فزوں گردد توش افزودۂ[۲]

(ترجمہ) ابتدا ہے اس سخن کی آپ سے پس ترقی اس میں ہوگی آپ سے

زیادہ لکھنے کی گستاخی نہیں کی گئی، ع بندہ باید کہ حدّ خود داند۔[۳] (ترجمہ) (بندہ کو اپنی حد سے گذرنا نہ چاہیے)

[۱] جب سالک اپنے کام کو آخر تک پہنچا لیتا ہے اور نہایت النہایت تک پہنچ جاتا ہے تو باطن کو ظاہر شریعت کے ساتھ متفق پاتا ہے اور جو مخالفت ابتدائے راہ میں نظر آتی ہے وہ دور ہو جاتی ہے۔ — [۲] اس شعر کا عربی ترجمہ: وانت لهذا القول قد كنت مبدأ فان فيه اطناب فذاك مستتب۔ [۳] اس کا عربی مصرع یہ ہے: على المرء ان لا يجعل الدهر طوره۔
ہمہ از وست کا مرتبہ ہمہ اوست سے بھاری ہے

مکتوب ۱۴ چہاردہم

جو واقعات راہِ سلوک طے کرنے کے دوران ظاہر ہوئے ان کے حاصل ہونے اور بعض طالبانِ طریقت کے احوال کے بیان میں، یہ بھی اپنے پیرو مرشد بزرگوار قدس سرہ کی خدمت میں تحریر کیا۔

دورانِ سلوک کے حالات

عریضہ: کمترین خادم احمد کی گذارش یہ ہے کہ وہ تجلیات جو کونیات (مخلوقات) کے مراتب میں ظاہر ہوئی تھیں اُن میں سے بعض سابقہ عریضے میں بیان کردی گئی تھیں، اس کے بعد مرتبۂ وجوب جو کہ صفاتِ کلیہ کا جامع ہے ظاہر ہوا اور بدصورت سیاہ رنگ عورت کی صورت میں نظر آیا، اور اس کے بعد مرتبۂ احدیت ایک دراز قد آدمی کی صورت میں ظاہر ہوا جو کم عرض والی دیوار پر کھڑا ہو ——— اور یہ دونوں تجلیات حقانیت کے عنوان (سرنامہ) کی صورت میں ظاہر ہوئیں بخلاف سابقہ تجلیات کے کہ وہ اس عنوان کے ساتھ ظاہر نہیں ہوئی تھیں۔ اسی اثنا میں موت کی خواہش پیدا ہوئی اور ایسا نظر آیا گویا کہ میں ایک شخص ہوں جو دریائے محیط (بہت بڑے سمندر) کے کنارے اس ارادہ کے ساتھ کھڑا ہے کہ اپنے آپ کو دریا میں ڈال دے لیکن پیچھے سے اس کو ایک رسی سے ایسا مضبوط باندھ دیا گیا ہے کہ وہ دریا میں گر ہی نہیں سکتا۔ (خادم) اس رسی سے مراد اپنے بدنِ عنصری کے تعلقات کو سمجھتا تھا اور خواہش کرتا تھا کہ وہ رسی ٹوٹ جائے، اور نیز ایک خاص کیفیت یہ ظاہر ہوئی کہ اس وقت ذوق کے انداز پر مجھے معلوم ہوا کہ حق سبحانہ و تعالیٰ کے سوا دل میں کوئی خواہش نہیں رہی ہے۔

بعد ازاں صفات کلیہ وجوبیہ جنھوں نے کہ نزول و ظہور کے مقامات کے اعتبار سے مختلف خصوصیات پیدا کرلی تھیں نظر آئیں، اس کے بعد وہ خصوصیات سب کی سب ان نزول و ظہور کے مقامات سے نیچے گر گئیں اور باقی نہ رہیں مگر کلیتِ وجوبیہ کے عنوان سے اور اُن (نزول و ظہور کے مواقع) کے ان خصوصیات سے الگ ہونے کی صورت میں بھی نظر آئیں اور اس وقت معلوم ہوگیا کہ اب حقیقت میں صفات کو اصل کے ساتھ ملا دیا گیا ہے اور خصوصیات سے الگ ہونے سے پہلے صفات کو اصل کے ساتھ جاننے کی کوئی حقیقت نہیں ہے لیکن یہ ہو سکتا ہے کہ مجاز کے طور پر ہو جیسا کہ تجلیِ صوری[1] کے مقام والوں کا حال ہے اور اسوقت فنائے حقیقی ثابت ہوگئی۔

---

[1] جاننا چاہئے کہ راہِ طریقت کے سالکین حق سبحانہ و تعالیٰ کو تجلیاتِ صوری کے ساتھ دیکھتے ہیں (باقی حاشیہ بر صفحۂ آئندہ)

اس حالت کے ثابت و موجود ہونے کے بعد جو صفات کہ اپنے اندر یا اپنے غیر کے اندر تھیں ایک ہی طرز پر پائیں اور محل و مواقع کی تمیز جاتی رہی، اس وقت شرکِ خفی کی کئی دقیق اقسام سے نجات حاصل ہوئی اور اس وقت عرش (عالمِ علوی) و فرش (عالمِ سفلی)، زمان و مکان اور جہات و حدود کچھ بھی نہیں رہا۔ اگر بالفرض کئی سال تک فکر کرتا رہوں ہرگز علم میں نہیں آئیگا کہ دنیا کا ایک ذرہ بھی پیدا شدہ ہے۔

اس کے بعد اپنا تعین اور اپنی وجہ خاص نظر آئی اور اپنا تعین پُرانے پھٹے ہوئے کپڑے کی طرح تھا جس کو کسی شخص نے پہنا ہوا ہوا اور اس شخص کو میں نے اپنی وجہ خاص جانا لیکن حقانیت کے طور پر متصور نہیں ہوا۔

اس کے بعد اس شخص پر متصل ہی ایک باریک پوست (کھال) نظر آیا اور میں نے اپنے آپ کو اس کھال کا عین معلوم کیا اور تعین کے اس کپڑے کو میں نے اپنے آپ سے بیگانہ دیکھا اور جو نور کہ اس کھال میں تھا نظر آیا، تھوڑی دیر کے بعد وہ نور نظر سے غائب ہوگیا اور یہ پوست اور کپڑا بھی نظر سے ہٹ گیا اور وہی پہلا جہل باقی رہ گیا۔

اس مذکورہ صورتِ واقعہ[1] کی تعبیر جو کچھ علم میں آئی یہ خادم عرضِ خدمت کرتا ہے تاکہ (آنجناب کی جانب سے) اس تعبیر کی صحت و غلطی معلوم ہو جائے اور وہ تعبیر یہ ہے کہ یہ صورت مذکورہ (یعنی اپنے تعین کا پُرانے کپڑے کی مانند دیکھنا) عینِ ثابتہ[2] ہے جو وجوب و امکان کے درمیان برزخ و واسطہ کی مانند ہے کہ جس کی دونوں طرفیں (وجوب و امکان) ایک دوسرے سے جدا و ممتاز ہو گئی ہیں اور کمال درجے کے فرق کے ساتھ ثابت ہو گئی ہیں۔ اور وہ پوست جو اس پرانے کپڑے اور اس نور کے درمیان واقع ہوا ہے وہ وجود اور عدم کے درمیان برزخ ہے۔ اور یہ جو میں نے اپنے آپ کو اُس پوست کے آخر میں پایا تو اس میں برزخیت تک پہنچنے کی طرف اشارہ ہے۔ اور پہلے بھی واقعات و کیفیات میں اپنے آپ کو

(بقیہ حاشیہ از صفحہ گذشتہ) یہ آثار کے ساتھ نسبت رکھتی ہیں اور تجلیاتِ نوری سے دیکھتے ہیں وہ افعال کے ساتھ نسبت رکھتی ہیں اور تجلیاتِ معنوی کے ساتھ دیکھتے ہیں وہ صفات کے ساتھ نسبت رکھتی ہیں اور تجلیات ذوقی سے دیکھتے ہیں وہ ذات سے نسبت رکھتی ہیں اور تجلیات صوری ہیں جو کہ آثار کے ساتھ نسبت رکھتی ہیں، حق تعالیٰ تمام اشیاء کی صورت میں بندہ پر تجلی فرماتا ہے مفردات، عنصریات، معادن، حیوانات اور افرادِ انسان الخ من الرشحات من کلام الشیخ رکن الدین علاؤ الدولہ۔

(حاشیہ صفحہ ھذا) [1] حضرات صوفیائے کرام کی اصطلاح میں واقعہ اس امر کو کہتے ہیں جو قلب میں واقع ہو خواہ جاگتے ہوئے ہو یا نیند کی حالت میں، لیکن حواس کا معطل ہونا اس کے لئے ضروری ہے اور سالک بوجہ مراقبہ و مشغولی ذکر مسدود الحواس ہو جاتا ہے پس اس کے لئے واقعات میں نیند کا ہونا ضروری نہیں ہے۔

[2] عین ثابتہ یعنی صورتِ علمیہ اور اعیانِ ثابتہ کی تفصیل حضرت مجدد قدس سرہ کے دوسرے مکتوبات میں موجود ہے۔

وجود اور عدم کے درمیان بمنزلہ برزخ کے معلوم کرتا رہا تھا لیکن ظاہری طور پر وہ آفاق کی نسبت سے تھا اور اب یہ انفس کے اعتبار سے ہے اور ایک دوسرا فرق بھی اس وقت ظاہر ہوا تھا لیکن لکھنے کے وقت بھول گیا، یہ ہے (اُس صورتِ واقعہ کی تعبیر) - اور جو کچھ ہر وقت حاصل ہے حیرانی و نادانی ہے، اور اسی طرح کبھی عجیب و غریب حال ظاہر ہو جاتے ہیں اور غائب ہو جاتے ہیں اور ان کی معرفت رہ جاتی ہے، اور یہ خادم بعض واقعات کی تعبیر و تاویل میں عاجز رہ جاتا ہے اور اگر کوئی چیز علم میں آتی ہے اس پر اعتماد نہیں کرتا، اسی وجہ سے عریضوں کے ارسالِ خدمت کرنے میں گستاخی کرتا ہوں ممکن ہے حضور والا کی نشاندہی سے کسی امر کے ساتھ یقین پیدا ہو جائے، یہ خادم امیدوار ہے کہ حضور کی بلند توجہات سے کمینی دنیا کے تعلقات کی گرفتاری سے نجات میسر ہو جائے گی ورنہ کام بہت مشکل ہے ؎

بے عنایاتِ حق و خاصانِ حق گر مَلَک باشد سیہ ہستش ورق

(ترجمہ) ذاتِ حق اور نیک بندوں کی عنایت جب نہ ہو ہے سیاہ اعمالنامہ خواہ فرشتہ کیوں نہ ہو

بعض دوستوں کے حالات: شیخ عبد اللہ نیازی کا صاحبزادہ شیخ طٰہٰ جو کہ سرہند شریف کے مشہور مشائخ میں سے ہے اور خود حاجی عبد العزیز اس سے اچھی طرح واقف ہے قدمبوسی و نیازمندی عرض کرتا ہے اور اس کو اس طریقۂ علیّہ کی طرف رجوع کرنے (داخل ہونے کی) خواہش پیدا ہوئی ہے اور صدق و نیاز سے التجا کرتا ہے، میں نے اس کو استخارہ کرنے کے لئے کہہ دیا ہے بظاہر مناسبت رکھتا ہے اور جن دوستوں نے یہاں ذکر کی تعلیم حاصل کی ہے ان میں سے اکثر طریق رابطہ[1] میں مشغول ہیں، ان میں سے بعض واقعات (واقعہ) میں دیکھ کر رابطہ اختیار کرنے کے ساتھ آتے ہیں اور بعض دہلی سے واپس آنے سے پہلے ہی رابطہ رکھتے تھے اور وہ اول اول حضور و استغراق میں جاتے ہیں، ان میں سے بعض صفات کو بھی اصل سے دیکھتے ہیں اور بعضے نہیں دیکھتے لیکن کوئی شخص بھی توحیدِ وجودی اور انوار و کشوف کی راہ سے نہیں جاتا۔

مُلّا قاسم علی و ملا مودود محمد اور عبد المؤمن بظاہر مقام جذبہ (سیر انفسی) کے نقطۂ فوق تک پہنچ گئے ہیں لیکن ملا قاسم علی نزول کی طرف (یعنی تکمیل و ارشاد کے لئے مخلوق کی طرف) توجہ رکھتا ہے

---

[1] رابطہ، پیر کی صورت کو دل میں محفوظ رکھنا رابطہ کہلاتا ہے۔ حضرت خواجہ احرار قدس سرہٗ کے اس مصرع میں رابطہ کی طرف اشارہ ہے: ع "سایۂ رہبر بہ است از ذکرِ حق"۔ یعنی رابطہ کا طریق ذکر سے زیادہ نفع بخش ہے۔ حضرت مجدد قدس سرہٗ نے دفتر دوم مکتوب ۳۰ میں اس کی تحقیق کی ہے اور حضرت خواجہ محمد معصومؒ نے اپنے مکتوباتِ معصومیہ کے دفتر اول مکتوب ۱۶۵ و ۱۸ میں اس کو دلیل کے ساتھ ثابت کیا اور وضاحت فرمائی ہے۔

اور ان دونوں (یعنی ملا مودود محمد و عبدالمومن) کے متعلق معلوم نہیں کہ نزول کی طرف آئیں، اور شیخ نور بھی نقطۂ فوق کے نزدیک ہے لیکن (ابھی تک) وہاں نہیں پہنچا ہے۔ ملا عبدالرحمٰن بھی نقطہ کے نزدیک ہے لیکن ابھی تھوڑی سی مسافت درمیان میں ہے۔ ملا عبدالہادی نے حضور اور اس حضور میں استغراق حاصل کرلیا ہے اور وہ یہ بھی کہتا ہے کہ مطلق پاک ذات یعنی حق تعالیٰ جل شانہٗ کو اشیاء میں تنزیہی صفت کے ساتھ دیکھتا ہوں اور افعال کو بھی اسی پاک ذات تعالیٰ شانہٗ سے جانتا ہوں۔ یہ سب حضورِ والا کے فیوضات ہیں جو طالبانِ طریقت اور صاحبِ استعداد لوگوں کو پہنچ رہے ہیں، اور اس فیض رسانی میں اس کمترین خادم کا کوئی حصہ نہیں ہے ع

من ہماں احمد پارینہ کہ ہستم ہستم (ترجمہ) میں وہی احمد ہوں خادم ہوں پرانا آپ کا

حضور والا نے ایک روز واقعات میں سے کسی واقعہ کے درمیان فرمایا تھا کہ اگر اس میں (یعنی حضرت مجددؒ میں) محبوبیت کے معنی نہ ہوتے تو اس کو مقصود تک پہنچنے میں بہت توقف (دیر) واقع ہوتا اور اس (خاکسار) کی محبوبیت کی نسبت اپنی عنایت کے ساتھ ہونے کے بارے میں بھی فرمایا تھا آپ کے اس فرمان سے کامل امید لگی ہوئی ہے، اور یہ (لکھنے کی) جرأت و گستاخی بھی اسی وجہ سے کی ہے۔

مکتوب ۱۵ پانزدہم

ان حالات کے بیان میں جو مقاماتِ ہبوط و نزول کے مناسب ہیں نیز بعض اسرارِ مکنونہ (پوشیدہ راز) کے بیان میں۔

یہ بھی اپنے پیرومرشد بزرگوار کی خدمت میں لکھا۔

عریضہ: اِس حاضر (موجود) غائب (غیر حاضر) واجد (پانے والا) فاقد (نہ پانے والا) مُقبِل (متوجہ) مُعرِض (منہ پھیرنے والا) کی گذارش یہ ہے کہ یہ خادم مدتوں اس (مطلوبِ حقیقی) کو ڈھونڈتا تھا تو اپنے آپ کو پاتا تھا، اس کے بعد اس خادم کا کام اس مقام تک پہنچ گیا کہ اگر اپنے آپ کو ڈھونڈتا تھا تو اس کو پاتا تھا اب اس کو گم کرچکا ہے لیکن اپنے آپ کو پاتا ہے، گم کرنے کے باوجود اس کا متلاشی نہیں، اور گم کردینا ثابت ہوجانے کے باوجود اس کی خواہش کرنے والا نہیں ہے۔ علم کے اعتبار سے حاضر، واجد (پانے والا) و مُقبِل ہے اور ذوق کے اعتبار سے غائب و فاقد و مُعرِض ہے، اس کا ظاہر بقا ہے اور اس کا باطن فنا، عین بقا (کی حالت) هبوط و نزول

ہیں فانی ہے اور عین فنا (کی حالت) میں باقی ہے لیکن فنا علمی ہے اور بقا ذوقی ــ اس کا (یعنی حضرت مجدد قدس سرہٗ کا) معاملہ ہبوط و نزول[1] پر ٹھہر چکا ہے اور صعود و عروج[2] سے رُک گیا ہے اور جس طرح کہ اس کو مقامِ قلب سے مقلّبِ قلب (قلب کو پھیرنے والے یعنی حق تعالیٰ) کی طرف لے گئے تھے، اب پھر مقلّب قلب (حق تعالیٰ) کی طرف سے مقامِ قلب میں نیچے لے آئے ہیں۔

روح کے نفس سے آزاد ہو جانے اور نفس کے مطمئنہ ہو کر انوار کے غلبوں سے نکلنے کے باوجود اُس (حضرت مجدد قدس سرہ) کی روح کو روح و نفس کی دونوں جہتوں (طرفوں) کا جامع بنایا ہے اور اس کو ان دونوں جہتوں کی برزخیت کے ساتھ مشرف فرمایا گیا ہے، اور اس برزخیت کے حاصل ہونے کی وجہ سے فوق (اپنے سے اوپر کے مقام والوں) سے فائدہ حاصل کرنا اور تحت (نیچے کے مقام والوں) کو فائدہ پہنچانا یہ دونوں امور یکساں عطا فرما دیئے ہیں، فائدہ حاصل کرنے کی حالت میں فائدہ پہنچانے والا بھی ہے اور فائدہ پہنچانے کے وقت فائدہ حاصل کرنے والا بھی ہے ؎

گر بگویم شرحِ[3] ایں بیحد شود　　ور نویسم بس قلمہا بشکند

(ترجمہ)　گر لکھوں شرح اس کی حد کوئی نہیں　　لکھتے لکھتے ٹوٹ جائیں گے قلم

اس کے بعد عرض ہے کہ دستِ چپ سے مراد وہ مقامِ قلب ہے جو کہ مقلبِ قلب (حق تعالیٰ) کی طرف عروج سے پہلے حاصل ہے، فوق سے نزول کے بعد جو مقامِ قلب میں نیچے آجاتے ہیں وہ ایک دوسرا مقام[4] ہے جو کہ چپ و راست کے درمیان برزخ ہے جیسا کہ اس فن و مقام کے جاننے والوں پر ظاہر ہے، اور جن مجذوبوں نے سلوک حاصل نہیں کیا وہ مقامِ قلب والوں میں سے ہیں (یعنی وہ ابھی مقلب قلوب تک نہیں پہنچے ہیں) کیونکہ مقلبِ قلوب (حق تعالیٰ) تک پہنچنا سلوک طے کرنے پر موقوف ہے، اور کسی شخص کے ساتھ مقام کے تعلق کا مطلب یہ ہے کہ اس شخص کو اس مقام میں ایک خاص شان اور اس مقام والے دوسرے حضرات سے ایک علیحدہ امتیاز حاصل ہوتا ہے۔

---

[1] ہبوط و نزول، ہر دو بضمتین، یعنی نیچے آنا، یہاں مراد یہ ہے کہ سالک تکمیل کے بعد مخلوق کی طرف ان کی ارشاد و تکمیل کے لئے متوجہ ہو جائے ـــــ [2] صعود و عروج ہر دو بضمتین، اوپر جانا اور یہاں اسماء و صفاتِ الٰہیہ میں سیر واقع ہونا۔

[3] اس شعر کا عربی شعر میں ترجمہ یہ ہے: ؎ فَیَا لَہَا قِصَّۃٌ فِیْ شَرْحِہَا طُوْلٌ ٭ وَکَمْ یَرَاعٌ اِذَا حَرَّرْتُ یَنْکَسِرُ

[4] یعنی فوق سے نزول کرنے کے بعد جو مقام قلب میں اُتر آتے ہیں وہ اس مقام قلب سے جس کو دستِ چپ سے تعبیر کرتے ہیں نہیں ہے بلکہ دوسرا ہے جو کہ چپ و راست کے درمیان برزخ و واسطہ ہے۔

اور منجملہ ان امتیازات کے ایک امتیاز جذبہ کی سبقت اور بقائے خاص ہے جو کہ اس مقام کے مناسب علوم و معارف کا منشا و مبدأ ہے، مقامِ قلب کے علوم کی تحقیق اور جذبہ و سلوک، فنا و بقا کی حقیقت اور اس قسم کے دوسرے امور اس رسالہ (عریضہ) میں جس کا وعدہ کیا گیا تھا تفصیل کے ساتھ لکھے گئے ہیں، میر سید شاہ حسین اضطراب کی حالت میں روانہ ہو گئے اس لئے اس (عریضہ) کو صاف نقل کرنے کی فرصت نہ ملی، اس کے بعد انشاء اللہ تعالیٰ اس رسالہ کو حضور کے مطالعہ و ملاحظہ کا شرف حاصل ہوگا۔

عزیزِ متوقف (رُکے ہوئے عزیز یعنی حضرت مجددؒ) فوق سے نزول کے مقامِ جذبہ (مقامِ قلب) میں آگیا ہے لیکن اس کی توجہ عالَم کی طرف نہیں ہے بلکہ فوق کی طرف متوجہ ہے، چونکہ (اس عزیزِ متوقف کا) فوق کی طرف عروج کرنا کسی کے زبردستی کھینچنے سے تھا (یعنی خلافِ طبیعت تھا) اس لئے فطری طور پر جذبہ کے ساتھ مناسبت رکھتا تھا، فوق سے نزول کے وقت اپنے ہمراہ کوئی کم درجہ چیز لایا ہے۔ وہ تھوڑی سی نسبت جو زبردستی لے جانے والے (یعنی طبیعت کے خلاف) کی توجہ سے تھی اور عروج اسی توجہ کا اثر تھا نسبتِ جذبہ میں ابھی تک اس طرح باقی ہے جس طرح کہ روح بدن میں اور نور اندھیرے میں، لیکن یہ موجودہ جذبہ خواجگانِ سلسلہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے جذبہ کے علاوہ ہے، یہ وہ جذبہ ہے جو حضرت خواجہ (عبید اللہ) احرار قدس سرہ کو اپنے بزرگ باپ[1] داداؤں سے پہنچا ہے اور اُن حضرات کو اس مقام میں ایک خاص شان حاصل ہے۔

اور بعض طالبانِ طریقت نے جو کسی واقعہ میں یہ بیان کیا تھا کہ حضرت خواجہ (احرار قدس سرہ) کو جیسے کہ وہ (نانِ پُز یعنی پکی ہوئی روٹی کے مانند) ہیں اس کو عزیزِ متوقف (رُکے ہوئے عزیز یعنی حضرت مجددؒ) نے کھا لیا[2] ہے (یعنی حضرت خواجہ احرارؒ کی نسبت و کمالات کو حضرت مجددؒ اپنے اندر سمو لیا ہے)، اُس واقعہ کے اثر کا ظہور اسی مقام میں ہے، یہ جذبہ فائدہ پہنچانے کے مقام کے ساتھ مناسبت نہیں رکھتا، اور اس مقام میں توجہ ہمیشہ فوق کی طرف ہے اور دائمی سکر اس کے لئے لازمی ہے۔

جذبہ کے بعض مقامات جذبہ میں داخل ہونے کے بعد سلوک کے خلاف ہیں اور دوسرے بعض مقامات سلوک کے خلاف نہیں ہیں بلکہ ان بعض مقاماتِ جذبہ میں داخل ہونے کے بعد وہ سلوک کے لئے

---

[1] یعنی حضرت خواجہ احرار قدس سرہٗ کو اپنی والدہ ماجدہ کی طرف سے یعنی حضرت شیخ عمر باغستانی اور ان کی اولاد و اقربا سے پہنچا ہے جیسا کہ رشحات میں مذکور ہے۔ (علامہ مراد مکی معرب مکتوبات)

[2] مولانا نصر اللہ قندھاریؒ شرح مکتوبات میں فرماتے ہیں "حضرت خواجہ، خواجہ احرار را خوردہ است یعنی کمالات حضرت خواجہ احرارؒ را تمام بخوردہ است (ص ۸۰)

متوجہ ہوتے ہیں۔ اس جذبہ میں داخل ہونے کے بعد یہ جذبہ سلوک کے مخالف ہے۔ عریضہ لکھتے وقت اس مقام کی طرف متوجہ ہو گیا تھا اور اس کے بعض دقائق (باریکیاں) ظاہر ہو گئے جب تک کوئی سبب نہ ہو توجہ میسر نہیں ہوتی۔ وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ اَعْلَمُ بِحَقِیْقَۃِ الْحَالِ (اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی حقیقتِ حال کو سب سے زیادہ جاننے والا ہے)۔

چند ماہ ہو گئے کہ وہ عزیزِ متوقف (یعنی حضرت مجددؒ) نیچے آ گیا ہے لیکن جذبۂ مذکورہ کے مقام میں کامل طور پر داخل نہیں ہوا ہے، اس مقام کی شان کے لائق علم کا نہ ہونا اور پریشان حالت کی توجہات (اس مقام میں داخل ہونے سے) مانع ہیں، امید ہے کہ ان بے ربط کلمات (یعنی عریضۂ ہذا) کے حضورِ والا کے مطالعہ کے وقت میں اس مقام میں پورے طور پر داخل ہونا میسر ہو جائے گا، اس کے بعد حضرت خواجہ (احرار قدس سرہٗ) کو وہ عزیزِ متوقف پوری طرح نیچے لے جائیگا (یعنی حضرت خواجہ احرارؒ کے جملہ کمالات کو حضرت مجددؒ مکمل طور پر حاصل کر لیں گے)۔

مکتوب ۱۶

شانزدہم

عروج و نزول وغیرہ حالات کے بیان میں، یہ بھی اپنے پیر و مرشد بزرگوار کی خدمت میں تحریر کیا۔

عریضہ: حقیر ترین خادم کی گذارش ہے کہ مولانا علاء الدین نے حضورِ والا کا نوازشنامہ اس خادم کو پہنچایا، آپ کے نوازشنامہ میں ذکر کئے ہوئے ہر ایک مقدمہ کے کشف (وضاحت) میں وقت کی گنجائش کے مطابق مسودہ کیا گیا، ان تحریر فرمائے ہوئے علوم کے بعض متممات و مکملات (تکمیل و اتمام کو پہنچانے والے امور) بھی دل میں گذرے تھے (لیکن) ان کے لکھنے کی فرصت نہ ملی کہ حاملِ عریضۂ ہذا روانہ ہو گیا، انشاء اللہ تعالیٰ اس کے بعد خدمتِ گرامی میں ارسال کیا جائے گا۔ اس وقت ایک اور رسالہ نقل کیا ہوا تھا ارسالِ خدمت ہے اور یہ رسالہ بعض دوستوں کی التماس پر لکھا گیا ہے، ان دوستوں نے خواہش کی تھی کہ ایسی نصیحتیں لکھی جائیں جو طریقت میں نفع دینے والی ہوں اور ان کے مطابق زندگی بسر کی جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ رسالہ بے نظیر اور بہت برکتوں والا ہے۔ اس رسالہ کو لکھنے کے بعد (واقعہ میں) ایسا معلوم ہوا کہ حضرت خاتم الانبیاء رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے مشائخ کی ایک بہت بڑی جماعت کے ساتھ تشریف فرما ہیں اور اسی رسالہ[1] کو اپنے دستِ مبارک میں لئے ہوئے ہیں اور نہایت مہربانی سے اس کو چومتے ہیں اور مشائخ کرام کو دکھا کر

(حاشیہ: ایک بے نظیر اور برکت والے رسالہ کا ذکر)

---

[1] اس مبارک رسالہ کی یقینی طور پر نشاندہی تو مشکل ہے لیکن بعض اعتبار سے دفترِ اول مکتوب ۲۶۶ پر اس رسالہ کا گمان ہوتا ہے، واللہ اعلم

فرماتے ہیں کہ اس قسم کے عقائد ہونے چاہئیں (جو کہ اس رسالہ میں مذکور ہیں) اور (مشائخ کی) وہ جماعت ان (رسالے والے) علوم سے سعادت مند تھی جو اپنی نورانیت سے ممتاز اور عزیز الوجود (نادر) ہیں۔ اور وہ آں سرور علیہ الصلوۃ والسلام والتحیۃ کے سامنے کھڑے ہیں۔ اس واقعہ کی کیفیت کا بیان بہت طویل ہے اور اسی مجلس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس واقعہ کو شائع کرنے (بیان کرنے) کا حکم فرمایا۔ ع

باکریماں کارہا دشوار نیست (ترجمہ) کریموں پر نہیں مشکل کوئی کام

جس روز سے یہ خادم حضور کی خدمت سے واپس آیا ہے عروج کی طرف رغبت ہونے کے باعث مقامِ ارشاد (یعنی مخلوق کو حق تعالی کی طرف ہدایت کرنے) کے ساتھ کچھ زیادہ مناسبت نہیں رکھتا البتہ کچھ عرصہ تک یہ ارادہ کرتا رہا کہ گوشہ نشین ہو جاؤں کیونکہ ملنے جُلنے والے لوگ ببر شیر کی طرح نظر آتے تھے، تنہائی اختیار کرنے کا ارادہ پختہ ہو چکا تھا لیکن استخارہ میں اس کے ساتھ موافقت ظاہر نہیں ہوتی تھی۔ قربِ الہی کے درجات کی کوئی حد و انتہا نہیں ہے اس کے باوجود ان درجات میں انتہائی درجہ تک عروج حاصل ہوا اور ہوتا رہتا ہے اور اوپر لے جاتے اور نیچے لاتے رہتے ہیں۔ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ (سورۂ رحمٰن آیت ۲۹) (ہر روز وہ ایک نئی شان میں ہے یعنی نئی حالت منظرِ عام پر لاتا ہے) تمام مشائخ کرام کے مقامات پر إلّا ما شاء اللہ اس خادم کو عروج حاصل ہوا۔ ؎

گِلے بردند زیں دہلیزۂ پست بداں درگاہِ والا دست بردست

نیچی چوکھٹ کی مٹی ہاتھوں ہاتھ اُن کے صدقے میں پاگئی معراج

اس ضمن میں اگر مشائخ کرام کی روحانیت کے توسط (واسطہ ہونے) کو شمار کرنے لگوں تو بات لمبی ہو جائے، غرضکہ تمام اصل مقامات سے ظلّی مقامات کی مانند گذر کرایا گیا، اللہ تعالی کی عنایتوں کو کہاں تک بیان کروں، قُبِلَ مَنْ قُبِلَ بِلَا عِلَّةٍ (جو شخص بھی مقبول ہوا وہ بلا سبب و علت کے محض اللہ تعالی کے فضل و کرم سے مقبول ہوا ہے) ولایت کے حقائق و کمالات اس قدر ظاہر کئے گئے کہ یہ خادم کہاں تک تحریر کرے۔

ماہِ ذی الحجہ میں نزول کے درجات میں مقامِ قلب تک نیچے لے آئے، اور یہ مقام تکمیل و ارشاد (دوسروں کی ہدایت و تربیت) کا مقام ہے لیکن ابھی اس مقام کو تمام و کمال تک پہنچانے والی چیزوں کی ضرورت ہے، (معلوم نہیں) کب تک میسر ہوتی ہیں، یہ کام آسان نہیں ہے، مراد (محبوبیت والا) ہونے کے باوجود اس قدر منزلیں طے کرنی پڑتی ہیں کہ مریدوں کو حضرت نوح (علیہ السلام) جتنی عمر میں

بھی (ان کا طے ہونا) معلوم نہیں کہ میسر ہو سکے، بلکہ یہ حقائق و کمالات مرادمندوں (محبوبوں) ہی کے ساتھ مخصوص ہیں مریدوں کے لئے یہاں قدم رکھنے کی جگہ نہیں ہے، افراد کے عروج کی انتہا مقام اصل کی ابتدا تک ہے اس سے آگے اکثر افراد کا بھی گذر نہیں ہے، ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَ اللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ (سورۂ جمعہ آیت ۴) (یہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل و کرم والا ہے) تکمیل و ارشاد کے مرتبوں میں توقف (تاخیر) کی وجہ[۱] یہی ہے اور نورانیت کا نہ ہونا ظلمتِ غیب کا نور ظاہر ہونے کی وجہ سے ہے اس کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں ہے، لوگ اپنے خیالات میں بہت سی باتیں بناتے ہیں، ان کا اعتبار نہیں کرنا چاہئے ؎

در نیابد حال پختہ ، ہیچ خام پس سخن کوتاہ باید والسلام

ترجمہ: کب سمجھ سکتا ہے ناقص کاملوں کے حال کو چاہئے اب مختصر کرنا ہی اپنے قال کو

اس قسم کی ظنی باتیں سوچنے میں نقصان کا احتمال غالب ہے، ان لوگوں کو فرما دیجئے کہ اس خستہ دل (مراد حضرت مجددؒ) کے حالات سے اپنی خیالی نظر کو بند کر لیں (یعنی ان خیالی باتوں سے باز رہیں) نظر کی جولانگاہ کے لئے اور بہت سے مواقع ہیں ؎

من گم شدہ ام مرا مجوئید با گم شدگان سخن مگوئید

ترجمہ: مَیں ہوں گم مجھ کو نہ ڈھونڈو دوستو گم شدہ لوگوں سے باتیں مت کرو

اللہ تعالیٰ جل سلطانہٗ کی غیرت سے ڈرنا چاہئے، حق تعالیٰ جس امر کو کامل کرنا چاہتا ہے اس کا نقص نکالنے اور عیب لگانے میں گفتگو کرنا بہت ہی نامناسب ہے، اصل میں یہ حق تعالیٰ کے ساتھ مقابلہ اور جھگڑا کرنا ہے۔ اور مقامِ قلب میں نزول کرنا (جس کا ذکر قریب ہی میں گذر چکا ہے) حقیقت میں مقامِ فرق ہے جو کہ ارشاد کا مقام ہے اور اس مقام میں مقامِ فرق سے مراد یہ ہے کہ روح کے نور میں نفس کے داخل ہونے کے بعد نفس روح سے اور روح نفس سے جدا ہو جائے اور اس کو مقامِ جمع کہتے ہیں، جمع و فرق کے متعلق اس بیان سے زیادہ جو کچھ سمجھا جاتا ہے وہ سکر کی وجہ سے ہے۔ حق (اللہ تعالیٰ) کو خَلق (مخلوق) سے جدا دیکھنا جس کو اہلِ سُکر مقامِ فرق خیال کرتے ہیں اس کی کچھ حقیقت نہیں ہے، وہ اسی[۲] روح کو ذاتِ حق جانتے ہیں

[۱] یعنی ابھی اس مقام کو تمام و کمال تک پہنچانے والی چیزیں درکار ہیں۔ [۲] کبھی ایسا ہوتا ہے کہ سالک کی نظر عالمِ ارواح پر پڑتی ہے اور اس عالم کو مرتبۂ وجوب کے ساتھ مناسبت ہونے کی وجہ سے، اگرچہ وہ مناسبت صورتاً ہوتی ہے، حق (خدا) سمجھنے لگتا ہے اور اس (عالمِ ارواح) کے شہود کو شہودِ حق جل سلطانہٗ تصور کرتا ہے اور اس کے ساتھ محظوظ و لطف اندوز ہوتا ہے *

* اگر اس کو اس مرتبہ سے گذار کر آگے نہ لیجائیں اور باطل سے حق تک نہ پہنچائیں تو اس کے لئے حسرت و افسوس ہے ۔ بعض مشائخ اس مقام میں تیس سال تک روح کو خدا سمجھ کر پرستش کرتے رہے اور جب اس مقام سے آگے بڑھایا گیا تب انھوں نے اسکی برائی کو جانا (معارف لدنیہ باختصار)

اور اس (روح) کو نفس سے جدا دیکھنا حق تعالیٰ و تقدس کو مخلوق سے جدا دیکھنا جانتے ہیں اور صاحب شکر کے اکثر علوم میں اسی طرح کا قیاس کر سکتے ہیں اس لئے کہ معاملہ کی حقیقت وہاں موجود نہیں ہے اور اصل حقیقت کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے ـــــ کسی دوسرے رسالہ (عریضہ) میں اہلِ جذبہ و سلوک کے علوم اور ان دونوں امور (جذبہ و سلوک) کی حقیقت تفصیل کے ساتھ لکھی گئی ہے وہ رسالہ بھی آپ کی نظرِ مبارک سے گذرے گا۔

مکتوب ۱۷

هفدہم

بعض ان احوال کے بیان میں جو عروج و نزول سے تعلق رکھتے ہیں وغیرہ وغیرہ، یہ بھی اپنے پیرو مرشد بزرگوار کی خدمت میں لکھا۔

کمترین خادم کی عرض یہ ہے کہ جو عزیز[1] کچھ مدت سے ترقی سے رُکے ہوئے تھے، عریضہ لکھنے کے دن ایسا ظاہر ہوا کہ اس مقام سے کسی قدر ترقی کر کے اخیر تک نیچے آگئے ہیں لیکن انھوں نے پوری طرح نزول نہیں کیا ہے، باقی جو عزیز اس مقام کے نیچے تھے وہ بھی عروج کر کے اسی مقامِ فوق کی راہ سے نزول کی طرف متوجہ ہو گئے ہیں، اس کے بعد جو کیفیت ظاہر ہو گی آپ کی خدمت میں عرض کر دی جائے گی، اگر صاحبِ معاملہ بھی اپنے حال کے منکشف ہونے کے بعد کچھ لکھے تو زیادہ بہتر ہے چونکہ نزول کے اس قضیہ کا واقع ہونا قوی اور زوردار تھا اور اس احقر کو مسہل لینے کی وجہ سے کمزوری لاحق ہو گئی تھی اس لئے اس نزول کے نتیجہ میں مشغول نہیں ہوا، انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ ظاہر ہو جائے گا۔

مکتوب ۱۸

ہژدہم

تمکین جو تلوین کے بعد حاصل ہوتی ہے اور ولایت کے تین قسم کے مراتب کے بیان میں اور اس

[1] "عزیز متوقف" کا لفظ دفتر اول کے مکتوب ۱۵ اور مکتوب ۱۷ میں استعمال ہوا ہے۔ حضرت مولانا نصر اللہ قندھاریؒ نے اپنی شرح مکتوبات میں دونوں احتمالات کی گنجائش رکھی ہے کہ اس سے مراد حضرت خواجہ باقی باللہؒ ہیں یا خود حضرت مجددؒ مراد ہیں۔ اور خود انھوں نے پہلے احتمال کو ترجیح دی ہے نیز مکتوب ۱۷ کے اختتامی جملے کی تشریح میں لکھتے ہیں: "ازیں فرمودہ شان دو چیز معلوم می شود، اول اینکہ از سیاق و سباق مکتوب حضرت امام معلوم می شود کہ عزیز متوقف شیخ المشائخ است، دوم اینکہ در نزول ہم توجہ مرشد در کار است چنانچہ در عروج ضرورت دارد" (شرح مکتوبات ص ۸۳)

بیان میں کہ واجب تعالیٰ کا وجود اس کی ذات پر زائد ہے وغیرہ وغیرہ (یعنی مسئلہ قضا و قدر اور مسئلہ خلق کے بیان میں)۔ یہ بھی اپنے پیرو مرشد بزرگوار کی خدمت میں لکھا۔

بندۂ کمترین پُر تقصیر احمد بن عبد الاحد عرض کرتا ہے کہ جب تک (قلبی) حالات و واردات میں سے کچھ ظاہر ہوتے رہے اُن کے عرض کرنے کی گستاخی اور جرأت کرتا رہا لیکن جب حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے حضور کی بلند توجہات کی برکت سے حالات کی غلامی سے آزاد کر دیا اور تلوین[1] سے (بدل کر) تمکین[2] کے ساتھ مشرف فرما دیا تو کام کا حاصل حیرت و پریشانی کے سوا کچھ ہاتھ نہ آیا اور وصل سے جدائی اور قُرب سے بُعد کے سوا کچھ حاصل نہ ہوا، اور معرفت سے عدمِ معرفت (نہ پہچاننے) اور علم سے جہل کے سوا کچھ زیادہ نہ ہوا، ناچار عریضے ارسال کرنے میں توقف واقع ہوا اور محض روزمرہ کے حالات عرض کرنے کی جرأت نہیں کی اور اس کے ساتھ ہی دل پر ایسی معنوی سردی غالب آ گئی ہے کہ کسی کام میں جوش و حرارت نہیں رکھتا اور بیکار لوگوں کی مانند کسی کام میں مشغول نہیں ہو سکتا ؎

تلوین و تمکین کا حصول

من ہیچم و کم ز ہیچ بسیارے ... وز ہیچ و کم از ہیچ نیاید کارے[3]

(ترجمہ) میں ہیچ ہوں ہیچ سے بھی کم ہوں ... کیونکر بنے ہیچ و کم سے کچھ کام!

اب ہم اصل بات بیان کرتے ہیں ــــ تعجب یہ ہے کہ اب اس خادم کو حق الیقین[4] کے ساتھ مشرف فرمایا ہے کہ جس مقام میں علم الیقین اور عین الیقین ایک دوسرے کا حجاب نہیں ہیں اور فنا و بقا اس جگہ جمع ہیں، عین حیرت و بے نشانی کی حالت میں علم و شعور کے ساتھ ہے اور نفسِ غیبت میں

---

[1] تلوین، طرح طرح کا ہونا، اور اہلِ تصوف کی اصطلاح میں فقر کے ایک مقام کا نام ہے۔ جاننا چاہئے کہ مشائخ طریقت کے نزدیک تلوین سے مراد سالک کے دل کا ان احوال میں پھرنا جو اس پر گزرتے ہیں۔ اور بعض نے کہا کہ دل کا بوجہ غیبت صفات نفس اور اس کے ظہور کے کشف و احتجاب کے درمیان پھرنا۔ اور حضرت شیخ قدس سرہ اپنی اصطلاحات میں فرماتے ہیں کہ اکثر مشائخ کے نزدیک تلوین ایک ناقص مقام ہے لیکن ہمارے نزدیک سب مقامات سے افضل و اکمل ہے اور بندہ کا حال اس میں وہی ہے جیسا کہ حق سبحانہٗ و تعالیٰ خود ہی فرماتا ہے کُلَّ یَوْمٍ هُوَ فِیْ شَاْنٍ۔ اور تمکین ہمارے نزدیک تمکین در تلوین ہے (رشحات)۔ نیز جاننا چاہئے کہ تلوین اربابِ احوال کی صفت ہے اور تمکین اربابِ حقائق کی صفت ہے ــــ [2] تمکین، جگہ پکڑنا، قرار پکڑنا، قدر و مرتبہ، سالکوں کے ایک مقام کا نام ہے اور اہلِ تصوف کی اصطلاح میں اس سے مراد قربِ الٰہی میں دل کے اطمینان کے ساتھ کشفِ حقیقت کا دائمی ہونا۔

[3] اس شعر کا عربی شعر میں ترجمہ یہ ہے،

وَاِنِّیْ لَاشَیْءٌ وَمِنْ ذَالِکَ اَنْقَصُ ... وَمَنْ هُوَ لَاشَیْءٌ یَکُوْنُ مُعَطَّلًا

[4] حق الیقین، عین الیقین، علم الیقین۔ ان تینوں کے معنی جلد اول مکتوب ۲۷۷ میں مذکور ہیں وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

حضور حاصل ہے، علم و معرفت کے باوجود جہل و ناشناسی کی زیادتی کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ ع
عجب[1] اینست کہ من واصل و سرگردانم (ترجمہ) تعجب ہو کہ میں واصل ہوں اور پھر بھی پریشاں ہوں

اللہ تعالیٰ نے محض اپنی بے انتہا عنایت سے کمالات کے درجوں میں خوب ترقیاں عطا فرمادی ہیں، مقام ولایت[1] سے اوپر مقام شہادت[2] ہے اور ولایت کو شہادت کے ساتھ وہی نسبت ہے جو تجلی صوری کو تجلیٔ ذاتی کے ساتھ ہے بلکہ ان دونوں نسبتوں (ولایت و شہادت) کا درمیانی بُعد اُس بُعد سے کئی درجے زیادہ ہے جو کہ ان دونوں تجلیات کے درمیان ہے، اور مقام شہادت سے اوپر مقام صدیقیت[3] ہے اور ان دونوں مقامات میں جو فرق ہے وہ اتنا بڑا ہے کہ نہ کسی عبارت سے تعبیر کیا جاسکتا ہے اور نہ کسی اشارہ سے بیان کیا جاسکتا ہے، اور اس کے اوپر مقام نبوت علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے علاوہ اور کوئی مقام نہیں ہے۔ اور ممکن نہیں کہ مقام صدیقیت و مقام نبوت کے درمیان کوئی اور مقام ہو، بلکہ محال ہے اور اس کے محال ہونے کا یہ حکم واضح اور صحیح کشف سے معلوم ہوا ہے، اور بعض اہل اللہ نے ان دونوں مقاموں کے درمیان جو واسطہ ثابت کیا ہے اور اس کا نام قربت رکھا ہے اس سے بھی (اس خادم کو) مشرف فرمایا گیا اور اس مقام کی حقیقت پر اطلاع بخشی۔

(مراتب سہ گانۂ ولایت)

بہت زیادہ توجہ اور بے شمار عاجزی و زاری کے بعد شروع میں اسی طرح جیسا کہ بعض بزرگوں نے فرمایا ہے ظاہر ہوا، آخر کار حقیقت کا علم کرا دیا۔ ہاں اس مقام کا حاصل ہونا عروج کے وقت میں مقام صدیقیت کے حصول کے بعد ہے لیکن واسطہ ہونا غور طلب ہے۔ یہ خادم بالمشافہ ملاقات کے وقت انشاء اللہ تعالیٰ اس کی حقیقت کو مفصل عرض کرے گا۔ وہ مقام بہت ہی بلند ہے، عروج کی منزلوں میں اس مقام سے اوپر اور کوئی مقام معلوم نہیں ہوتا۔ اور اللہ تعالیٰ کی ذات پر وجود کا زائد ہونا اسی مقام میں ظاہر ہوتا ہے جیسا کہ علمائے اہل حق کے نزدیک ثابت ہے شَکَرَ اللّٰہُ تَعَالٰی سَعْیَہُمْ (اللہ تعالیٰ ان کو ان کی کوششوں کی جزائے خیر عطا فرمائے) اور یہاں وجود بھی راستہ ہی میں رہ جاتا ہے اس سے بھی اوپر عروج واقع ہوجاتا ہے۔

ابوالمکارم رکن الدین شیخ علاؤالدولہ اپنی کسی تصنیف میں فرماتے ہیں "وَفَوْقَ عَالَمِ الْوُجُوْدِ عَالَمُ مَلِكِ الْوَدُوْدِ" (یعنی عالم وجود و ہستی کے اوپر اَلْمَلِكُ الْوَدُوْدِ (بہت محبت کرنے والے بادشاہ) کا عالم ہے) اور

[1] اس مصرعہ کی تعریب یہ ہے: اَلَا فَاعْجَبُوْا مِنْ وَاصِلٍ مُتَحَيِّرٍ۔

مقامِ صدیقیت بقا کے مقامات میں سے ہے جو کہ عالم کی طرف توجہ (رُخ) رکھتا ہے (مراتبِ نزول و بقا میں) اس مقام سے نیچے نبوت کا مقام ہے جو کہ حقیقت میں اس مقام (صدیقیت) سے بہت بلند ہے اور اس میں کمال درجہ کا صحو و بقا ہے۔ مقامِ قربت ان دونوں مقاموں (صدیقیت و نبوت) کے درمیان برزخ (واسطہ) ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتا کیونکہ اس کی توجہ خالص تنزیہ کی طرف ہے اور یہ تمام کا تمام عروج ہے، ان[1] دونوں کے درمیان بہت بڑا فرق ہے ؎

در پسِ آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند ہر چہ استادِ ازل گفت بگو میگویم

(ترجمہ) مجھے طوطی کی مانند آئینے کے پیچھے رکھا ہے وہی کہتا ہوں استادِ ازل جو مجھ سے کہتا ہے

شرعی، نظری، استدلالی (یعنی نظر و استدلال سے ثابت شدہ شرعی) علوم کو ضروری کشفی بنا دیا ہے علمائے شریعت کے اصول سے ایک بال بھر (یعنی ذرا سی) بھی مخالفت نہیں ہے بلکہ انہی اجمالی علوم کو تفصیلی کر دیا ہے اور نظریت[2] سے ضروریت[3] کی طرف لائے ہیں۔ ایک شخص نے حضرت خواجۂ بزرگ (خواجہ بہاؤ الدین نقشبند قدس سرہ العزیز) سے دریافت کیا کہ سلوک سے مقصود کیا ہے؟ آپ نے فرمایا "تاکہ اجمالی معرفت تفصیلی اور استدلالی معرفت کشفی ہو جائے"۔ اور یہ نہیں فرمایا کہ ان (علومِ شرعیہ) کے علاوہ کوئی اور علوم حاصل ہوتے ہیں، ہاں راستہ میں بہت سے علوم و معارف پیش آتے اور ظاہر ہوتے ہیں کہ جن سے گزر جانا چاہئے، اور جب تک سالک نہایت النہایت تک جو کہ مقامِ صدیقیت ہے نہ پہنچے ان علوم سے حصہ حاصل نہیں کر سکتا۔ بعض اہل اللہ جو البتہ اس مقام شریف یعنی مقامِ صدیقیت کے حاصل ہونے کے قائل ہیں لیکن ان کو اس مقام کے علوم و معارف کے ساتھ کچھ بھی مناسبت نہیں ہے کاش میں جانتا کہ اس کی کیا وجہ ہے۔ وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ (سورۂ یوسف آیت ۷۶) (اور ہر علم والے کے اوپر اس سے زیادہ علم والا موجود ہے) ——— اور اس خادم کو مسئلۂ قضا و قدر[4] کے راز پر بھی اطلاع

---

[1] یعنی مقامِ قربت بتمام و کمال عروج ہے اور مقامِ صدیقیت و نبوت کلی طور پر نزول و صحو و بقا ہے۔

[2] یعنی جو فکر و نظر پر موقوف ہو ——— [3] یعنی جو بدیہی و ظاہر ہو اور نظر و فکر پر موقوف نہ ہو۔

[4] جاننا چاہئے کہ قضا اور قدر کے ایک ہی معنی ہیں یعنی خدائے تعالیٰ کا بندہ جا بجا ہوا (اندازہ کیا ہوا) حکم۔ کبھی ان دونوں میں فرق کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ قضا ازلی ہے اور قدر لایزال میں اس کا وقوع ہے پس قضا قدر سے پہلے ہوگی اور اس کے برعکس بھی۔ کہتے ہیں یعنی قدر بمعنی تقدیر ازلی و قضا اس کے موافق بمعنی پیدا کرنا۔ فی الجملہ بندوں کے اعمال اور خیر و شر وغیرہ سے جو کچھ عالم میں واقع ہوتا ہے وہ سب تقدیرِ الٰہی سے ہے کوئی ذرہ بھی اس کی تقدیر (اندازہ) سے باہر نہیں ہے اس کے باوجود حق تعالیٰ نے بندوں کو ایک طرح کا اختیار و قدرت و ارادہ عطا فرمایا ہے اور جمادات کی مانند مجبورِ محض نہیں بنایا ہے جیسا کہ جبریہ کہتے ہیں اور اس مسئلہ کی تفصیل کتب عقائد میں دیکھنی چاہئے۔

بخشی گئی اور اس کا اس طرح پر علم کرایا گیا کہ کسی طرح بھی روشن شریعت کے ظاہری اصول و قواعد سے مخالفت لازم نہیں آتی اور یہ (مسئلہ تقدیر) ایجاب یا واجب و لازم قرار دینا) کے نقص اور جبر (مجبور کرنا) کی آمیزش سے پاک وصاف ہے اور چودھویں رات کے چاند کی طرح ظاہر ہے۔

تعجب ہے کہ جب یہ مسئلہ (تقدیر) اصولِ شریعت کے مخالف نہیں ہے تو پھر اس کو پوشیدہ کیوں رکھا ہے، اگر کچھ بھی مخالفت رکھتا تو اس کا چھپانا اور پوشیدہ رکھنا مناسب تھا (لیکن) لَا یُسْئَلُ عَمَّا یَفْعَلُ (سورۂ انبیاء آیت ۲۳) [جو کچھ وہ (حق سبحانہٗ و تعالیٰ) کرتا ہے اس سے اس کے متعلق پوچھا نہیں جاتا] ؎

کرا زہرۂ آنکہ از بیم تو کشاید زباں جز بہ تسلیم تو

(ترجمہ) کس کی طاقت ہے کہ تیرے خوف سے ماسوا تسلیم کچھ بھی کہہ سکے

علوم و معارف ابر بہاری کی طرح اس قدر برس رہے ہیں کہ ادراک کرنے (پانے) والی قوت ان کے برداشت کرنے سے عاجز ہو جاتی ہے، قوتِ مدرکہ کہنا محض تعبیر کے طور پر ہے، وَاِلَّا لَا یَحْمِلُ عَطَایَا الْمَلِکِ اِلَّا مَطَایَاہُ [ورنہ بادشاہوں کے عطیات کو بادشاہوں کی سواریاں ہی اٹھا سکتی ہیں] شروع میں یہ شوق تھا کہ ان عجیب و غریب علوم کو لکھ لیا جائے لیکن اس کی توفیق نہیں پاتا تھا، اور اسی وجہ سے طبیعت پر بوجھ رہتا تھا، آخر کار تسلی فرمادی گئی کہ ان علوم کے فیضان کرنے کا مقصد ملکہ[له] حاصل کرنا ہے نہ کہ ان علوم کا یاد کرنا۔ چنانچہ طالبانِ علم، علوم اس لئے حاصل کرتے ہیں کہ مولویت کا ملکہ حاصل کرلیں اس لئے علوم حاصل نہیں کرتے کہ صرف و نحو وغیرہ کے اصول حفظ یاد کرلیں۔ اب ان علوم میں سے بعض عرضِ خدمت ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: لَیْسَ کَمِثْلِهٖ شَیْءٌ وَّهُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ (سورۂ شوریٰ آیت ۱۱) [اس کی مثل (مانند) کوئی چیز نہیں ہے اور وہ ہر بات سننے والا دیکھنے والا ہے]۔ اس آیتِ مبارکہ کا پہلا جزو، خالص تنزیہ کو ثابت کرتا ہے جیسا کہ ظاہر ہی ہے اور اللہ تعالیٰ کا قول وَهُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ اس تنزیہ کو پورا اور کامل کرنے والا ہے۔ اس کی تشریح یہ ہے کہ چونکہ عالم کے لئے سمع و بصر کے ثابت ہونے میں باہم مشابہت کے ثبوت کا وہم ہوتا ہے اگرچہ فرضی طور پر ہی ہو، اس لئے حق سبحانہ و تعالیٰ نے اس وہم کو دور کرنے کے لئے مخلوق سے سمع و بصر کی نفی فرمادی یعنی سمیع و بصیر اللہ جل شانہٗ ہی ہے اور سمع و بصر (کی طاقت) جو مخلوق

[له] ملکہ بمعنی استعداد و لیاقت۔ مہارت، صفتِ راسخہ، اور طبیعت میں ایک قوت کا نام ہے جس کے ذریعہ اشیا کا حصول کر سکتے ہیں۔

میں پیدا کی گئی ہے، دیکھنے اور سننے میں ان کا کچھ دخل نہیں ہے۔ جس طرح کہ اللہ تعالیٰ سمع و بصر کو پیدا کرتا ہے اسی طرح ان دونوں صفتوں سمع و بصر کے پیدا کرنے کے بعد جیسا کہ عادۃ اللہ اسی طرح جاری ہے ان صفات کی تاثیر کے بغیر سننے اور دیکھنے کو پیدا کر سکتا ہے، اور اگر ہم ان صفات کی تاثیر کے قائل ہوں تو ان میں تاثیر بھی حق تعالیٰ ہی کی پیدا کی ہوئی ہے۔ پس جیسا کہ ان مخلوقات کے اصل جماد محض ہیں (یعنی ان عناصرِ اربعہ میں قوتِ نشو و نما نہیں ہوتی) اسی طرح ان کی صفات بھی جماد محض ہیں، جس طرح کہ صاحبِ قدرت (اللہ تعالیٰ) محض اپنی قدرت سے پتھر میں صفتِ کلام پیدا فرما دیتا ہے تو یہ نہیں کہہ سکتے کہ حقیقت میں پتھر کلام کرتا ہے اور کلام کی صفت رکھتا ہے، جس طرح پتھر جماد محض ہے اگر بالفرض اس میں یہ صفتِ کلام بھی موجود ہو تو بھی جماد محض ہے اُس پتھر سے حرف و آواز کے ظاہر ہونے میں صفتِ کلام کا کوئی دخل نہیں ہے، تمام صفات[1] اسی طرح پر ہیں۔

غرضکہ جب یہ دو صفتیں زیادہ ظاہر تھیں تو اللہ تعالیٰ نے نفی کے لئے ان دونوں کو خاص کر لیا اور ان دونوں کی نفی سے باقی صفات کی نفی بطریقِ اولیٰ لازم آئے گی۔

حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے اول صفتِ علم کو پیدا کیا، پھر صفتِ علم کی توجہ معلوم کی طرف پیدا کی پھر معلوم کے ساتھ اس صفت کا تعلق پیدا کیا، اس کے بعد معلوم کو اس پر منکشف کر دیا۔ پس صفتِ علم کو پیدا کرنے کے بعد محض قانونِ قدرت کے مطابق (یعنی صفتِ علم کے دخل کے بغیر) اس میں انکشاف کو پیدا کیا، پس معلوم ہو گیا کہ صفتِ علم کو انکشاف میں کیا دخل ہو گا (یعنی کچھ دخل نہیں ہے)۔

اسی طرح حق تعالیٰ نے اول صفتِ سمع کو پیدا کیا پھر مسموع کی طرف کان لگانا اور متوجہ ہونا پیدا کیا، اس کے بعد سننا اور پھر مسموع کا ادراک پیدا کیا۔

اسی طرح حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے اول بصر کو پیدا کیا پھر آنکھ کی پُتلی کو دیکھی جانے والی چیز کی طرف پھرانا (گھمانا) اور توجہ کرنا پیدا کیا، اس کے بعد دیکھنا پھر اس چیز کا ادراک پیدا کیا۔ علیٰ ہذا القیاس (اسی پر مخلوق کی باقی صفات کو قیاس کر لیجئے)۔

پس سمیع و بصیر وہی ذات ہے جس کے سننے اور دیکھنے کا مبدأ یہ دو صفتیں ہوں اور جب (حق سبحانہٗ و تعالیٰ کے سوا کسی اور میں) ایسا نہیں ہے تو (حق تعالیٰ کے سوا) کوئی سمیع و بصیر بھی نہیں ہے۔ پس

---

[1] تمام صفات یعنی حیوۃ، علم، کلام، قدرت اور ارادہ۔ یعنی وہی حق تعالیٰ شانہٗ درحقیقت حی، علیم، کلیم، قدیر ہے، مخلوقات میں بھی یہ صفات پیدا کی گئی ہیں لیکن ان صفات کے آثار و نتائج میں مخلوقات کو کوئی دخل نہیں، حق تعالیٰ ہی ان صفات کو پیدا کرتا ہے اور تاثیر بھی وہی عطا کرتا ہے کیونکہ عادۃ اللہ یہی ہے۔

ثابت ہو گیا کہ ان کی صفات ان کی ذات (اصل) کی طرح جماد محض ہیں۔ پس آیتِ مذکورہ کے آخری حصہ سے مقصود ان سے کُلّی طور پر صفات کی نفی کرنا ہے نہ یہ کہ اُن کے لئے صفات ثابت ہیں، اور یہ صفات بعینہا حق سبحانہٗ و تعالیٰ کے لئے بھی ثابت ہیں تاکہ اس تقدیر پر یہ قول تنزیہ میں جو آیت کے اول جزء کا (مفاد) ہے اور تشبیہ میں جو کہ آیت کے آخر جزء کا مفاد ہے جمع و موافقت ہو جائے یعنی ایسا نہیں ہے بلکہ پوری آیتِ کریمہ تنزیہ کے اثبات اور تشبیہ (مثل ہونے) کی کلی طور پر نفی کے لئے ہے۔

علم اول یعنی ان کی صفات کو خاص حق تعالیٰ کے لئے ثابت کرنا اور ان کی ذات (اصل) کو جمادِ محض جاننا اور پرنالے اور کوزہ کی مانند معلوم کرنا کہ پانی وہاں سے ظاہر ہے یہ سب مقامِ ولایت کے مناسب علوم[1] میں سے ہے (جو کہ ولایت کا پہلا درجہ ہے) اور علمِ ثانی یعنی ان کی صفات کو بھی جماد کی طرح معلوم کرنا اور اس تمام کو مَیِّت (مُردہ) جاننا کہ اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ (سورۂ زمر آیت ۳۰ پ ۲۳) بیشک آپ کو بھی مرنا ہے اور ان کو بھی مرنا ہے) یہ مقامِ شہادت کے مناسب علوم میں سے ہے (جو کہ ولایت کا دوسرا درجہ ہے)۔

اس بیان سے بھی ولایت کے ان دو مقامات کے درمیان کچھ فرق ظاہر ہو جاتا ہے، وَالْقَلِيْلُ يَدُلُّ عَلَى الْكَثِيْرِ وَالْجُرْعَةُ تُنْبِئُ عَنِ الْبَحْرِ الْغَدِيْرِ (اور تھوڑی چیز زیادہ پر دلالت کرتی ہے اور قطرہ بڑے سمندر کی خبر دیتا ہے)۔

ع سالے کہ نکوست از بہارش پیداست (سال اچھا ہے وہی جس کی بہار اچھی ہے)

اور اسی طرح اس عالی مقام کے لوگ مخلوقات کے افعال کو بھی مُردہ اور جماد (بے جان چیز) کی طرح پاتے ہیں نہ یہ کہ ان کے افعال کو حق تعالیٰ کی طرف منسوب کریں اور اللہ تعالیٰ کو ان افعال کا فاعل جانیں، تَعَالَى اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ عَنْ ذٰلِكَ عُلُوًّا كَبِيْرًا (اللہ تعالیٰ سبحانہ کی ذات اس نسبت سے بہت ہی بلند ہے)۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی شخص پتھر کو ہلاتا اور حرکت دیتا ہے تو یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ شخص متحرک ہے بلکہ وہ پتھر میں حرکت کا ایجاد کرنے والا ہے اور پتھر متحرک ہے۔ اس کے باوجود جس طرح کہ پتھر جمادِ محض ہے اس کی حرکت بھی جمادِ محض ہے۔ اگر بالفرض اس حرکت سے کوئی شخص ہلاک ہو جائے تو یہ نہیں کہیں گے کہ پتھر نے مارا بلکہ یہی کہیں گے کہ اس شخص نے مارا۔ اور علمائے شریعت شکر اللہ تعالیٰ

---

[1] جاننا چاہئے کہ مقاماتِ ولایت و شہادت و صدیقیت میں سے ہر ایک مقام کے اپنے جدا علوم و معارف ہیں جو اس مقام کے مناسب ہیں چنانچہ مقامِ ولایت میں سُکر غالب ہے اور صحو مغلوب اور مقامِ شہادت میں اس کے برعکس یعنی صحو غالب ہے اور سُکر مغلوب اور مقام صدیقیت میں سکر بالکل نہیں ہے۔ (معارف لدنیہ، معرفت ۳۶)

سَعْیَهُمْ (اللہ تعالیٰ ان کی کوششوں پر اجر و ثواب مرحمت فرمائے) اس علم کے موافق ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ مخلوقات سے افعال صادر ہونے کے باوجود خواہ وہ افعال اُن کے ارادہ و اختیار سے ہی ہوں، لیکن ان فعلوں کے مفعول اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے اور پیدا کئے ہوئے ہیں، اور ان (یعنی مخلوقات) کے فعل کو ان مفعولات کے بنانے اور پیدا کرنے میں کوئی دخل نہیں ہے، ان افعال کی چند حرکتیں ہیں جن کی معمول و مصنوع کے بننے اور پیدا ہونے میں کچھ بھی تاثیر[۱] نہیں ہے، اگر یہ کہا جائے کہ اس تقدیر پر افعال کو ثواب و عذاب کا مدار بنانا خلافِ عقل ہے جیسا کہ پتھر کو کسی امر کا مکلّف بنائیں اور اس کے فعل پر اچھائی اور بُرائی مرتب کریں تو ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ پتھر اور مکلفین کے درمیان فرق ہے، اس لئے کہ تکلیفاتِ شرعیہ کا مدار قدرت و ارادہ پر ہے اور پتھر میں ارادہ نہیں ہے، لیکن جب ان کا ارادہ بھی حق سبحانہٗ و تعالیٰ کا پیدا کیا ہوا ہے بغیر اس کے کہ مراد کے حصول میں اس کی کوئی تاثیر ہو وہ ارادہ مُردہ کی طرح ہے اُسی طریقہ پر کہ ارادہ کے ثابت ہونے کے بعد جس طرح کہ اللہ تعالیٰ کی عادت جاری ہے مراد (جس چیز کا ارادہ کیا گیا ہو) پیدا کی جاتی ہے اور اگر بالفرض مخلوق کی قدرت کو کسی ایک لحاظ سے مؤثر (اثر ڈالنے والی) بھی کہا جائے جیسا کہ علمائے ماوراء النہر شَكَرَ اللهُ تَعَالَىٰ سَعْيَهُمْ (اللہ تعالیٰ ان کی کوششوں پر اجر مرحمت فرمائے) نے کہا ہے تو یہ تاثیر بھی اُن میں حق تعالیٰ نے ہی پیدا فرمائی ہے، جیسا کہ قدرت کو بھی اسی نے پیدا فرمایا ہے پس اس کی تاثیر میں اس کا بالکل کوئی اختیار نہیں ہے لہٰذا اس کی تاثیر بھی جماد کی مانند ہوگی۔ مثلاً کسی شخص نے ایک پتھر دیکھا جو کہ کسی حرکت دینے والے کی حرکت سے اوپر سے نیچے گرا اور ایک جاندار کو ہلاک کر دیا، وہ شخص جس طرح اس پتھر کو جماد جانتا ہے اس کے فعل کو بھی یعنی حرکت کو بھی جماد جانتا ہے اور اُس فعل پر مرتب ہونے والے اثر کو بھی جو کہ ہلاک کرنا ہے جماد جانتا ہے۔ پس مخلوقات کی ذاتیں، صفاتیں اور افعال سب کے سب محض جمادات اور صرف مُردہ ہیں، فَهُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْخَبِيْرُ وَهُوَ الْفَعَّالُ لِمَا يُرِيْدُ (پس وہی ہمیشہ زندہ و قائم ہے اور وہی سننے والا دیکھنے والا ہے اور وہی علیم و خبیر ہے اور وہی جس چیز کا ارادہ کرے اس کو کرنے والا ہے)۔ قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ

---

[۱] جاننا چاہئے کہ حضراتِ اشاعرہ رحمہم اللہ تعالیٰ اس بات کے قائل ہیں کہ بندوں کے افعال میں صرف حق تعالیٰ کی قدرت مؤثر ہے بخلاف جمہور معتزلہ کے کہ محض بندہ کی قدرت کو افعال میں مؤثر جانتے ہیں اور اس مسئلہ کی تفصیل کتب عقائد میں موجود ہے۔

لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا ۝ (سورۃ الکہف آیت ۱۰۹ (پ ۱۶)) (اے پیغمبرؐ)
آپ کہہ دیجئے کہ اگر میرے رب کے کلمات لکھنے کے لئے سمندر سیاہی بن جائیں تو ضرور سمندر ختم ہو جائیں گے لیکن
اللہ تعالیٰ کی باتیں (ہرگز) ختم نہ ہوں گی اگرچہ ہم اُتنے ہی (اور) سمندر مدد کے طور پر لے آئیں)۔

اس خادم نے بہت گستاخی کی اور بے حد جرأت واقع ہوئی، کیا کر سکتا تھا، بات کی عمدگی نے جو کہ جمیلِ مطلق (حق سبحانہ و تعالیٰ) کی طرف سے ہے اس بات پر مجبور کر دیا کہ جسقدر بات کو لمبا کیا جائے اچھا ہے اور جو کچھ اس کی طرف سے بیان کیا جائے عمدہ معلوم ہوتا ہے حالانکہ اپنے اندر کوئی مناسبت نہیں پاتا کہ اس بارگاہ کی نسبت کلام کرے یا اس کا پاک نام زبان پر لائے ؎

ہزار بار بشستم دہن بمشک وگلاب — ہنوز نامِ تو گفتن مرا نمے شاید
(ترجمہ) (گلاب و مشک سے دھولوں دہن کو پھر بھی مگر — ہے نام آپ کا لینا کمال بے ادبی) کمال بے ادبی است

ع بندہ باید کہ حدِ خود داند (چاہیئے بندہ اپنی حد میں رہے)

حضور کی توجہ و عنایت کا امیدوار ہے اپنی خرابی کے متعلق کیا عرض کرے اور جو کچھ اپنے اندر پاتا ہے آپ کی بلند توجہ منبع عنایات سے ہے ورنہ

من ہماں احمدِ پارینہ کہ ہستم ہستم (میں وہی احمد ہوں خادم ہوں پرانا آپ کا)

میاں شاہ حسین توحیدِ وجودی کا طریقہ رکھتا ہے اور اس میں محفوظ ہے، دل میں آتا ہے کہ اس مقام سے اس کو نکالا جائے تاکہ مقامِ حیرت میں پہنچ جائے جو کہ مقصود ہے۔

محمد صادق[1] بچپن ہی سے اپنے آپ کو ضبط نہیں کر سکتا اگر کسی سفر میں ساتھ ہو جاتا ہے تو بہت ترقی کرتا ہے، دامنِ کوہ کی سیر میں ساتھ تھا بڑی ترقی کی اور مقامِ حیرت میں مستغرق ہے اور مقامِ حیرت میں اس فقیر کے ساتھ پوری پوری مناسبت رکھتا ہے، اور شیخ نور[2] بھی اسی مقام میں ہے اس نے بھی بہت ترقی کر لی ہے۔ اور اس فقیر کے عزیزوں میں سے ایک جوان ہے اس کا حال بہت بلند ہے تجلیاتِ برقیہ کے قریب پہنچ چکا ہے اور چست و محنتی ہے۔

---

[1] حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے سب سے بڑے صاحبزادے۔

[2] غالباً شیخ نور محمد پٹنی مراد ہیں اس لئے کہ آپ کے تذکرہ میں ہے کہ حضرت خواجہ باقی باللہؒ نے آپ کو ذکرِ قلبی کی تعلیم سے مشرف فرمایا اور آپ کی تربیت حضرت مجددؒ کے حوالہ فرما دی بعد ازاں حضرت مجددؒ نے آپ کو خلافت و اجازت عطا فرما کر پٹنہ روانہ کیا۔ مزید تفصیل کیلئے خاکسار کی تالیف "حضرت مجدد الف ثانیؒ" ص ۹۵ ملاحظہ فرمائیں۔

مکتوب ۱۹
نوزدہم

بعض حاجتمندوں کی سفارش کے سلسلہ میں اپنے پیر و مرشد بزرگوار کی خدمت میں ارسال کیا۔

حقیر ترین خادم کی گذارش ہے کہ لشکر سے ایک شخص نے آکر بیان کیا کہ گذشتہ فصلِ خریف کے متعلق دہلی اور سرہند کے وظیفہ دار فقراء کا روپیہ حضور کی بلند بارگاہ کے ملازموں کے حوالہ کیا گیا ہے تاکہ صحیح تحقیق کے بعد حقداروں کو پہنچا دیں، اس بِنا پر گستاخی کی گئی ہے کہ ہزار تنکہ[1] فصلانہ شیخ ابوالحسن حافظ و عالم کے نام، اور ہزار تنکہ فصلانہ شیخ شاہ محمد حافظ کے نام نواب شیخ کی سرکار سے مقرر ہے، دونوں مذکورہ بالا شخص زندہ و موجود ہیں اور اس میں کسی قسم کا شُبہ نہیں ہے، اور ان دونوں نے اپنے کسی معتبر آدمی کو بھیجا ہے۔ اگر مذکورہ بالا خبر سچی ہے تو ان دونوں مذکورہ اشخاص کا روپیہ حامل عریضہ ہذا کو عنایت فرمادیں، یہ دونوں شخص سرہند میں موجود ہیں۔

مکتوب ۲۰
بستم

یہ مکتوب بھی بعض حاجتمندوں کی سفارش کے سلسلے میں اپنے پیر و مرشد بزرگوار کی خدمت میں ارسال کیا۔

کمترین خادم کی عرض ہے کہ حبیب اللہ سرہندی کی والدہ اور اس کی بیوی اور دوسرے بزرگوں کے وظائف کے بارے میں جو مکرر عریضے اس ضمن میں لکھے ہوئے ہیں حضور کی بلند بارگاہ کے خادموں کو تکلیف دیتا ہے، اگر مذکورہ بالا اشخاص کے وظائف کی رقم دہلی میں لے آئے ہوں تو حضور والا مولانا علی کو حکم فرمادیں کہ ان مذکورہ اشخاص کی تسلی کردیں۔ بعض اشخاص اپنے وکیل (نمائندہ) کے ذریعے سے اور بعض بذاتِ خود حاضر ہوتے ہیں، اور اگر روپے (رقم) نہ لائے گئے ہوں تو مذکورہ بالا اشخاص زندہ و موجود ہیں، پروانوں (حکمناموں) کے صحیح کرنے کے لئے درخواست کرتے ہیں، مزید عرض کرنا گستاخی ہے۔

---

[1] تنکہ بالفتح و کاف عربی، بمعنی سکۂ رائج خواہ سونے کا ہو یا چاندی کا، یا تانبے وغیرہ کا ہو

مکتوب ۲۱

(عربی) بنتیجہ

درجاتِ ولایت خصوصاً ولایتِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کے درجات کا بیان

اور طریقۂ عالیہ نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرار صاحبہا (اللہ تعالیٰ ان حضرات کے اسرار کو پاکیزہ بنائے) کی تعریف میں اور ان بزرگوں کی نسبت کی بلندی اور اس طریقہ کی دوسرے تمام طریقوں پر فضیلت اور ان کا حضور دائمی ہونے کے بیان میں شیخ محمد مکی ولد حاجی قاری موسیٰ لاہوری[ع] کی طرف ارسال کیا گیا۔

آپ کا پاکیزہ مکتوب شریف جو اس بندۂ ضعیف و نحیف کی طرف لکھا تھا موصول ہوا، اللہ تعالےٰ آپ کو اجرِ عظیم عطا فرمائے اور آپ کا کام آسان کرے اور آپ کے سینہ کو کھول دے اور آپ کے عذر کو قبول فرمائے بطفیل سید البشر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو زیغ بصر[ا] (یعنی آنکھ کی کجی) سے پاک ہیں۔

میرے بھائیو! آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ جب تک وہ موت[۲] جو معروف موت سے پہلے ہے اور جس کو اولیاء اللہ فنا[۳] سے تعبیر کرتے ہیں ثابت نہیں ہوگی اس وقت تک بارگاہ حق تعالیٰ و تقدس تک پہنچنا ہرگز میسر نہیں ہوگا بلکہ آفاقی باطل[۴] معبودوں (کافر و فاجر لوگوں کے معبود) اور انفسی ہوائی خداؤں (یعنی نفسانی خواہشات) کی عبادت و پرستش سے نجات حاصل نہیں ہوسکتی۔ (اس فنا کے بغیر) نہ اسلام کی حقیقت ثابت ہوتی ہے اور نہ ہی کمالِ ایمان میسر ہوتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کے بندوں کی جماعت میں داخل ہونا اور

"موتوا قبل ان تموتوا" کی اہمیت

---

[۱] سورۃ والنجم آیت ۱۷ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی کے مضمون کی طرف اشارہ ہے۔

[۲] جیسا کہ وارد ہے مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا۔ اور یہ موت لطائف ستہ کا لطیفۂ قالبیہ سے جدا ہونا ہے اس طرح پر کہ نفس ترقی کر کے مقامِ قلب تک پہنچتا ہے اور پھر یہ دونوں مل کر مقامِ روح تک اور پھر یہ تینوں مقامِ سر تک پھر چاروں مل کر مقام خفی تک پھر پانچوں مل کر مقامِ اخفیٰ تک پہنچتے ہیں پھر سب مل کر عالمِ قدس کی طرف پرواز کرتے ہیں اور لطیفۂ قالب کو خالی چھوڑ دیتے ہیں لیکن ابتدا میں یہ پرواز بطریقِ احوال ہوتی ہے اور انتہا میں بطریقِ مقام۔ اور اس جدائی کے باوجود قالب میں حس و حرکت باقی رہتی ہے اور اس راز کیلئے مزید مطالعہ کرنا چاہیے — [۳] فنا سے مراد ذاتِ حق تعالیٰ کے مشاہدہ کے غلبہ کی وجہ سے ماسوی اللہ سے نسیان ہونا اور فنا الفنا سے مراد یہ ہے کہ اس فنا کا بھی شعور نہ رہے (معارف ولوائح) — [۴] ایمانِ حقیقی کا حاصل ہونا آفاقی اور انفسی دونوں قسم کے معبودوں کی نفی پر وابستہ ہے لیکن ظاہر شریعت کے حکم میں صرف آفاقی معبودوں یعنی کافروں اور فاجروں کے معبودوں کی نفی کرنے سے ایمان ثابت ہو جاتا ہے یہ ایمان کی صورت ہے لیکن ایمان کی حقیقت انفسی معبودوں یعنی خواہشاتِ نفسانی کی نفی پر موقوف ہے صورتِ ایمان کے تو زائل ہونے کا احتمال ہے لیکن حقیقتِ ایمان اس احتمال سے محفوظ ہے۔ (معارف لدنیہ، معرفت ۲۴)

[ع] مکتوبات شریفہ میں آپ کے نام صرف یہی ایک مکتوب ہے۔ مزید حالات معلوم نہ ہوسکے۔

اوتاد[1] کے درجے تک پہنچنا کس طرح حاصل ہو سکتا ہے، حالانکہ یہ فنا پہلا قدم ہے جو ولایت کے درجات میں رکھا جاتا ہے اور یہ بہت ہی بڑا کمال ہے جو ابتدا ہی میں حاصل ہو جاتا ہے لہٰذا ولایت کی اس شروع حالت سے اس کی آخری حالت کا اور اس کی ابتدا سے اس کی نہایت کے درجہ کا اندازہ کر لینا چاہیئے۔ کسی نے فارسی میں کیا اچھا کہا ہے ع

قیاس کن زگلستانِ من بہارِ مرا (قیاس کیجے مرے بلغ سے بہار مری)

اسی مضمون کو کسی اور نے اس طرح کہا ہے۔ ع

سالے کہ نکوست از بہارش پیداست (سال اچھا ہے وہی جس کی بہار اچھی ہے)

درجاتِ ولایت

اور ولایت[2] کے بہت سے درجات ہیں جو ایک دوسرے کے اوپر ہیں، کیونکہ ہر نبی علیہ السلام کے قدم پر ایک ولایت ہے جو اس کے ساتھ مخصوص ہے اور درجاتِ ولایت میں سب سے بلند اور اعلیٰ درجہ وہ ہے جو ہمارے نبیؐ کے قدم پر ہے عَلَيْهِ وَعَلٰى جَمِيْعِ اِخْوَانِهٖ مِنَ الصَّلَوٰتِ اَتَمُّهَا وَمِنَ التَّحِيَّاتِ اَيْمَنُهَا (آپؐ پر اور تمام انبیاء کرام پر کامل ترین صلوات اور مبارک ترین تحیات ہوں)۔ کیونکہ تجلیٔ ذاتی جس میں اسماء[3]، وصفات و شیون و اعتبارات کا کوئی اعتبار نہیں ہے، نہ ایجاب و اثبات کے طور پر کوئی اعتبار ہے اور نہ سلب و نفی کے طور پر، وہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ولایت کے ساتھ مخصوص ہے اور تمام وجودی و اعتباری

---

[1] اوتاد جمع وتد کی ہے بمعنی میخ اور اولیاء اللہ کی ایک قسم کو بھی کہتے ہیں، یہ اوتاد تمام دنیا میں چار شخص ہوتے ہیں۔

[2] جاننا چاہیے کہ وَلایت واؤ کی فتح (زبر) کے ساتھ حق تعالیٰ کے ساتھ بندہ کے قرب کو کہتے ہیں اور واؤ کی کسرہ (زیر) کے ساتھ اس صفت کو کہتے ہیں جس کے سبب سے بندہ مخلوق میں مقبول ہو جاتا ہے اور دنیا والے اس کے گرویدہ ہو جاتے ہیں۔ خوارق و تصرفات اسی دوسری قسم میں داخل ہیں اور جو برکات مستعد لوگوں کو حاصل ہوتی ہیں وہ ولایت بالفتح کا اثر ہوتا ہے۔ بعض لوگوں کو ان دونوں قسموں میں سے صرف ایک قسم حاصل ہوتی ہے اور بعض حضرات کو ان دونوں کا کافی حصہ حاصل ہوتا ہے اور بعض میں ان دونوں قسم کی ولایتوں میں سے کسی ایک کا حصہ دوسری سے زیادہ حاصل ہوتا ہے۔ مشائخ نقشبندیہ رحمہم اللہ تعالیٰ کو ہمیشہ ولایت بفتح ولایت بکسر پر غالب رہتی ہے اور اگر کوئی مقتدا شخص اس دنیا سے انتقال فرماتا ہے ولایت بکسر کو اپنے کسی مخلص کے لیے چھوڑ جاتا ہے اور ولایت بفتح کو اپنے ساتھ لے جاتا ہے اور کبھی کسی لغزش کی بنا پر ولایت بکسر کو ولی سے واپس لے لیتے ہیں۔ (ملخص از ملفوظات حضرت خواجہ محمد عبدالباقی المعروف بہ خواجہ باقی باللہ قدس سرہ جو کہ زبدۃ المقامات سے نقل کیا گیا ہے)۔

[3] جاننا چاہیے کہ اسماء وصفات و شیون و اعتبارات، ان چاروں میں بہت ہی دقیق فرق ہے جو حضرت مجددؒ کے دیگر مکتوبات میں مذکور ہے وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

حجابات کا دور ہو جانا، علماً یعنی ذہنی طور پر اور عیناً یعنی خارجی (علم الیقین اور عین الیقین کے) طور پر اسی مقام میں ثابت ہوتا ہے، پس اس وقت وصلِ عُریانیؔ حاصل ہو جاتا ہے اور وجد (پالینا) حقیقی طور پر ثابت ہو جاتا ہے نہ کہ ظنی اور تخمینی طور پر، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کامل تابعداروں کو اس مقام سے جس کا وجود بہت عزیز ہے (نادر ہے) پورا پورا نصیب اور بہت بڑا حصہ حاصل ہوتا ہے پس اگر تم اس بہت بڑی دولت کے حاصل کرنے اور اس بلند مقام کی تکمیل کی طرف متوجہ ہو تو تم پر آنسرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری کرنا لازم ہے۔

اور یہ تجلیٔ ذاتی اکثر مشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک برقی ہے یعنی حضرت ذات حق جل سلطانہٗ کی بارگاہ سے تمام حجابات کا دور ہو جانا برق کی مانند تھوڑے سے وقت کے لئے ہوتا ہے پھر اسماء و صفات کے پردے ڈال دیئے جاتے ہیں اور ذات تعالیٰ و تقدس کے انوار کی شعاعیں اور دبدبے (ان پردوں میں) چھپا دیئے جاتے ہیں، پس حضورِ ذاتی برق کی مانند ایک لمحہ کے لئے ہوتا ہے اور غیبتِ ذاتی بہت دیر رہتی ہے، اور اکابر نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے نزدیک یہ حضورِ ذاتی دائمی ہے اور ان بزرگوں کے نزدیک زائل ہو جانے اور غیبت سے بدل جانے والے حضور کا کچھ اعتبار نہیں ہے۔ لہٰذا ان اکابر کا کمال تمام کمالات سے بالاتر ہے اور ان کی نسبت تمام نسبتوں سے اعلیٰ ہے، جیسا کہ ان بزرگوں کی عبارتوں میں یہ جملہ آیا ہے اِنَّ نِسْبَتَنَا فَوْقَ جَمِیْعِ النِّسَبِ (یعنی ہماری نسبت تمام نسبتوں سے بالاتر ہے) اور نسبت سے ان کی مراد حضور دائمی ہے۔ اور ان سب سے زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ ان کاملین کے طریقے میں انتہا ابتدا میں مندرج ہے اور اس امر میں وہ بزرگوار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرامؓ کی پیروی کرتے ہیں کیونکہ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کی پہلی ہی صحبت میں وہ چیز حاصل کر لی تھی جو صحابۂ کرامؓ کے علاوہ دوسرے اولیائے کرام کو انتہائے طریقت میں میسر ہوتی ہے اور یہ بات ابتدا میں انتہا درج ہونے کے سبب سے ہے۔

پس جس طرح حضرت محمد مصطفیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ولایت تمام نبیوں اور رسولوں علیہم الصلوات والتسلیمات کی ولایتوں سے افضل ہے اسی طرح ان بزرگواروں کی ولایت بھی دوسرے تمام اولیائے کرام قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کی ولایتوں سے بالاتر ہے، اور بالاتر کیوں نہ ہو جبکہ ان کی

لے بمعنی بے حجاب ہونا یعنی ذاتِ مجردہ محضہ پر اعتبار زائد کے بغیر۔

ولایت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف منسوب ہے۔

ہاں دوسرے سلسلوں کے کامل مشائخ میں سے بعض حضرات کو یہ نسبت حاصل ہوئی ہے لیکن یہ حصول بھی حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولایت ہی سے مقتبس ہے جیسا کہ شیخ ابو سعید خراز قدس سرہ نے اس حدیث (یعنی تجلی ذاتی دائمی) کے دوام کی خبر دی ہے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا جُبّہ شیخ ابو سعید مذکور تک پہنچا ہے جیسا کہ صاحبِ نفحات نے نقل کیا ہے، اور اس طریقۂ عالیہ نقشبندیہ کے بعض کمالات کے ظاہر کرنے کا مقصد اس طریقہ کے طالبوں کو اس طریقۂ عالیہ کی طرف رغبت دلانا ہے ورنہ مجھ کو اس طریقۂ عالیہ کے کمالات کی شرح بیان کرنے سے کیا نسبت۔ مولانا رومؒ نے مثنوی میں فرمایا ہے ؎

شرحِ او حیف است با اہلِ جہاں — ہمچو رازِ عشق باید در نہاں
لیک گفتم وصفِ او تا رہ برند — پیش ازاں کز فوتِ آو حسرت خورند آں

ترجمہ (اہلِ دنیا سے نہ کر اس کو بیاں — مثل رازِ عشق رکھ اس کو نہاں
دے رہا ہوں راہ رَو کو کچھ پتا — تا نہ مرتے وقت ہو حسرت زدہ

تم پر اور ہدایت کی پیروی کرنے والے تمام لوگوں پر سلام ہو۔

مکتوب ۲۲
(عربی) بست و دوم

روح اور نفس کے درمیان تعلق کی وجہ اور ان دونوں کے عروج و نزول اور فنائے جسدی و روحی اور ان دونوں کے بقا اور مقامِ دعوت اور اولیاء اللہ میں سے جو مغلوب الحال یعنی راہِ حق میں فنا و گم ہو گئے ہیں اور جو دعوت کی طرف لوٹنے والے اولیاء اللہ ہیں ان کے درمیان فرق کے بیان میں، شیخ عبد المجید[1] ولد شیخ محمد مفتی لاہوری کی جانب ارسال فرمایا۔

---

[1] مکتوباتِ شریفہ میں آپ کے نام صرف یہی ایک مکتوب ہے۔ صاحب نزہۃ الخواطر ج ۵ ص ۲۵۹ میں آپ کے متعلق تحریر فرماتے ہیں "آپ بڑے عالم و فقیہ اور صلحاءِ زمانہ میں سے تھے۔ آپ نے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی خدمت میں ایک عریضہ عربی زبان میں لکھا۔ حضرت موصوف نے بھی اس کا جواب عربی میں دیا۔ آپ کے والد بھی اکبری دور کے بزرگ، عالم اور صاحبِ کمالات تھے۔

روح اور نفس کا تعلق

پاک ہے وہ ذات جس نے نور (روح) کو ظلمت (نفس) کے ساتھ جمع کیا، اور لامکانی (روح) کو جو کہ جہت (اطراف) سے بری ہے مکانی (نفس) کا جس کو کہ جہت حاصل ہے ہمقرین (ساتھی) بنایا اور ظلمت کو نور کی نظر میں محبوب کر دیا پس وہ (نور) اس (ظلمت) پر فریفتہ ہوگیا، اور کمال محبت سے اس (ظلمت) کے ساتھ مل گیا، تاکہ اس تعلق کے ذریعہ سے اس کی روشنی زیادہ ہوجائے اور ظلمت (تاریکی) کے قرب و ہمسائیگی سے اس کی صفائی کامل ہوجائے، جس طرح آئینہ کہ جب اس کو صیقل کرنا چاہیں اور اس کی لطافت (پاکیزگی و عمدگی) کے اظہار کا قصد کریں تو پہلے اس کو مٹی سے آلودہ کرتے ہیں تاکہ مٹی کی ظلمت کے پڑوس و قرب سے اس کی صفائی ظاہر ہوجائے اور مٹی کی کثافت کے تعلق سے اس کی نورانیت زیادہ ہوجائے۔

پس جو کچھ اس نور (روح) کو اس قدسی مشاہدہ سے پہلے سے حاصل تھا وہ اس نے معشوقِ ظلمانی (نفس) کے مشاہدہ میں مستغرق ہونے اور مادی جسم کے ساتھ تعلق ہونے کی وجہ سے اس کو فراموش کر دیا بلکہ اپنی ذات اور اپنے وجود کے متعلقات سے بھی بے خبر ہوگیا۔ پس وہ نور اس کی ہمنشینی میں رہ کر اصحابِ مشئمہ[۲] (بائیں طرف والوں) میں سے ہوگیا اور اس کے پڑوس میں رہنے کی وجہ سے اصحابِ میمنہ[۱] (دائیں طرف والوں) کے فضائل کو ضائع کر دیا، پس اگر وہ اس استغراق کے تنگ کوچہ ہی میں پڑا رہا اور آزادی کی فضا کی طرف چھٹکارا حاصل نہ کیا تو اس پر ہزار افسوس ہے، کیونکہ اس کے وجود سے جو مقصود تھا وہ اس کو بالکل حاصل نہیں ہوا اور اس کی استعداد کا جوہر بھی ضائع ہوگیا۔ فَضَلَّ ضَلٰلاً بَعِیۡدًا (پس وہ بہت بڑی گمراہی میں جا پڑا) اور اگر نیکی[۳] نے اس کی طرف پیشدستی کی (یعنی اس کو حاصل ہوگئی) اور اللہ تعالیٰ کی عنایتِ عالیہ اس کے شامل حال ہوئی تو اس نے اپنے سر کو بلند کیا اور اپنی کھوئی ہوئی چیز کو یاد کیا اور یہ کہتے ہوئے اپنی پہلی حالت کی طرف الٹے پاؤں لوٹ آیا ؎

اِلَیْکَ یَا مُنْیَتِیْ حَجِّیْ وَمُعْتَمَرِیْ — اِنْ حَجَّ قَوْمٌ اِلٰی تُرْبٍ وَّاَحْجَارٍ

(ترجمہ) میری امید میرا حج اور عمرہ ہے تیری طرف — لوگ حج کرتے ہیں پتھر اور مٹی کی طرف

اور اگر اس کو دوبارہ مطلوبِ اقدس کے مشاہدہ میں احسن طریقے پر استغراق حاصل ہوگیا اور اس کو اس بارگاہ مقدس کی طرف پوری طرح سے توجہ میسر ہوگئی تو اس وقت ظلمت اس کی تابع و فرمانبردار

---

[۱] اس میں اس آیت کریمہ کی طرف اشارہ ہے فَاَصۡحٰبُ الۡمَیۡمَنَۃِ مَاۤ اَصۡحٰبُ الۡمَیۡمَنَۃِ (سورۂ واقعہ[۵۶] آیت ۸)

[۲] اس میں اس آیت کریمہ کی طرف اشارہ ہے وَاَصۡحٰبُ الۡمَشۡـَٔمَۃِ مَاۤ اَصۡحٰبُ الۡمَشۡـَٔمَۃِ (سورہ واقعہ[۵۶] آیت ۹)

[۳] اس میں اس آیت کریمہ کی طرف اشارہ ہے اِنَّ الَّذِیۡنَ سَبَقَتۡ لَہُمۡ مِّنَّا الۡحُسۡنٰۤی ۙ اُولٰٓئِکَ عَنۡہَا مُبۡعَدُوۡنَ (انبیا[۲۱] آیت ۱۰۱)

ہوجائے گی اور اس کے انوار کی کثرت میں جذب ہوجائے گی۔ پس جب یہ استغراق اس حد تک پہنچ جائے کہ اپنے ظلمانی متعلق کو قطعاً بھول جائے اور اپنی ذات اور اس کے وجود کے متعلقات سے کلی طور پر بے خبر ہوجائے اور نور الانوار کے مشاہدہ میں فنا ہوجائے اور اس کو پردوں کے پیچھے سے مطلوب کا حضور حاصل ہوجائے تو وہ فنائے جسدی اور فنائے روحی سے مشرف ہوجائے گا۔ اور اگر اس کو شہود میں فنا حاصل ہونے کے بعد اس شہود کے ساتھ بقا بھی حاصل ہوجائے تو اس کے لئے فنا اور بقا کی دونوں جہتوں کی تکمیل ہوجائے گی اور اس وقت اس پر ولایت (ولی ہونے) کے اسم کا اطلاق صحیح ہوجائے گا۔ پس اس صورت میں اس کا حال دو باتوں سے خالی نہیں ہوگا، یا اُس شخص کو اپنے مشہود میں کلی طور پر استغراق اور دائمی طور پر اس میں فنائیت حاصل ہوگی یا مخلوقِ خدا کو اللہ تعالیٰ عزّ وجل کی طرف دعوت دینے کے لئے اس طرح پر رجوع حاصل ہوگا کہ اس کا باطن اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے ساتھ ہوگا اور اس کا ظاہر خلقت کے ساتھ ہوگا، پس اس وقت وہ نور جو اپنے مطلوب کی طرف متوجہ ہے اس ظلمت سے جو اس کے ساتھ ملی ہوئی ہے رہائی حاصل کرلیتا ہے اور اس رہائی کے باعث وہ اصحابِ یمین (دائیں ہاتھ والوں) میں سے ہوجاتا ہے اور اس (روح) کو اگرچہ حقیقت میں نہ یمین (دایاں) ہے اور نہ شمال (بایاں) لیکن یمین اس کے حال کے زیادہ موافق اور اس کے کمال کے زیادہ مناسب ہے کیونکہ دائیں اور بائیں دونوں ہاتھوں کو یُمن و برکت میں مشترک ہونے کے باوجود دایاں ہاتھ نیکی و بھلائی کی جہت کا جامع ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی شان میں وارد ہے کِلْتَا یَدَیْہِ یَمِیْنٌ[1] (اس کے دونوں ہاتھ یمین و مبارک ہیں)، اور وہ ظلمت اُس نور سے (آزاد ہوکر) عبادت اور طاعت کے مقام میں اُتر آتی ہے۔ اور نورِ لامکانی سے ہماری مراد روح بلکہ اس کا خلاصہ ہے اور جہت کے ساتھ مقیدہ ظلمت سے مراد نفس ہے اور اسی طرح باطن اور ظاہر سے بھی ہماری مراد یہی (روح و نفس) ہے۔

فنائے جسدی و فنائے روحی

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ مغلوب الحال و فانی فی اللہ اولیا بھی عالَم کے ساتھ شعور اور اس کی طرف توجہ اور اپنے بنی نوع (یعنی دوسرے لوگوں) کے ساتھ میل جول رکھتے ہیں تو پھر فنا و استہلاک ہونے اور دائمی طور پر کلی توجہ کے کیا معنی ہیں اور ان لوگوں میں اور دعوت و تبلیغ کے لئے عالَم کی طرف

---

[1] مکتوبات شریف کے عربی مترجم (شیخ محمد مراد) نے لکھا ہے رواہ مسلم عن عبداللہ بن عمرو والترمذی عن ابی ہریرۃ بلفظ وکلتا یدی ربی یمین مبارکۃ۔

رجوع کرنے والوں میں کیا فرق ہے؟۔ تو ہم کہیں گے کہ استہلاک (فنائیت) اور پوری توجہ سے مراد روح کے انوار میں نفس کے داخل و شامل ہو جانے کے بعد روح اور نفس کا ایک ساتھ متوجہ ہونا ہے جیسا کہ پہلے اس کی طرف اشارہ کیا جا چکا ہے (یعنی اوپر جو بیان ہوا ہے کہ اس وقت ظلمت اس کی تابع و فرمانبردار ہو جاتی گی الخ اس میں اسی کی طرف اشارہ ہے) اور عالم کے ساتھ اس کا شعور وغیرہ (یعنی اپنے نوع کے ساتھ توجہ اور میل جول) حواس و قویٰ و اعضا کے ذریعے ہوتا ہے جو کہ نفس کے لئے تفصیلات کی مانند ہیں، پس مجملِ ملخص (یعنی نفس)[۳] روح کے انوار کے ضمن میں اپنے مشہود کے مطالعہ میں مستہلک و فانی ہوتا ہے اور اس کی تفصیل پہلے شعور پر ہی باقی رہتی ہے بغیر اس کے کہ اس میں کسی قسم کا فتور واقع ہو، برخلاف اس شخص کے جو عالم کی طرف رجوع کئے ہوئے ہے کیونکہ اس کا نفس اطمینان حاصل کر لینے کے بعد دعوت و تبلیغ کے لئے ان انوار سے باہر نکل آتا ہے اور اس وقت اس کو عالم کے ساتھ مناسبت حاصل ہو جاتی ہے اور اس مناسبت کے سبب سے اس کی دعوت و تبلیغ (اللہ تعالیٰ کی طرف بلانا) مقبول ہو جاتی ہے۔ اور البتہ یہ بات کہ نفس مجمل ہے اور حواس وغیرہ اس کی تفاصیل ہیں تو اس کی دلیل یہ ہے کہ نفس کا تعلق قلبِ صنوبری[۱] کے ساتھ ہے اور قلبِ صنوبری کا تعلق حقیقتِ جامعۂ قلبیہ[۲] کے واسطہ سے روح کے ساتھ ہے اور روح سے نازل ہونے والے فیوض اول اجمال کے ساتھ نفس پر وارد ہوتے ہیں پھر اس (نفس) کے واسطہ سے تمام قویٰ و اعضا کی طرف تفصیلی طور پر پہنچتے ہیں، پس ان (حواس و قویٰ اور اعضا) کا خلاصہ اجمالی طور پر نفس میں موجود ہے پس اس بیان سے دونوں گروہوں (یعنی مستہلکین اور مرجوعین) کے درمیان فرق ظاہر ہو گیا۔

اور جاننا چاہئے کہ پہلا گروہ (یعنی مستہلکین) سکر[۳] والوں میں سے ہے اور دوسرا گروہ (راجعین الی الدعوۃ) صحو والوں کا ہے اور عروج و بلندی پہلے گروہ کے لئے ہے اور فضیلت دوسرے گروہ کے لئے، اور پہلا مقام ولایت کے مناسب ہے اور دوسرا مقام نبوت کے مناسب، اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ ہم سب کو

---

[۱] قلبِ صنوبری، صنوبر کی شکل کا گوشت کا ٹکڑا جو کہ انسان کے جسم (سینہ) میں بائیں جانب ہوتا ہے۔

[۲] یعنی قلبِ حقیقی، مراد یہ ہے کہ روح کو حقیقت میں قلبِ حقیقی کے ساتھ تعلق ہے اور قلبِ حقیقی کا تعلق قلبِ صنوبری کے ساتھ ہے اور نفس کا تعلق بھی قلبِ صنوبری کے ساتھ ہے ——— [۳] جاننا چاہئے کہ سکر و صحو صوفیائے کرام کی اصطلاح میں دو اصطلاحیں ہیں، سکر، سلطان الحال کا غلبہ ہے اور صحو تربیتِ افعال کی طرف لوٹنا ہے۔ سکر اربابِ قلوب کے لئے ہے اور صحو حقائقِ غیبیہ کے مکاشفین کے لئے ہے۔ (سالک السلوک)

اپنے اولیاء کی کرامات سے مشرف فرمائے اور انبیاء علیہم السلام کی پوری پوری متابعت پر ثابت قدمی مرحمت فرمائے، صَلَوَاتُ اللّٰہِ تَعَالٰی وَسَلَامُہٗ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْھِمْ وَعَلٰی جَمِیْعِ اِخْوَانِہٖ مِنَ الْمَلٰئِکَۃِ الْمُقَرَّبِیْنَ وَالْعِبَادِ الصَّالِحِیْنَ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ اٰمِیْن (اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمارے نبیؐ اور تمام انبیاءؑ پر اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اصحابؓ و ملائکہ مقربین اور اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں پر قیامت تک صلوٰۃ و سلام نازل ہوتے رہیں، آمین)

کاتب الحروف دعاگو اگرچہ عجمی (غیر عربی نژاد) ہونے کی وجہ سے عربی (زبان میں مکتوب) اچھی طرح نہیں لکھ سکتا تھا لیکن چونکہ آپ کا مکتوب شریف عربی زبان میں لکھا ہوا تھا اس لئے آپ کی تحریر سے موافقت کرتے ہوئے عربی زبان میں جواب تحریر کیا ہے اور سلام پر اپنے کلام کو ختم کرتا ہوں (والسلام)۔

مکتوب ۲۳

(عربی) بست و سوم

ناقص پیر سے طریقہ سیکھنے سے منع کرنے اور اس کے نقصان و ضرر کے بیان میں، اور اہل کفر سے مشابہت رکھنے والے القاب و آداب سے منع کرنے کے بیان میں، عبدالرحیم خانخاناںؔ[1] کی طرف ان کے خط کے جواب میں ارسال فرمایا۔

حق سبحانہٗ و تعالیٰ ہم کو اور آپ کو اپنے حبیب سید البشر المبعوث الی الاسود والاحمر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے طفیل ایسے قال سے جو حال سے خالی ہو، اور ایسے علم سے جو عمل سے خالی ہو نجات بخشے (آمین) اور حق تعالیٰ اس بندے پر رحمت نازل فرمائے جو اس دعا پر آمین کہے۔

---

[1] مکتوبات شریفہ میں آپ کے نام مندرجہ ذیل ۱۳ مکتوبات ہیں: دفتر اول مکتوب ۲۳ - ۶۷ - ۶۸ - ۶۹ - ۷۰ - ۱۹۱ - ۱۹۸ - ۲۱۴ - ۲۳۲ - ۲۶۸ - دفتر دوم مکتوب ۸ - ۶۲ - ۶۶ - میرزا عبدالرحیم خان خاناں بن بیرم خان خاناں بروز جمعرات ۱۴ صفر ۹۶۴ھ / ۱۵۵۶ء کو لاہور میں امیر جمال خاں میواتی کی صاحبزادی کے بطن سے پیدا ہوئے۔ ابھی چار سال کے تھے کہ آپ کے والد کو گجرات کے علاقہ میں قتل کر دیا گیا۔ اس سانحہ کے بعد آپ کو آگرہ لے آئے اور سلطنت کی گود میں پرورش پائی۔ بعض درسی کتابیں مولانا محمد امین اندجانی، قاضی نظام الدین بدخشی، حکیم علی گیلانی سے پڑھیں اور علامہ فتح اللہ شیرازی سے فوائد کثیرہ حاصل کئے پھر گجرات میں شیخ وجیہ الدین بن نصر اللہ علوی سے طریقہ اخذ کیا۔ یہاں تک کہ متبحر عالم ہو گئے۔ امیر کبیر محمد شمس الدین غزنوی کی صاحبزادی سے آپ کی شادی ہوئی۔ اور آپ کے ہاتھوں گجرات، سندھ اور دکن کے کچھ علاقے فتح ہوئے، اکبر نے آپ کو خان خاناں کا لقب دیا۔ عربی، فارسی، ترکی، ہندی، سندھی وغیرہ مختلف لغات کے ماہر تھے صاحب السیف والقلم مشہور تھے سنہ ۱۰۳۶ھ میں دہلی میں وفات پائی۔ بلادِ ہند بلکہ ہفت اقالیم میں ایسا مختلف جامع الفضائل شخص شاید ہی کوئی ہو (نزہۃ الخواطر، مآثر الامراء وغیرہ)

نیک بخت اور صادق بھائی نے آپ کا خط بہت احتیاط سے پہنچایا اور ترجمانی کی زبان سے جو کچھ بیان ہو سکا آپ کے جملہ حالات بیان کئے۔ پس میں نے (آپ کے حالات سن کر) یہ شعر پڑھا ؎

اَهْلًا لِسُعْدٰی وَالرَّسُوْلِ وَحَبَّذَا　　وَجْهُ الرَّسُوْلِ لِحُبِّ وَجْهِ الْمُرْسِلِ

ترجمہ　مرحبا اے مرے دلدار ورسولِ دلدار　　تیرے قاصد کی ملاقات ہے تیرا دیدار

کمالات کے ظہور کی استعداد رکھنے والے بھائی! حق سبحانہ وتعالیٰ آپ کے فعل کی استعداد کو عملی جامہ پہنانے کی توفیق بخشے۔ آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ بیشک دنیا[1] آخرت کی کھیتی ہے پس اس شخص کے لئے افسوس کا مقام ہے جس نے اس میں کچھ نہیں بویا اور اپنی استعداد کی زمین کو بیکار رہنے دیا اور اعمال کے بیج کو ضائع کر دیا ——— اور یہ بھی جاننا چاہئے کہ زمین کا ضائع و بیکار کرنا دو طرح پر ہے ایک یہ کہ اس میں کوئی چیز کاشت ہی نہ کی جائے اور دوسرے یہ کہ اس میں گھٹیا (نکما) اور خراب بیج ڈالا جائے، اور یہ دوسری قسم ضائع کرنے میں پہلی قسم سے زیادہ شدید نقصان دہ اور بہت زیادہ خرابی والی ہے جیسا کہ یہ بات پوشیدہ نہیں ہے اور بیج کا نکما اور خراب ہونا اس طرح پر ہے کہ کسی ناقص سالک سے طریقہ اخذ کرے اور اس کے مسلک (راستے) پر چلے اس لئے کہ ناقص سالک اپنی خواہشاتِ نفسانی کی پیروی کرتا ہے اور جو شخص خواہشاتِ نفسانی کے تابع ہوتا ہے اس کا اپنا کچھ نہیں ہوتا، اور اگر (بالفرض) کوئی اثر ہوتا بھی ہو تو وہ خواہشاتِ نفسانی ہی کی مدد کرے گا پس اس سے سیاہی پر مزید سیاہی ہی حاصل ہوگی، اور اس لئے بھی کہ ناقص (پیر) ان طریقوں میں جو حق سبحانہ وتعالیٰ تک پہنچانے والے ہیں اور ان طریقوں میں جو حق سبحانہ وتعالیٰ تک نہیں پہنچاتے تمیز نہیں کر سکتا کیونکہ وہ خود واصل نہیں ہے اور اسی[2] طرح وہ طالبانِ طریقت کی مختلف استعدادوں کے درمیان تمیز نہیں کر سکتا، اور جب وہ جذبہ (سیر انفسی) اور سلوک (سیر آفاقی) کے طریقوں میں تمیز نہیں کر سکتا تو بسا اوقات طالب کی استعداد ابتدا میں طریقۂ جذبہ کے مناسب ہوگی اور طریقۂ سلوک کے مناسب نہیں ہوگی اور ناقص پیر

دنیا آخرت کی کھیتی ہے

پیر ناقص کا ضرر

---

[1] اس میں اس حدیث کی طرف اشارہ ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَلدُّنْیَا مَزْرَعَةُ الْاٰخِرَةِ۔
[2] خلاصہ یہ ہے کہ ناقص پیر کئی لحاظ سے ناقص ہے اول یہ کہ وہ ابھی خواہشاتِ نفسانی کی پیروی سے آزاد نہیں ہوا، اور اس کا نفس اس کی خواہشات کے تابع ہے۔ دوسرے یہ کہ ایک طریقہ کو دوسرے طریقہ سے اور جذبہ کو سلوک سے اور صحو کو سکر سے تمیز نہیں کر سکتا۔ تیسرے یہ کہ وہ طالبین کی استعداد کے لحاظ سے ایک دوسرے میں فرق نہیں کر سکتا۔

ان دونوں طریقوں اور طالبین کی مختلف استعدادوں میں تمیز نہ کرسکنے کی وجہ سے ابتدا میں سلوک کے طریقہ پر چلائے گا۔ پس جس طرح وہ خود طریقہ سے بھٹکا ہوا (گمراہ) ہے اسی طرح اس طالب کو بھی راہِ حق سے بھٹکا دے گا ——— پس شیخِ کامل مکمل (یعنی جو خود کامل ہو اور دوسروں کو کامل کرنے والا ہو) جب اس طالب کی تربیت کرنا اور اس کو اس راستہ پر چلانا چاہے تو سب سے پہلے اس کو اس خرابی کے دور کرنے کی ضرورت پیش آئے گی جو اس طالب کو ناقص پیر سے پہنچی ہے اور اس فساد (بگاڑ) کی اصلاح کرنی ہوگی جو اس میں اس ناقص پیر کے سبب سے پیدا ہوا ہے۔ پھر اس کی زمین میں اس کی استعداد کے مناسب صالح (عمدہ) بیج ڈالے گا تب اس سے اچھی کھیتی اُگے گی۔ وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيثَةٍ اجْتُثَّتْ مِن فَوْقِ الْأَرْضِ مَا لَهَا مِن قَرَارٍ (سورۂ ابراہیم آیت ۲۶ پ ۱۳) (اور ناپاک کلمہ کی مثال ناپاک درخت کی مانند ہے جس کی جڑ زمین کے اوپر ہے جس کو کچھ قرار و ثبات نہیں ہے) وَمَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ (ابراہیم آیت ۲۴ پ ۱۳) (اور پاک کلمہ کی مثال پاک درخت کی مانند ہے جس کی جڑ ثابت و قائم ہے اور اس کی شاخیں آسمان میں ہیں) ——— پس کامل و مکمل شیخ (پیر) کی صحبت سرخ گندھک (کی مانند) ہے (یعنی نادر الوجود ہے جیسا کہ سرخ گندھک جو کہ اکسیر ہے) اس کی نظر دوا ہے اور اس کا کلام شفا ہے، وَبِدُونِهَا خَرْطُ الْقَتَادِ (اور ایسے شیخ کی صحبت کے بغیر بے فائدہ رنج اٹھانا ہے) ——— اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ہم کو اور آپ کو حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ والتحیۃ کی شریعت کے راستہ پر ثابت قدم رکھے، کیونکہ شریعت کی پیروی کرنا ہی اصل کام ہے اور اسی پر نجات و سعادت کا دارومدار ہے۔ اور کسی نے فارسی میں کیا ہی خوب کہا ہے ؎

محمدؐ عربیؐ کابروئے ہر دو سرا است ۔۔۔ کسیکہ خاکِ درش نیست خاک بر سرِ او[۱]

ترجمہ: محمدؐ عربیؐ دو توں جہاں کی عزّت ہیں ۔۔۔ جو اُن کے در کی خاک نہیں، خاک ہو اُس پر

اور ہم اس مکتوب کو آنحضرت سید المرسلینؐ کی صلوات و تسلیمات و تحیات و برکات پر ختم کرتے ہیں۔

(تتمّہ کلام) نہایت تعجب کی بات ہے کہ صادق بھائی (سچے قاصد) نے یہ بھی بیان کیا کہ آپ کے ہمنشین فاضل شاعروں میں سے ایک شخص شعروں میں اپنے لئے کفری تخلص استعمال کرتا ہے

شیخِ کامل کے فوائد

کافرانہ اور برے تخلص کی مذمت

---

[۱] اس شعر کا عربی شعر میں ترجمہ یہ ہے ؎

مُحَمَّدٌ سَيِّدُ الْكَوْنَيْنِ مِنْ عَرَبٍ ۔۔۔ تَعْسًا لِمَنْ لَمْ يَكُنْ فِي بَابِهِ التُّرَبَا

حالانکہ وہ بزرگ ساداتِ عظام اور شریف خاندان میں سے ہے۔ پس اے کاش میں جانتا کہ اس بُرے نام پر جس کی بُرائی اچھی طرح ظاہر ہے اس کو کس چیز نے مجبور کیا ہے حالانکہ مسلمان کے لئے لازم ہے کہ اس نام سے اس سے بھی زیادہ بھاگے جتنا کہ ہلاک کرنے والے شیر سے بھاگتا ہے اور اس نام کو نہایت ہی بُرا سمجھے، کیونکہ یہ نام اور جس شخص کا یہ نام ہو دونوں حق سبحانہ وتعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک ناپسندیدہ و دشمن سمجھے گئے ہیں اور مسلمانوں کو کافروں سے دشمنی رکھنے اور ان پر سختی کرنے کا حکم دیا گیا ہے[۱]۔ پس ایسے بُرے ناموں سے بچنا واجب ہے۔

اور یہ جو بعض مشائخ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کی عبارتوں میں غلبۂ سُکر کی وجہ سے کفر کی تعریف[۲] اور زُنّار[۳] باندھنے کی ترغیب اور اس قسم کی دوسری باتیں پائی جاتی ہیں لہٰذا ظاہری مطلب سے پھیر کر ان کی تاویل و توجیہ کی جائے گی کیونکہ اہلِ سُکر حضرات کا کلام اچھے مفہوم پر گمان کیا جاتا ہے اور اپنے ظاہری عام مفہوم سے (اچھے معنی کی طرف) پھیرا جاتا ہے، کیونکہ بلاشبہ وہ حضرات غلبۂ سکر کی وجہ سے اس قسم کی ممنوعات کے ارتکاب میں معذور ہوتے ہیں، باوجودیکہ ان بزرگوں کے نزدیک کفرِ حقیقی[۴] اسلامِ حقیقی کی نسبت نقص و عیب ہے، اور جو لوگ حالتِ سکر میں نہیں ہیں وہ اہلِ سکر کی تقلید کرنے (اور کلماتِ سکر یہ استعمال کرنے) میں نہ ان بزرگانِ طریقت کے نزدیک معذور ہیں اور نہ اہلِ شرع کے نزدیک، کیونکہ ہر چیز کے لئے ایک خاص موسم اور وقت ہوتا ہے کہ اس موسم میں وہ چیز مناسب اور اچھی معلوم ہوتی ہے اور دوسرے موسم میں بُری لگتی ہے اور عقلمند آدمی ان دونوں میں سے ایک کو دوسرے پر قیاس نہیں کرتا۔

---

[۱] چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اَتُرِیْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَیْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِیْنًا (سورہ نساء آیت ۱۴۴) اور نیز ارشاد فرمایا اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ، ایضاً ارشاد ہے یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِیْنَ وَاغْلُظْ عَلَیْهِمْ (توبہ ۹ آیت ۷۳) [۲] جیسا کہ منصور حلاج کا قول ہے کفرت بدین اللہ و الکفر لدی واجب. لدی وعند المسلمین قبیح ۔ [۳] زنّار (جنیو) دھاگا، رسی وغیرہ، جو نصاری دمجوس وغیرہ اپنے مذہبی شعار کے طور پر کمر پر باندھتے ہیں اور ہندو گلے میں ڈالتے ہیں۔

[۴] کفرِ حقیقت، یعنی حقیقت کا رنگ پہنچنے اور غلبۂ حال ظاہر ہونے کے بعد اسلام اور کفر میں تمیز نہ کرنا بھی نقص ہے جیسا کہ منصور حلاج جو کہ مغلوب الحال ہوا ہے کہ اہلِ شریعت نے اس کے کفر کا حکم کیا ہے، اہلِ حقیقت کے نزدیک بھی اس کو نقص لاحق ہے اور انھوں نے اس کو اولیائے کاملین میں سے شمار نہیں کیا اور حقیقت کو پہنچے ہوئے مسلمانوں میں سے نہیں شمار کیا ہے لیکن غلبۂ حال کے ظاہر ہونے سے پہلے کفر و اسلام میں امتیاز نہ کرنا بالاتفاق کفر اور مذموم ہے اور زندقہ ہے، اور شریعت و حقیقت دونوں کے نزدیک کفر ہے ۔ (۵ سورہ فتح ۴۸ آیت ۲۹)

پس آپ میری طرف سے اس سے گذارش کریں کہ وہ اس نام کو تبدیل کردے اور اس کو کسی اور اچھے نام سے بدل دے اور اپنے آپ کو اسلامی لقب کے ساتھ ملقب کرے کیونکہ یہ (اسلامی لقب) مسلمان کے حال وقال کے موافق ہے اور اس دینِ اسلام کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرنا ہے جو حق سبحانہٗ وتعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک پسندیدہ دین ہے اور اس میں اس تہمت سے بچنا ہے جس سے بچنے کے لئے ہم کو حکم دیا گیا ہے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان) اِتَّقُوْا مِنْ مَوَاضِعِ التُّهَمِ[۲] (یعنی تہمت کے موقعوں سے بچو) سچا کلام ہے جس میں کسی قسم کا غبار نہیں (یعنی کسی قسم کے شک وشبہ کی مطلق گنجائش نہیں ہے) — اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ (سورہ بقرہ آیت ۲۲۱) (اور البتہ مؤمن غلام مشرک مرد سے بہتر ہے)۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی (اور جو شخص ہدایت کی پیروی کرے اس پر سلام ہو)

مکتوب ۲۴
(عربی) بست و چہارم

اس بیان میں کہ صوفی کائن بائن (حقیقت میں حق تعالیٰ کے ساتھ اور ظاہر میں مخلوق کے ساتھ) ہوتا ہے اور یہ کہ بلاشبہ دل کا تعلق ایک سے زیادہ کے ساتھ نہیں ہوتا اور بیشک محبت ذاتیہ کا ظہور اس بات کو لازم قرار دیتا ہے کہ محبوب کی طرف سے خواہ انعام حاصل ہو یا رنج والم پہنچے دونوں محب کے لئے برابر ہیں، مقربین اور ابرار کی عبادت کے درمیان فرق اور اسی طرح جو اولیاء مغلوب الحال ہیں اور جو مخلوق کو دعوتِ حق دینے پر مامور ہیں ان دونوں کے درمیان فرق کے بیان میں، محمد قلیج خاںؒ[۱] کی طرف ارسال کیا گیا۔

۱؎ مکتوباتِ شریفہ کے صرف دفترِ اول میں آپ کے نام مندرجہ ذیل تین مکتوبات ہیں۔ ۲۴ - ۷۶ - ۱۴۱ - ترکی زبان میں قلیج تلوار کو کہتے ہیں، آپ کی شہرت قلیج خاں اندجانی کے نام سے ہے۔ اکبر نے آپ کو اپنے لڑکے دانیال کا اتالیق مقرر کیا۔ پھر مختلف اوقات میں لاہور، کابل، آگرہ، مالوہ اور پنجاب کا انتظام آپ کے سپرد کیا گیا اور سنبھل کا علاقہ آپ کو جاگیر میں دیا گیا۔ بعہد جہانگیر بھی گجرات، پنجاب اور کابل کے حاکم بنائے گئے۔ آپ نہایت متقی اور پرہیزگار تھے اور درس وافادہ میں مشغول رہتے تھے۔ پنجاب کی صوبیداری کے زمانے میں ایک بہترین مدرسے میں آپ فقہ، تفسیر اور حدیث کا درس دیتے اور علوم شرعیہ کی ترویج واشاعت میں بہت کوشاں رہتے تھے۔ غرضکہ صاحبِ سیف وعلم بھی تھے اور مسندِ درس وتدریس کی زینت بھی۔ ۱۰۲۳ھ میں وفات پائی (ماثر الامراء ۹۱/۳، نزہۃ ۳۱۲/۵) نیز آپ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ کے برادرِ نسبتی تھے (حضرات القدس ج ۲ حضرت سوم)۔

۲؎ اس حدیث کو امام بخاریؒ نے اپنی تاریخ میں ذکر کیا ہے لیکن لفظ مِنْ روایت میں نہیں ہے۔

حق سبحانہ وتعالیٰ اپنے حبیب سید المرسلین علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کے طفیل آپ کو سلامتی وعافیت کے ساتھ رکھے۔ اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ[1] (آدمی اسی کے ساتھ ہے جس سے وہ محبت کرتا ہے) ــــــ پس وہ شخص مقبول وبرگزیدہ ہے جس کے دل میں حق سبحانہ وتعالیٰ کے ساتھ محبت کے سوا کسی اور کی محبت باقی نہ رہی ہو، اور وہ اس ذات تعالیٰ وتقدس کے سوا کسی اور کا طالب نہ ہو ــــ پس ایسا شخص اللہ جل جلالہ کے ساتھ ہے اگرچہ وہ بظاہر مخلوق کے ساتھ مشغول ہے ــــ اور یہ کائن بائن[2] صوفی کی شان ہے، یعنی حقیقت میں وہ حق تعالیٰ شانہ کے ساتھ واصل اور مخلوق سے جدا ہے، یا اس سے یہ مراد ہے کہ ظاہر میں مخلوق کے ساتھ ہے اور حقیقت میں ان سے جدا ہے۔

محبت ایک سے زائد کے ساتھ نہیں ہوتی۔

اور قلب کی محبت کا تعلق ایک سے زیادہ کے ساتھ نہیں ہوتا پس جب تک اس کی محبت کا تعلق اس ایک (ذات) سے ہوگا اس کے علاوہ قلب کو کسی سے محبت نہیں ہوگی ــــ اور یہ جو اس کی خواہشات کی کثرت اور بے شمار چیزوں کے ساتھ اس کی محبت کے تعلق کا متعدد ہونا مثلاً مال، اولاد، سرداری، تعریف اور لوگوں میں بلند مرتبہ ہونا) دیکھا جاتا ہے تو اس کے باوجود بھی اس کا محبوب ایک ہی ہوگا اور وہ اس کا اپنا نفس ہے اور ان سب چیزوں کی محبت اس کے اپنے نفس کی محبت کی فرع (شاخ) ہے اس لئے کہ وہ ان چیزوں کو اپنے نفس ہی کے لئے چاہتا ہے، فی نفسہٖ ان اشیاء کو نہیں چاہتا، پس جب اس کو اپنے نفس کے ساتھ محبت نہیں رہے گی تو ان چیزوں کی محبت بھی اس کے نفس کے تابع ہونے کی وجہ سے دور ہو جائے گی ــــ اسی لئے کہتے ہیں کہ بندہ اور حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے درمیان حجاب، بندہ کا اپنا نفس ہے نہ کہ دنیا۔ کیونکہ دنیا فی نفسہٖ بندہ کا مقصود نہیں ہے جو وہ حجاب بنتی، بلکہ بیشک بندہ کا مقصود اس کا اس کا اپنا نفس ہی ہے تو لازمی طور پر بندہ (کا نفس) خود حجاب ہے نہ کہ اس کے سوا کوئی اور چیز، پس جب تک بندہ اپنے نفس کی خواہش سے پوری طرح خالی نہیں ہوگا حق تعالیٰ اس کی مراد نہیں ہو سکتا، اور حق سبحانہٗ کی محبت اس کے قلب میں نہیں سما سکتی، اور یہ اعلیٰ درجہ کی دولت فنائے مطلق[3] کے بعد ہی متحقق ہوتی ہے جو کہ تجلیٔ ذاتی پر موقوف ہے، کیونکہ ظلمات (اندھیروں) کا پوری طرح دور ہونا اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک سورج طلوع ہو کر پوری طرح روشن نہ ہو جائے۔

---

[1] یہ حدیث شریف ہے جس کو بخاری ومسلم نے اپنی صحیحین میں روایت کیا ہے۔
[2] کائن بمعنی صحبت ومعیت رکھنے والا، اور بائن بمعنی تنہا، منفرد اور جدا۔
[3] اسی لئے کہا گیا ہے دَعْ نَفْسَكَ وَتَعَالَ (یعنی اپنے نفس کو چھوڑ دے اور ہماری طرف آجا) کیا خوب کہا ہے
ع در تو یک آرزو ابلیس تست۔

علامتِ اخلاص — *ع پس اس وقت اس کو اخلاص حاصل ہو جاتا ہے۔*

پس جب یہ محبت جس کو محبتِ ذاتیہ سے تعبیر کیا جاتا ہے حاصل ہو جاتی ہے تو محبّ کے نزدیک محبوب کا انعام اور رنج والم دینا یکساں ہو جاتا ہے[1] اور وہ حق تعالیٰ سبحانہٗ کی عبادت خاص اسی کے لئے کرتا ہے اپنے نفس کے لئے نہیں کرتا یعنی وہ عبادت اپنے اوپر انعام طلب کرنے اور اپنے آپ سے رنج والم دور کرنے کے لئے نہیں کرتا کیونکہ یہ دونوں اس کے نزدیک برابر ہیں اور یہ مرتبہ مقربین کے لئے مخصوص ہے کیونکہ ابرار محبتِ ذاتیہ کی سعادت سے کامیاب نہ ہونے کے باعث حق سبحانہ وتعالیٰ کی عبادت خوف اور طمع کے لئے کرتے ہیں اور یہ دونوں (یعنی خوف وطمع) ان کے اپنے نفسوں کی طرف راجع ہیں، پس لامحالہ (بالضرور) ابرار کی نیکیاں مقربین کی نسبت سے برائیاں ہیں، لہذا ابرار کی نیکیاں ایک لحاظ سے برائیاں ہیں اور ایک لحاظ سے نیکیاں، اور مقربین کی نیکیاں خالص اور محض نیکیاں ہیں۔

ہاں مقربین میں سے بعض وہ ہیں جو بقائے اکمل کے حصول اور عالمِ اسباب میں نزول ثابت ہونے کے بعد بھی خوف اور طمع کی وجہ سے حق سبحانہ وتعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں لیکن ان کا خوف اور طمع اُن کے اپنے نفسوں کی طرف راجع نہیں ہوتا، بلکہ بلاشبہ وہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی عبادت اس کی رضامندی کی طمع کرتے ہوئے اور اس کے غضب وناراضگی سے ڈرتے ہوئے کرتے ہیں۔

—— اور اسی طرح وہ بیشک جنّت کو اس لئے طلب کرتے ہیں کہ وہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی رضامندی وخوشنودی کا مقام ہے نہ کہ اپنے نفس کی لذت کے لئے۔ اور وہ دوزخ سے اس لئے پناہ مانگتے ہیں کہ وہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے غضب وناراضگی کی جگہ ہے نہ کہ اپنے نفسوں سے اس کے رنج والم کو دور کرنے کے لئے —— کیونکہ یہ اکابر اپنے نفسوں کی غلامی سے آزاد ہو چکے ہیں اور محض حق سبحانہ وتعالیٰ ہی کے لئے مخصوص ہو گئے ہیں —— اور مقربین کے مرتبوں میں یہ مرتبہ سب سے اعلیٰ ہے۔ اور اس مرتبہ والے بزرگ کو مرتبۂ ولایتِ خاصہ کے حصول کے بعد مقامِ نبوت کے کمالات میں سے پورا پورا حصہ حاصل ہو جاتا ہے۔ اور جو شخص عالمِ اسباب کی طرف نزول نہیں کرتا وہ اولیائے مستہلکین (مغلوب الحال اولیاء) میں سے ہے - - - - - - - - - - - - - -

اس کو مقامِ نبوت کے کمالات میں سے کچھ بھی حصہ حاصل نہیں ہے لہذا وہ تکمیل وارشاد کے قابل بھی نہیں ہوگا بخلاف پہلے شخص (یعنی راجع الی الخلق) کے۔ رَزَقَنَا اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ مَحَبَّةَ هٰؤُلَآءِ الْاَكَابِرِ

---

[1] کیونکہ جو کچھ جمیل مطلق کی جانب سے پہنچتا ہے وہ مرغوب وپسندیدہ ہوتا ہے۔ ع "از دستِ دوست ہرچہ رسد نیک گفتہ اند"

بِحُرْمَةِ سَيِّدِ الْبَشَرِ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَتْبَاعِهٖ مِنَ الصَّلَوَاتِ اَفْضَلُهَا وَمِنَ التَّسْلِيْمَاتِ اَكْمَلُهَا فَاِنَّ الْمَرْءَ مَعَ مَنْ اَحَبَّ وَالسَّلَامُ اَوَّلًا وَّاٰخِرًا۔ (حق سبحانہ وتعالیٰ ہم سب کو سید البشر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ واتباعہ وسلم کے طفیل ان بزرگوں کی محبت عطا فرمائے کیونکہ آدمی اسی کے ساتھ ہے جس سے وہ محبت کرتا ہے اور اول و آخر سلام ہو)

مکتوب ۲۵

بست و پنجم (عربی)

حضرت سید المرسلین آں سرور عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے خلفائے راشدینؓ کی پیروی کرنے پر ترغیب دینے کے بیان میں، خواجۂ جہاں[1] کی طرف ارسال فرمایا۔

آنحضرتؐ اور خلفائے راشدین کی متابعت کی ترغیب

حق سبحانہ وتعالیٰ آپ کے دل کو سلامتی عطا فرمائے اور آپ کے سینے کو کھول دے اور آپ کے نفس کو پاکیزہ کر دے، اور آپ کے جسم (کھال) کو نرم کرے ـــــ یہ سب کچھ بلکہ روح و سِرّ و خفی و اخفیٰ کے کمالات بھی سید المرسلین علیہ وعلی آلہ من الصلوات افضلہا ومن التسلیمات اکملہا کی تابعداری پر موقوف ہیں ـــــ پس آپ پر لازم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفائے راشدین کی متابعت کریں جو کہ آپ کے بعد ہدایت کرنے والے اور ہدایت یافتہ ہیں، کیونکہ وہ ہدایت کے ستارے[ع] اور ولایت کے آفتاب ہیں لہٰذا جس شخص نے ان کی متابعت کا شرف حاصل کیا، اس نے بہت بڑی کامیابی حاصل کر لی، اور جس شخص کی فطرت ہی میں ان کی مخالفت بھری ہوئی ہے وہ نہایت درجہ کی گمراہی میں جا پڑا۔

شیخ سلطان[2] مرحوم کے دونوں بیٹے پریشانی اور معاش کی تنگی میں مبتلا ہیں لہٰذا آپ سے گزارش

ع اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کی طرف اشارہ ہے اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ بِاَیِّھِمُ اقْتَدَیْتُمْ اِھْتَدَیْتُمْ یعنی میرے صحابہؓ ستاروں کی مانند ہیں جس کی بھی پیروی کرو گے ہدایت پا جاؤ گے۔

[1] مکتوبات شریفہ دفتر اول میں مکتوب نمبر ۲۵-۲-۷ آپ کے نام ہیں۔ آپ کا اصل نام دوست محمدؒ لقب خواجہ جہاں تھا۔ کابل کے رہنے والے تھے۔ آپ کی صاحبزادی جہانگیر کی زوجیت میں آئیں تو آپ کو بھی اعلیٰ منصب حاصل ہو گیا۔ نہایت متقی پرہیزگار تھے اور اپنے فرائض منصبی نہایت دیانتداری سے انجام دیتے تھے۔ ۱۰۲۹ھ میں وفات پائی۔ (مآثر الامراء ج ۱ ص ۶۶۶)

[2] آپ حضرت مجددؒ کے خسر ہیں۔ آپ حج اور زیارت حرمین شریفین سے مشرف تھے اور علوم نقلیہ میں کافی مہارت حاصل تھی اسی بنا پر عرصہ تک شاہی خدمات پر مامور رہے۔ پھر گاؤکشی کے جرم میں جلا وطن کر دیئے گئے۔ ایک عرصہ بعد پھر اپنے عہدہ پر بحال ہوئے لیکن ہندوؤں نے موقع پاتے ہی اکبر بادشاہ کو آپ کے خلاف بھڑکا دیا چنانچہ یکم جنوری ۱۵۹۹ء / ۱۰۰۷ھ میں شیخ سلطان کو پھانسی دیدی گئی۔ (منتخب التواریخ و رود کوثر)۔

کی جاتی ہے کہ آپ ان کی امداد و اعانت فرمائیں، کیونکہ آپ اس بات کے لائق ہیں، بلکہ حق سبحانہ وتعالیٰ نے آپ کو تمام لوگوں کی حاجتیں پوری کرنے کی توفیق مرحمت فرمائی ہے۔ حق تعالیٰ آپ کو مزید توفیق بخشے اور نیکی و بھلائی کو آپ کا رفیقِ حال بنائے ـــــ وَالسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَعَلٰی سَائِرِ مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی۔ (آپ پر اور ان سب لوگوں پر سلام ہو جو ہدایت کی پیروی کرتے ہیں)۔

مکتوب ۲۶

بست و ششم (عربی)

اس بیان میں کہ شوق ابرار کو ہوتا ہے مقربین کو نہیں ہوتا، اور اس مقام کے مناسب علوم کے بیان میں، شیخ العالم مولانا حاجی محمد[1] لاہوری کی طرف ارسال فرمایا۔

حق سبحانہ وتعالیٰ ہم کو اور آپ کو حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعتِ مقدسہ کے سیدھے راستے پر ثابت قدم رکھے ـــــ حدیثِ[2] قدسی میں وارد ہے: اَلَا طَالَ[3] شَوْقُ الْاَبْرَارِ اِلٰی

---

[1] مکتوباتِ شریفہ میں آپ کے نام دفتر اول میں مکتوب ۲۶-۳۳-۳۴-۳۵-۳۶ ہیں۔ آپ لاہور کے بڑے عالم اور صاحبِ کمال اساتذہ میں سے تھے، آپ کا گھرانہ علم و فضل کا مرکز تھا، مفتی کے عہدے پر قائز رہے، صحیح بخاری اور مشکوٰۃ کے ختم پر بہت پُر تکلف محفل منعقد کرتے، آپ نے بڑی عمر پائی اور آپ کی تمام اولاد علم و کمال میں باپ کا نمونہ تھی۔ (منتخب التواریخ ص ۶۴۵)

[2] ملا علی قاریؒ نے شرح مشکوٰۃ شریف میں لکھا ہے کہ حدیثِ قدسی اور قرآن پاک میں یہ فرق ہے کہ حدیثِ قدسی الہام یا خواب یا فرشتے کے واسطے سے بالمعنیٰ نازل ہوتی ہے پس نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اس کو اپنے الفاظ میں بیان فرماتے ہیں اور اس کو اپنے رب کی طرف منسوب کرتے ہیں، اور قرآن مجید جبرئیل علیہ السلام معین الفاظ کے ساتھ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نازل کرتے ہیں اور قرآن مجید متواتر ہوتا ہے بخلاف حدیثِ قدسی کے پس اس کا حکم فروع میں نہیں ہوتا۔

[3] علامہ مرادمکیؒ نے کہا کہ احیاء میں اس حدیث کو ان الفاظ سے ذکر کیا ہے لقد طال شوق الابرار الخ۔ عراقیؒ نے اس کی تخریج میں کہا ہے کہ میں نے اس کی کوئی اصل نہیں پائی، لیکن صاحب الفردوس نے اس کو حدیثِ ابوالدرداء سے ذکر کیا ہے اور ان کے صاحبزادے نے مسند الفردوس میں اس کی سند ذکر نہیں کی، اور شیخ اکبر قدس سرہ نے فتوحاتِ مکیہ میں کسی مقام پر کہا ہے کہ حدیث میں وارد ہوا ہے لیکن اس کی صحت کا مجھے علم نہیں، کہ "اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف شوق رکھنے کا ذکر فرمایا ہے اور اپنی ذات کے متعلق فرمایا ہے کہ وہ اُن سے زیادہ ان کا مشتاق ہے"۔ اور مجھے نہ کشف سے اس کا کچھ علم ہو سکا اور نہ کسی صحیح روایت سے، لیکن یہ مذکورہ حدیث مشہور ہے، انتہی ملخصاً۔ لیکن اس مذکورہ روایت کے معنی صحیح ہیں جو اس حدیث کے مطابق ہیں مَنْ تَقَرَّبَ اِلَیَّ شِبْرًا تَقَرَّبْتُ اِلَیْهِ ذِرَاعًا (الحدیث) یعنی جو شخص میری طرف ایک بالشت قرب حاصل کرتا ہے میں اس کی طرف ایک ہاتھ بڑھ جاتا ہوں الحدیث۔

شوق ابرار کو ہوتا ہے مقربین کو نہیں

لِقَائِیْ وَاَنَا اِلَیْهِمْ لَاَشَدُّ شَوْقًا (یعنی آگاہ ہو جاؤ، ابرار (نیک بندوں) کا شوق میری ملاقات کے لئے بہت بڑھ گیا اور میں ان سے بھی زیادہ ان کا مشتاق ہوں) ——— حق سبحانہ وتعالیٰ نے شوق کی نسبت ابرار کے لئے ثابت فرمائی ہے کیونکہ مقربینِ واصلین (یعنی جن کو وصال حاصل ہو چکا ہے) کو شوق باقی نہیں رہتا، اس لئے کہ شوق مطلوب کے گم کرنے (حاصل نہ ہونے) کا متقاضی ہے اور مطلوب کا گم ہونا (حاصل نہ ہونا) اُن کے حق میں مفقود ہے، کیا نہیں دیکھتے کہ انسان اپنے نفس کے ساتھ بے حد محبت ہونے کے باوجود اپنے نفس کی طرف کوئی شوق نہیں رکھتا، کیونکہ اپنے نفس یعنی اپنے آپ کو گم کرنا اس کے لئے ثابت نہیں ہے۔ ——— پس صاحبِ وصال (واصل) مقرب جو حق سبحانہ وتعالیٰ کے ساتھ باقی اور اپنے نفس سے فانی ہے حق تعالیٰ کے ساتھ اس کا حال ایسا ہے جیسا کہ انسان کا حال اپنے نفس کے ساتھ ہے لہذا ثابت ہوا کہ ابرار[1] ہی مشتاق ہوتے ہیں کیونکہ وہ اپنے مطلوب کو گم کرنے والے مُحب ہیں ———

اور ابرار سے ہماری مراد وہ شخص ہے جو مقربِ واصل (صاحبِ وصال) نہ ہو، خواہ وہ راہِ سلوک کی ابتدا میں ہو یا وسط میں، اگرچہ وہ وسط سے رائی کے دانہ کی برابر باقی رہ گیا ہو۔ کسی نے فارسی میں کیا اچھا کہا ہے ؎

فراقِ دوست اگر اندک است اندک نیست ۔۔۔ درونِ دیدہ اگر نیم مو است بسیار است

(ترجمہ) نہیں ہے قابلِ برداشت ہجرِ یار تھوڑا بھی ۔۔۔ گوارا آنکھ کر سکتی نہیں ہے بال آدھا بھی

حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ آپ نے ایک قاری کو دیکھا کہ قرآن مجید پڑھ رہا ہے اور رو رہا ہے تو آپ نے فرمایا کہ ہم بھی ایسا ہی کرتے تھے لیکن اب ہمارے دل سخت[2] ہو گئے ہیں۔ آپ کا یہ فرمانا مدح بما یشبہ الذم (ایسی تعریف جو مذمت کے مشابہ ہو) کے طور پر ہے ——— اور میں نے اپنے شیخ (حضرت خواجہ باقی باللہ) قدس سرہ کو یہ فرماتے ہوئے سُنا ہے کہ "بیشک منتہیٔ واصل بسا اوقات اس شوق وطلب کی تمنا کرتا ہے جو اس کو ابتدا میں حاصل تھا" ——— اور شوق کے زائل ہونے کے لئے ایک اَور مقام ہے جو پہلے مقام سے زیادہ کامل و مکمل ہے اور وہ ادراک (پالنے) سے

---

[1] کیونکہ مشتاق جس چیز کا شوق رکھتا ہے اس سے محبت کرتا ہے لیکن وہ چیز اس سے گُم ہوتی ہے یعنی حاصل نہیں ہوتی ہوتی اور یہ ابرار کی صفت ہوتی ہے مقربین کی نہیں۔

[2] چونکہ آپ واصلین مقربین میں سے ہو گئے تھے اس لئے شوق و وجد وغیرہ باقی نہیں رہا تھا۔ پس بظاہر آپ کے اس قول میں ذم کا پہلو نکلتا ہے لیکن حقیقت میں یہ بھی آپ کی مدح کا مظہر ہے۔

عجز[1] و ناامیدی کا مقام ہے کیونکہ شوق وہاں متصور ہوتا ہے جہاں مطلوب کے حاصل ہونے کی توقع ہو، اور جہاں امید ہی نہ ہو وہاں شوق بھی نہیں ہوتا ——— اور جب ایسا کامل شخص جو انتہائے کمال تک پہنچ چکا ہو عالَم (جہان) کی طرف واپس لوٹتا ہے تو عالَم کی طرف رجوع کرنے کی وجہ سے مطلوب کے گُم کرنے کے باوجود بھی شوق اس کی طرف عَود نہیں کرتا (یعنی واپس نہیں لوٹتا) کیونکہ اس کے شوق کا زائل ہونا مطلوب کا گم ہونا ثابت ہونے کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ ناامیدی کے باعث تھا اور وہ ناامیدی رجوع کے بعد بھی موجود ہے بخلاف پہلے کامل کے کہ اس کے عالم کی طرف رجوع کرنے کے وقت اس فقدان (گم شدگی) کے پیدا ہونے کے لئے جو پہلے زائل ہو گیا تھا شوق اس کی طرف لَوٹ آتا ہے، پس جب اس کے عالم کی طرف رجوع کرنے کے باعث مطلوب کا گُم ہونا پایا گیا تو اس کو وہ شوق بھی حاصل ہو گیا جو اس کے زائل ہونے سے جاتا رہا تھا ——— یہ نہیں کہا جائے گا کہ وصول الی اللہ کے مراتب ابدالآباد تک کبھی ختم نہیں ہوتے پس ان مراتب میں سے بعض کی توقع کی جاتی ہے تو اس وقت (واصل مقرب کے حق میں بھی) شوق کا حاصل ہونا متصور ہو گا اس لئے کہ ہم کہتے ہیں، کہ وصول الی اللہ کے مراتب کا منقطع نہ ہونا سیرِ تفصیلی پر مبنی ہے جو کہ اسماء، وصفات و شیون و اعتبارات میں واقع ہوتی ہے اور اس (تفصیلی سیر میں سیر کرنے والے) سالک کے حق میں وصول الی اللہ کی نہایت تک پہنچنا متصور نہیں ہے اور اس سے شوق کبھی بھی زائل نہیں ہوتا، اور ہم جس سالکِ واصل کا ذکر کر رہے ہیں وہ ایسا منتہی واصل ہے جس نے اجمالی طور پر اِن مراتب کو طے کیا ہے اور ایسے مقام تک پہنچ گیا ہے کہ اس کو کسی عبارت میں بیان کرنا ممکن نہیں ہے اور اس کی طرف کوئی اشارہ بھی نہیں کیا جا سکتا پس وہاں توقع (امید) ہرگز متصور نہیں ہے لامحالہ شوق اور طلب اس سے زائل ہو جاتا ہے۔

اور یہ اولیاء اللہ میں سے خاص اولیاء کا حال ہے کیونکہ یہ حضرات وہ ہیں جنھوں نے صفات کے تنگ کوچہ سے عروج کیا ہے اور حضرتِ ذات حق تعالیٰ و تقدس تک پہنچ گئے ہیں بخلاف ان حضرات کے جو صفاتِ الٰہیہ میں تفصیل کے طور پر سالک ہیں اور شیونات میں ترتیب وار سیر کرتے والے ہیں کیونکہ یہ حضرات تجلیاتِ صفاتیہ میں ابدالآباد[2] تک پابند مقید رہتے ہیں، اور مراتبِ وصول کا حاصل ہونا

---

[1] یہ عجز عن الادراک عوام الناس کے عجز کی مانند نہیں ہے بلکہ یہ وہ عجز ہے جو عین ادراک بلکہ کمالِ ادراک ہے۔
[2] جیسا کہ کسی فارسی شاعر نے کہا ہے ؎

اے برادر بے نہایت در گہے ست ہرچہ بروے میرسی بروے مایست

اُن کے حق میں صفات تک وصول کے سوا اور کچھ نہیں ہیں۔ حضرتِ ذاتِ باری تعالیٰ تک عروج حاصل ہونا صفات و اعتبارات میں اجمالی سیر حاصل ہونے کے سوا متصور نہیں ہے ــــ اور جس کی سیر اسماء میں تفصیلی طور پر واقع ہوئی وہ صفات و اعتبارات میں مقید ہو کر رہ گیا اور شوق و طلب اُس سے زائل نہ ہوا، اور وجد و تواجد اُس سے جدا نہ ہوا ــــ پس شوق و تواجد والے حضرات تجلیاتِ صفاتیہ والے لوگ ہیں، اور جب تک یہ حضرات شوق و وجد میں رہیں ان کو تجلیاتِ ذاتیہ سے کچھ حصہ حاصل نہیں ہوتا ــــ پس اگر کوئی شخص یہ کہے کہ حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی طرف سے شوق ہونے کے کیا معنی ہیں جبکہ حق سبحانہٗ و تعالیٰ سے تو کوئی چیز گم نہیں ہوئی ہے ــــ میں اس کے جواب میں کہتا ہوں کہ ہو سکتا ہے شوق کے لفظ کا استعمال یہاں پر صنعت مشاکلت کے طور پر ہو ــــ اور اس حدیث میں شدت کا ذکر اس اعتبار سے ہو گا کہ جو کچھ عزیز و جبار حق تعالیٰ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے وہ اس کی نسبت سے شدید اور غالب ہوتا ہے جو کہ ضعیف بندے کی طرف منسوب کیا جائے ــــ یہ جواب علمائے کرام کے طریقہ پر ہے اور اس ضعیف بندہ (حضرت مجدد قدس سرہ) کے نزدیک مذکورہ اشکال کے کئی جواب ہیں جو کہ صوفیائے کرام کے طریقے کے مناسب ہیں لیکن وہ جوابات ایک قسم کا سُکر چاہتے ہیں اور سُکر کے بغیر ان جوابات کا ذکر کرنا مستحسن (اچھا) نہیں ہے بلکہ جائز ہی نہیں ہے، کیونکہ سکر والے لوگ معذور ہیں اور حالتِ صحو (ہوش) والے پوچھے جائیں گے، اس وقت میری حالت خالص اور محض صحو کی ہے، پس ان جوابات کا ذکر کرنا میرے حال کے مناسب و لائق نہیں ہے، بات یہی ہے: وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ اَوَّلًا وَّاٰخِرًا وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی نَبِیِّہٖ دَائِمًا وَّسَرْمَدًا۔ (اور اول و آخر سب تعریف حق سبحانہٗ و تعالیٰ ہی کے لئے ہے اور اس کے نبی کریم پر ہمیشہ ہمیشہ صلوٰۃ و سلام ہو)۔

مکتوب ۲۷
بست و ہفتم

سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ کی تعریف اور اس سلسلۂ عالیہ کے بزرگوں قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کی نسبت کے اعلیٰ ہونے کے بیان میں خواجہ عمک[1] کی طرف صادر فرمایا۔

---

[1] خواجہ عمک کے نام دفتر اول میں مکتوب نمبر ۲۷ - ۲۸ صرف یہی دو مکتوب ہیں۔ مزید حالات معلوم نہ ہو سکے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (سب تعریف اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) ـــــــ آپ کا نوازشنامۂ گرامی جو آپ نے مہربانی فرما کر اس مخلص کے نام لکھا تھا اس کے صادر ہونے سے بہت خوشی و مسرت حاصل ہوئی ـــــــ حق سبحانہ و تعالیٰ آپ کو سلامت رکھے ـــــــ یہ فقیر آپ کی خدمت میں سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ کی تعریف بیان کرنے کے علاوہ اور کوئی تکلیف دینا نہیں چاہتا۔

نسبت نقشبندیہ تمام نسبتوں سے بالاتر ہے

میرے مخدوم! اس سلسلۂ عالیہ کے بزرگوں کی تحریروں میں موجود ہے کہ "ہماری نسبت تمام نسبتوں سے بالاتر ہے"۔ نسبت سے اِن حضرات کی مراد حضور و آگاہی ہے اور وہ حضور جو اِن حضرات کے نزدیک معتبر ہے وہ حضورِ بے غیبت ہے جس کو اِن حضرات نے یادداشت سے تعبیر کیا ہے پس ان بزرگوں کی نسبت سے مراد یادداشت ہے، اور یادداشت کا مطلب جو اس فقیر کی ناقص سمجھ میں آیا ہے اس کی تفصیل اس طرح پر ہے کہ تجلیٔ ذاتی سے مراد حضرتِ ذات تعالیٰ و تقدس کا حضور ہے جو کہ اسماء و صفات و شیون و اعتبارات کے ملاحظہ کے بغیر ظاہر ہو ـــــــ اور مشائخ نے اس تجلی کو تجلیٔ برقی کہا ہے یعنی ایک ذرا سے لمحہ کے لئے شیون و اعتبارات کا اُٹھ جانا ثابت ہو جاتا ہے اور پھر ذاتِ حق شیون و اعتبارات کے پردہ میں پوشیدہ ہو جاتی ہے۔ پس اس بنا پر حضورِ بے غیبت متصور نہیں ہوگا بلکہ تھوڑی دیر کے لئے حضور ہوگا اور اکثر اوقات غیبت ہوگی۔ لہٰذا یہ نسبت ان بزرگواروں کے نزدیک معتبر نہیں ہوگی حالانکہ دوسرے سلسلوں کے مشائخ کرام نے اس تجلی کو نہایت النہایت (آخری مقام) کہا ہے اور جس وقت یہ حضور دائمی ہو جائے اور ہرگز پوشیدگی قبول نہ کرے اور ہمیشہ اسماء و صفات و شیون و اعتبارات کے پردہ کے بغیر جلوہ گر ہو تو یہ حضورِ بے غیبت ہوگا۔ پس ان بزرگوں کی نسبت کو دوسروں کی نسبت کے ساتھ قیاس کرنا چاہئے، اور بلا تکلف دوسروں پر اس سلسلہ کو فوقیت دینی چاہئے، اگرچہ اس قسم کا حضور اکثر لوگوں کے نزدیک بعید معلوم ہوتا ہے، لیکن ؎

هَنِیْئًا لِاَرْبَابِ النَّعِیْمِ نَعِیْمُهَا　وَلِلْعَاشِقِ الْمِسْکِیْنِ مَا یَتَجَرَّعُ

(ترجمہ) (مبارک منعموں کو ان کی نعمت　مبارک عاشقوں کو رنج و حسرت)

یہ عالی نسبت اس قدر کمیاب و قلیل الوجود ہو گئی ہے کہ اگر بالفرض اسی سلسلۂ عالیہ (نقشبندیہ) کے مشائخ کے سامنے اس کو بیان کیا جائے تو احتمال ہے کہ ان میں سے اکثر مشائخ اس کا انکار کر دیں اور

ہرگز یقین نہ کریں ـــــ اور جو نسبت اب اس بزرگ خاندان کے مشائخ میں مشہور ہے اس سے مراد حق سبحانہ وتعالیٰ کا اس طرح پر حضور وشہود ہے کہ شاہد اور مشہود ہونے کے وصف سے پاک ہو، اور وہ توجہ مراد ہے جو اُن چھ طرفوں[۱] سے خالی ہو جو مشہور ہیں اگرچہ فوق (بلندی) کی طرف کا گمان پیدا ہوتا ہے اور بظاہر دائمی معلوم ہوتی ہے، اور یہ نسبت (بغیر سلوک کے) صرف مقامِ جذبہ میں بھی پائی جاتی ہے، اور اس کی برتری کی کوئی وجہ ظاہر نہیں ہے بخلاف اُس یادداشت کے جس کی تعریف پہلے بیان ہو چکی ہے جس کا حاصل ہونا جذبہ کی جہت اور سلوک کے مقامات کی تکمیل کے بعد ہے، اور اس درجہ کا بلند مرتبہ ہونا کسی پر پوشیدہ نہیں ہے، اگر پوشیدگی ہے تو صرف اس کے حاصل ہونے میں ہے۔ اگر کوئی حسد کرنے والا شخص حسد کی وجہ سے اس کا انکار کرے اور کوئی ناقص اپنے نقص وقصور کی وجہ سے جان بوجھ کر اس کا انکار کرے تو وہ معذور ہے ؎

قاصرے گر کند ایں طائفہ را طعن قصور　　حاش للہ کہ برآرم بزباں ایں گلہ را[۲]
ہمہ شیرانِ جہاں بستۂ ایں سلسلہ اند　　روبہ از حیلہ چساں بگسلد ایں سلسلہ را

(ترجمہ) (ایسے لوگوں پر اگر ناقص کرے طعنہ زنی　　میں کروں اپنی زباں سے کچھ گلہ؟ توبہ مری
کُل جہاں کے شیر وابستہ ہیں اس زنجیر سے　　لومڑی توڑے گی اس حلقہ کو کس تدبیر سے)

وَالسَّلَامُ اَوَّلًا وَّاٰخِرًا (اول وآخر میں سلام ہو)۔

مکتوب ۲۸ بست و ہشتم

بلندیٔ حال کے بیان میں، لیکن ایسی عبارت میں لکھا گیا ہے جس سے نزول وبُعد کا وہم پیدا ہوتا ہے، یہ بھی خواجہ عمک کی جانب ارسال کیا گیا۔

گرامی نامہ جو آپ نے مہربانی فرما کر اس مخلص کے نام ارسال فرمایا تھا اس کے صادر ہونے سے

---

[۱] چھ طرفیں یعنی دائیں بائیں سامنے پیچھے اوپر نیچے ـــــ [۲] ان اشعار کا عربی اشعار میں ترجمہ یہ ہے ؎

اِنْ عَابَهُمْ قَاصِرٌ طَعْنًا بِهِمْ سَفَهًا　　بَرَّأْتُ سَاحَتَهُمْ مِنْ اَفْحَشِ الْكَلِمِ
هَلْ يَقْطَعُ الثَّعْلَبُ الْمُحْتَالُ سِلْسِلَةً　　قُيِّدَتْ بِهَا اُسُدُ الدُّنْيَا بِاَسْرِهِمِ

بہت مسرت ہوئی اور اس کے مطالعہ کا شرف حاصل ہوا ــــــ یہ کتنی بڑی نعمت ہے کہ آزاد[1] لوگ قیدیوں[2] کو یاد کریں اور یہ کسقدر بھاری دولت ہے کہ منزلِ قُرب پر پہنچے ہوئے (واصل) لوگ جدائی کے مارے ہوئے (نزول کے ساتھ جدا کئے ہوئے) لوگوں کی غمخواری کریں۔ بیچارے ہجر کے مارے ہوئے نے جب اپنے آپ کو وصال کے لائق نہ پایا تو مجبوراً ہجر (جدائی) کے گوشہ میں گمنام ہوگیا اور مقامِ قرب سے بھاگ کر مقامِ بُعد میں آرام لیا، اور اتصال (ملاپ) سے (دور ہوکر) جدائی کے ساتھ قرار حاصل کیا اور جب (غیرِ حق سے) آزادی کے اختیار کرنے میں (نفس کے تقاضے کے باعث غیر کے ساتھ) گرفتاری دیکھی تو ناچار (رضائے حق کی خاطر مخلوق کے ساتھ) گرفتاری قبول کرلی ؎

چوں طمع خواہد زمن سلطانِ دیں خاک بر فرقِ قناعت بعد ازیں

(ترجمہ) جب طمع میری شہِ دیں کو پسند پھر قناعت پر رہوں کیوں کاربند

بے ربط عبارتوں اور پراگندہ اشاروں کے ساتھ اس سے زیادہ آپ کو کیا تکلیف دی جائے، ثَبَّتَنَا اللّٰہُ تَعَالٰی وَاِیَّاکُمْ عَلٰی مُتَابَعَۃِ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ مِنَ الصَّلَوٰتِ اَفْضَلُھَا وَمِنَ التَّسْلِیْمَاتِ اَکْمَلُھَا (حق سبحانہ وتعالیٰ ہم کو اور آپ کو سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت پر ثابت قدم رکھے)۔

مکتوب ۲۹
بست و نہم

فرائض کے ادا کرنے اور سنن و مستحبات کی رعایت کرنے کی ترغیب اور فرضوں کے مقابلہ میں نفلوں کے ادا کرنے کی طرف توجہ نہ دینے کے بیان میں، اور عشا کی نماز کو آدھی رات کے بعد ادا کرنے اور وضو کے مستعمل پانی کے پینے کو جائز سمجھنے اور مریدوں کے سجدہ کرنے کو جائز سمجھنے سے منع کرنے کے بیان میں، شیخ نظام[3] تھانیسری کی طرف صادر فرمایا۔

---

[1] یعنی جو سالکین ماسوا اللہ سے آزاد ہو کر مقام فوق کی طرف ترقی کر رہے ہیں۔
[2] جو مقام سے نزول کرکے دعوتِ حق کے لئے مخلوق کی طرف راجع ہیں۔
[3] مکتوباتِ شریفہ میں آپ کے نام دفتر اول مکتوب ۲۹ - ۳۰ صرف دو مکتوبات ہیں۔ شیخ نظام الدین بن شیخ عبدالشکور عمری بلخی تھانیسری، ظاہری و معنوی کمالات سے متصف، شریعت و طریقت اور علم و عمل کے جامع تھے۔ سلسلۂ امدادیہ صابریہ چشتیہ کے اکابر اور شیخ جلال الدین تھانیسری کے برادر زادہ، داماد اور خلیفہ تھے، نیز متعدد کتابوں کے مصنف تھے۔ شہزادہ خرم کے ساتھ تعاون کرنے پر جہانگیر سے مخالفت ہوگئی تھی۔ سنہ ۱۰۲۴ھ میں وفات پائی (نزھۃ الخواطر ۵/۴۱۸، تذکرہ علمائے ہند، انوار العارفین)۔

عَصَمَنَا اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَاِیَّاکُمْ عَنِ التَّعَصُّبِ وَالتَّعَسُّفِ وَنَجَّانَا وَاِیَّاکُمْ عَنِ التَّلَہُّفِ وَالتَّاَسُّفِ بِحُرْمَۃِ سَیِّدِ الْبَشَرِ الْمَنْفِیِّ عَنْہُ زَیْغُ الْبَصَرِ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ مِنَ الصَّلَوَاتِ اَتَمُّہَا وَمِنَ التَّسْلِیْمَاتِ اَکْمَلُہَا (حق سبحانہ وتعالیٰ ہم کو اور آپ کو تعصب (طرفداری وہٹ دھرمی) اور تعسف (غلط راستہ پر چلنے) سے بچائے، اور تلہف وتأسف (افسوس اور رنج وغم کرنے) سے بچائے بطفیل حضرت سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم جو کہ کجیٔ بصر سے پاک ہیں، آپ پر اور آپ کی آل پر کامل ترین صلوات اور اکمل ترین تسلیمات ہوں)

فرض نماز کی اہمیت

وہ اعمال جن سے حق سبحانہ وتعالیٰ کی بارگاہ میں قرب حاصل ہوتا ہے فرائض ہیں یا نوافل، فرضوں کے مقابلہ میں نفلوں کا کچھ اعتبار نہیں ہے، فرضوں میں سے کسی ایک فرض کا اس کے اپنے وقت میں ادا کرنا ہزار سال کے نوافل ادا کرنے سے بہتر ہے اگرچہ وہ نوافل خلوصِ نیت کے ساتھ ادا کئے جائیں، خواہ وہ نماز، زکوٰۃ، روزہ اور ذکر وفکر وغیرہ میں سے کوئی بھی نفل ہو۔ بلکہ ہم کہتے ہیں کہ فرائض کے ادا کرنے کے وقت سنتوں میں سے کسی سنت کی اور مستحبات میں سے کسی مستحب کی رعایت کرنے کا بھی یہی حکم ہے (کہ وہ نوافل کے ادا کرنے سے بہتر ہے)۔

نماز جماعت کی اہمیت

منقول ہے کہ "ایک روز امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فجر کی نمازِ جماعت سے فارغ ہونے کے بعد مقتدیوں کی طرف دیکھا تو اپنے ساتھیوں میں سے ایک شخص (سلیمانؓ ابن ابی حثمہ) کو اس وقت موجود نہ پایا، (دریافت) فرمایا کہ فلاں شخص جماعت میں حاضر نہیں ہوا؟ حاضرین نے عرض کیا کہ وہ رات کا اکثر حصہ جاگتا رہتا ہے گمان ہے کہ وہ اس وقت سو گیا ہوگا، آپ نے فرمایا کہ اگر وہ تمام رات سوتا رہتا اور فجر کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کرتا تو زیادہ اچھا ہوتا[1]"۔

پس کسی مستحب کی رعایت کرنا اور کسی مکروہ سے بچنا خواہ وہ مکروہِ تحریمی نہ ہو بلکہ مکروہِ تنزیہی ہی ہو، ذکر وفکر اور توجہ ومراقبہ سے بہتر ہے ـــــ ہاں اگر ان امور (ذکر وفکر اور مراقبہ وغیرہ) کو مستحبات کی رعایت اور مکروہات سے بچنے کے ساتھ جمع کرے تو فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِیْمًا (بہت ہی بڑی کامیابی ہے) ۷۱/۳۳

---

[1] اس کو امام مالک رضی اللہ عنہ نے اپنی مؤطا میں روایت کیا ہے اور مشکوٰۃ میں اس طرح روایت کی گئی ہے عن ابی بکر بن سلیمان بن ابی حثمۃ قال ان عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فقد سلیمان بن ابی حثمۃ فی صلوۃ الصبح وان عمر غدا الی السوق ومسکن سلیمان بین المسجد والسوق فمر علی الشفاء ام سلیمان فقال لہا لم ار سلیمان فی الصبح فقالت انہ بات یصلی فغلبتہ عیناہ فقال عمر لان اشہد صلوۃ الصبح فی جماعۃ احب الی ان اقوم لیلۃ،

زکوٰۃ کا ایک دانگ سونے کا پہاڑ صدقہ نفل کرنے سے بہتر ہے

وَيبدُوْ فِيْهِ خَرْطُ الْقَتَادِ (ورنہ بے فائدہ رنج اٹھانا ہے) ــــــ مثلاً زکوۃ کے حساب میں ایک دانگ (چھ رتی وزن کا سکّہ مراد ہے یعنی معمولی رقم) صدقہ کرنا جس طرح سے کہ نفلی طور پر سونے کے بڑے بڑے پہاڑ صدقہ کرنے سے کئی درجے بہتر ہے ــــــ اسی طرح اس دانگ کے صدقہ کرنے میں کسی مستحب کی رعایت کرنا مثلاً اس کا کسی قریبی محتاج کو دینا بھی اس (نفلی صدقہ) سے کئی درجہ بہتر ہے ــــــ لہذا عشا کی نماز کو رات کے دوسرے نصف حصہ میں (آدھی رات کے بعد) ادا کرنا اور اس تاخیر کو قیامِ لیل (نمازِ تہجد کی تاکید) کا ذریعہ بنانا بہت ہی بُرا ہے، کیونکہ فقہائے احناف رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نزدیک عشا کی نماز کو اس وقت میں (یعنی آدھی رات کے بعد) ادا کرنا مکروہ[1] ہے، بظاہر اس کراہت سے ان کی مراد کراہتِ تحریمیہ[2] ہے، کیونکہ ان کے نزدیک نمازِ عشا کا آدھی رات تک ادا کرنا مباح ہے اور آدھی رات کے بعد ادا کرنا مکروہ کہا ہے، پس وہ مکروہ جو مباح کے بالمقابل ہے وہ مکروہ تحریمی ہے ــــــ اور فقہائے شافعیہ[3] رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نزدیک آدھی رات کے بعد عشا کی نماز ادا کرنا جائز ہی نہیں ہے ــــــ لہذا قیامِ لیل یعنی نمازِ تہجد کے لئے اور اس وقت میں ذوق و جمعیت حاصل ہونے کے لئے اس امر (تاخیرِ نمازِ عشا بعد نصفِ شب) کا مرتکب ہونا نہایت بُرا ہے، اس مقصد کے لئے نمازِ وتر کی ادائیگی میں (بعد نصف شب تک) تاخیر کرنا بھی کافی ہے، اور یہ تاخیر مستحب[4] بھی ہے، وتر بھی افضل وقت میں ادا ہو جاتے ہیں اور قیامِ لیل (نمازِ تہجد) اور صبح کے وقت جاگنے کا مقصد بھی حاصل ہو جاتا ہے لہذا اس عمل (تاخیرِ نمازِ عشا بعد نصفِ شب) کو ترک کرنا چاہئے اور گذشتہ دنوں کی نمازوں کو پھر سے ادا کرنا چاہئے ــــــ امام اعظم کوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وضو کے مستحبات میں سے کسی ایک مستحب کے ترک ہونے کی وجہ سے چالیس سال کی نمازوں کو قضا فرمایا تھا۔

لے بحر الرائق میں ہے وافادان التاخیر الی نصف اللیل لیس بمستحب وقالوا انہ مباح والی ما بعدہ مکروہ۔ یعنی اس سے مستفاد ہوا کہ عشا کی نماز کو آدھی رات تک مؤخر کرنا مستحب نہیں ہے اور فقہا نے اس کو مباح کہا ہے اور آدھی رات کے بعد ادا کرنا مکروہ ہے۔

۲ے نیز بحر الرائق میں قنیہ سے منقول ہے تاخیر العشاء الی ما زاد علی نصف اللیل یکرہ کراھۃ تحریم، یعنی عشا کی نماز کو آدھی رات کے بعد تک مؤخر کرنا مکروہ تحریمی ہے ــــــ ۳ے اس لئے کہ مسلم شریف کی حدیث میں وارد ہے ووقت صلوۃ العشاء الی نصف اللیل الاوسط یعنی عشا کی نماز کا وقت (شفق غائب ہونے کے بعد سے شروع ہو کر) آدھی رات تک ہے، اور احناف کے نزدیک یہ حدِ مختار ہے اور جواز کا وقت طلوعِ فجر سے ذرا پہلے تک ہے ــــــ ۴ے یعنی نماز وتر کیلئے یہ تاخیر اس شخص کیلئے مستحب ہے جس کو تہجد کے وقت جاگنے اور اٹھنے پر پورا پورا اعتماد و بھروسہ ہو ورنہ نماز وتر بھی سونے سے پہلے ہی پڑھ لینا مستحب بلکہ واجب ہے۔

اور نیز مستعمل پانی جس سے کہ حدث کو دور کیا ہو (یعنی وضو کا مستعمل پانی ہو) یا وہ مستعمل پانی جس کو قربت یعنی عبادت و ثواب کی نیت سے وضو میں استعمال کیا ہو (یعنی باوجود وضو ہونے کے ثواب کی نیت سے پھر وضو کیا ہو) تو اس وضو کا مستعمل پانی) لوگوں کے لئے اس پانی کا پینا جائز نہ کریں، کیونکہ وہ پانی امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک نجس مغلظ ہے (یعنی نجاستِ غلیظہ ہے) اور فقہا نے اس پانی کے پینے سے منع فرمایا ہے اور اس کے پینے کو مکروہ کہا ہے ـــــ ہاں وضو کے بچے ہوئے پانی کے پینے کو شفا کہا ہے، اگر کوئی شخص اعتقاد کے ساتھ طلب کرے تو اس کو وہ پانی (یعنی وضو کا بچا ہوا پانی) دے سکتے ہیں۔
ـــــ اس فقیر کو اس دفعہ دہلی میں اس قسم کی آزمائش پیش آئی تھی (یعنی) بعض دوستوں کو واقعہ (حال) میں دکھایا گیا کہ اس فقیر کے وضو کے مستعمل پانی کو پئیں ورنہ بڑی تکلیف لاحق ہو جائے گی، (فقیر نے) بہت زیادہ منع کیا مگر کوئی نتیجہ نہ نکلا، آخر کار فقہ کی کتابوں کی طرف رجوع کیا تو نجات کی ایک صورت نکل آئی کہ اگر ہر عضو کو تین مرتبہ دھونے کے بعد چوتھی مرتبہ دھویا جائے اور اس میں قربت یعنی عبادت و ثواب کی نیت نہ کی جائے تو چوتھی مرتبہ کا پانی مستعمل نہیں ہوگا ـــــ یہ حیلہ تجویز کر کے عبادت و ثواب کی نیت کے بغیر چوتھی مرتبہ کے دھونے کا مستعمل پانی ان حضرات کو پینے کیلئے دیا۔

وضو کا مستعمل پانی نجاستِ غلیظہ ہے

اور نیز معتبر آدمیوں نے بیان کیا ہے کہ آپ کے بعض خلفاء کو ان کے مرید سجدہ[1] کرتے ہیں اور زمین بوسی پر بھی کفایت نہیں کرتے، اس فعل کی برائی آفتاب سے بھی زیادہ (یعنی خوب اچھی طرح) ظاہر ہے،

سجدہ کی حقیقت

[1] جاننا چاہئے کہ سجدہ کی حقیقت پیشانی کو زمین پر رکھنا ہے اور یہ دو طرح پر واقع ہوتا ہے ایک یہ کہ بندگی کا حق ادا کرنے کے لئے ہو اور یہ تمام مذاہب و ملل میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کیلئے کرنا حرام و ممنوع ہے اور کبھی بھی جائز نہیں ہے ـــ دوم یہ کہ کسی کی تعظیم و تکریم کیلئے ہو جیسا کہ سر کو جھکا کر سلام کرنا۔ اور اس کا حکم رسوم و عادات اور تبدیلی اوقات زمانہ کے لحاظ سے مختلف ہے کبھی جائز ہے اور کبھی حرام، اور یہ پہلی امتوں میں جائز تھا اور ہماری شریعت میں یہ طریقہ بھی حرام و ممنوع ہے کیونکہ اس کی ممانعت میں متواتر احادیث وارد ہوئی ہیں کذا فی التفسیر العزیزی ـــ اور امراء و مشائخ کے لئے زمین کو بوسہ دینا بھی حرام ہے اور اس فعل کے کرنے والا اور اس سے خوش و راضی ہونے والا دونوں گنہگار ہوں گے کذا فی الکافی۔ فقیہ ابو جعفر رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ جو شخص بادشاہ یا امیر کے سامنے زمین کو بوسہ دے یا سجدہ کرے اگر وہ سجدہ تعظیمی ہوگا تو اس سے وہ شخص کافر تو نہیں ہوگا لیکن گنہگار و گناہِ کبیرہ کا مرتکب ہوگا اور اگر عبادت کی نیت سے کریگا تو کافر ہو جائیگا اور اسی طرح اگر اس کی کچھ بھی نیت موجود نہیں ہوگی تو اکثر علماء کے نزدیک وہ کافر نہیں ہوگا۔ اور زمین کو بوسہ دینا، رخسار یا پیشانی زمین پر لگانے سے کم درجہ پر ہے کذا فی الظہیریہ ـــ اور طیبی نے محی السنۃ سے نقل کیا ہے کہ کمر کا جھکانا مکروہ ہے کیونکہ صحیح حدیث میں اس سے نہی وارد ہے، اگرچہ بہت سے علم و صلاح والے حضرات بھی اس فعل کے ساتھ منسوب ہیں تو ان کے اس فعل پر اعتماد نہیں کرنا چاہئے۔
(باقی حاشیہ صفحہ آئندہ)

آپ ان کو منع کریں اور منع کرنے میں تاکید سے کام لیں۔ اس قسم کے افعال سے پرہیز کرنا ہر شخص کے لئے ضروری ہے، خاص طور پر جو شخص لوگوں کا پیشوا و مقتدا بنا ہوا ہو، اس کو اس قسم کے افعال سے پرہیز کرنا اشد ضروری ہے کیونکہ اس کے پیرو اس کے اعمال کی پیروی کریں گے اور مصیبت میں گرفتار ہو جائیں گے۔

اور نیز اس جماعت کے علوم، احوال کے علوم ہیں۔ اور احوال، اعمال کے نتیجے و ثمرات ہیں، اور احوال کے علوم سے اسی شخص کو میراث (ورثہ) ملتی ہے جس نے اپنے اعمال کو درست کیا ہو اور ان کا حق ادا کرنے پر قائم رہا ہو۔ اور اعمال کی درستی اس وقت حاصل ہوتی ہے جبکہ اعمال کو پہچاننے اور ہر عمل کی کیفیت کو جاننے، اور وہ احکام شرعیہ یعنی نماز و روزہ اور باقی فرائض، معاملات و نکاح و طلاق و خرید و فروخت اور ہر اس چیز کا علم ہے جس کو حق سبحانہ و تعالیٰ نے اس پر واجب کیا ہے اور اس کو اس کی طرف دعوت دی ہے، اور یہ علوم کسب (اپنی محنت) سے حاصل ہوتے ہیں ان کے سیکھنے سے کسی شخص کو بھی چارہ نہیں ہے۔

اور علم دو مجاہدوں کے درمیان ہے، ایک مجاہدہ علم کے حاصل ہونے سے پہلے اس کی طلب میں ہوتا ہے اور دوسرا مجاہدہ علم حاصل ہونے کے بعد اس کے استعمال (اس پر عمل کرنے) میں ہوتا ہے۔ پس جس طرح آپ کی مبارک مجلس میں تصوف کی کتابوں میں سے کچھ بیان ہوتا رہتا ہے اسی طرح فقہ کی کتابوں میں سے کچھ بیان ہوتا رہنا چاہئے، اور فقہ کی کتابیں فارسی میں بہت ہیں مثلاً مجموعہ خانی، عمدۃ الاسلام و کنز فارسی، بلکہ اگر تصوف کی کتابوں میں سے بیان نہ بھی کیا جائے تو کچھ مضائقہ نہیں کیونکہ وہ احوال سے تعلق رکھتی ہیں اور بیان کرنے میں نہیں آتیں اور فقہ کی کتابوں میں سے بیان نہ ہونے میں نقصان کا احتمال ہے اور زیادہ لمبی گفتگو کیا کی جائے اَلْقَلِیْلُ یَدُلُّ عَلَی الْکَثِیْرِ (تھوڑی بات کثیر پر دلالت کرتی ہے)۔

اندکے پیشِ تو گفتم غمِ دل ترسیدم ... کہ دل آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

(ترجمہ)
بہت تھوڑی کہی ہے ڈرتے ڈرتے داستانِ غم ... کہیں آزردہ ہو جائے نہ دل تیرا، مرے ہمدم۔

رزقنا اللہ سبحانہ و ایاکم کمال اتباع حبیبہ علیہ و علی آلہ الصلوات و التسلیمات (حق تعالیٰ ہم کو اور آپ کو اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری پیروی [نصیب فرمائے])

(بقیہ حاشیہ از صفحہ گذشتہ) اور مطالب المؤمنین میں شیخ ابو منصور سے نقل کیا گیا ہے انھوں نے کہا کہ اگر کوئی شخص کسی دوسرے شخص کے سامنے زمین کو بوسہ دے یا کمر یا سر کو جھکا دے وہ شخص کافر نہیں ہوتا لیکن گنہگار ہوتا ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کاد الانحناء ان یکون کفرا (یعنی کمر کو جھکانا کفر کے قریب ہے) کذا فی ترجمۃ المشکوٰۃ للشیخ الدہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ۔ (حاشیہ صفحہ ھذا) ؎ کسی نے کیا اچھا کہا ہے ؎

مغرورِ سخن مشو کہ توحیدِ خدا ... واحد دیدن بود نہ واحد گفتن

پس زبان سے کہنے اور وجدان سے پانے میں بہت فرق ہے اور کسی چیز کے متعلق کان سے سننے اور اس چیز کو خود حاصل کر لینے میں بہت سے درجے ہیں صرف شکر کا نام لے لینے سے حلق میٹھا نہیں ہوتا جب تک اس کو کھایا نہ جائے۔

مکتوب ۳۰
سی ام

شہودِ آفاقی و انفسی اور شہودِ انفسی و تجلّیِ صوری کے درمیان فرق کے بیان میں اور مقامِ عبدیت کی شان کی بلندی اور اس مقام کے علوم کی علومِ شرعیہ کے مطابق ہونے اور اس کے مناسب امور کے بیان میں، مُلّا محمد صدیق جو کہ اس درگاہِ (مجددیہ) کے پُرانے خادموں میں سے ہیں فرماتے تھے کہ یہ مکتوبِ گرامی بھی شیخ نظام تھانیسری کی طرف صادر فرمایا۔

شَرَّفَکُمُ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ بِکَمَالِ الْاِتِّبَاعِ الْمُحَمَّدِیِّ وَزَیَّنَکُمْ بِالزِّیِّ السَّنِیِّ الْمُصْطَفَوِیِّ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ مِنَ الصَّلَوَاتِ اَفْضَلُھَا وَمِنَ التَّحِیَّاتِ اَکْمَلُھَا (حق سبحانہ وتعالیٰ آپ کو حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کامل اتباع سے مشرف فرمائے، اور آپ کو آنحضرتؐ کی روشن وضع وقطع و لباس سے آراستہ فرمائے)۔

میں نہیں جانتا کہ کیا لکھوں، اگر اپنے مولا تعالیٰ و تقدس (اللہ تعالیٰ) کی پاک بارگاہ کی نسبت کوئی بات زبان پر لاؤں تو جھوٹ اور بہتان ہوگا، حق سبحانہ وتعالیٰ کی اعلیٰ بارگاہ اس سے بہت بلند ہے کہ مجھ جیسا بیہودہ گو اپنی زبان سے اس کی تعریف کرے، چوں (مثل ومانند والا) بے چون (بے مثل) کے بارے میں کیا بیان کرے، مُحدَث (غیر ازلی) قدیم (ازلی) کے متعلق کیا ڈھونڈے، مکانی (محدود) لامکانی (لامحدود) کے بارے میں کب تک دوڑے، بیچارہ اپنی ذات سے باہر کچھ نہیں رکھتا اور اپنے آپ کے علاوہ کسی چیز میں کچھ گذر نہیں رکھتا ؎

ذرہ گر بس نیک ور بس بد بُوَد　　گرچہ عمرے تگ زند در خود بُوَد

(ترجمہ)
ذرہ خواہ نیک ہو یا بد، مگر　　عمر بھر دوڑے رہے گا بس وہیں

یہ معنی بھی سیرِ انفسی[2] میں حاصل ہوتے ہیں جو کہ کام کی انتہا میں میسر ہوتی ہے۔[1] حضرت خواجۂ بزرگ خواجہ بہاؤالدین نقشبند قدس اللہ تعالیٰ سرہ الاقدس نے فرمایا ہے کہ اہل اللہ فنا وبقا کے بعد جو کچھ دیکھتے ہیں

---

[1] یعنی یہ معرفت و دانش آخر میں میسر ہوتی ہے ابتدا میں نہیں، اور حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی معرفت بشر کو تو کیا ملائکہ کو بھی حیرت و نادانی کے سوا اور کچھ حاصل نہیں ہے، جیسا کہ کہا گیا ہے اَلْعَجْزُ عَنِ الْاِدْرَاکِ اِدْرَاکٌ (یعنی ادراک سے عاجز رہنا یہ بھی ایک طرح کا ادراک ہی ہے۔ [2] سیرِ انفسی و سیرِ آفاقی کے معنی اور ان دونوں کی تفصیل دفتر دوم مکتوب ۴۲ میں مذکور ہے۔

اپنی ذات میں دیکھتے ہیں اور جو کچھ پہچانتے ہیں اپنی ذات میں پہچانتے ہیں اور ان کی حیرت اپنے وجود میں ہوتی ہے، وَفِیْٓ اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ (سورہ ذاریات آیت ۲۱) (اور کیا تم اپنے نفسوں (جانوں) میں نہیں دیکھتے ہو) ـــــ اس سے پہلے جو سیر بھی ہے وہ سیرِ آفاقی میں داخل ہے جس کا حاصل کچھ حاصل نہ ہونا ہے اور یہاں بے حاصلی کے لفظ کا اطلاق اصل مطلب کے حاصل ہونے کی نسبت سے ہے ورنہ وہ منجملہ شرائط و آمادہ کرنے والے امور کے ہے ـــــ شہودِ انفسی سے کوئی شخص وہم میں نہ پڑے اور اس کو تجلی صوری کے شہود کی مانند جو کہ متجلّی لہٗ (جس کو تجلی منکشف ہو) کے نفس میں ہے خیال نہ کرے ایسا ہرگز نہیں ہے، تجلّی صوری خواہ کسی قسم کی ہو سیرِ آفاقی میں داخل ہے اور علم الیقین کے مرتبہ (مقام) میں حاصل ہوتی ہے اور شہودِ انفسی حق الیقین کے مرتبہ (مقام) میں ہے جو کہ کمال کے مرتبوں کی انتہا ہے۔ اور شہود کا لفظ اس جگہ عبارت کے میدان کی تنگی کی وجہ سے بولا گیا ہے ورنہ جیسا کہ ان کا مطلب بے چون و بے چگون (بے مثل و بے مثال) ہے اُس مطلب کے ساتھ ان کی نسبت بھی بے چون و بے چگون (بے مثل و بے مثال) ہے، چون کو بیچون کی طرف کوئی راہ نہیں ہے، مثنوی

اتصالے بے تکیف بے قیاس ہست رب الناس را با جانِ ناس
لیک گفتم ناس را، نسناس نہ ناس غیر از جانِ جاں اشناس نہ

(ترجمہ)
اتصال اللہ کا انسان سے ہے کچھ ایسا، کب بیاں میں آسکے
ذکر یاں انسانِ ناقص کا نہیں بلکہ جو ہو مردِ کامل بالیقیں

اور شہودِ صوریِ مذکور کے ساتھ شہودِ انفسی کے متحد ہونے کا وہم پیدا ہونے کی جگہ ان دونوں مقامات میں آدمی کے بقا کا حاصل ہونا ہے کیونکہ تجلی صوری (متجلّی لہٗ کو) فنا کرنے والی نہیں ہے، اگرچہ قیود میں سے کسی قید کو کسی قدر دور کر دیتی ہے لیکن فنا کی حد تک نہیں پہنچاتی پس اس تجلی میں سالک کے وجود کا باقی رہنا پایا جاتا ہے اور سیرِ انفسی خود پوری پوری فنا اور کامل ترین بقا کے بعد ہے، پس ناچار معرفت کی کمی کی وجہ سے ان دونوں بقاؤں میں فرق نہیں کر سکتے، اس لئے مجبوراً اتحاد (ایک ہی ہونے) کا حکم لگا دیتے ہیں ـــــ اگر ان کو معلوم ہو جائے کہ دوسری بقا ان کے نزدیک بقا باللہ سے تعبیر کی گئی ہے اور وہ اس وجود کو وجود موہوب حقانی یعنی حق سبحانہ وتعالیٰ کا بخشا ہوا وجود کہتے ہیں تو شاید اس وہم سے نجات حاصل کر لیں۔

اس مضمون سے کوئی شخص یہ نہ سمجھے کہ بقا باللہ سے مراد یہ ہے کہ سالک اپنے آپ کو حق تعالیٰ وتقدس کا عین پائے، ایسا ہرگز نہیں ہے —— اگر اس گروہ کی بعض عبارتوں سے یہ مطلب بھی ظاہر ہوتا ہو تو ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ یہ بقا (یعنی اپنے آپ کو حق تعالیٰ کا عین معلوم کرنا) جذبہ کے مقام میں بعض حضرات کو استہلاک (استغراق) واضمحلال (نیستی) کے بعد جو کہ فنا کے مشابہ ہے (درحقیقت فنا نہیں ہے) اور اکابر نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم اس کو وجودِ عدم[1] سے تعبیر کرتے ہیں اور یہ (حقیقی وکامل) فنا[2] سے پہلے حاصل ہوتی ہے اس کا زائل ہونا ممکن ہے بلکہ وہ زائل ہوتی رہتی ہے، کبھی اس فنا کو سالک سے لے لیتے ہیں اور کبھی اس کو واپس دے دیتے ہیں —— اور وہ بقا جو کامل فنا کے بعد حاصل ہوتی ہے وہ زائل ہونے سے محفوظ اور خلل واقع ہونے سے مامون ہے۔ ان بزرگوں (اکابر نقشبندیہ) کی فنا دائمی فنا ہے یہ حضرات عینِ بقا میں فانی اور عینِ فنا میں باقی ہیں، اور جو فنا و بقا زوال پذیر ہیں وہ احوال و تلوینات میں سے ہیں اور ہم جس فنا کا ذکر کر رہے ہیں وہ ایسی نہیں ہے۔

حضرت خواجہ نقشبند قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ نے فرمایا ہے کہ وجودِ عدم وجودِ بشریت کی طرف عود کرتا ہے، لیکن وجودِ فنا[3] وجودِ بشریت کی طرف عود نہیں کرتا پس لازمی طور پر اُن کا وقت دائمی ہوگا اور حال سرمدی (ہمیشہ) ہوگا بلکہ اُن کے لئے نہ وقت ہے نہ حال۔ ان کا کام وقتوں کے پیدا کرنے والے (یعنی حق تعالیٰ) کے ساتھ ہے اور ان کا معاملہ احوال کے پھیرنے والے کے ساتھ ہے، لہٰذا زوال کا قبول کرنا

---

[1] جاننا چاہیئے کہ عدم جو اس سلسلۂ عالیہ کے اکابر کی عبارتوں میں آتا ہے اس سے مراد اس اسمِ الٰہی جل شانہ کی ہستی کا ورود ہے، جو کہ عارف کا مبدءِ تعین ہے کسی پردے کے پیچھے سے جذب ومحبت کے راستہ سے مذکورہ سالک پر وارد ہوتا ہے جس کے پہلو میں سالک کی ہستی چھپ جاتی ہے اور سالک اپنے آپ کو اور اپنے اوصاف کو گم کر دیتا ہے اور نہیں پاتا —— اور وجودِ عدم سے مراد اُس ہستی کا ثابت ہونا ہے یعنی وہ وجود و بقا جو عدم پر مرتب ہوتی ہے، اور یہ بھی احتمال ہے کہ وجودِ عدم سے مراد حالتِ عدمیہ کے ساتھ متحقق ہونا ہے یعنی سالک کے اندر صفتِ عدم کا پیدا ہونا، اور یہ عدم اور وجودِ عدم بمعنیٔ اول جہتِ جذبہ میں فنا و بقا ہے اس ظہور کو ہمیشگی (دوام) نہیں ہے پس جو فنا و بقا اس پر مترتب ہوگی وہ بھی دائمی نہیں ہوگی اور وجودِ بشریت کی طرف عود کرنے سے محفوظ نہیں ہوگی، جبتک وہ ظہور واقع ہے اس وقت تک سالک کی ہستی چھپی ہوئی ہے اور جب وہ ظہور پوشیدہ ہو جائے گا وجودِ بشریت عود کر آئے گا۔ (از مکتوبات حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہ)

[2] یعنی فنائے حقیقی سے پہلے جس سے مراد محبوب کی ہستی کا عارف پر اس قدر غلبہ ہونا کہ تمام تعلقات سے خالی ہو جائے۔

[3] وجودِ فنا سے مراد وہ بقا ہے جو فنائے حقیقی پر مترتب ہوتی ہے اور دوسری ولادت میں موہوب وجود کے ساتھ موجود ہو جاتی ہے اس فنا و بقا کو دوام لازمی ہے اور یہ وجودِ بشریت کی طرف عود کرنے سے محفوظ ہے۔ (حضرت خواجہ محمد معصوم رح)

وقت وحال کے ساتھ مخصوص ہوا اور جو شخص وقت وحال سے گذر گیا وہ زوال سے محفوظ رہا ـــ
ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ (۶۲ سورۃ الجمعہ آیت ۴) (یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے عنایت فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے) ـــــــ کوئی شخص یہ گمان نہ کرے کہ وقت کا دائمی ہونا اس وقت کے تعین وغیرہ کا اثر باقی رہنے کے اعتبار سے کہا گیا ہے (نہ کہ وقت کی وجہ سے) یہ بات نہیں ہے بلکہ دوام عین وقت کے لئے ہے اور مدام (ہمیشگی) نفسِ حال کے لئے، بیشک ظن (گمان) کسی چیز کی حقیقت کو پہچاننے کا فائدہ نہیں دیتا (یعنی ظن سے کوئی حق بات ثابت نہیں ہوتی) بلکہ ہم کہتے ہیں کہ بعض ظن گناہ ہیں۔[1]

تخلیقِ انسانی کا مقصد

بات بہت لمبی ہو گئی۔ اب ہم اصل بات کی طرف آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ چونکہ حق تعالیٰ جل شانہ کی مقدس بارگاہ کے میدان میں بات کرنے کی مجال نہیں ہے اس لئے ہم اپنی بندگی کے مقام اور ذلت وعاجزی کے بارے میں بات کرتے ہیں کہ انسان کے پیدا کرنے سے مقصود بندگی کے معمولات بجا لانا ہے، اور اگر ابتدا (شروع) اور وسط (درمیان) میں کسی کو عشق ومحبت دیا گیا ہے تو اس سے مقصود ماسوی اللہ (حق تعالیٰ کے سوا سب سے) اس کا تعلق قطع کرنا ہے۔ عشق ومحبت بھی مقاصد میں سے نہیں ہے بلکہ عبودیت (بندگی) کا مقام حاصل ہونے کا ذریعہ ہیں ـــــــ انسان حق تعالیٰ شانہ کا بندہ اس وقت بنتا ہے جبکہ ماسوی اللہ کی گرفتاری وبندگی سے پوری طرح آزاد ہو جائے اور عشق ومحبت صرف ان تعلقات کے منقطع کرنے کا وسیلہ ہونے سے زیادہ اور کچھ نہیں ہیں۔ لہٰذا مراتبِ ولایت کا آخری مرتبہ مقامِ عبدیت ہے، ولایت کے درجات میں مقامِ عبدیت سے اوپر کوئی مقام نہیں ہے، اس مقام میں بندہ اپنے مولا کے ساتھ اپنے لئے اس کے سوا اور کچھ مناسبت نہیں پاتا کہ بندہ کی جانب سے احتیاج ہے اور مولا تعالیٰ وتقدس کی جانب سے ذات وصفات کے اعتبار سے پوری پوری استغنا وبے نیازی ہے ـــــــ یہ بات ہرگز نہیں ہے کہ اپنی ذات کو حق تعالیٰ جل شانہٗ کی ذات کے ساتھ اور اپنی صفات کو اس کی صفات کے ساتھ اور اپنے افعال کو اس کے افعال کے ساتھ کسی لحاظ سے بھی مناسبت محسوس کرے، ظلیت کا اطلاق (ظل کہنا) بھی منجملہ مناسبات سے ہے، اس سے بھی پاک ومنزہ ظاہر کرتے ہیں، حق سبحانہ وتعالیٰ کو خالق اور اپنے آپ کو مخلوق جانتے ہیں، اس سے زیادہ

---

[1] اس میں آیت کریمہ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ (۴۹ سورہ حجرات آیت ۱۲) کی طرف اشارہ ہے۔

کچھ کہنے کی جرأت نہیں کرتے۔

توحید فعلی، ان بزرگوں کی ایک جماعت کو　　راہِ سلوک کے دوران حاصل ہوتی ہے اور وہ سوائے حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے کسی کو فاعل نہیں پاتے، یہ بزرگ یعنی حضراتِ نقشبندیہ قدس سرہم جانتے ہیں کہ ان افعال کا خالق (پیدا کرنے والا) وہی ایک ذات یعنی حق تعالیٰ ہے نہ کہ ان افعال کا مرتکب بندہ، کیونکہ یہ بات خود زندقہ والحاد تک پہنچانے والی ہے ــــــ ہم اس کو ایک مثال سے واضح کرتے ہیں، مثلاً کوئی شعبدہ باز پردہ کے پیچھے بیٹھ کر چند جماد (بے جان) مورتیوں (تصویروں) کو حرکت دیتا ہے اور ان میں نئے نئے عجیب وغریب افعال حرکت میں لاتا ہے، تیز نظر وباریک بین لوگ جانتے ہیں کہ ان بے جان مورتیوں میں ان افعال کا بنانے والا وہی شخص ہے جو پردہ کے پیچھے بیٹھا ہوا ہے لیکن ان افعال کو اختیار کرنے والی وہی صورتیں ہیں اسی لئے وہ کہتے ہیں کہ مورت متحرک ہے اور یہ نہیں کہتے کہ شعبدہ باز متحرک ہے ــــــ درحقیقت یہ لوگ (حضرات نقشبندیہ قدس سرہم) اس حکم میں حق کو ثابت کرنے والے ہیں، انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی شریعتیں بھی اسی حکم کو بیان کرتی ہیں اور وحدتِ فعل کے ساتھ حکم کرنا سُکر والوں کا کلام ہے، بلکہ صریح حق بات یہ ہے کہ فاعل متعدد ہیں اور افعال کا خالق ایک ہی ہے۔ اور اسی کی مانند وہ کلام ہے جو بعض صوفیوں نے توحیدِ وجودی کے بارے میں کہا ہے وہ بھی سُکرِ وقت اور غلبۂ حال پر مبنی ہے۔ علوم لدنیہ کشفیہ کے درست ہونے کی علامت یہ ہے کہ وہ علوم شرعیہ کے ساتھ واضح طور پر مطابق ہوں اگر اس میں شرعی علوم سے بال برابر بھی تجاوز ہوا تو وہ سکر کی وجہ سے ہے اور حق وہی ہے جس کو علمائے اہل سنت وجماعت نے تحقیق کیا ہے اور اس کے علاوہ زندقہ والحاد (محض بے دینی) ہے یا سکرِ وقت وغلبۂ حال ہے، اور یہ تمام مطابقت مقامِ عبدیت میں حاصل ہوتی ہے، اس مقام کے سوا ایک قسم کا سُکر ثابت ہوتا ہے۔ ع

گر بگویم شرح ایں بیحد شود　　(ترجمہ)　　شرح اس کی بیاں سے باہر ہے

کسی شخص نے حضرت خواجہ نقشبند قدس اللہ تعالیٰ سرہ الاقدس سے دریافت کیا کہ سلوک سے مقصود کیا ہے؟ آپ نے فرمایا یہ ہے کہ اجمالی معرفت تفصیلی اور استدلالی معرفت کشفی ہو جائے، اور یہ نہیں فرمایا کہ معارفِ شرعیہ سے زیادہ کوئی اور معرفت حاصل کی جائے، اگرچہ راستہ میں (علوم شرعیہ پر) زائد امور پیدا ہوتے ہیں لیکن اگر یہ حضرات انتہائے مقصد تک پہنچا دیئے جائیں تو یہ زائد امور منتشر ونا پید ہو جائیں اور وہی معارفِ شرعیہ تفصیلی طور پر معلوم ہو جاتے ہیں اور استدلال کی تنگی سے نکل کر کشف کے وسیع میدان میں آجاتے ہیں

علوم کشفیہ کے درست ہونے کی علامت

یعنی جس طرح نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام ان علوم کو وحی سے اخذ فرمایا کرتے تھے یہ حضرات الہام کے طریق پر ان علوم کو اصل سے (یعنی حق تعالیٰ سے) اخذ کرتے ہیں، علما نے ان علوم کو شریعتوں سے اخذ کر کے اجمال کے طور پر بیان کیا ہے، یہی علوم جس طرح انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کو تفصیلی اور کشفی طور پر حاصل تھے ان بزرگوں کو بھی اسی طرح پر حاصل ہوجاتے ہیں، ان کے درمیان صرف اصالت اور تبعیت کا فرق ہے (یعنی انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو اصالتاً حاصل ہیں اور اولیاء اللہ کو انبیائے کرام علیہم السلام کی متابعت سے حاصل ہوجاتے ہیں) —— اس قسم کے کمال کے لئے کامل اولیاء میں سے بعض کو کئی صدیوں اور بہت زمانوں کے بعد منتخب فرماتے ہیں —— جی چاہتا تھا کہ ایک اجمالی استدلالی مسئلہ کو مفصل لکھوں لیکن کاغذ نے کوتاہی کی (یعنی ختم ہوگیا) شاید حق تعالیٰ جل شانہٗ کی کوئی حکمت اسی میں ہوگی۔ والسلام۔

مکتوب ۳۱

سی و یکم

توحیدِ وجودی کے ظہور اور حق تعالیٰ و تقدس کے قرب و معیتِ ذاتی کی حقیقت اور اس مقام سے گزر جانے اور اس مقام کی تحقیق سے تعلق رکھنے والے بعض سوال وجواب کے بیان میں شیخ صوفی[1] کی طرف صادر فرمایا

ثَبَّتَنَا اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰی عَلٰی مُتَابَعَةِ سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ عَلَيْهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَعَلَيْهِمْ وَعَلٰی اٰلِهِمْ مِنَ الصَّلَوَاتِ اَفْضَلُهَا وَمِنَ التَّسْلِيْمَاتِ اَكْمَلُهَا (اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ہم کو حضرت سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم کی متابعت پر ثابت قدم رکھے)۔

ایک شخص نے جو کہ آپ کی مبارک مجلس میں حاضر تھا نقل کیا کہ میاں شیخ نظام تھانیسری کے کسی درویش نے اس فقیر (حضرت مجدد الف ثانیؒ) کے متعلق کہا کہ وہ وحدتِ وجود کا انکار کرتا ہے۔ —— اس ناقل شخص نے اس فقیر سے خواہش کی کہ اس بارے میں جو کچھ حقیقت ہے آپ کی خدمت میں لکھی جائے، تاکہ لوگ اس نقل سے کئی طرح کی باتیں نہ بنائیں اور بدظنی میں مبتلا نہ ہوجائیں،

---

[1] مکتوبات شریفہ میں شیخ صوفی کے نام صرف یہی ایک مکتوب ہے۔ شیخ صوفی کا نام محمد تھا۔ اچھے شاعر اور اکابر صوفیہ میں سے تھے۔ اکثر علوم میں تبحر حاصل تھا، درس و تدریس میں مشغول رہتے تھے۔ بکثرت علماء نے آپ سے کسب کمال کیا عبدالرحیم خان خاناں نے اپنے کتب خانہ کا ناظم اور اپنا مصاحب بنایا۔ پھر گوشہ نشین ہوگئے۔ سنہ ۱۰۳۴ھ میں انتقال ہوا۔ (نزہۃ الخواطر ج ۵ ص ۱۸۱)۔

کیونکہ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ (سورہ حجرات آیت ۱۲) (بعض ظن گناہ ہوتے ہیں)۔ اس شخص کے سوال کو قبول کرتے ہوئے چند کلمات پیش کر کے (پڑھنے کی) تکلیف دیتا ہوں۔

میرے مخدوم و مکرم! فقیر کا اعتقاد بچپن سے اہلِ توحید کے مشرب کا پھل تھا اور اس فقیر کے والد ماجد قدس سرہٗ بھی بظاہر اسی مشرب پر ہوئے ہیں اور باطن میں پوری پوری نگرانی حاصل ہونے کے باوجود جو کہ وہ مرتبۂ بے کیفی کی جانب رکھتے تھے اور دائمی طور پر اس طریقہ کے ساتھ مشغول رہے ہیں، اور اس مضمون کے مصداق کہ اِبْنُ الْفَقِیْہِ نِصْفُ الْفَقِیْہِ (فقیہ کا بیٹا بھی آدھا فقیہ ہوتا ہے) فقیر کو اس مشرب سے بلحاظِ علم بہت فائدہ اور بڑی لذت حاصل تھی، یہاں تک کہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے ارشاد و ہدایت پناہ، حقائق و معارف آگاہ، پسندیدہ دین کی تائید کرنے والے، ہمارے شیخ و مولا و قبلہ حضرت خواجہ محمد باقی قدسنا اللہ تعالیٰ بسرہٖ کی خدمت میں پہنچایا اور انھوں نے اس فقیر کو سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ کا طریقہ تعلیم فرمایا اور کامل توجہ اس مسکین کے حال پر ملحوظ رکھی۔

توحیدِ وجودی کا ظہور

اس طریقۂ عالیہ میں محنت کے بعد تھوڑی مدت میں توحیدِ وجودی منکشف ہو گئی اور اس کشف میں بہت مبالغہ پیدا ہو گیا، اس مقام کے علوم و معارف بکثرت ظاہر ہوئے اور اس مرتبہ کی باریکیوں میں سے شاید ہی کوئی باریکی رہ گئی ہو کہ جس کو اس فقیر پر ظاہر نہ کیا گیا ہو ——— حضرت شیخ محی الدین ابن عربی[۱] قدس سرہ کے معارف کے دقائق کو جیسا کہ چاہیئے ظاہر و واضح فرمایا اور جس تجلیٔ ذاتی کے متعلق صاحبِ فصوص (شیخ محی الدین ابن عربی موصوف) نے بیان فرمایا ہے کہ عروج کی انتہا اس کے سوا نہیں جانتا، اور اس تجلی کی شان میں فرمایا ہے وَمَا بَعْدَ هٰذَا اِلَّا الْعَدَمُ الْمَحْضُ (اور اس کے بعد عدمِ محض کے سوا اور کچھ نہیں ہے) یہ فقیر اس تجلیٔ ذاتی سے مشرف ہوا اور اس تجلی کے علوم و معارف بھی کہ جن کو شیخ موصوف خاتم الولایت کے ساتھ مخصوص جانتا ہے تفصیل کے ساتھ معلوم ہوئے اور سُکرِ وقت و غلبۂ حال اس توحید (وجودی) میں اس حد تک حاصل ہوا کہ بعض عریضوں میں جو کہ فقیر نے اپنے پیر و مرشد حضرت خواجہ (باقی باللہ) قدس سرہٗ کی خدمت میں لکھے تھے ان دو شعروں کو جو کہ سراسر سکر سے متعلق ہیں لکھا تھا۔ رباعی:۔

---

[۱] آپ کا اسم گرامی محمد بن علی بن احمد بن عبداللہ تھا۔ مرسیا (اندلس) میں شب دوشنبہ ۱۷ رمضان ۵۶۰ھ میں ولادت ہوئی تعلیم حاصل کرنے کے بعد ملک شام میں قیام پذیر ہو گئے۔ آپ کی تصانیف پانچ سو سے زیادہ بتائی جاتی ہیں۔ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ سے ملاقات ہوئی تو بعد ازاں آپ سے ان کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا "وہ سر سے پاؤں تک سنت سے پُر ہیں" اور جب شیخ سہروردیؒ سے آپ کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا "وہ حقائق کے سمندر ہیں"۔ تصوف میں سلسلہ اور نسبتِ خرقہ ایک واسطہ سے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی تک پہنچتا ہے۔ جمعرات ۲۲ ربیع الاول ۶۳۸ھ میں وفات پائی۔ (نفحات)

اے دریغا کیں شریعت ملتِ اعمائی است ملتِ ما کافری و ملتِ ترسائی است
کفر و ایماں زلف و روئے آں پری زیبائی است کفر و ایماں ہر دو اندر راہِ ما یکتائی است

(ترجمہ) شریعت آہ اندھوں کی ہے ملت وہ کافر کی ہے یا ترسا کی حالت
رخ و زلفِ پری ہیں کفر و ایماں وہی میرے لیے راہِ ہدایت

اور یہ حالت بہت مدت تک رہی بلکہ مہینوں نہیں کئی سالوں تک رہی، اچانک حق تعالیٰ جل شانہٗ کی بے انتہا عنایت غیب کے جھروکوں سے میدانِ ظہور میں جلوہ گر ہوئی، اور اس پردے کو جو بیچونی و بے چگونی (بے مثل و بے مثال) کے چہرے کو ڈھانپے ہوئے تھا اُتار پھینکا اور سابقہ علوم جو اتحاد اور وحدتِ وجود کی خبر دیتے رہے تھے زائل ہونے لگے اور احاطہ[1] و سریان[2] او قرب و معیتِ[3] ذاتیہ جو اس مقام میں ظاہر ہوئے تھے پوشیدہ ہو گئے اور پورے یقین کے ساتھ معلوم ہو گیا کہ صانع (حق تعالیٰ) جل شانہٗ کو عالم کے ساتھ ان مذکورہ نسبتوں میں سے کوئی نسبت بھی ثابت نہیں ہے بلکہ حق تعالیٰ کا احاطہ و قرب علمی ہے جیسا کہ اہلِ حق کے نزدیک ثابت و فیصلہ شدہ بات ہے۔ حق تعالیٰ ان کی کوششوں پر جزائے خیر عطا فرمائے۔ اور وہ جل شانہٗ کسی چیز کے ساتھ متحد نہیں ہے، وہ تعالیٰ بہت بلند و پاک ہے اور عالَم عالَم ہے، وہ سبحانہٗ و تعالیٰ بے مثل و بے مثال ہے، اور عالَم تمام کا تمام چونی و چگونی (مثل و مثال ہونے) کے داغ سے داغدار ہے، بیچون کو چون کا عین نہیں کہہ سکتے اور واجب تعالیٰ شانہٗ کو ممکن کا عین نہیں کہہ سکتے، قدیم ہرگز بھی حادث کا عین نہیں ہوتا، ممتنع العدم جائز العدم کا عین نہیں بن سکتا، حقائق کا بدلنا عقلاً و شرعاً محال ہے اور ایک کو دوسرے پر قیاس کرنے کا ثبوت و صحت کُلّی طور پر ہی ممتنع ہے۔

تعجب ہے کہ شیخ محی الدین قدس سرہ اور ان کی پیروی کرنے والے حضرات واجب تعالیٰ (اللہ تعالیٰ) کی ذات کو مجہولِ مطلق کہتے ہیں یعنی اس کو کسی حکم کے ساتھ محکوم علیہ نہیں جانتے، اور اس کے باوجود اس کے لئے احاطۂ ذاتی اور قرب و معیتِ ذاتیہ ثابت کرتے ہیں حالانکہ یہ حق تعالیٰ کی ذات پر حکم لگانا ہی تو ہے۔ پس درست وہی ہے جو علمائے اہلِ سنت و جماعت نے کہا ہے کہ حق تعالیٰ کا

---

[1] احاطہ یعنی حق تعالیٰ کا ہر چیز کو محیط ہونا جیسا کہ آیتِ کریمہ میں ہے وَاللّٰہُ مِنْ وَّرَآئِہِمْ مُّحِیْطٌ دیگر اَلَآ اِنَّہٗ بِکُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْطٌ۔
[2] سریان، یعنی حق تعالیٰ کا مؤمن کے قلب میں سمانا، جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث قدسی مروی ہے:—
لَا یَسَعُنِیْ اَرْضِیْ وَلَا سَمَائِیْ وَلٰکِنْ یَسَعُنِیْ قَلْبُ عَبْدِی الْمُؤْمِنِ۔
[3] اس میں اس آیت کی طرف اشارہ ہے: وَھُوَ مَعَکُمْ اَیْنَ مَا کُنْتُمْ (سورہ حدید آیت ۴)

قرب و احاطہ علمی ہے (ذاتی نہیں ہے)۔

اور توحیدِ وجودی کے مشرب کے خلاف علوم و معارف حاصل ہونے کے زمانے میں اس فقیر کو بہت اضطراب تھا کیونکہ اس توحید کے علاوہ کوئی اور امر اس سے بلند تر نہیں جانتا تھا اور عاجزی و زاری کے ساتھ دعا کرتا تھا کہ یہ معرفت (یعنی توحید وجودی) زائل نہ ہو جائے یہاں تک کہ کام (مقصود) کے چہرے سے تمام پردے ہٹ گئے اور حقیقت پوری طرح ظاہر ہو گئی اور معلوم ہو گیا کہ تمام عالَم باوجودیکہ صفاتی کمالات کے آئینے اور اسمائی ظہورات کی جلوہ گاہیں ہیں لیکن مظہر ظاہر کا عین اور ظل اصل کا عین نہیں ہے، جیسا کہ توحید وجودی والوں کا مذہب ہے۔

یہ بحث ایک مثال سے واضح ہو جاتی ہے، مثلاً کسی صاحبِ فنونِ عالم نے چاہا کہ اپنے مختلف قسم کے کمالات کو ظاہر کرے اور اپنی پوشیدہ خوبیوں کو واضح کرے، پس اس نے حرفوں اور آوازوں کو ایجاد کیا اور ان حرفوں اور آوازوں کے آئینوں میں اپنے پوشیدہ کمالات کو ظاہر کیا اس صورت میں یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ حروف اور آوازیں جو اُن پوشیدہ کمالات کے آئینے اور جلوہ گاہیں ہیں ان کمالات کا عین ہیں یا بالذات (اپنی ذات کے ساتھ) ان کمالات کا احاطہ کئے ہوئے ہیں، یا بالذات ان کمالات کے قریب ہیں یا ان کے ساتھ ذاتی معیت رکھتے ہیں، بلکہ ان کے درمیان دال (دلالت کرنے والا) اور مدلول (جس پر دلالت کرے) ہونے کی نسبت ہے۔ حروف اور آوازیں ان کمالات پر صرف دلالت کرنے والے ہیں اس سے زیادہ اور کوئی تعلق نہیں، اور وہ کمالات اپنی محض آزادی (غیر مقید حالت) پر ہیں۔ وہ نسبتیں جو (ان کے درمیان) پیدا ہوئی ہیں (یعنی عینیت، اتحاد، احاطہ اور قرب و معیت ذاتی) یہ سب وہم و خیال کی بنا پر ہیں، حقیقت میں ان نسبتوں میں سے کوئی بھی ثابت نہیں ہے لیکن چونکہ ان کمالات اور ان حرفوں اور آوازوں کے درمیان ظاہریت و مظہریت اور دالیت و مدلولیت کی نسبت ثابت ہے تو یہی نسبت بعض لوگوں کو بعض پیش آنے والے امور کے واسطے سے اُن وہمی نسبتوں کے حاصل ہونے کا سبب بن جاتی ہے اور حقیقت میں وہ کمالات ان تمام نسبتوں سے خالی و پاک ہیں، اور حق تعالیٰ و خلق کے درمیان جس نسبت کا ہم ذکر کر رہے ہیں وہ بھی دالیت و مدلولیت اور ظاہریت و مظہریت کے تعلق کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ عالَم (دنیا) اپنے صانع (تعالیٰ و تقدس) کے وجود پر علامت ہے اور حق تعالیٰ سبحانہٗ کے اسمائی و صفاتی کمالات کے ظاہر ہونے کے لئے مظہر ہے اور

یہی (ظاہریت و مظہریت اور دالیت و مدلولیت) کا تعلق بعض پیش آنے والے امور کے باعث بعض لوگوں کے لئے وہمی احکام کا سبب بن جاتا ہے۔

توحید وجودی پیدا کرنے کے اسباب:

بعض لوگوں کو توحید کے مراقبوں کی کثرت ان احکام (عینیت و اتحاد وغیرہ) پر آمادہ کرتی ہے کیونکہ ان مراقبوں کی صورت قوتِ متخیلہ میں منقش ہو جاتی ہے۔ اور بعض دوسرے لوگوں کو توحید کا علم اور اس کا تکرار (بار بار ذکر کرنا) اُن احکام کے ساتھ ایک قسم کا ذوق بخش دیتا ہے لیکن توحید کی یہ دونوں صورتیں ضعیف اور علم کے دائرہ میں داخل ہیں، حال کے ساتھ ان کا کچھ تعلق نہیں ہے۔ اور بعض دوسرے لوگوں کے لئے ان احکام کے پیدا ہونے کا سبب محبت کا غلبہ ہے کیونکہ محبت کے غلبہ کی وجہ سے محبوب کے علاوہ محبت کرنے والے کی نظر سے سب کچھ دُور ہو جاتا ہے اور محبوب کے سوا وہ کچھ نہیں دیکھتا، حالانکہ یہ بات نہیں کہ حقیقت میں محبوب کے علاوہ کچھ بھی موجود نہیں ہے۔ کیونکہ یہ بات حِس (ظاہری حواس) اور عقل و شرع کے مخالف ہے (کیونکہ حِسّ، عقل اور شرع چیزوں کے وجود کا حکم کرتی ہیں) اور کبھی یہی محبت احاطہ اور قربِ ذاتی کے ساتھ حکم کرنے کا باعث بن جاتی ہے اور توحید کی یہ قسم پہلی دونوں قسموں کی توحید سے اعلیٰ اور حال کے دائرہ میں داخل ہے، اگرچہ یہ بھی حقیقت کے مطابق اور شریعت کے موافق نہیں ہے اور اس کا شریعت و حقیقت کے ساتھ مطابقت کرنا فلسفیوں کے بیہودہ تکلّفات کی طرح محض تکلف ہے کیونکہ فلاسفۂ اہلِ اسلام چاہتے ہیں کہ اس سے اپنے فاسد اصولوں کو شرعی قوانین کے مطابق کرلیں۔ کتاب "اخوان الصفا" اور اسی قسم کی دوسری کتابیں اسی قبیل سے ہیں۔

حاصل کلام یہ ہے کہ ان میں سے خطائے کشفی، خطائے اجتہادی کا حکم رکھتی ہے کہ ملامت اور عتاب (ناراضگی) اس سے دور کر دی گئی ہے بلکہ ثواب[1] کے درجوں میں سے ایک درجہ ثواب اس کے حق میں ثابت ہے۔ خطائے کشفی و خطائے اجتہادی کے درمیان صرف اتنا فرق ہے کہ مجتہد کی تقلید (پیروی) کرنے والے مجتہد کا حکم رکھتے ہیں اور خطا کے واقع ہو جانے پر بھی ثواب کے درجوں میں سے ایک درجہ پا لیتے ہیں برخلاف اہلِ کشف کی پیروی کرنے والوں کے کہ وہ معذور نہیں ہیں اور خطا کے واقع ہونے پر ثواب کے درجہ سے محروم ہیں کیونکہ الہام اور کشف (صاحبِ کشف کے علاوہ) دوسرے شخص پر حجت نہیں ہے اور مجتہد کا قول دوسرے شخص (یعنی مقلّد) پر حجّت ہے پس پہلی تقلید (یعنی اہلِ کشف کی تقلید) خطا کے احتمال

---

[1] اکثر فارسی نسخوں میں ثواب "ص" سے یعنی "صواب" درج ہے لیکن مولانا نصر اللہ قندہاری فرماتے تھے کہ صحیح "ثواب" ہے۔

کی وجہ سے جائز نہیں ہے، اور دوسری (یعنی مجتہد کی تقلید) خطا کے احتمال کے باوجود جائز بلکہ واجب ہے۔ اور بعض سالکوں کا شہود جو کہ کوئی تعینات (مخلوقات) کے آئینوں میں ہوتا ہے وہ بھی سابقہ سرگانہ احکام کی قسم سے ہے اور ان حضرات نے اس شہود کا نام "کثرت میں وحدت کا مشاہدہ" یا "کثرت میں احدیت کا شہود" رکھا ہے کیونکہ واجب تعالیٰ و تقدس جو کہ بیچون و بیچگون (بے مثل و بے مثال) ہے ہرگز چون کے آئینوں میں نہیں سما سکتا اور چندی (مقدار) کی جلوہ گاہوں میں نہیں آتا، وہ لامکانی ہے پس مکان میں گنجائش نہیں رکھتا۔ بیچون کو چون کے دائرے سے باہر تلاش کرنا چاہیئے، لامکانی کو مکان کے علاوہ ڈھونڈنا چاہیئے۔ جو کچھ آفاق و انفس میں دیکھا جاتا ہے یہ سب اس ذات سبحانہٗ و تعالیٰ و تقدس کی نشانیاں ہیں۔ دائرۂ ولایت کے قطب یعنی حضرت خواجہ نقشبند قدس اللہ تعالیٰ سرہ الاقدس نے فرمایا ہے کہ "جو کچھ دیکھا گیا، سنا گیا اور جانا گیا ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کا غیر اور حجاب ہے کلمۂ "لا" کی حقیقت سے اس کی نفی کرنی چاہیئے" (تاکہ حجاب دور ہو جائے)

در تنگنائے صورت معنی چگونہ گنجد　　در کلبۂ گدایاں سلطان چہ کار دارد
صورت پرست غافل معنی چہ داند آخر　　کو با جمال جاناں پنہاں چہ کار دارد

ترجمہ: (صورت ہے تنگ کوچہ، معنی کہاں سمائے؟　　منگتے کی جھونپڑی میں کیوں بادشاہ جائے؟
صورت جو چاہے اس کو معنی سی کیا ہے نسبت؟　　اس کو جمالِ پنہاں کس طرح راس آئے؟

مشائخ نقشبندیہ کی ان عبارتوں کا جواب جو توحید وجودی پر دلالت کرتی ہیں۔

اگر وہ (توحید وجودی والے حضرات) یہ کہیں کہ "اکثر مشائخ کی عبارتوں میں خواہ وہ نقشبندیہ ہوں یا ان کے علاوہ دوسرے سلسلوں کے مشائخ ہوں ایسے مضامین موجود ہیں جو وحدتِ وجود و احاطہ و قرب[1] و معیتِ ذاتیہ کے بارے میں اور کثرت میں وحدت اور کثرت میں احدیت کے شہود پر واضح و صریح دلالت کرتے ہیں"۔

---

[1] جاننا چاہیئے کہ حضرت مجدد الفِ ثانی قدس سرہٗ نے جلد اول مکتوب ۲۶۶ میں تحریر فرمایا ہے: "پس ہم ایمان لاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تمام اشیاء کو محیط ہے اور ان کے قریب اور اُن کے ساتھ ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے احاطہ و قرب و معیت کے متعلق ہم نہیں جانتے کہ کیا ہے، اور اس کو قرب و احاطۂ علمی کہنا متشابہ کی تاویلات سے ہے اور ہم اس کی تاویلات کے قائل نہیں ہیں" اھ — اور جلد دوم مکتوب ۸ میں فرماتے ہیں: "ہم ایمان لاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے قریب اور ہمارے ساتھ ہے لیکن ہم نہیں جانتے کہ قرب و معیت کے معنی کیا ہیں"۔ ان دونوں قولوں میں تضاد ہے پس ان کو اوقات و احوال کے متعدد و مختلف ہونے پر حمل کرنا، دوسرے کشف پر اعتماد کرنا لازمی ہے، ہر مقام کے علوم و معارف الگ ہیں اور ہر حال کا قال علیحدہ ہے۔ مزید جلد اول مکتوب ۲۶۰ کے آخری حصہ کو دیکھنا چاہیئے — [2] ارشاد ربانی ہے: سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ (حم سجدہ آیت ۵۳) (ہم ان کو آفاق و انفس میں اپنی نشانیاں دکھائیں گے تاکہ ان پر واضح ہو جائے کہ وہی حق ہے)۔

ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ یہ احوال و شہود اُن کو احوال کے درمیان میں پیش آئے ہوں گے اور اس کے بعد وہ اس مقام سے آگے گذر گئے ہوں گے جیسا کہ یہ فقیر اپنے احوال کے بارے میں پہلے لکھ چکا ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ ان میں سے بعض حضرات کے ظاہر کو جو کہ کثرت میں ہے باطن میں احدیت صِرف کی طرف پوری پوری نگرانی حاصل ہونے کے باوجود ان احکام اور اس شہود کے ساتھ مشرف کرتے ہیں، اور وہ حضرات باطن میں احدیت کے نگراں ہوتے ہیں اور ظاہری طور پر کثرت میں مطلوب کا مشاہدہ کرنے والے ہیں، جیسا کہ اس فقیر نے اس مکتوب کے شروع میں اپنے والد ماجد کے حال کی خبر دی ہے، اور اس جواب کی مفصل تحقیق اس رسالہ (خط) میں لکھی گئی ہے جو (اس خاکسار نے) وحدت وجود کے مراتب کی تحقیق میں لکھا ہے۔ اور جو کچھ ذکر کیا جا چکا ہے اس مقام پر اس سے زیادہ بیان نہیں کیا جا سکتا۔ اور کوئی صاحب یہ نہ کہنے لگیں کہ جب حقیقت میں وجود متعدد ہوں گے اور قرب و احاطہ ذاتی نہیں ہوگا اور شہود وحدت در کثرت واقع کے مطابق نہیں ہوگی تو ان بزرگوں کا حکم جھوٹا ہوگا کیونکہ وہ حکم واقع اور حقیقت کے مطابق نہیں ہے (اور جھوٹ عدمِ مطابقت ہی کو کہتے ہیں) لہٰذا ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ ان بزرگوں نے اپنے شہود کے اندازے کے مطابق یہ حکم لگایا ہے، جیسا کہ کوئی شخص یہ کہے کہ میں نے زید کی صورت کو آئینہ میں دیکھا ہے تو یہ حکم بھی واقع کے مطابق نہیں ہے کیونکہ اس نے آئینہ میں اس صورت کو نہیں دیکھا ہے اس لئے کہ صورت آئینے میں ہرگز نہیں ہے جو اس کو دیکھا جاتا۔[۱] اُس شخص کو اس حکم میں عُرف کے طور پر جھوٹا نہیں کہیں گے، اگرچہ یہ حکم حقیقت کے مطابق نہیں ہوگا کیونکہ یہ صاحب بیان کرنے میں معذور ہیں (کیونکہ اس نے اپنے اعتقادی شہود کو بیان کیا ہے) اور جھوٹ کی ملامت ان سے دُور کردی گئی ہے، جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے۔

جو احوال پوشیدہ رکھنے کے لائق ہیں اُن کے ظاہر کرنے سے مقصود یہ ہے کہ اس فقیر کو (ابتدا میں) جو وحدتِ وجود قبول رہا ہے تو وہ کشف کی وجہ سے تھا نہ کہ تقلید کے طور پر، اور اگر (اب) انکار ہے تو یہ بھی الہام کی وجہ سے ہے اور الہام میں انکار کی گنجائش نہیں ہے، اگرچہ الہام دوسروں کیلئے حجت نہیں ہے۔

---

[۱] بلکہ شعاعِ بصری آئینہ میں نفوذ نہ کرنے کی وجہ سے اصل کے ساتھ منعکس ہو کر اصل کی صورت کو اس میں پاتی ہے جیسا کہ یہ بات مقرر و محقق ہے۔ [ع] کثرت کا مشاہدہ کرنے والے۔

جھوٹ کا شبہ دور کرنے کے لئے دوسرا جواب یہ ہے کہ عالم کے افراد بعض امور میں ایک دوسرے کے ساتھ مشترک ہیں اور بعض دوسرے امور میں ایک دوسرے سے ممتاز و جُدا ہیں، اور اسی طرح سے بعض پیش آنے والے امور (مثلاً موجود ہونا، شئی ہونا، عالم ہونا، معلوم ہونا اور جوہر ہونا وغیرہ) میں ممکن کا واجب تعالیٰ و تقدس کے ساتھ اشتراک ہے اگرچہ بالذات دونوں ایک دوسرے سے ممتاز و جدا جدا ہیں، غلبۂ محبت ہونے کی وجہ سے دونوں میں امتیاز پیدا کرنے والی چیز نظر سے مخفی ہو جاتی ہے اور جو چیز دونوں میں مشترک ہے وہ نظر میں رہ جاتی ہے پس اس صورت میں اگر (امورِ مشترکہ کی بنا پر) ایک دوسرے کے عین ہونے کا حکم کریں تو واقع کے مطابق ہوگا اور جھوٹ کا ہرگز دخل نہیں رہے گا۔ احاطۂ ذاتی اور اسی کی مانند دوسرے امور کو بھی اسی پر قیاس کرنا چاہئے، والسّلام

مکتوب ۳۲

کمالِ دوم

اس کمال کے بیان میں جو صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے ساتھ مخصوص ہے اور اولیائے امت میں سے بہت کم اس کمال کے ساتھ مشرف ہوئے ہیں اور حضرت امام مہدی رضی اللہ عنہ میں وہ کمال بدرجہ اتم ظہور پذیر ہوگا، اور وہ کمال جذبہ و سلوک کی نسبت کے اوپر ہے اور اس بیان میں کہ صنعت کا کمال بہت سے افکار کے آپس میں ملنے پر موقوف ہے اور اس کی زیادتی بہت سے نظریات و افکار کی متابعت و پیروی کرنے پر منحصر ہے۔ مرشد کی نسبت اگر اسی خالصیت و اصلیت پر رہے تو نقصان کا سبب بن جاتی ہے، ہدایت یافتہ مرید اس کو کامل کر سکتا ہے اور اس کے مناسب امور کے بیان میں مرزا حسام الدین احمد[1] کی طرف ارسال فرمایا۔

آپ کا بزرگی والا مکتوب مبارک صادر ہوا، اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کا احسان ہے کہ دُور پڑے ہوئے کو آپ بھولتے نہیں اور کسی نہ کسی موقع پر یاد آ ہی جاتے ہیں۔ ع

باری بہیچ خاطرِ خود شاد می کنم (اچھا ہے کچھ خوشی کا تو سامان ہوگیا)

---

[1] مکتوبات شریف میں آپ کے نام سولہ عدد مکتوب ہیں: دفتر اول مکتوب ۳۲، ۶۲، ۲۰۷، ۲۱۶، ۲۲۹، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۶۷، ۲۷۳، دفتر دوم مکتوب ۱۷، ۲۶، ۴۵، دفتر سوم مکتوب ۲۴، ۷۲، ۱۱۵، ۱۲۱ —— میرزا حسام الدین احمد بن نظام الدین احمد حنفی بدخشی ثم الدہلوی مشائخ نقشبندیہ میں سے ہیں۔ سنہ ۹۷۷ھ میں بدخشاں کے قصبہ قندوز میں پیدا ہوئے اور علم کے گہوارے میں پرورش پائی۔ تحصیلِ علوم کے بعد شیخ ابوالفضل بن مبارک ناگوری کی بہن سے شادی ہوئی (باقی حاشیہ بر صفحۂ آئندہ)۔

آپ نے پیر دستگیر (یعنی حضرت خواجہ باقی باللہ) علیہ الرحمہ کی نسبتِ خاصہ کے معلوم نہ ہونے کے بارے میں لکھا تھا اور اس کا سبب دریافت کیا تھا۔

میرے مخدوم! اس قسم کی باتوں کی تشریح، تحریر بلکہ تقریر میں بھی مناسب نہیں، کیونکہ معلوم نہیں کسی کی سمجھ میں کیا آئے اور وہ اس سے کیا نتیجہ اخذ کرے۔ اس کے لئے پیرِ طریقت کے ساتھ حسنِ ظن رکھتے ہوئے اس کی خدمت میں حاضر ہونا، یا زمانۂ دراز تک پیر کی صحبت میں رہنا ہر لحاظ سے ضروری ہے، وَبِدُوْنِہٖ خَرْطُ الْقَتَادِ (اس کے علاوہ بے فائدہ رنج و محنت اٹھانا ہے) ؎

آسودہ شبے باید و خوش مہتابے تا با تو حکایت کنم از ہر بابے

(ترجمہ) پُرسکون اور چاندنی ہو ایک رات تجھ سے دلبر کی کہوں ایک ایک بات

لیکن اس بنا پر کہ سوال کا جواب ضرور ہونا چاہئے، یہ فقیر اسقدر ظاہر کرتا ہے کہ ہر مقام کے علوم و معارف مختلف ہوتے ہیں اور احوال و مواجید جُدا، کسی ایک مقام میں ذکر و توجہ مناسب ہیں اور کسی دوسرے مقام میں تلاوتِ قرآن مجید و نماز مناسب ہے، کوئی مقام جذبہ (سیر انفسی) کے ساتھ مخصوص ہے اور کوئی مقام سلوک (سیر آفاقی) کے ساتھ، اور کسی مقام میں یہ دونوں دولتیں مخلوط (ملی جلی) ہیں اور کوئی مقام ایسا ہے کہ جذبہ و سلوک کی دونوں جہتوں سے علیحدہ ہے (یعنی اس میں ان دونوں میں سے ایک بھی موجود نہیں) نہ جذبہ کو اس مقام سے کوئی واسطہ ہے اور نہ سلوک کو اس مقام سے کوئی تعلق ہے یہ مقام نہایت عجیب و غریب ہے۔

آنحضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے اصحاب کرام اس مقام کے ساتھ ممتاز اور اس بڑی دولت سے مشرف ہیں۔ اس مقام والے کو دوسرے مقامات والوں سے پورا پورا امتیاز حاصل ہے

(بقیہ حاشیہ از صفحۂ گزشتہ) والد ماجد کے انتقال کے بعد منصب اور جاگیر پائی، اور اکبر بادشاہ نے آپ کو عبدالرحیم خانخاناں کی زیرِ قیادت لشکر میں شامل کر دیا۔ مجبوراً آپ ایک زمانے تک لشکر میں رہے۔ چونکہ آپ کی طبیعت ترک و تجرید کی کی طرف مائل تھی اس لئے سلطانی خدمات سے استعفیٰ دیکر عزلت اختیار کی۔ آپ کی اہلیہ نے بھی ترک و تجرید میں آپ کی موافقت کی، بعد ازاں آپ دہلی آئے اور حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ کی صحبت میں بقیہ زندگی گذار کر معارفِ الٰہیہ میں اعلیٰ مرتبہ پر پہنچے۔ ترک و تجرید کے غلبہ کے سبب آپ مسندِ ارشاد پر بیٹھنے کی طاقت نہیں رکھتے تھے لہٰذا اپنے شیخ کی زندگی تک ان کی خدمت میں لگے رہے اور ان کے بعد ان کے صاحبزادوں کی تربیت میں مشغول رہے۔ یکم صفر ۱۰۴۳ھ اکبر آباد میں وفات پائی وہیں دفن کئے گئے پھر کچھ عرصہ بعد آپ کی نعش کو دہلی لا کر حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ کے قبرستان میں دفن کیا گیا۔ (ماخوذ از زبدۃ المقامات و نزہتہ الخواطر وغیرہ)

اور اس مقام والے حضرات ایک دوسرے کے ساتھ بہت کم مشابہت رکھتے ہیں بخلاف دوسرے مقامات والے حضرات کے کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ مشابہت رکھتے ہیں اگرچہ وہ مشابہت کسی ایک لحاظ سے ہو اور دوسری وجہ سے نہ ہو، اور یہ نسبت اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کے بعد انشاء اللہ تعالیٰ حضرت امام مہدی موعود علیہ الرضوان میں پوری طرح ظاہر ہوگی۔

سلسلوں کے مشائخ میں سے بہت کم مشائخ نے اس مقام کی خبر دی ہے تو کیسے ہو سکتا ہے کہ انھوں نے اس مقام کے علوم و معارف کے متعلق گفتگو کی ہو، ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ (یہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے جس کو چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل و کرم الا ہی) (جمعہ آیت ۶۲)

حاصل کلام یہ ہے کہ صحابۂ کرامؓ کو یہ نادر الوجود نسبت پہلے ہی قدم میں ظاہر ہو جاتی تھی اور ایک مدت گذرنے کے بعد درجۂ کمال تک پہنچ جاتی تھی اور دوسرے شخص (یعنی غیر صحابی) کو اگر اس دولت سے مشرف کرتے ہیں اور صحابۂ کرام کی نسبت کے قدم پر تربیت دیتے ہیں تو وہ جذبہ و سلوک کی منزلوں کو قطع کرنے اور ان کے علوم و معارف کو طے کرنے کے بعد اس دولتِ عظمیٰ سے سعادتمند و سرفراز فرماتے ہیں۔

ابتداء میں اس نسبت کا ظہور سید البشر علیہ و علی آلہ الصلوات والتحیات والبرکات والتسلیمات کی صحبت کی برکت کے ساتھ مخصوص تھا، لیکن ہو سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین میں سے بھی کسی کو اس برکت سے مشرف فرمادیں تاکہ اس کی صحبت بھی ابتدا میں اس بلند نسبت کے ظہور کا سبب بن جائے ؎

فیض روح القدس ار باز مدد فرماید
دیگراں نیز کنند آنچہ مسیحا میکرد (ہم بکنند)

(ترجمہ)
گر کرے امداد پھر روح القدس بس ایک بار
دوسرے بھی کر دکھائیں جو مسیحا نے کیا

اُس وقت اس نسبت میں بھی اندراج النہایت فی البدایت (ابتدا میں انتہا کا درج ہونا) ثابت ہو جاتا ہے جیسا کہ جذبہ کے سلوک پر مقدم ہونے کی صورت میں ثابت ہوتا ہے۔ یہ مضمون اس بیان سے زیادہ کی گنجائش نہیں رکھتا۔ شعر[1]

وَمِنْ بَعْدِ هٰذَا مَا يَدِقُّ صِفَاتُهٗ
وَمَا كَتْمُهٗ اَحْظٰى لَدَيْهِ وَاَجْمَلُ

(ترجمہ)
بعد ازاں باریک ہیں اس کی صفات
ان کے ہے پوشیدہ رکھنے میں نجات

اس کے بعد اگر ملاقات نصیب ہوئی اور سننے والوں کی جانب سے سننے کا نیک گمان معلوم ہوا تو

[1] فنِ معانی کا اصول ہے: اَلْكِنَايَةُ اَبْلَغُ مِنَ التَّصْرِيْحِ (رمز و اشارہ میں بات کرنا وضاحت اور تصریح سے کہیں زیادہ بہتر ہے)

انشاء اللہ تعالیٰ اس کی نسبت کچھ بیان کیا جائیگا۔ وَھُوَ سُبْحَانَہُ الْمُوَفِّقُ (اور اللہ سبحانہ ہی توفیق بخشنے والا ہے)

آپ نے بعض دوستوں کے بارے میں لکھا تھا، اس فقیر نے ان کی لغزشوں کو معاف کر دیا، حق سبحانہ وتعالیٰ سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے وہ بھی معاف فرمائے، لیکن آپ ان دوستوں کو نصیحت فرمادیں کہ حضور اور غیبت (سامنے اور پیٹھ پیچھے) میں (اس فقیر کو) آزار و تکلیف دینے کے درپے نہ ہوا کریں اور اپنی وضع قطع اور حالتوں کو نہ بدلیں، اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِھِمْ وَاِذَآ اَرَادَ اللّٰہُ بِقَوْمٍ سُوْٓءًا فَلَا مَرَدَّ لَہٗ وَمَا لَھُمْ مِّنْ دُوْنِہٖ مِنْ وَّالٍ (رعد آیت ۱۱) یعنی اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت اس وقت تک نہیں بدلتا جبتک وہ اپنے آپ کو نہ بدلیں، اور جب اللہ تعالیٰ کسی کے ساتھ برائی وعذاب کا ارادہ کرتا ہے تو اُس کو کوئی روک نہیں سکتا اور اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی کارساز و مالک و حاکم نہیں ہے)۔

آپ نے میاں شیخ اللہ داد[1] کے بارے میں خاص طور پر لکھا تھا، فقیر کو اس میں کچھ مضائقہ نہیں ہے لیکن مشارٌ الیہ (شیخ اللہ داد مذکور) کے لئے اپنی وضع تبدیل کرنے سے نادم ہونا ضروری ہے کیونکہ اَلنَّدَمُ تَوْبَۃٌ[2] (ندامت بھی توبہ ہی ہے)۔ شفاعت (معافی) چاہنا ندامت کی فرع ہے، بہرحال فقیر اپنی طرف سے معاف کرتا ہے، دوسری جانب کو آپ جانیں ——— دوسرے یہ کہ سرہند کو اپنا گھر تصور فرمائیں۔ محبت کا تعلق اور پیر بھائی ہونے کی نسبت اس قسم کی نہیں ہے کہ عارضی باتوں سے ٹوٹ جائے، زیادہ کیا لکھوں والسلام۔ مخدوم زادے اور گھر کے سب حضرات دعا کے ساتھ مخصوص ہیں۔

اس خط کے لکھنے کے بعد دل میں خیال آیا کہ دوستوں کی لغزشوں اور ان سے معاف کردینے کے بارے میں بات کو زیادہ وضاحت کے ساتھ لکھا جائے کیونکہ مختصر طور پر لکھنے میں بات صاف نہیں ہوتی، نہ معلوم کیا سمجھا جائے ——— میرے مخدوم معاف کرنا اس وقت سمجھا جائے جبکہ وہ لوگ ان وضع قطع کو بُرا جانیں اور اُن سے پشیمان ہوں ورنہ معافی کی کوئی گنجائش نہیں۔

اور آپ نے لکھا تھا کہ "پیر دستگیر (حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ) نے یہ مقام (یعنی خلافت

---

[1] شیخ اللہ داد کے متعلق مولانا محمد ہاشم کشمی زبدۃ المقامات میں تحریر فرماتے ہیں کہ "جس زمانے میں حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ لاہور سے ماوراء النہر (ترکستان) تشریف لے جانے کی تیاری فرما رہے تھے شیخ اللہ داد حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بیعت ہو کر طریقۂ نقشبندیہ حاصل کیا . . . . . اور سفر سے واپسی پر حضرت خواجہؒ نے درگاہ کی خدمت اور مہمانوں کے قیام وطعام کا انتظام شیخ کے سپرد کردیا تھا۔ نیز زبدۃ المقامات مطبوعہ استنبول کے حاشیہ پر درج ہے "وفات شیخ اللہ داد در سنہ ۱۰۴۹ھ است۔" (زبدۃ المقامات ص ۸۸) ——— [2] اس حدیث کو امام بخاریؒ نے اپنی تاریخ میں اور ابن ماجہ اور حاکم نے حضرت عبداللہؓ بن مسعود سے اور بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت انسؓ سے بیان کیا ہے۔ مناوی نے اس حدیث کو صحیح اور حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں اس کو حدیث حسن کہا ہے۔

ایک غلط فہمی اور اس کا ازالہ

دہلی کی سجادگی) ان لوگوں کی موجودگی میں شیخ الہ داد کے سپرد کیا تھا۔" یہ ایک بات ذرا وضاحت چاہتی ہے۔ اگر انھوں نے سپرد کرنا اس معنی میں کہا ہے کہ فقرا، اور آنے جانے والے لوگوں کی خدمت کریں اور ان کے کھانے پینے کا خیال رکھے، تو یہ بات ماننے کے قابل ہے اور اگر اس معنی میں کہا ہے کہ طالبانِ طریقت کی تربیت کرے اور پیری کی گدی پر بیٹھے تو یہ بات قابلِ تسلیم نہیں ہے۔ اور آخری مرتبہ کی ملاقات میں حضرت پیرومرشد قدس سرہ نے اس فقیر سے فرمایا تھا کہ "تم تجویز کرو کہ شیخ الہ داد ہماری جانب سے جا کر بعض طالبوں کو ذکر بتائے اور بعض طالبوں کے حالات ہم تک پہنچائے کیونکہ اب ہم میں اپنے سامنے بلانے اور ذکر بتانے اور احوال پوچھنے کی طاقت نہیں ہے۔ فقیر اس بارے میں بھی تردد میں تھا چونکہ ضرورت تھی اس لئے اس فقیر نے بھی اس قدر تجویز کر دیا ــــــ اس قسم کی تبلیغ محض ایک طرح کی سفارت (ایلچی) کی قسم سے ہے، خاص طور پر جبکہ ضرورت کی وجہ سے ہو۔ وَالضَّرُوْرَةُ تَقَدَّرُ بِقَدَرِهَا (اور ضرورت کی چیز بقدرِ ضرورت ہی حاصل کی جاتی ہے۔) پس یہ سفارت بھی آں موصوف قدس سرہ کی زندگی تک ہی رہے گی، آں موصوف قدس سرہٗ کی رحلت فرمانے کے بعد (ان کی طرف سے) ذکر بتانا اور طالبوں کا حال پوچھنا خیانت میں داخل ہے۔

آپ نے تحریر فرمایا تھا کہ "پیر دستگیر (حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ) کی نسبت باقی رہتی ہے" یعنی اس میں زیادتی اور نقصان واقع نہیں ہوتا ــــــ میرے مخدوم! ہر فن و صنعت کا مکمل ہونا بہت سی فکروں کے ملنے پر موقوف ہے، جو علمِ نحو سیبویہ[1] نے وضع کیا تھا متاخرین کی فکروں نے اس کو دس گنا زیادہ کر دیا ہے، اُسی اصلیت پر رہنا خود عین نقص ہے۔ وہ نسبت جو حضرت خواجہ نقشبند (سید بہاؤ الدین بخاری) قدس سرہ رکھتے تھے حضرت خواجہ عبد الخالق (غجدوانی) قدس سرہ العزیز کے زمانہ میں نہیں تھی وعلیٰ ہذا القیاس ــــــ خاص طور پر ہمارے حضرت خواجہ (باقی باللہ) قدس سرہٗ اس نسبت کی تکمیل کے درپے رہے ہیں اور اس کو مکمل نہیں جانتے تھے۔ اگر ان کی زندگی وفا کرتی (یعنی مزید زندہ رہتے) تو اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کے ارادہ کے ساتھ اس نسبت کو معلوم نہیں کہاں تک لے جاتے، اس نسبت کے متعلق یہ کوشش کرنا کہ اس میں زیادتی و اضافہ نہ ہو، مناسب نہیں ہے ــــــ یہ فقیر نہیں جانتا کہ یہ

---

[1] سیبویہ عمرو بن عثمان شیرازی کا لقب ہے جو فنِ نحو و صرف کا مشہور امام گذرا ہے۔

نسبت (ایک ہی مقام پر) کس طرح باقی رہے گی ـــــ آپ خود ایک علیٰحدہ نسبت رکھتے ہیں جو اُن (یعنی پیرومرشدنا) کی نسبت سے کچھ تعلق نہیں رکھتی۔ ـــــ اور یہ بات کئی دفعہ حضرت قدس سرہٗ کے حضور میں متعین ہوچکی تھی ـــــ بیچارہ شیخ اللہ داد کیا جانے کہ نسبت کیا ہوتی ہے، تھوڑا سا قلبی حضور اس کو حاصل ہے، نیز اس کو خود بھی معلوم ہے کہ اس کی کیا حالت ہے۔ بیان فرمائیں کہ اس نسبت کا باقی رکھنے والا کون ہے تاکہ فقیر بھی اس شخص کا مددگار رہو، واقعات کا کچھ اعتبار نہ کریں کیونکہ وہ تو خیالی ہیں اور کچھ صداقت نہیں رکھتے، شیطان طاقتور دشمن ہے اس کے بہکانے اور مکروں سے بچنا بہت مشکل ہے اِلَّا مَنْ عَصَمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی (مگر جس کو اللہ تعالیٰ بچائے وہ بچ جاتا ہے)۔

اور آپ نے حاصل شدہ نسبتوں کے سلب ہونے کے بارے میں لکھا تھا ـــــ میرے مخدوم! وہ سلب کرنا اختیار کے ساتھ نہیں تھا جیسا کہ آپ کے سامنے ذکر ہوا تھا، وہ سلب اب بھی اپنی حالت پر باقی ہے دُور نہیں ہوا، اس کے دُور ہوجانے کا خیال کرنا وہم وخیال ہے، وہ آواز جو دل سے سنیں اُس حالت سے کوئی تعلق نہیں رکھتی، جب آگ کے انگارے کو سرد کردیتے ہیں اور آگ اس سے ختم ہوجاتی ہے تو پانی ڈالنے کے بعد بھی کچھ آواز اس میں باقی رہتی ہے لیکن یہ نہیں کہہ سکتے کہ ابھی آگ اس میں چھپی ہوئی ہے۔ واقعات کا کچھ اعتبار نہیں ہے، یہ بات اگر آج پوشیدہ ہے تو انتظار کریں کل انشاء اللہ تعالیٰ ظاہر ہوجائے گی، چونکہ آپ نے مبالغہ کے ساتھ لکھا تھا اس لئے ضروری سمجھتے ہوئے اس کے جواب میں یہ بات لکھی گئی ورنہ بے موقع بات کرنے کی فرصت کہاں!۔

مکتوب ۳۳

سی و سیوم

بُرے علماء کی مذمت کے بیان میں جو دنیا کی محبت میں گرفتار ہیں اور انھوں نے علم کو دنیا حاصل کرنے کا ذریعہ بنایا ہوا ہے، اور زاہد و پرہیزگار علماء کی تعریف میں جو کہ دنیا سے بے رغبت ہوچکے ہیں، ملا حاجی محمد[۱] لاہوری کی طرف صادر ہوا۔

علماء کے لئے دنیا کی محبت اور اس میں رغبت کرنا ان کے جمال کے چہرہ کا بدنما داغ ہے۔ مخلوقات کو اگرچہ ان سے بہت سے فائدے حاصل ہوتے ہیں لیکن ان کا علم ان کے اپنے حق ..میں

۱؎ آپ کا مختصر تذکرہ مکتوب ۳۶ صفحہ ۱۰ پر ملاحظہ ہو۔

نفع بخش نہیں ہوا، اگرچہ شریعت کی تائید اور ملت کی تقویت انہی کی وجہ سے قائم ہے لیکن کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ دین کی یہ تائید و تقویت فاجر و فاسق لوگوں سے بھی واقع ہو جاتی ہے جیسا کہ سید الانبیاء علیہ و علیہم و علیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات نے اس فاجر شخص کی دینی تائید کے بارے میں خبر دی ہے اور فرمایا ہے: اِنَّ اللّٰہَ لَیُؤَیِّدُ ھٰذَا الدِّیْنَ بِالرَّجُلِ الْفَاجِرِ[1] (البتہ اللہ تعالیٰ ضرور اس دین یعنی اسلام کو ایک فاجر آدمی کے ذریعہ سے بھی مدد دیگا)۔

علمائے سوء کا حکم

یہ (علماءِ سوء) پارس پتھر کی مانند ہیں کہ تانبے اور لوہے کی جو چیز بھی اس کے ساتھ رگڑ کھاتی ہے سونا ہو جاتی ہے اور وہ خود اپنی ذات میں پتھر ہی رہتا ہے، اور اسی طرح وہ آگ جو پتھر اور بانس میں پوشیدہ موجود ہے دنیا کو اس آگ سے بہت سے فائدے حاصل ہیں لیکن وہ پتھر اور بانس اپنے اندر کی موجودہ آگ سے کوئی فائدہ حاصل نہیں کرتے، بلکہ ہم کہتے ہیں کہ یہ علم اُن (علمائے سوء) کی اپنی ذات میں مضر ہے کیونکہ اس علم نے حجت کو ان پر پورا کر دیا، اِنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَذَابًا یَوْمَ الْقِیَامَۃِ عَالِمٌ لَّمْ یَنْفَعْہُ اللّٰہُ بِعِلْمِہٖ[2] (بیشک قیامت کے دن لوگوں میں سب سے زیادہ عذاب کا مستحق وہ عالم ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اس کے علم سے کچھ نفع نہیں دیا)

---

[1] یہ مضمون صحیح بخاری کی حدیث میں اس طرح پر ہے عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال شھدنا مع رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فقال لرجل ممن یدعی الاسلام ھذا من اھل النار فلما حضر القتال قاتل الرجل قتالا شدیدا فاصابتہ جراحۃ فقیل یارسول اللہ الذی قلت لہ انہ من اھل النار فانہ قد قاتل الیوم قتالا شدیدا وقد مات فقال النبی صلے اللہ علیہ وسلم الی النار، قال فکاد بعض الناس ان یرتاب فبینما ھم علی ذلک اذ قیل انہ لم یمت ولکن بہ جراحا شدیدا فلما کان من اللیل لم یصبر علی الجراح فقتل نفسہ فاخبر النبی صلے اللہ علیہ وسلم بذلک فقال اللہ اکبر اشھد انی عبد اللہ ورسولہ ثم امر بلالا فنادی فی الناس انہ لا یدخل الجنۃ الا نفس مسلمۃ وان اللہ لیؤید ھذا الدین بالرجل الفاجر۔ علامہ مرادی مکی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اس حدیث کو امام بخاری و مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، اور ترمذی نے حضرت انسؓ سے اور طبرانی نے کبیر میں اور ابو نعیم نے حلیہ میں اور ابن عدی نے کامل میں مختلف الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے۔

[2] علامہ مرادی مکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو ابن عساکر نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور اس کو طبرانی نے صغیر میں اور بیہقی نے شعب میں اور ابن عدی و حاکم نے اپنی مستدرک میں بھی الفاظِ مختلفہ کے ساتھ روایت کیا ہے، قال صلے اللہ علیہ وسلم ان من اشر الناس عند اللہ منزلۃ یوم القیامۃ عالم لا ینتفع بعلمہ، رواہ الدارمی۔ نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الا ان شر الشر شرار العلماء (رواہ الدارمی)

وہ علم جو اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کے نزدیک معزز ہے اور موجودات میں اشرف ہے وہ ان کے لئے مضر کیوں نہ ہو جبکہ انھوں نے اس علم کو کمینی دنیا یعنی مال وجاہ وریاست کے حاصل کرنے کا وسیلہ بنالیا[1] حالانکہ دنیا حق تعالیٰ کے نزدیک ذلیل[2] وخوار اور مخلوقات میں سب سے بدتر ہے۔ پس خدائے تعالیٰ کی عزت دی ہوئی چیز کو ذلیل کرنا اور اللہ تعالیٰ کی ذلیل کی ہوئی چیز کو عزت دینا نہایت بُرا ہے، اور حقیقت میں حق سبحانہ وتعالیٰ کے ساتھ مقابلہ کرنا ہے۔ اور تعلیم دینا اور فتوے لکھنا اس وقت فائدہ دیتا ہے جبکہ خالص اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہو، اور جاہ وریاست کی محبت اور مال ومرتبہ کے حاصل کرنے کی آمیزش کر پاک وخالی ہو اور اس کی علامت دنیا میں زہد وپرہیزگاری اختیار کرنا اور دنیا ومافیہا سے بے رغبت رہنا ہے ـــــ جو علماء اس بلا میں مبتلا او راس کمینی دنیا کی محبت میں گرفتار ہیں وہ علمائے دنیا میں سے ہیں، یہی لوگ علمائے سوء اور لوگوں میں سب سے بُرے اور دین کے چور ہیں حالانکہ یہ لوگ اپنے آپ کو دین کا پیشوا جانتے ہیں اور اپنے آپ کو مخلوقات میں سب سے بہتر خیال کرتے ہیں، وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ عَلٰى شَيْءٍ ۭ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ۝ اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ فَاَنْسٰهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ حِزْبُ الشَّيْطٰنِ ۭ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّيْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ (مجادلہ، آیت ۱۸، ۱۹)

(اور یہ لوگ گمان کرتے ہیں کہ ہم کسی اچھی حالت پر ہیں، خبردار یہ لوگ جھوٹے ہیں، ان پر شیطان نے غلبہ پالیا ہے پھر اس نے ان کو اللہ کے ذکر سے غافل کردیا۔ یہ لوگ شیطان کے گروہ ہیں۔ آگاہ رہو کہ شیطان کے گروہ والے ہی خسارہ پانے والے ہیں)۔

---

[1] قال صلے اللہ علیہ وسلم من تعلم علما مما یُبْتغی بہ وجہ اللہ لایتعلمہ الا لیصیب بہ عرضا من الدنیا لم یجد عرف الجنۃ یوم القیمۃ (رواہ احمد وابوداؤد وابن ماجۃ) (یعنی جو شخص ایسا علم جس سے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات مقدس کی طلب کی جاتی ہے اس غرض کے لئے سیکھتا ہے کہ اس سے دنیا کا متاع حاصل کرے وہ شخص قیامت کے روز بہشت کی خوشبو بھی نہیں پائے گا)۔

[2] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوکانت الدنیا تعدل عند اللہ جناح بعوضۃ ماسقی کافرا منہا شربۃ (رواہ احمد والترمذی وابن ماجہ) یعنی اگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا کی قدر وقیمت ایک مچھر کے پروبال کی برابر بھی ہوتی تو کسی کافر کو اس میں سے ایک گھونٹ بھی نہ پلاتا) ـــــ اور نیز ترمذی وابن ماجہ میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خبردار رہو کہ بالضرور دنیا ملعون ہے اور جو کچھ دنیا میں ہے وہ سب بھی ملعون ہے مگر اللہ تعالیٰ کا ذکر اور جس کو اللہ تعالیٰ دوست رکھے یعنی اعمال صالحہ اور علم سکھانے والا اور سیکھنے والا)۔

علمائے حق کے فضائل

اکابرین میں سے ایک بزرگ نے شیطان ملعون کو دیکھا کہ فارغ (بیکار) بیٹھا ہے اور گمراہ کرنے اور بہکانے سے بے فکر ہو چکا ہے۔ اس بزرگ نے اُس سے اس فراغت کی وجہ دریافت کی۔ اس نے جواب دیا کہ اس زمانے کے بُرے علماء نے خود ہی اس کام میں میری بہت بڑی مدد کی ہے اور انھوں نے مجھے اس اہم کام سے فارغ کر دیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اس زمانے میں شرع کے کاموں میں جو سُستی اور سہل پسندی و نفاق پیدا ہو گیا ہے اور دین و ملت کے رواج دینے میں جو خلل و سستی ظاہر ہوئی ہے وہ سب بُرے علماء کی نحوست اور ان کی نیتوں کے خراب ہو جانے کے باعث ہے ——— ہاں وہ علماء جو دنیا سے بے رغبت ہیں اور جاہ (عزت) و مال اور بلندی (سرداری) کی محبت سے آزاد ہیں وہ علمائے آخرت میں سے ہیں اور انبیائے عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے وارث ہیں، اور مخلوقات میں سے بہتر یہی علماء ہیں کہ کل قیامت کے دن ان کی سیاہی کو اللہ کے راستے میں شہید ہونے والوں کے خون کے ساتھ وزن کریں گے اور اس سیاہی کا پلّہ بھاری رہے گا[1] ——— اور نَوْمُ الْعُلَمَاءِ عِبَادَةٌ[2] (علماء کی نیند بھی عبادت ہے) ان ہی کے حق میں ثابت ہے۔ یہی وہ حضرات ہیں جن کی نظروں کو آخرت کا جمال پسند آیا ہے، اور دنیا کی بُرائی اور اس کی خرابی ان کو ظاہر ہو چکی ہے، انھوں نے اُس (آخرت) کو بقا کی نظر سے دیکھا اور اِس (دنیا) کو زوال کے داغ سے داغدار پایا۔ اسی لئے اپنے آپ کو باقی کے سپرد کر دیا اور فانی سے اپنے آپ کو باز رکھا ——— آخرت کی عظمت کا مشاہدہ حق تعالیٰ کی عظمت کے مشاہدہ کا ثمرہ ہے اور

---

[1] علامہ مراد مکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس قول میں اس حدیث کی طرف اشارہ ہے جس کو امام غزالی قدس سرہ نے احیاء علوم الدین میں مرفوعاً روایت کیا ہے اور اس کو علامہ ابن عبد البر نے ضعیف سند کے ساتھ حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کی حدیث سے بیان کیا ہے۔ علامہ عراقی نے اسی طرح فرمایا ہے اور اس کے شارح نے کہا ہے کہ شیرازی اس کو القاب میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کے طرق سے لایا ہے نیز ابن الجوزی اور دیلمی نے بھی روایت کیا ہے، انتہی ملخصاً۔

[2] علامہ مراد مکی رحمہ اللہ نے کہا کہ اس میں اس حدیث مرفوع کی طرف اشارہ ہے جس کو امام غزالی قدس سرہ نے احیاء میں بیان کیا ہے اور اس میں یہ الفاظ زیادہ ہیں وَنَفَسُہٗ تَسْبِیْحٌ یعنی عالِم کا سانس لینا تسبیح ہے ـــ علامہ عراقی نے کہا کہ مشہور لفظ عَالِمٌ کی بجائے صائم ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اس میں کوئی ضرر نہیں ہے کیونکہ عالم کی بندگی صائم قائم پر ثابت ہے بلکہ بہت سی روایتوں میں مطلق عابد پر کئی درجہ بزرگی ثابت ہے۔

دنیا و فیہا کو ذلیل رکھنا آخرت کی عظمت کے مشاہدہ کرنے کا نتیجہ ہے ــــ لِاَنَّ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃَ ضَرَّتَانِ اِنْ رَضِیَتْ اِحْدٰھُمَا سَخِطَتِ الْاُخْرٰی[1] (کیونکہ دنیا اور آخرت دونوں سوکنیں ہیں یعنی دو عورتیں ایک مرد کے نکاح میں ہونے کی مانند ہیں اگر ان میں سے ایک راضی ہوگی تو دوسری ناراض ہو جائیگی) ــــ اگر (کسی شخص کو) دنیا عزیز ہے تو آخرت ذلیل ہے اور اگر دنیا ذلیل ہے تو آخرت عزیز ہے' ان دونوں کا جمع ہونا دو ضدوں کے جمع ہونے کی قسم سے ہے

ع　مَا اَحْسَنَ الدِّیْنَ وَالدُّنْیَا لَوِ اجْتَمَعَا　کیا ہی اچھا ہے کہ ہوں دین اور دنیا جمع

ہاں بعض مشائخ نے جو کہ اپنی خواہش اور ارادے سے پوری طرح نکل چکے ہیں بعض نیک و درست نیتوں کے ساتھ اہل دنیا کی صورت اختیار کی ہے اور بظاہر دنیا میں رغبت کرنے والے معلوم ہوتے ہیں وہ حقیقت میں (دنیا سے) کوئی تعلق نہیں رکھتے اور سب سے فارغ و آزاد ہیں ــــ رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ (سورۂ نور ۲۴ آیت ۳۷) (یہ وہ لوگ ہیں جن کو تجارت اور خرید و فروخت اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل نہیں کرتی) ۔ اور تجارت و بیع ان کو ذکرِ خدا سے نہیں روکتی، اور ان امور کے ساتھ عین تعلق کی حالت میں ان امور سے بالکل بے تعلق ہیں ــــ حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ العزیز نے فرمایا ہے کہ میں نے منیٰ کے بازار میں ایک تاجر کو دیکھا کہ اس نے کم و بیش پچاس ہزار دینار کی خرید و فروخت کی اور اس کا دل ایک لحظہ بھی حق سبحانہٗ و تعالیٰ سے غافل نہیں ہوا ۔

مکتوب ۳۴
سی و چہارم

عالمِ امر کے جواہر خمسہ (پانچ لطائف) کو حتی الامکان شرح و تفصیل کے ساتھ بیان ہیں ۔

یہ بھی ملا حاجی محمد لاہوری کی طرف صادر ہوا ۔

دونوں جہان کی سعادت کا حاصل ہونا سردارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اتباع پر وابستہ ہے وہ فلسفی جس نے اپنی بصیرت کی آنکھ میں صاحبِ شریعت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی متابعت کا سرمہ نہیں لگایا ہے' وہ عالمِ امر کی حقیقت (کو دیکھنے) سے اندھا ہے' چہ جائیکہ اس کو مرتبہ وجوب تعالیٰ و تقدس کا

---

[1] اس قول میں اس حدیث کی طرف اشارہ ہے جس کو امام احمد و بیہقی نے ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: مَا الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃُ اِلَّا ضَرَّتَانِ اِنْ رَضِیَتْ اِحْدٰھُمَا سَخِطَتِ الْاُخْرٰی ۔

شعور ہو، اس کی کوتاہ نظر صرف عالمِ خلق پر لگی ہوئی ہے اور وہاں بھی نامکمل ہے۔ جن پانچ جواہر[1] کو اہلِ فلسفہ نے ثابت کیا ہے وہ سب عالمِ خلق میں ہیں، نفس اور عقل کو جو انھوں نے مجردات (یعنی جو مادہ سے پاک ہوں) سے شمار کیا ہے، یہ ان کی نادانی ہے۔ نفسِ ناطقہ تو یہی نفسِ امارہ (برائی کی طرف بہت امر کرنے والا) ہی ہے جو کہ تزکیہ (رذائل سے پاک کرنے) کا محتاج ہے اور اس کی ہمت ذاتی طور پر کمینگی اور پستی کی طرف ہے اس کو عالمِ امر کے ساتھ کیا نسبت، اور تجرد کے ساتھ کیا مناسبت، اور عقل خود معقولات میں سے سوائے ان امور کے جو محسوسات کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں بلکہ انھوں نے محسوسات کا حکم پیدا کر لیا ہے اور کچھ ادراک نہیں کرتی، لیکن جو امر محسوسات کے ساتھ مناسبت نہیں رکھتا اور حس کی نظیر و مثال مشاہدات میں ظاہر نہیں ہے وہ عقل کے ادراک میں نہیں آتا اور اس کی بندش عقل کی کنجی سے نہیں کھلتی اس لئے اس (عقل) کی نظر بیچونی کے احکام (معلوم کرنے) سے کوتاہ ہے اور غیبِ محض میں گمراہ ہے اور یہ (عقل کے) عالمِ خلق (سے ہونے) کی علامت ہے ــــــ عالمِ امر کا رُخ بیچوتی کی طرف اور اس کی توجہ بیچگونی کی طرف ہے ــــــ عالمِ امر کی ابتدا مرتبۂ قلب[2] ہے اور قلب کے اوپر روح اور روح کے اوپر سِرّ اور سِرّ کے اوپر خفی اور خفی کے اوپر اخفیٰ ہے۔ اگر عالمِ امر کے (ان) پانچ مراتب کو جواہر خمسہ کہیں تو اس کی گنجائش ہے، اور فلسفی نے چند ٹھیکریوں کو جمع کر کے اپنی نظر کی کوتاہی کے باعث ان کو جواہر سمجھ لیا ہے۔

(حاشیہ: عالمِ امر کے جواہر خمسہ)

عالمِ امر کے ان جواہر خمسہ کا حاصل کرنا اور ان کے حقائق پر اطلاع پانا حضرت سیدنا محمد رسول اللہ

---

[1] فلسفیوں کے جواہر خمس سے مراد حالّ[1]، محلّ[2] اور ان دونوں سے مرکب[3]، نفس[4] و عقل[5] ہے یعنی صورت[1] خواہ جسمیہ ہو یا نوعیہ، ہیولیٰ[2]، جسم[3]، نفس[4] اور عقل[5]۔

[2] جاننا چاہئے کہ صوفیائے کرام نے لطائف کے مقامات انسان کے جسم میں متعین فرمائے ہیں ان میں سے بعض کے تعین میں صوفیائے کرام کا اختلاف ہے۔ لطیفۂ قلب[1] کا مقام بائیں پستان سے دو انگشت نیچے مائل بہ پہلو ہے اور اس کا نور سُرخ ہے۔ لطیفۂ روح[2] کا مقام دائیں پستان سے دو انگشت نیچے مائل بہ پہلو ہے اور اس کا نور سفید ہے اور لطیفۂ سِرّ[3] کا مقام بائیں پستان کے برابر دو انگشت کے فاصلہ پر مائل بہ وسط سینہ ہے اور بعض کے نزدیک اس کا مقام سینہ کے درمیان اور اُس کا نور سبز ہے۔ اور لطیفۂ خفی کا مقام دائیں پستان کے برابر دو انگشت کے فاصلہ پر مائل بوسطِ سینہ ہے اور بعض کے نزدیک اس کا مقام ابرو کے اوپر ہے اور اس کا نور نیلگوں ہے۔ اور لطیفۂ اخفیٰ کا مقام عین وسطِ سینہ ہے اور بعض کے نزدیک اس کا مقام ام الدماغ ہے اور اس کا نور سیاہ آنکھ کی سیاہ پتلی کی مانند ہے۔

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے کامل فرمانبرداروں کو حاصل ہے۔ جب عالمِ صغیر یعنی انسان کے اندر عالمِ کبیر کی ہر چیز کا نمونہ ہے تو عالمِ کبیر میں بھی ان جواہرِ خمسہ کے اصول ثابت ہیں۔ انسان کے قلب کی طرح عرشِ مجید عالمِ کبیر کے ان جواہرِ خمسہ کا مبدأ ہے اور اسی مناسبت کی وجہ سے قلب کو بھی اللہ تعالیٰ کا عرش کہتے ہیں اور جواہرِ خمسہ کے باقی مراتب عرش کے اوپر ہیں۔

عالمِ کبیر میں عرش، عالمِ خلق اور عالمِ امر کے درمیان برزخ (واسطہ) ہے جس طرح عالمِ صغیر میں انسان کا قلب عالمِ خلق[1] اور عالمِ امر کے درمیان برزخ ہے، قلب و عرش اگرچہ بظاہر عالمِ خلق میں سے ہیں لیکن (حقیقت میں) یہ عالمِ امر سے ہیں اور بیچونی و بیچگونی (بے کیف ہونے) سے کچھ حصہ رکھتے ہیں۔ ان جواہرِ خمسہ کی حقیقت پر مطلع ہونا اولیاء اللہ میں سے کاملین کے حق میں ثابت ہے جو مراتبِ سلوک کو تفصیل کے ساتھ طے کر کے مرتبۂ نہایت النہایت تک پہنچ گئے ہیں۔ ؎

ہر گدائے مردِ میداں کے شود　　پشۂ آخر سلیماں کے شود

(ترجمہ) نہیں ہوتا بھکاری مردِ میداں　　کہ مچھر بن نہیں سکتا سلیماں

اور اگر محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے کسی صاحبِ دولت کی بصیرت کی آنکھ کو مرتبۂ وجوب کی تفصیل کے لئے بقدرِ امکان کھول دیں تو وہ بھی اس مقام میں ان جواہر کے اصول کا مطالعہ کر لیتا ہے اور عالمِ صغیر و کبیر کے ان جواہر کو اُن حقیقی جواہر کے ظلال کی صورت میں معلوم کر لیتا ہے۔ ع

ایں کارِ دولت ست کنوں تا کرا رسد　(ترجمہ) (یہ ہے عظیم کام، ملے دیکھئے کسے)

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ (یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے)

---

[1] قال اللہ تعالیٰ "اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ" (اعراف) یعنی خبردار عالمِ خلق اور عالمِ امر دونوں حق تعالیٰ ہی کیلئے ہیں۔ تفسیر مظہری میں اس آیۂ مبارکہ کے تحت لکھا ہے "قالت الصوفیۃ المراد بالخلق والامر عالم الخلق یعنی الجسمانیۃ العرش وما تحتہ من السموات والارض وما بینہما واصولہا العناصر الاربعۃ النار والھواء والماء والتراب ویتولد منہا النفوس الحیوانیۃ والنباتیۃ والمعدنیۃ وھی اجسام لطیفۃ ساریۃ فی اجسام کثیفۃ وعالم الامر یعنی المجردات من القلب والروح والسر والخفی والاخفی التی ھی فوق العرش ساریۃ فی النفوس الانسانیۃ والملکیۃ والشیطانیۃ سریان الشمس فی المراءۃ سمیت بعالم الامر لان اللہ تعالیٰ خلقہا بلا مادۃ بامرہ کن قال البغوی قال سفیان بن عیینۃ فرق بین الخلق والامر فمن جمع بینہما فقد کفر۔ (تفسیر مظہری سورۂ اعراف ع ۷)

جب عالمِ امر کے حقائق کا ظاہر نہ کرنا اس کے پوشیدہ معنوں اور دقیق مطالب کی وجہ سے ہے تو پھر ہر کوتاہ نظر شخص اس سے کیا حاصل کر سکتا ہے۔ راسخ العلم حضرات (جن کو علم میں رسوخ حاصل ہے) جو کہ وَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا (بنی اسرائیل آیت ۸۵) (اور تم کو علم (اسرارِ الٰہی) سے تھوڑا سا حصہ دیا گیا ہے) کے شرف سے مشرف ہیں وہ اس کی حقیقت سے آگاہ ہیں۔ ع

هَنِیْئًا لِّاَرْبَابِ النَّعِیْمِ نَعِیْمُهَا (ترجمہ) (مبارک منعموں کو ان کی نعمت)

ے مصلحت نیست کہ از پردہ بروں افتد راز ورنہ در مجلسِ رنداں خبرے نیست کہ نیست

(ترجمہ) مصلحت کا یہ تقاضا ہے عیاں راز نہ ہو ورنہ رندوں سے تو پوشیدہ کوئی راز نہیں

وَالسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَعَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْهِ وَعَلَیْهِمْ مِنَ الصَّلَوَاتِ وَالتَّسْلِیْمَاتِ اَتَمُّهَا وَاَدْوَمُهَا (اور سلام ہو آپ پر اور اس شخص پر جو ہدایت کی پیروی کرے اور حضرت محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کو لازم پکڑے)۔

مراتبِ جواہرِ خمسہ

نیز دل میں آیا کہ جواہر مقدسہ علیا کا تھوڑا سا بیان بھی تحریر کیا جائے ـــــ جاننا چاہئے کہ ان جواہر کی ابتدا صفاتِ اضافیہ[1] سے ہے جو کہ وجوب اور امکان کے درمیان برزخوں (واسطوں) کی مانند ہیں اور ان کے اوپر صفاتِ حقیقیہ[2] ہیں جن کی تجلیات سے روح کو حصہ حاصل ہے اور قلب کو صفاتِ اضافیہ کے ساتھ تعلق ہے اور وہ ان کی تجلیات سے مشرف ہے، اور ان جواہرِ علیا (یعنی جواہر خمسہ مذکورہ) میں سے باقی جواہر جو کہ صفاتِ حقیقیہ سے اوپر ہیں حضرت ذات تعالیٰ وتقدس کے دائرہ میں داخل ہیں اسی لئے ان تین مراتب (یعنی سر، خفی اور اخفی) کی تجلیات کو تجلیاتِ ذاتیہ کہتے ہیں، ان کے متعلق گفتگو کرنا مصلحت کے خلاف ہے۔

ع قلم ایں جا رسید و سر بشکست (ترجمہ) (قلم آیا یہاں تو ٹوٹ گیا)

مکتوب ۳۵
سی و پنجم

محبتِ ذاتی کے مقام کے بیان میں جس میں کہ انعام و ایلام برابر ہوتا ہے۔ یہ بھی میاں حاجی محمد لاہوری کی طرف صادر ہوا۔

---

[1] صفاتِ اضافیہ یعنی پیدا کرنا، رزق دینا، مارنا، زندہ کرنا، رنج والم دینا، انعام کرنا وغیرہ۔
[2] صفاتِ حقیقیہ یعنی ارادہ[1]، قدرت[2]، سمع[3] و بصر[4]، کلام[5]، علم[6]، حیوٰۃ[7] اور تکوین[8]۔

نَجَّانَا اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَاِيَّاكُمْ عَنْ زَيْغِ الْبَصَرِ بِحُرْمَةِ سَيِّدِ الْبَشَرِ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهِ الصَّلَوٰتُ وَالتَّسْلِيْمَاتُ

(اللہ تعالیٰ بطفیل حضرت سید البشر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نظر کی کجی یعنی غیر اللہ کی طرف مائل ہونے سے بچائے) ۔

سیر و سلوک سے مراد

——— سیر و سلوک سے مراد نفسِ امارہ کا تزکیہ اور اس کی تطہیر (پاک کرنا) ہے تاکہ جھوٹے خداؤں کی عبادت سے جو کہ خواہشاتِ نفسانی کے وجود سے پیدا ہوتے ہیں چھٹکارا حاصل ہوجائے اور حقیقت میں ایک واحد و برحق معبود خدائے تعالیٰ وتقدس کے سوا کوئی توجہ کا قبلہ نہ رہے اور اس پر کسی بھی مقصد کو اختیار نہ کرے خواہ وہ دینی مقاصد میں سے ہو یا دنیوی مطالب میں سے ——— دینی مقاصد اگرچہ نیکیوں میں سے ہیں لیکن یہ ابرار کا کام ہے مقربین ان کو برائیاں جانتے ہیں اور سوائے ایک ذاتِ حق کے اور کسی کو اپنا مقصود خیال نہیں کرتے، یہ دولت فنا[1] کے حاصل ہونے اور محبتِ ذاتی کے ثابت ہونے پر منحصر ہے کیونکہ اس مقام میں انعام (نعمت دینا) و ایلام (رنج والم دینا) برابر ہے، عذاب میں بھی وہی لذت ہے جو کہ نعمت دینے میں ہے۔ (یہ حضرات) اگر بہشت کی طلب کرتے ہیں تو اسی لئے کہ وہ حق تعالیٰ وتقدس کی رضا کا مقام ہے اور اس کے طلب کرنے میں حق تعالیٰ شانہٗ کی رضامندی ہے اور دوزخ سے پناہ اس لئے مانگتے ہیں کہ وہ حق تعالیٰ کے غضب کا مقام ہے۔ بہشت کے طلب کرنے سے ان کا مقصد نفس کی لذت طلب کرنا نہیں ہے اور نہ ہی دوزخ سے ان کا پناہ مانگنا رنج و تکلیف کے باعث ہے، کیونکہ جو کچھ محبوب کی طرف سے ہے وہ ان بزرگوں کے نزدیک پسندیدہ اور عین مرضی کے مطابق ہے۔ كُلُّ مَا يَفْعَلُهُ الْمَحْبُوْبُ مَحْبُوْبٌ (محبوب جو کام کرتا ہے وہ بھی محبوب (پسندیدہ) ہی ہوتا ہے) ———

اخلاص کی حقیقت یہاں حاصل ہوتی ہے اور باطل خداؤں (کی عبادت) سے چھٹکارا اسی مقام میں میسر ہوتا ہے اور کلمۂ توحید اسی وقت درست ہوتا ہے وَبِدُوْنِهٖ خَرْطُ الْقَتَادِ[2] (اور اس کے بغیر بے فائدہ رنج و تکلیف اُٹھانا ہے)۔

محبتِ ذاتی جو کہ اسماء و صفات کے ملاحظہ اور محبوب کے انعام و اکرام کے وسیلہ کے بغیر ہو مقصود کا حاصل ہونا بہت مشکل ہے اور شرکت کو جلا دینے والی اس محبت کے بغیر فنائے مطلق حاصل نہیں ہوتی۔ مثنوی

---

[1] فنا سے مراد مشاہدۂ ذاتِ حق تعالیٰ کے غلبہ کی وجہ سے ماسوائے حق تعالیٰ کا نسیان ہے (معارف)

[2] یعنی فنائے مطلق حاصل ہونے اور محبت ذاتی ثابت ہونے کے بغیر بے فائدہ رنج و تکلیف اٹھانا ہے۔

مثنوی

عشق آں شعلہ است کو چوں بر فروخت | ہر چہ جز معشوق باقی جملہ سوخت
تیغِ لا در قتلِ غیرِ حق براند | در نگر زاں پس کہ بعدِ لا چہ ماند
ماند اِلَّا اللّٰہ باقی جملہ رفت | شاد باش اے عشقِ شرکت سوز زفت

(ترجمہ)

جبکہ روشن عشق کا شعلہ ہوا | ماسوا معشوق کے سب جل گیا
غیرِ حق کو تیغِ لا سے قتل کر | بعد ازاں کر اس کے باقی پر نظر
رہ گیا اللّٰہ باقی سب فنا | عشق شرکت سوز تجھ کو مرحبا

مکتوب ۳۶

اس بیان میں کہ شریعتِ مقدسہ دنیا اور آخرت کی تمام سعادتوں کی ضامن ہے اور کوئی مقصد ایسا نہیں ہے جس کے حاصل کرنے میں شریعت کے ماسوا کسی اور چیز کی ضرورت پڑے اور طریقت و حقیقت دونوں شریعت کے خادم ہیں اور اس کے مناسب امور کے بیان میں، یہ بھی ملا حاجی محمد لاہوری کی طرف صادر ہوا۔

حَقَّقَنَا اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَاِیَّاکُمْ بِحَقِیْقَۃِ الشَّرِیْعَۃِ الْمُصْطَفَوِیَّۃِ عَلٰی صَاحِبِھَا الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ وَالتَّحِیَّۃُ وَیَرْحَمُ اللّٰہُ عَبْدًا قَالَ اٰمِیْنًا (حق تعالیٰ سبحانہ ہم کو اور آپ کو حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم وتحیۃ کی شریعت کی حقیقت سے آگاہ فرمائے اور اللہ تعالیٰ اس بندے پر رحم کرے جس نے اس دعا پر آمین کہی)۔

شریعت کے تین جزو ہیں: علم[1]، عمل[2] اور اخلاص[3]، جب تک یہ تینوں جزو ثابت نہ ہو جائیں اسوقت تک (حقیقت میں) شریعت ثابت نہیں ہوتی، اور جب (حقیقت میں) شریعت ثابت ہو گئی تو حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی رضامندی حاصل ہو گئی جو کہ دنیا اور آخرت کی تمام سعادتوں سے اوپر (افضل) ہے وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰہِ اَکْبَرُ (توبہ آیت ۷۲) (اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی سب نعمتوں سے بڑھ کر ہے)۔

پس شریعت تمام دنیوی واخروی سعادتوں کی ضامن ہوئی، کوئی بھی مقصد نہیں جس کے حاصل کرنے میں شریعت کے ماسوا کسی اور چیز کی ضرورت پیش آئے طریقت اور حقیقت[ل] کہ جس کے ساتھ

ل جاننا چاہیے کہ حقیقت سے مراد شریعت کی حقیقت ہے پس حقیقت شریعت سے جدا کوئی امر نہیں ہے، اور طریقت سے مراد شریعت کی حقیقت تک پہنچنے کا طریقہ، شریعت کی حقیقت حاصل ہونے سے پہلے شریعت کی صرف صورت حاصل ہوتی ہے اور حقیقتِ شریعت کا حصول مقامِ اطمینان حاصل ہونے اور درجۂ ولایت تک پہنچنے کے بعد ہے۔ (معارف لدنیہ معرفت ۲۵)

صوفیائے کرام ممتاز ہیں ـــــ شریعت کے تیسرے جزو یعنی اخلاص کے تکمیل میں شریعت کے خادم ہیں پس ان دونوں کے حاصل کرنے سے مقصود شریعت کا کامل کرنا ہے نہ کہ شریعت کے سوا کوئی اور امر ہے۔

احوال و مواجید (وجد و حال)، علوم و معارف جو کہ صوفیائے کرام کو راہِ سلوک طے کرنے کے دوران حاصل ہوتے ہیں (اصلی) مقاصد میں سے نہیں ہیں بلکہ وہم و خیالات ہیں جن سے طریقت کے طلباء کی تربیت کی جاتی ہے، ان سب سے گذر کر مقامِ رضا تک پہنچنا چاہیئے جو کہ جذبہ و سلوک کے مقامات میں آخری مقام ہے کیونکہ طریقت و حقیقت کی منزلوں کے طے کرنے سے اس کے سوا اور کچھ مقصود نہیں ہے کہ اخلاص حاصل ہو جائے جو کہ حق تعالیٰ کی رضا (خوشنودی) حاصل ہونے کے لئے لازمی ہے ـــــ تینوں قسم کی تجلیات (یعنی تجلیاتِ افعالیہ، صفاتیہ اور ذاتیہ) اور عارفانہ مشاہدات سے گذار کر ہزاروں سالکوں میں سے کسی ایک کو اخلاص اور مقامِ رضا کی دولت نصیب فرماتے ہیں، کم سمجھ لوگ احوال و مواجید (حال و وجد) کو اصلی مقاصد میں سے شمار کرتے ہیں اور مشاہدات و تجلیات کو اصل مطلب خیال کرتے ہیں اس لئے وہ وہم و خیال کی بندش میں پھنسے رہتے ہیں اور شریعت کے کمالات سے محروم رہتے ہیں۔ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ ؕ اَللّٰهُ يَجْتَبِيْۤ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْۤ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ ؁ (شوری ۴۲ آیت ۱۳) (یعنی مشرکین کو یہ بات جس کی طرف ان کو بلایا جاتا ہے بڑی بھاری اور مشکل معلوم ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اپنی طرف جذب کر لیتا ہے اور اسی کو اپنی طرف ہدایت دیتا ہے جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے)۔

ہاں اخلاص کے مقام کا حاصل ہونا اور رضا کے مرتبہ تک پہنچنا ان احوال و مواجید کے طے کرنے پر موقوف اور ان علوم و معارف کے ساتھ وابستہ ہے، پس یہ سب امور مطلوب حاصل کرنے کے وسائل اور مقصود تک پہنچنے کے ابتدائی اسباب ہیں۔ اور اس فقیر (حضرت مجدد علیہ الرحمہ) پر اس مطلب کی حقیقت اللہ تعالیٰ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل اس راہِ سلوک میں پورے دس سال گذرنے کے بعد واضح طور پر ظاہر ہوئی اور "شاہدِ شریعت" (شریعت کا معشوق) کما حقہٗ جلوہ گر ہوا۔ اگرچہ شروع ہی سے احوال و مواجید میں گرفتار نہیں تھا اور شریعت کی حقیقت کے ساتھ متحقق ہونے کے سوا اور کوئی مطلب پیش نظر نہیں تھا لیکن پورے دس سال گذرنے کے بعد معاملہ کی اصل حقیقت جیسی کہ چاہیئے تھی ظاہر ہوئی۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى ذٰلِكَ حَمْدًا كَثِيْرًا طَيِّبًا مُّبَارَكًا فِيْهِ

مُبَارَکًا عَلَیْہِ[1] (اس پر اللہ تعالیٰ کا بے حد حمد و شکر ہے، ایسا حمد و شکر جو کہ اغراض فاسد ریا و سمعہ سے پاک اور اس کی ذات و صفات کے اعتبار سے مبارک ہے) —— مغفرت پناہ میاں شیخ جمال کے فوت ہونے سے تمام مسلمانوں کے لئے رنج و غم اور پریشانی لاحق ہے، ان کے مخدوم زادوں کو اس فقیر کی جانب سے تعزیت کرنے کے بعد فاتحہ پڑھیں۔ والسلام۔

مکتوب ۳۷
سی و ہفتم

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشن سنت کی پیروی پر آمادہ کرنے اور نسبت نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے حاصل کرنے کی ترغیب دینے کے بارے میں شیخ محمد خیری[2] کی طرف صادر فرمایا۔

خیری

پاکیزہ مکتوب گرامی جو کہ آپ نے مہربانی فرما کر صادر فرمایا تھا اس کے مطالعہ سے بہت مسرت و خوشی ہوئی، آپ نے اس طریقۂ عالیہ نقشبندیہ پر اپنی استقامت اور ثابت قدمی کے بارے میں تحریر فرمایا تھا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ سُبْحَانَہٗ عَلٰی ذٰلِکَ (اس بات پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا بیحد شکر ہے) حق سبحانہٗ وتعالیٰ اس طریقۂ عالیہ کے بزرگوں کی برکت سے آپ کو بے انتہا ترقیاں عنایت فرمائے۔ ان بزرگوں کا طریقہ سرخ گندھک[3] (یعنی اکسیر) ہے اور سنت نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی تابعداری پر منحصر ہے۔

یہ فقیر اپنے موجودہ حال کی نسبت لکھتا ہے کہ بہت عرصے تک علوم و معارف اور احوال و مواجید ماہِ نیساں کے بادل کی طرح بکثرت ولگاتار وارد ہوتے رہے اور جو کام کہ کرنا چاہیے تھا حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی عنایت سے ہو گیا —— اور اب اس کے سوا اور کوئی آرزو باقی نہیں رہی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں میں سے کوئی سنت زندہ کی جائے اور احوال و مواجید اہلِ ذوق کے سپرد رہیں۔

احیاءِ سنت کا شوق

---

[1] حاکم نے اپنی کتاب مستدرک میں روایت کیا ہے ما انعم اللہ علی عبد من نعمۃ فقال الحمد للہ الا وقد ادّی شکرہا فان قالہا الثانیۃ جدد اللہ لہ ثوابہا فان قالہا الثالثۃ غفر اللہ لہ ذنوبہ انتہی۔

[2] مکتوبات شریفہ میں آپ کے نام مندرجہ ذیل پانچ مکتوب ہیں، دفتر اول مکتوب نمبر ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۲۹۳۔ آپ حضرت مجددؒ کے خلفا میں سے تھے۔ اور اپنے وقت کے مشہور بزرگوں میں سے تھے (روضۃ القیومیہ رکن اول ص ۳۳۹)

[3] کیمیاگروں کے نزدیک سرخ گندھک تانبے وغیرہ کو سونا بنانے والی اکسیر کا جزو اعظم ہے اور سرخ گندھک نہایت کمیاب ہے۔

آپ کو چاہئے کہ (اپنے) باطن کو (اپنے سلسلہ کے) خواجگان قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کی نسبت سے معمور رکھتے ہوئے (اپنے) ظاہر کو ظاہری سنتوں کی پیروی سے پوری طرح آراستہ و مزین بنائیں۔

ع کار این ست غیر ایں ہمہ ہیچ (ترجمہ: کام ہے اصلی یہی باقی تو سب کچھ ہیچ ہے)

پانچوں وقت کی نماز کو اول[1] وقت میں ادا کیا کریں، سوائے سردیوں میں عشا کی نماز کے کہ تہائی رات تک اس میں تاخیر کرنا مستحب[2] ہے، اس امر میں فقیر بے اختیار ہے نہیں چاہتا کہ نماز کے ادا کرنے میں بال برابر (ذرا سی) بھی تاخیر ہو اور کسی بشری تقاضے سے عاجز ہونا اس سے مستثنیٰ ہے۔

مکتوب ۳۸
سی و ہشتم

ذاتِ بحت (خالص ذات) تعالیٰ و تقدس کے ساتھ جو اسماء و صفات اور شیون و اعتبارات سے منزّہ و پاک ہے تعلق قائم کرنے کے بارے میں اور ناقص لوگوں کی مذمت میں جو چون کو بیچون تصور کر کے اس کے ساتھ پھنسے ہوئے ہیں اور اہلِ فنا کے مرتبوں کے مختلف ہونے کے بارے میں کیونکہ اسی تفاوت پر علوم و معارف مرتب ہوتے ہیں اور اسی قسم کے دوسرے امور کے بیان میں، یہ بھی شیخ محمد چتری کی طرف صادر فرمایا۔ خیبری نسخہ

آپ کا مکتوب شریف موصول ہو کر باعثِ مسرت ہوا، حق سبحانہٗ و تعالیٰ آپ کو ہمیشہ اپنے ساتھ رکھے اور ایک لمحہ کے لئے بھی اپنے غیر کے حوالہ نہ کرے۔ جو کچھ حق تعالیٰ شانہٗ کی ذاتِ محض کے سوا ہے اس کو غیر حق سے تعبیر کیا جاتا ہے اگرچہ وہ حق تعالیٰ کے اسماء و صفات ہی ہوں، اور یہ جو متکلمین نے صفاتِ حق جل شانہٗ کو لَا ھُوَ وَلَا غَیْرُہٗ کہا ہے اس کے کچھ اور معنی ہیں، اور غیر سے ان کی مراد اصطلاحی غیر[3] ہے اور انھوں نے انہی (اصطلاحی معنی) کی نفی کی ہے، مطلق طور پر نفی نہیں کی، اور کسی خاص لحاظ سے

---

[1] لما رواہ الترمذی عن ام فروۃ قالت سئل النبی صلی اللہ علیہ وسلم ای الاعمال افضل قال الصلوٰۃ لاول وقتہا وعن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الوقت الاول عن الصلوٰۃ رضوان اللہ والوقت الآخر عفو اللہ ——— [2] لما رواہ الترمذی واحمد وابن ماجۃ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لولا ان اشق علی امتی لامرتہم ان یؤخروا العشاء الی ثلث اللیل او نصفہ (ھذا شک من الراوی) ——— [3] غیر یعنی جو نہ ذات کا عین ہو اور نہ ذات سے قائم ہو۔ اور لا ھو، عینیت واتحاد کی نفی کے معنی میں ہے۔ پس ان کے قول لا ھو ولا غیرہ کے معنی یہ ہیں کہ صفاتِ باری تعالیٰ ذات پر زائد ہیں اور ذات کے ساتھ قائم ہیں۔

نفی کرنے سے عام طور پر نفی کرنا لازم نہیں آتا، اور حق تعالیٰ کی ذاتِ بحت (محض) سے سلب[1] یعنی نفی کرنے کے سوا اور کچھ تعبیر نہیں کر سکتے۔ اس مرتبہ میں جو کچھ اثبات ہے وہ الحاد ہے اور تمام تعبیروں سے بہتر تعبیر اور سب عبارتوں سے جامع عبارت لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ (شوریٰ آیت ۱۱) ہے جس کا فارسی ترجمہ بیچون و بےچگون ہے، (یعنی وہ بے مثل و بے مثال ہے) اور علم و شہود اور معرفت کو اس سبحانہٗ و تعالیٰ کی طرف کوئی راہ[2] نہیں ہے جو کچھ دیکھتے، جانتے اور پہچانتے ہیں، یہ سب اس (حق تعالیٰ شانہٗ) کا غیر ہے، اس کے ساتھ گرفتار ہونا، تعلق تام کرنا اس کے غیر کے ساتھ گرفتار ہونا ہے، پس ان سب کی نفی کرنا لازمی ہے اور ان سب کو کلمۂ لَآ اِلٰہَ کے نیچے لاکر کلمۂ اِلَّا اللّٰہُ کے ساتھ اس ذات بیچون و بیچگون کا اثبات کرنا چاہئے، اور یہ اثبات شروع میں تقلید کے طور پر ہوتا ہے اور آخر میں تحقیق کے طور پر۔

بعض سالکوں نے جو مقصد کی انتہا تک نہیں پہنچے ہیں چون کو بیچون خیال کر لیا ہے اور اس کو شہود و معرفت سمجھ لیا ہے، تقلید والے لوگ ان (ناقص سالکین) سے کئی درجے بہتر ہیں کیونکہ ان کی تقلید نبوت علی صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیمات کی قندیل سے حاصل کی گئی ہے کہ جس میں سہو و خطا کو دخل نہیں ہے اور ان ناقص سالکین جماعت کا مقتدا (یعنی جس کی وہ تقلید کرتے ہیں) وہ غیر صحیح (یعنی غلط) کشف ہے۔ ع

بہ بیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بکجا (ترجمہ: دیکھو ایک راستہ کا دوسرے راستہ سے کسقدر فرق ہے)۔

اور درحقیقت وہ جماعت ذات کی منکر ہے کیونکہ وہ اگرچہ مشاہدۂ ذات کا اثبات کرتے ہیں لیکن یہ نہیں جانتے کہ یہ ثابت کرنا ہی عین انکار[3] ہے۔ مسلمانوں کے امام، امام اعظم کوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے: سُبْحَانَکَ مَا عَبَدْنَاکَ حَقَّ عِبَادَتِکَ وَلٰکِنْ عَرَفْنَاکَ حَقَّ مَعْرِفَتِکَ (یعنی اے اللہ تو پاک ہے، ہم نے کماحقہٗ تیری عبادت نہیں کی ہے لیکن ہم نے جیسا کہ تیرے پہچاننے کا حق ہے تجھ کو پہچان لیا ہے)۔ عبادت کا حق ادا نہ ہونا خود ہی ظاہر ہے لیکن معرفت کے حق کا حاصل ہونا اس بنا پر ہے کہ اس ذات تعالیٰ و تقدس میں معرفت کی انتہا اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ اس کو بیچون و بےچگون ہونے

---

[1] سلب بمعنی نفی کرنا یعنی اس کا جسم نہیں ہے نہ وہ جوہر ہے نہ عرض اور نہ وہ متصل ہے نہ منفصل اور نہ خارج ہے نہ داخل وغیرہ۔

[2] اسی معنی میں بعض اکابر نے فرمایا ہے سبحان من لم یجعل للخلق الیہ سبیلا الا بالعجز عن معرفتہ۔ اور لَا یَعْرِفُ اللّٰہَ اِلَّا اللّٰہُ

[3] کیونکہ انھوں نے چون کو حقیقت کے برخلاف بیچون تصور کر لیا ہے اور مطلبِ حقیقی چون و چگون ہونے سے پاک ہے۔

کے ساتھ پہچان لیں ـــــ کوئی سادہ دل (بیوقوف) آدمی یہ گمان نہ کرے کہ اس معرفت میں تو عام و خاص، بتدی و منتہی سب برابر ہیں (تو پھر عوام و خواص میں کیا فرق ہے) ہم (اس کے جواب میں) کہتے ہیں کہ اس (سادہ دل) نے علم اور معرفت میں امتیاز نہیں کیا ہے۔ بتدی کو (اس امر کا) علم ہے اور منتہی کو اس کی معرفت حاصل ہے، معرفت فنا کے بغیر حاصل نہیں ہوتی اور یہ دولت فانی فی اللہ کے سوا کسی کو حاصل نہیں ہوتی۔ مولانا روم فرماتے ہیں ؎

ہیچکس را تا نگردد او فنا ۔۔۔ نیست رہ در بارگاہِ کبریا

(ترجمہ) (جب تک انساں کو نہ حاصل ہو فنا ۔۔۔ پائے کیونکر بارگاہِ کبریا)

پس جب معرفت علم کے علاوہ ہوتی تو جاننا چاہئے کہ عقلِ مشہور کے سوا ایک اور امر ہے جس کو معرفت سے تعبیر کرتے ہیں اور اس کو ادراک بسیط بھی کہتے ہیں۔ شعر

فریادِ حافظ اینہمہ آخر بہرزہ نیست ۔۔۔ ہم قصۂ غریب وحدیثِ عجیب ہست

(ترجمہ) (حافظ جو کہہ رہا ہے وہ بیکار تو نہیں ۔۔۔ یہ بات بس غریب بھی ہے اور عجیب بھی)

مثنوی: اتصالے بے تکیف بے قیاس ۔۔۔ ہست رب الناس باجانِ ناس

لیک گفتم ناس را نسناس نہ ۔۔۔ ناس غیر از جانِ جاں آشناس نہ

(ترجمہ) (حق سے انساں کا عجب ہے اتصال ۔۔۔ عقل و کیفیت میں کیونکر آئے گا؟

یہ ہے بات انسان کی، حیواں کی نہیں ۔۔۔ جانِ جاں کا بس ہے انساں آشنا

اور جبکہ فنا میں بھی مرتبے مختلف ہیں اس لئے بالضرور منتہیوں کو بھی حق تعالیٰ کی معرفت میں ایک دوسرے پر فضیلت ہوگی، جس شخص کی فنا کامل ترین ہوگی اس کی معرفت بھی کامل ترین ہوگی اور جس کی فنا کم درجے کی ہوگی اس کی معرفت بھی کم درجہ کی ہوگی۔ علیٰ ہذا القیاس۔

سبحان اللہ! بات کہاں پہنچ گئی۔ چاہئے تو یہ تھا کہ میں اپنی بے حاصلی و نامرادی، بے استقامتی اور بے ثباتی کی نسبت کچھ لکھتا اور دوستوں سے مدد طلب کرتا۔ مجھے اس قسم کی باتوں سے کیا مناسبت ؎

آگہ از خویشتن چو نیست جنین ۔۔۔ چہ خبر دارد از چناں وچنیں

(ترجمہ: جبکہ واقف نہیں ہے خود سے جنین ۔۔۔ پھر وہ کیا جانے ہے چناں وچنیں)

لیکن بلند پایہ ہمت اور ذاتی خصلت اجازت نہیں دیتی کہ انسان کمینے مرتبوں اور ادنیٰ سرمایوں کی طرف

اُتر آئے یا ان کی طرف توجہ کرے، اگر کہتا ہے تو اسی (حق تعالیٰ) کے بارے میں کہتا ہے اگرچہ کچھ نہیں کہتا ہے اور اگر تلاش کرے تو اسی کو تلاش کرے اگرچہ کچھ بھی نہیں پاتا ہے، اگر کچھ حاصل رکھتا ہے تو اسی کو رکھتا ہے اگرچہ کچھ بھی نہیں رکھتا ہے، اور اگر واصل ہے تو اسی کے ساتھ واصل ہے اگرچہ (یہ واصل ہونا) بیحاصلی ہے۔

بعض بزرگانِ طریقت قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم العلیۃ (اللہ تعالیٰ ان کے بلند رازوں کو پاکیزہ بنائے) کی عبارتوں میں جو شہودِ ذاتی واقع ہوا ہے اس کے معنی کاملین کے سوا کسی دوسرے پر ظاہر نہیں ہیں ناقصوں کے لئے ان کے معنی کا سمجھنا ناممکن ہے ؎

درنیابد حال پختہ ہیچ خام — پس سخن کوتاہ باید والسلام

(ترجمہ: حالِ کامل جب نہ جانے کوئی خام — پھر تو خاموشی ہے بہتر۔ والسلام)

آپ نے اپنے مکتوب کے عنوان کو کلمۂ ھُوَ الظَّاہِرُ ھُوَ الْبَاطِنُ سے مزیّن فرمایا تھا۔

میرے مخدوم! ہو الظاہر ہو الباطن درست ہے لیکن کچھ عرصہ گذرا ہے کہ فقیر اس عبارت سے توحیدِ (وجودی) کے معنی نہیں سمجھتا، اور اس کے معنی سمجھنے میں علماء کے موافق ہے اور ان (علماء) کی درستی توحیدِ (وجودی) والوں کی درستی سے بڑھ کر معلوم ہوئی، کُلٌّ مُیَسَّرٌ لِّمَا خُلِقَ لَہٗ[1] (ہر ایک کے لئے وہی چیز آسان ہوتی ہے جس کے لئے وہ پیدا کیا گیا ہے۔ مصرعہ

ہر کسے را بہر کارے ساختند — (ترجمہ: ہر کسی کے واسطے اک کام ہے)

جو کچھ انسان پر لازمی ہے اور جس کے ساتھ وہ مکلّف ہے وہ اوامر کا بجالانا اور نواہی سے بچنا ہے (جیسا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے) مَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا وَاتَّقُوا اللّٰہَ (سورۂ حشر آیت ۵۹) (ترجمہ: جو کچھ تمہیں رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) دیں اس کو لے لو اور جس سے تم کو منع کریں اس سے رک جاؤ، اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو) —— اور چونکہ انسان کو اخلاص کا حکم دیا گیا ہے اور یہ (اخلاص) فنا کے بغیر حاصل نہیں ہوتا اور محبتِ ذاتیہ کے بغیر میسّر نہیں ہوتا اس لئے بالضرور فنا کے مقدمات یعنی مقاماتِ عشرہ[2]

اخلاص کا حکم

---

[1] یہ ایک طویل حدیث کا ٹکڑا ہے جس کو بخاری و مسلم میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کیا گیا ہے۔

[2] مقاماتِ عشرہ یعنی راہِ سلوک کے دس مقام ہیں جن میں سے پہلا مقام توبہ اور آخری مقام رضا ہے اور درمیان کے مقامات: زہد، توکل، صبر، قناعت، شکر، خوف، رجا، فقر ہیں۔ تفصیل کے لئے احیاء الدین، عوارف المعارف اور قوت القلوب وغیرہ ملاحظہ فرمائیں۔ جاننا چاہیے کہ مراتبِ کمال میں مقامِ رضا سے اوپر اور کوئی مقام متصور نہیں ہے اور مقامِ رضا کی حقیقت کما حقہٗ آخرت میں ظاہر ہوگی۔

(دس مقامات) کو حاصل کرنا چاہیے، اگرچہ فنا محض اللہ تعالیٰ کی بخشش (سے حاصل ہوتی) ہے لیکن اس کے مقدمات اور مبادی (ابتدائی امور) کسب سے تعلق رکھتے ہیں۔ اگرچہ بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو ان مقدمات (ابتدائی امور) کا کسب کئے بغیر اور اپنی حقیقت کو ریاضتوں اور مجاہدوں کے ذریعہ پاک صاف کئے بغیر حقیقتِ فنا سے مشرف کر دیئے جاتے ہیں۔ اور اس وقت اس کا حال دو صورتوں سے خالی نہیں ہے یا تو اس کو مقامِ نہایت النہایات میں روک لیتے ہیں یا اس کو ناقص لوگوں کی تکمیل کے لئے عالم (دنیا) کی طرف لوٹا دیتے ہیں۔ پہلی صورت میں اس کی سیر مذکورہ بالا (دس) مقامات میں واقع نہیں ہوتی اور وہ تجلیاتِ اسمائی و صفاتی کی تفصیلات سے بے خبر رہتا ہے اور دوسری صورت میں جب اس کو عالم کی طرف لوٹاتے ہیں تو (رجوع کے وقت) اس کی سیر مقامات کی تفصیل پر واقع ہوتی ہے اور ان تجلیات سے جن کی انتہا نہیں ہے اس کو مشرف کرتے ہیں وہ (ظاہر میں) مجاہدہ کی صورت رکھتا ہے لیکن حقیقت میں کمال درجے کے ذوق و لذت میں ہے، بظاہر ریاضت میں ہے لیکن باطن میں نعمت و لذت میں ہے۔ مصرعہ

این کارِ دولت است کنون تا کرا دہند (ترجمہ: یہ ہے عظیم کام، طے دیکھئے کسے)

اگر یہ کہا جائے کہ جب اخلاص ان احکامات میں سے ہے جن کا بجا لانا واجب ہے[1] اور اس کی حقیقت فنا کے بغیر حاصل نہیں ہوتی تو نیک و ابرارِ عالم اور اچھے صالحین حضرات جو فنا کی حقیقت سے مشرف نہیں ہوئے ہیں وہ اخلاص کے ترک کرنے کی وجہ سے گنہگار ہوں گے۔ تو ہم (اس کے جواب میں) کہیں گے کہ نفسِ اخلاص ان کو حاصل ہے اگرچہ اخلاص کے بعض افراد کے ضمن میں ہو اور فنا حاصل ہونے کے بعد کمالِ اخلاص حاصل ہو جاتا ہے اور اس کے تمام افراد کو شامل ہوتا ہے اور اسی لئے (مشائخ قدس سرہم کے کلام میں) کہا گیا ہے کہ اخلاص کی حقیقت فنا کے بغیر حاصل نہیں ہوتی اور (ان حضرات نے) یہ نہیں کہا کہ نفسِ اخلاص فنا کے بغیر حاصل نہیں ہوتا۔

مکتوب ۳۹
سی و نہم

اس بیان میں کہ کام کا مدار و مدار دل پر ہے محض ظاہری اعمال اور رسمی عبادتوں سے کوئی مقصد

---

[1] قال اللہ تعالیٰ اَلَا لِلّٰہِ الدِّیْنُ الْخَالِصُ ایضاً قولہ تعالیٰ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِیَعْبُدُوا اللّٰہَ مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ

حاصل نہیں ہوتا، اور اسی قسم کے دیگر امور کے بارے میں، یہ بھی شیخ محمد چتری کی طرف ارسال فرمایا۔

حق سبحانہٗ وتعالیٰ حضرت سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل (جو کجی چشم سے پاک ہیں) اپنے غیر سے ہٹا کر اپنی پاک جناب کی طرف توجہ نصیب فرمائے۔

کام کا دار ومدار دل پر ہے، اگر دل حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے غیر کے ساتھ پھنسا ہوا ہے تو خراب و رابتر ہے محض ظاہری اعمال اور رسمی عبادتوں سے کوئی کام نہیں بنتا، اللہ تعالیٰ کے غیر کی طرف التفات کرنے سے دل کو بچانا اور اعمالِ صالحہ جو بدن سے تعلق رکھتے ہیں اور شریعت نے ان کے بجالانے کا حکم دیا ہے یہ دونوں[1] امور ضروری ہیں، بدنی اعمالِ صالحہ کے بجالانے کے بغیر دل کی سلامتی کا دعویٰ کرنا باطل ہے جس طرح اس دنیا میں بغیر بدن کے روح کا ہونا متصور نہیں ہے اسی طرح بدنی نیک اعمال کے بغیر دل کے احوال کا حاصل ہونا محال ہے۔ بہت سے ملحد (بے دین وگمراہ لوگ) اس زمانے میں اس قسم کے دعوے[2] کرتے ہیں۔ نَجَّانَا اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ عَنْ مُعْتَقَدَاتِھِمُ السُّوْءِ بِصَدَقَۃِ حَبِیْبِہٖ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ وَالتَّحِیَّۃُ (اللہ تعالیٰ اپنے حبیب علیہ الصلوۃ والسلام والتحیۃ کے صدقہ میں ہم کو ان کے ان برے اعتقادات سے نجات بخشے)۔

مکتوب ۴۰ چہلم

مقام اخلاص حاصل کرنے کے بیان میں جو کہ شریعت کے تین اجزا میں سے ایک جزو ہے اور اس جزو کے کامل کرنے میں طریقت اور حقیقت دونوں شریعت کے خادم ہیں اور اس کے مثل دوسرے امور کے بیان میں، یہ بھی شیخ محمد چتری کی طرف صادر فرمایا۔

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی نَبِیِّہٖ وَنُسَلِّمُ (ہم اللہ تعالیٰ کی حمد کرتے ہیں اور اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ و سلام بھیجتے ہیں)۔ اے میرے مخدوم! سلوک کی منزلیں اور جذبہ کے مقامات طے کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ اس سیر و سلوک سے مقصود مقام اخلاص کا حاصل کرنا ہے جو آفاقی و انفسی (بیرونی و اندرونی) معبودوں کی فنا پر موقوف ہے اور یہ اخلاص

[1] قال اللہ تعالیٰ یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ اِلَّا مَنْ اَتَی اللّٰہَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ۔ وایضاً قال تعالیٰ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کَانَتْ لَھُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا خٰلِدِیْنَ فِیْھَا لَا یَبْغُوْنَ عَنْھَا حِوَلًا۔

[2] (یعنی وہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم کو نیک اعمال کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے ہمارے لئے قلبی احوال کافی ہیں (اعاذنا اللہ من ہذہ الخرافات)

شریعت کے اجزاء میں سے ایک جزو ہے کیونکہ شریعت کے تین جزو ہیں: علم، عمل اور اخلاص۔ پس طریقت اور حقیقت دونوں شریعت کے جزو اخلاص کو کامل کرنے میں شریعت کے خادم ہیں، اصلی مقصد تو یہی ہے، مگر ہر شخص کی سمجھ یہاں تک نہیں پہنچتی، اکثر اہلِ دنیا خواب وخیال کے ساتھ مطمئن ہو گئے ہیں اور انھوں نے اخروٹ اور منقی (یعنی معمولی چیزوں) کو کافی سمجھ لیا ہے، وہ شریعت کے کمالات کو کیا جانیں اور طریقت وحقیقت کی اصلیت تک کیسے پہنچ سکتے ہیں، یہ لوگ شریعت کو پوست خیال کرتے ہیں اور حقیقت کو مغز (گودا) جانتے ہیں اور نہیں جانتے کہ معاملہ کی حقیقت کیا ہے، وہ صوفیوں کی (حالتِ سکر میں کہی ہوئی) باطل باتوں پر دھوکا کھائے ہوئے ہیں اور احوال ومقامات پر فریفتہ ہیں۔ ھَدَاھُمُ اللہُ سُبْحَانَہٗ سَوَاءَ الطَّرِیْقِ وَالسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللہِ الصَّالِحِیْنَ۔

حاشیہ: طریقت اور حقیقت دونوں شریعت کے خادم ہیں۔

مکتوب ۴۱

چہل ویکم

بلند مرتبہ وروشن سنتِ مصطفویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کی پیروی کرنے کی ترغیب میں اور اس بیان میں کہ طریقت وحقیقت دونوں شریعت کو کامل کرنے والی ہیں۔ اور علومِ شرعیہ وعلوم صوفیہ کے درمیان جو کہ صدیقیت کے مقام میں جو ولایت کے مرتبوں میں سب سے اعلیٰ مرتبہ ہے فائض ہوتے ہیں ہرگز کوئی مخالفت نہیں ہے اور اس کے مناسب بیان میں شیخ درویش[ع] کی طرف صادر فرمایا۔

حق سبحانہٗ وتعالیٰ اپنے نبیؐ اور آپ کی بزرگ اولاد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل (ہمارے) ظاہر وباطن کو حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بلند وروشن سنت کی پیروی سے زینت وآراستہ فرمائے۔ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تمام جہانوں کے پروردگار (حق تعالیٰ) کے محبوب[له] ہیں،

له عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الا وانا حبیب اللہ ولا فخر۔ (رواہ الترمذی والدارمی) یعنی "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کا حبیب (محبوب) ہوں اور میں بغیر فخر کے کہتا ہوں"۔ جاننا چاہئے کہ اگرچہ تمام انبیاء ورسل بلکہ تمام مومنین اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کے محبوب ہیں جیسا کہ حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے یُحِبُّھُمْ وَیُحِبُّوْنَہٗ لیکن یہاں محبوبیت کے کمال کے اعلیٰ مرتبہ کا ذکر ہے۔

ع مکتوبات شریفہ میں شیخ درویش کے نام حسب ذیل تین مکتوبات ہیں: دفتر اول مکتوب ۴۱، ۴۲ اور ۹۷۔ آپ امرائے سلطنت میں سے معلوم ہوتے ہیں کیونکہ تینوں مکتوبات میں نصائح کے علاوہ کسی شکی کے لئے امداد وسفارش کا ذکر ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل

جو چیز عمدہ اور پسندیدہ ہے وہ مطلوب و محبوب کے لئے ہے، اسی لئے حق سبحانہٗ و تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ (القلم ۶۸ آیت ۴) (ترجمہ: بیشک (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) آپ البتہ بڑے اخلاق والے ہیں) اور نیز حق سبحانہٗ و تعالیٰ فرماتا ہے: اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (یٰس ۳۶ آیت ۳) (ترجمہ: بیشک آپ رسولوں میں سے ہیں اور سیدھے راستہ پر ہیں) اور حق سبحانہ و تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے: وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ (الانعام ۶ آیت ۱۵۳) (ترجمہ: بیشک یہ میرا راستہ سیدھا ہے پس تم اس پر چلو اور دوسرے راستوں پر نہ چلو) ـــ حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے (اس تیسری آیتِ کریمہ میں) آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ملّت کو صراطِ مستقیم فرمایا ہے اور اس کے علاوہ دوسرے طریقوں کو (محض) راستوں میں داخل فرمایا اور ان کی پیروی کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اور آنسرور عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی حق سبحانہٗ و تعالیٰ کا شکر ظاہر کرنے، مخلوق کو خبردار کرنے اور ان کو ہدایت کرنے کے طور پر فرمایا ہے خَيْرُ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ[1] (سب ہدایتوں سے بہتر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت ہے)۔ نیز آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ بھی فرمایا: اَدَّبَنِيْ رَبِّيْ فَاَحْسَنَ تَاْدِيْبِيْ[2] (ترجمہ: میرے رب نے مجھے ادب سکھایا پس مجھ کو بہت ہی اچھا ادب سکھایا) ـــ اور باطن ظاہر کی تکمیل کرنے والا ہے، اور اس کو مکمل کرنے والا ان دونوں میں بال بھر بھی مخالفت نہیں رکھتا۔ مثلاً زبان سے جھوٹ نہ بولنا شریعت ہے اور دل میں جھوٹ کا خیال بھی نہ آنے دینا طریقت و حقیقت ہے (یعنی) اگر یہ خیال کا نہ آنے دینا تکلّف اور مشقّت سے ہے تو طریقت ہے اور اگر تکلّف کے بغیر حاصل ہے تو حقیقت ہے۔ پس دراصل باطن جو کہ طریقت و حقیقت کہلاتا ہے ظاہر کو جو کہ شریعت ہے پورا اور کامل کرنے والا ہے۔

پس اگر طریقت و حقیقت کے راستوں پر چلنے والوں کو اثنائے راہ میں ایسے امور پیش آئیں جو بظاہر شریعت کے خلاف ہوں تو وہ سکرِ وقت (مستی) کی کیفیت اور وجد و حال کے غلبہ کے باعث ہوں گے، اگر اُن کو اس مقام سے گذار کر صحو (ہوش) میں لے آئیں تو یہ (شریعت سے) مخالفت بالکل رفع ہو جاتی ہے اور وہ متضاد (ایک دوسرے کے مخالف) علوم سب کے سب دُور ہو جاتے ہیں۔

---

[1] یہ حدیث امام مسلمؒ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔

[2] اس حدیث کو ابن سمعانیؒ نے ادب الاملا میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے، امام سیوطی رحمہ اللہ نے جامع صغیر میں صحیح کہا ہے، اور امام سخاویؒ نے کہا ہے کہ اس کی سند ضعیف ہے اور اس کے معنی صحیح ہیں۔

مثلاً صوفیائے کرام کی ایک جماعت سُکر کی وجہ سے احاطۂ ذاتی کی قائل ہوئی ہے اور حق سبحانہ وتعالیٰ کو بالذات (بلاکیف) عالم کا محیط جانتے ہیں اور یہ حکم اہلِ حق علمائے کرام کی آراء کے مخالف ہے کیونکہ وہ (علمائے حق) احاطۂ علمی[1] کے قائل ہیں۔ حقیقت میں علماء کی آراء درستی کے زیادہ قریب ہیں۔ جبکہ یہی صوفیائے کرام اس بات کے قائل ہوئے ہیں کہ ذاتِ حق تعالیٰ وتقدس کسی حکم کی پابند نہیں ہوتی اور کسی علم سے معلوم نہیں ہوتی تو اس میں احاطہ وسریان (سرایت کرنا) کا حکم لگانا اس قول کے مخالف ہے اور حقیقت یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی ذات بیچون وبیچگون (بے مثل وبے کیف) ہے کسی حکم کو اس ذات کی طرف راہ نہیں، وہاں صرف حیرت ونادانی ہے اور اس مقام میں خالص جہل اور محض حیرانی وپریشانی ہے، اس پاک بارگاہ میں احاطہ وسریان کی کیا مجال، مگر یہ کہ ان صوفیائے کرام کی جانب سے جو ان احکام کے قائل ہیں یہ عذر کیا جائے کہ ذات سے ان کی مراد تعین اول ہے اور چونکہ وہ اس (تعین اول) کو متعین پر زائد نہیں جانتے اس لئے اس تعین کو عینِ ذات کہتے ہیں اور وہ تعین اول جس کو وحدت سے تعبیر کیا گیا ہے تمام ممکنات میں جاری وساری ہے تو (اس لحاظ سے) احاطۂ ذاتی کا حکم کرنا درست ہے۔

یہاں ایک دقیقہ (باریک نکتہ) ہے، جاننا چاہئے کہ حق تعالیٰ کی ذات علمائے اہلِ حق کے نزدیک بے چون وبے چگون (بے مثل وبے کیف) ہے اور اس کے سوا جو کچھ ہے اس پر زائد ہے، وہ تعین بھی اگر ان کے نزدیک ثابت ہو جائے تو زائد ہی ہوگا اور اس کو حضرت بیچون (بے مثل) کی ذات سے باہر ہی جانیں گے اس لئے اس کے احاطہ کو احاطۂ ذاتی نہیں کہیں گے۔ پس علماء کی نظر ان صوفیوں سے بلند ہوئی، اور اُن صوفیوں کے نزدیک جو ذاتِ حق ہے وہ ان علماء کے نزدیک ماسوا میں داخل ہے اور قرب ومعیتِ ذاتی بھی اسی قیاس پر ہے۔ اور باطنی معارف اور شریعت کے ظاہری علوم کے درمیان اس حد تک پورے کامل طور پر موافقت کا ہونا کہ چھوٹی سے چھوٹی چیزوں میں بھی مخالفت کی مجال نہ رہے صدیقیت کے مقام میں حاصل ہوتی ہے جو ولایت کے مقامات میں سب سے اعلیٰ مقام ہے اور صدیقیت کے مقام کے اوپر مقامِ نبوت ہے، جو علوم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے ذریعے پہنچے ہیں وہ صدیق (رضی اللہ عنہ) کو الہام کے ذریعہ منکشف ہوئے ہیں۔ ان دونوں علموں (علمِ نبی وعلمِ صدیق) میں وحی اور الہام کے فرق کے سوا اور کوئی فرق نہیں ہے تو پھر دونوں میں مخالفت کی کیا مجال ہوگی۔ اور مقامِ صدیقیت سے نیچے

---

[1] اس مسئلہ میں حضرت مجددؒ کی تحقیق وہ ہے جو جلد اول مکتوب ۲۶۶ میں آپ نے تحریر فرمائی ہے۔

جو مقام بھی ہوگا اس میں ایک قسم کا سُکر پایا جائیگا، کامل صحو (پوری طرح ہوش) مقامِ صدیقیت میں ہے اور بس۔

وحی اور الہام میں فرق

اور ان دونوں علموں کے درمیان دوسرا فرق یہ ہے کہ وحی کا حکم قطعی ہے اور الہام کا ظنی، کیونکہ وحی فرشتے کے واسطے سے آتی ہے اور فرشتے معصوم[1] ہیں اور ان میں خطا کا احتمال نہیں ہے، الہام اگرچہ بلند مقام رکھتا ہے جو کہ قلب ہے اور قلب عالمِ امر سے ہے لیکن قلب کا عقل اور نفس کے ساتھ ایک قسم کا تعلق ثابت ہے اور نفس اگرچہ تزکیہ کے ساتھ مطمئنہ ہو گیا ہو لیکن، بیت

ہر چند کہ مطمئنہ گردد　　ہرگز ز صفاتِ خود نہ گردد

(ترجمہ: نفس گو مطمئنہ ہو جائے　　خاصیت اپنی چھوڑتا ہی نہیں)

اس لئے اس مقام میں خطا کی گنجائش ظاہر ہو گئی۔

جاننا چاہیئے کہ نفس کے مطمئنہ ہو جانے کے باوجود اس کی صفات کے باقی رکھنے میں بہت سے فائدے اور منافع ہیں، اگر نفس کو اس کی اپنی صفات کے ظہور سے بالکل روک دیا جائے تو ترقی کا راستہ بند ہو جائے گا اور روح فرشتے کا حکم پیدا کر لے گی اور اپنے (ایک ہی) مقام میں بند ہو کر رہ جائے گی (کیونکہ) اس (روح) کی ترقی نفس کی مخالفت کے سبب سے ہے اگر نفس میں مخالفت نہ رہے تو (روح کو) ترقی کہاں سے ہوگی۔

سرورِ کائنات علیہ من التحیات اتمہا ومن التسلیمات اکملہا جب کفار کے جہاد سے واپس تشریف لائے تو فرمایا[2] رَجَعْنَا مِنَ الْجِهَادِ الْاَصْغَرِ اِلَى الْجِهَادِ الْاَكْبَرِ (یعنی ہم نے جہادِ اصغر (قتال بالکفار) سے جہادِ اکبر (جہادِ نفس) کی طرف رجوع کیا) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ارشاد میں نفس کے جہاد کو جہادِ اکبر فرمایا۔

اور اس مقام میں نفس کی مخالفت عزیمت اور اولیٰ کے ترک کرنے میں ہے بلکہ حتی الامکان اس ترکِ عزیمت کا ارادہ کرنے میں ہے کیونکہ اس مقام میں نفس کی مخالفت ترکِ عزیمت کے تحقق و ثبوت سے ناممکن ہے اور اسی ارادہ کی وجہ سے اس کو اللہ تعالیٰ جل شانہ کی بارگاہ میں اسقدر ندامت و پشیمانی، التجا اور آہ و زاری حاصل ہوتی ہے کہ ایک سال کا کام اس کو ایک گھڑی میں حاصل ہو جاتا ہے۔

---

[1] قال اللہ تعالیٰ لَا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَاۤ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ (تحریم آیت ۶) یعنی فرشتے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کرتے اور جو کچھ اللہ تعالیٰ ان کو حکم دیتا ہے وہی کرتے ہیں۔ نیز فرمایا وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ الآیہ (مریم آیت ۶۴)

[2] اس حدیث کو خطیبؒ اپنی تاریخ میں حضرت جابرؓ سے روایت کیا ہے اور علامہ سیوطیؒ نے اس کی تائید میں متعدد حدیثیں نقل کی ہیں۔

آنحضرتؐ کی متابعت حق تعالیٰ کا محبوب بنادیتی ہے

اب ہم اصل بات بیان کرتے ہیں، یہ بات (شرعی اور عقلی طور پر) مقرر و ثابت ہے کہ جس چیز میں محبوب کے اخلاق و عادات پائے جائیں محبوب کے تابع ہونے کی وجہ سے وہ چیز بھی محبوب ہو جاتی ہے اور آیتِ کریمہ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (آل عمران آیت ۳۱ [3]) (یعنی تم میری پیروی کرو تاکہ اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگے) میں اس رمز کا بیان ہے۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت میں کوشش کرنا مقامِ محبوبیت تک لیجانے والا ہے پس ہر عقلمند سمجھ دار شخص پر واجب ہے کہ ظاہر و باطن میں اللہ تعالیٰ کے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کامل طریقہ پر اتباع کرے۔

بات بہت لمبی ہوگئی، معذور فرمائیں۔ بات کا جمال چونکہ جمیلِ مطلق (اللہ تعالیٰ) کی طرف سے ہے تو جسقدر بھی لمبی ہو جائے اچھا ہی ہے: لَوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا (الکہف آیت ۱۰۹ [18]) (یعنی اگر میرے رب کی باتیں لکھنے کے لئے سمندر سیاہی بن جائیں تو سمندر ختم ہو جائیں گے مگر اللہ تعالیٰ کی باتیں ختم نہ ہوں گی اگرچہ ہم اتنے ہی اور سمندر لے آئیں)۔

اب بات کو کسی اور طرف لیجانا چاہیے۔ اس دعائیہ خط کا حامل مولانا محمد حافظ، صاحبِ علم اور کثیر العیال (بال بچہ دار) ہے، گذارہ کے اسباب حاصل نہ ہونے کی وجہ سے لشکر کی طرف متوجہ ہوا ہے اگر توجہ فرما کر فتح کی نشان والی اور سرداری و شرافت کے مرتبہ والی سرکار شیخ جیو سے وظیفہ یا کچھ امداد مذکورہ شیخ کے لئے حاصل کردیں تو آپ کی عین نوازش ہوگی، زیادہ کیا تکلیف دی جائے۔

مکتوب ۴۲

چہل و دوم

اس بیان میں کہ قلب کی حقیقتِ جامعہ سے غیر اللہ کی محبت کا زنگ دور کرنے کے لئے سب سے بہتر مصقلہ (زنگ دور کرنے والی چیز) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سنت کی پیروی کرنا ہے۔

یہ بھی شیخ درویش کی طرف صادر فرمایا۔

سَلَّمَكُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى وَسُبْحَانَهٗ وَاَبْقَاكُمْ (اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ آپ کو سلامت اور قائم رکھے)۔ انسان جب تک پراگندہ تعلقات کی میل کچیل سے آلودہ ہے (محبوبِ حقیقی سے) محروم اور مہجور (جدا) ہے حقیقتِ جامع [1]

---

[1] جاننا چاہیے کہ قلبِ صنوبری (جسمانی دل) قلبِ حقیقی کا آشیانہ ہے اور قلبِ حقیقی جس کو حقیقتِ جامع بھی کہتے ہیں عالمِ امر سے ہے۔

(دل) کے آئینہ کو غیر اللہ کی محبت کے زنگ سے صاف کرنا ضروری ہے، اور اس زنگ کو دُور کرنے کے لئے سب سے بہتر مصقلہ (زنگ دُور کرنے والی چیز) حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشن و بلند سنت کی پیروی کرنا ہے۔ اتباع سنت کا دارومدار نفسانی عادتوں کے ہٹانے اور ظلمانی رسموں کے دور کرنے پر ہے ــــ

فَطُوْبٰی لِمَنْ شُرِّفَ بِهٰذِهِ النِّعْمَةِ الْعُظْمٰى وَوَيْلٌ لِّمَنْ حُرِمَ مِنْ هٰذِهِ الدَّوْلَةِ الْقُصْوٰى

(ترجمہ: پس اس شخص کے لئے خوشخبری ہے جس کو اس بڑی نعمت کا شرف حاصل ہوا اور اس شخص کے لئے افسوس ہے جو اس اعلیٰ دولت سے محروم رہا)۔

باقی مطلب یہ ہے کہ میرے عزیز بھائی جناب میاں مظفر ولد شیخ گھورن مرحوم امراء و شرفا میں سے ہیں اور بزرگوں کی اولاد ہیں، ان کے متعلقین میں بہت سے لوگ ہیں اور ان کی حالت قابلِ رحم ہے، زیادہ کیا تکلیف دی جائے۔ وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَعَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى (آپ پر اور ہدایت کی پیروی کرنے والوں پر سلام ہو)۔

مکتوب ۴۳

چہل و سوم

اس بیان میں کہ توحید دو[۲] قسم کی ہے شہودی[۱] اور وجودی[۲]، اور جو توحید کہ ضروری ہے وہ توحید شہودی ہے جس کے ساتھ فنا وابستہ ہے اور توحیدِ شہودی عقل اور شرع کے مخالف نہیں ہے بخلاف توحیدِ وجودی کے اور ان مشائخ کے اقوال کو جو توحید کے دیکھنے والے ہیں توحیدِ شہودی کی طرف تاویل کرنی چاہیئے تاکہ مخالفت کی گنجائش نہ رہے اور توحیدِ شہودی عین الیقین کے مقام میں ہے جو کہ حیرت کا مقام ہے اور جب اس مقام سے گذر کر حق الیقین کے مقام میں پہنچتے ہیں تو اس قسم کے احوال سے کنارہ کشی اختیار کر لیتے ہیں۔ اور اس مضمون کے مناسب سوالات و جوابات اور وضاحت کرنے والی مثالوں کے بیان میں، سرداری کی پناہ والے اور شرافت کے سرمایہ والے شیخ فرید[۱] بخاری کی طرف صادر فرمایا۔

---

[۱] سیادت پناہ نواب شیخ فرید بخاری کے نام مکتوبات شریفہ میں کُل بائیس[۲۲] مکتوبات ہیں یعنی دفتر اول مکتوب نمبر ۴۳ تا ۵۴ - ۶۳ - ۶۴ - ۱۰۳ - ۱۵۲ - ۱۶۳ - ۱۶۵ - ۱۹۳ - ۲۱۳ - ۲۳۳ - ۲۶۹ - جہانگیر بادشاہ نے آپ کی حسنِ خدمات کے صلہ میں مرتضٰی خاں کا خطاب سرفراز کیا (تزک جہانگیری ص ۳۲) غالباً اسی بنا پر مکتوب ۲۶۹ میں مرتضٰی خاں نام درج ہے۔ شیخ فرید ولد شیخ احمد صحیح النسب سید تھے، آپ کا نسب نو واسطوں سے حضرت سید جلال الدین اعظم حسینی بخاری تک پہنچ کر ستائیس[۲۷] واسطوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک منتہی ہوتا ہے (از تجلیاتِ ربانی ص ۵۶) شیخ فرید دہلی میں پیدا ہوئے۔ تحصیل علوم کے بعد اکبر بادشاہ کے ملازم ہو گئے (باقی بر صفحہ آئندہ)

سَلَّمَکُمُ اللّٰہُ تَعَالٰی وَسُبْحَانَہٗ وَعَصَمَکُمْ عَمَّا یَصِمُکُمْ وَصَانَکُمْ عَمَّا شَانَکُمْ (اللہ تعالیٰ آپ کو (ظاہری و باطنی آفتوں سے) سلامت رکھے اور اس چیز سے بچائے جو آپ کو عیب لگائے اور اس چیز سے محفوظ رکھے جو آپ کے لئے برائی کا سبب ہو)۔

توحید وجودی و شہودی کا بیان

جو توحید راہِ سلوک طے کرنے کے عرصہ میں اس بزرگ گروہ (صوفیائے کرام) کو حاصل ہوتی ہے وہ دو قسم کی ہے: توحیدِ وجودی[1] اور توحیدِ شہودی[2]۔ توحید شہودی، ایک ذات ہی کو دیکھنا ہے یعنی سالک کو ایک ذات کے سوا کچھ مشہود نہیں ہوتا اور توحیدِ وجودی ایک ہی ذات کو موجود جاننا ہے اور اس کے غیر کو نیست و نابود سمجھنا (اور اُس ایک ذات کے سوا باقی سب کو) عدم (یعنی نیست[3] و نابود) جاننے کے باوجود اس کی جلوہ گاہیں اور مظاہر کو ایک سمجھنا ہے۔ پس توحیدِ وجودی علم الیقین کی قسم سے ہے اور توحیدِ شہودی عین الیقین کی قسم سے، توحیدِ شہودی اس راستہ کی ضروریات میں سے ہے کیونکہ فنا اس توحید کے بغیر متحقق نہیں ہوتی، اور مرتبۂ عین الیقین بھی اس کے بغیر میسر نہیں ہوتا کیونکہ اس (ذات) کے غلبہ کے باعث ایک کو دیکھنے سے اس کے ماسوا کا نہ دیکھنا لازم آتا ہے بخلاف توحیدِ وجودی کے کہ وہ ایسی نہیں ہے یعنی اس میں ایسا ہونا ضروری نہیں ہے، کیونکہ علم الیقین اس معرفت کے بغیر حاصل ہے اس لئے کہ (کسی چیز کا) علم الیقین حاصل ہونے سے اس کے ماسوا کی نفی لازم نہیں آتی۔ حاصل کلام یہ ہے کہ اس ایک کے علم کے غلبہ کے وقت اس کے ماسوا کے علم کی نفی لازم آتی ہے۔

مثلاً جس شخص کو آفتاب کے وجود کا یقین حاصل ہو گیا تو اس کو اس یقین کے غلبہ سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ اس وقت ستاروں کو معدوم اور نیست و نابود جانے، لیکن جس وقت وہ آفتاب کو دیکھے گا تو یہ ضروری ہے کہ وہ ستاروں کو نہیں دیکھ سکے گا اور آفتاب کے سوا اس کو اور کچھ نظر نہیں آئے گا۔ اور اس وقت جبکہ وہ ستاروں کو نہیں دیکھ رہا ہے جانتا ہے کہ ستارے نیست و نابود نہیں ہیں بلکہ جانتا ہے کہ ستارے موجود ہیں لیکن چھپے ہوئے ہیں اور آفتاب کے نور کی روشنی میں مغلوب ہیں، اور یہ شخص اس جماعت (گروہ) کے خیال کا انکار کرتا ہے جو اس وقت میں ستاروں کے وجود کی نفی کرتے ہیں اور جانتا ہے کہ یہ معرفت

(بقیہ حاشیہ از صفحۂ گزشتہ) اور اپنی معاملہ فہمی، ذہانت، ایمانداری، دیانتداری اور بہادری کی وجہ سے بہت جلد شہرت حاصل کر لی۔ گجرات اور پنجاب کے گورنر بھی رہے۔ شیخ فرید درویش صفت امیر تھے جن پر مشائخ کو بھی رشک آتا تھا۔ آپ کا دستر خوان بڑا وسیع تھا۔ شیخ کے رہنے کا مکان بھی معمولی سا تھا لیکن جگہ جگہ سرائیں تعمیر کرائیں۔ غرض شیخ فضائلِ کثیرہ کے حامل تھے۔ سنہ ۱۰۲۵ھ میں وفات پائی۔ چراغ دہلی کے راستہ پر آپ کا مزار ہے۔

(حاشیہ صفحۂ ہذا) [1] علم الیقین کا مطلب بالتفصیل اور عین الیقین و حق الیقین کا اجمالی طور پر حضرت مجددؒ نے دفتر دوم مکتوب ۴۲ میں بیان کیا ہے۔

یعنی ستاروں کے وجود کی نفی کرنا خلافِ واقع ہے ـــــ پس توحیدِ وجودی کہ جس میں ایک ذات واحد حق تعالیٰ و تقدس کے ماسوا کی نفی کا نام ہے عقل و شرع کے خلاف ہے، بخلاف توحیدِ شہودی کے کہ (صرف) ایک دیکھنے میں (عقل و شرع کی) کوئی مخالفت نہیں ہے، مثلاً آفتاب کے طلوع ہونے کے وقت ستاروں کی نفی کرنا اور ان کو نیست و نابود جاننا حقیقت کے خلاف ہے لیکن ستاروں کو اس وقت نہ دیکھنے میں (عقل و شرع کی) کچھ مخالفت نہیں ہے بلکہ یہ نہ دیکھنا آفتاب کے نور کے ظاہر ہونے کے غلبہ اور دیکھنے والے کی نگاہ کی کمزوری کی وجہ سے ہے۔ اگر دیکھنے والے کی نگاہ اسی آفتاب کے نور سے سرمہ آلود ہو جائے (یعنی روشن ہو جائے) اور قوت پیدا کر لے تو وہ ستاروں کو آفتاب سے جدا دیکھ لے گا اور یہ دیکھنا حق الیقین کے مقام میں سے ہے۔

پس بعض مشائخ کے جو اقوال ظاہر میں شریعتِ حقہ کے مخالف نظر آتے ہیں اور بعض لوگ ان اقوال کو توحیدِ وجودی سے تعبیر کرتے ہیں مثلاً ابن منصور[1] الحلاج کا اَنَا الْحَقُّ کہنا اور بایزید بسطامی[2] کا سُبْحَانِیْ مَا اَعْظَمُ شَانِیْ کہنا اور اسی قسم کے دوسرے اقوال، بہتر اور مناسب یہ ہے کہ ان اقوال کو توحیدِ شہودی پر محمول کیا جائے اور (عقل و شریعت کی) مخالفت کو دور کیا جائے، جس وقت ماسوائے حق سبحانہٗ و تعالیٰ ان کی نظر سے پوشیدہ ہو گیا تو اس حالت کے غلبہ کے وقت ان بزرگوں نے یہ الفاظ کہہ دیئے، اور حق سبحانہٗ و تعالیٰ کے سوا اور کچھ ثابت نہیں کیا۔ انا الحق کے معنی یہ ہیں کہ حق ہے نہ کہ میں ـــ چونکہ وہ اپنے آپ کو نہیں دیکھتا اس لئے اپنے آپ کو ثابت نہیں کرتا، نہ یہ کہ وہ اپنے آپ کو دیکھتا ہے اور اس کو حق کہتا ہے یہ البتہ کفر ہے۔

یہاں کوئی شخص یہ نہ کہے کہ اثبات نہ کرنا (غیر حق کی) نفی تک پہنچا دیتا ہے اور یہ عین توحیدِ وجودی ہے کیونکہ ہم (اس کے جواب میں) کہتے ہیں کہ اثبات نہ کرنے سے (غیر حق کی) نفی لازم نہیں آتی،

---

[1] ابن منصور یعنی حسین بن منصور حلاج، کنیت ابو المغیث، وطن بیضائے فارس ہے، منصور حلاج کے حالات سے متعلق کافی اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض حضرات نے آپ کو اولیائے کرام میں شمار کیا ہے اور بعض نے آپ کو گمراہ کہا ہے۔ بہر حال حکومتِ وقت نے شریعت کی خلاف ورزی کے جرم میں ۲۴ ذیقعدہ ۳۰۹ھ ۹۲۲ء منگل کے دن بغداد میں آپ کو قتل کر دیا

[2] آپ کا اسم گرامی طیفور بن عیسیٰ بن آدم بن سروشان تھا اور کنیت ابویزید، لقب سلطان العارفین اور وطن بسطام تھا اسی لئے بسطامی مشہور ہوئے۔ آپ کے دادا آتش پرست تھے بعد میں مسلمان ہو گئے تھے۔ آپ نے حضرت جعفر صادق رحمہ کی روحانیت سے فیض حاصل کیا۔ احمد خضرویہ ابو حفص یحیی بن معاذ کے ہم عصر ہیں۔ حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے تھے کہ راہِ توحید کے سالکوں کی انتہا بایزید کی ابتدا کے برابر ہے۔ تہتر[3] سال کی عمر میں ۲۳۴ھ یا ۲۶۱ھ ۱۵ شعبان کو بسطام میں وفات پائی۔

بلکہ اس مقام میں حیرت ہے، یہاں تمام احکام ساقط ہو چکے ہیں ـــ اور سبحانی کہنے میں بھی حق تعالیٰ کی تنزیہ ہے نہ کہ اس کی اپنی، کیونکہ وہ خود اپنی نظر سے پوری طرح دور ہو چکا ہے اور کوئی حکم اس کے ساتھ تعلق نہیں رکھتا۔ اور اس قسم کی باتیں عین الیقین کے مقام میں جو کہ حیرت کا مقام ہے بعض سالکوں سے ظاہر ہوتی ہیں اور جب اس مقام سے ترقی دے کر حق الیقین کے مقام میں پہنچاتے ہیں تو وہ بزرگ اس قسم کے کلمات سے اجتناب کرنے لگتے ہیں اور اعتدال کی حد سے تجاوز نہیں کرتے۔

ہمارے زمانے میں اس گروہ کے بہت سے لوگ جو صوفیوں کے لباس میں اپنے آپ کو ظاہر کرتے ہیں توحیدِ وجودی کو عام کرنے میں مصروف ہیں اور اس کے عام کرنے ہی کو کمال سمجھتے ہیں اور عین الیقین کی بجائے علم الیقین ہی میں رُکے ہوئے ہیں اور اقوالِ مشائخ کی تاویل اپنے خیال کے مطابق کرتے ہیں اور خود کو مقتدائے زمانہ بنائے بیٹھے ہیں اور اپنے کھوٹے (بے رونق) . . . . . بازار کو ان خیالی باتوں کے ساتھ رونق دے رہے ہیں۔ اور اگر بالفرض گزشتہ زمانے کے بعض مشائخ کی عبارتوں میں جو ایسے الفاظ پائے جاتے ہیں جن سے واضح طور پر توحیدِ وجودی ظاہر ہوتی ہے تو ان کی ایسی باتوں پر یہ قیاس کرنا چاہیئے کہ انھوں نے ابتداء میں علم الیقین کے مقام میں اس قسم کے الفاظ کہے ہیں، اور آخرکار ان کو اس مقام سے ترقی دیکر عین[1] الیقین تک لے گئے ہیں۔

اس جگہ کوئی شخص یہ نہ سمجھے کہ توحیدِ وجودی والے حضرات بھی جس طرح ایک ہی ذات کو جانتے ہیں (اسی طرح) ایک ہی کو دیکھتے بھی ہیں پس ان کو عین الیقین سے بھی کچھ حصہ حاصل ہے۔ تو ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ اس توحید (وجودی) والے حضرات نے توحیدِ شہودی کی مثالی صورت[2] کو دیکھا ہے نہ یہ کہ وہ اس توحید (شہودی) کے ساتھ متحقق ہو گئے ہیں، توحیدِ شہودی کو اپنی اس مثالی صورت کے ساتھ

---

[1] جیسا کہ بعض عارفوں نے کہا ہے کہ اگر کوئی عارف اپنے شعور سے بالکل بے خبر ہو جائے اور اپنے آپ کو وہی دیکھے اور ہُو ہُو کہے تو وہ معذور ہے کیونکہ وہ اپنی حقیقت حال سے واقف نہیں ہے اور جب وہ ہوشیار ہو جاتا اور اپنی حقیقتِ حال سے خبردار ہو جاتا ہے تو پھر خود ہی کہتا ہے کہ میرا کمال یہ ہے کہ میں عبد اللہ (اللہ کا بندہ) ہوں، چنانچہ حضرت سلطان العارفین بایزید بسطامی قدس سرہ السامی فرماتے ہیں کہ اگر میں نے کسی دن سبحانی ما اعظم شانی کہا تو میں اس روز کافر مجوسی ہوں اور میں آج اپنا زُنّار توڑتا ہوں اور کہتا ہوں اشھد ان لا الٰہ الا اللہ و اشھد ان محمداً عبدہٗ و رسولہ۔ (از رسالہ عقائد صوفیہ)

[2] کسی چیز میں اور اس کی مثالی صورت میں بہت فرق ہے اور اسی طرح کسی چیز کے دیکھنے میں اور اس چیز سے متصف ہونے میں نمایاں فرق ہے سمجھیے۔

کچھ مناسبت نہیں ہے، کیونکہ اس توحید کے حاصل ہونے کے وقت حیرت ہے، اس مقام میں کسی امر کے ساتھ حکم نہیں لگایا جا سکتا اور توحیدِ وجودی والا اُس توحیدِ شہودی کی مثالی صورت کا مشاہدہ کرنے کے باوجود علم الیقین والوں میں سے ہے کیونکہ وہ ماسوا اللہ کے وجود کی نفی کرتا ہے، اور یہ نفی مقولۂ علم الیقین کے احکام میں سے ایک حکم ہے، اور حیرت اور علم ایک دوسرے کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتے۔

پس ثابت ہو گیا کہ توحیدِ وجودی والے کو عین الیقین سے کچھ بھی حصہ حاصل نہیں ہے، ہاں البتہ توحیدِ شہودی والے حضرات کو اگر مقامِ حیرت کے بعد ترقی واقع ہو جائے تو معرفت کے مقام میں جو کہ حق الیقین ہے پہنچ جاتے ہیں اور اس مقام میں علم اور حیرت دونوں جمع ہو جاتے ہیں اور جو علم مقامِ حیرت کے بغیر اور مقامِ حیرت سے پہلے ہے وہ علم الیقین ہے۔

یہ جواب ایک مثال سے واضح ہو جاتا ہے مثلاً کسی شخص نے اپنے اندر بادشاہت کے مقام کے ساتھ مناسبت رکھنے کی وجہ سے خواب میں اپنے آپ کو بادشاہ دیکھا اور بادشاہت کے لوازم (یعنی لینا دینا، حکم کرنا، منع کرنا، تخت نشین ہونا، اور شاہانہ لباس و تاج پہننا وغیرہ) اپنے اندر پائے۔ اور یہ بات معلوم ہے کہ وہ بادشاہ نہیں ہوا ہے بلکہ بادشاہت کی مثالی صورت کو اپنے آپ میں دیکھا ہے اور حقیقت میں بادشاہت کو اس مثالی صورت کے ساتھ کچھ مناسبت نہیں ہے۔ ہاں وہ شہود اگرچہ مثالی صورت میں ہوا ہے لیکن اس مثالی صورت کی حقیقت سے اس شخص کے متصف ہونے کی استعداد کی خبر دیتا ہے، اگر وہ شخص بہت ریاضت و مجاہدہ کرے اور اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کی عنایت بھی اس کے شاملِ حال ہو جائے تو اس (بلند) مقام (بادشاہت) پر پہنچ جائے لیکن قوت سے فعل (یعنی قابلیت سے حصول) تک پہنچنے میں بہت فرق ہے، بہت سے لوہے آئینہ بننے کی قابلیت رکھتے ہیں لیکن جب تک وہ آئینہ نہ بن جائیں بادشاہوں کے ہاتھ میں نہیں پہنچتے اور ان کا جمال حاصل نہیں کر سکتے۔

میں کہاں پہنچ گیا، مگر میں کہتا ہوں کہ ان دقیق (پیچیدہ و مشکل) علوم کے لکھنے کا سبب یہ ہے کہ اس زمانے کے اکثر لوگ بعض تقلید کے طور پر اور بعض (بغیر ذوق کے) محض علم کی بنا پر اور بعض ذوق ملے ہوئے علم کے ساتھ اگرچہ قلیل ہو، اور بعض الحاد و زندقہ (بے دینی) کے باعث اس توحیدِ وجودی سے وابستہ ہیں اور سب کچھ حق تعالیٰ سے جانتے ہیں بلکہ حقیقت میں سب کو حق تعالیٰ ہی جانتے ہیں اور اس حیلے سے اپنی گردنوں کو شرعی پابندیوں کی رسی سے آزاد کرتے ہیں اور شرعی احکام بجا لانے میں سستی

کرتے ہیں اور اس معاملہ پر بہت ہی مسرور و خوش ہیں، اور اگر شرعی احکامات کے بجالانے کا اقرار بھی کریں تو ان کو طفیلی جانتے ہیں اور اصلی مقصود شریعت کے سوا کچھ اور خیال کرتے ہیں حَاشَا وَكَلَّا ثُمَّ حَاشَا وَ كَلَّا نَعُوْذُ بِاللّٰهِ سُبْحَانَهٗ مِنْ هٰذَا الْاِعْتِقَادِ السُّوْءِ (ہرگز ہرگز ایسا نہیں ہے اللہ تعالیٰ ایسے برے اعتقاد سے ہم کو بچائے)

طریقت اور شریعت ایک دوسرے کا عین ہیں

طریقت اور شریعت ایک دوسرے کا عین ہیں، ان کے درمیان بال برابر بھی مخالفت واقع نہیں ہے فرق صرف اجمال و تفصیل اور استدلال و کشف کا ہے، جو کچھ بھی شریعت کے مخالف ہے وہ مردود ہے كُلُّ حَقِيْقَةٍ رَدَّتْهُ الشَّرِيْعَةُ فَهُوَ زَنْدَقَةٌ (ہر وہ حقیقت جس کو شریعت نے رد کر دیا ہو زندقہ (بے دینی) ہے) شریعت کو اپنی جگہ پر قائم رکھ کر حقیقت کو طلب کرنا بہادروں کا کام ہے، رَزَقَنَا اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَاِيَّاكُمُ الْاِسْتِقَامَةَ عَلٰى مُتَابَعَةِ سَيِّدِ الْبَشَرِ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهِ الصَّلَوٰاتُ وَالتَّسْلِيْمَاتُ وَالتَّحِيَّاتُ ظَاهِرًا وَبَاطِنًا (اللہ تعالیٰ ہم کو اور آپ کو ظاہر و باطن میں حضرت سید البشر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت پر استقامت نصیب فرمائے۔ آمین۔)

معرفت کی پناہ والے ہمارے قبلہ گاہ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ کچھ عرصہ تک توحیدِ وجودی کا مشرب رکھتے تھے اور اپنے رسالوں اور مکتوبات میں بھی اس کا اظہار فرمایا کرتے تھے، لیکن آخر کار حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے اپنی نہایت مہربانی کے ساتھ اس مقام سے ترقی عطا فرما کر شاہراہ پر ڈال دیا اور اس معرفت کی تنگی سے رہائی عنایت فرمائی۔ میاں عبدالحق[1] نے جو کہ حضرت قدس سرہٗ کے مخلص دوستوں میں سے ہیں بیان کیا ہے کہ حضرت (خواجہ باقی باللہ) قدس سرہ نے اپنی مرض موت سے ایک ہفتہ پہلے فرمایا کہ "مجھ کو عین الیقین سے معلوم ہو گیا کہ توحیدِ وجودی ایک تنگ کوچہ ہے اور شاہراہ اور ہی ہے۔" اس سے پہلے بھی میں جانتا تو تھا لیکن اب ایک قسم کا دوسرا یقین حاصل ہو گیا ہے۔ اور یہ فقیر (حضرت مجدد قدس سرہ) بھی کچھ مدت تک حضرت خواجہ قدس سرہٗ کی خدمت میں اسی توحیدِ وجودی کا مشرب رکھتا تھا اور اس طریقہ کی تائید میں بہت سے کشفی حالات و واردات ظاہر ہوتے تھے لیکن حق تعالیٰ جل شانہٗ کی عنایت نے اس مقام سے ترقی دے کر اس مقام کے ساتھ جس کو کہ اللہ تعالیٰ نے چاہا مشرف فرمایا ہے اس سے زیادہ لکھنا طول کلامی ہے۔

میاں شیخ زکریا[2] اپنے پرگنہ (ضلع کا ایک حصہ) سے باربار لکھتے ہیں اور آپ کی خدمت عالیہ میں

---

[1] غالباً حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ مراد ہیں — [2] شیخ زکریا، برادر شیخ سلطان (یعنی حضرت مجددؒ کے خسر) ہیں جو کسی پرگنہ کے کروڑی (تحصیلدار) تھے (زبدۃ المقامات ص ۲۴۷) دفتر اول مکتوب ۵ میں بھی شیخ زکریا کیلئے سفارش فرمائی ہے۔

بہت نیازمندی کی نسبت ظاہر کرتے ہیں اور کروڑی گری (یعنی تحصیلداری کے عہدہ) سے ہراساں و پریشان ہیں اور عالم اسباب میں آپ کی بزرگ جناب میں التجا و اعتصام رکھتے ہیں بظاہر آپ کی بلند توجہ کے بغیر اور کوئی ٹھکانا اور جائے پناہ نہیں رکھتے، امیدوار ہیں کہ جس طرح پہلے آپ ان پر نوازش فرماتے رہے ہیں اب بھی دستگیری (مدد) فرماتے رہیں گے اور حوادث کے تھپیڑوں سے ان کو محفوظ رکھیں گے، کمالِ ادب کے باعث آپ کی خدمت میں عرض کرنے کی جرأت نہیں کرتے، فقیر کے ذریعہ اپنے احوال کا اظہار چاہتے ہیں۔ امید ہے کہ آپ ان کا سوال قبول فرمائیں گے۔

مکتوب ۴۴ چہل و چہارم (عربی و فارسی)

یہ مکتوب گرامی بھی سرداری و تعریف کی پناہ والے شیخ فرید کی طرف حضرت خیر البشر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوۃ والسلام کی مدح و نعت میں اور اس بیان میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت کی تصدیق کرنے والے تمام امتوں سے بہتر ہیں اور آپ کی شریعت کے جھٹلانے والے اور منکر لوگ بنی آدم میں سب سے بدتر ہیں، اور آپ کی روشن سنت کی پیروی کی ترغیب میں تحریر فرمایا۔

آپ کا بزرگ و بلند رحمت نامہ عزیز ترین زمانہ میں شرف صدور ہوا اور اس کے مطالعہ سے مشرف ہوا اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا حمد و احسان ہے کہ آپ نے فقرِ محمدی علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والسلام کی کچھ میراث حاصل کی ہے، فقراء سے محبت کرنا اور ان سے میل جول رکھنا اسی کا نتیجہ ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ بے سروسامان فقیر اس کے جواب میں اس کے سوا اور کیا لکھے کہ عربی عبارت میں چند فقرے جو آپ کے جد بزرگوار خیر العرب (یعنی جو اہلِ عرب میں سب سے بہتر اور اہلِ عجم میں بدرجۂ اولیٰ سب سے بہتر ہیں) صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل میں ماثور ہیں لکھ دے اور اس سعادت نامہ کو اپنی آخرت کی نجات کا وسیلہ بنائے۔ اور اس سے مقصود یہ نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح و تعریف کرے بلکہ مقصود یہ ہے کہ اپنے کلام کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقدس تذکرہ سے آراستہ و مزین کرے۔ شعر

مَا اِنْ مَدَحْتُ مُحَمَّدًا بِمَقَالَتِیْ   لٰکِنْ مَدَحْتُ مَقَالَتِیْ بِمُحَمَّدٍ

(ترجمہ شعر فارسی: گر در سخن نہ گفتم وصفِ محمدی را   لیکن سخن ستودم با نسبتِ محمدؐ

ترجمہ شعر اردو: ادا حق ہو نہیں سکتا محمدؐ کی ستائش کا مگر مقبول ہوگا اس کی برکت سے سخن میرا

(یعنی میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کا حق ادا نہیں کر سکتا لیکن آپ کے نامِ نامی سے اپنے کلام کو آراستہ و مزین کرتا ہوں)

حضرت محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد کے سردار ہیں[۱] اور قیامت کے روز آپؐ کے تابع و فرمانبردار تمام انبیائے کرام کے تابع و فرمانبرداروں سے زیادہ ہوں گے، اور آپؐ[۲] اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب[ع] اولین و آخرین سے زیادہ بزرگ و معزز ہیں، آپؐ[۳] قیامت کے روز سب سے پہلے قبر مبارک سے باہر تشریف لائیں گے اور آپؐ ہی سب سے اول شفاعت کریں گے اور سب سے پہلے آپؐ ہی کی شفاعت قبول کی جائے گی اور آپؐ ہی سب سے پہلے جنت کا دروازہ کھٹکھٹائیں گے پس اللہ تعالیٰ آپؐ کے لئے جنت کا دروازہ کھول دیگا، اور آپؐ[۴] ہی قیامت کے روز لواءِ حمد (اللہ تعالیٰ کی حمد و ستائش کا جھنڈا) اٹھانے والے ہیں حضرت آدمؑ اور دیگر تمام انبیا علیہم السلام اس جھنڈے کے نیچے ہوں گے، اور وہ آپ[۵] علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی کی ذات گرامی ہے جس نے فرمایا نَحْنُ الْاٰخِرُوْنَ وَنَحْنُ السَّابِقُوْنَ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ الحدیث یعنی قیامت کے دن ہم ہی (وجود و ظہور کے اعتبار سے) آخرین ہیں اور ہم ہی (مرتبہ اور روزِ قیامت قبر سے اٹھنے کے اعتبار سے) سابقین و اولین ہیں۔ اور آپؐ[۶] نے فرمایا میں یہ بات بغیر کسی فخر کے کہتا ہوں کہ میں اللہ تعالیٰ کا حبیب ہوں، اور میں تمام انبیاء و مرسلین کا قائد و پیشرو ہوں اور بلا فخر کہتا ہوں کہ میں تمام نبیوں کا خاتم (مہر اور آخری نبی) ہوں، اور میں بلا فخر کہتا ہوں کہ میں[۷] محمد بن عبد اللہ ابن عبد المطلب ہوں، بیشک جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا تو مجھ کو سب سے بہتر مخلوق (یعنی انسان) میں پیدا کیا پھر ان کو دو گروہ (عرب و عجم) بنایا اور مجھے ان میں سے بہترین گروہ میں بنایا پھر اُن کو قبیلوں میں تقسیم کیا تو مجھے ان میں سے بہترین قبیلے میں بنایا، پھر ان کو گھروں میں تقسیم کیا تو مجھے ان میں سے

---

[۱] یہ مضمون امام مسلمؒ کی روایت سے ماخوذ ہے — [۲] یہ مضمون ترمذی اور دارمی کی روایت سے ماخوذ ہے —
[۳] ماخوذ من حدیث رواہ مسلم — [۴] ماخوذ من حدیث رواہ الترمذی والدارمی — [۵] رواہ الدارمی — [۶] رواہ الترمذی
[ع] اس حدیث میں اولین و آخرین سے مراد تمام انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام ہیں اور اگر اولین میں ملائکہ کو بھی داخل کیا جائے تو کوئی بعید نہیں ہے۔ (شیخ عبد الحق قدس سرہ)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل

بہترین گھر میں پیدا کیا پس میں ذاتؑ وگھر کے لحاظ سے سب مخلوق سے بہتر ہوں[1] اور جب[2] قیامت کے روز لوگ قبروں سے اُٹھائے جائیں گے تو سب سے پہلے میں (قبر سے) باہر نکلوں گا اور جب تمام بنی آدم حق تعالیٰ کے سامنے گروہ در گروہ پیش ہوں گے تو میں ان سب کا قائد و رہنما ہوں گا اور جب وہ سب خاموش ہوں گے تو میں ان کا خطیب ہوں گا، اور جب وہ (جنت میں داخل ہونے سے میدانِ حشر میں) روک دیئے جائیں گے تو میں ان کا شفیع ہوں گا، اور جب وہ (دیگر انبیاء علیہم السلام کے جوابوں سے) ناامید ہو جائیں گے تو میں ان کو (شفاعت کی) بشارت دینے والا ہوں گا۔ اس دن کرامت (رحمت و بزرگی) اور جنت (کے دروازوں) کی کنجیاں میرے ہاتھ میں ہوں گی اور لواء حمد بھی میرے ہاتھ میں ہوگا، اور میں اپنے رب کے نزدیک تمام اولادِ آدم میں سب سے بزرگ ہوں، ہزار ایسے خادم (حور و غلمان) میرے گرد طواف کریں گے جو خوشنما آبدار سفید صدف کے اندر چھپے ہوئے موتیوں کی طرح ہوں گے، اور جب قیامت کا دن ہوگا تو میں تمام انبیائے کرامؑ کا امام اور ان کا خطیب اور ان کی شفاعت کرنے والا ہوں گا اور مجھے اس بات پر فخر نہیں ہے۔

اگر حضور انور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات گرامی صفات نہ ہوتی تو حق سبحانہٗ و تعالیٰ خلقت کو پیدا نہ فرماتا[ع] اور اپنی ربوبیت (رب ہونے کو) ظاہر نہ فرماتا، اور آپ[۲] صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت نبی تھے جبکہ آدم علیہ السلام ابھی پانی اور مٹی کے درمیان تھے (یعنی آدم علیہ السلام پیدا بھی نہیں ہوئے تھے بلکہ ان کے پتلے کے لئے کیچڑ تیار ہو رہی تھی)۔

---

[1] رواہ الترمذی۔ [2] رواہ الترمذی ورواہ فی شرح السنۃ وھذا کلہ ملتقط من المشکوٰۃ۔

[ع] اس میں اس حدیث کی طرف اشارہ ہے جس کو دیلمی نے مسند الفردوس میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے یقول اللہ وعزتی وجلالی لولاک لما خلقت الدنیا ولولاک لما خلقت الجنۃ واوردہ فی المواھب معزیا الی ابن طغربک بلفظ لولاہ ما خلقتک خطابا لآدم علیہ السلام ولا خلقت سماء ولا ارضا ثم قال ویشھد لھذا ما رواہ الحاکم فی صحیحہ عن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان آدم رأی اسم محمد مکتوبا علی العرش وان اللہ قال لآدم لولا محمد ما خلقتک قال الزرقانی روی ابو الشیخ والحاکم عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اوحی اللہ تعالیٰ الی عیسیٰ آمن بمحمد ومر امتک ان یومنوا بہ فلولا محمد ما خلقت آدم ولا الجنۃ ولا النار الحدیث واقرہ السبکی فی شفاء الاسقام والبلقینی فی فتاواہ ومثلہ لا یقال رأیا وعند الدیلمی عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما رفعہ اتانی جبریل فقال ان اللہ یقول لولاک ما خلقت الجنۃ ولولاک ما خلقت النار قلت معنی ھذا الحدیث لا شبھۃ فی صحتہ ومطابقتہ لنفس الامر عند کافۃ الصوفیۃ وعامۃ من سواھم فھو صحیح ان شاء اللہ تعالیٰ ھذا کلہ ما قالہ العلامۃ محمد مراد المکی معرب المکتوبات۔

[ع] یہاں سے معلوم ہوا کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام صاحب نسبِ عظیم ہوتا ہے، دوسری احادیث سے بھی یہ بات واضح ہوتی ہے، لیکن نبوت فضلِ خداوندی ہے نسب سے اس کا کوئی تعلق نہیں جیسا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے: اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ، اور دوسری جگہ فرماتا ہے۔۔۔ واللہ یختص برحمتہ من یشاء، ایضاً: وکان فضل اللہ علیک عظیما (پ ۵ ع ۱۴)

شعر: نماند بعصیاں کسے در گرو — کہ دارد چنیں سیّدِ پیشرو
نہیں ہے خوف کچھ عصیاں کا اس کو — محمدؐ پاک جس کا پیشوا ہو

پس بلاشک وشبہ سید البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تصدیق کرنے والے تمام امتوں سے افضل ہیں آیت کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ الخ (آل عمران آیت ۱۱۰) (یعنی تم اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام امتوں سے بہتر ہو جو عالم میں بھیجی گئیں) اُن پر صادق آتی ہے، اور اس پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جھٹلانے والے بنی آدم میں سب سے بدتر ہیں آیت اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ کُفْرًا وَّنِفَاقًا (سورۂ توبہ آیت ۹۷) (یعنی صحرا نشین لوگ کفر ونفاق میں زیادہ سخت ہیں)۔ ان کے حال کا پتہ دیتی ہے ــــ دیکھئے کس خوش نصیب کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روشن وبلند سنت کی پیروی نصیب فرماتے ہیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پسندیدہ شریعت کی پیروی سے سرفرازی بخشتے ہیں۔

آج آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کے برحق ہونے کی تصدیق کرتے ہوئے تھوڑا سا عمل بجا لانا بھی عمل کثیر کے برابر شمار ہوتا ہے۔ اصحاب کہف (رضی اللہ عنہم) نے یہ اعلیٰ درجات صرف ایک ہی نیکی کے ذریعے سے حاصل کئے ہیں اور وہ نیکی یہ تھی کہ وہ دشمنانِ دین کے غلبہ کے وقت نورِ ایمان ویقین کے ساتھ حق تعالیٰ کے دشمنوں (کے مقام) سے ہجرت کر گئے تھے۔ مثلاً دشمنوں اور مخالفوں کے غلبہ کے وقت اگر سپاہی تھوڑا سا بھی تردد کریں تو وہ اس قدر نمایاں اور معتبر ہوتا ہے کہ امن کی حالت میں اس سے کئی گنا تردد بھی معتبر نہیں ہوتا۔

نیز چونکہ آں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم رب العالمین کے محبوب ہیں اس لئے آپ کی متابعت کرنے والے بھی آپ کی متابعت کے باعث محبوبیت کے درجہ کو پہنچ جاتے ہیں کیونکہ محبت کرنے والا (مُحِبّ) جس شخص میں اپنے محبوب جیسے اخلاق وعادات دیکھتا ہے اس شخص کو بھی اپنا محبوب ہی جانتا ہے اور مخالفوں کو بھی اسی پر قیاس کرنا چاہئے۔ شعر

محمدؐ عربی کابروئے ہر دو سرا ست — کسے کہ خاکِ درش نیست خاک بر سرِ او
محمدؐ عربی دو جہاں کی عزت ہیں — جو منکر آپ کے ہیں مبتلائے ذلت ہیں

اگر ظاہری ہجرت میسر نہ ہو سکے تو باطنی ہجرت کو پوری طرح مدنظر رکھنا چاہئے، مخلوق کے درمیان رہ کر ان سے الگ رہنا چاہئے، امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے بعد کوئی اور امر (راستہ) پیدا فرمادے گا۔

نوروز کا موسم آگیا ہے اور یہ معلوم ہے کہ ان ایام میں وہاں کے رہنے والے لوگ معاملہ کو پراگندہ

رکھتے ہیں لہٰذا اس ہنگامے کے گذر جانے کے بعد اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو آنجناب کی ملاقات کا شرف حاصل ہوگا زیادہ طول کلامی موجبِ تکلیف ہے۔ ثَبَّتَکُمُ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ عَلٰی جَادَّۃِ اٰبَائِکُمُ الْکِرَامِ اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَعَلَیْھِمْ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامِ (اللہ تعالیٰ آپ کو آپ کے بزرگ آباو اجداد کے طریق پر ثابت قدم رکھے آپ پر اور اُن پر قیامت تک سلامتی ہو)۔

مکتوب ۴۵

چہل و پنجم

یہ بھی سرداری و شرافت کی پناہ والے شیخ فرید کی طرف صادر فرمایا۔ یہ مکتوب آپ نے اپنے پیر دستگیر کے اس دنیائے فانی سے رحلت فرمانے کے بعد لکھا تھا اور چونکہ آپ کے پیر و مرشد بزرگوار کی خانقاہ کے فقرا کی ظاہری تقویت شیخ فرید موصوف سے منسوب تھی اس لئے اس کے شکر کا اظہار فرمایا ہے اور انسان کی جامعیت کی وجہ بیان کی ہے جو کہ انسان کے کمال کا سبب بھی ہے اور اس کے نقصان کا سبب بھی اور ساتھ ہی ماہِ مبارک رمضان شریف کے فضائل اور اس کے مناسب امور ذکر فرمائے ہیں۔

ثَبَّتَکُمُ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ عَلٰی جَادَّۃِ اٰبَائِکُمُ الْکِرَامِ وَسَلَّمَکُمْ عَنْ مُوْجِبَاتِ التَّلَھُّفِ وَالتَّاَسُّفِ بِمُرُوْرِ الشُّھُوْرِ وَالْاَیَّامِ (اللہ تعالیٰ آپ کو آپ کے بزرگ آبا و اجداد کے راستہ پر ثابت قدم رکھے اور مہینوں و ایام کے گذرنے کے ساتھ ساتھ غم و اندوہ کے اسباب سے سلامت رکھے)۔ اللہ تعالیٰ عزوجل کے دوست اس حدیث اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ[1] (یعنی آدمی اُسی کے ساتھ ہے جس کے ساتھ اس کو محبت ہوتی ہے) کے مطابق حق تعالیٰ کے ساتھ ہیں لیکن ان کا بدنی تعلق اس معیت و اتصال کے درمیان ایک قسم کا مانع[2] ہے۔ اس مادی جسم اور ظلمانی ڈھانچے سے الگ و جدا ہونے کے بعد تمام قرب در قرب اور اتصال در اتصال ہے، فقولہ اَلْمَوْتُ جِسْرٌ یُّوْصِلُ الْحَبِیْبَ اِلَی الْحَبِیْبِ (موت ایک پُل ہے جو ایک دوست کو دوسرے دوست سے ملاتا ہے) میں اس حقیقت کا بیان ہے اور آیت کریمہ مَنْ کَانَ یَرْجُوْا لِقَاءَ اللّٰہِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰہِ لَاٰتٍ (سورۂ عنکبوت ۲۹ آیت ۵) (جو شخص اللہ تعالیٰ کا دیدار چاہتا ہے تو (اس کو جان لینا چاہیے کہ) اللہ تعالیٰ کا وعدہ (یعنی موت) آنے والا ہے)۔ جس کا مضمون مشتاقین کے لئے باعث تسلی ہے، اللہ تعالیٰ اس آیتِ مبارکہ میں

---

[1] رواہ الشیخان۔ [2] چونکہ بدن کھانے پینے اور لباس وغیرہ کا محتاج ہے تو خواہ وہ کتنا ہی نورانی ہو جائے اپنے طبعی تقاضوں سے فارغ نہیں ہوتا پس یہ طبعی تقاضے اس کو حق تعالیٰ کے ساتھ کامل اتصال و تعلق قائم کرنے میں ایک حد تک مانع ہوتے ہیں۔

اسی رمز کو بیان فرماتا ہے لیکن ہم پسماندوں و عاجزوں کا حال بزرگوں کی حضوری کی دولت کے بغیر خراب و ابتر ہے (یعنی ہمارے پیر و مرشد اس دارِ فانی سے عالمِ جاودانی کی طرف رحلت فرما گئے اور ترقی کی بلندی کو پہنچ گئے لیکن ہم ان کے بعد دنیا میں رہ جانے والے مریدین کا حال ان کی عدم موجودگی کے باعث خراب و ابتر ہے، مؤلف)

اکابر قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کی روحانیات سے فیض حاصل کرنا چند شرطوں پر مشروط ہے کہ جن کے پورا کرنے کی ہر شخص میں طاقت نہیں ہے (یعنی بزرگوں کی وفات کے بعد ان کی ارواح سے فیض حاصل کرنا جن شرطوں پر موقوف ہے ان کا پوری طرح حق ادا کرنا ہر شخص کے بس کی بات نہیں مؤلف) لیکن اللہ تعالیٰ منعمِ حقیقی کا حمد و احسان ہے کہ اس ہولناک حادثہ اور وحشتناک واقعہ کے بعد اِن بے سر و سامان فقراء کا مُربّی و مددگار بھی دین و دنیا کے سردار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اہلِ بیت میں سے مقرر ہوا ہے جو کہ اس سلسلۂ عالیہ کے انتظام کا سبب اور نسبتِ نقشبندیہ کی جمعیت کا وسیلہ ہے بیشک یہ نسبتِ عالیہ جو کہ اس ملک میں بہت غریب و نادر ہے اور اس نسبت والے حضرات اس ملک میں بہت ہی تھوڑے ہیں چونکہ یہ اہلِ بیت[۵۱] کی نسبت ہے تو اس نسبت کا مربّی بھی اہلِ بیت ہی میں سے ہونا مناسب ہے اور اس نسبت کو تقویت دینے کا ذریعہ بھی اہی اہلِ بیت میں سے ہونا اولیٰ و بہتر ہے تاکہ اس دولتِ عظمیٰ کی تکمیل کسی غیر کے حوالہ نہ ہو جائے۔ جس طرح اس بڑی نعمت (یعنی نسبت نقشبندیہ) کا شکر فقراء پر واجب ہے اسی طرح اس دولت (یعنی کسی اہلِ بیت مثلاً شیخ فرید کی تربیت میں ہونے) کا شکر بھی ان کے ذمہ لازم ہے۔

انسان باطنی اور ظاہری جمعیت کا محتاج ہے۔

انسان جس طرح باطنی جمعیت کا محتاج ہے اسی طرح وہ ظاہری جمعیت کی بھی احتیاج رکھتا ہے بلکہ یہ احتیاج مقدم[۵۲] ہے کیونکہ تمام مخلوق میں سب سے زیادہ محتاج انسان ہے اور اس کا سب سے زیادہ محتاج ہونا اس کی جامعیت کے سبب سے لاحق ہوا ہے، اور جو کچھ سب مخلوق کے لئے درکار ہے وہ سب اس اکیلے کو درکار ہے، اور یہ جس جس چیز کا محتاج ہے اور اس کے ساتھ تعلق بھی رکھتا ہے اس لئے اس کے تعلقات سب سے زیادہ واقع ہوئے ہیں اور ہر تعلق سے اللہ تعالیٰ و تقدس جل سلطانہٗ کی جناب سے روگردانی

---

[۵۱] یعنی سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ اہلِ بیتِ نبوت رضی اللہ عنہم کے طریق سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے۔
[۵۲] یعنی ظاہری جمعیت کی احتیاج باطنی جمعیت کی احتیاج پر مقدم ہے کیونکہ ظاہری جمعیت باطنی جمعیت کے لئے تمہید اور ذریعہ ہے جیسا کہ کہا گیا ہے "پراگندہ روزی پراگندہ دل"۔ اور جیسا کہ کہا گیا ہے "کہ مزدورِ خوش دل کند کار بیش" (سعدیؒ)

لازم آتی ہے، پس انسان اس لحاظ سے مخلوقات میں سب سے زیادہ محروم ہوگیا ؎

پایۂ آخر آدم ست و آدمی — گشت محرومی از مقامِ محرمی
گر نہ گردد باز مسکیں زیں سفر — نیست از وے ہیچ کس محروم تر[1]

(ہے نزولِ آخری میں آدمی — بس ہے محروم مقامِ محرمی
گر نہ لوٹے اس سفر سے وہ غریب — کیا کہوں پس ہے نہایت بد نصیب

اور حالانکہ تمام مخلوقات سے اس (انسان) کے افضل و اشرف ہونے کا سبب بھی یہی وجہِ جامعیت ہے اسی لئے اس کا آئینہ پورا و کامل اور جو کچھ تمام مخلوقات کے آئینوں میں ظاہر ہے وہ سب کچھ اس کے آئینوں میں روشن و ظاہر ہے، پس اس جہت سے تمام مخلوقات سے بہتر انسان ہوا، اور اسی جہت سے تمام موجودات سے بدتر بھی یہی (یعنی انسان ہی) ہے۔ اسی نوعِ انسانی میں سے حضرت محمد مصطفٰے علیہ و علیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات بھی ہیں اور اسی سے ابوجہل[2] علیہ اللعنۃ بھی تھا، اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ان فقراء کی ظاہری جمعیت کے ذمہ دار آپ ہی ہیں اور باطنی جمعیت کے بارے میں بھی اَلْوَلَدُ سِرٌّ لِاَبِیْہِ (بیٹا اپنے باپ کا ہمراز و نمونہ ہوتا ہے) کے مصداق آپ کے متعلق بڑی کامل امید ہے۔ اور چونکہ آپ کا بزرگ عنایت نامہ رمضان المبارک کے مہینے میں شرف صدور لایا ہے اس لئے (اس فقیر کے) دل میں خیال آیا کہ اس بڑی قدر و منزلت والے مہینے کے کچھ فضائل لکھے۔

جاننا چاہیے کہ رمضان المبارک کا مہینہ بہت بزرگی والا مہینہ ہے، نفلی عبادات نماز، ذکر اور صدقہ وغیرہ جو اس مہینے میں ادا کی جائے وہ دوسرے دنوں کے فرض ادا کرنے کی برابر ہے[3] اور اس مہینے میں کسی فرض عبادت کا ادا کرنا دوسرے مہینوں کے ستّر فرضوں کے ادا کرنے کے برابر ہے۔ ایک فضیلت یہ ہے

رمضان المبارک کے فضائل و برکات

---

[1] ترجمہ عربی اشعار: وهو تبتنا الانسان فی اخر الوری — لذلك عن عز الحضور تاخرا
فان لم یعد من بعده و اغترابه — فلا شیٔ محروم کانس من الوری

[2] یہ ملعون آنحضرتؐ کا رشتہ میں چچا تھا اور آپ کی دشمنی میں سب سے بڑھ چڑھ کر تھا۔ سنہ ۲ھ میں مشرکین مکہ اور مسلمانوں کے درمیان پہلی جنگ بدر کے مقام پر ہوئی جس میں کفارِ مکہ کے بڑے بڑے سرداروں کے ساتھ یہ بھی مارا گیا اور مسلمانوں کو فتح مبین حاصل ہوئی۔ حافظ شیرازیؒ فرماتے ہیں ؎

دریں چمن گل بے خار کس نچید آرے — چراغِ مصطفوی با شرار بولہبی است

[3] یہ مضمون اس حدیث سے ماخوذ ہے جس کو بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے (المشکوٰۃ)

کہ اگر کوئی شخص اس مبارک مہینے میں کسی روزہ دار کا روزہ افطار کرائے تو اس کو بخش دیتے ہیں اور اس کی گردن کو دوزخ کی آگ سے آزاد کر دیتے ہیں اور اس (افطار کرانے والے) کو اس روزہ دار کے اجر کے برابر اجر عطا فرماتے ہیں بغیر اس کے کہ اس روزہ دار کے اجر میں سے کچھ کم کریں، اور اسی طرح اگر کوئی شخص اپنے غلاموں سے خدمت لینے میں کمی کرے تو حق سبحانہٗ وتعالیٰ اس کو بخش دیتا ہے اور اس کو دوزخ کی آگ سے آزاد فرما دیتا ہے۔ رمضان المبارک کے مہینے میں آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والتحیۃ قیدیوں کو آزاد فرما دیا کرتے تھے اور جو شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ مانگتا آپ اس کو عطا فرما دیتے تھے۔[۱]

اگر کسی شخص کو اس ماہِ مبارک میں خیرات اور اعمالِ صالحہ کی توفیق حاصل ہو جائے تو تمام سال اس کو ان اعمال کی توفیق شاملِ حال رہتی ہے اور اگر کسی کا یہ مہینہ اعمالِ صالحہ سے پراگندگی و کوتاہی میں گذرا تو اس کا تمام سال پراگندگی و کوتاہی میں گذرتا ہے (لہذا) جہاں تک ہو سکے اس مہینے میں اعمالِ صالحہ پر جمعیت و پابندی میں کوشش کرنی چاہئے اور اس مہینے کو غنیمت جاننا چاہئے۔

اور اس ماہِ مبارک کی ہر رات میں کئی[۲] ہزار دوزخ کے مستحق آدمیوں کو آزادی ملتی ہے۔ اور اس[۳] مہینے میں بہشت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور دوزخ کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں اور شیطانوں کو زنجیروں میں جکڑ دیا جاتا ہے اور رحمت کے دروازے کھول دیتے ہیں۔

اور افطار میں[۴] جلدی کرنا اور سحری کھانے میں تاخیر کرنا سنت ہے اور اس بارے میں آنسرورِ علیہ الصلوٰۃ والسلام

---

۱ یہ سب مضمون بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا ہے (مشکوٰۃ)۔ ۲ رواہ الترمذی وابن ماجہ واحمد فی حدیث طویل وللہ عتقاء من النار وذلک کل لیلۃ ای من رمضان (المشکوٰۃ)۔ ۳ عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اذا دخل رمضان فتحت ابواب السماء وفی روایۃ فتحت ابواب الجنۃ وغلقت ابواب جہنم وسلسلت الشیاطین وفی روایۃ فتحت ابواب الرحمۃ، متفق علیہ (المشکوٰۃ)

۴ عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم قال اللہ تعالیٰ احب عبادی اعجلہم فطراً۔ رواہ الترمذی وعن سہل قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم لایزال الناس بخیر ما عجلوا الفطر متفق علیہ۔ نیز بخاری شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے سحری کھانے اور صبح کی نماز شروع کرنے کے درمیان اتنی دیر کا فاصلہ ہوتا تھا جتنی دیر میں آدمی قرآن کریم کی پچاس آیتیں تلاوت کرلے۔ نیز ان سے مروی ہے قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم لایزال الدین ظاہراً ما عجل الناس الفطر لان الیہود والنصاریٰ یوخرون رواہ ابو داؤد و ابن ماجہ (المشکوٰۃ)۔

مبالغہ (یعنی بہت تاکید) فرماتے تھے۔ اور شاید سحری کھانے میں تاخیر اور افطار میں جلدی کرنے میں اپنے عاجز و محتاج ہونے کا اظہار ہے جو کہ بندگی کے مقام کے مناسب ہے۔ اور کھجور یا چھوہارے سے افطار کرنا سنت ہے۔ اور[۱] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم افطار کے وقت یہ دعا پڑھا کرتے تھے: ذَهَبَ الظَّمَاءُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوْقُ وَثَبَتَ الْاَجْرُ اِنْشَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰی[۲] (یعنی پیاس دور ہوگئی اور رگیں تر ہوگئیں اور اجر ثابت ہو گیا انشاء اللہ تعالیٰ) ——— اس ماہ مبارک میں نماز تراویح کا ادا کرنا اور (نماز تراویح میں) قرآن مجید کا ختم کرنا سنتِ موکدہ ہے اور اس سے بہت سے فوائد حاصل ہوتے ہیں وَفَّقَنَا اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ بِحُرْمَةِ حَبِيْبِهٖ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِيْمَاتُ وَالتَّحِيَّاتُ (اللہ سبحانہ اپنے حبیب علیہ وعلی آلہ الصلوات والتسلیمات والتحیات کے طفیل ہم کو ان کاموں کی توفیق عطا فرمائے۔)

باقی آپ کو یہ تکلیف دی جاتی ہے کہ آپ کا عنایت نامہ عین ماہ رمضان المبارک میں پہنچا ورنہ حکم بجا لانے میں اپنے آپ کو معاف نہ رکھتا، ماہ مبارک مذکور کے بعد کی بابت بات کرنا غیب کے متعلق حکم کرنا ہے اور (دنیا میں زندہ رہنے کی) بڑی لمبی امید کی خبر دینے والا بننا ہے (جو کہ مذموم ہے)۔ غرضکہ جس طرح آپ کی مرضی ہوگی اس میں (یہ فقیر) کسی طرح بھی اپنے آپ کو معاف نہ رکھے گا کیونکہ آپ کے ظاہری و باطنی حقوق ہم فقراء کے ذمہ ثابت و لازم ہیں۔ حضرت قبلہ گاہی (ہمارے پیر و مرشد) قدس اللہ تعالیٰ سرہ' فرمایا کرتے تھے کہ شیخ جیو[۳] کے حقوق تم سب پر ثابت و مقرر ہیں (کیونکہ) اس جمعیت کا باعث آپ ہی ہیں۔ حق سبحانہ وتعالیٰ آپ کو اپنے حبیب پاک علیہ وعلیہم الصلوات و التسلیمات اور آپ کی آل اطہار کے طفیل ہمیشہ پسندیدہ اعمال کی توفیق رفیق بخشے۔ اس سے زیادہ لکھنا آپ کو تکلیف دینا ہے۔

---

[۱] عن ابن عامر رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا افطر احدکم فلیفطر علی تمر فانہ برکۃ فان لم یجد فلیفطر علی ماء فانہ طھور، رواہ احمد والترمذی و ابوداؤد وابن ماجہ والدارمی ولم یذکر فانہ برکۃ غیر الترمذی۔

[۲] رواہ ابوداؤد نیز افطار کے وقت یہ دعا پڑھے اَللّٰهُمَّ لَكَ صُمْتُ وَعَلٰى رِزْقِكَ اَفْطَرْتُ رواہ ابوداؤد مرسلاً (المشکوٰۃ)۔ ۵۷

[۳] شیخ جیو سے مراد شیخ فرید۔ یعنی آپ کو شیخ جیو بھی کہا جاتا تھا اور اکبرنامہ میں شیخ فرید بخشی بیگی بھی ہیں (تجلیات ربانی)

مکتوب ۴۶
چہل و ششم

یہ مکتوب بھی سرداری و شرافت کی پناہ والے شیخ فرید کی طرف صادر فرمایا، اس بیان میں کہ حق تعالیٰ و تقدس کا وجود اور اس کی وحدت بلکہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی نبوت اور وہ تمام احکام جو آپؐ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائے بدیہی ہیں اور کسی فکر و دلیل کے محتاج نہیں ہیں اور ان سب کے بدیہی (یعنی جس میں دلیل کی حاجت نہ ہو) ہونے کی وضاحت کے لئے بہت سے دلائل بیان فرمائے ہیں۔

ثَبَّتَکُمُ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ عَلٰی جَادَّۃِ اٰبَائِکُمُ الْکِرَامِ عَلٰی اَوَّلِہِمْ وَ اَفْضَلِہِمْ اَوَّلًا وَ عَلٰی بَوَاقِیْہِمْ ثَانِیًا الصَّلٰوۃُ وَ السَّلَامُ (اللہ سبحانہٗ آپ کو اپنے بزرگ آباؤ اجداد کے راستہ پر ثابت قدم رکھے، اول ان سب میں سے اول و افضل پر اور پھر باقی سب پر صلوٰۃ و سلام ہو)۔

حق تعالیٰ و تقدس کا وجود اور اسی طرح اس کی وحدت بلکہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی نبوت بلکہ جو کچھ آپؐ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائے ہیں وہ سب بدیہی ہیں اور کسی فکر و دلیل کے محتاج نہیں ہیں بشرطیکہ انسان کی قوتِ مُدرکہ تمام ردّی آفتوں اور باطنی بیماریوں (مثلاً تکبر، حسد، طولِ امل، طمع، ریا اور بغض وغیرہا) سے صحیح و سالم و محفوظ ہوئے۔ ان امور میں نظر و فکر کرنا قوتِ مدرکہ میں کسی (باطنی) بیماری و آفت کے موجود ہونے تک ہے لیکن امراضِ قلبی سے نجات حاصل کرنے اور باطنی آنکھ کا پردہ دُور ہو جانے کے بعد بداہت کے سوا اور کچھ نہیں ہے، مثلاً صفراوی مزاج والا آدمی جب تک مرضِ صفرا میں گرفتار ہے قند و مصری کی شیرینی اس کے نزدیک دلیل کی محتاج ہے لیکن اس مرض (صفرا) کے دُور ہو جانے کے بعد قند و مصری کی شیرینی پر کسی دلیل کی ضرورت نہیں رہتی، اور جس احتیاج کا مبدا، آفت و بیماری کا وجود ہے وہ بداہت کے مخالف نہیں ہے۔ بیچارہ احول (بھینگا ٹیڑھی آنکھ والا آدمی) جس کو ایک آدمی دو نظر آتے ہیں اور اس شخص کے ایک نہ ہونے کا حکم کرتا ہے وہ معذور ہے اور احول میں بیماری کا وجود اس شخص کی وحدت کو بدیہی ہونے سے خارج نہیں کرتا اور نہ ہی اس کو دلیل و نظر کا محتاج کرتا ہے۔

اور یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ استدلال کا میدان بہت تنگ ہے اور دلیل کے ذریعہ

یقین کا حاصل ہونا بہت دشوار ہے، پس یقینی ایمان حاصل کرنے کے لئے قلبی امراض کو دُور کرنے کی فکر کرنا ضروری ہے۔ صفراوی مزاج والے کو قند و مصری کی شیرینی کا یقین حاصل کرنے کے لئے صفرا کی بیماری کا دُور کرنا اس بات سے زیادہ ضروری ہے کہ قند و مصری کی شیرینی کے یقین پر دلیل قائم کرے۔ بھلا اس کو دلیل کے ساتھ یقین کس طرح حاصل ہو سکتا ہے جبکہ اس کا وجدان (باطنی ذوق و علم) صفرا کی بیماری کے باعث قند و مصری کے تلخ ہونے کا حکم کرتا ہے جس کا ہم ذکر کر رہے ہیں اس کا یہی حال ہے۔

نفسِ امارہ بالذات (فطری طور پر) شرعی احکام کا منکر ہے اور طبعی طور پر اُن کے برخلاف حکم کرنے والا ہے۔ پس ان سچے احکام کا دلیل کے ذریعے یقین حاصل کرنا جبکہ استدلال کرنے والے کا وجدان ان کا انکار کرتا ہو نہایت دشوار ہے، پس نفس کا تزکیہ (یعنی رذائل سے پاک کرنا) نہایت ضروری ہے۔ تزکیہ حاصل کئے بغیر یقین کا حاصل کرنا بہت دشوار ہے: قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا ۝ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا ۝ (سورہ الشمس ۹۱ آیت ۹،۱۰) (تحقیق وہ فلاح پا گیا جس نے اپنے نفس کا تزکیہ کیا اور وہ ناکام ہوا جس نے نفس کو برائیوں میں ڈالا) پس ثابت ہو گیا کہ اس روشن شریعت اور رواضح ملت کا انکار کرنے والا قند و مصری کی شیرینی کے منکر کی طرح ہے

مصرعہ: خورشید نہ مجرم ار کسے بینا نیست

(ترجمہ: دیکھ سکتا نہیں جو نا بینا　　اس میں سورج کی کچھ نہیں ہے خطا

دن کو دیکھا گر نہ چمگادڑ)

پس سیر و سلوک و تزکیۂ نفس و تصفیۂ قلب سے مقصود ان باطنی آفتوں اور قلبی امراض کو دور کرنا ہے جن کی طرف آیتِ کریمہ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ (بقرہ ۲ آیت ۱۰) (ان کے دلوں میں مرض ہے) میں خبر دی گئی ہے تاکہ ایمان کی حقیقت حاصل ہو جائے، اور ان امراض و آفات کے موجود ہوتے ہوئے اگر ایمان حاصل ہے تو وہ صرف ظاہر کے اعتبار سے ہے کیونکہ نفسِ امارہ کا وجدان (باطنی ذوق) اس کے برخلاف حکم کرتا ہے اور اپنے کفر (سرکشی) کی حقیقت پر مستند اور اڑا ہوا ہے، اس قسم کے ایمان اور ظاہری تصدیق کی مثال ایسی ہے جیسے قند و مصری کی مٹھاس کے ساتھ صفراوی مزاج والے کا ایمان ہوتا ہے کیونکہ اس کا وجدان اس کے (ایمان کے) خلاف گواہ ہے، شکر کی مٹھاس کے ساتھ حقیقی یقین کا حاصل ہونا مرضِ صفرا کے دُور ہو جانے کے بعد ہی پایا جاتا ہے۔ پس تزکیۂ نفس اور اس کے مطمئنہ ہو جانے کے بعد ایمان کی حقیقت حاصل ہوتی ہے، اس کا ایمان وجدانی ہو جاتا ہے اور اس قسم کا ایمان زوال سے محفوظ ہے آیتِ کریمہ اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ (سورہ یونس ۱۰ آیت ۶۲) (یاد رکھو!

جو لوگ اللہ تعالیٰ کے دوست ہیں نہ ان کو ڈر ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے) ایسے ایمان والے لوگوں کے حق میں صادق آتی ہے شَرَّفَنَا اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ بِشَرَفِ هٰذَا الْاِيْمَانِ الْكَامِلِ الْحَقِيْقِيِّ بِحُرْمَةِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الْقُرَشِيِّ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ مِنَ الصَّلَوَاتِ اَفْضَلُهَا وَمِنَ التَّسْلِيْمَاتِ اَكْمَلُهَا (اللہ تعالیٰ اپنے امّی قرشی نبی محمد مصطفےٰ علیہ وعلیٰ آلہ من الصلوات افضلہا ومن التسلیمات اکملہا کے طفیل اس قسم کے کامل اور حقیقی ایمان سے مشرف فرمائے، آمین)

مکتوب ۴۷
چہل و ہفتم

یہ بھی سرداری کی پناہ والے شیخ فرید کی طرف صادر فرمایا سابقہ صدی کی شکایت کے بیان میں جس میں کہ کفار نے غلبہ حاصل کر لیا تھا اور اہلِ اسلام ذلیل و بے قدر ہو گئے تھے اور اس بات کی ترغیب میں کہ اگر ابتدائے بادشاہت میں دین کی ترویج و اشاعت میسر آجائے تو بہتر ہے ایسا نہ ہو کہ کوئی خود گمراہ اور دوسروں کو گمراہ کرنے والا شخص درمیان میں آکر اہلِ اسلام کے کارخانہ میں خلل ڈال دے اور سابقہ صدی کے رنگ میں رنگ دے۔

ثَبَّتَكُمُ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ عَلٰى جَادَّةِ اٰبَائِكُمُ الْكِرَامِ عَلٰى اَفْضَلِهِمْ سَيِّدِ الْكَوْنَيْنِ اَوَّلًا وَعَلٰى بَوَاقِيْهِمْ ثَانِيًا الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ وَالتَّحِيَّةُ (حق سبحانہ وتعالیٰ آپ کو اپنے بزرگ آباؤ اجداد کے راستہ پر ثابت قدم رکھے اور ان میں سے پہلے افضل اور دونوں جہاں کے سردار پر اور پھر باقی سب پر صلوۃ وسلام اور تحیۃ ہو۔)

دنیا جہان کے ساتھ بادشاہ کی نسبت ایسی ہے جیسا کہ بدن کے ساتھ دل کی نسبت، کہ اگر دل اچھا و درست ہے تو بدن بھی صحیح ہے اور اگر دل خراب ہو جائے تو بدن بھی بیکار ہو جاتا ہے۔ بادشاہ کے درست و بہتر ہونے میں جہان کی درستی و بہتری ہے اور اس کے بگڑنے پر جہان کا بگڑنا (ملک کا خراب ہونا) موقوف ہے ـــــ آپ جانتے ہیں کہ گذشتہ صدی میں اہلِ اسلام کے سر پر کیا کیا (مصیبتیں) گذری ہیں، گذشتہ صدیوں (یعنی ابتدائے اسلام) میں نہایت قلت و غربت کے باوجود اہلِ اسلام کی خرابی و تباہی بھی اس سے زیادہ نہیں ہوئی تھی کہ مسلمان اپنے دین پر اور کفار اپنے طریقہ پر قائم تھے۔ آیۃ کریمہ لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ (سورۃ الکٰفرون آیت ۶) [۱۰۹] (تمہارے لئے تمہارا دین اور میرے لئے میرا دین) میں اسی حقیقت کا بیان ہے ـــ اور گذشتہ صدی میں کفار غلبہ پا کر دار اسلام میں کھلم کھلا کفر کے احکام جاری کرتے تھے اور مسلمان اسلامی احکام کے جاری کرنے سے عاجز تھے اور اگر وہ (ایسا) کرتے تھے تو قتل کر دیئے جاتے تھے ـــ

ہائے ہلاکت، ہائے مصیبت، ہائے افسوس اور غم! حق تعالیٰ کے محبوب حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی تصدیق کرنے والے تو ذلیل و خوار تھے اور آپ کے منکر لوگ عزت والے اور معتبر تھے، مسلمان زخمی دلوں کے ساتھ اسلام کی ماتم پرسی کرتے تھے اور مخالف دشمن ہنسی و مذاق کے ساتھ اُن کے زخموں پر نمک چھڑکتے تھے، ہدایت کا آفتاب گمراہی کے پردہ میں چھپا ہوا تھا اور حقانیت کا نور باطل کے پردوں میں گوشہ گیر ہو گیا تھا۔

احیائے دین کی ترغیب

آج جبکہ دولتِ اسلام کی رکاوٹوں کے زوال کی خوشخبری اور بادشاہِ اسلام کی تخت نشینی کی بشارت خاص و عام کے کانوں تک پہنچی ہے تو اہلِ اسلام نے اپنے اوپر لازم کر لیا ہے کہ وہ بادشاہ کے معاون و مددگار ہوں اور شریعت کے رواج دینے اور مذہب کو قوت پہنچانے میں اس کی رہنمائی کریں، خواہ یہ امداد دینا اور قوت پہنچانا زبان سے ہو سکے یا ہاتھوں سے میسر ہو۔ سب سے بڑھ کر امداد یہ ہے کہ کتاب و سنت اور اجماعِ امت کے مطابق مسائلِ شرعیہ کو بیان کیا جائے اور کلامیہ عقائد کو ظاہر کیا جائے تاکہ کوئی بدعتی اور گمراہ شخص درمیان میں آ کر راستے سے نہ ہٹا دے اور کام خراب نہ کر دے ـــــ اس قسم کی امداد علمائے حقانی کے ساتھ مخصوص ہے جو کہ آخرت کی طرف توجہ رکھتے ہیں، دنیادار علما جن کا مقصد کمینی دنیا حاصل کرنا ہے ان کی صحبت زہرِ قاتل ہے اور ان کا فساد متعدی ہے (یعنی ایک سے دوسرے کو لگنے والا ہے) ؎

عالم کہ کامرانی و تن پروری کند　　او خویشتن گم است کرا رہبری کند

(عالم جو کامرانی و تن پروری کرے　　بھٹکا ہوا ہے آپ وہ کیا رہبری کرے)

گذشتہ صدی میں جو بھی مصیبت اسلام اور اہلِ اسلام کے سر پر آئی وہ اسی جماعت کی بدبختی و بیباکی کی وجہ سے تھی، یہی لوگ (علمائے سوء) بادشاہوں کو راہِ راست سے بھٹکاتے تھے، بہتّر فرقے جنھوں نے گمراہی کا راستہ اختیار کیا ہے ان سب کے مقتدا و پیشوا یہی بُرے علما ہوئے ہیں، بہت کم لوگ ہیں جو علما کے بغیر گمراہ ہوئے ہوں اور ان کی گمراہی کا اثر دوسرے لوگوں تک پہنچا ہو، اور اس زمانے کے اکثر صوفی نما جاہل لوگ علمائے سوء (بُرے علما) کا حکم رکھتے ہیں ان کا فساد بھی متعدی ہے (یعنی اس کی برائی بھی دوسروں تک پہنچتی ہے) اور ظاہر ہے کہ اگر کوئی شخص امداد کی طاقت کے باوجود کسی قسم کی مدد میں بھی کمی کرے اور اسلام کے کارخانے میں خلل واقع ہو جائے تو وہ امداد میں کوتاہی کرنے والا شخص معتوب (یعنی سزا کا مستحق) ہوگا۔ اسی لئے یہ کم سرمایہ حقیر فقیر بھی چاہتا ہے کہ اپنے آپ کو دولتِ اسلام کے

مددگاروں کے گروہ میں داخل کرے اور اس بارے میں کوشش کرے، مَنْ كَثَّرَ سَوَادَ قَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ [له] (جس نے کسی قوم کی جمعیت کو زیادہ کیا وہ انہی میں سے ہے) کے مواقف امید ہے کہ اس بے استطاعت کو بھی اس بزرگ جماعت (مددگارانِ اسلام) میں داخل کریں۔ یہ فقیر اپنے آپ کو اُس بڑھیا کی طرح خیال کرتا ہے جس نے اپنا تھوڑا سا سُوت لے کر حضرت یوسف علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے خریداروں کے سلسلہ میں شامل کر لیا تھا۔ انشاء اللہ العزیز جلد ہی یہ فقیر حاضر خدمت ہونے کے شرف سے مشرف ہو گا۔ آنجناب کی بزرگ ذات سے توقع ہے کہ جب حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے آپ کو ذاتی طاقت وقوت اور بادشاہ کا قرب پورے طور پر عطا فرمایا ہے تو حضرت محمد مصطفےٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ من الصلوات افضلہا ومن التسلیمات اکملہا کی شریعت کے رواج دینے میں خلوت وجلوت اور ظاہر وباطن میں کوشش کرتے رہیں گے اور مسلمانوں کو ذلت وپستی سے نکالیں گے۔

مولانا حامد کا وظیفہ سرکار بلند اقبال سے مقرر ہے، گذشتہ سال حاضر ہو کر اس نے حضور سے حاصل کر لیا تھا، اس سال بھی امیدوار ہو کر حاضر ہو رہا ہے، حق تعالیٰ آپ کو حقیقی ومجازی دولت میسر فرمائے۔

مکتوب ۴۸ چہل و ہشتم

یہ مکتوب بھی سرداری وشرافت کی پناہ والے شیخ فرید بخاری کی طرف علمائے کرام اور طالبانِ علوم حاملانِ شریعت کی تعظیم کی ترغیب دینے کے بیان میں صادر ہوا۔

نَصَرَكُمُ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ عَلَى الْاَعْدَاءِ بِحُرْمَةِ سَيِّدِ الْاَنْبِيَاءِ عَلَيْهِ وَعَلَيْهِمُ الصَّلَوٰتُ وَالتَّسْلِيْمَاتُ وَالتَّحِيَّاتُ (اللہ تعالیٰ سبحانہٗ سردار انبیاء علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات والتحیات کے طفیل آپ کو دشمنوں پر فتح ونصرت عطا فرمائے)۔

آپ کا مرحمت نامہ گرامی جس سے آپ نے ہم فقیروں کو نوازا تھا اس کے مطالعہ سے مشرف ہوا آپ نے مولانا محمد قلیج موفقی کے خط میں تحریر فرمایا تھا کہ طالب علموں اور صوفیوں کے لئے کچھ خرچ بھیجا

[له] اس حدیث کو ابو یعلی نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے اور اس روایت میں یہ الفاظ زائد ہیں وَمَنْ رَضِيَ عَمَلَ قَوْمٍ كَانَ شَرِيْكَ مَنْ عَمِلَ بِهٖ یعنی جو شخص کسی قوم کے کسی کام پر راضی ہوا وہ اس پر عمل کرنے والے کا شریک ہوا۔

گیا ہے۔ طالب علموں کے ذکر کو صوفیوں (کے ذکر) پر مقدم کرنا آپ کی بلند ہمتی ہے بہت ہی اچھا معلوم ہوا۔ اَلظَّاهِرُ عُنْوَانُ الْبَاطِنِ (ظاہر باطن کا عنوان ہوتا ہے) کے مضمون کے مطابق امید ہے کہ آپ کے باطن شریف میں بھی اس بزرگ جماعت کو (صوفیوں پر) مقدم کرنا پیدا ہو گیا ہوگا کُلُّ اِنَاءٍ یَتَرَشَّحُ بِمَا فِیْهِ (ہر برتن سے وہی چیز نکلتی ہے جو اس کے اندر ہوتی ہے) ع

از کوزہ بروں ہماں تراود کہ در وست　　　(نکلتا ہے وہی برتن سے جو کچھ اس کے اندر ہے)

ترویج شریعت کے فضائل

اور طالب علموں کے مقدم کرنے میں شریعت کو رواج دینا ہے (کیونکہ) شریعت کے اٹھانے اور قائم کرنے والے یہی لوگ ہیں اور حضرت محمد مصطفیٰ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کا مذہب و ملت انہی کے ساتھ قائم ہے۔ کل قیامت کے روز شریعت کی بابت پوچھیں گے تصوف کے متعلق نہیں پوچھیں گے، جنت میں داخل ہونا اور دوزخ سے بچنا شریعت کے احکام بجالانے پر منحصر ہے۔ انبیاء صلوات اللہ تعالیٰ وتسلیماتہ علیہم نے جو کہ تمام کائنات میں سب سے بہتر ہیں (اپنی اپنی) شریعتوں کی طرف دعوت دی ہے، اور نجات کا انحصار اسی پر رہا ہے اور ان بزرگوں کی پیدائش سے مقصود شریعتوں کی تبلیغ ہے پس سب سے بڑی نیکی شریعت کے رواج دینے اور اس کے حکموں میں سے کسی حکم کے زندہ کرنے میں کوشش کرنا ہے خصوصاً ایسے زمانے میں جبکہ اسلامی شعائر (نشانات وارکان) بالکل مٹ گئے ہوں۔ اللہ تعالیٰ عزوجل کے راستہ میں کروڑوں روپیہ خرچ کرنا بھی شرعی مسائل میں سے کسی ایک مسئلہ کو رواج دینے کے برابر نہیں ہے کیونکہ اس فعل (شرعی مسائل کی ترویج) میں انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی اقتدا (پیروی کرنا) ہے جو کہ مخلوقات میں سب سے زیادہ بزرگ ہیں اور اس فعل میں ان بزرگوں کے ساتھ شریک ہونا ہے۔ اور یہ بات ثابت ہے کہ سب سے کامل نیکیاں انہی بزرگوں کو عطا ہوئی ہیں اور کروڑوں روپیہ خرچ کرنا تو ان بزرگوں کے علاوہ دوسروں کو بھی میسر ہے۔

اور (ایک دلیل) یہ بھی ہے کہ احکام شریعت کے بجالانے میں نفس کی پوری پوری مخالفت ہوتی ہے کیونکہ شریعت نفس کے مخالف وارد ہوتی ہے اور اموال کے خرچ کرنے میں تو کبھی نفس بھی موافقت کر لیتا ہے ہاں البتہ اموال کا خرچ کرنا اگر شریعت کی تائید اور مذہب کی ترویج کے لئے ہو تو اس کا بہت بڑا درجہ ہے اور اس نیت کے ساتھ ایک جیتل (دام) کا خرچ کرنا کسی اور نیت سے کئی لاکھ (روپیہ) خرچ کرنے کے برابر ہے۔

یہاں کوئی یہ سوال نہ کرے کہ (ماسوا اللہ میں) گرفتار طالب علم (ماسوا اللہ سے) آزاد صوفی سے

کس طرح مقدم ہوگا ـــــ ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ اُس (آزاد صوفی) نے بات کی حقیقت کو حاصل نہیں کیا اور طالب علم باوجود (ماسوا اللہ کی) گرفتاری کے خلقت کی نجات کا سبب ہے کیونکہ احکام شرعی کی تبلیغ اس کو حاصل ہے اگرچہ وہ خود اس سے نفع حاصل نہیں کرتا اور صوفی نے (ماسوی اللہ سے) آزادی کے باوجود اپنے نفس کو خلاص کرلیا ہے (اس لئے) خلقت سے اس کا کوئی تعلق نہیں رہا ہے اور یہ بات ثابت ہے کہ جس (آزاد) شخص کے ساتھ بکثرت لوگوں کی نجات وابستہ ہو وہ اس شخص سے بہتر ہے جو صرف اپنی نجات کے درپے ہو۔

ہاں البتہ جس صوفی کو فنا و بقا اور سیر عن اللہ و باللہ کے بعد دنیا (مخلوق) کی طرف لوٹا دیا گیا ہو اور خلقت کی دعوت (یعنی مخلوق کو راہِ راست کی طرف لانے کا فریضہ انجام دینے) کے مقام میں لے آئے ہوں، اس کو مقامِ نبوت سے حصہ حاصل ہے اور شریعت کی تبلیغ کرنے والوں میں داخل ہے وہ بھی علمائے شریعت کا حکم رکھتا ہے (یعنی وہ بھی عالم شریعت ہے) ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ (جمعہ ۶۲ آیت ۴)

(یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے)

مکتوب ۴۹
چہل و نہم

یہ بھی سرداری کی پناہ والے شیخ فرید کی طرف صادر ہوا ـــــ جو کہ ان دونوں دولتوں کے جمع کرنے یعنی ظاہر کو احکامِ شرعیہ کے ساتھ آراستہ کرنے اور باطن کو ماسوائے حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی گرفتاری سے آزاد کرنے کی ترغیب میں ہے۔

حق سبحانہٗ و تعالیٰ آپ کو ظاہری دولت اور باطنی سعادت سے سرفرازی حاصل کرنے والا بنائے، حقیقت میں ظاہری دولت یہ ہے کہ انسان اپنے ظاہر کو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شریعت کے احکام کے ساتھ آراستہ کرے اور باطنی سعادت یہ ہے کہ بندہ اپنے باطن کو ماسوائے حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی گرفتاری سے آزاد کرے۔ دیکھئے کس صاحبِ نصیب کو ان دونوں بزرگیوں سے مشرف کرتے ہیں۔ ع

کار این است و غیر ازیں ہمہ ہیچ — (ہے یہی مقصود اصلی اور سب کچھ ہیچ ہے)

زیادہ لکھنا آپ کو تکلیف دینا ہے۔ والسلام

مکتوب ۵۰
پنجاہم

یہ بھی سرداری کی پناہ والے شیخ فرید کی طرف صادر ہوا ـــــ کمینی دنیا کی مذمت کے بیان میں۔

حق سبحانہٗ وتعالیٰ اپنے حبیب سید البشر صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کے طفیل جو کہ کجیٔ چشم سے پاک ہیں اپنے ماسوا کی غلامی سے آزادی مرحمت فرما کر پوری طرح اپنی جناب کا گرفتار بنائے۔

دنیا ظاہر میں میٹھی اور صورت میں تر و تازہ معلوم ہوتی ہے لیکن حقیقت میں زہرِ قاتل و متاعِ باطل اور بے فائدہ گرفتاری ہے، اس کا مقبول ذلیل و خوار اور اس کا عاشق مجنوں ہے، اس کا حکم اس نجاست کی طرح ہے جس پر سونا منڈھا (چڑھا) ہوا ہو، اور اس کی مثال اس زہر کے مانند ہے جس میں شکر ملی ہوئی ہو۔ عقلمند وہ ہے جو ایسے کھوٹے متاع پر فریفتہ نہ ہو اور اس طرح کے خراب اسباب کا طالب نہ ہو ـــ اور (فقہا و علماء نے) کہا ہے کہ[۱] "اگر کوئی شخص وصیت کرے کہ میرا مال اہلِ زمانہ میں سے کسی عقلمند کو دیں تو زاہد کو دینا چاہیئے جو کہ دنیا کی طرف رغبت نہیں رکھتا اور دنیا سے بے رغبتی اس کی نہایت عقلمندی کی وجہ سے ہے" ـــ اس سے زیادہ لکھنا طول کلامی ہے۔

باقی یہ تکلیف دی جاتی ہے کہ فضائل مآب شیخ زکریا[۲] اس سال اور اس عمر میں کروڑی گری یعنی تحصیلداری میں گرفتار ہیں، اس گرفتاری کے باوجود محاسبۂ عاجلہ یعنی دنیاوی محاسبہ سے جو محاسبۂ آجلہ یعنی آخرت کے محاسبہ کی بہ نسبت بہت آسان ہے ہراساں و پریشان ہیں اور عالَمِ اسباب میں قابلِ وثوق بڑا وسیلہ آپ ہی کی بزرگ توجہ کو جانتے ہیں، امید ہے کہ نئے دفتر میں بھی ان کا نام ظاہر ہو جائے گا۔ کہ شیخ مذکور آپ کی بلند درگاہ کے خادموں میں سے ہیں ؎

تو مرا دل دہ و دلیری بیں   روبۂ خویش خواں و شیری بیں

دل مجھے دے، میری دلیری دیکھ   لومڑی اپنی جان، شیری دیکھ

نبی اُمّی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور آپؐ کی بزرگ آل کے طفیل آپ کو ظاہری و باطنی دولت حاصل ہو۔

بصرف للعلماء

۱؎ درمختار باب الوصیۃ میں ہے: ولو اوصی للعقلاء إلی الزاھدین لانھم ھم العقلاء فی الحقیقۃ۔

۲؎ مکتوب ۲۳ میں بھی آپ کے لئے سفارش فرما چکے ہیں۔ آپ حضرت مجددؒ کے خسر شیخ سلطان کے بھائی ہیں۔

مکتوب ۵۱
پنجاہ و یکم

یہ مکتوب بھی سرداری کی پناہ والے شیخ فرید کی طرف روشن شریعت علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے رواج دینے کی ترغیب میں صادر ہوا۔

حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی جناب میں دعا ہے کہ اُن بزرگانِ کرام کی اولاد کے وجود شریف کے وسیلہ سے روشن شریعت کے ارکان (یعنی شہادتین، نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج) اور دستورِ ملتِ اسلامیہ کے احکام قوت پکڑیں اور رواج پائیں۔ ع　　کار این ست وغیر ازیں ہمہ ہیچ　(کام بس یہ ہے، باقی سب کچھ ہیچ ہے)

(ترجمہ اردو عربی: مصرعہ یہی مقصود اصلی اور سب کچھ ہیچ ہے۔ ھٰذَا ھُوَ الْاَمْرُ وَالْبَاقِیْ مِنَ الْعَبَثِ)

آج بیچارے اہلِ اسلام کے لئے اس طرح کی گمراہی کے بھنور میں نجات کی امید بھی حضرت خیر البشر علیہ وعلیٰ آلہ من الصلوات انمہا ومن التحیات والتسلیمات اکملہا کے اہلِ بیت کی کشتی سے ہے۔ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے: مَثَلُ اَھْلِ بَیْتِیْ کَمَثَلِ سَفِیْنَۃِ نُوْحٍ مَنْ رَکِبَھَا نَجَا وَمَنْ تَخَلَّفَ عَنْھَا ھَلَکَ[۱]

(میرے اہلِ بیت کی مثال حضرت نوحؑ کی کشتی کی مانند ہے جو اس پر سوار ہوا وہ بچ گیا اور جو اس سے پیچھے رہا وہ ہلاک ہو گیا)۔

آپ اپنی بلند ہمت کو پوری طرح سے اس بات (ترویجِ شریعت) پر لگا دیں تاکہ یہ بہت بڑی سعادت حاصل ہو جائے۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے فضل وکرم سے (آپ کو) جاہ وجلال اور عظمت وشوکت سب کچھ حاصل ہے۔ ذاتی شرافت کے ہوتے ہوئے اگر یہ (ترویجِ شریعت کی) مزید سعادت بھی اس کے ساتھ شامل ہو جائے تو آپ سبقت کی گیند سعادت کے چوگان (بلے) کے ساتھ سب سے آگے لے جائیں گے (یعنی بہت بڑی سعادت حاصل کر لیں گے)۔ یہ حقیر فقیر شریعتِ حقہ کے رواج دینے اور تائید کے بارے میں اس قسم کی باتوں کے اظہار کے ارادہ سے آنجناب کی طرف متوجہ ہے۔

ہلالِ ماہِ رمضان المبارک دہلی شریف میں دیکھا۔ حضرت والدۂ بزرگوار کی مرضی ٹھہرنے کے بارے میں معلوم ہوئی (اس لئے) ختمِ قرآن مجید کے سننے تک ٹھہرا رہا وَالْاَمْرُ عِنْدَ اللّٰہِ سُبْحَانَہٗ (آئندہ جو اللہ تعالیٰ کو منظور ہو)۔ دونوں جہان کی سعادت آپ کو نصیب فرمائے۔

---

[۱] مشکوٰۃ میں حضرت ابوذر غفاریؓ سے اور مسند احمد و بزار میں حضرت ابن عباسؓ و ابن الزبیر سے اور حاکم نے حضرت ابی ذرؓ سے روایت کیا ہے۔

مکتوب ۵۲
پنجاہ و دوم

یہ مکتوب بھی سرداری کی پناہ والے شیخ فرید کی طرف صادر فرمایا ـــــــ نفس امارہ کی مذمت، اس کے ذاتی مرض اور اس مرض کو دُور کرنے کے علاج کے بیان میں۔

آپ کا بزرگ مرحمت نامہ کہ جس سے آپ نے شفقت و مہربانی فرماتے ہوئے اپنے مخلص دعاگو کو ممتاز فرمایا تھا اس کے مضمون کے مطالعہ سے مشرف ہوا۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ آپ کے جدّ بزرگوار علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے طفیل آپ کو اجرِ عظیم عطا فرمائے، آپ کی قدر و منزلت کو بلند فرمائے، آپ کے سینے کو (اپنی معرفت کے لئے) کھول دے اور آپ کے کام کو آسان کر دے۔ حق تعالیٰ ہم سب کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ظاہری و باطنی متابعت پر ثابت قدم رکھے اور اس دعا پر آمین کہنے والے پر رحم فرمائے۔ (آمین)

دیگر یہ کہ بدخُو مصاحب اور بُری عادت والے ہمنشین کے بارے میں چند فقرے تحریر کئے جاتے ہیں، (امید ہے کہ) قبولیت کے کانوں سے سنیں گے۔

نفس امارہ کی مذمت اور علاج

(میرے) مخدوم و مکرم! انسان کا نفسِ امارہ جاہ و ریاست کی محبت پر پیدا کیا گیا ہے اس کی تمام ہمت و کوشش اپنے ہمعصروں پر بلندی حاصل کرنا ہے اور وہ فطری طور پر اس بات کا خواہاں ہے کہ تمام مخلوقات اس کی محتاج اور اس کے اوامر و نواہی کے تابع ہو جائے اور وہ خود کسی ایک کا بھی محتاج اور محکوم نہ ہو، اس کا یہ دعویٰ الوہیت خدا ہونے اور خدائے بے مثل جل سلطانہٗ کے ساتھ شرکت کا دعویٰ ہے بلکہ وہ بدبخت شرکت پر بھی راضی نہیں ہے (بلکہ) چاہتا ہے کہ حاکم صرف وہی ہو اور سب اس کے محکوم ہوں۔

حدیث قدسی میں آیا ہے: عَادِ نَفْسَكَ فَإِنَّهَا انْتَصَبَتْ بِمُعَادَاتِي[1] (یعنی اپنے نفس سے دشمنی رکھو کیونکہ بلا شک و شبہ وہ میری دشمنی پر کمربستہ ہے) پس جاہ و ریاست، بڑائی اور تکبر وغیرہ نفس کی خواہشات حاصل کرنے کے ساتھ نفس کی تربیت کرنا حقیقت میں خدائے عزوجل کے دشمن کی مدد کرنا اور اس کو تقویت دینا ہے، اس بات کی برائی کو اچھی طرح جان لینا چاہئے۔

نیز حدیث قدسی میں وارد ہے: اَلْكِبْرِيَاءُ رِدَائِي وَالْعَظَمَةُ إِزَارِي فَمَنْ نَازَعَنِي فِي شَيْءٍ

[1] بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ داؤد علیہ السلام کی حدیثِ قدسیات میں سے ہے۔

مِنْهُمَا اَدْخَلْتُهٗ فِی النَّارِ وَلَا اُبَالِیْ[ل] (یعنی بڑائی میری چادر ہے اور عظمت میری ازار ہے پس جس نے ان دونوں میں سے کسی ایک بات میں مجھ سے جھگڑا کیا تو میں اس کو دوزخ میں داخل کروں گا اور مجھے اس کی کچھ پرواہ نہیں) ۔

کمینی دنیا حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے نزدیک اس وجہ سے ملعونہ ومبغوضہ[ل۲] (یعنی لعنت کی ہوئی اور غضب کی ہوئی) ہے کہ دنیا کا حصول نفس کی خواہشات کے حاصل ہونے میں معاون ومددگار ہے پس جو کوئی (اللہ تعالیٰ کے) دشمن کی مدد کرے وہ بالضرور لعنت کے لائق ہے ——— اور فقر جو حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لئے فخر بن گیا[ل۳] (اس کی وجہ یہ ہے کہ) فقر میں نفس کی نامرادی اور اس کے عجز کا حصول ہے ——— انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی بعثت سے مقصود اور شرعی احکامات میں حکمت کی وجہ یہی ہے کہ نفسِ امارہ عاجز اور خراب ہو جائے (کیونکہ) شرعی احکامات نفسانی خواہشات کو دُور کرنے کے لئے وارد ہوئے ہیں، جس قدر شریعت کے مطابق عمل کیا جائے گا اسی قدر نفسانی خواہشات زائل ہوتی جائیں گی، یہی وجہ ہے کہ خواہشاتِ نفسانی کے دُور کرنے میں شرعی احکامات میں سے ایک حکم بجالانا اُن ہزار سالہ ریاضتوں اور مجاہدوں سے بہتر ہے جو اپنی طرف سے کی جائیں، بلکہ یہ ریاضتیں اور مجاہدے جو روشن شریعت کے مطابق واقع نہیں ہوئے نفسانی خواہشات کو مدد اور قوت دینے والے ہیں۔ ——— برہمنوں اور جوگیوں نے ریاضتوں اور مجاہدوں میں کمی نہیں کی ہے لیکن ان میں سے کوئی چیز (ان کے لئے) فائدہ مند نہیں ہوئی اور نفس کی تقویت وپرورش کے سوا (ان کو) اور کچھ حاصل نہیں ہوا ——— مثلاً زکوٰۃ کی ادائیگی میں جس کا کہ شریعت نے حکم دیا ہے ایک دانگ (دمڑی) خرچ کرنا نفس کے خراب (وذلیل) کرنے میں (بغیر امر شرعی) اپنی مرضی سے ہزار دینار خرچ کرنے سے زیادہ فائدہ مند ہے اور شریعت کے حکم سے عید الفطر کے دن

ل رواہ مسلم علی مافی المشکوٰۃ، مراد یہ ہے کہ یہ دو صفتیں حق تعالیٰ ہی کے لئے مخصوص ہیں ان ہر دو صفات میں شریک ہونے اور ان سے متصف ہونے کی کسی کو مجال نہیں ہے ——— ل۲ اس میں ان احادیث کی طرف اشارہ ہے جو اس بارے میں وارد ہوئی ہیں ——— ل۳ اس میں قول اَلْفَقْرُ فَخْرِیْ کی طرف اشارہ ہے جو لوگوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے طور پر مشہور ہے۔ علامہ ابن حجر مکیؒ فرماتے ہیں کہ اس کی کوئی اصل نہیں ہے اور امام ابن تیمیہؒ نے کہا کہ یہ قول باطل ہے، اور قاضی عیاضؒ نے اس قول کو مذکورہ الفاظ کے ساتھ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ذکر کیا ہے جیسا کہ بعض نسخوں میں یہ الفاظ ہیں اَلْعَجْزُ فَخْرِیْ۔ ملا علی قاریؒ نے شفا کی شرح میں کہا ہے کہ اس قول کا موضوع وباطل ہونا سنت وحدیث ہونے کے اعتبار سے ہے نہ کہ اس کے معنی کے اعتبار سے کیونکہ یہ معنی مطلقاً کتاب اللہ میں مذکور ہیں چنانچہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے وَاللّٰہُ الْغَنِیُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ۔

کھانا خواہش (نفسانی) کے دور کرنے میں اپنی مرضی سے کئی سال کے روزے رکھنے سے زیادہ فائدہ مند ہے، اور نمازِ فجر کی ۲ دو رکعتوں کو جماعت کے ساتھ ادا کرنا جو کہ سنتوں میں سے ایک سنت[۱] کا بجالانا ہے اس بات سے کئی درجے بہتر ہے کہ تمام رات نفل نماز ادا کرتا رہے اور فجر کی نماز جماعت کے بغیر ادا کرے[۲]۔

غرضکہ جب تک نفس کا تزکیہ نہ ہو جائے اور دماغ سرداری کے مالیخولیا کی پلیدی سے پاک نہ ہو جائے نجات محال ہے، اس مرض کے دور کرنے کی فکر ضروری ہے تاکہ ایسا نہ ہو کہ اسی مرض میں ابدی موت آجائے۔

کلمۂ طیبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ جو آفاقی (بیرونی) و انفسی (اندرونی) معبودوں کی نفی کے لئے وضع کیا گیا ہے نفس کے پاک صاف کرنے میں بہت ہی مفید اور نہایت مناسب ہے۔ بزرگانِ طریقت قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم نے نفس کے تزکیہ کے لئے اسی کلمۂ طیبہ کو اختیار فرمایا ہے ؎

تا بجاروبِ لا نہ روبی راہ
نہ رسی در سرائے اِلَّا اللّٰہ

(ترجمہ) لا کی جھاڑو سے نہ ہو جب تک صفائی راہ کی
بابِ اِلَّا اللّٰہ میں داخل نہیں ہوگا کبھی

جب نفس سرکشی کے مقام میں آجائے اور عہد شکنی کرے تو اس کلمہ کی تکرار سے ایمان کو تازہ کرنا چاہیئے۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا جَدِّدُوْا اِیْمَانَکُمْ بِقَوْلِ[۳] لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ (یعنی لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ (کی تکرار) سے اپنے ایمان کو تازہ کر لیا کرو) بلکہ ہر وقت اس کلمہ کی تکرار ضروری ہے اس لئے کہ نفسِ امارہ ہمیشہ ناپاکی (پلیدی) کے مقام میں ہے۔ اس کلمہ طیبہ کی فضیلتوں کے متعلق حدیث شریف میں آیا ہے کہ اگر سب آسمانوں اور زمینوں (اور ان کے درمیان کی چیزوں کو ترازو کے) ایک پلڑے میں رکھیں اور اس کلمۂ طیبہ کو دوسرے پلڑے میں، تو یہ کلمہ والا پلڑا یقیناً دوسرے پلڑے پر بھاری ہوگا[۴] — اس شخص پر سلام ہو جس نے ہدایت کی پیروی کی اور حضرت محمد مصطفےٰ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کی متابعت کو لازم پکڑے۔

(حاشیہ: کلمۂ طیبہ کے فضائل)

---

[۱] اس میں جماعت کے سنت ہونے کی طرف اشارہ ہے، ہدایہ میں ہے "یعنی جماعت سنتِ مؤکدہ ہے اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جماعت سننِ ہُدیٰ میں سے ہے اس سے سوائے منافق کے اور کوئی مسلمان روگردانی نہیں کرتا۔" — [۲] قال عمرؓ لان اشھد صلوٰۃ الصبح فی جماعۃ احب الی من ان اقوم لیلۃ (رواہ مالک)۔ — [۳] امام جزری نے حصن حصین میں کہا ہے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جددوا ایمانکم قیل یارسول اللہ وکیف نجدد ایماننا قال اکثروا من قول لا الٰہ الا اللہ (اط) یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے ایمان کو تازہ کر لیا کرو، صحابہؓ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم اپنے ایمان کو کس طرح تازہ کیا کریں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کثرت سے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہا کرو۔ اس کو احمد و طبرانی نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کیا ہے — [۴] اس حدیث کو ابن حبان و نسائی نے حضرت ابو سعیدؓ سے اور بزار نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔

مکتوب ۵۳
پنجاہ و سوم

یہ مکتوب بھی سرداری کی نسبت والے شیخ فرید کی طرف صادر فرمایا ـــــ اس بیان میں کہ بُرے علماء کا اختلاف دنیا کی تباہی کا باعث ہے اور اس کے مناسب بیان میں۔

ثَبَّتَکُمُ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ عَلٰی جَادَّۃِ اٰبَآئِکُمُ الْکِرَامِ (اللہ سبحانہٗ آپ کو بزرگ آبا واجداد کے راستہ پر ثابت قدم رکھے) ـــــ سنا گیا ہے کہ بادشاہِ اسلام (جہانگیر) نے مسلمانی کی نیک فطرت پر ہونے کی وجہ سے جو کہ وہ اپنی ذات میں رکھتا ہے آپ سے فرمایا ہے کہ "دیندار علماء میں سے چار شخص (علماء) مہیا کریں جو کہ دربارِ شاہی میں حاضر رہ کر شرعی مسائل بیان کیا کریں تا کہ (بادشاہ سے) خلافِ شرع کوئی امر واقع نہ ہو"۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ سُبْحَانَہٗ عَلٰی ذٰلِکَ (اس پر اللہ سبحانہٗ کی حمد و ثنا ہے) ـــــ

مسلمانوں کے لئے اس سے بڑھ کر اور کونسی خوشی ہوگی اور ماتم زدوں کو اس سے بہتر اور کونسی خوشخبری ہوگی، لیکن چونکہ یہ فقیر بھی اسی (دینی) غرض کے لئے آپ کی خدمتِ عالیہ کی طرف متوجہ ہے جیسا کہ کئی مرتبہ اس امر کا اظہار کیا جا چکا ہے اس لئے اس بارے میں کہنے اور لکھنے سے اپنے آپ کو ہرگز معاف نہیں رکھ سکے گا، امید ہے کہ مجھے معذور قرار دیں گے کیونکہ صَاحِبُ الْغَرَضِ مَجْنُوْنٌ (غرض مند دیوانہ ہوتا ہے)، (یہ فقیر) عرض کرتا ہے کہ ایسے دیندار عالم جو حُبِّ جاہ و ریاست سے خالی ہوں اور شریعت کی ترویج اور ملتِ (اسلامیہ) کی تائید کرنے کے علاوہ اور کچھ مطلب نہ رکھتے ہوں بہت کم بلکہ کم سے کم ہیں۔ حُبِّ جاہ ہونے کی صورت میں ان علماء میں سے ہر ایک اپنی ایک الگ لائن اختیار کرے گا اور اپنی بزرگی کا اظہار کرے گا اور اختلافی باتیں درمیان میں لا کر اس کو بادشاہ کے قرب کا وسیلہ بنائے گا لامحالہ دین کی مہم ضائع ہو جائے گی ـــــ گزشتہ زمانہ (عہدِ اکبری) میں بھی علماء کے اختلافات نے دنیا کو بلاء و مصیبت میں ڈال دیا تھا اور (اب بھی) وہی بُرے علماء کی صحبت کا اندیشہ درپیش ہے، اس صورت میں (شریعت کی) ترویج کی کیا گنجائش ہے، بلکہ (یہ) دین کی خرابی کا باعث ہوگا، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ سُبْحَانَہٗ مِنْ ذٰلِکَ وَمِنْ فِتْنَۃِ الْعُلَمَآءِ السُّوْءِ (اللہ تعالیٰ سبحانہٗ اس امر سے اور بُرے علماء کے فتنہ سے بچائے) ـــــ ـــــ اگر اس غرض کے لئے (صرف) ایک عالم (دین) کا انتخاب کر لیں تو بہتر معلوم ہوتا ہے اور

علماء کا اختلاف دین کی خرابی کا باعث ہے

اگر علمائے آخرت میں سے (یعنی جو دنیا سے بے رغبت ہو) کوئی دستیاب ہو جائے تو بہت بڑی سعادت ہے کیونکہ اس کی صحبت سرخ گندھک (یعنی اکسیر کی مانند) ہے اور اگر (ایسا عالم) نہ مل سکے تو صحیح غور و فکر کے بعد اس قسم کے علماء (یعنی علماءِ سوء) میں سے کسی بہتر کا انتخاب کر لیں، مَالَایُدْرَكُ كُلُّهٗ لَایُتْرَكُ كُلُّهٗ (جو چیز پورے طور پر حاصل نہ ہو سکے اس کو بالکل نہیں چھوڑ دینا چاہئے یعنی جس قدر بھی حاصل ہو سکے حاصل کر لی جائے)۔

میں نہیں سمجھتا کہ (اس کے سوا اور) کیا لکھوں (کہ) جس طرح مخلوق کی نجات علماء کے وجود کے ساتھ وابستہ ہے دنیا کا خسارہ بھی انہی پر موقوف ہے۔ علماء میں سے بہترین عالم تمام دنیا کے انسانوں میں سب سے بہتر ہے اور علماء میں سے بدترین عالم تمام دنیا کے انسانوں میں سب سے بدتر ہے[۱]۔ (کیونکہ) ہدایت اور گمراہی ان ہی کی ذات کے ساتھ وابستہ ہے ـــــــ کسی بزرگ نے ابلیسِ لعین کو دیکھا کہ فارغ و بیکار بیٹھا ہے، اس نے اس (بیکاری) کا سبب پوچھا۔ اس (ابلیس) نے جواب دیا کہ اس وقت کے علماءِ (سوء) میرا کام کر رہے ہیں اور بہکانے و گمراہ کرنے میں وہ کافی ہیں ؎

عالم کہ کامرانی و تن پروری کند ‌ ‌ ‌ ‌ او خویشتن گم است کرا رہبری کند

ترجمہ) عالم جو کامرانی و تن پروری کرے ‌ ‌ ‌ ‌ بھٹکا ہوا ہے آپ وہ کیا رہبری کرے

غرض (امید ہے کہ) اس بارے میں صحیح و کامل غور و فکر سے کام لے کر کوئی قدم اٹھائیں گے، جب کام ہاتھ سے جاتا رہے تو پھر اس کا کوئی علاج نہیں ہو سکتا۔ اگرچہ شرم آتی ہے کہ اس قسم کی باتیں صحیح دانائی و عقلمند حضرات کے سامنے ظاہر کرے لیکن (فقیر) اس مقصد کو اپنی سعادت کا وسیلہ جانتے ہوئے آپ کو تکلیف دیتا ہے۔[۲]

---

[۱] اس میں ان احادیث کی طرف اشارہ ہے جو اس بارے میں وارد ہوئی ہیں جیسا کہ حضرت احوص بن حکیمؓ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں: قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم الا ان شر الشر شرار العلماء وان خیر الخیر خیار العلماء رواہ الدارمی (المشکوٰۃ) یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "بروں میں سب سے برے لوگ برے علماء ہیں اور نیکوں میں سب سے نیک لوگ نیک علماء ہیں۔

[۲] اس مکتوب میں حضرت مجدد صاحبؒ نے شریعت کی ترویج و اشاعت کے لئے علماء سے متعلق چند بصیرت افروز نکات بیان فرمائے ہیں: یعنی ۱- ایسے علماء ہونے چاہئیں جو حُبِّ جاہ و ریاست سے بے نیاز ہوں ۲- اور ترویج شریعت کے علاوہ ان کا کوئی مقصد نہ ہو ۳- اگر ایسا صرف ایک ہی عالم مل جائے تو کافی ہے اس لئے کہ مخلوق کی ہدایت و گمراہی دونوں انہی علماء سے وابستہ ہے۔ بہترین عالم تمام انسانوں سے بہتر ہے اور بدترین عالم بدترین خلائق ہے ـــــــ

مکتوب ۵۴
پنجاہ و چہارم

یہ مکتوب بھی سرداری کی پناہ والے شیخ فریدکی طرف صادر فرمایا ـــــــ اس بیان میں کہ بدعتی کی صحبت سے بچنا لازم و ضروری ہے، بدعتی کی صحبت کا ضرر کافر کی صحبت کے ضرر سے بھی بڑھ کر ہے اور بدعتی فرقوں میں سب سے بدترین فرقہ شیعہ ہے اور اس کے مناسب بیان میں۔

اللہ تعالیٰ اپنے حبیب سید البشر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل جو کجی چشم سے پاک ہیں آپ کو اجرِ عظیم عطا فرمائے اور آپ کی قدر و منزلت بلند کرے اور آپ کے کام میں آسانی عطا فرمائے اور آپ کو شرحِ صدر مرحمت فرمائے ـــــــ مَنْ لَّمْ یَشْکُرِ النَّاسَ لَمْ یَشْکُرِ اللّٰہَ [۱] (جو شخص لوگوں کا شکر ادا نہیں کرتا وہ اللہ تعالیٰ کا شکر بھی بجا نہیں لاتا) ـــــــ پس ہم فقیروں پر آپ کے احسانات کا شکر (دو وجہ سے) لازم ہے۔ اول اس لئے کہ ہمارے حضرت خواجہ (پیر و مرشد نا خواجہ باقی باللہ قدس سرہ) کی ظاہری جمعیت کا سبب آپ ہی ہوئے ہیں، ہم نے آپ ہی کے طفیل اس (ظاہری) جمعیت (کی حالت) میں حق سبحانہ و تعالیٰ کی طلب کی اور بہت سے فائدے حاصل کئے ـــــــ دوسرے کُبِّرْتُ بِمَوْتِ الْکُبَرَاءِ (بڑوں کی موت کی وجہ سے میں بڑا سمجھ لیا گیا ہوں) کے مصداق جب نوبت اس طبقہ (حضرت مجدد قدس سرہ) تک پہنچی تو فقراء کے اجتماع کا ذریعہ اور طالبانِ (طریقت) کے انتظام کا باعث بھی آپ ہی ہیں جَزَاکُمُ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ عَنَّا خَیْرَ الْجَزَاءِ (یعنی حق تعالیٰ آپ کو ہماری طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے) ؎

گر برتنِ من زباں شود ہر موئے	یک شکرِ تو از ہزار نتوانم کرد

(ترجمہ: ہر رُواں تن کا گر زباں ہو جائے	شکر کیا ہو ادا ہزار سے ایک

آرزو یہی ہے کہ حق سبحانہٗ و تعالیٰ آپ کو آپ کے جد بزرگوار سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل دنیا و آخرت میں نامناسب و ناشائستہ امور سے محفوظ رکھے۔

یہ فقیر آپ کی صحبت باعظمت سے دور پڑا ہوا ہے، معلوم نہیں کہ آپ کی مجلس شریف میں

---

[۱] اس حدیث کی طرف اشارہ ہے جس کو ترمذی نے ابواب البر والصلہ میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی اس کو روایت کیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں من لا یشکر الناس لا یشکر اللہ اور کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

کس قسم کے لوگ ہوتے ہیں اور خلوت و جلوت میں آپ کا غمخوار کون ہے ؎

خوابم بشد از دیدہ دریں فکر جگر سوز   کآغوشِ کہ شد منزل و آسائش خوابت

(ترجمہ: تمام شب مجھے اس فکر میں نہ نیند آئی   کہ کس کی گود میں تونے گذاری رات اپنی)

یقین جانئے کہ بدعتی کی صحبت کا فساد کافر کی صحبت کے فساد سے بھی زیادہ ہے، اور تمام بدعتی فرقوں میں سب سے بُرا وہ فرقہ ہے جو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اصحابؓ کے ساتھ بُغض رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ خود قرآن مجید میں ان کو کفار کے نام سے موسوم فرماتا ہے (یعنی) لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ (فتح ۴۸ آیت ۲۹) (تاکہ کفار کو ان (اصحاب رسول کریم) کے سبب سے غصہ میں ڈالے) ــــــ قرآن مجید اور شریعت کی تبلیغ اصحاب (کرام) ہی نے کی ہے، جب ان پر طعن کیا جائے گا تو قرآن و شریعت پر طعن لازم آئے گا۔ قرآن مجید کو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جمع کیا ہے، اگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مطعون ہوں گے تو قرآن مجید بھی مطعون ہوگا، اَعَاذَنَا اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ عَمَّا يَعْتَقِدُ الزَّنَادِقَةُ (اللہ تعالیٰ ہمیں ان زندیقوں کے اعتقادات سے بچائے) ــــــ جو اختلافات اور جھگڑے اصحاب کرام علیہم الرضوان کے درمیان واقع ہوئے تھے وہ نفسانی خواہشوں پر محمول نہیں ہیں (اس لئے کہ) حضرت سید البشر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت (بابرکت) میں (رہ کر) ان کے نفسوں کا تزکیہ ہو گیا تھا اور (اُن کا نفس) امّارہ پن سے آزاد ہو چکا تھا، میں اسقدر جانتا ہوں کہ اس معاملہ میں حضرت امیر (سیدنا علی رضی اللہ عنہ) حق پر تھے اور ان کے مخالف (حضرت امیر معاویہ وغیرہ رضی اللہ عنہم) خطا پر تھے، لیکن یہ خطا، خطائے اجتہادی ہے جو (ان کو) فسق کی حد تک نہیں پہنچاتی، بلکہ اس قسم کی خطا میں ملامت کی بھی گنجائش نہیں ہے کیونکہ ایسی خطا کرنے والے کو بھی ثواب کا ایک درجہ حاصل ہے ــــــ اور یزید بد نصیب اصحاب کرامؓ میں سے نہیں ہے، اس کی بدبختی میں کس کو کلام ہے، جو کام اس بدبخت نے کیا (یعنی واقعۂ کربلا) کوئی کافر فرنگ بھی نہیں کرتا۔ اہلِ سنت وجماعت کے بعض علماء نے جو اس پر لعنت کرنے کے بارے میں توقف کیا ہے وہ اس وجہ سے نہیں کہ وہ اس سے راضی ہیں بلکہ اس کے اپنے کئے سے رجوع و پشیمانی اور توبہ کے احتمال کی رعایت کرتے ہوئے کیا ہے۔

آپ کی مجلس شریف میں قطب زمان بندگی مخدوم جہانیاں[۱] (قدس سرہ العزیز) کی معتبر کتابوں میں سے

---

[۱] حضرت میر سید جلال الدین بخاریؒ جو حضرت شیخ جلال الدین شریف اللہ سرخ بخاری اُوچی کے پوتے ہیں، اور سید احمد کبیر بن سید جلال الدین سرخ برادر حقیقی سید صدر الدین کے صاحبزادے ہیں۔ آپ پیدائشی ولی تھے، بچپن ہی سے بزرگی کے آثار آپ کی پیشانی حال سے نمایاں تھے۔ آپ سات سال کے تھے کہ آپ کے والد بزرگوار آپ کو شیخ جمال الدین خنداں روؒ کی خدمت میں لے گئے (باقی بر صفحہ آئندہ)

ہر روز کچھ پڑھا جانا چاہئے تاکہ (لوگوں کو) معلوم ہو جائے کہ انھوں نے پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام کے اصحاب کرام کی کس طرح تعریف کی ہے اور کس ادب کے ساتھ ان کو یاد کیا ہے تاکہ (صحابہؓ کے) بدخواہ مخالفین شرمندہ و ذلیل ہوں، اس زمانہ میں اس بداندیش گروہ (رافضیوں) کی بہت کثرت ہو گئی ہے اور گرد و نواح میں ہر طرف پھیلے ہوئے ہیں اسی لئے اس بارے میں چند کلمات لکھے گئے ہیں تاکہ آپ کی صحبتِ مبارک میں اس قسم کے بداندیش لوگوں کے لئے کوئی گنجائش نہ ہو۔ ثَبَّتَكُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَى الطَّرِيْقَةِ الْمَرْضِيَّةِ (اللہ تعالیٰ آپ کو پسندیدہ طریقہ پر (اہل سنت و جماعت کے طریقہ پر) ثابت قدم رکھے)۔

مکتوب ۵۵
پنجاہ و پنجم

محبت کے اظہار میں سیادت پناہ شیخ عبدالوہابؒ[ع] بخاری کی طرف صادر ہوا۔

کچھ عرصہ سے فقیر کے دل میں آپ کے ملازموں (یعنی آنجناب) کی محبت پیدا ہو گئی ہے، یہ اس رابطہ و تعلق سے الگ ہے جو کہ پہلے سے ثابت تھا، (اسی بنا پر (یہ فقیر) بے اختیار (آپ کے حق میں) غائبانہ دعا[1] میں مشغول ہے اور چونکہ سرور کائنات فخر موجودات علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات والتحیات نے فرمایا ہے مَنْ اَحَبَّ اَخَاهُ فَلْيُعْلِمْهُ اِيَّاهُ[2] (جو شخص اپنے (کسی مسلمان) بھائی سے محبت کرے تو اسے چاہئے کہ اس کو بتادے) (اسی لئے) اپنی محبت کا ظاہر کرنا اولیٰ اور زیادہ مناسب جانا اور اس محبت کے وسیلے سے جو کہ آنحضرت علیہ الصلوۃ والسلام والتحیہ کے ساتھ پیدا ہو گئی ہے بڑی امید حاصل ہو گئی ہے۔ حق سبحانہٗ و تعالیٰ حضرت سید البشر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوۃ والسلام کے طفیل ان (حضرات اہل بیتؓ) کی محبت پر استقامت نصیب فرمائے۔

(بقیہ حاشیہ از صفحہ گذشتہ) اور ان کی دست بوسی سے مشرف کرایا، شیخ بہت خوش ہوئے اور مخدوم کے حق میں دعا فرمائی کہ تم خاندان اور مشائخ عظام کے خاندان کو روشن کرو گے۔ اور جاننا چاہئے کہ حضرت مخدوم جہانیاں چودہ خانوادوں میں خلیفہ تھے آپ نے دو مرتبہ ربع مسکوں کی سیر کی اور سینکڑوں فقراء و مشائخ کو دیکھا اور ان سے فیوض و برکات حاصل کیں اور کلاہ و خرقۂ خلافت پایا لیکن آپ کو سلسلۂ عالیہ قادریہ سے محبت و اعتقاد تھا۔ آپ کی ولادت ۷۰۷ھ اور وفات ۷۸۵ھ یا ۷۸۸ھ میں ہوئی۔ (خزینۃ الاصفیا بتغیر)

(حاشیہ صفحہ ھذا) [1] قَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَسْرَعَ الدُّعَاءِ اِجَابَةً دَعْوَةُ غَائِبٍ لِغَائِبٍ وقال علیہ الصلوۃ والسلام اِذَا دَعَا الرَّجُلُ لِاَخِيْهِ بِظَهْرِ الْغَيْبِ قَالَتِ الْمَلٰئِكَةُ اٰمِيْنَ وَلَكَ بِمِثْلٍ رواہما ابو داؤد۔

[2] اس کو امام احمد نے اور امام بخاری نے الادب المفرد میں اور امام ترمذی نے زہد کے بیان میں اور ابن حبان و حاکم نے روایت کیا ہے (شرح جامع صغیر)

[ع] مکتوبات شریفہ میں آپ کے نام صرف دو مکتوبات ہیں دفتر اول مکتوب ۵۵، ۵۶۔ شیخ عبدالوہاب بن یوسف بن عبدالوہاب حسینی بخاری اوچی حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت کی اولاد میں سے تھے۔ دہلی میں پیدا ہوئے علماء و مشائخ سے علم حاصل کیا (باقی بر صفحہ آئندہ)

لہ عجیب بات ہے کہ مصنف ... حضرت جلال الدین بخاری ... کا مزار ہے۔

مکتوب ۵۶
پنجاہ و ششم

یہ مکتوب بھی شیخ عبدالوہاب کی طرف ایک سید صاحب کی سفارش میں صادر فرمایا۔

سادات کثیر البرکات کی پاک بارگاہ آنحضرت سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی جزئیت یعنی اولاد ہونے کے باعث اس سے بلند تر ہے کہ (یہ فقیر) اپنی ناقص زبان سے ان کی تعریف و توصیف کر سکے مگر یہ کہ اس کو اپنی سعادت کا وسیلہ جانتے ہوئے اس بارے میں جرأت کرتا ہے بلکہ اس تعریف کے وسیلے سے خود اپنی ستائش کرتا ہے اور ان کی محبت کو جس کے لئے ہمیں امر کیا گیا ہے ظاہر کرتا ہے۔ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنَا مِنْ مُّحِبِّیْھِمْ بِحُرْمَۃِ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَعَلَیْھِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ (یا اللہ! اپنے حبیب سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے طفیل ہمیں سادات کے ساتھ محبت کرنے والوں میں سے بنا)۔

حاملِ عریضۂ نیاز میر سید احمد ساداتِ سامانہ میں سے ہیں، طالب اور صالح شخص ہیں، معاش کی تنگی کے باعث آپ کی جانب متوجہ ہوئے ہیں، آپ کی بلند سرکار میں کچھ گنجائش ہو تو موصوفِ مذکور اسی کے لائق و مستحق ہیں ورنہ اپنے مخلصوں میں سے کسی کی طرف (ان کی) سفارش فرمائیں تاکہ تنگیٔ معاش کی طرف سے مطمئن ہو جائیں، چونکہ یقین تھا کہ خود آنجناب فقراء اور محتاجوں کے بارے میں اور خصوصاً ساداتِ عظام کی امداد کے بارے میں پوری توجہ فرماتے ہیں اس لئے یہ چند کلمات لکھنے کی جرأت کی گئی ہے ـــــ روانگی کے وقت اگرچہ وہ رخصت کی سعادت سے بہرہ ور نہیں ہو سکے تاہم مخلصوں کے گروہ میں شامل ہیں۔ حق سبحانہ وتعالیٰ اُن کی محبت و اخلاص پر استقامت مرحمت فرمائے۔ زیادہ لکھنا گستاخی ہے۔

مکتوب ۵۷
پنجاہ و ہفتم

شیخ محمد یوسف[1] کی طرف نصیحت کے بارے میں صادر ہوا۔

(بقیہ از صفحہ گذشتہ) عہد اکبری اور اوائل جہانگیری میں آپ دہلی کی حکومت پر متعین تھے ۱۰۶۰ھ کے بعد حج و زیارات سے مشرف ہوئے پھر واپس ہندوستان آ گئے۔ (نزہۃ الخواطر ج ۵ ص ۲۶۶ و مآثر الامراء ج ۲ ص ۴۰۴)

(حاشیہ صفحہ ہذا) [1] مکتوبات شریف میں شیخ محمد یوسف کے نام صرف یہی ایک مکتوب ہے، آپ کے حالات معلوم نہ ہو سکے۔ لیکن مکتوب شریف سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ سید تھے اور کسی اچھے عہدے پر فائز تھے ممکن ہے کہ یہ عبدالوہاب حسینی اوچی کے صاحبزادے ہوں جن کے نام مکتوب نمبر ۵۵ ہے۔

حق سبحانہٗ وتعالیٰ بطفیل آنحضرت سید المرسلین علیہ وعلیٰ آلہ وعلیہم من الصلوات افضلہا ومن التسلیمات اکملہا آپ کو اپنے بزرگ آباؤ اجداد کے طریقہ پر ثابت قدم رکھے آپ کے خاندان میں بزرگی ورثہ میں چلی آرہی ہے آپ اپنی زندگی ایسے انداز پر بسر کریں کہ اس وراثت کا استحقاق حاصل ہو جائے، اپنے ظاہر کو ظاہر شریعت کے ساتھ اور اپنے باطن کو شریعت کے باطن کے ساتھ جس کو حقیقت سے تعبیر کرتے ہیں آراستہ وپیراستہ رکھیں کیونکہ حقیقت وطریقت (دونوں) سے مراد شریعت کی حقیقت اور اس حقیقت کی طریقت ہے نہ یہ کہ شریعت کوئی اور چیز ہے اور طریقت وحقیقت کوئی اور چیز۔ کیونکہ یہ الحاد وزندقہ (بے دینی) ہے۔ فقیر کا گمان آپ کے بارے میں بہت نیک ہے، بعض واقعات اس حقیقت پر گواہ ہیں، اور اس معاملہ کا کچھ حصہ آپ کے والد بزرگوار علیہ الرحمۃ کے سامنے بھی ظاہر کر دیا تھا۔

باقی مقصود یہ ہے کہ شیخ عبد الغنی بہت صالح ونیک ذات شخص ہے اگر کسی کام کے لئے آپ کی خدمت عالیہ میں رجوع کرے تو (امید ہے کہ) آپ توجہ فرمائیں گے۔ والسلام والاکرام۔

مکتوب ۵۸

پنجاہ وہشتم

جناب سیادت مآب سید محمود[۱] کی طرف صادر فرمایا ـــــ اس بیان میں کہ یہ راہ جس کے طے کرنے کے ہم درپے ہیں کل سات قدم ہے اور اس بیان میں کہ دوسرے سلسلوں کے مشائخ کے برخلاف مشائخ نقشبندیہ نے سیر کی ابتدا عالم امر سے اختیار کی ہے اور ان بزرگوں کا طریقہ (بعینہ) اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کا طریقہ ہے اور اس کے مناسب بیان میں۔

آپ کا بزرگ عنایت نامہ صادر ہوا، چونکہ اُس سے اس بزرگ گروہ (حضرات نقشبندیہ) کی باتیں سننے کا شوق معلوم ہوا، اس لئے آپ کی خواہش پورا کرنے اور مقصود کی طرف رغبت دلانے کیلئے چند باتیں تحریر کی جاتی ہیں۔

۱ؔ مکتوبات شریفہ میں کُل پانچ مکتوب آپ کے نام ہیں دفتر اول میں ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱ اور دفتر دوم میں ۸۳ نمبر کا مکتوب ہے ـــــ غالباً آپ سید محمود بارہہ ہیں۔ سنبھل وطن تھا۔ شجاعت وسخاوت میں مشہور تھے۔ اکبر نے پنج ہزاری کی خلعت سے نوازا۔ ایک مرتبہ کسی نے مذاق میں آپ سے کہہ دیا کہ آپ سادات سے نہیں معلوم ہوتے۔ آپ اسی وقت اس آگ میں جا کر کھڑے ہو گئے جو ملنگ فقیر دھونی کے لئے جلائے رکھتے ہیں اور فرمایا "اگر سیدم آتش کار گر نیست و اگر سید نیستم می سوزم دلیل دیگر از حسب و نسب ندارم"۔ اور تقریباً ایک ساعت اس آگ میں کھڑے رہے لوگوں نے منت سماجت کی تو باہر آئے۔ مخملی جوتا جو آپ کے پاؤں میں تھا اس کا رواں تک نہ جلا۔ (ذخیرۃ الخوانین ج ۲ ص ۱۸۲) سنہ ۱۰۴۰ھ میں وفات پائی۔

لطائفِ سبعہ کا بیان

میرے مخدوم! یہ راستہ جس کے طے کرنے کے ہم درپے ہیں انسان کے سات لطیفوں کی تعداد کے مطابق (یعنی قلب، روح، سر، خفی، اخفی اور قالب و نفس) کل سات قدم ہے (جن میں سے) دو قدم عالمِ خلق میں ہیں جو کہ قالب یعنی بدنِ عنصری اور نفس سے تعلق رکھتے ہیں اور پانچ قدم عالمِ امر میں ہیں جو کہ (لطائف) قلب، روح، سر، خفی اور اخفیٰ کے ساتھ وابستہ ہیں، اور ان سات قدموں میں سے ہر ایک قدم میں دس ہزار پردے پھاڑنے پڑتے ہیں خواہ وہ پردے نورانی ہوں یا ظلمانی[1]۔ اِنَّ لِلّٰہِ سَبْعِیْنَ اَلْفَ حِجَابٍ مِّنْ نُّوْرٍ وَّظُلْمَۃٍ[2]۔ (بیشک اللہ تعالیٰ کے لئے نور و ظلمات کے ستر ہزار پردے ہیں)۔

اور پہلا قدم جو عالمِ امر میں رکھتے ہیں (اس میں) تجلیِ افعال ظاہر ہوتی ہے اور دوسرے قدم میں تجلیِ صفات اور تیسرے قدم میں تجلیاتِ ذاتیہ میں (سیر) شروع ہوتی ہے علیٰ ہذا القیاس باقی لطائف میں، ان کے درجات کے تفاوت کے لحاظ سے ترقی ہوتی جاتی ہے جیسا کہ اس راستہ کے سالکوں پر مخفی نہیں ہے، اور ان سات قدموں میں سے ہر ایک قدم پر (سالک) اپنے آپ سے دُور اور حق سبحانہٗ و تعالیٰ کے نزدیک ہوتا جاتا ہے، یہانتک کہ ان قدموں کے پورا ہونے تک حق سبحانہٗ و تعالیٰ کا قرب بھی پورے طور پر حاصل ہوجاتا ہے۔ پس اس وقت وہ فنا و بقا سے مشرف ہوجاتے ہیں اور ولایتِ خاصہ کے درجہ تک پہنچ جاتے ہیں۔

سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ کے مشائخ کرام قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم نے دوسرے سلسلوں کے مشائخ کرام قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے برخلاف اس سیر کی ابتدا عالمِ امر سے اختیار کی ہے اور عالمِ خلق کو بھی اسی سیر کے ضمن میں طے کر لیتے ہیں اسی لئے طریقۂ نقشبندیہ سب طریقوں سے اقرب ہوا یہی وجہ ہے کہ دوسروں کی نہایت ان کی ابتدا میں درج ہوگئی ہے۔ مصرعہ

قیاس کن زِ گلستانِ من بہارِ مرا (ترجمہ: قیاس کر مرے گلشن سے تو بہارِ مری)

ان بزرگوں کا طریقہ بعینہٖ اصحابِ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا طریقہ ہے کیونکہ ان حضرات (اصحابِ کرامؓ) کو حضرت خیر البشر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کی پہلی ہی صحبت میں نہایت کے ابتدا میں

---

[1] جاننا چاہئے کہ ظلمانی پردوں سے مراد غفلت کے پردے ہیں جو کہ انسان کے دس لطیفوں کی کدورت سے پیدا ہوتے ہیں اور نورانی پردوں سے مراد اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی کے پردے ہیں (قاضی ثناء اللہ پانی پتی) واضح ہو کہ لطائف عشرہ کو لطائفِ سبعہ کی طرف راجع کرتے ہیں یعنی پانچ عالمِ امر کے اور دو عالمِ خلق کے پس ان ساتوں لطیفوں میں سے ہر ایک کے حصہ میں دس ہزار حجاب ہوئے،

[2] یہ حدیث قدسی حضرت جبرئیل علیہ السلام کے قول سے مشکوٰۃ شریف میں مروی ہے، علامہ ابن حجر مکی رحمہ اللہ نے کہا کہ یہ حدیث صحیح ہے اور امام سیوطیؒ نے اس کو ایک طویل حدیث میں بیان کیا ہے۔

درج ہونے کے طریق پر وہ کمال حاصل ہوجاتا تھا جو امت کے کامل اولیاء اللہ کو انتہا میں بھی شاذ و نادر ہی حاصل ہوتا ہے، اسی لئے حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا) کا قاتل وحشی[1] جو ایک ہی مرتبہ حضرت خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تھا خواجہ اویس قرنی[2] رحمہ اللہ سے جو کہ تابعین میں سب سے بہتر ہیں (کئی درجہ) افضل ہے ——— حضرت عبداللہ[3] بن مبارک علیہ الرحمہ سے پوچھا گیا کہ حضرت امیر معاویہ[4] رضی اللہ عنہ افضل ہیں یا حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز[5] رضی اللہ عنہ (یعنی ان دونوں میں کون افضل ہے) تو آپ نے فرمایا "وہ گرد و غبار جو رسول اللہ صلی اللہ وسلم کے ساتھ (جہاد کے سفر میں) امیر معاویہؓ کے گھوڑے کی ناک میں پڑا ہے وہ عمر بن عبدالعزیزؒ سے کئی درجہ بہتر ہے" ——— پس سوچنا چاہئے کہ جس گروہ کی ابتدا میں دوسروں کی انتہا درج ہو تو ان کی انتہا کہاں تک ہوگی اور دوسروں کی علم و فہم میں کس طرح سمائے گی۔ وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ (مدثر آیت ۳۱) (تیرے رب کے لشکروں کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا)۔

ـــہ قاصرے گر کند ایں طائفہ را طعن و قصور — حاش للہ کہ برآرم بزباں ایں گلہ را
ہمہ شیرانِ جہاں بستۂ ایں سلسلہ اند — روبہ از حیلہ چساں بگسلد ایں سلسلہ را

(ترجمہ) اگر کوئی ناداں کرے طعن اس گروہِ پاک پر — حاش للہ گر زباں پر لاؤں میں اس کا گلہ
کُل جہاں کے شیر وابستہ ہیں اس زنجیر سے — لومڑی توڑے گی کیونکر مکر سے یہ سلسلہ

رَزَقَنَا اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَاِيَّاكُمْ مَحَبَّةَ هٰذِهِ الطَّائِفَةِ الْعَزِيْزِ وُجُوْدُهَا (حق تعالیٰ ہم کو اور آپ سب کو اس عزیز الوجود گروہ کی محبت عطا فرمائے)۔ کاغذ اگرچہ چھوٹا ہے لیکن (اس پر) اعلیٰ معارف اور بلند قدر حقائق درج ہوئے ہیں امید ہے کہ اُن کو عزیز رکھیں گے، والسلام۔

---

[1] حضرت وحشیؓ ابن حرب مولیٰ جبیر ابن مطعم نے کفر کی حالت میں حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کو غزوۂ احد میں شہید کردیا تھا اس کے بعد آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک پر اسلام قبول کیا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد میں مسیلمہ کذاب کو جہنم واصل کیا۔

[2] حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ نے فرمایا کہ تابعین میں سب سے بہتر ایک شخص اویس نامی ہے اس کی والدہ اس کے ساتھ ہے اور اس کے جسم پر سفید داغ ہے پس تم اس سے دعائے مغفرت کی درخواست کرنا (مشکوٰۃ)۔

[3] حضرت عبداللہ بن مبارک تبع تابعین میں بلند درجہ رکھتے ہیں بمقام مرو سنہ ۱۱۸ھ میں ولادت ہوئی۔ اپنے وقت کے بڑے بڑے علماء سے دینی علوم حاصل کئے اور علم حدیث میں امتیازی درجہ پایا۔ زہد و تقویٰ اور عبادت و ریاضت میں صحابہ کرام کا نمونہ تھے۔ سنہ ۱۸۱ھ ۶۳ سال کی عمر میں وفات پائی ——— [4] حضرت امیر معاویہ بن ابی سفیانؓ فتح مکہ کے دن ایمان لائے، آپ کاتبانِ وحی میں سے ہیں۔ جمادی الاول سنہ ۴۱ھ میں تخت خلافت پر متمکن ہوئے اور ستتر سال کی عمر میں رجب سنہ ۶۰ھ کو انتقال ہوا۔

[5] حضرت عمر بن عبدالعزیز بن مروان بن حکم بن ابی العاص اُموی امیر المومنین خلیفۃ المسلمین ہوئے ہیں، اپنے زمانے کے قطب تھے اور خلفائے راشدین میں آپ کو شمار کیا جاتا ہے۔ سنہ ۶۱ھ یا سنہ ۶۳ھ میں حلوان مضافات مصر میں ولادت ہوئی سنہ ۹۹ھ میں خلافت ملی اور سنہ ۱۰۲ھ میں وفات پائی۔

مکتوب ۵۹
پنجاہ و نہم (عربی و فارسی)

یہ مکتوب بھی سید محمود کی طرف صادر فرمایا ـــــــ اس بیان میں کہ آدمی کو نجاتِ ابدی حاصل کرنے کے لئے تین چیزیں لازمی ہیں[۱] اور اس بیان میں کہ اہلِ سنت وجماعت کی پیروی کے بغیر نجات حاصل ہونا محال ہے[۲] اور اس بیان میں کہ علم وعمل شریعت سے حاصل ہوتے ہیں اور اخلاص طریقۂ صوفیہ پر چلنے سے وابستہ ہے، اور[۳] اس بیان میں کہ عمل کا اخلاص اولیاء اللہ کو تمام افعال واعمال اور حرکات وسکنات میں حاصل ہے۔

حق سبحانہٗ وتعالیٰ حضرت محمد مصطفےٰ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کی شریعت کے سیدھے راستے پر استقامت نصیب فرما کر کامل طور پر اپنی پاک بارگاہ کا گرفتار بنائے۔

آپ کا مکتوبِ شریف اور محبت نامۂ لطیف صادر ہو کر خوشی کا باعث ہوا اور فقراء کے ساتھ آپ کی محبت کی تمہیدات اور اس بلند مرتبہ گروہ کے ساتھ آپ کا اخلاص واضح ہوا، اللہ تعالیٰ (اس محبت و اخلاص کو) اور زیادہ کرے ـــــــ آپ نے فوائد (یعنی پند و نصائح) طلب کئے تھے، اے میرے مخدوم! انسان کو ابدی نجات حاصل کرنے کے لئے تین چیزیں لازمی ہیں: علم[۱]، عمل[۲] اور اخلاص[۳]۔

علم بھی دو قسم کا ہے، ایک[۱] وہ علم ہے جس سے مقصود عمل ہے جس کا متکفل (ذمہ دار) علم فقہ ہے، دوسرا[۲] علم وہ ہے جس سے مقصود صرف اعتقاد اور دل کا یقین حاصل ہوتا ہے جو علم کلام (عقائد کے علم) میں فرقۂ ناجیہ اہلِ سنت وجماعت کے صحیح قیاس وعقائد کے موافق تفصیل کے ساتھ مذکور ہے، ان بزرگانِ دین کے اتباع کے بغیر نجات حاصل ہونا محال ہے اور اگر بال برابر بھی ان کی مخالفت ہے تو خطرہ ہی خطرہ ہے، یہ بات صحیح کشف اور صریح الہام کے ساتھ بھی یقین کے درجہ کو پہنچ چکی ہے اس میں کسی قسم کے اختلاف کا شبہ وگنجائش نہیں ہے ـــــــ پس اس شخص کے لئے خوشخبری ہے جس کو ان کی پیروی کی توفیق حاصل ہوئی اور ان کی تقلید سے مشرف ہوا، اور اس شخص کے لئے ہلاکت ہے جس نے ان کی مخالفت کی اور ان سے منحرف ہو گیا اور ان کے اصولوں سے روگردانی کی اور ان کے گروہ سے نکل گیا۔ لہٰذا وہ لوگ خود بھی گمراہ ہوئے اور انھوں نے دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔ چنانچہ انھوں نے (آخرت میں) رویتِ باری تعالیٰ اور شفاعت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کی فضیلت اور

صحابۂ کرامؓ کی افضلیت ان پر پوشیدہ رہی اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت کی محبت اور حضرت بتول (فاطمۃ الزہرا[1] رضی اللہ عنہا) کی اولاد کی دوستی سے محروم رہے، غرض وہ اس بڑی نیکی سے محروم کر دیئے گئے جو اہل سنت وجماعت نے حاصل کی۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی افضلیت

اور تمام صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اُن میں سب سے افضل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں، امام شافعیؒ نے جو کہ صحابۂ کرام کے حالات کے بارے میں سب سے زیادہ جاننے والے ہیں فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد لوگ بہت بیقرار ہو گئے تھے (کہ کس کو اپنا امیر بنائیں) پس انھوں نے آسمان کی چھت کے نیچے حضرت ابوبکر صدیق[2] رضی اللہ عنہ سے بہتر و بزرگ کوئی شخص نہ پایا لہذا انھوں نے ان کو اپنا والی بنا لیا۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ کا یہ قول اس بات پر صریح نص ہے کہ تمام صحابۂ کرام حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے افضل ہونے پر متفق ہیں، پس ان کی افضلیت پر اجماع صدرِ اول میں ثابت ہو چکا ہے لہذا یہ اجماع قطعی ہوا جس کا انکار جائز نہیں ہے —

اہل بیت کی فضیلت

اور اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مثال حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کی مانند ہے جو اس پر سوار ہوا وہ نجات پا گیا اور جو اس سے دُور رہا وہ ہلاک ہو گیا — بعض عارفوں نے فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب کرامؓ کو ستاروں کی مانند قرار دیا ہے اور لوگ ستاروں سے راستہ (کی سمت) معلوم کرتے ہیں، اور اہلِ بیت عظام کو حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی سے تشبیہ دی ہے اس میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ کشتی کے سوار کے لئے ستاروں کی رعایت رکھنا ضروری ہے تاکہ وہ ہلاک ہونے سے بچ جائے۔ اور ستاروں کو مدِّ نظر رکھے بغیر نجات (ہلاکت سے بچنا) قطعی ناممکن ہے۔

اور یہ بات بھی جان لینی چاہیئے کہ بلاشبہ بعض صحابہؓ کے انکار سے تمام صحابہؓ کا انکار لازم آتا ہے کیونکہ حضرت خیر البشر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت کی فضیلت میں سب صحابہ مشترک ہیں اور (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی)

---

[1] حضرت سیدۃ النساء فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کی عظمت و بزرگی اس سے زیادہ اور کیا ہو گی کہ آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی ہیں ۲ھ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے شادی ہوئی، اولاد امجاد میں حضرت امام حسنؓ اور حضرت امام حسینؓ دو صاحبزادے اور دو صاحبزادیاں حضرت ام کلثومؓ اور حضرت زینبؓ ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے چھ ماہ بعد رمضان المبارک ۱۱ھ میں انتقال فرمایا۔

[2] حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا نام گرامی عبداللہ تھا آپ کا سلسلۂ نسب ساتویں پشت پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلہ سے مل جاتا ہے یہ فخر صرف آپ ہی کو حاصل ہے کہ آپ کے والدین اور اولاد سب صحابی ہیں۔ کیونکہ داماد کے مقابلے میں خسر کا مرتبہ بڑا ہوتا ہے اس اعتبار سے آپ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلیفۂ اول ہوئے پھر دوسرے خسر حضرت عمرؓ خلیفۂ دوم ہوئے پھر دامادوں میں حضرت عثمان ذوالنورینؓ خلیفۂ سوم بعد ازاں دوسرے داماد حضرت علیؓ خلیفۂ چہارم ہوئے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ دو سال تین ماہ نو دن سریر آرائے خلافت رہ کر تریسٹھ سال کی عمر میں ۲۳ جمادی الاخری ۱۳ھ کو وصال فرمایا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں دفن ہونے کی سعادت سے مشرف ہوئے۔

صحبت کی فضیلت تمام فضیلتوں اور کمالات سے بڑھ کر ہے، یہی وجہ ہے کہ اویس قرنیؓ جو کہ تمام تابعین میں بہتر ہیں آنسرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ادنیٰ صحابی کے مرتبہ کو نہیں پہنچے۔ پس صحبت کی فضیلت کے برابر کوئی چیز نہیں ہے اور نہ ہو سکتی ہے، کیونکہ ان کا ایمان نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت اور نزولِ وحی کی برکت سے شہودی ہو گیا تھا، اور صحابۂ کرام کے بعد کسی کو ایمان کا یہ مرتبہ نصیب نہیں ہوا، اور اعمال ایمان پر مترتب ہوتے ہیں (یعنی اعمال ایمان کے ثمرات و نتائج ہیں) اور ان کا کمال ایمان کے کمال کے مطابق ہوتا ہے۔

اور جو لڑائی جھگڑے (مثلاً جنگ جمل و صفین وغیرہ) ان (صحابۂ کرام) کے درمیان واقع ہوئے ہیں وہ سب نیک گمانوں اور کامل حکمتوں پر محمول ہیں، وہ نفسانی خواہشات اور جہالت سے صادر نہیں ہوئے تھے بلکہ اجتہاد و علم کی رُو سے تھے اور اگر ان میں سے بعض حضرات نے اجتہاد میں خطا کی ہے تو اجتہاد میں خطا کرنے والے کے لئے بھی حق سبحانہ و تعالیٰ کے نزدیک ایک درجہ ثواب ہے اور یہی افراط و تفریط کے درمیان سیدھا راستہ ہے جس کو اہلِ سنت و جماعت نے اختیار کیا ہے اور یہی زیادہ سلامتی کا طریقہ اور زیادہ مضبوط راستہ ہے،

غرضکہ علم و عمل (دونوں) شریعت سے حاصل ہوتے ہیں، اور اخلاص جو کہ علم و عمل کے لئے روح کی طرح ہے اس کا حاصل ہونا صوفیہ کے طریقہ پر چلنے سے تعلق رکھتا ہے۔ (سالک) جب تک سیر الی اللہ[1] قطع نہ کر لے اور اور سیر فی اللہ حاصل نہ ہو جائے اخلاص کی حقیقت سے دُور اور مخلصوں کے کمالات سے محروم ہے، ہاں عام مومنوں کو بھی تعمل و تکلف کے ساتھ بعض اعمال میں مجمل طور پر اخلاص حاصل ہو جاتا ہے لیکن جس اخلاص کو ہم بیان کر رہے ہیں وہ تمام اقوال و افعال اور حرکات و سکنات میں تکلف و بناوٹ کے بغیر اخلاص ہے، اور یہ اخلاص آفاقی و انفسی معبودوں کی نفی کرنے پر موقوف ہے جو فنا و بقا کے ساتھ وابستہ ہے اور ولایتِ خاصہ کے مرتبہ تک پہنچاتا ہے۔ جو اخلاص حیلہ و تکلف کا محتاج ہے وہ ہمیشہ قائم نہیں رہتا (اخلاص میں) دوام (ہمیشگی) حاصل ہوتے ہیں جو کہ مرتبۂ حق الیقین میں ہوتا ہے بے تکلف ہونا ضروری ہے۔

پس اولیاء اللہ جو کچھ کرتے ہیں حق سبحانہ و تعالیٰ کے لئے کرتے ہیں نہ کہ اپنے نفس کے لئے کیونکہ ان کا نفس حق تعالیٰ پر قربان ہو چکا ہے، اخلاص حاصل ہوتے ہیں ان کے لئے نیت کا صحیح کرنا ضروری نہیں ہے ان کی نیت فنا فی اللہ و بقا باللہ سے درست ہو چکی ہے۔ مثلاً جو شخص اپنے نفس کا گرفتار ہے وہ جو کچھ کرتا ہے اپنے نفس کے لئے کرتا ہے خواہ وہ (اس کی) نیت کرے یا نہ کرے، اور جب یہ نفس کی گرفتاری سے

---

[1] سیر الی اللہ اور سیر فی اللہ کی تحقیق دفتر اول مکتوب ۱۴۴ میں درج ہے۔

دور ہو جائے اور حق سبحانہ وتعالیٰ کی گرفتاری اس کی جگہ قائم ہو جائے تو بالضرور وہ جو کچھ کریگا حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے لئے کریگا خواہ وہ اس کی نیت کرے یا نہ کرے، نیت کا ہونا ظنی امر میں ضروری ہے یقینی و متعین امر میں تعینِ نیت کی ضرورت نہیں ہے۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ (یعنی یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے)۔

دائمی اخلاص والا شخص مُخْلَص بفتح لام ہے اور جس شخص کو دوام حاصل نہیں ہے اور (ابھی) اخلاص کا کسب کرتا ہے وہ مُخْلِص بکسر لام ہے اور ان دونوں کے درمیان بڑا فرق ہے۔ اور صوفیہ کے طریقہ سے جو نفع علم و عمل میں حاصل ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ علمِ کلام و استدلال سے تعلق رکھنے والے علوم کشفی ہو جاتے ہیں، اور اعمال کے ادا کرنے میں نہایت آسانی پیدا ہو جاتی ہے اور جو سستی نفس و شیطان کی جانب سے واقع ہوتی ہے وہ دُور ہو جاتی ہے۔ ع

این کار دولت است کنوں تا کرا رسد　　(یہ ہے عظیم کام، ملے دیکھئے کسے)

وَالسَّلَامُ اَوَّلًا وَّاٰخِرًا۔ (اور اول و آخر (یعنی ہر حالت میں) سلامتی ہو)

مکتوب شصتم ۶۰

یہ مکتوب بھی سیادت پناہ سید محمود کی طرف صادر فرمایا ــــــ خطرات و وساوس کے پورے طور پر دُور کرنے اور اس کے مناسب بیان میں۔

حق سبحانہٗ وتعالیٰ اپنی مقدس جناب کی دائمی گرفتاری سے مشرف فرمائے کیونکہ حقیقی نجات اسی گرفتاری میں ہے۔ خطراتِ (نفسانی) اور وساوس کا دُور ہونا حضرات خواجگان (نقشبندیہ) قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے طریقے میں کامل طور پر حاصل ہو جاتا ہے۔ حتیٰ کہ اس بزرگ خاندان کے بعض مشائخ نے خطرات کے دور کرنے کے لئے چلہ کھینچا ہے اور ان پورے چالیس دنوں میں اپنے باطن کو خطرات و وساوس کے آنے سے باز رکھا ہے۔ حضرت خواجہ احرار[1] قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ نے اس مقام میں فرمایا ہے کہ خطرات و وساوس کے دفع کرنے سے

---

[1] حضرت خواجہ عبید اللہ احرارؒ حضرت مولانا یعقوب چرخی کے اجل خلفاء میں سے ہیں مجددِ وقت تھے بادشاہ وقت آپ کا مرید تھا، مولانا جامی آپ کے خلفاء میں سے ہیں۔ آپ فرمایا کرتے تھے "مرا برائے ترویج شریعت و توہین بدعت مامور ساختہ اند" پیشہ کاشتکاری تھا بہت مالدار تھے۔ آپ کی ولادت رمضان سنہ ۸۰۶ھ باغستان علاقہ تاشقند اور وفات ربیع الاول سنہ ۸۹۵ھ میں ہوئی۔ مزار سمرقند میں ہے۔ مزید حالات کے لئے "رشحات" ملاحظہ ہو۔

وہ خطرات مراد ہیں جو مطلوب کی طرف دائمی توجہ کے روکنے والے ہیں نہ کہ مطلق طور پر خطرات کا دفع کرنا، اور اس سلسلۂ عالیہ کے مخلصین میں سے ایک درویش (غالباً خود حضرت مجددؒ) اس آیت وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ۝ (سورہ الضحیٰ ۹۳ آیت ۱۱) (اور اپنے رب کی نعمت کو بیان کرو) کے مصداق اپنا حال اس طرح بیان کرتا ہے کہ "خطرات دل سے اس حد تک دُور ہو جاتے ہیں کہ اگر بالفرض اس صاحبِ دل کو حضرت نوح علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عمر دیدی جائے تب بھی (تمام عمر میں) کوئی خطرہ ہرگز اس کے دل میں نہیں آئے گا" بغیر اس بات کے کہ وہ اس خطرے کے دُور کرنے میں کسی قسم کا تکلف کرے، کیونکہ جو حالت تکلف سے حاصل کی جاتی ہے وہ ایک وقت تک محدود ہوتی ہے دائمی نہیں ہوتی، بلکہ اگر وہ خطرات کے لانے میں کئی سال تک تکلف کرے تو بھی خطرات کا گذر نہیں ہو سکتا (اس مقصد کے حصول کے لئے) چلّہ کا مقرر کرنا بناوٹ و تکلف کی خبر دیتا ہے، تکلف و بناوٹ مرتبۂ طریقت میں ہے اور حقیقت وہ ہے جو بناوٹ و تکلف سے خالی ہو ——— یادکرد[1] (مرتبۂ) طریقت میں ہے اور یادداشت[2] (مرتبۂ) حقیقت میں ——— پس ثابت ہوا کہ عشرہ و اربعین کے ذریعہ سے تکلف کے ساتھ خطرات کے روکنے میں جو کہ ایک خاص وقت تک محدود ہے مطلوب کی طرف دائمی توجہ کا حاصل ہونا محال ہے کیونکہ تکلف مرتبۂ طریقت میں ہے اور یہ کہ مرتبۂ طریقت میں دوام ممکن نہیں ہے (بلکہ مرتبۂ حقیقت میں ہے) اور یہ بات کہ دوام مرتبۂ حقیقت میں ہے اس وجہ سے ہے کہ تکلف کو اس مقام میں گنجائش نہیں ہے۔

پس مرتبۂ تکلف میں خطرات کا آنا بیشک دوام توجہ کا مانع ہے اور دائمی نگرانی جو اس سلسلۂ عالیہ کے مبتدیوں کو حاصل ہوتی ہے وہ کچھ اور ہے اور دائمی توجہ جس کو ہم بیان کر رہے ہیں اس سے مراد یادداشت ہے جو کہ کمال کا انتہائی درجہ ہے ——— حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانی قدس اللہ تعالیٰ سرہ نے فرمایا ہے کہ یادداشت کے آگے پنداشت (وہم و گمان) ہے، یعنی اور کوئی مرتبہ نہیں ہے۔

---

[1] یادکرد سے مراد لسانی و قلبی ذکر ہے یعنی حق تعالیٰ کے ذکر سے غفلت کو دور کرنا ہے۔ جاننا چاہئے کہ جبتک سالک طریقت و تصنع میں ہے اور اس کو حقیقت و ملکہ حضور حاصل نہیں ہوا وہ یادکرد کے مقام میں ہے اور جب حضور و دوام حاصل ہو جائے اور یادکرد کے تکلف سے چھٹکارا حاصل کر لے اور ایسا ملکہ حاصل ہو جائے کہ نفی کرنے سے بھی اس کی نفی نہ ہو سکے تو مقام یادداشت حاصل ہو جاتا ہے (از مکتوبات خواجہ محمد معصوم قدس سرہ)

[2] یادداشت سے مراد ہر وقت اور ہر حالت میں بطریقِ فوق حق تعالیٰ کی طرف متوجہ رہنا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یادداشت حضور بے غیبت کو کہتے ہیں اور اہلِ تحقیق بزرگوں کے نزدیک حُبِّ ذاتی کے وسیلہ سے شہودِ حق کا دل پر غلبہ ہونا حصولِ یادداشت کہلاتا ہے اور اس کو مشاہدہ کہتے ہیں اور حق یہ ہے کہ وہ مقام جس میں تمام توجہ حق تعالیٰ کی طرف ہوتی ہے فنائے تام و بقائے کامل کے بغیر حاصل نہیں ہوتی (از ضیاء القلوب حاجی امداد اللہ صاحبؒ)۔

اس قسم کے حالات ظاہر کرنے سے مقصود اس طریقۂ عالیہ کے طالبوں کو رغبت دلانا ہے، اگرچہ اس سے منکروں کا انکار ہی زیادہ ہوگا۔ یُضِلُّ بِہٖ کَثِیْرًا وَّ یَھْدِیْ بِہٖ کَثِیْرًا (بقرہ آیہ ۲۶) (اس سے بہت سے لوگ گمراہ ہو جاتے ہیں اور بہت سے ہدایت پاتے ہیں)۔ **مثنوی**

ہرکس افسانہ بخواند افسانہ است　　وانکہ دیدش نقدِ خود مردانہ است

آب نیل است و بقبطی خون نمود　　قومِ موسیٰؑ را نہ خون بود آب بود

(ترجمہ) جس نے افسانہ کہا اس کے لئے افسانہ ہے　　جو اُسے سمجھے حقیقت بس وہی فرزانہ ہے

قبطیوں کے حق میں آبِ نیل یکسر خون ہوا　　قوم موسیٰؑ کے لئے وہ خون نہیں تھا آب تھا

مکتوب ۶۱

شصت و یکم

یہ مکتوب بھی سیادت مآب سید محمود کی طرف صادر ہوا ــــــ شیخِ کامل و مکمل کی صحبت کی ترغیب اور ناقص شیخ کی صحبت سے بچنے اور اس کے مناسب بیان میں۔

حق سبحانہٗ وتعالیٰ اپنے جبیب سید البشر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کے طفیل جو کہ کجی چشم سے پاک ہیں اپنی طلب میں زیادتی مرحمت فرماکر ہر اُس چیز سے بچائے جو مطلوب تک پہنچنے کی مانع ہے۔ آپ کا عنایت نامہ شرف صدور لایا چونکہ طلب وشوق کی خبر اور درد وتشنگی کا پتہ دینے والا تھا نظر میں بہت ہی پسند آیا کیونکہ طلب مطلوب کے حاصل ہونے کی بشارت دیتی ہے اور درد مقصود تک پہنچنے کی تمہید ہے ــــــ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ "اگر نخواستے داد، ندادے خواست" (یعنی اگر اللہ تعالیٰ دینا نہ چاہتا تو طلب عطا نہ فرماتا) (پس یہ طلب و درد اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو دینا چاہتا ہے)۔ پس طلبِ دولت حاصل ہونے کو بہت بڑی نعمت جان کر ہر اس چیز سے بچنا چاہئے جو اس کے مخالف ہے ایسا نہ ہو کہ اس میں کوئی فتور واقع ہو جائے اور اس حرارت میں کوئی ٹھنڈک (سستی) اثر کر جائے۔ اور اس کی محافظت کا سب سے بڑا ذریعہ اس دولت کے حاصل ہونے کا شکر ادا کرنا ہے لَئِنْ شَکَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّکُمْ (سورہ ابراہیم آیۂ ۷) (بالضرور اگر تم شکر کرو گے تو میں ضرور تم کو اور زیادہ دوں گا)۔ اور (دوسرا ذریعہ) حضرت قدس جل سلطانہ کی جناب میں عاجزی وزاری کرنا ہے تاکہ حق تعالیٰ اس کی

طلب و درد کے چہرے کو اپنے لازوال جمال کے کعبہ سے نہ ہٹائے۔ اگر التجاء و تضرع کی حقیقت حاصل نہ ہو تو ظاہری تضرع و نیازمندی کی صورت کو ہاتھ سے نہیں جانے دینا چاہیئے ؛ وَاِنْ لَّمْ تَبْکُوْا فَتَبَاکَوْا [1] (یعنی اگر رونا نہ آئے تو رونے والوں کی سی صورت بنالو) میں اسی معنی کی طرف اشارہ ہے ——

(طلب و درد کی) یہ محافظت کامل و مکمل (خود کامل و مکمل کرنے والے) شیخ کے ملنے تک ہے اس کے بعد اپنی تمام مرادیں اس بزرگ کے سپرد کر دینی چاہئیں اور (اس کی خدمت میں) مردہ بدست غسّال (غسل دینے والا) کی طرح ہو جانا چاہیئے —— فنائے اول فنا فی الشیخ ہے اور یہی فنا پھر فنا فی اللہ کا وسیلہ بن جاتی ہے ؎

زاں روئے کہ چشم تست احول ۔۔۔۔ معبودِ تو پیرِ تُست اول

(ترجمہ) ابھی جب تک ہے تیری آنکھ احول ۔۔۔۔ ہے مرشد ہی تیرا معبود اول

کیونکہ فائدہ پہنچانا اور فائدہ حاصل کرنا دونوں طرف کی مناسبت پر موقوف ہے اور ابتدا میں طالبِ طریقت کو اپنی نہایت پستی و کمینگی کے باعث حق تعالیٰ عز سلطانہ کی پاک بارگاہ کے ساتھ کوئی مناسبت نہیں ہوتی اس لئے دونوں طرف [2] (یعنی خالق و مخلوق کے درمیان) تعلق والا ایک واسطہ (برزخ) ہونا ضروری ہے اور وہ شیخِ کامل و مکمل ہے، اور طلب میں فتور و سستی واقع ہونے کا سب سے بڑا قوی سبب شیخِ ناقص کی طرف رجوع کرنا ہے، جس نے ابھی اپنا جذبہ و سلوک کا کام پورا نہیں کیا اور شیخی و پیری کی مسند پر بیٹھ گیا اس کی صحبت طالب کے لئے زہرِ قاتل ہے اور اس کی طرف رجوع کرنا مہلک مرض ہے، اس قسم کے شیخ کی صحبت طالب کی بلند استعداد کو پستی میں لے آتی ہے اور بلندی سے پستی کے غار میں گرا دیتی ہے —— مثلاً جو مریض ناقص طبیب سے علاج کرائے وہ اپنی بیماری کے زیادہ کرنے میں کوشش کرتا ہے اور اپنے مرض کے زائل کرنے کی قابلیت کو ضائع کر دیتا ہے، اگرچہ ابتدا میں وہ دوائی مرض میں کچھ تخفیف کر دے لیکن حقیقت میں وہ عین مضر ہے۔ یہ مریض اگر بالفرض کسی حاذق (تجربہ کار) طبیب کے پاس جائے تو وہ طبیب پہلے تو اس

---

[1] اس قول میں اس حدیث کی طرف اشارہ ہے جس کو شرح السنۃ میں حضرت انسؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا کہ آپ نے فرمایا "اے لوگو! رویا کرو پس اگر نہ رو سکو تو تکلف و بناوٹ سے رونے والوں کی سی صورت بنا لیا کرو (الحدیث) (مشکوۃ)

[2] چونکہ مرید گرفتارِ عالمِ سفلی ہے اس لئے وہ عالمِ علوی سے مناسبت نہیں رکھتا تاکہ ذاتِ حق سے بلا واسطہ فیوض و برکات اخذ کر سکے اس لئے اس کو ایک ایسے واسطہ کی ضرورت ہے جو ذو جہتین ہو یعنی عالمِ علوی پر کافی حصہ حاصل کر کے مخلوق کی دعوت و ارشاد کے لئے عالمِ سفلی کی طرف رجوع کر چکا ہو تاکہ وہ عالمِ علوی کی مناسبت کی وجہ سے عالمِ غیب سے فیوضات اخذ کر کے عالمِ سفلی کے ساتھ مناسبت کی وجہ سے طالبوں کو وہ فیوضات پہنچائے۔

دوا کی تاثیر کو زائل کرنے کی فکر کرے گا اور مسہلات کے ساتھ اس کا علاج کرے گا۔ اس تاثیر کے زائل ہو جانے کے بعد (اصلی) مرض کے دور کرنے کی طرف توجہ کرے گا۔

ان بزرگواروں قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے طریق کا دارومدار (پیر کی) صحبت پر ہے اور (صرف) کہنے سننے سے کوئی کام نہیں بنتا بلکہ طلب میں سستی پیدا ہو جاتی ہے ——— امید ہے کہ کچھ دنوں کے بعد دہلی و آگرہ کی طرف ہمارا سفر واقع ہو جائے اگر آپ (وہاں) تنہا تشریف لائیں اور آمنے سامنے کچھ حاصل کر کے جلدی واپس چلے جائیں تو اس کی گنجائش ہے، اس سے زیادہ لکھنا آپ کو تکلیف دینا ہے۔

بقیہ سوالوں کا جواب یہ ہے کہ جناب بزرگی کی پناہ والے اور معارف کے جاننے والے میاں شیخ تاج اس صوبہ (علاقہ) میں غنیمت ہیں اور بزرگ ہیں لیکن آپ کی استعداد کو ان کے طریقہ سے بہت کم مناسبت ہے اور مناسبت کے تعلق کے بغیر مطلوب کا حاصل ہونا دشوار ہے اور (آئندہ) آپ کو اختیار ہے، اگر کبھی کبھی اپنے کچھ حالات تحریر فرماتے رہیں تاکہ اس طرف سے بھی کچھ لکھا جاتا رہے تو بہت ہی مناسب ہے کیونکہ اخلاص کا سلسلہ اس طرح پر ہمیشہ حرکت میں رہتا ہے۔ والسلام

مکتوب ۶۲
شصت و دوم

جناب میرزا حسام الدین احمد[۱] کی طرف صادر فرمایا ——— اس بیان میں کہ وہ جذبہ جو سلوک سے پہلے ہے وہ اصلی مقصود نہیں ہے بلکہ منازلِ سلوک کو آسانی سے قطع کرنے کا وسیلہ ہے اور وہ جذبہ جو سلوک کے بعد حاصل ہوتا ہے اصلی مقصود ہے اور اس کے مناسب بیان میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (سب تعریف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) ——— وصول الی اللہ کے طریقہ کے دو جزو ہیں: جذبہ[۱] اور سلوک[۲]، یا دوسرے لفظوں میں تصفیہ[۱] و تزکیہ[۲]، جو جذبہ سلوک پر مقدم ہے وہ اصلی مقاصد میں سے نہیں ہے اور جو تصفیہ تزکیہ سے پہلے ہوتا ہے وہ بھی اصلی مطالب میں سے نہیں ہے، ہاں وہ جذبہ جو سلوک کے تمام ہونے کے بعد ہوتا ہے اور وہ تصفیہ جو تزکیہ حاصل ہونے کے بعد ہوتا ہے

---
[۱] میرزا حسام الدین احمدؒ کا مختصر تذکرہ اور مکتوبات کی تفصیلات کے لئے دفتر اول مکتوب ۳۲ کا حاشیہ ملاحظہ ہو۔

جو کہ سیر فی اللہ[۱] میں ہے البتہ وہ مقاصدِ مطلوبہ ہی سے ہے۔ سابقہ جذبہ اور تصفیہ جو سلوک کے راستوں کی آسانی کے لئے ہے سلوک کے بغیر مقصد حل نہیں ہوتا اور (سلوک کی) منزلیں طے کئے بغیر مطلوب کا جمال ظاہر نہیں ہوتا، پہلا جذبہ دوسرے جذبے کے لئے (حقیقت کے بالمقابل) صورت کی مانند ہے حقیقت میں (یہ دونوں) ایک دوسرے کے ساتھ کچھ مناسبت نہیں رکھتے ــــــ پس اس سلسلۂ عالیہ کے مشائخ کی عبارتوں میں جو انتہا کا ابتدا میں درج ہونا مذکور ہے اس سے مراد انتہا کی صورت کا ابتدا میں درج ہونا ہے ورنہ انتہا کی حقیقت ابتدا میں نہیں سما سکتی، اور نہایت کو بدایت کے ساتھ کچھ بھی نسبت نہیں ہے اور اس موضوع کی تحقیق اس رسالہ[۲] (مکتوب) میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہے جو جذبہ و سلوک وغیرہ کی تحقیق میں لکھا گیا ہے ــــــ مختصر یہ ہے کہ صورت سے گذر کر حقیقت تک پہنچنا ضروری ہے اور حقیقت کو چھوڑ کر صرف صورت پر اکتفا کرنا سراسر (مقصد سے) دوری ہے۔ حَقَّقَنَا اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ بِالْحَقِیْقَۃِ الْحَقَّۃِ وَجَنَّبَنَا عَنِ الصُّوْرَۃِ الْبَاطِلَۃِ بِحُرْمَۃِ النَّبِیِّ الْمُخْتَارِ وَاٰلِہِ الْاَبْرَارِ عَلَیْہِ وَعَلَیْھِمْ مِنَ الصَّلَوَاتِ اَکْمَلُھَا وَمِنَ التَّحِیَّاتِ اَفْضَلُھَا حق تعالیٰ سبحانہ اپنے نبی مختار اور آپ کی آل ابرار علیہ و علیہم الصلوٰۃ والسلام کے طفیل ہم کو اصلی حقیقت پر ثابت قدم رکھے اور صورتِ باطلہ سے بچائے۔

مکتوب ۶۳
شصت و سوم

یہ مکتوب سرداری کی پناہ والے اور ستائش کے سرمایہ والے شیخ فرید[۳] کی طرف صادر فرمایا ــــــ اس بیان میں کہ تمام انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام دین کے اصول میں متفق ہیں اور ان بزرگوں کا اختلاف صرف فروعِ دین میں ہے اور ان (انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام) کے بعض متفق علیہ کلمات کے بیان میں۔

ثَبَّتَنَا اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَاِیَّاکُمْ عَلٰی جَادَّۃِ اٰبَائِکُمُ الْکِرَامِ عَلٰی اَفْضَلِھِمْ اَصَالَۃً وَعَلٰی بَوَاقِیْھِمْ مُتَابَعَۃً الصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ اللہ تعالیٰ ہم کو اور آپ کو آپ کے بزرگ باپ دادوں کے سیدھے راستے پر ثابت قدم رکھے

---

[۱] جاننا چاہئے کہ سیر فی اللہ و سیر الی اللہ اور سیر عن اللہ باللہ و سیر فی الاشیاء کے معنی حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ نے دفتر اول مکتوب ۱۴۴ میں جو کہ حافظ محمود لاہوری کے نام ہے اس میں تفصیل سے تحریر فرمائے ہیں وہاں ملاحظہ فرمائیں۔
[۲] یعنی دفتر اول مکتوب ۲۸۷ بنام حقائق آگاہ میاں غلام محمد برادر حقیقی حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ و نیز دفتر ثانی مکتوب ۴۲ بنام خواجہ جمال الدین حسین۔
[۳] شیخ فرید کا مختصر تذکرہ اور ان کے نام مکتوبات کی تفصیل وغیرہ کیلئے دفتر اول مکتوب ۴۳ کا حاشیہ ملاحظہ ہو۔

ان میں سب سے افضل پر اصلی طور پر اور باقی سب پر متابعت کے طور پر صلوٰۃ و سلام ہو)

انبیاءِ کرام، اللہ تعالیٰ کی رحمتیں ہوں اُن سب پر بالعموم اور ان میں سے افضل پر بالخصوص اللہ تعالیٰ کی رحمتیں و سلام و تحیات و برکات ہوں، کیونکہ ان بزرگوں کے طفیل ایک عالم کو دائمی نجات کی سعادت حاصل ہوئی ہے اور ہمیشہ کی گرفتاری سے آزادی نصیب ہوئی ہے، اگر ان حضرات کا وجود شریف نہ ہوتا تو حق سبحانہٗ و تعالیٰ جو کہ غنی مطلق ہے دنیا جہان کو اپنی ذات تعالیٰ و صفاتِ مقدسہ کی نسبت کچھ خبر نہ دیتا اور اس کی طرف راستہ نہ دکھاتا اور کوئی شخص اس کو نہ پہچانتا اور (شرع شریف کے) اوامر و نواہی کہ جن کے ساتھ اپنے بندوں کو محض اپنے فضل و کرم سے ان کے نفع کے لئے مکلّف بنایا ہے ان کے بجا لانے کی تکلیف نہ دیتا اور اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ امور اور اس کے ناپسندیدہ امور سے جدا نہ ہوتے ــــ پس اس نعمتِ عظمیٰ کا شکر کس زبان سے ادا ہو سکتا ہے اور کس کو یہ طاقت ہے کہ اس کے شکر سے عہدہ برآ ہو سکے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَنْعَمَ عَلَیْنَا وَھَدَانَا اِلَی الْاِسْلَامِ وَجَعَلَنَا مِنْ مُّصَدِّقِی الْاَنْبِیَاءِ عَلَیْھِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے جس نے ہم پر انعام کیا اور ہم کو اسلام کی طرف ہدایت کی اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تصدیق کرنے والوں میں سے بنایا)۔

تمام انبیاء اصول دین میں متفق ہیں۔

اور یہ بزرگواران (یعنی انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام) دین کے اصول میں (سب) متفق ہیں[1] اور حق تعالیٰ و تقدس کی ذات و صفات، حشر و نشر، رسولوں کے بھیجنے، فرشتوں کے نازل ہونے، وحی کے وارد ہونے، جنت کی نعمتوں اور دوزخ کا عذاب دائمی و ابدی ہونے کے بارے میں ان سب کی بات ایک ہی ہے، اور ان کا اختلاف صرف ان بعض احکام میں ہے جو دین کے فروع سے تعلق رکھتے ہیں، (کیونکہ) حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے ہر زمانے میں ہر اولوالعزم پیغمبر پر اُس زمانہ والوں کے مناسب بعض احکام کے ساتھ وحی بھیجی ہے اور اور مخصوص احکام کے ساتھ مکلّف فرمایا ہے ــــ احکامِ شرعیہ میں نسخ[2] و تبدیلی کا ہونا حق تعالیٰ کی حکمتوں اور مصلحتوں کی بِنا پر ہے اور ایسا بھی بہت دفعہ ہوا ہے کہ ایک ہی صاحبِ شریعت پیغمبر پر مختلف وقتوں میں ایک دوسرے کے برخلاف احکام نسخ و تبدیل کے طور پر وارد ہوئے ہیں۔

---

[1] قال اللہ تعالیٰ انا اوحینا الیک کما اوحینا الی نوح والنبیین من بعدہ (نساء آیت ۱۶۳) (یعنی ہم نے تم پر وحی کی جس طرح کہ ہم نے نوح (علیہ السلام) پر اور ان کے بعد آنے والے نبیوں پر وحی کی تھی۔

[2] یہاں جاننا چاہئے کہ احکام شرعیہ تکلیفیہ میں نسخ احکام تکوینیہ تکلیفیہ میں نسخ کی مانند ہے اور جو استبعاد کہ نظامِ تشریعی میں کافروں کے شبہات ڈالنے کی وجہ سے دل میں قائم ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے نظامِ تکوینی کا حال دیکھنے پر دور ہو جاتا ہے۔

اور ان بزرگوں (انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام) کے متفقہ کلمات میں سے چند کلمات یہ ہیں: ـــــ حق تعالیٰ سبحانہ کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کرنا [1] ـــــ حق سبحانہ وتعالیٰ کے ساتھ شرک کرنے سے منع کرنا۔ ـــــ حق سبحانہ وتعالیٰ کے سوا مخلوقات میں سے کسی کو اپنا رب نہ بنانا ـــــ یہ حکم (یعنی نفی عبادتِ غیر حق) انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ہی مخصوص ہے، ان (انبیاء علیہم السلام) کے متبعین کے علاوہ اور لوگ اس دولت سے مشرف نہیں ہوئے، اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے سوا کسی نے بھی اس قسم کے کلمات نہیں کہے ہیں۔

منکرینِ نبوت، اگرچہ اللہ تعالیٰ کو واحد (ایک) کہتے ہیں لیکن ان کا حال دو [2] باتوں سے خالی نہیں ہے یا تو وہ اہل اسلام کی تقلید کرتے ہیں یا واجب الوجود ہونے میں تو اس کو واحد مانتے ہیں لیکن استحقاقِ عبادت میں (واحد) نہیں مانتے ـــــ اور اہلِ اسلام کے نزدیک حق سبحانہ وتعالیٰ واجب الوجود ہونے میں بھی واحد ہے اور عبادت کا مستحق ہونے میں بھی ـــــ کلمہ طیبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ سے مراد جھوٹے خداؤں کی عبادت کی نفی کرنا اور حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی عبادت کا ثابت کرنا ہے۔

اور دوسری بات جو ان بزرگوں (انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام) کے ساتھ مخصوص ہے وہ یہ ہے کہ وہ سب اپنے آپ کو دیگر لوگوں کی طرح بشر (انسان) جانتے ہیں اور عبادت کے لائق اللہ تعالیٰ ہی کو جانتے ہیں اور لوگوں کو اسی کی طرف دعوت دیتے ہیں اور اس (حق تعالیٰ) کو مخلوق میں حلول کرنے اور مخلوق کے ساتھ اتحاد سے پاک بتاتے ہیں ـــــ لیکن نبوت کا انکار کرنے والے لوگ ایسے نہیں ہیں بلکہ ان کے سردار اپنی خدائی کا دعویٰ کرتے ہیں اور حق سبحانہٗ وتعالیٰ کو اپنے اندر حلول کیا ہوا ثابت کرتے ہیں اور عبادت کا حق دار ہونے اور معبود ہونے (یعنی خدا، الٰہ ہونے) کے نام کا اپنے اوپر اطلاق کرنے سے اجتناب نہیں کرتے، یہی وجہ ہے کہ وہ بندگی سے پاؤں باہر نکال کر بُرے افعال اور بد اعمال میں مبتلا ہو جاتے ہیں، اور (اُن بُرے افعال کو) مباح جاننے کا راستہ ان پر کشادہ ہو جاتا ہے اور وہ گمان کرنے لگتے ہیں کہ یہ (باطل) معبودوں کے لئے کوئی چیز منع نہیں ہے اور (یہ باطل معبود) جو کچھ کہتے ہیں وہ اس کو درست جانتے ہیں اور وہ جو کچھ کرتے ہیں یہ اس کو مباح سمجھتے ہیں، یہ لوگ خود بھی گمراہ ہو گئے اور انھوں نے دوسروں کو بھی گمراہ کیا پس ان کے لئے اور ان کے متبعین و پیروکاروں کے لئے دردناک عذاب ہے۔

---

[1] اس میں آیت شریفہ قل یاَ اھل الکتٰب تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا وبینکم الا نعبد الا اللّٰہ ولا نشرک بہٖ شیئًا (آل عمران ۳ آیت ۶۴) کے مضمون کی طرف اشارہ ہے۔

اور ایک اور بات جس پر انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام متفق ہیں اور ان منکروں کو اس دولت سے کچھ نصیب نہیں ہے، یہ ہے کہ فرشتے جو مطلق (یعنی بالکل) معصوم ہیں اور کسی قسم کا تعلق و آلودگی نہیں رکھتے یہ حضرات ان کے نازل ہونے کے قائل ہیں اور ان (فرشتوں) کو (اللہ تعالیٰ کی) وحی کے امین اور کلامِ الٰہی کے اٹھانے والے جانتے ہیں۔ پس یہ حضرات جو کچھ کہتے ہیں حق تعالیٰ کی طرف سے کہتے ہیں اور جو کچھ پہنچاتے ہیں حق تعالیٰ ہی کی طرف سے پہنچاتے ہیں، اور ان (پیغمبروں) کے اجتہادی احکام کی بھی وحی کے ذریعہ سے تائید کی جاتی ہے، اگر بالفرض (کسی پیغمبر) سے کوئی لغزش (اجتہادی خطا) واقع ہو جاتی تھی اسی وقت حق تعالیٰ اس کا تدارک (اصلاح) وحیٔ قطعی کے ساتھ فرما دیتا تھا ـــــ لیکن منکروں کے سردار[۱] جو کہ الوہیت کے مدعی ہیں جو کچھ کہتے ہیں اپنی طرف سے کہتے ہیں اور اپنے الٰہ (معبود) ہونے کے گمان کے باعث اسی کو درست جانتے ہیں، پس انصاف سے کام لینا ضروری ہے، جو شخص کہ نہایت بے عقلی کی وجہ سے اپنے آپ کو خدا کہے اور عبادت کا مستحق جانے اور اس فاسد گمان سے ناشائستہ افعال اس سے سرزد ہوں اس کی باتوں کا کیا اعتبار ہے اور اس کی پیروی پر کیا انحصار ہے۔ مصرع

سالے کہ نکوست از بہارش پیداست سال اچھا ہے وہی جس کی بہار اچھی ہے

اس قسم کی باتوں کا ظاہر کرنا مزید وضاحت کے لئے ہے ورنہ حق باطل سے جدا ہے اور نور اندھیرے سے نمایاں ہے: وَجَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا (بنی اسرائیل آیت ۸۱) (دینِ حق آگیا اور دین باطل نیست و نابود ہو گیا بیشک باطل نیست و نابود ہونے والا ہی ہوتا ہے)۔ اَللّٰهُمَّ ثَبِّتْنَا عَلٰى مُتَابَعَةِ هٰٓؤُلَآءِ الْاَكَابِرِ عَلَيْهِمُ الصَّلَوَاتُ وَالتَّحِيَّاتُ اَوَّلًا وَّاٰخِرًا (یا اللہ تو ہم کو اول و آخر انہی بزرگوں یعنی انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی متابعت پر ثابت قدم رکھ)۔

باقی مقصود یہ ہے کہ سرداری کی پناہ والے میاں پیر کمال کو آپ خوب اچھی طرح جانتے ہیں، اس بارے میں مزید کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں ہے لیکن اس قدر لکھنا ضروری ہے کہ فقیر کو کچھ عرصے سے ان کی ملاقات کا شرف حاصل ہے ایک مدت سے آپ کی قدمبوسی کا شوق رکھتے ہیں لیکن اس عرصہ میں ان کو کچھ ضعف لاحق ہو گیا تھا ایک مدت دراز تک صاحب فراش تھے اب صحت حاصل ہونے کے بعد آپ کی خدمتِ عالیہ کی طرف متوجہ ہوئے ہیں آپ کی عنایت کے امیدوار ہیں۔

---

[۱] انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی نبوت کے منکروں کے سردار۔

مکتوب ۶۴
شصت و چہارم

یہ مکتوب بھی سیادت و ستائش کی پناہ والے شیخ فرید کی طرف صادر فرمایا ـــــــ جسمانی و روحانی لذت اور رنج و غم کے برداشت کرنے کی ترغیب اور اس کے مناسب بیان ہیں۔

سَلَّمَكُمُ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَعَافَاكُمْ فِي الدَّارَيْنِ بِحُرْمَةِ سَيِّدِ الثَّقَلَيْنِ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِيْمَاتُ (اللہ تعالیٰ اپنے حبیب سید الثقلین علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کے طفیل آپ کو دونوں جہان میں سلامتی و عافیت کے ساتھ رکھے) ـــــــ دنیا کی لذت اور رنج و غم دو قسم کے ہیں: جسمانی[1] اور روحانی[2]، جس چیز میں جسم کے لئے لذت ہے روح کے لئے اس میں درد و رنج ہے، اور جس چیز سے جسم کو رنج پہنچتا ہے روح کو اس سے لذت حاصل ہوتی ہے، پس روح اور جسم ایک دوسرے کی ضد ہیں ـــــــ اس جہاں میں چونکہ روح جسم کے مقام میں اُتری ہوئی ہے اور جسم و جسمانی کی گرفتار ہوگئی ہے اس لئے روح بھی جسم کے حکم میں ہوگئی ہے، اس کی لذت سے لذت یاب اور اس کے رنج و الم سے درد مند ہوگئی ہے، یہ عوام کالانعام کا مرتبہ ہے (آیۂ کریمہ) ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ (سورۂ تین آیت ۵)[95] (پھر ہم اس کو سب سے کمتر مخلوق کے درجے میں لوٹا لائے۔ (یعنی انسان نے کافر ہو کر اپنی فطرتِ سلیمہ کو ضائع کر دیا) انہی کے حال پر صادق آتی ہے۔ اگر روح اس گرفتاری سے رہائی حاصل نہ کرے اور اپنے اصلی وطن کی طرف رجوع نہ کرے تو ہزار ہزار افسوس ہے ؎

پایہ آخر آدم است و آدمی — گشت محروم از مقام محرمی
گر نہ گردد باز مسکیں زیں سفر — نیست از وے ہیچ کس محروم تر

(ترجمہ) ہے نزولِ آخری میں آدمی — پس ہے محرومِ مقامِ محرمی
گر نہ لوٹے اس سفر سے وہ غریب — کیا کہوں بس ہے نہایت بد نصیب

یہ روح کی بیماری ہی کی وجہ سے ہے کہ (انسان) اپنے درد و رنج کو لذت اور لذت کو درد و رنج سمجھتا ہے، جیسا کہ صفراوی مزاج والا شخص صفرا کی بیماری کے باعث شیرینی کو کڑوی محسوس کرتا ہے۔ پس عقلمندوں پر اس مرض کے دور کرنے کی فکر کرنا لازم ہے تاکہ جسمانی رنج و مصائب میں خوش و خرم زندگی بسر کریں بیت

از پئے ایں عیش و عشرت ساختن — صد ہزاراں جاں بباید باختن

(ترجمہ) اس طرح کے عیش و عشرت کے لئے — صد ہزاراں جان کی بازی کرے

دنیوی لذت اور رنج و غم کی حقیقت

اور جب اچھی طرح غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اگر دنیا میں درد و رنج اور مصیبت نہ ہوتی تو پھر دنیا کی قدر و قیمت جَو کے ایک دانہ کے برابر بھی نہ ہوتی، اس (دنیا) کی ظلمتوں اور تاریکیوں کو (یہاں کے) مصائب و حوادثات زائل کرتے ہیں، حوادثات کی تلخی کڑوی دوا کی طرح نفع دینے والی ہے جو کہ مرض کو دور کرتی ہے ــــ ــــ اس فقیر کو محسوس ہوا ہے کہ لوگ عام دعوتوں میں جو کھانا پکاتے ہیں وہ خالص نیت کا لحاظ نہیں کرتے اس کے کھانے والوں میں سے بعض لوگ گلہ و شکایت کرتے ہوئے اُٹھتے ہیں اور اس کھانے اور صاحبِ طعام میں نقص و عیب نکالتے ہیں اور صاحبِ طعام کا دل اس بات سے شکستہ ہو جاتا ہے، تو صاحبِ طعام کی یہی شکستگی اس ظلمت کو جو نیت میں خلوص نہ ہونے کی وجہ سے کھانے میں آگئی تھی دُور کر دیتی ہے اور قبولیت کے مقام میں لے آتی ہے۔ اگر اس جماعت کی طرف سے گلہ و شکوہ نہ ہوتا اور صاحبِ طعام کے دل میں انکساری و عاجزی پیدا نہ ہوتی تو کھانا سراسر ظلمت و کدورت سے بھرا رہتا، اس صورت میں قبولیت کی امید کی کیا گنجائش ہوتی۔ ــــ پس کام کا دار و مدار شکستگی اور بیچارگی پر ہے اور ہم ناز میں پلے ہوئے عیش و عشرت کے طالبوں کے لئے یہ کام مشکل ہے: وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ (ذاریات آیت ۵۶)[۵۱] (اور میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اپنی عبادت ہی کے لئے پیدا کیا ہے) نصِّ قاطع ہے۔ اور عبادت سے مراد عاجزی و انکساری ہے، پس انسان کی پیدائش سے مقصود (خالقِ کائنات کے سامنے) عاجزی و انکساری کرنا ہے، خاص طور پر مسلمانوں اور دیندار لوگوں کے لئے کیونکہ دنیا اُن کے لئے قید خانہ ہے۔ قید خانہ[۵۱] میں عیش و عشرت ڈھونڈنا عقل سے دُور ہے پس آدمی کے لئے محنت اٹھانے کی مشق کے سوا کوئی چارہ نہیں اور اس بوجھ کے اٹھانے کی ورزش سے کوئی بچاؤ کا راستہ نہیں۔ حق سبحانہٗ و تعالیٰ آپ کے جدِ بزرگوار علیہ و علیٰ آلہ من الصلوات اتمہا و من التحیات اکملہا کے طفیل ہم بے طاقتوں کو اس حقیقت پر استقامت مرحمت فرمائے۔

مکتوب ۶۵
شصت و پنجم

یہ مکتوب خانِ اعظم[۵۲] کی طرف صادر فرمایا ــــ اسلام کے ضعیف ہونے اور مسلمانوں کی خواری و عاجزی پر رنج و افسوس کرنے اور اہلِ اسلام کو قوت دینے اور شرعی احکام جاری کرنے پر ترغیب و تحریص دینے کے بارے میں۔

---

۵۱ صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم الدنیا سجن المومن و جنۃ الکافر (مشکوۃ) ــــ ۵۲ (بر صفحہ آئندہ)

اَیَّدَکُمُ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَنَصَرَکُمْ عَلٰی اَعْدَاءِ الْاِسْلَامِ فِیْ اِعْلَاءِ الْاَحْکَامِ (اللہ تعالیٰ آپ کو (شرعی) احکام کے بلند کرنے میں دشمنانِ اسلام پر مدد و نصرت عطا فرمائے) ـــــــ مخبرِ صادق علیہ وعلیٰ آلہ من الصلوات افضلہا ومن التسلیمات اکملہا نے فرمایا ہے: اَلْاِسْلَامُ بَدَأَ غَرِیْبًا وَسَیَعُوْدُ کَمَا بَدَأَ فَطُوْبٰی لِلْغُرَبَاءِ[۱] (یعنی اسلام غریب (بے وطن و بے کس) ہی ظاہر ہوا اور عنقریب ایسا ہی ہو جائے گا جیسا کہ شروع میں تھا پس غریبوں کے لئے خوشخبری ہے) ـــــــ اسلام کی غربت اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ کافر کھلم کھلا اسلام پر طعن اور مسلمانوں کی مذمت کرتے ہیں، بے خوف وخطر ہر کوچہ و بازار میں کفر کے احکام جاری اور اہلِ کفر کی تعریف کرتے ہیں اور مسلمان اسلام کے احکام جاری کرنے سے روک دیئے گئے ہیں اور شریعت کے احکام بجالانے کی صورت میں ان کی مذمت اور ان پر طعنہ زنی کی جاتی ہے۔ بیت

پری نہفتہ رُخ و دیو در کرشمہ و ناز ... بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی ست

(ترجمہ) پری تو رُخ کو چُھپائے ہو دیو ناز کرے ... یہ حال دیکھ کے حیرت سے ہوش جاتے رہے

سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ (اللہ تعالیٰ پاک ہے اور اس کی تعریف ہے) عقلمندوں نے کہا ہے: اَلشَّرْعُ تَحْتَ السَّیْفِ (شریعت تلوار کے نیچے ہے) اور شرع شریف کی رونق بادشاہوں کے ساتھ وابستہ ہو (اور اب) قضیہ برعکس ہو گیا ہے اور معاملہ بدل گیا ہے، ہائے افسوس صد افسوس!! آج ہم آپ کے وجود شریف کو غنیمت جانتے ہیں اور اس ضعیف و شکست خوردہ معرکہ میں آپ کے سوا کسی کو دشمن کے مقابلہ میں آنے والا بہادر و لڑاکا نہیں جانتے، حق تعالیٰ اپنے نبی مکرم اور آپ کی بزرگ آل علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات والتحیات والبرکات کے طفیل آپ کا مددگار و ناصر ہو ـــــــ حدیث شریف میں آیا ہے لَنْ یُّؤْمِنَ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یُقَالَ لَہٗ اِنَّہٗ مَجْنُوْنٌ[۲] (تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک (کامل) ایماندار نہیں ہوگا جبتک کہ اس کو دیوانہ نہ کہا جائے)۔ اس وقت وہ جنون جو غیرتِ اسلام کی زیادتی پر مبنی ہے آپ ہی کی ذات میں محسوس ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ سُبْحَانَہٗ عَلٰی ذٰلِکَ (اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ہے)۔

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) ۵۲ مکتوبات شریفہ میں آپ کے نام صرف ۲ دو مکتوب ہیں دفتر اول مکتوب ۶۵-۶۶۔ خان اعظم مرزا عزیز کوکہ اکبر بادشاہ کے ہم عمر اور ہم شیر تھے ہمیشہ شاہی قرابت اور انتہائی نوازشوں سے سرفراز رہے۔ جہانگیر نے بھی آپ کی خوب عزت کی، تاریخ دانی میں بے مثل اور سلاستِ زبان میں بے نظیر تھے ۱۰۲۲ھ میں حج کیا اور ۱۰۳۳ھ احمد آباد میں انتقال ہوا میت کو دہلی لا کر حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے قرب میں دفن کیا گیا۔ (مآثر الامراء ج ۱ ص ۶۷۱ و تزک جہانگیری)

(حاشیہ صفحہ ھذا) [۱] یہ روایت صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہؓ سے اور ابن ماجہ و طبرانی میں ہے۔ [۲] اس حدیث کو روایت کیا ابن حبان و احمد و ابو یعلی و ابن سنی نے حضرت ابی سعید خدری رضی اللہ عنہ سے۔

آج وہ دن ہے کہ تھوڑے سے عمل کو بہت بڑے اجر اور نہایت قدر کے ساتھ قبول فرماتے ہیں ـــــ اصحابِ کہف سے ہجرت کے سوا اور کوئی عمل ظاہر نہیں ہوا جس نے اس قدر اعتبار و فضیلت حاصل کرلی ہے ـــــ امن و امان اور دشمنوں سے سکون کے وقت کے برخلاف سپاہی اگر دشمنوں کے غلبے کے وقت تھوڑی سی بھی بھاگ دوڑ کریں تو بڑی قدر حاصل کرلیتے ہیں ـــــ یہ قولی جہاد جو آج آپ کو حاصل ہے جہادِ اکبر ہے اس کو غنیمت جانیں اور ھَلْ مِنْ مَّزِیْدٍ (کیا اور زائد ہے) کہیں، اور اس قولی جہاد کو جہادِ قتال سے بہتر جانیں ـــــ ہم جیسے بے دست و پا (عاجز) فقرا اس دولت سے محروم ہیں ؎

هَنِيْئًا لِّاَرْبَابِ النَّعِيْمِ نَعِيْمُهَا ۔۔۔ وَلِلْعَاشِقِ الْمِسْكِيْنِ مَا يَتَجَرَّعُ

(ترجمہ) مبارک نعمتیں جنّت کی ہوں اصحابِ جنّت کو ۔۔۔ مبارک جرعہ نوشی غم کی ہو بیمار الفت کو

؎ دادیم ترا ز گنجِ مقصود نشاں ۔۔۔ گر ما نہ رسیدیم تو شاید برسی

(ترجمہ) نشاں بتلادیا ہم نے تجھے گنج سعادت کا ۔۔۔ اگر ہم نے نہیں پایا تو شاید تجھ کو مل جائے

حضرت خواجہ احرار قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ فرمایا کرتے تھے "اگر من شیخی کنم ہیچ شیخے در عالم مرید نیابد امّا مرا کارِ دیگر فرمودہ اند و آں ترویج شریعت و تائیدِ ملّت است" (یعنی اگر میں پیری مرشدی کروں تو دنیا میں کسی پیر و مرشد کو کوئی مرید نہ ملے لیکن مجھے کسی اور کام کا حکم ہے اور وہ شریعت کی ترویج اور مذہب کی تائید ہے) ـــــ اسی لئے بادشاہوں کی صحبت میں جایا کرتے اور اپنے تصرف سے ان کو مطیع بنایا کرتے تھے اور ان کے ذریعہ سے شریعت کو رواج دیتے تھے ـــــ (میں بھی) یہی التماس کرتا ہوں کہ جب حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے اس بزرگ خاندان کے بزرگوں (حضرات نقشبندیہ) قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے ساتھ آپ کی محبت کی برکت سے آپ کی بات میں تاثیر بخشی ہے اور آپ کی مسلمانی کی عظمت اہلِ زمانہ کی نظروں میں ظاہر ہوگئی ہے تو آپ کوشش فرمائیں، کم از کم اتنا تو ہو کہ اہلِ کفر کے بڑے بڑے احکام (شعائرِ کفر) جو اہلِ اسلام میں رائج ہوگئے ہیں مٹ جائیں اور نیست و نابود ہو جائیں، اور اہلِ اسلام اِن خلافِ شریعت امور سے محفوظ رہیں جَزَاكُمُ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ عَنَّا وَعَنْ جَمِيْعِ الْمُسْلِمِيْنَ خَيْرَ الْجَزَاءِ (اللہ تعالیٰ آپ کو ہماری اور سب مسلمانوں کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے)۔

اس سے پہلی سلطنت (اکبری دور) میں حضرت محمد مصطفٰے علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دین کے ساتھ دشمنی معلوم ہوتی تھی اور اس (موجودہ سلطنت) میں ظاہری طور پر وہ عناد نہیں ہے اگر ہے تو بے علمی کی وجہ سے ہے،

ڈر یہ ہے کہ ایسا نہ ہو یہاں بھی عناد و دشمنی تک نوبت نہ آجائے اور مسلمانوں پر معاملہ اس سے بھی زیادہ تنگ ہو جائے

مصرع چو بید بر سرِ ایمانِ خویش می لرزم (مثالِ بید لرزتا ہوں اپنے ایمان پر)

ثَبَّتَنَا اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَاِيَّاكُمْ عَلٰى مُتَابَعَةِ سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِيْمَاتُ.

(اللہ سبحانہ وتعالیٰ آپ کو اور ہم سب کو سید المرسلین علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کی متابعت پر ثابت قدم رکھے)

فقیر ایک تقریب پر یہاں آیا تھا، یہ نہ چاہا کہ آپ کو اپنے آنے کی اطلاع نہ دے اور بعض نفع بخش باتیں نہ لکھے اور (آپ کے ساتھ) اپنی طبعی محبت کی جو کہ فطری مناسبت[1] کی وجہ سے ہے (آپ کو) خبر نہ دے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: مَنْ اَحَبَّ اَخَاهُ فَلْيُعْلِمْ اِيَّاهُ. یعنی جو شخص اپنے کسی مسلمان بھائی سے محبت کرے تو اس کو چاہیئے کہ اپنی محبت کا اس پر اظہار کر دے، وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَعَلٰى جَمِيْعِ مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى (آپ پر اور تمام ہدایت کی پیروی کرنے والوں پر سلام ہو)۔

مکتوب ۶۶
شصت و ششم

یہ مکتوب بھی خان اعظم کی طرف صادر ہوا ——— طریقۂ عالیہ نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کی تعریف اور اس طریقہ کی اصحاب کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے طریقہ کے ساتھ مناسبت کے بیان میں اور اصحابِ کرام رضی اللہ عنہم کی دوسروں پر افضلیت کے بیان میں اگرچہ اویس قرنیؒ ہوں یا عمر مروانی (یعنی حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ) ہوں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام)

——— حضراتِ خواجگان (نقشبندیہ) قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے طریقہ کی بِنا اندراجِ نہایت در بدایت (ابتدا میں انتہا درج ہونا) پر مبنی ہے۔ حضرت خواجہ نقشبند قدس اللہ تعالیٰ سرہ نے فرمایا ہے کہ ہم انتہا کو ابتدا میں درج کرتے ہیں، اور یہ طریقہ بعینہٖ اصحاب کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا طریقہ ہے کیونکہ ان بزرگوں کو آنسرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پہلی ہی صحبت میں وہ کمال حاصل ہو جاتا تھا کہ اُمّت کے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کی برکات

[1] یعنی ہماری (میری) اور آپ کی) فطرت وخلقت میں ایک گونہ مناسبت ہے اسی وجہ سے یہ آپس کی محبت کا سبب بنی ہے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "ارواح فوج در فوج ہیں جن میں آپس میں مناسبت ہوئی ان میں الفت ومحبت پیدا ہو گئی اور جن میں مناسبت پیدا نہیں ہوئی ان کے درمیان اختلاف واقع ہو گیا۔

اولیاء کو نہایت النہایت (نہایت انتہائی مقام) میں اس کمال میں سے بہت تھوڑا سا حصہ حاصل ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا قاتل وحشیؓ جو اپنے اسلام لانے کے شروع زمانہ میں صرف ایک ہی مرتبہ سید اولین و آخرین علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات والتحیات کی صحبت کے شرف سے مشرف ہوئے تھے حضرت اویس قرنیؒ سے جو کہ تابعین میں سب سے بہتر ہیں افضل ہو گئے، جو کچھ حضرت وحشیؓ کو حضرت خیر البشر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی پہلی ہی صحبت میں حاصل ہوا حضرت اویس قرنیؒ کو اس خصوصیت (یعنی خیر التابعین ہونے کے باوجود) انتہا میں بھی حاصل نہیں ہوا۔ پس لازمی طور پر سب سے بہتر زمانہ اصحاب کرام (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) کا زمانہ ہوا، اور لفظ ثُمَّ[1] نے دوسروں کا معاملہ پیچھے ڈال دیا اور درجہ کی دوری کی طرف اشارہ کیا۔

ایک شخص نے حضرت عبد اللہ بن مبارک قدس سرہ سے پوچھا کہ (امیر المومنین) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ افضل ہیں یا (امیر المومنین) حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ؟ آپ نے فرمایا وہ غبار جو (جہاد کے سفر میں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے گھوڑے کی ناک میں داخل ہوا وہ حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ سے کئی درجے بہتر ہے، پس اسی لئے ان حضرات کا سلسلہ سلسلۃ الذہب ہوا اور دوسرے طریقوں پر اس طریقۂ عالیہ کی فضیلت ایسی ہی ہے جیسے اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ کی فضیلت دوسرے زمانوں پر واضح ہو چکی ہے۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے نہایت فضل و کرم سے ابتدا ہی میں اس پیالہ سے ایک گھونٹ پی چکے ہوں ان کے کمالات کی حقیقت پر اطلاع پانا ان کے سوا دوسروں کے لئے مشکل ہے، ان کی نہایت دوسروں کی نہایت سے بلند تر ہوگی۔ مصرعہ

قیاس کن زگلستان من بہار مرا (میری بہار کا اندازہ میرے باغ سے کر)

مصرعہ سالے کہ نکوست از بہارش پیداست (سال اچھا ہے وہی جس کی بہار اچھی ہے)

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ (سورۂ جمعہ ۶۲ آیت ۴) (یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے عنایت فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے) ——— حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ فرمایا کرتے تھے "ما فضلیانیم" (ہمارے سب کام اللہ تعالیٰ کے فضل سے وابستہ ہیں) اللہ تعالیٰ اپنے نبی قریشی صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل ہم کو اور آپ کو ان بزرگوں کے محبوں اور متابعت کرنے والوں میں سے بنائے۔

---

[1] عن عمران بن حصین رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم خیر امتی قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم (متفق علیہ)۔

مکتوب ۶۷

شصت و ہفتم

خان خاناں[۱] کی طرف ایک محتاج کی سفارش میں صادر فرمایا۔

ثَبَّتَنَا اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَاِیَّاکُمْ عَلٰی مُتَابَعَۃِ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ الصَّلَوٰتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ ظَاہِرًا وَّبَاطِنًا وَیَرْحَمُ اللّٰہُ عَبْدًا کَانَ اٰمِیْنًا (حق سبحانہٗ وتعالیٰ ہم کو اور آپ کو ظاہر و باطن میں سید المرسلین علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والتسلیمات کی متابعت پر ثابت قدم رکھے اور اس بندے پر رحم فرمائے جس نے آمین کہی) ـــــــ دو[۲] ضروری کاموں نے بے اختیار اس بات پر آمادہ کیا کہ آپ کو تکلیف دی جائے۔

ـــــــ امر اول[۱]: تکلیف کے گمان کو دور کرنے بلکہ محبت واخلاص کے حاصل ہونے کا اظہار ہے ـــــــ اور دوسرا امر[۲] ایک محتاج کی حاجت کی طرف اشارہ ہے جو کہ بزرگی اور نیکی سے آراستہ اور معرفت وشہود سے پیراستہ ہے، نسب (پدری رشتہ) کے لحاظ سے کریم اور حسب (مادری رشتہ) کی رُو سے شریف ہے۔

میرے مخدوم! حق بات کے ظاہر کرنے میں ایک قسم کی تلخی ہے اگرچہ وہ شدت وضعف کے اعتبار سے مختلف ہوتی ہے، کوئی نہایت سعادتمند ہونا چاہئے جو اس تلخی کو شہد کی طرح پی جائے اور هَلْ مِنْ مَّزِیْدٍ (کیا اور بھی ہے) کہے ـــــــ احوال کا تغیر وتبدل امکان کی صفت[۲] کے لوازمات سے ہے، جو لوگ مرتبہ تمکین تک پہنچ چکے ہیں وہ بھی تلوین کی سرشت رکھتے ہیں، بیچارہ ممکن کبھی صفاتِ جلالیہ کے غلبہ سے مغلوب ہے اور کبھی صفات جمالیہ کا محکوم، کبھی قبض[۳] کے مقام میں ہے اور کبھی بسط کے، اور ہر موسم کے احکام جدا ہیں، گذشتہ کل جو حالت تھی وہ آج نہیں ہے: قَلْبُ الْمُؤْمِنِ بَیْنَ اِصْبَعَیْنِ مِنْ اَصَابِعِ الرَّحْمٰنِ یُقَلِّبُھَا کَیْفَ یَشَاءُ[۴] (مؤمن کا دل اللہ تعالیٰ کی دو انگلیوں کے درمیان ہے جس طرح چاہتا ہے اس کو پلٹ دیتا ہے) والسلام

۱؎ خان خاناں (عبد الرحیم) کا مختصر تذکرہ اور ان کے نام مکتوبات کی تفصیل کے لئے دفتر اول مکتوب ۲۳ کا حاشیہ ملاحظہ ہو۔

۲؎ یعنی ممکن کے لئے احوال کا مختلف ہونا لازمی ہے ہمیشہ ایک حالت وکیفیت پر رہنا واجب الوجود لایزال کی شان ہے پس اللہ تعالیٰ الآن کما کان ہے ـــ ۳؎ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَاللّٰہُ یَقْبِضُ وَیَبْسُطُ (۲/۲۴۵) (اللہ ہی تنگی میں مبتلا کرتا ہے اور وہی فراخی عطا کرتا ہے)

۴؎ اس میں اس حدیث کی طرف اشارہ ہے جو عبد اللہ بن عمروؓ سے مروی ہے جس کو مسلم و ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اس حدیث کے الفاظ مشکوٰۃ شریف میں اس طرح ہیں ان قلوب بنی آدم کلھا بین اصبعین من اصابع الرحمٰن کقلب واحد یصرفہ کیف یشاء (بیشک تمام بنی آدم کے دل اللہ تعالیٰ کی دو انگلیوں کے درمیان ایک دل کی مانند ہیں جس کو اللہ تعالیٰ جس طرح چاہتا ہے پھرا دیتا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ تمام اشیاء میں تصرف کرنے پر قادر ہے۔ حدیث میں اصابع کا ذکر متشابہات میں سے ہے جس کی مراد اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

مکتوب ۶۸
شصت و ہشتم

یہ مکتوب بھی خان خاناں کی طرف صادر فرمایا ——— اس بیان میں کہ تواضع، دولتمندوں کو زیب دیتی ہے اور استغنا و بے نیازی فقراء کے لئے زیبا ہے اور اس کے مناسب بیان میں۔

اَلْخَیْرُ فِیْمَا صَنَعَ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ (جو کچھ اللہ تعالیٰ چاہے اسی میں بہتری ہے ——— میرے مخدوم! ؎

من آنچہ شرط بلاغ است با تو می گویم | تو خواہ از سخنم پند گیر و خواہ ملال

(ترجمہ) ادا کرتا ہوں حق تبلیغ کا او رتجھ سے کہتا ہوں | مری باتوں سے ہو تجھ کو نصیحت یا ملال آئے

تواضع دولتمندوں[۱] (کی طرف) سے اچھی ہے اور استغنا و بے نیازی فقراء (کی طرف) سے، اس لئے کہ معالجہ اضداد (بالمقابل چیزوں) کے ساتھ ہوتا ہے، آپ کے تینوں خطوں میں استغنا کے سوا اور کچھ مفہوم نہیں ہوا، اگرچہ آپ کا مقصود تواضع تھا مثلاً اخیر کے مکتوب میں لکھا ہوا تھا کہ "حمد و صلوٰۃ کے بعد واضح ہو" اس عبارت کو اچھی طرح غور فرمائیں کہ کہاں لکھنی چاہیے، بیشک آپ نے فقراء کی بہت خدمت کی ہے لیکن خدمت کے آداب کا لحاظ رکھنا بھی ضروری ہے تاکہ (خدمت کا) ثمرہ اس پر مرتب ہو وَبِدُوْنِہَا خَرْطُ الْقَتَادِ (اور اس کے بغیر بے فائدہ تکلیف اٹھانا ہے) ——— ہاں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے متقی لوگ تکلف سے بری ہیں اَمَّا التَّکَبُّرُ مَعَ الْمُتَکَبِّرِیْنَ صَدَقَۃٌ (لیکن تکبر کرنے والوں کے ساتھ تکبر کرنا صدقہ ہے) ——— کسی شخص نے حضرت خواجہ نقشبند قدس اللہ تعالیٰ سرہ کے متعلق کہا کہ یہ شخص متکبر ہے، آپ نے (اس کے جواب میں) فرمایا کہ میرا تکبر کبریا[۲] (حق تعالیٰ) کی جانب سے ہے، ——— آپ اس گروہ کو ذلیل و خوار نہ سمجھیں، رُبَّ اَشْعَثَ مَدْفُوْعٍ بِالْاَبْوَابِ لَوْ اَقْسَمَ عَلَی اللّٰہِ لَاَبَرَّہٗ[۳] (بہت سے ایسے گرد آلود پراگندہ بالوں والے درویش جن کو لوگ اپنے دروازوں سے دھکیل دیتے ہیں ایسے ہیں کہ اگر وہ اللہ تعالیٰ پر قسم کھائیں تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم کو ضرور پورا کر دیتا ہے) حدیث نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے ؎

---

[۱] شیخ سعدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ؎

تواضع زگردن فرازاں نکوست | گدا گر تواضع کند خوئے اوست

[۲] یعنی میرا تکبر کرنا حق تعالیٰ کے لئے ہے اپنے نفس کے لئے نہیں ہے [۳] رواہ مسلم علی مافی المشکوٰۃ۔

۵ اندکے پیش تو گفتم غمِ دل ترسیدم کہ دل آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

(ترجمہ) بہت تھوڑی کہی ہے ڈرتے ڈرتے داستاں دل کی نہ ہو دل تیرا آزردہ وگرنہ بات ہے لمبی

آپ کے عزیز دوستوں اور دلی مخلصوں کو چاہیئے کہ حقیقتِ امر کو مدنظر رکھیں اور جو کچھ آپ کی خدمت میں پہنچائیں صحیح صحیح واقعہ بیان کریں اور جو مشورہ دیں اس میں آپ کی صلاح کو ملحوظ رکھیں نہ کہ اپنی مصلحتوں کو کیونکہ یہ محض خیانت ہے ـــــــ اس سفر کی علّتِ غائیہ (اصلی غرض) یہ بھی تھی کہ آپ کو کچھ نفع وفائدہ حاصل ہو لیکن عالمِ اسباب میں آپ کے دوستوں اور مخلصوں نے نہیں چھوڑا (کہ اپنے آپ کو آپ تک پہنچا سکوں)۔ اس طرف سے کوئی کوتاہی نہ سمجھیں، اگرچہ یہ باتیں تلخ معلوم ہوتی ہیں لیکن آپ کی خوشامد کرنے والے بہت ہیں، انہی پر اکتفا کریں (اور فقرا سے خوشامد وچاپلوسی کی امید نہ رکھیں) فقراء کی دوستی سے مقصود پوشیدہ عیبوں پر اطلاع پانا اور چھپی ہوئی بُری عادتوں کا ظاہر ہونا ہے لیکن جان لیں کہ اس قسم کی باتوں کا ظاہر کرنا آپ کو آزار ورنج دینے کی غرض سے نہیں ہے بلکہ خیر خواہی اور دل سوزی کی وجہ سے ہے، آپ یقین جانیں۔

خواجہ محمد صدیق اگر ایک روز پہلے آجاتا تو امید تھی کہ فقیر ہر حال میں اپنے آپ کو آپ کی خدمت میں پہنچاتا لیکن سرہند کے سفر کے دوران ان سے ملاقات ہوئی اس لئے معذور رکھیں گے۔ اَلْخَیْرُ فِیْمَا صَنَعَ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ (اسی میں بہتری ہے جو اللہ تعالیٰ کرے)۔

مکتوب ۶۹
شصت و نہم

یہ مکتوب بھی خان خاناں کی طرف صادر ہوا ـــــــ تواضع کے بیان میں جو کہ دونوں جہان کی بلندی (عزت) کا باعث ہے اور اس بیان میں کہ نجات فرقۂ ناجیہ اہلِ سنت وجماعت کی متابعت پر وابستہ ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ (تمام تعریف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے اور اللہ کے رسول پر صلوٰۃ وسلام ہو) ـــــــ آپ کا محبت نامۂ گرامی جو کہ آپ نے برادرم مولانا محمد صدیق کے ہمراہ ارسال فرمایا تھا موصول ہوا، آپ نے بڑی مہربانی فرمائی: جَزَاکُمُ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ عَنَّا خَیْرَ الْجَزَاءِ

(اللہ تعالیٰ آپ کو ہماری طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے) ــــــ چونکہ آپ نے فقراء کے آداب کو مدِ نظر رکھا ہے اور تواضع سے گفتگو کی ہے (لہٰذا) امید ہے کہ مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰهِ رَفَعَهُ اللّٰهُ[1] (جس نے اللہ تعالیٰ (کی رضا) کے لئے تواضع اختیار کی اللہ تعالیٰ نے اس کو بلند کر دیا) کے مصداق یہ فروتنی و عاجزی، دینی و دنیوی سربلندی اور عزت کا سبب ہو جائے گی بلکہ ہو گئی ہے آپ کو بشارت و مبارک ہو۔ جب آپ نے انابت اور رجوع کے الفاظ استعمال کئے ہیں تو ایسا تصور فرمائیں کہ یہ انابت درویشوں میں سے کسی درویش کے ہاتھ پر واقع ہوئی ہے اس کے نتائج و ثمرات کے امیدوار رہیں لیکن جہاں تک ہو سکے اس کے حقوق کو (پوری طرح) بجا لانا چاہیے۔

(یہ فقیر) وصیتوں اور نصیحتوں میں سے کیا لکھے اور علوم و معارف میں سے کیا ظاہر کرے کیونکہ علمائے مجتہدین اور صوفیائے محققین شکر اللہ تعالیٰ سعیہم (اللہ تعالیٰ ان کی کوششوں کو مشکور فرمائے) نے اس امر کی شرح اور تفصیل میں کوئی کوتاہی روا نہیں رکھی ہے اور اس بے سروسامان کے مسودوں کو بھی ظاہری طور پر بعض دوست آپ کی خدمت میں لے گئے ہیں (امید ہے کہ) آپ کی نظر شریف سے گذرے ہوں گے ــــــ مختصر یہ ہے کہ نجات کا طریقہ افعال و اقوال اور اصول و فروع میں اہل سنت و جماعت کَثَّرَهُمُ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ (اللہ تعالیٰ ان کی کثرت فرمائے) کی متابعت کرنے میں ہے، پس یہی فرقہ ناجیہ (نجات پانے والا ہے) اور اس کے سوا جتنے فرقے ہیں سب زوال کے مقام میں اور ہلاکت کے کنارے پر ہیں، خواہ آج اس بات کو کوئی جانے یا نہ جانے لیکن کل قیامت کے روز ہر ایک جان لے گا اور (اس وقت کا جاننا) اس کو کچھ نفع نہ دے گا۔ اَللّٰهُمَّ نَبِّهْنَا قَبْلَ اَنْ يُّنَبِّهَنَا الْمَوْتُ (اے اللہ! ہمیں قبل اس کے کہ موت ہمیں بیدار کرے (اس غفلت سے) بیدار کر)۔

میرے سرداری کی پناہ والے سید ابراہیم چونکہ قدیم سے آپ کی بلند درگاہ سے تعلق رکھتے ہیں اور دعا کرنے والوں کے سلسلہ میں شامل ہیں آپ کے کرم و بخشش کے لئے لازم ہے کہ ان کی دستگیری فرمائیں گے تاکہ اس فقر اور بڑھاپے کے زمانے میں اپنے اہل و عیال کے ساتھ فارغ البالی سے گذارہ کر سکیں اور آپ کے لئے دونوں جہان کی سلامتی کی دعا میں مشغول رہیں۔ والسلام۔

---

[1] اس کو ابو نعیم نے حلیہ میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے اور ایک عزیز نے کہا کہ اس کے اسناد حسن ہیں (معرب)۔

مکتوب ۷

ہفتادم

یہ مکتوب بھی خانِ خاناں کی طرف صادر ہوا ـــــ اس بیان میں کہ جس طرح انسان کے لئے اس کی جامعیت اس کے قرب کا باعث ہے اسی طرح اس کی یہی جامعیت اس کے بُعد کا سبب بھی ہے اور اس کے مناسب بیان میں۔

ثَبَّتَکُمُ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ عَلٰی جَادَّۃِ الشَّرِیْعَۃِ الْمُصْطَفَوِیَّۃِ عَلٰی صَاحِبِھَا الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ وَالتَّحِیَّۃُ (اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ آپ کو شریعتِ مصطفویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام پر ثابت قدم رکھے) اور اللہ تعالیٰ اس بندے پر رحم فرمائے جس نے "آمین" کہا ـــــ جس طرح انسان کی جامعیت اس کے لئے حق تعالیٰ کے قُرب اور کرامت و فضیلت کا سبب ہے اسی طرح اس کی حق تعالیٰ سے دُوری اور گمراہی و جہالت ہونے کا باعث بھی وہی جامعیت ہے ـــــ اس کو قربِ حق اس وجہ سے ہے کہ اس کا آئینہ (قلب) مکمل و اتم ہے اور حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی تمام اسماء و صفات بلکہ تجلیاتِ ذاتیہ کے ظہور کی بھی قابلیت رکھتا ہے، حدیث قدسی لَایَسَعُنِیْ اَرْضِیْ وَلَا سَمَائِیْ وَلٰکِنْ یَسَعُنِیْ قَلْبُ عَبْدِیَ الْمُؤْمِنِ[1] (نہ میری زمین میری وسعت رکھتی ہے اور نہ میرا آسمان لیکن میرے مومن بندے کا دل میری وسعت رکھتا ہے) میں اسی بیان کی طرف اشارہ ہے اور اس (بندہ) کا (حق تعالیٰ سے) بُعد (دُوری) اس سبب سے ہے کہ وہ دنیا کی تمام جزئیات (چیزوں) میں سے ہر جزئی (چیز) کی طرف حاجتمند ہے کیونکہ اس کو سب چیزیں درکار ہیں ـــ خَلَقَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا (بقرہ آیت ۲۹) (یعنی جو کچھ بھی زمین میں ہے وہ سب اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے پیدا کیا ہے) ـــ اس احتیاج کے باعث اس کو تمام اشیاء کے ساتھ گرفتاری ہے جو اس کے بُعد اور گمراہی کا سبب ہو گئی ہے ؎

پایہ آخر آدم است و آدمی	گشت محروم از مقام محرمی
گر نہ گردد باز مسکیں زیں سفر	نیست از وے ہیچ کس محروم تر

ترجمہ

(ہے نزولِ آخری میں آدمی	پس ہے محروم مقامِ محرمی
گر نہ لوٹے اس سفر سے وہ غریب	کیا کہوں بس ہے نہایت بد نصیب

[1] اس حدیث کو امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں ذکر کیا ہے لیکن اس میں لایسعنی کی بجائے لم یسعنی ہے اور ولکن یسعنی کی بجائے وسعنی ہے اور دیگر کتب حدیث مسند الفردوس و مسند احمد وغیرہ میں دوسرے الفاظ کے ساتھ اسی معنی کی روایت مذکور ہے۔

پس تمام مخلوقات میں بہتر بھی انسان ہی ہے اور کائنات میں سب سے بدتر بھی انسان ہی ہے جیسا کہ حبیب رب العالمین حضرت محمد مصطفےٰ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات والتحیات بھی انسانوں میں سے ہی ہیں اور زمین و آسمان کے پروردگار خدائے پاک کا دشمن ابوجہل لعین بھی انہی میں سے ہے۔ پس لامحالہ جبتک ان سب کی گرفتاری سے نجات حاصل نہ ہو جائے اور ایک ذات کی جو ایک ہونے سے یعنی وحدت[1] سے بھی منزہ و پاک ہے کی گرفتاری حاصل نہ ہو جائے اس وقت تک خرابی ہی خرابی ہے لیکن مَا لَا یُدْرَكُ كُلُّهٗ لَا یُتْرَكُ كُلُّهٗ[2] (جو چیز پوری حاصل نہ ہوسکے اس کو بالکلیہ چھوڑا بھی نہ جائے یعنی جسقدر ملے حاصل کرلی جائے) کے موافق اپنی چند روزہ زندگی کو صاحبِ شریعت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوۃ والتحیۃ کی متابعت میں بسر کرنا چاہئے کیونکہ آخرت کے عذاب سے رہائی اور دائمی نعمتوں سے کامیابی حاصل کرنا اسی اتباع کی سعادت پر وابستہ ہے۔ پس بڑھنے والے مالوں (نقدی اور سونا چاندی) اور چرنے والے جانوروں کی زکوٰۃ بقدرِ واجب پورے طور پر ادا کرنی چاہئے اور اس کو مالوں اور مویشیوں کے ساتھ تعلق نہ ہونے کا وسیلہ بنانا چاہئے اور لذیذ کھانوں اور نفیس کپڑوں میں نفس کی لذت ملحوظ نہیں رکھنی چاہئے۔ بلکہ کھانے اور پینے کی چیزوں میں اس کے سوا اور کوئی نیت نہ ہونی چاہئے کہ عبادات کے ادا کرنے پر قوت حاصل ہو، اور نفیس کپڑوں کو آیت کریمہ خُذُوْا زِیْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ (اعراف آیت ۳۱) اَیْ عِنْدَ كُلِّ صَلٰوةٍ (ہر مسجد یعنی نماز کے وقت اپنی زینت حاصل کرلیا کرو) کے حکم کے مطابق مذکورہ و ماموره آیت زینت کی نیت پر پہننا چاہئے اور کسی نیت کو اس میں نہیں ملانا چاہئے —— اور اگر نیت کی حقیقت میسر نہ ہو تو اپنے آپ کو تکلف کے ساتھ اس نیت پر لانا چاہئے فَاِنْ لَّمْ تَبْكُوْا فَتَبَاكَوْا[3] (پس اگر خود بخود رونا نہ آئے تو تکلف کے ساتھ روؤ یعنی رونے والوں کی شکل بناؤ) —— اور ہمیشہ حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی بارگاہ میں التجا و تضرع (آہ و زاری) کرتے رہنا چاہئے کہ حقیقی نیت حاصل ہو جائے اور تکلف جاتا رہے ؎

می تواند کہ دہد اشک مرا حسنِ قبول　　آنکہ در ساختہ است قطرۂ بارانی را

(ترجمہ: کیا عجب ہو جائے گر مقبول یہ گریہ مرا　　قطرۂ باراں کو تونے لؤلوئے لالہ کیا)

---

[1] یہاں ایک دقیق نکتہ ہے وہ یہ کہ ایک کا استعمال اس جگہ کیا جاتا ہے جہاں دو تین چار کا امکان موجود ہو لیکن جہاں سرے سے دو تین چار کا کوئی امکان ہی نہ ہو تو پھر وہاں ایک کی صفت استعمال کرنا غیر ضروری بلکہ غلط ہوگا۔ واحد (ایک) منقسم ہے اور احد (یکتا، اکیلا) غیر منقسم، جو حق تعالیٰ سبحانہٗ کی شایانِ شان ہے۔

[2] اس حدیث کی طرف اشارہ ہے جو شرح السنہ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مذکور ہے۔

علیٰ ہذا القیاس تمام امور میں دیندار علماء کے فتویٰ کے مطابق جنھوں نے عزیمت کا راستہ اختیار کیا ہے اور رخصت سے پرہیز کیا ہے زندگی بسر کرنی چاہئے اور اس کو آخرت کی دائمی نجات کا وسیلہ بنانا چاہیے: مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ إِنْ شَكَرْتُمْ وَآمَنْتُمْ (النساء آیت ۱۴۷) (اگر تم شکر کرو اور ایمان لے آؤ تو اللہ تعالیٰ تم کو کیوں عذاب دے گا)۔

مکتوب ۷۱
ہفتاد و یکم

میرزا داراب[۱] ابن خان خاناں کی طرف صادر ہوا ——— اس بیان میں کہ منعم کا شکر منعم علیہ پر واجب ہے اور شکر کی ادائیگی شریعت کی اطاعت کرنے پر ہے اس کے علاوہ کچھ نہیں۔

أَيَّدَكُمُ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَنَصَرَكُمْ (اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ آپ کی مدد و نصرت فرمائے) ———

عقلی اور شرعی طور پر انعام کرنے والے کا شکر انعام کئے ہوئے شخص پر واجب ہے اور معلوم ہے کہ جسقدر نعمت حاصل ہو اسی قدر شکر بھی واجب ہوتا ہے، پس جسقدر زیادہ نعمت حاصل ہوگی شکر بھی اسی قدر زیادہ واجب ہوگا، لہذا دولت مندوں پر ان کے درجات کے تفاوت کے مطابق فقراء کی بہ نسبت کئی گنا زیادہ شکر واجب ہوا، یہی وجہ ہے کہ اس امت کے فقراء دولتمندوں سے پانچسو سال پہلے بہشت میں جائیں گے[۲] ——— اور منعم حقیقی (حق تعالیٰ) کا شکر اول فرقۂ ناجیہ اہل سنت وجماعت کے عقائد کے مطابق اپنے عقیدوں کو درست کرنا ہے ——— دوم اس فرقۂ عالیہ (اہلسنت وجماعت) کے ائمہ مجتہدین کے اجتہادات کے موافق شرعی عملی احکامات کا بجالانا ہے ——— سوم اس فرقۂ عالیہ کے صوفیۂ کرام کے سلوک کے مطابق تصفیہ و تزکیہ حاصل کرنا ہے۔ اور اس آخری (یعنی تیسرے)

۱؎ میرزا داراب خاں کے نام چار مکتوبات ہیں دفتر اول مکتوب ۷۱، ۲۱۵-۲۴۹- اور دفتر دوم مکتوب ۷۸ ہیں۔ آپ میرزا عبدالرحیم خان خاناں کے صاحبزادے نہایت لائق و فائق اور بہت سی خوبیوں سے آراستہ تھے۔ جہانگیر نے آپ کو ایک ہزاری کا منصب دے کر برار و احمد نگر کے صوبے کا حاکم مقرر کیا پھر سنہ ۱۰۳۴ھ میں بعض شکوک کی بنا پر جہانگیر کے حکم سے مہابت خاں نے آپ کو قتل کر دیا۔ (مآثر الامراء ج ۲ ص ۱۴)

۲؎ اس میں اس حدیث کی طرف اشارہ ہے جس کو امام ترمذیؒ نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: یدخل الفقراء الجنۃ قبل الاغنیاء بخمسمائۃ عام مقدار نصف یوم ——— اور ابن ماجہؒ نے حضرت ابوسعیدؓ سے اور امام مسلمؒ نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے بعض الفاظ کے اختلاف کے ساتھ اس کو روایت کیا ہے۔

رکن کا وجوب استحسان کے طور پر ہے بخلاف پہلے دو رکنوں (عقائد و اعمالِ شرعیہ) کے، کیونکہ اصل اسلام انہی دو رکنوں سے وابستہ ہے، اور اسلام کا کامل ہونا اس ایک رکن (یعنی تصفیہ و تزکیہ) پر موقوف ہے۔ اور جو عمل ان تینوں ارکان کے مخالف ہے اگرچہ وہ سخت ریاضتوں اور مشکل مجاہدوں میں سے ہو معصیت اور منعمِ حقیقی جل سلطانہ، کی نافرمانی و ناشکری میں داخل ہے۔

ہندوستان کے برہمنوں اور یونان کے فلسفیوں نے ریاضتوں اور مجاہدوں میں کوئی کمی نہیں کی لیکن (چونکہ) ان کی ریاضتیں انبیاء علیٰ نبینا و علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شریعتوں کے موافق واقع نہیں ہوئیں اس لئے سب مردود ہیں اور وہ آخرت کی نجات سے بے نصیب ہیں ـــــ پس آپ پر ہمارے آقا و مولا ہمارے گناہوں کی شفاعت کرنے والے، ہمارے دلوں کے طبیب سید المرسلین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور آپ کے خلفائے راشدین مہدیین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی متابعت لازم ہے۔

مکتوب ۷۲
ہفتاد و دوم

خواجہ جہاںؒ[1] کی طرف صادر فرمایا ـــــ اس بیان میں کہ دین کو دنیا کے ساتھ جمع کرنا دشوار ہے پس آخرت کے طالب کو دنیا کا ترک کرنا ضروری ہے اور اگر حقیقی ترک میسر نہ ہو تو ضروری ہے کہ ترکِ حکمی ہی کرے اور اس کے مناسب بیان میں۔

سَلَّمَکُمُ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَعَافَاکُمْ (اللہ تعالیٰ آپ کو سلامت و عافیت سے رکھے) مصرع

مَا اَحْسَنَ الدِّیْنُ وَالدُّنْیَا لَوِاجْتَمَعَا — دین و دنیا جمع ہو جائیں تو کیا ہی خوب ہے

دین اور دنیا کا جمع کرنا متضاد چیزوں کو جمع کرنا ہے پس طالبِ آخرت کے لئے دنیا کا ترک کرنا ضروری ہے، اور چونکہ اس زمانہ میں اس کا حقیقی ترک میسر نہیں ہو سکتا بلکہ دشوار ہے، ناچار ترکِ حکمی ہی اختیار کر لینا چاہیئے ـــــ اور ترکِ حکمی سے مراد یہ ہے کہ دنیاوی امور میں روشن شریعت کے حکم کے مطابق عمل کرنا چاہیئے اور کھانے پینے کی چیزوں اور رہنے سہنے کے مکانات میں شرعی حدود کو مدِ نظر رکھنا چاہیئے اور ان حدود سے تجاوز نہیں کرنا چاہیئے۔ بڑھنے والے مالوں اور چرنے والے جانوروں میں فرض شدہ زکوٰۃ

---

[1] مکتوباتِ شریفہ میں آپ کے نام صرف دو مکتوب ہیں دفتر اول مکتوب ۲۵-۷۲- لہٰذا آپکے متعلق مکتوب ۲۵ کا حاشیہ ملاحظہ ہو۔

ادا کرنی چاہئے، اور جب احکامِ شرعیہ کے ساتھ آراستگی حاصل ہوگئی تو دنیا کے ضرر و تکلیف سے نجات حاصل ہوگئی اور (دنیا) آخرت کے ساتھ جمع ہوگئی۔ اور اگر کسی کو اس قسم کا ترکِ حکمی بھی میسر نہ ہو تو ایسا شخص بحث سے خارج ہے وہ تو منافق کے حکم میں ہے کیونکہ صرف ظاہری ایمان آخرت میں اس کو کوئی فائدہ نہیں دے گا، اس کو (ایسے ایمان سے) صرف یہ فائدہ حاصل ہو جاتا ہے کہ اس کے جان و اموال محفوظ ہو جاتے ہیں

؎ من آنچہ شرطِ بلاغ است با تو می گویم تو خواہ از سخنم پند گیر خواہ ملال

(ترجمہ: ادا کرتا ہوں حق تبلیغ کا اور تجھ سے کہتا ہوں مری باتوں سے ہو تجھ کو نصیحت یا ملال آئے)

دیکھئے ایسا صاحب نصیب کون شخص ہے جو اسقدر دنیاوی شان و شوکت، اس قدر خدام و لشکر، اور اتنے لذیذ و مرغن کھانوں اور نفیس و قیمتی لباس کے باوجود حق بات کو قبولیت کے کانوں سے سنے،

؎ گوشش از بارِ دُرگراں شدہ است نشنود نالہ و فغان مرا

(ترجمہ: کان اس کے موتیوں کے بوجھ ہی سے ہیں بس گراں اس لئے وہ سن نہیں سکتے مری آہ و فغاں)

اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ ہم کو اور آپ کو حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی شریعت کی متابعت کی توفیق عطا فرمائے۔

باقی مقصود یہ ہے کہ میاں شیخ زکریا[1] جو پہلے کروڑی (تحصیلدار) تھے آجکل قید خانہ میں ہیں، عالم فاضل آدمی ہیں، شامتِ اعمال سے ایک مدت ہوگئی کہ قید خانہ میں بند ہیں، بڑھاپے کی کمزوری گذارے کی تنگی اور مدتِ قید کی درازی کے باعث تنگ و عاجز آکر اس فقیر کو لکھا ہے کہ لشکر (چھاؤنی) میں آکر ہمارے چھڑانے کی کوشش کریں راستہ کی مسافت کا زیادہ ہونا (آپ کے پاس) آنے سے مانع ہے چونکہ میرے بھائی خواجہ محمد صادق[3] (صدیق) آپ کی خدمت میں آرہے ہیں ناچار چند کلمات لکھ کر آپ کو تکلیف دے رہا ہوں، امید ہے کہ اس ضعیف بوڑھے کے حق میں توجہ عالی مبذول فرمائیں گے کیونکہ وہ عالم بھی ہے اور بوڑھا بھی۔ والسلام اولاً و آخراً۔

مکتوب ۷۳
ہفتاد و سوم

قلیج اللہ بن قلیج خاں[2] کی طرف صادر فرمایا ——— دنیا اور اہل دنیا کی مذمت، بیفائدہ علوم

---

[1] آپ حضرت مجدد صاحب کے خسر شیخ سلطان کے بھائی ہیں، دفتر اول مکتوب ۴۳ میں بھی آپ کے لئے سفارش ہے۔

[2] قلیج اللہ بن قلیج خاں کے نام تین مکتوبات ہیں، دفتر اول مکتوب ۷۳-۱۸۴ - دفتر دوم مکتوب ۳۲۔ مآثر الامراء کے بیان کے مطابق آپ جہانگیری دور کے امراء میں سے تھے ——— [3] کتابت کی غلطی معلوم ہوتی ہے اور اصل نام محمد صدیق معلوم ہوتا ہے۔

حاصل کرنے کی برائی، فضول مباحات سے بچنے اور خاص طور پر عین زمانۂ شباب میں خیرات و صدقات کرنے اور اعمال صالحہ بجالانے کی ترغیب اور اس کے مناسب بیان میں۔

حق سبحانہٗ و تعالیٰ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی روشن شریعت کے سیدھے راستہ پر استقامت نصیب فرمائے ——— اے فرزند! دنیا آزمائش اور امتحان کی جگہ ہے، اس کے ظاہر کو طرح طرح کی باطل آرائشوں سے ملمع و آراستہ کیا گیا ہے، اس کی صورت کو وہمی خط و خال اور زلف و رخسار سے پیراستہ کیا گیا ہے، دیکھنے میں شیریں اور تر و تازہ نظر آتی ہے لیکن حقیقت میں عطر لگا ہوا مُردار اور مکھیوں کیڑوں سے بھری ہوئی کُوڑی (کوڑا ڈالنے کی جگہ) اور پانی کی طرح نظر آنے والا سراب اور زہر کی مانند شکر ہے، اس کا باطن سراسر خراب و ابتر ہے ——— اس قدر گندگی کے باوجود اپنے اہل (دنیاداروں) کے ساتھ اس (دنیا) کا معاملہ اس سے بھی بدتر ہے جو بیان ہو سکے، اس (دنیا) کا فریفتہ و دیوانہ، جادو کا مارا ہوا ہے، اس کا گرفتار مجنوں اور فریب خوردہ ہے۔ جو شخص اس کے ظاہر پر فریفتہ ہوا دائمی خسارہ کے داغ سے داغدار ہوا، اور جس نے اس کی شیرینی اور تر و تازگی پر نظر کی دائمی شرمندگی اس کے نصیب میں آئی۔

سرورِ کائنات حبیب رب العالمین علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتحیات نے فرمایا ہے مَا الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃُ اِلَّا ضَرَّتَانِ اِنْ رَضِیَتْ اِحْدٰھُمَا سَخِطَتِ الْاُخْرٰی[1] (دنیا اور آخرت دونوں آپس میں سوکنیں ہیں (یعنی ایک مرد کے نکاح میں دو عورتوں کی مانند ہیں) ان دونوں میں سے اگر ایک راضی ہوگی تو دوسری ناراض) ——— پس جس نے دنیا کو راضی کیا آخرت اس سے ناراض ہو گئی، ناچار وہ آخرت سے بے نصیب ہو گیا۔ اَعَاذَنَا اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَاِیَّاکُمْ مِنْ مَّحَبَّتِھَا وَمَحَبَّۃِ اَھْلِھَا (حق تعالیٰ ہمیں اور آپ کو دنیا اور اہلِ دنیا کی محبت سے بچائے)۔

دنیا کی تعریف

اے فرزند! کیا تو جانتا ہے کہ دنیا کیا چیز ہے؟ دنیا وہی ہے جو تجھے حق سبحانہٗ و تعالیٰ سے دور کر دے۔[2] پس بیوی بچے، مال و جاہ و ریاست، لہو و لعب اور لایعنی (بیکار) کاموں میں مشغول ہونا یہ سب دنیا میں داخل ہے (جبکہ یہ چیزیں اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل کر دیں) اور وہ علوم بھی جو آخرت میں کام نہیں آئیں گے وہ بھی سب

---

[1] احمد و حاکم و طبرانی و ابن حبان نے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے "من احب دنیاہ اضر بآخرتہ ومن احب آخرتہ اضر بدنیاہ فآثروا ما یبقی علیٰ ما یفنی" یعنی جس نے اپنی دنیا کو دوست رکھا اس نے اپنی آخرت کو نقصان پہنچایا اور جس نے اپنی آخرت کو دوست رکھا اس نے اپنی دنیا کو نقصان پہنچایا، پس باقی کو فانی پر اختیار کرو۔

[2] مولانا رومی رحمہ اللہ نے اپنی مثنوی میں اس مضمون کو اس شعر میں ادا فرمایا ہے ؎

چیست دنیا از خدا غافل بدن نے قماش و نقرہ و فرزند و زن

فضول کاموں میں مشغول نہ ہونا چاہئے

دنیا میں داخل ہیں ـــــ اگر علم نجوم و منطق و ہندسہ اور حساب وغیرہ بے فائدہ علوم کار آمد ہوتے تو سب فلاسفہ اہلِ نجات میں سے ہوتے ـــــ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: عَلَامَۃُ اِعْرَاضِہٖ تَعَالٰی عَنِ الْعَبْدِ اِشْتِغَالُہٗ بِمَا لَا یَعْنِیْہِ[۱] (بندہ کا بے فائدہ (فضول کاموں میں مشغول ہونا اللہ تعالیٰ کی اس سے روگردانی (منہ پھیر لینے) کی علامت ہے) ؎

ہرچہ جز عشقِ خدائے احسن است | گر شکر خوردن بود جان کندن است

(ترجمہ: عشقِ حق کے سوا ہے جو بھی چیز | خواہ میٹھی ہو، جان کا ہے روگ

اور یہ جو بعض (علماء) نے کہا ہے کہ علمِ نجوم کی نماز کے اوقات پہچاننے کے لئے ضرورت پڑتی ہے' اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اوقاتِ نماز کا پہچاننا علمِ نجوم کے بغیر حاصل نہیں ہے بلکہ یہ مطلب ہے کہ علم نجوم بھی اوقات پہچاننے کے طریقوں میں سے ایک طریقہ ہے۔ بہت سے لوگ ہیں جو علم نجوم نہیں جانتے لیکن نماز کے اوقات کو نجوم کے جاننے والوں سے بہتر جانتے ہیں ـــــ علم منطق و حساب اور اس قسم کے دوسرے علوم جن کا مجمل طور پر حاصل کرنا بعض شرعی علوم میں ضروری ہے ان کے حاصل کرنے کی جو وجہ بیان کرتے ہیں وہ بھی قریب یہی ہے ـــــ غرضکہ بہت سے حیلوں کے بعد ان علوم میں مشغول ہونے کا جواز پیدا ہوتا ہے لیکن شرط یہ ہے کہ ان علوم کے پڑھنے سے احکامِ شرعیہ کی معرفت اور علمِ کلام کی دلیلوں کی تقویت کے سوا اور کوئی غرض مدِ نظر نہ ہو ورنہ (ان علوم میں مشغول ہونا ہرگز جائز نہیں ہوگا ـــــ انصاف کرنا چاہئے کہ جس مباح امر کے اختیار کرنے سے واجب امور فوت ہو جائیں وہ اباحت کی حد سے خارج ہو جاتا ہے یا نہیں؟ اس میں کوئی شک نہیں کہ ان علوم میں مشغول ہونے سے شرع کے ضروری علوم میں مشغول ہونا فوت ہو جاتا ہے۔

اے فرزند! حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے اپنی کمال درجہ کی مہربانی سے تجھ کو ابتدائے جوانی میں توبہ کی توفیق مرحمت فرمائی ہے اور سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے درویشوں میں سے ایک درویش کے ہاتھ پر انابت و رجوع الی الحق عطا فرمایا تھا، میں نہیں جانتا کہ نفس و شیطان کے ہاتھ سے تجھ کو اُس توبہ پر ثابت و قائم رہنا نصیب ہوا یا نہیں، استقامت مشکل نظر آتی ہے کیونکہ عین جوانی کا زمانہ ہے اور تمام

---

[۱] یہ روایت، ترمذی میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مرفوعاً مذکور ہے اور اس کو ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور نووی ؒ نے اس کو حسن کہا ہے اور ابن عبد البرؒ نے کہا کہ علی متقی نے جوامع الکلم میں حضرت مجدد علیہ الرحمہ کے الفاظ کے ساتھ مرفوعاً ذکر کیا ہے اور ابن حجرؒ نے شرح اربعین میں کہا ہے من علامات اعراض اللہ تعالیٰ عن العبد ان یجعل شغلہ فیما لا یعنیہ یہ قول حسن ہے۔

دنیاوی اسباب حاصل ہیں اور اکثر مصاحب و ہمنشین نامناسب و ناموافق ہیں ؎

ہمہ اندرز من بتو این است ۔۔۔ کہ تو طفلی و خانہ رنگین است

(ترجمہ: مری تجھ کو نصیحت بس یہی ہے ۔۔۔ کہ گھر رنگین ہے تو بچّہ ابھی ہے)

اے فرزند! کام کرنے کا یہی ہے کہ فضول مباحات سے پرہیز کیا جائے اور بقدرِ ضرورت مباحات پر کفایت کرنی چاہیے، اور ان میں بھی عبادت کے معمولات ادا کرنے پر جمعیت حاصل ہونے کی نیت ہونی چاہیے، مثلاً خوراک سے مقصود طاعات و عبادات ادا کرنے کی قوت حاصل ہونا اور پوشاک سے مقصود سترِ عورت اور گرمی و سردی کا دور کرنا ہے، پس تمام ضروری مباحات کو اسی پر قیاس کر لیا جائے۔

اکابرِ سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم نے عزیمت پر عمل کرنا اختیار کیا ہے اور رخصت سے حتی الامکان پرہیز کیا ہے، بقدرِ ضرورت پر اکتفا کرنا بھی ایک درجۂ عزیمت ہے، اور اگر (عزیمت کی) یہ دولت میسر نہ ہو تو مباحات (جائز امور) کے دائرہ سے باہر قدم نہ نکالنا چاہیے اور حرام و مشتبہ چیزوں کے نزدیک نہ جانا چاہیے ـــــ حق تعالیٰ نے نہایت کرم فرما کر مباح امور کے ساتھ نہایت کامل اور پورے طور پر ناز و نعمت حاصل کرنا جائز فرما دیا ہے اور ان نعمتوں کا دائرہ بہت وسیع کر دیا ہے، ان نعمتوں اور لذتوں سے قطعِ نظر کونسا عیش اس کے برابر ہے کہ اس شخص کا مولیٰ (حق تعالیٰ) اس کے کام سے راضی ہو جائے اور کونسا ظلم اس کے برابر ہو سکتا ہے کہ اس کا مالک (حق تعالیٰ) اس کے اعمال کی وجہ سے ناراض ہو جائے ـــــ رَضَاءُ اللّٰهِ تَعَالٰى فِي الْجَنَّةِ خَيْرٌ مِّنَ الْجَنَّةِ وَسُخْطُ اللّٰهِ تَعَالٰى فِي النَّارِ شَرٌّ مِّنَ النَّارِ (جنت میں اللہ تعالیٰ کی رضامندی جنت سے بہتر ہے اور دوزخ میں اللہ تعالیٰ کی ناراضی دوزخ سے بدتر ہے)۔

یہ انسان اپنے مولیٰ کے حکم کا محکوم (تابع) غلام ہے، اس کو خود مختار نہیں بنایا گیا ہے کہ جو چاہے کرتا رہے، اس کو آزاد نہیں چھوڑ دیا گیا ہے کہ اس سے باز پرس نہ ہوگی[1] ـــــ فکر کرنی چاہیے اور عقلِ دور اندیش سے کام لینا چاہیے ورنہ کل قیامت کے روز ندامت اور خسارہ کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا ـــــ کام کرنے کا وقت جوانی کا زمانہ ہے، جوانمرد وہی ہے جو اس وقت کو ضائع نہ کرے اور فرصت کو غنیمت جانے، ممکن ہے کہ (کارکنانِ قضا و قدر) اس کو بڑھاپے تک پہنچنے نہ دیں اور اگر پہنچنے بھی دیں تو (شاید) جمعیت حاصل نہ ہو اور اگر جمعیت حاصل ہوگی تو ضعف و سستی کے وقت کام کرنا مشکل ہوگا[2] ـــــ اس وقت

---

[1] یہ مضمون ہے کیا انسان گمان کرتا ہے کہ وہ یونہی چھوڑ دیا جائے گا (سورۂ قیامہ آیت ۳۶) سے اور پھر اس دن تم سے نعمتوں کے بارے میں ضرور باز پرس ہوگی (۱۰۲ / ۸) سے ماخوذ
[2] اس مضمون کو کسی نے اس طرح نظم کیا ہے ؎ کہ جوانی میں عبادت کاہلی اچھی نہیں۔ جب بڑھاپا آگیا پھر بات کچھ بنتی نہیں۔ ہے بڑھاپا بھی غنیمت گر جوانی جا چکی۔ پھر بڑھاپا بھی نہ ہوگا موت جس دم آ گئی۔

جبکہ جمعیت کے تمام اسباب میسر ہیں اور والدین کا وجود بھی اللہ تعالیٰ کے انعامات میں سے ہے کہ اس کے معاش کا فکر بھی ان کے سر پر ہے اور فرصت کا وقت اور قوت و استطاعت کا زمانہ ہے تو پھر کونسا عذر ہے جس کی بنا پر آج کا کام کل پر ڈالا جائے اور اسباب کو تاخیر میں کھینچا جائے (یعنی آج نہیں کل کریں گے ایسا نہیں کرنا چاہیے) ــــــ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ھَلَکَ الْمُسَوِّفُوْنَ[1] (سَوْفَ اَفْعَلُ میں کہنے والے یعنی آج کل کرنے والے ہلاک ہوگئے) ــــــ ہاں اگر کمینی دنیا کے کاموں کو کل پر ڈالیں اور آج آخرت کے اعمال میں مشغول ہو جائیں تو بہت ہی اچھا ہے جیسا کہ اس کے برعکس کرنا بہت ہی بُرا ہے (یعنی اعمالِ آخرت کو کل پر ڈالنا اور اعمالِ دنیا میں آج مشغول ہونا) ــــــ اس نوجوانی کے وقت میں جبکہ دین کے دشمنوں یعنی نفس و شیطان کا غلبہ ہے تھوڑا عمل بھی اس قدر معتبر ہے کہ ان (دین کے دشمنوں) کا غلبہ نہ ہونے کے وقت اس سے کئی گنا زیادہ عمل بھی اتنا معتبر نہیں ہے۔ سپاہ گری کے قاعدہ کے مطابق دشمنوں کے غلبہ کے وقت کام کرنے والے سپاہیوں کی بہت زیادہ قدر ہوتی ہے اس وقت ان کا تھوڑا سا تردد بھی اس قدر معتبر اور نمایاں ہوتا ہے کہ دشمنوں کی شرارت سے امن کے وقت میں اس کا اسقدر اعتبار نہیں ہوتا۔

اے فرزند! انسان جو کہ خلاصۂ موجودات ہے اس کے پیدا کرنے کا مقصد صرف کھیل کود اور کھانا سونا نہیں ہے بلکہ اس سے مقصود بندگی کے معمولات کا ادا کرنا اور ذلت و انکساری و عاجزی و احتیاج اور حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی جناب میں ہمیشہ التجا و گریہ وزاری کرنا ہے۔ وہ عبادت جس کو حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت نے بیان فرمایا ہے اور جس کے ادا کرنے سے مقصود بندوں کے فائدے اور مصلحتیں ہیں اور حق تعالیٰ جل شانہٗ کی مقدس بارگاہ کو اس سے کچھ نفع نہیں پہنچتا، ان سب کو احسان مانتے ہوئے دل و جان سے ادا کرنی چاہیے اور نہایت فرمانبرداری و تسلیم کے ساتھ اوامر کے بجالانے اور نواہی سے بچنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ حق تعالیٰ نے غنیٔ مطلق ہونے کے باوجود اپنے بندوں کو اوامر و نواہی سے سرفراز فرمایا ہے ہم محتاجوں کو اس نعمت کا شکر پوری طرح ادا کرنا چاہیے اور نہایت احسانمندی کے ساتھ احکام کی بجا آوری میں کوشش کرنی چاہیے۔

---

[1] کہتے ہیں کہ ان الفاظ کے ساتھ کوئی حدیث نہیں ملی، البتہ دیلمی نے مسند الفردوس میں عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے التسویف شعار الشیطان یلقیہ فی قلب المؤمن اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ان الفاظ کے ساتھ روایت ہے ایاک والتسویف بالتوبۃ، امام بخاریؒ نے اپنی تاریخ میں مرسل روایت کی ہے اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ کے ساتھ روایت ہے لعن اللہ المسوفات۔ (المعرب)

وہ فرزند (یعنی آپ) جانتا ہے کہ دنیا داروں میں سے کوئی شخص جو ظاہری جاہ و شوکت رکھتا ہو اگر اپنے ماتحت متعلقین میں سے کسی کو کوئی خدمت سپرد کرے جبکہ اس خدمت میں حکم دینے والے کا بھی نفع ہو تو یہ ماتحت شخص اس حکم کو کسقدر عزیز رکھتا ہے اور جانتا ہے کہ ایک عظیم القدر شخصیت نے اس کو اس خدمت پر مامور فرمایا ہے لہذا اس کو نہایت احسانمندی کے ساتھ وہ خدمت بجالانی چاہیئے، تو پھر کیا مصیبت ہے کہ اس کو حق تعالیٰ جل سلطانہ کی عظمت اس شخص کی عظمت سے بھی بہت کم نظر آتی ہے کہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے احکام بجالانے میں کوشش نہیں کرتا۔ شرم آنی چاہیئے اور اپنے آپ کو خوابِ خرگوش سے بیدار کرنا چاہیئے ــــــ حق تعالیٰ جل شانہٗ کے حکموں کو بجا نہ لانا ان دو باتوں سے خالی نہیں ہے، یا تو وہ شرعی خبروں کو جھوٹ جانتا ہے اور ان پر یقین نہیں کرتا، یا اللہ تعالیٰ کے امر کی عظمت و شان اس کی نظر میں اہلِ دنیا کی عظمت و شان کی نسبت بہت حقیر ہے۔ اس امر کی برائی کو اچھی طرح ملاحظہ کرلینا چاہیئے۔

اے فرزند! جس شخص کا جھوٹ بارہا تجربہ میں آچکا ہو، اگر وہ یہ کہے کہ دشمن پوری قوت کے ساتھ فلاں قوم پر شب خون ماریں گے (رات کے وقت اچانک قتال کریں گے) تو اس قوم کے عقلمند لوگ اپنی حفاظت کے درپے ہوجائیں گے اور اس مصیبت کے دُور کرنے کی فکر کریں گے حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ وہ خبر دینے والا شخص جھوٹ کے ساتھ بدنام ہے لیکن کہتے ہیں کہ خطرہ کے گمان کے وقت عقلمندوں کے نزدیک احتراز لازم ہے۔

مخبرِ صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نہایت مبالغہ کے ساتھ آخرت کے عذاب سے آگاہ فرمادیا ہے لیکن لوگ اس کا کچھ اثر قبول نہیں کرتے (کیونکہ) اگر اس کا اثر قبول کریں تو اس کے دفع کرنے کی فکر بھی کریں، حالانکہ اس کے دفع کرنے کی تدبیر بھی لوگوں نے مخبرِ صادق صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے معلوم کرلی ہے۔ پس یہ کیسا ایمان ہے کہ مخبرِ صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خبر اُس جھوٹے کی خبر کے برابر بھی اعتبار نہیں رکھتی ــــــ صرف ظاہری اسلام نجات نہیں بخشتا، یقین (کامل کا درجہ جو کہ باطنِ اسلام ہے) حاصل کرنا چاہیئے، یقین تو کہاں ظن بھی حاصل نہیں ہے بلکہ وہم کا درجہ بھی نہیں ہے، کیونکہ عقلمند لوگ خطرات و ہلاکت کے وقت وہم کا بھی اعتبار کرلیتے ہیں، اور ایسا ہی حق سبحانہٗ وتعالیٰ اپنے کلام مجید میں فرماتا ہے: وَاللّٰهُ بَصِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ (سورۂ الحجرات [۴۹] آیت ۱۸) (یعنی جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ ان سب اعمال کو دیکھ رہا ہے)۔ اس کے باوجود لوگوں سے بُرے اعمال سرزد ہوتے رہتے ہیں۔ اگر اُن کو معلوم ہوجائے

کہ ایک ادنیٰ درجہ کا شخص ان کے اعمال سے خبردار ہے تو کوئی بُرا فعل ہرگز اس کی نظر کے سامنے نہ کریں گے

—— پس ایسے لوگوں کا معاملہ دو حالتوں سے خالی نہیں ہے یا تو وہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی خبر کا یقین نہیں رکھتے یا حق تعالیٰ کے مطلع ہونے کا اعتبار نہیں کرتے۔ پس (آپ ہی بتائیے) اس قسم کا کردار ایمان سے یا کفر سے تعلق رکھتا ہے —— پس اس فرزند (آپ) پر لازم ہے کہ نئے سرے سے ایمان کی تجدید کرے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ہے: جَدِّدُوْا اِيْمَانَكُمْ بِقَوْلِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ[1] (کلمۂ لا الٰہ الا اللہ کہہ کر اپنے ایمان کو تازہ کر لیا کرو)۔ اور حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے ناپسندیدہ امور سے از سرِ نو خالص توبہ[2] کرے۔ جن کاموں سے منع فرمایا ہے اور جن کو حرام قرار دیا ہے ان سے بچتا رہے۔ پانچوں وقت کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کرے، اگر قیامِ لیل اور تہجد کی نماز بھی میسر ہو جائے تو عین سعادت ہے —— اور

ارکان اسلام کی ادائیگی کی تاکید

مال کی زکوٰۃ ادا کرنا بھی ارکان اسلام[3] میں سے ہے اس کو بھی ضرور ادا کرے۔ اس کی ادائیگی کا آسان طریقہ یہ ہے کہ اپنے مال سے جسقدر فقرا کا حق (زکوٰۃ) ہے ہر سال کے حساب سے علیحدہ کر دے اور زکوٰۃ کی نیت سے محفوظ رکھتے ہوئے تمام سال میں زکوٰۃ کے مصارف میں خرچ کرتا رہے۔ اس طریقے سے ہر مرتبہ دیتے وقت زکوٰۃ ادا کرنے کی نئی نیت کرنا ضروری نہیں ہے صرف زکوٰۃ کا حصہ علیحدہ کرتے وقت ایک دفعہ کی نیت ہی کافی ہے —— معلوم ہے (یعنی آپ کو اندازہ ہوگا) کہ پورے سال میں فقرا و مستحقین پر کسقدر خرچ کرتے ہیں لیکن چونکہ وہ زکوٰۃ کی نیت سے نہیں ہے اس لئے وہ زکوٰۃ کے حساب میں شمار نہیں ہوگا اور مذکورہ بالا صورت میں زکوٰۃ بھی ادا ہو جاتی ہے اور بے اندازہ خرچ سے بھی چھٹکارا مل جاتا ہے اور اگر بالفرض سال میں اس قدر (بقدر حصہ زکوٰۃ) فقراء پر خرچ نہ ہو سکے اور کچھ باقی بچ جائے تو اس کو اسی طرح اپنے مال سے علیحدہ محفوظ رکھیں (اور آئندہ سال خرچ کریں) ہر سال اسی طرح عمل کرتے رہیں؛ جب فقراء کا مال جدا ہو جاتا ہے تو اگر آج اس کے ادا کرنے کی توفیق نصیب نہ ہوئی تو شاید کل توفیق ہو جائے۔

اے فرزند! چونکہ نفس بالذات (فطرۃً) بہت بخیل ہے اور اللہ تعالیٰ کے احکام بجا لانے میں سرکش واقع ہوا ہے اس لئے ناچار مبالغہ سے بات کہی جاتی ہے ورنہ فی الحقیقت اموال واملاک سب

---

[1] اس کو احمد وطبرانی نے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے جددوا ایمانکم قیل یارسول اللہ وکیف نجدد ایماننا قال اکثروا من قول لا الٰہ الا اللہ —— [2] اس میں اس آیت کے مضمون کی طرف اشارہ ہے یاایھا الذین اٰمنوا توبوا الی اللہ توبۃ نصوحا (سورۂ تحریم ۶۶ آیت ۸) —— [3] قال علیہ الصلوٰۃ والسلام بنی الاسلام علی خمس شھادۃ ان لا الٰہ الا اللہ وان محمدا عبدہٗ ورسولہٗ واقام الصلوٰۃ وایتاء الزکوٰۃ والحج وصوم رمضان رواہ مسلم وبخاری عن ابن عمر رضی اللہ عنہما۔

اللہ تعالیٰ کی ہیں، انسان کی کیا مجال ہے کہ اس (کی ادائیگی) میں دیر کرے، لہذا نہایت احسان مانتے ہوئے تمام زکوٰۃ ادا کردینی چاہئے ——— اور اسی طرح باقی تمام عبادات میں اپنے آپ کو کسی وجہ سے بھی معاف نہ رکھے اور بندوں کے حقوق ادا کرنے میں پوری طرح کوشش کرنی چاہئے اور کوشش کرنی چاہئے کہ کسی کا حق اپنے ذمہ نہ رہ جائے، اس جگہ (دنیا میں) اس حق کا ادا کرنا آسان ہے نرمی اور خوشامد سے بھی دوسرے کا حق رفع ہوسکتا ہے، آخرت میں مشکل ہے اس کا کوئی حل نہ ہوگا ——— شرعی احکام علمائے آخرت سے دریافت کرنے چاہئیں، ان کی بات میں بڑی تاثیر ہے شاید ان کے انفاس کی برکت سے اس پر عمل کی توفیق بھی حاصل ہوجائے، اور علمائے دنیا سے جنھوں نے علم کو مال وجاہ کے حصول کا ذریعہ بنایا ہے دُور رہنا چاہئے لیکن اگر متقی پرہیزگار عالم نہ ملے تو مجبوراً بقدر ضرورت ان کی طرف رجوع کیا جائے، وہاں میاں حاجی محمد اُترہ علمائے دیندار میں سے ہیں اور میاں شیخ علی اُترہ خود تمہارے واقف ہیں، غرضیکہ یہ دونوں بزرگ اس علاقہ میں غنیمت ہیں، شرعی مسائل کی تحقیق و تفتیش میں ان کی طرف رجوع کرنا زیادہ مناسب ہے۔

اے فرزند! ہم فقراء کو دنیاداروں کے ساتھ کیا مناسبت کہ ہم ان کے نیک وبد کی نسبت گفتگو کریں، شرعی نصیحتیں اس بارے میں نہایت کامل اور پورے طور پر وارد ہوئی ہیں فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ، (سورۂ انعام۶ آیت ۱۴۹) (پس کامل دلیل اللہ ہی کی ہے)۔ لیکن چونکہ اس فرزند نے توبہ و انابت (رجوع) کے لئے فقراء کی طرف رجوع کیا تھا اسی مناسبت کے باعث اکثر اوقات دل کی توجہ اس فرزند کے حال پر مبذول رہتی ہے اور وہی توجہ اس گفتگو کا باعث ہوئی ہے ——— میں جانتا ہوں کہ اکثر نصیحتیں اور یہ مسائل اس فرزند کے کانوں تک (پہلے سے) پہنچے ہوئے ہوں گے لیکن مقصود عمل ہے نہ کہ صرف علم ——— جو بیمار اپنی بیماری کی دوائی کا علم رکھتا ہے جبتک وہ اس دوا کو نہ کھائے گا صحت حاصل نہیں ہوگی، دوا کا صرف علم ہونا فائدہ نہیں کرے گا۔ یہ سب اصرار و مبالغہ عمل کے لئے ہے علم خود حجت کو درست کردیتا ہے (یعنی قیامت کے دن اس پر حجت قائم کرے گا کہ علم کے باوجود عمل کیوں نہیں کیا تھا ——— آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اِنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَذَابًا یَوْمَ الْقِیَامَةِ عَالِمٌ لَّمْ یَنْفَعْهُ اللّٰهُ بِعِلْمِهٖ (یعنی قیامت کے دن سب سے زیادہ عذاب اس عالم کو ہوگا جس کو اس کے علم سے کچھ نفع حاصل نہ ہوا ہو)۔

---

[1] اس حدیث کو ابن عساکر نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور طبرانی نے صغیر میں اور بیہقی نے شعب میں اور ابن عدی اور حاکم نے مستدرک میں مختلف الفاظ سے روایت کیا ہے۔ نیز ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے قال ان من اشر الناس عند اللہ منزلۃ یوم القیٰمۃ عالم لم ینتفع بعلمہ۔ اس کو دارمی نے روایت کیا ہے (مشکوٰۃ)۔

وہ فرزند جان لے کہ سابقہ توبہ و انابت نے جمعیتِ قلبی والے (اہل اللہ) کی صحبت کی کمی کے باعث اگرچہ کچھ فائدہ نہیں پہنچایا لیکن اس فرزند کے جوہر استعداد کے نفیس ہونے کی خبر ضرور دیتی ہے، امید ہے کہ حق سبحانہٗ و تعالیٰ اس توبہ و انابت کی برکت سے آخر کار اپنے پسندیدہ کاموں کی توفیق نصیب فرمائے گا اور اہلِ نجات میں سے بنائے گا ــــــ بہر حال آپ اس گروہ (اہل اللہ) کی محبت کا رشتہ ہاتھ سے نہ چھوڑیں اور ان لوگوں کے ساتھ التجا و عاجزی اپنا شعار بنائیں اور منتظر رہیں کہ حق سبحانہٗ و تعالیٰ ان لوگوں کی محبت کے وسیلہ سے اپنی محبت سے مشرف فرمائے اور پوری طرح اپنی طرف کھینچ لے اور ان جنجالوں (غیر شرعی دنیاوی تعلقات) سے بالکل آزاد کردے۔ مثنوی

عشق آں شعلہ است کو چوں بر فروخت — ہر چہ جز معشوق باقی جملہ سوخت
تیغِ لا در قتلِ غیرِ حق براند — در نگر زاں پس کہ بعدِ لا چہ ماند
ماند اِلّا اللہ باقی جملہ رفت — شاد باش اے عشقِ شرکت سوز زفت

(ترجمہ: جبکہ روشن عشق کا شعلہ ہوا — ما سوا معشوق کے سب جل گیا
غیرِ حق کو تیغِ لا سے قتل کر — بعد ازاں کر اس کے باقی پر نظر
رہ گیا اللہ باقی سب فنا — عشقِ شرکت سوز تجھ کو مرحبا

مکتوب ہفتاد و چہارم ۷۴
(عربی و فارسی)

میرزا بدیع الزماں[۲] کی طرف صادر ہوا ــــ فقراء کی محبت اور ان کی طرف توجہ کرنے پر ترغیب اور صاحبِ شریعت علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے اتباع کی نصیحت کے بیان میں۔

آپ کا مکتوب شریف و مراسلہ لطیف صادر ہوا۔ الحمد للہ کہ اس کے مضمون سے فقراء کی محبت اور درویشوں کی طرف توجہ معلوم ہوئی جو کہ سعادتوں کا سرمایہ ہے، کیونکہ یہ لوگ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کے ہمنشین[۱] ہیں

۱؎ جیسا کہ صحیحین کی حدیث میں ہے وانا معہ اذا ذکرنی، اور درویش کبھی یادِ حق سے غافل نہیں ہوتا چنانچہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ الخ

۲؎ میرزا بدیع الدین کے نام صرف دو مکتوب ہیں یعنی دفتر اول مکتوب ۷۴ - ۷۵ - آپ آقائے ملا دولت دار کے صاحبزادے اور شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کی اولاد میں سے تھے اور آقائے ملا تصوف میں اپنے چچا شیخ نجیب الدین سہروردیؒ سے مستفیض تھے۔ میرزا کی ایک بیٹی ارادت خاں میر اسحاق شاہجہانی سے منسوب تھی۔ (ماثر الامراء ج ۱ ص ۱۱۶ ترجمہ)

اور یہ وہ لوگ ہیں جن کا جلیس بدنصیب نہیں ہوتا۔[1] اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم فقرائے مہاجرین کے طفیل حق سبحانہٗ وتعالیٰ سے فتح طلب کرتے تھے[2] اور آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کی شان میں فرمایا ہے: رُبَّ اَشْعَثَ مَدْفُوْعٍ بِالْاَبْوَابِ لَوْ اَقْسَمَ عَلَی اللّٰہِ لَاَبَرَّہٗ[3] (بہت سے بکھرے ہوئے بالوں والے گرد آلو اور دروازوں سے ہٹائے ہوئے لوگ ایسے ہیں کہ اگر (کسی کام کی) حق تعالیٰ پر (بھروسہ کرکے) قسم کھالیں تو اللہ تعالیٰ ضرور اس قسم کو پورا کردیتا ہے)۔

اے سعادت مند! آپ کے مکتوب گرامی میں ایک فقرہ خدیو نشأتین (دونوں جہاں کا مالک) درج تھا۔ یہ ایسی تعریف ہے جو واجب الوجود جل شانہٗ (حق تعالیٰ) کی ذات کے لئے مخصوص ہے، بندۂ مملوک کو جو کسی شے پر قادر نہیں ہے کیا حق حاصل ہے کہ کسی وجہ سے بھی حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے ساتھ شرکت حاصل کرے اور خداوندی کے راستہ پر چلے، خاص طور پر عالم آخرت میں جبکہ حقیقی و مجازی ہر طرح کی مالکیت و ملکیت حضرت مالک یوم الدین کے ساتھ مخصوص ہے (چنانچہ) قیامت کے روز حق سبحانہٗ وتعالیٰ پکارے گا لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ (آج کس کی بادشاہی ہے) پھر خود ہی اس کے جواب میں فرمائے گا لِلّٰہِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ (سورہ مومن ۴۰ آیہ ۱۶) (خدائے واحد وقہار کی ہے)۔ خلاف شرع القاب پر تنبیہ

اس دن بندوں کیلئے خوف اور دہشت کے سوا اور کچھ ثابت نہیں ہے اور حسرت و ندامت کے سوا کچھ حاصل نہیں۔ حق سبحانہ وتعالیٰ اپنے قرآن مجید میں اس روز کی سختی اور مخلوق کے انتہائی اضطراب و بیقراری کی خبر دیتا ہے جیسا کہ خدائے بزرگ و برتر فرماتا ہے: اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ ۝ يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّا اَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ ۝ (سورہ الحج ۲۲ آیت ۱ و ۲) (بیشک قیامت کا زلزلہ بہت بڑی (ہولناک) شے ہے، اس دن تم دیکھو گے کہ ہر دودھ پلانے والی (عورتیں) اپنے دودھ پیتے بچے کو بھول جائیں گی اور ہر حاملہ کا حمل گر جائے گا اور تم لوگوں کو نشہ والوں کی طرح لڑکھڑاتے ہوئے دیکھو گے حالانکہ وہ نشہ کی حالت میں نہیں ہوں گے لیکن (وجہ یہ ہے کہ) اللہ تعالیٰ کا عذاب نہایت سخت ہے)۔ ؎

درآں روز کز فعل پرسند قول　　اولوالعزم را دل بلرزد زہول

۱؎ بخاریؒ نے ایک طویل حدیث میں روایت کیا ہے ھم الجلساء لا یشقی جلیسھم اور مسلم کی روایت میں ہے ھم القوم لا یشقی بھم جلیسھم۔ ۲؎ اس کو شرح السنہ میں روایت کیا ہے (مشکوٰۃ)
۳؎ اس کو مسلم نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے (مشکوٰۃ)۔

بجائیکہ دہشت برند انبیاء　　تو عذرِ گنہ را چہ داری بیا

ترجمہ
(آہ اُس پرسشِ عمل کے روز　　دل اولوالعزم کا بھی لرزے گا
انبیاء بھی ڈریں گے دہشت سے　　معذرت کس طرح تُو کرلے گا؟)

باقی نصیحت یہ ہے کہ صاحبِ شریعت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت لازم پکڑیں کیونکہ آخرت کی نجات آپ کی متابعت کے بغیر محال ہے، اور دنیا کی زیب وزینت کی طرف التفات وتوجہ نہ کریں اور دنیا کے حاصل ہونے یا نہ ہونے کو کوئی اہمیت نہ دیں (یعنی ان دونوں حالتوں کو یکساں جانیں) کیونکہ دنیا اللہ تعالیٰ کی مبغوضہ (ناپسندیدہ ومکروہ) ہے، حق تعالیٰ کے نزدیک اس کی قدر ومنزلت کچھ بھی نہیں، پس بندوں کے نزدیک اس کا عدم (یعنی نہ ہونا) اس کے وجود (یعنی ہونے) سے بہتر ہونا چاہئے اور اس کی بیوفائی اور جلدی جاتے رہنے (یعنی دولت کے زوال) کے قصے مشہور ہیں بلکہ مشاہدہ میں آچکے ہیں۔ پس اہلِ دنیا کے حال سے عبرت حاصل کریں جو پہلے گذر چکے ہیں۔ وَفَّقَنَا اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَاِيَّاكُمْ بِمُتَابَعَةِ سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ (اللہ تعالیٰ ہم کو اور آپ کو سید المرسلین علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت کی توفیق عنایت فرمائے) آمین۔

مکتوب ۷۵
ہفتاد و پنجم

یہ مکتوب بھی میرزا بدیع الزماں کی طرف صادر فرمایا ــــــ سب سے پہلے عقائد کی درستی اور فقہ کے ضروری احکام جاننے کے ساتھ سید الکونین علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت پر ترغیب کے بیان میں اور اس بیان میں کہ حق تعالیٰ سے وسیلہ یا بلا وسیلہ اسی کو طلب کرنا چاہئے اور اس کے مناسب بیان میں۔

سَلَّمَكُمُ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَعَافَاكُمْ (اللہ سبحانہ وتعالیٰ آپ کو سلامت اور عافیت سے رکھے ــــــ دونوں جہان کی سعادت کی دولت سید کونین علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات اتمہا واکملہا کی متابعت پر وابستہ ہے (جبکہ وہ متابعت) اس نہج (طریق) پر ہو جس کو اہلِ سنت وجماعت کے علماء نے بیان فرمایا ہے اللہ تعالیٰ ان کو ان کی کوششوں کی جزائے خیر عطا فرمائے ــــــ سب سے پہلے اپنے عقیدوں کو ان بزرگوں کی صحیح آراء کے مطابق درست کرنا چاہئے۔ پھر حلال وحرام، فرض وواجب، سنت ومستحب اور مباح ومشتبہ کا علم حاصل کرنا چاہئے (یعنی علمِ فقہ حاصل کرنا چاہئے جو ان سب امور کا متکفل ہے)

اور اس علم کے مطابق عمل کرنا بھی ضروری ہے ـــــ ان اعتقادی و عملی دو بازوؤں (پروں) کے حاصل ہو جانے کے بعد اگر سعادتِ ازلی مدد فرمائے تو عالمِ قدس کی طرف پرواز حاصل ہو جاتی ہے و بِدُوْنِھَا خَرْطُ الْقَتَادِ (ورنہ بے فائدہ رنج اٹھانا ہے) ـــــ اور کمینی دنیا اس لائق نہیں ہے کہ اس کو اصلی مطالب میں سے شمار کریں اور اس کے مالی وجاہ کے حاصل ہونے کو اصلی مقاصد سے خیال کریں۔ بلند ہمت ہونا چاہیے اور حق سبحانہٗ و تعالیٰ سے بوسیلہ یا بے وسیلہ اسی کو طلب کرنا چاہیے ع

کار این ست و غیر این ہمہ ہیچ (ترجمہ: کام اصلی ہے یہی باقی ہیچ ہے)

جب آپ نے توجہ کر کے دعا طلب کی ہے تو بُشْرٰی لَکُمْ سَالِمًا وَّ غَانِمًا آپ کو بشارت ہو کہ سلامتی کے ساتھ اور مالِ غنیمت حاصل کر کے واپس آئیں گے) لیکن ایک شرط کو مدِنظر رکھیں اور وہ یہ ہے کہ آپ کی توجہ کا قبلہ ایک ہونا چاہیئے، توجہ کے قبلہ کا متعدد بنانا اپنے آپ کو تفرقہ (انتشار) میں ڈالنا ہے۔ مثل مشہور ہے کہ "ہر کہ یکجا ہمہ جا و ہر کہ ہمہ جا ہیچ جا" (یعنی جو ایک جگہ ہے وہ ہر جگہ ہے اور جو ہر جگہ ہے وہ کسی جگہ بھی نہیں) ـــــ حق سبحانہٗ و تعالیٰ حضرت محمد مصطفےٰ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کی شریعت کے سیدھے راستہ پر استقامت نصیب فرمائے۔ اور اس شخص پر سلام ہو جو ہدایت کے راستے پر چلا اور حضرت محمد مصطفےٰ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتحیات کی متابعت کو لازم پکڑا)

مکتوب ۷۶
(عربی و فارسی)
ہفتاد و ششم

قلیج خاں[1] کی طرف صادر ہوا ـــــ اس بیان میں کہ ترقی ورع و تقویٰ (پرہیزگاری) سے وابستہ ہے، اور فضول مباحات کے ترک کرنے کی ترغیب میں، اور اگر یہ میسر نہ ہو تو محرمات سے بچتے ہوئے فضول مباحات کے دائرے کو تنگ تر رکھنا چاہیے اور اس بیان میں کہ محرمات سے بچنا چاہیئے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ وَبِہٖ نَسْتَعِیْنُ (اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو کہ بڑا مہربان اور نہایت رحم والا ہے اور اسی کے ساتھ مدد مانگتا ہوں) اللہ تعالیٰ سبحانہٗ اپنے حبیب سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل جو کہ کجی چشم سے پاک ہیں آپ کو ہر اس چیز سے بچائے جو آپ کے لئے موجبِ عار ہو، اور ہر

[1] قلیج خاں کا مختصر تذکرہ اور ان کے نام مکتوبات کی تفصیل کے لئے دفتر اول مکتوب ۲۴ کا حاشیہ ملاحظہ ہو۔

اس چیز سے محفوظ رکھے جو آپ کو عیب لگائے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: مَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰکُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا (سورہ حشر آیت ۵۹) (یہ رسول جو کچھ تم کو دے اس کو لے لو اور جس چیز سے منع کرے اس سے رُک جاؤ) —— (لہذا) نجات کا مدار دو۲ چیزوں پر ہوا، (یعنی اوامر[1] کا بجا لانا اور نواہی[2] سے رُک جانا۔ اور ان دونوں جزو میں سے جزوِ آخر زیادہ عظمت والا ہے جس کو ورع و تقویٰ (پرہیزگاری) سے تعبیر کیا گیا ہے ——

ذُکِرَ رَجُلٌ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَسَلَّمَ بِعِبَادَةٍ وَاجْتِهَادٍ وَذُکِرَ اٰخَرُ بِرِعَةٍ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَسَلَّمَ لَا تَعْدِلُ بِالرِّعَةِ شَيْئًا يَعْنِي الْوَرَعَ[1]۔ وَقَالَ اَيْضًا عَلَيْهِ مِنَ الصَّلَوٰتِ اَتَمُّهَا وَمِنَ التَّسْلِيْمَاتِ اَکْمَلُهَا مِلَاکُ دِيْنِکُمُ الْوَرَعُ[2]۔

(یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص کا ذکر عبادت واجتہاد کے ساتھ کیا گیا (یعنی وہ بڑا عبادت وریاضت میں مشغول رہتا ہے) اور دوسرے شخص کا ذکر ورع (تقویٰ) کے ساتھ۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ورع یعنی پرہیزگاری کے برابر کوئی چیز نہیں ہے۔ اور نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تمہارے دین کا مقصود ورع یعنی پرہیزگاری ہے) —— اور انسان کی فرشتوں پر فضیلت اسی جزوِ آخر سے ثابت ہے اور قُربِ الہٰی کے درجوں پر ترقی بھی اسی جزو سے ثابت ہے کیونکہ فرشتے پہلے جزو میں شریک ہیں اور ترقی ان میں مفقود ہے، پس جزوِ ورع و تقویٰ کا مدنظر رکھنا اسلام کے اعلیٰ ترین مقاصد اور دین کی نہایت اہم ضروریات میں سے ہے، اور یہ جزو جس کا مدار حرام چیزوں سے بچنے پر ہے کامل طور پر اس وقت حاصل ہوتا ہے جبکہ فضول (غیر ضروری) مباحات سے پرہیز کیا جائے اور بقدرِ ضرورت مباحات پر کفایت کی جائے کیونکہ مباحات کے اختیار کرنے میں باگ ڈور کا ڈھیلا چھوڑ دینا مشتبہ چیزوں (کے اختیار کرنے) تک پہنچا دیتا ہے اور مشتبہ حرام کے نزدیک ہے، مَنْ حَامَ حَوْلَ الْحِمٰى يُوْشِکُ اَنْ يَّقَعَ فِيْهِ[3] (جو شخص چراگاہ کے گرد پھرا قریب ہے کہ اس میں جا پڑے)۔

ورع و تقویٰ کی فضیلت

پس ورع و تقویٰ کامل طور پر حاصل کرنے کے لئے بقدرِ ضرورت مباحات پر کفایت کرنا لازمی ہے

---

[1] اس حدیث کو ترمذی نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور اس کی اسناد حسن ہیں۔
[2] اس روایت کو بیہقی نے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے: وفضل فی علم خیر من فضل فی عبادة وملاک الدین الورع (مشکوٰة) —— [3] اس میں اس طویل حدیث کے ایک حصہ کی طرف اشارہ ہے جس کو امام بخاری و امام مسلم رحمہما اللہ نے نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

اور وہ بھی اس شرط پر کہ اس میں عبادت و اعمال کرنے کی نیت ہو ورنہ اس قدر (مباحات اختیار کرنا) بھی وبال ہے اور اس کا قلیل بھی کثیر کا حکم رکھتا ہے ـــــــ اور چونکہ فضول مباحات سے کلی طور پر بچنا ہر زمانہ میں اور خاص طور پر اس زمانے میں بہت دشوار ہے (اس لئے) حرام چیزوں سے بچتے ہوئے حتی الامکان فضول مباحات اختیار کرنے کا دائرہ بہت تنگ کرنا چاہئے اور اس اختیار کرتے میں ہمیشہ شرمندہ و پشیمان ہونا اور توبہ و استغفار کرنا چاہئے اور اس (فضول مباحات) کو محرمات میں داخل ہونے کی کھڑکی جانتے ہوئے حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی بارگاہ میں التجا و گریہ و زاری کرتے رہنا چاہئے، شاید کہ یہ ندامت (پشیمانی) و استغفار اور التجا و تضرع اُس فضول مباحات سے بچنے کا کام کر جائے اور اس کی آفت سے محفوظ و مامون کر دے۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں: اِنْکِسَارُ الْعَاصِیْنَ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ صَوْلَۃِ الْمُطِیْعِیْنَ (گنہگاروں کی انکساری و عاجزی اللہ تعالیٰ کے نزدیک فرمانبرداروں کے دبدبہ (جد و جہد) سے زیادہ محبوب ہے)۔ اور حرام چیزوں سے بچنا بھی دو قسم پر ہے ایک قسم وہ ہے جو اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کے حقوق سے تعلق رکھتی ہے، اور دوسری قسم وہ ہے جو بندوں کے حقوق سے متعلق ہے، اور دوسری قسم کا خیال رکھنا نہایت ضروری ہے (کیونکہ) اللہ تعالیٰ غنی مطلق اور ارحم الراحمین (سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے) اور بندے فقرا و محتاج اور بالذات بخیل و کنجوس ہیں (اس لئے ان کے اُن کے حقوق کی ادائیگی زیادہ ضروری ہے) ـــــــ

حقوق العباد کی اہمیت

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے: مَنْ کَانَتْ لَہٗ مَظْلِمَۃٌ لِاَخِیْہِ مِنْ عِرْضِہٖ اَوْ شَیْءٍ فَلْیَتَحَلَّلْہُ مِنْہُ الْیَوْمَ قَبْلَ اَنْ لَّا یَکُوْنَ دِیْنَارٌ وَّلَا دِرْھَمٌ اِنْ کَانَ لَہٗ عَمَلٌ صَالِحٌ اُخِذَ بِقَدْرِ مَظْلِمَتِہٖ وَاِنْ لَّمْ یَکُنْ لَّہٗ حَسَنَاتٌ اُخِذَ مِنْ سَیِّئَاتِ صَاحِبِہٖ فَحُمِلَ عَلَیْہِ[1] (اگر کسی شخص پر اس کے بھائی کی عزت و آبرو یا اور کسی قسم کا کوئی حق ہے تو اس کو چاہئے کہ آج ہی اس سے معاف کرا لے قبل اس کے کہ اُس کے پاس نہ کوئی دینار رہے اور نہ درہم، (کیونکہ قیامت کے دن) اگر اس کے پاس کوئی نیک عمل ہوگا تو بقدرِ ظلم اس سے بدلہ میں لے لیا جائے گا (اور صاحبِ حق کو دیدیا جائے گا) اور اگر اس کی نیکیاں نہ ہوں گی تو صاحبِ حق کی برائیاں لے کر اس پر ڈالی جائیں گی)۔

وَقَالَ اَیْضًا صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ اَتَدْرُوْنَ مَا الْمُفْلِسُ قَالُوا الْمُفْلِسُ فِیْنَا

[1] اس کو امام بخاریؒ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

مَنْ لَّا دِرْهَمَ لَهٗ وَلَا مَتَاعَ فَقَالَ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ اِنَّ الْمُفْلِسَ مِنْ اُمَّتِيْ مَنْ يَّاْتِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِصَلٰوةٍ وَصِيَامٍ وَزَكٰوةٍ وَيَاْتِيْ قَدْ شَتَمَ هٰذَا وَقَذَفَ هٰذَا وَاَكَلَ مَالَ هٰذَا وَسَفَكَ دَمَ هٰذَا وَضَرَبَ هٰذَا فَيُعْطٰى هٰذَا مِنْ حَسَنَاتِهٖ وَهٰذَا مِنْ حَسَنَاتِهٖ فَاِنْ فَنِيَتْ حَسَنَاتُهٗ قَبْلَ اَنْ يُّقْضٰى مَا عَلَيْهِ اُخِذَ مِنْ خَطَايَاهُمْ فَطُرِحَتْ عَلَيْهِ ثُمَّ طُرِحَ فِي النَّارِ[۵۱] صَدَقَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَسَلَّمَ (اور نیز نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ مفلس کون شخص ہے؟ حاضرین صحابہؓ نے عرض کیا ہم میں مفلس وہ شخص ہے جس کے پاس درہم واسباب کچھ نہ ہوں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت میں سے مفلس وہ شخص ہے جو قیامت کے دن نماز، روزہ اور زکوٰۃ سب کچھ لے کر آئے (لیکن ساتھ ہی) اس نے کسی کو گالی بھی دی ہو اور کسی کو تہمت بھی لگائی ہو اور کسی کا مال بھی کھایا ہو اور کسی کا خون بہایا ہو اور کسی کو مارا ہو، پس ہر ایک حقدار کو اس کی نیکیوں میں سے اس کے حق کی برابر نیکیاں دیدی جائیں گی اور اگر حقداروں کے حقوق پورے ہونے سے پہلے اس کی نیکیاں ختم ہو گئیں تو اُن حقداروں کے گناہ لے کر اس پر ڈال دیئے جائیں گے پھر اس کو دوزخ میں دھکیل دیا جائے گا)۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے بالکل صحیح فرمایا ہے۔

مفلس کون ہے؟

دوسری بات یہ ہے کہ (یہ فقیر) آپ کی تعریف اور شکر گذاری کا اظہار کرتا ہے کہ شہر عظیم لاہور میں آپ کے وجود کی وجہ سے اس گئے گذرے زمانہ میں بہت سے شرعی احکام رائج ہو گئے ہیں اور وہاں دین کو تقویت اور مذہب کی ترویج حاصل ہو گئی ہے اور وہ شہر (لاہور) فقیر کے نزدیک ہندوستان کے تمام شہروں کی نسبت "قطبِ ارشاد" کی مانند ہے، اس شہر کی خیر و برکت ہندوستان کے تمام شہروں میں پھیلی ہوئی ہے اگر وہاں دین رواج پذیر ہے تو سب جگہ ایک درجہ رواج متحقق ہے۔ حق سبحانہ وتعالیٰ آپ کا معاون و مددگار ہو ——— قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ لَا يَزَالُ طَائِفَةٌ مِّنْ اُمَّتِيْ ظَاهِرِيْنَ عَلَى الْحَقِّ لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ حَتّٰى يَاْتِيَ اَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ عَلٰى ذٰلِكَ[۵۲] (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میری امت میں سے ایک گروہ ہمیشہ حق کا مددگار رہے گا اور جو اس گروہ کی ذلت و خواری کا ارادہ کریگا وہ اس کو کچھ ضرر نہ دے سکے گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا حکم آجائیگا اور وہ اپنے حال پر قائم ہوں گے)۔

شہر لاہور کی فضیلت

---

[۵۱] اس کو امام مسلمؒ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے ——— [۵۲] اس کو حاکم نے حضرت عمرؓ سے نیز حاکم و ابن ماجہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے، نیز ابن ماجہ نے مغیرہ بن شعبہ سے اور ابوداوٗد نے عمران بن حصین سے روایت کیا ہے۔ ان تینوں روایتوں کے الفاظ مختلف ہیں مگر معنی سب کے ایک ہی ہیں۔

چونکہ معرفت کی پناہ والے ہمارے قبلہ گاہ حضرت خواجہ (باقی باللہ قدس سرہ) کے ساتھ آپ کی محبت کے تعلق کا رشتہ محکم تھا اس بنا پر یہ چند کلمات لکھ کر اس حبّی نسبت کو حرکت میں لایا ہے اس سے زیادہ لکھنا طولِ کلامی ہے ـــــــ حاملِ مکتوب دعا نیک و صالح آدمی اور شریف زادہ ہے، ایک حاجت لیکر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہے، امید ہے کہ اس کے بارے میں توجہ شریف فرما کر اس کی حاجت روائی فرمائیں گے ـــــــ حضور نبی کریم اور آپ کی بزرگ اولاد علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کے طفیل حقیقی دولت اور ابدی سعادت آپ کو حاصل ہو ـــــــ میرے سیادت مآب میر سید جمال الدین کو غریبانہ دعائیں پہنچائیں۔

مکتوب ۷۷

هفتاد و هفتم

جاری خاں[1] کی طرف صادر فرمایا ـــــــ اس بیان میں کہ خدائے بے مثل و بے مثال کی عبادت (اخلاص کے ساتھ) کب حاصل ہوتی ہے اور اس کے مناسب بیان میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو)

ــه بعد از خدائے ہر چہ پرستند ہیچ نیست ـــ بے دولت است آنکہ بہ ہیچ اختیار کرد

(ترجمہ:- بجز حق کے وہ جس کو پوجتے ہیں ہیچ و باطل ہے ـــ جو باطل کی کرے پوجا بڑا بدبخت و جاہل ہے)

بے مثل و بے مثال خدائے تعالیٰ جل سلطانہٗ کی (خالص) عبادت اُس وقت میسر ہوتی ہے جبکہ تمام ماسوی اللہ کی غلامی سے آزاد ہو کر توجہ کا قبلہ ذاتِ احدیت کے سوا اور کچھ نہ رہے اور اس توجہ کا مصداق (یعنی علامت و نشانی) حق سبحانہٗ و تعالیٰ کے انعام (نعمت دینا) و ایلام (رنج والم دینا) کا برابر ہونا ہے، بلکہ اس مقام کے حاصل ہونے کے شروع میں رنج والم، انعام کی بہ نسبت زیادہ مرغوب و پسندیدہ ہوتا ہے، اگرچہ آخر میں تفویض (اپنا ہر معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنے) تک نوبت پہنچ جاتی ہے اور (انعام و ایلام) جو کچھ (حق تعالیٰ کی طرف سے) پہنچتا ہے اس کو زیادہ بہتر و مناسب

---

[1] آپ کے نام مکتوبات میں تین مکتوب ہیں یعنی دفتر اول مکتوب ۷۷-۷۸-۷۹- جاری خاں یا جاری بیگ نامی ایک شخص مجنوں خاں تاقشال کے صاحبزادے اور حضرت میرزا مظہر جان جاناںؒ کے اجداد میں سے تھے۔ مجنوں خاں کے انتقال کے بعد جاری خاں برائے نام سردار تھے اور اُن کے چچا بابا خاں سرداری کے فرائض انجام دیتے تھے۔ (مآثر الامراء، ج ۱، ص ۳۸۹)

حضرت میرزا مظہر جان جاناںؒ ابن میرزا جانؒ ابن میرزا عبد السبحان بن میرزا محمد امان بن شاہ بابا سلطان ابن بابا خان بن امیر غلام محمد بن امیر محمد بن خواجہ رستم شاہ بن امیر کمال الدین۔ پھر انیس۱۹ واسطوں سے (اور محمد بن حنفیہؒ کے توسط سے) حضرت علی رضی اللہ عنہ تک سلسلہ پہنچا ہے*

* باباخان ابن امیر غلام محمد کے بھائی مجنوں خاں تاقشال تھے انہی کے بیٹے جاری خاں تھے۔

جانتا ہے —— وہ عبادت جو (جنت کی) رغبت اور (دوزخ کے) خوف کی وجہ سے ہو در حقیقت وہ عبادت اپنی ہی عبادت ہے اور اس سے مقصود اپنی نجات اور خوشی ہے ؎

تا تو در بندِ خویشتن باشی عشق گوئی دروغ زن باشی

(ترجمہ:- جب تلک ہے فکر اپنے آپ کی داستانِ عشق ہے جھوٹی تری)

اس دولت کا حاصل ہونا فنائے مطلق پر موقوف ہے اور یہ توجہ (ذاتِ احدیت کی طرف) محبتِ ذاتیہ کا نتیجہ اور ولایتِ خاصّہ محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کے ظہور کا مقدمہ ہے، اس نعمتِ عظمیٰ (ولایتِ خاصّہ محمدیہ) کا حاصل ہونا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت کی کامل متابعت پر موقوف ہے اسلئے کہ ہر نبی علیہم الصلوات والتسلیمات کی شریعت جو براہِ نبوت اس کو عطا فرمائی گئی ہے اس کی ولایت کے مناسب ہے کیونکہ ولایت میں کلّی طور پر حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی طرف توجہ ہوتی ہے اور جب نبوت (کے مقامِ دعوت وارشاد) میں لے آتے ہیں تو (وہ نبی) اسی نور کے ساتھ آتا ہے اور اسی کمال کو مخلوق کی توجہ کے ساتھ جمع کرتا ہے اور مقامِ نبوت کے کمالات حاصل ہونے کا سبب بھی وہی نور ہے اور اسی لئے بعض (اہلِ سکر) بزرگوں نے کہا ہے کہ نبی کی ولایت اس کی نبوت سے افضل ہے —— پس اسی لئے ہر پیغمبر کی شریعت اس کی ولایت کے مناسب ہوتی ہے اور اس شریعت کی پیروی اس (نبی کی) ولایت تک پہنچنے کے لئے لازمی ہے۔

اور اگر لوگ یہ سوال کریں کہ آنسرور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شریعت کے بعض متبعین کو آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولایت سے کچھ بھی حاصل نہیں ہے بلکہ دوسرے انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے قدم پر ہیں اور ان کی ولایت سے حصہ رکھتے ہیں —— تو میں اس کے جواب میں کہتا ہوں کہ ہمارے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شریعت تمام شریعتوں کی جامع ہے اور جو کتاب (قرآن مجید) آپ پر نازل ہوئی ہے تمام آسمانی کتابوں کو شامل ہے پس اس شریعت کی پیروی گویا تمام شریعتوں کی پیروی ہے لہٰذا ہر شخص اپنی استعداد کے مطابق انبیائے کرام میں سے کسی ایک نبی کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے کہ (جس سے) اس کی ولایت کو اخذ کرتا ہے اور اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ بلکہ میں کہتا ہوں کہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولایت تمام انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کی ولایتوں پر حاوی ہے۔ پس ان ولایتوں تک پہنچنا اس ولایتِ خاصہ کے اجزا میں سے کسی ایک جزو تک پہنچنا ہے اور اس ولایت

(خاصۂ محمدیہ) تک نہ پہنچنے کا سبب آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کامل درجے کی متابعت میں کمی ہے اور کمی کے بھی مختلف درجے ہیں، اس لئے ولایت کے درجات میں تفاوت ہوجاتا ہے اور اگر آپؐ کا کامل درجے اتباع حاصل ہوجائے تو آپؐ کی ولایت تک پہنچنا ممکن ہے ـــ یہ اعتراض اس وقت وارد ہوتا جب کہ دوسرے انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شریعتوں کے متبعین کو ولایتِ خاصۂ محمدی علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام حاصل ہوتی اور جب ایسا نہیں ہے تو اعتراض بھی کوئی وارد نہیں ہوتا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَنْعَمَ عَلَیْنَا وَهَدَانَا اِلَی الصِّرَاطِ الْمُسْتَقِیْمِ وَالدِّیْنِ الْقَوِیْمِ ط (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے جس نے ہم پر انعام فرمایا اور سیدھے راستہ اور مضبوط دین کی طرف ہدایت فرمائی) صراطِ مستقیم اسی (دین) کے مضبوط راستے اور واضح و روشن شریعت سے مراد ہے ۔ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۔ (سورۂ یٰسین ۳۶ آیت ۳) (بیشک آپ رسولوں میں سے ہیں اور صراطِ مستقیم پر ہیں) اسی حقیقت کی دلیل ہے ـــ رَزَقَنَا اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَاِیَّاكُمْ كَمَالَ اتِّبَاعِ شَرِیْعَتِهٖ عَلَیْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ بِحُرْمَةِ كُمَّلِ اَتْبَاعِهٖ وَمُعَظَّمِ اَوْلِیَائِهٖ رِضْوَانُ اللّٰهِ تَعَالٰی عَلَیْهِمْ اَجْمَعِیْنَ اٰمِیْنَ (اللہ تعالیٰ ہم کو اور آپ کو حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کامل متبعین اور بزرگ اولیائے کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے طفیل آپ کی شریعت کی کامل ترین اتباع نصیب فرمائے، آمین) ـــ اس دعا نامہ کا لانے والا چونکہ ان حدود (یعنی آپ کی طرف) جانے والا تھا اس لئے ان چند کلمات کے ساتھ محبت کے سلسلہ کو حرکت دینے والا ہوا ہوں ـــ وَالسَّلَامُ عَلَیْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ سُبْحَانَهٗ لَدَیْكُمْ (آپ پر سلام اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی رحمت ہو)۔

مکتوب ۷۸
ہفتاد و ہشتم

یہ مکتوب بھی جباری خاں کی طرف صادر ہوا ـــ سفر در وطن اور سیر آفاقی و انفسی کی حقیقت (و معنی) کے بیان میں اور اس بیان میں کہ اس دولت کا حاصل ہونا صاحبِ شریعت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی اتباع سے وابستہ ہے۔

حق سبحانہٗ وتعالیٰ آنحضرت علیٰ مصدرہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کی شریعتِ حقہ کے راستہ پر استقامت مرحمت فرمائے ـــ چند دن ہوئے کہ دہلی اور آگرہ کے سفر سے واپسی واقع ہوئی ہے

اور وطنِ مالوف (پیارے وطن) میں آرام حاصل ہوا ہے۔ حُبُّ الْوَطَنِ مِنَ الْاِیْمَانِ[۵۱] (وطن کی محبت ایمان کے امور میں سے ہے) شاملِ حال ہے، وطن میں پہنچنے کے بعد اگر سفر ہے تو وطن میں ہے۔

"سفر در وطن"[۵۲] مشائخ خاندانِ نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے اکابرین کے مقررہ اصولوں میں سے ہے، اس سفر کی چاشنی اس طریق میں ابتدا ہی میں میسر ہو جاتی ہے اور اندراج النہایت فی البدایت (ابتدا میں انتہا کے درج ہونے) کے طریق پر حاصل ہو جاتی ہے، (کارکنانِ قضا و قدر) اگر اس گروہ میں سے کسی جماعت کو مجذوب سالک بنانا چاہتے ہیں تو بیرونی (یعنی آفاقی) سیر میں ڈال دیتے ہیں اور اس سیرِ آفاقی کے تمام (مکمل) ہونے کے بعد سیرِ انفسی میں کہ جس سے مراد "سفر در وطن" ہے کچھ آرام دیتے ہیں۔

مصرع: ایں کار دولت است کنوں تا کرا رسد (ترجمہ: بڑی اعلیٰ ہے دولت، دیکھئے اب کس کو ملتی ہے)

مصرع: هَنِيْئًا لِاَرْبَابِ النَّعِيْمِ نَعِيْمُهَا (ترجمہ: مبارک نعمتیں جنت کی ہوں اربابِ جنت کو)

اس نعمتِ عظمیٰ تک پہنچنا سیدِ اولین و آخرین علیہ و علیٰ آلہٖ من الصلوات افضلہا و من التحیات اکملہا کے اتباع سے وابستہ ہے، جب تک اپنے آپ کو پوری طرح شریعت میں گم نہ کریں اور اوامر کے بجا لانے اور نواہی سے رُک جانے کے ساتھ پوری طرح آراستہ نہ ہو جائیں اس دولت و نعمت کی خوشبو جان کے دماغ تک نہیں پہنچ سکتی۔ شریعت کی مخالفت کے باوجود اگرچہ بال برابر ہی ہو، احوال و مواجید حاصل ہو جائیں تو (وہ سب) داخلِ استدراج ہیں، آخر کار اس کو رسوا و ذلیل کریں گے۔ محبوب ربّ العالمین علیہ و علیٰ آلہٖ من الصلوات افضلہا و من التحیات اکملہا کی اتباع کے بغیر خلاصی (عذابِ آخرت سے رہائی) ممکن نہیں ہے چند روزہ زندگی کو حق سبحانہٗ و تعالیٰ کے پسندیدہ کاموں میں مشغول رکھنا چاہیئے۔ یہ کیا زندگی اور کونسا عیش ہے کہ اس شخص کا مولیٰ (آقا) اس کے فعل سے ناراض ہو۔ حق سبحانہٗ و تعالیٰ اس کے تمام کُلّی و جزئی حالات پر مطلع اور حاضر و ناظر ہے، شرم کرنی چاہیئے۔

---

۵۱ مشہور یہ ہے کہ یہ حدیث ہے، امام سخاویؒ نے فرمایا کہ میں اس کے حدیث ہونے سے واقف نہیں ہوں لیکن اس کے معنی صحیح ہیں۔

۵۲ "سفر در وطن" سے مراد سیرِ انفسی ہے اس کو جذبہ بھی کہتے ہیں، سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ کے بزرگوں کی ابتدا اسی سیر سے ہوتی ہے اور سیرِ آفاقی اسی سیر کے ضمن میں طے ہو جاتی ہے اور دوسرے سلسلوں میں سیرِ آفاقی سے کام کی ابتدا ہوتی ہے اور ان کی انتہا سیرِ انفسی کے ساتھ ہوتی ہے۔ سیرِ انفسی سے کام کی ابتدا ہونا سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ کی خصوصیت ہے اور اندراج نہایت در بدایت کے یہی معنی ہیں کہ سیرِ انفسی جو کہ دوسروں کی نہایت ہے وہ اس سلسلہ کے اکابر کی بدایت ہے۔ سیرِ آفاقی مطلوب کو اپنے سے باہر ڈھونڈنا ہے اور سیرِ انفسی اپنے آپ میں آنا اور اپنے دل کے گرد پھرنا ہے اور اسی معنی میں کہا ہے ؎

ہمچو نابینا مبر ہر سوئے دست ٭ با تو در زیرِ گلیم است ہر چہ ہست - (از مکتوبات خواجہ محمد معصومؒ)

بالفرض اگر لوگ جان لیں کہ کوئی شخص ان کے ناپسندیدہ افعال اور عیبوں سے واقف ہو جائے گا تو (ایسی صورت میں) اس کے سامنے ان سے کوئی ناشائستہ امر واقع نہیں ہوتا اور وہ نہیں چاہتے کہ وہ شخص ان کے عیبوں پر مطلع ہو جائے، تو پھر اُن پر کیا مصیبت ہوئی کہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ کو حاضر و ناظر جاننے کے باوجود کچھ خوف نہیں کرتے، اور یہ کیسا اسلام ہے کہ حق تعالیٰ کو اس شخص کے برابر بھی نہیں سمجھتے۔ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ سُبْحَانَہٗ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا (ہم اپنے نفسوں کی شرارتوں اور اپنے بُرے اعمال سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں)۔

حدیث شریف جَدِّدُوْا اِیْمَانَکُمْ بِقَوْلِ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ[1] (اپنے ایمان کو کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ سے تازہ کرتے رہو) کے مطابق اس عظیم الشان کلمہ سے ہر وقت ایمان کو تازہ کرتے رہنا چاہیئے، اور حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی بارگاہ میں تمام ناپسندیدہ افعال سے توبہ ورجوع کرنی چاہیئے ممکن ہے کہ پھر دوسرے وقت تک توبہ کا موقع نہ ملے ـــــ ھَلَکَ الْمُسَوِّفُوْنَ[2] (آج کل کہنے والے یعنی دیر کرنے والے ہلاک ہو گئے) نبی کریم علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کی حدیث ہے جس کا مطلب ہے سَوْفَ اَفْعَلُ (آئندہ کرلوں گا) کہنے والے یعنی تاخیر کرنے والے ہلاک ہو گئے ـــــ فرصت کو غنیمت جاننا چاہیئے اور (اپنے اوقات کو) اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے کاموں میں صرف کرنا چاہیئے، توبہ کی توفیق بھی حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی عنایتوں میں سے ہے، ہمیشہ حق تعالیٰ سے اس معنی (یعنی اس توفیق) کے خواہاں رہیں ـــــ اور جو درویش شریعت میں مضبوط قدم رکھتے ہیں اور عالمِ حقیقت کو اچھی طرح پہچانتے ہیں اُن سے دعا طلب کرنی چاہیئے اور مدد لینی چاہیئے تاکہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی عنایت ان کی کھڑکی سے (یعنی اُن کے طفیل سے) ظاہر ہو کر اپنی پاک بارگاہ کی طرف پوری طرح جذب کرلے اور مخالفت کی اس میں کوئی گنجائش نہ رہے۔ جبتک شریعت کی مخالفت کا راستہ بال برابر بھی کھلا رہے خطرہ کا مقام ہے مخالفت کے تمام راستوں کو بند کرنا چاہیئے۔ بیت

---

[1] اس حدیث کی تخریج سے متعلق مکتوب ۵۲ ص ۱۸۱۔ اور مکتوب ۳۷ ص ۱۹۳ کا فٹ نوٹ ملاحظہ ہو۔

[2] اس حدیث کی تخریج سے متعلق مکتوب ۳۷ ص ۲۲۱ کا فٹ نوٹ ملاحظہ ہو۔

بیت

محال است سعدی کہ راہِ صفا   تواں رفت جُز در پئے مصطفٰے

(ترجمہ: تجھے حاصل نہ ہو جبتک نبیؐ کی پیروی کرنا   نہیں ممکن کبھی اہلِ صفا کی راہ پر چلنا)

آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر اور آپؐ کی آل پر اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور سلامتی ہو۔

اہل اللہ پر خصوصاً جبکہ پیری و مرشدی کا نام درمیان میں ہو (یعنی جبکہ وہ پیر و مرشد بھی ہو) اور فائدہ حاصل کرنے کا راستہ کھلا ہوا ہو اعتراض نہیں کرنا چاہئے اور اس کو زہر قاتل سمجھنا چاہیے، اس سے زیادہ لکھنا طول کلامی ہے، یہ چند باتیں محبت واخلاص کے تعلق کی بنا پر لکھی گئی ہیں امید ہے کہ ملال کا باعث نہ ہوں گی۔

دوسرے یہ تکلیف دی جاتی ہے کہ ملا عمر اور شاہ حسن شریف زادے اور خاندانی آدمی ہیں اور آپ کی خدمت کے خواہاں ہیں، امید ہے کہ اپنے خاص ملازموں میں داخل فرمالیں گے، اسمٰعیل بھی اسی ارادہ سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہے اگرچہ پیادہ ہے امیدوار ہے کہ اپنی حالت کے مناسب حصہ پالے گا۔ زیادہ کیا تکلیف دی جائے۔ والسلام مع الاکرام۔

مکتوب ۷۹

ہفتاد و نہم

یہ مکتوب بھی جباری خاں کی طرف صادر فرمایا ——— اس بیان میں کہ یہ روشن شریعت تمام گذشتہ شریعتوں کی جامع ہے اور اس شریعت کے مطابق عمل کرنا تمام شریعتوں کے مطابق عمل کرنا ہے اور اس کے مناسب بیان میں۔

روشن شریعت کے فضائل

اللہ تعالیٰ حضرت محمد مصطفےٰ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کی شریعت کے راستہ پر ثابت قدمی واستقامت نصیب فرما کر اپنی پاک بارگاہ کی طرف پوری طرح متوجہ کرلے، چونکہ ثابت ہوچکا ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حق سبحانہ وتعالیٰ کے تمام اسمائی وصفاتی کمالات کے جامع ہیں اور ان سب (اسماء وصفاتِ الٰہیہ) کے اعتدال کے طور پر مظہر ہیں، جو کتاب آپ پر نازل ہوئی ہے وہ ان تمام آسمانی کتابوں کا خلاصہ (نچوڑ) ہے جو تمام انبیاء کرام علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والتسلیمات پر نازل ہوئی ہیں اور نیز وہ شریعت جو آنسرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا فرمائی گئی ہے

تمام گذشتہ شریعتوں کا خلاصہ (عمدہ حصہ) ہے، اور وہ اعمال جو اس شریعتِ حقہ کے موافق ہیں سب سابقہ شریعتوں کے اعمال میں سے منتخب ہیں بلکہ ملائکہ کرام صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علیٰ نبینا وعلیہم کے اعمال سے بھی منتخب ہیں کیونکہ بعض فرشتوں کو رکوع کا حکم دیا گیا ہے اور بعض کو سجدہ کا اور بعض کو قیام کا، اور اسی طرح گذشتہ امتوں میں سے بعض کو صبح[1] کی نماز کا حکم دیا گیا تھا اور دوسری بعض (امتوں) کو دوسرے (وقت کی) نمازوں کا۔ پس اس شریعت میں گذشتہ امتوں اور مقرب فرشتوں کے اعمال کا خلاصہ اور اُن کا عمدہ حصہ انتخاب کر کے ان کے بجالانے کا حکم دیا گیا ہے لہٰذا اس شریعت کی تصدیق کرنا اور اس کے مطابق اعمال بجالانا حقیقت میں تمام شریعتوں کی تصدیق کرنا اور ان شریعتوں کے موافق اعمال بجالانا ہے۔

پس اس میں کوئی شک نہیں کہ اس شریعت کی تصدیق کرنے والے (خیر الامم) تمام امتوں سے بہتر ہوئے۔ اور اسی طرح اس شریعت کو جھٹلانا اور اس کے موافق عمل نہ کرنا تمام سابقہ شریعتوں کو جھٹلانا اور ان کے موافق عمل نہ کرنا ہے، اور اسی طرح آنسرور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا انکار کرنا تمام اسمائی وصفاتی کمالات کا انکار کرنا ہے اور آپؐ کی تصدیق کرنا ان سب کی تصدیق کرنا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ آں سرور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے منکر اور اس شریعت کو جھٹلانے والے تمام امتوں سے بدتر ہوں۔ آیت اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ کُفْرًا وَّنِفَاقًا (توبہ آیت ۹۷) (عرب کے صحرا نشین لوگ کفر و نفاق میں سخت تر واقع ہوئے ہیں) میں اسی طرف اشارہ ہے۔

شعر محمد عربی کابروئے ہر دو سرا ست کسے کہ خاک درش نیست خاک بر سرِ اُو

(اردو ترجمہ) عزتِ کونین ہیں حضرت محمد مصطفیٰؐ آپ کا منکر ہوا خوار و ذلیل دو سرا

---

[1] حضرت ملا علی قاریؒ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں کہ امام طحاویؒ نے حضرت عبید اللہ بن محمد سے انھوں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی کہ جب فجر کے وقت حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ قبول ہوئی تو آپ نے (شکریہ کے طور پر) دو رکعت نماز ادا کی، اس طرح نمازِ فجر کی ابتدا ہوئی۔ اور ظہر کے وقت جب حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا ذبیحہ مینڈھے کی شکل میں قبول ہوا تو آپ نے ظہر کے وقت چار رکعت (شکریہ کے طور پر) ادا کیں، اس طرح نماز ظہر کی ابتدا ہوئی۔ اور جب حضرت عزیر علیہ السلام سو سال کے بعد زندہ ہوئے تو ان سے کہا گیا کہ کتنی دیر یہاں رہے؟ آپ نے کہا ایک دن پھر آپ نے سورج دیکھا تو فرمایا ایک دن یا اس سے کم، تو آپ نے چار رکعت عصر پڑھیں، اس طرح نماز عصر کی ابتدا ہوئی۔ اور حضرت داؤد علیہ السلام کی مغرب کے وقت توبہ قبول ہوئی تو آپ چار رکعت پڑھنے کے لئے کھڑے ہوئے لیکن شدت گریہ کی وجہ سے تین رکعت پڑھنے کے بعد تھک گئے، اس طرح مغرب کی تین رکعتیں قرار پائیں اور نمازِ عشا سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے ادا فرمائی۔ آپؐ سے پہلے کسی نے عشاء کی نماز نہیں پڑھی۔

خدائے منعم کی حمد اور احسان ہے کہ اس شریعت اور صاحبِ شریعت علیہ الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کے ساتھ آپ کا حُسنِ اعتقاد اور کامل یقین اچھی طرح مشاہدہ ہو چکا ہے اور نامناسب حرکات و افعال پر ہمیشہ آپ کو ندامت لاحق رہی ہے، حق سبحانہٗ وتعالیٰ اس میں اضافہ عطا فرمائے۔

دیگر التماس یہ ہے کہ حاملِ رقیمہ دعا میاں شیخ مصطفیٰ، قاضی شریح[۱] کی نسل سے ہیں، ان کے بزرگ اس ملک (ہندوستان) میں بڑی عزت کے ساتھ آئے تھے اور ذرائع معاش و وظائف بکثرت رکھتے تھے، مشارٌ الیہ معاش کی تنگی کی وجہ سے لشکر کی طرف متوجہ ہوا ہے اور سندات و فرمان نامے اپنے ہمراہ لایا ہے امیدوار ہے کہ آپ کے وسیلہ سے جمعیت حاصل کر لے زیادہ کیا تکلیف دوں۔ مشارٌ الیہ کی سفارش کسی طرح سے صدرِ اعظم کے پاس کر دیں کہ ان کا کام بن جائے اور پریشان حال والوں کی جمعیت کا باعث ہو۔ والسلام والاکرام۔

مکتوب ۸۰

بنام

مرزا فتح اللہ حکیم[۲] کی طرف صادر فرمایا ——— اس بیان میں کہ تہتر فرقوں میں سے فرقہ ناجیہ اہلِ سنت وجماعت کا گروہ ہے اور بدعتی فرقوں کی مذمت اور اس کے مناسب بیان میں۔

حق سبحانہٗ وتعالیٰ حضرت محمد مصطفیٰ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کی شریعت کے راستہ پر استقامت نصیب فرمائے۔ مصرعہ

کار این است غیر ایں ہمہ ہیچ (ترجمہ) کام اصلی ہے یہی اس کے سوا سب ہیچ ہے)

---

[۱] آپ کا نام قاضی شریح بن الحارث بن قیس کوفی نخعی قاضی ابوامیہ مخضرم ہے آپ ثقہ ہیں اور ۸۰ھ کے لگ بھگ وفات پائی اور ایک سو آٹھ (۱۰۸) سال یا اس سے زیادہ عمر پائی۔

[۲] میرزا فتح اللہ حکیم کے نام مکتوبات شریفہ میں تین مکتوب ہیں دفتر اول مکتوب ۸۰ - ۸۵ - ۲۰۲ - آپ حکیم مسیح الدین ابوالفتح کے بھائی حکیم لطف اللہ کے صاحبزادے تھے، بہت قابل اور صاحبِ حیثیت شخص تھے لیکن آپ نے جہانگیر کے مقابلہ میں خسرو (شاہجہاں) کی حمایت کی اور آصف خاں کے چچازاد بھائی نورالدینؒ مل کر یہ طے کر لیا کہ جیسے ہی موقع ملے خسرو کو قید سے نکال کر تخت پر بٹھا دیا جائے لیکن بعد میں جہانگیر کو اس سازش کا علم ہو گیا۔ نورالدین اور اس کے کئی ساتھی قتل کر دیئے گئے۔ حکیم فتح اللہ کی تشہیر کی گئی پھر اندھا کر دیا گیا۔ پھر آپ اپنے وطن شیراز چلے گئے اور وہیں وفات پائی۔ کلام اللہ کی تفسیر بھی لکھی تھی۔ (مآثر الامراء ج ۱ ص ۵۵۸، نزھۃ الخواطر ج ۵ ص ۳۰۳، تجلیات ربانی ص ۱۰۰)

(اگرچہ) تہتر[۷۳] فرقوں[1] میں سے ہر ایک فرقہ شریعت کی اتباع کا دعویٰ کرتا ہے اور اپنی نجات کا یقین رکھتا ہے (جیسا کہ آیتِ شریفہ) كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ (روم[۳۰] آیت ۳۲) (یعنی ہر گروہ اس پر خوش ہے جو اس کے پاس ہے) ان کے حال کے مطابق ہے، لیکن پیغمبرِ صادق علیہ من الصلوات افضلہا ومن التسلیمات اکملہا نے ان متعدد فرقوں میں سے ایک "ناجیہ" (نجات پانے والا) فرقے کی تمیز کے لئے جو دلیل بیان فرمائی ہے وہ یہ ہے:—

اَلَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى مَا اَنَا عَلَيْهِ وَاَصْحَابِيْ (یعنی فرقہ ناجیہ وہ ہے جو اس طریقہ پر ہو جس پر میں ہوں اور میرے اصحاب ہیں)۔ —— صاحبِ شریعت علیہ الصلوٰۃ والتحیۃ کا ذکر (کہ جس طریقے پر میں ہوں) کافی ہونے کے باوجود، اس مقام پر اصحابِ کرام کا ذکر اسی لئے ہو سکتا ہے تاکہ سب کو معلوم ہو جائے کہ "جو میرا طریقہ ہے وہی میرے اصحاب کا طریقہ ہے —— لہذا نجات کا طریقہ ان حضرات کے اتباع پر موقوف ہے جیسا کہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے فرمایا ہے: مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (نساء[۴] آیت ۸۰) (جس نے رسول کی اطاعت کی تو یقیناً اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی)۔ پس رسولؐ کی اطاعت درحقیقت اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے، اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم کی اطاعت کے خلاف کرنا سراسر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہے۔

رسول کی اطاعت درحقیقت اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔

جن لوگوں نے حق تعالیٰ وتقدس کی اطاعت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اطاعت کے خلاف تصور کیا ہے حق سبحانہٗ وتعالیٰ ان کے کفر کی اطلاع دیتا ہے اور ان پر کفر کا حکم لگاتا ہے چنانچہ فرماتا ہے: يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَّيُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ۝ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا ج (نساء[۴] آیت ۱۵۰ و ۱۵۱) (یعنی یہ لوگ ارادہ رکھتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسول کے درمیان فرق ڈالیں اور کہتے ہیں کہ ہم بعض آیتوں پر ایمان لاتے ہیں اور بعض کا انکار کرتے ہیں اور وہ چاہتے ہیں کہ اس کے درمیان کا راستہ اختیار کرلیں، یہی لوگ درحقیقت پکے کافر ہیں)۔

پس مذکورہ بالا صورت سے واضح ہو گیا کہ اصحابِ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے طریقے کی پیروی کئے بغیر آنسرورِ عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اتباع کا دعویٰ کرنا باطل اور جھوٹ ہے۔

---

[1] اس میں اس حدیث کی طرف اشارہ ہے جس کو ترمذی نے حضرت عبداللہ ابن عمروؓ سے روایت کیا ہے انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت پر بھی وہ دور آئے گا جو کہ بنی اسرائیل پر آیا تھا بالکل ویسا ہی آئیگا یہاں تک کہ اگر ان (بنی اسرائیل) میں سے کوئی ایسا ہو جس نے اپنی ماں کے ساتھ علانیہ بدکاری کی ہو تو میری امت میں بھی ایسا کوئی ہوگا جو اپنی ماں سے بدکاری کریگا۔ (نیز) بنی اسرائیل بہتر[۷۲] فرقوں میں بٹ گئے تھے اور میری امت تہتر[۷۳] فرقوں میں بٹ جائیگی اور ایک فرقے کے علاوہ سب کے سب جہنمی ہوں گے۔ آپؐ سے کہا گیا کہ وہ ایک فرقہ کونسا ہے یا رسول اللہ؟ آپؐ نے فرمایا کہ وہ ہے جس پر میں ہوں اور میرے اصحابؓ قائم ہیں (مشکوٰۃ)۔

بلکہ حقیقت میں وہ اتباع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عین نافرمانی ہے پس اس (صحابۂ کرامؓ سے) مخالفت کے طریقے میں نجات کی کیا گنجائش ہے۔ (حق سبحانہٗ وتعالیٰ کا ارشاد) وَيَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ عَلَىٰ شَيْءٍ ۚ أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ الْكَاذِبُونَ (سورہ مجادلہ آیت ۱۸) (اور یہ لوگ گمان کرتے ہیں کہ وہ کسی اچھی حالت (حقیقت) پر ہیں، خبردار ہو جائیے بیشک یہی لوگ بڑے ہی جھوٹے ہیں) ان کے حال کے مطابق ہے اور اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ وہ فرقہ جس نے آنسرور علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کے اصحاب کرام کی متابعت کو لازمی طور پر اختیار کیا ہے اہلِ سنت وجماعت ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی کوششوں کو مشکور فرمائے۔ پس یہی لوگ فرقۂ ناجیہ ہیں۔

اور کیونکہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحابِ کرام کو طعن کرنے والے لوگ خود اُن (صحابہ کرامؓ) کے اتباع سے محروم ہیں جیسا کہ شیعہ اور خارجی اور معتزلہ جو خود نیا پیدا شدہ مذہب رکھتے ہیں۔ ان (معتزلہ) کا سردار واصل[۱] بن عطا، حضرت امام حسن بصری رحمہ اللہ کے شاگردوں میں سے ہے جو ایمان[۲] اور کفر کے درمیان واسطہ ثابت کرنے کے باعث امام (موصوف) سے جدا ہو گیا اور امام نے اس کے بارے میں فرمایا اِعْتَزَلَ عَنَّا (ہم سے جدا ہو گیا)۔ باقی تمام فرقوں کو بھی اسی پر قیاس کر لیجئے۔

اور اصحاب کرامؓ کے حق میں طعن کرنا فی الحقیقت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں طعن کرنا ہے مَا اٰمَنَ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ مَنْ لَّمْ يُوَقِّرْ اَصْحَابَهٗ (جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کی عزت و تعظیم نہیں کی وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ایمان نہیں رکھتا) —— اس لئے کہ ان حضرات کے ساتھ خباثت کرنا ان کے صاحب (یعنی پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے ساتھ خباثت کرنا ہے، اللہ تعالیٰ ہم کو اس برے اعتقاد سے بچائے —— اور نیز جو شرعی احکام قرآن وحدیث کے واسطہ سے ہم تک پہنچے ہیں وہ سب انہی (صحابۂ کرامؓ) کی نقل وروایت کے وسیلے سے ہیں، جب وہ اصحاب کرامؓ مطعون ہوں گے تو ان کی نقلیں اور روایتیں بھی مطعون ہوں گی۔ اور یہ نقل وروایات ایسی نہیں کہ بعض کے سوا بعض کے ساتھ مخصوص ہوں بلکہ تمام اصحاب کرام عدالت (تقویٰ)، صدق اور (احکام شریعت کی) تبلیغ میں برابر ہیں۔ پس ان میں سے کسی ایک (صحابیؓ) کو بھی طعن وتشنیع کرنے سے دین میں طعن کرنا لازم آتا ہے، اللہ تعالیٰ

کسی صحابی کو مطعون کرنا دین کو مطعون کرنا ہے

۱؎ واصل بن عطا ۸۰ھ میں مدینہ میں پیدا ہوا اور ۱۳۱ھ میں وفات پائی، اس کی تصنیفات میں سے کتاب اصناف المرجئہ، کتاب التوبہ اور کتاب معانی القرآن ہیں اور یہ اہلِ جمل کی عدالت میں توقف کرتا تھا۔

۲؎ کیونکہ واصل بن عطا کہتا تھا کہ کبیرہ گناہ کا مرتکب، مؤمن نہیں ہے۔

اس سے بچائے ـــــــ اور اگر طعن لگانے والے یہ کہیں کہ ہم بھی اصحابِ کرامؓ کی متابعت کرتے ہیں (لیکن) یہ ضروری نہیں کہ ہم سب اصحاب کی متابعت کریں، بلکہ ان کے اجتہادوں کے متضاد اور ان کے مذہبوں کے مختلف ہونے کے باعث ان سب کی متابعت ممکن بھی نہیں ہے ـــــــ تو ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ بعض اصحاب کی متابعت اس وقت فائدہ مند ہو سکتی ہے جبکہ بعض دوسرے اصحاب کا انکار اس کے ساتھ شامل نہ ہو، ورنہ بعض اصحاب کا انکار کرنے کی صورت میں بعض دوسرے اصحاب کی متابعت ثابت نہیں ہوتی، کیونکہ مثلاً حضرتِ امیر (علی بن ابی طالبؓ) نے خلفائے ثلاثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی عزت و تکریم کی ہے اور ان کے مقتدا ہونے کی شان کو جانتے ہوئے ان سے بیعت کی ہے، پس خلفائے ثلٰثہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کا انکار کرنے کے باوجود حضرت امیر (علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی متابعت کا دعویٰ کرنا محض افترا و بہتان ہے بلکہ وہ (خلفائے ثلاثہ کا) انکار درحقیقت حضرت امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انکار ہے اور ان کے اقوال و افعال کا صریح رد ہے۔

حضرت علیؓ کے تقیہ کا احتمال غلط ہے

اور تقیہ[1] کے احتمال (شک) کو حضرت اسد اللہ (شیرِ خدا یعنی حضرت علی) رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں بیان کرنا بھی عقل کی کمی (بیوقوفی) کی وجہ سے ہے۔ صحیح عقل ہرگز اس بات کو جائز نہیں سمجھتی کہ حضرت اسد اللہ (شیرِ خدا) کمال معرفت و شجاعت کے باوجود خلفائے ثلاثہ کے بغض کو تیس سال تک (اپنے سینہ میں) پوشیدہ رکھیں اور ان کے خلاف کچھ ظاہر نہ کریں اور ان کے ساتھ منافقانہ صحبت رکھیں۔ اس قسم کا نفاق کسی ادنیٰ درجے کے مسلمان سے بھی تصور نہیں کیا جا سکتا ـــــــ اس فعل کی برائی کو معلوم کر لینا چاہیے کہ حضرت امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف کس قسم کی برائی اور کس طرح کا فریب و نفاق منسوب ہو جاتا ہے۔ اور اگر بفرضِ محال حضرت اسد اللہؓ کے حق میں تقیہ جائز بھی ہو تو حضرت پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم خلفائے ثلاثہ کی جو عزت و تعظیم کرتے تھے اور ابتدا سے انتہا تک ان کو بزرگ جانتے رہے ہیں، یہ لوگ اس کا کیا جواب دیں گے، وہاں تقیہ کی گنجائش نہیں ہے، حق بات کی تبلیغ پیغمبر پر واجب ہے، تقیہ کو وہاں داخل کرنا زندقہ (الحاد و کفر) تک پہنچا دیتا ہے۔

---

[1] تقیہ کے معنی ڈرنا اور خوف کرنا ہے اہل شیعہ کا عقیدہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خلفائے ثلاثہ کے ڈر سے ان کی بیعت کر لی تھی اور دل میں ان کی بیعت کو درست نہیں جانتے تھے بظاہر تمام کاموں میں ان کے ساتھ شامل رہتے اور نعوذ باللہ دل میں ان کو غلط کار و بے دین سمجھتے تھے اور اس عقیدہ کو تقیہ سے تعبیر کرتے اور تمام ائمہ و اہلِ بیت کے حق میں ان کے تقیہ کر لینے کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ نعوذ باللہ من ہذہ العقائد الشنیعۃ (مترجم)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یٰٓاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ؕ وَاللّٰهُ یَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ (سورہ مائدہ آیت ۶۷) (اے (اللہ کے) رسول! جو کچھ آپ کے رب کی طرف سے آپ پر نازل ہوا ہے اس کو (لوگوں تک) پہنچا دیجئے۔ اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو رسالت کا حق ادا نہ کیا اور اللہ آپ کو لوگوں (کے شر) سے محفوظ رکھے گا) ——— کفار کہا کرتے تھے کہ "محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس وحی کو جو اس کے موافق ہوتی ہے ظاہر کر دیتا ہے اور جو وحی اس کے خلاف ہوتی ہے اس کا اظہار نہیں کرتا (بلکہ) اس کو چھپا لیتا ہے" ——— اور یہ بات ثابت ہے کہ نبی کو خطا پر قائم رکھنا جائز نہیں ہے ورنہ اس کی شریعت میں خلل اور نقص پیدا ہو جاتا ہے، پس جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خلفائے ثلاثہ کی تعظیم و توقیر کے خلاف کچھ بھی ظاہر نہیں ہوا تو معلوم ہوا کہ ان (خلفائے ثلاثہ) کی تعظیم و توقیر کرنا خطا سے مامون اور زوال سے محفوظ تھی۔

اب ہم اصل بات کی طرف رُخ کرتے ہیں اور ان کے اعتراض کا جواب زیادہ صاف و واضح طریقہ پر دیتے ہیں کہ اصولِ دین میں تمام اصحابِ کرام کی متابعت لازم ہے، اور وہ (صحابہؓ) اصول کے اندر آپس میں ہرگز کوئی اختلاف نہیں رکھتے تھے، اگر (کچھ) اختلاف ہے بھی تو وہ صرف فروع میں ہے۔ اور جو شخص ان میں سے بعض (صحابہؓ) کو طعن کرتا ہے تو وہ سب کی متابعت سے محروم ہے ——— ہر چند اُن (اصحاب کرامؓ) کا کلمہ متفق ہے (یعنی اصولِ دین میں سب کے سب ایک ہی ہیں) لیکن بزرگانِ دین کے انکار کی بدبختی (دوسرے لوگوں کو) اختلاف میں ڈال دیتی ہے اور متفق ہونے سے خارج کر دیتی ہے۔ بلکہ قائل کا انکار اس کے کلام کے انکار تک پہنچا دیتا ہے ——— اور نیز شریعت کے پہنچانے والے سب کے سب اصحاب کرامؓ ہیں جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے: اِنَّ الصَّحَابَةَ کُلُّهُمْ عُدُوْلٌ (کیونکہ تمام صحابہ عادل (متقی) ہیں)۔ ہر ایک (صحابیؓ) سے کچھ نہ کچھ شریعت ہم تک پہنچی ہے اور اسی طرح قرآنِ کریم کو بھی ہر ایک (صحابیؓ) سے ایک آیت یا زیادہ آیتیں لیکر جمع کیا گیا ہے۔ لہٰذا کسی صحابی کا انکار کرنا اس کی تبلیغ کا اور اس سے منقول شدہ آیات کا انکار کرنا ہے۔ پس جب اس منکر کے حق میں پوری شریعت کا بجا لانا ناممکن ہوا تو اس کی نجات اور کامیابی کس طرح ہو سکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنْ یَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْیٌ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۚ وَیَوْمَ الْقِیٰمَةِ یُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ؕ (بقرہ آیت ۸۵)

(یعنی کیا تم کتاب کے بعض حصہ پر ایمان لاتے ہو اور بعض حصہ کا انکار کرتے ہو، پس تم میں سے جو لوگ ایسا کرتے ہیں ان کی جزا اس کے سوا اور کیا ہے کہ وہ دنیا میں ذلیل و خوار ہوں اور آخرت میں سخت عذاب کی طرف دھکیل دیئے جائیں) ـــــ

اس کے باوجود ہم کہتے ہیں کہ موجودہ قرآن مجید حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا جمع کیا ہوا ہے، بلکہ فی الحقیقت قرآن کریم کے جمع کرنے والے حضرت صدیق و حضرت فاروق رضی اللہ عنہما ہیں۔ حضرت امیر (علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کا جمع کیا ہوا قرآن اس قرآن کے علاوہ ہوگا۔ پس سوچنا چاہئے کہ ان بزرگوں کا انکار حقیقت میں قرآن کریم کے انکار تک پہنچاتا ہے عِیَاذًا بِاللّٰهِ سُبْحَانَہٗ (اللہ سبحانہٗ کی پناہ)۔

ایک شخص نے اہل شیعہ کے کسی مجتہد سے سوال کیا: "یہ قرآن مجید حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جمع کیا ہوا ہے آپ کا اس قرآن مجید کے متعلق کیا اعتقاد ہے؟" اس نے جواب دیا "میں اس کے انکار میں مصلحت نہیں دیکھتا، کیونکہ اس کے انکار سے تمام دین درہم برہم ہو جاتا ہے" ـــــ علاوہ ازیں عقلمند آدمی ہرگز کبھی اس کو جائز نہیں سمجھتا کہ آں سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب کرامؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے روز ہی باطل امر پر اجماع کر لیں ـــــ اور یہ بات بھی ثابت شدہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے دن آپؐ کے تینتیس ہزار (۳۳۰۰۰) اصحاب حاضر تھے اور انھوں نے اپنی رضا اور رغبت سے حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ (کے ہاتھ پر) بیعت کی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان سب اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کا گمراہی پر جمع ہونا محالات میں سے ہے۔ اور حالانکہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والتحیۃ نے فرمایا ہے: لَا تَجْتَمِعُ اُمَّتِیْ عَلَی الضَّلَالَۃِ[1] (میری امت کبھی گمراہی پر جمع نہیں ہوگی)۔

اور جو توقف ابتداء میں حضرت امیر (علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے واقع ہوا ہے وہ اس وجہ سے تھا کہ اس مشورہ میں حضرت امیرؓ کو نہیں بلایا گیا تھا چنانچہ حضرت امیر رضی اللہ عنہ نے خود فرمایا مَا غَضِبْنَا اِلَّا لِتَاَخُّرِنَا عَنِ الْمَشْوَرَۃِ وَاِنَّا لَنَعْلَمُ اَنَّ اَبَا بَکْرٍ خَیْرٌ مِّنَّا الخ[2] (ہم اس لئے ناراض ہوئے ہیں کہ ہم کو مشورہ میں نہیں بلایا گیا ورنہ یہ تو ہم بھی جانتے ہیں کہ بیشک ابوبکرؓ ہم سے بہتر ہیں)۔ اور ان (حضرت امیرؓ) کو مشورہ میں نہ بلانا بھی کسی مصلحت پر مبنی ہوگا۔ مثلاً اہل بیتِ نبویؐ کی تسلی کے لئے اس مصیبت کے اول صدمہ کے وقت میں حضرت امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ان کے پاس موجود ہونا وغیرہ ذالک۔

---

[1] امام سخاوی رحمۃ اللہ نے کہا کہ اس حدیث کا متن مشہور ہے اس کی اسناد کثیر ہیں اور اس کے مرفوع ہونے کے شواہد متعدد ہیں۔ مشکوٰۃ و ترمذی وغیرہ میں اختلاف الفاظ کے ساتھ یہ حدیث مذکور ہے۔

[2] ماخوذ عن تاریخ الخلفاء للسیوطی۔

اور وہ اختلافات جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب کرامؓ کے درمیان واقع ہوئے تھے وہ نفسانی خواہشات کی وجہ سے نہیں تھے کیونکہ ان کے پاکیزہ نفس تزکیہ حاصل کر چکے تھے اور امّارگی (کے درجے) سے نکل کر اطمینان (کے درجہ) تک پہنچ چکے تھے، ان کی تمام خواہشات شریعتِ مقدسہ کے تابع ہو چکی تھیں بلکہ وہ اختلافِ اجتہاد اور حق بلند کرنے پر مبنی تھا[۵۱] پس ان میں سے (اجتہادی) خطا کرنے والا بھی اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک درجہ رکھتا ہے اور صحیح اجتہاد کرنے والے کو تو دو درجے (دوہرا ثواب) حاصل ہوتے ہیں، پس اپنی زبان کو ان کی شان میں گستاخی کرنے سے روکنا چاہیئے اور ان سب کو نیکی سے یاد کرنا چاہیئے۔

امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے: تِلْكَ دِمَاءٌ طَهَّرَ اللّٰهُ عَنْهَا اَيْدِيَنَا فَلْنُطَهِّرْ عَنْهَا اَلْسِنَتَنَا (یہ وہ خون ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے ہمارے ہاتھوں کو پاک رکھا ہے پس ہمیں اپنی زبانوں کو ان سے پاک رکھنا چاہیئے)۔

— اور نیز امام شافعیؒ نے فرمایا ہے: اِضْطَرَّ النَّاسُ بَعْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ فَلَمْ يَجِدُوْا تَحْتَ اَدِيْمِ السَّمَآءِ خَيْرًا مِّنْ اَبِيْ بَكْرٍ فَوَلَّوْهُ رِقَابَهُمْ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (کی وفات) کے بعد لوگ بے چین ہو گئے پس انھوں نے آسمان کی چھت کے نیچے حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بہتر کسی کو نہ پایا تو اس کو اپنی گردنوں کا والی بنا لیا (یعنی ان کو خلیفہ مقرر کر لیا اور ان کی اطاعت کو لازم جانا) — یہ قول (حضرت امیرؓ کے تقیہ) کی نفی اور حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیعت پر حضرت امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رضامندی کی صراحت کرتا ہے۔

باقی مقصود یہ ہے کہ میاں بیدن ولد میاں شیخ ابو الخیر بزرگ خاندان سے ہے، آپ کی معیت میں دکن کے سفر پر بھی گیا تھا آپ کی عنایت و توجہ کا امیدوار ہے اور نیز مولانا محمد عارف طالب علم اور بزرگ زادہ ہے اس کا باپ بڑا عالم تھا مدد معاش کی غرض سے حاضر ہوا ہے اور آپ کی توجہ کا امیدوار ہے، والسلام والاکرام۔

مکتوب ۸۱

ہشتاد و یکم

لالہ بیگ[۵۲] کی طرف صادر فرمایا — اسلام کی ترویج پر ترغیب دینے اور اسلام و مسلمانوں کی کمزوری و پستی اور کفار نا ہنجار کے غلبہ کے بیان میں۔

---

[۵۱] اس حدیث کی طرف اشارہ ہے جو اس بارے میں وارد ہوئی ہے وہ یہ ہے: عن عبد اللہ بن عمرو ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہم قالا قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اذا حکم الحاکم فاجتھد واصاب فلہ اجران واذا حکم فاجتھد واخطأ فلہ اجر واحد متفق علیہ (مشکوٰۃ) — [۵۲] لالہ بیگ کے نام صرف یہی ایک مکتوب ہے۔ آپ اکبر بادشاہ کے لڑکے سلطان مراد کے بخشی تھے، بہار کے گورنر بھی رہے۔ آپ نے صوفیاء کا ایک مبسوط تذکرہ "ثمرات القدس من شجرات الانس" کے نام سے لکھا ہے۔ (برحاشیہ مآثر الامراء ج ۲ ص ۳۸۶) سنہ ۱۰۱۶ھ میں بنگالہ میں فوت ہوئے (تجلیات ربانی بحوالہ تاریخ محمدی قلمی)

زَادَنَا اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَاِیَّاکُمْ حَمِیَّۃَ الْاِسْلَامِ (اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہمارے اور آپ کے اندر اسلامی غیرت و حمیت میں ترقی عطا فرمائے ــــــ تقریباً ایک صدی سے اسلام پر اس قسم کی غربت چھا گئی ہے کہ کفار اسلامی شہروں میں کھلم کھلا کفر کے احکام ہی جاری کرنے پر راضی نہیں ہوتے بلکہ چاہتے ہیں کہ اسلامی احکام بالکل ہی ختم ہو جائیں اور اسلام و اہل کا کوئی نشان نظر نہ آئے۔ اور نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ اگر کوئی مسلمان کسی اسلامی شعار کا اظہار کرتا ہے تو قتل کر دیا جاتا ہے۔ ذبیحۂ گاؤ جو کہ ہندوستان میں اسلام کا ایک بہت بڑا شعار ہے (ختم ہو چکا ہے)، کفار جزیہ دینے پر تو شاید راضی ہو جائیں لیکن گائے کے ذبح کرنے پر ہرگز راضی نہیں ہوں گے۔ (اب چونکہ جہانگیر کی سلطنت کا آغاز ہے) ابتدا ء بادشاہت کے زمانے میں اگر اسلامی عقائد نے رواج پالیا اور مسلمانوں نے کچھ حیثیت حاصل کر لی تو بہتر ہے ورنہ نعوذ باللہ اگر یہ کام توقف میں جا پڑا تو مسلمانوں پر کام بہت مشکل ہو جائے گا۔ الغیاث الغیاث ثم الغیاث الغیاث (فریاد ہے فریاد ہے اور پھر فریاد ہے فریاد ہے)۔ دیکھئے کون صاحبِ نصیب اس سعادت کو حاصل کرتا ہے اور کون شاہین (بہادر) اس دولت کو اُچک کر لیجاتا ہے۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ (سورۂ جمعہ آیت ۴ پ ۶۲) (یعنی یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے وہ جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے ہی فضل والا ہے) ــــــ ثَبَّتَنَا اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَاِیَّاکُمْ عَلٰی مُتَابَعَۃِ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ عَلَیْہِ وَعَلَیْہِمْ وَعَلٰی اٰلِہٖ مِنَ الصَّلَوَاتِ اَفْضَلُھَا وَمِنَ التَّسْلِیْمَاتِ اَکْمَلُھَا (اللہ تعالیٰ ہم کو اور آپ کو سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت پر ثابت قدم رکھے) وَالسَّلَامُ

مکتوب ۸۲
ہشتاد و دوم

سکندر خاں لودی[1] کی طرف صادر فرمایا ــــــ اس بیان میں کہ قلب کی سلامتی ماسوی اللہ کے نسیان (نفی) کے بغیر حاصل نہیں ہوتی اور یہ نسیان فنا سے تعبیر کیا گیا ہے۔

حق سبحانہ وتعالیٰ حضرت سید البشر علیہ وعلی آلہ الصلوات والتسلیمات کے طفیل جو کہ کجی چشم سے پاک ہیں ہمیشہ اپنے ساتھ رکھے اور اپنے سوا کسی اور کے ساتھ نہ چھوڑے ــــــ جو کچھ ہم پر اور

[1] سکندر خاں لودی کے نام مکتوباتِ شریفہ میں صرف دو مکتوبات ہیں یعنی دفتر اول مکتوب ۸۲ و ۹۳۔ مزید حالات معلوم نہ ہو سکے۔

آپ پر لازم ہے وہ حق تعالیٰ کے ماسوا ہر چیز سے دل کو سلامت رکھنا ہے اور یہ (دل کی) سلامتی اس وقت حاصل ہوتی ہے جبکہ دل پر ماسوی اللہ کا کچھ بھی گذر نہ رہے، اور غیر اللہ کا دل پر نہ گذرنا ماسوی اللہ کے نسیان یعنی بھول جانے پر وابستہ ہے جس کو اس بلند مرتبہ کے نزدیک فنا سے تعبیر کیا گیا ہے، اگر بالفرض غیر اللہ کو تکلف کے ساتھ بھی دل میں گذاریں تب بھی ہر گز نہ گذرے اور جب تک کام اس درجہ تک نہ پہنچے (دل کی) سلامتی محال ہے، آج (اس زمانہ میں) یہ نسبت کوہِ قاف کے عنقا[1] کی طرح نایاب ہے بلکہ اگر بیان کی جائے تو لوگ یقین نہ کریں،

؎ هَنِيئًا لِأَرْبَابِ النَّعِيمِ نَعِيمُهَا وَلِلْعَاشِقِ الْمِسْكِينِ مَا يَتَجَرَّعُ

مبارک نعمتیں جنّت کی ہوں اربابِ جنّت کو مبارک جرعہ نوشی غم کی ہو بیمارِ الفت کو

اس سے زیادہ کیا لکھا جائے، والسلام اولاً و آخراً (اول و آخر سلام ہو)

مکتوب ۸۳

ہشتاد و سیوم

بہادر خاں[2] کی طرف صادر فرمایا ——— ظاہری اور باطنی جمعیت کو شریعت و حقیقت کے ساتھ جمع کرنے پر ترغیب دینے کے بارے میں۔

حق سبحانہٗ و تعالیٰ حضرت سید المرسلین علیہ و علیٰ آلہٖ و علیہم من الصلوات افضلہا و من التسلیمات اکملہا کے طفیل مختلف تعلقات سے نجات عطا فرما کر پوری طرح اپنی پاک بارگاہ کا گرفتار بنائے ؎

ہر چہ جز عشقِ خدائے احسن است گر شکر خوردن بود جاں کندن است

(ترجمہ) بجز عشقِ خدا جو کچھ بھی ہو کتنا ہی احسن ہے اگرچہ ہو وہ شیرینی ولیکن جان کندن ہے

اپنے ظاہر کو روشن شریعت کے ظاہر کے ساتھ آراستہ کرنا اور اپنے باطن کو ہمیشہ حق تعالیٰ جل شانہٗ کے ساتھ رکھنا بہت بڑا کام ہے، دیکھئے کس صاحبِ نصیب کو ان دو بڑی نعمتوں سے مشرف فرماتے ہیں

---

[1] عنقا بالفتح ایک پرندہ ہے جس کی گردن لمبی ہوتی ہے، بعض کے نزدیک یہ فرضی جانور ہے کہ کسی نے اس کو نہیں دیکھا اور قاف ایک پہاڑ کا نام ہے جو تمام دنیا کے گرداگرد واقع ہے اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ وہ زمرد کا پہاڑ ہے۔

[2] مکتوبات شریفہ میں بہادر خاں کے نام صرف یہی ایک مکتوب ہے۔ آپ کا نام ابو النبی تھا، توران کے بزرگ زادوں میں سے ہیں عبد المومن خاں کے زمانے میں مشہد کے حکمران رہے، اس کے انتقال کے بعد ہندوستان آئے، اکبر نے مناسب عہدہ دیا۔ جہانگیر نے تین ہزار کے منصب اور "بہادر خاں" کے خطاب سے سرفراز کیا۔ (مآثر الامراء ج ۱ ص ۳۹۸)۔

آج (اس زمانے میں) ان دو نسبتوں کا جمع کرنا بلکہ صرف ظاہر شریعت پر ہی استقامت حاصل کرنا بہت کم پایا جاتا ہے، سرخ گندھک[۱] (اکسیر) سے بھی زیادہ نایاب ہے ـــــ حق سبحانہٗ وتعالیٰ اپنی کمال مہربانی سے ظاہر و باطن میں سید الاولین والآخرین علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کی متابعت پر استقامت مرحمت فرمائے۔

مکتوب ۸۴

ہشتاد و چہارم

سید احمد قادری[۲] کی طرف صادر فرمایا ـــــ اس بیان میں کہ شریعت و حقیقت ایک دوسرے کا عین ہیں اور مرتبۂ حق الیقین تک پہنچنے کی علامت اس مقام کے علوم و معارف کا علوم و معارف شرعیہ کے ساتھ مطابق ہونا ہے اور اس کے مناسب بیان میں۔

حق سبحانہٗ وتعالیٰ اپنے حبیبِ پاک سید البشر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل جو کہ کجی چشم سے پاک ہیں شریعت کے راستہ پر استقامت عطا فرمائے اور ہماری ساری ہمت کو اپنی پاک بارگاہ کی طرف متوجہ فرما کر کامل طور پر ہمیں اپنے آپ سے دور کردے اور اپنے ماسوا سے کلی طور پر روگردانی نصیب فرمائے۔

مصرعہ: از ہر چہ میرود سخنِ دوست خوش تراست (ترجمہ) بیان محبوب کی باتوں کا ہو جو کچھ بھی احسن ہے

ہر چند جو کچھ دوست کی نسبت کہا جاتا ہے اگرچہ وہ اس کا سخن نہیں ہے لیکن چونکہ اس سخن کو حق تعالیٰ و تقدس کی بارگاہ کے ساتھ ایک قسم کی مناسبت ثابت ہے اس لئے اس مناسب معنی کو غنیمت جان کر (یہ عاجز) اس بارے میں جرأت اور زبان درازی کرتا ہے۔

مقصود یہ ہے کہ شریعت و حقیقت ایک دوسرے کا عین ہیں اور حقیقت میں ایک دوسرے سے الگ اور جدا نہیں ہیں، فرق صرف اجمال و تفصیل اور استدلال و کشف اور غیبت و شہادت اور تعمّل (تکلف سے کرنا) و عدم تعمل (بلا تکلف کرنا) کرتا ہے (یعنی شریعت اجمال و استدلال و غیبت و تعمل ہے اور حقیقت تفصیل و کشف و شہادت و عدم تعمل ہے) ـــــ جو احکام و علوم روشن شریعت کے

---

[۱] سرخ گندھک سے مراد اکسیر ہے کیونکہ اکسیر اسی سے بنائی جاتی ہے اور یا اکسیر طلا (سونے) کا جُزِ اعظم ہے اور سرخ گندھک نہایت کمیاب ہے (غیاث)۔

[۲] سید احمد قادری کے نام صرف یہی ایک مکتوب ہے۔ آپ جہانگیر بادشاہ کے عہد میں صدارت کل کے عہدے پر فائز تھے (مآثر الامراء ج ۲ ص ۴۵۹)۔

مطابق ظاہر اور معلوم ہوئے ہیں، حق الیقین کی حقیقت ثابت ہونے کے بعد یہی احکام و علوم بعینہما تفصیل کے ساتھ منکشف ہو جاتے ہیں اور غیبت سے شہادت میں آجاتے ہیں اور کسب کی مشقت اور عمل کا تکلف درمیان سے اُٹھ جاتا ہے اور حق الیقین کی حقیقت تک پہنچنے کی علامت اس مقام کے علوم و معارف کا شرعی علوم و معارف کے ساتھ مطابق ہونا ہے اور جب تک بال برابر بھی مخالفت ہے حقائق کی حقیقت تک نہ پہنچنے کی دلیل ہے اور مشائخ طریقت میں سے جس کسی سے بھی علم و عمل میں جو امر شریعت کے خلاف واقع ہوا ہے وہ سُکرِ وقت پر مبنی ہے اور سُکرِ وقت اس راستہ کے دوران میں ہی واقع ہوتا ہے نہایت النہایت کے منتہیوں کے لئے سب صحو ہے، وقت ان کا مغلوب اور حال[۱] و مقام ان کے کمال کا تابع ہے۔

بیت
صوفی ابن الوقت آمد در مثال[۲]	لیک صافی فارغ است از وقت و حال[ع]

پس ثابت ہو گیا کہ شریعت کے خلاف (امر کا صادر ہونا) حقیقتِ کار تک نہ پہنچنے کی علامت ہے ــــــ بعض مشائخ کی عبارت میں جو واقع ہوا ہے کہ "شریعت حقیقت کا پوست اور حقیقت شریعت کا مغز ہے"۔ ــــــ یہ عبارت اگرچہ اس کلام کے کہنے والے کی بے استقامتی کو ظاہر کرتی ہے لیکن ہو سکتا ہے کہ اس کی مراد یہ ہو کہ مجمل کو مفصل کے ساتھ وہی نسبت ہے جو پوست کو مغز کے ساتھ ہے، اور استدلال کشف کے مقابلہ میں ایسا ہے جیسا کہ مغز کے مقابلے میں پوست، لیکن مستقیم الاحوال بزرگ اس قسم کی وہم پیدا کرنے والی عبارتیں استعمال کرنا پسند نہیں کرتے اور اجمال و تفصیل و استدلال و کشف کے سوا اور فرق بیان نہیں کرتے۔

ایک شخص نے حضرت خواجہ نقشبند قدس اللہ تعالیٰ سرہ الاقدس سے سوال کیا کہ "سیر و سلوک سے مقصود کیا ہے"؟ آپ نے فرمایا "تاکہ اجمالی معرفت تفصیلی ہو جائے اور استدلالی کشفی ہو جائے"۔ رَزَقَنَا اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ الثَّبَاتَ وَالْاِسْتِقَامَۃَ عَلَی الشَّرِیْعَۃِ عِلْمًا وَّعَمَلًا صَلَوَاتُ اللّٰہِ تَعَالٰی وَسَلَامُہٗ عَلٰی صَاحِبِھَا (اللہ تعالیٰ ہم کو علمی و عملی طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت پر استقامت و ثابت قدمی نصیب فرمائے)۔

باقی یہ تکلیف دی جاتی ہے کہ حامل رقیمۂ دعا شیخ مصطفےٰ شُرَیحی قاضی شُریح[۳] کی اولاد سے ہے

[۱] حال و مقام اُن واردات کو کہتے ہیں جو سالک کے دل پر نازل ہوتے ہیں لیکن ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ حال کو استقرار نہیں ہے بلکہ بدلتا رہتا ہے اور مقام کو استقرار ہوتا ہے جبتک اس کے آگے کا مقام حاصل نہ ہو اس مقام میں سالک کو قرار رہتا ہے ــــــ [۲] صوفی ابن الوقت ہوتا ہے یعنی تابعِ وقت و حال ہوتا ہے جیسا کہ بیٹا باپ کے تابع ہوتا ہے پس اس قسم کا صوفی وقت و حال کا مغلوب ہوتا ہے۔ اور صافی وہ ہے جو کہ وقت اور حال سے فارغ ہے بلکہ وہ ابوالوقت ہوتا ہے کیونکہ وہ وقت اور حال پر غالب ہوتا ہے ــــــ [۳] شُریح ابن حارث بن قیس کوفی نخعی ابو امیہ رحمہ اللہ۔

[ع] ترجمہ (وقت کا تابع ہے صوفی سالکیں ؛ صافی ہے بے نیاز وقت و حال)

ان کے باپ دادا بزرگ تھے، وظائف اور ذرائع معاش بہت رکھتے تھے مشارٌ الیہ (مذکورالصدر) اسباب معاش نہ ہونے کی وجہ سے پریشان ہے، سندات اور حکم نامے ہمراہ لیکر لشکر کی طرف متوجہ ہوا ہے، خیال فرما کر اس طرح اس کے حال پر توجہ فرمائیں کہ اس کے لئے جمعیت حاصل ہونے کا سبب ہو جائے اور وہ پریشانی اور پراگندگی سے نجات پائے، زیادہ کیا تکلیف دی جائے۔

مکتوب ۸۵

ہشتاد و پنجم

میرزا فتح اللہ حکیم[ع] کی طرف صادر فرمایا ——— اعمالِ صالحہ کے بجالانے خصوصاً (فرض) نمازوں کو جماعت کے ساتھ ادا کرنے کی ترغیب میں اور اس کے مناسب بیان میں۔

وَفَّقَكُمُ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ لِمَرْضِيَّاتِهٖ (حق تعالیٰ سبحانہٗ آپ کو اپنے پسندیدہ کاموں کی توفیق عطا فرمائے) آدمی کے لئے جس طرح اعتقادات درست کرنے سے چارہ نہیں ہے اسی طرح اعمالِ صالحہ کے بجالانے کی بھی چارہ نہیں ہے اور عبادتوں میں سب سے جامع عبادت اور طاعتوں میں سب سے زیادہ قرب والی طاعت نماز کا ادا کرنا ہے ——— حضور انور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: اَلصَّلٰوۃُ عِمَادُ الدِّیْنِ[ل] فَمَنْ اَقَامَھَا فَقَدْ اَقَامَ الدِّیْنَ وَمَنْ تَرَکَھَا فَقَدْ ھَدَمَ الدِّیْنَ (یعنی نماز دین کا ستون ہے جس نے اس کو قائم کیا اس نے اپنے دین کو قائم کیا اور جس نے اس کو ترک کیا اس نے دین کو گرا دیا) ——— اور جس شخص کو ہمیشہ پابندی سے نماز ادا کرنے کی توفیق عنایت فرماتے ہیں اس کو برائیوں اور خلافِ شرع کاموں سے بھی باز رکھتے ہیں، آیتِ کریمہ اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ (بیشک نماز برائیوں اور خلافِ شرع کاموں سے روکتی ہے) (عنکبوت ۲۹ آیت ۴۵) اس بات کی تائید کرتی ہے۔ اور جو نماز ایسی نہیں ہے وہ نماز کی صرف صورت ہے (نماز کی) حقیقت نہیں ہے۔ لیکن حقیقتِ نماز کے حاصل ہونے تک، صورت کو بھی نہیں چھوڑنا چاہئے۔ مَا لَا یُدْرَکُ کُلُّهٗ لَا یُتْرَکُ کُلُّهٗ (جو چیز پوری حاصل نہ ہو سکے اس کو

[ل] اس حدیث کو دیلمی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اور بیہقی نے شعب الایمان میں مرفوعاً روایت کیا ہے، ثم ان الذی خرجہ البیہقی ھی الجملۃ الاولی یعنی الصلوۃ عماد الدین فقط، واما قولہ فمن ترکھا فقد ورد بطرق متعددۃ وبالفاظ مختلفۃ اور ھا شارح الاحیاء۔

[ع] میرزا فتح اللہ حکیم کا مختصر تذکرہ دفتر اول کے مکتوب ۸۰ کے حاشیہ پر بلاحظہ فرمائیں۔

بالکل ترک بھی نہیں کرنا چاہیے یعنی جسقدر مل سکے حاصل کرلے)۔ اکرم الاکرمین (حق سبحانہٗ وتعالیٰ) اگر نماز کی صورت کو نماز کی حقیقت کے درجہ میں اعتبار کرلے تو کچھ بعید نہیں ہے ــــــــ پس آپ پر واجب ہے کہ تمام (فرض) نمازوں کو خشوع وخضوع کے ساتھ جماعت سے ادا کریں کیونکہ یہی نجات وکامیابی کا ذریعہ ہے، حق سبحانہٗ وتعالیٰ کا ارشاد ہے: قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۙ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ۙ (المؤمنون آیت ۱و۲) (بیشک ایمان والے لوگوں نے کامیابی حاصل کی جو اپنی نماز میں خشوع وعاجزی کرنے والے ہیں)۔

کام وہی ہے جو اپنے آپ کو خطرہ میں ڈالتے ہوئے کیا جائے، دشمن کے غلبہ کے وقت سپاہی اگر تھوڑی سی جدوجہد بھی کرے تو بڑا اعتبار پیدا کرلیتا ہے ــــــــ جوانوں کی نیکی[1] بھی اسی وجہ سے زیادہ معتبر ہوتی ہے کہ انھوں نے خواہشِ نفسانی کے غلبہ کے باوجود اپنے آپ کو نیکی میں مشغول کیا ہوا ہے، اصحابِ کہف نے اس قدر بزرگی (جو اُن کو حاصل ہے) دین کے مخالف (اپنے وقت کے کافر بادشاہ) سے ہجرت کرنے کی بنا پر حاصل کی ہے ــــــــ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث شریف میں آیا ہے: عِبَادَةٌ فِی الْهَرْجِ کَهِجْرَةٍ اِلَیَّ[2] (ہرج (فتنہ) کے وقت میں عبادت کرنا ایسا ہے جیسا کہ میری طرف ہجرت کرنا) ــــــــ پس عبادت سے روکنے والی چیز حقیقت میں عین عبادت کا باعث ہے ــ اس سے زیادہ کیا لکھا جائے۔

میرے فرزند شیخ بہاؤالدین کو فقراء کی صحبت پسند نہیں آتی، دولتمندوں اور منعموں کی طرف مائل و راغب ہے، وہ نہیں جانتا کہ ان کی صحبت زہرِ قاتل ہے اور ان کے مرغن لقمے ظلمت کو بڑھانے والے ہیں، الحذر الحذر ثم الحذر الحذر (ان سے بچو بچو، پھر بچو بچو) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحیح حدیث وارد ہے: مَنْ تَوَاضَعَ لِغَنِیٍّ لِغِنَاهُ ذَهَبَ ثُلُثَا دِیْنِهٖ[3] فَوَیْلٌ لِمَنْ تَوَاضَعَهُمْ لِغِنَاهُمْ (جس شخص نے کسی دولت مند کی اس کی دولت کی وجہ سے تواضع کی اس کے دین کا دو تہائی حصہ تباہ ہوگیا پس افسوس ہے جس نے دولتمندوں کی ان کی دولتمندی کی وجہ سے تواضع کی)۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ الْمُوَفِّقُ (اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ (ان کی تواضع سے بچنے کی) توفیق بخشنے والا ہے)۔

---

[1] بخاری ومسلم کی حدیث میں وارد ہے کہ شابٌ نشأ فی عبادۃ اللہ

[2] رواہ مسلم والترمذی وابن ماجہ عن معقل بن یسار ــــ [3] رواہ البیہقی فی الشعب والخطیب عن ابن مسعود بلفظ من دخل علی غنی فتضعضع لہ ذھب ثلثا دینہ واخراج الدیلمی عن حدیث ابن ابی ذرؓ لعن اللہ فقیراً تواضع لغنی من اجل مالہ من فعل ذلک منھم فقد ذھب ثلثا دینہ قال السیوطی ولم یصب ابن الجوزی فی ایرادہ فی الموضوعات۔

مکتوب ۸۶
ہشتاد و ششم

پرگنہ جرک کے ایک حاکم کی طرف صادر فرمایا ــــ حق تعالیٰ کے ماسوا سے دل کو سلامت رکھنے کے بیان میں۔

حق سبحانہٗ وتعالیٰ سید المرسلین علیہ وعلیٰ آلہٖ وعلیہم من الصلوات افضلہا ومن التحیات والتسلیمات اکملہا کے طفیل حدِ اعتدال اور مرکزِ عدالت (مساوات) پر استقامت مرحمت فرمائے ــــ جو کچھ ہم پر اور آپ پر لازم ہے وہ ماسوائے حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی گرفتاری سے دل کو سلامت رکھنا ہے اور یہ سلامتی اس وقت حاصل ہوتی ہے جبکہ ماسوی اللہ کا دل پر کچھ بھی گذر نہ رہے۔ اگر بالفرض ہزار سال تک زندگی وفا کرے تب بھی اس نسیان کے باعث جو دل کو ماسوی اللہ سے حاصل ہو چکا ہے دل پر غیر اللہ کا گذر نہ ہو۔

مصرؔ کار اینست وغیر ایں ہمہ ہیچ (ترجمہ) کام اصلی ہے یہی اس کے سوا سب ہیچ ہے

ملاقات کے وقت از روئے کرم آپ نے فرمایا تھا کہ اگر کوئی مہم اور ضروری کام پیش آجائے تو ہمیں لکھ دینا۔ اسی بنا پر آپ کو تکلیف دی جاتی ہے کہ شیخ عبداللہ صوفی نیک آدمی ہیں بعض ضروریات کی وجہ سے قرضدار ہو گیا ہے، امید ہے کہ قرض سے سبکدوش ہونے میں اس کی مدد فرمائیں گے، والسلام

مکتوب ۸۷
ہشتاد و ہفتم

پہلوان محمود[1] کی طرف صادر فرمایا ــــ اس بیان میں کہ یہ کتنی بڑی سعادت ہے کہ خدائے عزوجل کے دوست کسی کو میسر آئیں

سَلَّمَکُمُ اللّٰہُ تَعَالٰی وَثَبَّتَکُمْ عَلٰی جَادَّۃِ الشَّرِیْعَۃِ عَلٰی صَاحِبِہَا الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ وَالتَّحِیَّۃُ (اللہ تعالیٰ آپ کو سلامت رکھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت کے راستہ پر ثابت قدمی نصیب فرمائے) ــــ آپ کے خاندان کے لئے سب سے پہلی خوشخبری یہاں شیخ مزمل[2] کا آنا ہے ان کی صحبت کی برکتیں کیا بیان کی جائیں، یہ کتنی بڑی سعادت ہے کہ حق تعالیٰ عزوجل کے دوست کسی

---

[1] پہلوان محمود کے نام مکتوبات میں تین مکتوب ہیں دفتر اول مکتوب ۸۷، ۸۸، ۱۹۷۔ حالات معلوم نہ ہو سکے۔
[2] شیخ مزمل کے مختصر حالات اور مکتوبات کی تفصیل دفتر اول کے مکتوب ۱۵۳ کے حاشیہ پر ملاحظہ ہوں

شخص کو قبول کرلیں، چہ جائیکہ اس کو محبت و قُربت سے ممتاز فرمائیں، ھُمْ قَوْمٌ لَّا یَشْقٰی جَلِیْسُھُمْ[1]
(یہ وہ لوگ ہیں جن کا ہمنشین کبھی بد نصیب نہیں ہوتا) ـــــ غرضکہ اُن کی صحبت کو غنیمت جانیں اور آدابِ
صحبت کو مدِنظر رکھیں تاکہ تاثیر پیدا ہو، زیادہ کیا لکھے ۔ والسلام اولاً و آخراً۔

مکتوب ۸۸
ہشتاد و ہشتم

یہ مکتوب بھی پہلوان محمود کی طرف صادر فرمایا ـــــ اس بیان میں کہ یہ کتنی بڑی نعمت ہے کہ
کسی شخص نے ایمان و نیکی کے ساتھ اپنے سیاہ بالوں کو سفید کیا ہو (یعنی ایمان و نیکی کے ساتھ جوان سے
بوڑھا ہوا ہو) اور جوانی میں اس پر خوف غالب رہا ہو اور بڑھاپا امید و رجا میں گذرا ہو۔

حق سبحانہٗ و تعالیٰ ہمیشہ اپنے ساتھ رکھے ـــــ یہ کتنی بڑی نعمت ہے کہ کوئی شخص ایمان اور
نیکی کے ساتھ اپنے سیاہ بالوں کو سفید کرے (یعنی ایمان و نیکی کے ساتھ جوان سے بوڑھا ہوا ہو) حضور نبی کریم
صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی حدیث شریف میں ہے: مَنْ شَابَ شَیْبَۃً فِی الْاِسْلَامِ غُفِرَ لَہٗ[2] (جو شخص اسلام
کی حالت میں بوڑھا ہوا اس کو بخش دیا گیا) ۔ امید کی جانب ترجیح اور مغفرت کا گمان غالب رکھیں کیونکہ
جوانی میں خوف زیادہ درکار ہے اور بڑھاپے میں رجا (امید) زیادہ غالب ہونی چاہئے ۔ والسلام اولاً و آخراً۔

مکتوب ۸۹
ہشتاد و نہم

میرزا علی جان[3] کی طرف تعزیت کے سلسلہ میں صادر فرمایا۔

حق سبحانہٗ و تعالیٰ شریعتِ مقدسہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کے راستہ پر استقامت نصیب
فرمائے ۔ (آیت شریفہ) کُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَۃُ الْمَوْتِ (آل عمران ۳ آیت ۱۸۵) (ہر نفس (جاندار) کو موت کا مزا چکھنا ہے)
کے حکم کے مطابق آدمی کو موت سے بچنا ناممکن ہے۔ فَطُوْبٰی لِمَنْ طَالَ عُمْرُہٗ وَکَثُرَ عَمَلُہٗ[4] (پس اس

---

[1] بخاری اور مسلم نے الفاظ کے معمولی اختلاف سے اس کو روایت کیا لیکن معنی دونوں کے ایک ہی ہیں ۔
[2] ابوداؤد بروایت عمرو بن شعیب اور ترمذی و نسائی میں بروایت کعب بن مرہ بالفاظ مختلفہ ۔
[3] میرزا علی جان کے نام صرف یہی ایک مکتوب ہے اور حالات بھی معلوم نہ ہوسکے ۔ [4] برصفحۂ آئندہ

شخص کے لئے خوشخبری ہے جس کی عمر لمبی ہوئی اور اس کے نیک عمل بکثرت ہوئے)۔ یہ موت ہی ہے جس سے اللہ تعالیٰ کے مشتاق لوگوں کو تسلی دیتے ہیں، اور ایک دوست کے دوسرے دوست تک پہنچنے کا وسیلہ بناتے ہیں۔ مَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ اللّٰهِ فَإِنَّ أَجَلَ اللّٰهِ لَآتٍ (عنکبوت آیت ۵، ۲۹) (جو شخص اللہ تعالیٰ کے ملنے کی امید رکھتا ہو تو بیشک اللہ تعالیٰ کا وعدہ آنے والا ہے)۔ ہاں دنیا میں باقی رہنے والوں اور جو دنیا میں (موت کے سبب) نہ وصولِ حق کی دولت حاصل کرسکے اور نہ دنیا کے جھگڑوں سے آزادی حاصل کرسکے ان کا حال خراب و ابتر ہے ـــــ آپ کے ولی نعمت مرحوم (کا وجود) اس زمانے میں بہت غنیمت تھا، اب آپ پر لازم ہے کہ احسان کا بدلہ احسان کے ساتھ ادا کریں اور دعا و صدقہ سے ہر وقت اُن کی مدد کریں۔ فَإِنَّ الْمَيِّتَ كَالْغَرِيْقِ يَنْتَظِرُ دَعْوَةً تَلْحَقُهُ مِنْ أَبٍ أَوْ أُمٍّ أَوْ أَخٍ أَوْ صَدِيْقٍ (یعنی پس بیشک میت ڈوبنے والے کی طرح ہوتی ہے اور اس دعا کی منتظر رہتی ہے جو اُسے باپ، یا ماں یا بھائی یا دوست کی طرف سے پہنچتی ہے)۔

اور نیز چاہئے کہ ان کی موت سے اپنی موت کے لئے عبرت حاصل کریں، اور اپنے آپ کو کامل طور پر حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی مرضیات کے سپرد کردیں، اور دنیا کی زندگی کو دھوکے اور فریب کے سامان کے علاوہ کچھ نہ سمجھیں۔ اگر دنیا کے عیش و آرام کی ذرا سی بھی قدر و قیمت ہوتی تو کفار بدکردار کو (دنیا کے مال و اسباب میں سے) بال برابر بھی کوئی چیز نہ دی جاتی ـــــ رَزَقَنَا اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَإِيَّاكُمُ الْإِعْرَاضَ عَنْ مَّا سِوَى اللّٰهِ سُبْحَانَهٗ وَالْإِقْبَالَ إِلٰى جَنَابِ قُدْسِهٖ بِحُرْمَةِ سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَعَلَيْهِمْ مِنَ الصَّلَوَاتِ أَفْضَلُهَا وَمِنَ التَّسْلِيْمَاتِ أَكْمَلُهَا وَالسَّلَامُ وَالْإِكْرَامُ (حق سبحانہٗ و تعالیٰ حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ وعلیہم اجمعین کے طفیل ہمیں اپنے ماسوا سے روگردانی نصیب فرمائے اور اپنی پاک بارگاہ کی طرف متوجہ فرمائے۔ والسلام والاکرام۔

(حاشیہ از صفحہ گزشتہ) رواہ الطبرانی وابو نعیم فی الحلیۃ بلفظ حسن بدل کثر قال العزیزی اسنادہ حسن۔ مشکوٰۃ شریف میں یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ مذکور ہے عن ابی بکرۃ ان رجلا قال یارسول اللہ ای الناس خیر قال من طال عمرہ وحسن عملہ قال فای الناس شر قال من طال عمرہ وساء عملہ رواہ احمد والترمذی والدارمی ـــ (حاشیہ صفحہ ہذا) اس قول میں اس حدیث کی طرف اشارہ ہے جو مشکوٰۃ میں بیہقی کی روایت حضرت ابن عباسؓ سے ہے قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما المیت فی القبر الا کالغریق المتغوث ینتظر دعوۃ تلحقہ من اب او ام او اخ او صدیق فاذا الحقتہ کان احب الیہ من الدنیا وما فیہا وان اللہ لیدخل علی اہل القبور من دعاء اہل الارض امثال الجبال وان ہدیۃ الاحیاء الی الاموات الاستغفار لہم، انتہی

مکتوب ۹۰ نودم

خواجہ قاسم[1] کی طرف صادر فرمایا ـــــ اس بات پر ترغیب دینے کے بیان میں کہ کامل طور پر حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی طرف متوجہ ہونا چاہئے اور آج اس دولت کا حاصل ہونا اس سلسلۂ نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے ساتھ توجہ و اخلاص حاصل ہونے پر وابستہ ہے۔

حق سبحانہٗ وتعالیٰ حضرت سید البشر علیہ وعلی آلہ من الصلوات افضلہا ومن التسلیمات اکملہا کے طفیل جو کجی چشم سے پاک ہیں کمینی دنیا کو آپ کی (بلند ہمت کی نظر میں ذلیل و بے قدر کرکے آخرت کے حسن و جمال کے آئینہ میں آراستہ و جلوہ گر فرمائے ـــــ آپ کا محبت نامۂ گرامی مع قابلِ قدر تحفوں کے وصول ہوا، آپ نے کرم فرمایا۔ جَزَاکُمُ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ خَیْرَ الْجَزَاءِ (اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے) ـــــ وہ نصیحت جو دوستوں اور مخلصوں کے لئے ہے وہ سب یہی ہے کہ حق تعالیٰ کی بارگاہ میں کامل طور پر توجہ میسر ہو جائے اور حق تعالیٰ کے ماسوا ہر چیز سے روگردانی حاصل ہو جائے۔ مصرعہ

کار این ست وغیرِ این ہمہ ہیچ (ترجمہ) کام اصلی ہے یہی اس کے سوا سب ہیچ ہے)۔

آج اس دولتِ عظمیٰ کا حاصل ہونا اس سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ کے ساتھ توجہ و اخلاص پر وابستہ ہے، بڑی سخت ریاضتوں اور شدید مجاہدوں سے بھی یہ نعمت اس قدر حاصل نہیں ہوتی جس قدر کہ ان بزرگوں کی ایک ہی صحبت میں حاصل ہو جاتی ہے کیونکہ ان بزرگوں کے طریقہ میں بدایت (ابتدا) میں نہایت (انتہا) درج ہے، یہ حضرات پہلی ہی صحبت میں وہ کچھ بخشدیتے ہیں جو دوسرے سلسلہ کے منتہیوں کو انتہا میں جاکر حاصل ہوتا ہے۔ ان بزرگوں کا طریقہ (بعینہٖ) اصحاب کرامؓ کا طریقہ ہے کیونکہ ان کو حضرت خیر البشر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پہلی ہی صحبت میں وہ کمالات حاصل ہو جاتے تھے جو اولیائے امت کو انتہا میں بھی شاید ہی حاصل ہوں اور یہ بات نہایت کے بدایت میں درج ہونے کے طریق پر ہے پس آپ پر ان بزرگوں کی محبت واجب ہے کیونکہ (اس محبت پر ہی) کام کا دارو مدار ہے۔ وَالسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَعَلٰی سَائِرِ مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَۃَ الْمُصْطَفٰے عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ (اور آپ پر اور ہدایت کی پیروی کرنے والوں اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کرنے والے سب لوگوں پر سلام ہو)۔

---

[1] آپ کے نام پانچ مکتوبات ہیں لیکن کسی میں خواجہ قاسم، خواجہ محمد قاسم، خواجہ ابو القاسم، مخدوم زادہ محمد قاسم یا ابو القاسم درج ہے دفتر اول ۹۰۔ ۱۵۰۔ ۱۶۸۔ ۱۸۰۔ دفتر دوم میں ۴۷۔ آپ حضرت خواجہ باقی باللہؒ کے پیرو مرشد خواجہ امکنگی کے صاحبزادے ہیں۔

مکتوب ۹۱

نود و یکم

شیخ کبیر[۱] کی طرف صادر فرمایا ——— اس بیان میں کہ عقائد[۱] کی درستی اور نیک اعمال[۲] کا بجا لانا یہ دونوں عالمِ قدس (عالمِ ملکوت) کی طرف اُڑنے (پرواز) کے لئے بال و پر ہیں اور اعمالِ شریعت و احوالِ طریقت سے مقصود تزکیۂ نفس و تصفیۂ قلب ہے۔

رَزَقَنَا اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَاِیَّاکُمُ الْاِسْتِقَامَۃَ عَلٰی مُتَابَعَۃِ السُّنَّۃِ السَّنِیَّۃِ عَلٰی صَاحِبِهَا الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ وَالتَّحِیَّۃُ (حق سبحانہٗ و تعالیٰ ہم کو اور آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی روشن سنت کی متابعت پر استقامت نصیب فرمائے) ——— اصل مقصد یہ ہے کہ اوّل[۱] اہلِ سنت و جماعت کی آراء کے موافق عقائد کو درست کرنا چاہیئے کیونکہ فرقۂ ناجیہ (نجات پانے والا[۱] گروہ) یہی ہے۔ دوسرے[۲] فقہی احکام کے موافق علم و عمل کو (اپنے اوپر) لازم کر لینا چاہیئے۔ ان اعتقادی و عملی[۲] دو پروں کے حاصل کرنے کے بعد عالمِ قدس (عالمِ ملکوت) کی طرف پرواز کرنے کا ارادہ کرنا چاہیئے۔ مصرع۔

کار[۲] این است و غیرِ ایں ہمہ ہیچ (ترجمہ) کام اصلی ہے یہی اس کے سوا سب ہیچ ہے)

شریعت کے اعمال اور طریقت و حقیقت کے احوال سے مقصود نفس کا تزکیہ اور قلب کا تصفیہ ہے جب تک نفس کا تزکیہ نہ ہو جائے اور قلب میں[۳] سلامتی پیدا نہ ہو جائے ایمانِ حقیقی کہ جس پر نجات کا مدار ہے حاصل نہیں ہوتا۔ اور دل کی سلامتی اس وقت حاصل ہوتی ہے جبکہ حق تعالیٰ کے غیر کا خیال دل پر ہرگز نہ گذرے، اگر ہزار سال بھی گذر جائیں تب بھی دل میں غیر اللہ کا خیال نہ گذرے کیونکہ اس وقت دل کو ماسوی اللہ کا نسیان پوری طرح حاصل ہو چکا ہے لہٰذا اگر تکلف کے ساتھ بھی اس کو (غیر اللہ کی) یاد دلائیں تو وہ یاد نہ کرے، یہ حالت فنا سے تعبیر کی گئی ہے اور یہ اس راستے میں پہلا قدم ہے۔

۱؎ شیخ کبیر کے نام صرف یہی دو مکتوب ہیں نمبر ۹۱ اور ۹۲۔ غالباً شیخ کبیر بن شیخ منور لاہوری مراد ہیں جنھوں نے فیضی کا تقرب حاصل کر کے اکبر کے دربار میں رسائی حاصل کی (نزھۃ الخواطر ج ۳ ص ۳۱۵، منتخب التواریخ)

۲؎ اس مصرعہ کا معرب ملاحظہ ہو: ھذا ھو الامر والباقی من العبث۔

۳؎ قرآن کریم میں بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ دو جگہ آیا ہے (۱) اِلَّا مَنْ اَتَی اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ[۲۶] (شعراء آیت ۸۹) مگر وہ جو اللہ تعالیٰ کے پاس قلبِ سلیم لے کر آئیگا۔ (۲) اِذْ جَآءَ رَبَّهٗ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ[۳۷] (الصّٰفّٰت آیت ۸۴) جب وہ اپنے رب کے پاس قلب سلیم لیکر آیا۔

مکتوب ۹۲
نود و دوم

یہ مکتوب بھی شیخ کبیر یمنی کی طرف صادر فرمایا ـــــــ اس بیان میں کہ دل کا اطمینان اللہ تعالیٰ کے ذکر سے حاصل ہوتا ہے نہ کہ نظر و استدلال سے اور اس کے مناسب بیان میں۔

ثَبَّتَنَا اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَاِیَّاكُمْ عَلَی الشَّرِیْعَةِ الْمُصْطَفَوِیَّةِ عَلٰی صَاحِبِهَا الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ وَالتَّحِیَّةُ (اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہم کو اور آپ کو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت پر ثابت قدم رکھے) ـــــــ اَلَا بِذِکْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ (رعد ۱۳ آیت ۲۸) (خبردار! اللہ تعالیٰ کے ذکر ہی سے دلوں کو اطمینان حاصل ہوتا ہے) اطمینانِ قلب حاصل ہونے کا ذریعہ صرف اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے نہ کہ نظر و استدلال (قرائن و دلائل)۔

اطمینانِ قلب صرف اللہ تعالیٰ کے ذکر سے حاصل ہوتا ہے

بیت
پائے استدلالیاں چوبیں بود　　پائے چوبیں سخت بے تمکیں بود
(بحث بے جا ہے فقط کٹھ حجتی　　کاٹھ کے پاؤں میں دم خم کچھ نہیں)

چونکہ ذکر اللہ کے ذریعے حق تعالیٰ کی پاک بارگاہ کے ساتھ ایک قسم کی مناسبت حاصل ہو جاتی ہے اگرچہ (ذکر کو) اس پاک ذات کے ساتھ کچھ مناسبت نہیں ہے۔ مَا لِلتُّرَابِ وَرَبِّ الْاَرْبَابِ (خاک کو پروردگارِ عالم کے ساتھ کیا نسبت ہے)۔ لیکن ذاکر (ذکر کرنے والا) اور مذکور (جس کا ذکر کیا جائے) کے درمیان ایک قسم کا تعلق پیدا ہو جاتا ہے جو محبت کا سبب بنتا ہے اور جب محبت غالب ہو گئی تو پھر اطمینان کے سوا کچھ نہیں ہے اور اور جب معاملہ دل کے اطمینان کے حصول تک پہنچ گیا تو اس کو ہمیشہ کی دولت حاصل ہو گئی ؎

ذکر گو ذکر تا ترا جان ست　　پاکیٔ دل ز ذکرِ رحمٰن ست
(جان جب تک ہے ذکر کرتا رہ ؞ دل کی پاکی خدا کے ذکر سے ہے) ـــــ وَالسَّلَامُ اَوَّلًا وَّ اٰخِرًا۔

مکتوب ۹۳
نود و سوم

ملا [illegible] کی طرف صادر فرمایا ـــ اس بیان میں کہ تمام اوقات اللہ جل شانہٗ کے ذکر میں مشغول رہنا چاہیے

[illegible] یعنی دفتر اول مکتوب ۸۲ اور ۱۳ ۔ مزید [illegible] معلوم نہ ہو سکے۔

پانچوں وقت کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کرنے اور سنن مؤکدہ بجالانے کے بعد اپنے تمام اوقات کو اللہ تعالیٰ جل سلطانہٗ کے ذکر میں مصروف رکھنا چاہئے اور اس کے سوا کسی چیز میں مشغول نہیں ہونا چاہئے خواہ وہ کھانے اور سونے کے اوقات ہوں یا آنے جانے کے اوقات (پس کسی وقت میں بھی ذکر سے غافل نہ ہونا چاہئے) ـــــــ ذکر کا طریقہ آپ کو سکھایا ہوا ہے اسی طریقے پر عمل کرتے رہیں، اگر جمعیت اور ذکر میں خلل پائیں تو پہلے خلل کا سبب معلوم کرنا چاہئے پھر اس کے بعد اس کوتاہی کا تدارک کرنا چاہئے اور نہایت عاجزی و آہ وزاری سے حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی بارگاہ کی طرف متوجہ ہو کر اس ظلمت کے دور ہونے کی دعا مانگنی چاہئے اور جس شیخ (پیر و مرشد) سے ذکر حاصل کیا ہے اس کو وسیلہ بنانا چاہئے۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ الْمُيَسِّرُ كُلَّ عَسِيْرٍ (حق سبحانہٗ و تعالیٰ ہر تنگی و مشکل کو آسان کرنے والا ہے) والسّلام

مکتوب ۹۴
نود و چہارم

خضر خاں لودھی[۱] کی طرف صادر فرمایا ـــــــ اس بیان میں کہ آدمی کو عقائد کی درستی اور اعمال صالحہ کے بجالانے سے چارہ نہیں ہے تاکہ ان دو بازوؤں کے ساتھ عالم حقیقت کی طرف پرواز کرے۔

حق سبحانہٗ و تعالیٰ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شریعت کے راستہ پر استقامت مرحمت فرمائے ـــــــ جو کچھ لازمی و ضروری ہے (وہ یہ ہے کہ) اوّل فرقہ ناجیہ (نجات پانے والا گروہ) اہل سنت وجماعت کے صحیح عقائد کے مطابق اپنے عقائد کو درست کرنا ہے۔ دوم یہ کہ فقہی احکام یعنی فرائض و سنن و واجبات و مستحبات و حلال و حرام اور مکروہ و مشتبہ کا علم حاصل کرنے کے بعد ان کے مطابق اعمال کو بجالانا چاہئے جب اعتقادی و عملی یہ دو بازو حاصل ہو گئے تو پھر اگر اللہ تعالیٰ کی توفیق شامل حال ہو جائے تو ہو سکتا ہے کہ عالم حقیقت کی طرف پرواز نصیب ہو جائے اور ان دو بازوؤں (تصحیح عقائد و اعمال صالحہ) کے حاصل ہوئے بغیر عالمِ حقیقت کی طرف پرواز و حصول محال ہے۔ بیت

محال است سعدی کہ راہِ صفا ‏ ‏ ‏ ‏ تواں رفت جز در پئے مصطفےٰؐ

تجھے وصل نہ ہو جبتک نبیؐ کی پیروی کرنا ‏ ‏ ‏ ‏ نہیں ممکن کبھی اہلِ صفا کی راہ پر چلنا

اللہ تعالیٰ ہم کو اور آپ کو حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی متابعت پر ثابت قدم رکھے۔

---

[۱] خضر خاں لودھی کے نام صرف یہی ایک مکتوب ہے باقی حالات معلوم نہ ہو سکے۔

مکتوب ۹۵
نود و پنجم

سید احمد بجواڑوی[ع] کی طرف صادر فرمایا ـــــــ اس بیان میں کہ آدمی ایک نسخۂ جامع ہے اور اس کا قلب بھی جامعیت کی صفت پر پیدا کیا گیا ہے اور بعض مشائخ کے اقوال جو سکر کی حالت میں وسعتِ قلب وغیرہ کے متعلق ان سے واقع ہوئے ہیں وہ توجیہات پر محمول ہیں اور اس بیان میں کہ سکر سے صحو افضل ہے اور اس کے مناسب بیان میں۔

انسان نسخۂ جامع (جامع شخصیت) ہے، جو کچھ تمام موجودات میں (پایا جاتا) ہے وہ سب کچھ تنہا انسان میں موجود ہے لیکن عالمِ امکان سے حقیقت کے طور پر اور مرتبۂ وجوب سے صورت کے طریق پر ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ[1] (بیشک اللہ تعالیٰ نے آدم (علیہ السلام) کو اپنی صورت پر پیدا کیا)۔ اور انسان کا قلب بھی اسی جامعیت پر (پیدا کیا گیا) ہے کہ جو کچھ پورے انسان میں (پایا جاتا) ہے وہ سب کچھ تنہا قلب میں (موجود) ہے، اسی لئے اس کو حقیقتِ جامعہ کہتے ہیں اور اسی جامعیت کی وجہ سے بعض مشائخ نے قلب کی وسعت کی اس طرح خبر دی ہے کہ اگر عرش اور جو کچھ اس میں ہے ان سب کو عارف کے قلب (دل) کے ایک کونے میں ڈال دیں تو کچھ محسوس نہ ہو کیونکہ قلب عناصر اربعہ (آگ، آب، اور خاک و باد) و افلاک (آسمانوں) و عرش و کرسی و عقل و نفس کا جامع ہے اور مکانی و لامکانی کو شامل ہے پس بالضرور لامکانیت کو شامل ہونے کی وجہ سے عرش و مافیہا (جو کچھ اس میں ہے ان سب) کی دل میں کوئی مقدار

وسعتِ قلب کی حقیقت

---

[1] یہ ایک طویل حدیث کا ٹکڑا ہے جس کو شیخین نے روایت کیا ہے وہ حدیث اس طرح ہے عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ والہ وسلم خلق اللہ آدم علی صورتہ طولہ ستون ذراعًا الخ علمائے کرام نے اس حدیث کے معنی میں اختلاف کیا ہے بعض نے اس حدیث کی کوئی تاویل بیان نہیں کی اور اس کو متشابہات میں سے شمار کیا ہے اور اس قسم کے متشابہات کی تاویل سے باز رہنا سلفِ صالحین کا مذہب ہے اور بعض علما نے اس کی تاویل کی ہے اور مشہور تاویل یہ ہے کہ "صورت سے مراد صفت ہے" اور اس کی تفصیل بیان کی ہے تفصیل کیلئے اشعۃ اللمعات ملاحظہ فرمائیں۔

[ع] مکتوبات میں آپ کے نام دو مکتوب ہیں دفتر اول مکتوب ۹۵ - ۱۰۸ ـــ سید احمد بن محمد بن الیاس حسینی نرغشتی بجوارٹوی (بجوارہ مضافاتِ سرہند میں ہے) آپ علم شریعت و طریقت کے جامع تھے ۱۰۱۰ھ میں تحصیل علوم سے فارغ ہو کر درس و تدریس اور ارشاد و تلقین میں مشغول ہو گئے۔ جہانگیر نے ترکِ آداب کے جرم میں تین سال قلعۂ گوالیار میں قید رکھا آخر خان جہاں لودھی کی سفارش سے رہائی پائی اور وہ اپنے ساتھ دکن لے گیا ایک عرصہ برہان پور میں رہے پھر ۱۰۲۰ھ میں آگرہ آگئے" نزہۃ الخواطر ج ۵ ص ۶۸ و ۶۹) ـــ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے دفتر اول مکتوب ۵۶ و ۲۳۸ میں آپ کے لئے سفارش فرمائی ہے۔

(وقت تکمیل پارے کی)

نہیں ہوگی، کیونکہ عرش اور اس میں جو کچھ ہے' وسعت کے باوجود دائرہ امکان میں داخل ہے، مکانی چیز اگرچہ کتنی ہی وسیع ہو لیکن لامکانی کے مقابلہ میں تنگ ہے اور کوئی مقدار نہیں رکھتی ـــــ لیکن مشائخ کرام قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم میں سے صحو والے حضرات جانتے ہیں کہ یہ حکم سُکر پر مبنی ہے اور کسی چیز کی حقیقت اور اس کے نمونے (مثال) کے درمیان تمیز نہ کرنے پر محمول ہے، عرشِ مجید جو کہ ظہور تام کا محل ہے اس سے بہت بلند ہے کہ تنگ قلب میں سما سکے، قلب میں عرش کی نسبت جو کچھ ظاہر ہوتا ہے وہ عرش کا نمونہ ہے نہ کہ عرش کی حقیقت، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اس نمونہ کی قلب کے مقابلہ میں جو کہ بے انتہا نمونوں کا جامع ہے کچھ بھی مقدار نہیں ہے، جس آئینہ میں اس قدر بڑا آسمان دوسری چیزوں کے ساتھ دکھائی دیتا ہے' نہیں کہہ سکتے کہ وہ آئینہ آسمان سے زیادہ وسیع ہے، ہاں آسمان کی صورت جو آئینہ میں ہے آئینہ کے مقابلہ میں چھوٹا ہے لیکن حقیقتِ آسمان آئینہ سے بہت بڑی ہے، یہ بحث ایک مثال سے واضح ہو جاتی ہے۔

مثلاً انسان میں عنصرِ خاک کے کرہ کا ایک نمونہ پوشیدہ ہے، انسان کی جامعیت پر نظر کرتے ہوئے یہ نہیں کہہ سکتے کہ انسان کا وجود عنصرِ خاک کے کرہ سے زیادہ وسیع ہے لہٰذا انسان کے وجود کی کرہ خاک کے مقابلہ میں ایک حقیر شَے کے سوا کچھ مقدار نہیں ہے بلکہ حقیر شَے کے نمونہ کو شے جان کر یہ حکم وقوع میں آیا ہے ـــــ اور بعض مشائخ نے جو غلبۂ سکر میں کہا ہے کہ جامعیتِ محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) جامعیتِ الٰہی سے زیادہ جامع ہے' اُن کا یہ کلام بھی اسی (سکر کی) قسم سے ہے، چونکہ انھوں نے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو امکان اور مرتبۂ وجوب کی حقیقت کا جامع سمجھا ہے اس لئے انھوں نے یہ حکم کیا ہے کہ جامعیتِ محمدی' اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کی جامعیت سے زیادہ ہے۔ یہاں بھی انھوں نے صورت کو حقیقت تصور کر کے یہ حکم لگایا ہے۔ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مرتبۂ وجوب کی صورت کے جامع ہیں نہ کہ (مرتبۂ) وجوب کی حقیقت کے، اور اللہ تعالیٰ حقیقی واجب الوجود ہے، اگر وہ (حضرات) وجوب کی حقیقت اور اس کی صورت کے درمیان تمیز کرتے تو ہرگز ایسا حکم نہ کرتے۔ اس قسم کے سکریہ احکام سے اللہ تعالیٰ کی ذات منزہ اور مبرا ہے۔ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ایک بندے' محدود اور متناہی ہیں اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ وتقدس کی ذات غیر محدود و لامتناہی ہے۔

جاننا چاہئے کہ جو کچھ احکامِ سُکریہ سے ہے وہ سب مقامِ ولایت سے متعلق ہے اور جو کچھ صحو سے ہے وہ مقامِ نبوت سے تعلق رکھتا ہے جو کہ انبیا علیہم الصلوات والتسلیمات کے کامل تابعداروں کو

بھی صحو کے واسطہ سے اس مقام سے پیروی کے طور پر حصہ حاصل ہے۔

حضرت شیخ ابو یزید بسطامی قدس سرہٗ کے متبعین سُکر[1] کو صحو پر فضیلت دیتے ہیں، اسی لئے شیخ ابو یزید بسطامی قدس سرہٗ کہتے ہیں: لِوَائِیْ اَرْفَعُ مِنْ لِوَاءِ مُحَمَّدٍ (میرا جھنڈا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے جھنڈے سے زیادہ بلند ہے) وہ اپنے جھنڈے کو ولایت کا جھنڈا اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے جھنڈے کو نبوت کا جھنڈا جانتے ہیں۔ ولایت کے جھنڈے کو جو سُکر کی طرف رُخ رکھتا ہے نبوت کے جھنڈے پر جو کہ صحو کی طرف رُخ رکھتا ہے ترجیح دیتے ہیں ـــــ اور بعض مشائخ کا یہ کلام اَلْوِلَایَۃُ اَفْضَلُ مِنَ النُّبُوَّۃِ (ولایت نبوت سے افضل ہے) بھی اسی قسم (سُکر) سے ہے۔ ان کا خیال ہے کہ ولایت میں حق تعالیٰ کی طرف رُخ ہوتا ہے اور نبوت میں مخلوق کی طرف توجہ ہوتی ہے، اور اس میں شک نہیں کہ مخلوق کی طرف توجہ کرنے سے خالق کی طرف توجہ کرنا افضل ہے۔ اور بعض مشائخ نے اس کلام کی توجیہ میں کہا ہے کہ نبی کی ولایت اس کی نبوت سے افضل ہے۔

اس فقیر کے نزدیک اس قسم کی باتیں بیکار اور فضول ہیں کیونکہ نبوّت میں صرف خلق (مخلوق) ہی کی طرف توجہ نہیں ہوتی بلکہ اس توجہ بخلق کے ساتھ ساتھ وہ حق تعالیٰ کی طرف بھی توجہ رکھتا ہے یعنی اس کا باطن حق سبحانہ وتعالیٰ کے ساتھ ہوتا ہے اور اس کا ظاہر مخلوق کے ساتھ، اور جو شخص اپنی تمام تر توجہ مخلوق کی طرف رکھتا ہو وہ بدبختوں میں سے ہے ـــــ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام تمام موجودات میں سب سے بہتر ہیں اور سب سے بہتر دولت انہی کو نصیب ہوئی ہے، ولایت نبوت کا جزو ہے اور نبوت کُل ہے یہی وجہ ہے کہ نبوت ولایت سے افضل ہے خواہ ولایت نبی کی ہو یا ولی کی ـــــ لہٰذا سُکر سے صحو افضل ہے کیونکہ صحو میں سُکر شامل ہے جس طرح کہ نبوت میں ولایت درج ہے، محض صحو جو کہ عوام الناس کو حاصل ہے وہ بحث سے خارج ہے اس صحو پر (سکر کو) ترجیح دینا کچھ معنی نہیں رکھتا اور وہ صحو جس میں سُکر شامل ہے البتہ سُکر سے افضل ہے ـــــ علوم شرعیہ جن کے صادر ہونے کی جگہ مرتبۂ نبوت ہے سراسر صحو ہے اور ان علوم کے مخالف جو کچھ بھی ہو وہ سُکر سے متعلق ہے، سُکر والا شخص معذور ہے، تقلید کے لائق صحو کے علوم ہیں نہ کہ سُکر کے علوم، ثَبَّتَنَا اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ عَلٰی تَقْلِیْدِ الْعُلُوْمِ الشَّرْعِیَّۃِ عَلٰی

---

[1] السکر غیبۃ بوارد قوی ولا یکون الا لاصحاب المواجید فاذا کوشف العبد بنعت الجمال حصل السکر وھام القلب وسقط التمییز بین ما اولہ وما بلذہ والصحو رجوع الی الاحساس بعد الغیبۃ والعبد فی حال صحوہ یشاھد العلم وفی حال سکرہ یشاھد الحال۔

مَصْدَرِهَا الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ وَالتَّحِيَّةُ يَرْحَمُ اللّٰهُ عَبْدًا قَالَ اٰمِيْنًا (اللہ تعالیٰ ہم کو علوم شرعیہ کی تقلید پر ثابت قدم رکھے اور ان علوم شرعیہ کے مصدر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام اور تحیۃ ہو اور اللہ تعالیٰ اس بندے پر رحم کرے جس نے آمین کہا)۔

اور یہ جو حدیثِ قدسی میں وارد ہے:[1] لَا يَسَعُنِيْ اَرْضِيْ وَلَا سَمَائِيْ وَلٰكِنْ يَسَعُنِيْ قَلْبُ عَبْدِيَ الْمُؤْمِنِ (میری زمین اور میرا آسمان میری گنجائش نہیں رکھتے لیکن میرے مومن بندے کا دل میری گنجائش رکھتا ہے)۔ اس گنجائش سے مراد مرتبۂ وجوب کی صورت کی گنجائش ہے نہ کہ حقیقت کی، کیونکہ حلول کی وہاں گنجائش نہیں ہے جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے ـــــ پس ظاہر ہوا کہ قلب کا لامکانیت کو شامل ہونا لامکانیت کی صورت کے اعتبار سے ہے نہ کہ اس کی حقیقت کے اعتبار سے کہ عرش وما فیہ کی اس ذاتِ واجب کے سامنے کچھ مقدار نہیں یہ حکم لامکانیت کی حقیقت کے ساتھ مخصوص ہے۔

مکتوب ۹۶
نود و ششم

محمد شریف[ع] کی طرف صادر فرمایا ـــــ تسویف (آج کا کام کل پر ڈالنے) وتاخیر سے منع اور اس کے زجر کرنے اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کی متابعت پر ترغیب دلانے اور اس کے مناسب بیان میں۔

اے فرزند! آج جبکہ فرصت کا وقت ہے اور (دل کی) جمعیت (اطمینان) کے اسباب سب میسر ہیں، تسویف (آج کا کام کل پر ڈالنا) اور تاخیر کی گنجائش نہیں ہے، سب سے بہترین اوقات کو جو کہ نوجوانی کا زمانہ ہے بہترین اعمال میں یعنی مولیٰ تعالیٰ وتقدس کی طاعت اور عبادت میں مشغول رکھنا چاہیے۔ شرعی طور پر جو چیزیں حرام و مشتبہ ہیں ان سے بچتے ہوئے پانچوں وقت کی نماز کو جماعت کے ساتھ ادا کرنا لازمی طور پر اختیار کرنا چاہیے، اور زکوٰۃ کا نصاب[2] موجود ہونے کی

[1] اس حدیث کی تخریج مکتوب ۸۷ کے حاشیہ میں درج ہے ـــــ [2] سونے کی زکوٰۃ کا نصاب ساڑھے سات تولہ ہے اور چاندی کا نصاب دو سو درہم یعنی ساڑھے باون تولہ چاندی ہے اور چرنے والے چوپاؤں کی زکوٰۃ کی تفصیل کتب فقہ میں ملاحظہ فرمائیں۔
[ع] آپ کے نام صرف یہی مکتوب ہے۔ غالباً معتمد خاں بخشی مراد ہیں۔ آپ کا نام محمد شریف تھا اور معتمد خاں خطاب۔ کئی سال تک احدیوں کے بخشی بھی رہے غرض کہ ساری عمر کسی نہ کسی منصب پر فائز رہے۔ آپ کو تاریخ سے بیحد لگاؤ تھا اور تاریخ عالم کی متعدد کتابیں جمع کی تھیں جہانگیر آپ پر بہت مہربان تھا۔ شاہجہاں کے زمانے میں انتقال ہوا۔ (ذخیرۃ الخوانین ج ۲ ص ۲۵۳)۔

صورت میں زکوٰۃ کا ادا کرنا اسلام کی ضروریات میں سے ہے اس کو بھی خوشی و رغبت سے بلکہ (حق تعالیٰ کا) احسان مانتے ہوئے ادا کرنا چاہئے ـــــ حق تعالیٰ نے اپنا کمال کرم فرما کر سارے دن میں پانچ وقت عبادت کے لئے مقرر کئے ہیں ـــــ اور بڑھنے والے مالوں اور چرنے والے چوپایوں میں سے چالیسواں حصہ تحقیقی طور پر یا اندازاً فقراء کے لئے مقرر فرمایا ہے ـــــ اور مباحات میں تصرف کرنے کا میدان وسیع کر دیا ہے (تو پھر) کس قدر ناانصافی ہے کہ دن رات کی ساٹھ گھڑیوں میں سے دو گھڑی بھی حق تعالیٰ کی عبادت میں خرچ نہ ہوں اور چالیس حصوں میں سے ایک حصہ بھی فقراء کو نہ دیا جائے، اور مباحات کے وسیع دائرے سے باہر نکل کر محرمات و مشتبہات میں جا پڑے ـــــ جوانی کے زمانے میں جبکہ نفس امارہ کے غلبہ اور شیطان لعین کی حکومت کا وقت ہے، تھوڑے سے عمل کو بہت زیادہ اجر کے عوض قبول کرتے ہیں اور کل جبکہ بڑھاپے کی عمر کو پہنچا دیئے جائیں گے اور حواس اور قوتوں میں سستی پیدا ہو جائے گی اور جمعیت و سکون کے اسباب منتشر ہو جائیں گے، (اس وقت) حسرت و پشیمانی کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا اور بہت دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ کل تک مہلت نہ دیں اور ندامت و پشیمانی کا موقع بھی جو کہ ایک قسم کی توبہ ہے میسر نہ ہو اور ہمیشہ کا عذاب اور دائمی سزا جس کی نسبت پیغمبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ نے خبر دی ہے اور گنہگاروں کو اس سے ڈرایا ہے وہ درپیش ہے اس وعید کے خلاف ہرگز نہ ہوگا اس سے ضرور دوچار ہونا پڑے گا ـ آج شیطان اللہ تعالیٰ جل سلطانہٗ کے کرم کا دھوکہ دے کر سستی میں ڈالتا ہے اور اس کے عفو و معافی کا بہانہ بنا کر گناہوں کا مرتکب بناتا ہے۔

خوب اچھی طرح جان لیں کہ دنیا کا گھر جو کہ آزمائش و ابتلا کا مقام ہے (یہاں) دشمن اور دوست کو خلط ملط کر دیا گیا ہے اور دونوں کو رحمت میں شامل کر دیا ہے۔ آیت کریمہ وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ (اعراف آیت ۱۵۶) (اور میری رحمت نے سب چیزوں کا احاطہ کر لیا ہے) میں اسی بات کی طرف اشارہ ہے ـــــ اور قیامت کے روز دشمن کو دوست سے جدا کر دیا جائے گا، آیت کریمہ وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ (یٰس ۳۶ آیت ۵۹) (اے مجرمو! آج تم الگ ہو جاؤ) اسی مضمون کی خبر دے رہی ہے ـــــ اس وقت "رحمت کا قرعہ دوستوں کے نام نکلے گا اور دشمنوں کو مطلقاً محروم اور حقیقتاً ملعون قرار دیا جائیگا۔ آیت کریمہ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ (اعراف آیت ۱۵۶) (پس میں عنقریب اس کو ان لوگوں کے لئے لکھوں گا جو مجھ سے ڈرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں

اور جو میری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں) اسی معنی کی شاہد ہے۔ یعنی تحقیق میں اس رحمت کو اُن لوگوں کیلئے خاص کردوں گا جو کفر اور گناہوں سے بچتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں ـــــ پس کرم و رحمت کو آخرت میں نیک کام کرنے والے اور اچھے عمل والے مسلمانوں کے لئے رکھا ہے، ہاں مطلق اہلِ اسلام کے لئے بھی خاتمہ بالخیر[۱] ہونے کی صورت میں رحمت کا کچھ حصہ ہے اگرچہ وہ طویل زمانے کے بعد (اپنے اعمالِ بد کی سزا بُھگت کر) دوزخ کے عذاب سے نجات پائیں گے۔ لیکن گناہوں کی سیاہی[۲] اور آسمان سے نازل شدہ احکام (خداوندی) کی طرف سے بیباکی اور بے پروائی کرنا (وغیرہ) یہ باتیں ایمان کے نورکو کب سلامت لے جانے دیں گی ـــــ علماء نے فرمایا ہے کہ "(گناہِ) صغیرہ پر اصرار کرنا (گناہِ) کبیرہ[۳] تک پہنچا دیتا ہے اور کبیرہ پر اصرار کرنا کفر تک لے جاتا ہے"، اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے بچائے، ــ فرد

اندکے پیش تو گفتم غمِ دل ترسیدم ۔۔۔ کہ دل آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

(مختصر تجھ سے کہی ورنہ ہے یہ بات بڑی ۔۔۔ محض اس ڈر سے کہ آزردہ نہ ہو دل تیرا)

حق سبحانہٗ و تعالیٰ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے طفیل اپنی رضا کے کاموں کی توفیق عطا فرمائے ـــــ باقی مقصود یہ ہے کہ حاملِ رقیمہ ہٰذا مولانا اسحٰق اس فقیر کا آشنا و مخلص ہے اور قدیم زمانے سے ہمسائیگی کا حق بھی رکھتا ہے۔ اگر کوئی مدد و اعانت طلب کرے تو اس کے حال پر توجہ فرمائیں، موصوف کتابت اور انشاء (تحریر) کے فن میں اچھی مہارت رکھتا ہے۔ والسلام

---

[۱] متفق علیہ حدیث شریف میں ہے انما الاعمال بالخواتیم یعنی اعمال کا اعتبار خاتمہ پر ہے (جیسے اعمال پر خاتمہ ہوگا وہی معتبر ہونگے)۔

[۲] صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان المؤمن اذا اذنب نکتت نکتۃ سوداء فی قلبہ فان تاب واستغفر صقل قلبہ وان لم ینب زادت حتی تعلو قلبہ فذلک الران الذی ذکرہ اللہ فی کتابہ کلا بل ران علی قلوبھم ما کانوا یکسبون ـــــ [۳] جاننا چاہئے کہ کبیرہ گناہ وہ ہے جس پر شرع شریف میں کوئی حد مقرر ہو، یا اس پر کوئی وعید وارد ہوئی ہو، یا اس کی ممانعت میں قطعی دلیل وارد ہوئی ہو اور وہ فعل دین کی حرمت کی ہتک کا باعث ہو۔ اور جو گناہ اس قسم کا نہ ہو وہ صغیرہ ہے۔ گناہِ کبیرہ کے درجات مختلف ہیں بعض سے بعض زیادہ بڑے اور زیادہ بُرے ہیں، کذا فی ترجمۃ الشیخ۔ اور روایت میں ہے کہ ایک شخص نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے دریافت کیا کہ کبیرہ گناہوں کی تعداد کتنی ہے؟ آپ نے فرمایا سات سو تک ہیں ان میں سے اقرب سات تک ہیں سوائے اس کے کہ توبہ و استغفار کے ساتھ کوئی گناہ کبیرہ نہیں ہے اور اصرار کے ہوتے ہوئے کوئی گناہ صغیرہ نہیں ہے (یعنی وہ صغیرہ بھی کبیرہ ہو جاتا ہے)۔

مکتوب ۹۷
نود و ہفتم

شیخ درویش[ع] کی طرف صادر فرمایا ——— اس بیان میں کہ مامورہ (حکم دی ہوئی) عبادتوں سے مقصود یقین کا حاصل کرنا ہے اور اس کے مناسب بیان میں۔

حق سبحانہٗ و تعالیٰ حضرت سید المرسلین علیہ وعلیٰ آلہٖ وعلیہم من الصلوات اتمہا ومن التسلیمات اکملہا کے طفیل ہم مفلسوں کو ایمان کی حقیقت سے مشرف فرمائے ——— جس طرح انسان کی پیدائش سے مقصود مامورہ (حکم دی ہوئی) عبادتوں کا بجالانا ہے، اسی طرح حکم دی ہوئی عبادتوں کے ادا کرنے سے مقصود یقین کا حاصل کرنا ہے جو کہ ایمان کی حقیقت ہے۔ ہوسکتا ہے کہ آیتِ کریمہ: وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰی يَأْتِيَكَ الْيَقِيْنُ (الحجر آیت ۹۹[۱۵]) (اور اپنے پروردگار کی عبادت کر یہاں تک کہ تجھ کو یقین یعنی موت آجائے) میں اسی معنی کی طرف اشارہ ہو، کیونکہ کلمہ حتّٰی[۱] جس طرح نہایت وغایت کے معنی میں آتا ہے سبب اور علت ہونے کے لئے بھی آتا ہے یعنی لِاَجْلِ اَنْ يَّأْتِيَكَ الْيَقِيْنُ (تاکہ تجھ کو یقین حاصل ہوجائے)۔ گویا جو ایمان عبادت ادا کرنے سے پہلے ہے وہ ایمان کی صورت ہے نہ کہ ایمان کی حقیقت جس کو یہاں یقین سے تعبیر کیا گیا ہے ——— اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا الآیہ (اے ایمان والو! تم ایمان لاؤ الآیہ (نساء آیت ۱۳۶[۴]) اَىِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صُوْرَةً اٰمِنُوْا حَقِيْقَةً بِاَدَاءِ وَظَائِفِ الْعِبَادَاتِ الْمَاْمُوْرَةِ (یعنی اے لوگو! جو ظاہری طور پر ایمان لائے ہو عباداتِ مامورہ کے وظائف کی ادائیگی کے ساتھ حقیقی طور پر ایمان لاؤ) ——— اور فنا و بقا کہ جس کے حاصل ہونے کو ولایت سے تعبیر کرتے ہیں اس سے مقصود صرف یہی یقین ہے اور بس ——— اور اگر فنا فی اللہ اور بقا باللہ سے کچھ اور معنی مراد لئے جائیں جو حالیت (حلول کرنے) اور محلیّت (محل خدا ہونے) کے وہم میں ڈالنے والے ہوں تو یہ عین الحاد اور زندقہ ہے، غلبۂ حال اور سکرِ وقت میں ایسی بہت سی چیزیں ظاہر ہوجاتی ہیں کہ جن سے آخر کار گذر جانا چاہیے اور توبہ و استغفار کرنا چاہیے۔

---

[۱] اس آیت کی تفسیر میں مفسرین نے یقین سے مراد موت لی ہے اور کلمہ حتّٰی کو غایت و نہایت کے معنی میں لیا ہے اور عبادت پر استقامت کی طرف اشارہ کیا ہے، حضرت مجدد صاحب قدس سرہ فرماتے ہیں: ہوسکتا ہے کہ حتّٰی علت و سبب کے لئے ہو اور یقین اپنے معنی پر ہو۔

[ع] آپ کے نام تین مکتوب ہیں یعنی دفتر اول مکتوب ۴۱، ۴۲، ۹۷۔ لہٰذا مختصر تعارف مکتوب ۴۱ میں ملاحظہ ہو۔

ابراہیم[1] بن شیبان جو کہ مشائخ طبقات قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم میں سے ہیں فرماتے ہیں کہ "فنا وبقا کا علم وحدانیت کے اخلاص اور عبودیت کی صحت کے گرد گھومتا ہے اور اس کے ماسوا غلطی اور زندقہ ہے" ـــــ اور حق یہ ہے کہ وہ (ابراہیم) سچ فرماتے ہیں اور یہ کلام ان کی استقامت کی خبر دیتا ہے، فنا فی اللہ سے مراد حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی مرضیات میں فنا ہونا ہے اور سیر الی اللہ و سیر فی اللہ وغیرہ اسی قیاس پر ہیں۔

اور دوسری بات یہ ہے جس کی آپ کو تکلیف دی جاتی ہے کہ نیکیوں کے آثار والے شیخ اللہ بخش نیکی و تقویٰ و فضیلت سے آراستہ ہیں اور ایک بڑی جماعت ان کے ساتھ وابستہ (تعلق رکھتی) ہے اگر کسی کام کے بارے میں کچھ مدد طلب کریں تو امید ہے کہ ان کے حال پر اپنی بزرگ توجہ فرمائیں گے۔

وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَعَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى (آپ پر اور ہدایت کی پیروی کرنے والوں پر سلام ہو)۔

(عربی وفارسی) مکتوب ۹۸ نود و ہشتم

عبد القادر پسر شیخ زکریا[2] کی طرف صادر فرمایا ـــــ احادیث نبویہ علی مصدرہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کی روشنی میں نرمی اختیار کرنے اور سختی ترک کرنے کی ترغیب کے بیان میں۔

حق سبحانہٗ وتعالیٰ مرکز عدالت پر استقامت نصیب فرمائے ـــــ نبی کریم علیہ من الصلوات افضلہا ومن التسلیمات اکملہا کی چند احادیث جو تذکیر و وعظ و نصیحت کے بارے میں وارد ہوئی ہیں لکھی جاتی ہیں حق سبحانہٗ وتعالیٰ اُن کے موافق عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ رَفِيْقٌ يُحِبُّ الرِّفْقَ وَيُعْطِيْ عَلَى الرِّفْقِ مَا لَا يُعْطِيْ عَلَى الْعُنْفِ وَمَا لَا يُعْطِيْ عَلٰى مَا سِوَاهُ رَوَاهُ مُسْلِمٌ (یعنی بیشک اللہ تعالیٰ رفیق ہے (اپنے بندوں پر لطف و نرمی کرنے والا ہے) اور نرمی کرنے پر وہ کچھ عطا فرماتا ہے جو سختی پر اور نرمی کے سوا

---

[1] ابراہیم بن شیبانؒ جو کہ مشائخ طبقات چہارم سے تعلق رکھتے ہیں آپ کی کنیت ابو اسحٰق ہے جیلانی بزرگ ہیں اپنے زمانے میں ورع و تقویٰ میں اس درجہ کے مقامات رکھتے تھے کہ مخلوق ان کو عاجز ہے عبد اللہ مغربی اور ابراہیم خواص کے اصحاب میں سے ہیں۔ لوگوں نے عبد اللہ (مغربی) سے پوچھا کہ آپ ان کے بارے میں کیا کہتے ہیں آپ نے فرمایا ابراہیم فقرا و اہل آداب پر اللہ تعالیٰ کی حجت ہیں سنہ ۳۳۷ھ میں وفات پائی۔ آپ فرماتے ہیں جس شخص نے مشائخ کی حرمت نگاہ میں نہ رکھی وہ جھوٹے دعوے و بیہودہ لاف و گزاف میں گرفتار ہے۔ (نفحات)

[2] آپ کے نام صرف یہی ایک مکتوب ہے۔ آپ حضرت مجدد صاحبؒ کے خسر شیخ سلطان کے بھائی شیخ زکریا کے صاحبزادے ہیں۔

کسی اور چیز پر عطا نہیں کرتا)۔

(۲) اور مسلم کی دوسری روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: عَلَيْكِ بِالرِّفْقِ وَإِيَّاكِ وَالْعُنْفَ وَالْفُحْشَ إِنَّ الرِّفْقَ لَا يَكُوْنُ فِيْ شَيْءٍ إِلَّا زَانَهٗ، وَلَا يُنْزَعُ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا شَانَهٗ (یعنی اپنے اوپر نرمی کو لازم کر اور اپنے آپ کو درشت خوئی اور بیجا گفتگو سے دور رکھ کیونکہ نرمی جس چیز میں بھی ہو اس کو زینت دیتی ہے اور جس چیز سے نرمی نکل جاتی ہے اس کو عیب دار کر دیتی ہے)۔

(۳) اور نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مَنْ يُحْرَمِ الرِّفْقَ يُحْرَمِ الْخَيْرَ (یعنی جو شخص لطف و نرمی سے (اچھی عادتوں سے) محروم ہے وہ ہر نیکی سے محروم کر دیا جاتا ہے)۔

(۴) اور نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: إِنَّ مِنْ أَحَبِّكُمْ إِلَيَّ أَحْسَنَكُمْ أَخْلَاقًا (بیشک تم میں سب سے زیادہ محبوب (پسندیدہ) میرے نزدیک وہ شخص ہے جس کے اخلاق اچھے ہوں)۔ (بخاری)

(۵) اور نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مَنْ أُعْطِيَ حَظَّهٗ مِنَ الرِّفْقِ أُعْطِيَ حَظَّهٗ مِنَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ (جس کو لطف و نرمی کا کچھ حصہ دیا گیا اس کو دنیا و آخرت (کی نیکی) کا حصہ دیا گیا)۔ (شرح السنہ)

(۶) اور نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَلْحَيَاءُ مِنَ الْإِيْمَانِ وَالْإِيْمَانُ فِي الْجَنَّةِ وَالْبَذَاءُ مِنَ الْجَفَاءِ وَالْجَفَاءُ فِي النَّارِ (حیا ایمان سے ہے اور (اہل) ایمان جنت میں ہے اور فحش کلامی و بیہودہ گوئی جفا و بدی سے ہے اور (اہلِ جفا دوزخ میں ہے)۔ (احمد و ترمذی)

(۷) إِنَّ اللّٰهَ يُبْغِضُ الْفَاحِشَ الْبَذِيَّ (بیشک اللہ تعالیٰ حد سے زیادہ تجاوز کرنے والے بیہودہ گو کو دشمن رکھتا ہے)۔ (ترمذی)

(۸) أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِمَنْ يَحْرُمُ عَلَى النَّارِ وَبِمَنْ تَحْرُمُ النَّارُ عَلَيْهِ (کیا میں تمہیں خبر نہ دوں کہ کس شخص پر دوزخ کی آگ حرام ہے اور دوزخ کی آگ کس شخص پر حرام ہے؟ (سنو!) عَلٰى كُلِّ هَيِّنٍ لَيِّنٍ قَرِيْبٍ سَهْلٍ (ہر ایک نرم و متواضع (آہستہ روی والے) قریب و سہل (نرم طبع و نرم خو) والے پر حرام ہے۔ (ترمذی)

(۹) اَلْمُؤْمِنُوْنَ هَيِّنُوْنَ لَيِّنُوْنَ كَالْجَمَلِ الْأَنِفِ إِنْ قِيْدَ انْقَادَ وَإِنِ اسْتُنِيْخَ عَلٰى صَخْرَةٍ اسْتَنَاخَ (تمام مومنین نرم طبع (نرمی کے موقع پر) ناک میں نکیل (مہار) والے اونٹ کی طرح مطیع ہوتے ہیں اگر اس (اونٹ) کو آگے سے کھینچا جائے تو مطیع ہو کر چل پڑتا ہے اور جب اس کو کسی پتھر پر بٹھایا جائے تو بیٹھ جاتا ہے۔

(۱۰) مَنْ كَظَمَ غَيْظًا وَهُوَ يَقْدِرُ عَلٰى أَنْ يُّنَفِّذَهٗ دَعَاهُ اللّٰهُ عَلٰى رُءُوْسِ الْخَلَائِقِ

يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَتّٰى يُخَيِّرَهٗ فِيْ اَيِّ الْحُوْرِ شَآءَ (جس نے غصہ کو ضبط کر لیا حالانکہ وہ اس کے جاری کرنے (بدلہ لینے پر) قدرت رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کو سب مخلوق کے سامنے بلائے گا یہاں تک کہ اس کو اختیار دیا جائے گا کہ جس حور کو چاہے پسند کر لے)۔ (ترمذی)

(۱۱) اِنَّ رَجُلًا قَالَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَسَلَّمَ اَوْصِنِيْ قَالَ لَا تَغْضَبْ فَرَدَّدَ مِرَارًا قَالَ لَا تَغْضَبْ (تحقیق ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ مجھے وصیت (نصیحت) فرمائیں؟ آپؐ نے فرمایا غصہ مت کیا کر۔ اس نے کئی مرتبہ اپنی بات کو دہرایا (یعنی نصیحت طلب کرنے کے لئے عرض کیا)۔ آپؐ نے (ہر دفعہ یہی جواب دیا) فرمایا کہ غصہ مت کیا کر)۔ (بخاری)

(۱۲) اَلَا اُخْبِرُكُمْ بِاَهْلِ الْجَنَّةِ كُلُّ ضَعِيْفٍ مُتَضَعَّفٍ لَوْ اَقْسَمَ عَلَى اللّٰهِ لَاَبَرَّهٗ اَلَا اُخْبِرُكُمْ بِاَهْلِ النَّارِ كُلُّ عُتُلٍّ جَوَّاظٍ مُسْتَكْبِرٍ (کیا میں تم کو اہلِ جنت کی خبر نہ دوں؟ (سنو!) ہر وہ شخص جو ضعیف ہے اور جس کو حقیر سمجھا جائے اگر وہ اللہ تعالیٰ پر قسم کھائے تو اللہ تعالیٰ اس کی قسم کو سچا کر دے، (وہ اہل جنت میں سے ہے)۔ (نیز فرمایا) کیا میں تم کو اہلِ دوزخ کی خبر نہ دوں؟ (سنو!) ہر وہ شخص ہے جو سرکش، بدگو، جھگڑالو اور متکبر ہے (وہ اہلِ دوزخ سے ہے)۔ (متفق علیہ)

(۱۳) اِذَا غَضِبَ اَحَدُكُمْ وَهُوَ قَائِمٌ فَلْيَجْلِسْ فَاِنْ ذَهَبَ عَنْهُ الْغَضَبُ وَاِلَّا فَلْيَضْطَجِعْ (جب تم میں سے کسی کو غصہ آئے اگر اس وقت وہ کھڑا ہوا ہو تو اس کو چاہئے کہ بیٹھ جائے پس (ایسا کرنے سے) اگر اس کا غصہ دُور ہو جائے (تو بہتر ہے) ورنہ اسے چاہئے کہ پہلو پر لیٹ جائے)۔ (احمد و ترمذی)

(۱۴) اِنَّ الْغَضَبَ لَيُفْسِدُ الْاِيْمَانَ كَمَا يُفْسِدُ الصَّبِرُ الْعَسَلَ (بیشک غصہ ایمان کو ایسا بگاڑ دیتا ہے جس طرح ایلوا شہد کو بگاڑ دیتا ہے) (بیہقی)۔

(۱۵) مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰهِ رَفَعَهُ اللّٰهُ فَهُوَ فِيْ نَفْسِهٖ صَغِيْرٌ وَفِيْ اَعْيُنِ النَّاسِ عَظِيْمٌ وَمَنْ تَكَبَّرَ وَضَعَهُ اللّٰهُ فَهُوَ فِيْ اَعْيُنِ النَّاسِ صَغِيْرٌ وَفِيْ نَفْسِهٖ كَبِيْرٌ حَتّٰى لَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِمْ مِنْ كَلْبٍ اَوْ خِنْزِيْرٍ (جو شخص اللہ تعالیٰ کے لئے تواضع اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو بلند کر دیتا ہے پس وہ (تواضع وانکساری کرنے والا) اپنے آپ کو حقیر سمجھتا ہے لیکن لوگوں کی نظروں میں بڑا ہوتا ہے اور جس شخص نے تکبر کیا اللہ تعالیٰ نے اس کو حقیر و پست کر دیا پس وہ لوگوں کی نظروں میں صغیر (چھوٹا) ہوتا ہے لیکن خود اپنے آپ کو بڑا خیال کرتا ہے حتیٰ کہ وہ لوگوں کے نزدیک کُتّے اور سوّر سے بھی زیادہ حقیر و خفیف ہوتا ہے (بیہقی)۔

(۱۶) قَالَ مُوْسَی بْنُ عِمْرَانَ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلَوٰتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ یَارَبِّ مَنْ اَعَزُّ عِبَادِكَ قَالَ مَنْ اِذَا قَدَرَ غَفَرَ (حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام نے عرض کیا: اے رب! تیرے نزدیک تیرے بندوں میں سے کون سب سے زیادہ عزیز ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ شخص جو (بدلہ لینے پر) قادر ہونے کے باوجود معاف کردے)۔ (بیہقی)۔

(۱۷) اور نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: مَنْ خَزَنَ لِسَانَہٗ سَتَرَ اللّٰہُ عَوْرَتَہٗ وَمَنْ کَفَّ غَضَبَہٗ کَفَّ اللّٰہُ عَنْہُ عَذَابَہٗ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ وَمَنِ اعْتَذَرَ اِلَی اللّٰہِ قَبِلَ اللّٰہُ عُذْرَہٗ (جس شخص نے اپنی زبان کی حفاظت کی اللہ تعالیٰ اس کے عیب ڈھانپ لے گا اور جس شخص نے اپنے غصہ کو روکا اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس سے اپنا عذاب روک لے گا اور جس شخص نے اللہ تعالیٰ کے حضور میں عذر خواہی کی اللہ تعالیٰ اس کا عذر قبول فرمالے گا (اس کو معاف کردے گا) (بیہقی)۔

(۱۸) اور نیز آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: مَنْ کَانَتْ لَہٗ مَظْلِمَۃٌ لِاَخِیْہِ مِنْ عِرْضِہٖ اَوْ شَیْءٍ فَلْیَتَحَلَّلْ مِنْہُ الْیَوْمَ قَبْلَ اَنْ لَّا یَکُوْنَ دِیْنَارٌ وَّلَا دِرْھَمٌ اِنْ کَانَ لَہٗ عَمَلٌ صَالِحٌ اُخِذَ بِقَدْرِ مَظْلِمَتِہٖ وَاِنْ لَّمْ یَکُنْ حَسَنَاتٌ اُخِذَ مِنْ سَیِّئَاتِ صَاحِبِہٖ فَحُمِلَ عَلَیْہِ (جس شخص پر اپنے کسی (مسلمان) بھائی کا کوئی حق اس کی عزت وآبرو سے یا کسی اور چیز سے ہے (یعنی اس نے کسی کا کوئی مالی یا کوئی اور حق بطور ظلم دبالیا ہو) تو اس کو چاہئے کہ آج (دنیا ہی میں) اس سے معاف کرالے اُس (قیامت کے) دن سے پہلے، جبکہ اس کے پاس کوئی دینار و درہم نہ ہوگا، (اُس دن) اگر اس کے پاس کوئی نیک عمل ہوگا تو اس کے ظلم کے موافق اس سے لے لیا جائے گا اور اگر اس کے پاس نیکیاں نہ ہوں گی تو اس صاحبِ حق (مظلوم) کی برائیاں لے کر اس ظالم کے اوپر ڈال دی جائیں گی) (بخاری)۔

(۱۹) اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَتَدْرُوْنَ مَا الْمُفْلِسُ قَالُوْا الْمُفْلِسُ فِیْنَا مَنْ لَّا دِرْھَمَ لَہٗ وَلَا مَتَاعَ فَقَالَ اِنَّ الْمُفْلِسَ مِنْ اُمَّتِیْ مَنْ یَّاْتِیْ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ بِصَلٰوۃٍ وَّصِیَامٍ وَّزَکٰوۃٍ وَّیَاْتِیْ قَدْ شَتَمَ ھٰذَا وَقَذَفَ ھٰذَا وَاَکَلَ مَالَ ھٰذَا وَسَفَكَ دَمَ ھٰذَا وَضَرَبَ ھٰذَا فَیُعْطٰی ھٰذَا مِنْ حَسَنَاتِہٖ وَھٰذَا مِنْ حَسَنَاتِہٖ فَاِنْ فَنِیَتْ حَسَنَاتُہٗ قَبْلَ اَنْ یُّقْضٰی مَا عَلَیْہِ اُخِذَ مِنْ خَطَایَاھُمْ فَطُرِحَتْ عَلَیْہِ ثُمَّ طُرِحَ فِی النَّارِ (یعنی کیا تم جانتے ہو کہ مفلس کون ہے؟ صحابۂ کرامؓ نے عرض کیا ہم میں مفلس وہ شخص ہے جس کے پاس درہم (مال) و اسباب کچھ نہ ہو، پس آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت میں سے مفلس وہ شخص ہے جو قیامت کے دن نماز، روزہ اور زکوٰۃ کے ساتھ آئے اور ساتھ ہی اس حال میں آئے کہ اس نے کسی کو گالی دی ہے، کسی کو تہمت لگائی ہے، کسی کا مال کھایا ہے، کسی کا خون بہایا ہے اور کسی کو مارا ہے۔ پس اُن میں سے ہر شخص کو اس کی نیکیوں میں سے (بقدرِ حق) دیا جائے گا۔ پھر اگر لوگوں کے وہ حقوق جو اس پر ہیں ادا ہونے سے پہلے اس کی نیکیاں ختم ہو گئیں تو حقداروں کی خطائیں (گناہ) لے کر اس پر ڈال دیئے جائیں گے، پھر اس کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔ (مسلم)

(۲۰) حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو لکھا کہ آپ مجھے کچھ نصیحت تحریر فرمائیں لیکن بہت نہ ہو (بلکہ مختصر ہو) پس انھوں نے لکھا: سَلَامٌ عَلَيْكُمْ اَمَّا بَعْدُ فَاِنِّیْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنِ الْتَمَسَ رِضَى اللّٰهِ بِسَخَطِ النَّاسِ كَفَاهُ اللّٰهُ مُؤْنَةَ النَّاسِ وَمَنِ الْتَمَسَ رِضَى النَّاسِ بِسَخَطِ اللّٰهِ وَكَلَهُ اللّٰهُ اِلَى النَّاسِ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ۔ آپ پر سلام ہو، اس کے بعد واضح ہو کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سُنا ہے کہ جو شخص لوگوں کی ناراضگی کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ کی رضامندی چاہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو لوگوں کی روگردانی اور تکلیف سے محفوظ رکھے گا اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کے مقابلہ میں لوگوں کی رضامندی چاہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو لوگوں کے حوالہ کر دیتا ہے، اور تجھ پر سلام ہو)[1]۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سچ فرمایا، حق سبحانہٗ وتعالیٰ ہم کو اور آپ کو ان سب باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے جو مخبر صادق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمائی ہیں۔

یہ حدیثیں اگرچہ ترجمہ کے بغیر لکھی گئی ہیں لیکن شیخ جیو[2] کی خدمت میں حاضر ہو کر ان حدیثوں کے معانی سمجھ کر کوشش کریں کہ ان کے موافق عمل میسر ہو جائے۔ دنیا کا قیام بہت تھوڑا ہے اور آخرت کا عذاب بہت سخت اور دائمی ہے، عقلِ دُور اندیش سے کام لینا چاہئے اور دنیا کی چند روزہ تر و تازگی پر فریفتہ نہیں ہونا چاہئے، اگر دنیا کی وجہ سے کسی کی عزت و آبرو ہوتی تو دنیا دار کافر سب سے زیادہ عزت والے ہوتے، دنیا کے ظاہر پر فریفتہ ہونا بے وقوفی ہے، چند روزہ فرصت کو غنیمت سمجھنا چاہئے اور حق تعالیٰ کی خوشنودی میں کوشش کرنا چاہئے اور مخلوقِ خدا پر احسان کرنا چاہئے۔ اَلتَّعْظِيْمُ لِاَمْرِ اللّٰهِ وَالشَّفَقَةُ عَلٰى خَلْقِ اللّٰهِ (اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعظیم کرنا (یعنی اس کے مطابق عمل کرنا) اور مخلوقِ خدا پر شفقت کرنا) یہ دونوں آخرت کی

---

[1] رواہ الترمذی۔ اور یہ سب حدیثیں مشکوٰۃ شریف سے ملتقط ہیں۔ [2] غالباً شیخ جیو سے مراد شیخ زکریا ہیں۔

نجات کے لئے اصل عظیم ہیں، مخبرِ صادق علیہ الصلوۃ والسلام نے جو کچھ فرمایا ہے حقیقتِ امر کے مطابق ہے بیہودہ بکواس اور بہکی ہوئی باتیں نہیں ہیں، یہ خواب خرگوش کب تک، آخر اس کا نتیجہ رسوائی در رسوائی اور خواری در خواری ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَیْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ٥ (مومنون آیت ۱۱۵ [۲۳]) (کیا تم خیال کرتے ہو کہ ہم نے تمہیں عبث و بیکار پیدا کیا ہے اور یہ کہ تم ہماری طرف لوٹائے نہیں جاؤ گے)۔

اگرچہ معلوم ہے کہ تمہارا وقت اس قسم کی باتیں سننا گوارا نہیں کرتا (کیونکہ) نوجوانی کا آغاز ہے اور دنیوی عیش و آرام سب میسر ہیں اور مخلوق پر حکومت و غلبہ حاصل ہے لیکن آپ کے حال پر جو شفقت ہے وہ (شفقت) اس گفتگو کا باعث ہو رہی ہے۔ ابھی کچھ نہیں بگڑا، توبہ و انابت (رجوع الی اللہ) کا وقت موجود ہے اس کی خبر دینا ضروری ہے ع

در خانہ اگر کس است یک حرف بس است (گھر میں کوئی ہو تو بس اک بات کافی ہوا ہے)

مکتوب ۹۹

نود و نہم

ملا حسن کشمیری کی طرف صادر فرمایا —— ایک استفسار کے جواب میں جو دوام آگاہی کی کیفیت اور حالتِ خواب کے ساتھ جو کہ سراسر غفلت اور حواس کی بیکاری کی حالت ہے اس کے جمع ہونے کے بارے میں کیا گیا تھا۔ [عہ]

آپ کا محبت نامہ گرامی شرف صدور لایا، دوام آگاہی کی کیفیت اور نیند کی حالت کے ساتھ اس کے جمع ہونے کے بارے میں جو کہ سراسر غفلت اور حواس کی بیکاری کی حالت ہے اور اس بزرگ سلسلہ کے بعض بزرگوں نے اس دولت کے حاصل ہونے کی خبر دی ہے، جو استفسار آپ نے کیا تھا (معلوم ہوا)

میرے مخدوم! اس اشکال کا حل ایک مقدمہ پر مبنی ہے جس کا بیان کرنا ضروری ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ انسان کی روح کو اس جسمانی صورت کے ساتھ تعلق ہونے سے پہلے ترقی و عروج کا راستہ بند تھا اور وَمَا مِنَّآ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ (صفت آیت ۱۶۴ [۳۷]) (ہم میں سے ہر ایک کا مقام مقرر ہے) کے پنجرہ میں محبوس و مقید تھا

عہ مکتوبات میں آپ کے نام پانچ مکتوبات ہیں دفتر اول مکتوب ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۲۷۹ دفتر سوم مکتوب ۱۲۲ - شیخ حسن کشمیری ثم الدہلوی علم و فضل اور بزرگی میں مشہور تھے طریقت کی تکمیل شیخ نجم چاپئیں ہہنوی سے کی پھر حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ کی صحبت اختیار کر کے کسبِ فیض کیا۔ حقائق و معارف میں ممتاز تھے سنہ ۱۰۵۱ھ میں وفات ہوئی (نزہۃ الخواطر ج ۵ ص ۱۳۲) حضرت مجدد صاحبؒ کو حضرت خواجہ باقی باللہؒ کی خدمت میں آپ ہی لے گئے۔ (زبدۃ المقامات ص ۱۳۸)

لیکن اس جوہرِ نفیس (روح) کی طبیعت و فطرت میں عروج کی استعداد (جسم میں) نزول کی شرط پر امانت رکھی گئی تھی، اسی (استعدادِ مذکورہ) کی بنا پر ہی فرشتے پر اس (انسان) کی فضیلت مقرر فرمائی تھی، حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے اپنی نہایت مہربانی سے اُس نورانی جوہر کو اِس ظلمانی جسم کے ساتھ جمع فرما دیا: سُبْحَانَ مَنْ جَمَعَ بَیْنَ النُّوْرِ وَالظُّلْمَۃِ وَقَرَنَ الْاَمْرَ بِالْخَلْقِ (پس پاک ہے وہ ذات جس نے نور اور ظلمت کو جمع کر دیا اور عالمِ امر (روح) کو عالمِ خلق (نفس) کے ساتھ ملا دیا)۔

اور چونکہ یہ دونوں امر حقیقت میں ایک دوسرے کے نقیض و ضد واقع ہوئے تھے اس لئے حکیم مطلق (اللہ تعالیٰ) جل شانہٗ نے اس اجتماع کے ثابت کرنے اور اس انتظام کے مقرر کرنے کے لئے روح کو نفس کے ساتھ عشق و محبت کی نسبت عطا فرمائی اور اسی محبت کو ان کے انتظام (آراستگی) کا سبب بنایا۔ آیتِ کریمہ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْۤ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِیْنَ ۙ (سورۃ التین ۹۵ آیت ۴، ۵) (البتہ بیشک ہم نے انسان کو بہترین صورت میں پیدا کیا پھر ہم نے اس کو سب سے نیچے کی طرف لوٹا دیا) میں اسی بیان کی طرف اشارہ ہے ــــــ اور یہ روح کا تنزل اور اس کی گرفتاری حقیقت میں مَدْحٌ بِمَا یُشْبِہُ الذَّمَّ (مذمت کے مشابہ مدح کرنے) کی قسم سے ہے ــــــ پس اس محبت کی نسبت کے باعث روح نے اپنے آپ کو پوری طرح عالمِ نفس میں ڈال دیا اور اپنے آپ کو اس کے تابع کر دیا، بلکہ اپنے آپ کو بھی فراموش کر دیا اور اپنے آپ کو نفسِ امارہ سے تعبیر کر لیا ــــــ روح کی اصلیت میں یہ ایک دوسری لطافت ہے کہ کمال لطافت کے باعث جس چیز کی طرف متوجہ ہوتی ہے اسی کا حکم اختیار کر لیتی ہے پس جبکہ اس نے اپنے آپ کو فراموش کر دیا ہے تو لازماً اپنی پہلی آگاہی کی نسبت کو بھی جو کہ وجوب تعالیٰ و تقدس کے مرتبہ میں رکھتا ہے فراموش کر دیتی ہے اور اپنے آپ کو ہمہ تن غفلت میں ڈال دیتی ہے اور ظلمت کا حکم اختیار کر لیتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی کمال مہربانی اور بندہ نوازی سے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو مبعوث فرمایا اور اس (روح) کو ان بزرگوں کے ذریعے سے اپنی طرف بُلایا اور روح کو نفس کی مخالفت کے لئے جو اس (روح) کا معشوق ہے حکم فرمایا: فَمَنْ رَجَعَ الْقَهْقَرٰی فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِیْمًا وَمَنْ لَّمْ یَرْفَعْ رَاْسَہٗ وَاخْتَارَ الْخُلُوْدَ اِلَی الْاَرْضِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِیْدًا (پس جس شخص نے رجعت قہقری (اُلٹے پاؤں پھرنا) کیا وہ بڑا کامیاب ہوا اور جس نے اپنا سر نہ اُٹھایا اور ہمیشہ زمین میں ہی رہنا اختیار کیا وہ سخت گمراہ ہو گیا) ــــــ

اس مقدمہ کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیجئے۔

اب ہم اس اشکال کا جواب بیان کرتے ہیں کہ اس مقدمہ سے روح کا نفس کے ساتھ جمع ہونا سمجھ میں آگیا بلکہ نفس میں اس کی فنا اور اس کے ساتھ اس کی بقا معلوم ہو چکی پس ناچار یہ اجتماع اور انتظام قائم ہے، ظاہر کی غفلت دراصل باطن کی غفلت ہے اور نیند جو کہ ظاہر کی غفلت ہے وہ عین باطن کی غفلت ہوگی، اور جب اس انتظام میں خلل پڑ جائے اور باطن ظاہر کی محبت سے منہ پھیر کر باطنوں کے باطن (مخفی ترین یعنی حق تعالیٰ) کی محبت اس کو حاصل ہو جائے اور وہ فنا و بقا جو فانی کے ساتھ پیدا کی تھی زائل ہونے لگے اور باقی حقیقی (اللہ) تعالیٰ و تقدس کے ساتھ فنا و بقا حاصل کر لے تو اس وقت ظاہر کی غفلت باطن کے حضور میں تاثیر نہیں کرتی، اور کس طرح تاثیر کر سکتی ہے جبکہ باطن نے ظاہر کی طرف پوری طرح پیٹھ کی ہوئی ہے اور باطن میں ظاہر کی طرف سے کوئی شے داخل نہیں ہو سکتی۔ پس جائز ہے کہ ظاہر غافل ہو اور باطن آگاہ ہو وَ لَا مَحْذُوْرَ (اور یہ محال نہیں ہے) ——— مثلاً روغنِ بادام جب تک کھلی (بادام کا ملغوبہ) میں مخلوط ہے دونوں کا ایک ہی حکم ہے اور جب روغن کھلی سے جدا ہو گیا تو دونوں کے لئے الگ الگ احکام پیدا ہو گئے پس ایک کا حکم دوسرے پر جاری نہیں ہوگا۔

اگر اس قسم کی نعمت والے کو دنیا کی طرف واپس لوٹا دیں اور ایک جہان کو اس کے وجودِ شریف کی برکت سے نفسانی ظلمتوں سے نکالنا چاہیں تو اس کو سیر عن اللہ باللہ کے طریق پر جہان (دنیا) کی طرف نیچے لے آتے ہیں (پس) اس کی تمامتر توجہ مخلوق کی طرف ہوتی ہے بغیر اس کے کہ اس کو ان کے ساتھ کسی قسم کی گرفتاری حاصل ہو کیونکہ وہ اپنی اُسی پہلی گرفتاری (توجہ کلی) پر قائم ہے، اس کو بے اختیاری طور پر اس جہان میں لائے ہیں، پس یہ منتہی[1] حق تعالیٰ و تقدس کی بارگاہ سے روگردانی کرنے اور خلق کی طرف متوجہ ہونے میں ظاہری طور پر تمام مبتدیوں کے ساتھ شریک ہوتا ہے لیکن حقیقت میں (وہ منتہی ہی اور مبتدیوں کے ساتھ) کچھ مناسبت نہیں رکھتا، گرفتاری اور عدم گرفتاری میں بہت بڑا فرق ہے۔

---

[1] جاننا چاہئے کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ نے مبتدی اور منتہی کا فرق چار طرح پر بیان فرمایا ہے ——— (۱) اول یہ کہ مبتدی بخلاف منتہی کے مخلوق کی طرح دنیا میں پھنسا ہوا ہے ——— (۲) دوم یہ کہ مخلوق کی طرف متوجہ ہونا منتہی کے لئے غیر اختیاری و بغیر رغبت کے صرف رضائے حق کی وجہ سے ہے اور مبتدی میں مخلوق کی طرف رجوع ہونا ذاتی اغراض اور اپنی رغبت سے اور اللہ تعالیٰ کی مرضی کے بغیر ہے ——— (۳) سوم یہ کہ مبتدی کو خلق سے روگردانی کر کے حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونا آسان ہے اور منتہی کے لئے خلق سے روگردانی کرنا محال ہے اور خلق کی طرف متوجہ رہنا اس کے مقام کے لئے لازمی ہے ——— (۴) چہارم یہ کہ مبتدی صاحب حجابات ہوتا ہے اور منتہی سے حجابات دور ہو جاتے ہیں جیسا کہ مکتوب ہذا میں درج ہے۔

اور نیز مخلوق کی طرف متوجہ ہونے میں یہ منتہی بے اختیار ہے، اس میں وہ اپنی رغبت کچھ نہیں رکھتا بلکہ اس توجہ میں حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی رضامندی (مقصود) ہے، اور مبتدی میں (توجہ بخلق) ذاتی اور اپنی رغبت سے ہے اور اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف ہے۔

ایک دوسرا فرق اور بیان کرتا ہوں (وہ یہ ہے کہ) مبتدی کے لئے یہ بات آسان ہے کہ عالم کی طرف سے منہ پھیر کر حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی طرف توجہ کرلے (لیکن) منتہی کے لئے مخلوق سے روگردانی محال ہے اور ہر وقت مخلوق کی طرف متوجہ رہنا اس کے مقام کو لازم ہے، مگر ہاں جب اس کی دعوت کا کام مکمل ہوجائے اور اس کو دار فنا (دنیا) سے دارِ بقا (آخرت) کی طرف لے جائیں تو اس وقت اَللّٰھُمَّ الرَّفِیْقَ الْاَعْلٰی[1] کی ندا اس کو سنائی دیتی ہے۔

مشائخِ طریقت قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم نے مقامِ دعوت کے مقرر کرنے میں مختلف باتیں ارشاد فرمائی ہیں، ایک جماعت نے "جمع توجہ بین الحق والخلق" سے تعبیر کیا ہے (یعنی حق اور خلق کے درمیان توجہ کا جمع ہونا بیان کیا ہے) ان کا اختلاف احوال ومقامات کے اختلاف پر مبنی ہے اور ہر ایک نے اپنے مقام کی خبر دی ہے، وَالْاَمْرُ عِنْدَ اللّٰہِ سُبْحَانَہٗ (اور حقیقتِ حال اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے)۔

اور یہ جو سید الطائفہ حضرت جنید رحؒ نے فرمایا ہے کہ اَلنِّھَایَۃُ ھِیَ الرُّجُوْعُ اِلَی الْبِدَایَۃِ (نہایت بہی ابتدا کی طرف رجوع کرنا ہے) اسی مقام دعوت کے موافق ہے جو اس مسودہ میں لکھا جاچکا ہے، کیونکہ بدایت میں تمام تر توجہ مخلوق کی طرف ہوتی ہے —— حدیث مبارکہ تَنَامُ عَیْنَایَ وَلَا یَنَامُ قَلْبِیْ[2] (میری آنکھیں سو جاتی ہیں لیکن میرا دل نہیں سوتا) جو کہ لکھی گئی تھی اس میں دوام آگاہی کی طرف اشارہ نہیں ہے بلکہ اپنے اور اپنی امت کے احوال کے جاری ہونے سے غافل نہ ہونے کی خبر دیتی ہے، یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حق میں نیند وضو کو توڑنے والی نہیں ہوئی۔ اور چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

[1] اس میں اس حدیث کی طرف اشارہ ہے جس کو امام بخاری ومسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بیان میں روایت کیا ہے۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ "رفیقِ اعلیٰ" اللہ تعالیٰ کا ایک اسم مبارک ہے اور بعض نے کہا کہ اس سے مراد انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا گروہ ہے جو کہ اعلیٰ علیین میں رہتے ہیں۔ پس اس جملہ کا ترجمہ یہ ہے کہ "یا اللہ مجھے جماعت اعلیٰ کے ساتھ ملادے، یا میں رفیق اعلیٰ کو اختیار کرتا ہوں"۔ اور بعض نے "رفیقِ اعلیٰ" سے بہشت مراد لی ہے۔

[2] یہ حدیث مسند ابوداؤد میں حضرت عائشہ سے مروی ہے۔

اپنی امت کی حفاظت کے بارے میں چرواہے (جانوروں کے محافظ) کی طرح ہیں اس لئے غفلت آپ کے منصبِ نبوت کے مناسب نہیں ہے ـــــ اور حدیث لِیْ مَعَ اللّٰہِ وَقْتٌ لَا یَسَعُنِیْ فِیْہِ مَلَکٌ مُّقَرَّبٌ وَّلَا نَبِیٌّ مُّرْسَلٌ[1] (میرے لئے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک ایسا وقت بھی ہوتا ہے جس میں کوئی مقرب فرشتہ اور کوئی نبی مرسل میرے ساتھ شریک نہیں ہو سکتا) صحیح ہونے کی صورت میں اس حدیث میں تجلّی ذاتی برقی کی طرف اشارہ ہو سکتا ہے اور اس تجلی سے بھی یہ لازم نہیں آتا کہ اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کی پاک بارگاہ کی طرف توجہ ہو بلکہ یہ تجلّی اُس جانب سے ہے مُتَجلّی لہٗ (جس پر تجلّی وارد ہوئی ہے) کو اس میں کچھ دخل نہیں ہے، (یہ تجلّی) عاشق میں معشوق کی سیر کی قسم سے ہے (کیونکہ) عاشق سَیر سے سیر ہو چکا ہے۔ بیت

آئینہ صورت از سفر دور است　　کاں پذیرائی صورت از نور است

(ترجمہ) (ہے آئینہ کی مثل جو عاشق سفر سے دور　　صورت کا عکس دُور سے لیتا ہے اس کا نُور)

جاننا چاہئے کہ مخلوق کی طرف رجوع کرنے کی صورت میں زائل شدہ حجابات پھر واپس نہیں آتے بے پردہ ہونے کے باوجود اس کو مخلوق میں مشغول رکھا گیا ہے اور مخلوقات کی خلاصی و کامیابی اس کے ساتھ وابستہ کی گئی ہے۔ ان بزرگوں کی مثال اس شخص کی طرح ہے جو بادشاہ کے ساتھ بڑا تقرب رکھتا ہو اور اس کے اور بادشاہ کے درمیان ظاہری و باطنی کوئی حجاب حائل نہیں ہے اس کے باوجود اس کو حاجتمندوں کی خدمت پر مشغول رکھا گیا ہے ـــــ رجوع کرنے والے منتہی میں یہ ایک اور فرق ہے کیونکہ مبتدی حجابات والا شخص ہے اور منتہی سے حجابات دُور کر دیئے گئے ہیں۔ وَالسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَعَلٰی سَائِرِ مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی (اور آپ پر اور ہدایت کی پیروی کرنے والے تمام لوگوں پر سلام ہو)۔

مکتوب ۱۰۰ صدم

یہ مکتوب بھی ملا حسن کشمیری کی طرف صادر فرمایا ـــــ ایک سوال کے جواب میں جو (انھوں نے) اس بارے میں کیا تھا کہ شیخ عبد الکبیر یمنی نے کہا ہے کہ حق سبحانہٗ و تعالیٰ عالم الغیب نہیں ہے۔

---

[1] اس کو صوفیائے کرام نے اپنی تحریروں میں ذکر کیا ہے، رسالہ قشیریہ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں: لی وقت لا یسعنی فیہ غیر ربی، اور اس میں مقام استغراق کی طرف اشارہ ہے جس کو سکر و محویت و فنا سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ (موضوعات ملا علی قاریؒ)۔

آپ کا نوازش نامۂ گرامی موصول ہوا، جو کچھ از روئے کرم لکھا تھا واضح ہوا۔ آپ نے تحریر فرمایا کہ شیخ عبدالکبیر یمنی[۱] نے کہا ہے کہ حق سبحانہٗ و تعالیٰ عالم الغیب نہیں ہے۔

میرے مخدوم! فقیر کو اس قسم کی باتیں سُننے کی طاقت ہرگز نہیں ہے، میری رگِ فاروقی (ایسی باتوں سے) بے اختیار جوش میں آجاتی ہے اور ایسے کلام کی تاویل و توجیہ کی فرصت نہیں دیتی۔ ان باتوں کے کہنے والا خواہ شیخ کبیر یمنی ہو یا شیخ اکبر شامی، ہمیں تو حضرت محمد عربی علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کا کلام (حدیث) درکار ہے نہ کہ محی الدین عربی، صدر الدین قونوی[۲] اور عبدالرزاق کاشی[۳] کا کلام، ہم کو نص (قرآن و حدیث) سے کام ہے نہ کہ فص (فصوص الحکم[۴]) سے، فتوحاتِ مدنیہ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث) نے ہم کو فتوحاتِ مکیہ[۵] سے بے نیاز کر دیا ہے۔

حق تعالیٰ عالم الغیب ہے

حق تعالیٰ اپنے کلام مجید میں علم غیب کے ساتھ اپنی تعریف فرماتا ہے اور اپنے آپ کو عالم الغیب[۶] فرمایا ہے، حق سبحانہٗ و تعالیٰ سے علم غیب کی نفی کرنا نہایت ہی قبیح اور بُرا ہے، اور فی الحقیقت حق سبحانہٗ کی (ایک گونہ) تکذیب ہے، ـــــ غیب کے کچھ اور معنی بیان کرنے سے یہ بُرائی دور نہیں ہوتی ـــ

كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ (کہف آیت ۵) (بڑی سخت بات ہے جو ان لوگوں کے منہ سے نکلتی ہے)

افسوس ان کو اس قسم کے صریح خلافِ شریعت کلمات کہنے پر کس چیز نے آمادہ کیا۔

منصور اگر أَنَا الْحَق اور بسطامی سُبْحَانِي کہتے ہیں تو وہ معذور ہیں اور غلبۂ احوال میں مغلوب ہیں لیکن

۱ـ شیخ عبدالکبیر یمنی اکابر اولیاء میں سے تھے آپ مولانا محمد روجی کی خدمت میں عرصہ تک رہے اور انھوں نے آپ کے ذمہ اہم خدمات سپرد کر رکھی تھیں۔ صاحبِ تقویٰ، صائم الدہر تھے، ایک دن علماء و فقراء کی مجلس میں آپ نے فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ عالم الغیب نہیں ہے" حاضرینِ مجلس متحیر ہو گئے اور خوف سے لرزنے لگے، شیخ نے اُن کے اطمینان کے لئے فرمایا کہ جہاں حق تعالیٰ ہے وہ شہادت ہے اور اس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے جسے غیب کہہ سکیں، وہ عالم الغیب جس کا ذکر قرآن کریم میں ہے وہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کی نسبت فرمایا ہے نہ کہ حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی نسبت سے۔ (مزید تفصیل کیلئے "رشحات" ملاحظہ فرمائیں)۔

۲ـ شیخ صدر الدین محمد بن اسحاق قونوی، آپ کی کنیت ابوالمعالی ہے۔ آپ ظاہری و باطنی اور نقلی و عقلی علوم کے جامع تھے۔ مولانا قطب الدین شیرازی حدیث میں آپ کے شاگرد ہیں۔ شیخ مؤید الدین جندی اور مولانا شمس الدین ایکی وغیرہ نے آپ سے تربیت حاصل کی، مولانا جلال الدین رومی سے آپ کے بہت تعلقات تھے ۶۵۴ھ کے بعد وفات پائی۔ (نفحات)۔

۳ـ شیخ عبدالرزاق، خواجہ حسن عطار کے بڑے خلفاء میں سے تھے، آپ کا طریقہ رابطہ کی نسبت کی ورزش میں تھا (رشحات)۔

۴ و ۵ـ فصوص الحکم اور فتوحاتِ مکیہ یہ دونوں کتابیں شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ کی تصانیف سے ہیں۔

۶ـ عالم الغیب کا لفظ قرآن کریم میں مندرجہ ذیل مقامات پر آیا ہے: سورۂ انعام آیت ۷۳، رعد آیت ۹، مومنون آیت ۹۲، سجدہ آیت ۶، سبا آیت ۳، فاطر آیت ۳۸، حشر آیت ۲۲، تغابن آیت ۱۸، جن آیت ۲۶ ـ مزید تفصیل فٹ نوٹ ۱ میں اوپر مذکور ہے

اس قسم کا کلام احوال میں سے نہیں ہے بلکہ علم سے تعلق رکھتا ہے اور تاویل کا محتاج ہے (لیکن) یہ بات عذر کے لائق نہیں ہے اور اس مقام میں کوئی تاویل مقبول نہیں ہے کیونکہ سُکر والوں کے کلام کی تاویل کی جاتی ہے اور ظاہر کی طرف سے پھیرا جاتا ہے نہ کہ کسی اور کا کلام ـــــــ اور اگر اس کلام کے کہنے والے کا مقصود اس طرح کے کلام کے اظہار کرنے سے مقصود مخلوق کی طرف سے ملامت و نفرت ہو تو یہ بھی بہت بُری اور مکروہ بات ہے، مخلوق کی ملامت حاصل کرنے کے لئے اور بہت سے طریقے ہیں، (ایسی) باتیں کہنے کی کیا ضرورت ہے جو انسان کو کفر کی حد تک پہنچا دیں، اور چونکہ آپ نے اس کلام کی تاویل میں گفتگو کی ہے اور استفسار کیا ہے تو اس حکم کے مطابق کہ "سوال کا جواب ضرور دینا چاہیے" ناچار اس بارے میں کچھ بیان کیا جاتا ہے: وَعِلْمُ الْغَيْبِ عِنْدَ اللهِ سُبْحَانَهٗ (اور غیب کا علم اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ہی جانتا ہے)۔

اور یہ جو بعض بزرگوں نے کہا ہے کہ غیب معدوم ہوتا ہے اور معدوم کا علم نہیں ہوتا، یعنی چونکہ غیب حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی نسبت معدومِ مطلق اور لاشئ محض ہے (یعنی ہرگز کوئی چیز اللہ تعالیٰ سے پوشیدہ نہیں ہے) تو علم کے تعلق کو اس کے ساتھ بیان کرنے کے کچھ معنی نہ ہوئے کیونکہ معلوم ہونا اس کو معدومِ مطلق اور لاشئ محض ہونے سے خارج کر دیتی ہے، اور نہیں کہہ سکتے کہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ کو اپنے شریک کا علم ہے، کیونکہ حق تعالیٰ و تقدس کا شریک اصلاً موجود نہیں ہے اور لاشئ محض ہے، ہاں غیب اور شریک کے مفہوم کا تصور کرنا ممکن ہے لیکن یہ گفتگو ان کے (غیب کے) مصداقِ کلام میں ہے نہ کہ مفہوم میں ـــــــ اُن تمام معاملات کا حال بھی ایسا ہی ہے کہ جن کے مفہومات کا تصور ممکن ہے اور ان کے مصدوقات کا تصور ممتنع ہے کیونکہ معلوم ہونا اس کو محال ہونے سے خارج کر دیتا ہے اور کم از کم اس کو ذہنی وجود تو بخش دیتا ہے۔

اور وہ اعتراض جو لوگوں نے مولانا محمد روجیؒ[1] کی توجیہ پر کیا ہے درست ہے، احدیتِ مجردہ کے مرتبہ میں نسبتِ علمیت کی نفی کرنے سے مطلق علم کی نفی لازم آتی ہے، صرف علمِ غیب کی نفی کی تخصیص کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ اور مولانا کی توجیہ پر دوسرا اشکال یہ ہے کہ اگرچہ احدیتِ مجردہ کے مرتبہ میں علمیت کی نسبت کی نفی کی گئی ہے لیکن حق تعالیٰ کی عالمیت (عالم ہونا) اپنے حال پر برقرار ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ شانہٗ ذات کی رُو سے عالم ہے نہ کہ صفت کی رُو سے، کیونکہ صفت کی وہاں (احدیتِ مجردہ میں) گنجائش نہیں ہے

[1] مولانا شمس الدین محمد روجیؒ مولانا سعد الدین کے ساتھیوں میں سے ہیں، مولانا روجی سالہا سال جامع مسجد ہرات میں طالبانِ حق کو راہِ حق کی دعوت دیتے رہے آپ کی ولادت موضع روج میں ہوئی جو ہرات سے نو فرسخ پر واقع ہے، ۱۴ ماہ شعبان ۸۲۰ھ شب برات کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت سے آپ کی ولادت ہوئی (رشحات)۔ ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خاں صاحب جنہوں نے مولانا روجیؒ کا ایک رسالہ ۱۹۵۹ء میں شائع کیا تھا اور ان کے خلیفہ جلال ہرویؒ پر تفصیلی مضمون انگریزی میں ۱۹۶۷ء میں لکھا تھا۔

صفات کی نفی کرنے والے حق سبحانہ وتعالیٰ کو عالم کہتے ہیں حالانکہ وہ علم کی صفت کو حق تعالیٰ سے مسلوب قرار دیتے ہیں لیکن جو انکشاف کہ صفت پر مترتّب ہوتا ہے اس کو ذات پر مترتب جانتے ہیں، پس اسی طرح یہ بھی ہے ــــــ اور یہ جو توجیہ آپ نے کی ہے اور غیب سے ذاتِ حق مراد لی ہے اور علم کے تعلق کو اس کے ساتھ جائز نہیں رکھا ہے اگرچہ واجب تعالیٰ وتقدس کا علم ہی ہو، تو یہ توجیہ سب توجیہات سے زیادہ اقرب ہے۔ لیکن فقیر کو حق تعالیٰ کی ذات بحت کے ساتھ واجب تعالیٰ کے علم کا تعلق جائز نہ ہونے میں بحث ہے کیونکہ جو وجہ انھوں نے عدم جواز کے بارے میں بیان کی ہے اس میں علم کی حقیقت معلوم کے احاطہ کی مقتضی ہے اور وہ ذات مطلق تعالیٰ وتقدس عدم احاطہ کا تقاضا کرتی ہے پس اس تعلق سے یہ دونوں جمع نہیں ہوں گے ــــــ یہ خدشہ کا مقام ہے، کیونکہ علمِ حصولی میں یہ معنی درکار ہیں جہاں قوتِ علمیہ میں معلوم کی صورت کا حصول ہوتا ہے لیکن علمِ حضوری میں یہ معنی کچھ درکار نہیں ہیں۔ اور ہم جس کا ذکر کر رہے ہیں وہ علم حضوری ہے نہ کہ علم حصولی، پس اس میں کوئی محال نہیں ہے کہ علم واجبی سبحانہ وتعالیٰ کا تعلق حق تعالیٰ کی ذات کے ساتھ حضور کے طریق پر ہے نہ کہ حصول کے طریقہ پر۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ اَعْلَمُ بِحَقِيْقَةِ الْحَالِ (اور حقیقتِ حال کو اللہ سبحانہٗ ہی سب سے بہتر جانتا ہے) وصلے اللہ تعالےٰ عَلٰی سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہِ الطَّاهِرِيْنَ وَسَلَّمَ وَبَارَكَ، وَالسَّلَامُ اَوَّلًا وَّاٰخِرًا

مکتوب ۱۰۱

صد و یکم

یہ مکتوب بھی ملا حسن کشمیری کی طرف صادر فرمایا ــــــ ان لوگوں کے رد میں جو کاملین کو ناقص خیال کر کے اُن پر اعتراض کی زبان دراز کرتے ہیں۔

اَحْسَنَ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ حَالَكُمْ وَاَصْلَحَ بَالَكُمْ (حق سبحانہٗ وتعالیٰ آپ کے حال کو اچھا کرے اور آپ کے دل کی اصلاح فرمائے) ــــــ مولانا محمد صدیق نے آپ کا گرامی نامہ پہنچایا، حَمْدًا لِلّٰهِ سُبْحَانَهٗ (اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا شکر ہے) کہ ہم دُور پڑے ہوئے لوگوں کو آپ نے فراموش نہیں کیا ــــــ جو خطاب آپ نے ظاہر طور پر نفس کی طرف کئے ہیں واضح ہوتے ہاں نفس کی امارگی (سرکشی) کے زمانے میں اس پر جو بھی اعتراض کریں وہ مسلّم ہے لیکن (نفس کے) مطمئنہ ہو جانے کے بعد اُس پر اعتراض کرنے کی گنجائش نہیں ہے

کیونکہ نفس اس مقام میں پہنچکر حق سبحانہٗ وتعالیٰ سے راضی اور حق سبحانہٗ وتعالیٰ اس سے راضی ہوجاتا ہے پس جب وہ (حق تعالیٰ کا) پسندیدہ ومقبول (بندہ) ہوگیا تو اس پر اعتراض جائز نہیں، کیونکہ اس کی مراد حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی مراد ہوجاتی ہے، لہٰذا اس دولت کا حاصل ہونا حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے اخلاق کے ساتھ متخلق (متصف) ہونے کے تحت ہے، اس کا مقدس میدان (صحن) ہم پست فطرت لوگوں کے اعتراض سے بہت بلند وبالا ہے، ہم جو کچھ کہتے ہیں وہ ہماری طرف لوٹ آتا ہے۔ بیت

آگہ از خویشتن چو نیست جنین چہ خبر دارد از چنان وچنین

(جو بچہ اپنی ماں کے پیٹ میں ہے اُسے اِس کی خبر ہے نہ اُس کی)

اکثر اوقات ایسا ہوتا ہے کہ جاہل لوگ اپنی صد درجہ جہالت کی وجہ سے نفسِ مطمئنہ کو نفسِ امارہ خیال کرلیتے ہیں اور نفس کی امارگی کے احکام نفسِ مطمئنہ پر جاری کردیتے ہیں جیسا کہ کفار نے انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کو دوسرے انسانوں کی طرح خیال کرکے نبوت کے کمالات سے انکار کیا ہے۔ حق سبحانہٗ وتعالیٰ ان اکابر بزرگوں علیہم الصلوات والتحیات اور اُن کے تابعداروں کے انکار سے بچائے۔

مکتوب ۱۰۲ صد و دوم

ملا مظفرؒ[ع] کی طرف صادر فرمایا ——— اس بیان میں کہ سودی قرض میں صرف زیادتی والی رقم ہی حرام نہیں بلکہ مجموعی رقم حرام ہے، مثلاً کسی شخص نے دس تنکے (ٹکے) بارہ تنکے کے عوض قرض لئے تو اس صورت میں مجموعی رقم بارہ تنکے حرام قرار پائیں گے نہ کہ صرف زیادتی والے دو تنکے، اور اس کے متعلقات میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) ——— آپ نے ایک دن فرمایا تھا کہ سودی قرض میں صرف زیادتی والی رقم ربا ہے اور بس (یعنی) دس[۱۰] تنکے قرض کے عوض بارہ تنکے (لینے دینے) کی صورت میں صرف یہی دو[۲] تنکے زیادتی والے حرام ہیں۔ لیکن جب بعض کتبِ فقہیہ کی طرف رجوع کیا گیا تو ظاہر ہوا کہ شریعت میں ہر وہ معاملہ جس میں زیادتی ہو وہ بھی ربا (سود) ہے۔ پس اس طرح کا سودی قرضہ بھی حرام ہے اور جو کچھ حرام کے ذریعے حاصل کیا جائے گا

سود کے احکام

ع ملا مظفر کے نام صرف یہی ایک مکتوب ہے مزید حالات معلوم نہ ہوسکے۔

وہ بھی حرام ہوگا اور وہ دس ٹکے بھی ربا اور حرام ہوں گے۔

کتاب جامع الرموز اور روایات کتاب ابراہیم شاہی کے بھیجنے سے مقصود اسی معنی و مطلب کا اظہار تھا۔ باقی رہی احتیاج کی بات، سو میرے مخدوم! ربا (سود) کی حرمت تو نصِ قطعی سے ثابت ہے جو حاجتمند اور غیر حاجتمند سب کو شامل ہے، یہاں محتاج کو اس قطعی حکم سے خارج کر دینا حکم قطعی کو منسوخ کر دینے کے مرادف ہے ——— رہی قنیہ[1] کی روایت، تو وہ ہرگز اس درجہ کی نہیں کہ حکم قطعی کو منسوخ کر سکے ——— مولانا جلال الدین لاہوری جو کہ علمائے لاہور میں بڑے پایہ کے علماء میں سے ہیں فرماتے تھے کہ قنیہ کی بہت سی روایات قابلِ اعتماد نہیں ہیں اور کتبِ معتبرہ کی مخالف ہیں۔ اور اگر قنیہ کی اس روایت کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو بھی احتیاج کی اس صورت کو اضطرار و مخمصہ کی حالت پر محمول کرنا چاہئے تاکہ آیہ کریمہ فَمَنِ اضْطُرَّ فِي مَخْمَصَةٍ (مائدہ آیت ۳) (پھر جو شخص بھوک سے لاچار و مجبور ہو جائے) اس حکمِ قطعی کے ساتھ مختص ہو جائے کیونکہ کیونکہ از روئے قوت آیت ہی آیت کے برابر ہو سکتی ہے ؎

کہ رستم را کشد ہم رخش رستم (رستم کو بس اسی کا گھوڑا اٹھا سکے ہے)

اور اگر محتاجی کو عام کر دیا جائے (یعنی اضطرار کی قید نہ لگائی جائے) تو پھر حرمتِ ربا کی کوئی صورت بھی نہ نکل سکے گی۔ کیونکہ جو شخص بھی (اپنی جیب سے) زیادہ رقم دینا قبول کرتا ہے اس کی علت کوئی نہ کوئی احتیاج ضرور ہوتی ہے کیونکہ کوئی شخص بھی بلا وجہ اپنے نقصان کا مرتکب نہیں ہوا کرتا۔ پس ایسی صورت میں حق سبحانہ وتعالیٰ کے نازل فرمائے ہوئے حکم کا کوئی خاص فائدہ مرتب نہ ہوگا اور اللہ تعالیٰ کی کتاب عزیز جس میں فائدے ہی فائدے ہیں اس قسم کی وہمی باتوں سے پاک ہے۔

اور اگر بفرضِ محال عام محتاجی کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو ہم کہتے ہیں کہ احتیاج بھی منجملہ ضروریات میں سے ہے اور ضرورت بقدر اندازۂ ضرورت پوری کی جاتی ہے۔ پس اس سودی رقم سے کھانا پکانا اور لوگوں کو کھلانا ہرگز ضرورت و احتیاج میں داخل نہیں ہے اور نہ کوئی ضرورت اس سے متعلق ہے، اسی لئے ترکۂ میت میں سے میت کی ضروری چیزیں مستثنیٰ ہیں صرف کفن و دفن (کے اخراجات) کو میت کے ترکہ میں منحصر کیا ہے، اور اس کی روحانیت (ایصالِ ثواب) کے لئے کھانا پکانا بھی احتیاج و ضرورت میں داخل نہیں حالانکہ میت

---

[1] کشف الظنون میں ہے کہ قنیۃ المنیہ علی مذہب ابی حنیفہؒ، الشیخ الامام ابی الرجاء نجم الدین مختار بن محمود الزاہدی حنفی المتوفی ۶۵۸ھ کی تصنیف ہے۔ علماء کے ہاں وہ ضعف روایت کے ساتھ مشہور ہے اور یہ کہ اس کا مصنف معتزلی ہے۔

صدقہ وخیرات کی بہت محتاج ہوتی ہے ــــــ پس صورتِ متنازع فیہ میں غور فرمائیں کہ سودی قرض لینے والے (در حقیقت محتاج ہیں یا نہیں۔ اور احتیاج وضرورت کی صورت میں سودی رقم سے جو کھانا کسی جماعت کے لئے پکایا جائے اس جماعت کو وہ کھانا حلال بھی ہے یا نہیں؟ ــــــ کنبے والوں اور سپاہیوں کو حیلۂ احتیاج بنانا اور اس بہانہ سے سودی روپیہ لینا اور اس کو جائز وحلال سمجھنا دینداری سے بعید ہے ــــــ چاہیئے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا طریقہ اختیار کرتے ہوئے اس جماعت کو جو اس بلا (سودی قرضہ) میں مبتلا ہیں منع کرنا چاہیئے اور اس حیلہ کی غلطی سے (حکمت وموعظت کے ساتھ) اُن کو آگاہ کرنا چاہیئے۔ ایسا کام کیوں کیا جائے جس میں ان ممنوعات کا ارتکاب کرنا پڑے، آخر معاش (حاصل کرنے کے) ذرائع اور بہت ہیں، اس سپاہ گری پر ہی معاش منحصر نہیں ہے ــــــ چونکہ آپ صلاح وتقویٰ سے آراستہ ہیں اس لئے آپ کو وہ روایت بھیجی جا رہی ہے جس میں حلال وطیب کھانے کی تاکید ہے۔

آپ نے تحریر فرمایا تھا کہ اس زمانہ میں شبہ سے خالی غذا کا میسر آنا مشکل ہے، یہ بات درست ہے لیکن جہاں تک ہو سکے مشتبہ چیزوں سے بچنا چاہیئے، بے طہارت کھیتی باڑی کے ذریعۂ معاش کو آپ نے پاکیزگی کے خلاف سمجھا ہے، ہندوستان میں اس سے بچنا ممکن نہیں (جیسا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے) لَا یُکَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا (بقرہ آیت ۲۸۶) (اللہ تعالیٰ (احکام شرعیہ میں) کسی نفس کو اس کی طاقت ومقدار سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا)۔ لیکن سودی (رقم سے تیار کئے ہوئے) کھانے کو نہ کھانا بہت آسان کام ہے حلال کو حلال اور حرام کو حرام جاننا بہت ضروری ہے اس کا انکار کفر تک پہنچا دیتا ہے، ظنیات میں ایسا نہیں ہے، بہت سے کام حنفیہ کے نزدیک مباح ہیں جو شافعیہ کے ہاں مباح نہیں، اور اس کے برخلاف بھی موجود ہے (یعنی شافعیہ کے ہاں مباح اور حنفیہ کے ہاں غیر مباح)۔

ہم جس مسئلے میں گفتگو کر رہے ہیں اس میں اگر کوئی شخص مشکوک ضرورت مند کے لئے سودی قرض کے حلال ہونے میں جو بظاہر نصِ قطعی کے حکم کے خلاف ہے توقف کرے تو اُسے گمراہ قرار نہیں دینا چاہئے اور اس کو مجبور نہیں کرنا چاہیئے کہ وہ اپنے اعتقاد میں اس کو حلال جانے، کیونکہ صحت وصواب اسی کی جانب راجح ومتیقن ہے (جو سودی قرض کی حرمت کا قائل ہے) اور اس کا مخالف خطرے میں ہے۔

آپ کے احباب میں سے کسی نے بیان کیا ہے کہ ایک روز مولانا عبد الفتاح نے آپ کے سامنے کہا کہ اگر سود کے بغیر قرض مل جائے تو بہتر ہے پھر سود پر قرض لینے کی کیا ضرورت ہے، تو آپ نے ان (مولانا موصوف) کو

ڈانٹا اور کہا "تم حلال چیز کا انکار کرتے ہو" ـــــــ میرے مخدوم! اس قسم کی باتوں کی حلالِ قطعی میں تو گنجائش ہے لیکن یہ سودی قرضہ (آپ کے خیال کے مطابق) اگر حلال بھی ہو تو بھی یقیناً اس کا ترک اولیٰ ہے، کیونکہ اہلِ تقویٰ رخصت (اجازت) کا حکم نہیں کرتے بلکہ عزیمت (ارادہ) پر دلالت کرتے ہیں۔

لاہور کے مفتیوں نے احتیاج و ضرورت کی وجہ سے اس کے حلال ہونے کا حکم دیدیا ہے (لیکن) احتیاج کا دامن بڑا وسیع ہے اگر اس کو پھیلایا جائے تو کوئی چیز سود نہیں رہتی، اور حرمتِ ربا کا حکم (نعوذ باللہ) عبث و بے فائدہ ہو جائے گا جیسا کہ قبل ازیں (اوپر) بیان کیا جا چکا ہے۔ لیکن آپ کو یہ بات خوب ملحوظ رکھنی چاہئے کہ دوسروں کو (اس سودی رقم سے) کھانا کھلانا احتیاج کی کس قسم سے ہے جو قرض لینے والے کو مجبور کرتی ہے؟ ـــــــ بہرحال قنیہ کی روایت بھی احتیاج والے کو سودی قرض لینے کی اجازت دیتی ہے دوسروں کے لئے اس کی اجازت نہیں دیتی۔

اگر کوئی کہے کہ کسی محتاج نے اس کھانے کو شاید کفارۂ قسم یا کفارۂ ظہار یا روزہ کا کفارہ ادا کرنے کی بنا پر پکایا ہو اور اس میں شک نہیں کہ وہ اس کفارہ کی ادائیگی کا حاجتمند ہے ـــــــ تو ہم کہتے ہیں کہ اگر کوئی محتاج (کفارہ میں مساکین کو) کھانا کھلانے کی استطاعت نہیں رکھتا تو (شرع شریف کے مطابق) روزے رکھے نہ کہ سودی قرض لے (اور کھانا کھلائے) ـــــــ اور اگر اسی قسم کی اور کوئی احتیاج پیش آجائے تو تھوڑی سی توجہ اور تقویٰ کی برکت سے وہ احتیاج (بغیر سودی قرض کے) پوری ہو سکتی ہے (حق تعالیٰ کا ارشاد ہے) وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ[65] (سورۂ طلاق آیت ۲، ۳) (جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے کوئی نہ کوئی راستہ نکال دیتا ہے اور اسے ایسی جگہ سے رزق عطا فرماتا ہے جہاں سے اس کو گمان بھی نہیں ہوتا) آپ پر سلام ہو اور اس پر جو ہدایت کی اتباع کرے)

مکتوب ۱۰۳

صد و سوم

سیادت و شرافت پناہ شیخ فرید[ع۵] کی طرف صادر فرمایا ـــــــ عافیت کے معنی اور سرہند کیلئے قاضی کی ضرورت میں۔

حق سبحانہٗ و تعالیٰ آپ کو عافیت سے رکھے۔ آپ کے لئے عافیت کی وہ دعا کرتا ہوں جو ایک بزرگ ہمیشہ حق سبحانہٗ و تعالیٰ سے صرف ایک دن کے لئے عافیت کی تمنا اور دعا کیا کرتے تھے ـــــــ کسی نے اُن

ع۵۔ شیخ فرید سے متعلق تذکرہ اور مکتوبات کی تفصیل کے لئے دفترِ اول مکتوب ۴۳ کا حاشیہ ملاحظہ ہو۔

بزرگ سے دریافت کیا کہ آپ جس (عمدہ) حالت میں زندگی گذار رہے ہیں کیا یہ "عافیت" نہیں ہے؟ —— بزرگ نے جواب دیا کہ "میرا مقصد یہ ہے کہ کوئی ایک دن ہی عافیت کا ایسا نصیب ہو کہ جس میں صبح سے شام تک مجھ سے حق سبحانہٗ تعالیٰ کی کوئی معصیت و نافرمانی سرزد نہ ہو"۔

عرصہ سے سرہند میں کوئی قاضی (شرعی جج) مقرر نہیں ہے جس کی وجہ سے شرعی احکام کے جاری کرنے میں دشواری پیش آرہی ہے۔ مثلاً برادر زادہ (بھتیجا) یتیم ہوگیا ہے، اس کے والد کی میراث کا کچھ حصہ باقی ہے لیکن اس کا کوئی وصی نہیں ہے (فقیر) اس کے مال میں بلا اجازت شرعی قاضی تصرف کرنے سے مجبور ہے اگر شرعی قاضی مقرر ہو جائے تو یہ کام ٹھیک ہو سکتا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس اسی طرح اور بھی بہت سے کام قاضی نہ ہونے کی وجہ سے التواء میں پڑے ہوئے ہیں۔

مکتوب ۱۰۴ صد و چہارم

پرگنہ منگن کے قاضیوں کی طرف ماتم پرسی سے متعلق صادر فرمایا۔

مغفرت پناہی کی رحلت سے جو پریشانی و مصیبت آپ لوگوں کو پہنچی ہے اگرچہ وہ بہت شدید ہے لیکن مقام بندگی کے پیشِ نظر (ہمارے لئے ہر حالت میں) حق سبحانہٗ و تعالیٰ کے فعل سے راضی رہنے کے سوا چارہ نہیں ہے کار کنانِ قضا و قدر (انسان کو) دنیا میں صرف قیام کے لئے نہیں لائے بلکہ (نیک) کاموں کے لئے لائے ہیں، لہٰذا اگر (انسان نیک) کام کرتا ہوا دنیا سے رخصت ہوگیا تو اس کے لئے کوئی خوف و خطر نہیں بلکہ (ایسا شخص) بادشاہ ہے، اَلْمَوْتُ جِسْرٌ یُّوْصِلُ الْحَبِیْبَ اِلَی الْحَبِیْبِ (یعنی موت ایک پل ہے جو دوست کو دوست سے ملا دیتا ہے) یہ مقولہ ایسے ہی شخص کی شان میں ثابت ہے۔

رنج و غم مرنے کا نہیں ہے بلکہ حبیب کی طرف جانے والے کے حال کی فکر ہے کہ اس کے ساتھ کیسا سلوک ہوتا ہے (ہمیں) دعا[۱]، استغفار[۲] اور صدقات[۳] سے (میت کی) امداد کرنی چاہئے (جیسا کہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: مَا الْمَیِّتُ فِی الْقَبْرِ اِلَّا کَالْغَرِیْقِ الْمُتَغَوِّثِ[۱] یَنْتَظِرُ دَعْوَۃً تَلْحَقُہٗ مِنْ اَبٍ اَوْ اُمٍّ اَوْ اَخٍ اَوْ صَدِیْقٍ فَاِذَا لَحِقَتْہُ کَانَ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنَ الدُّنْیَا وَمَا فِیْہَا وَاِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی

[۱] اس حدیث کو امام بیہقی نے حضرت ابن عباسؓ سے شعب الایمان میں مرفوعاً روایت کیا ہے (مشکوٰۃ)

لَیَدْخُلُ عَلٰی اَھْلِ الْقُبُوْرِ مِنْ دُعَآءِ اَھْلِ الْاَرْضِ اَمْثَالَ الْجِبَالِ مِنَ الرَّحْمَۃِ وَاِنَّ ھَدِیَّۃَ الْاَحْیَآءِ اِلَی الْاَمْوَاتِ اَلْاِسْتِغْفَارُ لَھُمْ (یعنی میت قبر میں ڈوبنے والے فریاد خواہ کی طرح ہوتی ہے اور دعا کے انتظار میں رہتی ہے جو اس کے باپ ماں بھائی اور دوست کی طرف سے پہنچے۔ جب دعا ان کی طرف سے پہنچتی ہے تو میت کے لئے دنیا و مافیہا سے زیادہ محبوب ہوتی ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ زندوں کی دعا سے پہاڑوں کی مانند مُردوں پر رحمتیں نازل فرماتا ہے اور بیشک مرنے والوں کے لئے زندہ لوگوں کا خاص تحفہ ان کے لئے مغفرت کی دعا کرنا ہے)۔

آپ کا التفات نامہ موصول ہوا، موسم سرما کی ہوائیں فقراء کو بہت شدید معلوم ہوتی ہیں، ورنہ اپنے آپ کو معذور نہ رکھتا (جلد جواب دیتا)۔ (آپ حضرات کیلئے) سفارش بہت تاکید سے لکھدی گئی ہے انشاء اللہ سودمند ثابت ہوگی، زیادہ لکھنا بیکار ہے ——— محبت نشان قاضی حسن اور دیگر عزیزوں کو بہت بہت دعائیں۔ حق سبحانہٗ و تعالیٰ سے تمام امور میں راضی اور شاکر رہیں۔

مکتوب ۱۰۵
صد و پنجم

حکیم عبد القادر[2] کی طرف صادر فرمایا ——— اس بیان میں کہ بیمار جبتک تندرست نہ ہوجائے اُسے کوئی غذا فائدہ نہیں دیتی اور اس کے مناسب بیان میں۔

چونکہ اطبا کے نزدیک یہ بات مسلّم ہے کہ مریض جبتک بیماری سے صحتیاب نہ ہوجائے کوئی غذا اُسے فائدہ نہیں دیتی اگرچہ مرغ متنجن ہی کیوں نہ ہو، بلکہ (بیماری کی حالت میں) غذا مرض کو بڑھا دیتی ہے بمصرع

ہرچہ گیرد علتی علت شود (ہر غذا بیمار کے حق میں ہے مضر)

لہذا پہلے مرض کو دُور کرنے کی فکر کرتے ہیں اس کے بعد آہستہ آہستہ مناسب غذاؤں سے اصلی قوت و طاقت کی طرف لاتے ہیں۔ پس آدمی جبتک قلبی امراض میں مبتلا ہے فِیْ قُلُوْبِھِمْ مَّرَضٌ (بقرہ۲ آیت ۱۰) (ان کے دلوں میں مرض ہے) کوئی عبادت و طاعت اس کو فائدہ نہیں دیتی بلکہ مضر ثابت ہوتی ہے۔ رُبَّ تَالٍ لِّلْقُرْاٰنِ وَالْقُرْاٰنُ یَلْعَنُہٗ[1] (بعض لوگ قرآن کریم اس طرح پڑھتے ہیں کہ قرآن کریم اُن پر لعنت کرتا ہے) حدیث مشہور ہے۔

---

[1] اس حدیث کو امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کیا ہے (معرب)

[2] آپ کے نام صرف یہی ایک مکتوب ہے۔ غالباً علامہ عبد القادر بن ابی محمد بغدادی ثم الاجینی مراد ہیں جو منطق اور حکمت کے ممتاز علماء میں سے تھے ۱۰۲۱ھ میں وفات پائی۔ (نزہۃ الخواطر ج ۵ ص ۲۳۲)۔

نیز وَرُبَّ صَائِمٍ لَیْسَ لَہٗ مِنْ صِیَامِہٖ اِلَّا الْجُوْعُ وَالظَّمَاءُ[۱] (یعنی بہت سے روزے دار ایسے ہوتے ہیں کہ ان کو بھوک اور پیاس کے علاوہ کچھ حاصل نہیں ہوتا (کیونکہ وہ جھوٹ اور غیبت وغیرہ سے پرہیز نہیں کرتے) حدیث صحیح مشہور ہے۔

قلبی امراض کے اطبا (یعنی مشائخ کرام) بھی پہلے مرض دُور کرنے کا حکم فرماتے ہیں، اور اس مرض سے مراد ماسوائے حق کی گرفتاری بلکہ اپنی خواہشاتِ نفس میں پھنسا رہنا ہے کیونکہ ہر شخص جو کچھ چاہتا ہے اپنے نفس کے لئے چاہتا ہے، اگر بیٹے کو دوست رکھتا ہے تو بھی اپنے فائدے کے لئے، اور اسی طرح مال و دولت اور ریاست و سرداری چاہتا ہے تو بھی اپنے لئے، پس درحقیقت اس کا معبود اس کی اپنی نفسانی خواہش ہے جبتک نفس کی اس قید سے خلاصی نہ ہو جائے نجات کی امید بہت مشکل ہے۔ پس عقلمند علماء اور صاحبِ بصیرت حکماء پر لازم ہے کہ اس مرض کے ازالہ کی فکر کریں۔ مصرعہ

در خانہ اگر کس است یکحرف بس است　　(گھر میں کوئی ہو تو بس اک بات کافی ہے اُسے)

مکتوب ۱۰۶

صد و ششم

محمد صادق کشمیری[ع] کی طرف صادر فرمایا ——— اس بیان میں کہ اس گروہ (اولیائے کرام) کی محبت جو اُن کی معرفت پر مترتب ہوتی ہے حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی بڑی نعمتوں میں سے ہے۔

آپ کا مکتوب مرغوب (پسندیدہ خط) جو محبت کی زیادتی اور کمال درجہ کی دوستی سے بھرا ہوا تھا موصول ہوا۔ لِلّٰہِ سُبْحَانَہٗ الْحَمْدُ وَالْمِنَّۃُ عَلٰی ذٰلِکَ (اس پر اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کی حمد اور اس کا احسان ہے) اس گروہ (اولیائے کرام) کی محبت جو اُن کی معرفت پر مترتب ہوتی ہے حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی بڑی نعمتوں میں سے ہے، دیکھئے کس صاحبِ نصیب کو اس نعمت سے مشرف فرماتے ہیں ——— شیخ الاسلام ہروی

---

[۱] اس حدیث کو ابن حجر و نسائی اور ابن ماجہ نے کم و بیش الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے۔

[ع] مکتوبات شریفہ میں آپ کے نام پانچ مکتوبات ہیں دفتر اول مکتوب ۱۰۶، ۱۰۷ دفتر دوم ۲۲، ۷۸۔ دفتر سوم ۳۹۔ مولانا محمد صادق کشمیری ابن کمال الدین حنفی اپنے زمانے کے مشہور علماء میں سے تھے۔ فقیر محمد دہلوی نے "حدائق الحنفیہ" میں لکھا ہے کہ آپ بڑے فصیح و بلیغ حاضر دماغ علماء میں سے تھے، جزئیات خوب یاد تھیں۔ منطق، حکمت اور طب میں بڑی مہارت حاصل تھی — اسی وجہ سے جہانگیر نے آپ کو اپنی مجلس میں بلایا اور ملا حبیب اللہ شیعہ سے مناظرہ کرایا۔ آپ نے اس کو لاجواب کر کے ساکت کر دیا تھا۔ کشمیر میں انتقال ہوا۔ (نزہۃ الخواطر ج ۵ ص ۳۷۸)

فرماتے ہیں کہ "الٰہی تو نے اپنے دوستوں کے ساتھ یہ کیا معاملہ کیا ہے کہ جس نے ان کو پہچانا تجھ کو پالیا اور جب تک تجھ کو نہ پایا ان کو نہیں پہچانا" ـــــ اس گروہ کے ساتھ بغض و عناد رکھنا زہر قاتل ہے اور ان پر طعن کرنا (نیک کاموں سے) ہمیشہ کی محرومی کا باعث ہے۔ نَجَّانَا اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَاِيَّاكُمْ عَنْ هٰذَا الْاِبْتِلَاءِ (اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ ہم کو اور آپ کو اس آزمائش سے بچائے) ـــــ شیخ الاسلام[1] نے فرمایا "الٰہی جس کو تو اپنے دربار سے مردود کرنا چاہتا ہے اس کو ہمارا مخالف بنا دیتا ہے۔ بیت

بے عنایاتِ حق و خاصانِ حق ۔۔۔ گر ملک باشد سیہ ہستش ورق

(لطفِ حق اور لطفِ خاصاں کے بغیر ۔۔۔ ہو فرشتہ بھی، عمل اس کا تباہ)

یہ رجوع و انابت جو حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے آپ کو از سر نو کرامت فرمائی ہے اس کو بڑی نعمت خیال فرمائیں اور حق تعالیٰ سے اس پر استقامت کے طالب ہوں۔ وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِيْمَاتُ (اور سلام ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کو اپنے اوپر لازم کرے)۔

مکتوب ۱۰۷ صد و ہفتم

یہ مکتوب بھی محمد صادق کشمیری کے نام صادر فرمایا ـــــ ان چند سوالات کے جواب میں جن سے طعن و تعصب کی بُو آتی ہے اور یہ مکتوب ان ضروری فوائد پر مشتمل ہے جو اولیائے کرام کے بلند مرتبہ پر یقین رکھنے میں فائدہ مند ہیں۔

حق سبحانہٗ و تعالیٰ اس عالی گروہ (اولیائے کرام) کے بلند مرتبہ پر ایمان و یقین کی سعادت نصیب فرمائے ـــــ آپ کا گرامی نامہ جو چند سوالات پر مشتمل تھا موصول ہوا۔ اگرچہ اس قسم کے سوالات

---

[1] شیخ الاسلام ابو اسمٰعیل عبداللہ ابن ابی منصور محمد انصاری ہروی حضرت ابو ایوب انصاریؓ کی اولاد میں سے ہیں۔ آپ کی ولادت بروز جمعہ ۲ شعبان ۳۵۹ھ کو جقند میں ہوئی۔ آپ کو بچپن ہی سے شاعری کا شوق تھا۔ شیخ الاسلام کہتے تھے کہ میں نے اپنے اوقات کو قرآن و حدیث پڑھنے اور لکھنے میں تقسیم کیا ہوا تھا، کھانا کھانے کی بھی فرصت نہ ملتی تھی۔ والدہ روٹی کا لقمہ بناتیں اور منہ میں ڈال دیتیں لیکن لکھتا رہتا تھا۔ حافظہ ایسا عمدہ تھا کہ مجھے تین ہزار حدیثیں یاد ہیں ـــ آپ کی وفات ۹ ربیع الاول ۴۸۱ھ کو ہوئی۔ (نفحات اردو ترجمہ ص ۳۶۲)

جن میں بدگوئی اور تعصب کی آمیزش ہو جواب کے قابل نہیں ہوتے۔ لیکن اس سے قطع نظر کرکے جواب دینے میں پیشقدمی کرتا ہے تاکہ اگر ایک کو نفع نہ ہو تو شاید کسی دوسرے ہی کو فائدہ پہنچے۔

پہلا سوال یہ تھا کہ اس کا کیا سبب ہے کہ اولیائے متقدمین سے کرامات اور خوارق بہت ظاہر ہوتے تھے اور موجودہ زمانے کے بزرگوں سے بہت کم ظاہر ہوتے ہیں؟

(**جواب**) اگر اس سوال سے آپ کا مقصد خوارق کے کم ہونے کی وجہ سے موجودہ دور کے بزرگوں کی نفی کرنا ہے جیسا کہ عبارت سے واضح ہوتا ہے تو حق سبحانہٗ و تعالیٰ ان شیطانی (پُرفریب) آرائشوں سے اپنی پناہ میں رکھے ——— خوارق کا ظاہر ہونا نہ ولایت کے ارکان میں سے ہے اور نہ (ولایت کے) شرائط میں سے، بخلاف معجزۂ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کہ وہ مقامِ نبوت کے شرائط میں سے ہے ——— لیکن (شرطِ ولایت نہ ہونے کے باوجود) اولیاء اللہ سے خوارق کا ظہور بہت کچھ شائع و ظاہر ہے اور اس کے خلاف کم ہی ہوا ہے (یعنی اولیاء سے ظہورِ خوارق نہ ہوا ہو) ——— لیکن خوارق[1] کا کثرت سے ظاہر ہونا ولایت کی افضلیت پر دلالت نہیں کرتا البتہ وہاں فضیلت کے لئے قربِ الٰہی کے درجات کا اعتبار ہے ممکن ہے کہ کسی ولیِ اقرب سے (جو حق تعالیٰ سے قُرب کا درجہ زیادہ رکھتا ہے) بہت کم خوارق ظاہر ہوئے ہوں اور ولیِ اَبعد (جو قربِ الٰہی کا کم درجہ رکھتا ہے) سے بکثرت ظاہر ہوں ——— وہ خوارق جو اس امت کے بعض اولیائے کرام سے ظاہر ہوتے ہیں اصحاب کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے اس کا عشر عشیر (سوواں) حصہ بھی ظہور میں نہیں آیا، حالانکہ اولیاء میں سے سب سے افضل ولی ایک ادنیٰ صحابی کے درجہ کو نہیں پہنچتا ——— خوارق کے ظہور پر نظر رکھنا کوتاہ نظری ہے اور استعدادِ تقلیدی کی کمی پر دلالت کرتا ہے، نبوت و ولایت کے فیوض قبول کرنے کے لائق وہ لوگ ہیں جن میں تقلیدی استعداد ان کی قوتِ نظری پر غالب ہو۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو استعدادِ تقلیدی کی قوت کی وجہ سے حضور نبی کریم علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی تصدیق کرنے میں کسی دلیل کی ضرورت پیش نہیں آئی، اور ابو جہل لعین اسی

کمالِ ولایت کا مدار کثرتِ خوارق پر نہیں

---

[1] ظہورِ خوارق کی دلیل کتاب و سنت سے اور صحابہؓ اور ان کے بعد تابعین و تبع تابعین کے اقوال سے بھی تواتر کے ساتھ ثابت ہے اور ان کے درمیان قدرِ مشترک ہے اور کسی کو اس کے انکار کی مجال نہیں جیسا کہ بعض اکابر اور ان کے متبعین سے ظاہر ہوا ہے (از شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ)

استعداد کی کمی کی وجہ سے بہت سی روشن آیات اور مغلوب کردینے والے بکثرت معجزات ظاہر ہونے کے باوجود تصدیق نبوت کی دولت حاصل نہ کرسکا (جیسا کہ) حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ کا ان بے دولتوں (یعنی استعدادِ تقلیدی سے محروم لوگوں) کے بارے میں ارشاد ہے: وَاِنْ یَّرَوْا کُلَّ اٰیَۃٍ لَّا یُؤْمِنُوْا بِھَا حَتّٰٓی اِذَا جَآءُوْکَ یُجَادِلُوْنَکَ یَقُوْلُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اِنْ ھٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ (انعام [6] آیت ۲۵) (یعنی اور اگر یہ (کفار) ساری نشانیاں (معجزے) بھی دیکھ لیں تب بھی ان پر ایمان نہ لائیں گے، یہانتک کہ جب وہ آپؐ کے پاس پہنچتے ہیں تو آپؐ سے جھگڑتے ہیں اور کافر لوگ کہتے ہیں کہ یہ تو محض پہلے لوگوں کے قصے کہانیاں ہیں)۔ ——— اس لئے ہم کہتے ہیں کہ اکثر متقدمین میں سے بھی ساری عمر میں پانچ یا چھ سے زیادہ خوارق نقل نہیں کئے گئے ——— حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ جو کہ اس گروہ (اولیاء) کے سردار ہیں معلوم نہیں کہ ان سے دس خوارق بھی ظہور میں آئے ہوں ——— اور حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ اپنے کلیم (حضرت موسیٰ) علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام سے متعلق یوں فرماتا ہے وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسٰی تِسْعَ اٰیٰتٍۢ بَیِّنٰتٍ (بنی اسرائیل [17] آیت ۱۰۱) (یعنی بحقیق ہم نے موسیٰؑ کو [9] نو روشن معجزے عطا کئے) ——— اور موجودہ دور کے مشائخ کے متعلق آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ ان سے اس قسم کے خوارق ظہور میں نہیں آتے بلکہ اولیاء اللہ کو خواہ وہ متقدمین میں سے ہوں یا متاخرین میں سے ہر گھڑی خوارق کا ظہور ہوتا ہے، مدعی خواہ ان کو سمجھ سکے یا نہ سمجھ سکے مصرع۔

خورشید نہ مجرم ار کسے بینا نیست ، (خورشید نہیں مجرم، اندھا ہے اگر کوئی)

دوسرا سوال یہ ہے کہ طالبانِ صادق کے کشف وشہود میں القائے شیطانی کو دخل ہے یا نہیں؟، اور اگر دخل ہے تو کشفِ شیطانی کو واضح کریں کہ وہ کس طرح پر ہے، اور اگر دخل نہیں ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ بعض الہامی امور میں خلل واقع ہو جاتا ہے؟ ——— اس کا جواب یہ ہے وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ (اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ہی کو صحیح بات کا علم ہے) کہ کوئی شخص بھی القائے شیطانی سے محفوظ نہیں ہے، جبکہ یہ دخل اندازی انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام میں بھی متصور بلکہ متحقق ہے تو اولیائے کرام میں بدرجۂ اولیٰ ہوگی، پھر طالب صادق کس گنتی میں ہے ——— حاصل کلام یہ ہے کہ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کو اس القائے (شیطانی) پر (حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی طرف سے) آگاہ کردیا جاتا ہے اور باطل کو بھی حق سے جدا کردیا جاتا ہے (جیسا کہ) آیہ کریمہ فَیَنْسَخُ اللّٰہُ مَا یُلْقِی الشَّیْطٰنُ ثُمَّ یُحْکِمُ اللّٰہُ اٰیٰتِہٖ (سورہ الحج [22] آیت ۵۲) (پس جو کچھ شیطان القا کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو مٹا دیتا ہے پھر اپنی

کوئی شخص بھی القائے شیطانی سے محفوظ نہیں

آیات کو محکم واٹل کر دیتا ہے) اسی مضمون پر دلالت کرتی ہے ـــــــ اور اس معنیٰ میں اولیاءؒ کے لئے یہ لازم نہیں ہے کیونکہ وہ ولی نبی کے تابع ہوتا ہے وہ جو کچھ نبی کے (قول و فعل ؐ کے) خلاف پائے گا اس کو رد کر دیگا اور باطل جانے گا ـــــــ ہاں ایسی صورت میں جس میں نبی کی شریعت خاموش ہو اور (اس مسئلہ میں) اثبات و نفی میں سے کوئی حکم شریعت میں موجود نہ ہو تو حق و باطل کے درمیان امتیاز یقینی طور پر مشکل ہوتا ہے کیونکہ الہام کا تعلق ظن سے ہے لیکن عدم امتیاز کی صورت میں ولی کی ولایت میں کوئی نقص واقع نہیں ہوتا اس لئے کہ شریعت (کے احکام) کی بجا آوری اور نبی کی پیروی دونوں جہان میں فلاح و نجات کی ضامن ہے اور جن امور کے بارے میں شریعت نے سکوت اختیار کیا ہے وہ شریعت پر زائد ہیں اور ہم زائد امور کے مکلف نہیں ہیں۔

جاننا چاہئے کہ غلط کشف کا واقع ہونا محض القائے شیطانی پر ہی منحصر نہیں ہے بلکہ اکثر اوقات ایسا ہوتا ہے کہ قوتِ متخیلہ غیر صادقہ (غلط) احکام کی ایک صورت پیدا کر لیتے ہیں جن میں شیطان کا کچھ بھی دخل نہیں ہوتا ـــــــ اسی قسم سے یہ بھی ہے کہ بعض لوگوں کو خواب میں حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت نصیب ہوتی ہے اور وہ بعض احکام آپ سے اخذ کر لیتے ہیں جو فی الحقیقت شرعی احکام کے خلاف متحقق ہو چکے ہیں، ایسی صورت میں القائے شیطانی تصور نہیں کی جا سکتی کیونکہ علمائے کرام کا متفقہ فیصلہ ہے کہ حضرت خیر البشر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی شکل میں[1] شیطان کسی طرح بھی متشکل نہیں ہو سکتا۔ پس اس صورت میں سوائے قوتِ متخیلہ کے کہ وہ غیر واقع کو واقع تصور کر لیتی ہے اور کچھ نہیں ہے۔

سوال سوم یہ تھا کہ جب کرامات کے تصرفات اور استدراج کی تاثیرات دیکھنے میں ایک جیسی معلوم ہوتی ہیں تو مبتدی (راہِ حق کا سالک) کس طرح پہچانے کہ یہ شخص ولی صاحبِ کرامت ہے اور یہ مدعی صاحبِ استدراج؟ ـــــــ اس کا جواب یہ ہے وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ کہ مبتدی طالب کو ان دونوں (تصرف و استدراج) میں فرق و امتیاز حاصل کرنے کے لئے واضح دلیل موجود ہے اور وہ دلیل اس کا صحیح وجدان ہے (یعنی) اگر وہ اس شخص (ولی) کی صحبت میں اپنے دل کو حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی طرف متوجہ پائے تو جان لے کہ وہ ولی صاحبِ کرامت ہے اور اگر اس کے خلاف پائے تو جان لے کہ وہ مدعی صاحبِ استدراج ہے۔ اور اگر اس حقیقت کے پہچاننے میں پوشیدگی ہے تو یہ صورت عوام کالانعام

[1] بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قال من رأنی فی المنام فقد رأنی فان الشیطان لا یتمثل بی (یعنی جس نے خواب میں مجھے دیکھا تو اس نے مجھے ہی دیکھا کیونکہ شیطان میری صورت میں نہیں آسکتا۔

(نا سمجھ لوگوں) کی ہے نہ کہ طالبوں کی ——— اور عوام پر اس حقیقت کا پوشیدہ رہنا خواص کے نزدیک کچھ اعتبار نہیں رکھتا، کیونکہ عوام پر اس پوشیدگی کا سبب اُن کا مرضِ قلبی اور غشاوۂ بصری (آنکھوں کا پردہ) ہے۔ عوام سے تو ایسی بہت سی باتیں پوشیدہ ہوتی ہیں کہ جن کا جاننا اس فرق کے جاننے سے بھی زیادہ ضروری (یعنی کرامت و استدراج کے فرق کو جاننے کی نسبت شرعی احکامات کا جاننا سب سے زیادہ ضروری ہے)۔

اب ہم اس مکتوب کو بعض ان معارف پر ختم کرتے ہیں جو ان شکوک و شبہات کے ازالہ میں آپ کے لئے مفید ہوں۔

واضح ہو کہ تَخَلُّقُ بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ کے معنی جو ولایت میں ماخوذ و معتبر ہیں وہ یہ ہیں کہ اولیاء کو ایسی صفات حاصل ہو جائیں جو واجب تعالیٰ کی صفات سے مناسبت رکھتی ہوں، لیکن وہ مناسبت صرف اسم میں ہوگی اور عموم صفات میں شارکت ہو سکتی ہے خواص معانی میں مناسبت نہیں ہو سکتی کہ وہ اس میں محال ہے اور اس میں حقائق کا تغیر و تبدل لازم آتا ہے

خواجہ محمد پارساؒ[1] قدس سرہ تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ کے مقام کی تحقیقات کے بیان میں فرماتے ہیں کہ (حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی) ایک صفت مَلِکٌ (بادشاہ) ہے اور مَلِکٌ کے معنی سب پر تصرف کرنے والے کے ہیں، جب راہِ حق کا سالک اپنے نفس پر قابو پا لیتا ہے اور اس نفس کو مغلوب کر کے رکھتا ہے تو اس کا تصرف لوگوں کے دلوں پر بھی جاری ہو جاتا ہے اس وقت وہ اس صفتِ (مَلِکٌ) سے منسوب یعنی مناسبت رکھنے والا کہلاتا ہے ——— اور ایک صفت سَمِیْعٌ ہے اور سمیع کے معنی سننے والے کے ہیں جب راہِ حق کا سالک ہر شخص کی نیک باتیں طبیعت کی گرانی کے بغیر سُن کر قبول کر لیتا ہے اور غیبی اسرار و حقائق کو روح کے کانوں سے سُنتا ہے تو وہ اس صفت (سمیع) سے مناسبت رکھنے والا کہلاتا ہے ———

اور ایک صفت بَصِیْرٌ ہے اور بصیر کے معنی دیکھنے والے کے ہیں جب راہِ حق کا سالک کی بصیرت (دل کی آنکھ) روشن ہو جاتی ہے تو وہ اپنے تمام عیبوں کو نورِ فراست سے دیکھتا ہے اور دوسرے لوگوں کے حال کو

---

[1] آپ کا نام محمد بن محمد بن محمود حافظ بخاری ہے حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند قدس سرہ کے بڑے خلفاء میں سے تھے، پہلی مرتبہ جب آپ حضرت خواجہ نقشبندؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور درِ دولت پر دستک دی، اتفاقاً اسی وقت ایک خادمہ باہر سے اندر آئی تو حضرت خواجہ نے اس سے دریافت کیا کہ باہر کون ہے؟ خادمہ نے عرض کیا ایک شخص متقی و پارسا صورت کھڑا ہے، آپ نے فرمایا حقیقت میں وہ "پارسا" ہے اس کے بعد آپ کا نام ہی "پارسا" ہو گیا۔ حضرت خواجہؒ نے آپ سے فرمایا کہ وہ حق اور امانت جو خواجگان سے اس فقیر کو پہنچی ہے اور جو کچھ میں نے اس راہ میں کسب سے حاصل کیا ہے وہ تمہارے سپرد کرتا ہوں اس کو قبول کر کے مخلوقِ خدا تک پہنچائیں۔ آپ نے تواضع و انکساری کے ساتھ قبول کر لیا۔ بروز بدھ ۲۳ ذی الحجہ ۸۲۲ھ مدینہ منورہ میں وفات پائی۔

کمال درجہ کا معلوم کرکے سب کو اپنے سے بہتر دیکھتا ہے اور یہ حق کا دیکھنا اس کو (حق تعالیٰ کا) منظورِ نظر بنا دیتا ہے یہاں تک کہ وہ جو کچھ کرتا ہے حق سبحانہٗ و تعالیٰ کا پسندیدہ کام ہوتا ہے تو اس وقت وہ اس صفت بصیر سے مناسبت رکھنے والا کہلاتا ہے ـــــــ اور حق تعالیٰ کی ایک صفت مُحیی ہے، مُحیی کے معنی زندہ کرنے والے کے ہیں جب سالک ترک شدہ سنّت کو زندہ اور قائم کرتا ہے تو وہ اس صفت محی سے مناسبت رکھنے والا کہا جائے گا ـــــــ اور حق تعالیٰ کی ایک صفت مُمیت ہے یعنی مارنے والا۔ جب سالک ان بدعات سے جو لوگوں نے سنت کو ترک کرکے اختیار کرلی ہوں تو ان کے خلاف آواز بلند کرتا اور منع کرتا ہے تو وہ اس صفت ممیت سے مناسبت رکھنے والا ہو جاتا ہے، علیٰ ہذا القیاس۔

عوام نے تخلّق کے معنی دوسرے (غلط) سمجھے ہیں اور خواہ مخواہ گمراہی کے جنگل میں جا پڑے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ ولی کے لئے احیاءِ جسمی (مُردے کا زندہ کرنا) ضروری ہے اور اس پر اشیائے غیبی کا انکشاف ہونا چاہیئے وغیرہ ذلک ـــــــ حالانکہ یہ باتیں فاسد گمانوں کی مانند ہیں اور بعض گمان گناہ ہوتے ہیں (جیسا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ (حجرات آیۃ ۱۲ / ۴۹) (بیشک بعض گمان گناہ ہیں) ـــــــ نیز خوارق صرف کسی کو مارنے اور زندہ کرنے میں ہی منحصر نہیں ہیں، علوم (شرعیہ) اور معارفِ الہامیہ سب سے بڑی نشانی اور اعلیٰ درجہ کے خوارق ہیں، اسی لئے معجزۂ قرآنی کو باقی تمام معجزات پر فوقیت اور باقی رہنے والا تسلیم کیا گیا ہے، ذرا آنکھیں کھول کر دیکھیں کہ یہ علوم و معارف جو موسلا دھار بارش کی طرح (اس فقیر پر) برس رہے ہیں، یہ کہاں سے آرہے ہیں۔ پھر یہ سب علوم اس کثرت کے باوجود پورے طور پر علوم شرعیہ کے مطابق و موافق ہیں جن میں بال برابر بھی مخالفت کی گنجائش نہیں ہے اور یہی خصوصیت ان علوم کے صحیح و درست ہونے کی علامت ہے۔

(آپ نے لکھا ہے کہ) ہمارے خواجہ (حضرت باقی باللہؒ) قدس سرہٗ نے تحریر فرمایا تھا کہ "تمہارے (یعنی حضرت مجددؒ کے) سب علوم درست اور شریعت کے مطابق ہیں"، لیکن حضرت خواجہ قدس سرہٗ کا یہ جملہ نقل کرنے سے کیا فائدہ کیونکہ حضرت خواجہ صاحب کے اقوال آپ کے لئے حجت نہیں اگرچہ آپ خود کو بھی حضرت خواجہ کے ماننے والوں میں شمار کرتے ہیں۔ زیادہ کیا عرض کروں۔

آپ کے یہ سوالات شروع میں تو بہت گراں معلوم ہوئے لیکن جب یہی سوالات بہت سے علوم و معارف کے ظہور میں آنے کا باعث بن گئے جو ان سوالات کے سلسلہ میں بیان کئے گئے ہیں تو

یہ ایک اچھا اور نیک کام ہو گیا۔ بیت

ہیچ زشتے نیست کو را خوبی ہمراہ نیست | زنگیٔ شب رنگ را دنداں چو دُرّ و گوہر است

(ایسی بری چیز کوئی نہیں کہ جس میں کوئی نہ کوئی خوبی نہ ہو جیسا کہ رات کی طرح سیاہ رنگ والے حبشی کے دانت موتیوں کی طرح چمکتے ہیں)

عجب معاملہ ہے کہ سابقہ مکتوب میں آپ نے بڑے اخلاص کا اظہار کیا تھا اور اس کا سبب اپنے دو مسلسل واقعات کے ظہور کو قرار دے کر لکھا تھا کہ اس کا اثر بیداری میں بھی محسوس ہوتا ہے، حتیٰ کہ آپ کی اپنی پہلی حالت پر بڑی ندامت و شرمندگی متحقق ہوتی تھی اور توبہ و انابت کی طرف رجوع کر کے ایمان کی تجدید سے مشرف ہوتے تھے۔ ابھی ایک ماہ بھی نہ گذرا تھا کہ آپ کی اس حالت میں تبدیلی واقع ہو گئی اور الٹے پاؤں واپس ہو کر سابقہ وضع پر منتقل ہو گئے حتیٰ کہ اس بات کے درپے ہو گئے کہ ان دو واقعات کے لئے کوئی ایسی وجہ نکالیں کہ ان کو القائے شیطانی سے ملا دے، لہذا ان کو غلط کشف کہنا شروع کر دیا کہاں وہ حالت تھی اور کہاں یہ؟ بیت

بگفتا فلانے چہ بد می کند | نہ با من کہ با نفسِ خود می کند

(فلاں نے کہا وہ برا کر رہا ہے | وہ مجھ سے نہیں، خود سے کیا کر رہا ہے)

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَيْهِ وَعَلٰی اٰلِهِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِيْمَاتُ (جو شخص ہدایت کی پیروی کرے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کی متابعت کو لازم جانے ان سب پر سلام ہو)۔

مکتوب ۱۰۸

صد و ہشتم

میاں سید احمد بجواڑی[۵] کی طرف صادر فرمایا ——— اس بیان میں کہ "نبوت" "ولایت" سے افضل ہے بخلاف ان لوگوں کے جو کہتے ہیں کہ "ولایت نبوت سے افضل ہے"۔

ثَبَّتَنَا اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَاِيَّاكُمْ وَجَمِيْعَ الْمُسْلِمِيْنَ عَلٰی مُتَابَعَةِ سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ عَلَيْهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَعَلَيْهِمْ مِنَ الصَّلَوَاتِ اَفْضَلُهَا وَمِنَ التَّسْلِيْمَاتِ اَكْمَلُهَا (اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہم کو اور آپ کو اور تمام مسلمانوں کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری پر ثابت قدم رکھے۔

---

[۵] آپ کا مختصر تذکرہ دفتر اول مکتوب ۹۵ کے حاشیہ پر ملاحظہ فرمائیں۔

نبوت ولایت سے افضل ہے

بعض مشائخ نے سکر کی حالت میں کہا ہے کہ "ولایت نبوت سے افضل ہے"۔ اور بعض دوسرے مشائخ نے اس ولایت سے نبی کی ولایت مراد لی ہے تاکہ نبی پر ولی کے افضل ہونے کا وہم دور ہو جائے۔ لیکن حقیقت میں معاملہ اس کے برعکس ہے کیونکہ نبی کی نبوت اس کی ولایت سے افضل ہوتی ہے۔ (مقام) ولایت میں (ولی) سینہ کی تنگی کی وجہ سے مخلوق کی طرف توجہ نہیں کر سکتا، (لیکن مقام) نبوت میں کمال درجہ شرح صدر ہونے کی وجہ سے نہ تو حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونا مخلوق کی طرف توجہ ہونے کا مانع ہوتا ہے اور نہ ہی مخلوق کی طرف متوجہ ہونا حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے کا مانع ہے۔ تنبیہ ـــــ نبوت میں صرف مخلوق ہی کی طرف توجہ نہیں ہوتی کہ جس کی وجہ سے ولایت کو کہ جس کی توجہ صرف حق پر ہوتی ہے نبوت پر ترجیح دیں، عِیَاذًا بِاللّٰہِ سُبْحَانَہٗ (اللہ سبحانہ کی پناہ)۔

صرف مخلوق کی طرف توجہ کا ہونا عوام کالانعام (ناسمجھ لوگوں) کا درجہ ہے، نبوت کی شان اس سے بلند و برتر ہے، اس حقیقت کا سمجھنا اربابِ سُکر کے لئے دشوار ہے لیکن اکابر مستقیم الاحوال اس معرفت سے ممتاز ہیں۔

ع هَنِيْئًا لِّاَرْبَابِ النَّعِيْمِ نَعِيْمُهَا (مبارک نعمتیں جنت کی ہوں اربابِ نعمت کو)

باقی مقصد یہ ہے کہ میاں شاہ عبداللہ ولد میاں شیخ عبدالرحیم اس فقیر کے رشتہ دار ہیں۔ ان کے والد بزرگوار ایک عرصہ تک بہادر خاں کے ملازم رہے اب حاجتمند ہیں اور بینائی سے معذور ہیں انھوں نے اپنے صاحبزادے کو بہادر خاں کے پاس نوکری کے لئے بھیجا ہے اس بارے میں آپ بھی کچھ اشارہ فرمادیں تو فائدہ مند ہوگا۔ والسلام

مکتوب ۱۰۹
صد و نہم

حکیم صدر عہ کی طرف صادر فرمایا ــــ قلب کی سلامتی اور ماسوائے حق کے نسیان کے بیان میں۔

اہل اللہ (اولیاء) امراضِ قلبیہ کے اطباء ہیں، اور امراضِ باطنیہ کا ازالہ ان بزرگوں کی توجہ سے

عہ مکتوبات میں آپ کے نام یہی ایک مکتوب ہے ـــــ مسیح الزماں میرزا صدر الدین بن فخر الدین شیرازی اکبری دور میں ہندوستان آئے اور جہانگیر کے زمانے میں تمام اطباء میں ممتاز ہوئے حکمت و حذاقت میں شہرت پائی شاہجہانی دور میں مزید ترقی پائی۔ سنہ ۱۰۶۱ھ میں انتقال ہوا۔ (نزہۃ الخواطر ج ۵ ص ۱۷۹ و مآثر الامراء ج ۱ ص ۵۷۴)

وابستہ ہے، ان کا کلام دوا ہے اور ان کی نظر شفا ہے (ان کے متعلق حدیث شریف میں ہے) هُمْ قَوْمٌ لَا يَشْقٰى جَلِيْسُهُمْ[1] (یعنی یہ ایسے لوگ ہیں کہ جن کے پاس بیٹھنے والے بدبخت نہیں ہوتے) (نیز) وَهُمْ جُلَسَاءُ اللّٰهِ[2] (یعنی یہی لوگ اللہ تعالیٰ کے ہمنشین ہیں) (نیز فرمایا) بِهِمْ يُمْطَرُوْنَ وَبِهِمْ يُرْزَقُوْنَ

یعنی انہی لوگوں کی برکت سے بارش ہوتی ہے اور انہی کے طفیل (مخلوق کو) رزق دیا جاتا ہے)۔

باطنی امراض کی جڑ اور معنوی علتوں (اندرونی بیماریوں) کا سردار (سب سے بڑی بیماری) دل کا غیر حق تعالیٰ کے ساتھ گرفتاری (پھنسا رہنا) ہے، جبتک اس گرفتاری سے مکمل طور پر آزادی حاصل نہ ہو جائے سلامتیٔ (ایمان) محال ہے۔ کیونکہ شرکت کو حضرت جل سلطانہٗ کی بارگاہِ عالی میں ہرگز دخل نہیں ہے — اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ (سورہ زمر آیت ۳، ۳۹ آگاہ رہو کہ خالص دین اللہ ہی کے لئے ہے) —— پس کیا حال ہوگا (اس شخص کا) جو شریک کو (حق تعالیٰ کی محبت پر) غالب کرلے، نہایت بے حیائی کی بات ہے کہ غیر اللہ کی محبت کو حق تعالیٰ کی محبت پر اس طرح غالب کرلیا جائے کہ حق تعالیٰ کی محبت اس کے مقابلہ میں معدوم یا مغلوب ہو جائے۔ اَلْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِّنَ الْاِيْمَانِ[3] (حیا ایمان کی ایک فرع (شاخ) ہے) میں شاید اسی حیا کی طرف اشارہ ہے۔

اور قلب کے گرفتار نہ ہونے کی علامت یہ ہے کہ (دل) ماسوا کو کلی طور پر بھول جائے اور تمام اشیاء کو اس طرح فراموش کردے کہ اگر تکلف سے بھی اشیاء کو یاد کرنا چاہے تو اس کو یاد نہ آئیں۔ پس اشیاء کے ساتھ گرفتاری کی اس مقام میں کیا گنجائش ہے —— اسی حالت کو اہل اللہ فنا سے تعبیر کرتے ہیں، اور یہ فنا اس راہ میں قدمِ اول ہے اور یہ مقام انوارِ قدم کے ظہور کا مبدأ ہے اور معارف و حکم کے ورود کا منشا ہے وَدُوْنَهَا خَرْطُ الْقَتَادِ (اس کے علاوہ بے فائدہ رنج اٹھانا ہے) بیت

ہیچ کس را تا نگردد او فنا ‌ ‌ نیست رہ در بارگاہِ کبریا

جس کو حاصل ہی نہیں راہِ فنا ‌ ‌ کس طرح پائے وہ راہِ کبریا؟

مکتوب ۱۱۱
صد و دہم

شیخ صدر الدین کی طرف صادر فرمایا —— اس بیان میں کہ انسان کی پیدائش سے مقصود

[1] تا [3] بخاری ومسلم

طاعت وعبادت کے وظائف کی ادائیگی اور حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی جناب میں پورے طور پر توجہ رکھنا ہے۔

حق سبحانہٗ وتعالیٰ ارباب کمال کی تمناؤں کے اعلیٰ مرتبہ تک عروج عطا فرمائے ــــــــ انسان کی پیدائش سے مقصود طاعت وعبادت کے وظائف کی ادائیگی اور حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی طرف کامل طور پر دائمی توجہ رکھنا ہے اور یہ بات سید الاولین والآخرین علیہ من الصلوات اتمہا ومن التحیات ایمنہا کی ظاہری وباطنی کامل تابعداری کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی رَزَقَنَا اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَاِيَّاكُمْ كَمَالَ اِتِّبَاعِهٖ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ قَوْلًا وَّفِعْلًا ظَاهِرًا وَّبَاطِنًا عَمَلًا وَّاِعْتِقَادًا اٰمِيْنَ يَارَبَّ الْعَالَمِيْنَ ۰ (یعنی حق تعالیٰ ہم کو اور آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول وفعل، ظاہر وباطن اور عمل واعتقاد میں کامل پیروی کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین) ؎

بعد از خدائے ہر چہ پرستند ہیچ نیست بے دولت است آنکہ بہیچ اختیار کرد

(بجز حق کے وہ جس کو پوجتے ہیں ہیچ وباطل ہے جو باطل کی کرے پوجا بڑا بدبخت وجاہل ہے)

حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے علاوہ (آدمی کا) جو کچھ بھی مقصود ہے وہی اس کا معبود ہے۔ غیر حق کی عبادت سے اس وقت نجات حاصل ہوتی ہے جب حق جل وعلا کے سوا کوئی چیز بھی مقصود نہ رہے۔ خواہ وہ مقاصد آخرت (کی نجات) اور بہشت کی لذتیں اور نعمتیں ہی کیوں نہ ہوں، اگرچہ یہ مقاصد حسنات میں سے ہیں لیکن مقربین کے نزدیک سیئات میں داخل ہیں ــــــــ جب آخرت کے امور کے مقاصد کی نوعیت کا یہ حال ہے تو امور دنیاوی کو مقاصد قرار دینے کی نسبت کیا کہا جا سکتا ہے کیونکہ دنیا حق تعالیٰ کی مغضوبہ (سخت ناپسندیدہ) ہے، اور (حق تعالیٰ نے) جب سے دنیا کو پیدا کیا ہے اس کی طرف ہرگز نہیں دیکھا۔ اس کی محبت گناہوں کی جڑ بنیاد ہے اور اس کا طالب (چاہنے والا) لعنت وپھٹکار کا مستحق ہے۔

دنیا حق تعالیٰ کی مغضوبہ ہے

اَلدُّنْيَا مَلْعُوْنَةٌ وَّمَلْعُوْنٌ مَا فِيْهَا اِلَّا ذِكْرَ اللّٰهِ تَعَالٰى (ترمذی وابن ماجہ) (یعنی، دنیا ملعون ہے اور اللہ تعالیٰ کے ذکر کے علاوہ جو کچھ بھی ہے وہ بھی ملعون ہے) ــــــ نَجَّانَا اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ عَنْ شَرِّهَا وَشَرِّ مَا فِيْهَا بِحُرْمَةِ حَبِيْبِهٖ مُحَمَّدٍ سَيِّدِ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ وَاٰلِهِ الْكِرَامِ (اللہ تعالیٰ ہم کو اپنے حبیب پاک سید الاولین والآخرین علیہ الصلوٰۃ والسلام وآلہ الکرام کے طفیل دنیا کے شر اور اس کے اندر جو کچھ ہے ان سب کے شر سے نجات عطا فرمائے۔ (آمین)

مکتوب ۱۱۱
صد و یازدہم

شیخ حمید سنبھلیؒ[ع] کی طرف صادر فرمایا ــــ اس بیان میں کہ توحید سے مراد قلب کو حق سبحانہٗ و تعالیٰ علاوہ (تمام چیزوں سے رہائی حاصل کر کے حق تعالیٰ کیلئے) خالص کرنا ہے اور اس کے مناسب بیان میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (سب تعریف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) ــــ توحید سے مراد یہ ہے کہ قلب کو ماسوائے حق کی توجہ خلاصی حاصل ہو جائے، جبتک دل ماسوائے (غیر حق) کی گرفتاری میں پھنسا ہوا ہے اگرچہ بہت ہی تھوڑا ہو، توحید والوں میں سے نہیں ہے، (توحید کی) اس دولت کے حاصل ہوئے بغیر (اللہ تعالیٰ کو) ایک کہنا، ایک جاننا اربابِ حصول کے نزدیک فضول ہے۔ ہاں ایک کہنا اور ایک جاننا ایمان کی تصدیق کے لئے ضروری ہے اور اس سے چارہ نہیں، لیکن وہ دوسرے معنی میں ہے: لَا مَعْبُوْدَ اِلَّا اللّٰہ (یعنی نہیں کوئی معبود مگر اللہ تعالیٰ) اور لَا مَوْجُوْدَ اِلَّا اللّٰہ (یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی موجود نہیں) کے درمیان فرق بالکل واضح ہے ــــ ایمان کی تصدیق علمی ہے اور ادراک وجدانی حال پر منحصر ہے، اس حال (یعنی وجدانی کیفیت) کے حاصل ہونے سے پہلے اس کے بارے میں گفتگو کرنا ممنوع ہے۔

مشائخ کی ایک جماعت نے جو اس بارے میں گفتگو کی ہے وہ دو حال سے خالی نہیں ہے ــــ (۱) یا تو وہ غلبۂ حال سے مغلوب ہونے کی وجہ سے معذور ہو گئے ہیں ــــ (۲) یا احوال کے لکھنے اور ظاہر کرنے سے ان کا مقصود یہ ہوگا کہ دوسروں کے لئے کسوٹی اور ان کے احوال کی استقامت کا باعث بن جائیں اور تاکہ دوسرے حضرات اپنے حالات کی کجی کو ان کے احوال کی ترازو میں تول سکیں ــــ ان دو حالتوں کے علاوہ اسرار کا ظاہر کرنا ممنوع ہے۔

حق سبحانہٗ و تعالیٰ اربابِ کمال کا تھوڑا سا حصہ ہی ہم بے نصیب لوگوں کو عطا فرما کر بلند مرتبہ روشن سنتِ مصطفویہ علیٰ مصدرہا الصلوٰۃ والسلام والتحیہ کی متابعت نصیب فرمائے بِحُرْمَۃِ النَّبِیِّ وَاٰلِہِ الْاَمْجَادِ عَلَیْہِ وَعَلَیْہِمُ الصَّلَوٰتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ۔

[ع] مکتوبات میں آپ کے نام صرف یہی ایک مکتوب ہے۔ شیخ حمید سنبھلی قرآن کریم کی تفسیر بیان کرنے کی حیثیت سے علامۂ زماں اور یکتائے دوراں مشہور تھے (تذکرہ علمائے ہند)

ایک تکلیف دی جاتی ہے کہ حامل رقیمۂ دعا شیخ عبد الفتاح ذی عزت اور شریف لوگوں میں سے ہیں، حافظ ہیں، آدمی زادہ، کثیر العیال اور بہت سی لڑکیوں کے باپ ہیں۔ اسبابِ معیشت نہ ہونے کی وجہ سے مجبور ہو گئے کہ کسی کریم و سخی حضرات کے آستانے پر حاضر ہوں۔ امید ہے کہ اپنے مقصود میں کامیاب ہوں گے۔ زیادہ کیا عرض کروں۔

مکتوب ۱۱۲
صد و دوازدہم

شیخ عبد الجلیل تھانیسری ثم الجونپوری[ع] کی طرف صادر فرمایا —— اس بیان میں کہ اصل کام یہ ہے کہ ہم عقائدِ اہل سنت و جماعت کے پابند ہو جائیں۔ اگر اس دولت کے ساتھ ساتھ احوال و مواجید بھی عطا فرما دیں تو ہم احسانمند ہوں گے ورنہ اس دولت کو کافی سمجھیں گے کیونکہ جب یہ حاصل ہو گئی تو سب کچھ حاصل ہو گیا۔

حق سبحانہٗ و تعالیٰ شانہٗ ہم مفلسوں کو اہلِ حق یعنی اہل سنت و جماعت کے معتقداتِ حقہ کی حقیقت سے نوازے اور نقدِ وقت کو اپنے پسندیدہ اعمال (میں مشغول رکھنے) کی توفیق مرحمت فرمائے اور وہ احوال جو ان اعمال کے ثمرات ہیں عطا فرما کر اپنی جناب قدس جل سلطانہٗ کی جذب فرما لے۔ ع

کار این ست و غیرِ ایں ہمہ ہیچ (کام اصلی ہے یہی، اس کے سوا سب ہیچ ہے)

جو احوال و مواجید اس فرقۂ ناجیہ (اہلِ سنت و جماعت) کے عقائد کی تحقیق کے خلاف حاصل ہوں ہم ان کو سوائے استدراج کے کچھ نہیں جانتے اور اس میں خرابی کے علاوہ کچھ خیال نہیں کرتے۔ اس فرقۂ ناجیہ کی اتباع کی دولت کے ساتھ ساتھ اور جو کچھ عطا ہو جائے ہم اس پر (مزید) احسان مند ہوں گے اور شکر بجا لائیں گے اگر صرف یہ (عقائدِ صحیحہ) دیدیئے جائیں اور احوال و مواجید کچھ بھی نہ دیں تو کوئی مضائقہ نہیں ہم اس پر راضی اور خوش ہیں۔

ع آپ کے نام صرف یہی ایک مکتوب ہے۔ شیخ عبد الجلیل ابن شمس الدین ابن نور الدین صدیقی اپنے زمانے کے فقیہ بہت متقی نامور علماء میں سے تھے، ابتدائی علوم اپنے والد سے حاصل کئے پھر علامہ محمود بن محمد جونپوری صاحب شمس بازغہ اور شیخ محمد رشید بن مصطفےٰ عثمانی جونپوری سے استفادہ کیا۔ طریقت میں شیخ عبد الجلیل لکھنوی سے بیعت تھے۔ تمام عمر قناعت کے ساتھ درس و تدریس میں گذار دی۔ ۸ رشوال ۱۰۷۶ھ کو جونپور میں انتقال ہوا (نزھۃ الخواطر ج ۵ ص ۲۰۰)

بعض مشائخ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم نے غلبۂ حال اور سُکرِ وقت کی وجہ سے بعض علوم و معارف اہلِ حق کی رائے کے خلاف ظاہر کئے ہیں، چونکہ ان کی بنیاد کشف پر ہے اس لئے وہ معذور ہیں۔ امید ہے کہ قیامت کے دن ان سے مواخذہ نہ ہوگا، (کیونکہ) وہ حضرات مجتہد مخطی[1] (غلطی کرنے والا مجتہد) کے حکم میں ہیں کہ اُن کی خطا بھی ایک اجر رکھتی ہے۔" ——— اور حق علمائے اہلِ حق (اللہ تعالیٰ ان کی سعی و کوشش کو مشکور فرمائے" کی جانب ہے، کیونکہ علماء کے علوم مشکوٰۃِ نبوت علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ سے ماخوذ ہیں جن کو وحیِ قطعی کی تائید حاصل ہے۔ اور ان صوفیوں کے معارف کی دلیل کشف و الہام ہے جس میں غلطی کی گنجائش ہے ——— کشف والہام کے صحیح ہونے کی علامت علمائے اہل سنت کے علوم کے ساتھ مطابقت ہے، اگر (کشف والہام میں) بال برابر بھی (شریعت کی) مخالفت ہے تو دائرۂ ثواب سے باہر ہے، یہی علم صحیح ہے اور صریح حق ہے، پس حق کے بعد گمراہی کے سوا اور کچھ نہیں۔ رَزَقَنَا اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَاِيَّاكُمُ الْاِسْتِقَامَةَ عَلٰى مُتَابَعَةِ سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ ظَاهِرًا وَّبَاطِنًا عَمَلًا وَّاعْتِقَادًا عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ مِنَ الصَّلَوَاتِ اَكْمَلُهَا وَمِنَ التَّسْلِيْمَاتِ اَفْضَلُهَا (اللہ تعالیٰ ہم کو اور آپ کو سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت پر ظاہری و باطنی، عملی و اعتقادی طور پر استقامت عطا فرمائے۔ وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَعَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى (آپ پر اور ہر ہدایت کی پیروی کرنے والوں پر سلام ہو)۔

مکتوب ۱۱۳

صدو سیزدہم

جمال الدین حسین کولابی[2] کی طرف صادر فرمایا ——— اس بیان میں کہ مبتدی اور منتہی کے جذبہ کے درمیان کیا فرق ہے؟ اور یہ کہ مجذوبوں کو جذب کا اظہار ابتداءً روح سے ہوتا ہے جو قلب کے اوپر ہے اور وہ روح کے اس شہود کو حق تعالیٰ جل شانہٗ کا شہود خیال کر لیتے ہیں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو)

---

[1] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اذا حکم الحاکم فاجتہد و اصاب فلہ اجران واذا حکم فاجتہد واخطا فلہ اجر واحد (یعنی جب حاکم نے حکم دیا یا کوئی فیصلہ سنایا) پس اس نے اس میں اجتہاد کیا اور صحیح فیصلہ دیا تو اس کے لئے دو اجر ہیں اور جب اس نے حکم دیا اور اس میں اجتہاد کیا لیکن ہوا غلط ہو تو اس کیلئے ایک اجر ہے (متفق علیہ)

[2] مکتوبات میں اس نام کے دو مکتوب ہیں دفتر اول مکتوب ۱۱۳-۲۲۳۔ غالب گمان ہے کہ آپ حضرت خواجہ حسام الدین کے صاحبزادے ہیں۔

جذب وکشش صرف مقامِ فوق تک ہوتی ہے فوقِ فوق تک نہیں ہوتی (یعنی مقامِ فوق سے اوپر نہیں ہوتی) اور یہی حال شہود اور اس کے طریقہ وغیرہ میں ہے، پس جن مجذوبوں نے سلوک طے نہیں کیا وہ مقامِ قلب میں ہیں ان میں جذب وکشش صرف مقامِ روح تک ہے جو مقامِ قلب کے اوپر ہے، اور منتہی حضرات کا جذبہ وکشش انجذاب الٰہی ہے جس کے اوپر کوئی اور مقام نہیں، اور ابتدائی جذبہ میں روحِ منفوخ (انسان کے اندر پھونکی ہوئی روح) کے سوا کچھ مشہود نہیں ہوتا کیونکہ روح خود اپنی اصلی صورت پر موجود ہے (حدیث میں ہے) إِنَّ اللهَ خَلَقَ آدَمَ عَلٰى صُوْرَتِهٖ[1] (بیشک اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا)۔ (یہ حضرات) روح کے شہود کو حق تعالیٰ کا شہود سمجھ لیتے ہیں، اور جبکہ روح کو عالمِ اجساد کے ساتھ ایک درجہ مناسبت حاصل ہے تو کبھی اس شہود کی کثرت کو شہودِ احدیت کہتے ہیں اور کبھی اس کی معیت کے قائل ہوتے ہیں حالانکہ حق تعالیٰ جل وعلا کا شہود حصول فنائے مطلق کے بغیر جو کہ سلوک کی انتہا پر متحقق ہے منصور نہیں ہے۔ شعر

ہیچ کس را تا نگردد او فنا   نیست رہ در بارگاہِ کبریا

(جس کو حاصل ہی نہیں راہِ فنا   کس طرح پائے وہ راہِ کبریا)

اور اس شہود کا عالمِ (دنیا) سے کوئی تعلق نہیں ہے، ان دونوں شہودوں کے درمیان فرق یہ ہے کہ جو شہود عالمِ (دنیا) کے ساتھ کسی نہ کسی وجہ سے مناسبت رکھتا ہے تو وہ حق تعالیٰ وتقدس کا شہود نہیں ہے اور اگر بے مناسبت ہے (یعنی دنیا سے کوئی تعلق نہیں ہے) تو حق جل وعلا کے شہود کی علامت ہے۔ شہود کا اطلاق عبارت کی تنگی کی وجہ سے ہے ورنہ یہ نسبت بھی منتسب الیہ (حق تعالیٰ وتقدس کی ذات) کی طرح بے کیف وبے مثل ہے۔ ع

چوں را بہ بیچوں راہ نیست (مثل کیوں بے مثل تک پائے گا راہ)

(مثل کو بے مثل (یعنی ذاتِ الٰہی) کی طرف کوئی راستہ نہیں ہے (یعنی ذاتِ الٰہی میں غور نہیں کرنا چاہئے بلکہ اس کی صفات میں غور کریں)۔ لَا يَحْمِلُ عَطَايَا الْمَلِكِ إِلَّا مَطَايَاهُ (بادشاہ کی عطا کردہ چیزوں کو اس کی سواریاں ہی اٹھا سکتی ہیں)۔

---

[1] اس حدیث کی شرح مکتوب ۹۵ میں گذر چکی ہے۔

مکتوب ۱۱۴
صد و چہار دہم

صوفی قربان[ع] کی طرف صادر فرمایا۔ ــــــــ حضرت سید المرسلین علیہ و علیہم و آلہ الصلوات و التسلیمات کی متابعت کی ترغیب کے بیان میں۔

حق سبحانہٗ و تعالیٰ ہم بے سر و سامان مفلسوں کو حضرت سید المرسلین اولین و آخرین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت کی دولت سے مشرف فرمائے اور اس پر استقامت نصیب کرے ــــــــ آنحضرت علیہ من الصلوات افضلہا و من التسلیمات اکملہا (ایسی عظیم المرتبت ہستی ہیں کہ ان) کی دوستی کے طفیل حق تعالیٰ اپنے اسمائی و صفاتی کمالات کو ظہور میں لایا اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو بہتر من جمیع بنا کر پیدا کیا، آپؐ کی پسندیدہ متابعت کا ایک ذرہ تمام دنیاوی لذات اور اخروی نعمات سے مرتبہ میں کہیں زیادہ بڑھ کر ہے، تمام فضیلت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روشن سنت کی تابعداری پر وابستہ ہے، اور تمام بزرگی احکام شریعت کی بجا آوری پر منحصر ہے ــــــــ مثلاً دوپہر کا سونا (قیلولہ) اگر اتباعِ سنّت کی نیت سے ہو تو کروڑوں شب بیداریوں سے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت میں نہ ہوں اولیٰ و افضل ہے ــــــــ اسی طرح عید الفطر کے دن میں کھانا (یعنی روزہ نہ رکھنا) جس کا کہ شریعتِ مصطفوی میں حکم ہے، خلافِ شریعت تمام عمر روزے رکھنے سے افضل ہے ــــــــ اور شارع علیہ السلام کے حکم کے مطابق ایک جیتل (دام، پیسہ) دینا اپنی خواہش سے سونے کے پہاڑ خرچ کرنے سے بہتر و افضل ہے ــــــــ امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک روز صبح کی نماز باجماعت ادا کرنے کے بعد صحابہ کی طرف دیکھا تو ان میں ایک شخص کو حاضر نہ پایا، دریافت کرنے پر حاضرین نے عرض کیا کہ وہ شخص تمام رات عبادت کرتا ہے شاید اس وقت آنکھ لگ گئی ہو۔ امیر المؤمنینؓ نے فرمایا کہ اگر وہ شخص تمام رات سوتا رہتا اور صبح کی نماز باجماعت ادا کر لیتا تو (اس کے لئے تمام رات عبادت کرنے سے) بہتر تھا۔

گمراہ لوگوں (اہل ہنود وغیرہ) نے اگرچہ ریاضتیں اور مجاہدے بہت کئے ہیں لیکن چونکہ وہ شریعتِ حقہ کے

ع صوفی قربان کے نام دو مکتوب ہیں. دفتر اول مکتوب ۱۱۴ ــ ۲۸۳۔ آپ حضرت حضرت مجددؒ کے خلفا میں سے تھے صاحب حال و ذوق اور سنت نبوی کے بڑے پابند تھے۔ (روضۃ القیومیہ رکن اول ص ۳۳۹)۔

موافق نہیں ہیں اس لئے بے اعتبار اور بے حیثیت ہیں ـــــــ اگر ان (گمراہ لوگوں کے) اعمالِ شاقہ پر کچھ اجر ثابت بھی ہو تو وہ صرف بعض دنیوی منافع پر منحصر ہے، جب پوری دنیا ہی کچھ حیثیت نہیں رکھتی تو اس کے کسی منافع کا کوئی کیا اعتبار کرے۔ ان کی مثال ایسے خاکروب کی طرح ہے جس کی محنت سب سے زیادہ اور مزدوری بہت کم ہے ـــــــ اور شریعت کے تابعداروں کی مثال ان لوگوں کی سی ہے جو قیمتی جواہرات اور عمدہ عمدہ ہیروں کے ساتھ کام کرتے ہیں کہ ان کا کام بہت تھوڑا اور مزدوری بہت زیادہ ہے ـــــــ (سنّت کے موافق) ایک ساعت کا عمل ہو سکتا ہے کہ اجر میں ایک لاکھ برس کے نیک عمل کے برابر ہو ـــــــ اس میں راز یہ ہے کہ جو عمل شریعت کے موافق ہوتا ہے وہ حق تعالیٰ کا پسندیدہ ہوتا ہے اور جو خلافِ شریعت ہوتا ہے وہ (حق تعالیٰ کا) ناپسندیدہ۔ پس ناپسندیدہ اعمال کی صورت میں ثواب کی کہاں گنجائش ہے بلکہ عذاب متوقع ہے ـــــــ اس حقیقت کی عالمِ مجاز میں نظیر موجود ہے جو تھوڑی سی توجہ سے واضح طور پر سمجھ میں آجاتی ہے۔ بیت

ہرچہ گیرد علّتی علّت شود ... کفر گیرد کاملے ملّت شود

(ہر چیز ہے مُضر جو کبھی ساتھ دے مریض ... کافر دلی ہے اس کو پکڑ لے اگر ولی)

پس تمام سعادتوں کا سرمایہ سنّت کی پیروی میں ہے اور تمام فسادات کی جڑ شریعت کی مخالفت کرنا ہے ـــــــ اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو سید المرسلین علیہ وعلیہم وعلیٰ آلہ الصلوٰت والتسلیمات کی متابعت پر ثابت قدم رکھے۔ والسلام

مکتوب ۱۱۵
صد و پانزدہم

ملا عبد الحق دہلوی[ع۵] کی طرف صادر فرمایا ـــــــ اس بیان میں کہ جس راہ کو ہم طے کرنے کے درپے ہیں وہ صرف دو قدم ہے۔

ع۵ آپ کے نام صرف دو مکتوب ہیں دفتر اول مکتوب ۱۱۵، دفتر دوم مکتوب ۲۹۔ حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ کی شخصیت محتاجِ تعارف نہیں۔ محرم سنہ ۹۵۸ھ بعہد سلیم شاہ سوری دہلی میں ولادت ہوئی، اپنے والد ماجد حضرت سیف الدین قادریؒ سے تعلیم و تربیت پائی اور قرآن مجید حفظ کیا۔ آپ کو بچپن ہی سے حصولِ علم کا اسقدر ذوق تھا کہ والد کے منع کرنے کے باوجود شب کو کافی رات تک مطالعۂ کتب میں مشغول رہتے تھے۔ سنہ ۹۹۵ھ میں حج کیلئے تشریف لے گئے وہاں شیخ عبد الوہاب متقی سے اکتسابِ فیض کیا پھر دہلی واپس آکر حضرت خواجہ باقی باللہؒ سے شرفِ بیعت حاصل کیا صاحبِ تصانیف کثیرہ ہیں ۲۱ ربیع الاول سنہ ۱۰۵۲ھ میں وفات پائی مہرولی میں مزار پُر انوار ہے۔ تاریخ ولادت "شیخ اولیا" اور تاریخ وفات "فخر العلما" سے نکلتی ہے۔

مصرع از ہر چہ میرود سخنِ دوست خوشتر است (دوست کی طرف سے جو بات بھی پہنچے وہ اچھی ہے)

یہ راستہ جس کو طے کرنے کے ہم درپے ہیں وہ صرف سات قدم ہے، دو قدم عالمِ خلق میں ہے اور پانچ قدم عالمِ امر میں۔ عالمِ امر میں پہلا قدم رکھنے پر تجلیٔ افعال کا ظہور ہوتا ہے، دوسرے قدم پر تجلیٔ صفات اور تیسرے قدم پر تجلیاتِ ذاتیہ (کا سلسلہ) شروع ہوجاتا ہے ــــــ اس کے بعد اربابِ کمال کے درجات کے تفاوت کے مطابق (تجلیاتِ ذاتیہ میں) ترقی ہوتی رہتی ہے، جیسا کہ اربابِ کمال سے پوشیدہ نہیں ہے، اور یہ سب کچھ حضرت سید الاولین والآخرین علیہ من الصلوات اکملہا ومن التسلیمات افضلہا کی متابعت پر وابستہ ہے ــــــ اور یہ جو بعض نے کہا ہے کہ یہ راستہ دو قدم ہے، اس سے انھوں نے (بطورِ اجمال) عالمِ خلق اور عالمِ امر مراد لئے ہیں (اور یہ بات اس لئے کہی ہے) تاکہ طالبوں کی نظر میں راستہ مختصر اور آسان معلوم ہو۔ اور حقیقت میں بات وہی ہے جو حق تعالیٰ کی توفیق سے میں نے بیان کی۔ بات یہی ہے۔

مکتوب ۱۱۶

صدور شانزدہم

ملا عبد الواحد لاہوریؒ کی طرف صادر فرمایا ــــــ اس بیان میں کہ قلب کی سلامتی ماسوائے حق تعالیٰ کے ہر چیز کو دل سے بھول جانے پر موقوف ہے اور دنیاوی امور میں بکثرت مشغول ہونے سے باز رہنا تاکہ اس (دنیا) کی محبت ورغبت پیدا نہ ہوجائے۔

میرے عزیز بھائی کا مکتوبِ مرغوب موصول ہوا، اس میں قلب کی سلامتی کے متعلق جو کچھ تحریر تھا اس سے آگاہی ہوئی ــــــ ہاں بیشک قلب کی سلامتی حق تعالیٰ کے علاوہ ہر چیز کو (دل سے) بھلا دینے پر موقوف ہے، حتیٰ کہ اگر دنیاوی چیزوں کو تکلف اور کوشش کے ساتھ یاد کرنا چاہیں تو بھی یاد نہ آئیں، اس صورت میں غیرِ خدا کا گزر بھی دل پر نہیں ہوسکتا، اس حالت کو فنائے قلبی سے تعبیر کرتے ہیں اور اس

ع ملا عبد الواحد لاہوری کے نام تین مکتوبات ہیں دفتر اول مکتوب ۱۱۶ - ۳۰۷ دفتر دوم مکتوب ۷۰ - آپ کو بھی حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ نے حضرت مجدد صاحبؒ کی خدمت میں تربیت حاصل کرنے کے لئے بھیجا تھا۔ آپ کثیر المراقبہ اور کثیر العبادت تھے۔ ایک روز آپ نے خواجہ محمد ہاشم کشمیؒ سے دریافت کیا کہ "کیا جنت میں نماز ہوگی؟" انھوں نے جواب دیا "نہیں کیونکہ وہ (جنت) دارِ جزا ہے دارِ عمل نہیں"۔ اس پر آپ نے ایک آہ کھینچی اور رونے لگے اور کہا "آہ نماز اور اس بے نیاز کی عبادت کے بغیر کس طرح زندگی گذاریں گے"۔ (زبدۃ المقامات)

راہ میں یہ پہلا قدم ہے اور اس سے استعداد کے مطابق کمالاتِ ولایت کے مرتبوں کے درجات کی بشارت ملتی ہے، پس ہمت کو بلند رکھیں اور اخروٹ و منقیٰ (یعنی معمولی چیزوں پر) قناعت نہ کریں، اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ مَعَالِیَ الْھِمَمِ (حق تعالیٰ بلند ہمت لوگوں کو دوست رکھتا ہے)۔

دنیاوی کاموں میں بکثرت مشغول ہونے سے خطرہ ہے کہ کہیں اس کمینی دنیا کے کاموں میں رغبت پیدا نہ ہو جائے، اور اس سلامتیٔ قلب پر بھی ہرگز مغرور نہ ہوں کیونکہ رجوع (اس حالت کے بدل جانے) کا امکان موجود ہے اور جہاں تک ہو سکے دنیاوی مہمات کے اندر مصروف نہ رہیں اور ایسا کوئی قدم نہ اٹھائیں کہ دوبارہ اس کی رغبت ہو جائے اور نقصان کا باعث ہو عِیَاذًا بِاللّٰہِ سُبْحَانَہٗ (اللہ سبحانہٗ کی پناہ) ——— فقر میں جاروب کشی کرنا (یعنی حق تعالیٰ کی یاد کے ساتھ سادہ زندگی بسر کرنا) دولت مندوں کی صدر نشینی سے کئی درجے بہتر ہے۔ ساری ہمت اس پر صرف کرنی چاہئے کہ فقر اور دنیا سے بے رغبتی کے ساتھ چند روزہ زندگی بسر ہو جائے۔ دولت اور دولتمندوں سے ایسے بھاگو جیسے شیر کے خوف سے بھاگتے ہیں۔ والسلام

مکتوب ۱۱۷
صد و ہفدہم

ملا یار محمد قدیم بدخشی[ع] کی جانب صادر فرمایا ——— اس بیان میں کہ ابتدا میں قلب حِس (ادراک) کی تابعداری کرتا ہے اور انتہا میں یہ تابعداری نہیں رہتی۔

مولانا یار محمد بھولے نہیں ہوں گے کہ ایک مدت تک قلب حِس (ادراک) کے تابع رہتا ہے پس لامحالہ جو کچھ حِس سے دور ہے وہ قلب سے بھی دور ہے۔ حدیث شریف مَنْ لَمْ یَمْلِكْ عَیْنَہٗ فَلَیْسَ الْقَلْبُ عِنْدَہٗ (جس شخص کی آنکھ اس کے اپنے قبضے میں نہیں ہے اس کا دل بھی اس کے قابو میں نہیں ہے) اس حدیث میں اس مرتبہ کی طرف اشارہ ہے۔ اور نہایتِ کار (سلوک کی انتہا) میں جب قلب حِس کی تابعداری میں نہیں رہتا تو حِس کی دوری قلب کی نزدیکی میں اثر انداز نہیں ہوتی۔ لہذا مشائخ طریقت مبتدی اور

ع ملا یار محمد قدیم بدخشی کے نام دو مکتوب ہیں دفتر اول مکتوب ۱۱۷ - ۲۱۱ - آپ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے قدیم مرید اور ممتاز خلفا میں سے تھے اور قائم اللیل، صائم النہار، کثیر السکوت والمراقبہ تھے۔ حضرات نقشبندیہ کی بعض خصوصیات آپ کی پیشانی سے ظاہر ہوتی تھیں۔ خوش سیرتی کے ساتھ خوبصورت بھی تھے ۱۰۳۶ھ میں حج کی سعادت سے مشرف ہوئے پھر اکبر آباد (آگرہ) میں سکونت اختیار کی اور وہیں انتقال ہوا۔

متوسط کو شیخ کامل کی صحبت سے مکمل طور پر مفارقت (جُدا رہنے کو) تجویز نہیں فرماتے۔ غرضکہ بحکم مَا لَا یُدْرَکُ کُلُّہٗ لَا یُتْرَکُ کُلُّہٗ (یعنی جو چیز پوری حاصل نہ ہو سکے اس کو بالکل ترک نہیں کر دینا چاہیئے) کے مطابق اسی طریقہ پر کاربند رہیں اور ناجنس (یعنی غیر مشرب لوگوں) کی صحبت سے پوری طرح پرہیز کریں ـــــــ

میاں شیخ مزمل کی تشریف آوری کو سعادت کا پیش خیمہ سمجھ کر ان کی صحبت کو غنیمت جانیں اور اکثر اوقات ان کی صحبت میں رہیں کیونکہ شیخ موصوف بہت عزیز الوجود شخصیت ہیں۔ والسلام

مکتوب ۱۱۸

صد و ہیژدہم

ملا قاسم علیؒ[ع] بدخشی کی جانب صادر فرمایا ـــــــ ان لوگوں کے خسارہ کے بیان میں جو اللہ والوں پر اعتراض کرتے ہیں۔

وہ محبت بھرا خط جو مولانا قاسم علی نے بھیجا تھا موصول ہوا اور خط کا مضمون بھی واضح ہو گیا حق سبحانہٗ وتعالیٰ کا ارشاد ہے: مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِہٖ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَیْہَا (حم السجدہ آیت ۴۶ ۴۱) جو شخص اچھا عمل کرتا ہے وہ اپنے نفس ہی کے لئے کرتا ہے اور جو کوئی بُرا کام کرتا ہے اس کی برائی بھی اسی پر ہے) ـــــــ

خواجہ عبد اللہ انصاریؒ[۱] فرماتے ہیں کہ بار الٰہا جس کو تو ذلیل کرنا چاہتا ہے وہ ہمیں طعن و تشنیع دینے میں پڑ جاتا ہے۔ بیت

ترسم آں قوم کہ بر دُرد کشاں می خندند ـــ بر سرِ کارِ خرابات کنند ایمان را

(طعن کیوں کرتے ہو اُن پر جو پیے ہیں تلچھٹ ـــ میکدے پر کہیں ایمان نہ کھو بیٹھو تم)

حق سبحانہٗ وتعالیٰ بطفیل حضرت سید البشر علیہ وعلی آلہ الصلوات والتسلیمات تمام اہلِ اسلام کو فقراء کے انکار اور ان کے اوپر طعن و تشنیع کرنے سے محفوظ رکھے (آمین) والسلام

ع ملا قاسم علی بدخشی کے نام صرف یہی ایک مکتوب ہے لیکن حضرت مجدد صاحبؒ نے حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ کی خدمت میں جو مکتوب تحریر فرمائے ہیں ان میں سے مکتوب ۱۱۔ ۱۴ میں آپ سے متعلق تحریر فرمایا ہے۔ چونکہ آپ بھی ان بزرگوں میں سے ہیں جن کو حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ نے حضرت مجدد صاحبؒ کے حوالہ کیا تھا چنانچہ آپ سالہا سال حضرت مجدد صاحبؒ کی خدمت میں رہ کر دریائے معرفت سے گوہر مقصود حاصل کرتے رہے۔

۱ آپ کا مختصر تذکرہ "شیخ الاسلام ہروی" کے تحت مکتوب ۱۰۶ کے حاشیہ میں گذر چکا ہے۔

مکتوب ۱۱۹

صدو نوزدہم

میر محمد نعمان[عہ] بدخشی کی طرف صادر فرمایا ـــــ شیخ مقتدا کی صحبت کی ترغیب اور اس بیان میں کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کاملین اپنے بعض ناقص مریدوں کو نیک امیدوں کے گمان پر تعلیم طریقت کی اجازت دیتے ہیں۔

جناب میر صاحب کا مکتوب شریف موصول ہوا۔ یہ راستہ دیوانگی چاہتا ہے (جیسا کہ) حدیث شریف میں وارد ہے: لَنْ یُّؤْمِنَ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یُقَالَ اِنَّہٗ مَجْنُوْنٌ[1] (تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک (کامل) مومن نہیں ہو سکتا جبتک کہ لوگ اس کو مجنون (دیوانہ) نہ کہنے لگیں)۔ اور جب دیوانہ پن آگیا تو بیوی بچوں کی تدبیر سے فارغ ہو گیا اور کذا و کذا (یعنی ایسا ہوگا ویسا ہوگا) کے اندیشہ سے جمعیت میسر ہو گئی (یعنی دل کو اطمینان حاصل ہو گیا) ـــــ یہ دیوانگی آپ کی طبیعت میں موجود ہے لیکن بیکار عوارض کے باعث آپ نے اس کو خس و خاشاک میں چھپا دیا ہے۔ کیا کیا جائے کہ یہ ظاہری دُوری کی وجہ سے آپ میں بہت کچھ بے مناسبتی مفہوم ہوتی ہے، اس کا جلد تدارک فرمائیں اور اپنی کم ہمتی کو عین ہمت (استطاعت) جان کر اس جسدی (ظاہری) دوری کو رفع کریں ـــــ اس گروہ (صوفیاء) کی جمعیت (دلی اطمینان) مخلوق کے دلی اطمینان سے بہت بلند ہے، مخلوق کی دل جمعی کے اسباب ان (صوفیاء) کے تفرقے اور اختلافات کا باعث ہیں۔ مخلوق کے اختلافات کے اسباب (فقر و نامرادی وغیرہ) میں ہاتھ ڈالنا چاہیئے (یعنی ان میں غور کرنا چاہیئے) تاکہ دل کا اطمینان حاصل ہو، اور اگر بالفرض اس گروہ کو مخلوق کی جمعیت کے اسباب عنایت ہو جائیں تو اس جمعیت سے بھی ڈرنا چاہیئے اور حق سبحانہٗ و تعالیٰ کے حضور میں التجا کرنی چاہیئے

عہ مکتوبات میں آپ کے نام غالباً سب سے زیادہ (۳۳) مکتوبات ہیں یعنی دفتر اول مکتوب ۱۱۹- ۱۲۰- ۱۲۱- ۱۷۳- ۲۰۴- ۲۰۹- ۲۲۴- ۲۲۸- ۲۳۱- ۲۳۸- ۲۴۶- ۲۵۷- ۲۶۱- ۲۸۱- ۳۱۳- دفتر دوم مکتوب ۴- ۹۲- ۹۹- دفتر سوم مکتوب ۱- ۴- ۵- ۹- ۱۰- ۱۲- ۱۵- ۱۸- ۱۹- ۲۱- ۲۶- ۳۰- ۳۶- ۴۹- ۱۰۲- خواجہ میر محمد نعمان بن سید شمس الدین یحییٰ بدخشانی معروف بمیر بزرگ کی ولادت ۹۷۷ھ سمرقند میں ہوئی، تاریخ ولادت "شیخ جنید" سے نکلتی ہے۔ علومِ ظاہری کی تکمیل سے فارغ ہو کر حضرت امیر عبداللہ عشقیؒ کی خدمت میں بلخ حاضر ہوئے اور انہی کے اشارے پر ہندوستان آئے اور حضرت خواجہ باقی باللہؒ سے شرفِ بیعت حاصل کیا پھر حضرت خواجہؒ کے ارشاد پر حضرت مجدد صاحبؒ کی خدمت میں ایک عرصہ گذارا۔ ۱۰۱۸ھ میں حضرت مجدد الف ثانیؒ نے آپ کو اجازت نامہ عطا فرما کر برہان پور روانہ کر دیا۔ ۱۸ صفر ۱۰۵۸ھ اکبر آباد میں وفات پائی۔

لہ یہ حدیث مکتوب ۶۵ میں گذر چکی ہے حوالہ وہاں ملاحظہ ہو۔

تاکہ جمعیت بلائے جان نہ بن جائے۔ اور فلاں فلاں (صاحبِ تکمیل) حضرات کے حال پر قیاس نہ کرنا چاہئے کیونکہ یہ تمام مراتب فرقِ مراتب کے اعتبار سے تکمیل ہونے سے پہلے سب نقص کے مراتب ہیں۔ ع

فراقِ دوست اگر اندک است اندک نیست (ہجر اس کا نہیں تھوڑا وہ بہت ہے مجھ کو)

مشائخ طریقت نے اپنے بعض مریدوں کو اُن کے سلوک کی تکمیل سے قبل تعلیم طریقت کی اجازت دی ہے ـــــ حضرت خواجہ نقشبند قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ نے حضرت مولانا یعقوب[۱] چرخی رحؒ کو طریقت و سلوک کی تعلیم اور بعض منازل سلوک طے کرانے کے بعد فرمایا "اے یعقوب ہر چہ از ما بتو رسید است بخلق برساں" (اے یعقوب! جو کچھ ہم سے تم کو پہنچا ہے وہ مخلوق کو پہنچاؤ)۔ حالانکہ آپ (حضرت خواجہ نقشبندؒ) نے ان سے یہ بھی فرمایا کہ میرے بعد علاؤالدین (عطارؒ) کی خدمت میں رہنا۔ چنانچہ (مولانا یعقوب چرخیؒ نے) اکثر امور (طریقۂ تعلیم) حضرت خواجہ علاؤالدین کی خدمت میں انجام دیئے۔ حتیٰ کہ مولانا عبدالرحمٰن جامی[۲] نے (اپنی تصنیف) نفحات الانس میں آپ (مولانا یعقوب چرخیؒ) کو پہلے خواجہ علاؤالدین کے مریدوں میں شمار کیا ہے اور دوسرے نمبر پر حضرت خواجہ نقشبندؒ سے نسبت دی ہے۔

مختصر یہ ہے کہ اس تفرقہ (دُوری) کا علاج ارباب جمعیت کی صحبت ہے اور یہ بات بار بار تاکیداً لکھی جا چکی ہے۔ اور سُنا گیا ہے کہ مولانا محمد صدیق نے ملازمت اختیار کر لی ہے اور فقراء کی وضع کو چھوڑ دیا ہے، افسوس ہزار افسوس! کہ کسی کو مقام اعلیٰ علیین سے اسفل السافلین میں پہنچا دیں۔ اب ان کا حال دو باتوں سے خالی نہیں ہے یا تو ان کو نوکری میں جمعیت مل گئی یا جمعیت نہیں ملی۔ اگر ان کو اس (نوکری) سے جمعیت حاصل ہو گئی تو بُرا ہے اور اگر نہ حاصل ہوئی اور بھی بدتر۔

یا اللہ! تو ہدایت دینے کے بعد ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ کر، اور اپنے پاس سے ہمارے حال پر رحمت فرما بیشک تو ہی بے حساب عطا فرمانے والا ہے۔ والسلام

ف ۱ حضرت مولانا یعقوب چرخی علیہ الرحمہ طریقۂ نقشبندیہ میں بلند مرتبہ رکھتے ہیں آپ سے طریقہ کی اشاعت بہت ہوئی۔ آپ کو بیعت اور اجازت حضرت خواجہ نقشبند سے ہے مگر تکمیل خواجہ عطارؒ سے ہوئی۔ علم تفسیر اور دوسرے علوم دینیہ میں بھی آپ کی تصانیف ہیں۔ ۵ صفر ۸۵۱ھ کو وفات پائی۔ چرخ کے رہنے والے ہیں جو ولایت غزنی میں ہے۔ مزار ہلغون مضافات حصار از ماوراء النہر میں ہے۔

ف ۲ مولانا نورالدین عبدالرحمٰن جامی علیہ الرحمہ ۲۳ شعبان ۸۱۷ھ قصبۂ جام میں پیدا ہوئے۔ آپ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے شاگرد امام محمدؒ شیبانی کی اولاد سے ہیں۔ مدرسہ نظامیہ ہرات میں تعلیم حاصل کی۔ میر سید شریف جرجانی کے شاگرد خواجہ علی سمرقندی اور دیگر علماء سے استفادہ کیا۔ پھر حضرت خواجہ عبیداللہ احرار قدس سرہ سے سلسلہ نقشبندیہ میں طریقہ کی تکمیل کی۔ آپ کی تصانیف کی تعداد ۵۴ ہے بروز جمعہ علی الصبح ۱۸ محرم ۸۹۸ھ کو وفات پائی۔

مکتوب ۱۲۰
(عربی و فارسی)
صدر و بستم

یہ مکتوب بھی میر محمد نعمان بدخشی کی طرف صادر فرمایا ـــــ اربابِ جمعیت کی صحبت کی ترغیب اور اس کے مناسب بیان میں۔

شاید کہ جناب میر صاحب نے فراموشی اختیار کر لی ہے کہ سلام و پیام سے بھی یاد نہیں فرماتے، فرصت بہت کم ہے، اس (فرصت) کو اعلیٰ ترین مقاصد میں صرف کرنا ضروری ہے، اور وہ (اعلیٰ مقصد) اربابِ جمعیت کی صحبت ہے، کیونکہ صحبت کے برابر کوئی چیز نہیں ہے۔ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت ہی کی وجہ سے انبیاء علیہم السلام کے علاوہ تمام غیر صحابہ پر فضیلت حاصل ہے خواہ اویس قرنیؒ ہوں یا عمر مروانیؒ (یعنی حضرت عمر بن عبد العزیزؒ) ہی کیوں نہ ہوں۔ حالانکہ یہ دونوں حضرات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کے علاوہ تمام درجات کی نہایت اور تمام کمالات کی غایت تک پہنچے ہوئے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خطا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت ہی کی برکت کی وجہ سے ان دونوں کے صواب سے بہتر ہے اور حضرت عمرو بن العاصؓ کا سہو ان دونوں کے صواب سے افضل ہے کیونکہ ان بزرگواروں کا ایمان، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شرفِ زیارت، فرشتہ کی حاضری اور وحی کے مشاہدہ کرنے اور معجزات کے دیکھنے کی وجہ سے شہودی ہو چکا تھا اور ان (صحابہؓ) کے سوا کسی اور کو اس قسم کے کمالات جو تمام کمالات کے اصول ہیں نصیب نہیں ہوئے۔ اور اگر حضرت اویس قرنیؒ کو معلوم ہوتا کہ صحبت کی فضیلت میں یہ خاصیت ہے تو ان کو صحبت سے کوئی چیز مانع نہ ہوتی اور اور وہ اس فضیلت پر کسی چیز کو ترجیح نہ دیتے: وَاللّٰہُ یَخْتَصُّ بِرَحْمَتِہٖ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰہُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ (بقرہ آیت ۱۰۵) (اور اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کے لئے جس کو چاہتا ہے مخصوص کر لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے)۔ بیت

سکندر را نمی بخشند آبے ۔۔۔ بزور و زر میسر نیست ایں کار

(نہیں نصیبِ سکندر کبھی بھی آبِ حیات ۔۔۔ اُسے دلائے گی کیوں اس کی دولت و قوت؟)

بارِ الٰہا! اگرچہ تو نے ہم کو صحابہ کرامؓ کے زمانے میں پیدا نہیں فرمایا مگر ہم کو بطفیل سید المرسلین علیہ وعلیہم الصلوات والتحیات والتسلیمات قیامت کے دن انہی کے زمرے میں محشور فرما۔ والسلام۔

مکتوب ۱۲۱

صد و بست و یکم

یہ مکتوب بھی میر محمد نعمان کی طرف صادر فرمایا ــــــ اس بیان میں کہ اس راستہ (راہِ طریقت) کے سات قدم مقرر ہیں اور بعض احباب چھ قدم تک پہنچ چکے ہیں۔

جناب میر صاحب! ہر وقت بے شمار دعائیں آپ کے شاملِ حال ہوں۔ مدت سے آپ نے اپنے حالات کے متعلق کچھ اطلاع نہیں دی اور نہ ہی یہاں کے فقراء کی خبر گیری فرمائی، اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ سُبْحَانَہٗ وَالْمِنَّۃُ کہ یہاں کے فقراء خوش حال ہیں، مختصر طور پر کچھ عرض ہے۔

اے محبت کے نشان والے! اس سلوک (طریقت) کا راستہ سات قدم مقرر ہو چکا ہے۔ دوستوں کی ایک جماعت نے اپنے کام کو چھ قدم پر ہی مکمل کر لیا ہے اور بعض نے صرف پانچ قدم پر اور ایک جماعت نے چار قدم اور ایک نے صرف تین قدم پر اپنے اپنے درجات کے مطابق منزلِ مقصود کو پہنچ گئے۔ اور تیسرے قدم والے بھی لوگوں کو اس راستہ کی تعلیم دے سکتے ہیں تو پھر کیا (اچھا) حال ہے اس جماعت کا جو اُن سے آگے جا چکی ہے وہ (تو بدرجۂ اولیٰ) اس راستہ کی تعلیم دے سکتی ہے (البتہ) ان کاموں کے لئے بلند ہمتی کی ضرورت ہے تاکہ معمولی اور کم درجہ کی چیزوں پر اکتفا نہ کر بیٹھیں۔ اس سے زیادہ لکھنے کے لئے وقت کی گنجائش نہیں ہے۔ والسلام

مکتوب ۱۲۲

صد و بست و دوم

ملا طاہر بدخشی[ع] کے نام صادر فرمایا ــــــ بلند ہمتی کی ترغیب میں اور جو کچھ ہاتھ آجائے اس سے بے التفاتی کرنے کے بیان میں۔

ع ملا طاہر بدخشی کے نام گیارہ مکتوبات ہیں یعنی دفتر اول مکتوب ۱۲۲-۱۲۳-۱۲۴-۱۷۱-۲۱۷- دفتر دوم مکتوب ۲۰-۲۷-۸۶ دفتر سوم مکتوب ۳۷-۹۱-۱۲۴- آپ کے اجداد بدخشاں کے رہنے والے تُرک خاندان سے تھے، آپ نہایت سادہ لوح، نیک طینت، دراز قامت اور قوی ہیکل انسان تھے۔ ابتداءً فوج میں افسر تھے، ایک شب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے تو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "تم فوج سے علیحدہ ہو جاؤ اور فقر و تجرید اختیار کرو"۔ چنانچہ آپ نے ایسا ہی کیا۔ پھر شیخ کی تلاش میں نکلے اور حضرت مجددؒ کی خدمت میں پہنچ گئے۔ تکمیل کے بعد حضرت مجددؒ نے اجازت تعلیم دے کر جونپور روانہ کر دیا آپ نے کافی طویل عمر پائی اور جونپور میں ۱۰۴۷ھ میں وفات پائی۔ (از "حضرت مجدد الف ثانیؒ")

مولانا محمد طاہر (خط کا جواب دیتے ہیں) ہم کو معذور جانیں، مولانا یار محمد (ہماری معذوری) نقل و حرکت کی وجہ بتادیں گے ــــــ جب آپ نے ہندوستان کی جانب سفر کا مصمم و پختہ ارادہ کرلیا ہے تو چلے جائیں اور اہل و عیال کی خبر گیری کریں۔ اَلْبَاقِيْ عِنْدَ التَّلَاقِيْ (باقی بوقت ملاقات) مثل مشہور ہے ــــــ (حق تعالیٰ کی) دائمی حضوری اور اغیار کے میل جول سے پرہیز کرنا ضروری ہے، اور ہمت کو بلند رکھیں، جو کچھ ہاتھ آئے اس میں مشغول نہ ہوجائیں (بلکہ آگے بڑھنے کی کوشش کریں) بیت

ما از پے نورے کہ بود مشرقِ انوار ‏ ‏ ‏ از مغربی و کوکب و مشکوٰۃ گذشتیم

(ہیں پیشِ نظر اب تو فقط طیبہ کے انوار ‏ ‏ ‏ منقول بھی معقول بھی سب دیکھ چکا ہوں)

اس زمانے کے اکثر فقرا سیراب ہوجانے اور کفایت کے مقام پر ٹھہر گئے ہیں (آگے ترقی نہیں کررہے) اُن کی صحبت زہرِ قاتل ہے، فِرَّ مِنْهُمْ كَمَا تَفِرُّ مِنَ الْأَسَدِ (ان سے اس طرح بھاگو جیسا کہ شیر سے بھاگتے ہیں) اپنے طریقے پر کاربند رہیں اور جو کچھ واقعات پیش آئیں ان کا اعتبار نہ کریں کیونکہ تاویل کی گنجائش کا میدان بہت فراخ و وسیع ہے، ہرگز خواب و خیال کے مکر میں نہ پھنسیں۔ شعر

كَيْفَ الْوُصُوْلُ إِلَى سُعَادَ وَدُوْنَهَا ‏ ‏ ‏ قُلَلُ الْجِبَالِ وَدُوْنَهُنَّ حُيُوْفُ

(کیسے پہنچوں سعاد تک اے کعبؓ ‏ ‏ ‏ کس قدر خوفناک راہیں ہیں)

مکتوب ۱۲۳

صد و بست و سوم

یہ مکتوب بھی ملا طاہر بدخشی کی طرف صادر فرمایا ــــــ اس بیان میں کہ نفل کا ادا کرنا اگرچہ حج ہی کیوں نہ ہو، اگر وہ کسی فرض کے فوت ہونے کا سبب بنتا ہو تو وہ بھی لایعنی میں داخل ہے۔

میرے نیک بخت بھائی لَا زَالَ كَاسْمِهٖ طَاهِرًا عَنْ دَنَسِ التَّعَلُّقَاتِ (اپنے نام کی طرح ہمیشہ غیر اللہ کے تعلقات کی آلودگی سے طاہر و پاک رہیں) کا مکتوب شریف موصول ہوا۔ اے بھائیؓ! حدیث شریف میں وارد ہے: عَلَامَةُ إِعْرَاضِهٖ تَعَالٰى عَنِ الْعَبْدِ اشْتِغَالُهٗ بِمَا لَا يَعْنِيْهِ[1] (بندہ کا لایعنی (بیکار) باتوں میں مشغول ہونا بندہ کی طرف سے اللہ تعالیٰ کی روگردانی کی ایک علامت ہے) ــــــ فرائض میں سے کسی ایک فرض کو چھوڑ کر نوافل میں سے کسی نفل عبادت میں مشغول ہونا لایعنی (بیکار باتوں) میں داخل ہے

[1] آئندہ صفحہ پر ملاحظہ ہو۔

پس اپنے احوال کی تفتیش کرنا (جائزہ لینا) ضروری ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ وہ کس چیز میں مشغول ہے، آیا نفل میں یا فرض میں ـــــ ایک نفلی حج کی خاطر اتنے ممنوعات کا مرتکب ہونا اچھا نہیں ہے آپ خود ملاحظہ فرمالیں۔ اَلْعَاقِلُ تَکْفِیْہِ الْاِشَارَۃُ (عقلمند کے لئے ایک اشارہ کافی ہے) وَالسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَعَلٰی رُفَقَائِکُمْ (آپ پر اور آپ کے احباب پر سلام ہو)۔

مکتوب ۱۲۴

صد و بست و چہارم

یہ مکتوب بھی ملا طاہر بدخشی کی طرف صادر فرمایا ـــــ اس بیان میں کہ راستہ کی استطاعت (زاد و راحلہ) حج کے واجب ہونے کی شرط ہے استطاعت نہ ہونے کے باوجود حج کا ارادہ کرنا اپنے مطلب کے حصول کے مقابلے میں تضیع اوقات میں داخل ہے۔

میرے بھائی خواجہ محمد طاہر بدخشی کا مکتوب شریف موصول ہوا، لِلّٰہِ سُبْحَانَہٗ اَلْحَمْدُ وَالْمِنَّۃُ ایک عرصہ کی جدائی کے باوجود فقراء کے اخلاص و محبت میں کوئی سستی واقع نہیں ہوئی، یہ ایک عظیم سعادت کی علامت ہے ـــــ اے محبت کے نشان والے! جب آپ نے رخصت طلب کی تھی اور حج پر جانے کا پختہ ارادہ کر لیا تھا تو وداع ہونے کے وقت احتمال کے ساتھ اتنا ذکر ہوا تھا کہ شاید ہم بھی اس سفر میں آپ کے ساتھ مل جائیں (شاید ما ہم بشما دریں سفر ملحق شویم)۔ ہر چند ارادہ کیا لیکن استخارے موافق نہیں آئے اور اس بارے میں کوئی تجویز سمجھ میں نہیں آئی، مجبوراً توقف کیا۔ ـــــ فقیر کی مرضی ابتدا ہی سے آپ کے (سفر حج پر) جانے کے بارے میں نہ تھی لیکن آپ کے شوق کو دیکھ کر صاف طور پر منع نہ کیا تھا ـــــ استطاعت راستہ کی شرط ہے، بغیر استطاعت کے تضیع اوقات ہے۔ ضروری کام چھوڑ کر غیر ضروری کام اختیار کرنا مناسب نہیں۔ اس مضمون کے کئی مکتوب آپ کو لکھے جا چکے ہیں شاید پہنچے ہوں گے یا نہیں۔ اصل بات یہی ہے۔ آگے آپ مختار ہیں۔ والسلام

(بقیہ حاشیہ از صفحۂ گذشتہ) ۱؎ ابن حجرؒ نے شرح اربعین میں اس حدیث کو امام حسن کا قول قرار دیا ہے لیکن امام ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ میں مرفوعاً مروی ہے من حسن اسلام المرء ترکہ ما لا یعنیہ اس حدیث کو ابن ماجہ نے بھی روایت کیا اور امام نووی نے اسے حسن کہا اور ابن عبد اللہ نے صحیح کہا۔ امام علی متقی نے جوامع الکلم میں بالفاظ حضرت مجدد الف ثانی مرفوعاً ذکر کیا۔

مکتوب ۱۲۵

صد و بست و پنجم

میر صالح نیشاپوری[ع] کی طرف صادر فرمایا —— اس بیان میں کہ خواہ عالم صغیر ہو یا عالم کبیر سب حق تعالیٰ شانہٗ کے اسماء اور اس کی صفات کے مظاہر ہیں اور عالم کا اپنے صانع کے ساتھ سوائے مخلوقیت اور مظہریت کی نسبت کے اور کوئی مناسبت نہیں ہے اور اس کے مناسب احوال کے بیان میں۔

اَللّٰھُمَّ اَرِنَا حَقَائِقَ الْاَشْیَاءِ کَمَا ھِیَ (یا اللہ! اشیاء کی حقیقتیں جیسی کہ وہ ہیں ہم پر ظاہر فرما۔ آمین) —— خواہ عالم صغیر (انسان) ہو یا عالم کبیر (پوری کائنات) سب حق تعالیٰ شانہٗ کے اسمائے و صفات کے مظاہر ہیں اور اس کے شیون و کمالات کے آئینے ہیں۔ حق سبحانہٗ و تعالیٰ عز سلطانہٗ ایک مخفی خزانہ اور پوشیدہ راز تھا اس نے چاہا کہ اپنے پوشیدہ کمالات کو ظاہر فرمائے اور اجمال کو تفصیل کے رنگ میں لائے چنانچہ اس نے عالم کو ایسے نہج پر پیدا فرمایا کہ عالم کی ذوات و صفات حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی ذات و صفات پر دلالت کرنے والے بن جائیں —— پس عالم کو اپنے صانع کے ساتھ سوائے مخلوق ہونے کے اور کوئی نسبت نہیں، —— اور (یہ کائنات) اُس (حق تعالیٰ) کے اسماء و شیونات پر دلالت کرنے والے (امور کا مجموعہ) ہیں۔ (خالق اور مخلوق کے درمیان) اتحاد[ل] و عینیت و نسبتِ احاطہ و سریان و معیتِ ذاتیہ (وغیرہ تمام احوال) غلبۂ حال اور سکرِ وقت کی بنا پر ہیں (جن کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں) —— مستقیم الاحوال اکابرین جنھوں نے صحو کے پیالے سے ایک گھونٹ پی لیا ہے وہ عالم کی اپنی صانع کے ساتھ سوائے مخلوقیت اور مظہریت کی نسبت کے اور کوئی نسبت ثابت نہیں کرتے اور احاطہ و سریان اور معیت کو علمی جانتے ہیں، جیسا کہ علمائے حق کا مسلک ہے شَکَرَ اللہُ تَعَالٰی سَعْیَھُمْ۔

تعجب ہے کہ صوفیاء کی ایک جماعت ایک طرف تو بعض ذاتی نسبتوں کو ثابت کرتی ہے جیسے احاطہ (گھیر لینا) اور معیت (ساتھ ہونا) اور دوسری طرف اس بات کے قائل ہیں کہ حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی ذات سے تمام نسبتیں مسلوب ہیں حتیٰ کہ صفاتِ ذاتیہ بھی اس سے سلب جانتے ہیں ——

عالم کبیر و صغیر حق تعالیٰ کے اسماء و صفات کے مظاہر ہیں۔

[ل] یعنی حق سبحانہٗ و تعالیٰ اپنے مخلوق کے ساتھ مل کر مخلوق کو عین حق کر لیا ہے اور مخلوق کا احاطہ کر کے اس میں سرایت ہو کر ذاتِ حق بنالیا ہے۔

[ع] میر صالح نیشاپوری کے نام صرف دو مکتوب ہیں یعنی ۱۲۵ و ۱۲۶۔ دیگر حالات معلوم نہ ہو سکے۔

پس یہ تناقض کے علاوہ کچھ نہیں ہے، اور اس تناقض کو دُور کرنے کے لئے ذاتِ (حق) میں مراتب کا اثبات ظاہر کرنا فلسفی تحقیقات کے مانند بیجا تکلّف ہے۔ صحیح کشف والے حضرات حق تعالیٰ کی ذات کو بسیطِ حقیقی کے علاوہ کچھ نہیں جانتے اور اس (بسیط ذات) کے علاوہ جو کچھ ہے اُسے اسماء (صفات) میں شمار کرتے ہیں۔ فرد

فراقِ دوست اگر اندک است اندک نیست درونِ دیدہ اگر نیم موست بسیار است

(ہجر اُس کا نہیں تھوڑا، وہ بہت ہے مجھ کو آنکھ میں بال ہو آدھا تو وہ ہوگا شہتیر)

اس بحث کی تحقیق کے لئے ہم ایک مثال بیان کرتے ہیں کہ ایک عالم بے بدل بہت سے فنون والا اپنے پوشیدہ کمالات کو ظاہر کرنا چاہتا ہے تو حروف و آواز کو ایجاد کرتا ہے تاکہ ان حروف و آواز کے ذریعے اپنے پوشیدہ کمالات کو ظاہر کرے۔ لہٰذا اس صورت میں یہ حروف اور دلالت کرنے والی آوازیں کو ان پوشیدہ معانی کے ساتھ کوئی نسبت نہیں، سوائے اس کے کہ یہ حروف اور آوازیں پوشیدہ معانی کے مظاہر اور چھپے ہوئے کمالات کے آئینے ہیں۔ حروف اور آوازوں کو ان خفیہ معانی کا عین قرار دینا بے معنی بات ہے، اور اس صورت میں احاطہ اور معیت کا حکم لگانا واقع کے خلاف ہے۔ —— معانی اپنی ذات و صفات کے ساتھ پوشیدہ اور قائم ہیں، ان کی ذات و صفات میں کسی قسم کا تغیر و تبدل واقع نہیں ہوا۔ لیکن چونکہ ان حروف و آوازوں کے معانی کے درمیان ایک قسم کی دالیت اور مدلولیت کی نسبت ثابت ہے اس بنا پر بعض زائد معانی جو ہمارے تخیل میں آتے ہیں فی الحقیقت وہ پوشیدہ معانی سے منزّہ اور مبرّا ہیں۔

اور جو کچھ اس مسئلہ میں ہمارا اعتقاد ہے (وہ مذکور ہو چکا۔ پس مخلوق میں) مظہریّت و مرائیت کے علاوہ کسی اور امرِ زائد مثل اتحاد، عینیت، احاطہ اور معیت کا ثابت کرنا سکر کی وجہ سے ہے ورنہ ذاتِ حق سبحانہٗ و تعالیٰ درحقیقت اس سے پاک ہے اور نسبت سے مبرا ہے۔ مَا لِلتُّرَابِ وَ رَبِّ الْاَرْبَابِ (چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک، خاک کو عالمِ پاک سے کیا نسبت)۔

ظاہریت (حق تعالیٰ کا ظاہر ہونا) اور مظہریت (مخلوق کا مظہر ہونا) کی اس قدر مناسبت کے باوجود وحدتِ وجود کہیں یا نہ کہیں حقیقۃً متعدد وجود ہیں، لیکن اصالت اور ظلیت، ظاہریت و مظہریت کے طریق سے نہیں بلکہ ایک وجود ہے اور اس کے علاوہ اوہام و خیالات ہیں۔ یہ بعینہٖ سوفسطائیہ[1] کا

---

[1] سوفسطائیہ کے مذہب کی بنیاد وہم پرستی پر مبنی ہے حضرت مجدد الف ثانیؒ نے سوفسطائیہ اور صوفیہ کے مذہب کی مزید تحقیق دفتر دوم کے مکتوب اول اور چوالیس ۴۴ میں کی ہے وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

مذہب ہے۔ عالم کی حقیقت کا اثبات عالم کے اندر تلاش کرنا اوہام و خیالات سے خارج نہیں ہے جو سوفسطائیت کا مقصود ہے۔ مثنوی

چوں بدانستی تو اورا از نخست سوئے آنحضرت نسب کردی درست
وانگہ دانستی کہ ظلِ کیستی فارغی گر مُردی وگر زیستی
(اگر تجھے پہلے سے ہوتی کچھ شناخت اُس سے نسبت اپنی کرلیتا درست
جان لے اب بھی کہ کس کا ظل ہے تو پھر تو فارغ، کام پھر تیرا ہے چست)

مکتوب ۱۲۶
صد و بست و ششم

یہ مکتوب بھی میر صالح نیشاپوری کی طرف صادر فرمایا ــــــ اس بیان میں کہ طالبِ (راہِ سلوک) کو چاہیئے کہ باطل معبودوں کی خواہ وہ آفاقی ہوں یا انفسی (دل سے) نفی کرے (حتیٰ کہ) حق تعالیٰ جل سلطانہٗ کے حق ہونے کے اثبات کی جانب میں جو کچھ بھی فہم کے حوصلہ اور ادراک کے احاطہ میں آئے اس کو بھی نفی کے تحت لاکر صرف حق تعالیٰ سبحانہٗ کے موجود ہونے پر اکتفا کرے، اگرچہ وجود کے اثبات کی بھی اس مقام میں گنجائش نہیں ہے اور اس کے مناسب بیان میں۔

سیادت و شرافت کی مسند والے! (راہِ سلوک کے) طالب کو چاہیئے کہ آفاقی (بیرونی) و انفسی (اندرونی) باطل معبودوں کی نفی (غیر اللہ کو دل سے دور) کرنے میں اہتمام کرتا رہے اور حق تعالیٰ جل سلطانہٗ کے حق ہونے کے اثبات کی جانب میں جو کچھ بھی فہم کے حوصلہ اور ادراک کے احاطہ میں آئے اس کو بھی نفی کے تحت لاکر صرف مطلوب (حق تعالیٰ سبحانہٗ) کے موجود ہونے پر اکتفا کرے۔ مصرع

بیش ازیں پے نہ بردہ اند کہ ہست (اس سے زیادہ علم نہیں بس وہ ہے وہ ہے)

اگرچہ وجود کی بھی اس مقام میں گنجائش نہیں ہے، اُس (حق تعالیٰ) کو وجود سے بھی ماورائے وجود تلاش کرنا چاہیئے ـــــ علمائے اہلِ سنت شکر اللہ تعالیٰ سعیہم نے کیا خوب فرمایا ہے: "وجودِ واجب تعالیٰ زائد است بر ذاتِ او سبحانہٗ" (یعنی واجب تعالیٰ کا وجود اس سبحانہٗ کی ذات پر زائد ہے) اور وجود کو عین ذات قرار دینا اور وجود کے علاوہ دوسرا امر ثابت نہ کرنا کوتاہ نظری ہے۔

شیخ علاؤالدولہؒ فرماتے ہیں: فَوْقَ عَالَمِ الْوُجُوْدِ عَالَمُ الْمَلِكِ الْوَدُوْدِ (یعنی عالمِ وجود سے اوپر ملکِ ودود (حق تعالیٰ) کا عالم ہے) ——— اور جب اِس درویش کا وجود کے مرتبہ سے اوپر گذر ہوا تو جبتک وہ حال مجھ پر غالب رہا اس وقت تک ذوق ووجدان کی بناء پر میں نے اپنے آپ کو اربابِ تعطیل (معطل ہونے والے حضرات) میں پایا، اور واجب جل شانہٗ کے وجود کا حکم نہیں کرتا تھا کیونکہ وجود کو راستہ ہی میں چھوڑ آیا تھا اور مرتبۂ ذات میں وجود کی گنجائش نہ پاتا تھا۔ اس وقت (اس درویش کا) کا اسلام تقلیدی تھا تحقیقی نہ تھا ——— غرضکہ جو کچھ ممکن کے حوصلہ میں آئے وہ بطریق اولیٰ ممکن ہی ہوسکتا ہے۔ فَسُبْحَانَ مَنْ لَّمْ یَجْعَلْ لِلْخَلْقِ اِلَیْہِ سَبِیْلًا اِلَّا بِالْعَجْزِ عَنْ مَعْرِفَتِہٖ (پس پاک ہے وہ ذات جس نے مخلوق کے لئے عجز کے اقرار کے سوا کوئی راستہ اپنی معرفت کا نہیں رکھا)۔

فنا فی اللہ اور بقا باللہ کے حصول سے کوئی شخص یہ گمان نہ کرے کہ ممکن واجب ہوجاتا ہے کیونکہ یہ محال ہے اور اس طرح پر حقائق کا تغیر وتبدل لازم آتا ہے۔ پس جب ممکن واجب نہ ہوا تو پھر ممکن کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ وہ واجب جل شانہٗ کے ادراک کا عجز اختیار کرے۔ فرد

عنقا شکارِ کس نشود دام باز چیں ——— کا ینجا ہمیشہ باد بدست است دام را

(عنقا نہ ہاتھ آسکے بس دام اٹھائیو ——— اس کام میں تو دام ہے ناکام بس مدام)

بلند ہمتی اسی طرح کا مطلب چاہتی ہے کہ اس کے ہاتھ میں کچھ بھی نہ آئے اور اس کے نام ونشان کی بھی کوئی شہرت نہ ہو۔ بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو اپنے مطلب کو اپنا مقصود بنا لیتے ہیں اور اس کے ساتھ قرب ومعیت پیدا کرلیتے ہیں۔ مصرع: آں ایشانند من چنینم یارب۔ (یارب وہ ایسے ہیں اور میں ایسا ہوں) والسلام اولاً وآخراً۔

مکتوب ۱۲۷

صد و بست و ہفتم

ملا صفر احمد رومیؒ کی طرف صادر فرمایا ——— اس بیان میں کہ والدین کی خدمت ہر چند حسنات میں سے ہے لیکن مطلوبِ حقیقی تک پہنچنے کے مقابلے میں محض بیکاری اور خالص معطلی ہے بلکہ برائی میں داخل ہے، حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَیِّئَاتُ الْمُقَرَّبِیْنَ اور اس کے مناسب بیان میں۔

؎ آپ کے نام دو مکتوب ہیں ایک تو یہی، اور دوسرا دفتر سوم کا ۶۵ واں مکتوب۔ (آپ کا مختصر تذکرہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو)

(آپ کا) پسندیدہ مکتوب موصول ہوا۔ (یہاں آنے کے بارے میں) توقف کا جو عذر (والدین کی خدمت) آپ نے بیان کیا ہے وہ صحیح و درست ہے (اور اس سلسلہ میں) اس سے بھی زیادہ جسقدر ہو سکے کرنا چاہیے (اور اس سب کے باوجود) اپنے آپ کو قصوروار اور کوتاہ عمل سمجھنا چاہیے ـــــ حق سبحانہٗ وتعالیٰ کا ارشاد ہے وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَوَضَعَتْهُ كُرْهًا (الاحقاف آیت ۱۵) ۴۶ (یعنی ہم نے انسان کو والدین کے ساتھ نیک سلوک کرنے کی تاکید کی ہے، اس کی ماں نے تکلیف کے ساتھ اسے اُٹھائے رکھا پھر تکلیف کے ساتھ جنا) ـــــ پھر دوسری جگہ ارشاد ہے: أَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ (لقمان آیت ۱۴) ۳۱ (میرا اور اپنے والدین کا شکر ادا کرو)۔

اس کے باوجود یہ اعتقاد رکھنا چاہئے کہ یہ سب کچھ مطلوبِ حقیقی تک پہنچنے کے مقابلے میں محض بیکار ہے بلکہ منازل سلوک کے طے کرنے میں ایک طرح کا تعطل ہے۔ حَسَنَاتُ الْأَبْرَارِ سَيِّئَاتُ الْمُقَرَّبِيْنَ (ابرار کی نیکیاں مقربین کی برائیاں ہیں) آپ نے سُنا ہوگا۔ بیت

ہرچہ جز عشقِ خدائے احسن است گر شکر خوردن بود جان کندن است

(جو بھی ہے عشقِ الٰہی کے سوا اُس میں ہے زہرِ ہلاہل کا مزہ)

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا حق تمام مخلوقات کے حقوق پر مقدم ہے، اور ان (والدین) کے حقوق کی ادائگی بھی حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے حکم کی فرمانبرداری کی وجہ سے ہے ورنہ کس کی مجال ہے کہ اس کی خدمت کو چھوڑ کر دوسرے کی خدمت میں مشغول ہو، لہٰذا ان کی خدمت حق تعالیٰ ہی کی خدمت میں سے ہے، اگرچہ خدمت خدمت میں بڑا فرق ہے ـــــ کاشتکار اور ہل چلانے والے بھی بادشاہوں کے خادم شمار ہوتے ہیں لیکن مقربین کی خدمت کچھ اور ہی چیز ہے۔ ان کے نزدیک کھیتی باڑی اور ہل چلانے کا نام لینا بھی معصیت میں داخل ہے۔ ہر کام کی اجرت اس کام کے اندازے کے مطابق ہوتی ہے۔ ہل چلانے والے کو سخت محنت کے بعد ایک ٹکہ مزدوری کا ملتا ہے لیکن مقرب حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی حضوری حاصل

(بقیہ از صفحۂ گذشتہ) میر صفر احمد رومیؒ صحیح النسب سید اور روم کے اکابر مشائخ میں سے تھے، زیارت حرمین شریفین کے شوق میں جب مدینہ منورہ حاضر ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت و بشارت پر حضرت مجدد صاحبؒ کی خدمت میں حاضری کے شوق میں چل دیئے ۱۰۱۲ھ میں لاہور پہنچے تو حسنِ اتفاق کہ حضرت مجددؒ بھی لاہور میں تشریف فرما تھے آپ شرف بیعت حاصل کر کے تکمیل سلوک کے بعد خلافت و اجازت سے سرفراز ہوئے۔ بعد ازاں ۲۷ ذی الحجہ ۱۰۲۱ھ کو آپ کی دختر نیک اختر سے حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہ کی شادی ہوئی اور ۱۰۴۰ھ سرہند شریف میں آپ کا انتقال ہوا۔

ہونے کی ایک ساعت میں لاکھوں کا مستحق بن جاتا ہے اگرچہ اس کو لاکھوں سے کوئی تعلق نہیں ہوتا کیونکہ وہ تو صرف بادشاہ (حق تعالیٰ) کے قرب میں گرفتار ہے اور بس شَتَّانَ بَيْنَهُمَا (ان دونوں کے درمیان بڑا فرق ہے) فرخ حسین کافی ترقی حاصل کر چکا ہے اس کی طرف سے مطمئن رہیں، زیادہ کیا لکھوں — والسلام

مکتوب ۱۲۸
صد و بست و ہشتم

خواجہ مقیم[1] کی طرف صادر فرمایا —— بلند ہمتی کی ترغیب اور بے مثل ذات کو مطلوب قرار دینے کے علاوہ کسی پر اکتفا نہ کرنے کے بیان میں۔

جناب خواجہ محمد مقیم ہم دُور افتادگان کو فراموش نہ کر دیں بلکہ (اپنے سے) دُور نہ جانیں۔ اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ (آدمی اسی کے ساتھ ہے جس سے وہ محبت کرتا ہے) —— مقصد یہ ہے کہ سلوک کا راستہ انتہا درجہ طویل ہے اور مطلوب انتہائی بلندی پر ہے اور ہماری ہمتیں انتہا درجہ کوتاہ ہیں، اور (اس راہ کی) درمیانی منزلیں "سراب مطلب نما" ہیں (یعنی ہم سمجھتے ہیں کہ مطلوب حاصل ہو گیا حالانکہ یہ دھوکا ہے) —— عِيَاذًا بِاللّٰهِ سُبْحَانَهٗ (اللہ سبحانہٗ کی پناہ) کہ سالک وسط کو انتہا سمجھ کر غیر مقصد کو مقصد سمجھ بیٹھے، اور "چون" کو "بیچون" تصور کر لے اور مطلوبِ حقیقی تک پہنچنے سے رہ جائے —— ہمت کو بلند رکھنا چاہیے اور کسی حاصل شدہ پر سر کو خم (قناعت) نہ کرنی چاہیے بلکہ (حق تعالیٰ کو) وراء الوراء (بلند سے بلند تر) میں تلاش کرنا چاہیے —— اس قسم کی ہمت کا حاصل ہونا شیخ مقتدا کی توجہ سے وابستہ ہے اور شیخ کی توجہ "مرید مقتدی" کی محبت اور اخلاص کے مطابق ہوتی ہے۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ

مکتوب ۱۲۹
صد و بست و نہم

سید نظام[2] کی طرف صادر فرمایا —— اس بیان میں کہ انسان کی جامعیت اس کے تفرقے کے باعث ہے اور یہی جامعیت اس کی جمیعت کا سبب ہے جس طرح نیل کا پانی دوستوں کیلئے پانی اور دشمنوں کیلئے بلاد مصیبت ہے۔

---

[1] آپ کے نام صرف یہی ایک مکتوب ہے۔ باقی حالات بھی معلوم نہ ہو سکے —— [2] آئندہ صفحہ پر ملاحظہ ہو۔

مکتوب شریف موصول ہوا، چونکہ آدمی تمام مخلوقات میں جامع ترین ہستی ہے اور اس کے اجزا میں سے ہر جزو کے واسطے سے بکثرت موجودات کے ساتھ اس کا تعلق اور گرفتاری ظاہر ہوتی ہے لہذا حقیقت میں اس کی جامعیت ہی حق تعالیٰ سبحانہ کی جناب سے تمام مخلوقات سے زیادہ دوری کا باعث بنی۔ اور تعلقات کی کثرت اس کی محرومی کا سب سے زیادہ سبب ہے ـــــ اور اگر حق تعالیٰ عزشانہٗ کی توفیق سے (انسان) اپنے منتشر تعلقات سے جمعیت حاصل کرلے اور بازگشت کر کے حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوجائے تو فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا (الاحزاب آیت ۷۱) (بیشک اس نے عظیم کامیابی حاصل کرلی) ورنہ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِيْدًا (نساء آیت ۱۱۶) (بیشک وہ گمراہی میں دور جاپڑا) ـــــ انسان چونکہ جامعیت ہی کی وجہ سے موجودات میں بہترین ہے اور اسی جامعیت کی وجہ سے وہ بدترین مخلوق بھی ہے اور جامعیت ہی کی وجہ سے اس کا آئینہ اکمل واتم ہے۔ اگر انسان دنیا کی طرف اپنی توجہ رکھے تو لوگ کہتے ہیں کہ وہ دنیا میں سب سے برا ہے اور اگر اس کا رخ حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی طرف ہو تو پھر وہ مصفّٰی ومزکّٰی ہے اور سب سے زیادہ بیش بہا (خوش نصیب) ہے ـــــ ان تعلقات کی گندگی سے مکمل آزادی حاصل کرنا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم کا خاصہ ہے اور آپ کے بعد دوسرے انبیائے کرام و اولیائے عظام اپنے اپنے مراتب ودرجات کے مطابق ہیں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمارے نبی پر اور ان کے تابعداروں پر قیامت تک صلوٰۃ وسلام ہو ـــــ رَزَقَنَا اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَاِيَّاكُمْ نَجَاتًا عَنْ هٰذِهِ التَّعَلُّقَاتِ بِحُرْمَةِ النَّبِيِّ الْمُصْطَفٰى الْمَمْدُوْحِ بِقَوْلِهٖ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ مِنَ الصَّلَوَاتِ اَتَمُّهَا وَمِنَ التَّسْلِيْمَاتِ اَكْمَلُهَا (حق تعالیٰ ہم کو اور آپ کو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے طفیل جن کی حق تعالیٰ نے مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى (النجم آیت ۱۷) (یعنی آنحضرتؐ کی پلک جھپکی اور نہ ہی نظر مبارک حد سے بڑھی) کے مقدس جملے سے تعریف فرمائی ہے۔ ان تعلقات سے نجات عطا فرمائے آمین) اس سے زیادہ لکھنا ملال کا باعث ہے۔ والسلام والاکرام۔

(بقیہ از صفحہ گذشتہ) سید نظام کے نام صرف یہی ایک مکتوب ہے۔ غالباً سید نظام مرتضیٰ خاں مراد ہیں جو میران صدر جہاں حسینی پہانی کے چھوٹے فرزند تھے تحصیل تعلیم کے بعد شاہی ملازمت میں بڑے منصب پر پہنچے۔ دولت آباد کی مہم میں کارنمایاں انجام دیئے مہابت خاں نے آپ کو دولت آباد کا قلعہ دار بنانا چاہا لیکن آپ نے عہدہ قبول نہیں کیا۔
(ذخیرۃ الخوانین ج ۲ ص ۲۴۲)

مکتوب ۱۳۰
صد و سی ام

جمال الدین[1] کی طرف صادر فرمایا ——— اس بیان میں کہ تلوینات (تغیر و تبدل) احوال کا کچھ اعتبار نہیں، بیچونی و بے چگونی کا حصول ہونا چاہیئے۔

احوال کی تلوینات کا کچھ اعتبار نہیں ہے ان میں پھنسنا نہیں چاہیئے کہ کیا آیا، کیا گیا، کیا کہا اور کیا سُنا مقصود کچھ اور ہی ہے، جو کہنے، سننے، دیکھنے اور مشاہدہ کرنے سے پاک و مبرا ہے۔ طالبانِ سلوک کے بہتدی کو اخروٹ و منقیٰ (معمولی چیزوں) سے تسلّی دیتے ہیں۔ ہمت بلند رکھنی چاہیئے، کرنے کا کام دوسرا ہے، باقی سب خواب و خیال ہے ——— اگر کوئی شخص خواب میں اپنے آپ کو بادشاہ دیکھے تو حقیقت میں وہ بادشاہ نہیں ہے لیکن ایسے خواب سے (بلند مرتبہ کی) امید ہوتی ہے۔ طریقہ نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے اکابرین واقعات کا کچھ اعتبار نہیں کرتے۔ یہ بیت ان کی کتابوں میں لکھی ہوئی ہے۔ بیت

چو غلام آفتابم ہم از آفتاب گویم ❊ نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیثِ خواب گویم

(میں غلام شمس کا ہوں بس اسی کی بات ہوگی ❊ نہ میں شب، نہ اُس کا عاشق جو ہو نیند کی کہانی)

اگر احوال میں سے کوئی حال وارد ہو جائے اور پھر چلا جائے تو خوشی یا غم کی بات نہیں۔ بے چونی و بیچگونی (بے کیف و بے مثال) کے قرب کے حصول کا منتظر رہنا چاہیئے۔ والسّلام

مکتوب ۱۳۱
صد و سی و یکم

خواجہ محمد اشرف کابلی[2] کی طرف صادر فرمایا ——— اس بیان میں کہ طریقہ حضرات خواجگانِ نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کی بلند شان میں اور اس جماعت کی شکایت کے بیان میں جنھوں نے اس طریقہ میں

---

[1] آپ کے نام صرف یہی ایک مکتوب ہے غالباً علامہ جمال الدین تلوی لاہوری مراد ہیں۔ درس و تدریس میں آپ کا کوئی ہمسر نہ تھا لاہور میں علمی ریاست کا آپ پر خاتمہ تھا دُور دُور سے لوگ استفادے کے لئے آپ کے پاس آتے تھے۔ (نزھۃ الخواطر و تذکرہ علماء ہند)

[2] آپ کے نام دس مکتوبات ہیں دفتر اول مکتوب ۱۳۱-۱۴۷-۱۷۴-۱۸۷-۲۰۵-۲۲۲-۲۳۵-۲۵۱ دفتر دوم مکتوب ۳۰- دفتر سوم ۱۰۷- آپ حضرت مجدد صاحبؒ کے خاص لوگوں میں سے تھے حضرت نے آپ کو فنائے اتم کی خوشخبری دی تھی۔ آپ نے سلوک کی تکمیل کر کے خلافت پائی۔ (روضۃ القیومیہ)

نئی نئی باتیں ایجاد کرلی ہیں اور ان کو اس طریقہ کی تکمیل سمجھ لیا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَآلِہِ الطَّاہِرِیْنَ ؕ

(سب تعریف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے اور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی پاک اولاد پر صلوٰۃ وسلام ہو) ——— میرے سعادتمند بھائی خواجہ محمد اشرف کو اللہ تعالیٰ اپنے اولیائے کرام کے شرف سے مشرف فرمائے ——— جاننا چاہئے کہ حضرات خواجگانِ نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کا طریقہ حق تعالیٰ تک پہنچانے والے طریقوں میں سب سے زیادہ اقرب ہے، دوسرے طریقوں کی انتہا ان بزرگوں کی ابتدا میں درج ہے اور ان کی نسبت تمام نسبتوں سے بلند ہے۔ یہ سب کچھ اس لئے ہے کہ اس طریقہ میں سنت کی اتباع کو لازم رکھا گیا ہے اور بدعتوں سے پرہیز کرنا ہے۔ (یہ حضرات) حتی الامکان رخصت پر عمل کرنا جائز نہیں سمجھتے، اگرچہ بظاہر باطنی طور پر اس کو نفع بخش سمجھیں۔ اور عزیمت پر عمل کرنا نہیں چھوڑتے اگرچہ صورت کے اعتبار سے سیرت اور طریقے میں نقصان دہ ہی جانتے ہوں۔ (ان بزرگوں نے) احوال و مواجید کو احکامِ شرعیہ کے تابع کرلیا ہے اور ذوق و معارف کو علومِ شرعیہ کا خادم سمجھتے ہیں، احکامِ شرعیہ کے نفیس جواہرات کو بچوں کی طرح وجد و حال کے جوز و مویز کے عوض نہیں لیتے، اور صوفیاء کی بے اصل باتوں پر مغرور اور فریفتہ نہیں ہوتے، اور نص (شرعیہ) کے مقابلہ میں فص (فصوص الحکم) کو ترجیح نہیں دیتے، فتوحاتِ مدنیہ (سننِ نبویہ) کے مقابلے میں فتوحاتِ مکیہ کی طرف التفات نہیں کرتے، اور ان کا حال دائمی ہے، اور ان کا وقت ذاتی تجلّی کے اوپر ثبات قائم کئے ہوئے ہے جو دوسروں کے لئے بجلی کی مانند ہے ان بزرگواروں کے لئے دائمی ہے، وہ حضور جو تھوڑی دیر کے بعد باقی نہ رہے ان بزرگواروں کے نزدیک اعتبار سے ساقط ہے۔ (جیسا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے) رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَن ذِكْرِ اللَّهِ (النور آیت ۳۷) (یعنی وہ ایسے لوگ ہیں جنھیں تجارت اور خرید و فروخت اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل نہیں کرسکتی) ——— لیکن ہر شخص کی فہم ان بزرگوں کے مذاق کے مطابق نہیں ہے، ممکن ہے کہ اس بلند طریقے سے کمال حاصل نہ کرنے والے حضرات ان کمالات کا انکار کر بیٹھیں۔ بیت

قاصرے گر کند ایں طائفہ را طعن قصور — حاش للہ کہ برآرم بزباں ایں گلہ را

ترجمہ (ایسے لوگوں پر اگر ناقص کرے طعنہ زنی — میں کروں اپنی زباں سے کچھ گلہ؟ توبہ مری)

ہاں بعض خلفائے متاخرین نے اس طریقۂ عالیہ میں بعض اختراعات (نئی نئی باتیں) نکال لی ہیں اور اکابرین کی اصل راہ چھوڑ دی ہے۔ ان کے مریدوں کی ایک جماعت اس کا اعتقاد رکھتی ہے کہ ان نئی اختراعات سے اس طریقے کی تکمیل ہوگئی ہے حاشا و کلاّ (خدا کی پناہ ایسا نہیں ہے) کَبُرَتْ کَلِمَۃً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاھِھِمْ (کہف آیت ۵) (کتنی بڑی بات ہے جو اُن کے منہ سے نکل رہی ہے)۔ بلکہ انھوں نے (سلسلہ کی) تخریب اور ضائع کرنے میں کوشش کی ہے ـــــــ افسوس ہزار افسوس کہ بعض وہ بدعات جو دوسرے سلسلوں میں بھی ہرگز موجود نہیں، اس طریقۂ عالیہ میں جاری کر دی ہیں ـــــــ (مثلاً) نمازِ تہجد جماعت کے ساتھ ادا کرتے ہیں اور قرب و جوار کے لوگ بھی نمازِ تہجد کے لئے جمع ہوتے ہیں اور نہایت اطمینان کے ساتھ (نمازِ تہجد با جماعت) ادا کرتے ہیں، حالانکہ کراہتِ تحریمیہ کے ساتھ یہ عمل مکروہ ہے ـــــــ فقہا کی ایک جماعت جس نے تداعی (ایک دوسرے کو بلانا) کو کراہت کی شرط قرار دیا ہے وہ نفلی جماعت کو مسجد کے ایک گوشہ میں محدود کرتے ہیں اور وہ بھی اس صورت میں کہ تین آدمیوں سے زیادہ نہ ہوں، اس سے زیادہ کو بالاتفاق مکروہ کہا ہے ـــــــ اور اسی طرح نمازِ تہجد کو تیرہ ۱۳ رکعات جانتے ہیں، بارہ ۱۲ رکعات کھڑے ہو کر پڑھتے ہیں اور دو رکعت بیٹھ کر تاکہ ایک رکعت کا حکم پیدا ہو کر تیرہ ۱۳ رکعات ہو جائیں (حالانکہ) ایسا نہیں ہے۔ ہمارے پیغمبر علیہ الصلوات والتسلیمات نے کبھی تیرہ ۱۳ رکعات ادا فرمائی ہیں، کبھی گیارہ ۱۱، کبھی نَو ۹ اور کبھی سات، تو اس میں نمازِ تہجد کے ساتھ وتر نے مل کر فردیت (طاق عدد) پیدا کر لی ہے، نہ یہ کہ دو رکعت بیٹھ کر ادا کرنے کو ایک رکعت کا حکم دیدیا ہو ـــــــ اس قسم کے علم و عمل کی ان مثالوں کا منشا روشن سنتِ مصطفویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کی عدم تابعداری ہے۔

تعجب ہے کہ علماء کے شہروں میں جو مجتہدینؒ کا ملجا و ماویٰ ہے اس قسم کی بدعات رواج پا گئیں حالانکہ ہم فقراء علومِ اسلامیہ کا استفاضہ ان بزرگوں کی برکات سے کرتے ہیں ـــ وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ الْمُلْھِمُ لِلصَّوَابِ۔ فرد

اندکے پیشِ تو گفتم غمِ دل ترسیدم ـــ کہ دل آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

(بہت تھوڑی کہی ہے ڈرتے ڈرتے داستانِ غم ـــ کہیں آزردہ ہو جائے نہ دل تیرا مرے ہمدم)

والسلام

مکتوب ۱۳۲

صد و سی و دوم

ملا محمد صدیق[1] بدخشی کی طرف صادر فرمایا ——— دولت مندوں کی صحبت سے پرہیز اور فقراء کی صحبت کی ترغیب میں کہ فقراء (کے آستانوں) کی جاروب کشی دولت مندوں کی صدر نشینی سے بہتر ہے۔

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ

(آل عمران آیت ۸) (اے ہمارے رب! ہمارے دلوں کو ہدایت فرمانے کے بعد کجی سے بچا اور ہم کو اپنے پاس سے رحمت عطا فرما بیشک تو ہی بہت عطا فرمانے والا ہے) ——— اے میرے بھائی! آپ نے ظاہری طور پر فقراء کی ہمنشینی سے تنگ دل ہو کر دولت مندوں کی مجلس اختیار کر لی ہے (یہ کام) بہت بُرا کیا۔ آج (دنیا میں) اگر آپ کی آنکھ (بصیرت) بند ہے تو کل (قیامت کے دن) کھل جائے گی، اس وقت ندامت و پشیمانی کے علاوہ کچھ فائدہ نہ ہوگا، آگاہ کر دینا ضروری ہے ——— اے بوالہوس! تمہارا معاملہ دو حال سے خالی نہیں، دولتمندوں کی مجلس میں دلجمعی ملے گی یا نہیں۔ اگر اس سے (دلجمعی) مل جائے تو بُرا ہے اور اگر نہ ملے تو اس سے بدتر ہے۔ اگر مل جائے تو یہ (جمعیت نہیں بلکہ) استدراج ہے، عِيَاذًا بِاللّٰهِ سُبْحَانَهٗ مِنْ ذٰلِكَ (اللہ سبحانہٗ کی اس سے پناہ) اور اگر نہ ملے تو خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ (سورہ حج آیت ۱۱) (دنیا و آخرت (دونوں جگہ) نقصان ہے) ان کے حال کی نشانی ہے ——— فقراء کے آستانوں کی خاکروبی دولت مندوں کے ہاں کی صدر نشینی سے بہتر ہے، آج اگر یہ بات آپ کو معقول معلوم ہو یا نہ ہو آخر کار معقول معلوم ہو جائے گی مگر اس وقت کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ مرغن غذائیں اور فاخرہ لباس کی تمنا اور آرزو نے تم کو اس مصیبت میں ڈالا ہے، اب بھی کچھ نہیں بگڑا ہے اگر اصل کی طرف رجوع کر لیں ——— جو چیز بھی حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی طرف رکاوٹ کا سبب ہو اس کو دشمن جان کر اس سے فرار اختیار کریں اور پرہیز کریں،

---

[1] آپ کے نام بارہ[12] مکتوبات ہیں دفتر اول مکتوب ۱۳۲ تا ۱۳۶-۱۶۲-۱۷۶-۱۸۸-۲۱۲ دفتر دوم مکتوب ۲۱-۵۱ دفتر سوم مکتوب ۸۔ حقائق آگاہ مولانا محمد صدیق بدخشی ملقب بہ ہدایت بن ظہیر الدین حسن کشم علاقہ بدخشاں کے رہنے والے تھے ——— آپ کو شعر و سخن سے بہت دلچسپی تھی۔ پہلے حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ سے بیعت کی اور حضرت خواجہ کی رحلت کے بعد حضرت مجدد الف ثانی سے بیعت ہو کر خلافت پائی ۱۰۱۹ھ میں حضرت مجدد صاحبؒ کا رسالہ مبدأ و معاد مرتب کیا ۱۰۳۲ھ میں حج مقدس کی سعادت سے مشرف ہوئے۔ ماہ شوال ۱۰۵۱ھ میں وفات پائی اور حضرت خواجہؒ کے قبرستان میں دفن کئے گئے۔

اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِکُمْ وَاَوْلَادِکُمْ عَدُوًّا لَّکُمْ فَاحْذَرُوْھُمْ (تغابن آیت ۱۴) (بیشک تمہاری بیویاں اور اولاد میں سے تمہارے دشمن ہیں پس تم ان سے بچتے رہو) نصِ قطعی ہے۔

صحبت کے حقوق نے مجھے اس بات پر مجبور کیا کہ ایک مرتبہ آپ کو نصیحت کردی جائے، عمل کریں یا نہ کریں۔ میں تمہاری فضول باتوں کو پہلے سے جانتا ہوں کہ تمہارے لئے اس طریقہ کے فقر پر استقامت دشوار ہے۔

وَقَدْ کَانَ مَاخِفْتُ اَنْ یَّکُوْنَا اِنَّا اِلَی اللّٰہِ رَاجِعُوْنَا

ترجمہ (بیشک وہ بات ہو کے رہی جس کا خوف تھا تحقیق ہم خدا کی طرف ہیں رجوع اب

اور سلام ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے اور حضرت محمد مصطفٰے علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات و التحیات انہما و اکملہا کی تابعداری کو لازم پکڑے ـــــــ مجھے تمہاری عادت اور قابلیت سے کچھ اور ہی توقع تھی لیکن تم نے اپنے نفیس جوہر کو پاخانے (گندگی) میں پھینک دیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ہ

مکتوب ۱۳۳

صد و سی و سوم

یہ مکتوب بھی ملا محمد صدیق کی طرف صادر فرمایا ـــــــ اس بیان میں کہ فرصت کے لمحات کو غنیمت جاننا چاہئے اور اپنے قیمتی وقت کی قدر کرنی چاہئے۔

وہ مکتوب جو آپ نے قاصد کے بدست ارسال کیا تھا موصول ہوا۔ فرصت (کے لمحات) کو غنیمت جانیں اور وقتِ عزیز کی قدر کریں، رسوم و عادات سے کوئی کام نہیں بنتا، حیلے بہانے تلاش کرنے سے سوائے خسارہ و مایوسی کے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ مخبرِ صادق علیہ وعلیٰ آلہ من الصلوات انہما ومن التسلیمات اکملہا نے فرمایا ہے: ھَلَکَ[۱] الْمُسَوِّفُوْنَ سَوْفَ اَفْعَلُ (یعنی عنقریب یہ کام کروں گا کہنے والے ہلاک ہو گئے) موجودہ عمر کو موہوم کام (لذات و آسائشِ دنیاوی) میں صرف کرنا اور موہوم (بے فائدہ) کو موجود (زندگی) کیلئے حفاظت کرنا بہت برا ہے۔ چاہیے کہ نقدِ وقت (موجودہ وقت) کو اہم کاموں میں صرف کریں اور ادھار (غیر موجود وقت) کو دنیاوی کاموں اور بے فائدہ آرائشوں کے لئے مؤخر کردیں (مسلسل ٹالتے رہیں) حق سبحانہٗ و تعالیٰ (اپنی طلب میں) تھوڑی سی بے آرامی بخشے تاکہ ماسوائے حق کے آرام سے نجات حاصل ہو

---

[۱] تشریح کے لئے ملاحظہ ہو دفتر اول مکتوب ۷۳ حاشیہ۔

(محض) گفتگو سے کچھ فائدہ نہیں ہے، وہاں تو (یعنی اللہ تعالیٰ کے ہاں) قلبِ سلیم طلب کرتے ہیں لہذا اصل مقصد کا فکر کرنا چاہیئے اور بے فائدہ کاموں سے پوری طرح منھ پھیر لینا چاہیئے۔ بیت

ہرچہ جز عشقِ خدائے احسن است — گر شکر خوردن بود جان کندن است

(جو بھی ہے عشقِ الٰہی کے سوا — اس میں ہے زہر ہلاہل کا مزہ)

مَا عَلَی الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلَاغ (قاصد کے ذمہ صرف پہنچا دینا ہے)۔

مکتوب ۱۳۴
صد و سی و چہارم

یہ مکتوب بھی ملا محمد صدیق بدخشی کی طرف صادر فرمایا — تسویف کہنے سے منع کرنے کے بیان میں۔

حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ بحرمت سید المرسلین علیہ وعلیہم وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات آپ کو قرب کے درجات میں بے اندازہ عروج عطا فرمائے — اے محبت کے نشان والے! اَلْوَقْتُ سَیْفٌ قَاطِعٌ (وقت زندگی کو کاٹنے والی تلوار ہے) (صوفیا کا مقولہ ہے) — معلوم نہیں کہ کل تک مہلت دیں یا نہ دیں۔ اہم اور ضروری کام کو آج ہی کر لینا چاہیئے اور غیر ضروری کاموں کو کل پر مؤخر کر دینا چاہیئے عقل کا تقاضا یہی ہے عقلِ معاش (دنیاوی) کا نہیں بلکہ عقلِ معاد کا بھی یہی حکم ہے۔ اس سے زیادہ کیا لکھوں والسلام

مکتوب ۱۳۵ (عربی)
صد و سی و پنجم

یہ مکتوب بھی مخلص دوست محمد صدیق کی طرف صادر ہوا — ولایت کے بیان میں، ولایت خواہ عامہ ہو یا خاصہ، اور ولایتِ خاصہ کی بعض خصوصیات کے بیان میں۔

جاننا چاہیئے کہ ولایت فنا اور بقا سے عبارت ہے، اور وہ (ولایت) دو قسم کی ہے، عام یا خاص۔ اور عامہ سے ہماری مراد مطلق ولایت ہے اور ولایتِ خاصہ سے ولایتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ مراد ہے۔ اور ولایتِ خاصہ میں فنائے تام اور بقائے اکمل حاصل ہو جاتی ہے، جو شخص بھی اس نعمتِ عظمیٰ سے مشرف ہو گیا تو اس کا بدن حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی اطاعت میں مطیع ہو گیا اور اس کا

سینہ اسلامِ (حقیقی) کے لئے کھل گیا اور اس کا نفس امارگی (شرارت) اور لوامگی (شرمندگی) سے آزادی حاصل کر کے مطمئنہ ہوگیا، پس وہ اپنے آقا حق جل وعلا سے راضی ہوگیا اور اس کا مولیٰ اس سے راضی، اور اس کا (لطیفۂ) قلب حق تعالیٰ کی ذات کے لئے خالص ہوگیا اور اس کا لطیفۂ روح مکمل طور پر حضرتِ صفاتِ لاہوت (عالمِ ذاتِ الٰہی) کے مکاشفہ سے واصل ہوگیا، اور اس کا (لطیفۂ) سِر شیون واعتبارات کے ملاحظہ کے ساتھ مقامِ تجلیات ذاتیہ برقیہ سے مشرف ہوگیا، اور اس کا (لطیفۂ) خفی کمال درجۂ تنزہ وتقدس اور عظمت وکبریائی کے سامنے دریائے حیرت میں ڈوب گیا، اور اس کا (لطیفۂ) اخفیٰ (اس ذات کے ساتھ) بے کیف وبے مثال طریقے پر اتصال پذیر ہوگیا۔ مصرع

هَنِيئًا لِأَرْبَابِ النَّعِيمِ نَعِيمُهَا (مبارک نعمتیں جنت کی ہوں اربابِ نعمت کو)

اور جس بات کا جاننا ضروری ہے وہ یہ ہے کہ ولایتِ خاصۂ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیہ عروج ونزول کے دونوں طرفوں میں ولایت کے تمام مرتبوں سے ممتاز اور علیحدہ ہے لیکن عروج کی طرف اس وجہ سے کہ اخفیٰ کی فنا اور اس کی بقا دونوں اس ولایتِ خاصہ کے ساتھ مخص ہیں اور باقی تمام ولایتوں کا عروج تفاوتِ درجات کے اعتبار سے (لطیفۂ) خفی تک محدود ہے یعنی بعض اربابِ ولایت کا عروج (لطیفۂ) روح کے مقام تک ہے اور بعض کا عروج (لطیفۂ) سِر تک اور بعض دوسروں کا عروج (لطیفۂ) خفی تک ہے اور یہ ولایتِ عامہ کا اعلیٰ درجہ ہے اور نزول کی طرف میں اولیائے امتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ کے اجسام کے لئے بھی اسی ولایت کے درجوں کے کمالات میں سے کچھ حصہ ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شبِ معراج میں اپنے جسدِ[1] (عنصری کے ساتھ) جہاں تک حق تعالیٰ نے چاہا سیر کرائی گئی اور آپ کے سامنے جنت ودوزخ پیش کی گئی (سامنے لائی گئی)۔ اور آپ کی جانب وحی آئی جو کچھ کہ آئی، اور وہاں آپ (حق تعالیٰ کی) رویتِ بصری سے مشرف کئے گئے، اور اس طرح کی معراج آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی کے لئے مخصوص ہے اور وہ اولیائے کرام جو آں سرور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تابع ہیں ان کو بھی کمال متابعت اور زیر قدم چلنے کی وجہ سے اس مخصوص مرتبہ میں کچھ حصہ ہے۔ ع

وَلِلْأَرْضِ مِنْ كَأْسِ الْكِرَامِ نَصِيبٌ (زمیں کو بھی ملے حصہ بزرگوں کے پیالے سے)

---

[1] حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ تحریر فرماتے ہیں کہ صحیح مذہب یہی ہے کہ وجود اسری ومعراج سب کچھ بحالت بیداری اور جسم کے ساتھ تھا، صحابہ، تابعین اور اتباع کے مشاہیر علماء، اور ان کے بعد محدثین، جمہور فقہاء، ومتکلمین وصوفیا کا مذہب اسی پر ہے۔ اسی پر احادیث صحیحہ اور اخبار صریحہ متواتر ہیں۔ (مدارج النبوت اردو۔ ج ۱ ص ۲۸۷)

حاصل کلام یہ ہے کہ اس رویتِ بصری کا دنیا میں واقع ہونا آنسرور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی کے لئے مخصوص ہے، اور وہ حالت جو آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زیرِ قدم اولیائے کرام کو حاصل ہوتی ہے وہ رویت نہیں ہے اور اس رویت اور حالت کے درمیان وہی فرق ہے جو کہ اصل اور فرع (جڑ اور شاخ) میں، یا شخص اور اس کے سایہ میں فرق ہوتا ہے، اور ان دونوں میں سے کوئی بھی ایک دوسرے کا عین نہیں ہے۔

مکتوب ۱۳۶
صد و سی و ششم

یہ مکتوب بھی ملا محمد صدیق کے نام صادر فرمایا ــــــ مطلوبِ حقیقی کے حصول میں تسویف و تاخیر سے منع کرنے کے بیان میں۔

آپ کا مکتوب مرغوب موصول ہوا، چونکہ قاصد (رمضان المبارک کے) آخری عشرۂ متبرکہ میں پہنچا تھا اس لئے اس (رمضان) کے گذرنے کے بعد خطوں کے جواب لکھے گئے ــــــ (عبد الرحیم) خان خاناں اور خواجہ عبد اللہ کے خط کا جواب بھی ارسال کر دیا ہے، آپ بھی ان کو ملاحظہ فرمالیں ــــــ اس مرتبہ آپ کا لشکر میں جانا فقیر کو پسند نہیں آیا۔ دیکھئے اس میں کیا حکمت ہے: وَالْاَمْرُ عِنْدَ اللّٰهِ سُبْحَانَهٗ (اور سب کام اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہیں) ــــــ خیال فرمائیں کہ حضرت حق سبحانہ، وتعالیٰ نے اپنی کمال مہربانی سے آپ کو روزمرہ کے گذارہ کے اسباب عطا فرمائے ہوئے ہیں، اس کو غنیمت جان کر اصل کام کی فکر کرنی چاہیئے، نہ کہ اس کو مزید معیشت حاصل کرنے کا ذریعہ بنایا جائے کیونکہ (اس طرح) کاموں کا تسلسل[1] جاری ہو جاتا ہے (یعنی یہ سلسلۂ طلب لا انتہائی ہو جاتا ہے) اور درویشی میں طولِ امل (لمبی امید لگانا) کفر ہے۔ اور قرض سے فارغ ہونے کا معاملہ معلوم نہیں ہے (کہ کب ادائیگی ہو) کہ خواجہ صاحب سے کوئی صورت پیدا کر لیں۔ اور اگر آپ کو کوئی شبہ ہے تو خواجہ صاحب کی طرف صاف صاف واضح طور پر لکھنا چاہیئے، اگر وہ بھی جواب میں صاف طور پر لکھیں اور (جواب سے) پختہ وعدہ مفہوم ہو تو اس نیت سے چلے جائیں لیکن تسویف (نیک کام میں ٹال مٹول) اور تاخیر کا کیا علاج۔ (آپ کو) جو کچھ کرنا ہے جلد کریں کیونکہ فرصت کے لمحات غنیمت ہیں۔

---

[1] حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابنِ آدم کے پاس اگر دو وادی مال ہو تو تیسری چاہے گا اور آدمی کا پیٹ (قبر کی) مٹی کے علاوہ کسی چیز سے نہیں بھرتا اور اللہ تعالیٰ توبہ کی توفیق جس کو چاہتا ہے دیتا ہے (متفق علیہ)

مکتوب ۱۳۷

صد و سی و ہفتم

حاجی خضر افغان[ع] کی طرف صادر فرمایا ــــــ نماز کی ادائیگی کی بلند شان میں جس کا کمال درجہ نہایت النہایت سے وابستہ ہے اور اس کے مناسب بیان میں۔

پسندیدہ مکتوب موصول ہو کر مضامین سے آگاہی ہوئی۔ عبادت میں لذت یابی اور اس کی ادائیگی میں کلفت و گرانی کا نہ ہونا حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی عظیم نعمتوں میں سے ہے خصوصاً نماز کے ادا کرنے میں جو کہ غیر منتہی کو (جس نے سلوک کی تکمیل نہ کی ہو) میسر نہیں ہے خاص طور پر فرض نماز کے ادا کرنے میں ــــ کیونکہ ابتداء (مبتدی کو) نفلی نمازوں کے ادا کرنے میں لذت بخشتے ہیں (بعد ازاں) نہایت النہایت میں پہنچکر لذت کی یہ کیفیت فرضوں کی ادائیگی سے متعلق ہو جاتی ہے۔ اور بندہ اپنے نوافل کے ادا کرنے میں اپنے آپ کو بیکار جانتا ہے اس کے نزدیک فرضوں کو ادا کرنا بڑا اہم کام ہو جاتا ہے اور بس مصرع

این کار دولت است کنوں تا کرا رسد (یہ بڑی دولت ہے دیکھے اب کسے نصیب ہوتی ہے)

جاننا چاہیئے کہ وہ لذت جو عین نماز کی حالت میں حاصل ہوتی ہے اس میں نفس کا کچھ بھی فائدہ نہیں ہے بلکہ وہ عین اس لذت کے وقت نالہ و فغاں میں ہوتا ہے سبحان اللہ کیا بلند مرتبہ ہے۔

مصرع هَنِيْئًا لِّاَرْبَابِ النَّعِيْمِ نَعِيْمُهَا (مبارک نعمتیں جنت کی ہوں اربابِ نعمت کو)

ہم جیسے بوالہوس (حریص آدمیوں) کو اس قسم کی باتوں کا کہنا اور سننا بھی بسا غنیمت ہے۔ مصرع

بارے بہ ہیچ خاطرِ خود شاد میکنم (اسی خیال سے میں اپنے دل کو خوش کر لوں)

اور نیز جان لیں کہ دنیا میں نماز کا مرتبہ (آخرت میں) رویت باری تعالیٰ کے مرتبہ کی مانند ہے، دنیا میں نہایتِ قرب نماز کے اندر ہے اور آخرت میں نہایتِ قرب اللہ تعالیٰ کے دیدار کے وقت ہوگا۔ اور یہ بھی جان لیں کہ باقی تمام عبادات نماز کے لئے وسیلہ ہیں اور اصل مقصد نماز ہی ہے والسلام والاکرام۔

[ع] مکتوبات میں حاجی خضر افغان کے نام صرف یہی ایک مکتوب ہے۔ آپ حضرت مجددؒ کے مخصوص خلفا میں سے تھے۔ کثیر تعداد میں لوگ آپ سے مستفیض ہوئے۔ شیخ آدم بنوریؒ بھی ابتدا میں آپ ہی کے مرید تھے بعد میں خود آپ نے ان کو حضرت مجددؒ صاحب کی خدمت میں بھیجا۔ اکثر راتوں کو گریہ و زاری میں مشغول رہتے تھے۔ بہت خوش الحان تھے۔ قصبہ بہلول مضافاتِ سرہند کے رہنے والے تھے۔ سنہ ۱۰۳۵ھ میں وفات پائی۔

مکتوب ۱۳۸

(عربی و فارسی)

صد و سی و ہشتم

شیخ بہاء الدین[عـہ] کی طرف صادر فرمایا ـــــ کمینی دنیا کی مذمت اور دنیا داروں کی صحبت سے پرہیز کرنے کے بیان میں۔

میرے سعادتمند فرزند! اس کمینی اور مبغوضہ دنیا سے خوش نہیں ہونا چاہئے اور حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی پاک بارگاہ کی طرف دائمی توجہ کے سرمایہ کو ہاتھ سے نہیں دینا چاہئے، اور اس بات کی فکر کرنی چاہیے کہ ہم کیا چیز فروخت کر رہے ہیں اور کیا خرید رہے ہیں ـــــ آخرت کو دنیا کے بدلے بیچنا اور حق تعالیٰ کی طرف سے روگردانی کر کے مخلوق میں پھنس جانا صدر درجہ بے وقوفی اور کم علمی ہے۔ دنیا و آخرت کو جمع کرنا دو ضدوں کے جمع کرنے کے مانند ہے (جیسا کہ کسی نے کہا ہے) مَا اَحْسَنَ الدِّیْنَ وَالدُّنْیَا لَوِاجْتَمَعَا (کیا اچھا ہوتا اگر دین و دنیا جمع ہو جاتے) ـــــ ان دونوں ضدوں میں سے جس کو چاہیں اختیار کر لیں اور جس کے عوض میں چاہیں اپنے آپ کو بیچ ڈالیں ـــــ (لیکن خوب سمجھ لیں کہ) آخرت کا عذاب ابدی ہے اور دنیا کا سامان (مال و دولت) قلیل ہے۔ دنیا حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی مبغوضہ[۲ـہ] (قابلِ نفرت) ہے اور آخرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی پسندیدہ ہے۔ ن

عِشْ مَاشِئْتَ فَاِنَّكَ مَیِّتٌ وَالْزَمْ مَاشِئْتَ فَاِنَّكَ مُفَارِقُہٗ

ترجمہ (جی لے آخر تجھ کو مرنا ہے ضرور لے لے آخر ترک کرنا ہے ضرور)

آخر ایک دن بیوی بچوں کو بھی چھوڑنا پڑے گا لہٰذا ان کی تدبیر (نگہداشت) کو حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے سپرد کر دینا چاہئے اور آج سے اپنے آپ کو مردہ[۳ـہ] تصور کر لینا چاہئے، اور تمام کاموں کو اس بزرگ ترین ہستی

لـہ ہم خدا خواہی و ہم دنیائے دوں — ایں خیال است و محال است و جنوں

۲ـہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے نزدیک اگر دنیا مچھر کے پر کے برابر بھی (وقیع) ہوتی تو کافر کو اس میں سے ایک گھونٹ بھی نہ پلاتے۔ اس حدیث کو احمد، ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا (مشکوٰۃ)

۳ـہ حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے بدن کو پکڑا اور فرمایا "دنیا کے اندر ایسے رہو جیسے کہ مسافر ہو یا راستے میں چلنے والے کی طرح، اور اپنے آپ کو مردوں میں شمار کرو۔ رواہ البخاری (مشکوٰۃ)

عـہ حافظ شیخ بہاء الدین سرہندی کے نام دو مکتوب ہیں دفتر اول مکتوب ۱۳۸-۱۶۴- آپ غالباً حضرت مجدد صاحبؒ کے بھتیجے ہیں جیسا کہ حضرت مجدد صاحبؒ کے غسلِ میت کے حالات میں آیا ہے (حضرت مجدد الف ثانی ص ۲۳۵)

(یعنی حق تعالیٰ) کے سپرد کر دینا چاہیئے (ارشادِ باری تعالیٰ ہے) اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِکُمْ وَاَوْلَادِکُمْ عَدُوًّا لَّکُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ (التغابن آیت ۱۴) (بیشک تمہاری بیویاں اور اولاد تمہاری دشمن ہیں پس ان سے بچتے رہو)۔ قطعی فیصلہ ہے جو آپ نے بارہا سُنا ہوگا ——— یہ خوابِ خرگوش کبتک رہے گا، آخر آنکھیں کھولنی چاہئیں۔ دنیاداروں کی صحبت اور ان سے میل جول (سالک کے لئے) زہرِ قاتل ہے۔ اس زہر کا مارا ہوا ابدی موت میں گرفتار ہے۔ اَلْعَاقِلُ تَکْفِیْہِ الْاِشَارَۃُ (عقلمندوں کے لئے اشارہ ہی کافی ہے) چہ جائیکہ اس کو مبالغہ کے ساتھ بار بار تاکید کی جائے ——— (چونکہ) بادشاہوں کے دربار کا مرغن لقمہ قلبی امراض میں اضافہ کرتا ہے تو ایسی صورت میں نجات کی کیا صورت ہو سکتی ہے۔ الحذر الحذر (بچو بچو) ۹

من آنچہ شرطِ بلاغ ست با تو می گویم — تو خواہ از سخنم پند گیر خواہ ملال

(ہمارا کام ہے حق بات تجھ کو پہنچانا — قبول کر لے کہ رنجیدہ ہو، یہ تیرا کام)

ان (دنیاداروں) کی صحبت سے ایسے بھاگو جیسے شیر سے بھاگتے ہیں کیونکہ شیر تو صرف دنیوی موت کا سبب بنتا ہے جو آخرت میں فائدہ مند ہے لیکن بادشاہ و امراء سے میل جول ہلاکتِ ابدی اور دائمی خسارہ کا باعث ہے لہٰذا اُن کی صحبت سے بچو، اُن کے لقمے کھانے سے بچو، اُن کی محبت سے بچو، اور ان کے دیکھنے سے بھی بچو ——— حدیث شریف میں وارد ہے مَنْ تَوَاضَعَ غَنِیًّا لِغِنَاهُ ذَھَبَ ثُلُثَا دِیْنِهٖ (یعنی جس نے کسی دولتمند کی تواضع اس کی دولت کی وجہ سے کی تو اس کے دین کے دو حصے ضائع ہو گئے)

آپ کو غور کرنا چاہیئے کہ یہ سب تواضع اور خوشامد ان کی دولت مندی کی وجہ سے ہے یا کسی اور وجہ سے۔ اس میں شک نہیں کہ یہ سب کچھ ان کی دولت کی وجہ سے ہے اور اس کے نتیجہ میں دین کا دو تہائی حصہ ضائع ہو جاتا ہے، فَاَیْنَ اَنْتَ مِنَ الْاِسْلَامِ وَاَیْنَ اَنْتَ مِنَ النَّجَاتِ (پھر کہاں تمہارا اسلام اور کہاں تمہاری نجات) ——— یہ سب مبالغہ اور تاکید اس وجہ سے ہے کہ میں جانتا ہوں کہ لقمہ چرب اور صحبتِ ناجنس نے اس فرزند کے دل کو وعظ و نصیحت اور عقلی نصائح کے قبول کرنے سے دُور کر دیا ہوگا اور کلام و کلمہ سے اثر پذیر نہیں ہوگا۔ پس بچو بچو، ان کی صحبت سے بچو، ان کے دیکھنے سے بچو ———

حق سبحانہٗ و تعالیٰ بطفیل سید البشر جن کی تعریف میں مَا زَاغَ الْبَصَرُ آیا ہے علیہ وعلیٰ آلہٖ من الصلوات افضلہا ومن التسلیمات اکملہا ہمیں اور تمہیں ان باتوں سے نجات دے جو حق سبحانہٗ و تعالیٰ کو ناپسند ہیں۔

(آمین)

مکتوب ۱۳۹
صد و سی و نہم

جعفر بیگ[1] نہانی کی طرف صادر فرمایا ـــــــ اس بیان میں کہ بے نصیبوں کی ایک جماعت جو اہل اللہ پر طعن و تشنیع کرتے ہیں ان کی ہجو اور مذمت کرنا صرف جائز ہی نہیں بلکہ مستحسن ہے۔

آپ کا التفات نامہ گرامی مشرف ہوا۔ حق سبحانہٗ و تعالیٰ آپ کو سلامت رکھے کہ گوشہ نشین فقراء کے احوال کی خبر گیری کرتے ہیں اور جو حاضر ہوں یا غیر، سب کا یکساں خیال رکھتے ہیں۔

میرے مخدوم! کفار قریش نے جب اپنی کمال درجہ بدنصیبی کی وجہ سے اہلِ اسلام کی ہجو و مذمت میں مبالغہ کیا تو حضرت پیغمبر علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے بعض اسلامی شعراء کو حکم دیا کہ وہ بھی ان کفار نگونسار (اوندھی عقل والے) کی ہجو میں اشعار کہیں (چنانچہ) وہ شاعر آں سرور علیہ و علیٰ آلہٖ من الصلوات افضلہا و من التسلیمات اکملہا کے حضور میں منبر پر آتے اور کفار کے ہجو میں اعلانیہ اشعار پڑھتے تھے اور آں سرور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے تھے کہ "جب تک وہ کفار کی ہجو کرتے رہتے ہیں روح القدس (جبرئیلؑ) ان کے ساتھ ہیں[3]"۔ مخلوق کی طرف سے ملامت اور ایذا رسانی عشق کی غنیمتوں میں سے ہے ـــــــ یا اللہ تو ہم کو سید المرسلین علیہ و علیہم و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والتسلیمات کے طفیل ان عشاق میں سے بنادے (آمین)

مکتوب ۱۴۰
صد و چہلم

ملا محمد معصوم[2] کابلی کی طرف صادر فرمایا ـــ اس بیان میں کہ رنج و محنت محبت کے لوازمات میں سے ہے۔

---

[1] آپ کے نام صرف یہی ایک مکتوب ہے، آپ میرزا بدیع الدین کے صاحبزادے ہیں نہایت ذہین اور باکمال تھے ۹۸۵ھ میں عراق سے ہندوستان آئے، اکبر نے دو ہزاری کا منصب اور آصف خاں کا خطاب دیا۔ جہانگیر نے پنج ہزاری بنادیا۔ ۱۰۲۱ھ میں بالاگھاٹ کے مقام پر انتقال ہوا۔ (مآثر الامراء ج ۱ ص ۱۱۶)

[2] آپ کے نام دو مکتوبات ہیں دفتر اول مکتوب ۱۴۰-۱۸۳- آپ علومِ حکمیہ کے بہت بڑے عالم تھے مخدوم زادہ کلاں خواجہ محمد صادق نے علوم حکمیہ آپ ہی سے پڑھا تھا ۱۰۲۶ھ میں انتقال ہوا۔

[3] حضرت براءؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قریظہ کے دن حضرت حسانؓ سے فرمایا اُھجُ المشرکین فان جبرئیل معك۔ رواہ مسلم (مشکوٰۃ)

اے محبت کے نشان والے! رنج و محنت محبت کے لوازمات میں سے ہے، فقر کے اختیار کرنے میں درد و غم کا ہونا ضروری ہے۔ بیت

غرض از عشق توام چاشنیٔ درد و غم است   ورنہ زیرِ فلک اسبابِ تنعم چہ کم است

(چاشنیٔ غم کی ترے عشق سے حاصل ہے مجھے   ورنہ دنیا میں تعیش کی کمی کوئی نہیں)

دوستِ (حقیقی) رنج و پراگندگی چاہتا ہے تاکہ اس کے غیر سے پورے طور پر انقطاع حاصل ہو جائے اس مقام میں آرام بے آرامی میں ہے، اور ساز سوز میں، اور قرار بیقراری میں، اور راحت جراحت میں یعنی زخمی ہونے میں ہے، اس مقام میں فراغت طلب کرنا اپنے آپ کو رنج میں ڈالنا ہے۔ (لہذا) اپنے آپ کو پورے طور پر محبوبِ (حقیقی) کے سپرد کر دینا چاہیئے۔ اور جو کچھ اس کی طرف سے آئے اس کو نہایت خوشی سے قبول کرنا چاہیئے اور اپنے ابرو نہیں پھیرنے چاہئیں (یعنی منہ نہیں بنانا چاہیئے) زندگی گذارنے کا طریقہ اسی روش میں ہے، جہاں تک ہو سکے استقامت اختیار کریں ورنہ سُستی (بڑھاپا) آپ کا تعاقب کر رہی ہے ـــــ آپ (کے ذکر و اذکار) کی مشغولیت بہت اچھی ہو گئی تھی لیکن قوی ہونے (کمال کو پہنچنے) سے پہلے ہی کمزور ہو گئی۔ مگر کچھ غم نہیں، اگر اپنے آپ کو ان تردّدات سے تھوڑا سا بھی جمع کر لیں تو پہلے سے بھی بہتر ہو جائیگی، تفرقہ کے ان اسباب کو عین جمعیت کے اسباب جانیں تاکہ اپنا کام کر سکیں۔ والسلام

مکتوب ۱۴۱

صد و چہل و یکم

ملا محمد قلیج[ع] کی طرف صادر فرمایا ـــــ اس بیان میں کہ (سلوک میں) سب سے عمدہ چیز محبت و اخلاص ہے۔

حق سبحانہٗ و تعالیٰ حضرت سید المرسلین علیہ وعلیہم وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کے طفیل آپ کو زیادہ سے زیادہ ترقیات عطا فرمائے۔ قلبی احوال کے بارے میں آپ نے کبھی کچھ نہیں لکھا کہ کیا صورتِ حال ہے؟ اس بارے میں بھی کچھ نہ کچھ لکھتے رہا کریں کیونکہ یہ غائبانہ توجہ کا سبب ہوتا ہے ـــ اس کام (راہِ سلوک) میں سب سے عمدہ کام محبت و اخلاص ہے، اگر اسوقت ترقی معلوم نہیں ہو رہی تو کوئی غم نہیں، جب اخلاص پر استقامت حاصل ہے تو امید ہے کہ برسوں کا کام گھڑیوں میں ہو جائے گا۔ والسلام

ع قلیج خاں کا مختصر تذکرہ دفتر اول مکتوب ۲۴ کے فٹ نوٹ میں ملاحظہ ہو۔

مکتوب ۱۴۲
صد و چہل و دوم

ملا عبد الغفور سمرقندیؒ[ع] کی طرف صادر فرمایا ـــــ اس بیان میں کہ ان بزرگواروں کی نسبت اگر تھوڑی سی بھی حاصل ہوجائے تو وہ تھوڑی نہیں ہے۔

مکتوب گرامی جو آپ نے مہربانی فرماکر ارسال کیا تھا موصول ہوا۔ فقرا کی محبت اور اس گروہ کی طرف توجہ رکھنا حق جل سلطانہٗ کی بڑی نعمتوں میں سے ہے، حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ سے اس پر استقامت کی درخواست اور امید ہے ـــــ وہ نیاز جو آپ نے درویشوں کے لئے بھیجی تھی وہ بھی موصول ہوگئی اور سلامتی کی فاتحہ پڑھی گئی ـــــ اور جو طریقہ آپ نے اخذ کیا تھا اور اس سے جو نسبت (کیفیت) حاصل ہوئی تھی اس کے بارے میں آپ نے کچھ نہیں لکھا، خدا نہ کرے کہ اس میں کچھ سستی واقع ہوئی ہو۔

بیت: یک چشم زدن خیالِ او پیشِ نظر　　بہتر زوصالِ خوبرویاں ہمہ عمر

(ایک لمحہ خیالِ حق ہے اگر　　دائمی وصلِ غیر سے بہتر)

اگر ان بزرگواروں کی نسبت سے تھوڑی سی نسبت بھی حاصل ہوجائے تو اس کو تھوڑا نہیں سمجھنا چاہئے کیونکہ دوسروں کی انتہا ان کی ابتدا میں درج ہے مصرع

قیاس کن زگلستانِ من بہارِ مرا　　(چمن کو دیکھ کے اس کی بہار کو سمجھو)

لیکن اس میں سستی و کمی کا غم نہیں کرنا چاہئے جبکہ محبت کا رشتہ اس نسبت والوں کے ساتھ قوی اور مضبوط ہے۔ ـــــ وہ فرجی (قبا) جو کئی مرتبہ پہنی گئی تھی ارسال کی گئی ہے کبھی کبھی اس کو پہن لیا کریں اور ادب سے محفوظ رکھیں کہ اس سے بہت سے فوائد کی توقع ہے جب بھی اس قبا کو پہنیں با وضو پہنیں اور سبق کی تکرار کریں، امید ہے کہ پوری طرح طمانیتِ قلب حاصل ہوجائے گی ـــــ اور جب بھی کچھ لکھنا چاہیں تو پہلے اپنے باطنی احوال لکھیں اس لئے کہ ظاہری احوال باطنی احوال کے بغیر اعتماد نہیں رکھتے مصرع

از ہر چہ میرود سخنِ دوست خوشتر است　　(دوست کی بات کہیں سے ہو بہت اچھی ہے)

[ع] ملا عبد الغفور سمرقندی کے نام تین[۳] مکتوبات ہیں دفتر اول مکتوب ۱۴۲-۲۰۶-۲۳۵- آپ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے اجل خلفاء میں سے تھے (روضۃ القیومیہ رکن اول ص ۳۴۰)

حق سبحانہٗ و تعالیٰ ہم کو اور آپ کو حضرت سید البشر مطہر عن زیغ البصر علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی ظاہراً و باطناً متابعت پر ثابت قدم رکھے (آمین) مصرع

کار این ست وغیر ایں ہمہ ہیچ (کام اصلی ہے یہی اس کے سوا سب ہیچ ہے)

مکتوب ۱۴۳
صد و چہل و سیوم

ملا شمس[۱] کی طرف صادر فرمایا ——— اس بیان میں کہ جوانی کے زمانے کو غنیمت جانیں اور لہو و لعب میں صرف نہ کریں۔

فقرا سے محبت رکھنے والے مولانا شمس کو (حق تعالیٰ سبحانہٗ) توفیق بخشے کہ جوانی کے موسم (زمانہ) کو غنیمت جانیں اور کھیل کود میں صرف نہ کریں اور جوز و مویز (یعنی معمولی چیزوں) کے عوض وقت نہ گزاریں کیونکہ آخر کار ندامت و پشیمانی کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا اور اس وقت کی پشیمانی سے کچھ نفع نہ ہوگا۔ آگاہ کر دینا شرط ہے ——— پانچوں وقت نماز باجماعت ادا کریں۔ اور حلال و حرام میں امتیاز رکھیں۔ آخرت کی نجات کا طریقہ صاحبِ شریعت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تابعداری میں ہے ـــ فنا ہونے والی لذتیں اور ضائع ہونے والی نعمتیں منظور نظر نہ ہونی چاہئیں۔ حق تعالیٰ ہی نیکیوں کی توفیق دینے والا ہے۔

مکتوب ۱۴۴
(عربی و فارسی)
صد و چہل و چہارم

حافظ محمود لاہوری[۲] کی طرف صادر فرمایا ——— سیر و سلوک کے معنی اور سیر الی اللہ و سیر فی اللہ اور دیگر دو سیروں کے بیان میں جو ان دو سیروں کے علاوہ بعد میں ہیں۔

---

[۱] آپ کے نام ۲ مکتوب ہیں دفتر اول مکتوب ۱۴۳۔ دفتر سوم مکتوب ۳۳۔ آپ حسینی سادات سے تھے، عرصے تک تارک الدنیا ہو کر سیاحت کرتے رہے، جہانگیر کے انتقال کے بعد شاہجہاں کی ملازمت اختیار کی اور تین ہزاری کے منصب پر فائز ہوئے۔ ۱۹ رمضان ۱۰۶۷ھ میں وفات پائی۔ (مآثر الامراء، ج ۳ ص ۴۱۴)۔

[۲] آپ کے نام تین ۳ مکتوبات ہیں۔ دفتر اول مکتوب ۱۴۴۔ ۱۷۵۔ ۲۸۰۔ آپ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے مخلص احباب میں سے تھے۔ حضرت نے آپ کو مقامِ ولایت کے اعلیٰ درجہ کی خوشخبری دی۔

حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ بطفیل حضرت سید البشر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والتسلیمات جو کجی نظر سے پاک ہیں آپ کے درجاتِ کمالات میں بے حد ترقیات عطا فرمائے۔ ع

از ہر چہ میرود سخنِ دوست خوشتر است (دوست کی بات کہیں سے ہو بہت اچھی ہے)

سیر و سلوک حرکت در علم (یعنی انتقالِ علمی) سے مراد ہے جو کہ مقولہ کیف[1] سے ہے۔ حرکتِ اینی (یعنی انتقالِ مکانی) کی یہاں گنجائش نہیں ہے ـــــ پس سیر الی اللہ حرکتِ علمیہ سے مراد ہے جو کہ علمِ اسفل سے علمِ اعلیٰ تک ہوتی ہے، اور اس اعلیٰ سے دوسرے اعلیٰ تک حتیٰ کہ ممکنات کے علوم پورے طور پر طے کرنے اور کلی طور پر اُن کے زائل ہو جانے کے بعد واجب تعالیٰ کے علم تک منتہی ہو جاتی ہے، اور یہ وہ حالت ہے جو فنا سے تعبیر کی جاتی ہے ـــــ اور سیر فی اللہ سے وہ حرکتِ علمیہ مراد ہے جو مراتبِ وجوب یعنی اسماء و صفات، شیون واعتبارات اور تقدیسات و تنزیہات میں ہوتی ہے یہانتک کہ اس مرتبہ تک پہنچ جاتا ہے جس کو کسی عبارت سے تعبیر نہیں کر سکتے اور نہ اس کی طرف اشارہ ہو سکتا ہے اور نہ کسی نام سے اس کو موسوم کیا جا سکتا ہے اور نہ کسی کنایہ سے اس کا اظہار ہو سکتا ہے، اور نہ کوئی عالم اس کو جان سکتا ہے اور نہ کوئی مدرک اس کا ادراک کر سکتا ہے، اس سیر کا نام بقا رکھا گیا ہے ـــــ اور سیر عن اللہ باللہ جو تیسری سیر ہے اس سے بھی وہ حرکتِ علمیہ مراد ہے جو کہ علمِ اعلیٰ سے علمِ اسفل کی طرف نیچے آتی ہے اور اسفل سے اسفل کی طرف یہانتک کہ ممکنات کی طرف پس پا (پیچھے کی طرف) رجوع کرتی ہے اور تمام مراتبِ وجوب کے علوم سے نزول کرتی ہے اور یہ وہ عارف ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ وابستہ ہو جانے کی وجہ سے سب کچھ بھلانے والا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ رجوع کرنے والا ہے، وہ واجد فاقد (پانے والا گم کرنے والا) اور واصل مہجور (ملنے والا فراق زدہ) اور قریب بعید (نزدیک دُور) ہوتا ہے ـــــ اور چوتھی سیر جو کہ اشیاء میں سیر (سیر فی الاشیاء باللہ) ہے، اس سے مراد یکے بعد دیگرے اشیاء کے علوم کا حاصل ہونا ہے جبکہ تمام اشیاء کے علوم سیرِ اول میں ضائع ہو چکے تھے، پس سیرِ اول

---

[1] کیف دراصل اس عرض کا نام ہے جس کا تصور و تعقل غیر کے تصور و تعقل پر منحصر نہ ہو۔ اور جو اقتضاءِ اولیٰ کے لحاظ سے تقسیم یا عدمِ تقسیم کی متقاضی نہیں۔ ان کے علاوہ بھی کئی اقسام ہیں جیسے کیفیت راسخہ وغیر راسخہ اور کیفیات نفسانیہ۔ اور علم صحیح مذہب کے مطابق مقولہ کیف سے ہے جیسا کہ حضرت مجدد صاحبؒ نے اشارہ فرمایا۔

سیرِ چہارم کے بالمقابل ہے اور سیرِ سوم سیرِ دوم کے بالمقابل جیسا کہ بیان ہوا ــــــ اور سیر الی اللہ اور سیر فی اللہ نفسِ ولایت کے حاصل کرنے کے لئے ہیں جس کو فنا و بقا سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور تیسری اور چوتھی سیر مقامِ دعوت کے حصول کے لئے ہے جو کہ انبیائے کرام و رسل عظام صلوات اللہ تعالیٰ و تسلیماتہٗ علیٰ جمیعہم عموماً و علیٰ افضلہم خصوصاً کے ساتھ مخصوص ہے اور ان کے کامل متبعین کو بھی ان بزرگواروں علیہم الصلوات والتسلیمات کے مقام سے حصہ حاصل ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ (یوسف آیت ۱۰۸ ۱۲) (آپ کہہ دیجئے یہی میرا راستہ ہے، میں اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتا ہوں، میں اور میرے متبعین بصیرت (دلیلِ محکم) پر ہیں) ــــــ یہ بیان ابتدا اور انتہا سے متعلق ہے جس کے ذکر سے مقصود یہ ہے کہ اس (اللہ تعالیٰ) کا ذکر بلند کرنا اور طالبانِ (حق) کے اندر شوق پیدا کرنا ہے ؎

برشکر غلطید اے صفرائیاں ازبرائے کوریٔ سودائیاں

(خوب لوٹو قند پر صفرائیو جب تلک دیکھے نہ سودائی تمہیں)

اور ان لوگوں پر سلامتی ہو جو ہدایت کی اتباع کریں اور آنحضرت علیہ و علیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کی متابعت کو لازم کرلیں۔

مکتوب ۱۴۵

صد و چہل و پنجم

ملا عبد الرحمٰن مفتی[عہ] کی طرف صادر فرمایا ــــــ اس بیان میں کہ مشائخ طریقۂ عالیہ نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم نے سیر کی ابتدا عالمِ امر سے اختیار کی ہے اور اس بیان میں کہ اس طریقہ کے بعض مبتدیوں پر جلدی تاثیر نہ ہونے کا کیا راز ہے

ثَبَّتَنَا اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَاِيَّاكُمْ عَلٰى جَادَّةِ الشَّرِيْعَةِ الْمُصْطَفَوِيَّةِ عَلٰى صَاحِبِهَا الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ وَالتَّحِيَّةُ وَيَرْحَمُ اللّٰهُ عَبْدًا قَالَ اٰمِيْنًا (اللہ تعالیٰ ہم کو اور آپ کو شریعتِ مصطفویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیہ کی شاہراہ پر ثابت قدم رکھے اور اس بندے پر بھی رحم فرمائے جو "آمین" کہے۔

عہ آپ کے نام ۲ دو مکتوب ہیں دفتر اول مکتوب ۱۴۵۔ ۱۸۶۔ ملا عبد الرحمٰن مفتی فقہ، اصول اور عربی ادب کے نامی گرامی علماء میں سے تھے، بہت نیک، صاحبِ ورع و تقویٰ بزرگ تھے، غالباً آپ ہی کو شہزادہ خرم (شاہجہاں) نے حضرت مجددؒ کی خدمت میں بھیجا تھا کہ آپ سجدۂ تعظیمی کرلیں تو میں ذمہ دار ہوں کہ آپ کو بادشاہ سے کوئی تکلیف نہ پہنچے گی۔ شاہجہاں کے زمانے میں بھی آپ آگرہ کے مفتی رہے۔ (نزہۃ الخواطر ج ۵ ص ۵۱۴)۔

طریقۂ نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم نے سیر کی ابتداء عالمِ امر سے اختیار کی ہے اور عالمِ خلق کی سیر کو اسی سیر کے ضمن میں طے کرتے ہیں، بخلاف دوسرے سلاسلِ مشائخ کے کہ ان (کی سیر) کی ابتداء خلق سے ہوتی ہے اور عالمِ خلق کی سیر طے کرنے کے بعد عالمِ امر میں قدم رکھتے ہیں اور جذبہ کے مقام پر پہنچ جاتے ہیں، لہٰذا طریقۂ نقشبندیہ اقرب ترین راستہ ہوا۔ پس لازماً دوسروں کی انتہا ان کی ابتدا میں درج ہوئی۔

ع قیاس کن زگلستانِ من بہار مرا (چمن کو دیکھ کے اس کی بہار کو سمجھو)

جلد تاثیر نہ ہونے کی وجہ

اس طریقۂ عالیہ نقشبندیہ کے بعض طالب ایسے ہوتے ہیں کہ ان کی سیر کی ابتداء عالمِ امر سے ہوتی ہے لیکن جلدی متأثر نہیں ہوتے اور لذت و حلاوت جو جذبہ کا مقدمہ ہے اپنے اندر جلدی پیدا نہیں کرتے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ان میں عالمِ خلق کی نسبت عالمِ امر ضعیف واقع ہوا ہے اور یہی ضعف اثر پذیری میں رکاوٹ و سدِ راہ ہوتا ہے، اور یہ تاثیر کا دیر سے ہونا اس وقت تک متحقق ہے جب تک کہ ان میں عالمِ امر کو عالمِ خلق پر غلبہ اور قوت حاصل نہ ہو جائے اور معاملہ برعکس نہ ہو جائے۔ اس ضعف کا علاج طریقۂ عالیہ کے مناسب یہ ہے کہ کوئی صاحبِ تصرف پورے طور پر تصرف سے کام لے ——— اور وہ علاج جو دوسرے طریقوں کے مناسب ہے وہ پہلے تزکیۂ نفس ہے پھر ریاضتیں اور سخت مجاہدے جو شریعت علیٰ صاحبہا الصلوۃ والسلام کے مطابق ہوں کرائے جائیں ——— اور جاننا چاہئے کہ تاثیر کا دیر سے ہونا استعداد کے کم ہونے کی علامت نہیں ہے اکثر کامل استعداد والے حضرات بھی اس بلا میں مبتلا رہتے ہیں۔ والسلام

مکتوب ۱۴۶

صد و چہل و ششم

شرف الدین حسین بدخشی[۵] کی طرف صادر فرمایا ——— سبق کے تکرار کرنے کی نصیحت میں۔

میرے فرزند شرف الدین حسین کا مکتوب موصول ہوا۔ لِلّٰہِ سُبْحَانَہٗ الْحَمْدُ وَالْمِنَّۃُ (اللہ سبحانہٗ کی حمد اور اس کا احسان ہے) کہ آپ کو فقراء کی یاد کی سعادت حاصل ہے۔

ع۵ خواجہ شرف الدین حسین بدخشی کے نام آٹھ مکتوبات ہیں دفتر اول مکتوب ۱۴۶-۱۵۹-۱۸۹- دفتر دوم مکتوب ۲۵-۳۱-۶۸-۸۲- دفتر سوم مکتوب ۵۹ ——— آپ خواجہ احرار قدس سرہ کی اولاد میں سے ہیں۔ اکبری دور میں امارت کے مرتبہ تک پہنچے بعد میں اکبر کے الحاد کی وجہ سے اس کے خلاف ہو گئے آخر گرفتار کر لئے گئے۔ ایک عرصہ تک قید میں رکھ کر رہا کر دیئے گئے۔ (ذخیرۃ الخوانین ج ۱ ص ۷۹)۔

وہ سبق جو آپ نے حاصل کیا تھا اس کے تکرار سے اپنے وقت کو معمور رکھیں اور فرصت کو ضائع نہ کریں ایسا نہ ہو کہ دنیائے فانی کا کروفر آپ کو بھٹکا دے اور چند روزہ کی شان و شوکت آپ کو بے مزہ کردے۔ بیت

ہمہ اندرز من بتو اینست　　　که تو طفلی و خانہ رنگین است

(بس یہی ایک نصیحت ہے تجھے　　　تو ہے ناداں، زمانہ ہے رنگیں)

یہ کس قدر بڑی نعمت ہے کہ حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ اپنے کسی بندے کو عنفوانِ شباب (جوانی) میں توبہ کی توفیق عطا کردے اور اس پر استقامت بخشے۔ کہہ سکتے ہیں کہ تمام دنیا کی نعمتیں اس نعمت کے مقابلے میں ایسی ہیں جیسا کہ دریائے عمیق کے مقابلے میں شبنم قطرہ، کیونکہ وہ نعمت حق تعالیٰ سبحانہٗ کی رضامندی کا موجب ہے جو کہ تمام دنیوی و اخروی نعمتوں سے بڑھ کر ہے وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ (سورۂ توبہ آیت ۷۲) (اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی سب سے بڑی نعمت ہے)۔ اور سلام ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کو اپنے اوپر لازم کرلے۔

مکتوب ۱۴۷

صد و چہل و ہفتم

خواجہ محمد اشرف کابلی[۵] کی طرف صادر فرمایا ——— اس بیان میں کہ گسستن (توڑنا) پیوستن (جوڑنا) پر مقدم ہے، یا پیوستن (جوڑنا) گسستن (توڑنے) پر۔

حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ بحرمتہ سید المرسلین علیہ و علیہم و علیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات انتہا آپ کے کمال کے درجوں میں ترقیات عطا فرمائے ——— مشائخِ طریقت قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کی ایک جماعت نے گسستن (توڑنا یعنی مخلوق سے علیحدگی) کو پیوستن (جوڑنا یعنی حق تعالیٰ کے ساتھ وابستگی) پر مقدم رکھا ہے، اور دوسری جماعت کے بزرگواروں نے پیوستن کو گسستن پر مقدم کیا ہے، اور تیسرے گروہ نے سکوت اختیار کیا ہے ——— ابو سعید خراز قدس سرہ فرماتے ہیں کہ "جب تک تو مخلوق سے چھٹکارا حاصل نہ کرلے اس وقت تک حق سبحانہٗ و تعالیٰ کو نہیں پا سکتا، یا جب تک اس (حق تعالیٰ) کو نہ پالے اس وقت تک مخلوق سے چھٹکارا حاصل نہیں ہو سکتا۔ اور میں نہیں جانتا کہ (ان دونوں میں) کونسا کام پہلے کرنا ہے"۔

---

[۵] آپ سے متعلق دفتر اول مکتوب ۱۳۱ کا فٹ نوٹ ملاحظہ ہو۔

ان سطور کا راقم (یعنی حضرت مجددؒ) کہتا ہے کہ گسستن اور پیوستن یہ دونوں ایک ہی وقت میں متحقق ہیں، گسستن کو پیوستن سے جدا کرنا جائز نہیں ہے اور پیوستن گسستن کے بغیر ناممکن ہے، حاصل کلام یہ ہے کہ اگر پوشیدگی ہے تو وہ تقدم ذاتی میں اور دونوں کے ایک دوسرے کی علت ہونے کے تعین میں ہے ——— شیخ الاسلام ہروی قدس سرہ طریقۂ ثانی کو اختیار فرماتے ہیں کہ اس طرف سبقت کرنا بہتر ہے لیکن ایک جماعت ایسی ہے کہ انھوں نے گسستن کو مقدم رکھ کر سبقت کا انکار نہیں کیا، ان کی مراد پیوستن سے ظہورِ تام ہے اور اس ظہورِ تام کی سبقت کا انکار ظہورِ مطلق کی سبقت کے منافی نہیں ہے کیونکہ ظہورِ مطلق گسستن پر مقدم ہے اور ظہورِ تام اس سے مؤخر ہے۔"

اس تحقیق کے مطابق یہ بحث لفظی رہ جاتی ہے، لیکن گروہِ اول کی نظر بلند ہے کہ قلیل کو قابلِ اعتبار نہیں سمجھتے ——— اور جاننا چاہئے کہ اس توجیہ کے مطابق تقدم زمانی بھی پیدا ہو جاتا ہے۔

فَافْهَمْ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ الْمُلْهِمُ لِلصَّوَابِ (پس جان لو کہ اللہ سبحانہٗ بہتری کی طرف الہام کرنے والا ہے)۔

بہرحال گسستن اور پیوستن کا بیان ہونا ضروری ہوا کیونکہ مرتبۂ ولایت ان ہی دونوں مرتبوں سے وابستہ ہے اور ان دونوں مرتبوں کے حصول کے بغیر خاردار درخت پر ہاتھ پھیرنے کے مانند ہے۔

(ولایت کا) پہلا مرتبہ سیر الی اللہ سے وابستہ ہے اور دوسرا مرتبہ سیر فی اللہ سے اور ان دونوں سیروں کے مجموعہ والا ولایت کے کمال کے مرتبہ پر اپنے اپنے درجوں کے فرق کے مطابق پہنچتا ہے، اور دوسری دو سیریں (یعنی سیر عن اللہ باللہ اور سیر فی الاشیاء) تکمیل حاصل کرنے اور درجۂ دعوت تک پہنچنے کے ہیں ؏

بانگِ دو کردم اگر در دہ کس است (میں نے دو دفعہ آواز لگادی اگر کوئی بستی میں ہے تو سن لے گا)۔

والسلام

مکتوب ۱۴۸
صد و چہل و ہشتم

ملا صادق کابلی[ع] کی طرف صادر فرمایا ——— اس بیان میں کہ صاحب رتے (سیراب ہونے کا مدعی)

ع آپ کے نام یہی دو مسلسل مکتوب ۱۴۸ - ۱۴۹ ہیں - ابتدا میں آپ شاہزادہ ولیعہد کے ملازم ہوئے حسنِ قسمت سے آپکے اندر طلب حق کا جذبہ موجزن ہوا اور آپ حضرت مجدد صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہو گئے، چونکہ آپ عقل و فہم اور آداب و اخلاقِ حسنہ سے آراستہ تھے اس لئے جلد ہی مقامات سنجیدہ اور احوالِ پسندیدہ سے سرفراز ہو گئے۔ تکمیلِ سلوک کے بعد حضرت نے آپ کو خلافت و اجازت عطا فرما کر لاہور بھیجدیا۔ وہیں ۱۰۱۸ھ میں وفات پائی۔

بے حاصل ہوتا ہے اور مشائخ کی روحانیات اور ان کی امداد سے ہرگز مغرور نہ ہوں کیونکہ مشائخ کی صورتیں فی الحقیقت شیخ مقتدا کے لطائف ہیں۔

آپ کے دو مکتوب پے در پے موصول ہوتے، مکتوب اول میں حصولی اور سیری (حاصل ہونے کی) خبریں تھیں اور دوسرے مکتوب میں تشنگی اور بے حاصلی کا اظہار تھا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ سُبْحَانَہٗ کہ اعتبار آخری بات کا ہوتا ہے۔ سیرابی کا اظہار کرنے والا شخص بے حاصل ہے اور جو اپنے کو بیکار و بے حاصل سمجھے وہ واصل ہے۔ ــــــ آپ سے بار بار کہا گیا ہے کہ مشائخ کی روحانیات اور ان کی امداد سے (دھوکے میں نہ پڑ جائیں اور اس پر) مغرور نہ ہوں کیونکہ مشائخ کی صورتیں حقیقۃً شیخ مقتدا کے لطائف ہیں جو کہ ان شکلوں میں ظاہر ہوئے ہیں، قبلۂ توجہ کے لئے وحدت شرط ہے توجہ کو پراگندہ کرنا نقصان کا باعث ہے۔ عِیَاذًا بِاللّٰہِ سُبْحَانَہٗ (حق تعالیٰ سبحانہٗ کی پناہ) ــــــ دوسری بات یہ ہے کہ آپ سے بار بار اور تاکید کے ساتھ کہا گیا ہے کہ دنیاوی کاموں کو مختصر رکھیں تاکہ جلدی سے کام انجام پاجائے۔ ضروری کام کو چھوڑ کر غیر ضروری اور بے فائدہ کاموں میں مشغول ہونا عقل و دانش سے بہت دور ہے، لیکن آپ خود اپنی رائے پر چلتے ہیں، کسی کی بات آپ میں کم اثر کرتی ہے باقی آپ جانیں۔ قاصد کا کام پیغام پہنچا دینا ہے۔

مکتوب ۱۴۹

صد و چہل و نہم

یہ مکتوب بھی ملا صادق کی طرف صادر فرمایا ــــــ اس بیان میں کہ اگرچہ مسبب الاسباب حق تعالیٰ نے چیزوں کو اسباب کی بنیاد پر مرتب فرمایا ہے لیکن یہ کیا ضروری ہے کہ نظر کو سبب ہی پر مرکوز کر دیا جائے۔

میرے بھائی مولانا محمد صادق! تعجب ہے کہ آپ نے خود کو مکمل طور پر عالم اسباب کے اوپر چھوڑ رکھا ہے ہرچند مسبب الاسباب تعالیٰ و تقدس نے چیزوں کو اسباب پر مرتب فرمایا ہے لیکن یہ کیا ضروری ہے کہ ہم اپنی نظروں کو اسباب ہی پر مرکوز رکھیں۔ مصرع

گر درے بستہ شد راے دل دگر بکشاید (کھلے دوسرا در جو ہے ایک بند)

اس قسم کی کوتاہ نظری (آخرت سے) بے تعلقی کی بنا پر معلوم ہوتی ہے، آپ جیسے آدمی سے ایسی باتوں کا اظہا

فقیری کے لباس میں دنیا کی جستجو بہت بری بات ہے

فعل قبیح ہے۔ کسی وقت اپنے حال پر بھی غور وفکر کرنا چاہئے اور اس برائی کو سمجھنا چاہیے۔ فقیروں کے لباس میں رہ کر اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کی مبغوضہ (ناپسندہ دنیا) کی تلاش وجستجو میں لگا رہنا بہت ہی بری بات ہے۔ ــــــــ تعجب ہے کہ یہ بری چیز تمہاری نظر میں کیسے بھلی معلوم ہوتی ہے۔ دنیاوی کاموں کے حاصل کرنے میں ضرورت کے مطابق ہی کوشش کرنی چاہئے، تمام عمر اس (دنیا طلبی) میں مصروف رہنا اور اپنی زندگی کو اسی کے پیچھے گذار دینا محض بے وقوفی ہے (چند روزہ) فرصت کو غنیمت جانیں۔ ہزار افسوس اس شخص پر جو بے فائدہ کاموں میں (وقت کو) صرف کردے۔ آگاہ کردینا شرط ہے۔ مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلَاغ (بر رسولاں بلاغ باشد وبس، قاصد کے ذمہ صرف پہنچادینا ہے) ــــــــ لوگوں کے (برا بھلا) کہنے سے تنگدل نہ ہوں، وہ باتیں جو لوگ آپ کی طرف منسوب کرتے ہیں اگر آپ میں نہیں ہیں تو کوئی غم نہیں۔ کتنی بڑی خوش نصیبی ہے کہ لوگ اس کو برا جانیں جبکہ وہ حقیقۃً نیک ہو، اگر معاملہ اس کے برعکس ہو تو خطرہ کی بات ہے۔ والسلام

مکتوب ۱۵۰
صد وپنجاہم

خواجہ محمد قاسمؒ کی طرف صادر فرمایا ــــــــ اس بیان میں کہ مطلوبیت کے لائق حضرت واجب الوجود تعالیٰ وتقدس کے علاوہ کوئی نہیں ہے۔

برادرم خواجہ محمد قاسم کا محبت نامہ موصول ہوکر خوشی کا باعث ہوا۔ دنیاوی پراگندگی کے حالات و اسباب اور ظاہری احوال کی مختلف کیفیات سے تنگدل نہیں ہونا چاہئے، ان حالات کا کچھ خیال نہ کریں کیونکہ یہ جہان فنا کے محل میں ہے، یہاں حق تعالیٰ سبحانہٗ کی مرضیات کے مطابق (اپنی زندگی) گذر بسر کرنی چاہئے، اس کے ضمن میں تنگی ہو یا فراخی ــــــــ مطلوبیت کی شان کے لئے سوائے ذات واجب الوجود جل شانہٗ کے کوئی نہیں، خصوصاً آپ جیسے عزیز دوست کے لئے (یہ نصیحت بہت کام کی ہے) ــــــــ اسی طرح اگر آپ کسی خدمت یا کسی کام کا اشارہ فرمائیں تو میں احسان مندی کے ساتھ اس کے لئے کوشش کروں گا۔ والسلام

ع۵ آپ حضرت خواجہ امکنگی کے صاحبزادے ہیں جیسا کہ دفتر اول کے مکتوب ۹۰ میں گذر چکا۔

مکتوب ۱۵۱

صد و پنجاہ و یکم

میر مومن[1] بلخی کی طرف صادر فرمایا ——— خواجگانِ نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے طریقے کی فضیلت و بزرگی اور "یادداشت" کے معنی کے بیان میں جو ان بزرگوں کے ساتھ مخصوص ہے۔

مصراع: از ہر چہ میرود سخن دوست خوشتر است (دوست کی بات کہیں سے ہو بہت اچھی ہے)

حضرات خواجگان قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے طریقے میں یادداشت سے مراد حضور بے غیبت ہے (یعنی شیونی و اعتباراتی حجابات درمیان میں حائل ہوئے بغیر حضرت ذات تعالیٰ و تقدس کا دائمی حضور حاصل ہو (اس کو یادداشت کہتے ہیں) ——— اور اگر کبھی حضور ہو کبھی غیبت، یعنی کبھی تو سب کے سب پردے اُٹھ جائیں اور کبھی درمیان میں حائل ہو جائیں جیسا کہ تجلیٔ ذاتی برقی میں ہوتا ہے کہ برق کی طرح تمام پردے حضرتِ حق تعالیٰ کے سامنے سے مرتفع (اُٹھ) ہو جاتے ہیں اور پھر جلدی ہی شیون و اعتبارات کے پردے چھا جاتے ہیں۔ پس ایسا حضور ان بزرگوں کے نزدیک مقامِ اعتبار سے ساقط ہے ———

لہذا حضورِ بے غیبت کا حاصل یہ ہوا کہ تجلیٔ ذاتی برقی جو شیون و اعتبارات کے وسیلے کے بغیر حضرتِ ذات جل شانہٗ کے ظہور سے مراد ہے اور جو اس راہ کی انتہا میں میسر ہوتی ہے اور فنائے اکمل کو اسی مقام میں ثابت کرتے ہیں وہ بھی دائمی ہو جائے اور حجابات ہرگز رجوع نہ ہوں۔ اور اگر (حجابات) رجوع کریں تو حضور غیبت سے بدل جائے گا اور اس کو یادداشت نہ کہیں گے ——— لہذا ثابت ہوا کہ ان اکابر کا شہود اتم و اکمل طریقے پر ہے اور فنا کا اکمل و بقا کا اتم ہونا شہود کے اتم و اکمل ہونے کے اندازے کے مطابق ہے ع

قیاس کن زگلستانِ من بہارِ مرا (چمن کو دیکھ کے اس کی بہار کو سمجھو)

---

[1] میر مومن بلخی کے نام دو مکتوب ہیں ایک یہی ۱۵۱ دوسرا دفتر سوم کا مکتوب ۹۹۔ باقی حالات معلوم نہ ہو سکے۔

مکتوب ۱۵۲

صد و پنجاہ و دویم

سیادت و بزرگی کی پناہ والے شیخ فرید[1] کی طرف صادر فرمایا ——— اس بیان میں کہ اطاعت رسولؐ عین حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی اطاعت ہے اور اس کے مناسب بیان میں۔

حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ کا ارشاد ہے: مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (نساء آیت ۸۰) (جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے یقیناً اللہ کی اطاعت کی) ——— حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے اطاعتِ رسولؐ کو عین اپنی اطاعت قرار دیا ہے، لہٰذا حق تعالیٰ عزوجل کی وہ اطاعت جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت (و اتباع) کی شکل میں نہ ہو وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت نہیں ہے، اور اس حقیقت کی تاکید و تحقیق کے لئے کلمۂ "قَدْ" "تاکیدیہ" لایا گیا ہے تاکہ کوئی بوالہوس ان دونوں اطاعتوں کے درمیان فرق پیدا نہ کرے اور ایک کو دوسرے پر ترجیح نہ دے ——— چنانچہ دوسری جگہ حق سبحانہٗ و تعالیٰ ایک جماعت کے حال میں جو ان دونوں اطاعتوں (یعنی اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت) کے درمیان فرق پیدا کرتی ہے بطور شکایت فرماتا ہے: يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَّيُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا (نساء آیت ۱۵۰-۱۵۱) (اور جو لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان فرق کریں وہ کہتے ہیں کہ بعض (آیات) پر ہم ایمان لاتے ہیں اور بعض سے انکار کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اس (حق و باطل) کے بین بین راہ اختیار کر لیں اور یقیناً ایسے ہی لوگ کافر ہیں)۔

ہاں بعض مشائخ کبار قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم نے سُکر اور غلبۂ حال کی وجہ سے ایسی باتیں کہی ہیں جو ان دو اطاعتوں کے درمیان تفرقہ ظاہر کرتی ہیں اور ایک کی محبت کو دوسرے کی محبت پر ترجیح دینے کی خبر دیتی ہیں ——— (جیسا کہ) منقول ہے کہ سلطان محمود غزنوی[2] اپنی بادشاہت کے دوران

---

[1] شیخ فرید سے متعلق دفتر اول مکتوب ۴۳ کا فٹ نوٹ ملاحظہ ہو ——— [2] سلطان محمود غزنوی سلطان سبکتگین کا لڑکا تھا قرآن کریم حفظ کرنے کے بعد اسلامی قانون، فقہ اور حدیث کے علوم بھی حاصل کئے۔ شمشیر زنی اور نشانہ بازی میں طاق تھا، اپنے والد کی زندگی میں خراسان کا گورنر رہا۔ ۳۸۹ھ/۹۹۸ء سے ۴۲۱ھ/۱۰۳۰ء تک اپنی بادشاہی کے دوران ہندوستان پر سترہ فاتحانہ حملے کئے۔ آخری حملہ ۴۱۷ھ/۱۰۲۶ء میں سومنات پر کیا۔ مورخین کا کہنا ہے کہ "محمود بلا شبہ خدا ترس، صوفی منش اور دنیا کے عظیم ترین فاتح فرمانرواؤں میں سے تھا۔"

"خرقان" کے نزدیک ٹھہرا ہوا تھا، وہاں سے اس نے اپنے وکیلوں کو حضرت شیخ ابوالحسن خرقانی[1] علیہ الرحمہ کی خدمت میں بھیجا اور خواہش ظاہر کی کہ حضرت شیخ اس (سلطان) کی ملاقات کو آئیں۔ اور اپنے وکیلوں سے کہدیا کہ اگر شیخ سے اس معاملہ میں توقف محسوس ہو تو یہ آیت اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ (نساء آیت ۵۹) (اطاعت کرو اللہ تعالیٰ کی اور اطاعت کرو رسول اللہ کی اور ان کی جو تم میں سے حکمران ہوں) اُن کے سامنے پڑھیں۔ (چنانچہ) جب وکیلوں نے شیخ کی طرف سے توقف محسوس کیا تو آیت کریمہ اُن کے سامنے پڑھی۔ شیخ نے جواب میں فرمایا کہ میں اطیعوا اللہ میں اس قدر گرفتار ہوں کہ اطیعوا الرسول کی اطاعت سے شرمندہ ہوں اور اطاعت اولی الامر کے متعلق کیا بیان کروں ——— حضرتِ شیخ نے اطاعتِ حق سبحانہٗ وتعالیٰ کو اطاعتِ رسول کے علاوہ سمجھا، یہ بات (سکر کی بنا پر ہے) استقامت سے بعید ہے، مستقیم الاحوال مشائخ نے اس قسم کی باتوں سے پرہیز کیا ہے ——— اور شریعت و طریقت اور حقیقت کے تمام مراتب میں حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی اطاعت کو رسولؐ کی اطاعت میں جانتے ہیں اور حق تعالیٰ کی وہ اطاعت جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت میں نہ ہو اُسے عین ضلالت و گمراہی خیال کرتے ہیں۔

اسی طرح یہ حکایت بھی منقول ہے کہ شیخ مہنہ شیخ ابوسعید ابوالخیر کے ہاں مجلس منعقد تھی اور سادات خراساں کے ایک سید بزرگ بھی اس مجلس میں بیٹھے تھے۔ اتفاقاً ایک مجذوب مغلوب الحال اس مجلس میں آیا اور حضرت شیخ نے سید بزرگ پر اس مجذوب کو (بطورِ تعظیم) فوقیت دی۔ سید صاحب کو یہ بات ناگوار گذری تو حضرت شیخ نے سید صاحب سے فرمایا کہ آپ کی تعظیم تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی وجہ سے ہے اور اس مجذوب کی تعظیم حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی محبت کی بنا پر ہے ——— اس قسم کے اختلاف کو مستقیم الاحوال اکابر جائز نہیں رکھتے اور حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی محبت کے غلبہ کو اس کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت پر غلبہ کو سکرِ حال پر محمول کرتے ہیں اور بیکار بات سمجھتے ہیں ——— لیکن اتنا ضرور ہے کہ مقامِ کمال میں جو کہ مرتبۂ ولایت سے ہے حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی محبت غالب ہوتی ہے اور مقامِ تکمیل میں جو کہ نبوت کے مقام کا ایک حصہ ہے محبتِ رسول غالب ہو جاتی ہے ——— اللہ تعالیٰ ہم کو اطاعتِ رسول پر ثابت قدم رکھے کیونکہ ان کی اطاعت ہی عین اطاعتِ حق ہے۔

---

[1] حضرت شیخ ابوالحسن خرقانیؒ کا اسم گرامی علی بن جعفر ہے آپ یگانۂ روزگار، غوث وقت اور مرجع خلائق تھے اور حضرت بایزید بسطامیؒ کی روحانیت سے فیض یافتہ تھے منقول ہے کہ حضرت بایزیدؒ خرقان کی طرف رُخ کر کے فرماتے کہ اس طرف سے دوست کی خوشبو آتی ہے۔ سلطان محمود غزنوی کو آپ سے بڑی عقیدت تھی جنگل کی شب عاشورہ ۴۲۵ھ کو خرقان میں انتقال ہوا۔

مکتوب ۱۵۳
صد و پنجاہ و سیوم

میاں شیخ مزمل[۱] کی طرف صادر فرمایا ــــــ غیر اللہ کی غلامی سے مکمل طور پر خلاصی کے بیان میں جو فنائے مطلق سے وابستہ ہے۔

وہ خط جو آپ نے بھیجا تھا موصول ہوا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ذِی الْاِنْعَامِ وَالْمِنَّۃِ (سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو بڑے انعام والا اور احسان والا ہے) کہ اپنے طالبوں کو اپنی طلب میں بے قرار و بے آرام رکھتا ہے اور اس بے آرامی میں اس آرام سے نجات بخشتا ہے جو اس کے غیر کے ساتھ میسر ہو۔ لیکن (سالک کو) غیر اللہ کی غلامی سے مکمل طور پر اس وقت خلاصی حاصل ہوتی ہے جب فنائے مطلق سے مشرف ہو جائے اور ماسوٰی کے نقوش کو دل کے آئینے سے بالکل محو کر دے اور علمی و حُبّی تعلق کسی چیز سے بھی باقی نہ رہے اور حق سبحانہٗ و تعالیٰ کے علاوہ اس کا کوئی مقصود اور مراد نہ ہو ــــ اس کے بغیر ایسا ہے جیسے خار دار درخت میں اُلجھنا ــــــ (انسان) ہر چند (ماسوٰی سے) اپنی بے تعلقی کا گمان رکھے لیکن اِنَّ الظَّنَّ لَا یُغْنِیْ مِنَ الْحَقِّ شَیْئًا (النجم آیت ۲۸)[۵۳] (یقیناً بے اصل خیالات امرِ حق میں کچھ فائدہ نہیں دیتے)۔ مصراع

این کارِ دولت است کنوں تا کرا رسد (یہ کام ہے عظیم، ملے دیکھیے کسے)

جو شخص اپنے احوال و مقامات میں گرفتار (پھنسا ہوا) ہے وہ بھی غیر اللہ کا گرفتار ہے دوسری چیزوں کی گرفتاری کا تو ذکر ہی کیا۔

شعر

ہر چہ از دوست وامانی چہ کفر آں حرف وچہ ایماں
ہر چہ از راہ دور افتی چہ زشت آں نقش وچہ زیبا

ترجمہ (یار سے تجھ کو جدا کر دے غلط بات ہے وہ
راہ سے تجھ کو ہٹا دے وہ غلط نقشِ قدم)

---

[۱] آپ کے نام مسلسل چار مکتوب ہیں یعنی ۱۵۳-۱۵۴-۱۵۵-۱۵۶- آپ حضرت مجددؒ کے قدیم مریدوں میں سے ہیں سفر و حضر میں اکثر حضرتؒ کے ساتھ رہتے حسنِ اخلاق اور مکارم اوصاف میں یگانہ اور انکسار و ایثار میں منفرد تھے۔ سالہا سال فیضِ صحبت کے بعد خلافت و اجازت سے سرفراز ہوئے۔ دفتر اول مکتوب ۸۷ میں آپ کی صحبت کو غنیمت قرار دیا ہے۔ ۱۰۲۶ھ میں وفات پائی۔ حضرت مجددؒ کو آپ کی وفات کا بہت صدمہ ہوا اور آپ کی روح کو دعائے مغفرت اور ایصالِ ثواب سے شاد کام کیا ــــ باقی تفصیلات کتاب "حضرت مجدد الف ثانی" میں ملاحظہ فرمائیں۔

آپ کی مسافرت کا زمانہ طول کے ساتھ انجام پا گیا۔ فرصت کو غنیمت جانیں۔ احباب اگر اس کے اہل ہیں تو ان سے رخصت حاصل کرنے میں کیا چیز مانع ہو سکتی ہے اور اگر وہ نا اہل ہیں تو ان سے رخصت لینے کی کیا ضرورت ہے، حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی مرضی کو ملحوظ رکھنا چاہیے۔ اہلِ دنیا راضی ہوں یا ناراض، ان کی ناراضی کا کچھ اعتبار نہیں ہے۔ ع

طفیلِ دوست باشد ہرچہ باشد (جو کچھ ملے طفیل ہیں اس یار کے ملے)

حق سبحانہ وتعالیٰ کو مقصود جاننا چاہیئے، اس کے ساتھ اور جو کچھ حاصل ہو جائے تو ہو جائے اور اگر نہ ہو تو نہ ہو ع

رخسارِ من ابں جا و تو در گل نگری (رخسار دیکھ پھول کی صورت نہ دیکھ تو)

والسلام۔

مکتوب ۱۵۴

صد و پنجاہ و چہارم

یہ مکتوب بھی میاں مزمل کی طرف صادر فرمایا ——— اس بیان میں کہ اپنے آپ کو فراموش کر دینا چاہیے اور اپنا محاسبہ کرنا چاہیئے تاکہ حق سبحانہ وتعالیٰ اپنے ساتھ رکھے اور ایک لمحہ کیلئے بھی غیر کے حوالے نہ ہونے دے۔

اَللّٰهُمَّ لَا تَكِلْنَا اِلٰى اَنْفُسِنَا طَرْفَةَ عَيْنٍ فَنَهْلِكَ وَلَا اَقَلَّ مِنْهَا فَنَضِيْعَ (یا الٰہا ہمیں ایک لمحہ کے لئے بھی ہمارے نفسوں کے حوالہ نہ کر، ورنہ ہم ہلاک ہو جائیں گے اور نہ اس سے بھی کم وقت کے لئے، تاکہ ہم ضائع نہ ہو جائیں) ——— (انسان پر) جو بلا اور مصیبت بھی آتی ہے وہ خود ہماری گرفتاری (خواہشاتِ نفسانی) کی وجہ سے ہے۔ جب انسان اپنے آپ سے (اپنی خواہشات سے) نجات پا گیا تو گویا حق تعالیٰ کے غیر کی گرفتاری سے بھی نجات پا گیا۔ اگر کوئی بت پرستی کر رہا ہے تو وہ خود پرستی میں مبتلا ہے (آیۂ کریمہ):۔

اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ (جاثیہ ۴۵ آیت ۲۳) (کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہش کو اپنا معبود بنا لیا)

مصراع "از خود چو گذشتی ہمہ عیش است و خوشی" (خود کو چھوڑ دو تو عیش ملتا ہے)

دَعْ نَفْسَكَ وَتَعَالَ (نفس چھوڑ دو تو آؤ میرے پاس)

جس طرح اپنے آپ سے گذرنا ضروری ہے ایسے ہی اپنے اندر جھانکنا (محاسبہ کرنا) بھی ضروری ہے کیونکہ حق تعالیٰ کو پانا اسی مقام پر ہے، اپنے سے باہر حق تعالیٰ کو پانا ممکن نہیں ہے۔

با تو در زیرِ گلیم است ہر چہ ہست ہمچو نابینا مبر ہر سوئے دست

(تیری گدڑی میں ہے جو کچھ چاہیئے مثلِ نابینا نہ ہاتھ اب ماریئے)

سیرِ آفاقی دور سے دور تر ہے اور سیرِ انفسی قریب سے قریب تر ہے، اگر شہود ہے تو وہ بھی اپنے ہی اندر ہے اور اگر معرفت ہے تب بھی اپنے ہی اندر ہے، اگر حیرت ہے تو وہ بھی اپنے ہی اندر ہے: اپنے سے باہر کوئی قدم گاہ (منزل) نہیں ہے ـــــ بات کہاں سے کہاں پہنچ گئی، کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی بیوقوف سادہ لوح اس جگہ حلول یا اتحاد نہ سمجھ بیٹھے اور گمراہی کے گڑھے میں جا گرے ع

ایں جا حلول کفر بود اتحاد ہم (کفر اس جا ہے حلول و اتحاد)

اس مقام کے ساتھ متحقق ہونے سے پہلے اس میں غور و فکر کرنا ممنوع ہے ـــــ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ہم کو اور آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پسندیدہ طریقے پر استقامت نصیب کرے ـــــ اپنے احوال لکھتے رہا کریں کہ اس (خط و کتابت کو بھی اصلاح و توجہ) میں بڑا دخل ہے، ظاہری تعلقات کے باوجود آزاد رہیں اور (ان علائق کے) وجود و عدم (ہونے نہ ہونے) کو برابر جانیں۔ والسلام والاکرام

مکتوب ۱۵۵

صد و پنجاہ و پنجم

یہ مکتوب بھی میاں شیخ مزمل کی طرف صادر فرمایا ـــــ اپنے اصل کی طرف رجوع کرنے کے بارے میں۔

حق سبحانہٗ وتعالیٰ ہم کو اپنے ساتھ رکھے ؎

بعد از خدائے ہر چہ پرستند ہیچ نیست بے دولت است آنکہ بہ ہیچ اختیار کرد

(خدا کے سوا جو ہے کم ہیچ سے ہے ہے محروم جو ہیچ سے متسلک ہے)

ماہ جمادی الاولیٰ جمعہ کے دن شہر دہلی کی زیارت سے مشرف ہوا (فرزند) محمد صادق بھی میرے ساتھ ہے، اگر حق سبحانہٗ وتعالیٰ کو منظور ہوا تو چند روز یہاں قیام کر کے جلدی ہی وطن مالوف روانہ ہو جاؤں گا۔ حُبُّ الْوَطَنِ مِنَ الْاِیْمَانِ[1] (وطن کی محبت بھی ایمان میں سے ہے) صحیح حدیث ہے ـــــ بندہ بے چارہ کیا کر سکتا ہے۔ اس کی پیشانی اس (حق سبحانہٗ وتعالیٰ) کے ہاتھ میں ہے (جیسا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے) مَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِيَتِهَا اِنَّ رَبِّيْ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (ہود آیہ ۵۶)

---

[1] تخریج حدیث کے لئے ص ۲۳۵ ملاحظہ ہو۔

(یعنی کوئی جاندار زمین پر چلنے والا ایسا نہیں ہے مگر یہ کہ (حق تعالیٰ) اس کی پیشانی کے بال پکڑے ہوئے ہے، بیشک میرا رب صراطِ مستقیم پر ہے) ـــــ بھاگنے کی جگہ کہاں ہے مگر یہ کہ فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ (ذاریات آیت ۵۰) (پس دوڑو اللہ تعالیٰ کی طرف) کہتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی طرف دوڑو (رجوع کرو) ـــــ بہرحال اصل کو اصل جان کر اور فرع (شاخ) کو اس کا طفیلی قرار دے کر اصل کی طرف متوجہ ہو جانا چاہئے ؎

ہرچہ جز عشقِ خدائے احسن است ــــ گر شکر خوردن بود جان کندن است

(جو بھی ہے عشقِ الٰہی کے سوا ــــ اس میں ہے زہرِ ہلاہل کا مزہ)

مکتوب ۱۵۶
صد و پنجاہ و ششم

یہ مکتوب بھی میاں مزمل کی طرف صادر فرمایا ـــــ اہل اللہ کی صحبت کی ترغیب میں۔

جو خط آپ نے جالندھر کے قاضی زادہ کے بدست بھیجا تھا دہلی میں موصول ہوگیا۔ الحمد للہ والمنة کہ آپ فقراء کی محبت کا نقد سرمایہ رکھتے ہیں اور اس حکم کے مطابق اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ[1] (آدمی اسی کے ساتھ ہے جس سے محبت رکھتا ہے) آپ بھی ان ہی میں سے ہیں ـــــ ماہِ رجب (جس میں آپ نے آنے کا ارادہ ظاہر کیا ہے) اگرچہ حساب اور زمانے کے لحاظ سے بہت نزدیک ہے لیکن پھر بھی بہت دور ہے ؎

فراقِ دوست اگر اندک است اندک نیست ــــ درونِ دیدہ اگر نیم موست بسیار است

(فراقِ یار ہو تھوڑا تو وہ نہیں تھوڑا ــــ اگر ہو آنکھ میں کچھ بال وہ بنے شہتیر)

چونکہ اربابِ حقوق کے حقوق کی رعایت کی بنا پر آپ نے اس مطلب (وہاں کے قیام) کو اختیار کیا ہے تو ایسا ہی کریں۔ یہ فقیر بھی شاید ماہِ رجب تک یہاں قیام کرے، وَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ وَاِلَيْهِ الْمَرْجِعُ وَالْمَآبُ (اللہ تعالیٰ سبحانہ ہی صحیح بات جانتا ہے اور اسی کی طرف سب کو رجوع ہونا ہے) ـــــ بہرحال چند روزہ زندگی، فقراء کے ساتھ گذارنی چاہئے: وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ (سورۂ کہف آیت ۲۸) (یعنی اپنے آپ کو ان

---

[1] حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ اس شخص کے بارے میں کیا فرماتے ہیں جو کسی قوم سے محبت کرتا ہے حالانکہ وہ ان میں سے نہیں ہے؟ آپ نے فرمایا اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ (انسان اسی کے ساتھ ہے جس سے وہ محبت کرتا ہے)۔ متفق علیہ (مشکوٰۃ)۔

لوگوں کے ساتھ روکے رکھو (یعنی ان کی صحبت وہمنشینی اختیار کرو) جو صبح وشام اپنے رب کو اس کی رضامندی حاصل کرنے کے لئے پکارتے (عبادت کرتے) ہیں) خود نصِ قاطع ہے کہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے اپنے حبیب علیہ من الصلوات اتمہا من التحیات ایمنہا کو اس کا حکم فرمایا۔

ایک عزیز فرماتے ہیں کہ "الٰہی یہ کیا ماجرا ہے جو تو نے اپنے دوستوں کے ساتھ کیا ہے کہ جو شخص اُن (فقراء) کو پہچان لے وہ تجھ کو پالیتا ہے اور جب تک تجھ کو نہیں پالیتا ان کو نہیں پہچانتا" —— رَزَقَنَا اللّٰہُ تَعَالٰی وَاِیَّاکُمْ مَحَبَّۃَ ہٰذِہِ الطَّائِفَۃِ الْعَلِیَّۃِ الشَّرِیْفَۃِ (اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو اس بلند مرتبہ اور شریف گروہ کی محبت عطا فرمائے۔ (آمین)۔

مکتوب ۱۵۷

صد و پنجاہ و ہفتم

حکیم عبدالوہاب[1] کی طرف صادر فرمایا —— اس بیان میں کہ جب کوئی شخص درویشوں کی خدمت میں جائے تو اس کو چاہیئے کہ اپنے (دل ودماغ) کو خالی کر کے جائے تاکہ بھرا ہوا واپس آئے، اور اس بیان میں کہ سب سے پہلے اپنے عقائد کو درست کرنا چاہیئے۔

آپ ہمارے ہاں دو۲ مرتبہ تشریف لائے اور جلدی ہی واپس چلے گئے، اتنی فرصت نہ ملی کہ صحبت کے حقوق ادا کئے جاتے، ملاقات کا مقصود فائدہ پہنچانا یا فائدہ حاصل کرنا ہے، اور چونکہ ملاقات ان دونوں (حالتوں) سے خالی رہی اس لئے یہ (ملاقات) کسی شمار میں نہیں ہے —— اس گروہ (اہل اللہ) کے پاس (دل ودماغ کو) خالی کر کے آنا چاہیئے تاکہ بھرا ہوا واپس جائے، اور اپنی غربت (بے عملی) کا اظہار کرنا چاہیئے تاکہ وہ اس پر شفقت (وہمدردی) کریں اور فیض رسانی کا راستہ کھل جائے۔ سیراب آنا اور سیراب جانا (جیسا آیا ویسا گیا) مزہ کی بات نہیں۔ بدہضمی مرض کے علاوہ کچھ نہیں ہے اور لاپروائی سوائے سرکشی کی وجہ کے اور کچھ نہیں ہے —— حضرت خواجہ نقشبند قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ نے فرمایا ہے "پہلے نیازمندی اور خستہ دلی درکار ہے اس کے بعد دلِ شکستہ کی توجہ"۔ پس توجہ حاصل کرنے کے لئے (طالب کی) نیازمندی وعاجزی شرط ہے۔ اسی طرح ہونا چاہیئے۔

---

[1] آپ کے نام صرف یہی ایک مکتوب ہے، باقی حالات معلوم نہ ہو سکے۔

اس وقت ایک طالب علم آیا اور آپ کی خدمت میں سفارش کی طلب کا اظہار کیا تو دل میں یہ بات آئی کہ آپ کی تشریف آوری کا بھی ایک حق ہے لہٰذا اپنی طرف سے بھی ممکن درجہ حق ادا کرنا چاہیے، اس لئے ضروری ہوا کہ زبانِ قلم سے گذری ہوئی بات کا تدارک و تلافی کرتے ہوئے چند کلمات وقت و حال کی مناسبت سے آپ کی طرف تحریر کر دیئے جائیں۔ وَاللّٰہُ سُبْحَانَہُ الْمُلْہِمُ لِلصَّوَابِ وَالْمُوَفِّقُ لِلسَّدَادِ (اللہ سبحانہٗ بہتری کی طرف الہام کرنے والا اور راستی کی توفیق دینے والا ہے)۔

اے سعادتمند! ہم پر اور آپ پر لازم ہے کہ کتاب و سنت کے مطابق اپنے عقائد کی تصحیح کریں (جس طریقہ پر کہ) علماءِ اہلِ حق شکر اللہ تعالیٰ سعیہم نے کتاب و سنت کو سمجھا ہے اور اس سے اخذ کیا ہے۔ کیونکہ ہمارا اور آپ کا سمجھنا ان بزرگواروں کی فہم اور رائے کے موافق نہیں ہے تو وہ حدود و اعتبار سے ساقط ہے۔ کیونکہ ہر بدعتی اور گمراہ اپنے باطل احکام کو کتاب و سنت کے مطابق سمجھتا ہے اور ان کو وہیں سے اخذ کرتا ہے، وَالْحَالُ اَنَّہٗ لَا یُغْنِیْ مِنَ الْحَقِّ شَیْئًا (حالانکہ ان سے حق کے متعلق کسی قسم کا بھی فائدہ نہیں ہوتا)۔ ——— دوسرے[۲] احکامِ شرعیہ حلال و حرام، فرض و واجب کا علم حاصل کرنا ——— تیسرے[۳] علم کے مطابق عمل کرنا ——— چوتھے[۴] تصفیہ و تزکیہ جو کہ خاص صوفیائے کرام قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے ساتھ مخصوص ہے ——— لہٰذا جبتک اپنے عقائد کو درست نہ کریں احکامِ شرعیہ کا علم کچھ فائدہ نہیں دیتا، اور جبتک یہ ہر دو متحقق نہ ہو جائیں عمل نفع نہیں دیتا، اور جبتک یہ تینوں میسر نہ ہو جائیں تصفیہ و تزکیہ کا حاصل ہونا محال ہے ——— یہ چاروں رکن اور ان کے متممات و تکملات اس طرح (ایک دوسرے سے وابستہ ہیں جس طرح سنّت فرض کو کامل کرتی ہے، اس کے بعد جو کچھ ہے وہ فضول اور بیکار باتوں میں داخل ہے ——— وَمِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْکُہٗ مَالَا یَعْنِیْہِ وَاشْتِغَالُہٗ بِمَا یَعْنِیْہِ[۱؎] (انسان کے حُسنِ اسلام کی علامت یہ ہے کہ وہ لایعنی بیکار باتوں کو چھوڑ کر بامقصد اور مفید باتوں میں مشغول ہو جائے) ——— اور سلامتی ہو اس پر جس نے آنحضرت محمد مصطفےٰ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتحیات کی ہدایت کی پیروی کی اور ان کی متابعت کو اپنے اوپر لازم جانا۔

پہلے عقیدہ کی تصحیح

۱؎ اس حدیث کو امام مالکؒ اور امام احمدؒ نے حضرت علی بن حسینؓ سے روایت کیا اور ابنِ ماجہ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے اور ترمذی و بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا (مشکوٰۃ)

مکتوب ۱۵۸ (عربی)

صد و پنجاہ و ہشتم

شیخ حمید بنگالی[۱] کی طرف صادر فرمایا ــــــ اس بیان میں کہ کمال کے درجات میں جو فرق ہے وہ قابلیتوں کے فرق کے اعتبار سے ہے اور اس کے مناسب بیان میں۔

جاننا چاہئے کہ کمال کے درجات مختلف ہیں جو قابلیتوں کے فرق کے اعتبار سے ہوتا ہے اور کمال میں تفاوت کبھی کمیت (مقدار) کے لحاظ سے ہوتا ہے اور کبھی کیفیت کے اعتبار سے اور کبھی ان دونوں (کیفیت و کمیت) کے اعتبار سے (بیک وقت ہوتا ہے)۔ اور بعض کا کمال مثلاً تجلیٔ صفاتی سے ہے اور بعض دوسروں کا کمال تجلی ذاتی کی وجہ سے ــــــ اس بہت بڑے تفاوت کے باوجود ان دونوں تجلیوں والے افراد اور ان کے ارباب کے درمیان بڑا فرق ہے، بعضوں کا کمال حق سبحانہٗ کے ماسوا صرف قلب کی سلامتی پر ہے اور روح کی آزادی تک ہے اور بعض دوسرے حضرات کا کمال ان دونوں کے ساتھ بھی تحقیق شدہ ہے اور لطیفۂ سِرّ کے شہود تک بھی، اور تیسرے گروہ کا کمال ان تینوں امور کے ساتھ ساتھ اس حیرت تک ہے جو لطیفۂ خفی کے ساتھ منسوب ہے۔ اور چوتھے گروہ کا کمال ان چاروں امور کے علاوہ اس اتصال تک ہے جو لطیفۂ اخفیٰ کی طرف منسوب ہے۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ (جمعہ ۶۲ آیت ۴) (یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے عطا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے) ــــــ مذکورہ بالا مراتب میں سے ہر مرتبہ میں کمال حاصل ہونے کے بعد رجوعِ قہقری ہے (یعنی اُلٹے پاؤں لوٹنا ہے تاکہ مخلوق کو حق جل وعلا کی طرف دعوت دے) یا ثبات و استقرار ہے یعنی اس میں ٹھہر جانا ہے اور ان دونوں میں سے پہلا مقام تکمیل و ارشاد کا مقام ہے اور اس میں حق تعالیٰ کی جانب سے مخلوق کی طرف دعوتِ حق دینے کے لئے رجوع کرنا ہے اور دوسرا مقام استہلاک یعنی مغلوب الحال ہونے اور مخلوق سے یکسوئی و عزلت ہونے کا مقام ہے۔ والسلام اولاً و آخراً۔

---

[۱] حمید بنگالی کے نام پانچ مکتوبات ہیں یعنی دفتر اول مکتوب ۱۵۸-۲۲۰-۲۹۲۔ دفتر دوم مکتوب ۴۶-۸۴-آپ کا وطن شہر منگل کوٹ ضلع بردوان بنگال ہے، آپ جامع علوم معقول و منقول تھے، آپ صرف ایک سال حضرت مجددؒ کی خدمت میں رہے اور راہِ سلوک میں کمال و تکمیل حاصل کیا، حضرت مجددؒ نے خلافت و اجازت عطا فرما کر ان کو اپنے وطن جانے کی اجازت دی چنانچہ وہاں آپ کو بہت مقبولیت حاصل ہوئی۔ ۱۰۵۰ھ منگل کوٹ میں انتقال فرمایا۔

مکتوب ۱۵۹

(عربی و فارسی)

صد و پنجاہ و نہم

شرف الدین حسین[1] بدخشی کی طرف صادر فرمایا ــــــ بسلسلۂ تعزیت۔

اگرچہ آلام و مصائب بظاہر کڑوے اور تلخ ہیں لیکن باطن میں شیریں اور روح کو لذت بخشنے والے ہیں، کیونکہ جسم و روح دونوں آپس میں ایک دوسرے کی ضد واقع ہوئے ہیں، ایک کی تکلیف دوسرے کے لئے لذت کا باعث ہے، پس جو پست فطرت آدمی ان دو ضدوں کے درمیان اور جوان کے لوازمات ہیں ان کے درمیان تمیز نہیں کر سکتا وہ ہماری بحث سے خارج اور قابلِ توجہ نہیں، اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ (اعراف آیت ۱۷۹) (یہ لوگ چوپایوں کے مانند ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ گمراہ) ؎

آگہ از خویشتن چو نیست جنین ‌‌ ‌ چہ خبر دارد از چنان و چنیں

(پیٹ کے بچے کو خود کی کیا خبر ‌ ‌ پھر وہ کیا جانے اِدھر کیا، کیا اُدھر)

جس شخص کی روح مائل بہ تنزل ہو کر جسم کے مرتبہ میں قرار پالے اور اس کا عالمِ امر، عالمِ خلق کے تابع ہو جائے وہ اس معمّا کے راز کو کیا جانے، جب تک کہ روح اپنے اصلی مقام کی طرف واپس نہ لوٹے اور امر خلق سے جدا نہ ہو جائے اس وقت تک معرفت کا جمال جلوہ گر نہیں ہو سکتا، اس دولت کا حصول ایسی موت سے وابستہ ہے جس سے پہلے حسّی اور صوری موت حاصل ہو جائے ــــــ اور مشائخ طریقت قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم نے اس کو فنا سے تعبیر کیا ہے ؎

خاک شو خاک تا بروید گل ‌ ‌ کہ بجز خاک نیست مظہر گل

(خاک بن جاؤ تو بن جاؤ گے پھول ‌ ‌ خاک ہی میں سے اُگا لاؤ گے پھول)

اور جس شخص نے مرنے سے پہلے مقامِ فنا حاصل نہیں کیا وہ مصیبت میں مبتلا ہے اور اس کے لئے ماتم کرنا چاہئے ــــــ آپ کے والد مرحوم کے انتقال کی خبر جو کہ نیک نامی میں مشہور تھے اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر میں بہت زیادہ محتاط تھے، مسلمانوں کے لئے حزن و ملال کا سبب ہوئی اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ (بقرہ آیت ۱۵۶) (ہم اللہ کے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے) ــــــ

[1] آپ کا مختصر تذکرہ اور مکتوبات کی تفصیل کے لئے دفتر اول مکتوب ۱۲۶ کا فٹ نوٹ ملاحظہ ہو۔

اس فرزند کو چاہیے کہ شیوۂ صبر اختیار کرتے ہوئے آگے جانے والوں (یعنی مرنے والوں) کی صدقہ، دعا، اور استغفار کے ذریعہ امداد و اعانت کریں، کیونکہ مردوں کو زندوں کی طرف سے امداد کی سخت ضرورت ہوتی ہے۔ حدیث نبوی علیہ وعلی آلہ الصلوات والتسلیمات میں ہے: مَا الْمَيِّتُ إِلَّا كَالْغَرِيْقِ الْمُتَغَوِّثِ يَنْتَظِرُ دَعْوَةً تَلْحَقُهُ مِنْ أَبٍ أَوْ أُمٍّ أَوْ أَخٍ أَوْ صَدِيْقٍ فَإِذَا لَحِقَتْهُ كَانَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنَ الدُّنْيَا وَ مَا فِيْهَا وَإِنَّ اللّٰهَ لَيُدْخِلُ عَلٰى أَهْلِ الْقُبُوْرِ مِنْ دُعَاءِ أَهْلِ الْأَرْضِ أَمْثَالَ الْجِبَالِ مِنَ الرَّحْمَةِ وَإِنَّ هَدِيَّةَ الْأَحْيَاءِ إِلَى الْأَمْوَاتِ الْإِسْتِغْفَارُ لَهُمْ (فی المشکوٰۃ باب الاستغفار من روایۃ البیہقی فی شعب الایمان عن ابن عباسؓ مرفوعا) (یعنی میت کی مثال ڈوبنے والے اور فریاد کرنے والے کی مانند ہے وہ ہر وقت دعا کی منتظر رہتی ہے جو اسے باپ، ماں، بھائی، دوست اور متعلقین کی طرف سے پہنچتی ہے۔ جب اس کو ان میں سے کسی کی طرف سے دعا پہنچتی ہے تو وہ اس کو دنیا و مافیہا سے زیادہ محبوب ہوتی ہے اور یقیناً اللہ تعالیٰ زمین والوں کی دعا سے اہلِ قبور پر پہاڑوں کی مانند رحمت نازل فرماتا ہے، اور زندوں کا مردوں کے لئے ہدیہ یہ ہے کہ ان کے لئے استغفار کریں)

باقی نصیحت یہ ہے کہ ہمیشہ ذکر کی کثرت اور فکر کی مداومت میں رہیں کیونکہ وقت بہت کم ہے اور اس کو بہت ضروری کاموں میں صرف کرنا چاہیے۔ والسلام

مکتوب ۱۶۰
صد و شصتم

یہ مکتوب آپ نے اپنے کمترین غلام یعنی یار محمد الجدید البدخشی الطالقانی[1] کی طرف صادر فرمایا —

اس بیان میں کہ مشائخِ طریقت قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم تین گروہ ہیں۔ ان تینوں میں سے ہر ایک کے احوال و کمال اور نقصان کی شرح و تفصیل کے بیان میں۔

مشائخ طریقت قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم تین گروہ ہیں: —— پہلا گروہ اس بات کا قائل ہے کہ حق سبحانہٗ و تعالیٰ عالمِ ایجاد کے باہر (خارج) میں موجود ہے اور جو کچھ اس (عالم ایجاد کے) اندر موجود ہے وہ (حق تعالیٰ کے) اوصاف و کمال میں سے ہے۔ اور سب کچھ حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی ایجاد ہے

[1] حضرت مجدد الف ثانیؒ کے خلفا میں یار محمد نامی دو حضرات ایک ہی بدخشی طالقان (ایران کا ایک شہر) کے تھے، فرق و امتیاز کے طور پر ایک کو جدید دوسرے کو قدیم کہنے لگے۔ حضرت مجدد صاحبؒ کا دفتر اول (پیش نظر) آپ نے ہی مرتب فرمایا آپ کے نام صرف یہی ایک مکتوب ہے آپ کا مختصر تذکرہ دیباچہ کے فٹ نوٹ میں بھی ہے۔

اور وہ (مشائخ) اپنے آپ کو صرف شبح (اور مثال کے درجے) سے زیادہ نہیں جانتے بلکہ اس شبحیت کو بھی حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی طرف سے جانتے ہیں، اور وہ فنائیت کے سمندر میں ایسے گم ہیں کہ ان کو نہ عالم کی خبر ہے نہ اپنی۔ اور وہ اس برہنہ شخص کی مانند ہیں جس نے عاریۃً کپڑا لے کر پہنا ہو، اور وہ جانتا ہے کہ یہ کپڑا مانگا ہوا ہے، اور یہ دید عاریت کا تصور ان پر اس قدر غالب ہو کہ (کپڑے پہنے ہوئے ہونے کے باوجود) وہ اس کپڑے کو اصل مالک کی طرف منسوب کرے اور اپنے آپ کو برہنہ ہی محسوس کرے، اور اگر ایسے آدمی کو بے شعوری اور سکر کی حالت سے نکال کر شعور اور صحو میں لائیں اور فنا کے بعد بقا سے مشرف فرمائیں تو اگرچہ وہ اس وقت بھی اپنے بدن پر کپڑا پاتا ہے لیکن یقین رکھتا ہے کہ وہ (میرا نہیں ہے) دوسرے کی طرف سے ہے، کیونکہ وہ فنا ابھی تک اس کے علم میں مندرج ہے اور وہ گرفتاری و تعلق جو اس کپڑے سے رکھتا ہے کچھ باقی نہیں رہتا ——— اور ایسا ہی حال اس شخص کا ہے جو اپنے کمالات و اوصاف کو عاریت کے جامہ کے رنگ میں خیال کرتا ہے لیکن وہ سمجھتا ہے کہ یہ جامہ بھی وہم کے درجہ میں ہے اور خارجی طور پر کوئی کپڑا (جسم پر) نہیں رکھتا ہوں بلکہ برہنہ ہوں ——— یہ مشاہدہ جب اس حد تک غالب آجاتا ہے کہ لباس کے وہم کو درست سمجھنے لگتا ہے اور اپنے آپ کو برہنہ محسوس کرتا ہے۔ (لیکن اس حالت سے) افاقہ و صحو کے بعد اس وہمی جامہ کو بھی اپنے ساتھ پاتا ہے لیکن پہلے شخص کی فنا اتم (کامل) ہے اور بقا میں بھی مرتبہ کے لحاظ سے زیادہ اکمل ہے، جیسا کہ ان شاء اللہ تعالیٰ عنقریب بیان کیا جائے گا۔

اور یہ بزرگ گروہ اپنے اعتقاداتِ کلامیہ میں جو کتاب و سنت اور اجماع کے موافق ثابت شدہ ہے اور علمائے اہلِ سنت و جماعت کے ساتھ اتفاق رکھتا ہے، اور متکلمین اور ان کے درمیان سوائے اس کے اور کچھ فرق نہیں ہے کہ متکلمین اس معنی کو علمی اور استدلالی جانتے ہیں اور یہ بزرگ کشف و ذوق کی بنیاد پر سمجھتے ہیں، اور نیز یہ بزرگ گروہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی انتہائی پاکیزگی کی وجہ سے اس کے ساتھ عالم کی کوئی نسبت ثابت نہیں کرتے اور تمام نسبتوں کو سلب سمجھتے ہیں۔ تو پھر کس طرح یہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے ساتھ عینیت و جزئیت کے قائل ہو سکتے ہیں، سوائے اس نسبت کے کہ وہ مولیٰ ہے، معبود ہے اور صانع اور مصنوع ہے، بلکہ اپنے غلبۂ حال میں اس نسبت کو بھی بھول جاتے ہیں۔ اب وہ حقیقی فنا سے مشرف ہو کر باری تعالیٰ کی تجلیاتِ ذاتیہ قبول کرتے ہیں اور بے انتہا تجلیات کے مظہر بن جاتے ہیں۔

دوسرا گروہ عالم کو حق سبحانہٗ وتعالیٰ کا ظل جانتا ہے مگر یہ اس بات کے قائل ہیں کہ عالم خارج میں اصالت کے طریقے پر نہیں بلکہ ظلیّت کے طریقے پر موجود ہے اور ان دونوں کا وجود حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے وجود سے قائم ہے جس طرح کہ ظل (سایہ) اپنے اصل کے ساتھ قائم ہوتا ہے ـــــــ مثلاً ایک شخص کا سایہ دراز ہے اور وہ شخص اپنی کمال قدرت سے اپنی صفاتِ علم، قدرت وارادہ وغیرہ حتیٰ کہ لذت والم کو بھی اس سایہ میں منعکس کردے۔ پس اگر بالفرض وہ سایہ آگ پر پڑ جائے اور وہ اس سے تکلیف محسوس کرے تو عقلاً وعرفاً یہ نہیں کہیں گے کہ وہ شخص تکلیف میں ہے، جیسا کہ تیسرا گروہ اس امر کا قائل ہے ـــــــ علیٰ ہذا القیاس تمام بُرے افعال جو کہ مخلوقات سے صادر ہو رہے ہیں یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے افعال ہیں، جیسے کہ سایہ اگر اپنے ارادے سے حرکت کرتا ہے تو یہ نہیں کہا جائے گا کہ وہ شخص متحرک ہو گیا، ہاں صرف یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس کی قدرت وارادہ کا اثر ہے یعنی اس کا مخلوق ہے، اور یہ بات طے شدہ ہے کہ قبیح (بری) شے کا پیدا کرنا برائی نہیں ہے بلکہ قبیح کا فعل اور کسب بُرا ہے۔

تیسرا گروہ وحدتِ وجود کا قائل ہے یعنی خارج میں صرف ایک (ہی ذات) موجود ہے اور بس۔ اور وہ صرف ذات حق سبحانہٗ وتعالیٰ ہے۔ اور عالم کا خارجی طور پر علمی ثبوت کے علاوہ ہرگز کوئی ثبوت ثابت نہیں ہے۔ اور کہتے ہیں: اَلْاَعْیَانُ مَاشَمَّتْ رَائِحَۃَ الْوُجُوْدِ (اعیان (اشیاء) نے وجود کی خوشبو بھی نہیں سونگھی) ـــــــ اور اگرچہ یہ جماعت بھی عالم کو حق سبحانہٗ وتعالیٰ کا ظل (سایہ) کہتی ہے لیکن (ساتھ ہی یہ بھی) کہتی ہے کہ ان چیزوں کے سایہ کا وجود صرف حس کے مرتبہ میں ہے (ورنہ) نفس الامر اور خارج میں عدم محض ہے۔ اور (یہ لوگ) ذاتِ حق عزوجل کو صفاتِ وجوبیہ اور امکانیہ کے ساتھ متصف جانتے ہیں اور تنزلات کے مراتب کو ثابت کرتے ہیں اور ہر درجہ میں اسی ذاتِ احد کو احکام کے مرتبہ کی صفت سے متصف کرتے ہیں اور حق جل شانہٗ کی ذات کو لذت حاصل کرنے اور تکلیف اٹھانے والی بھی قرار دیتے ہیں ـــــــ لیکن ان محسوسہ متوہمہ ظلال کے پردہ میں (ان کے اس مسلک پر) عقلی وشرعی محظورات (اشکال) وارد ہوتے ہیں جن کے جواب میں (ان کو) بہت سے حیلے اور تکلفات کرنے پڑتے ہیں ـــــــ اگرچہ یہ (تیسرا گروہ) اپنے درجاتِ وصل وکمال میں تفاوت ہونے کے باوجود واصل وکامل ہے لیکن ان کی ایسی باتیں مخلوق کو گمراہی والحاد کی طرف رہنمائی کرتی ہیں اور الحاد وبے دینی (زندقہ) تک پہنچا دیتی ہیں۔

پہلے گروہ کے لوگ اکمل واتم ہیں اور کتاب وسنت کے ساتھ اسلم واوفق ہیں۔ لیکن ان کا اسلام اور سنت کے مطابق ہونا ظاہر ہے، اور ان کی اکملیت اور اتمیت اس وجہ سے ہے کہ وہ وجودِ انسانی کے بعض مراتب میں لطافت اور تجرد کی انتہا کی وجہ سے اپنے مبدا (حق تعالیٰ) سے مشابہت ومناسبت رکھتے ہیں جیسے کہ لطیفۂ خفی واخفیٰ ——— پس وہ جماعت جو باوجود فنائے سرّی کے ان مراتب کو مبدا سے جدا نہیں کرسکی تاکہ وہ لَا کے تحت لاکر اس کی بھی نفی کرتی بلکہ ان کے نزدیک وہ مبدا کے ساتھ ملحق اور متشابہ رہیں اور خود کو عین حق سمجھ لیا ہے کہتے ہیں کہ خارج میں فقط حق سبحانہٗ ہے اور ہمارا ہرگز کوئی وجود نہیں ہے لیکن چونکہ بکثرت خارجی آثار کا متحقق ہونا ثابت ہے اس لئے مجبوراً وہ ثبوتِ علمی کے قائل ہوجاتے ہیں، اور یہی وہ مقام ہے جہاں وہ اعیان کو وجود وعدم کے درمیان برزخ قرار دیتے ہیں ——— چونکہ وہ بعض مخلوقات کے وجود کے مرتبوں کو مبدا سے جدا نہیں کرسکے اس لئے اس کے وجود کے وجوب کے قائل نہ ہونے کی وجہ سے اس کو برزخ کہنے لگے اور وجوب کے رنگ کو ممکن میں ثابت کردیا، اور نہ جان سکے کہ وہ بھی ممکن کے رنگ کی طرح ایک رنگ ہے جو واجب کے مشابہ ہے، اگرچہ صورت اور اسم میں ہی ہو۔ اور اگر وہ اس رنگ کو جدا کردیتے اور ممکن کو بھی پورے طور سے جدا کردیتے تو ہرگز اپنے آپ کو حق عزوجل نہیں جانتے بلکہ عالم کو حق سے جدا کرتے اور صرف ایک ہی وجود کے قائل نہ ہوتے، اور جب تک اس شخص (وحدت الوجود والے) کا اثر اور نشان باقی ہے اپنے آپ کو حق تعالیٰ نہیں جانتا اگرچہ وہ کہتا بھی ہے کہ میرا کوئی نشان باقی نہیں رہا۔ لیکن اس کا یہ قول بھی کوتاہ نظری کے باعث ہے۔

دوسرے گروہ نے اگرچہ ان مراتب کو مبدا سے جدا کیا اور کلمۂ لَا کے تحت لاکر اس کی نفی بھی کی لیکن ظلیت اور اصالت کے واسطہ سے کچھ چیزیں ان کے وجود کے بقا کے ساتھ ثابت رہیں، چونکہ ظل کا رتبہ اصل کے رشتہ کے تعلق سے بڑا قوی ہے اس لئے یہ نسبت ان کی نظروں سے اوجھل نہ ہوسکی ——— لیکن پہلے گروہ نے حضرت رسالت خاتمیت علیہ من الصلوات اتمہا ومن التحیات اکملہا کے ساتھ مناسبت اور آپؐ کی کمال درجہ اتباع کے باعث ممکن کے تمام مراتب کو واجب سے جدا کردیا اور کلمۂ لَا کے تحت لاکر سب کی نفی کردی اور انھوں نے واجب کے ساتھ ممکن کی کوئی مناسبت نہیں دیکھی اور اس کے ساتھ کسی نسبت کا اثبات نہیں کیا اور اپنے آپ کو عاجز بندہ مخلوق غیر مقدور کے علاوہ کچھ نہ سمجھا اور اس عزّشانہٗ کو اپنا خالق اور مولیٰ سمجھا۔ خود کو مولیٰ جاننا یا اس کا مشابہ

خیال کرنا ان بزرگوں پر بہت گرانی اور دشواری کا موجب ہے۔ مَا لِلتُّرَابِ وَرَبِّ الْاَرْبَابِ۔ ع

(چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک)۔

یہ بزرگوار اشیاء کو اس وجہ سے دوست رکھتے ہیں کہ وہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی مخلوق ہیں اور اسی لئے وہ ان کی نظر میں محبوب ہیں کہ وہ حق سبحانہٗ تعالیٰ کی مصنوع (بنائی ہوئی) ہیں اور ان کے افعال بھی اسی جل شانہٗ کے بنائے ہوئے ہیں لہٰذا وہ تمام اشیاء کے خواص کو تسلیم کرتے ہیں اور ان کے افعال سے انکار نہیں کرتے مگر یہ کہ جہاں شریعت نے انکار کیا ہو، جیسا کہ اربابِ توحید کہ جن کو حق تعالیٰ کی مظہریت کے واسطے سے بلکہ اشیاء کی عینیت کی وجہ سے اس قسم کی محبت اشیاء کے ساتھ ہوتی ہے لوگوں کو صرف ان کے مصنوع ومخلوق ہونے کی وجہ سے حاصل ہو جاتی ہے ع

ببیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بہ کجا (کہاں یہ راہ الگ اور کہاں وہ راہ الگ)

محبوب کے عین کو تو تھوڑی سی محبت کے ساتھ بھی ہم دوست رکھ سکتے ہیں لیکن اس کی مصنوعات ومخلوقات اور اس کے بندوں کو جب تک محبوب (حقیقی) کے ساتھ کامل محبت حاصل نہ ہو جائے دوست نہیں رکھ سکتے اور ان کو محبوب تصور نہیں کر سکتے ——— اور یہ عالی گروہ کو عبدیت کے مقام سے جو تمام مقاماتِ ولایت کی انتہا ہے اس سے کامل حصہ مل چکا ہے، اور ان بزرگوں کے حال کی صحت پر اس سے بڑھ کر اور کونسی دلیل ہو سکتی ہے کہ ان کے تمام کشف کتاب وسنت کے موافق اور ظاہر شریعت کے مطابق ہیں، اور ان حضرات نے ظاہر شریعت سے سرِمو مخالفت نہیں کی ——— اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنْ مُّحِبِّيْهِمْ بِحُرْمَةِ مُحَمَّدِنِ الْمُصْطَفٰى صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ وَبَارَكَ (یا الٰہی! ہمیں حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی متابعت کرنے والوں اور ان کے محبوں میں سے بنا دے (آمین)۔

یہ درویش (یعنی حضرت مجدد الف ثانیؒ) جس سے یہ تحریر استفادہ میں آئی، شروع میں توحیدِ وجودی کا معتقد تھا اور بچپن ہی کے زمانے سے علم توحیدِ وجودی رکھتا تھا اور یقین (کی حد تک) پیوستہ ہو چکا تھا اگرچہ اس کا حال نہ رکھتا تھا اور جب اس راہ میں آیا تو پہلی مرتبہ توحید کا راستہ منکشف ہوا اور ایک مدت تک اس مقام کے درجات میں گشت کرتا رہا اور وہ بہت سے علوم جو اس مقام کے مناسب تھے ان سے بہرہ ور ہوا، اور وہ مشکلات وواردات جو کہ اربابِ توحید (وجودی) پر وارد ہوتے ہیں وہ سب

کشوف علوم فائضہ کے ذریعہ حل ہو گئے ——— پھر ایک مدت کے بعد دوسری نسبت اس درویش پر غالب ہو گئی، اس نسبت کے غلبہ کے وقت توحیدِ وجودی میں توقف ہوا لیکن یہ توقف (توحیدِ وجودی والوں کے ساتھ) حُسنِ ظن کی وجہ سے تھا نہ کہ ان حضرات کے انکار کی بنیاد پر ——— ایک مدت تک اس انکار میں متوقف رہا، آخر کار معاملہ ان کے انکار تک پہنچ گیا اور مجھ پر منکشف ہوا کہ یہ مرتبہ پست سے بھی پست تر ہے، پھر اپنے (سوچ و فکر کے) سامان کو ظلیت کے مقام میں لے گیا لیکن (فقیر اس وقت) اس انکار میں بے اختیار تھا اور نہیں چاہتا تھا کہ اس مقام سے باہر آئے اس لئے کہ اس مقام پر بہت سے مشائخ عظام اقامت پذیر تھے ——— اور جب مقام ظلیت میں پہنچا تو خود کو اور عالم کو ظل محسوس کیا جیسا کہ دوسرا گروہ اس کا قائل ہے۔ وہاں پہنچ کر اس بات کی آرزو پیدا ہوئی کہ اس مقامِ (ظلیت) سے باہر نکالا جاؤں کیونکہ یہ (درویش) وحدتِ وجود ہی کو کمال جانتا تھا اور یہ مقامِ ظلیت بھی اس سے قدرے مناسبت رکھتا تھا ——— اتفاقاً کمال مہربانی اور غریب نوازی فرما کر اس مقام سے بھی بالا لے گئے اور مقامِ عبدیت پر پہنچا دیا، اس وقت اس مقامِ (عبدیت) کا کمال ظاہر ہوا اور اس کی بلندی واضح ہوئی اور گذشتہ مقامات سے تائب ہو کر استغفار کی ——— اور اگر اس درویش کو اس طریقہ پر نہ لیجاتے اور بعض مراتب کی بعض پر فوقیت ظاہر نہ کرتے تو اس مقامِ (عبدیت) میں اپنا تنزل جانتا کیونکہ اس (درویش) کے نزدیک توحیدِ (وجودی) سے بڑھ کر کوئی اور بلند مقام نہ تھا: وَاللّٰهُ يُحِقُّ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيْلَ (اور اللہ تعالیٰ ہی حق کو حق ثابت کرتا ہے اور راہِ راست کی ہدایت بخشتا ہے)۔

جاننا چاہئے کہ علوم و معارف کی تفاوت (فرق) کا منشا (سبب) مکتوبات اور رسالوں میں جو اس درویش سے بلکہ ہر سالک سے جو کچھ صادر ہوا ہے وہ اس کے مقامات کے درجات کے تفاوت کی بنا پر ہے، کیونکہ ہر مقام کے علوم و معارف جدا ہیں اور ہر حال کا قال علیحدہ ہے۔ پس فی الحقیقت علوم میں کوئی تدافع و تناقض (دفع کرنا یا مخالفت کرنا) نہیں ہے بلکہ احکامِ شرعیہ کے نسخ کی مانند (اس کا) حکم ہے۔ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ (پس آپ شک کرنے والوں میں سے نہ ہوں) (آل عمران آیت ۶۰)

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَسَلَّمَ۔

مکتوب ۱۶۱

صد و شصت و یکم

ملا صالح بدخشی کولابی[1] کی طرف صادر فرمایا ——— اس بیان میں کہ سلوک کی منازل کے طے کرنے کا مقصد حقیقی ایمان کا حاصل کرنا ہے جو کہ اطمینانِ نفس سے وابستہ ہے۔

سلوک کی منازل طے کرنے کا مقصد ایمانِ حقیقی کا حاصل کرنا ہے جو کہ اطمینانِ نفس پر موقوف ہے جبتک نفس مطمئنہ نہ ہوجائے نجات کا تصور بھی ممکن نہیں، اور نفس اطمینان کے مرتبہ پر اس وقت تک نہیں پہنچتا جبتک کہ قلب کی سیاست (تربیت) نہ ہوجائے۔ اور قلب کی سیاست اس وقت بسر ہوتی ہے جب دل اُس کام سے فارغ ہوجائے جس میں وہ مشغول ہے۔ اور سلامتی اس وقت حاصل ہوگی جب حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے علاوہ (ہر چیز کی) گرفتاری سے نجات حاصل کرلے، اور اس سلامتی کی علامت حق تعالیٰ وتقدس کے سوا ہر چیز کی نسیان میں گرفتار ہونا ہے (یعنی ہر چیز کو بھول جانا ہے) اور جبتک بال برابر بھی غیرِ حق سے آگاہی ہے وہ سلامتی سے گمراہ (دُور) ہے: فَطُوْبیٰ لِمَنْ سَلِمَ قَلْبُہٗ لِرَبِّہٖ (پس مبارک ہے وہ شخص جس کا دل اللہ تعالیٰ کے لئے سلامت ہوگیا) ——— کوشش کرنا ضروری ہے تاکہ قلب کی سلامتی سے مشرف ہوکر اطمینانِ نفس انجام پذیر ہوجائے۔ ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰہُ ذُوالْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ۝ (جمعہ آیت ۴ پ ۲۸) یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہے عطا فرمائے اور اللہ تعالیٰ بہت بڑے فضل والا ہے) والسلام

---

[1] ملا صالح کولابی بدخشی کے نام دس مکتوبات ہیں۔ دفتر اول مکتوب ۱۶۱- ۱۸۲- ۲۴۱- ۲۴۴- ۲۴۵- ۳۰۶ - دفتر دوم مکتوب ۳۳ - دفتر سوم مکتوب ۲۸ - ۸۷ - ۹۰ - آپ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے قدیم احباب میں سے تھے، نہایت منکسر المزاج اور خاموش طبع تھے۔ جامع مسجد آگرہ میں حضرت سے اتفاقاً ملاقات ہوگئی اور سالہا سال حضرت کی خدمت میں رہے۔ جب حضرت کی توجہ سے درجۂ کمال کو پہنچ گئے تو حضرت نے اجازت وخلافت سے سرفراز فرمایا۔ بعد ازاں مخدوم زادوں کی فرمائش پر آپ نے حضرت مجددؒ کے دن رات کے معمولات کو ایک رسالہ کی شکل میں جمع کیا۔ بحمد اللہ اس کا ترجمہ کتاب "حضرت مجدد الف ثانیؒ" میں "معمولات" کے عنوان سے ص ۲۴۰ سے ۲۶۱ تک درج کردیا گیا ہے۔ وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

مکتوب ۱۶۲

صدور و شصت و دوم

خواجہ محمد صدیق بدخشی[1] کی جانب صادر فرمایا ـــــ رمضان المبارک کی فضیلت اور اس مبارک مہینے کی قرآن مجید کے ساتھ مناسبت کے بیان میں جس کی بنا پر اس کا نزول اس ماہ مبارک میں ہوا، اور کھجور کی جامعیت کے بیان میں کہ اس سے (روزہ) افطار کرنا مستحب ہے اور اس کے متعلقات کے بیان میں۔

بِاسْمِہٖ سُبْحَانَہٗ (اس پاک ذات کے نام کے ساتھ شروع کرتا ہوں)۔ (حق تعالیٰ کے) کلام کی شان جو کہ شیوناتِ ذاتیہ میں سے ہے وہ تمام کمالاتِ ذاتی و شیوناتِ صفاتی کا جامع ہے، جیسا کہ سابقہ علوم میں (دفتر اول کے چودھویں مکتوب میں) ذکر ہو چکا ہے ـــــ اور ماہِ رمضان المبارک تمام خیرات و برکات کا جامع ہے، اور ہر خیر و برکت جو بھی ہے وہ حضرت ذات تعالیٰ و تقدس کی طرف سے فیض پہنچا رہی ہے اور اس ذات کے شیونات کا نتیجہ ہے کیونکہ جو شر و نقص بھی وجود میں آتا ہے اس کی ذات و صفاتِ محدثہ کے منشا سے ہے: مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ (سورۂ نساء آیت ۷۹) (جو کچھ بھی بھلائی تم کو پہنچتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے اور جو بھی برائی تم کو پہنچتی ہے وہ تمہارے نفس کی طرف سے ہوتی ہے) نص قاطع ہے ـــــ پس اس ماہِ مبارک کی تمام خیرات و برکات اُن کمالاتِ ذاتیہ کا نتیجہ ہیں جن کی جامع شان کلامِ ربانی ہے اور قرآن مجید اس شانِ جامع کی تمام حقیقت کا حاصل ہے۔ لہٰذا اس ماہِ مبارک (رمضان) کو قرآن مجید کے ساتھ مناسبتِ کلی حاصل ہے کیونکہ قرآن مجید تمام کمالات کا جامع ہے اور یہ مہینہ "جامع جمیع خیرات" یعنی تمام نیکیوں کا جامع ہے جو کہ ان کمالات کے نتائج و ثمرات ہیں، اور یہی مناسبت اس ماہِ مبارک میں قرآن مجید کے نزول کا باعث ہوئی: شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ (بقرہ آیت ۱۸۵) (رمضان وہ مبارک مہینہ ہے جس میں قرآن مجید نازل کیا گیا) ـــــ اور شبِ قدر جو اسی ماہ کا خلاصہ اور لُبِّ لباب ہے (وہ رات گویا) اس کا مغز ہے اور یہ مہینہ اس کے پوست کی مانند ہے، پس جو شخص اس مہینہ کو جامعیت (یعنی تمام فرائض کو بحسن و خوبی) کے ساتھ گذارے گا وہ اس کی تمام خیر و برکت سے مالا مال ہوگا اور (ان شاء اللہ

[1] خواجہ محمد صدیقؒ بدخشی ملقب بہ ہدایت کا مختصر تذکرہ دفتر اول مکتوب ۱۳۲ کے فٹ نوٹ میں ملاحظہ ہو۔

تمام سال جمعیت (واطمینان) سے گذرے گا اور خیر و برکات کے ساتھ بہرہ ور ہوتا رہے گا۔ وَفَّقَنَا اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ لِلْخَيْرَاتِ وَالْبَرَكَاتِ فِيْ هٰذَا الشَّهْرِ الْمُبَارَكِ وَرَزَقَنَا اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ النَّصِيْبُ الْاَعْظَمِ (اللہ تعالیٰ ہم کو اس مبارک مہینے کی خیرات و برکات حاصل کرنے کی توفیق عطا کرے اور اس کا بڑا حصہ نصیب فرمائے (آمین)

کھجور سے روزہ افطار کرنے کی تاکید

حضرت رسالت خاتمیت علیہ الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ نے فرمایا ہے: اِذَا اَفْطَرَ اَحَدُكُمْ فَلْيُفْطِرْ عَلٰى تَمْرٍ فَاِنَّهٗ بَرَكَةٌ[۱] (جب تم میں سے کوئی شخص روزہ افطار کرے تو اس کو کھجور سے افطار کرنا چاہئے کیونکہ اس میں برکت ہے) ـــــــ آنسرور علیہ الصلوٰۃ والسلام کھجور سے روزہ افطار کرتے تھے۔ اور کھجور میں برکت کی وجہ یہ ہے کہ اس کا درخت نخلہ کہلاتا ہے جو اپنی جامعیت اور صفتِ اعدلیت (کے لحاظ سے انسان کی طرح مخلوق ہے، یہی وجہ ہے کہ حضرت پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے نخلہ کو بنی آدم کی عمہ (پھوپھی) فرمایا ہے کیونکہ وہ طینتِ آدم (آدم کی بقیہ مٹی) سے پیدا ہوا ہے جیسا کہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے: اَكْرِمُوْا عَمَّتَكُمُ النَّخْلَةَ فَاِنَّهَا خُلِقَتْ مِنْ بَقِيَّةِ طِيْنَةِ اٰدَمَ[۲] (یعنی اپنی پھوپھی یعنی درختِ خرما کی تعظیم کرو کیونکہ وہ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بقیہ مٹی سے پیدا کی گئی ہے) ـــــــ اور ہو سکتا ہے کہ اس کا نام "برکت" اسی جامعیت کے اعتبار کی وجہ سے رکھا گیا ہو ـــــــ لہٰذا اس کے پھل یعنی کھجور سے افطار کرنا صاحبِ افطار کا جزو بن جاتا ہے اور درخت کی حقیقتِ جامعہ اس جزئیت کے اعتبار سے اس کے کھانے والے کی حقیقت کا جزو بن جاتی ہے اور اس کا کھانے والا اس اعتبار سے اُن بیشمار کمالات کا جامع ہو جاتا ہے جو اس کھجور کی حقیقتِ جامعہ میں مندرج ہیں۔

یہ مطلب اگرچہ اس کے مطلق کھانے میں بھی حاصل ہو جاتا ہے لیکن افطار کے وقت جو روزہ دار کے شہواتِ مانعہ اور لذاتِ فانیہ سے خالی ہونے کا وقت ہے اس کا کھانا زیادہ تاثیر رکھتا ہے اور یہ مطلب کامل اور پورے طور پر ظاہر ہو جاتا ہے ـــــــ اور یہ جو آنسرورِ عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے: نِعْمَ سُحُوْرُ الْمُؤْمِنِ التَّمْرُ[۳] (مومن کی بہترین سحری تمر (کھجور) ہے) اس اعتبار سے ہو سکتا ہے کہ اس کی غذا میں

---

[۱] رواہ الترمذی ۱۲ مشکوٰۃ ـــــــ [۲] رواہ ابو یعلی فی مسندہ والعقیلی فی الضعفاء وابن عدی وابن ابی حاتم وابن السنی وابو نعیم فی الطب وابن مردویہ فی التفسیر عن علی بلفظ اکرموا عمتکم النخلۃ فانھا خلقت من فضلہ طینۃ ابیکم ادم۔ قال العزیزی اسانیدھا ضعیفۃ ولکن باجتماعھا تتقوی۔ قال المعرب
[۳] رواہ ابو داود عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ از مشکوٰۃ۔

جو صاحبِ غذا کا جزو بن جاتی ہے اس غذا کی حقیقت کے ذریعے سے اس صاحبِ غذا کی حقیقت کی تکمیل ہے نہ کہ اس کی غذا کی حقیقت، اور جب یہ مطلب روزہ میں مفقود ہے تو اس کی تلافی کے لئے تمر (کھجور) کی سحور پر بھی ترغیب فرمائی کہ گویا اس کا کھانا تمام ماکولات کے کھانے کا فائدہ رکھتا ہے اور اس کی برکت جامعیت کے اعتبار سے افطار کے وقت تک رہتی ہے ——— اور غذا کا یہ فائدہ جو مذکور ہو چکا ہے اس تقدیر پر مرتب ہوتا ہے کہ وہ غذا تجویزِ شرعی کے مطابق واقع ہو اور شرعی حدود سے سرِ مو تجاوز نہ ہوا ہو نیز اس فائدہ کی حقیقت اس وقت میسر ہوتی ہے جبکہ اس کا کھانے والا صورت سے گزر کر حقیقت تک جا پہنچا ہو، اور ظاہر سے باطن تک پہنچ گیا ہو، تاکہ غذا کا ظاہر اس کے ظاہر کو مدد دے اور غذا کا باطن اس کے باطن کو مکمل کر دے ورنہ صرف ظاہری امداد ناقص ہے بلکہ اس کا کھانے والا عین کمی میں ہے ؎

سعی کن تا لقمہ را سازی گُہر — بعد ازاں چنداں کہ می خواہی بخور

ترجمہ (بنا لُقمے کو کوشش سے تُو گوہر — پھر اس کو کھا برابر سیر ہو کر)

جلدی افطار کرنے اور سحری دیر سے کھانے میں حکمت یہی ہے کہ صاحبِ غذا کی غذا سے تکمیل ہو جائے والسلام

مکتوب ۱۶۳

صد و شصت و سوم

سیادت و شرافت کی پناہ والے شیخ فرید[1] کی طرف صادر فرمایا ——— اس بیان میں کہ اسلام اور کفر ایک دوسرے کی ضد (مخالف) ہیں، ان دو ضدوں کے جمع ہونے کا احتمال محال ہے ایک کو عزت دینے سے دوسرے کی ذلت لازم آتی ہے (آخر مکتوب تک (حضرت مجدد) سلمہ اللہ تعالیٰ نے کفار کی تذلیل میں اور ان سے میل جول نہ رکھنے کے بارے میں اور میل جول کے نقصان میں تحریر فرمایا ہے (جامع) اور اس بیان میں کہ (اسی طرح) دنیا و آخرت بھی ایک دوسرے کی ضد ہیں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَنْعَمَ عَلَیْنَا وَھَدٰنَا اِلَی الْاِسْلَامِ وَجَعَلَنَا مِنْ اُمَّۃِ مُحَمَّدٍ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالتَّحِیَّۃُ وَالسَّلَامُ (تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے ہم پر انعام فرمایا اور ہم کو اسلام کی طرف ہدایت کی اور ہم کو آنحضرت محمد مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والتحیۃ والسلام کی امت میں بنایا)

---

[1] نواب شیخ فرید بخاری سے متعلق مختصر تذکرہ دفتر اول مکتوب ۴۳ کا حاشیہ ملاحظہ ہو۔

دونوں جہان کی سعادت سید کونین علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰت افضلہا ومن التسلیمات اکملہا کی اتباع سے وابستہ ہے اور بس۔ اور آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت اسلام کے احکام بجالانے میں اور کفریہ رسومات کے دُور کرنے میں ہے، کیونکہ اسلام اور کفر ایک دوسرے کی ضد ہیں، ایک کو اختیار کرنا دوسرے کو رد کرنا ہے۔ ان دو[2] ضدوں کے جمع ہونے کا احتمال محال (ناممکن) ہے، اور ایک کو عزت دینے سے دوسرے کی تذلیل لازم آتی ہے ـــــ حق سبحانہ وتعالیٰ اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والتحیہ سے فرماتا ہے: یَآاَیُّھَا النَّبِیُّ جَاھِدِ الْکُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِیْنَ وَاغْلُظْ عَلَیْھِمْ (التحریم آیت ۹) (اے نبی! کفار اور منافقین سے جہاد کرو اور ان پر سختی کرو) ـــــ پس (حق تعالیٰ نے) اپنے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جن کی صفت خُلقِ عظیم ہے کفار سے جہاد اور سختی کا حکم فرمایا ـــــ اس سے معلوم ہوا کہ ان (کفار) کے ساتھ سخت رویہ اختیار کرنا بھی خُلقِ عظیم میں داخل ہے ـــــ پس اسلام کی عزت، کفر اور کفار کی ذلت و خواری میں ہے۔ جس نے کفار کو عزیز رکھا اس نے اہلِ اسلام کو ذلیل کیا ـــــ ان کو عزت دینے کا مطلب یہی نہیں ہے کہ ان کی (خواہ مخواہ) تعظیم کریں، یا ان کو اونچی جگہ بٹھائیں بلکہ ان کو اپنی محفلوں میں جگہ دینا یا ان کے ساتھ ہمنشینی رکھنا اور ان سے خلط ملط ہونا بھی ان کو عزت دینے میں داخل ہے۔ ان کو کتّوں کی طرح اپنے سے دُور رکھنا چاہئے۔ اور دنیاوی ضرورتوں میں سے اگر کوئی غرض ایسی آن پڑے جو اُن سے متعلق ہو اور بغیر ان کے حل نہ ہوسکے تو بے اعتنائی کا طریقہ اختیار کرتے ہوئے ضرورت کے مطابق ان سے کام لینا چاہئے۔ اور اسلام کا کمال تو یہ ہے کہ اس دنیاوی غرض کو بھی بالائے طاق رکھتے ہوئے ان کی طرف توجہ نہیں کرنی چاہئے ـــــ حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں اہلِ کفر کو اپنا اور اپنے پیغمبر کا دشمن فرمایا ہے،[1] لہٰذا خدا اور اس کے رسول ﷺ کے دشمنوں کے ساتھ میل جول اور محبت رکھنا بڑے بھاری گناہوں میں سے ہے ـــــ ان دشمنوں کے ساتھ دوستی اور شیر وشکر ہونے میں کم سے کم ضرر اور نقصان یہ ہے کہ احکامِ شرعی کے جاری کرنے کی قدرت اور کفریہ رسومات مٹانے کی ہمت مغلوب اور کمزور ہوجاتی ہے، اور موانست کا حجاب اس میں حائل ہوجاتا ہے اور یہ بہت بڑا ضرر ونقصان ہے، حق تعالیٰ کے دشمنوں کے ساتھ دوستی رکھنا خدائے عزوجل اور اس کے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ دشمنی تک پہنچا دیتا ہے۔

---

[1] حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَعَدُوَّکُمْ اَوْلِیَآءَ (الممتحنۃ آیت ۱) (اے ایمان والو! میرے دشمنوں کو اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ)

ایک شخص گمان کرتا ہے کہ وہ اہلِ اسلام سے ہے اور اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کی تصدیق بھی کرتا ہے لیکن نہیں جانتا کہ اس قسم کے بُرے اعمال اس کے اسلام کی دولت کو بالکلیہ مٹا کر رکھ دیتے ہیں۔ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا (ہم اپنے نفسوں کی شرارتوں اور اپنے اعمال کی برائیوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں) ؎

خواجہ پندارد کہ مردِ واصل است　　حاصلِ خواجہ بجز پندار نیست

(تم سمجھتے ہو کہ مردِ حق ہو تم　　تم مگر اپنے گماں میں ہو گئے گُم)

ان نالائقوں کا کام اسلام کے ساتھ تمسخر اور مذاق کے علاوہ کچھ نہیں اور وہ اس بات کے منتظر ہیں کہ اگر ان کو موقع مل جاتے تو اہلِ اسلام کو ہلاک کر دیں یا سب کو قتل کر دیں یا کفر کی طرف واپس لے جائیں، لہٰذا اہلِ اسلام کو بھی شرم آنی چاہئے کہ اَلْحَيَاءُ مِنَ الْاِيْمَانِ (حیا ایمان میں سے ہے) اور مسلمانی کے ننگ و عار کا لحاظ رکھنا ضروری ہے اور ہمیشہ ان کو نیچا دکھانے کی فکر میں رہنا چاہئے ـــــ ہندوستان میں کافروں سے جزیہ موقوف ہونے کا باعث اہلِ کفر کی مصاحبت کی بدبختی کا نتیجہ ہے جو انھوں نے اس ملک کے سلاطین کے ساتھ اختیار کیا ہے۔ ان سے جزیہ وصول کرنے کا اصلی مقصد ان کی تذلیل ہے اور یہ ذلت اس حد تک ہے کہ جزیہ کے خوف کی وجہ سے وہ اچھا کپڑا نہ پہن سکیں اور شان و شوکت اختیار نہ کر سکیں اور اپنی دولت کے ضبط ہو جانے کے گمان سے ہمیشہ لرزاں و ترساں رہیں ـــــ بادشاہ کو کیا حق حاصل ہے کہ وہ جزیہ کی وصولی کو منع کر دے جبکہ حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے جزیہ کو ان کی ذلت و خواری ہی کے لئے مقرر فرمایا ہے جس سے مقصود ان کی رسوائی اور اہلِ اسلام کی عزت و غلبہ ہے۔ ع

جہود ہر کہ شود کشتہ سُود اسلام است　　(اسلام سرفراز ہے کافر کی موت سے)

اسلام کی دولت حاصل ہونے کی نشانی اہلِ کفر کے ساتھ بغض و دشمنی ہے۔ حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے قرآن مجید میں خود ان کو نجس[1] فرمایا اور دوسری جگہ رجس[2] فرمایا ہے۔ لہٰذا اہلِ اسلام کی نظر میں کفار نجس اور پلید ہی دکھائی دینے چاہئیں۔ اور جب ان کو ایسا دیکھیں گے اور جانیں گے تو لازمی طور پر

---

[1] اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ (سورۂ توبہ۹ آیت ۲۸) (بلاشبہ مشرکین نجس ہیں)۔

[2] رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ (مائدہ۵ آیت ۹) (یہ نجاستیں عمل شیطان میں سے ہیں پس ان سے اجتناب کرو)

ان کی صحبت سے پرہیز کریں گے، اور ان کی مجلسوں میں جانے سے کراہت کریں گے ——— ان (اہلِ کفر) سے کوئی بات دریافت کرنا اور پھر ان کے کہنے کے مطابق عمل کرنا ان دشمنوں کو کمال درجہ عزت دینا ہے۔ اگر کوئی شخص ان سے ہمت طلب کرے اور ان کے توسط سے دعا مانگے تو اس کا کیا (حشر) ہوگا ——— حق سبحانہٗ وتعالیٰ خود قرآن مجید میں فرماتا ہے: وَمَا دُعَآءُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ (سورۂ رعد آیت ۱۴) (اور کافروں کی دعا صرف گمراہی ہے)۔ یعنی ان دشمنوں کی دعا باطل اور بے حاصل ہے۔ لہذا دعا کی قبولیت کا کہاں احتمال ہو سکتا ہے (البتہ) اسقدر فساد و ضرر ضرور ہوتا ہے کہ ان کتّوں کی عزت بڑھ جاتی ہے۔ اگر یہ دعا کرتے ہیں تو اپنے بتوں کے وسیلہ سے مانگتے ہیں ——— خیال کرنا چاہئے کہ یہ بات کہاں سے کہاں پہنچ جاتی ہے اور مسلمانی کی بُو تک باقی نہیں رہتی۔

ایک بزرگ نے فرمایا ہے "تا یکے از شما دیوانہ نشود بمسلمانی نرسد" (جبتک تم میں سے کوئی دیوانہ نہ ہو جائے مسلمانی (کی حقیقت) تک نہیں پہنچ سکتا)۔ دیوانگی سے مراد کلمۂ اسلام کو بلند کرنے کے لئے نفع و نقصان سے درگذر ہو جانا ہے۔ مسلمان رہنے کی صورت میں جو کچھ بھی پیش آئے ٹھیک ہے اور اگر کچھ بھی حاصل نہ ہو تو نہ ہو (یعنی کچھ بھی ہو جائے لیکن اسلام پر قائم رہے)۔ اور جب مسلمانی (دولتِ اسلام) حاصل ہے تو خدائے عزوجل اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کی رضامندی بھی حاصل ہے اور رضائے مولا سے بڑھ کر کوئی عظیم ترین دولت نہیں ہے۔ رَضِيْنَا بِاللّٰهِ سُبْحَانَهٗ رَبًّا وَّبِالْاِسْلَامِ دِيْنًا وَّبِمُحَمَّدٍ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ نَبِيًّا وَّرَسُوْلًا (یعنی ہم اللہ تعالیٰ سبحانہٗ کے رب ہونے اور اسلام کے دین ہونے اور حضرت محمد رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نبی اور رسول ہونے پر راضی ہیں)۔

مصرع　　ہم بریں بداریم یا رب۔　　(مجھ کو یا رب اسی پہ قائم رکھ)

بطفیل سید المرسلین علیہ وعلیٰ آلہ من الصلوات افضلہا ومن التسلیمات اکملہا اولاً وآخراً اسلام ہو۔

وقتی عجلت کی وجہ سے جو کچھ ضروری و لازمی سمجھا اجمال کے طور پر لکھ کر بھیج دیا ہے اور اگر بعد میں توفیق رفیق ہوئی تو اس سے زیادہ مفصل لکھ کر اظہار کیا جائے گا۔

جس طرح اسلام کفر کی ضد ہے اسی طرح آخرت بھی دنیا کی ضد ہے۔[ے] دنیا اور آخرت (دونوں

ے　ہم خدا خواہی وہم دنیائے دوں　　ایں خیال است ومحال است وجنوں

ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے ـــــ دنیا کا ترک دو قسم پر ہے، ایک تو یہ ہے کہ بقدرِ ضرورت سے زائد اس کی تمام جائز چیزیں بھی ترک کردی جائیں، یہ ترکِ دنیا کی اعلیٰ قسم ہے ـــــ دوسری قسم یہ ہے کہ حرام اور شبہ والی چیزوں سے پرہیز کیا جائے اور مباح کاموں سے فائدہ اٹھایا جائے، یہ قسم بھی خصوصاً اس زمانے میں بہت ہی عزیز الوجود اور غنیمت ہے ؎

آسماں نسبت بعرشش آمد فرود ورنہ بس عالی ست پیشِ خاکِ تود

(آسماں عرش سے تو نیچا ہے ہے مگر وہ اِس زمیں سے بلند)

(پس مردوں کے لئے) ضروری ہے کہ سونا چاندی اور ریشمی لباس[۱] اور اس قسم کی چیزیں جو شریعتِ مصطفویہ علی مصدرہا الصلوۃ والتحیہ نے حرام کی ہیں اجتناب کیا جائے۔ چاندی سونے کے برتن اگر آرائش و زیبائش کے طور پر رکھے جائیں تو البتہ اس کی گنجائش ہے لیکن ان کو استعمال میں لانا اور اُن میں کھانا کھانا، پانی پینا، خوشبو رکھنا، سرمہ دانی بنانا اور اسی قسم کی سب چیزیں حرام ہیں

الغرض حق سبحانہ وتعالیٰ نے مباح کا دائرہ بھی بہت وسیع فرمایا ہے، اور ان کو نعمت کے طور پر استعمال کرنا اور ان سے نفع حاصل کرنا حرام چیزوں کی نسبت زیادہ عیش و لذت بخش ہے کیونکہ مباحات میں حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی رضامندی ہے اور محرمات میں حق تعالیٰ کی عدم رضامندی (یعنی ناراضگی ہے) ـــــ عقلِ سلیم ہرگز اس بات کو جائز قرار نہیں دیتی کہ کوئی شخص محض ایسی (چندروزہ) لذت کی خاطر جو بالکل ناپائیدار ہے اور اس میں حق تعالیٰ کی رضامندی بھی نہیں ہے اس کو اختیار کرے۔ حالانکہ (حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے) اس حرام لذت کے مقابلے میں مباح لذتیں تجویز فرمادی ہیں ـــــ اللہ تعالیٰ ہم کو اور آپ کو حضرت صاحبِ شریعت نبیٔ اکرم علیہ وعلیٰ آلہ الصلوۃ والتحیۃ کی پیروی پر استقامت عطا فرمائے (آمین)

حلال و حرام کے معاملہ میں ہمیشہ دیندار علماء سے رجوع کرنا چاہئے اور ان سے دریافت کرنا چاہئے اور ان کے فتووں کے مطابق عمل کرنا چاہئے کیونکہ شریعت ہی نجات کا راستہ ہے اور شریعت کے برخلاف جو کچھ بھی ہے وہ باطل اور بے اعتبار ہے: فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ إِلَّا الضَّلٰلُ (سورۂ یونس آیت ۳۲) پس حق کے بعد جو کچھ ہے وہ گمراہی ہے)۔ وَالسَّلَامُ أَوَّلًا وَّآخِرًا۔

---

[۱] ریشمی لباس کی حرمت صرف مردوں کے لئے ہے عورتوں کے لئے ریشمی لباس جائز ہے اسی طرح سونے کے زیورات مردوں کے لئے حرام اور عورتوں کے لئے جائز ہیں، البتہ سونے چاندی کے برتن مرد و عورت دونوں کے لئے حرام ہیں۔ (رد المحتار)

مکتوب ۱۶۴

صد و شصت و چہارم

حافظ بہاؤ الدین شیخیؒ[1] کی طرف صادر فرمایا ـــــ اس بیان میں کہ حق سبحانہٗ و تعالیٰ کا فیض خواص و عوام پر (ہر وقت اور) ہمیشہ وارد ہے اور اس کے قبول کرنے یا نہ کرنے کا فرق اپنی استعداد پر ہے۔

حق سبحانہٗ و تعالیٰ اپنے احسان و کرم سے شریعتِ مطہرہ کے راستہ پر استقامت عطا فرمائے ـــــ حق سبحانہٗ و تعالیٰ کا فیض، تمام خواص و عوام، ہر کریم و لئیم (سخی اور کنجوس) پر خواہ وہ مال کی قسم سے ہو، یا اولاد کی، یا ہدایت و ارشاد کی قسم سے ہو، سب پر بغیر امتیاز ہمیشہ وارد ہو رہا ہے، لیکن بعض کے فیوض قبول کرنے اور بعض کے قبول نہ کرنے میں فرق اسی (بندہ کی طرف) سے پیدا ہوتا ہے: وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ (سورۂ نحل آیت ۳۳، ۱۶) (اللہ تعالیٰ نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود ہی اپنے نفسوں پر ظلم کرتے تھے)۔

موسم گرما میں سورج کپڑے اور دھوبی پر یکساں پڑتا ہے لیکن (سورج کی گرمی سے) دھوبی کا چہرہ سیاہ اور کپڑا سفید ہو جاتا ہے ـــــ یہ عدمِ قبول کی کیفیت خداوند قدوس جل سلطانہ سے روگردانی کی وجہ سے ہے، اور روگردانی کرنے والے کے لئے بدبختی لازم اور نعمت سے محرومی ضروری ہے ـــــ ـــــ اس جگہ کوئی شخص یہ اعتراض نہ کرے کہ بہت سے روگردانی کرنے والے ایسے ہیں جو دنیاوی نعمتوں کی وجہ سے ممتاز ہیں اور ان کی روگردانی ان کی محرومی کا سبب نہیں بنی؟ ـــــ جاننا چاہئے کہ یہ وہ بدبختی ہے جو استدراج کے طور پر اس کی خرابی کے لئے نعمت کی صورت میں ظاہر کی گئی ہے، تاکہ (ایسا شخص) روگردانی اور ضلالت میں منہمک رہے۔ حق سبحانہٗ و تعالیٰ فرماتا ہے:-

اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّبَنِيْنَ نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرٰتِ بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ

(سورۂ مومنون آیت ۵۵، ۵۶، ۲۳) (کیا وہ گمان کرتے ہیں کہ ہم جو مال و اولاد ترقی دیتے ہیں تو یہ ہم ان کے لئے بھلائیوں میں جلدی کرتے ہیں (یہ بات نہیں ہے) بلکہ وہ نہیں سمجھتے) ـــــ پس (حق تعالیٰ سے) روگردانی کے باوجود دنیا اور اس کی نعمتوں کا حاصل ہونا عین خرابی ہے۔ بچو! اس سے بچو!! والسلام

---

[1] آپ کا مختصر تعارف دفتر اول کے مکتوب ۱۳۸ کے فٹ نوٹ میں ملاحظہ ہو۔

مکتوب ۱۶۵
صد و شصت و پنجم

سرداری و بزرگی کی پناہ والے شیخ فرید[1] کی طرف صادر فرمایا ـــــ صاحب شریعت علیہ و علیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کی پیروی کی ترغیب اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شریعت کے مخالفین کے ساتھ دشمنی اور بغض رکھنے اور ان پر سختی کرنے کے بیان میں۔

شَرَّفَكُمُ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ بِتَشْرِيْفِ الْمِيْرَاثِ الْمَعْنَوِيِّ مِنَ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الْقُرَشِيِّ الْهَاشِمِيِّ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ مِنَ الصَّلَوَاتِ اَفْضَلُهَا وَمِنَ التَّسْلِيْمَاتِ اَكْمَلُهَا كَمَا شَرَّفَكُمْ بِتَشْرِيْفِ الْمِيْرَاثِ الصُّوْرِيِّ وَيَرْحَمُ اللّٰهُ عَبْدًا اٰمِيْنًا (اللہ سبحانہٗ آپ کو نبی امی قرشی ہاشمی علیہ وعلیٰ آلہ من الصلوات افضلہا ومن التسلیمات اکملہا کی باطنی میراث کی بزرگی سے مشرف فرمائے جس طرح (حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے) آپ کو ظاہری میراث سے مشرف فرمایا ہے، اور اللہ تعالیٰ اس بندے پر بھی رحم فرمائے جو اس پر آمین کہے)۔

آں سرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کی ظاہری میراث کا تعلق عالمِ خلق سے ہے اور میراثِ معنوی کا تعلق عالمِ امر سے ہے کہ وہاں سراسر ایمان و معرفت اور رشد و ہدایت ہے۔ میراثِ صوری (ظاہری) کی نعمتِ عظمیٰ کا شکریہ ہے کہ وہ میراثِ معنوی (باطنی) سے آراستہ و مزین ہو جائے، اور باطنی میراث سے مزین ہونا نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کی کمال اتباع کے بغیر میسر نہیں ہو سکتا۔ ـــــ لہٰذا آپ پر اوامر و نواہی میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پوری پوری اتباع اور اطاعت لازم و واجب ہے، اور کمالِ متابعت آں سرور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کمالِ محبت کی فرع ہے۔ مصرع

اِنَّ الْمُحِبَّ لِمَنْ هَوَاهُ مُطِيْعٌ (محب

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کمال درجہ محبت کی علامت آپؐ کے دشمنوں سے کمال درجہ بغض رکھنا اور آپؐ کی شریعت کے مخالفین کے ساتھ عداوت کا اظہار کرنا ہے۔ محبت میں سستی کی کوئی گنجائش نہیں، محب محبوب کا دیوانہ ہوتا ہے اور وہ مخالفت کی تاب نہیں رکھتا، اور محبوب کے مخالفین سے کسی طرح بھی صلح و آشتی نہیں کرتا ـــــ دو مختلف محبتیں ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتیں، متضاد کا

---

[1] آپ کا مختصر تذکرہ دفتر اول مکتوب ۴۳ کے فٹ نوٹ میں ملاحظہ ہو۔

جمع ہونا امرِ محال سے ہے، ایک سے محبت کے لئے دوسرے کی عداوت لازم ہے ـــــــ خوب اچھی طرح غور کرنا چاہئے، ابھی معاملہ ہاتھ سے نہیں نکلا ہے (یعنی ابھی کچھ نہیں بگڑا) گذشتہ کا تدارک (توبہ واستغفار سے) کیا جاسکتا ہے۔ کل (موت کے بعد) جب کام ہاتھ سے نکل جائے گا (اس وقت) سوائے ندامت وشرمندگی کے کچھ حاصل نہ ہوگا ؎

بوقتِ صبح شود ہمچو روز معلومت ۔ کہ باکہ باختہ عشق در شبِ دیجور

(تجھ کو معلوم ہوگا بوقتِ صبح رات کھوئی تھی کیسی علت میں)

دنیا کا سامان محض فریب ہی فریب ہے اور معاملۂ اخروی پر ابدی جزا مرتب ہوگی، اگر چند روزہ زندگانی سید الاولین والآخرین علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کی پیروی میں بسر کرلی جائے تو نجاتِ ابدی کی امید ہے ورنہ محض بیکار ہی بیکار ہے خواہ کیسا ہی اچھا عمل کیوں نہ ہو ؎

محمدِ عربی کآبروئے ہر دو سرا است کسے کہ خاکِ درش نیست خاک بر سرِ او

(محمدؐ دو جہاں کی آبرو ہیں جو خاکِ در نہیں برباد ہوگا)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کی دولتِ عظمیٰ کا حاصل کرنا دنیا کو کُلّی طور پر ترک کرنے پر ہی موقوف نہیں ہے جو بہت مشکل معلوم ہوتا ہے بلکہ اگر فرضِ زکوٰۃ ادا کردی جائے تو وہ ترکِ کُل کا حکم رکھتی ہے، کیونکہ (زکوٰۃ ادا کرنے کے بعد) مال پاک ہوکر ضرر ونقصان سے خالی ہوجاتا ہے، لہذا مال سے ضرر دُور کرنے کا علاج اس مال کی زکوٰۃ ادا کرنا ہے ـــــــ اگرچہ بالکلیہ ترکِ (دنیا) اولیٰ وافضل ہے لیکن زکوٰۃ کی ادائیگی بھی (اس ترکِ کُلّی کا) کام کرتی ہے ؎

زکوٰۃ مال کو پاک کرتی ہے

آسماں نسبت بعرشش آمد فرود ورنہ بس عالی است پیش خاکِ تود

(آسماں عرش سے تو نیچا ہے ہے مگر اس زمیں سے وہ بلند)

پس لازم ہے کہ ہمیشہ اپنی ہمت کو احکامِ شرعیہ کی بجاآوری میں صرف کیا جائے اور اہلِ شریعت علماء وصلحا کی تعظیم وتوقیر کرنی چاہئے اور شریعت کو رواج دینے میں کوشاں رہنا چاہئے۔ اور گمراہ واہلِ بدعت کو ذلیل وخوار رکھنا چاہئے: مَنْ وَقَّرَ صَاحِبَ بِدْعَةٍ فَقَدْ اَعَانَ عَلٰی هَدْمِ الْاِسْلَامِ[ل] (جس نے کسی بدعتی کی تعظیم کی

ل رواہ البیہقی فی شعب الایمان مرسلا عن ابراہیم بن میسرۃ وھو تابعی ثقۃ صحیح الحدیث لا مثیل لہ فی زمانہ۔ حدیثہ فی اہل مکۃ قال الشیخ عبد الحق الدھلویؒ وعلی القاریؒ۔

اُس نے اسلام کو منہدم کرتے ہیں اس کی مدد کی)۔

اور کفار جو خدائے عزوجل اور اس کے رسول علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کے دشمن ہیں، ہم کو بھی ان کے ساتھ دشمنی رکھنی چاہیئے اور ان کو ذلیل و خوار کرنے میں کوشش کرنی چاہیئے اور کسی وجہ سے بھی ان کو عزت نہیں دینی چاہیئے، اور ان کے ساتھ شدت و سختی رکھنی چاہیئے اور حتی المقدور کسی کام میں ان سے رجوع نہیں کرنا چاہیئے۔ اگر بالفرض کوئی ضرورت پیش آجائے تو قضائے حاجتِ انسانی (کراہت و اضطرار) کے ساتھ اپنی ضرورت کو ان سے نکالنا چاہیئے ——— یہ وہ راستہ ہے جو آپ کے جدِ بزرگوار علیہ الصلوات والتسلیمات کی بارگاہ تک پہنچا دیتا ہے۔ اگر یہ راہ نہ اختیار کی جائے تو اس جناب قدس تک رسائی دشوار ہے۔ افسوس ہی افسوس ہے۔

كَيْفَ الْوُصُوْلُ إِلٰى سُعَادَ وَدُوْنَهَا ‏ قُلَلُ الْجِبَالِ وَدُوْنَهُنَّ حُيُوْفٌ

(کیسے پہنچوں سعاد تک اے کعبؓ ‏ کس قدر خوفناک راہیں ہیں)

اس سے زیادہ کیا عرض کروں ؎

اندکے پیش تو گفتم غمِ دل ترسیدم ‏ کہ دل آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

(ڈرتے ڈرتے کچھ سنایا دل کا غم ‏ تم نہ آزردہ ہو، قصہ ہے طویل)

مکتوب ۱۶۶

صد و شصت و ششم

ملا محمد امین[1] کی طرف صادر فرمایا ——— اس بیان میں کہ بے ثبات چند روزہ زندگی پر اعتماد نہیں کرنا چاہیئے اور اس تھوڑی سی فرصت کے زمانے میں ذکرِ کثیر کے ذریعے اپنی قلبی بیماری کے ازالہ کا فکر کرنا چاہیئے، کیونکہ یہ نہایت ضروری اور اہم کام ہے۔

میرے مخدوم! کبتک مادرِ مہربان کی طرح آپ اپنے نفس کو پالتے رہیں گے۔ اور کبتک اپنے اوپر غم و غصہ میں پیچ و تاب کھاتے رہیں گے ——— خود اپنے آپ کو اور سب دوسروں کو مردہ خیال کرنا اور جماد چند

---

[1] آپ کے نام صرف دو مکتوب ہیں، دفتر اول مکتوب ۱۶۶ - ۱۹۹ - غالباً مولانا محمد امین بن خواجہ حسینی الہروی ثم لاہوری مراد ہیں آپ ہرات میں پیدا ہوئے، پھر قندھار آکر شیخ زین الدین خوانی سے تحصیلِ علوم کیا عہد اکبری میں ہندوستان آکر ملک پور مضافاتِ لاہور میں قیام پذیر ہو گئے، ۸۶ سال کی عمر میں وفات پائی۔ (نزہتہ الخواطر ج ۵ ص ۳۶۱)

(چند بے حس و حرکت) سمجھنا چاہیئے ، اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ (سورۂ زمر آیت ۳۹) (بیشک آپ بھی موت کی آغوش میں جانے والے ہیں اور وہ لوگ بھی مرنے والے ہیں) نصِ قاطع ہے ـــــــ اس مختصر فرصت میں اپنے قلبی امراض کا ذکرِ کثیر کے ذریعے ازالہ کی فکر کرنا سب کاموں سے زیادہ اہم کام ہے۔ اور اس قلیل مہلت میں ربِّ جلیل کی یاد سے علتِ معنوی (باطنی امراض) کا علاج کرنا بڑے اعظم مقاصد میں سے ہے ـــــــ لیکن جو دل دنیا میں گرفتار ہے اس سے خیر کی کیا توقع ہو سکتی ہے۔ اور وہ روح جو دنیائے دنی کی طرف مائل ہے اس سے تو نفسِ امارہ بہتر ہے کیونکہ وہاں (یعنی حق تعالیٰ کے ہاں) کامل سلامتیٔ قلب طلب کرتے ہیں اور خلاصیٔ روح چاہتے ہیں، لیکن ہم کوتاہ اندیش روح اور قلب کی گرفتاری کے اسباب حاصل کرنے کی فکر میں رہتے ہیں۔ افسوس در افسوس۔ کیا کیا جائے ـــــــ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ (نحل آیت ۳۳) (اللہ تعالیٰ نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود ہی اپنے نفسوں پر ظلم کرتے ہیں)۔

دوسری بات یہ ہے کہ ظاہری ضعف و کمزوری کی طرف سے کوئی اندیشہ نہ کریں، انشاء اللہ تعالیٰ (یہ ضعف) صحت و عافیت سے تبدیل ہو جائے گا (راقم کا) دل اس طرف سے بالکل مطمئن ہے ـــــــ فقیر کا جامہ جو آپ نے طلب کیا تھا لہٰذا پیراہن (کرتہ) بھیج دیا گیا ہے، اس کو پہنیں اور اس کے ثمرات و نتائج کے منتظر رہیں کہ یہ پیراہن بہت برکت والا ہے ؎

ہر کس افسانہ بخواند افسانہ است ۔۔ وآنکہ دیدش نقدِ خود مردانہ است

(اس کو افسانہ تو ظاہر بیں کہے ۔۔ ہے حقیقت مردِ حق بیں کے لئے)

اور سلام ہو اس پر جس نے ہدایت کی پیروی کی اور حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کو اپنے اوپر لازم جانا۔

مکتوب ۱۶۷
صد و شصت و ہفتم

ہردئے رام[1] ہندو کی طرف جس نے اس عالی گروہ کے ساتھ اخلاص کا اظہار کیا تھا صادر فرمایا

ـــــــ حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی عبادت کی ترغیب میں جو تمام جہانوں کا پروردگار اور بے مثال و بے کیف ہے اور ہندوؤں کے باطل معبودوں کی عبادت سے پرہیز کے بارے میں۔

---

[1] تمام مکتوبات میں صرف یہ ایک مکتوب غیر مسلم ہندو ہردے رام کے نام ہے۔

تمہارے دونوں خط موصول ہوئے۔ دونوں سے فقراء کی محبت اور اس عالی گروہ سے عقیدت کا مفہوم ظاہر ہوا۔ کتنی بڑی نعمت ہے کہ کسی کو اس دولت سے نواز دیں۔ دوسری بات یہ ہے ع

من آنچہ شرط بلاغ است باتومی گویم تو خواہ از سخنم پند گیر خواہ ملال

(بس ادا ہے حق کے پہنچانے کا حق تجھ کو حاصل فائدہ ہو یا ملال)

جان لیں اور خبردار رہیں کہ ہمارا اور تمہارا بلکہ تمام کائنات کا خواہ آسمان ہوں یا زمینیں، ملائکہ علوی یا سفلیین (حیوانات وجمادات اور نباتات) سب کا پروردگار ایک ہی ہے، اور وہ بے چون و بے چگون (بے مثل و بے مثال) ہے اور شبہ (مثل) و مانند سے منزہ اور شکل و مثال سے مبرا ہے، کسی کا باپ یا فرزند ہونا اس تعالیٰ کی ذات کے لئے محال (ناممکن) ہے۔ ہمسری اور ہم مثل ہونے کو اس کی درگاہ میں کوئی گنجائش نہیں۔ اتحاد و حلول کا شائبہ بھی اس پاک ذات کی شان میں عیب ہے۔ اور کون و بروز (کسی چیز میں پوشیدہ ہو کر بیٹھ جانا اور کسی چیز میں اتر جانا) کا گمان اس پاک درگاہ کے لحاظ سے قبیح ہے وہ زمانی بھی نہیں کیونکہ زمانہ بھی اسی کی مخلوق ہے اور نہ وہ مکانی ہے کیونکہ مکان بھی اسی کا بنایا ہوا ہے، اس کے وجود کی کوئی ابتدا (آغاز) نہیں ہے اور نہ اس کی بقا کے لئے کوئی انتہا ہے۔ جو کچھ بھی خیر اور کمال ہے وہ اسی پاک ذات سے ثابت ہے اور جو کچھ نقص و زوال ہے اس بلند ذات سے مسلوب ہے لہذا عبادت کی مستحق اسی کی ذاتِ عالی ہے اور اسی کی پاک ذات پرستش کی سزاوار ہے۔

رام و کرشن اور ان کے مانند ہندوؤں کے جو دوسرے معبود ہیں سب اس کی کمترین مخلوقات میں سے ہیں اور وہ ماں باپ سے پیدا ہوتے ہیں۔ رام جسرت کا بیٹا، لچھمن کا بھائی اور سیتا کا شوہر جب رام اپنی بیوی کی حفاظت نہ کرسکا (بلکہ راون اس سے سیتا کو چھین کرلے گیا) تو وہ کسی دوسرے کی کیا امداد کرسکتا ہے ــــــ عقلِ دوراندیش سے کام لینا چاہئے اور ان کی تقلید پر نہیں جانا چاہئے، ہزاروں (نہایت) شرم کی بات ہے کہ کوئی عالموں کے پالنے والے کو رام اور کرشن کے نام سے یاد کرے ــــــ یہ اسی طرح کی بات ہے (جیسے) ایک عظیم الشان بادشاہ کو بے حیثیت یا خاکروب کے نام سے یاد کرے۔ رام اور رحمٰن کو ایک جاننا نہایت بے عقلی کی بات ہے۔ خالق اور مخلوق ایک نہیں ہوسکتے اور بے مثل ذات، مثل کے ساتھ متحد نہیں ہوسکتی ــــــ رام اور کرشن کی پیدائش سے پہلے پروردگارِ عالم کو رام و کرشن نہیں کہتے تھے۔ ان کی پیدائش کے بعد سے ان کو کیا ہوگیا کہ

حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے نام کا اطلاق رام وکرشن پر کرتے ہیں، اور کرشن ورام کی یاد کو پروردگار کی یاد یا ذکر جانتے ہیں۔ حاشا وکلاّ ثم حاشا وکلاّ (ہرگز ایسا نہیں ہے، ہرگز ایسا نہیں ہے)۔

ہمارے انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات جو تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار گذرے ہیں سب نے مخلوق کو خالق کی عبادت کی دعوت وترغیب دی ہے اور غیر اللہ کی عبادت سے منع فرمایا اور اپنے آپ کو عاجز بندہ سمجھا ہے اور حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی ہیبت وعظمت سے لرزاں وترساں رہے ہیں ــــــ (لیکن) اہلِ ہنود کے معبودوں نے مخلوق کو اپنی عبادت کی ترغیب دی اور اپنے آپ کو معبود سمجھا ہے، اگرچہ وہ بھی پروردگار کے قائل ہیں لیکن اپنے اندر اُس (تعالیٰ سبحانہٗ) کا حلول اور اتحاد ثابت کرتے ہیں اور اسی وجہ سے مخلوق کو اپنی عبادت کی دعوت دیتے ہیں اور اپنے آپ کو معبود گردانتے ہیں، اور بکثرت حرام چیزوں میں اس زعم وگمان کی وجہ سے مبتلا ہو گئے ہیں کہ معبودوں کے لئے کوئی چیز منع نہیں ہے، اپنی مخلوق میں جس طرح چاہیں تصرف کریں ــــــ اس قسم کے بکثرت فاسد خیالات رکھتے ہیں؛ ضَلُّوْا فَاَضَلُّوْا (یہ لوگ خود بھی گمراہ ہیں اور انھوں نے دوسروں کو بھی گمراہ کردیا) ــــــ برخلاف پیغمبران علیہم الصلوات والتسلیمات کے کہ انھوں نے جن چیزوں سے مخلوق کو منع کیا ان سے خود کو بھی پورے طور پر باز رکھا اور اپنے آپ کو دوسرے انسانوں کی طرح انسان ہی کہا۔ مصرع

ببیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بکجا (کہاں یہ راہ الگ اور کہاں وہ راہ الگ)

مکتوب ۱۶۸
صد و شصت و ہشتم

مخدوم زادہ خواجہ امکنگی[1] اعنی خواجہ محمد قاسم کے نام صادر فرمایا ــــــ سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ کے بلند مرتبہ ہونے اور اس جماعت کی شکایت کے بیان میں جنھوں نے اس طریقۂ شریفہ میں نئی نئی باتیں شامل کرلی ہیں اور اس کے مناسب بیان میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ وَاٰلِهِ الطَّاهِرِيْنَ اَجْمَعِيْنَ

(تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے اور پیغمبروں کے سردار حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] آپ کے نام پانچ مکتوبات ہیں تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو دفتر اول مکتوب ۹۰۔

اور ان سب کی پاک اولاد پر صلوٰۃ و سلام ہو) ——— اما بعد، اس کے بعد بہت سی دعائیں اور بیشمار تحیات عالی جناب مشائخ کرام کے سلسلوں کے مرکز اور اولیائے عظام کا نتیجہ، مخدوم زادہ جو سیدھی راہ پر قائم ہے، حق سبحانہٗ و تعالیٰ آپ کو سلامت اور قائم رکھے (آپ کی) خدمت شریف میں عرض کر کے اشتیاق اور آرزومندی کا اظہار کرتا ہے۔ شعر

کَیْفَ الْوُصُوْلُ اِلٰی سُعَادَ دُوْنَهَا قُلَلُ الْجِبَالِ وَدُوْنَهُنَّ حُیُوْفُ

(کیسے پہنچوں سعادؔ تک اے کعبؓ کس قدر خوفناک راہیں ہیں)

حضرت مخدوم زادہ کو معلوم ہو کہ اس طریقۂ عالیہ کی بزرگی اور طبقۂ نقشبندیہ کی رفعت سنت کے اہتمام اور بدعت سے اجتناب کی وجہ سے ہے، چنانچہ اس بزرگ ترین طریقے کے اکابرین نے ذکر جہر سے اجتناب فرما کر ذکر قلبی کو اختیار کیا ہے اور سماع، رقص و وجد و تواجد سے جو کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور خلفائے راشدین علیہم الرضوان کے زمانے میں نہ تھے ان سے منع فرمایا ہے۔ اور "خلوت نشینی" اور "چلہ کشی" جو کہ دعیاول میں نہ تھا اس کی بجائے "خلوت در انجمن" (یعنی مخلوق کے ساتھ رہ کر ذکر قلبی کرنے) کو اختیار کیا ہے پس اس کے التزام و پابندی پر بہت عظیم نتائج مرتب ہوئے ہیں اور اس (بدعت) کے اجتناب سے بہت زیادہ انعامات و فائدے حاصل ہوئے ہیں۔ اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ "نہایتِ دیگراں در بدایتِ ایں بزرگواراں مندرج است"۔ یعنی دوسروں کی انتہا ان بزرگوں کی ابتدا میں درج ہے ——— اور ان کی نسبت تمام نسبتوں پر غالب آگر ان کا کلام امراضِ قلبیہ کے لئے دوا، اور ان کی نظر باطنی اسباب کی شفا ہوگئی، اور ان کی زبردست توجہ نے طالبوں کو دونوں جہان کی گرفتاری سے نجات بخشی، اور ان کی بلند ہمت نے مریدوں کو دنیا کی اس پستی سے نکال کر وجوب کی بلندی تک پہنچا دیا ؎

نقشبندیہ عجیب قافلہ سالارانند کہ برند از رہِ پنہاں بہ حرم قافلہ را
از دلِ سالکِ رہ جاذبۂ صحبتِ شاں میبرد وسوسۂ خلوت و فکرِ چلہ را

ترجمہ
(نقشبندی عجیب ہوتے ہیں لے کے جائیں حرم وہ پوشیدہ
ان کی صحبت سے سالکوں کے لئے کچھ نہ ہو فکرِ خلوت و چلہ)

لیکن اس زمانے میں وہ نسبتِ شریفہ عنقاءِ مغرب (یعنی مخفی ہوگئی ہے اور پوشیدگی میں منہ چھپا لیا ہے (اس گروہ میں سے) ایک جماعت نے اس دولتِ عظمیٰ کے حاصل نہ ہونے اور اس نعمتِ عالیہ کے

فقدان کی وجہ سے چاروں طرف اپنے ہاتھ پاؤں مارے ہیں (یعنی متلاشی رہے ہیں) اور نفیس جواہر کو چھوڑ کر مٹی کی چند ٹھیکریوں کو حاصل کر کے خوش ہو گئے ہیں اور بچوں کی طرح اخروٹ و منقی پر مطمئن ہو گئے، اور اپنے بزرگوں کے طریقے کو چھوڑ کر کمال بیقراری اور حیرانی میں کبھی ذکر جہر سے تسلی حاصل کرتے ہیں اور کبھی سماع و رقص میں آرام ڈھونڈتے ہیں۔ چونکہ ان کو خلوت در انجمن میسر نہیں ہے اس لئے وہ خلوت کا چلہ اختیار کر لیتے ہیں ——— اور اس سے زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ انھوں نے ان بدعات کو اس نسبتِ شریفہ کا متمم و مکمل خیال کر لیا ہے اور اس بربادی کو عین آبادی سمجھ لیا ہے ——— حق سبحانہ وتعالیٰ ان کو صحیح اور غلط سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے، اور اس طریقہ کے اکابرین کے کمالات کی ذراسی خوشبو ان کی جان کے دماغ میں پہنچا دے، ن اور ص کی برکت اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی اولاد امجاد علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کے طفیل سے۔

اور چونکہ اس قسم کی باتیں ان شہروں میں اس حد تک پھیل گئی ہیں کہ انھوں نے اکابرین کے اصل طریقے کو پوشیدہ کر دیا ہے اور وہاں کے ادنیٰ و اعلیٰ نے نئے اور جدید طریقے اختیار کر لئے ہیں اور اصل اور قدیم طریقے سے منہ موڑ لیا ہے۔ لہذا دل میں یہ بات آئی کہ اس قصہ کا تھوڑا سا ماجرا اس عالی دربار کے خادموں کی خدمت میں ظاہر کرے اور اس طرح اپنے درد دل کو بیان کرے ——— مجھے معلوم نہیں کہ مخدوم زادہ کی مجلس میں کس گروہ کے لوگ ہمنشینی رکھتے ہیں اور محفل کا مونس و ہمدرد کس فرقے سے تعلق رکھتا ہے ؎

خوابم بشد از دیدہ درین فکر جگر سوز   کآغوش کہ شد منزل وآسائش خوابت

(بس اسی فکر میں ہے نیند حرام   کس کی آغوش میں ہے تیری نیند)

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ آپ کی پاک جناب کو ان عمومی آفات سے بچائے اور اپنی حفاظت میں رکھے اور آپ کی بلند چوکھٹ کو جملہ ابتلا سے محفوظ رکھے۔

میرے مخدوم ومکرم! لوگوں نے اس طریقۂ عالیہ میں نئی نئی باتوں اور بدعتوں کو اس قدر رواج دے رکھا ہے کہ اگر مخالف یہ کہیں کہ اس طریقہ میں تو بدعت کا التزام ہے اور سنت سے اجتناب تو اس بات کی گنجائش ہے ——— (ان بدعتوں میں سے ایک یہ ہے کہ) نمازِ تہجد کو جماعت کے ساتھ ادا کرتے ہیں اور اس بدعت کو سنتِ تراویح کی طرح مساجد میں رواج و رونق بخشتے ہیں، اور

اس عمل کو نیک عمل سمجھتے ہیں اور لوگوں کو اس کے لئے ترغیب دیتے ہیں، حالانکہ فقہاء شکر اللہ تعالیٰ سعیہم نے نوافل کو جماعت کے ساتھ ادا کرنے کو اشد مکروہ کہا ہے ــــــ اور فقہا کی ایک جماعت جنھوں نے تداعی کو جماعتِ نفل میں کراہت کی شرط قرار دیا ہے انھوں نے بھی نوافل کی جماعت کے جواز کے لئے یہ قید لگائی ہے کہ مسجد کے ایک گوشہ میں ہو لیکن تین۳ آدمیوں سے زیادہ کی جماعت کو بالاتفاق مکروہ فرمایا ہے۔

ــــــ اور اسی طرح یہ لوگ نمازِ تہجد کی تیرہ۱۳ رکعت اس طرح خیال کرتے ہیں کہ بارہ رکعتیں کھڑے ہوکر ادا کی جائیں اور دو رکعت بیٹھ کر تاکہ ایک رکعت کا حکم پیدا کرلیں کیونکہ ان کے نزدیک بیٹھ کر نماز پڑھنے کا ثواب کھڑے ہوکر پڑھنے سے آدھا ہے ــــــ حالانکہ اس طرح کا علم اور عمل بھی نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنّت کے خلاف ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو تیرہ رکعتیں ادا فرمائی ہیں ان میں وتر بھی شامل ہیں، اور نمازِ تہجد کی رکعتوں کا فرد اور طاق ہونا وتر کی رکعت کے طاق ہونے کی وجہ سے ہوا ہے نہ کہ اس طرح جیسا کہ ان لوگوں نے خیال کیا ہے ؎

اندکے پیش تو گفتم غمِ دل ترسیدم　　که دل آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است
(میں نے تھوڑا ہی سنایا ہے غمِ دل کہ کہیں　　تو نہ آزردہ ہو، گو بات بہت لمبی ہے)

تعجب ہے کہ ماوراء النہر کے شہروں میں جو کہ علماءِ اہلِ حق کے مراکز ہیں اس قسم کی بدعتیں رواج پا گئیں اور طرح طرح کی نئی نئی باتیں پیدا ہوگئیں، حالانکہ ہم جیسے فقیروں نے علوم شرعیہ کو انہی بزرگوں کی برکات سے استفادہ کیا ہے ــــــ اللہ سبحانہٗ ہی بہتری کی طرف الہام کرنے والا ہے۔

ــــــ اللہ تعالیٰ ہم کو اور آپ کو نبی کریم علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کی شریعت کے راستہ پر ثابت قدم رکھے اور اللہ تعالیٰ اس بندے پر رحم فرمائے جس نے آمین کہا۔

مکتوب ۱۶۹
صد و شصت و نہم

شیخ عبد الصمد سلطان پوری[۱] کی طرف صادر فرمایا ــــــ ان کے سوال کے جواب میں کہ کسی مرید نے اپنے پیر سے کہا کہ اگر میرے خاص وقت میں جبکہ میں حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ کے ساتھ

[۱] آپ کے نام صرف یہی ایک مکتوب ہے مزید حالات بھی معلوم نہ ہو سکے۔

ہوتا ہوں اگر آپ بھی درمیان میں آجائیں تو آپ کا سر تن سے جدا کردوں۔ اس کے پیر نے اس بات کو بہت پسند کیا اور خوش ہوکر مرید سے بغلگیر ہوگئے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہِ الطَّاھِرِیْنَ اَجْمَعِیْنَ ـــــــ مراسلۂ شریفہ، لطف و کرم سے بھرا ہوا نوازش نامہ موصول ہوکر فرحت و خوشی کا باعث ہوا۔ اس میں ایک سوال درج تھا ـــــــ میرے مخدوم! مقصدِ اقصیٰ (بہت دُور) اور مطلبِ اسنیٰ (روشن) یعنی اصل مقصد خداوند جل سلطانہٗ کی جنابِ قدس کا وصول ہے، لیکن چونکہ طالب شروع میں مختلف تعلّقاتِ شتّیٰ (پراگندہ) کی وجہ سے حد درجہ گندگی و پستی میں ہے، اور وہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ انتہائی پاکیزگی اور بے حد بلندی پر ہے، لہٰذا وہ مناسبت جو فیض دینے اور فیض حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے وہ طالب و مطلوب کے درمیان مسلوب (بند) ہے ـــــــ اس لئے راستہ جاننے والے پیر و مرشد کے بغیر چارہ نہیں، جو دونوں کے درمیان بمنزلہ برزخ (واسطہ) کے ہو اور دونوں جانب سے حظِّ وافر (بہت زیادہ حصہ) رکھتا ہو، تاکہ وہ طالب کو مطلوب تک پہنچانے کا ذریعہ بن سکے۔ اور جب طالب کو مطلوب کے ساتھ پوری مناسبت حاصل ہوجاتی ہے تو پیر اپنے آپ کو درمیان سے نکال لیتا ہے اور طالب کو مطلوب سے اپنے واسطہ کے بغیر واصل کرادیتا ہے ـــــــ لہٰذا شروع میں اور وسط میں (مرید) مطلوبِ حقیقی کو پیر کے آئینے کے بغیر نہیں دیکھ سکتا، اور انتہا میں پیر کے آئینے کے بغیر مطلوب کا جمال جلوہ گر ہوجاتا ہے اور بے پردہ وصل حاصل ہوجاتا ہے۔

اور یہ جو کہا ہے کہ پیر بھی اگر اس وقت آجائے تو اس کا سر تن سے جدا کردوں۔ یہ جملہ سُکر کی حالت میں کہا گیا ہے۔ اربابِ استقامت ایسا نہیں کہتے اور بے ادبی کا طریقہ اختیار نہیں کرتے، اور اپنی مرادوں کو پیر ہی کے ذریعے حاصل کرتے ہیں۔ والسلام۔

مکتوب ۱۷۰

صد و ہفتادم

شیخ نور[1] کی طرف صادر فرمایا ـــــــ اس بیان میں کہ جس طرح آدمی کے لئے حق جل و علا کے اوامر و نواہی کے بجالانے کے بغیر چارہ نہیں، اسی طرح مخلوق کے حقوق کی ادائیگی کی رعایت اور ان کے ساتھ ہمدردی کے بغیر چارہ نہیں ہے اور اس کے مناسب بیان میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی ـــــــ اے سعادتمند بھائی! آدمی کو جس طرح حق جل و علا کے اوامر کی فرمانبرداری اور نواہی سے اجتناب کے بغیر چارہ نہیں، اسی طرح مخلوق کے حقوق کی رعایت اور ہمدردی کے بغیر چارہ نہیں ہے ـــــــ اَلتَّعْظِیْمُ لِاَمْرِ اللّٰهِ وَالشَّفْقَةُ عَلٰی خَلْقِ اللّٰهِ[2] (اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعظیم اور اس کی مخلوق کے ساتھ مہربانی کرنا) یہ انہی دونوں حقوق کی رعایت کے بیان میں فرمائی گئی ہے، اور ان دونوں کی رعایت کرنا دینداری پر دلالت کرتا ہے۔ لہٰذا ان دونوں میں سے ایک پر انحصار کرنا کوتاہی ہے اور کُل کو چھوڑ کر جزو پر اکتفا کرنا درجۂ کمال سے دُور ہے۔ لہٰذا مخلوق کے حقوق کی ادائیگی کا بوجھ اُٹھانا بھی ضروری ہے اور ان کے ساتھ حُسنِ سلوک سے پیش آنا لازم ہے، ان سے بے التفاتی زیبا نہیں، اور ان سے لاپروائی درست نہیں ہے ؎

ہر کہ عاشق شد اگرچہ نازنینِ عالم است
نازکی کے راست آید بار می باید کشید

(عاشقی کو نازکی زیبا نہیں
ہے مشقت ہی مشقت کی یہ راہ)

چونکہ ایک مدت تک آپ صحبت میں رہے ہیں اور مواعظ و نصائح سُنے ہیں لہٰذا طوالتِ سخن سے اعراض کرتے ہوئے چند فقروں پر اکتفا کرتا ہوں۔ حق سبحانہٗ و تعالیٰ آپ کو اور ہمیں حضرت محمد مصطفیٰ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کی شریعت کے راستے پر ثابت قدم رکھے (آمین)

---

[1] شیخ نور، شیخ نور محمد، شیخ نور محمد بہاری، ایک ہی بزرگ معلوم ہوتے ہیں آپ کے نام چھ مکتوب ہیں، دفتر اول مکتوب ۱۷۰، ۲۲۰۔ دفتر دوم مکتوب ۳۴-۸۵۔ دفتر سوم مکتوب ۱۱۱-۱۲۳ پہلے آپ حضرت خواجہ باقی باللہؒ سے بیعت ہوئے پھر حضرت خواجہؒ نے آپ کو حضرت مجددؒ کے حوالہ کردیا۔ حضرت مجددؒ نے سلوک کی تکمیل کرا کر خلافت عطا فرمائی اور پٹنہ بھیجدیا۔

[2] یہ قول بعض عارفوں کا ہے جس کو ملا علی قاریؒ نے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں نقل کیا ہے۔

مکتوب ۱۷۱

ملا طاہر بدخشی[1] کی طرف صادر فرمایا ـــــــ اس بیان میں کہ جو کچھ فقراء پر لازم ہے وہ یہ ہے، کہ ہمیشہ فقر و عاجزی کے ساتھ رہنا، بندگی کے وظائف کو ادا کرنا، حدودِ شرعیہ کی حفاظت اور سنّتِ سنیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی متابعت کرنا اور اپنے گناہوں کے غلبہ کا مشاہدہ کر کے علام الغیوب کی باز پرس سے خائف رہنا اور اس کے مناسب بیان میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَاٰلِہِ الطَّاہِرِیْنَ ۝

جو کچھ ہم فقیروں پر لازم ہے (وہ یہ ہے کہ) ـــــــ (۱) ہمیشہ فقر کی حالت میں انکساری، گریہ زاری اور التجاء و عاجزی کے ساتھ رہنا ـــــــ (۲) اور وظائفِ عبودیت کی ادائیگی ـــــــ (۳) حدودِ شرعیہ کی محافظت ـــــــ (۴) اور نبی کریم علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کی روشن سنت کی متابعت ـــــــ (۵) تصحیحِ نیت (یعنی نیک کام انجام دیتے وقت رضائے الٰہی کی نیت رکھنا) ـــــــ (۶) اپنے باطن میں اخلاص اور اپنے ظاہر کو اطاعت میں مشغول رکھنا ـــــــ (۷) اپنے عیبوں پر نظر رکھنا ـــــــ اپنے گناہوں کے غلبہ کا مشاہدہ کر کے حق تعالیٰ علام الغیوب کی باز پُرس سے خائف رہنا ـــــــ (۹) اپنی نیکیوں کو کم سمجھنا اگرچہ زیادہ ہوں ـــــــ (۱۰) اپنے گناہوں کو زیادہ خیال کرنا اگرچہ تھوڑے ہوں ـــــــ (۱۱) مخلوق میں اپنے مقبول ہونے کی شہرت سے لرزاں و ترساں رہنا جیسا کہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے: بِحَسْبِ امْرِءٍ مِّنَ الشَّرِّ اَنْ یُّشَارَ اِلَیْہِ بِالْاَصَابِعِ فِیْ دِیْنٍ اَوْ دُنْیَا اِلَّا مَنْ عَصَمَہُ اللّٰہُ[2] (یعنی آدمی کی بُرائی کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ لوگ دین اور دنیا میں (شہرت کی بنا پر) اس کی طرف انگلیاں اٹھائیں مگر جس کو اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے) ـــــــ (۱۲) اپنے افعال و نیتوں کو ناقص سمجھنا اگرچہ وہ روزِ روشن کی طرح واضح ہوں ـــــــ (۱۳) اپنے احوال و مواجید پر عدمِ توجہ کرنا اگرچہ وہ درست اور

ثمرۂ نصائح

---

[1] آپ کے نام گیارہ مکتوبات ہیں، مختصر تذکرہ مکتوب ۱۲۲ کے فٹ نوٹ میں گذر چکا۔

[2] اس حدیث شریف کو بیہقیؒ نے شعب الایمان میں روایت کیا۔

مطابقِ (شریعت) ہی کیوں نہ ہوں ——— (۱۴) صرف دین کی تائید اور ملّت کی تقویت اور ترویجِ شریعت اور مخلوق کو حق جل وعلا کی طرف دعوت دینا (وغیرہ) ان پر کچھ اعتماد نہ کریں اور ان کو مستحسن نہ سمجھیں جبتک کہ سنت کی متابعت پر اس کی استقامت واضح نہ ہو جائے، کیونکہ اس طرح کی تائید کبھی کافر اور فاسق و فاجر سے بھی ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا إِنَّ اللّٰهَ لَيُؤَيِّدُ هٰذَا الدِّيْنَ بِالرَّجُلِ الْفَاجِرِ[۵۱] (بیشک اللہ تعالیٰ (کبھی) اس دین کی تائید فاسق فاجر آدمی سے بھی کرا دیتا ہے) ——— (۱۵) اگر کوئی مرید طلب کے ساتھ آئے اور مشغول رہنے کا ارادہ ظاہر کرے اس کو شیرِ ببر کی طرح سمجھنا چاہیئے، اور اس سے ڈرتے رہنا چاہیے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس سے (پیر کے لئے) خرابی مطلوب ہو اور یہ امر اس کے لئے استدراج نہ ہو جائے — اور اگر بالفرض کسی مرید کا آنا خوشی اور سرور کا باعث ہو تو اس کو کفر و شرک کی طرح بُرا جانیں اور اس کا تدارک استغفار و ندامت کے ذریعے اس حد تک کریں کہ فرحت و خوشی کا اثر بالکل زائل ہو جائے بلکہ خوشی کی بجائے غم اور خوف دل پر بیٹھ جائے ——— (۱۶) اور (اپنے خلفاء کو) اس کی تاکید کریں کہ مرید کے مال میں طمع اور دنیاوی منافع کی توقع ہرگز نہ رکھیں کیونکہ یہ بات مرید کی ہدایت میں رکاوٹ اور پیر کی خرابی کا باعث ہے کیونکہ وہاں (یعنی حق تعالیٰ کے ہاں) خالص دین کا مطالبہ ہے أَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ (سورۂ زمر ۳۹ آیت ۳) (آگاہ رہو کہ خالص دین اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے)۔ اس کی پاک جناب میں شرک کی کسی طرح بھی کوئی گنجائش نہیں ہے ——— (۱۷) اور جاننا چاہیے کہ ہر قسم کی ظلمت و کدورت (میل کچیل) جو دل پر طاری ہو جائے اس کا ازالہ توبہ و استغفار اور شرمندگی اور التجا کے ذریعے آسانی سے کیا جا سکتا ہے لیکن جو ظلمت و کدورت کمینی دنیا کی محبت کے راستے سے دل پر طاری ہو جاتی ہے وہ دل کو غلیظ اور ناپاک کر دیتی ہے اس کے دور کرنے میں بہت دشواری پیش آتی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحیح فرمایا حُبُّ الدُّنْيَا رَأْسُ كُلِّ خَطِيْئَةٍ (دنیا کی محبت تمام خطاؤں کی جڑ ہے) اللہ تعالیٰ ہم کو اور آپ کو دنیا کی محبت اور دنیاداروں کی محبت اور ان کے میل جول سے نجات دے کیونکہ یہ محبت زہرِ قاتل ہے اور ہلاک کرنے والا مرض ہے اور عظیم ترین بلا ہے اور پھیلنے والی بیماری ہے ——— اخوی ارشدی شیخ حمید خوشی کے ساتھ آپ کی طرف روانہ ہو چکے ہیں ان کی نئی تازی باتوں کو غور سے سنیں اور ان (کی صحبت) کو غنیمت جانیں، باقی بوقتِ ملاقات۔

---

[۵۱] اس روایت کی تخریج و تحقیق کے مکتوب ۳۳ ص ——— کا فٹ نوٹ ملاحظہ ہو۔

اشاریہ

(آیاتِ قرآنی)

احادیثِ نبویؐ

موسم

عبادات

معاملات

اقوالِ بزرگاں

مصطلحات

اسماء الرجال

اسماء الاشیاء

اسماء الکتب

اسماء البلاد

سنہ وماہ اور یوم

- ربیع الآخر : ۳۷
- جمادی الاولیٰ : ۳۴۵
- رجب ۳۴۶
- رمضان المبارک : ۳۷-۳۸- ۴۰-۱۶۵- ۱۶۷- ۱۶۸- ۳۲۵- ۳۵۸
- ذی الحجہ : ۷۷
- جمعہ : ۳۴۵
- ہزار سال ۱۱۱
- چالیس سال ۱۱۱

ادارۂ مجددیہ۔ ناظم آباد ۳ کراچی کی جملہ مطبوعات

- اثبات النبوۃ۔ (عربی مع اردو ترجمہ)۔ (از حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز)
- انوارِ معصومیہ۔ سوانح حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہ (از حضرت مولانا سید زوار حسین شاہ صاحب علیہ الرحمہ)
- حضرت مجدد الف ثانیؒ۔ سوانح حضرت مجدد الف ثانیؒ۔ ″ ″ ″
- حیاتِ سعیدیہ۔ سوانح حضرت خواجہ محمد سعید احمد پوریؒ۔ ″ ″ ″
- رسالہ تہلیلیہ۔ (عربی مع اردو ترجمہ) —— (از حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز)
- ریڈیو تقاریر۔ (از حضرت مولانا سید زوار حسین شاہ صاحب علیہ الرحمہ)
- زبدۃ الفقہ۔ حصہ اول۔ کتاب الایمان و کتاب الطہارۃ۔ ″ ″ ″
- ″ حصہ دوم کتاب الصلوٰۃ ″ ″ ″
- ″ حصہ سوم کتاب الزکوٰۃ و کتاب الصوم ″ ″ ″
- شرح رباعیات (فارسی مع اردو ترجمہ) (از حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز)
- طریقہ حج اور دعائیں۔ (از حضرت مولانا سید زوار حسین شاہ صاحب علیہ الرحمہ)
- عمدۃ السلوک ″ ″ ″
- عمدۃ الفقہ۔ حصہ اول۔ کتاب الایمان و کتاب الطہارۃ ″ ″ ″
- ″ حصہ دوم۔ کتاب الصلوٰۃ ″ ″ ″
- ″ حصہ سوم۔ کتاب الزکوٰۃ و کتاب الصوم ″ ″ ″
- ″ حصہ چہارم۔ کتاب الحج ″ ″ ″
- مبدأ و معاد۔ (فارسی مع اردو ترجمہ) (از حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز)
- معارفِ لدنیہ ″ ″ ″ ″
- مقاماتِ زواریہ۔ (سوانح حیات حضرت مولانا سید زوار حسین شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ)
- مکتوباتِ معصومیہ حصہ اول۔ اردو ترجمہ۔ مترجمہ ″ ″ ″ ″
- ″ حصہ دوم ″ ″ ″ ″ ″
- ″ حصہ سوم ″ ″ ″ ″
- ہدایت الطالبین۔ (فارسی مع اردو ترجمہ) مترجمہ حضرت ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب مدظلہ العالی

ادارۂ مجددیہ۔ ناظم آباد ۳ کراچی کی جملہ مطبوعات

- اثبات النبوۃ۔ (عربی مع اردو ترجمہ)۔ (از حضرت مجدد الفِ ثانی قدس سرہ العزیز)
- انوارِ معصومیہ۔ سوانح حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہ (از حضرت مولانا سید زوار حسین شاہ صاحب علیہ الرحمہ)
- حضرت مجدد الفِ ثانیؒ۔ سوانح حضرت مجدد الفِ ثانیؒ۔ 〃 〃 〃 〃
- حیاتِ سعیدیہ۔ سوانح حضرت خواجہ محمد سعید احمد پوریؒ۔ 〃 〃 〃 〃
- رسالہ تہلیلیہ۔ (عربی مع اردو ترجمہ) —— (از حضرت مجدد الفِ ثانی قدس سرہ العزیز)
- ریڈیو تقاریر۔ (از حضرت مولانا سید زوار حسین شاہ صاحب علیہ الرحمہ)
- زبدۃ الفقہ۔ حصہ اول۔ کتاب الایمان و کتاب الطہارۃ۔ 〃 〃 〃 〃
- 〃 حصہ دوم کتاب الصلوٰۃ 〃 〃 〃
- 〃 حصہ سوم کتاب الزکوٰۃ و کتاب الصوم 〃 〃
- شرحِ رباعیات (فارسی مع اردو ترجمہ) (از حضرت مجدد الفِ ثانی قدس سرہ العزیز)
- طریقہ حج اور دعائیں۔ (از حضرت مولانا سید زوار حسین شاہ صاحب علیہ الرحمہ)
- عمدۃ السلوک 〃 〃 〃
- عمدۃ الفقہ۔ حصہ اول۔ کتاب الایمان و کتاب الطہارۃ 〃 〃 〃
- 〃 حصہ دوم۔ کتاب الصلوٰۃ 〃 〃 〃
- 〃 حصہ سوم۔ کتاب الزکوٰۃ و کتاب الصوم 〃 〃 〃
- 〃 حصہ چہارم۔ کتاب الحج 〃 〃 〃
- مبدأ و معاد۔ (فارسی مع اردو ترجمہ) (از حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز)
- معارفِ لدنیہ 〃 〃 〃 〃 〃
- مقاماتِ زواریہ۔ (سوانح حیات حضرت مولانا سید زوار حسین شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ)
- مکتوباتِ معصومیہ حصہ اول۔ اردو ترجمہ۔ مترجمہ 〃 〃 〃 〃
- 〃 〃 حصہ دوم 〃 〃 〃 〃 〃 〃
- 〃 〃 حصہ سوم 〃 〃 〃 〃 〃 〃
- ہدایت الطالبین۔ (فارسی مع اردو ترجمہ) مترجمہ حضرت ڈاکٹر غلام مصطفٰی خاں صاحب مدظلہ العالی۔

لِلّٰہ الحمد ہر آں چیز کہ خاطر می خواست
آخر آمد ز پسِ پردۂ تقدیر پدید

مکتوباتِ حضرت مجدد الفِ ثانی

شیخ احمد فاروقی سرہندی قدس سرہ السامی

کے

دفتر اوّل (حصہ دوم)

(مکتوب ۱۴۲ تا ۳۱۳)

کا

اردو ترجمہ

مترجمہ

حضرت مولانا سیّد زوّار حسین شاہ صاحبؒ

ناشر

ادارۂ مجددیہ: ۵/۲، ایچ، ناظم آباد ۳، کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اِنَّ ھٰذِہٖ تَذْکِرَۃٌ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰی رَبِّہٖ سَبِیْلًا ۝

(بیشک یہ ایک نصیحت ہے پس جس کا جی چاہے (اس سے) اپنے رب کی طرف راستہ اختیار کرے)

مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی

شیخ احمد فاروقی سرہندی قدس سرہ السامی

کے

دفتر اوّل حصہ دوم

(مکتوب ۱۷۲ تا ۳۱۳)

کا

اردو ترجمہ

جس میں ہر مکتوب الیہ کا تذکرہ اور ان کے نام مکتوبات کی تفصیل، نیز مکتوبات شریفہ میں جن بزرگوں کا اسمِ گرامی آیا ہے ان کا تذکرہ بھی حاشیہ میں کردیا گیا ہے۔ اور مصطلحات کی تشریح اور احادیث شریفہ کی تخریج بھی دیدی گئی ہے۔ اور آخر میں اشاریہ بھی دیدیا ہے جو آیاتِ قرآنی، احادیث شریفہ، اقوالِ بزرگان، مصطلحات، اسماء الرجال، اسماء البلاد اور اسماء الکتب وغیرہ پر مشتمل ہے۔

مترجمہ

حضرت مولانا سید زوار حسین شاہ صاحب

ناشر

ادارۂ مجددیہ، ۲/۵، ایچ، ناظم آباد ۳، کراچی

مطبوعہ احمد برادرس پرنٹرس۔ ناظم آباد ۲، کراچی

۸۰/-

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

فہرستِ مضامین

پیش لفظ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ اما بعد الحمد للہ ثم الحمد للہ کہ محض حضرتِ حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے فضل وکرم سے حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی قدس سرہٗ السامی کے مکتوباتِ شریفہ دفترِ اوّل کا بقیہ اردو ترجمہ (از مکتوب ۲۰۷ تا ۳۱۳) ممکن خوبیوں کے ساتھ شائع کرنے کی سعادت حاصل ہو رہی ہے: ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰہُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ؎

جو کچھ ہوا، ہوا کرم سے تیرے   جو کچھ ہوگا تیرے کرم سے ہوگا

حضرت مجدد علیہ الرحمہ کا حُسنِ ذوق ملاحظہ ہو کہ آپ فرماتے ہیں کہ "اس دفتر کو اسی مکتوب پر ختم کریں تاکہ تین سو تیرہ (۳۱۳) کی رعایت ہو جائے کیونکہ یہ عدد پیغمبرانِ مرسل علیہم الصلوات والتسلیمات اور اہلِ بدر رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی تعداد کے موافق ہے"۔

حضرت مجدد قدس سرہ نے اگرچہ مکتوباتِ شریفہ میں بکثرت موضوعات کو حُسن وخوبی اور شرح وبسط کے ساتھ ذکر فرمایا ہے لیکن توحید ورسالت کی شہادت کے بعد نماز چونکہ دین کا اہم ستون ہے اور "الصلوٰۃ معراج المؤمن" اس کی فضیلت میں موجود ہے اس لئے آپؒ نے بھی نماز کے فضائل اور اس کے مخصوص کمالات سے متعلق چند مکتوب نہایت دلنشین انداز میں تحریر فرمائے ہیں لہذا جو حضرات اپنی نمازوں کو بہتر طریقے پر ادا کرنے کا ذوق رکھتے ہوں وہ مندرجہ ذیل مکتوبات (۲۰۱-۲۶۰-۲۶۱-۲۶۳-۳۰۳-۳۰۴-۳۰۵-۳۰۶) کا بہت غور سے مطالعہ فرمائیں۔ امید ہے کہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ان کا مطالعہ بیشمار روحانی سعادتوں کا ذریعہ بنا دے گا۔ حضرت مجدد علیہ الرحمہ خود فرماتے ہیں:۔

"مطالعۂ مکتوب را لازم گیرند کہ سود مند است" (۲۳۷)

جن بزرگوں نے ترجمہ وتصحیح میں سعی وکوشش فرمائی ہے عاجز ان سب حضرات کا تہِ دل سے مشکور ہے حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ ان سب کو دونوں جہان کی سعادتوں سے خوب خوب نوازے۔ آمین۔ آخر میں ناظرین سے درخواست ہے کہ جہاں جہاں غلطیاں اور کوتاہیاں عاجز سے ہوئی ہیں ان کی نشان دہی فرما کر ممنون فرمائیں تاکہ آئندہ اس کی اصلاح کر دی جائے۔ مزید دعائے خیر بھی فرمائیں کہ حق تعالیٰ بقیہ دونوں دفاتر کی اشاعت کی سعادت بھی اس عاجز مسکین کو عطا فرما کر حسنِ قبولیت سے نوازے۔ آمین۔ والسلام

احقر وعاجز   محمد اعلیٰ عفی عنہ

بروز دوشنبہ ۱۵ ذی الحجہ ۱۴۱۰ھ مطابق ۵ جولائی ۱۹۹۰ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مکتوب ۱۷۲

صد و ہفتاد و دویم

شیخ بدیع الدین[۱] کی طرف صادر فرمایا ـــــ بعض ایسے خاص اسرار کے بیان میں جو کہ خواص میں سے بھی بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتے ہیں، اور اس بیان میں کہ اس مقام میں عارف اپنے آپ کو دائرہ شریعت سے باہر محسوس کرتا ہے اس کا کیا سبب ہے؟ اور روشن شریعت کے ظاہر کے ساتھ اس کی مطابقت کرنے اور اس کے متعلقات کے بیان میں۔

شریعت کی صورت و حقیقت

حمد و صلوٰۃ کے بعد میرے عزیز بھائی کو معلوم ہو کہ شریعت کی ایک صورت ہے اور ایک حقیقت! صورت یہ ہے کہ جس کے بیان کے لئے علمائے ظاہر کفیل و ضامن ہیں، اور اس کی حقیقت وہ ہے جس کے بیان کے لئے صوفیائے عالی مقام ممتاز ہیں۔ صورتِ شریعت کے عروج کی انتہا ممکنات کے سلسلہ کی انتہا تک ہے، اس کے بعد اگر مراتبِ وجوب میں سیر واقع ہو تو صورت حقیقت کے ساتھ مل جائیگی اور یہ امتزاج (یعنی صورت و حقیقت کے ملنے کا معاملہ اُن کے

---

[۱] معارف آگاہ بیان شیخ بدیع الدین بن رفیع الدین بن عبد الستار انصاری سہارنپوری کے نام مکتوبات میں دس مکتوب ہیں دفتر اول میں مکتوب ۱۷۲-۱۹۲-۲۴۲-۲۵۲-۲۵۶-۲۷۶-۲۸۲- دفتر دوم میں ۱۶-۸۸- دفتر سوم ۶- آپ سہارنپور میں پیدا ہوئے وہیں پرورش پائی۔ ابتدائی تعلیم کے بعد حضرت مجددؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے درسی کتابیں پڑھیں اور طریقۂ نقشبندیہ حاصل کیا۔ بعد ازاں تکمیلِ سلوک کے بعد حضرت مجددؒ نے خلافت و اجازت سے سرفراز فرما کر سہارنپور روانہ کر دیا۔ آپ عالم، عامل، متقی، شیریں کلام اور صاحبِ کشف و کرامات اور معارف و بشارات تھے ـــــ کچھ عرصہ بعد حضرت مجددؒ نے آپ کو ارشاد و ہدایتِ طالبان کے لئے آگرہ بھیج دیا اور فرمایا کہ "وہاں استقامت سے کام لینا اور ہماری اجازت کے بغیر وہاں سے نہ آنا"۔ چنانچہ آپ آگرہ پہنچے اور وہاں بہت مقبول ہوئے لیکن بعض امورِ ممنوعہ کی اصلاح کی غرض سے وطنِ مالوف مراجعت کر آئے یہ بات حضرت مجددؒ پر بہت گراں گذری تو آپ نے آگرہ جانے کے لئے حضرت سے اجازت چاہی۔ حضرت مجددؒ نے فرمایا "وقت وہی تھا اب تمہاری مرضی"۔ چنانچہ آپ آگرہ روانہ ہو گئے۔ لیکن اب آپ کا وہاں ٹھہرنا مشکل ہو گیا بلکہ اس کا اثر حضرت مجددؒ پر بھی پڑا اور جہانگیر بادشاہ نے حضرت مجددؒ کو دربار میں طلب کر لیا اور آپ کی عظمت و شان کا علم نہ ہونے کی وجہ سے قید خانہ بھیج دیا۔ پھر ایک سال بعد رہائی کا حکم دیا اور مطیع و فرمانبردار بن گیا ـــــ شیخ بدیع الدین کو ان حالات کا سخت صدمہ ہوا اور سہارنپور آ گئے اور وہیں ۲۲ محرم ۱۰۴۲ھ میں وفات پائی۔

شان العلم (علم کی شان) کے عروج تک ہے جو سید البشر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کا مبدا تعین ہے اس کے بعد اگر ترقی واقع ہو تو صورت اور حقیقت دونوں الوداع (رخصت) ہو جائیں گے، اور عارف کا معاملہ شان الحیات (حیات کی شان) تک پہنچ جائے گا۔ اور اس عظیم الشان کی شان کا تعلق اِس عالَم سے کچھ بھی مناسبت نہیں رکھتا بلکہ یہ "شیوناتِ حقیقیہ" سے ہے جس کو نسبت کی گرد بھی نہیں پہنچی تاکہ عالم (دنیا) کے ساتھ اس کا تعلق پیدا ہو اور یہ شان مقصود کا دروازہ اور مطلوب کا پیش خیمہ ہے۔ اس مقام پر عارف اپنے آپ کو شریعت کے دائرہ سے باہر پاتا ہے لیکن چونکہ وہ محفوظ ہوتا ہے اس لئے شریعت کے دقائق (اسرار) میں سے کسی دقیقہ کو بھی فروگذاشت نہیں کرتا (یعنی شریعت کا پابند رہتا ہے) ——— وہ جماعت جو اس دولتِ عظمیٰ سے مشرف ہوتی ہے وہ اقلِ قلیل (بہت کم) ہے، اگر اس کی تعداد کو شمار کریں تو اقلِ قلیل لوگ ہی (شاید) اس کو قبول کریں۔ اور صوفیا میں سے ایک بڑی تعداد ہے جو اس عالی مقام کے ظل (سایہ) تک پہنچے ہیں، کیونکہ ہر عالی مقام کے لئے اس کے نیچے اس کا ایک ظل سافل (کمتر درجہ) ہے اس مقامِ عالی کے ظلال سے انھوں نے گمان کر لیا ہے کہ شریعت کے دائرہ سے باہر قدم رکھا گیا ہے اور پوست سے ترقی کر کے مغز تک پہنچ گئے ہیں۔ یہ مقام صوفیہ کے قدموں کے لغزش (پھسلنے) کی جگہ ہے ——— ناقصوں کی ایک جماعت اس راہ کو اختیار کر کے الحاد و زندقہ (بے دینی) میں جا گرے ہیں اور روشن شریعت کے پٹہ کو اپنی گردن سے نکال پھینکا ہے، ضَلُّوْا فَاَضَلُّوْا (خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا)۔

اور کامل حضرات کی ایک جماعت جو ولایت کے درجات میں سے کسی درجہ سے مشرف ہوئی ہے اور اس معرفت کو اس عالی مقام کے ظلال میں سے کسی ظل میں حاصل کیا ہے اگرچہ وہ اس کے اصل مقام تک نہیں پہنچے ہیں لیکن وہ (بھٹکنے سے) محفوظ ہیں اور انھوں نے آدابِ شریعت میں سے کسی ایک ادب کو بھی فروگذاشت کرنا پسند نہیں کیا۔ اور اگرچہ وہ اس معرفت کے راز کو نہیں جانتے اور اس معاملہ کی حقیقت کو نہیں سمجھتے ——— اور جب اس فقیر پر اللہ سبحانہ کی عنایت اور اس کے حبیب علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے صدقہ میں اس معما کا راز منکشف ہو گیا ہے اور اس معاملہ کی حقیقت جیسا کہ چاہئے تھا وضاحت کے ساتھ ظاہر ہو گئی ہے تو اس کا تھوڑا سا حصہ معرضِ بیان میں لاتا ہے ممکن ہے کہ (یہ تحریر) ناقصوں کو راہِ راست پر لے آئے اور کاملوں پر حقیقتِ معاملہ واضح ہو جائے۔

جاننا چاہئے کہ تکلیفاتِ شرعیہ (شرعی پابندیوں) کا تعلق قالب اور قلب (جسم اور دل) سے مخصوص ہے، چونکہ نفس کا تزکیہ انہی دونوں پر موقوف ہے۔ اور لطائف میں سے وہ لطیفے جو دائرۂ شریعت سے باہر قدم رکھتے ہیں وہ ان کے علاوہ ہیں (یعنی لطائفِ اربعہ، روح، سر، خفی اور اخفیٰ)۔ لہذا جو لطیفہ احکامِ شرعیہ کا مکلف (پابند) ہے وہ ہمیشہ پابند رہے گا اور جو (لطیفہ) پابند نہیں ہے وہ کبھی پابند نہ ہوگا ـــــ اور بات کا خلاصہ یہ ہے کہ سلوک سے پہلے یہ لطائف ایک دوسرے سے مخلوط تھے قلب سے جدا نہیں تھے، جب سیر و سلوک نے ہر ایک کو دوسرے سے جدا کر دیا اور ہر ایک کو اپنے اصلی مقام پر پہنچا دیا اس وقت معلوم ہوا کہ کون مکلف ہے اور کون غیر مکلف۔

سوال: اگر کوئی یہ کہے کہ اس مقام میں عارف خود اپنے قالب و قلب کو دائرۂ شریعت سے باہر پاتا ہے اس کی کیا وجہ ہے؟ ـــــ جواب: میں کہتا ہوں کہ وہ یافت تحقیقی نہیں ہے بلکہ خیالی ہے اور اس تخیل کا منشا قلب اور قالب کو ان لطائفِ (اربعہ) کے رنگ میں رنگنا ہے جنھوں نے قدم باہر نکالا ہے ـــــ اگر لوگ کہیں کہ شریعت کی ظاہری پابندیوں کا تعلق قلب و قالب کے ساتھ مخصوص ہے؟ لیکن شریعت کی حقیقت کو ماورائے قلب بھی گنجائش ہے لہذا مطلق شریعت سے باہر قدم رکھنا کیا معنی رکھتا ہے ـــــ میں کہتا ہوں کہ حقیقتِ شریعت بھی روح اور سِر سے آگے نہیں گذرتی اور خفی و اخفیٰ تک نہیں پہنچتی۔ اور جن لوگوں نے قدم باہر رکھا ہے حقیقت میں وہ خفی و اخفیٰ والے ہی ہیں۔ اور اللہ سبحانہٗ ہی حقیقت حال کو بہتر جانتا ہے۔ اللہ سبحانہٗ ہم کو اور تمام مسلمانوں کو سید المرسلین علیہ و علیہم و علی آلہ الصلوات والتسلیمات اتمہا و اکملہا کی متابعت میں ثابت قدم رکھے (آمین)۔

مکتوب ۱۷۳
صد و ہفتاد و سیوم

میر محمد نعمان[1] کی طرف صادر فرمایا ـــــ اس سوال کے جواب میں جو انھوں نے کیا تھا اور بعض عجیب و غریب اسرار کے بیان میں جو کلمہ طیبہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کی نفی و اثبات سے متعلق ہیں۔

حمد و صلوٰۃ کے بعد جناب سیادت پناہ کو معلوم ہو کہ آپ نے دریافت کیا تھا کہ جو کچھ دید و دانش[2] (دیکھنے

---

[1] آپ کے نام تینتیس ۳۳ مکتوبات ہیں اور آپ کا تعارف دفتر اول کے مکتوب ۱۱۹ میں ملاحظہ فرمائیں۔
[2] حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ فرماتے ہیں "جو کچھ دیکھا جاتا ہے سنا جاتا ہے غیر حق ہے کلمہ لا سے نفی کرنی چاہیے"۔

اور سمجھنے) میں آئے اس کی کلمہ "لا" کے ساتھ نفی کرنا ضروری ہے کیونکہ مطلوبِ مثبت (اصل مقصود یعنی ذاتِ حق)
دید و دانش سے ماورا (بلند و بالا) ہے۔ لہٰذا یہاں یہ بات لازم ہو جاتی ہے کہ مشہودِ محمد رسول اللہ صلی اللہ
تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بھی نفی کے شایاں ہو اور مطلوبِ مثبت اس کے ماوراء میں متحقق ہو ———

اے برادر! حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بھی اس قدر عالی شان مرتبہ کے باوجود بشر تھے اور حدوث و امکان (لازمۂ بشریت) کے بشری نشان (داغ) سے متصف تھے، بشر، خالق البشر جل سلطانہ کی حقیقت کیا معلوم کر سکتا ہے اور ممکن (یعنی انسان) واجب تعالیٰ کی نسبت کیا اخذ کر سکتا ہے اور حادث (پردۂ خفا سے وجود میں آنے والا) قدیم جلت عظمتہ کا کس طرح احاطہ کر سکتا ہے کیونکہ وَلَا يُحِيطُونَ بِهٖ عِلْمًاه (طٰہٰ ۲۰ آیت ۱۱۰) (اور اُس کو اِن (لوگوں) کا علم احاطہ نہیں کر سکتا) نصِّ قاطع ہے۔ شیخ عطارؒ فرماتے ہیں ؎

نمی بینی کہ شاہے چوں پیمبر　　نیافت او فقرِ کل تو رنج کم بر
نبیؐ کو علمِ واجب کب مِلا سب؟　　تو پھر ہم تم اسے کیا پائیں گے کب؟

اے عزیز! یہ مقام تفصیل طلب ہے لہٰذا ہوش کے کان سے سننا چاہئے۔

جاننا چاہئے کہ کلمۂ طیبہ "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ" کے دو مقام ہیں "نفی اور اثبات"۔ پھر نفی اور اثبات میں سے ہر ایک کے دو اعتبار ہیں ——— اعتبارِ اول: یہ کہ باطل معبودوں کی عبادت کے استحقاق کی نفی کی جائے اور معبودِ برحق کی عبادت کے استحقاق کا اثبات کیا جائے[1] ——— دوسرا اعتبار یہ ہے کہ غیر مقصودہ مقصودات (ناشائستہ ارادوں) کی اور غیر مطلوبہ مطلوبوں (تعلقات) کی بھی نفی کی جائے، اور مطلوبِ حقیقی کے علاوہ کسی چیز کا اثبات نہ کیا جائے اور نہ کوئی اصل مقصود ہو[2] ——— اور اعتبارِ اول میں ابتدائی کمال یہ ہے کہ جو کچھ بھی معلوم اور ظاہر ہوا ہے سب "لا" کے تحت داخل ہو جائے اور اثبات کی جانب میں کلمۂ مستثنیٰ (اللہ) کے علاوہ کوئی چیز بھی ملحوظ نہ رہے۔ چند بار کے بعد جب بصیرت میں گرمی پیدا ہو جائے اور راہِ مطلوب کی خاک کے سرمہ سے سرمگیں ہو جائے تو مستثنیٰ (اللہ) بھی مستثنیٰ منہ کی شکل میں ظاہر ہو جاتا ہے۔ اس طرح سالک اپنے آپ کو اس مشہود کے ماوراء میں گرفتار پاتا ہے اور مطلوب کو اس کے باہر تلاش کرتا ہے، کیونکہ اس کمال کی ابتدا میں جو کچھ لا کے تحت داخل کیا تھا وہ سب ممکنات کے دائرہ سے متعلق تھا جو عبادت کا استحقاق نہیں رکھتا تھا اور اس کلمہ طیبہ کے تکرار کی برکت سے اس معبود سے جو مستحق عبادت ہے جدا ہو گیا تھا لیکن ضعفِ بصیرت کی وجہ سے وجوب کے مرتبہ کو جو شایانِ عبادت ہے

---

[1] یعنی لا الٰہ الا اللہ بمعنی لا معبود الا اللہ ہو [2] لا الٰہ الا اللہ بمعنی لا مقصود الا اللہ ہو۔

کلمہ "اِلّا" کے ساتھ ثابت کر کے نہیں دیکھتا تھا اور کلمہ مستثنیٰ (اللہ) کو زبان سے ادا کرنے کے سوا کچھ نصیب نہیں ہوا تھا، لیکن بعد میں بصیرت کی قوت کی وجہ سے مستثنیٰ بھی مستثنیٰ منہ کے رنگ میں ظاہر ہو گیا۔ اور جبکہ مرتبۂ وجوب جو تمام اسماء و صفاتِ الٰہی جل سلطانہٗ کا جامع ہے اور سالک کی ہمت جو ذاتِ احدیتِ مجردہ سے متعلق ہے اس مقام میں عبادت کا استحقاق بھی عبادت کے عدمِ استحقاق کی طرح راستے میں رہ جاتا ہے، اس لئے وہ اپنے مقصود کو اسماء و صفات سے ماوراء میں تلاش کرتا ہے اور اس کے ماسوا کی گرفتاری سے کنارہ کشی اختیار کرتا ہے ؎

۱۔ چو دل با دلبرے آرام گیرد	ز وصلِ دیگرے کے کام گیرد
۲۔ ہنی صد دستہ ریحاں پیشِ بلبل	نخواہد خاطرش جز نکہتِ گل
۳۔ زمہر آتش چو در نیلو فر افتد	تماشائے مہش کے در خور افتد
۴۔ چو خواہد تشنہ جانے شربتِ آب	نیفتد سود مندش شکرِ ناب
۱۔ ملے دلدار سے جب دل کو آرام	اُسے اَوروں کے ملنے سے ہو کیا کام؟
۲۔ اگر بلبل کو ریحاں دیجئے خوب	گلاب اس کو فقط ہوتا ہے مرغوب
۳۔ جو نیلوفر کو حاصل دھوپ ہو گی	نہیں اس کو ضرورت چاندنی کی
۴۔ اگر پیاسا کہے ہے آب دو آب	غلط ہے اس کو دینا شکرِ ناب

اور اعتبارِ ثانی جس کا مقصود، مقصوداتِ غیر مقصودہ (یعنی غیر مطلوب مطلوبوں) کی نفی ہے، اس کا کمال یہ ہے کہ مرتبۂ وجوب کا شہود بھی مراتبِ امکان کے شہود کے رنگ میں لا کے تحت داخل ہو جائے اور اثبات کی جانب سوائے کلمہ مستثنیٰ (اللہ) زبان سے ادا کرنے کے کوئی چیز ملحوظ نہ ہو ؎

چہ گویم باتو از مرغِ نشانہ	کہ با عنقا بود ہم آشیانہ
ز عنقا ہست نامے پیشِ مردم	ز مرغِ من بود آں نام ہم گم
(ترجمہ) بتاؤں کیا تجھے اس مرغ کا حال	وہ عنقا کا ہوا ہم آشیانہ
سبھی کہتے ہیں عنقا، گو ہے معدوم	مگر اس کا نہیں کچھ نام معلوم

اور حق بات یہ ہے کہ بلند فطرت اور عالی ہمت اسی قسم کے مطلب کی خواہاں ہے کہ اس سے کچھ بھی ہاتھ نہ آئے بلکہ اس کی گرد بھی دامنِ ادراک تک نہ پہنچے ـــــــ اور آخرت میں دیدار (الٰہی) کا ہونا

برحق ہے، لیکن اس (کی کیفیت) کا تصور مجھے جامہ سے باہر کردیتا ہے[۵] ــــــ لوگ آخرت میں دیدار کے وعدہ سے مسرور و محظوظ ہیں اور میری گرفتاری غیب الغیب ذات کے سوا کچھ نہیں (بلکہ) پوری ہمت اس کی خواہاں ہے کہ مطلوب سرِمو بھی پردۂ غیب سے شہادت میں نہ آئے اور گوش سے آغوش تک بھی نہ پہنچے، اور سامانِ علم سے عین تک نہ پہنچے (یعنی دکھائی نہ دے) کیا کیا جائے میری خلقت ہی ایسی ہے

ع ہر کسے را بہر کارے ساختند (ترجمہ) ہر کسی کو کام کوئی ہے سپرد

میں اگرچہ اس مقام میں بہت دیوانگیاں رکھتا ہوں لیکن ادب لب کشائی کی اجازت نہیں دیتا۔ ع

جُنُوْنِیْ مِنْ حَبِیْبٍ ذِیْ فُنُوْنٍ (مری دیوانگی محبوب سے ہے)

؎ عمر بگذشت و حدیثِ درد ما آخر نشد شب بآخر شد کنوں کوتاہ کنم افسانہ را

عمر گذری، عشق کا افسانہ جاری ہے ابھی رات گزرے ہے تو اب کرتا ہوں اس میں کچھ کمی

اور حضرت محمد مصطفےٰ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات انتہا و اکملہا پر اور ہدایت کی پیروی کرنے والوں پر اور ان کی متابعت کا التزام کرنے والوں پر سلام ہو۔

مکتوب ۱۷۴

صد و ہفتاد و چہارم

خواجہ محمد اشرف کابلی[۱] کی طرف صادر فرمایا ــــــ اس بیان میں کہ اس راہِ (سلوک) کے دیوانوں کو اتنی سی معیت کے ساتھ تسلّی حاصل نہیں ہوتی، اور اس قُربِ نُما بعد سے تسکین نہیں پاتے، وہ ایسا قُرب چاہتے ہیں جو بُعد نما (بظاہر دُوری) ہو اور ایسا وصل جو ہجر نُما ہو۔ اور اس واقعہ کے بیان میں جو (انھوں نے) تحریر کیا تھا وہ جِنّ کا ظہور تھا اور اس کا باطل تصرف (جھوٹا غلبہ) تھا۔

عزیز بھائی کا پیارا مکتوب موصول ہوا۔ چونکہ وہ خط فقراء کی محبت اور اس جماعتِ عالیہ سے التجا و درخواست پر مبنی تھا خوشی کا باعث ہوا۔ اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ[۲] (آدمی اسی کے ساتھ ہے جس سے وہ محبت کرتا ہے) کو نقدِ وقت (وقت کا تقاضا) جانیں۔ لیکن یہ بھی اچھی طرح جان لیں کہ اس راہِ طریقت کے دیوانوں کو اتنی سی معیت سے تسلّی حاصل نہیں ہوتی اور اس قربِ نما بعد سے تسکین نہیں پاتے، وہ ایسا

---

[۱] آپ کے نام دس مکتوبات ہیں اور مختصر تذکرہ دفتر اول مکتوب ۱۳۱ صفحہ ۳۱۸ پر ملاحظہ ہو۔ [۲] بخاری و مسلم۔

[۵] یعنی مومنین کو حق تعالیٰ کا جنت میں ہر روز فرقِ مراتب کے باوجود دیدار کرنا حق ہے۔ مزید تفصیل جلد ثالث مکتوب ۴۴ میں ملاحظہ کریں۔

قُرب چاہتے ہیں جو بُعد نما (بظاہر دُوری) ہو اور[4] ایسا وصل چاہتے ہیں جو ہجر کے مانند ہو۔ وہ تسویف[3] و تاخیر (ٹال مٹول) کو جائز قرار نہیں دیتے، بیکاری[4] اور دیر لگانے کو قبیح و مکروہ خیال کرتے ہیں، اور[5] وقت کی دولت کو بیہودہ باتوں میں صرف نہیں کرتے اور[6] عمر کے سرمایہ کو بے فائدہ ملمع سازیوں پر ضائع نہیں کرتے، اور[7] عمدہ چیز کو چھوڑ کر خراب چیز کی طرف مائل نہیں ہوتے اور[8] (حق تعالیٰ کی) پسندیدہ چیز کو چھوڑ کر غضب کی ہوئی چیز کو اختیار نہیں کرتے، اور[9] مرغن و شیریں لقموں پر اپنے آپ کو فروخت نہیں کرتے، باریک[10] و خوشنما کپڑوں کے لئے غلامی کی لذت حاصل نہیں کرتے۔ وہ شرم[11] کرتے ہیں کہ تختِ شاہی (دل) کو تعلقاتِ (دنیاوی) کی نجاستوں سے آلودہ کریں، اور[12] (اس بات سے) عار کرتے ہیں کہ خداوند جل سلطانہٗ کی ملکیت میں لات و عزیٰ کو شریک کریں ——— اے بھائی! یہاں (بارگاہِ خداوندی میں) "دینِ خالص" چاہتے ہیں: اَلَا لِلّٰهِ الدِّیْنُ الْخَالِصُ (زمر ۳۹ آیت ۳) (آگاہ رہو کہ خالص عبادت صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے)۔ (اس راہ کے لوگ) شرکت کے غبار کو برداشت نہیں کرتے: لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ (زمر ۳۹ آیت ۶۵) (اگر تم نے شرک کیا تو ضرور تمہارے عمل ضائع ہو جائیں گے) ——— تھوڑی دیر اپنے اندر غور کریں اگر "دینِ خالص" میسر ہو گیا ہے تو آپ کے لئے خوشخبری ہے اور اگر نہیں تو واقعہ کا علاج وقوع سے پہلے پہلے کرنا چاہئے۔

جو واقعہ آپ نے لکھا تھا وہ جنّ کا ظہور اور اس کا باطل تصرف تھا۔ اس قسم کا ظہور اور اس کا تصرف طالبانِ حق پر اکثر ہوتا رہتا ہے، کوئی فکر کی بات نہیں: اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا (نساء ۴ آیت ۷۶) (بیشک شیطان کا مکر کمزور ہے)۔ اگر پھر اس قسم کا واقعہ ظاہر ہو تو کلمہ تمجید: لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ[1] (نہ طاقت ہے اور نہ قوت مگر اللہ تعالیٰ بلند مرتبہ عظمت والے کے ساتھ) کی تکرار سے اس مفسد کو دفع کریں ——— وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِيْمَاتُ اَتَمُّهَا وَاَكْمَلُهَا (اور حضرت محمد مصطفےٰ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات اتمہا واکملہا کی ہدایت پر چلنے والوں اور آپؐ کی متابعت کو لازم جاننے والوں پر سلام ہو)

جن کا تصرف دفع کرنے کے لئے کلمہ تمجید کا تکرار کریں۔

---

[1] حصن حصین میں حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کلمہ کی تفسیر میں فرمایا ہے "اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچ نہیں سکتے مگر اللہ تعالیٰ کی حفاظت سے۔ اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر کوئی قوت حاصل نہیں مگر اللہ تعالیٰ کی مدد سے۔ اور اس کے ساتھ وَلَا مَنْجَا مِنَ اللّٰهِ اِلَّا اِلَيْهِ (اور اللہ تعالیٰ سے بھاگ کر کہیں نہیں جا سکتے مگر اللہ تعالیٰ ہی کی طرف) ملا لیا کرو کیونکہ یہ جنت کے خزانوں میں کا ایک خزانہ ہے۔

مکتوب ۱۷۵

صد و ہفتاد و پنجم

حافظ محمود[1] کی طرف صادر فرمایا —— احوال کی تلوینات اور تمکین کے حصول میں اور حدیث لِی مَعَ اللّٰہِ وَقْتٌ کے معنی کے بیان میں۔

برادر گرامی کا مکتوب شریف موصول ہوا۔ (جس میں) آپ نے اپنے احوال کی تلوینات (تبدیلیوں) کا جو مختصر تذکرہ کیا تھا، (اس کے متعلق) جاننا چاہیئے کہ سالکوں کو خواہ وہ ابتدا میں ہوں یا انتہا میں، احوال کی تلوینات کے بغیر چارہ نہیں۔ اس بارے میں حاصل کلام یہ ہے کہ اگر وہ تلوین (احوال کی تبدیلی) قلب پر ہے تو وہ سالک اربابِ قلوب (اہلِ دل) سے ہے اور ابن الوقت (زمانہ ساز) کے نام سے موسوم ہے، اور اگر قلب تلوین سے نکل گیا اور احوال کی غلامی سے آزاد ہو کر مقامِ تمکین و اطمینان میں پہنچ گیا تو اس وقت احوالِ متلونہ کی کیفیات نفس پر وارد ہوں گی جو کہ قلب کے مقام پر اس کی خلافت کے طور پر بیٹھا ہوا ہے، اور یہ تلوین، تمکین کے حاصل ہونے کے بعد ہے اور اس تلوین والے کو اگر ابو الوقت کہیں تو جائز ہے، اور اگر محض اللہ جل سلطانہٗ کے فضل و کرم سے نفس بھی ان تلوینات سے گزر جائے اور تمکین و اطمینان کے مقام پر پہنچ جائے تو اس وقت تلوینات قالب (جسم) پر وارد ہوتی ہیں جو امورِ مختلفہ (عناصر اربعہ) سے مرکب ہے، یہ تلوین دائمی ہے، کیونکہ تمکین، قالب کے حق میں متصور نہیں ہے اگرچہ وہ لطائف میں سے الطف لطیفہ (خفی و اخفیٰ) کے رنگ میں رنگا ہوا ہو، کیونکہ وہ تمکین جو اس رنگین ہونے کے راستہ سے قالب پر آتی ہے وہ بطریقِ تبعیت (اتباع کے طور پر) ہے، اور احوالِ متلونہ کا وارد ہونا بطریقِ اصالت ہے، اور اعتبار اصل کا ہوتا ہے نہ کہ فرع اور تابع کا۔ اور اس مقام والا اخص الخواص میں سے ہے اور حقیقت میں ابو الوقت بھی یہی شخص ہو سکتا ہے۔

اور آں سرورِ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کی حدیث شریف لِی مَعَ اللّٰہِ وَقْتٌ الخ[2] (یعنی میرے لئے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک ایسا وقت بھی ہوتا ہے جس میں کوئی مقرب فرشتہ اور کوئی نبی مرسل میرے ساتھ شریک نہیں ہو سکتا) جو آپ نے نقل کی ہے اس کا مطلب ایک جماعت نے اس "وقت" سے دائمی وقت مراد لیا ہے اور دوسری جماعت نے ایک

---

[1] آپ کے نام تین مکتوبات ہیں دفتر اول مکتوب ۱۴۴ - ۱۷۵ - ۲۸۰ - لہذا آپ کا مختصر تعارف مکتوب ۱۴۴ کے فٹ نوٹ میں ملاحظہ فرمائیں۔
[2] اس حدیث کی تخریج وغیرہ دفتر اول مکتوب ۹۹ ص ۲۷۵ پر ملاحظہ ہو۔

خاص وقت مراد لیا ہے کیونکہ بعض لطائف کی نسبت (یعنی روح، سر، خفی اور اخفیٰ سے) بطریق استمرار (دائمی) ہے اور بعض (لطائف) کی نسبت ندرت (قلت وکمی) لہٰذا دونوں میں کوئی تعارض اور مخالفت نہیں ہے — غرض یہ کہ اپنے ظاہر کو شریعتِ مطہرہ سے آراستہ کر کے باطنی (قلب و نفس) سبق کے تکرار پر مداومت اختیار کریں ؎

اندریں بحر بے کرانہ چو غوک ۔۔۔ دست وپائے بزن چہ دانی بوک

(ترجمہ) ہے بڑا یہ بحر ناپیدا کنار ۔۔۔ مثل مینڈک تو ہاتھ پاؤں کو مار

اخوی اعزی مولانا محمد صدیق آگرہ میں (مقیم) ہیں ان کی ملاقات کو غنیمت سمجھیں۔

مکتوب ۱۷۶

صد و ہفتاد و ششم

ملا محمد صدیق[1] کی طرف صادر فرمایا —— اس بیان میں کہ اپنے اوقات کی حفاظت اس راہِ (طریقت) کی ضروریات میں سے ہے تاکہ بے فائدہ کاموں میں ضائع نہ ہوں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى (حدیث شریف میں ہے) مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ اِشْتِغَالُهٗ بِمَا يَعْنِيْهِ وَاِعْرَاضُهٗ عَمَّا لَا يَعْنِيْهِ[2] (انسان کے حسنِ اسلام کی علامت یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو بامقصد کاموں میں مشغول رکھے اور لایعنی بیکار باتوں سے پرہیز کرے)۔ لہٰذا اپنے اوقات کی حفاظت کے بغیر چارہ نہیں تاکہ بیکار باتوں میں ضائع نہ ہوں۔ "شعر خوانی اور قصہ گوئی" کو دشمنوں کا حصہ سمجھ کر خاموشی (مراقبہ) اور اپنی باطنی نسبت کی حفاظت میں مشغول رہنا چاہیے —— اس راہِ سلوک میں دوستوں کا (ایک جگہ) جمع ہونا باطن کے اطمینان کے حصول کے لئے ہے نہ کہ پراگندگیٔ خاطر کے لئے۔ لہٰذا انجمن (اجتماع) کو گوشہ نشینی پر ترجیح دی گئی ہے۔ اور جمعیتِ (قلب) کو اجتماع میں تلاش کیا ہے۔ وہ اجتماع جو تفرقے کا باعث ہو اس سے پرہیز لازم ہے۔ باطنی جمعیت (اطمینان) کے لئے جو کچھ مل جائے مبارک ہے اور اگر میسر نہ ہو تو وہ منحوس و نامبارک ہے (غرض) اس طرح زندگی گذارنی چاہیے کہ پاس بیٹھنے والے بھی صحبت و مجلس سے جمعیتِ قلب حاصل کریں نہ کہ اس میں پراگندگی و افتراق کا اضافہ ہو۔ اپنی زندگی کی کتاب کے اوراق کو بار بار ملاحظہ کرنا چاہیے اور باتیں بنانے کی نسبت خاموش رہ کر اپنا محاسبہ کرنا چاہیے، اب شعر و شاعری کا وقت نہیں ہے اور نہ بیت بازی کا ع

چہ وقتِ مدرسہ و بحثِ کشف و کشاف است ۔۔۔ (اب مدرسہ کا اور کشف و کشاف کی بحثوں کا وقت نہیں ہے) والسلام

---

[1] آپ کے نام بارہ مکتوبات ہیں آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۱۳۲ صہ ۳۲۱ کے فٹ نوٹ میں ملاحظہ ہو —— [2] یہ حدیث اختلافِ الفاظ کے ساتھ دفتر اول مکتوب ۱۵۷ صہ ۳۲۸ پر گزر چکی ہے تخریج وہاں ملاحظہ ہو۔

مکتوب ۱۷۷
صد و ہفتاد و ہفتم

جمال الدین حسین بدخشی[1] کی طرف صادر فرمایا ـــــ اہلِ سنت وجماعت شکر اللہ تعالیٰ سعیہم کی صائب آراء کے مطابق عقائد کی تصحیح کرنے کی ترغیب میں۔

خواجہ جمال الدین حسین! اپنے عنفوانِ شباب (آغازِ جوانی) کو غنیمت جانیں اور حتی الامکان اُس کو حق تعالیٰ جل وعلا کی رضامندی کے کاموں میں صرف کریں۔ یعنی سب سے پہلے اپنے عقائد کو اہلِ سنت وجماعت شکر اللہ تعالیٰ سعیہم کی صائب آراء کے تقاضوں کے مطابق درست کریں ـــــ دوسرے یہ کہ احکام شرعیہ فقہیہ کے مطابق عمل کریں ـــــ تیسرے یہ کہ طریقۂ عالیہ صوفیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے طریقۂ سلوک کو اختیار کریں ـــــ جس کو ان سب باتوں پر عمل کی توفیق حاصل ہوگئی وہ دونوں جہان میں کامیاب ہوگیا اور جو ان سے محروم رہا وہ بڑے خسارے میں پڑ گیا۔

خواجہ محمد صالح کے بیٹوں کی خدمت کو سعادتِ عظمیٰ جانیں، کیونکہ وہ خدمت حقیقت میں خواجہ مذکور (محمد صالح) کی امداد واعانت ہی ہے کہ وہ مقبول بندوں میں سے ہیں۔ مصرع

دادیم ترا زِ گنجِ مقصود نشاں (گنجِ مقصود کا پتا یہ ہے) والسلام

مکتوب ۱۷۸
صد و ہفتاد و ہشتم

مرزا مظفر[2] کی طرف صادر فرمایا ـــــ ایک شخص کی سفارش اور سید عالمیان وخلاصۂ آدمیان علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کی متابعت کی ترغیب میں۔

حق تعالیٰ سید المرسلین علیہ وعلیٰ آلہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کے طفیل آپ کو اجرِ عظیم عطا فرمائے، آپ کے کاموں کو آسان فرمائے اور آپ کے سینہ کو کھول دے ـــــ جو حضرات اخلاقِ نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے متخلّق ہیں ان کو اس بات کی طرف توجہ دلانے کی کیا ضرورت ہے کہ وہ کسی کے ساتھ

※ مکتوبات کی تفصیل یہ ہے: دفتر اول ۱۱۳-۱۷۷-۲۲۳- دفتر دوم ۳۱- دفتر سوم ۵۶-۸۱۰

※ [1] جمال الدین حسین بدخشی، کولابی وغیرہ کے نام چند مکتوبات ہیں گمان ہوتا ہے کہ آپ حضرت میرزا حسام الدین احمد کے صاحبزادے ہیں۔

[2] آپ کے نام دو مکتوبات ہیں ایک یہی اور دوسرا دفتر دوم مکتوب ۷۵۔ آپ کے حالات معلوم نہ ہو سکے۔

احسان اور حسنِ معاشرت سے پیش آئیں، بلکہ بہت ممکن ہے کہ ایسی رہنمائی و دلالت سوءِ ادبی میں داخل ہو جائے ـــــ مختصر یہ کہ آدمی ضرورت کے وقت ہر معمولی سے معمولی چیز کا سہارا تلاش کرتا ہے اور ہر کمزور ولاغر سے اپنی تسلی حاصل کرتا ہے، اس بنا پر فقیر آپ کے سامنے سائلوں اور محتاجوں کی تسلی اور دستگیری کا مسئلہ پیش کرنے کا باعث بنا۔

ہمسایوں کے حقوق کی تاکید

میرے مخدوم و مکرم! احسان ہر جگہ اور ہر موقع پر لائقِ تحسین ہے، خاص طور پر اس جماعت کے ساتھ احسان کرنا بہت ہی اچھا ہے جو ہمسائیگی کا حق رکھتے ہیں۔ حضرت رسالت خاتمیت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات ہمسایوں کے حقوق کی ادائیگی میں اسقدر مبالغہ فرماتے تھے کہ اصحاب کرامؓ کو یہ گمان ہونے لگتا کہ شاید آپ پڑوسیوں کو میراث میں بھی داخل فرما دیں گے۔[1] مثنوی

چوں چنیں با یک دگر ہمسایہ ایم ــ تو چو خورشیدی و ما چوں سایہ ایم

چہ بدے اے مایۂ بے مایگاں ــ گر نگہداری حقِ ہمسایگاں والسلام

جبکہ ہم سب ایک ہیں، ہم سایہ ہیں
تم ہو سورج اور سب ہم سایہ ہیں
کیا ہو اے مایۂ بے مایگاں
گر ہو ملحوظ اب حقِ ہمسایگاں

مکتوب ۱۷۹
صد و ہفتاد و نہم

میر عبداللہ ابن میر محمد نعمان[2] کی طرف نصیحت کے بارے میں صادر فرمایا۔

میرے فرزندِ عزیز کو اس کے نام کے مطابق (اللہ تعالیٰ کا) بندہ بننے کی توفیق عطا فرمائے ـــــ (اول یہ کہ) جوانی کے زمانے کو غنیمت جان کر علومِ شرعیہ کے حاصل کرنے اور ان علوم کے مطابق عمل کرنے میں مشغول رہیں، اور اس بات کا اہتمام کریں کہ یہ عمرِ عزیز بیکار باتوں میں صرف نہ ہو، اور لہو و لعب میں ضائع نہ ہو ـــــ دوسری بات یہ ہے کہ تمہارے والد بزرگوار ان شاء اللہ تعالیٰ چند روز بعد تمہارے پاس پہنچ جائیں گے۔ ان کے پہنچنے تک متعلقین کی پورے طور خبرگیری رکھیں۔ مصرع[3]

پدر خویش باش اگر مردی ــ (بس باپ کی جگہ پہ کرو کام باپ کا) والسلام

---

[1] قال المعرب اخرجہ الطبرانی فی مکارم الاخلاق عن امامۃ الباہلی یعنی ابو امامہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میں تمہیں پڑوسی کے بارے میں وصیت کرتا ہوں۔ آپؐ نے اتنی کثرت سے فرمایا جیسے کہ پڑوسی کو وارث بنا دیں گے۔ اور حافظ ابن حجرؒ نے اسی کے مثل حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے فتح الباری میں روایت کیا۔

[2] آپ کے نام صرف یہی ایک مکتوب ہے مزید حالات معلوم نہ ہو سکے۔

[3] سے مصرع [illegible]

مکتوب ۱۸۰

صد و ہشتادم

مخدوم زادہ امکنگی یعنی خواجہ ابوالقاسم[1] کی طرف صادر فرمایا ـــــــ ان پیروں کے اسماء کے استفسار میں جن میں تردد پیدا ہو گیا تھا۔

میرے مخدوم و مکرم! جو کچھ ہمارے حضرت خواجہ محمد باقی علیہ الرحمہ سے ان پیروں کے اسمائے گرامی کی تحقیق میں ہم تک پہنچا ہے وہ یہ ہے کہ حضرت مولانا خواجہ امکنگی[2] اور حضرت خواجہ احرارؒ[3] کے درمیان دو بزرگ گذرے ہیں، ایک (حضرت خواجہ امکنگیؒ کے والدِ بزرگوار حضرت مولانا درویش محمدؒ[4] اور دوسرے مولانا محمد زاہدؒ[5] جو حضرت مولانا درویش محمدؒ کے ماموں ہیں۔

کچھ عرصہ ہوا کہ مشیخت پناہ خواجہ خاوند محمودؒ[6] اس علاقہ میں تشریف لائے تھے، انھوں نے پہلی ہی ملاقات میں حضرت مولانا مذکور (درویش محمدؒ) کا ذکر شروع کر دیا اور فرمایا کہ وہ کسی سے مجاز نہ تھے اسی وجہ سے وہ شروع میں مرید نہ کرتے تھے، لیکن آخر عمر میں انھوں نے شیخی (پیری مریدی) شروع

---

[1] آپ کے نام پانچ مکتوبات ہیں دفتر اول مکتوب ۹۰-۱۵۰-۱۶۸-۱۸۰- دفتر دوم مکتوب ۴۷- آپ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ کے پیر و مرشد حضرت خواجہ امکنگی قدس سرہ کے صاحبزادے ہیں۔

[2] آپ حضرت مولانا درویش محمدؒ کے صاحبزادے اور جانشین ہیں۔ حضرت خواجہ نقشبندؒ کے بالکل قدم بقدم تھے۔ ولادت سنہ ۹۱۸ھ اور وفات سنہ ۱۰۰۸ھ میں ہوئی مزار مبارک موضع امکنہ میں ہے جو بخارا سے تین میل پر واقع ہے۔

[3] حضرت مولانا عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا یعقوب چرخیؒ کے اجل خلفا میں سے ہیں۔ آپ اس صدی کے مجدد تھے، بادشاہِ وقت آپ کا مرید تھا اس سب کے باوجود آپ نے ہمیشہ کاشتکاری کے پیشہ پر اپنی گزر بسر رکھی۔ آپ کے اوصاف و کرامات اور خرقِ عادات بیشمار ہیں۔ آپ کے کئی فارسی رسالے مشہور ہیں۔ ولادت رمضان المبارک سنہ ۸۰۶ھ باغستان علاقہ تاشقند میں ہوئی اور وفات شب شنبہ ۲۹ ربیع الاول سنہ ۸۹۵ھ کو ہوئی، مزار مبارک سمرقند میں ہے۔

[4] آپ حضرت مولانا محمد زاہدؒ کے ہمشیرہ زادے یعنی بھانجے ہیں اور اعظم خلفا میں سے ہیں اپنے زمانے کے یکتائے روزگار تھے، آپ کی وفات ۱۹ محرم سنہ ۹۷۰ھ میں ہوئی۔ مزار مبارک موضع اسقرہ متصل شہر سبز علاقہ ماوراء النہر میں ہے۔

[5] آپ حضرت خواجہ عبید اللہ احرارؒ کے اجل خلفا میں سے ہیں۔ آپ کا سلوک ایک ہی مجلس میں تکمیل پا گیا۔ آپ سے بکثرت لوگوں نے فیض حاصل کیا۔ وفات غرہ ربیع الاول سنہ ۹۳۶ھ میں ہوئی۔ مزار مبارک موضع وخش از ملکِ حصار میں ہے۔

[6] آپ کا نسب چھ واسطوں سے خواجہ عطارؒ سے مل جاتا ہے۔ آپ کا مزار لاہور میں انجینرنگ یونی ورسٹی کے جانبِ شمال بیگم پورہ میں ہے۔

کر دی تھی ــــــ (جواب میں) کہا گیا کہ وہ بزرگ تھے، اور ماوراء النہر کے تمام لوگ ان کی بزرگی کے قائل تھے، وہ ہرگز اس بات کو پسند نہیں کر سکتے تھے کہ ابتدا یا آخر (عمر) میں بغیر اجازت کے کسی کو مرید کریں اس قسم کا عمل خیانت میں داخل ہے۔ ایک کم درجے کے مسلمان پر بھی اس قسم کا گمان نہیں کیا جا سکتا چہ جائیکہ اکابرِ دین پر (ایسا گمان کیا جائے)۔

اس کے بعد خواجہ خاوند محمودؒ نے فرمایا کہ ایک روز مولانا (درویش محمدؒ) خواجہ کلاں دہ بیدی (مضافاتِ سمرقند) کی خدمت میں تشریف لے گئے (اس وقت) وہ خربوزہ کھا رہے تھے۔ مولانا نے (بھی) خربوزہ کی خواہش کی۔ انھوں نے فرمایا آپ کا خربوزہ تمام (یعنی پختہ) ہو گیا۔ مولانا نے فرمایا آپ گواہی دیتے ہیں کہ ہمارا خربوزہ تمام ہو چکا یعنی درجۂ کمال کو پہنچ چکا)۔ انھوں نے جواب دیا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ کا خربوزہ تمام ہے ــــ اس وقت سے مولانا نے مرید کرنا شروع کر دیا ــــــــ یہ نقل بھی بعید از قیاس معلوم ہوتی ہے کہ صرف اس بنیاد پر مولانا اپنے آپ کو شیخ تصور کریں اور مرید کرنے کے درپے ہو جائیں ــــــ اس کے بعد خواجہ خاوند محمود نے فرمایا کہ ان دو۲ بزرگوں کے نام جو حضرت مولانا (درویش محمدؒ) اور حضرت خواجہ احرارؒ کے درمیان نقل کئے جاتے ہیں اور دو نام بتائے جاتے ہیں درست نہیں ہے اور دوسرے نام بھی بتائے اور یہ بھی کہا کہ مولانا درویش محمدؒ کو اپنے ماموں سے کوئی نسبت حاصل نہیں بلکہ کسی دوسرے شخص سے ہے۔

اُن کی ان باتوں سے بہت تعجب ہوا (اس لئے) مجبوراً آپ کو تکلیف دی جاتی ہے کہ ان دو۲ بزرگوں کے ناموں کی تحقیق کر کے لکھیں کہ کسی کو شک و شبہ کی گنجائش نہ رہے، اور اجازت کے واقعہ کو لکھنے کی کیا ضرورت ہے ان کی بزرگی ہی خود معتبر گواہ ہے۔ تاہم اگر (اجازت کے متعلق بھی) لکھیں تو بہتر ہے تاکہ طعنہ دینے والوں کی زبان بند ہو جائے ــــــ یہ معلوم نہ ہو سکا کہ خواجہ خاوند محمود کی ان پریشان کُن باتوں سے کیا مقصد تھا۔ اگر اُن کا مقصد ان بے سرمایہ فقراء کی زوردار طریقے پر نفی کرنا تھی، کیونکہ پیر کی نفی سے مرید کی نفی لازم آتی ہے تو ہم بے سروسامان فقیروں کی نفی کے بہت سے طریقے ہیں اس کی کیا ضرورت تھی کہ ان بزرگوں کی نفی کی جائے۔ اور اگر ان کا مقصود کچھ اور تھا اور صرف ان ہی دو بزرگوں کی نفی مقصود تھی تو بھی غیر مستحسن ہے جیسا کہ یہ بات ادنیٰ سمجھ رکھنے والے پر بھی پوشیدہ نہیں۔ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ[1] بِحُرْمَةِ سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ عَلَيْهِ وَعَلَيْهِمْ وَعَلٰى اٰلِهِ الصلوات والتسليمات والسلام على من اتبع الهدى۔ [1] آل عمران ۳ آیہ ۸

مکتوب ۱۸۱

صدور شناد و یکم

حضرت مخدوم زادہ اعنی میاں خواجہ محمد صادق[1] کی طرف صادر فرمایا اللہ تعالیٰ ان کو دوستوں کے سروں پر سلامت اور باقی رکھے۔ اُن کے اس سوال کے جواب میں کہ اس کا کیا سبب ہے کہ میں مشائخ کی ایک جماعت کو دیکھتا ہوں کہ قرب الٰہی جل شانہٗ کے مراتب میں ادنیٰ درجہ رکھتی ہے لیکن زہد و توکل وغیرہ میں ان کے درجات بہت بلند ہیں، اور اسی طرح (مشائخ کی) دوسری جماعت کو دیکھتا ہوں کہ مراتبِ قرب میں فوقیت رکھتی ہے لیکن مذکورہ مقامات میں تنزل، اور اس کے مناسب بیان میں۔

میرے فرزند ارشد محمد صادق نے دریافت کیا کہ اس کا کیا سبب ہے کہ میں مشائخ کی ایک جماعت کو دیکھتا ہوں کہ قربِ الٰہی جل سلطانہٗ کے مراتب میں ادنیٰ درجہ رکھتی ہے حالانکہ مقاماتِ زہد و توکل اور صبر و رضا میں ان کے درجات بہت بلند معلوم ہوتے ہیں اور مشائخ کی دوسری جماعت کو دیکھتا ہوں کہ وہ درجۂ قرب کے مراتب میں بلند درجہ رکھتے ہیں لیکن مقاماتِ زہد و توکل وغیرہ میں ان کے قدم نیچے ہیں۔ اور یہ بات طے شدہ ہے کہ جس قدر یقین اتم ہوگا اسی قدر مقامات اکمل ہوں گے، اور یقین کا اتم ہونا جنابِ قدس خداوندی جل شانہٗ کی قربت کی وجہ سے ہے۔ لہٰذا یہ بات چند امور سے خالی نہیں معلوم ہوتی، یا تو ہماری کشفی نظر خطا کرتی ہے کہ قریب کو بعید اور بعید کو قریب جانتے ہیں، یا ان مقامات کی اکملیت کا سبب یقین سے بالاتر کوئی بات ہے، یا یقین کا قرب پر مترتب ہونا منحصر نہیں ہے۔

ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ یقین قرب پر مرتب ہے یعنی جتنا قرب زیادہ ہوگا اتنا ہی یقین بھی زیادہ ہوگا، اور ان مقامات کی اکملیت کا سبب بھی یقین کی اتمیت پر ہے اور کوئی وجہ نہیں، نظرِ کشفی بھی صحیح ہے ـــــ خلاصہ یہ ہے کہ قرب کا حصول اس (حق تعالیٰ) کی مہربانیوں میں سے الطفِ لطائف (سب سے بڑی مہربانی) ہے۔ لہٰذا یقین بھی اسی کے مطابق حاصل ہوتا ہے۔ کیونکہ ان مقامات کی اکملیت کا مرتب ہونا یقین کی اتمیت پر منحصر ہے اس لئے وہ بھی ان ہی بزرگوں کو حاصل ہو سکتا ہے کہ کسی بزرگ نے باوجود قلتِ قرب کے مقاماتِ الطفِ لطائف میں رہ کر درجہ حاصل کیا ہو اور لطائف کے کشف کی طرف رجوع نہ کیا ہو، اور مذکورہ مقامات میں زیادہ کامل ہو اس بزرگ سے جو مقامِ قرب کا

---

[1] آپ کا تذکرہ آئندہ صفحہ پر ملاحظہ ہو۔

زیادہ حاصل ہے اور زیادہ کثیف لطیفہ کے ساتھ کہ جو لطیفۂ قالب ہے رجوع کیا ہو، کیونکہ جب لطیفۂ قالب اس قرب سے محروم ہے تو یقین بھی اس کے نصیب میں نہیں ہوگا لہذا ان مقامات کی اکملیت کہاں سے پیدا کرے گا۔ اور اگر کوئی بزرگ اس لطیفہ کی طرف رجوع ہو گیا تو وہ اس لطیفہ کا حکم پیدا کرے گا اور دوسرے لطائف کے یقینیات جو پہلے حاصل ہو گئے تھے سب پنہاں ہو گئے ہوں بخلاف اس بزرگ کے جس کا رجوع قالب کی طرف متوجہ نہیں ہوا تو اس کا حکم بھی الطفِ لطائف کے حکم میں ہے۔ اس کے حق میں قرب و یقین استقامت رکھتے ہیں اور وہ اس سے پوشیدہ نہیں ہوئے ہیں۔ پس لازماً وہ مذکورہ مقامات میں اکمل و اتم ہو گیا۔

اطمینانِ قلب طلب کرنے کا راز

لیکن جاننا چاہئے کہ صاحبِ رجوع جس طرح یقین اور قرب میں اکمل ہے اسی طرح مقامات میں بھی اکمل ہے لیکن اس کے یہ کمالات پوشیدہ رکھے جاتے ہیں اور دعوتِ خلق کی خاطر عوام کی مناسبت کے حصول کے لئے اس کے ظاہر کو عوام الناس کے ظاہر کی طرح فائدے اور فیض کا باعث بنا دیتے ہیں، یہ مقام اصالۃً انبیاءِ مرسل علیہم الصلوات والتسلیمات کا ہے، یہی وجہ ہے کہ حضرت ابراہیم خلیل الرحمٰن علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے دل کا اطمینان طلب کیا اور یقین حاصل کرنے میں عوام الناس کی طرح ظاہری نگاہ سے دیکھنے کے محتاج ہوئے۔ اور حضرت عزیر علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی فرمایا: اَنّٰی یُحْیٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا (بقرہ ۲ آیت ۲۵۹) (اللہ تعالیٰ اس بستی کو موت کے بعد کیسے زندہ کریگا) ——— اور جس نے رجوع نہیں کیا اور اپنے یقین سے یہ کہا کہ "اگر (غیب کے) تمام حجابات اٹھا دیئے جائیں تو بھی میرے یقین میں اضافہ نہیں ہوگا"۔ ——— اگر یہ ثابت ہو جائے کہ یہ کلام حضرت امیر (علی) کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کا ہے تو یہ اس بات پر محمول کیا جائیگا کہ آپ کا یہ کلام رجوع الی الخلق سے پہلے کا ہے کیونکہ رجوع کے بعد صاحبِ رجوع عوام الناس کی طرح یقین کے حصول میں دلائل و براہین کا محتاج ہے ——— اس درویش کو رجوع سے پیشتر علمِ کلام کے تمام معتقدات ظاہر ہو گئے تھے اور ان معتقدات کے یقین کو محسوسات کے یقین سے زیادہ پاتا تھا، لیکن رجوع کے بعد وہ یقین پوشیدہ ہو گیا اور عوام الناس کی طرح دلائل و براہین کا محتاج ہو گیا۔ ع

چنانکہ پرورشم می دہند می رویم (جس طرح پالتے ہیں پلتا ہوں میں) والسلام

(بقیہ از صفحہ گذشتہ) آپ کے نام پانچ مکتوبات ہیں دفتر اول ۱۸۱-۲۰۸-۲۳۴-۲۳۶-۲۶۰- آپ حضرت مجددؒ کے بڑے صاحبزادے اور اولیاءِ کبار میں سے تھے، بچپن ہی سے کشفِ قلوب اور کشفِ قبور میں نہایت عالی نظر تھے۔ اس غلبہ کے باوجود علوم عقلیہ و نقلیہ میں ماہر ہوئے۔ ولادت ۱۰۰۰ھ میں اور وفات ۱۰۲۵ھ میں ہوئی۔ (مفصل حالات کیلئے ہماری تالیف "حضرت مجدد الف ثانی" ملاحظہ ہو)

مکتوب ۱۸۲

صد و ہشتاد و دوم

مُلّا صالحؒ[1] کولابی کی طرف صادر فرمایا ـــــ اس حدیثِ نبوی علیہ وعلیٰ آلہٖ الصلوٰۃ والسلام کے بیان میں جس میں صحابہ کرامؓ نے اپنے بُرے خطرات (وساوس) کی شکایت کی تھی آپؐ نے جواب میں فرمایا "یہ کمالِ ایمان میں سے ہے" اور اس کے مناسب بیان میں۔

درویشوں کی ایک جماعت بیٹھی ہوئی تھی (اتفاق سے) طالبانِ طریقت کے خطرات و وساوس کے بارے میں گفتگو شروع ہو گئی۔ اسی ضمن میں ایک حدیث کا ذکر آیا کہ ایک روز حضرت خیر البشر علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کے اصحاب کرامؓ میں سے بعض نے آں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنے بُرے خطرات (وساوس) کی شکایت کی۔ آں سرور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ذٰلِکَ مِنْ کَمَالِ الْاِیْمَانِ[2] (یہ کمالِ ایمان میں سے ہے) ـــــ اس وقت اس حدیث کے معنی اس فقیر کے دل میں اس طرح آئے ـــ اور حقیقتِ حال کو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ہی زیادہ جانتا ہے ـــ کہ کمالِ ایمان سے مراد کمالِ یقین ہے اور کمالِ یقین کمالِ قرب پر مترتب ہے، اور قلب اور اس سے اوپر کے لطائف (روح، سر، خفی اور اخفیٰ) کو قربِ الٰہی جل شانہٗ جسقدر زیادہ حاصل ہوگا اسی قدر ایمان و یقین بھی زیادہ ہوگا، اور قالب کے ساتھ اس کی بے تعلقی زیادہ ہو جائے گی۔ اس وقت خطرات قالب میں بہت زیادہ ظاہر ہوں گے اور بہت نامناسب وسوسے نمایاں ہوں گے۔ پس لازماً بُرے خطرات کا سبب کمالِ ایمان ہوگا ـــــ لہٰذا نہایت النہایت کے منتہی کو خطرات جسقدر زیادہ اور نامناسب ہوں گے ایمان کی اکملیت اسی قدر زیادہ ہوگی کیونکہ کمالِ ایمان اس امر کا مقتضی ہے کہ تمام لطائف سے الطف لطیفہ کو لطیفۂ قالب کے ساتھ کامل بے مناسبتی ہو، اور یہ بے مناسبتی جسقدر زیادہ ہوگی قالب اسی قدر زیادہ خالی اور ظلمت و کدورت سے زیادہ نزدیک ہوگا اور اس میں خطرات و وساوس اسی قدر زیادہ ہوں گے بخلاف مبتدی اور متوسط کے کہ اس قسم کے خطرات ان کے لئے زہرِ قاتل اور باطنی مرض کو زیادہ کرنے والے ہیں، فَلَا تَکُنْ مِّنَ الْقَاصِرِیْنَ۔

۱؎ آپ کے نام دس مکتوبات ہیں اور تذکرہ دفتر اول مکتوب ۱۶۱ پر ملاحظہ ہو۔

۲؎ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کے بعض اصحاب نے عرض کیا کہ ہم اپنے دلوں میں ایسی بات پاتے ہیں کہ جس کے متعلق بات کرنا بھی ہم کو بھاری معلوم ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا کیا واقعی ایسا ہے؟ صحابہؓ نے عرض کیا جی ہاں۔ آپ نے فرمایا

(پس تو (ہمارے کلام کے سمجھنے میں) قصور کرنے والوں میں سے نہ ہو) ——— یہ معرفت اس فقیر کے دقیق معارف میں سے ہے ——— اور سلام ہو اس پر جس نے ہدایت کی پیروی کی اور حضرت محمد مصطفےٰ علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام کی تابعداری اپنے اوپر لازم کی۔

مکتوب ۱۸۳

صد و ہشتاد و سوم

ملا معصوم کابلی[1] کی طرف نصیحت کے طور پر صادر فرمایا۔

حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ حضرت محمد مصطفےٰ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کے راستے پر استقامت فرما کر کلی طور پر اپنے جنابِ قدس کی گرفتاری نصیب فرمائے ——— امید ہے کہ مختلف تعلقات اور پراگندہ توجہات جو کہ آپ کے اوپر بظاہر غلبہ پا گئے ہیں باطنی نسبت میں ملا تع نہیں ہوں گے۔ اور باوجود اس کے کوشش فرمائیں کہ ظاہری حالات کے متفرق ہونے میں بھی کمی آجائے، ایسا نہ ہو کہ وہ باطن میں سرایت کر جائے اور اصل مقصد تک پہنچنے سے باز رکھے۔ عِیَاذًا بِاللّٰہِ سُبْحَانَہٗ مِنْ ذٰلِكَ (حق تعالیٰ سبحانہ اس سے اپنی پناہ میں رکھے) ——— دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے وہ اس لائق نہیں ہے کہ اپنی عمر عزیز صرف کر کے اس کو حاصل کیا جائے۔ خبر کر دینا شرط ہے۔ اس خوابِ خرگوش میں کب تک رہو گے ؎

اے سرائے و باغِ تو زندانِ تو   خان و مانِ تو بلائے جان تو

(ہیں یہ سب باغ و محل، زنداں تجھے   خان و ماں بھی ہیں بلائے جاں تجھے)

مرنے سے پہلے اگر کوئی (نیک) کام کر لیا تو اچھا ہے ورنہ خرابی ہی خرابی ہے۔ باطن کے سبق کو نہایت عزیز جاننا چاہئے اور جو کچھ اس کے منافی ہے اس کو دشمن سمجھنا چاہئے ؎

ہر چہ جز عشقِ خدائے احسن است   گر شکر خوردن بود جان کندن است

(عشقِ حق کے ماسوا سب قہر ہے   گو وہ شیریں بھی ہے آخر زہر ہے)

مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلَاغُ (قاصد کا کام حکم پہنچا دینا ہے)۔ والسّلام

[1] آپ کے نام دو مکتوبات ہیں دفتر اول مکتوب ۱۴۰-۱۸۳۔ لہٰذا آپ کا مختصر تذکرہ مکتوب ۱۴۰ کے فٹ نوٹ میں ملاحظہ فرمائیں۔

مکتوب ۱۸۴

قلیج اللہ[۱] کی طرف صادر فرمایا —— سید المرسلین علیہ الصلوۃ والسلام کی متابعت کی ترغیب میں۔

مکتوب مرغوب جو فرزند ارجمند نے از روئے محبت واخلاص لکھا تھا میر سید خواجہ نے پہنچادیا خوشی کا باعث ہوا —— حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ بحرمۃ النبی وآلہ الامجاد علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات اتمہا واکملہا اپنے پسندیدہ کاموں کی توفیق عطا فرمائے —— اے فرزند! جو کچھ کل روزِ قیامت میں کام آئے گا وہ حضرت صاحبِ شریعت علیہ الصلوۃ والسلام والتحیۃ کی متابعت ہے۔ احوال ومواجید، علوم ومعارف اور اشارات ورموز اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کے ساتھ جمع ہو جائیں تو بہت ہی اچھا ہے ورنہ سوائے خرابی اور استدراج کے کچھ نہیں ہے۔

سید الطائفہ حضرت جنید بغدادیؒ کو اُن کے انتقال کے بعد کسی شخص نے خواب میں دیکھا اور اُن کا حال دریافت کیا۔ حضرت جنیدؒ نے خواب میں فرمایا "وہ تمام عبارتیں ضائع ہو گئیں (یعنی حقائق ومعارف کی باتیں) اور رموز واشارات فنا ہو گئے، اور ان دو رکعتوں کے علاوہ کسی چیز نے نفع نہیں دیا جو ہم رات کے درمیان پڑھا کرتے تھے[۲]"۔

لہذا تم پر لازم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے خلفائے راشدینؓ کی متابعت پر ثابت قدم رہو، اور قول وفعل، عمل اعتقاد میں شریعت کی مخالفت سے بچو۔ کیونکہ آپ کی متابعت سراپا برکت ہے اور آپؐ کی مخالفت (سراسر) بدبختی اور ہلاکت ہے —— ان باتوں کو ذہن نشین کرلو۔

دوسرے یہ کہ جو رسالہ تم نے بھیجا تھا وہ مل گیا۔ بعض مقامات کا مطالعہ کیا بہت پسند آیا لیکن دوسرا کام (باطنی سبق) تصنیف وتالیف سے بھی زیادہ اہم ہے اس میں مشغول ہونا ارفع واعلیٰ ہے۔ والسلام

باطنی سبق: [illegible]

---

[۱] آپ کے نام تین مکتوبات ہیں دفتر اول ۷۳-۱۸۴- دفتر دوم ۳۲- آپ کا تذکرہ مکتوب ۷۳ پر ملاحظہ ہو۔

[۲] جیسا کہ حدیث شریف میں ہے عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول افضل الصلوۃ بعد المفروضۃ صلوۃ فی جوف اللیل (رواہ احمد)

مکتوب ۱۸۵
صد و ہشتاد و پنجم

منصور عرب[۱] کی طرف ایک صاحب کی سفارش میں صادر فرمایا۔

حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ حضرت محمد مصطفےٰ علیٰ صاحبہا الصلوۃ والسلام والتحیۃ کی شریعت کے راستے پر استقامت عطا فرما کر آپ کو اپنی جناب قدس کی طرف پوری توجہ کے ساتھ لگا دے ـــــ جو کچھ ہم پر اور آپ پر لازم ہے وہ یہ ہے کہ حق سبحانہ وتعالیٰ کے ماسوا کی گرفتاری سے اپنے دل کو سلامت رکھیں۔ اور یہ سلامتی اس وقت حاصل ہوتی ہے جبکہ حق سبحانہ کے علاوہ غیر کا دل پر کوئی گذر باقی نہ رہے ـــــ اگر بفرضِ محال ہزار سال کی زندگی عطا ہو تو بھی اس نسیان کی وجہ سے جو دل کو ماسوائے حق سے حاصل ہے غیر کا دل پر گذر نہ ہو۔ ع

کار اینست وغیر ایں ہمہ ہیچ (کام بس یہ ہے باقی سب کچھ ہیچ ہے)

باقی مقصد یہ ہے کہ مولانا فاضل سرہندی جو آپ کی خدمتِ عالی میں قیام پذیر ہیں ان کے والد سرہند میں ہیں، ان کی خواہش ہے کہ اس بڑھاپے اور کمزوری کے زمانے میں اپنے بیٹے کی ملاقات سے مسرور اور شاداں ہوں۔ اس سلسلہ میں آپ کو تکلیف دینے کے لئے انھوں نے فقیر کو ذریعہ بنایا ہے (اگرچہ) یہ کام آپ کے حکم پر موقوف ہے لیکن حقیقت میں سب کچھ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ والسلام

مکتوب ۱۸۶
صد و ہشتاد و ششم

خواجہ عبد الرحمٰن مفتی کابلی[۲] کی طرف صادر فرمایا ـــــ سنت کی متابعت اور بدعت سے بچنے کی ترغیب میں اور اس بیان میں کہ ہر بدعت گمراہی ہے۔

(یہ فقیر) حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ کی بارگاہ میں نہایت تضرع وزاری، التجا، مسکینی، عاجزی اور انکساری کے ساتھ پوشیدہ اور ظاہر طور پر دعا کرتا ہے کہ جو کچھ دین میں نئی نئی باتیں پیدا ہو گئی ہیں اور (لوگوں نے

[۱] آپ کے نام ۲ دو مکتوبات ہیں۔ دفتر اول مکتوب ۱۸۵ - ۱۹۶ - مزید حالات معلوم نہ ہو سکے۔

[۲] آپ کے نام ۲ دو مکتوبات ہیں دفتر اول ۱۴۵ - ۱۸۶ - آپ کا تذکرہ مکتوب ۱۴۵ کے فٹ نوٹ میں ملاحظہ ہو۔

ایجاد کرلی ہیں جو حضرت خیر البشر اور آپؐ کے خلفائے راشدین علیہ وعلیہم الصلوٰتُ التسلیمات کے زمانے میں نہ تھیں اگرچہ وہ چیز صبح روشن کے مانند ہو۔ اس ضعیف کو اس جماعت کے ساتھ جن کے لئے وہ (بدعات) مستند ہیں اس نئے کام کے کرنے میں گرفتار نہ کیجیو اور اس نئی چیز (بدعت) کی خوبی کا دیوانہ نہ بنایو، بحرمۃ سید المختار وآلہ الابرار علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام۔

بعض علماء کہتے ہیں کہ بدعت دو قسم کی ہے "حسنہ[1] اور سیئہ[2]" (یعنی نیک اور بد)۔ بدعتِ حسنہ اس نیک عمل کو کہتے ہیں جو کہ آنحضور علیہ وعلیہم الصلوات انمٰہا ومن التحیات اکملہا اور آپ کے خلفائے راشدین کے بعد ظاہر ہوا ہو اور رافعِ سنت نہ ہو (یعنی سنت کو دور کرنے والا نہ ہو)، اور بدعتِ سیئہ وہ ہے جو رافعِ سنت ہو (یعنی سنت کو دور کرنے والا ہو) —— مگر یہ فقیر ان بدعتوں میں سے کسی بدعت میں حُسن اور نورانیت مشاہدہ نہیں کرتا، اور سوائے ظلمت وکدورت کے کچھ محسوس نہیں ہوتا —— اگر بالفرض کوئی نیا عمل (بدعت) آج اپنی ضعفِ بصارت کی وجہ سے تازہ اور خوشنما معلوم ہوتا ہے تو کل (یعنی روزِ قیامت) جب نظر تیز ہو جائے گی تو سوائے نقصان اور ندامت کے کچھ حاصل نہ ہوگا بیت

بوقتِ صبح شود ہمچو روز معلومت ۔۔۔ کہ باکہ باختۂ عشق در شبِ دیجور

(صبحِ محشر، روز روشن کی طرح ۔۔۔ رات تیری سب عیاں ہو جائے گی)

حضرت سید البشر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات فرماتے ہیں: مَنْ اَحْدَثَ فِیْ اَمْرِنَا هٰذَا مَا لَیْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ[1] (یعنی جس نے ہمارے اس امر (دین) میں کوئی نئی نکالی جو اس میں نہیں ہے تو وہ قابلِ رد ہے) (یعنی مردود ہے)۔ بھلا جو چیز کہ مردود ہو اس میں حُسن (بھلائی) کہاں سے آئے گی۔

اور آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: اَمَّا بَعْدُ فَاِنَّ خَیْرَ الْحَدِیْثِ کِتَابُ اللّٰهِ وَخَیْرَ الْهَدْیِ هَدْیُ مُحَمَّدٍ وَشَرَّ الْاُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا وَکُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ[2] (یعنی اس کے بعد واضح ہو کہ بہترین کلام کلام اللہ ہے، اور بہترین طریقہ وسیرت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ وسیرت ہے، اور سب سے بدترین چیز (دین میں) نئی باتیں (بدعتیں) ہیں، اور ہر بدعت گمراہی ہے)۔

اور نیز آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: اُوْصِیْکُمْ بِتَقْوَی اللّٰهِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَاِنْ کَانَ عَبْدًا حَبَشِیًّا فَاِنَّهٗ مَنْ یَّعِشْ مِنْکُمْ بَعْدِیْ فَسَیَرٰی اخْتِلَافًا کَثِیْرًا فَعَلَیْکُمْ بِسُنَّتِیْ وَ

---

[1] بخاری اور مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے۔
[2] امام مسلم نے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے۔

سُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ تَمَسَّكُوْا بِهَا وَعَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ وَاِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْاُمُوْرِ فَاِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ[1] (یعنی میں تم کو وصیت کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو، اور (اپنے حاکم کی بات) سنو اور اس کی تابعداری کرو، اگرچہ تمہارا حاکم حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو، کیونکہ جو شخص میرے بعد زندہ رہے گا وہ عنقریب بہت اختلافات دیکھے گا پس تم میری اور میرے خلفائے راشدین مہدیین کی سنت کو لازم پکڑو، اور اس کو بہت مضبوط (ہاتھوں سے) تھامو اور دانتوں سے مضبوط پکڑو، اور نئے پیدا شدہ امور سے بچو کیونکہ ہر نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی و ضلالت ہے)۔

لہٰذا جب دین میں ہر نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی و ضلالت ہے تو پھر بدعت میں حسن (بھلائی) تلاش کرنے کے کیا معنی ——— نیز احادیثِ شریفہ سے جو کچھ مفہوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ ہر بدعت سنت کی رافع ہے بعض کی کوئی تخصیص نہیں (یعنی یہ بدعتِ حسنہ ہے اور یہ سیئہ) لہٰذا ہر بدعت سیئہ ہے ——— حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: مَا اَحْدَثَ قَوْمٌ بِدْعَةً اِلَّا رُفِعَ مِثْلُهَا مِنَ السُّنَّةِ فَتَمَسُّكٌ بِسُنَّةٍ خَيْرٌ مِّنْ اِحْدَاثِ بِدْعَةٍ[2] (یعنی جب کوئی قوم بدعت جاری کرتی ہے تو اس سے اس جیسی ایک سنت اُٹھالی جاتی ہے پس سنت کو مضبوط پکڑنا بدعت کے جاری کرنے سے بہتر ہے)۔

اور حضرت حسان (بن ثابت) رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مَا ابْتَدَعَ قَوْمٌ بِدْعَةً فِيْ دِيْنِهِمْ اِلَّا نَزَعَ اللّٰهُ مِنْ سُنَّتِهِمْ مِثْلَهَا ثُمَّ لَا يُعِيْدُهَا اِلَيْهِمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ[3] (یعنی کوئی قوم اپنے دین میں بدعت جاری نہیں کرتی مگر اللہ تعالیٰ اس جیسی ایک سنت ان میں سے اٹھا لیتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ اس سنت کو قیامت تک ان کی طرف نہیں لوٹاتا)۔

بعض بدعتوں کا بیان

جاننا چاہئے کہ بعض بدعتیں جن کو علما و مشائخ نے اچھا (حسنہ) سمجھا ہے جب ان کو اچھی طرح ملاحظہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ سنت کی رافع کرنے والی ہیں، مثلاً:- میت کے کفن میں عمامہ کو بدعتِ حسنہ کہتے ہیں، حالانکہ یہی بدعت رافعِ سنت ہے کیونکہ عددِ مسنون یعنی تین کپڑوں پر زیادتی نسخ ہے اور نسخ عینِ رفع ہے ——— اور اسی طرح مشائخ نے شملۂ دستار کو بائیں طرف چھوڑنا پسند کیا ہے حالانکہ شملہ کا دونوں کاندھوں کے درمیان چھوڑنا سنت ہے[4] ظاہر ہے کہ یہ بدعت رافعِ سنت ہے ——— اور ایسے ہی وہ امر ہے جو علماء نے نماز کی نیت میں مستحسن جانا ہے کہ باوجود دل کے ارادہ کے زبان سے بھی (نماز کی) نیت

---

[1] رواہ احمد والترمذی وابوداؤد وابن ماجہ۔ [2] رواہ احمد۔ [3] رواہ الترمذی۔ [4] حضرت ابنِ عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب دستار باندھتے تھے تو اس کا شملہ دونوں کندھوں کے درمیان چھوڑے رکھتے تھے (ترمذی)

کہنی چاہیئے۔ حالانکہ آنحضرت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ سے کسی صحیح حدیث یا ضعیف روایت سے ثابت نہیں ہوا۔ اور نہ ہی اصحابِ کرامؓ وتابعین عظام سے، کہ انھوں نے زبان سے نیت کی ہو، بلکہ جب اقامت ہوتی تھی تو ساتھ ہی وہ تکبیرِ تحریمہ کہتے تھے لہٰذا زبان سے نیت کرنا بدعت ہے اور اس بدعت کو حسنہ کہا ہے، اور یہ فقیر جانتا ہے کہ رفعِ سنت تو بجائے خود رہا، یہ تو فرض کو بھی رفع کرتی ہے کیونکہ اس تجویز میں اکثر لوگ زبانی نیت پر ہی اکتفا کرتے ہیں اور دل کی غفلت پر کچھ نہیں ڈرتے کہ اس ضمن میں نماز کے فرضوں میں سے ایک فرض جو کہ نیتِ قلبی ہے متروک ہو جاتا ہے اور نماز کے فاسد ہونے تک پہنچا دیتا ہے [۵]۔ —— یہی حال تمام بدعات ومحدثات کا ہے کیونکہ وہ سنت پر زیادتی ہے خواہ کسی طرح کی ہو اور زیادتی نسخ ہے اور نسخ رفعِ (سنت) ہے۔

لہٰذا آپ پر لازم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم کی متابعت پر کمر بستہ رہیں اور اصحابِ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی اقتدا پر کفایت کریں کیونکہ فَاِنَّھُمْ کَالنُّجُوْمِ بِاَیِّھِمْ اِقْتَدَیْتُمْ اِھْتَدَیْتُمْ [۱] (وہ ستاروں کے مانند ہیں جن کی اقتدا کرو گے ہدایت پاؤ گے) —— لیکن قیاس اور اجتہاد کوئی بدعت نہیں کیونکہ وہ نصوص کو ظاہر کرتے ہیں کسی زائد امر کو ثابت نہیں کرتے، فَاعْتَبِرُوْا یَا اُولِی الْاَبْصَارِ (پس داناؤں کو عبرت حاصل کرنی چاہیئے) اور اس شخص پر سلام ہو جو ہدایت کے راستہ پر چلے اور حضرت محمد مصطفیٰ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کی متابعت کو لازم پکڑے)۔

قیاس اور اجتہاد بدعت نہیں

مکتوب ۱۸۷
صد و ہشتاد و ہفتم

خواجہ محمد اشرف کابلی [۲] کی طرف صادر فرمایا —— اس بیان میں کہ رابطہ (تصورِ شیخ) کا طریقہ مقصدِ اصلی حاصل کرنے کے راستوں میں سب سے قریب ترین راستہ ہے، اور اس بیان میں کہ (ابتدا میں) مرید کے لئے رابطہ، ذکرِ (الٰہی) سے زیادہ نفع بخش ہے۔

وہ تحریر (خط) جو آپ نے دوستوں کو لکھی تھی نظر سے گزری اور مذکورہ حالات سے آگاہی ہوئی۔ جاننا چاہیئے کہ مرید کو تکلف اور بناوٹ کے بغیر اپنے شیخ (پیر) کے ساتھ رابطہ کا حاصل ہونا پیر اور مرید کے

[۱] رواہ رزین۔ [۲] آپ کے نام دس مکتوبات ہیں، اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۱۳۱ کے فٹ نوٹ میں ملاحظہ ہو۔
[۵] ملا علی قاریؒ نے شرح مشکوٰۃ میں فرمایا ہے "مخفی نہ رہے کہ قلب کی غفلت کے ساتھ زبان سے نیت کرنا غیر معتبر ہے اور درمختار میں ہے کہ نیت کے لئے معتبر عملِ قلب ہے جو ارادہ کے لئے لازم ہے ذکر باللسان کا کوئی اعتبار نہیں اگرچہ وہ قلب کے خلاف ہو۔

درمیان اس کامل مناسبت کی علامت ہے جو افادہ و استفادہ (فائدہ پہنچانے اور فائدہ حاصل کرنے) کا سبب ہے اور وصول الی اللہ کے لئے رابطہ سے زیادہ اقرب ترین طریق کوئی نہیں ہے۔ دیکھیں کس دولتمند کو اس سعادت سے بہرہ مند کرتے ہیں ــــ حضرت خواجہ احرار قدس اللہ تعالیٰ سرہ العزیز "فقرات" میں تحریر فرماتے ہیں کہ (رابطہ کی اہمیت)

ع سایۂ رہبر بہ است از ذکرِ حق (صحبتِ شیخ، ذکر سے بہتر)

اس کو بہتر کہنا نفع کے اعتبار سے ہے، یعنی رہبر کا سایہ مرید کے لئے ذکر کرنے سے زیادہ فائدہ مند ہے، کیونکہ (ابتدا میں) مرید کو ابھی مذکور (حق جل و علا) کے ساتھ کامل مناسبت حاصل نہیں ہے کہ (جس سے) وہ ذکر کے طریق سے پورا پورا نفع حاصل کر سکے۔ والسلام اولاً و آخراً۔

مکتوب ۱۸۸

صد و ہشتاد و ہشتم

خواجہ محمد صدیق[1] بدخشی کی طرف صادر فرمایا ــــ ان مسائل کے حل میں جو انھوں نے دریافت کئے تھے۔

میرے عزیز بھائی کا پسندیدہ مکتوب موصول ہوا (جس میں) تین باتوں کے متعلق دریافت کیا تھا۔

ــــ اے محبت کے نشان والے (۱) مرتبۂ قلب میں بعض لطائف کا پوشیدہ رہنا صرف اُن لطائف پر ہی موقوف ہے جو قلب کے ضمن میں ہیں نہ یہ کہ وہ لطائف جو قلب سے ماورا متحقق ہیں، کیونکہ مرتبۂ قلب میں ان کا پوشیدہ ہونا کوئی حیثیت نہیں رکھتا ــــ (۲) دوسرے یہ کہ جس شخص کی استعداد مرتبۂ قلب یا روح تک ہے، صاحبِ تصرف پیر اس کو اونچے درجے پر پہنچا سکتا ہے لیکن اس جگہ ایک باریک نکتہ ہے جو ورو برو بات چیت سے تعلق رکھتا ہے اس کو تحریر میں لانا دشوار ہے ــــ (۳) تیسرے یہ کہ جب ظاہر باطن کے رنگ میں رنگا جائے اور باطن ظاہر کے رنگ میں رنگین ہو جائے تو کیا مشکل ہے کہ ظاہری احکام باطن میں اور باطنی احوال ظاہر میں نمایاں اور پیدا ہوں۔ والسلام

---

[1] آپ کے نام بارہ[۱۲] مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۱۳۲ پر گذر چکا ہے۔

مکتوب ۱۸۹

صد و ہشتاد و نہم

شرف الدین حسین بدخشی[1] کی طرف صادر فرمایا ـــــ اس بیان میں کہ بے فائدہ تعلقات میں گرفتار رہنے کے باوجود فقراء کی یاد کا ہونا اُن کے بڑی مناسبت اور تعلق کا اظہار ہے۔ لہٰذا اس کمینی دنیا کی تر و تازگی پر فریفتہ نہیں ہونا چاہئے، اور باطنی سبق کو عزیز رکھنا چاہئے۔ اور اس بیان میں کہ شریعت کے احکام میں سرتابی نہیں کرنی چاہئے بلکہ پورے احسان اور عاجزی و زاری سے اُنھیں قبول کرنا چاہئے اور اس کے بیان میں

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَاٰلِہِ الطَّاہِرِیْنَ اَجْمَعِیْنَ (یعنی تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے اور حضرت سید المرسلین اور آپ کی سب پاک اولاد پر صلوٰۃ و سلام ہو) ـــــ فرزند ارجمند، عزیز و سعادتمند شرف الدین حسین کا مکتوب شریف موصول ہو کر خوشی و مسرت کا باعث ہوا۔ یہ کسقدر بڑی نعمت ہے کہ بیفائدہ تعلقات میں گرفتار رہنے کے باوجود (آپ نے) دور دراز کے فقراء کی یاد کو فراموش نہیں کیا۔ اس طرح کی یاد (یعنی خط و کتابت) سے (فقراء کے ساتھ) انتہائی مناسبت کا اظہار ہوتا ہے جو افادہ و استفادہ کا باعث ہے ـــ بعض واقعات جو آپ نے تحریر کئے تھے وہ نیک اور اصلی ہیں اور باطنی تعلق کے لئے قوی دلیل ہیں۔

اے فرزند! اس کمینی دنیا کی تر و تازگی پر فریفتہ نہ ہوں اور اس کی بیکار شان و شوکت پر فریفتہ نہ ہوں کہ وہ ناپائیدار اور بے اعتبار ہے۔ اگر آج یہ بات آپ کی سمجھ میں نہیں آتی لیکن کل (روز قیامت) ضرور (اس کی حقیقت) معلوم ہو جائے گی اور اُس وقت اس کا کچھ فائدہ نہ ہوگا ؎

گوشش از بار در گراں شدہ است نشنود نالۂ و فغانِ مرا

(دُرِ ناحق پہن کے بہرا ہے کیوں سُنے گا تو اب ہماری بات؟)

آپ کو چاہئے کہ باطنی سبق کو خداوند جل شانہٗ کی بزرگترین نعمتوں میں سے جان کر پابندی کے ساتھ اس پر تکرار کریں اور اس کے لئے حریص ہوں ـــ اور پانچوں وقت نماز باجماعت بغیر کسی سستی اور فتور کے ادا کریں ـــ اور زکوٰۃ کا چالیسواں حصہ احسانمندی کے ساتھ فقراء و مساکین کو پہنچائیں ـــ اور محرمات و مشتبہات چیزوں سے پرہیز کریں ـــ اور مخلوقِ خدا پر مشفق و مہربان رہیں ـــ نجات اور خلاصی حاصل کرنے کا یہی طریقہ ہے۔ والسلام

[1] آپ کے نام آٹھ مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۱۴۶ پر ملاحظہ ہو۔

مکتوب ۱۹۰
صد و نودم

میر محمد نعمان بدخشی کے صاحبزادوں میں سے ایک صاحبزادے کی طرف صادر فرمایا —— ذکر الٰہی جل سلطانہٗ میں دوام حاصل کرنے اور طریقۂ عالیہ نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کو اختیار کرنے کی ترغیب میں اور ذکر کرنے کے طریقے کے بارے میں اور اس کے مناسب بیان میں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَاٰلِہِ الطَّاہِرِیْنَ اَجْمَعِیْنَ —— جان لو اور آگاہ ہو جاؤ کہ آپ کی سعادت بلکہ تمام بنی آدم کی سعادت اور فلاح و نجات مولیٰ جل سلطانہٗ کے ذکر میں ہے۔ جہاں تک ممکن ہو سکے اپنے تمام اوقات کو ذکرِ الٰہی جل شانہٗ میں مستغرق رکھنا چاہئے اور ایک لمحہ بھی غفلت نہیں برتنی چاہئے۔

طریقۂ ذکر کی تعلیم اور دیگر نصائح

اللہ تعالیٰ ہی کی حمد اور اس کا احسان ہے کہ حضرات خواجگان (نقشبندیہ) قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے طریقہ میں ذکر دوام ابتدا ہی میں "اندراج النہایت فی البدایت" کے طریق پر حاصل ہو جاتا ہے، اور طالب کے لئے اس طریقۂ عالیہ کو اختیار کرنا بہت ہی بہتر اور مناسب بلکہ واجب و لازم ہے۔ لہٰذا آپ کو چاہئے کہ اپنے قبلۂ توجہ کو تمام اطراف سے ہٹا کر بالکلیہ اس طریقۂ عالیہ کے اکابر کی طرف مرکوز کر دیں اور ان کے باطن شریف سے ہمت اور توجہ طلب کریں، کیونکہ ابتدا میں ذکر کے بغیر چارہ نہیں۔

آپ کو چاہئے کہ قلبِ صنوبری کی طرف متوجہ ہوں کہ وہ گوشت کا ٹکڑا قلبِ حقیقی کے لئے ایک حجرے یا گھر کی مانند ہے، اور اسم مبارک "اللہ" کو اس قلب پر گذاریں، اور اس وقت قصداً کسی عضو کو حرکت نہ دیں اور پوری طرح قلب کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھیں اور اپنی قوتِ خیالیہ میں قلب کی صورت کو جگہ نہ دیں اور نہ اُس کی طرف متوجہ ہوں، کیونکہ مقصود قلب کی طرف توجہ کرنا ہے نہ کہ اس کی صورت کا تصور۔ اور لفظِ مبارک "اللہ" کے معنی کو بے چونی و بے چگونی (بے مثل و بے کیف) کے ساتھ ملاحظہ کریں اور کسی صفت (و کیفیت) کو اس کے ساتھ شامل نہ کریں اور اس کا حاضر و ناظر ہونا بھی ملحوظ نہ ہو، تاکہ آپ ذات تعالیٰ و تقدس کی بلندی سے صفات کی پستی میں نہ آ جائیں، اور اس طرح اس کی وجہ سے کثرت میں وحدت کا مشاہدہ کرنے میں نہ پڑ جائیں اور بے چون کی گرفتاری سے چون کے شہود کے ساتھ

آرام نہ پکڑیں کیونکہ جو چون کے آئینے میں ظاہر ہوگا وہ بے چون نہیں ہے اور جو کچھ کثرت میں نمودار ہو وہ واحدِ حقیقی نہیں ہے، بے چون کو چون کے دائرے سے باہر ڈھونڈنا چاہئے اور بسیطِ حقیقی کو کثرت کے احاطہ کے باہر تلاش کرنا چاہئے۔ اگر ذکرِ (الٰہی) کرتے وقت پیر کی صورت بے تکلف ظاہر ہو تو اس کو بھی قلب کی طرف لے جانا چاہئے اور قلب میں نگاہ رکھ کر ذکر کرنا چاہئے۔

پیر کون ہے؟

آپ کو معلوم ہے کہ پیر کون ہے؟ پیر وہ شخص ہے جس سے آپ خدائے تعالیٰ جل شانہٗ کی جنابِ قدس تک پہنچنے کا راستہ حاصل کریں اور اس راستے میں آپ اس سے امداد و اعانت حاصل کریں۔ صرف کلاہ و دامنی (چادر) اور شجرہ جو معروف ہو گیا ہے پیری مریدی کی حقیقت سے خارج ہے اور رسم و عادت میں داخل ہے، لیکن اگر شیخ کامل و مکمل سے کوئی کپڑا آپ کو تبرک کے طور پر حاصل ہو جائے اور آپ اعتقاد و اخلاص کے ساتھ اس کو پہن کر زندگی گذاریں تو اس صورت میں بہت سے فائدوں اور ثمرات کے حاصل ہونے کا بھی قوی احتمال ہے۔

خواب اور واقعات کی حقیقت

اور آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ خواب اور واقعات اعتماد اور اعتبار کے لائق نہیں ہیں۔ اگر کسی نے اپنے آپ کو خواب یا واقعہ میں بادشاہ دیکھا یا خود کو قطبِ وقت معلوم کیا تو وہ حقیقت میں ایسا نہیں ہے، ہاں اگر خواب اور واقعہ (کشف) کے بغیر بادشاہ ہو جائے یا قطب بن جائے تو البتہ مسلّم ہے۔ پس جو بھی احوال و مواجید بیداری اور ہوش کی حالت میں ظاہر ہوں ان میں اعتماد کی گنجائش ہے ورنہ نہیں۔

نیز آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ ذکر کا نفع اور اس پر اثرات کا مترتب ہونا شریعت کے احکام بجالانے سے وابستہ ہے لہذا فرائض و سنن کے ادا کرنے اور حرام و مشتبہ چیزوں سے بچنے میں پوری پوری احتیاط کرنی چاہئے، اور چھوٹے بڑے (احکام) میں علماء کی طرف رجوع کرنا چاہئے اور ان کے فتووں کے مواقف زندگی بسر کرنی چاہئے۔ والسلام

مکتوب ۱۹۱

صدو نود و یکم

(عبد الرحیم) خان خاناں[1] کی طرف صادر فرمایا ــــــ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی متابعت کی ترغیب میں، اور اس بیان میں کہ شرعی احکامات میں آسانی اور سہولت کی پوری رعایت رکھی گئی ہے۔

---

[1] آپ کے نام ۱۳ تیرہ مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۲۳ صفحہ ۹۶ پر ملاحظہ ہو۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰنَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰنَا اللّٰهُ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ (یعنی تمام تعریفیں اس اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے ہم کو ہدایت دی، اور اگر وہ ہم کو ہدایت نہ دیتا تو ہم کبھی ہدایت نہ پاتے، بیشک ہمارے پروردگار کے رسول حق کے ساتھ آئے ہیں) ــــــ (اعراف آیت ۴۳)

سعادتِ ابدی اور نجاتِ سرمدی انبیاءِ کرام صلوات اللہ تعالیٰ وتسلیماتہٗ سبحانہٗ علیٰ اجمعہم عموماً و علیٰ افضلہم خصوصاً کی تابعداری کے ساتھ وابستہ ہے ــــــ اگر بفرضِ محال ہزار سال عبادت کی جائے اور سخت قسم کی ریاضتیں اور مجاہدات کئے جائیں لیکن ان بزرگواروں (انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام) کی متابعت کے نور سے منورنہ ہوں تو اس کی قیمت جَو کے برابر بھی نہیں ــــــ اور جو قیلولہ (دوپہر کا سونا) جس میں سراسر غفلت وتعطل ہوتا ہے اگر ان برگزیدگان (انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام) کے حکم کے مطابق کیا جائے تو (اس وقت کے مجاہدات) اس نیند کے برابر نہیں ہیں، بلکہ (اس وقت کی) عبادت سراب (چٹیل میدان) کے مانند ہے ــــــ حق تعالیٰ جل سلطانہٗ کی کمال درجہ عنایت ہے کہ اس نے تمام شرعی تکالیف (احکام) اور دینی امور میں نہایت آسانی اور بے انتہا سہولت کی رعایت رکھی ہے ــــــ مثلاً دن رات کے آٹھ پہروں میں سترہ رکعات فرض ادا کرنے کی تکلیف دی گئی ہے کہ ان کی ادائیگی میں مجموعی طور پر ایک ساعت (گھنٹہ) بھی نہیں لگتا ــــــ اس کے علاوہ (ان رکعتوں میں) جسقدر قرأت میسر ہوسکے اس پر کفایت کی اجازت ہے ــــــ (نماز میں) اگر کھڑا ہونا مشکل ہو تو بیٹھنے کی بھی اجازت ہے، اور بیٹھنا مشکل ہو تو عذر میں (قبلہ رُو) پہلو کے بل لیٹ کر ادا کرنے کی اجازت دیدی۔ اور جب رکوع وسجود دشوار ہوں تو اشارہ سے ادا کرنے کی اجازت ہے ــــــ اگر طہارت حاصل کرنے کے لئے پانی استعمال کرنے پر قدرت نہ ہو تو اس کی جگہ تیمم کو وضو کا بدل بنادیا ــــــ اور زکوٰۃ میں چالیسواں حصہ مساکین وفقراء کا مقرر کردیا اور اس کو بھی بڑھنے والے اموال اور چرنے والے جانوروں پر منحصر رکھا ــــــ اور تمام عمر میں ایک مرتبہ حج کو فرض قرار دیا۔ اور اس کو بھی زادِ راہ (سفر خرچ) سواری اور راستے کے امن پر مشروط رکھا ہے ــــــ اور مباح چیزوں کا دائرہ بہت وسیع کردیا (مثلاً بیک وقت) چار عورتیں نکاح کے ساتھ اور زر خرید کنیزیں جسقدر چاہیں حلال کردیں۔ اور (ناخوشگوار حالات میں) طلاق کو عورتوں کے تبدیل کرنے کا ذریعہ بنایا ــــــ اور کھانے پینے اور پہننے کی اکثر چیزوں کو مباح کردیا۔ ان میں سے بہت کم چیزیں ایسی ہیں جن کو بندوں کی مصلحتوں (بہتری اور فائدے) کی خاطر حرام قرار دیا۔

(مثلاً) ایک بدمزہ، نقصان دہ شراب کو حرام کرکے اس کے عوض بہت سے خوش ذائقہ، فائدہ مند شربتوں کو حلال کیا ہے۔ عرق لونگ، عرق دارچینی اپنی خوشبو اور خوش ذائقے کے علاوہ اپنے اندر اتنے فوائد اور منافع رکھتے ہیں کہ ان کو کہاں تک لکھا جائے۔ وہ چیز جو کڑوی بدمزہ اور ناگوار تیز بُو، بدخُو، ہوش و حواس کھو دینے والی اور پُر خطر (یعنی شراب) ہے، اس خوشبو والے عرق سے کیا مناسبت رکھتی ہے۔ شَتَّانَ مَا بَيْنَهُمَا (ان دونوں کے درمیان بہت بڑا فرق ہے) ——— وہ فرق جو حلال و حرام کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے وہ دوسری بات ہے، اور وہ فرق جو پروردگار جل سلطانہٗ کی رضامندی اور ناراضگی کی وجہ سے ہو وہ الگ ہے۔

اور (مردوں کے لئے) ریشمی لباس کو اگر حرام کردیا گیا تو کیا مضائقہ ہے جبکہ اس کی بجائے زیب و زینت کے کپڑے اور مزین لباس حلال کردیئے گئے۔ اور پشمینہ (اونی) کپڑوں کا لباس مطلقاً مباح ہے جو ریشم کے لباس سے کہیں بہتر ہے ——— اور اسی طرح ریشم کے لباس کو عورتوں کے لئے حلال قرار دیا کہ عورتوں کی زیب و زینت کا فائدہ آخر کار مردوں ہی کو حاصل ہوتا ہے ——— اور ایسے ہی چاندی سونے کا حال ہے کہ عورتوں کے زیورات کو مردوں کے لئے فائدے اور خوشی کا باعث بنا دیا ———

——— اگر کوئی بے انصاف شخص (شریعت کی) اس سہولت اور آسانی کو مشکل اور دشوار سمجھے تو وہ قلبی مرض میں مبتلا ہے اور باطنی علت میں گرفتار ہے ——— بہت سے کام ایسے ہیں کہ تندرست لوگ اُن کو آسانی سے انجام دے سکتے ہیں لیکن کمزور لوگوں پر اُن کا ادا کرنا بہت دشوار ہوتا ہے ——— قلبی مرض سے مراد آسمان سے نازل شدہ احکام پر عدم یقین ہے ——— ایسے لوگوں کو جو تصدیق حاصل ہوتی ہے وہ صرف صورتِ تصدیق ہے حقیقتِ تصدیق نہیں۔ حقیقتِ تصدیق حاصل ہونے کی علامت یہ ہے کہ احکامِ شرعیہ کے ادا کرنے میں (طبیعت میں) آسانی کا پایا جانا ہے ——— وَيَدُوْ دُوْنَهَا خَرْطُ الْقَتَادِ (اور اس کے بغیر کانٹوں میں ہاتھ ڈالنا ہے) ——— اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے: كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ ؕ اَللّٰهُ يَجْتَبِىْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِىْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ ۝ (شوریٰ ۴۲ آیت ۱۳) (مشرکوں پر وہ بات بہت گراں ہے جس کی طرف آپ اُن کو بلاتے ہیں، اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اپنے لئے منتخب کرلیتا ہے اور ہدایت دیتا ہے جو اس کی طرف دل سے رجوع ہوتا ہے) اور سلام ہو اس شخص پر جو ہدایت کی راہ پر چلا اور حضرت محمد مصطفیٰ علیہ و علی آلہ الصلوات والتسلیمات اتمہا و اکملہا کی متابعت کو اپنے اوپر لازم کرے۔

مکتوب ۱۹۲

صد و نود و دوم

شیخ بدیع الدین[1] سہارنپوری کی طرف صادر فرمایا ـــــ اُس سوال کے جواب میں جو انھوں نے دریافت کیا تھا۔

میرے عزیز اور سعادتمند بھائی شیخ بدیع الدین نے دریافت کیا تھا کہ گیارہویں عرضداشت میں جو حضرت خواجہ (باقی باللہ) قدس سرہٗ کی خدمت میں تحریر کی گئی تھی لکھا تھا کہ "ایک رنگین مقام میں اس فقیر کا گذر ہوا جو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقام سے بلند تر ہے"۔ اس کے کیا معنی ہیں؟

اے بھائی! اللہ تعالیٰ تجھ کو ہدایت دے، ہم اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ اس عبارت سے (حضرت ابوبکر صدیقؓ پر) فضیلت لازم آتی ہے جبکہ لفظ "ہم" اس میں موجود ہے (جس کے معنی "بھی" کے ہیں) اور اگر تسلیم کر لیا جائے تو یہ بات اور ایسی دوسری باتیں جو اس عرضداشت میں تحریر ہوئی ہیں وہ ان واقعات میں سے ہیں جو اپنے پیرومرشد کو لکھے گئے ہیں، اور اس گروہ (صوفیہ) کے لئے یہ بات طے شدہ ہے کہ جو کچھ واقعات میں سے ظاہر ہوتا ہے خواہ وہ صحیح ہو یا غلط بلا تکلف اپنے پیر کی خدمت میں ظاہر کرتے رہیں کیونکہ غیر صحیح میں بھی تاویل و تعبیر کا احتمال ہے لہٰذا اس کے اظہار کے بغیر چارہ نہیں ہے۔ اور جو کچھ ہم بیان کر رہے ہیں اس میں اپنی معنی کے لحاظ سے کوئی خرابی لازم نہیں آتی۔

اور (علماء) اس کا دوسرا اصل بھی تجویز کرتے ہیں کہ اگر جزئیات میں سے کسی جزئی میں غیر نبی کو نبی پر فضیلت متحقق ہو جائے تو کوئی مضائقہ نہیں بلکہ ایسا واقع ہونا ممکن ہے ـــــ جیسا کہ شہداء کے متعلق بہت زیادہ (فضائل کی) روایتیں وارد ہوئی ہیں اور انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کیلئے وارد نہیں ہوئیں، اس کے باوجود کلی فضیلت نبی علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتحیات کے لئے مخصوص ہے۔

اس اصول کے مطابق اگر کسی غیر نبی کو ان جزئی کمالات میں سیر واقع ہو جائے اور وہ اپنے آپ کو اس مقام میں بلند تر پائے تو اس کی گنجائش ہے، اگرچہ اس مقام کا حصول نبی کی تابعداری ہی کی وجہ سے ہے، اور نبی کے لئے بھی اس مقام سے اِس حدیث "مَنْ سَنَّ سُنَّۃً حَسَنَۃً فَلَہٗ اَجْرُھَا وَاَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِھَا[2]" (جس نے کسی اچھی سنت کو جاری کیا تو اس کے لئے اس (کے جاری کرنے) کا اجر ہے اور بنا اس کے عمل کرنے والوں کی طرح اجر ملے گا۔

---

[1] آپ کے نام دس مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۱۷۲ کے فٹ نوٹ میں ملاحظہ ہو

[2] وقال صلے اللہ علیہ وسلم من دل علی خیر فلہ مثل اجر فاعلہ (رواہ مسلم) (لمعہ)

جس نے اس پر عمل کیا اس کا اجر بھی اس کے لئے ہے)" کے مطابق پورا حصہ ہے۔ جب غیر نبی کی جزئی فضیلت نبی پر جائز ہے تو غیر نبی پر اس کا جواز بطریقِ اولیٰ جائز ہوگا۔ لہٰذا ہمارے اس کلام میں کوئی اشکال نہیں ہے۔
والسلام

مکتوب ۱۹۳

صد و نود و سیوم

سیادت پناہ شیخ فرید[1] کی طرف صادر فرمایا ــــــ اہلِ سنت وجماعت کی آراء کے موافق عقائد کو درست کرنے اور احکامِ فقہیہ یعنی حلال وحرام، فرض وواجب اور سنت ومندوب کے سیکھنے کی ترغیب میں، اور اسلام کی بیچارگی (کے افسوس) میں اور اس کو رواج دینے اور تائید کرنے کی جد وجہد کے بیان میں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ط اللہ تعالیٰ ہر اس چیز پر جو آپ کے لئے برائی اور عیب کا باعث ہو آپ کا ناصر و مددگار رہے) ــــــ شرع شریف کے مکلف حضرات پر سب سے پہلے ضروری ہے کہ علماءِ اہلِ سنت وجماعت شکر اللہ تعالیٰ سعیہم کی آراء کے مطابق اپنے عقائد کو درست کریں کیونکہ آخرت کی نجات ان ہی بزرگواروں کی بے خطا آراء اور اقوال کی تابعداری پر موقوف ہے ــــــ اور فرقۂ ناجیہ بھی یہی لوگ اور ان کے متبعین ہیں۔ اور یہی وہ لوگ ہیں جو آنحضرت صلوات اللہ وتسلیماتہٗ علیہ وعلیہم اجمعین اور ان کے اصحابِ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے طریق پر قائم ہیں ــــــ اور ان علوم میں سے جو کہ کتاب وسنت سے حاصل ہوئے ہیں وہی معتبر ہیں جو ان بزرگواروں نے کتاب وسنت سے اخذ کئے اور سمجھے ہیں، کیونکہ ہر بدعتی اور گمراہ بھی اپنے فاسد عقائد کو اپنے خیالِ فاسد میں کتاب وسنت ہی سے اخذ کرتا ہے لہٰذا ان کے اخذ کردہ معانی میں سے ہر معنی پر اعتبار نہیں کرنا چاہئے ــــــ اور ان عقائدِ حقہ کی تصحیح کے لئے امامِ اجل تورپشتی کا رسالہ نہایت مناسب اور عام فہم ہے اپنی مجلسِ شریفہ میں اس کا ذکر (بطورِ تعلیم) کرتے رہا کریں چونکہ رسالۂ مذکورہ استدلالات پر مشتمل ہے اور اس میں طول وبسط بہت ہے اس لئے کوئی اور رسالہ اگر خالص مسائل ہی پر مشتمل ہو تو زیادہ بہتر ہے۔

عقائد کی درستی کی ترغیب

ــــــ اسی اثنا میں اس فقیر کے دل میں بھی آیا کہ اس سلسلہ میں کوئی رسالہ لکھے جو اہلِ سنت وجماعت کے عقائد پر مشتمل ہو اور اخذ کرنے میں آسان ہو۔ اگر اس کی توفیق ہوگئی تو لکھ کر آپ کی خدمت میں بھیجا جائے گا۔

ــــــ ان عقائد کی تصحیح کے بعد حلال وحرام، فرض وواجب، سنت ومندوب اور مکروہ کہ جس کا

---

[1] آپ کے نام بائیس ۲۲ مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۴۳ ص ۱۵۵ پر ملاحظہ ہو۔

متکفل (ضامن) علمِ فقہ ہے کہ اس کے علم کے مطابق عمل کرنا ضروری ہے ـــــ بعض طالب علموں سے فرمائیں کہ وہ فقہ کی کتابوں میں سے جو فارسی میں ہوں آپ کی مجلس میں پڑھا کریں مثلاً مجموعہ خانی و عمدۃ الاسلام ـــــ اللہ تعالیٰ سبحانہ کی پناہ اگر کسی عقائد ضروریہ کے مسائل میں سے کسی مسئلہ میں خلل واقع ہوگیا تو نجات اُخروی کی دولت سے محرومی ہے اور اگر اس کے عمل کرنے میں تساہل ہوگیا تو ممکن ہے کہ توبہ کے بغیر بھی معاف کردیا جائے۔ اور اگر مواخذہ کیا گیا تو آخر کار نجات ہو ہی جائے گی۔ پس عمدہ کام عقائد کی درستی ہے۔

حضرت خواجہ احرار قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ "اگر تمام احوال و مواجید ہم کو دیدیئے جائیں اور ہماری حقیقت کو اہل سنت وجماعت کے عقائد سے آراستہ نہ کریں تو ہم سوائے خرابی و بربادی کے اور کچھ نہیں جانتے، اور اگر تمام خرابیوں کو ہمارے ساتھ جمع کردیا جائے لیکن ہماری حقیقت کو اہل سنت وجماعت کے عقائد سے نواز دیا جائے تو پھر ہم کو کوئی خوف نہیں" ـــــ اللہ تعالیٰ ہم کو اور آپ کو سید البشر علیہ وعلیٰ آلہ من الصلوٰت افضلہا ومن التسلیمات اکملہا کے طفیل اپنی مرضی کے طریقے پر ثابت قدم رکھے۔

ایک درویش لاہور کی طرف سے آئے تھے انھوں نے بیان کیا کہ شیخ جیو (شیخ فرید) نخاس کہنہ (پرانی منڈی) کی جامع مسجد میں نمازِ جمعہ کے لئے حاضر ہوئے تھے۔ میاں رفیع الدین نے ان کی توجہ مبذول کرنے کے بعد کہا کہ نواب شیخ جیو نے اپنی حویلی کے اندر جامع مسجد بنالی ہے، اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ سُبْحَانَہٗ عَلٰی ذٰلِکَ (اس پر اللہ سبحانہٗ کا شکر ہے) ـــــ حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ آپ کو اور زیادہ توفیق عطا فرمائے ـــــ اس قسم کی خبریں سن کر مخلصین بہت زیادہ خوش اور مسرور ہوتے ہیں۔

میرے سیادت پناہ مکرم! آج اسلام بہت اجنبی اور بیکسی کے عالم میں ہے، آج اس کی تقویت کے سلسلہ میں ایک جیتل[1] کا صرف کرنا کروڑ ہا روپوں کے بدلے میں قبول کرتے ہیں، دیکھئے کس شہباز (بہادر کو (دین کی) اس دولت سے مشرف فرماتے ہیں۔ ترویجِ دین اور تقویتِ ملت کسی بھی وقت خواہ کسی شخص سے وقوع میں آئے بہتر اور زیبا ہے۔ لیکن اس وقت جبکہ اسلام کی غربت کا زمانہ ہے آپ جیسے اہل بیت کے جوانمردوں کے لئے نہایت ہی زیبا اور بہتر ہے، کیونکہ یہ دولت آپ ہی کے بزرگ خاندان کی خانہ زاد ہے، اس کا تعلق آپ سے ذاتی ہے اور دوسروں سے ضمنی (عرضی) ـــ حقیقت میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وراثت اسی عظیم القدر امر کے حاصل کرنے میں ہے ـــــ حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اصحاب کو مخاطب کرکے فرمایا کہ "تم ایسے زمانے میں موجود ہو کہ اگر اوامر و نواہی میں سے دسویں حصہ کو ترک کرو تو

[1] جیتل ایک سکہ ہے چاندی کا۔ بعض نے لکھا ہے کہ یہ دام کے معنی میں ہے جو کہ فلس کا پچیسواں حصہ ہوتا ہے۔

ہلاک ہو جاؤ، اور تمہارے بعد ایسے لوگ آئیں گے کہ اگر وہ اوامر و نواہی سے دسواں حصہ بجا لائیں تو نجات پائیں گے"[۱] ــــــ اب یہ وہی وقت ہے اور یہ وہی لوگ ہیں ــــ

گوئے توفیق و سعادت درمیاں افگندہ اند کس بمیداں درنمی آید سواراں راچہ شد

(گیند ہے توفیق کی، میدان بیں کب سوار آئیں گے چوگان بیں)

اس وقت کافر لعین گوبند[ع] اور اس کی اولاد کا مارا جانا بہت خوب ہوا اور ہنود مردود کی بڑی شکست کا باعث ہوا، خواہ کسی نیت سے اس کو قتل کیا گیا ہو اور خواہ کسی غرض سے اس کو ہلاک کیا گیا ہو، بہر حال کفار کا ذلیل ہونا ہی اہلِ اسلام کی عزت و ترقی کا باعث ہے ــــــ اس فقیر نے اس کافر کے قتل ہونے سے پہلے خواب میں دیکھا تھا کہ بادشاہِ وقت نے شرک کے سردار کا خیمہ و سائبان توڑ دیا ہے ــــــ واقعی وہ بہت بڑا بت پرست اہلِ شرک کا رئیس اور اہلِ کفر کا امام تھا خَذَلَهُمُ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ (اللہ سبحانہٗ ان کو خوار کرے) ــــــ اور دین و دنیا کے سردار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی بعض دعاؤں میں اہلِ شرک کے لئے اس عبارت میں لعنت و نفرین فرمائی ہے: اَللّٰهُمَّ شَتِّتْ شَمْلَهُمْ وَفَرِّقْ جَمْعَهُمْ وَخَرِّبْ بُنْيَانَهُمْ وَخُذْهُمْ اَخْذَ عَزِيْزٍ مُّقْتَدِرٍ (یا اللہ تو ان کی جمعیت کو پراگندہ کر اور ان کی جماعت میں تفرقہ ڈال اور ان کے گھروں کو ویران کر اور ان کو ایسا پکڑ جیسے غالب طاقتور پکڑتا ہے)۔

اسلام اور اہلِ اسلام کی عزت، کفر اور اہلِ کفر کی خواری میں ہے ــــــ جزیہ وصول کرنے سے مقصود کفار کی خواری اور ان کی اہانت ہے "ہر قدر کہ اہلِ کفر را عزت باشد ذلت در اسلام ہماں قدر است" (جس قدر اہلِ کفر کی عزت ہوگی اسی قدر اسلام کی ذلت ہے)۔ اس اصول پر اچھی طرح نگاہ رکھنی چاہئے۔ اکثر لوگوں نے اس اصول کو ضائع کر دیا ہے اور اس بدبختی سے دین کو برباد کر دیا ہے، اللہ سبحانہٗ فرماتا ہے: يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ (تحریم[۶۶] آیت ۹) (اے نبی! کفار اور منافقین سے جہاد کرو اور ان کے ساتھ سختی سے معاملہ کرو) ــــــ کفار کے ساتھ جہاد اور ان پر سختی کرنا دین کی ضروریات میں سے ہے۔ اس وقت جبکہ بادشاہِ اسلام (جہانگیر) کو اہلِ کفر کے ساتھ وہ توجہ نہیں رہی، (ادھر) کفر کی وہ رسمیں جو گزشتہ زمانے میں پیدا ہوئی تھیں اُن میں سے جو باقی رہ گئی ہیں وہ بھی مسلمانوں کے دلوں پر

---

[۱] حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انکم فی زمان من ترك منكم عشر ما امر به هلك ثم یاتی زمان من عمل منهم بعشر ما امر به نجا۔ (رواہ الترمذی)

[ع] حضرت ڈاکٹر غلام مصطفٰی خاں صاحب فرماتے ہیں کہ وہ گوبند نہیں "ارجن" تھا۔

بہت گراں معلوم ہوتی ہیں لہٰذا مسلمانوں پر لازم ہے کہ بادشاہِ اسلام کو ان بدمذہبوں کی رسموں کی خرابی سے مطلع کریں اور اُن کے دُور کرنے میں کوشش کریں۔ شاید بادشاہ کو ان بقایا رسوم کی بُرائی کا علم نہ ہو ——— اور اگر وقت کے لحاظ سے مناسب سمجھیں تو اہلِ اسلام میں سے کسی عالم کو حکم دیں کہ وہ (بادشاہ کو) اہلِ کفر کی رسوم کی برائی سے مطلع کریں، کیونکہ احکامِ شرعی کی تبلیغ کے لئے خوارق و کرامات کا اظہار کرنا کچھ درکار نہیں، قیامت کے دن کوئی عذر نہ سنیں گے کہ تصرف حاصل نہ ہونے کی وجہ سے احکامِ شرعی کی تبلیغ نہ کر سکے تھے ——— انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات جو بہترین موجودات ہیں احکامِ شرعی کی تبلیغ کرتے تھے، اگر امت کے لوگ اُن سے معجزہ طلب کرتے تھے تو وہ فرمادیتے تھے کہ معجزات حق تعالیٰ کی طرف سے ہیں ہمارے ذمہ تو تبلیغِ احکام ہے ——— اور ہو سکتا ہے کہ اس وقت (اس تبلیغی جدوجہد کے دوران) حق سبحانہٗ وتعالیٰ کوئی ایسا امر (کرامت) ظاہر فرمادے جس سے لوگوں کو اِس جماعت (اہلِ حق) کی حقانیت کا یقین ہو جائے ——— بہرحال (بادشاہ کو) مسائلِ شرعیہ کی حقیقت سے اطلاع دینا ضروری ہے، جبتک ایسا نہ ہوگا اس امر کی ذمہ داری علما اور بادشاہ کی بارگاہ کے مقربوں پر ہے۔ یہ کس قدر بڑی سعادت ہے کہ اس گفتگو (احکامِ شرعیہ کے پہنچانے) میں کوئی جماعت تکلیف اُٹھائے ——— انبیاء علیہم الصلوات والتحیات نے احکامِ شرعیہ کی تبلیغ میں کونسی تکلیفیں ہیں جو برداشت نہیں کیں اور کونسی مصیبتیں ہیں جو ان کو پیش نہیں آئیں۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام میں سب سے بہتر و مہتر علیہم من الصلوات افضلہا ومن التحیات اکملہا نے فرمایا ہے: مَا اُوْذِیَ نَبِیٌّ مِثْلَ مَا اُوْذِیْتُ[1] (کسی نبی کو ایسی ایذا نہیں پہنچی جیسی کہ مجھے پہنچی ہے) ؎

عمر بگذشت وحدیثِ درد ما آخر نشد شب باخر شد کنوں کوتہ کنم افسانہ را

(عمر گزری، عشق کا افسانہ جاری ہے ابھی رات گزرے ہے تو اب کرتا ہوں اس میں کچھ کمی)

والسلام والاکرام

مکتوب ۱۹۴
صد و نود و چہارم

صدر جہاں[2] کی طرف صادر فرمایا ——— ملت کو رواج دینے اور دین کی ترغیب میں اور اس کے متعلقات کے بیان میں۔

[1] رواہ ابن عدی وابن عساکر ——— [2] صدر جہاں کے نام دو مکتوب ہیں، دفتر اول مکتوب ۱۹۴-۱۹۵ (باقی بر صفحہ آئندہ)

سَلَّمَکُمُ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَعَافَاکُمْ (اللہ سبحانہٗ آپ کو سلامت اور عافیت سے رکھے) ـــــ احکامِ شرعیہ کے جاری کرنے اور ملّت حضرت محمد مصطفےٰ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کے دشمنوں کی ذلّت و خواری کی خبریں سن کر غمزدہ مسلمانوں کے دل کو فرحت اور روح کو تازگی حاصل ہوئی۔ اس بات پر اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کا احسان ہے، اور اللہ تعالیٰ مالک و قدیر سے سوال ہے کہ وہ اپنے نبی بشیر و نذیر علیہ وعلیٰ آلہٖ من الصلوات افضلہا ومن التسلیمات اکملہا کے طفیل اس اہم کام میں ترقی عطا فرمائے ـــــ یقین ہے کہ مقتدایانِ اسلام خواہ وہ ساداتِ عظام ہوں یا علمائے کرام، خلوت و جلوت میں دینِ متین کی ترقی اور صراطِ مستقیم کی تکمیل میں سرگرم رہیں گے۔ (یہ فقیر) بے سروسامان اس معاملہ میں کیا گفتگو کرے ـــــ سنا گیا ہے کہ بادشاہِ اسلام (جہانگیر) اسلامی استعداد کی خوبی حاصل ہو جانے کی وجہ سے علماء کا خواہاں ہے الحمد للہ سبحانہ علیٰ ذلك۔

آپ کو معلوم ہے کہ زمانۂ سابق (عہدِ اکبری) میں جو فساد پیدا ہوا تھا وہ علماءِ سوء کی بدبختی کی وجہ سے ظہور میں آیا تھا اس لئے امید ہے کہ پورے پورے تتبع (چھان بین کو) مدنظر رکھ کر دیندار علماء کا انتخاب کر کے پیش قدمی کریں گے۔ علماءِ سوء جو دین کے چور اور ڈاکو ہیں ان کا مقصود حُبّ جاہ و ریاست اور مخلوق کے نزدیک قدر و منزلت حاصل کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے فتنہ سے بچائے۔

ہاں ان میں سے جو بہترین (علماء) ہیں وہ بہترینِ خلائق ہیں، کل قیامت کے دن ان کی سیاہی کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہید ہونے والوں کے خون سے وزن کیا جائے گا اور سیاہی والا پلّہ بھاری رہے گا شَرُّ النَّاسِ شِرَارُ الْعُلَمَاءِ وَخَیْرُ النَّاسِ خِیَارُ الْعُلَمَاءِ[۱] (تمام لوگوں میں سے بُرے بدترین علما ہیں اور تمام لوگوں میں بہتر، بہترین علما ہیں) ـــــ دوسری عرض یہ ہے کہ بعض نیتیں آمادہ کرتی ہیں کہ (یہ فقیر) لشکر میں پہنچے لیکن ماہِ رمضان مبارک کے قریب ہونے کے باعث دہلی میں قیام کرنے کا اتفاق ہو گیا، انشاء اللہ اس ماہِ مبارک کے گذرنے پر عزیزوں کی خدمت میں پہنچ جائے گا۔ والسلام

(بقیہ از صفحۂ گذشتہ) آپ "پہانی" مضافاتِ قنوج کے رہنے والے تھے۔ شیخ عبد الغنی کی خدمت میں علم حاصل کیا، کچھ عرصہ ممالک محروسہ کے مفتی رہے پھر توران کی سفارت پر گئے۔ بعد ازاں صدارت پر سرفراز ہوئے۔ ایک سو بیس سال کی عمر پائی اور سنہ ۱۰۲۷ھ اپنے وطن میں وفات پائی۔

[۱] رواہ الدارمی

مکتوب ۱۹۵
صد و نود و پنجم

یہ مکتوب بھی صدر جہاں کی طرف صادر فرمایا ـــــ روشن شریعت کو رواج دینے کی ترغیب میں اور اسلام اور اہلِ اسلام کی کمزوری پر اظہارِ افسوس میں۔

سَلَّمَکُمُ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَاَبْقَاکُمْ (اللہ سبحانہ آپ کو سلامت اور باقی رکھے) ـــــ چونکہ بادشاہوں کا احسان تمام مخلوق کو حاصل ہوتا ہے اس لئے مخلوق کے دل اس قول کے مطابق جُبِلَتِ الْخَلَائِقُ عَلٰی حُبِّ مَنْ اَحْسَنَ اِلَیْھِمْ (مخلوق کی فطرت میں اپنے محسن کی محبت رکھی گئی ہے) اپنے محسنوں کی طرف مائل ہیں، لہٰذا ناچار اس ارتباط اور تعلق کی وجہ سے (بقدرِ محبت) بادشاہوں کے نیک و بد اخلاق اور اوضاع و اطوار از قبیل خیر و شر اور صلاح و فساد عام مخلوق میں جاری و ساری ہو جاتے ہیں ـــــ اسی وجہ سے کہا گیا ہے: اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِھِمْ (لوگ اپنے بادشاہوں کے دین (طور طریقے) پر ہوتے ہیں) گزشتہ زمانے (عہدِ اکبری) کے حالات اس بات کی گواہی دیتے ہیں۔

اب جبکہ سلطنت میں انقلاب واقع ہو گیا ہے اور اہلِ مذاہب کی عداوت کی تیزی درہم برہم ہو گئی ہے لہٰذا اسلام کے پیشواؤں اور بڑے بڑے وزیروں، امیروں اور علمائے کرام پر لازم ہے کہ اپنی تمام ہمت کو روشن شریعت کی ترویج میں لگائیں اور سب سے پہلے اسلام کے ترک شدہ ارکان کو قائم کریں کیونکہ تسویف (تاخیر) میں خیریت معلوم نہیں ہوتی، غریبوں کے دل اس تاخیر سے نہایت بیقرار ہیں۔ گزشتہ زمانہ کی سختیاں ابھی تک مسلمانوں کے دلوں میں بیٹھی ہوئی ہیں، ایسا نہ ہو کہ پھر ان کی تلافی نہ ہو سکے اور اسلام کی غربت اس سے بھی زیادہ ہو جائے ـــــ جب بادشاہ سنتِ سنیہ مصطفویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کی ترقی میں سرگرم نہ ہوں اور بادشاہوں کے مقرب بھی اس بارے میں اپنے آپ کو الگ رکھیں اور چند روزہ زندگانی کو عزیز سمجھیں تو پھر اہلِ اسلام بیچاروں پر زمانہ بہت ہی تنگ ہو جائے گا، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ (بقرہ آیت ۱۵۶) (ہم سب اللہ کے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے)۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں ؎

آنچہ از من گم شدہ گر از سلیماں گم شدے — ہم سلیماں ہم پری ہم اہرمن بگریستے

(جو میں نے کھو دیا اس کو سلیماں بھی اگر کھوتے — وہ خود روتے، پری بھی جن بھی بلکہ اہرمن روتے)

شعر　صُبَّتْ عَلَیَّ مَصَائِبٌ لَوْ اَنَّھَا　　صُبَّتْ عَلَی الْاَیَّامِ صِرْنَ لَیَالِیَا

(مصائب نے مجھے اس طرح گھیرا　　اگر گردوں پہ ہوں، ہو جائے تاریک)

اسلامی نشانیوں میں سے ایک نشان اسلامی شہروں میں قاضیوں کا مقرر کرنا ہے جو گذشتہ زمانہ (عہد اکبری) میں ختم ہو گیا تھا۔ سرہند میں جو اہلِ اسلام کے بڑے شہروں میں سے ہے (اس میں) کئی سال سے کوئی قاضی نہیں ہے۔ حاملِ رقیمۂ ہذا قاضی یوسف کے باپ دادا شہر سرہند کے آباد ہونے کے وقت سے قاضی ہوتے آئے ہیں چنانچہ بادشاہوں کے کافی اسناد اِن کے پاس موجود ہیں اور صلاح و تقویٰ سے بھی آراستہ ہیں، اگر مناسب سمجھیں تو اس امرِ عظیم القدر کو ان کے حوالہ فرما دیں ــــــ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ ہم کو اور آپ کو شریعتِ حقہ علیٰ مصدرہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کے سیدھے راستہ پر ثابت قدم رکھے۔

مکتوب ۱۹۶

صد و نود و ششم

منصور عرب[1] کی طرف صادر فرمایا ــــــ اس بیان میں کہ ہم جس راہِ (سلوک) کے طے کرنے میں مشغول ہیں وہ سات قدم ہے، اور ہر قدم پر سالک اپنے آپ سے دُور اور حق تعالیٰ سے نزدیک تر ہوتا جاتا ہے۔

مرحمت نامۂ گرامی قدر بڑے نیک وقت میں موصول ہوا، اللہ سبحانہٗ کا شکر اور احسان ہے کہ خواص حضرات، عوام کی یاد بھولے نہیں اور بزرگ حضرات چھوٹے لوگوں کی غمخواری و دلجوئی سے خالی نہیں۔ اللہ سبحانہٗ ہماری طرف سے آپ کو اچھی جزا عطا فرمائے۔ ــــــ میرے مخدوم! ع

از ہر چہ میرود سخنِ دوست خوشتر است　　(جو بات یار سے متعلق ہے خوب ہے)

یہ راہِ (سلوک) جس کے طے کرنے کے ہم درپے ہیں سات قدم (منزل) ہے، دو قدم عالمِ خلق سے متعلق ہیں اور پانچ قدم عالمِ امر سے وابستہ ہیں ــــــ پہلا قدم جو سالک عالمِ امر میں رکھتا ہے اس میں "تجلی افعال" ظاہر ہوتی ہے ــــــ اور دوسرے قدم پر "تجلی صفات" ــــــ اور تیسرے قدم پر "تجلی ذاتیہ" کا ظہور شروع ہو جاتا ہے ــــــ پھر اسی طرح درجات کے تفاوت کے ساتھ ترقی ہوتی جاتی ہے جیسا کہ اربابِ بصیرت سے پوشیدہ نہیں ہے، لیکن یہ سب کچھ سید الاولین والآخرین علیہ و علیٰ آلہ من الصلوات افضلہا

---

[1] کے نام دو مکتوب ہیں: دفتر اول ۱۸۵-۱۹۶۔ مزید حالات معلوم نہ ہو سکے۔ ممکن ہے کہ میر منصور اور منصور عرب ایک ہی صاحب ہوں۔

متابعت پر موقوف ہے۔ ــــــ اور جن حضرات نے یہ فرمایا ہے کہ یہ راہ صرف دو[۲] خُطوۃ (دو قدم) ہے اس سے ان کی مراد مختصر طور پر عالمِ خلق اور عالمِ امر ہے، تاکہ طالبوں کی نظر میں یہ کام آسان دکھائی دے ــــــ ان ساتوں قدموں (منزلوں) میں سے ہر ایک قدم پر سالک اپنے سے دُور اور حق سبحانہٗ وتعالیٰ سے نزدیک ہوتا جاتا ہے، اور ان قدموں کے طے کر لینے کے بعد فنائے اتم (کامل) ہے کہ جس پر بقائے اکمل مرتب ہوتی ہے، اور ولایتِ خاصۂ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کا حاصل ہونا اسی فنا و بقا پر منحصر ہے۔ مصرع

این کار دولت است کنوں تا کرا رسد (یہ کام ہے بڑا دیکھیں کسے ملے)

ہم بے مراد فقیروں کو ایسی باتوں ــــــ سے کیا مناسبت ہے، سوائے اس کے کہ اپنے کام و دہن کو اہلِ کمال کے زلال (آب خوش و شیریں) سے سیراب و شیریں کر لیں۔ رباعی

گر نداریم از شکر جز نام بہر ... این بسے خوشتر کہ اندر کام زہر

آسماں نسبت بعرش آمد فرود ... ورنہ بس عالی ست پیشِ خاکِ تود

دگر شکر حاصل نہیں، ہے نام بس ... زہر کھانے سے ہے بہتر کام بس والسلام اولاً و آخراً

عرش سے نیچے ہے بیشک آسمان ... پھر بھی اونچا ہے زمیں سے وہ مکان)

مکتوب ۱۹۷

صد و نود و ہفتم

پہلوان محمود[۱] کی طرف صادر فرمایا ــــــ اس بیان میں کہ سعادتمند وہ شخص ہے جس کا دل دنیا سے سرد پڑ گیا ہو اور حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی محبت کی حرارت سے گرم ہو گیا ہو اور اس کے مناسب بیان میں۔

دنیا کی مذمت

ثَبَّتَکُمُ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ عَلٰی جَادَّۃِ الشَّرِیْعَۃِ (اللہ سبحانہٗ آپ کو شریعت کے سیدھے راستے پر ثابت قدم رکھے) ــــــ سعادتمند وہ شخص ہے جس کا دل دنیا سے سرد ہو گیا ہو اور حق تعالیٰ کی محبت کی حرارت سے گرما گیا ہو ــــــ "دنیا کی محبت تمام گناہوں کی جڑ ہے، اور اس کا ترک تمام عبادات کا سرچشمہ ہے"[۲]۔ کیونکہ دنیا حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی مغضوبہ[۳] (مظہرِ غضب) ہے۔ اور حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے جب سے اس کو

۱؎ پہلوان محمود کے نام تین مکتوبات ہیں دفتر اول ۸۷ - ۸۸ - ۱۹۷ - مزید حالات معلوم نہ ہو سکے۔

۲؎ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حب الدنیا رأس کل خطیئۃ۔ رواہ رزین والبیہقی فی شعب الایمان۔

۳؎ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان اللہ لم یخلق خلقا ابغض الیہ من الدنیا وما نظر الیہا منذ خلقہا بغضا لہا۔ رواہ ابن ابی الدنیا والبیہقی والحاکم وابن عساکر۔ ہذا خلاصۃ ما قال المعرب۔

پیدا فرمایا ہے اس کی طرف دیکھا تک نہیں ـــــ دنیا اور دنیا والے طعن وملامت کے داغ سے داغدار ہیں ـــــ حدیث شریف میں ہے: اَلدُّنْیَا مَلْعُوْنَۃٌ وَّمَلْعُوْنٌ مَا فِیْھَا اِلَّا ذِکْرَ اللہِ (دنیا ملعون ہے اور جو کچھ اس میں ہے وہ بھی ملعون ہے سوائے اللہ تعالیٰ کے ذکر کے)۔ کیونکہ ذکر کرنے والے بلکہ ان کے وجود کے ذرات کا ہر ذرہ (رُواں رُواں) اللہ سبحانہٗ کے ذکر سے مملو (لبریز) ہے وہ اس وعید سے خارج ہیں (ان پر اس کا اطلاق نہیں ہوتا) ـــــ چونکہ دنیا ایک ایسی چیز ہے جو دل کو حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی طرف سے باز رکھتی ہے اور غیر حق میں مشغول کر دیتی ہے، خواہ مال واسباب ہوں یا جاہ وریاست اور خواہ ننگ وناموس ـــ فَاَعْرِضْ عَنْ مَّنْ تَوَلّٰی عَنْ ذِکْرِنَا (نجم ۵۳ آیت ۲۹) (پس اس شخص سے منہ موڑ لو جس نے ہمارے ذکر سے منہ موڑ لیا) نص قاطع ہے ـــــ جو کچھ بھی دنیا میں ہے بلائے جان ہے۔ دنیا دار دنیا میں تو ہمیشہ لڑنے جھگڑنے میں پریشان رہتے ہیں اور آخرت میں حسرت وندامت کے علاوہ کچھ حاصل نہ ہوگا۔

ترکِ دنیا کی حقیقت یہ ہے کہ اس کی رغبت ترک ہو جائے، اور اس رغبت کا ترک اس وقت متحقق ہوتا ہے جبکہ اس کا ہونا نہ ہونا برابر ہو جائے، اور اس طرح کا حصول اربابِ جمعیت کی صحبت کے بغیر مشکل اور دشوار ہے۔ اگر ان بزرگوں کی صحبت میسر ہو جائے تو اس کو غنیمت سمجھنا چاہیئے اور اپنے آپ کو ان کے سپرد کر دینا چاہیئے۔

میاں شیخ مزمل کی صحبت ہر چند آپ کے لئے غنیمت ہے، اور اس قسم کے عزیز الوجود بزرگ کبریتِ احمر (سرخ گندھک یعنی اکسیر) سے بھی زیادہ نایاب ہیں، لیکن اہلِ کرم کا طریقہ ایثار ہے یعنی اپنی حاجت پر دوسرے کی حاجت وضرورت کو مقدم رکھنا ہے۔ اگر چند روز کے لئے میاں شیخ مزمل کو رخصت فرما دیں تو بہتر ہوگا، کام سے فارغ ہونے کے بعد انشاء اللہ دوبارہ واپس چلے جائیں گے اور غائبانہ اخلاص بھی آپ کے لئے حضور کا سا کام دیگا۔ زیادہ لکھنا دردِ سری ہے۔ اللہ سبحانہٗ ہم کو اور آپ کو سید البشر علیہ وعلی آلہ من الصلوات انمہا ومن التحیات اکملہا کی متابعت پر استقامت عطا فرمائے (آمین) والسلام والاکرام۔

ل رواہ الترمذی وابن ماجہ

مکتوب ۱۹۸
صد و نود و ہشتم

(عبدالرحیم) خان خاناں[۱] کی طرف صادر فرمایا ـــــ اس بیان میں کہ اس زمانہ میں فقراء کی امراء سے دوستی بہت دشوار بات ہے اور اس کے مناسب بیان میں۔

(دعا ہے کہ) "فتوحاتِ مکیہ" بحرمتہ نبی کریم و آلہ الامجاد علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات "فتوحاتِ مدنیہ" کی کنجی ہو ـــــ التفات نامہ گرامی جو فقراء کے نام ارسال فرمایا تھا موصول ہو کر محبت کی زیادتی کا باعث ہوا۔ آپ کو خوشخبری پر خوشخبری ہو۔

میرے مخدوم! فقیروں کا امیروں سے دوستی کرنا اس زمانے میں بہت مشکل کام ہے۔ اگر فقراء گفتگو کرنے یا تحریر میں تواضع اور حُسنِ خُلق کا رویّہ اختیار کریں جو کہ فقر کے لوازمات میں سے ہے تو کم عقل لوگ اپنی بدگمانی کی وجہ سے فقراء کو لالچی اور محتاج سمجھیں گے، اس لئے اس بدظنی کی بِنا پر وہ دنیا و آخرت کے خسارہ میں پڑ جائیں گے اور بزرگوں کے کمالاتِ (فیض) سے محروم ہو جائیں گے ـــــ اور اگر فقراء استغناء و لاپروائی برتیں تو کم عقل لوگ ان کو بداخلاق قیاس کر کے ان کو متکبر اور بدخلق قرار دیتے ہیں، وہ یہ نہیں جانتے کہ استغنا بھی فقر کے لوازمات میں سے ہے کیونکہ جمع ضدیں (دو ضدوں کا جمع ہونا) اس جگہ آ کر حل ہو جاتے ہیں۔

حضرت ابوسعید خرازؒ فرماتے ہیں: عَرَفْتُ رَبِّیْ بِجَمْعِ الْاَضْدَادِ (میں نے اپنے رب کو اضداد کے جمع ہونے سے پہچانا) ـــــ اگرچہ عقلاء اس بات کو محال سمجھتے ہیں اور قبول نہیں کرتے، لیکن کوئی فکر کی بات نہیں کیونکہ ولایت کے اطوار نظر و عقل سے بلند و بالا ہیں ـــــ باقی حالات میر صاحب و مولانا صاحب تفصیل سے بیان کریں گے ـــــ سلام ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔

---

[۱] عبدالرحیم خان خاناں کے نام تیرہ[۱۳] مکتوبات ہیں۔ اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۲۳ پر ملاحظہ ہو۔

مکتوب ۱۹۹
صد و نود و نہم

ملا محمد امین کابلی[۵۱] کی طرف صادر فرمایا —— ورد و وظائف جو انھوں نے طلب کئے تھے ان کو قبول فرمانے کی بیان میں۔

صحیفۂ گرامی جو محبت سے لبریز اور اخلاص و مودت پر مشتمل تھا موصول ہو کر موجبِ فرحت ہوا اللہ تعالیٰ سبحانہٗ آپ کو عافیت سے رکھے۔ (آپ نے) اورادیں سے کسی وِرد کے طلب کا اظہار کیا تھا، اس کے لئے سعادتمند بھائی مولانا محمد صدیق کو بھیجا جاتا ہے تاکہ آپ کو طریقۂ عالیہ کے ذکر میں مشغول کریں، وہ جو کچھ فرمائیں اس کے بجا لانے میں پوری پوری کوشش فرمائیں، امید ہے کہ بہت فائدے حاصل ہوں گے۔ چونکہ (ذکر کا تلقین کرنا) محض لکھنے سے کافی نہ تھا اور اس کا تعلق حضور و صحبت پر منحصر ہے اس وجہ سے مشارٌ الیہ (مولانا محمد صدیق) کو تکلیف دی گئی ہے۔ والسلام

مکتوب ۲۰۰
دو صدم

ملا شکیبی صفہانی[۵۲] کی طرف صادر فرمایا —— نفحات کی مشکل عبارتوں کے حل میں جن کی تشریح طلب کی تھی۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَعَلٰی اٰلِہِ الطَّاھِرِیْنَ اَجْمَعِیْنَ

(تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ رب العالمین کے لئے ہیں اور سید المرسلین اور آپ کی تمام اولاد پر صلوٰۃ و سلام ہو) ——

آپ نے تحریر فرمایا تھا کہ "نفحات" کی مغلق اور مشکل عبارات کی شرح فرما دیں۔ اس بنا پر یہ چند کلمے لکھنے کی جرأت کرتا ہوں —— میرے مخدوم و مکرم! عین القضاۃ ہمدانیؒ[۵۳] اس جماعت کے حال میں

---

[۵۱] آپ کے نام دو مکتوب ہیں دفترِ اول مکتوب ۱۶۶ - ۱۹۹ آپ کا تذکرہ مکتوب ۱۶۶ پر ملاحظہ ہو۔

[۵۲] آپ کے نام بھی دو مکتوب ہیں دفترِ اول مکتوب ۲۰۰ - ۲۱۰۔ آپ عبد الرحیم خان خاناں کے مصاحبین میں سے تھے اور بہت اچھے شاعر تھے۔ ٹھٹھہ کی فتح کے موقع پر ایک مثنوی لکھی جس کے صلہ میں خان خاناں نے ایک ہزار اشرفی انعام دیا۔ پھر دہلی کی صدارت پر فائز رہے۔ سنہ ۱۰۲۲ھ دہلی میں انتقال ہوا۔ "شکیبی رفت" تاریخ وفات ہے۔

[۵۳] آپ کی کنیت ابو الفضائل، نام عبد اللہ بن محمد المیانجی اور لقب عین القضاۃ ہے، آپ شیخ محمد بن حمویہؒ اور شیخ احمد غزالی کی صحبت میں رہے ہیں۔ آپ کے صوری و معنوی کمالات و فضائل آپ کی تصنیفات سے ظاہر ہیں۔ کشفِ حقائق بہت کثرت سے ظاہر ہوئے۔ (نفحات الانس)

جو کسی شیخ کی رہبری کے بغیر سلوک کے راستے پر چلے، فرماتے ہیں: "ان میں سے بعض مغلوب الحال ہو گئے اور مستی ان کے سر پر سائبان کی طرح ہو گئی، اور جو ہوش میں رہا اس کا سر اُڑا دیا گیا"۔

راہِ سلوک سے مراد اللہ تعالیٰ سبحانہٗ بہتر جانتا ہے بظاہر، یہ ہے کہ وہ سلوک کا راستہ ہے جس میں دس مشہور مقامات ترتیب و تفصیل کے ساتھ طے کرنا ہے اور اس طریقے میں نفس کا تزکیہ قلب کے تصفیہ پر مقدم ہے، اور اس میں انابت و توبہ ہدایت کی شرط ہے۔ اور راہِ نا سلوک (بغیر دیکھا ہوا راستہ) سے مراد طریقۂ جذبہ و محبت ہے اور اس میں (قلب کا) تصفیہ (نفس کے) تزکیہ پر مقدم ہے۔ اور یہ اجتباء (برگزیدہ لوگوں) کا راستہ ہے جس میں انابت و توبہ مشروط نہیں، اور یہ طریقہ محبوبوں اور مرادوں کا راستہ ہے، بخلاف طریقۂ اول کے کہ محبین اور مریدین کا طریق ہے ——— ان میں سے بعض حضرات جو قوی جذبہ اور محبت کا غلبہ رکھتے تھے جو کہ مستی اور مغلوب الحالی پر موقوف ہے (اس جذبہ کی وجہ سے) بیرونی و اندرونی شیاطین کے شر سے محفوظ رہے اور ان کی گمراہی اور بے راہ روی سے امن میں رہے، اگرچہ ان کا کوئی رہبر نہیں تھا لیکن فضلِ ایزدی جل سلطانہٗ نے ان کی رہنمائی فرما کر مطلوبِ حقیقی تک پہنچا دیا۔ اور ان میں سے جو باتمیز تھا یعنی جذبہ کی قوت سے محروم تھا اور اس کے حق میں محبت کا غلبہ مفقود تھا اور چونکہ اس کا کوئی رہبر نہ تھا اس لئے دین کے دشمنوں نے اس کو راستے سے بہکا دیا اور ہلاک کر کے ابدی موت میں گرفتار کر دیا۔

اور منجملہ مغلوب الحال لوگوں کے وہ دو ترک تھے جن کے متعلق حسین قصاب نے رمز و اشارہ میں ان کی حکایت بیان کی ہے کہ "ہم ایک بڑے قافلہ کے ساتھ راستہ طے کر رہے تھے اچانک دو تُرک قافلہ سے باہر نکل گئے اور راہِ نا سلوک (غیر معروف راستہ) پر چل دیئے" الیٰ آخرہ ——— قصہ مختصر یہ کہ وہ راستہ جس پر بڑا قافلہ جا رہا تھا وہ راہِ سلوک ہے جو دس مشہور مقامات کو ترتیب و تفصیل کے ساتھ طے کرنے سے پورا ہوتا ہے، کیونکہ اکثر مشائخ بالخصوص متقدمین حضرات اسی طریقے کو اختیار کر کے اپنے مقاصد میں کامیاب ہوئے ہیں۔ اور راہِ نا سلوک جو اُن دو ترکوں نے اختیار کی اور حسین قصاب نے ان کے ساتھ اس راہ میں متابعت کی وہ راہِ جذب و محبت ہے جو مقررہ راہِ سلوک کی نسبت وصول (الی اللہ) سے بہت نزدیک ہے، اور اس راہ کا مقدمہ لذت و آرام پانا ہے جو کہ حس سے بے حس ہونے اور شعور سے بے شعور ہونے کا باعث ہے، اور اس حالت کو انھوں نے بطور اشارہ "رات" مراد لی ہے۔ ———

اور جب مخلوق سے یہ غیبت و بے حسی خالق تعالیٰ و تقدس کے ساتھ حضور اور شعور کو متضمن ہے تو اس حضور و شعور کو "چاند" کے لفظ سے اشارہ فرمایا ہے۔

یہ مقام وضاحت چاہتا ہے لہٰذا ہوش کے کانوں سے سننا چاہئے کہ جسم (کے نظام) کو قائم رکھنے والی روح ہے اور قالب (قوائے جسدی) کی تربیت کرنے والا قلب ہے اور قوائے جسدی روحانی قوت سے (طاقت کا) اکتساب کرتے ہیں، اور حواسِ قالبی قلب کی نورانیت سے استفادہ حاصل کرتے ہیں، پس لازم ہے کہ بارگاہِ قدس جل شانہٗ میں قلب و روح کو توجہ دینے کے وقت جو طریقِ جذبہ میں لازم ہے ابتدائی حال میں جو کہ کمی اور سستی کا وقت ہے جسد کی تدبیر اور قالب کی تربیت میں سستی پیدا ہو جاتی ہے جو کہ حِس کے معطل ہونے اور شعور سے بے خبر ہونے کا سبب ہے جو قویٰ و جوارح کی سستی تک پہنچا دیتی ہے اور بے اختیار زمین پر سلا دیتی ہے ——— اس حالت کو شیخ اجل شیخ محی الدین ابن عربی قدس سرہ نے "فتوحاتِ مکیہ" میں "سماعِ روحی" سے تعبیر فرمایا ہے، اور وہ سماع جو رقص و حرکت پر گردش کرتا ہے اس کو "سماعِ طبیعی" کہا ہے اور اس سے منع کرنے میں بہت مبالغہ کیا ہے، لہٰذا تحقیق ہوا کہ یہ "غیبتِ صوری" "حضورِ معنوی" (باطنی حضوری) کے اوپر متضمن ہے اور یہ جسم کی سستی روحی شعور پر مشتمل ہے جس کی تعبیر "چاند" سے مناسب ہے ——— اب ہم اصل بات کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

جاننا چاہئے کہ "چاند" کا سیاہ بادل میں چھپ جانے سے مراد صفاتِ بشریہ کا ظہور ہے جو مبتدیوں کے اس (حق جل وعلا کی) حضور و آگاہی کو پردے میں چھپا دیتا ہے، اور یہ پردہ میں آجانا توسطِ احوال تک ہے کیونکہ متوسطوں کو یہ استتار (پوشیدگی) نہیں ہے اگرچہ وہ بے استتار بھی نہیں ہیں ——— اور ہو سکتا ہے کہ انہی معنوں میں یہ بات کہی گئی ہو کہ جب آدھی رات ہو گئی اور چاند دوسری بار بادل سے باہر آگیا تو ان دو نوجوان مردوں کے قدموں (کے نشان) کو پایا، کیونکہ حالتِ بسط میں جو حضور و آگاہی کا وقت ہے راستہ روشن ہو جاتا ہے اور مسافت بھی اچھی طرح طے ہو جاتی ہے۔ اور جب صبح ہو گئی تو غیبت و ذہول دور ہو کر حضور و آگاہی سے قوت حاصل ہو گئی اور خلق کی توجہ کے ساتھ جمع ہو گئی (یعنی لوگوں کے مجمع کی وجہ سے توجہ درہم برہم نہیں ہوئی) لہٰذا اسی حضوری سے متعلق کنایہ "طلوعِ آفتاب" سے کیا ہے۔

اور "پہاڑ" سے مراد بشریت کا وجود ہے کہ وہ اس وقت اس پر ظاہر کیا گیا، کیونکہ اس طریقے میں تزکیۂ نفس تصفیۂ قلب کے بعد ہے، چونکہ وہ دونوں ترک جذب کی قوت اور محبت کا غلبہ رکھتے تھے

انھوں نے بہادروں کی طرح اپنے پاؤں بشریت کے پہاڑ پر رکھدیئے اور ایک ہی گھڑی میں اس کے اوپر جا پہنچے، اور ایک قسم کی فنا سے مشرف ہو گئے ۔ اور چونکہ حسین قصاب وہ قوت نہیں رکھتا تھا اندازہ بھی بہت مشقت و محنت سے اس پہاڑ پر چڑھ گیا، اور اس کو بھی ان دونوں ترکوں کی پیروی کی برکت سے یہ بات میسر ہو گئی ورنہ اس کا سر بھی کاٹ ڈالتے۔

لشکر گاہ سے مراد اعیانِ ثابتہ کا مرتبہ ہے جو کہ تمام حقائقِ امکانی کے تعینات اور تعینِ علمی وجوبی کا جامع ہے کیونکہ بے نہایت خیمہ ان تعینات سے کنایہ ہے، اور ان کے درمیان ایک عظیم خیمہ ہے جو حق تعالیٰ و تقدس کے تعینِ علمی وجوبی کی طرف اشارہ ہے کہ اس کو "خیمہ سلطانی" کہتے ہیں اور جب حسین قصاب نے سنا کہ "یہ خیمہ سلطانی" ہے تو یہ خیال کر کے کہ وہ اپنے مطلب کو پہنچ گیا، تو اس نے چاہا کہ وہ فکر و مستی کی سواری سے جس کی مدد کے بغیر یہ راہ طے نہیں ہو سکتی نیچے اُترے اور مطلوب کو پا کر آرام کرے۔

پائے راست (دایاں پاؤں) سے مراد روح ہے کیونکہ اس راہِ نا مسلوک میں قلب و روح کے پاؤں سے چلا جاتا ہے نہ کہ علم و عمل سے کیونکہ وہ راہِ سلوک سے مناسبت رکھتے ہیں۔ اور سب سے پہلے جو چیز مستی سے نکلتی ہے یہی روح ہے پھر قلب کہ جس کو بائیں پاؤں سے تعبیر کرتے ہیں، اس نے رکاب سے باہر پاؤں نکالا ہی تھا کہ اس کے کانوں میں یہ الہام پہنچا کہ سلطان خیمہ میں نہیں ہے، اور حق بات بھی یہی ہے ــــــ اور حسین قصاب چونکہ قوتِ جذب نہیں رکھتا تھا تھوڑی سی بشارت سن کر مستی سے نکل آیا اور وہ دونوں ترک چونکہ جذبۂ قوی اور غلبۂ محبت رکھتے تھے ان خوشخبریوں کی وجہ سے بے وقوف نہ بنے اور بہادروں کی طرح اوپر چڑھ گئے، حسین قصاب اگر ہزار سال بھی انتظار کرے تب بھی سلطان کو خیمہ میں نہ پائے، کیونکہ وہ بلند ہستی وراء الوراء ہے۔

قولہ: (گھوڑے پر) بیٹھ کر شکار کو گیا ہے یعنی خوبصورت مظاہر اور جلوہ گاہوں میں بیٹھا ہوا ہے اور عاشقوں کے دلوں کو شکار کر رہا ہے۔ یہ آواز اور یہ بات حسین قصاب کی فہم و درایت کے موافق تھی جو تنزل کے طریق پر اس سے کہی گئی، ورنہ جس جگہ حق تعالیٰ و تقدس ہے وہاں اس کا بیٹھنا اور اس کا شکار کرنا کچھ معنی نہیں رکھتا۔ بیت

کاؤ ھُو زاں سرائے روز بہی ... باز گشتند جیب و کیسہ تہی

(بحر عرفاں کوئی کہاں پائے ... کتنے جا جا کے نامراد آئے)

اس عبارت سے میری ناقص فہم میں ایک دوسرے معنی بھی آئے جو مقامِ تفرد و کبریائی کے مناسب ہیں، اگرچہ یہ معنی بھی جنابِ قدس جل سلطانہ کے شایانِ شان نہیں لیکن دوسرے معنوں سے زیادہ اولیٰ وانسب ہیں، اور وہ معنی یہ ہیں کہ وحدت پر جو کہ تعینِ اول ہے اور مرتبۂ واحدیت کے مقام کے اوپر بیٹھا ہوا ہے، اور جب وحدت کے مرتبہ میں تمام علمی و عینی تعینات کا اضمحلال اور استہلاک (فنا) ہے اس لئے شکار کو جو پرندوں پرندوں کے ہلاک ہونے کا سبب ہے اس مقام کے مناسب جان کر "شکار کے لئے گیا ہوا" فرمایا۔

شیخ محمد معشوق[1] طوسی اور امیر علی عبو[2]، سلطان کی شکارگاہ میں پہنچ گئے اور اس کا شکار ہو گئے لیکن معشوق طوسی اقدم (زیادہ آگے) اور زیادہ قریب ہے، اور حسین قصاب سلطان کے واپس آنے کی امید پر واحدیت کے خیموں ہی میں رہ گیا۔ وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ اَعْلَمُ بِحَقِیْقَۃِ الْمُرَادِ وَمَا فِیْہِ مِنَ الصَّوَابِ وَالسَّدَادِ (اور حقیقتِ مراد کو اللہ سبحانہ ہی بہتر جانتا ہے اور اس میں بہتری اور صواب بھی اسی کو معلوم ہے)

میرے مخدوم! اکابر طریقۂ نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم نے اسی راہِ ناسلوک کو اختیار کیا ہے اور یہ طریقۂ غیر مقررہ ان بزرگوں کے طریقے میں مقررہ راستہ بن گیا ہے اور بے شمار لوگوں کو اسی راستے سے توجہ اور تصرف کے ساتھ مقصد تک پہنچا دیتے ہیں، اس طریقے میں وصول لازم ہے بشرطیکہ پیر مقتدا کے آداب کی رعایت کی جائے کیونکہ اس طریقے میں بوڑھے، جوان، عورتیں اور بچے سب وصول میں برابر ہیں بلکہ مُردے بھی اس دولت میں امیدوار ہیں ـــــ حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ فرماتے ہیں کہ "میں نے حق سبحانہٗ و تعالیٰ سے ایسے طریقے کے لئے دعا کی جو بلاشبہ موصل (حق تعالیٰ تک پہنچانے والا) ہو ـــــ اور حضرت خواجہ علاء الدین عطار قدس سرہ جو (خواجہ نقشبندؒ کے) پہلے خلیفہ ہیں اس ضمن میں یہ بیت فرماتے ہیں ؎

گر نگشتے دلِ دربان رازہ ــــ قفلِ جہان را ہمہ بکشادمے

(دربانِ راز کا دل ٹوٹے نہ کاش مجھ سے ــــ ورنہ میں کھول دیتا اس قفلِ انجمن کو)

اللہ تعالیٰ ہم کو ان بزرگوں کے طریقے پر ثابت قدم رکھے۔

---

[1] آپ کا نام محمد ہے، صاحبِ حال باکمال بزرگ تھے۔ شیخ ابوسعید ابوالخیر کے ہم عصر تھے۔ طوس میں انتقال ہوا (نفحات اردو ص ۳۳۹)

[2] آپ بھی اپنے وقت کے بڑے باکمال بزرگ تھے حسین قصاب اور دو ترکوں کا مذکورہ واقعہ انہی کے حالات میں درج ہے (〃 ص ۳۴۰)

مکتوب ۲۰۱
دو صد و یکم

کوچک بیگ حصاری کی طرف صادر فرمایا ——— ان کے استفسار کے جواب میں۔[1]

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى (اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) ——— جناب کوچک بیگ حصاری نے دریافت کیا تھا کہ تمام علوم صرف دو تین حرفوں میں مندرج ہیں۔ اس بات کو یقین کرنا چاہیے یا نہیں؟ ——— جواب میں کہا جاتا ہے کہ ظاہراً اس شخص نے علم و سماع اور مطالعہ کتب کے متعلق کہا ہوگا کیونکہ متقدمین (پہلے بزرگوں سے بھی اس قسم کی باتیں ملتی ہیں ——— حضرت امیر (علی) کرم اللہ وجہہ نے فرمایا ہے کہ تمام علوم بسم اللہ کی "ب" میں مندرج ہیں بلکہ اس "ب" کے نقطے میں ——— اور اگر وہ شخص اس بات میں کشف کا دعویٰ کرتا ہے تو اس کا معاملہ دو حال سے خالی نہیں۔ اگر وہ یہ کہتا ہے کہ مجھ پر منکشف ہوا ہے کہ تمام علوم دو تین حروف میں مندرج ہیں اور خواہ ان دو تین حروف کو اس کے معلوم کے ساتھ مخصوص کیا ہو یا نہ کیا ہو۔ تو اس (دعوے) میں صدق کا احتمال ہے، اور اگر وہ یہ کہتا ہے کہ تمام علوم دو تین حروف کے ضمن میں مجھ پر منکشف کئے گئے ہیں اور ان دو تین حرفوں کے صفحہ میں تمام علوم کو مطالعہ کرتا ہوں تو وہ جھوٹا دعویٰ کرتا ہے اور اس کی یہ بات قابلِ قبول نہیں ——— اور سلام ہو اس شخص پر جس نے ہدایت کی پیروی کی اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پیروی کو لازم جانا۔

مکتوب ۲۰۲
دو صد و دوم

میرزا فتح اللہ حکیم کی طرف صادر فرمایا[2] ——— اس جماعت کے حال کے افسوس میں جنہوں نے اپنے آپ کو ان بزرگوں کی عقیدت و ارادت کے رشتہ میں منسلک کرنے کے بعد بلا وجہ ان سے قطع تعلق کر لیا۔

---

[1] آپ کے نام صرف یہی ایک مکتوب ہے۔ مزید حالات معلوم نہ ہو سکے۔

[2] آپ کے نام تین مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۸۰ پر ملاحظہ ہو۔

ثَبَّتَنَا اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَاِیَّاکُمْ عَلَی الطَّرِیْقَۃِ الْمُسْتَقِیْمَۃِ الْمَرْضِیَّۃِ الْمُصْطَفَوِیَّۃِ عَلٰی صَاحِبِھَا الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ وَالتَّحِیَّۃُ (اللہ سبحانہٗ ہم کو اور آپ کو حضرت محمد مصطفٰے علی صاحبہا الصلوۃ والسلام والتحیۃ کی مرضی والے سیدھے راستہ پر ثابت قدم رکھے) ——— ایک روز مشائخ نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کی غیرت کے بارے میں گفتگو ہو رہی تھی، اسی اثنا میں اس بات کا بھی ذکر آیا کہ اس جماعت کا کیا حال ہوگا جو اپنے آپ کو ان بزرگوں کی ارادت کے رشتہ میں شامل کرتی ہے یا اپنے آپ کو اس ضمن میں لاتی ہے، اور ان بزرگوں نے ان کو قبول فرمالیا ہے، پھر بغیر کسی وجہ و سبب کے ان بزرگوں سے قطع تعلق کر بیٹھے اور اپنے خیال و گمان سے دوسروں کے دامن کو جا پکڑا ——— اس ضمن میں آپ کا اور قاضی سنام کا بھی ذکر آگیا تھا۔ اور یہ مذاکرہ معلوم (شاید) ایک لمحہ رہا ہو، اور وہ بھی ایک خاص تقریب پر مبنی تھا۔ بعد ازاں حق جل شانہٗ ایسا موقع نہ دے کہ یہ فقیر کسی مسلمان کی دل آزاری کرے یا تکلیف دے یا دل میں کینہ چھپائے رکھے۔ آپ اپنے دل میں خاطر جمع رہیں۔ ———
آپ کو معلوم ہوگا کہ ہمارا طریق دعوتِ اسماء کا طریقہ نہیں ہے، اس طریقہ کے اکابرین نے ان اسمائ کے مسما میں اپنے آپ کو فنا ہونا اختیار کیا ہے، اور ابتدا ہی سے ان حضرات کی توجہ احدیتِ صرف کی طرف ہے وہ اسم و صفت سے سوائے ذات تعالیٰ و تقدس کے اور کچھ نہیں جانتے۔ لازمی طور پر دوسروں کی انتہا ان کی ابتدا میں مندرج ہوگئی ہے ؏

قیاس کن زگلستانِ من بہارِ مرا (مری بہار کا اندازہ میرے باغ سے کر)

اب چونکہ اس مذاکرہ نے متعدد نقول کی وجہ سے ایک دوسری ہیئت (شکل) اختیار کر لی ہے اور اس کی کیفیت یا شان ایسی ہوگئی ہے کہ اس سے دوسرے قسم کے توہمات پیدا ہونے کا اندیشہ ہے لہذا ان کو دور کرنے کے لئے یہ چند کلمات تحریر کئے جاتے ہیں ——— آپ کی دوستی سے کچھ اضافہ نہیں ہوتا اور عدم دوستی سے کچھ نقصان واقع نہیں ہوگا، صرف آپ ہی کی خیر خواہی ملحوظ و منظور تھی اَمَّا الرَّاضِیْ بِالضَّرَرِ لَا یَسْتَحِقُّ النَّظَرَ (جو شخص اپنے نقصان پر خود راضی ہو وہ شفقت و مہربانی کی نظر کا مستحق نہیں ہوتا) مَثَل مشہور ہے ——— یقین جانئے کہ یہ فقیر آپ کا نقصان نہیں چاہتا اور انشاء اللہ نہ آئندہ چاہے گا ——— وہ صرف ایک بات تھی جو درویشوں کی غیرت کی وجہ سے ایک تقریب میں کہی گئی تھی اس سے بار خاطر (رنجیدہ) نہ ہوں۔

دوسرے یہ کہ جو شخص اپنے آپ کو حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے افضل سمجھے اس کا معاملہ دو حال سے خالی نہیں؛ یا تو وہ زندیقِ محض ہے یا جاہلِ مطلق۔ اس فقیر نے چند سال پیشتر فرقۂ ناجیہ اہلِ سنت وجماعت کے بیان میں ایک مکتوب آپ کو لکھا تھا، تعجب ہے کہ اس کے مطالعہ کے بعد بھی آپ اس قسم کی راہ دیتے ہیں ——— جو شخص حضرت امیر (علیؓ) کو حضرت صدیق رضؓ سے افضل کہتا ہے وہ اس گروہ اہل سنت وجماعت کے گروہ سے نکل جاتا ہے، تو پھر اس شخص کا کیا حال ہوگا جو اپنے آپ کو حضرت صدیقؓ سے افضل جانے۔ حالانکہ اس گروہ میں یہ بات مقرر ہے کہ اگر کوئی سالک اپنے آپ کو خارش زدہ کتے سے بہتر جانے تو وہ ان بزرگوں کے کمالات سے محروم ہے ——— سلفِ (صالحین) کا اس بات پر اجماع ہو چکا ہے کہ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے بعد حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تمام انسانوں سے افضل ہیں ——— وہ بڑا ہی احمق ہے جو اس اجماع کے خلاف خیال کرے ——— اس فقیر نے اپنی کتابوں اور رسالوں میں لکھا ہے کہ حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قاتل "وحشیؓ" (بن حرب، غلام جبیر بن مطعمؓ) ایک مرتبہ حضرت خیر البشر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت میں پہنچے ہیں اور حضرت اویس قرنیؒ سے جو خیر التابعین میں سے ہیں، بہتر ہو گئے ——— پس ایسے شخص کے بارے میں اس قسم کی خیال آرائی کرنا عقل دور اندیش سے بعید ہے۔ جس عبارت[۲] سے لوگوں کے دلوں میں اس قسم کا وہم پیدا ہو گیا ہے اس کو غور سے دیکھنا چاہیئے اور معاملہ کی حقیقت تک پہنچنا چاہیئے صرف حاسد لوگوں کی تقلید مناسب نہیں۔ اس لئے کہ مشائخ نے سکر کے غلبہ میں بہت سی غیر مناسب باتیں کہدی ہیں۔ چنانچہ شیخ بسطامیؒ فرماتے ہیں کہ "میرا جھنڈا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے سے بلند ہے"۔ ایسی باتوں سے افضلیت کے پیچھے نہیں پڑنا چاہیئے کہ یہ یقیناً زندیقی ہے اور فقیر کی عبارت میں ہرگز اس قسم کی تحریر نہیں ہوئی ہے۔ والسّلام

مکتوب ۲۰۳
دو صد و سیوم

ملا حسینی[۱] کی طرف صادر فرمایا ——— اس عالی جماعت کی محبت کی ترغیب میں اور اس بیان میں کہ ان کا ہمنشین شقاوت (بدبختی) سے محفوظ ہے اور اس کے مناسب بیان میں۔

۱؎ آپ کے نام صرف یہی ایک مکتوب ہے۔ غالباً مولانا حسین نانبائی مراد ہیں، آپ کشمیر میں پیدا ہوئے اور شیخ محمد قادریؒ سے تعلیم طریقت حاصل کی پھر دہلی آئے اور عبد الشہید احراریؒ کی صحبت میں رہے پھر ایک عرصہ حضرت خواجہ باقی باللہؒ کی خدمت میں رہے بعد ازاں باقی عمر کشمیر میں عبادت گذار رہے۔ سنہ ۱۰۵۰ھ میں انتقال ہوا (نزہۃ الخواطر ج ۵۷) ؏ اس عبارت سے مراد دفتر اول مکتوب ۲۶۶ ہے۔

أَحْسَنَ اللّٰهُ تَعَالٰی أَحْوَالَكُمْ وَأَصْلَحَ سُبْحَانَهٗ أَعْمَالَكُمْ وَآمَالَكُمْ (اللہ تعالیٰ آپ کے احوال کو بہتر بنائے اور تمہارے اعمال وآرزوؤں کو نیک کرے) ـــــ آپ کا گرامی نامہ چونکہ فقراء کی محبت پر مبنی تھا اس لئے بہت زیادہ فرحت وخوشی کا باعث ہوا، حق سبحانہٗ وتعالیٰ اس عالی جماعت کی محبت میں روز بروز اضافہ فرمائے اور ان کی نسبت کی نیاز مندی کو آپ کی زندگی کا سرمایہ بنائے ـــــ حدیث اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ[1] (آدمی اسی کے ساتھ ہے جس سے وہ محبت کرتا ہے) کے مطابق ان (فقراء) سے محبت کرنے والے ان کے ساتھ ہیں اور وہ فقراء ایسے ہیں جن کا جلیس وہمنشین شقاوت وبدبختی سے محفوظ ہے ـــــ چنانچہ حدیثِ نبوی[2] علیہ من الصلوات اتمہا ومن التحیات اکملہا میں ہے کہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے کچھ فرشتے کاتبینِ اعمال کے علاوہ ایسے بھی ہیں جو راستوں اور گذرگاہوں پر اہلِ ذکر کی تلاش میں گھومتے رہتے ہیں یہانتک کہ جب وہ کسی جماعت کو ذکر کرتے ہوئے پا لیتے ہیں تو ایک دوسرے کو آواز دیتے ہیں کہ جلد اپنے مقصد کی طرف آؤ۔ پس وہ سب کے سب اپنے بازوؤں سے اس جماعت پر چھا جاتے اور احاطہ کر لیتے ہیں اور اپنی کثرت کی وجہ سے آسمان تک یہ سلسلہ پہنچ جاتا ہے ـــــ پس خداوند کریم جو اپنے بندوں کے حال سے خوب باخبر ہے، ملائکہ سے دریافت فرماتا ہے کہ میرے بندوں کو تم نے کس حال میں پایا؟۔ فرشتے عرض کرتے ہیں: بارِ الٰہا! وہ تیری حمد وثنا بیان کر رہے تھے، اور تجھ کو بڑائی وتعظیم کے ساتھ یاد کر رہے تھے اور تمام عیوب ونقصانات سے تجھ کو منزّہ ومبرا قرار دیتے تھے ـــــ حق تعالیٰ نے فرمایا کیا انھوں نے مجھے دیکھا ہے؟۔ فرشتے کہتے ہیں، نہیں۔ ـــــ پھر حق تعالیٰ فرماتا ہے، اگر وہ مجھے دیکھ لیں تو ان کا کیا حال ہو؟۔ ملائکہ عرض کرتے ہیں: پھر اور زیادہ تحمید (حمد) تمجید (بزرگی) اور تکبیر (بڑائی) بیان کریں ـــــ پھر حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ لوگ مجھ سے کیا طلب کر رہے تھے؟۔ فرشتے عرض کرتے ہیں کہ وہ بہشت کی طلب کر رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کیا انھوں نے بہشت کو دیکھا ہے؟ فرشتے عرض کرتے ہیں، نہیں دیکھا ـــــ حق تعالیٰ فرماتا ہے اگر وہ اس کو دیکھ لیں تو ان کا کیا حال ہو؟۔ ملائکہ عرض کرتے ہیں: اگر وہ دیکھ لیں تو ان کو (بہشت کی) اور زیادہ طلب وحرص ہو جائے ـــــ پھر حق تعالیٰ فرماتا ہے: کہ وہ کس چیز سے ڈرتے ہیں؟۔ ملائکہ عرض کرتے ہیں: اے رب! وہ دوزخ سے ڈرتے تھے اور تیری پناہ کی جستجو میں لگے ہوئے تھے

---

[1] مسلم وبخاری شریف۔ [2] مسلم وبخاری شریف بروایت ابوہریرہؓ۔

حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: کیا انھوں نے دوزخ کو دیکھا ہے؟۔ فرشتے عرض کرتے ہیں: نہیں دیکھا — حق تعالیٰ فرماتا ہے: اگر دیکھ لیں تو ان کا کیا حال ہو؟۔ فرشتے عرض کرتے ہیں: اگر وہ دیکھ لیں تو اور زیادہ پناہ چاہیں، اور دوزخ سے بچنے کے لئے زیادہ سے زیادہ راہِ فرار اختیار کریں — (ان سوال و جواب کے بعد) حق تعالیٰ فرشتوں سے فرماتا ہے: میں تم کو گواہ کرکے کہتا ہوں کہ میں نے ان سب کو بخش دیا — فرشتے عرض کرتے ہیں کہ اے رب! ان ذکر کرنے والوں کی مجلس میں فلاں شخص ذکر کے لئے نہیں آیا تھا بلکہ دنیاوی حاجت لے کر آیا تھا۔ حق سبحانہٗ وتعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ لوگ اَنَا جَلِیْسُ مَنْ ذَکَرَنِیْ[1] (میں اس کا ہمنشین ہوں جس نے میرا ذکر کیا) کے بموجب میرے ایسے ہمنشین ہیں کہ ان کا ہمنشین بدبخت نہیں ہوتا۔

اس حدیث اور اس سے پیشتر والی حدیث "اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ" سے لازم آتا ہے کہ اس جماعت سے محبت کرنے والے ان کے ساتھ ہیں اور جو بھی ان کے ساتھ ہے وہ محروم و بدبخت نہیں ہے ثَبَّتَنَا اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَاِیَّاکُمْ عَلٰی مَحَبَّۃِ ھٰؤُلَآءِ الْکِرَامِ بِحُرْمَۃِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ الْھَاشِمِیِّ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ وَالتَّحِیَّاتُ کُلَّمَا ذَکَرَہُ الذَّاکِرُوْنَ وَکُلَّمَا غَفَلَ عَنْ ذِکْرِہِ الْغَافِلُوْنَ (اللہ تعالیٰ ہم کو اور آپ کو نبی الامی الہاشمی علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات والتحیات کے طفیل ان بزرگوں کی محبت پر ثابت قدم رکھے، جب تک ذکر کرنے والے اس کا ذکر کریں اور غافل اس کے ذکر سے غفلت میں رہیں)۔

اور جو کچھ آپ نے میاں اللہ داد کے خط میں اپنے احوال کی نسبت لکھا تھا اس قسم کی فنا اور گم ہونا بہت سے طالبوں پر ظاہر ہوتا ہے، اپنی ہمت بلند رکھیں اور جو کچھ حاصل ہو اس پر قناعت نہ کریں۔ ؎

بس بے رنگ است یار دلخواہ اے دل | قانع نشوی برنگ ناگاہ اے دل
(بہت بے رنگ ہے وہ یارِ دلخواہ | قناعت رنگ پر مت کر تو ناگاہ)

اس جماعت کی صحبت جملہ ضروریات میں سے ہے۔ حق سبحانہٗ وتعالیٰ ہمیں ان کی صحبت نصیب فرمائے۔ ؎

گرد مستان گرد اگر مے کم رسد بوئے رسد | گرچہ بوئے ہم نباشد رویتِ ایشاں بس است
(بُو ہی کافی ہے اگر مے کش نہیں دیتے شراب | بُو بھی گر حاصل نہیں، دیدار سے ہو فیضیاب)

---

[1] حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "میں اپنے بندے کے ساتھ ہوتا ہوں جب وہ مجھے یاد کرے اور اس کے ہونٹ میرے نام کے ساتھ حرکت کریں۔ رواہ البخاری

اسی طریقے پر جو حضرت قبلہ گاہی یعنی خواجہ عبدالباقی قدس سرہ سے اخذ کیا ہے وہ یہ طریقہ ہے کہ اسمِ مبارک "اللہ" کو بے چونی و بے چگونی (بے مثل و بے کیفی) کے معنی کے ساتھ دل کی پوری توجہ سے قلب میں گذاریں اور حاظر و ناظر کے معنوں پر اکتفا نہ کریں بلکہ کسی صفت کو بھی ملحوظ نہ رکھیں۔ اسی اسم کو مذکورہ توجہ کے بعد ہمیشہ دل میں حاضر رکھیں ——— بعض ضروری امور جو صحبت اور رو برو ہونے پر موقوف ہیں اگر ملاقات میسر ہوئی تو بیان کئے جائیں گے۔ ملاقات کے وقت تک نئے احوال لکھتے رہیں کیونکہ ان کا مطالعہ غائبانہ توجہ کا باعث ہوتا ہے۔ والسلام

مکتوب ۲۰۴
دو صد و چہارم

میر محمد نعمان بدخشی کی طرف صادر فرمایا ——— اس بیان میں کہ اہلِ خسران کے اعتراضات سے رنجیدہ نہ ہوں اور جو کام درپیش ہے اس میں مشغول رہیں اور دوستوں کی خاطر داری اور ان کی ترقیوں کے حصول میں کوشاں رہیں اور اس کے مناسب بیان میں۔

جناب میر نعمان صاحب! اہلِ خسران (دنیاداروں) کی پریشان کن باتوں سے رنجیدہ نہ ہوں کُلٌّ یَّعْمَلُ عَلٰی شَاکِلَتِہٖ[۱] (ہر ایک اپنے طریقے اور انداز پر عمل پیرا ہے)۔ آپ کے لئے مناسب ہے کہ ان کی پاداش اور بدلہ لینے کے درپے نہ ہوں، دروغ کو کبھی فروغ نہیں ہے، ان کی جھگڑنے والی باتیں خود ان کے زوال کا باعث بن جائیں گی۔ مَنْ لَّمْ یَجْعَلِ اللّٰہُ لَہٗ نُوْرًا فَمَا لَہٗ مِنْ نُّوْرٍ (سورہ نور آیت ۴۰) (جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے نور نہیں بنایا اس کے لئے کوئی نور نہیں ہے) ——— جو شغل آپ کے پیش نظر ہے اس میں کوشش کریں اور اس کے علاوہ سب سے چشم پوشی اختیار کریں: قُلِ اللّٰہُ ثُمَّ ذَرْھُمْ فِیْ خَوْضِھِمْ یَلْعَبُوْنَ (انعام آیت ۹۱) (آپ اللہ! اللہ کہئے اور پھر ان لوگوں کو چھوڑ دیجئے کہ اپنی بیہودہ باتوں میں لگے رہیں)

اخوی خواجہ محمد صادق ایسے وقت پہنچے کہ اتفاق سے عشرۂ اعتکاف بجا لائے، اور فتوحات و واردات تازہ سے مشرف ہوئے۔ اور الحمد للہ سبحانہ کہ تمام دوستوں کے اوقات اطمینانِ قلب سے گذر رہے ہیں اور پے درپے ترقی پر ہیں۔ ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰہُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ (جمعہ آیت ۴) (یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے) وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ سیدنا محمد وآلہ وصحبہ وسلم وبارک علیہ وعلیہم اجمعین۔

[۱] آیت اس طرح ہے قل کل یعمل علیٰ شاکلتہ (بنی اسرائیل آ ۸۴)

مکتوب ۲۰۵ دو صد و پنجم (عربی)

خواجہ محمد اشرف کابلی کی طرف صادر فرمایا ـــــ اس بیان میں کہ اصل مقصود صاحبِ شریعت علیہ وعلی آلہ الصلوۃ والسلام والتحیۃ کی متابعت ہے۔

اللہ تعالیٰ آپ کو حضرت محمد مصطفےٰ علیٰ صاحبہا الصلوۃ والسلام والتحیۃ کی کامل متابعت سے مشرف فرمائے، کیونکہ اس کی درستی پر دین کے کاموں کا دار و مدار ہے جو صدیقین کی دلی آرزو ہے، اس کے علاوہ جو کچھ ہے سب باطل اوہام اور فاسد خیالات ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اور آپ کو اس سے نجات بخشے۔ اور سلام ہو اس شخص پر جس نے ہدایت کی پیروی کی اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کو اپنے اوپر لازم جانا۔

مکتوب ۲۰۶ دو صد و ششم

ملا عبد الغفور سمرقندی[2] کی طرف صادر فرمایا ـــــ دنیا اور اس کے ناز و نعمت میں گرفتار ہونے کی مذمت میں۔

اَللّٰھُمَّ نَبِّھْنَا قَبْلَ اَنْ یُّنَبِّھَنَا الْمَوْتُ بِحُرْمَۃِ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَعَلَیْھِمُ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ اَتَمُّھَا وَاَفْضَلُھَا (یا اللہ تو سید المرسلین علیہ وعلی آلہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات اتمہا وافضلہا کے طفیل ہم کو آگاہ کر دے قبل اس کے کہ موت ہم کو ہشیار اور آگاہ کرے) ـــــ آپ کا لطیف و شریف گرامی نامہ جو اس حقیر دور افتادہ کے نام تحریر تھا موصول ہو کر خوشی و مسرت کا باعث ہوا، جَزَاکُمُ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ عَنَّا خَیْرَ الْجَزَاءِ (اللہ سبحانہٗ آپ کو جزا عطا فرمائے اور ہماری طرف سے عمدہ جزا دے)۔

اے بھائی! انسان کو دنیا میں مرغن اور لذیذ غذاؤں اور نفیس و مزین لباس پہننے کے لئے نہیں لائے اور عیش و عشرت اور کھیل کود کے لئے نہیں پیدا کیا بلکہ اس (انسان) کی پیدائش کا مقصود اپنے آپ کو عاجز و انکسار اور کمزور و محتاج سمجھنا ہے، جو کہ حقیقتِ بندگی ہے، مگر وہ انکساری اور عاجزی ہو

---

[1] آپ کے نام دس مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۱۳۱ میں ملاحظہ ہو۔

[2] آپ کے نام تین مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۱۴۲ میں ملاحظہ فرمائیں۔

جس کی شریعتِ مصطفویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ نے اجازت دی ہے۔ کیونکہ اہلِ باطل کی ریاضات و مجاہدات جو روشن شریعت کے خلاف ہیں، ان سے سوائے خسارہ اور شرمندگی کے کچھ حاصل نہیں ہوتا اور سوائے حسرت و ندامت کے اور کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوتا۔

چاہئے کہ علمائے اہلِ سنت وجماعت شکر اللہ تعالیٰ سعیہم کی آراء کے موافق اپنے اعمال وعقائد کو احکامِ شرعیہ سے آراستہ و پیراستہ کرنے کے بعد اپنے باطن کو ذکرِ الٰہی جل سلطانہ سے معمور رکھیں۔ اور وہ سبق جو طریقہ عالیہ اکابرِ نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم سے اخذ کیا ہے اس کی تکرار کریں، کیونکہ ان بزرگوں کے طریقے میں ان کی ابتدا میں انتہا درج ہے اور ان کی نسبت تمام نسبتوں سے افضل ہے کم عقل لوگ اس بات کا یقین کریں یا نہ کریں (فقیر کا) مقصود دوستوں کو ترغیب اور شوق دلانا ہے اور مخالفین اس بحث سے خارج ہیں ؎

ہر کس افسانہ بخواند افسانہ است وآنکہ دیدش نقدِ خود مردانہ است

(جس نے افسانہ کہا افسانہ ہے جس نے خود دیکھا وہی مردانہ ہے)

مختصر یہ کہ آخرت کی فلاح و بہبود ذکرِ کثیر پر وابستہ ہے: وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ (جمعہ آیت ۶۲) (اللہ تعالیٰ کا بکثرت ذکر کرو تاکہ تم فلاح پاؤ) اسی معنی پر گواہ ہے، لہٰذا ذکرِ کثیر پر ثابت قدم رہنا چاہئے اور جو کچھ بھی اس کے خلاف ہے اس کو دشمن سمجھنا چاہئے کیونکہ نجات کا یہی طریقہ ہے۔ مَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ

ذکر گو ذکر تا ترا جان است پاکیٔ دل ز ذکرِ رحمٰن است

(ذکر کر ذکر جب تلک جاں ہے دل کی پاکی کو ذکرِ رحمٰن ہے)

أَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ (رعد آیہ ۲۸) (آگاہ رہو کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر ہی سے قلوب اطمینان حاصل کرتے ہیں) نص قاطع ہے ـــــ حق تعالیٰ کی بارگاہ میں التجا ہے کہ وہ اس پر ثبات واستقامت کی توفیق عطا فرمائے کیونکہ دین کا مدار اسی پر ہے ـــــ اور سلام ہو اس پر جس نے ہدایت کی پیروی کی اور حضرت محمد مصطفےٰ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات اتمہا واکملہا کی متابعت کو اپنے اوپر لازم کیا۔

جامہ فرجی (قبا) جو نیک اوقات میں بار ہا پہنا گیا ہے روانہ کیا جاتا ہے، اس کو پہن لیا کریں۔ حق تعالیٰ اپنے نبی اور ان کی پاک اولاد علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کے طفیل تمام کاموں کا انجام بخیر کرے۔ والسلام

مکتوب ۲۰۷
دو صد و ہفتم

میرزا حسام الدین احمد[1] کی طرف صادر فرمایا —— اس بیان میں کہ جسموں کے قرب کو دلوں کے قرب میں عظیم تاثیر ہے، اور اس بیان میں کہ وجد و حال کو جبتک شرع شریف کی ترازو میں نہ تول لیں نیم جَو سے بھی نہیں خریدتے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کا شکر ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) —— مدت ہوئی احباب کی اور مخدوم زادوں کی اور صاحبزادے میاں جمال الدین حسین اور باقی دیگر عزیزوں اور بلند بارگاہ کے خادموں بالخصوص میاں شیخ اللہ داد و میاں شیخ اللہ دیا کی خیر و عافیت معلوم نہ ہو سکی، اس کا ملتع اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ شاید آپ نے اس دور افتادہ کو فراموش کر دیا ہو —— ہاں بدنوں کے قرب کو دلوں کے قرب میں عظیم تاثیر ہے، یہی وجہ ہے کہ کوئی ولی صحابہؓ کے مرتبہ کو نہیں پہنچا، حضرت اویس قرنیؒ اس قدر بلند مرتبہ ہونے کے باوجود چونکہ حضرت خیر البشر علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت کا شرف حاصل نہ کر سکے اس لئے کسی ادنیٰ صحابی کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکے —— کسی شخص نے حضرت عبد اللہ بن مبارکؒ سے دریافت کیا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ افضل ہیں یا عمر بن عبد العزیزؒ؟ تو آپ نے جواب دیا کہ وہ غبار جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ساتھ ہوتے ہوئے حضرت امیر معاویہؓ کے گھوڑے کی ناک میں داخل ہوا تھا وہ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ سے کئی درجے بہتر ہے۔

اس طرف کے حال و احوال مع متعلقین اور توابع کے بخیر و عافیت ہیں۔ اس پر بلکہ ان تمام نعمتوں اور بالخصوص اسلام کی نعمت اور سید الانام علیہ و علیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کی متابعت پر اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کا شکر و احسان ہے، کیونکہ اصل مقصود یہی ہے اور نجات کا دار و مدار اور دنیا و آخرت کی سعادت اسی پر وابستہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو سید المرسلین علیہ و علیٰ آلہ و علیہم الصلوات و التسلیمات اتمہا و اکملہا کے طفیل اس پر ثابت قدم رکھے۔ ع

کار این ست و غیر ایں ہمہ ہیچ (کام بس یہ ہے باقی سب ہیچ ہے)

صوفیوں کی نمریات (سکر و مستی کی حالت میں جو خلافِ شرع باتیں سرزد ہوتی ہیں) ان سے کیا حاصل ہوتا ہے اور ان کے

---

[1] آپ کے نام سولہ مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۳۲ پر گذر چکا ہے۔

احوال سے کیا اضافہ ہوتا ہے، وہاں وجد و حال کو جبتک شریعت کی میزان پر نہ تول لیں نیم جیتل (آدھا پیسہ) کے عوض بھی نہیں خریدتے، اور کشف و الہام کو جبتک کتاب و سنت کی کسوٹی پر نہ پرکھ لیں نیم جو کے بدلے میں بھی قبول نہیں کرتے ـــــــ صوفیائے کرامؒ کے طریقے پر چلنے سے مقصود یہ ہے کہ معتقداتِ شرعیہ کا جو کہ ایمان کی حقیقت ہیں زیادہ یقین حاصل ہو جائے اور احکامِ فقہیہ کے ادا کرنے میں آسانی میسر ہو جائے، اس کے علاوہ اور کوئی امر مقصود نہیں ہے کیونکہ رویتِ باری تعالیٰ کے آخرت میں ہونے کا وعدہ کیا گیا ہے اور وہ دنیا میں ہرگز واقع نہیں ہوگی۔ وہ مشاہدات و تجلیات جن کے ساتھ صوفیہ خوش ہوتے ہیں وہ صرف ظلال سے آرام پانا اور شبہ و مثال سے تسلی حاصل کرنا ہے کیونکہ حق تعالیٰ ان سب سے وراء الوراء ہے۔

عجب کاروبار ہے کہ اگر ان مشاہدات و تجلیات کی حقیقت پوری طرح بیان کر دی جائے تو اس بات کا خوف ہے کہ اس راستے کے مبتدیوں کی طلب میں فتور اور ان کے شوق میں قصور واقع ہو جائے گا، اور ساتھ ہی اس بات کا بھی ڈر ہے کہ اگر علم کے باوجود کچھ بھی نہ کہا جائے تو حق باطل کے ساتھ ملا رہے گا ـــــــ یَا دَلِیْلَ الْمُتَحَیِّرِیْنَ دُلَّنِیْ بِحُرْمَۃِ مَنْ جَعَلْتَہٗ رَحْمَۃً لِّلْعَالَمِیْنَ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہِ الصَّلَوٰاتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ (اے سرگشتہ اور حیران لوگوں کو راہ دکھانے والے ہم کو رحمۃ للعالمین علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کے طفیل سیدھے راستے کی ہدایت فرما) ـــــــ کبھی کبھی اپنی کیفیات کے احوال سے مطلع فرماتے رہیں کیونکہ یہ امر محبت میں اضافہ کا باعث ہے ـــــــ اور سلام ہو اُس پر جس نے ہدایت کی پیروی کی اور حضرت محمد مصطفٰے علیہ و علیٰ آلہ الصلوات والتحیات والتسلیمات افضلہا واکملہا کی متابعت کو اپنے اوپر لازم جانا۔

مکتوب ۲۰۸

دو صد و ہشتم

حضرت مخدوم زادہ اعنی میاں محمد صادقؒ کی طرف صادر فرمایا، اللہ تعالیٰ ان کو محبین کے سروں پر قائم رکھے۔ اُن کے سوال کے جواب میں کہ سالک اس طریق (راستہ) میں کبھی اپنے آپ کو انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے مقامات میں پاتا ہے بلکہ بعض اوقات مشاہدہ کرتا ہے کہ ان مقامات سے بھی آگے نکل گیا ہے، اس راز کا کیا مطلب ہے۔

ـــــــــــــــــــ

لہ آپ کے نام پانچ مکتوب ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۱۸۱ کے فٹ نوٹ میں ملاحظہ ہو۔

میرے فرزند نے دریافت کیا تھا کہ اس راہ کا سالک مقاماتِ عروج میں کبھی اپنے آپ کو انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات انتہا و اکملہا کے مقامات میں پاتا ہے بلکہ بعض اوقات یہ سمجھتا ہے کہ ان مقامات سے بھی آگے نکل گیا ہے، اس راز کا کیا مطلب ہے؟ حالانکہ یہ بات متفقہ طور پر تسلیم شدہ ہے کہ (اولیاءؒ پر) انبیاء علیہم الصلوات والتحیات کو فضیلت حاصل ہے۔ اولیاءؒ جو کچھ بھی حاصل کرتے ہیں انہی (انبیاءؑ) کے طفیل سے حاصل کرتے ہیں اور کمالاتِ ولایت تک ان ہی کی متابعت سے پہنچتے ہیں ——

—— اس کا جواب یہ ہے کہ انبیاء علیہم الصلوات والبرکات کے وہ مقامات ان کے عروج کے مقامات کی انتہا نہیں ہیں بلکہ ان بزرگواروں (پیغمبروں) کا عروج مراتب کے لحاظ سے ان مقامات سے بہت بلند ہے، کیونکہ ان مقامات سے مراد اسمائے الٰہی جل سلطانہٗ ہیں کہ جو ان کے تعینات کا مبدأ ہیں اور وہ حضرت حق ذات تعالیٰ و تقدس کی طرف سے فیوض کے ذرائع و وسیلے ہیں، کیونکہ حضرت ذات عز اسمہ کو بغیر اسماء کے توسط کے اس عالم سے کوئی مناسبت نہیں ہے اور حق تعالیٰ کو سوائے استغنا اور لاپروائی کے کوئی نسبت نہیں، آیۂ کریمہ اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ (عنکبوت آیت ۶ پ ۲۹) (بے شک اللہ تعالیٰ دنیا جہان سے بے پرواہ ہے) اس معنی پر شاہد و گواہ ہے۔

اور جب یہ بزرگوار (انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام) عروج کے مراتب سے نزول فرماتے ہیں اور اوپر کے انوار کو ساتھ لے کر نیچے آتے ہیں تو اُن (صفات الٰہیہ کے) اسماء میں اپنے درجات کے مطابق جو ان کے طبعی مقامات کے ساتھ مشابہت رکھتے ہیں ان میں اقامت فرماتے ہیں اور اپنا وطن بنا لیتے ہیں۔ لہٰذا اگر کوئی ان کو قرار پانے کے بعد ان کے مقام میں تلاش کرے تو ان کو ان ہی اسماء (الٰہی) میں پائے گا —— لہٰذا بلند استعداد والا جو حضرت ذات تعالیٰ و تقدس کی طرف متوجہ ہے لازماً عروج کے وقت انہی اسماءِ الٰہی میں پہنچ جائے گا اور اس جگہ سے اوپر کو گذر جائے گا۔ اِلٰی مَاشَاءَ اللّٰہ تعالیٰ (جہاں تک اللہ تعالیٰ چاہے)۔ لیکن جب وہ سالک اوپر سے نیچے آتا ہے اور اس ذات الٰہی کے اسم کے ساتھ جو اس کے وجود کے تعین کا مبدا ہے نزول کرتا ہے تو وہ البتہ ان اسموں سے جو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے مقامات میں بہت نیچے ہوگا اور اس مقام میں درجات کے تفاوت ظاہر ہو جائیں گے جو کہ افضلیت کی بنیاد ہے جس کا جتنا بلند مقام ہے اس کی اتنی ہی فضیلت ہے۔ اور جب تک سالک اپنے اسم کے ساتھ واپس نہیں لوٹتا اور اپنے اسم کو ان کے اسموں سے نیچے نہیں لاتا ان

بزرگواروں (پیغمبروں) کی افضلیت کو ذوق وحال کے طریقے پر معلوم نہیں کرسکتا بلکہ تقلید کے طور پر ان کو افضل کہتا ہے، اور سابق یقین کی وجہ سے ان کی اَوْلَوِیت (اولیٰ و افضل ہونے کو) تسلیم کرتا ہے لیکن اس کا وجدان اس کے حکم کی تکذیب کرتا ہے۔ ایسے وقت میں حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ سے عجز و نیاز اور التجا و تضرع کی ضرورت ہے تاکہ جو کچھ حقیقتِ کار (اصلی حالت) ہے ظاہر ہوجائے ـــــ اسی مقام میں سالکوں کے قدم ڈگمگا جاتے ہیں۔ اس جواب کو ہم ایک مثال کے ذریعے واضح کرتے ہیں :۔

اربابِ معقول (یعنی فلاسفۂ یونان اور ان کے پیرو حکمائے اسلام) نے کہا ہے کہ دھواں، خاکی اور آتشی اجزا سے مرکب ہے، جس وقت دھواں اوپر کو جاتا ہے تو اس کے اجزائے خاکی بھی اجزائے آتشی کے ساتھ اوپر چلے جاتے ہیں اور قاسرؔ کا قسر حاصل ہونے کی وجہ سے عروج کر جاتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ اگر دھواں قوی ہو تو وہ کرۂ نار تک عروج کر جاتا ہے۔ اس اوپر جانے کے دوران اجزائے خاکی، اجزائے آبی اور اجزائے ہوائی کے مقامات میں جو طبعی طور پر بلندی رکھتے ہیں وہ بھی پہنچ جائیں گے اور وہاں سے عروج کرکے اوپر چلے جائیں گے ـــــ ایسی صورت میں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اجزائے خاکی کا مرتبہ اجزائے آبی و ہوائی سے بلند وبالا ہے کیونکہ وہ فوقیت باعتبار قاسر کے ہے نہ کہ باعتبار ذات کے۔ اور کرۂ نار تک پہنچنے کے بعد جب وہ اجزائے خاکی نزول کرکے مرکز طبعی یعنی خاک پر پہنچ جاتے ہیں تو یقیناً ان کا مقام پانی اور ہوا کے مقام سے نیچے ہوگا ـــــ لہٰذا اس بارے میں ہم یہ کہتے ہیں کہ اس سالک کا عروج بھی ان مقامات میں قاسر کے اعتبار سے ہے کہ وہ قاسر گرمیٔ محبت کی زیادتی اور جذبۂ عشق کی قوت ہے۔ اور ذات کے اعتبار سے اس کا مقام بھی ان مقامات سے بہت نیچے ہے۔

یہ جواب جو بیان کیا گیا ایک منتہی سالک کی مناسبت سے ہے، لیکن اگر ابتدا میں یہ وہم پیدا ہوجائے اور وہ اپنے آپ کو اکابر کے مقامات میں پائے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر مقام کی ابتدا اور وسط میں اس کا سایہ اور مثال ہے اور چونکہ مبتدی اور متوسط جب ان مقامات کے ظلال کو پہنچتے ہیں تو خیال کرتے ہیں کہ وہ ان مقامات کی حقیقت تک پہنچ گئے (اسوقت) ظلال و حقائق کے درمیان فرق نہیں کرسکتے ـــــ اور اسی طرح اکابر کی شبیہ و مثال جب ان مقامات میں پاتے ہیں تو خیال کرتے ہیں کہ وہ ان مقامات میں اکابرین کے ساتھ شریک ہوگئے ہیں، حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ اس جگہ شے کے

لہ قاسر، یعنی زبردستی کسی کو کسی کام پر لگانے والا اور قسر کے معنی زبردستی کام پر لگانا۔

ظل کا نقص شے کے مانند ہونا لازم آتا ہے ___ اَللّٰھُمَّ اَرِنَا حَقَائِقَ الْاَشْیَاءِ کَمَا ھِیَ وَ جَنِّبْنَا عَنِ الْاِشْتِغَالِ بِالْمَلَاھِیْ بِحُرْمَۃِ سَیِّدِ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ اَتَمُّھَا وَاَکْمَلُھَا (یا اللہ تو ہم کو حضرت سید الاولین والآخرین علیہ وعلی آلہ الصلوات والتسلیمات اتمہا واکملہا کے طفیل اشیاء کی حقیقت سے پوری طرح آگاہ فرما اور لہو ولعب میں مشغول ہونے سے بچا)۔

مکتوب ۲۰۹
دو صد و نہم

میر نعمان بدخشی[1] کی طرف صادر فرمایا ___ رسالہ "مبدأ و معاد" کی بعض مشکل عبارتوں کے حل کرنے میں جو انھوں نے دریافت کی تھیں اور دوسری عبارتیں جو اس کی تائید میں لکھی گئی تھیں۔ اور اس خط کے جواب میں جو اس راہ (سلوک) کی بعض ضروری باتوں پر مشتمل ہے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَاٰلِہِ الطَّاھِرِیْنَ اَجْمَعِیْنَ ___ سیادت پناہ میرے محترم بھائی محمد نعمان خیریت سے ہوں، اس طرف کے احوال قابلِ حمد و ستائش ہیں ___ سرائے فرخ میں رخصت کے وقت آپ نے اور برادرم خواجہ محمد اشرف نے اس عبارت کے معنی جو رسالہ "مبدأ و معاد" میں درج ہیں دریافت کئے تھے، چونکہ وقت ساز گار نہ تھا لہذا (آئندہ پر) موقوف رہا۔ اب یہ بات دل میں آئی کہ اس عبارت کے حل سے متعلق کچھ لکھا جائے تاکہ احباب کی تسلی و تشفی کا باعث ہو، رسالہ کی وہ عبارت یہ ہے

"آں سرور علیہ وعلی آلہ الصلوۃ والسلام کے زمانۂ رحلت سے ہزار اور چند سال بعد ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ حقیقتِ محمدی اپنے مقام سے عروج فرمائے گی اور حقیقتِ کعبہ کے مقام میں (رسائی پاکر اس) کے ساتھ متحد ہو جائے گی۔ اس وقت "حقیقتِ محمدی" کا نام "حقیقتِ احمدی" ہو جائے گا اور وہ ذاتِ احد جل سلطانہ کا مظہر بن جائے گی، اور یہ دونوں اسمِ مبارک (محمد اور احمد) اپنے مسمی (مجموعۂ حقیقتِ محمدی و حقیقتِ کعبہ) میں متحقق ہو جائیں گے، اور حقیقتِ محمدی کا پہلا مقام (جہاں وہ اس سے پہلے تھی) خالی رہ جائے گا اور وہ اس وقت تک خالی ہی رہے گا یہاں تک کہ

---

[1] آپ کے نام ۳۳ مکتوبات ہیں آپ کا تذکرہ دفتر اول کے مکتوب ۱۱۹ پر ملاحظہ ہو۔

حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نزول فرمائیں، اور نزول فرمانے کے بعد شریعتِ محمدی علیہا الصلوات والتحیات کے مطابق عمل فرمائیں۔ اس وقت حقیقتِ عیسوی اپنے مقام سے عروج کر کے حقیقتِ محمدی کے اس مقام میں جو خالی چلا آرہا تھا قرار پکڑے گی" (مبداء و معاد منہا ۴۸)

جاننا چاہیئے کہ کسی شخص کی حقیقت اس کے تعینِ وجوبی سے مراد ہے کہ اس شخص کا تعینِ امکانی اس تعین کا ظل ہے اور وہ تعینِ وجوبی اسمائے الٰہی جل سلطانہٗ سے کہ وہ علیم، قدیر، مرید اور متکلم وغیرہ ہیں سے ایک اسم ہے اور وہ اسمِ الٰہی جل سلطانہٗ اس شخص کا رب ہے، اور اس کے وجودی اور توابع وجودی فیوض کا مبداء ہے، اور اس اسم کی نسبت حضرت ذات تعالیٰ شانہٗ کے ساتھ مختلف مراتب میں ہے صفت کے مرتبہ میں اس کا وجود ذاتِ وجود پر زائد ہے اس پر بھی اس اسم کا اطلاق ہوتا ہے اور شان کے مرتبہ میں بھی اس کی زیادتی ذات پر مجرد اعتبار سے ہے یہی اسم صادق آتا ہے۔ اور صفت و شان کے درمیان کا فرق اس مکتوب[۱۵] میں لکھا گیا تھا جو سلوک اور جذبہ کے بیان میں تفصیل سے ذکر آچکا ہے، اگر کوئی بات پوشیدہ ہو تو اس مکتوب کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔ اس میں شک نہیں کہ شان کا حاصل ہونا بھی اگرچہ مجرد اعتبار سے ہے لیکن اس بات کا متقاضی ہے کہ اس سے اوپر اس شان کے مناسب اور زائد معنی ہوں جو اس شان کے وجود اعتباری کا مبداء ہوں۔ لہذا اس اسم کو بھی اس مرتبہ سے ایک حصہ حاصل ہے، اور اس زائد معانی کے فوق میں بھی یہ احتمال جاری ہے لیکن انسانی طاقت اس کو ضبط کرنے سے عاجز ہے۔ اس فقیر بے بضاعت کو ایک اور مرتبے سے بھی گذرا گیا ہے، لیکن اس مرتبہ کے اوپر سوائے ہلاکت اور اضمحلال کے کچھ نہیں ہے: وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ (یوسف آیت ۷۶) (اور ہر علم والے سے بڑھ کر علم والا موجود) ہے۔ شعر

هَنِيْئًا لِاَرْبَابِ النَّعِيْمِ نَعِيْمُهَا وَلِلْعَاشِقِ الْمِسْكِيْنِ مَا يَتَجَرَّعُ

(مبارک منعموں کو ناز و نعمت مبارک عاشقِ مسکیں کو کلفت)

اہل اللہ کی ایک دوسرے پر فضیلت اپنی اپنی استعدادات اور قابلیتوں کے موافق ان مختلف مراتب کے طے کرنے کے اعتبار سے ہے، اور اس اسم کے واصل اولیا بہت تھوڑے ہیں کیونکہ ان میں سے اکثر سلوک اور سیر تفصیلی کے طریق سے تمام مراتبِ امکانیہ سے عروج حاصل کرنے کے بعد اس اسم کے ظلال میں سے کسی ظل تک واصل ہوتے ہیں اور صرف جذبہ کے طریق سے بھی اس اسم تک واصل ہونے کا گمان

رسالہ "مبداء و معاد" کی عبارت کا حاصل

---

[۱۵] اس مکتوب سے مراد دفتر اول کا مکتوب ۲۸۷ ہے۔

کیا جاسکتا ہے لیکن یہ بے اعتبار اور ناقابلِ اعتماد ہے اور وہ لوگ جنھوں نے اس اسم سے عروج کیا ہے اور اس کے مختلف مراتب کو کم یا زیادہ طے کیا ہے وہ بہت ہی کم ہیں۔

اب ہم اصل بات کی طرف جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کسی شخص کی حقیقت جس کو تعینِ وجوبی کہتے ہیں اس کو تعینِ امکانی بھی کہتے ہیں۔ جب یہ ابتدائی باتیں معلوم ہوگئیں تو ہم کہتے ہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتحیات تمام مخلوقات کی طرح عالمِ خلق اور عالمِ امر سے مرکب ہیں، اور وہ اسمِ الٰہی جل شانہٗ جو کہ عالمِ خلق کا رب ہے اس کی شان العلیم ہے، اور وہ جو عالمِ امر سے ان کی تربیت فرماتا ہے وہ اس کے معنی ہیں جو اس شان کے وجودِ اعتباری کا مبدأ ہے، جیسا کہ مذکور ہو چکا ہے ——— اور "حقیقتِ محمدی" سے مراد "شان العلیم" ہے، اور "حقیقتِ احمدی" اس معنی کی طرف اشارہ ہے جو اس شان کا مبدأ ہے اور "حقیقتِ کعبۂ سبحانی" سے بھی یہی مراد ہے۔ اور وہ نبوت جو حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی تخلیق سے پہلے آں سرور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حاصل تھی اور اس مرتبہ کی نسبت خبر دی ہے اور فرمایا ہے كُنْتُ نَبِيًّا وَّاٰدَمُ بَيْنَ الْمَاۤءِ وَالطِّيْنِ[1] (میں اس وقت بھی نبی تھا جبکہ حضرت آدم پانی اور مٹی کے درمیان تھے) ——— یہ بات باعتبار حقیقتِ احمدی کے تھی اور اس کا تعلق عالمِ امر سے ہے۔ اور اسی اعتبار سے حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو کلمۃ اللہ ہوئے ہیں اور عالمِ امر سے زیادہ مناسبت رکھتے ہیں اور (جنھوں نے) آں سرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کی تشریف آوری کی بشارت "اسمِ احمد" سے دی ہے اور فرمایا ہے: وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ (الصف ۶۱ آیت ۶) (اور خوشخبری دینے والا ایک رسول کی جو میرے بعد آئے گا اور اس کا نام احمد ہے) ——— اور وہ نبوت جس کا تعلق نشأۃِ عنصری (مادہ کی پیدائش) سے ہے وہ صرف حقیقتِ محمدی کے اعتبار سے نہیں ہے بلکہ دونوں حقیقتوں کے اعتبار سے ہے اور اس مرتبہ میں آپ کی تربیت کرنے والی وہ شان اور اس شان کا مبدأ ہے، لہٰذا اس مرتبہ کی دعوت پہلے مرتبہ کی دعوت کی نسبت سے زیادہ مکمل ہے، کیونکہ اس مرتبہ میں ان کی دعوت عالمِ امر سے مخصوص تھی اور ان کی تربیت صرف روحانیین تک محدود تھی اور ان کی دعوت کے اس مرتبہ میں عالمِ خلق اور عالمِ امر دونوں شامل ہیں اور آپ کی تربیت ارواح و اجساد پر مشتمل ہے۔

---

[1] عن ابی ہریرۃؓ قال قالوا یا رسول اللہ متی وجبت لک النبوۃ قال وآدم بین الروح والجسد (رواہ الترمذی)

حاصل کلام یہ ہے کہ اس جہان میں آنحضرت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی عنصری پیدائش کو آپؐ کی ملکی پیدائش پر غالب کیا ہوا تھا تاکہ مخلوقات کے ساتھ کہ جن میں بشریت زیادہ غالب ہے ان کے لئے وہ مناسبت جو افادہ و استفادہ کا سبب ہے زیادہ سے زیادہ پیدا ہو جائے، یہی وجہ ہے کہ حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کو اپنی بشریت کے ظاہر کرنے کے لئے بڑی تاکید سے حکم فرماتا ہے:
قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ (کہف آیت ۱۱۰ پ ۱۸) (آپ کہہ دیجئے کہ میں بھی تمہاری طرح بشر ہوں صرف یہ کہ میری طرف وحی کی جاتی ہے) ۔ اور لفظِ مِّثْلُكُمْ کا لانا بشریت کی تاکید کے لئے ہے ــــــ وجودِ عنصری سے رحلت فرمانے کے بعد آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی روحانیت کی جانب غالب آگئی اور آپؐ کی بشریت کی مناسبت کم ہوگئی اور دعوت کی نورانیت میں تفاوت پیدا ہوگیا۔ (چنانچہ) بعض اصحاب کرامؓ نے فرمایا ہے کہ "ہم ابھی آں سرور علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کے دفن سے فارغ نہ ہوئے تھے کہ ہم نے اپنے دلوں میں ایک فرق محسوس کیا"[1]۔ ہاں (فرق کیوں نہ ہو جبکہ) ایمانِ شہودی، ایمانِ غیبی سے بدل گیا اور معاملہ آغوش سے گوش تک آپہنچا اور دیکھنے کی بجائے سننے کی نوبت آگئی۔

اور آنحضرت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانۂ رحلت سے جب ہزار سال گذر گئے جو بڑی لمبی مدت اور زمانۂ دراز ہے تو (آپؐ کی) روحانیت کی جانب اس طرح غالب ہوئی کہ بشریت کی تمام جانب کو اپنے رنگ میں رنگ دیا حتیٰ کہ عالمِ خلق نے عالمِ امر کا رنگ اختیار کرلیا، پس لازمی طور پر جو کچھ کہ آپ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی عالمِ خلق میں اپنی حقیقت سے رجوع ہو کر ظاہر ہوا وہی حقیقتِ محمدی عروج فرما کر حقیقتِ احمدی سے ملحق ہوگئی اور حقیقتِ محمدی حقیقتِ احمدی سے متحد ہوگئی۔

اس جگہ حقیقتِ احمدی و حقیقتِ محمدی سے مراد آپ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے خلق وامر کا تعینِ امکانی ہے نہ کہ تعین وجوبی، کہ تعینِ امکانی اسی کا ظل ہے، کیونکہ تعینِ وجوبی کا عروج کوئی معنی نہیں رکھتا اور اس تعین کے ساتھ اس کا متحد کرنا معقول نہیں ہے۔ اور جب حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نزول فرمائیں گے تو حضرت خاتم الرسل علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شریعت کی پیروی کریں گے اور اپنے مقام سے عروج کر کے تبعیت کے طور پر حقیقتِ محمدی کے مقام میں پہنچ جائیں گے، اور آپ علیہما الصلوٰۃ والسلام کے دین کی تقویت فرمائیں گے۔ نزولِ حضرت عیسیٰ علیہ السلام

[1] اخرج الدارمی والترمذی فی الشمائل عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال ما نفضنا ایدینا عن التراب وانک لدفنہ حتی انکرنا قلوبنا۔

اسی ضمن میں یہ بات نقل کرتے ہیں کہ گذشتہ شریعتوں کا بھی یہی حال تھا کہ اولوالعزم پیغمبر کی رحلت فرما جانے کے ہزار سال بعد انبیائے کرام و رُسلِ عظام مبعوث ہوتے تھے جو اس اولوالعزم پیغمبر کی شریعت کو تقویت دیتے تھے، اور اس کے کلمہ کو بلند کرتے تھے اور جب اس اولوالعزم پیغمبر کی دعوت و شریعت کا دورہ تمام ہو جاتا تھا تو دوسرا اولوالعزم پیغمبر مبعوث ہو جاتا تھا اور نئے سرے سے اپنی شریعت ظاہر کرتا تھا۔ اور چونکہ حضرت خاتم الرسل علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کی شریعت نسخ اور تبدیلی سے محفوظ ہے اس لئے آپؐ کی امت کے علماء کو انبیاء کا حکم دے کر آپ کی شریعت کی تقویت کے کام کو اور ملت کی تائید کو ان کے سپرد فرما دیا۔ اسی طرح ایک اولوالعزم پیغمبر (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تبع بنا کر آپؐ کی شریعت کی ترویج بخشی ہے۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا ارشاد ہے إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ (حجر ۱۵ آیۃ ۹) (بیشک ہم نے ذکر (قرآن مجید) نازل کیا اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں)۔

جاننا چاہئے کہ آنحضرت خاتم الرسل علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کی رحلت فرمانے کے ہزار سال بعد آپ کی امت کے جن اولیا کا ظہور ہوگا اگرچہ ان کی تعداد بہت قلیل ہوگی لیکن وہ کامل و اکمل ہوں گے تاکہ اس شریعت کو پورے طور پر تقویت دے سکیں ——— حضرت مہدی کہ جن کی تشریف آوری کی نسبت حضرت خاتم الرسل علیہ وعلیہم الصلوات والتحیات نے بشارت فرمائی ہے ہزار سال کے بعد ظاہر ہوں گے، اور حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام خود بھی ہزار سال کے بعد نزول فرمائیں گے ——— مختصر یہ کہ اس گروہ کے اولیاء کے کمالات اصحابِ کرامؓ کے کمالات کے مانند ہیں، اگرچہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد اصحابِ کرام کے لئے فضیلت و بزرگی ہے لیکن یہ ایک ایسا مقام ہے کہ مشابہت کے کمال کی وجہ سے ایک کو دوسرے پر فضیلت نہیں دے سکتے ——— اور ہو سکتا ہے کہ اسی وجہ سے آنحضرت علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہو لَا يُدْرٰى أَوَّلُهُمْ خَيْرٌ أَمْ آخِرُهُمْ[1] (نہیں معلوم کہ ان میں سے پہلے (زمانہ) والے بہتر ہیں یا آخر والے) ——— یہ نہیں فرمایا: لَا أَدْرِيْ أَوَّلُهُمْ خَيْرٌ أَمْ آخِرُهُمْ (میں نہیں جانتا کہ ان میں سے پہلے والے بہتر ہیں یا آخر والے) ——— کیونکہ آپؐ کو

---

[1] مثل امتی مثل المطر لا یدری اولہ خیر ام آخرہ (یعنی میری امت کا حال بارش کے مانند ہے نہیں معلوم کہ بارش کا پہلا حصہ بہتر ہے یا آخری حصہ) اس کو ترمذی نے حضرت انس سے روایت کیا اور الفاظ کے اختلاف کے ساتھ احمد نے حضرت عمارؓ سے اور ابو یعلیٰ نے حضرت علیؓ سے اور طبرانی نے عمر بن عثمانؓ سے روایت کیا۔

فریقین میں سے ہر ایک کا حال معلوم تھا اسی وجہ سے آپؐ نے فرمایا: خَیْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِیْ (سب زمانوں سے بہتر میرا زمانہ ہے) ـــــ لیکن چونکہ کمال مشابہت کی وجہ سے شک و شبہ کی گنجائش تھی اس لئے لَا یُدْرٰی فرمایا۔

اگر کوئی دریافت کرے کہ آنحضرت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے اصحابؓ کے زمانے کے بعد تابعین کے زمانے کو خیر (بہتر) فرمایا ہے اور تابعین کے زمانے کے بعد تبع تابعین کے زمانے کو بھی خیر فرمایا ہے۔ لہٰذا خیریت انہی دو زمانوں کے لوگوں کے اوپر یقین کے ساتھ کہی جا سکتی ہے، پس اس گروہ کی اصحاب کرامؓ کے کمالات کے ساتھ کس طرح مشابہت ہوگی ـــــ جواب میں ہم کہتے ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ اُس قرن کا اِس طبقہ سے بہتر ہونا اس اعتبار سے ہو کہ (اس میں) اولیاء اللہ کا ظہور کثرت سے ہوگا، اور اہلِ بدعت اور اربابِ فسق و فجور کی کمی ہوگی۔ اور یہ بات اس کے ہرگز منافی نہیں ہے کہ اس طبقہ کے اولیاء اللہ میں سے بعض افراد ان دونوں قرنوں کے اولیاء اللہ سے افضل ہوں جیسے کہ حضرت مہدی ؎

فیضِ روح القدس ار باز مدد فرماید ... دیگراں ہم بکنند آنچہ مسیحا می کرد

(وحی کا فیض اگر پھر سے میسّر آجائے ... دوسرے بھی وہ کریں جو کچھ مسیحاؑ نے کیا)

لیکن اصحابِ کرامؓ کا زمانہ ہر لحاظ سے خیریت پذیر ہے اور اس بارے میں گفتگو کرنا فضول ہے۔ آگے والے آگے والے ہی ہیں اور جنتِ نعیم میں وہ مقرب ہیں۔ یہ وہ حضرات ہیں کہ دوسروںؓ کا پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرنا ان کے ایک مُد جو خرچ کرنے کے برابر نہیں ہے، وَاللّٰہُ یَخْتَصُّ بِرَحْمَتِہٖ مَنْ یَّشَآءُ (بقرہ آیۃ ۱۰۵) اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت کے ساتھ مخصوص کر لیتا ہے۔

جاننا چاہئے کہ پچھلے بیان سے اُس عبارت کی ... منسوخ ہوگئے جو رسالہ مبدأ و معاد میں اس عبارت سے پہلے تحریر کی گئی ہے کہ "حقیقتِ کعبہ ربانی حقیقتِ محمدی کی مسجود ہوئی"۔ کیونکہ کعبہ ربانی کی حقیقت بعینہٖ حقیقتِ احمدی ہے جو فی الحقیقت حقیقتِ محمدی اس کا ظل ہے پس لازماً حقیقت محمدی کی مسجود ہوئی۔

اگر سوال کریں کہ کعبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے اولیاء کے طواف کے لئے آتا ہے اور ان سے برکات حاصل کرتا ہے حالانکہ اس کی حقیقت حقیقتِ محمدی پر مقدم ہے۔ تو پھر یہ معنی کس طرح جائز ہوں گے؟ ـــــ جواب میں ہم کہتے ہیں کہ حقیقت محمدی تنزیہ و تقدیس کی بلندی کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے

لہ عن ابی سعید الخدری قال قال النبی صلے اللہ علیہ وسلم لا تسبوا اصحابی فلو ان احدکم انفق مثل احد ذھبا ما بلغ مد احدھم ولا نصیفہ (رواہ الشیخان مشکوٰۃ)

مقاماتِ نزول کی انتہا ہے۔ اور حقیقتِ کعبہ عروج کعبہ کے مقامات کی انتہا ہے۔ اور حقیقتِ محمدی کے لئے مرتبۂ تنزیہ پر عروج کا خاص زینۂ اول "حقیقتِ کعبہ" ہے، اور اس (حقیقتِ محمدی) کے عروجات کی نہایت کو حق سبحانہٗ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا، اور چونکہ آپؐ کی امت کے کامل اولیاء کو آنحضرت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے عروجات سے نصیبِ تام (اور حصہ) حاصل ہے، پھر اگر کعبہ ان بزرگواروں سے برکات حاصل کرے تو کیا تعجب ہے ؎

زمیں زادہ بر آسمان تاختہ زمین و زماں را پس انداختہ

(زمیں والے اتنے فلک پر چڑھے زمین و زماں اُن سے پیچھے رہے)

اور دوسری عبارت بھی جو اس رسالہ کے اس مقام پر واقع ہے وہ بھی حل ہو گئی اور وہ عبارت یہ ہے "کہ صورتِ کعبہ جس طرح کہ اشیاء کی صورتوں کی مسجود ہے اسی طرح حقیقتِ کعبہ بھی ان اشیاء کی حقیقتوں کی مسجود ہے"۔۔۔ کیونکہ پچھلے مقدمات سے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ حقائق اشیاء اُن اسمائے الٰہی جل سلطانہٗ سے مراد ہے جو ان کے فیوضِ وجودی اور توابعِ وجودی کا مبدأ ہے اور حقیقتِ کعبہ ان اسماء سے فوق ہے، پس یقیناً حقیقتِ کعبہ حقائقِ اشیاء کی متبوع ہوگی۔ ہاں اگر کامل ترین اولیاء کو حقیقتِ کعبہ سے بالاتر سیر حاصل ہو جائے اور وہ انوارِ بالا کو حاصل کر کے اپنے حقائق کے مراتب میں جو مراتبِ عروج میں اشیاء کے طبعی مقامات کے مانند ہیں، نیچے اتر آئیں تو کعبہ بھی ان کی برکات سے توقع رکھے گا۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔

اور اسی طرح رسالہ مبدا و معاد میں بھی چند فقرے انبیاء اولوالعزم صلوٰتُ اللہ تعالیٰ وتسلیماتہٗ علیہم کے ایک دوسرے سے افضل ہونے کے بارے میں لکھے گئے تھے یعنی ان کے ایک دوسرے پر افضل ہونے کے معنی چونکہ کشف و الہام پر مبنی ہیں جو ظنی ہیں اس لئے اس کے تحریر کرنے پر اور افضلیت کے بارے میں تفرقہ کرنے پر نادم ہوں اور توبہ کرتا ہوں، کیونکہ اس باب میں دلیلِ قطعی کے علاوہ بات کرنا جائز نہیں۔ أَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ وَأَتُوبُ إِلَى اللّٰهِ مِنْ جَمِيعِ مَا كَرِهَ اللّٰهُ قَوْلًا وَفِعْلًا (میں ان تمام اقوال و افعال سے جو اللہ تعالیٰ کے حضور میں ناپسندیدہ ہیں معافی مانگتا ہوں اور توبہ کرتا ہوں)۔

آپ نے اپنے خط میں تحریر کیا تھا کہ "سرائے فرخ" میں میں نے دریافت کیا تھا کہ مجھے تعلیم طریقت طالبوں کو سکھانے کی اجازت ہے یا نہیں؟۔۔۔ تو آپ نے جواب میں فرمایا تھا "نہیں"۔۔۔ فقیر کو یاد نہیں کہ (اس بارے میں) مطلق نفی کی ہو، بلکہ یہ کہا ہو گا کہ وہ شرائط کے ساتھ مشروط ہے

مطلقاً اجازت نہیں ہے اور اب بھی اسی طرح جانیں۔ چاہیئے کہ شرائط کی رعایت میں بہت احتیاط برتیں اور ہرگز سستی نہ کریں۔ جبتک استخاروں کے ذریعے یقین نہ ہو جائے اس وقت تک تعلیم طریقت نہ دیں ——— برادرم مولانا یار محمد قدیم کو بھی اس بات سے آگاہ کر دیں اور بہت تاکید کے ساتھ کہدیں کہ تعلیم طریقت میں جلدی نہ کریں۔ (پیری مریدی کی) دکان کھولنا مقصود نہیں ہے بلکہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی مرضی کو ملحوظ رکھنا چاہیئے۔ اطلاع دینا ہمارا کام ہے۔

دوسرے آپ نے اپنے مریدوں کی شکایت کی تھی تو (اس شکایت کی بجائے) اپنی وضع کا گلہ کیجئے، کیونکہ آپ اس جماعت کے ساتھ اس طرح زندگی بسر کرتے ہیں جس کے نتیجے میں آپ کو آزار و تکلیف کا سامنا کرنا پڑا ——— بزرگوں نے کہا ہے کہ پیر کو چاہیئے کہ مرید کی نظر میں خود کو شان و شوکت سے رکھے نہ یہ کہ ان سے خلط ملط کا دروازہ کھول دے اور مصاحبانہ سلوک کر کے شکوہ و شکایت کا ہنگامہ کھڑا کر دے۔ والسلام

مکتوب ۲۱۰

دو سو دہم

ملا شکیبی اصفہانی[1] کی طرف صادر فرمایا ——— نفحات کی عبارت کے حل کرنے اور بعض ضروری نصیحتوں کے ذکر میں جن کو انھوں نے دریافت کیا تھا۔

آپ کا شفقت و مہربانی سے بھرا ہوا گرامی نامہ جو آپ نے اس حقیر بے سامان کو بھیجا تھا اس کے مطالعہ سے مشرف ہو کر بہت مسرور اور خوش ہوا۔ آپ سلامت رہیں اور سلامت ہی جائیں۔ اور جبتک (دنیا میں ہیں) فقراء کی صحبت میں رہیں اور جب (دنیا سے) رخصت ہوں تو ان (فقراء) کی محبت کا سرمایہ ساتھ ہو اور جب (قبر سے) اٹھیں تو ان کی محبت میں اٹھیں بحرمت آنحضرت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات انتہا و اکملہا جنھوں نے[2] مَنِ افْتَخَرَ بِالْفَقْرِ وَاٰثَرَهٗ عَلَى الْغِنَاءِ (فقر پر فخر کیا اور اس کو دولتمندی پر ترجیح دی)۔

آپ نے ازروئے مہربانی فرما کر لکھا تھا کہ "نفحات" میں جو حکایت مذکور ہے اس کی حقیقت کیا ہے جو شیخ ابن سکینہ قدس سرہٗ کے مرید کی نسبت مذکور ہے کہ "ایک روز دریائے دجلہ[3] (جو عراق میں واقع ہے)

---

[1] آپ کے نام دو مکتوب ہیں۔ یعنی مکتوب ۲۰۰ و ۲۱۰ لہٰذا آپ کا تذکرہ مکتوب ۲۰۰ پر ملاحظہ ہو۔

[2] حضرت ابو امامہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے رب نے مجھ سے فرمایا کہ (آپ کے لئے) بطحائے مکہ کو سونے کا بنا دیں؟ میں نے عرض کیا نہیں اے میرے رب! میں (چاہتا ہوں کہ) ایک دن سیر ہو کر کھاؤں اور ایک دن بھوکا رہوں ۔ (راوی کو شک ہی یا آپؐ نے فرمایا، تین دن یا اس کے مانند۔ پس جبکہ میں بھوکا ہوں گا تو تیری جناب میں گریہ و زاری کروں گا اور تجھے یاد کروں گا اور جب شکم سیر ہوں گا تو تیرا شکر اور حمد کروں گا (رواہ الترمذی)

غسل کے لئے غوطہ لگایا اور دریائے نیل سے سر نکال کر مصر میں پہنچ گئے اور وہاں شادی کی پھر بیٹے بھی پیدا ہوئے اور سات سال تک مصر میں قیام پذیر رہے۔ اتفاقاً پھر ایک روز غسل کی غرض سے دریائے نیل میں غوطہ لگایا اور دریائے دجلہ سے سر نکال کر باہر آئے تو دیکھا کہ اپنے وہی کپڑے جو (سات سال قبل) دریائے دجلہ کے کنارے چھوڑے تھے بدستور اپنی جگہ موجود ہیں (چنانچہ) آپ کپڑے پہن کر گھر آ گئے۔ اُن کی اہلیہ نے کہا کہ مہمانوں کے لئے جو کھانا آپ نے پکوایا تھا وہ تیار رہے۔ الیٰ آخرہ۔

میرے مخدوم و مکرم! اس حکایت میں اس وجہ سے کوئی اشکال نہیں ہے کہ سالوں کا کام گھڑی بھر میں کیسے ہو گیا؟ —— اس قسم کے معاملات بہت واقع ہوئے ہیں —— مثلاً حضرت رسالت خاتمیت علیہ وعلی آلہ الصلوۃ والسلام والتحیہ کو شب معراج میں عروج کی منزلیں طے کرنے اور وصول الی اللہ کے منازل قطع کرنے کے بعد جو ہزاروں سال میں میسر ہو سکیں جب اپنے حرم سرا میں واپس تشریف لائے تو دیکھا کہ ابھی تک بستر میں گرمائی باقی تھی اور جو پانی آپ نے وضو کے لئے کوزہ میں علیحدہ کیا تھا اس میں بھی حرکت باقی ہے —— اس کی وجہ وہی ہے جو اس حکایت کی نقل کے بعد نفحات میں مذکور ہے کہ یہ بات زمانہ کے بسط کی قسم سے ہے۔ بلکہ اس حکایت میں اشکال اس طرح پر ہے کہ بغداد میں تو ایک آن ہوا اور مصر میں وہی آن سات سال کی درازی اختیار کرلے۔ مثلاً اہلِ بغداد اس زمانے میں تین سو ساٹھ (۳۶۰) سال کی تاریخ ہجری میں ہوں اور اہلِ مصر اس وقت تین سو سڑسٹھ (۳۶۷ھ) ہجری میں۔ اس لئے یہ تجویز عقل و نقل میں نہیں آتی۔ یہ معاملہ ایک یا دو شخصوں کی نسبت ہو تو جائز ہو سکتا ہے لیکن مختلف شہروں اور مختلف مقامات میں ناممکن ہے۔ —— جو کچھ کہ اس حقیر کی دریافتہ خاطر میں آتا ہے وہ یہ ہے کہ یہ حکایت عالمِ بیداری سے متعلق نہیں ہے بلکہ خواب و واقعات کی قسم سے ہے کہ سننے والے کو خواب کی بجائے دیکھنے کا شبہ ہو گیا اور نیند پر بیداری کا وہم ہو گیا، بلکہ یہ بات اشتباہ کے مواقع میں سے ہے، مرید نے خواب میں دیکھا اور خواب ہی میں اپنے پیر سے ذکر کیا، اور فرزندوں کو لایا وغیرہ —— اور وہ حکایت بھی جو اس حکایت کے بعد شیخ محی الدین ابن عربی قدس سرہٗ سے نقل کرتے ہیں اسی قسم سے ہے وَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ اَعْلَمُ بِحَقَائِقِ الْاُمُوْرِ كُلِّهَا (اللہ سبحانہٗ ہی تمام امور کے حقائق کو جانتا ہے)۔

آپ نے لکھا تھا کہ "اس عبارت کی تشریح فرمائیں کہ جسم کی پرورش کرنے والی روح ہے اور قالب کا مربی قلب"

میرے مخدوم! ان دونوں عبارتوں کا مطلب ایک ہی ہے، اور وہ انسان کے عالمِ خلق کو اس کے عالمِ امر سے تربیت کرنا ہے۔ اور چونکہ لفظِ جسد، لفظِ روح کے ساتھ محاورات میں اکثر استعمال ہوا ہے اور قالب، و قلب، کے درمیان لفظی مناسبت بھی رکھتا ہے اس لئے ہر کسی نے اپنے مناسب لفظ کے ساتھ ملا کر عبارت میں اختلاف پیدا کر دیا ہے۔

آپ نے نصائح کی طلب سے متعلق لکھا تھا ——— میرے کرم فرما مخدوم! شرم آتی ہے کہ باوجود اس تمام خرابی، گرفتاری، بے سروسامانی اور بے حاصلی کے اس بارے میں کچھ تحریر کروں اور واضح طور پر یا اشارے سے کچھ لکھوں لیکن اس بات سے ڈرتا ہوں کہ جن باتوں کا حکم دیا گیا ہے یعنی قولِ معروف میں کوتاہی کروں تو اس سے بخل اور کنجوسی ظاہر ہوتی ہے، اس بنا پر چند کلمات لکھنے کی جرأت کرتا ہوں۔

میرے مخدوم! دنیا کے بقا کی مدت بہت قلیل ہے اور اس قلیل میں سے بھی بہت کچھ تلف ہو چکی ہے اور بہت تھوڑی باقی رہ گئی ہے، اور آخرت کی بقا کی مدت خلود و دوام یعنی ہمیشگی ہے، اور معاملۂ خلود کو چند روزہ زندگی کے ساتھ وابستہ کر دیا گیا ہے اس کے بعد یا تو دائمی نعمتیں ہیں یا ہمیشہ کا عذاب۔ مخبرِ صادق (علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو خبر دی ہے (وہ سچ ہے) اس میں کسی قسم کے بھی احتمال کی گنجائش نہیں، لہٰذا عقل دور اندیش سے کام لینا چاہیئے۔

میرے مخدوم! عمر کا بہترین حصہ ہوا و ہوس میں گذر گیا اور اللہ جل شانہٗ کے دشمنوں (نفس و شیطان) کی مرضی کے مطابق بسر ہو گیا اور عمر کا نکما حصہ باقی رہ گیا ہے، اگر آج ہم اس کو بھی حق جل سلطانہ کی مرضیات کے مطابق صرف نہ کریں اور بہترین عمر کی غفلتوں کا تدارک باقی ماندہ نکمّی عمر (میں عبادات) سے نہ کریں اور تھوڑی سی محنت اور تکلیف کو دائمی راحت کا ذریعہ نہ بنائیں اور تھوڑی سی نیکیوں سے بہت سے گناہوں کا کفارہ نہ کریں تو کل قیامت میں حق سبحانہٗ و تعالیٰ کے حضور میں کس منہ سے پیش ہوں گے اور کون سے حیلوں اور بہانوں کو اس کے سامنے پیش کریں گے ——— آخر خوابِ خرگوش میں کب تک پڑے رہیں گے اور غفلت کی روئی کب تک کانوں میں ٹھسی رہے گی، آخر ایک دن آنکھوں سے پردہ اٹھا دیا جائے گا اور غفلت کی روئی کو کانوں سے دور کر دیا جائے گا، لیکن اس وقت کوئی فائدہ نہ ہوگا اور حسرت و ندامت کے علاوہ کچھ حاصل نہ ہوگا ——— موت کے آنے سے پہلے ہی تیاری کر لینی چاہیئے اور "واشوقا" (ہائے شوق) کہتے ہوئے مرنا چاہیئے۔

سب سے پہلے عقائد کا درست کرنا ضروری ہے اور جو کچھ تواتر و ضرورت کے طور پر دین سے منقول معلوم ہوا ہے اس کی تصدیق سے چارہ نہیں ہے ـــــ دوسرے ان باتوں کا علم ضروری ہے جن کا متکفل علم فقہ ہے ـــــ اور تیسرے طریقۂ صوفیہ کا سلوک بھی ضروری ہے لیکن اس غرض کے لئے نہیں کہ غیبی صورتیں اور شکلیں مشاہدہ کریں اور طرح طرح کے انوار اور رنگوں کا معائنہ کریں کیونکہ یہ سب لہو و لعب میں داخل ہیں۔ حسی صورتیں اور انوار کیا کم ہیں کہ کوئی شخص ان کو چھوڑ کر ریاضتوں اور مجاہدوں کے ذریعے غیبی صورتوں اور انوار کی ہوس کرے، حالانکہ یہ (حسی) صورتیں اور انوار اور وہ (غیبی) صورتیں اور انوار، دونوں حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی مخلوق ہیں اور حق تعالیٰ کے صانع ہونے پر روشن دلیلیں ہیں ـــــ سورج اور چاند کا نور جو کہ عالمِ مشاہدہ سے ہے اور طرح طرح کے ان انوار سے مزین ہے جو عالمِ مثال میں نظر آتا ہے اس سے کئی درجے افضل ہے، لیکن چونکہ یہ (سورج اور چاند کے نور کا) دیکھنا دائمی ہے اور خاص و عام سب اس (کے دیکھنے) میں شریک ہیں اس لئے اس کو نظرِ اعتبار سے گرا کر انوارِ غیبی کی خواہش میں لگ جاتے ہیں۔ ہاں ع

آبے کہ رود پیشِ درت تیرہ نماید (تمہارے در پہ جو پانی بہے سیاہ نہیں)

بلکہ طریقۂ صوفیہ کے سلوک سے مقصود یہ ہے کہ شرعی اعتقادی امور میں زیادہ یقین حاصل ہو جائے تاکہ استدلال کی تنگی سے نکل کر کشف کے کھلے میدان میں آ جائیں اور اجمال سے تفصیل کی طرف مائل ہو جائیں ـــــ مثلاً واجب الوجود تعالیٰ و تقدس کا وجود اور اس سبحانہٗ کی وحدت جو پہلے استدلال یا تقلید کے طور پر معلوم ہوئی تھی اور اس کے اندازے کے موافق یقین حاصل ہوا تھا (لیکن) جب طریقِ صوفیہ کا سلوک میسر ہو جاتا ہے تو یہ استدلال و تقلید کشف و شہود سے بدل جاتا ہے اور کامل ترین یقین حاصل ہو جاتا ہے۔ تمام اعتقادی امور میں یہی قیاس ہے ـــــ اور نیز (طریقِ صوفیہ کے سلوک سے) مقصود یہ ہے کہ احکامِ فقہیہ کے ادا کرنے میں آسانی حاصل ہو جائے اور وہ مشکل دور ہو جائے جو نفس کی امارگی سے پیدا ہوتی ہے ـــــ اور اس فقیر کا یقین یہ ہے کہ طریقِ صوفیہ حقیقت میں علومِ شرعیہ کا خادم ہے نہ کہ شریعت کے خلاف کوئی اور امر۔ اور (میں نے) اپنے رسائل و کتابوں میں اس معنی کی تحقیق میں لکھا ہے اس غرض کو حاصل کرنے کے لئے طریقۂ عالیہ نقشبندیہ کا اختیار کرنا تمام طریقوں سے زیادہ اولیٰ و انسب ہے۔ کیونکہ ان بزرگوں نے سنت کی متابعت کو اپنے اوپر لازم کیا ہے اور بدعت سے اجتناب کرنے کیلئے فرمایا ہے

یہی وجہ ہے کہ اگر ان کو متابعت کی دولت حاصل ہو جائے اور احوال کچھ نہ رکھتے ہوں تو خوش ہیں، اور اگر احوال حاصل ہونے کے باوجود متابعت میں فتور و کمی محسوس کریں تو ان احوال کو پسند نہیں کرتے ـــ

ـــ حضرت خواجہ احرار قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ نے فرمایا ہے کہ "اگر تمام احوال و مواجید ہم کو دیدیئے جائیں اور ہماری حقیقت کو اہلِ سنت وجماعت کے اعتقادات سے نہ نوازیں تو ہم سوائے خرابی کے اور کچھ نہیں جانتے، اور اگر اہل سنّت وجماعت کے اعتقادات ہم کو عطا کر دیئے جائیں اور حال واحوال سے کچھ نہ ملے تو پھر کچھ غم نہیں ہے"۔

اور نیز اس طریق کی ابتدا میں انتہا درج ہے، لہذا ان بزرگوں کو پہلے ہی قدم میں وہ کچھ حاصل ہو جاتا ہے جو دوسروں کو آخر میں حاصل ہوتا ہے، اگر فرق ہے تو صرف اجمال وتفصیل اور شمول وعدم شمول کا ہے۔ ان کی نسبت بعینہٖ صحابۂ کرام علیہم الرضوان جیسی ہے، کیونکہ حضرت خیر البشر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کی پہلی ہی صحبت میں اصحاب کرامؓ کو وہ کچھ حاصل ہو جاتا تھا جو اولیائے امت کو آخر میں بھی شاید ہی حاصل ہو ــــــ یہی وجہ ہے کہ حضرت اویس قرنی قدس سرہٗ جو کہ خیر التابعین[1] ہیں حضرت حمزہ علیہ الرضوان کے قاتل وحشی کے مرتبہ کو نہیں پہنچے جن کو صرف ایک ہی مرتبہ حضرت خیر البشر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت حاصل ہوئی تھی کیونکہ صحبت کی بزرگی تمام فضائل وکمالات پر بڑھ کر ہے اس لئے کہ ان کا ایمان شہودی ہے اور دوسروں کو یہ دولت ہرگز میسر نہیں ۔ مصرع

شنیدہ کے بود مانند دیدہ (سُنی ہوئی کبھی دیکھی ہوئی کی مثل نہیں)

یہی وجہ ہے کہ ان کا (راہِ خدا میں) ایک سیر جَو خرچ کرنا دوسروں کے سونے کے پہاڑ جتنا خرچ کرنے سے بہتر ہے[2] اور تمام صحابہؓ نفسِ فضیلت میں برابر ہیں لہذا ان سب بزرگوں یعنی صحابہ کرامؓ کو نیکی سے یاد کرنا چاہیئے کیونکہ تمام صحابہؓ عادل ہیں اور روایت وتبلیغِ احکام میں سب برابر ہیں۔ ایک کی روایت کو دوسرے کی روایت پر (قبولیت میں) کوئی ترجیح نہیں ہے، یہی (صحابہ) حاملینِ قرآن مجید (قرآن مجید کو اٹھانے والے) ہیں (اور قرآن کریم کی) متفرق آیات کو ان کے عدل کے اعتماد پر ہر ایک سے بھی ایک یا دو یا تین آیتیں ملیں اخذ کر کے

---

[1] عن عمر بن الخطابؓ قال سمعت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یقول ان خیر التابعین رجل یقال لہ اویس ولہ والدۃ وکان بہ بیاض [illegible]

[2] رواہ الشیخان عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم لا تسبوا اصحابی فلوان احدکم انفق مثل احد ذھبا مابلغ مد احدھم ولا نصیفہ۔

جمع کر دیا گیا۔ اگر صحابۂ کرامؓ میں سے کسی ایک کی عدالت پر کوئی اعتراض کرے تو وہ اعتراض قرآن مجید تک پہنچتا ہے کیونکہ (ممکن ہے کہ) بعض آیات کا جمع کرنے والا وہی (صحابی) ہو۔

اور وہ جھگڑے اور اختلافات جو ان بزرگوں کے درمیان گذرے ہیں ان کو اچھے معانی پر محمول کرنا چاہیئے اور اپنے آپ کو ہوا و تعصب سے دُور رکھنا چاہیئے ـــــــــ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ جو صحابۂ کرامؓ کے حالات سے بہت زیادہ واقف ہیں وہ فرماتے ہیں: تِلْكَ دِمَاءٌ طَهَّرَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا اَيْدِيَنَا فَلْنُطَهِّرْ عَنْهَا اَلْسِنَتَنَا (یہ وہ خون ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے ہمارے ہاتھوں کو پاک رکھا ہے لہٰذا ہم کو چاہیئے کہ اپنی زبانوں کو بھی اُن سے پاک رکھیں (اور کسی صحابی پر زبان درازنہ کریں) ـــــــــ اور اسی قسم کا قول امام اجل حضرت جعفر صادق علیہ الرحمہ سے بھی منقول ہے۔ والسلام اولاً و آخراً۔

مکتوب ۲۱۱
دو صد و یازدہم

مولانا یار محمد قدیم بدخشی[1] کی طرف صادر فرمایا ـــــــــ اس سوال کے جواب میں جو انھوں نے مولوی علیہ الرحمہ کے مقولے کے بارے میں کیا تھا اور مقامِ تکمیل و ارشاد کی ضروری شرائط کے بیان میں۔

میرے عزیز بھائی مولانا یار محمد قدیم کا پسندیدہ مکتوب موصول ہو کر خوشی کا باعث ہوا۔ حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ نبی مختار و آلہ الامجاد علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کے طفیل کمال و تکمیل کی بلندی تک پہنچائے ـــــــــ آپ نے مولوی (رومی) علیہ الرحمہ کے مقولہ کے متعلق دریافت کیا تھا کہ انھوں نے فرمایا ہے: "آں نازنینے کہ درکنارِ من بودہ حق بودہ است"۔ (وہ نازنین (محبوب) جو میرے پہلو میں تھا وہ حق تھا)۔ کیا اُن کا یہ کہنا جائز ہے یا نہیں؟ ـــــــــ جاننا چاہیئے کہ اس قسم کے حالات اس راہِ (سلوک) میں بہت آتے ہیں اور بے اختیار زبان پر جاری ہو جاتے ہیں۔ اس قسم کے معاملہ کی نوعیت تجلّیٔ صوری سے ہے کہ صاحبِ معاملہ اس متجلّی صورت کو حق تعالیٰ شانہٗ گمان کرتا ہے، ورنہ اصل بات وہی ہے جو شیخ اجل امام ربانی حضرت خواجہ یوسف ہمدانیؒ نے فرمائی ہے: تِلْكَ خَيَالَاتٌ تُرَبّٰى بِهَا اَطْفَالُ الطَّرِيْقَةِ (یہ وہ خیالات ہیں کہ جن کے ذریعے راہِ سلوک کے بچوں کی تربیت کی جاتی ہے)۔

---

[1] آپ کے نام دو مکتوبات ہیں دفترِ اول مکتوب ۱۱۷ - ۲۱۱ - اور آپ کا تذکرہ ۱۱۷ کے مکتوب کے فٹ نوٹ میں ملاحظہ ہو۔

دوسرے یہ کہ چونکہ آپ کو طریقہ سکھانے کے لئے ایک قسم کی اجازت دی گئی ہے اس لئے اس بارے میں چند فوائد لکھے جاتے ہیں، گوشِ ہوش سے سن کران پر عمل پیرا ہوں۔

تعلیم طریقت سے متعلق ہدایات

جاننا چاہئے کہ جب کوئی طالب آپ کے پاس ارادت سے آئے تو اس کو طریقہ سکھانے میں بہت تأمل کرنا چاہئے ایسا نہ ہو کہ اس امر میں آپ کا استدراج مطلوب ہو اور خرابی منظور ہو، خصوصاً جب کسی مرید کے آنے پر کچھ خوشی و سرور پیدا ہو تو چاہئے کہ اس بارے میں التجا و تضرع کا طریق اختیار کر کے چند مرتبہ استخارہ کریں تاکہ یقینی طور پر معلوم ہو جائے کہ اس کو طریقہ سکھانا چاہئے اور (اس میں) خرابی و استدراج مراد نہیں ہے، کیونکہ حق تعالیٰ کے بندوں میں تصرف کرنا اور اپنے وقت کو ان کے پیچھے ضائع کرنا اللہ تعالیٰ کے اذن کے بغیر جائز نہیں۔ آیۂ کریمہ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ (ابراہیم آیت ۱) (تاکہ آپ لوگوں کو اندھیروں سے نور کی طرف اللہ تعالیٰ کے اذن سے نکالیں) اسی معنی پر دلالت کرتی ہے۔

ایک بزرگ فوت ہو گئے تو ان کو خطاب ہوا کہ تو وہی ہے جس نے میرے دین میں میرے بندوں پر زرہ پہنی تھی (یعنی شیخ کامل کی اجازت کے بغیر راہِ ارشاد اختیار کی تھی) انھوں نے کہا ہاں۔ فرمایا: کہ تو نے میرے بندوں کو میری طرف تفویض کیوں نہ کیا اور دل سے میری طرف متوجہ کیوں نہ ہوا۔

اور وہ اجازت جو آپ کو اور دوسروں کو دی گئی ہے چند شرائط پر مشروط ہے اور حق تعالیٰ کی رضامندی کا علم حاصل کرنے پر موقوف ہے۔ ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ مطلق اجازت دیدی جائے، وقت آنے تک شرائط کو اچھی طرح مدنظر رکھیں، اطلاع دینی شرط ہے ـــ میر نعمان کو بھی یہی لکھا گیا ہے وہاں سے بھی معلوم کر لیں۔ غرض کوشش کریں تاکہ وہ وقت آجائے اور شرائط کی پابندی سے چھوٹ جائیں۔ والسلام

مکتوب ۲۱۲

دوصد و دوازدہم

مولانا محمد صدیق بدخشی[1] کی طرف صادر فرمایا ـــ ان سوالات کے جواب میں جو انھوں نے دریافت کئے تھے اور اس واقعہ کے حل میں جو انھوں نے دیکھا اور لکھا تھا۔

آپ کے دو مکتوب مرغوب پے در پے موصول ہو کر خوشی پر خوشی کا باعث ہوئے۔ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ

ـــــــــــــــ

[1] آپ کے نام ۱۲ بارہ مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۱۳۲ کے فٹ نوٹ میں ہو چکا ہے۔

سید المرسلین علیہ وعلیٰ آلہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات اتمہا واکملہا کے طفیل بے انتہا ترقیات عطا فرمائے۔

آپ نے دریافت کیا تھا کہ صاحبِ تصرف پیر (شیخ) کسی مستعد مرید کو اپنے تصرف سے اس کی اس کی قابلیت سے زیادہ بلند مرتبہ پر پہنچا سکتا ہے یا نہیں؟ ـــــــ ہاں پہنچا سکتا ہے۔ لیکن صرف ان بلند مراتب پر پہنچا سکتا ہے جو اس کی استعداد کے مناسب ہوں نہ کہ ان مراتب پر جو اس کی استعداد کے مناسب نہ ہوں ـــــ مثلاً کسی مرید کی استعداد ولایتِ موسوی ہے، اور اس کی استعداد کی قوت کی انتہا اس ولایتِ (موسوی) کی آدھی منزل تک ہے تو پیر صاحبِ تصرف اس کو اپنے تصرف سے اس ولایت کے درجات کی آخری منزل تک پہنچا سکتا ہے۔ لیکن اس کو ولایتِ موسوی سے ولایت محمدی میں لائے اور عروج و ترقی دے، ایسا واقعہ ہمارے علم میں نہیں ہے۔

اور آپ نے یہ بھی دریافت کیا تھا کہ وہ کونسا مرتبہ ہے جس میں (لطیفۂ) خفی جو انسان کے لطیف ترین لطیفوں میں سے ہے نفسِ امارہ کا حکم رکھتا ہے، اور دنائت و خساست (ذلالت و کمینگی) میں اس کے ساتھ مناسبت پیدا کر لیتا ہے ـــــ میرے بھائی کو معلوم ہو کہ (لطیفۂ) اخفیٰ اگرچہ لطیف ترین لطائف میں سے ہے لیکن دائرۂ امکان میں داخل ہے اور حدوث کے داغ سے داغدار ہے، جب سالک دائرۂ امکان سے باہر قدم رکھتا ہے اور وجوب کے مراتب میں سیر کرتا ہے اور ظلالِ وجوبی سے ان کے اصلوں میں پہنچتا ہے اور صفت و شان کی قید سے آزاد ہو جاتا ہے تو لازماً "ممکن" اس (سالک) کی نظر میں خوار و بے اعتبار نظر آتا ہے، اور اس کے احسن و الطف کو کمینگی اور ذلالت میں برابر دیکھتا ہے اور نفس و اخفیٰ کو اس مقام میں توأمین (جڑواں بچوں کی طرح　　) یکساں خیال کرتا ہے۔

اور آپ نے لکھا تھا کہ (آپ کے) واسطہ سے یا بلا واسطہ ہم نے یہ بات سنی ہے کہ عبادت کے وقت حق سبحانہٗ کو حاضر (و ناظر) دیکھ کر عبادت کرنا حق سبحانہٗ و تعالیٰ کے تنزل کا باعث ہے، بندہ کی طرح عبادت کرنی چاہیے یعنی اس ذات پاک کو حاضر جان کر عبادت کرنا بے ادبی میں داخل ہے ـــــ اے محبت کے نشان والے مجھے معلوم نہیں کہ اس قسم کی بات اس فقیر سے سرزد ہوئی ہو، کسی دوسری جگہ دیکھا ہوگا۔

اور وہ واقعہ جو آپ نے تحریر کیا ہے کہ حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو واقعہ میں دیکھا ہے، بہت نیک ہے اور اصلیت رکھتا ہے ـــــ پانی سے مراد علم ہے اور اس کے اندر ہاتھ ڈالنا

علم میں قدرت (مہارت) کا حاصل کرنا ہے اور حضرت آدم علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شرکت اس حصول کے معنی میں تاکید کا حکم رکھتی ہے، کیونکہ آپ (حضرت آدمؑ) حضرتِ رحمٰن جل شانہٗ کے شاگرد ہیں۔ (جیسا کہ ارشادِ باری ہے) وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا (بقرہ آیت ۳۱ پ ۱) (اللہ تعالیٰ نے) حضرت آدمؑ کو تمام چیزوں کے نام سکھائے) ——— خلاصہ یہ کہ اس (واقعہ میں) علم سے مراد علمِ باطن ہے بلکہ علم باطن کی بھی وہ ایک قسم جس کی مناسبت حضرات اہلِ بیت علیہم الرضوان سے مناسبت رکھتی ہے۔ وَالْبَاقِیْ عِنْدَ التَّلَاقِیْ (باقی بوقت ملاقات) — والسّلام

مکتوب ۲۱۳

دو صد سیزدہم

سیادت پناہ شیخ فریدؒ[1] کی طرف صادر فرمایا ——— پند و نصائح اور اہلِ سنت و جماعت کی پیروی کی ترغیب میں کہ یہی فرقۂ ناجیہ ہے، اور علماء سوء کی صحبت سے پرہیز کرنے میں جنھوں نے علم کو دنیا کی دولت حاصل کرنے کا ذریعہ بنایا ہے۔

حق سبحانہٗ و تعالیٰ آپ کو آپ کے جد امجد علیہ و علیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کے طفیل ان باتوں سے جو آپ کے لائق نہیں ہیں اپنی پناہ میں رکھے ——— حق سبحانہٗ و تعالیٰ کا ارشاد ہے: ——— هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ (سورہ رحمٰن آیت ۶۰ پ ۲۷) (کیا احسان کا بدلہ احسان کے علاوہ کچھ اور ہے)۔ (یہ فقیر) نہیں جانتا کہ آپ کے احسان کا بدلہ کس احسان سے ادا کرے، سوائے اس کے کہ نیک اوقات میں "سلامتی دارین" کی دعا سے "رطب اللسان" (زبان کو تر) رکھے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ سُبْحَانَهٗ وَالْمِنَّةُ (اللہ سبحانہٗ کی حمد اور اس کا احسان ہے) کہ یہ چیز (آپ کی) طلب کے بغیر حاصل ہے۔ اور دوسرا احسان جو بدلے کے لائق ہے وہ وعظ و نصیحت ہے اگر قبول ہو جائے تو کیا ہی نعمت ہے۔

اے شرافت و نجابت کے مرتبے والے! تمام وعظوں کا خلاصہ اور تمام نصائح کا لُبِّ لباب دیندار لوگوں اور شریعت والے حضرات کے ساتھ میل جول میں خوش رہنا ہے، دین اور شریعت کا پابند ہونا اہلِ سنت و جماعت کے طریقۂ حقہ کے سلوک پر وابستہ ہے، جو تمام فرقہ ہائے اسلامیہ کے درمیان "فرقۂ ناجیہ" کے نام سے

[1] آپ کے نام بائیس مکتوب ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۴۳ کے فٹ نوٹ میں ملاحظہ فرمائیں۔

منسوب) ہے۔ ان بزرگوں کی اتباع و پیروی کے بغیر نجات ناممکن ہے اور ان لوگوں کی آراء کی پیروی کے بغیر فلاح دشوار ہے، اس بات پر تمام عقلی و نقلی اور کشفی دلائل شاہد ہیں اور ان میں اختلاف کی کوئی گنجائش نہیں ہے ــــــــ اگر یہ معلوم ہو جائے کہ کوئی شخص ان بزرگوں کے صراطِ مستقیم سے رائی کے دانے کے برابر بھی ہٹ گیا ہے تو اس کی صحبت کو زہرِ قاتل جاننا چاہیئے اور اس کی مجالست کو سانپ کا زہر سمجھنا چاہیئے ــــــ بیباک (آزاد خیال) طالب علم خواہ کسی فرقہ سے ہوں، دین کے چور ہیں، ان کی صحبت سے پرہیز کرنا ضروریاتِ دین میں سے ہے، یہ فتنہ و فساد جو دین میں پیدا ہو گیا ہے اسی جماعت کی بدبختی کی وجہ سے ہے کیونکہ انھوں نے دنیاوی اسباب کی خاطر اپنی آخرت کو تباہ و برباد کر دیا ہے (آیۂ کریمہ) أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَىٰ فَمَا رَبِحَت تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ ۝ (بقرہ آیت ۱۶) (یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی کو خرید لیا پس ان کی اس تجارت نے ان کو کچھ نفع نہیں دیا اور نہ ہی انھوں نے ہدایت پائی)۔

کسی شخص نے ابلیس لعین کو دیکھا کہ آرام سے فارغ بیٹھا ہے اور گمراہ کرنے اور بہکانے سے اپنے ہاتھوں کو روکے ہوئے ہے، اس نے اس کا سبب دریافت کیا، تو اس لعین نے جواب دیا کہ اس زمانے کے علماءِ سوء میرا کام کر رہے ہیں اور گمراہی و بہکانے کے ذمہ دار بن گئے ہیں۔

وہاں کے طلباء میں مولانا عمر ایک نیک طبیعت آدمی ہے بشرطیکہ آپ اس کی حوصلہ افزائی کریں اور اظہارِ حق پر دلیر کر دیں ــــ اور حافظ امام بھی اسلام کا جنون رکھتا ہے اور اسلام میں جنون کے بغیر چارہ نہیں (حدیث شریف) لَنْ يُّؤْمِنَ أَحَدُكُمْ حَتّٰى يُقَالَ إِنَّهُ مَجْنُوْنٌ[۱] (تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کو مجنوں نہ کہا جائے) ــــــ آپ کو معلوم ہے کہ اس فقیر نے تقریر اور تحریر میں اور نیک صحبت اختیار کرنے کی ترغیب میں کوئی دقیقہ باقی نہیں رکھا اور بُری صحبت سے بچنے کی تاکید میں مبالغہ کرنے سے اپنے آپ کو معاف نہیں رکھا، کیونکہ (فقیر) اس کو "سمِ عظیم" جانتا ہے، آگے قبول کرنا آپ کا کام ہے اور قبول کرنے کی سعادت دینا حق تعالیٰ کی طرف سے ہے ــــ پس اس شخص کے لئے مبارک ہے جس کو حق تعالیٰ نے خیر کا مظہر بنایا ــــــ آپ کے احسانات کی یادداشت نے اس (نصیحت آمیز) گفتگو پر آمادہ کیا اور یہ خیال بھی نہیں رہا کہ یہ باتیں کہیں آپ کے رنج و ملال اور دردسری کا باعث نہ بن جائیں۔ والسلام

[۱] اس حدیث کو ابن حبان، احمد، ابو یعلی اور ابن سنی نے حضرت ابو سعید خدری کے حوالہ سے ذکر کیا۔ نیز یہ حدیث مکتوب ۶۵ و ۱۹۰ میں گذر چکی ہے۔

مکتوب ۲۱۴
دو صد و چاردہم

(عبدالرحیم) خان خاناں کی طرف صادر فرمایا ـــــ اس بیان میں کہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے اور مشہور سوال کے جواب میں کہ کفار کو "کفرِ موقّت" کی بنیاد پر دائمی عذاب کیوں ہوگا اور ایک حاجتمند کی سفارش میں۔

طُوْبٰی لِمَنْ جَعَلَہُ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ مَظْهَرَ الْخَیْرِ (مبارک ہے وہ شخص جس کو حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے نیکی کا مظہر بنایا) ـــــ حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے دنیا کو آخرت کی کھیتی قرار دیا ہے، وہ شخص بہت ہی بدنصیب ہے جو سب کا سب بیج کھا جائے اور استعداد کی زمین میں نہ ڈالے، اور ایک دانے سے سات سو دانے نہ بنائے اور اس (قیامت کے) دن کے لئے کہ (جس دن) بھائی بھائی سے بھاگے گا اور ماں بیٹے کی خبر نہ لے گی، کچھ ذخیرہ نہ کرے، ایسے شخص کو دنیا و آخرت کے خسارہ کے علاوہ کچھ حاصل نہیں اور دونوں جہان کی حسرت و شرمندگی کے سوا کچھ فائدہ نہیں ـــــ صاحب دولتاں (نیک بخت) دنیا کی فرصت کو غنیمت سمجھتے ہیں، اِس غرض کے لئے نہیں کہ اس فرصت (کے وقت) میں طرح طرح کی نعمتیں اور لذتیں حاصل کریں جو اسقدر حظ نوں اور سختیوں کے باوجود ناپائیدار اور فانی ہیں، بلکہ اس فرصت میں (نیکی کی) کھیتی کا کام کرتے ہیں اور نیک عمل کے ایک دانے سے آیتِ کریمہ وَاللّٰہُ یُضٰعِفُ لِمَنْ یَّشَآءُ (بقرہ آیت ۲۶۱) (اور اللہ تعالیٰ کئی گنا بڑھا دیتا ہے جس کے لئے وہ چاہتا ہے) کے بموجب بے انتہا نیکیوں کے ثمرات حاصل کرتے ہیں ـــــ یہی وجہ ہے کہ چند روزہ نیک اعمال کی جزا میں دائمی نعمتیں مقرر فرما دیں: وَاللّٰہُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ (جمعہ آیت ۶۲) (اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے)۔

(دنیا آخرت کی کھیتی ہے)

اگر دریافت کریں کہ نیکیوں کے اجر کئی گنا ہیں اور گناہوں کا بدلہ ان کے مثل ہے تو پھر کفار کو محدود گناہوں کی پاداش میں غیر متناہی (دائمی) عذاب کیوں ہوگا؟ ـــــ ہم کہتے ہیں کہ عمل کے لئے جزا کا ہم مثل ہونا واجب تعالیٰ وتقدس کے علم پر موقوف ہے، ممکن کا علم اس کے سمجھنے سے قاصر ہے ـــــ مثلاً ایک شادی شدہ عورتوں پر تہمت لگانے کی سزا اسّی کوڑے مقرر فرمائی ہے اور چوری کی حد میں چور کا دایاں ہاتھ کاٹ دینا اس کی سزا ہے۔ اور کنوارے مرد کو کنواری عورت کے ساتھ زنا کرنے کی سزا سو کوڑے اور ایک سال کی جلاوطنی مقرر کی ہے۔ اور شادی شدہ مرد و عورت کی صورت میں

رجم (سنگسار) کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ ان حدود اور تقدیرات کا علم بشری طاقت سے باہر ہے: ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ (انعام ۶ یٰسین ۳۶ جز) یہ خدائے عزیز و حکیم کا مقرر کیا ہوا اندازہ ہے) —— لہذا حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے کفار کے بارے میں "کفرِ موقت" کی سزا دائمی عذاب مقرر فرمائی ہے —— معلوم ہوا کفر موقت کی ہم مثل سزا بھی دائمی عذاب ہے —— اور جو شخص یہ چاہتا ہے کہ تمام احکامِ شرعیہ کو اپنے عقلی پیمانے پر ناپے اور دلائلِ عقلیہ کے مطابق کر دے، وہ شانِ نبوت کا منکر ہے اور اس کے ساتھ کلام کرنا کم عقلی و بے وقوفی ہے۔ بیت

زاں کس کہ بقرآن و خبر می نرہی　　آنست جوابش کہ جوابش نہ دہی

(جو مانتا ہی نہیں کیا حدیث و قرآں ہے　　اُسے جواب نہ دو کہ وہ تو شیطاں ہے)

باقی مقصد یہ ہے کہ حاملِ رقیمۂ ہذا میاں شیخ احمد[1] ولد محترم مغفرت پناہی شیخ سلطان تھانیسری ہے آپ کی مہربانیوں اور احسانوں کو دیکھ کر جو آپ نے اس کے والد بزرگوار کے ساتھ کئے تھے اس فقیر کے توسل سے آپ کی خدمتِ عالی میں حاضر ہوتا ہے، اور آپ کی مہربانیوں میں سے ایک مہربانی موضع پرگنہ اندور عنایت ہوا تھا۔ باقی آپ کو اختیار ہے بلکہ کُل اختیار اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اور سلام ہو آپ پر اور تمام ان لوگوں پر جنھوں نے حضرت محمد مصطفٰے علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰتُ و التسلیمات کی پیروی کو لازم جانا۔

مکتوب ۲۱۵

دو صد و پانز دہم

دنیا کی مذمت میں میرزا داراب[2] کی طرف صادر فرمایا۔

مکتوب شریف جو عمدہ انشاء پردازی اور استعدادِ فطری کی خوبی سے بڑی نیازمندی کے ساتھ ان بے سر و سامان فقراء کی طرف ارسال کیا تھا موصول ہوا۔ حق سبحانہٗ و تعالیٰ آپ کو اپنے حبیب علیہ و علیٰ آلہ الصلوات و التسلیمات کے طفیل بہترین جزا عطا فرمائے۔

اے فرزند! دنیا دار اور دولت مند بلائے عظیم میں گرفتار ہیں، وہ ایک بہت بڑی مصیبت میں

---

[1] میاں شیخ احمد حضرت مجددؒ کے مرید و نسبتی ہیں آپ کے والد کو دلّی کے جرم میں ۱۰۰۷ھ میں بادشاہ اکبر کے حکم سے پھانسی دی گئی تھی۔

[2] آپ کے نام چار مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر دوم کے مکتوب ۷۰ پر ملاحظہ ہو۔

مبتلا ہیں، کیونکہ دنیا حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی مبغوضہ ہے اور تمام نجاستوں میں نجس ترین ہے (لیکن) ان (دنیا داروں) کی نظروں میں زیب و زینت میں ظاہر کیا گیا ہے، جس طرح کسی نجاست پر سونے کا ملمع کرکے آراستہ کر دیا جائے یا زہر کو شکر سے آلودہ کر دیں ——— حالانکہ عقل دور اندیش کو اس کمینی دنیا کی برائیوں سے آگاہ کر دیا گیا ہے اور اس ناپسندیدہ دنیا کی برائیوں پر ہدایت و دلالت فرمائی ہے۔ اسی وجہ سے علماء نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص یہ وصیت کرے کہ "میرے مال کو سب سے زیادہ عقلمند کو دیدیں"۔ تو زاہد کو دینا چاہیے کہ وہ دنیا سے بے رغبت ہے، اور اس کی دنیا سے بے رغبتی اس کے کمالِ عقل کی دلیل ہے ——— علاوہ ازیں (اللہ تعالیٰ نے اپنی) کمالِ رحمت سے ایک گواہ یعنی عقلِ دور اندیش کی گواہی پر کفایت نہیں فرمائی، بلکہ نقل کے دوسرے گواہ کو بھی اس میں شامل کر لیا ——— انبیاء علیہم الصلوات والتحیات کی زبان سے بھی جو "رحمتِ عالمیان" ہیں اس کھوٹی پونجی کی حقیقت سے آگاہ کیا اور اس فاحشہ مکار (دنیا) کی گرفتاری (مشغولیت) سے کلی طور پر منع فرمایا ——— ان دو عادل اور معتبر گواہوں کی گواہی کے باوجود اگر کوئی شخص "شکرِ موہوم کی طمع میں زہر کھالے اور سونے کی خیالی امید پر نجاست کو اختیار کرے تو وہ شخص محض بے وقوف اور طبعی طور پر بڑا کند ذہن ہے بلکہ حقیقت میں وہ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے احکامات کا منکر ہے اور ایسا شخص منافقت کے حکم میں ہے، اور اس کا ظاہری ایمان آخرت میں اس کو کچھ نفع نہ دیگا اور اس کا نتیجہ اپنے دنیاوی مال و جان کے بچاؤ کے علاوہ اور کچھ نہ ہوگا ——— آج پنبۂ غفلت (غفلت کی روئی) کو گوشِ ہوش سے نکال دینا چاہیے کیونکہ کل (روزِ قیامت) کو حسرت و ندامت کے سوا کوئی سرمایہ حاصل نہ ہوگا۔ اطلاع دینا شرط ہے۔ بیت

همه اندر زمن بتو این ست　　　که تو طفلے و خانه رنگین ست

(اک نصیحت ہے گو کہ سنگیں ہے　　　تو ہے بچہ، مکان رنگیں ہے)

والسلام

مکتوب ۲۱۶

دو صد و شانزدہم

میرزا حسام الدین احمد[1] کی طرف صادر فرمایا ——— اس راز کے بیان میں کہ بعض اولیاء سے

[1] آپ کے نام ۱۶ سولہ مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۳۲ پر ملاحظہ ہو۔

ظہورِ خوارق کثرت سے ہوا ہے اور بعض سے بہت کم۔ اور مقامِ تکمیل و ارشاد کی کاملیت کا بیان اور اس کے مناسب بیان ہیں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَعَلَیْھِمْ وَاٰلِہِ الطَّاھِرِیْنَ اَجْمَعِیْنَ ۔ (تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے اور حضرت سید المرسلین اور آپ کی سب پاک اولاد پر صلوٰۃ و سلام ہو) ——— غمزدہ دل میں یہ بات آئی کہ چونکہ دوستوں کے درمیان جسمانی دوری حائل ہے اور ظاہری ملاقات عنقا (کمیاب) ہو گئی ہے۔ اگر کبھی کبھی بعض علوم و معارف ان (دوستوں) کو تحریر کئے جائیں تو مناسب ہے۔ اسی وجہ سے کبھی کبھی اس قسم کی چیزیں یہ فقیر لکھتا رہتا ہے، امید ہے کہ ملال کا باعث نہ ہو گا۔

میرے مخدوم! چونکہ ولایت کی بحث درمیان میں ہے اور عوام کی نظر خوارق (کرامات) پر ہے اس لئے اس ضمن میں چند باتیں تحریر کی جاتی ہیں، ذرا غور سے سنیں۔

کمالاتِ ولایت کا مدار کثرتِ خوارق پر نہیں

ولایت سے مراد فنا و بقا ہے، اور خوارق و کشفیات خواہ کم ہوں یا زیادہ، اس (فنا و بقا) کے لوازم میں سے ہیں۔ لیکن یہ ضروری نہیں کہ جس سے خوارق زیادہ ظاہر ہوں اس کی ولایت بھی اتم و اکمل ہو بلکہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ (کسی بزرگ سے) خوارق بہت کم ظاہر ہوتے ہیں اور اس کی ولایت اکمل ہوتی ہے ——— اور خوارق کے بکثرت ظاہر ہونے کا مدار دو چیزوں پر ہے: عروج کے وقت میں بہت زیادہ عروج کرنا، اور نزول کے وقت میں بہت کم نیچے اترنا۔ بلکہ کثرتِ خوارق کے ظہور میں کُلّیہ قاعدہ قلّتِ نزول یعنی بہت کم نزول کرنا ہے، خواہ وہ عروج کی جانب کسی بھی کیفیت سے ہو کیونکہ صاحبِ نزول عالمِ اسباب میں اترتا ہے اور اشیاء کے وجود کو اسباب سے وابستہ پاتا ہے اور مسبب الاسباب کے فعل کو اسباب کے پردے کے پیچھے دیکھتا ہے۔ جس شخص نے نزول نہیں کیا اور نزول کے اسباب تک نہیں پہنچا اس کی نظر صرف مسبب الاسباب کے فعل پر ہے کیونکہ (مسبب الاسباب کے فعل پر اس کی نظر ہونے کے باعث) تمام اسباب اس کی نظر سے مرتفع (اٹھ گئے) ہیں ——— پس حق سبحانہٗ و تعالیٰ ان میں سے ہر ایک کے ساتھ اس کے ظن کے موافق علیحدہ علیحدہ معاملہ کرتا ہے۔ اسباب کو دیکھنے والے کا کام اسباب پر ڈال دیتا ہے اور جو اسباب کو نہیں دیکھتا اس کا کام بغیر وسیلے کے مہیا کر دیتا ہے۔ حدیثِ قدسی اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ[1] اس مطلب پر دلیل ہے۔

---

[1] بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ ۔ (ترجمہ: میں اپنے بندے کے گمان کے ساتھ ہوں)۔

غوث الاعظمؒ سے کثرتِ کرامات کی وجہ

بہت مدت تک دل میں یہ خلش رہی کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ اس امت میں اکمل اولیا بہت گذرے ہیں مگر جس قدر خوارق حضرت سید محی الدینؒ[1] جیلانی قدس سرہ سے ظاہر ہوئے ہیں اسقدر خوارق ان میں سے کسی سے ظاہر نہیں ہوئے۔ آخر کار حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے اس معمّا کا راز ظاہر کردیا اور معلوم ہوا کہ ان کا عروج اکثر اولیا سے بلند تر واقع ہوا ہے، اور نزول کی جانب میں مقامِ روح تک نیچے اُترے ہیں جو عالمِ اسباب سے بلند تر ہے ـــــــــ

خواجہ حسن بصری اور حبیب عجمی[2] قدس سرہما کی حکایت اس مقام کے مناسب ہے: منقول ہے کہ ایک دن خواجہ حسن بصریؒ دریا کے کنارے کھڑے ہوئے کشتی کا انتظار کر رہے تھے تاکہ دریا سے پار ہوں، اسی اثنا میں حبیب عجمیؒ بھی آنکلے اور پوچھا کہ آپ یہاں کیوں کھڑے ہیں؟ فرمایا کشتی کا انتظار ہے حبیب عجمیؒ نے کہا کشتی کی کیا حاجت ہے کیا آپ یقین نہیں رکھتے؟۔ خواجہ حسن بصریؒ نے کہا کیا آپ علم نہیں رکھتے۔ غرض کہ حبیب عجمیؒ کشتی کے بغیر دریا سے گذر گئے، اور خواجہ حسن بصری کشتی کے انتظار میں کھڑے رہے ـــــــــ خواجہ حسن بصریؒ نے چونکہ عالمِ اسباب میں نزول کیا ہوا تھا اس لئے (کارکنانِ قضا وقدر) ان کے ساتھ اسباب کے وسیلے سے معاملہ فرماتے تھے، اور حبیب عجمیؒ نے چونکہ پورے طور پر اسباب کو نظر انداز کردیا تھا اس لئے (کارکنانِ قضا وقدر) ان کے ساتھ اسباب کے وسیلے کے بغیر معاملہ کرتے تھے۔ لیکن فضیلت حضرت خواجہ حسن بصریؒ کے لئے ہے جو صاحبِ علم ہیں اور جنھوں نے عین الیقین کو علم الیقین کے ساتھ جمع کرلیا ہے اور اشیا کو جیسی کہ وہ ہیں سمجھ لیا ہے کیونکہ قدرت کی اصل حقیقت کو حکمت میں پوشیدہ رکھا گیا ہے ـــــــــ حبیب عجمیؒ صاحبِ سکر ہیں اور فاعلِ حقیقی پر ایک ایسا یقین رکھتے ہیں جس میں اسباب کا کچھ دخل نہیں ہے۔

یہ دید نفسِ امر کے مطابق نہیں ہے کیونکہ اسباب کا ذریعہ واقع کے اعتبار سے ثابت وکائن ہے لیکن تکمیل وارشاد کا معاملہ ظہورِ خوارق کے معاملہ کے برعکس ہے کیونکہ مقامِ ارشاد میں جس کا نزول جسقدر زیادہ ہوتا ہے اسی قدر وہ کامل تر ہوتا ہے، اور ارشاد کے لئے مرشد اور مسترشد کے درمیان اس مناسبت کا

---

[1] حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ کا لقب محی الدین ہے اور غوث الاعظم کے نام سے مشہور ہیں ۲۹ر شعبان ۴۷۰ھ ۱۰۷۸ء کو قصبہ جیلان میں ولادت ہوئی، بغداد میں تحصیلِ علوم کیا۔ آپ کی تصانیف کی تعداد کافی ہے جن میں غنیۃ الطالبین، بہجۃ الاسرار اور فتح الربانی زیادہ مشہور ہیں، کثرتِ کرامت کی وجہ سے آپ کو بہت شہرت حاصل ہوئی۔ تاریخِ وفات میں اختلاف ہے مشہور قول کی بنا پر ۱۱ر ربیع الثانی ۵۶۱ھ ۱۱۶۱ء بغداد میں ہوئی۔

[2] ان دونوں بزرگوں کا تذکرہ دفتر اول مکتوب نمبر ۸ صفحہ ۵۱ پر گذر چکا ہے۔

حاصل ہونا ضروری ہے اور اس کا انحصار نزول پر ہے ——————

اور جاننا چاہئے کہ غالب گمان یہی ہے کہ جو کوئی جسقدر اوپر جاتا ہے اسی قدر وہ نیچے آتا ہے چنانچہ حضرت رسالت خاتمیت علیہ وعلی آلہ الصلوۃ والسلام والتحیۃ (معارجِ عروج میں) سب سے بلند تر پہنچے اور نزول کے وقت سب سے نیچے اُتر آئے۔ اسی وجہ سے آپؐ کی دعوت اکمل واتم ہوئی اور آپؐ تمام اقوامِ (عالم) کی طرف بھیجے گئے، کیونکہ نہایتِ نزول کے باعث سب کے ساتھ مناسبت پیدا ہوگئی اور افادہ کا راستہ مکمل ہوگیا —————— اور بسا اوقات اس راہِ (سلوک) کے متوسطوں سے طالبوں کے فائدے اسقدر وقوع میں آجاتے ہیں جو کہ منتہی بزرگ غیر مرجوع سے بھی میسر نہیں ہوتے کیونکہ (راہِ سلوک کے) اکثر متوسط غیر مرجوع منتہیوں کی نسبت بتدیوں کے ساتھ زیادہ مناسبت رکھتے ہیں۔

—————— اسی وجہ سے شیخ الاسلام ہروی قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ اگر خرقانیؒ اور محمد قصابؒ (بقیدِ حیات) ہوتے تو میں تم کو (محمد قصابؒ کے پاس) بھیجتا اور خرقانیؒ کی طرف نہ جانے دیتا، کیونکہ وہ خرقانیؒ کی نسبت تمہارے لئے زیادہ سود مند ہوتے۔ یعنی خرقانی منتہی تھے (لیکن) مرید اُن سے بہت کم فائدہ حاصل کرتے تھے یعنی منتہی غیر مرجوع تھے نہ کہ منتہئ مطلق کہ مکمل افادہ کا کالعدم ہونا ان کے حق میں غیر واقع ہے کیونکہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سب سے زیادہ منتہی تھے حالانکہ آپؐ کا افادہ سب سے زیادہ ہے۔ لہذا افادہ کی کمی اور زیادتی کا انحصار رجوع اور ہبوط پر منحصر ہے نہ کہ انتہا اور عدمِ انتہا پر۔

یہاں ایک نکتہ ہے جس کو ذہن نشین کرنا نہایت ضروری ہے، وہ یہ ہے کہ جس طرح نفسِ ولایت حاصل ہونے میں ولی کو اپنی ولایت کا علم ہونا شرط نہیں ہے، بلکہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ لوگ کسی ولی سے اس کے خوارق نقل کرتے ہیں (حالانکہ) اس کو ان خوارق کی نسبت بالکل اطلاع نہیں ہوتی —— اور وہ اولیا جو صاحبِ علم وکشف ہیں، ہوسکتا ہے کہ ان کو بھی اپنے بعض خوارق پر اطلاع حاصل نہ ہو، بلکہ ان کی صورِ امثالیہ (مثالی صورتوں) کو (کارکنانِ قضا وقدر) متعدد مقامات پر ظاہر کردیں اور دُور دراز مقامات پر عجیب وغریب امور اُن صورتوں سے ظہور میں لائیں کہ جن کی ان صاحبِ صورت (اولیاء کو) ہرگز اطلاع نہ ہو ع

ولی کو اپنی ولایت کا علم ہونا ضروری نہیں

ازما وشما بہانہ برساختہ اند (بہانہ ہم سے تم سے ہے بنایا)

حضرت مخدومی قبلہ گاہی (خواجہ باقی باللہ) قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ ایک بزرگ کہتے تھے کہ

عجیب معاملہ ہے کہ لوگ اطراف وجوانب سے (میرے پاس) آتے ہیں، بعض کہتے ہیں کہ ہم نے آپ کو مکہ معظمہ میں دیکھا ہے اور موسم حج میں حاضر پایا ہے (بلکہ) ہم نے (آپ کے) ساتھ مل کر حج کیا ہے ——— اور بعض کہتے ہیں کہ ہم نے آپ کو بغداد میں دیکھا تھا اور اپنی دوستی کا اظہار کرتے ہیں، حالانکہ میں اپنے گھر سے باہر نہیں نکلا ہوں اور نہ ہی کبھی اس قسم کے آدمیوں کو دیکھا ہے، کتنی بڑی تہمت ہے جو ناحق مجھ پر لگاتے ہیں وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ اَعْلَمُ بِحَقَائِقِ الْاُمُوْرِ كُلِّهَا (سب کاموں کی حقیقت کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے) ——— اس سے زیادہ لکھنا طول کلامی ہے۔ ہاں اگر آپ کی طلب اور پیاس زیادہ معلوم ہوئی تو بہت جلد اور اس سے زیادہ لکھا جائے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔

مکتوب ۲۱۷
دو صد و ہفت دہم

ملا طاہر بدخشی[۱] کی طرف صادر فرمایا ——— اس بیان میں کہ نسبتِ باطن جسقدر جہالت اور حیرت کی طرف لیجائے اسیقدر بہتر ہے، اور اس[۲] بیان میں کہ اس کا کیا سبب ہے کہ اولیاء اللہ کے بعض کشف غلط ہوتے ہیں اور ان کے خلاف ظاہر ہوتا ہے، اور[۳] قضائے معلق (مشروط) و قضائے مبرم (غیر مشروط) کے درمیان فرق اور ان میں سے ہر ایک کے حکم ہیں، اور اس[۴] بیان میں کہ جو کچھ قطعی طور پر اور اعتماد کے لائق ہے وہ صرف کتاب و سنّت ہے، اور اس[۵] بیان میں کہ بعض مخلصوں کو طریقہ سکھانے کی اجازت دینا (ان کے) کمال و تکمیل کی علامت نہیں ہے، اور ان سے متعلق امور ہیں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ عَلَیْہِمْ وَعَلٰی اٰلِہٖ الطَّاہِرِیْنَ وَعَلَیْہِمَا اَجْمَعِیْنَ (تمام تعریفیں اللہ رب العٰلمین کے لئے ہیں اور حضرت سید المرسلین اور آپ کی تمام آل واولاد پر صلوٰۃ وسلام ہو) ——— ایک عرصے سے آپ نے اپنے حال واحوال سے مطلع نہیں کیا بہرحال استقامت مطلوب ہے۔ کوشش کریں کہ عمل اور اعتقاد کے اعتبار سے بال برابر بھی خلاف شریعت (کوئی کام) واقع نہ ہو ——— اور باطنی نسبت کی حفاظت کو اہم ترین مقاصد میں سے سمجھیں اور (باطنی نسبت) جسقدر جہالت کی طرف لے جائے بہتر ہے اور جسقدر حیرت تک پہنچے اسی قدر بہتر ہے کیونکہ

[۱] آپ کے نام گیارہ مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول کے مکتوب نمبر ۱۲۳ پر ملاحظہ ہو۔

کشوفِ الٰہی اور ظہوراتِ اسمائی جو بھی اس راہ میں واقع ہوں وہ سب وصولِ (الٰہی) کے حاصل ہونے کے بعد کم ہو جاتے ہیں، اور جہالت (نادانی) اور مطلوب کے نہ پانے کے علاوہ کوئی دوسرا امر باقی نہیں رہتا۔
——— اور کشوفِ کونی ( ) کے بارے میں کیا تحریر کیا جائے کیونکہ وہاں خطا کی گنجائش بہت زیادہ ہے اور غلطی کا گمان غالب ہے اور اس کے وجود و عدم کو یکساں جاننا چاہیے۔

——— اگر سوال کریں کہ کیا سبب ہے کہ بعض کشوف کونی جو اولیاء اللہ سے صادر ہوتے ہیں ان میں غلطی واقع ہو جاتی ہے اور ان کے خلاف ظہور میں آتا ہے ——— مثلاً خبر دی گئی کہ فلاں شخص ایک ماہ بعد مر جائے گا، یا سفر سے وطن واپس آئے گا۔ (لیکن) اتفاقاً ایک ماہ بعد ان دونوں باتوں میں سے کوئی بات بھی وقوع میں نہ آئی ——— تو اس کا جواب یہ ہے کہ جس چیز کے متعلق کشف ہوا ہے اور جس بات کی خبر دی گئی ہے اس کا حاصل ہونا چند شرائط پر مشروط تھا۔ صاحبِ کشف نے اس وقت ان شرائط کی تفصیل پر اطلاع نہیں پائی اور اس چیز کے مطلق طور پر حاصل ہونے کا حکم کر دیا ——— یا یہ وجہ ہے کہ لوحِ محفوظ کے احکام میں سے کوئی ایسا حکم عارف پر ظاہر ہوا کہ وہ حکم فی نفسہٖ محو و اثبات کے قابل ہے اور قضائے معلق کی قسم سے ہے لیکن اس عارف کو اس حکم کے معلق ہونے اور اس کے محو ہونے کے قابل ہونے کے متعلق کچھ خبر نہیں ہے۔ اس صورت میں اگر وہ (عارف) اپنے علم کے مطابق حکم کرے گا تو اس میں ضروری خلاف ہونے کا احتمال ہوگا۔

منقول ہے[1] کہ ایک دن حضرت جبرئیل علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہمارے حضرت پیغمبر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہو کر ایک شخص کے بارے میں اطلاع دی کہ یہ نوجوان کل صبح ہوتے ہی مر جائے گا ——— حضرت پیغمبر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کو اس نوجوان کے حال پر رحم آیا اور آپ نے اس سے دریافت فرمایا کہ تجھ کو دنیا میں کس چیز کی آرزو ہے؟۔ اس نے عرض کیا کہ دو[2] چیزوں کی آرزو رکھتا ہوں: ایک کنواری بیوی، دوسرے حلوا ——— آپ[3] نے حکم فرمایا کہ دونوں چیزیں مہیا کی جائیں ——— وہ جوان رات کو اپنی اہلیہ کے ساتھ خلوت میں بیٹھا ہوا تھا اور حلوے کا طباق اس کے سامنے تھا۔ اتفاقاً اسی اثنا میں ایک ضرورت مند سائل دروازہ پر آیا اور اپنی ضرورت کا اظہار کیا۔ اس جوان نے حلوے کا طباق اٹھا کر اس فقیر کو دیدیا ——— جب صبح ہوئی تو حضرت پیغمبر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام اس نوجوان کے انتقال کی خبر کے منتظر تھے۔ جب دیر ہو گئی تو

---

[1] احادیث کا ماخذ بیان کرنے والوں کے نزدیک یہ روایت باطل ہے بلکہ جاہلوں کی من گھڑت ہے۔ اسی لئے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ نے اس کو رد کرتے ہوئے فرمایا "وایں فقیر ایں نقل را نمی پسندد و تجویز خطا بر جبرئیل امین نمی نماید"

آپ نے فرمایا کہ اس جوان کا حال معلوم کر کے آؤ ـــــ معلوم ہوا کہ وہ خوش و خرم ہے تو آپ حیران رہ گئے۔ اسی اثنا میں حضرت جبرئیل علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حلوے کے صدقے کی وجہ سے اس جوان کی بلا دفع ہو گئی۔ دیکھا تو اس کے بستر کے نیچے ایک بڑا سانپ مُردہ پایا گیا کہ جس کے پیٹ کے اندر اس قدر حلوا بھرا ہوا تھا کہ اس حلوے کی زیادتی کی وجہ سے وہ سانپ مر گیا۔"

یہ فقیر اس حکایت کو پسند نہیں کرتا اور جبرئیل امینؑ پر خطا کو تجویز نہیں کرتا کیونکہ وہ وحیِ قطعی کے حامل ہیں، اور حاملِ وحی پر خطا کا احتمال کرنا بُرا سمجھتا ہوں۔ مگر اس قدر کہتا ہوں کہ عصمت و امانت اور خطا کا عدم احتمال صرف وحی تک مخصوص ہے کہ جو حق تعالیٰ سبحانہ کی طرف سے صرف تبلیغ پر موقوف ہے، اور یہ خبر وحی کی قسم سے نہیں ہے بلکہ یہ ایک ایسے علم کی خبر دینا مقصود تھی جو لوح محفوظ سے حاصل ہوا تھا اور جو محو و اثبات کا محل ہے، لہٰذا اس خبر میں خطا کی گنجائش ہو سکتی ہے بخلاف وحی کے کہ وہ مجرد تبلیغ ہے۔ پس دونوں میں فرق ظاہر ہو گیا جس طرح کہ شہادت اور اخبار کے درمیان فرق ہے، کیونکہ اول شرع کے اعتبار سے معتبر ہے اور دوسرا غیر معتبر۔

قضائے معلق و قضائے مبرم

اللہ تعالیٰ سبحانہٗ آپ کو رشد و ہدایت نصیب فرمائے ـــــ جاننا چاہیئے کہ قضا دو قسم پر ہے (۱) قضائے معلّق ـــــ (۲) قضائے مبرم ـــــ قضائے معلّق میں تغیر و تبدل کا احتمال ہے اور قضائے مبرم میں تغیر و تبدل کی گنجائش نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ سبحانہٗ فرماتا ہے: مَا یُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَیَّ (قٓ آیت ۲۹) (میرا قول کبھی تبدیل نہیں ہوتا) یہ آیتِ مبارکہ قضائے مبرم کے بارے میں ہے ـــــ اور قضائے معلّق کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: یَمْحُوا اللّٰہُ مَا یَشَآءُ وَ یُثْبِتُ ۚۖ وَ عِنْدَہٗۤ اُمُّ الْکِتٰبِ ۝ (سورہ رعد ۱۳ آیہ ۳۹) (اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ثابت (قائم) رکھتا ہے اور اس کے پاس ام الکتاب ہے)۔

میرے حضرت قبلہ گاہی (پیر و مرشد) قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت سید محی الدین جیلانی قدس سرہٗ نے اپنے بعض رسالوں میں لکھا ہے کہ "قضائے مبرم میں کسی شخص کو تبدیلی کی مجال نہیں ہے مگر مجھے ہے اگر میں چاہوں تو اس میں بھی تصرف کر سکتا ہوں" ـــــ اور وہ اس بات پر بہت تعجب کرتے تھے اور بعید از فہم جانتے تھے ـــــ یہ بات مدت تک اس فقیر کے ذہن میں رہی یہانتک کہ حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے اس دولتِ عظمیٰ سے اس طرح مشرف فرمایا کہ ایک دن ایک بلیّہ کے دفع کرنے کے درپے ہوا جو بعض دوستوں میں سے ایک دوست کے حق میں مقرر ہو چکی تھی، اس وقت بڑی

التجا و عاجزی اور نیاز و خشوع کی، تو کشف و الہام سے معلوم ہوا کہ لوحِ محفوظ میں اس امر کی قضا کسی امر کے ساتھ معلق اور کسی شرط پر مشروط نہیں ہے۔ اس بات سے ایک طرح کی یاس و ناامیدی ہو گئی اس وقت حضرت سید محی الدین قدس سرہٗ کی بات یاد آئی تو دوبارہ پھر ملتجی اور متضرع ہوا اور بڑے عجز و نیاز سے متوجہ ہوا تب محض حق تعالیٰ کے فضل و کرم سے اس فقیر پر ظاہر کیا گیا کہ قضائے معلّق (بھی) دو[۲] طرح پر ہے ——— ایک[۱] وہ کہ جس کا معلق ہونا لوحِ محفوظ پر ظاہر کر دیا گیا ہے اور فرشتوں کو (بھی) اس کی اطلاع دیدی گئی ہے ——— اور دوسری[۲] وہ قضا کہ جس کا معلّق ہونا صرف حق تعالیٰ جل شانہٗ ہی کے علم میں ہے اور بس۔ اور لوحِ محفوظ میں وہ قضائے مبرم کی صورت رکھتی ہے ——— اور قضائے معلق کی اس دوسری قسم میں پہلی قسم کی طرح تبدیلی کا احتمال ہے ——— یہاں سے معلوم ہوا کہ حضرت سید (محی الدین) قدس سرہٗ کی بات بھی اسی اخیر قسم سے ہے جو قضائے مبرم کی صورت رکھتی ہے، نہ کہ اس قضا پر جو حقیقت میں مبرم ہے کیونکہ اس میں تصرف و تبدل عقلی اور شرعی طور پر محال ہے جیسا کہ یہ بات پوشیدہ نہیں ہے۔ اور حق یہ ہے کہ جب کسی کو اس قضا کی حقیقت پر اطلاع ہی بہت کم ہے تو پھر اس میں کوئی تصرف کیسے کر سکتا ہے۔ اور اس آفت و مصیبت کو جو اس دوست پر پڑی تھی اس قسمِ اخیر میں پایا اور معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ نے اس بلیّہ کو (اس فقیر کی التجا سے) دفع فرما دیا۔ ——— وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ سُبْحَانَہٗ عَلٰی ذٰلِکَ حَمْدًا کَثِیْرًا طَیِّبًا مُّبَارَکًا فِیْہِ مُبَارَکًا عَلَیْہِ وَکَمَا یُحِبُّ رَبُّنَا وَیَرْضٰی وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ وَالتَّحِیَّۃُ عَلٰی سَیِّدِ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ خَاتَمِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ الَّذِیْ اَرْسَلَہٗ رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَعَلٰی جَمِیْعِ اِخْوَانِہٖ مِنَ النَّبِیِّیْنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِیْنَ وَالْمَلٰٓئِکَۃِ الْمُقَرَّبِیْنَ اَجْمَعِیْنَ۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنْ مُّحِبِّیْهِمْ وَمُتَابِعِیْ اٰثَارِهِمْ بِبَرَکَۃِ هٰٓؤُلَآءِ الْکُبَرَاءِ وَیَرْحَمُ اللّٰہُ عَبْدًا قَالَ اٰمِیْنًا۔ (اس بات پر اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کی حمد ہے، ایسی حمد کثیر، طیب اور مبارک جیسی کہ ہمارا رب چاہتا اور پسند کرتا ہے، اور اولین و آخرین کے سردار، انبیاء و مرسلین کے خاتم جن کو اللہ تعالیٰ نے تمام عالموں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا اور آپؐ کے آل و اصحاب اور آپؐ کے تمام بھائیوں جو انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین ہیں اور تمام مقرب فرشتوں پر صلوٰۃ و سلام اور تحیہ ہو۔ یا اللہ تو ہم کو ان بزرگوں کی برکت سے ان سب سے محبت کرنے والا اُن کے آثار و افعال کا تابعدار بنا۔ اور اللہ تعالیٰ اس بندے پر رحم فرمائے جو آمین کہے)۔

اب ہم اصل بات کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بعض اوقات بعض علومِ الہامی میں جو خطا ہو جاتی ہے اس کا سبب یہ ہے کہ بعض مسلمہ مقدمات جو صاحبِ الہام کے نزدیک ثابت ہیں اور نفسِ امر میں کاذب ہیں وہ علومِ الہامی سے ایسے خلط ملط ہو جاتے ہیں کہ صاحبِ الہام ان میں تمیز نہیں کر سکتا بلکہ تمام کے تمام علوم کو الہامی خیال کر لیتا ہے۔ لہٰذا ان علوم کے بعض اجزا میں غلطی ہونے کی وجہ سے لازمی طور پر مجموعِ علوم میں غلطی واقع ہوگی۔ اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ (عارف) کشوف و واقعات میں امورِ غیبی کو دیکھتا اور خیال کرتا ہے کہ یہ ظاہر پر محمول ہیں اور صورت پر منحصر ہے تو اس خیال کے مطابق حکم کرتا ہے اور غلطی واقع ہو جاتی ہے۔ وہ یہ نہیں جانتا کہ وہ امور ظاہر سے پھرے ہوئے ہیں اور تاویل و تعبیر پر محمول ہیں۔ اس مقام پر بھی کشف سراسر غلط ہو جاتا ہے۔

مختصر یہ کہ جو کچھ قطعی اور اعتماد کے لائق ہے وہ صرف کتاب[1] و سنت[2] ہے جو کہ وحیِ قطعی سے ثابت ہیں اور فرشتے کے نازل ہونے سے مقرر ہوئے ہیں، اور علماء کا اجماع[3] اور مجتہدین کا اجتہاد[4] بھی انہی دو اصلوں (کتاب و سنت) کی طرف راجع ہے ـــــ ان چار شرعی اصولوں کے علاوہ جو کچھ بھی ہو اگر ان اصول کے مطابق ہے تو مقبول ہے ورنہ نہیں، اگرچہ وہ صوفیوں کے علوم و معارف سے ہوں یا اُن کے الہام و کشوف سے ہوں۔ لہٰذا ان کے وجد و حال کو جب تک شرع شریف کی ترازو میں نہ تول لیں اس وقت تک ان کو نیم جَو سے بھی نہیں خریدتے، اور ان کے کشوف و الہام کو جب تک کتاب و سنت کی کسوٹی پر نہ پرکھ لیں ان کو نیم جیتل کے برابر بھی پسند نہیں کرتے (یعنی ان کی کوئی حیثیت نہیں)۔

طریقِ صوفیہ کے سلوک سے مقصود یہ ہے کہ شرعی اعتقادات کی حقیقت پر جو حقیقتِ ایمان ہیں، یقین زیادہ ہو جائے اور احکامِ شرعیہ کی ادائیگی میں آسانی (اور لطف) حاصل ہونے لگے، اس کے علاوہ کوئی اور بات نہیں ہے۔ اور رویت (دیدارِ الٰہی) کا وعدہ جو آخرت پر موقوف رکھا گیا ہے وہ دنیا میں ثابت نہیں ہے ـــــ اور مشاہدات و تجلیات جن پر صوفیہ خوشی منا رہے ہیں وہ صرف ظلال سے آرام اور شبہ و مثال سے تسلی حاصل کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سب کے وراء الوراء ہے۔

میں ڈرتا ہوں کہ اگر ان مشاہدات و تجلیات کی حقیقت کو جیسا کہ وہ ہیں بیان کروں تو اس راہ کے مبتدیوں کی طلب میں فتور پیدا ہو جائے اور ان کے شوق میں کمی آ جائے ـــ اور میں اس سے بھی ڈرتا ہوں کہ اگر علم کے باوجود اس کو بیان نہ کروں تو حق کو باطل سے ملانے والا نہ ہو جاؤں۔

البتہ اس قدر اظہار کر دینا ضروری ہے کہ اس راہ کی مشاہدات و تجلیات کو حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پہاڑ (کوہِ طور) کی تجلی و شہود کی کسوٹی پر پرکھ لیں، اگر درست نہ نکلے تو مجبوراً اس کو ظلال اور شبہ و مثال پر محمول کرنا چاہئے تو پھر شاید درست ہوں کیونکہ تجلی سے مقصود دک و فک یعنی پارہ پارہ ہونا ہے اور دنیا میں اس سے چارہ نہیں ہے خواہ باطن پر متجلی ہو خواہ ظاہر پر، دک و فک ضروری ہے۔ البتہ خاتم الانبیا علیہم الصلوات والتسلیمات اس وصمہ (داغ) سے مستثنیٰ ہیں۔ آپ کو دنیا میں رویت (شبِ معراج میں) میسر ہوئی اور سرِ مو (بال برابر) بھی ہوش میں فرق نہ آیا۔ اور آپؐ کے کامل متبعین کو جو اس مقام سے بہرہ ور ہیں ان کو بھی ظلال میں سے کسی ظل کے پردہ کے بغیر رویت نہ ہو گی، صاحبِ تجلی سمجھے یا نہ سمجھے۔ ——— جب حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام اس مشاہدہ کے حال کی تجلی سے بیہوش ہو گئے تو پھر دوسرے کی کیا حیثیت ہے۔

دوسرے یہ بھی جان لیں کہ بعض مخلصوں کو اجازت دینے کا مقصد یہ تھا کہ وہ اس طرح پر ایک جماعت کو گمراہی کے بھنور سے نکال کر حق جل و علا کے راستے میں رہنمائی کریں اور خود بھی ان طالبوں کے ساتھ (ذکر میں) مشغول رہیں اور ترقیات حاصل کریں، اور اس تعلق پر خوب غور کر کے کوشش کریں تاکہ ان کی اپنی بقایا بری عادتیں دور ہو جائیں اور مرید و مسترشد دونوں اس دولت سے مشرف ہو سکیں، نہ کہ یہ اجازت کمال و تکمیل کے وہم میں ڈال کر مقصود سے باز رکھے وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلَاغُ (قاصد کا کام پیغام پہنچا دینا ہی) والسلام

مکتوب ۲۱۸
دوصد و ہژدہم

ملا داؤد[1] کی طرف صادر فرمایا ——— پیرِ طریقت کے آداب کی رعایت کے بیان میں۔

میرے عزیز بھائی مولانا داؤد کا گرامی نامہ موصول ہو کر باعثِ مسرت ہوا۔ حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ اپنے نبی اور ان کی آل و امجاد علیہ و علیہم الصلوات والتسلیمات کے طفیل آپ کے ظاہر و باطن کو اپنی مرضیات سے آراستہ و پیراستہ کرے ——— باطن کے سبق کی تکرار کرنے میں اور خواجگانِ (نقشبندیہ) قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے طریق پر استقامت اختیار کریں، ایسا نہ ہو کہ (ماحول کے) پراگندہ اثرات سے

[1] آپ کے نام صرف یہی ایک مکتوب ہے۔ شیخ داؤد سالکی حضرت مجددؒ کے خلیفہ اور صاحب انکسار بزرگ تھے۔

سُستی واقع ہو جائے ــــــ اور اگر بالفرض کوئی ظلمت یا کدورت (دل پر) طاری ہو جائے تو اس کا علاج یہ ہے کہ حق جل سلطانہٗ کی پاک بارگاہ میں التجا و تضرع اور نیاز و شکستگی بجا لائیں اور اپنے پیر کامل کی طرف جو کہ اس دولت (جمعیتِ قلب) کے حاصل کرنے کا وسیلہ ہے پوری توجہ کریں، اور حضور و غیبت میں اس دولتِ عظمیٰ کے وسیلوں (پیروں) کے آداب کی رعایت کو اچھی طرح مد نظر رکھیں۔ اور ان بزرگوں کی رضامندی کو حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی رضامندی کا وسیلہ خیال کریں۔ نجات و فلاح کا طریقہ یہی ہے۔ والسلام

مکتوب ۲۱۹

دو صد و نوز دہم

میرزا ایرج[1] کی طرف صادر فرمایا ــــــ اس بیان میں کہ آدمی اپنی نادانی کی وجہ سے اپنے ظاہری مرض کے ازالہ کی فکر میں رہتا ہے اور اپنے باطنی مرض جس سے دل کی گرفتاری مراد ہے غافل ہے اور اس کے مناسب بیان میں۔

عَصَمَکُمُ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ عَمَّا یَصِمُکُمْ وَصَانَکُمْ عَمَّا شَانَکُمْ بِحُرْمَۃِ سَیِّدِ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ اَجْمَعِیْنَ مِنَ الصَّلَوَاتِ اَتَمُّہَا وَمِنَ التَّسْلِیْمَاتِ اَکْمَلُہَا (اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ آپ کو سید الاولین والآخرین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ اجمعین کے طفیل ہر اس چیز سے بچائے جو آپ کو داغدار کرے اور ہر اس بات سے محفوظ رکھے جس سے آپ کی شان پر حرف آئے) ــــــ اے سعادت و شرافت کے نشان والے! جب آدمی کو کوئی ظاہری مرض لاحق ہو جاتا ہے اور بدن کے حصوں میں سے کسی حصے کو تکلیف پہنچتی ہے تو اس مرض کے دور کرنے میں اسقدر مبالغہ کرتا ہے اور کوشش کی جاتی ہے کہ (کسی طرح) وہ مرض دفع ہو جائے اور آفت دور ہو جائے ــــــ لیکن قلبی مرض نے کہ جس سے مراد حق جل و علا کے ماسویٰ کی گرفتاری ہے اس پر اس طرح غلبہ کر لیا ہے جو قریب ہے کہ اس کو موتِ ابدی تک پہنچا کر ہمیشہ کے عذاب میں مبتلا کر دے اس کے ازالہ کی کوئی فکر نہیں کرتا اور نہ اس کے دفع کرنے کی کوشش کرتا ہے (ایسا آدمی دو حال سے خالی نہیں) ــــــ اگر اس (دنیا کی) گرفتاری کو مرض نہیں سمجھتا تو وہ بہت بے وقوف ہے اور اگر جانتا ہے پھر بھی نہیں ڈرتا تو بڑا ہی پلید ہے ــــــ البتہ اس مرض کے سمجھنے کے لئے عقلِ معاد[2] درکار ہے کیونکہ عقلِ معاش

---

[1] آپ کے نام صرف یہی ایک مکتوب ہے، میرزا ایرج، میرزا عبد الرحیم خان خاناں کے صاحبزادے ہیں، باپ کے ساتھ تسخیرِ سندھ کی مہم میں شریک رہے، ٹھٹھہ کے حکمران حاجی بیگ کی لڑکی سے شادی ہوئی۔ جہانگیر نے آپ کو "شاہ نواز خاں" کا خطاب دیا۔ (ماثر الامراء۔ تزکِ جہانگیری) [2] آخرت

عقلِ معاش اور عقلِ معاد

(دنیاوی عقل) اپنی کوتاہ اندیشی کی وجہ سے ظاہر بینی تک محدود ہے، اور جس طرح عقلِ معاش اپنے "لذاتِ فانیہ" کی وجہ سے آفاتِ معنویہ (باطنی امراض) کو مرض نہیں سمجھتی اسی طرح عقلِ معاد بھی اُخروی ثوابوں کے پیشِ نظر امراضِ ظاہری کو مرض تصور نہیں کرتی۔ عقلِ معاش کوتاہ بیں ہے اور عقلِ معاد "حدید البصر" نہایت تیز (دُور بین) ہے ــــــ عقلِ معاد انبیاء و اولیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کا حصہ ہے اور عقلِ معاش دنیادار مالداروں کے لئے مرغوب ہے۔ شَتَّانَ مَا بَيْنَهُمَا (دونوں کے درمیان بڑا فرق ہے) اور وہ اسباب جو عقلِ معاد کو حاصل کرنے والے ہیں، ان میں سے ذکرِ موت ہے، آخرت کے احوال کے تذکرے ہیں اور اُس جماعت کی مجلس میں حاضری ہے جو آخرت کی یاد کی دولت سے مشرف ہیں ؎

دادیم ترا زِ گنجِ مقصود نشاں　　　گر ما نہ رسیدیم تو شاید برسی

(گنجِ مقصود تم کو بتلایا　　　تم تو پہنچو جو ہم نہیں پہنچے)

جاننا چاہئے کہ جس طرح ظاہری مرض کی بنا پر احکامِ شرعیہ کی ادائیگی میں دشواری ہوتی ہے اسی طرح باطنی مرض میں بھی دشواری لازم آتی ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے: كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ (شوریٰ ۴۲ آیت ۱۳) (مشرکین پر وہ بات بہت گراں ہے جس کی طرف آپ ان کو بلاتے ہیں) ــــــ نیز فرمایا ہے: وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ (بقرہ ۲ آیت ۴۵) اور بیشک (نماز) بہت گراں ہے مگر خشوع کرنے والوں پر گراں نہیں) ــــــ۔

ظاہری (جسمانی) مرض میں قویٰ اور اعضاء و جوارح کی کمزوری اس دشواری کو مستلزم ہے اور باطنی مرض میں یقین کا ضعف اور ایمان کی کمی اس دشواری کا موجب ہے ورنہ تکالیفِ شرعیہ (شرعی احکامات کی بجا آوری) میں سراسر آسانی، سہولت اور تخفیف ہے۔ آیتِ کریمہ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ (بقرہ ۲ آیت ۱۸۵) (اللہ تعالیٰ تمہارے لئے آسانی چاہتا ہے دشواری نہیں چاہتا) ــــــ آیتِ کریمہ: يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا (نساء ۴ آیت ۲۸) (اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تمہارا بوجھ ہلکا کر دے اور انسان (درحقیقت) ضعیف پیدا کیا گیا ہے) ــــــ یہ دونوں آیتیں اسی معنی پر گواہ ہیں۔ مصرع

خورشید نہ مجرم ار کسے بینا نیست　　　(اندھا نہ دیکھ پائے تو سورج کا کیا قصور؟)

لہٰذا اس مرض کے دور کرنے کی فکر ضروری ہے اور حاذق طبیبوں کی خدمت میں عرض کرنا فرضِ عین ہے۔ مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلَاغُ۔ (قاصدوں کا کام (احکام) پہنچا دینا ہے)۔ وَالسَّلَامُ۔

مکتوب ۲۲۰
دو صد و بستم

شیخ حمید[1] بنگالی کی طرف صادر فرمایا ــــ صوفیوں کی بعض غلطیوں اور ان غلطیوں کے منشا کے بیان میں

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَعَلَیْهِمْ اَجْمَعِیْنَ ط (تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لئے ہیں اور حضرت سید المرسلین وعلی آلہ واصحابہ علیہم اجمعین پر صلوٰۃ وسلام ہو) ــــــ اس علاقہ کے فقراء کے حالات و اطوار دن بدن شکر کی زیادتی کا باعث ہو رہے ہیں اور دور کے رہنے والے دوستوں کے متعلق بھی یہی امید ہے۔

اے عزیز! یہ راستہ غیب الغیب (پردہ در پردہ) ہے جس میں سالکوں کے قدم بہت لغزش کھاتے ہیں، لہذا آپ اعتقادات و اعمال میں شریعت کے رشتہ کو مد نظر رکھتے ہوئے زندگی بسر کریں ــــ حضور و غیبت (سامنے اور پس پردہ) میں (فقیر کی) یہی نصیحت ہے، ایسا نہ ہو کہ غفلت واقع ہو جائے۔ لہذا اس راہ کی بعض غلطیاں تحریر کی جاتی ہیں اور اس کا منشا غلطیوں کی نشان دہی کرنا ہے (امید ہے کہ) حصولِ عبرت کی نظر سے ملاحظہ فرمائیں گے۔ اور مذکورہ جزئیات کے علاوہ ان کے اندازے کے مطابق کام کریں گے۔

جاننا چاہئے کہ صوفیہ کی بعض غلطیاں یہ ہیں کہ کبھی کبھی سالک مقامِ عروج میں اپنے آپ کو دوسروں سے بالاتر پاتا ہے جن کی افضلیت علماء کے اجماع سے ثابت ہو چکی ہے، حالانکہ یقیناً اس سالک کا مقام ان بزرگوں کے مقامات سے نیچے ہے۔ بلکہ یہ اشتباہ کبھی کبھی انبیاء علیہم الصلوات و التسلیمات کی نسبت بھی ہو جاتا ہے جو قطعی طور پر بہترین مخلوق ہیں، عِیَاذًا بِاللّٰهِ سُبْحَانَهٗ مِنْ ذٰلِكَ۔ صوفیاء کی بعض غلطیاں

اس بارے میں بعض کی غلطیوں کا منشا یہ ہے کہ انبیاء و اولیاء میں سے ہر ایک کا عروج پہلے ان اسماء تک ہے جو ان کے وجودی تعینات کے مبادی ہیں اور اس عروج کی بنا پر ان کی ولایت کی تحقق ہوتی ہے اور دوسرے ان کا عروج ان اسماء میں پھر ان اسماء سے جہاں تک اللہ تعالیٰ چاہے حاصل ہو جاتا ہے۔ لیکن اس عروج کے باوجود ان کی منزل اور مقام وہی اسم مبارک ہے جو اُن کے وجودی تعین کا مبدأ ہے لہذا مقاماتِ عروج میں اگر کوئی ان کو تلاش کرنا چاہے تو اکثر ان ہی اسماء میں پاتا ہے، کیونکہ مراتبِ عروج میں

---

[1] آپ کے نام پانچ مکتوبات ہیں اور آپ کا تعارف دفتر اول مکتوب ۱۵۸ پر ملاحظہ ہو۔

بھی ان بزرگوں کا طبعی مقام وہی اسماء ہے، اور ان اسماء سے عروج ونزول کرنا عوارض کے پیش آنے کی وجہ سے واقع ہوتا ہے لہذا جب بلند فطرت سالک سیر میں ان اسماء سے بلند تر ہوگا تو یقیناً ان اسماء سے بھی بلند تر ہو کر آگے نکل جائے گا اور اس کو اس سے یہ گمان پیدا ہو جائے گا ــــــ اللہ سبحانہٗ اس بات سے بچائے کہ یہ گمان اُس پہلے یقین کو زائل کر دے اور انبیاء علیہم الصلوٰت والتسلیمات کی افضلیت ہیں اور اولیاء کے بہتر ہونے میں جس پر (علماء امت کا) اجماع ہے شبہ پیدا ہو جائے۔ یہ مقام سالکوں کے قدم پھسلنے کا مقام ہے ــــــ اس وقت سالک نہیں جانتا کہ وہ اکابر جنھوں نے ان اسماء سے بے انتہا عروج حاصل کیا ہے اور بالا سے بالاتر پہنچے ہوئے ہیں، نیز وہ یہ بھی نہیں جانتا کہ وہ اسماء ان کے عروج کے طبعی مکان ہیں اور اس کا بھی اس جگہ طبعی مکان ہے جو ان اسماء سے بہت نیچے اور پست ہے، کیونکہ ہر شخص کی افضلیت اس کے اسم کی اقدمیت (بہت آگے بڑھنے) کے اعتبار سے ہے جو اس کے تعین کا مبدأ ہوا ہے۔

اسی قسم سے یہ بات ہے جو بعض مشائخ نے فرمائی ہے کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ عارف عروج کے مقامات میں برزخیتِ کبریٰ کو حائل نہیں پاتا ــــ اور اس کے توسط کے بغیر ترقی کرتا ہے ــــــ ہمارے حضرت خواجہ (باقی باللہ) قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ رابعہؒ (بصری) بھی اسی جماعت میں سے ہیں ــــــ یہ جماعت عروج کے وقت میں اس اسم سے جو برزخیتِ کبریٰ کے تعین کا مبدا ہے بالاتر گذر گئے ہیں اور انھوں نے خیال کیا ہے کہ برزخیتِ کبریٰ ان کے درمیان حائل نہیں رہی ــــــ اور برزخیتِ کبریٰ سے ان کی مراد حضرت رسالت خاتمیت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی حقیقت ہے۔ اور معاملہ کی حقیقت وہی ہے جو اوپر بیان ہوئی۔

اور دوسری جماعت کی اس غلطی کا منشا یہ ہے کہ جب سالک کی سیر اس اسم میں واقع ہوتی ہے جو اس کے تعین کا مبدا ہے اور وہ اسم بر سبیلِ اجمال (مجمل طور پر) تمام اسماء کا جامع ہے کیونکہ انسان کی جامعیت اسی اسم کی جامعیت کی وجہ سے ہے لہذا لازماً اس ضمن میں وہ اسماء بھی ہیں جو دوسرے مشائخ کے تعینات کے مبادی ہیں، اجمالی طریقے پر وہ بھی اس سیر کو طے کریگا اور ہر ایک سے گذر کر اس اسم کی انتہا تک پہنچ جائے گا اور اپنی فوقیت کا وہم پیدا کر لے گا ــــــ اور وہ نہیں جانتا کہ جو کچھ اس نے دیکھا ہے وہ مشائخ کے مقامات ہے اور جن سے گذرا ہے وہ ان کے مقامات کا ایک نمونہ ہے،

نہ کہ ان مقامات کی حقیقت ——— اور جب وہ اس مقام میں اپنے آپ کو جامع پاتا ہے اور دوسروں کو اپنے اجزا خیال کرتا ہے تو لازماً اپنے زیادہ ولی ہونے کا وہم پیدا کرلیتا ہے۔ اسی مقام میں شیخ بسطامیؒ نے فرمایا ہے لِوَائِیْ اَرْفَعُ مِنْ لِوَاءِ مُحَمَّدٍ (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے سے میرا جھنڈا بلند ہے) سُکر کے غلبہ کی وجہ سے وہ یہ نہیں جانتے کہ حضرت محمد مصطفیٰ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوۃ والسلام کے جھنڈے سے ان کا جھنڈا بلند نہیں ہے بلکہ ان کے جھنڈے کے نمونے سے ہے جو ان کے اسم کی حقیقت کے ضمن میں مشہود (ظاہر) ہوا ہے ——— اور اسی قسم سے یہ بات بھی ہے جو انھوں نے بیان کی کہ میرے قلب کی وسعت اسقدر ہے کہ اگر عرش اور جو کچھ اس میں ہے اس قلب کے گوشہ میں رکھ دیا جائے تو کچھ بھی احساس نہ ہو ——— اس مقام پر بھی نمونے کا حقیقت سے اشتباہ ہے، ورنہ عرش کے مقابلے میں جس کو حق سبحانہٗ وتعالیٰ "عظیم"[1] فرماتا ہے، عارف کے قلب کی حجم اس کے پہلو میں ہے کیا حیثیت اور کیا مقدار ہے۔ وہ ظہور جو عرش میں ہے اس کا عشر عشیر (سواں حصہ) بھی اس قلب میں نہیں ہے۔ اگرچہ وہ قلب عارف کا قلب ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ آخرت میں (حق تعالیٰ کا) دیدار عرش کے ظہور کے وقت میں ہوگا۔ یہ بات اگرچہ آج بعض صوفیوں پر نہایت گراں گزرے گی لیکن آخرکار وہ معقول ہو جائیں گے (یعنی ان کی سمجھ میں آجائے گی)۔

اس بات کو ہم ایک مثال سے واضح کرتے ہیں کہ انسان چونکہ عناصر وافلاک کا جامع ہے جب اس کی نظر اپنی جامعیت پر پڑتی ہے تو وہ عناصر وافلاک کو اپنے اجزاء سمجھتا ہے اور جب یہ مشاہدہ غالب ہو جاتا ہے تو عجب نہیں کہ وہ یہ بات کہہ دے کہ میں تمام کرۂ زمین سے بڑا اور آسمانوں سے بھی عظیم ہوں۔ ——— ایسے وقت میں عقلمند لوگ سمجھتے ہیں کہ اس کی عظمت وبڑائی اس کے اپنے اجزاء سے ہے ورنہ درحقیقت کرۂ زمین وآسمان اس کے اجزا نہیں ہیں بلکہ ان کے نمونوں کو اس نے اپنے اجزا بنایا ہے اور اس کی بڑائی ان نمونوں کی وجہ سے ہے جو اس کے اجزا ہیں، نہ کہ کرۂ ارضی وسماوی کی حقیقت سے۔

اور اسی وجہ سے کہ کسی شئے کا نمونہ اس کی حقیقت کے مشابہ ہوتا ہے ... صاحب فتوحاتِ مکیہ (ابن عربی) کہتے ہیں کہ "جمع محمدی، جمع الٰہی سے اجمع (جامع تر) ہے۔ کیونکہ جمعِ محمدی، کونی والٰہی حقائق پر مشتمل ہے لہٰذا وہ اجمع (جامع تر ہوگی" ——— وہ یہ نہیں جانتے کہ

[1] فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِیَ اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَھُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ۔ (سورۂ توبہ آیت ۱۲۹)

یہ اشتمال (مشتمل ہونا) مرتبۂ الوہیت کے ظلال میں سے ایک ظل میں ہے، اور اس کے نمونوں میں سے ایک نمونہ ہے پر نہ کہ وہ اشتمال اس مرتبۂ مقدسہ کی حقیقت پر۔ بلکہ اس مقدس مرتبہ کی حقیقت پر جو اس کی عظمت[1] و کبریائی کے لوازم میں سے ہے (اس کے سامنے) جمیع محمدی کی کوئی حقیقت نہیں ہے: مَا لِلتُّرَابِ وَرَبِّ الْأَرْبَابِ۔ (چہ نسبت خاک را با عالم پاک) (کہاں خاک اور کہاں عالم پاک)۔

اور نیز اسی مقام میں جبکہ سالک کی سیر اس اسم میں واقع ہوتی ہے جو اس کا رب ہے تو بسا اوقات وہ خیال کرتا ہے کہ بعض اکابر جو یقیناً اس سے افضل ہیں اس کے توسط سے بلند درجوں میں پہنچ گئے ہیں اور اسی کے توسل سے ترقی کی ہے۔ یہ مقام بھی سالکوں کے اقدام کی لغزش گاہ ہے اللہ تعالیٰ سبحانہٗ ہم کو اس بات سے اپنی پناہ میں رکھے، کہ اس گمان کی بنیاد پر کوئی اپنے آپ کو افضل سمجھ کر ابدی خسارہ میں پڑ جائے ——— اور اگر کوئی عظیم الشان بادشاہ کسی زمیندار کی مدد سے جو اس کی مملکت میں داخل ہے اس کے بعض مقامات پر پہنچے اور اس کے توسل سے بعض علاقے فتح کر لے تو اس میں کونسی تعجب کی بات ہے اور کیا فضیلت ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ یہاں جزئی برتری کا احتمال ہے جو کہ خارج از بحث ہے کیونکہ ہر ایک حجام اور جلاہا جو بعض مخصوص وجوہ کی بنا پر تمام عالم ذوفنون (دانشوروں) اور حکیم بوقلموں (گوناگوں فلسفیوں) پر فضیلت رکھتا ہے لیکن یہ فضیلت اعتبار سے خارج ہے اور جو معتبر ہے وہ فضیلت کلی ہے جو کہ عالم اور حکیم کے لئے ثابت ہے ——— اس درویش کو بھی اس قسم کے اشتباہات بہت پیش آئے اور اس قسم کے خیالات بہت آتے رہے اور مدتوں تک یہی حالت رہی۔ چونکہ حق تعالیٰ جل شانہٗ کی حفاظت شامل حال رہی اس لئے یقینِ سابق میں بال برابر بھی تذبذب نہیں ہوا، اور متفق علیہ اعتقادات میں کوئی فتور واقع نہیں ہوا۔ لِلّٰهِ سُبْحَانَهٗ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ عَلٰى ذٰلِكَ وَعَلٰى جَمِيْعِ نَعْمَائِهٖ (اس نعمت پر اور تمام نعمتوں پر اللہ سبحانہٗ کی حمد اور اس کا احسان ہے)۔ اور جو کچھ مجمع علیہ (متفق علیہ اعتقادات) کے خلاف ظاہر ہوتا تھا اس کا کچھ اعتبار نہ کرتا تھا، اور اس کو اچھے معنی پر محمول کرتا تھا اور مجمل طور پر اتنا جانتا تھا کہ اس کشف کی صحت کا اندازہ بھی جزئی فضیلت کی طرف راجع ہے۔ ہر چند یہ وسوسہ بھی عارض ہوتا تھا کہ فضیلت کا مدار قربِ الٰہی جل سلطانہٗ پر ہے اور یہ زیادتی اسی قرب میں ہے پھر جزئی فضیلت کیوں ہو گی؟ لیکن یقینِ صادق کے مقابلے میں یہ وسوسہ بھی ہباءً منثوراً (پراگندہ

---

[1] جیسا کہ حدیثِ قدسی میں وارد ہے الکبریاء ردائی والعظمۃ ازاری (کبریائی میری چادر اور عظمت میری ازار ہے)۔

بار کی طرح اڑ جاتا تھا اور اس کا کوئی اعتبار نہ کرتا تھا بلکہ توبہ، استغفار اور انابت کے ساتھ التجا کرتا تھا اور نہایت عاجزی و زاری کے ساتھ دعا کرتا تھا کہ اس قسم کے کشف ظاہر نہ ہوں، اور اہل سنت وجماعت کے اعتقادات کے خلاف بال برابر بھی منکشف نہ ہو ——— ایک دن یہ خوف غالب ہوا کہ کہیں یہ کشف مواخذہ کا باعث نہ بن جائیں، اور یہ وہم سوال کا باعث نہ ہو جائے۔ اس خوف کے غلبہ نے بے قرار و بے چین کر دیا تو جناب قدس خداوندی جل سلطانہٗ میں التجا و تضرع زیادہ بڑھ گئی اور یہ حالت کافی عرصہ تک رہی۔ اتفاقاً اسی عرصہ میں ایک بزرگ کے مزار پر گذر ہوا اور اس معاملہ میں ان بزرگ کی معاونت چاہی۔ اسی اثنا میں اللہ جل شانہٗ کی عنایت شامل حال ہوئی اور حقیقتِ معاملہ جیسا کہ اس کا حق ہے ظاہر ہوا اور حضرت رسالت خاتمیت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی روحانیت جو تمام عالموں کے لئے رحمت ہے اس وقت ظہور پذیر ہوئی اور دلِ غمگین کی تسلی فرمائی اور معلوم ہوا کہ بیشک قربِ الٰہی ہی فضلِ کُلّی کا موجب ہے لیکن یہ قرب جو تجھ کو حاصل ہوا ہے الوہیت کے مراتب کے ظلالوں میں سے ایک ظل کا قرب ہے جو اس اسم کے ساتھ مخصوص ہے جو تیرا رب ہے اس لئے کُلّی فضیلت کا موجب نہ ہوگا ——— اس مقام کی مثالی صورت کو اس طریقے پر منکشف کیا گیا کہ کوئی شک و شبہ کی گنجائش نہ رہی اور اس شبہ کا گمان بالکل ختم ہو گیا۔ اور بعض وہ علوم جو اشتباہ کا محل رکھتے ہیں اور ان میں تاویل و توجیہ کی گنجائش ہے، اور یہ درویش اپنی کتابوں اور رسالوں میں لکھ چکا تھا زیادہ منکشف ہوئی۔

(اس فقیر نے چاہا) کہ ان علوم کے اغلاط کا منشاء جو محض فضلِ خداوندی جل شانہٗ سے حاصل ہوا ہے لکھے اور شائع کرے کیونکہ مشتہر گناہ کے ازالہ کے لئے توبہ کا اشتہار ضروری ہے تاکہ لوگ ان علوم سے خلاف شریعت نہ سمجھ لیں اور تقلید کی بنا پر گمراہی میں نہ پڑ جائیں، یا تعصب اور تکلف سے گمراہی اور جہالت اختیار نہ کر لیں کہ اس راہِ غیب الغیب میں اس قسم کے بھول بہت کھلتے ہیں کہ ایک گروہ کو ہدایت کی طرف لے جاتے ہیں اور دوسرے کو گمراہی کی طرف رہنمائی کرتے ہیں۔

(اس فقیر نے) اپنے والد بزرگوار قدس سرہٗ سے سنا ہے، آپ فرماتے تھے کہ بہتر[۶۲] فرقوں میں سے اکثر فرقے گمراہی کی راہ اختیار کئے ہوئے ہیں اور راہِ راست سے بھٹک گئے ہیں، اور ان کا باعث صوفیوں کے طریقے میں داخل ہونا ہے کیونکہ انھوں نے کام کو انجام تک نہیں پہنچایا بلکہ غلط راستہ اختیار کر کے گمراہ ہو گئے۔" والسلام

مکتوب ۲۲۱

دو صد و بست و یکم

سید حسین مانک پوری[1] کی طرف صادر فرمایا ——— طریقۂ عالیہ نقشبندیہ کے خصائص و کمالات کے بیان میں، یعنی اس طریقہ کی افضلیت اور دوسروں کی انتہا اس کی ابتدا میں درج ہونے اور اس طریق کی انتہا کے بیان میں، اور سفر در وطن، خلوت در انجمن اور سلوک پر جذبہ کے مقدم ہونے اور عالم امر سے سیر کی ابتدا ہونے کے بیان میں، اور یہ کہ یہ طریقہ موصل (وصول الی اللہ) کے طریقوں میں سب سے قریب ترین ہے، اور اس طریقہ کی ابتدا میں حلاوت و وجدان ہے اور انتہا میں بے مزگی اور فقدان ہے جو نا امیدی کے لوازمات سے ہے۔ اور ایسے ہی اس طریقہ کی ابتدا میں قرب و شہود ہے اور انتہا میں بُعد و حرمان، (نیز) اس طریقۂ عالیہ کے اکابرین نے احوال و مواجید کو احکامِ شرعیہ کے تابع کیا ہے اور اذواق و معارف کو علوم دینیہ کا خادم قرار دیا ہے، اور اس طریقہ میں پیری و مریدی طریقت کی تعلیم و تعلم (سیکھنے سکھانے) سے ہے نہ کہ کلاہ و شجرہ سے[2] اور اس طریق میں طالب کا سلوک شیخ مقتدا کے تصرف پر منحصر ہے۔ اور اس سلسلہ کے بزرگ جس طرح نسبت عطا کرنے میں کامل طاقت رکھتے ہیں اسی طرح اس نسبت کو سلب کرنے میں بھی پوری قدرت رکھتے ہیں، اور اس طریق میں زیادہ فائدہ اور استفادہ سکوت میں ہے اور سکوت اس طریق کے لوازم میں سے ہے، اور اس کے مناسب بیان میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ وَاٰلِهِ الطَّاهِرِيْنَ وَعَلَيْهِمْ اَجْمَعِيْنَ ○ (سب تعریف اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے اور صلوٰۃ و سلام ہو حضرت سید المرسلین اور آپ کی تمام پاک اولاد پر) ——— میرے عزیز بھائی سیادت پناہ میر سید حسین نے دُور پڑے ہوؤں کو فراموش نہ کیا ہوگا، اور اس طریقۂ عالیہ کے آداب کی رعایت کو جو مشائخ کرام کے تمام طریقوں سے بعض وجوہ کی بنا پر ممتاز ہے ہاتھ سے نہ چھوڑا ہوگا اور اس پر کاربند ہوں گے) کیونکہ آپ کو ملاقات کی فرصت بہت کم حاصل ہوئی ہے، اس حقیقت کا لحاظ رکھتے ہوئے (یہ فقیر) اس طریقۂ عالیہ کے بعض کمالات و خصوصیات کو علوم بلند اور معارفِ ارجمند کے ضمن میں تحریر کرتا ہے ———

---

[1] آپ کے نام صرف یہی ایک مکتوب ہے اور مزید حالات معلوم نہ ہوسکے

[2] اور اس طریق میں نفس کی مخالفت اور ریاضت و مجاہدات اور احکام شریعت کی پابندی اور سنت سنیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی اتباع کی تاکید ہے، بزرگان

اگرچہ (یہ درویش) جانتا ہے کہ اس قسم کے علوم و معارف کا سمجھنا بالفعل سننے والوں کے اذہان سے بعید ہے لیکن ایسے معارف کا اظہار دو وجہ سے (ضروری) ہے ــــ ایک یہ کہ سننے والا (یعنی سید حسین مانکپوری) ان علوم کی استعداد رکھتا ہے، اگرچہ بالفعل (فوری طور پر) وہ دور از کار معلوم ہوتے ہیں ــــ دوم یہ کہ اگرچہ ظاہری طور پر مخاطب معین (مخصوص) ہے، لیکن حقیقت میں ہر وہ شخص مخاطب ہے جو اس معاملہ کا راز دار ہے "اَلسَّیْفُ لِلضَّارِبِ" (تلوار صاحبِ استعمال کے لئے زیبا ہے) مثل مشہور ہے۔

اے بھائی! اس روشن طریقے کے حلقہ کے سردار حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں کہ انبیا علیہم الصلوات والتسلیمات کے بعد بالتحقیق تمام بنی آدم سے افضل ہیں اور اسی اعتبار سے یہ طریقہ اکابر کی عبارتوں میں آیا ہے کہ ہماری نسبت دوسری تمام نسبتوں سے بڑھ کر ہے، کیونکہ ان کی نسبت جس سے مراد خاص حضور و آگاہی ہے بعینہٖ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسبت اور حضور ہے جو تمام آگاہیوں پر برتری رکھتی ہے، اور اس طریق میں (دوسروں کی) نہایت اس کی ابتدا میں مندرج ہے۔ (جیسا کہ) حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہٗ فرماتے ہیں: "ما نہایت را در بدایت درج می کنیم" (ہم انتہا کو ابتدا میں درج کرتے ہیں)۔ مصرع

قیاس کن زگلستانِ من بہار مرا (مری بہار کا اندازہ گلستاں سے کر)

اگر کوئی پوچھے کہ جب دوسروں کی انتہا ان کی ابتدا میں مندرج ہے تو ان کی انتہا کیا ہوگی؟ اور اسی طرح جب دوسروں کی انتہا یقیناً حق سبحانہٗ و تعالیٰ کا وصول ہے تو پھر ان کو حق سے آگے کہاں کی سیر میسر ہوگی۔ لَیْسَ وَرَاءَ الْعَبَّادَانِ قَرْیَۃٌ (جزیرۂ عبادان کے بعد کوئی آبادی نہیں ہے) مثل مشہور ہے۔ ــــ ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ اس طریقۂ عالیہ کی نہایت اگر میسر ہو جائے تو وہ وصلِ عریاں (واضح مشاہدہ) ہے کہ اس کے حاصل ہونے کی علامت مطلوب کے حصول کی یاس کا حاصل ہونا ہے۔ فَافْهَمْ فَاِنَّ کَلَامَنَا اِشَارَۃٌ لَا یُدْرِکُھَا اِلَّا الْاَقَلُّ مِنَ الْخَوَاصِّ بَلْ مِنْ اَخَصِّ الْخَوَاصِّ (لہٰذا اس سے سمجھ لیں کہ ہمارے کلام میں وہ اشارے ہیں جن کو خواص بلکہ اخص الخواص میں سے بھی بہت کم سمجھنے والے ہیں) ــــ اس دولتِ عظمیٰ کے حاصل ہونے کی علامت کا ذکر اس لئے کیا ہے کہ اس گروہ میں سے ایک جماعت نے وصلِ عریاں کا دعویٰ کیا ہے اور دوسری جماعت مطلوب کے حصول کی ناامیدی کی قائل ہو گئی ہے۔ لیکن اگر ان دونوں دولتوں کو ان پر پیش کر دیا جائے تو نزدیک ہے

کہ اجتماعِ ضدین خیال کریں اور ان کو محالات (ناممکنات) کی قسم سے جانیں ــــــ ایک گروہ جو وصل کا دعویدار ہے اور یاس (نا امیدی) کو حرمان (محرومی) جانتا ہے، اور وہ جماعت جو یاس کی مدعی ہے وہ وصل کو عین فصل (جدائی) خیال کرتی ہے، یہ سب کچھ اس بلند منزل تک نارسائی کی علامت ہے۔

ــــــ خلاصہ یہ کہ اس عالی مقام کا ایک پرتو اُن کے باطن پر چمکا ہے جس کو ایک گروہ نے وصل خیال کر لیا ہے اور دوسرا گروہ اس کو یاس سمجھتا ہے اور یہ فرق ایک دوسرے کی استعداد کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ ایک گروہ کی استعداد کے مناسب وصل ہے اور دوسرے کی استعداد کے موافق یاس ہے ــــــ اس حقیر کے نزدیک وصل کی استعداد سے یاس کی استعداد زیادہ بہتر ہے اگرچہ اس مقام پر وصل اور یاس ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم ہیں ــــــ اس جواب سے دوسرے اعتراض کا جواب بھی روشن ہو گیا کہ وصلِ مطلق اور چیز ہے اور وصلِ عریاں اور۔ شَتَّانَ مَا بَیْنَہُمَا (ان دونوں میں بڑا فرق ہے) ــــــ وصلِ عریاں سے ہماری مراد یہ ہے کہ تمام حجابات اُٹھ جائیں اور تمام رکاوٹیں دُور ہو جائیں۔ اور چونکہ مختلف قسم کی تجلیات اور طرح طرح کے ظہورات بہت بڑے اور قوی حجابات ہیں اس لئے ان سب تجلیات اور ظہورات سے گذر جانا اور آگے بڑھنا ضروری ہے خواہ یہ تجلی و ظہور امکانی آئینوں میں ہوں یا مظاہرِ وجوبیہ میں کیونکہ یہ دونوں نفس حجابات حاصل ہونے میں برابر ہیں، اور اگر کچھ فرق ہے تو صرف شرافت و رتبہ کا ہے اور وہ طالب کی نظر سے خارج ہے ــــ

اگر پوچھیں کہ اس بیان سے یہ بات لازم آتی ہے کہ تجلیات کی نہایت ہے، حالانکہ شائخ طریقت نے تصریح کی ہے کہ تجلیات کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ تجلیات کا بے نہایت ہونا اس لحاظ سے ہے کہ اسماء و صفات میں تفصیل سے سیر واقع ہو (لیکن) اس تقدیر پر حضرت ذات تعالیٰ و تقدس کا وصول میسر نہیں ہے اور نہ ہی وصلِ عریاں حاصل ہے، بلکہ حضرت ذات تعالیٰ و تقدس کا وصول اجمال کے طریقے پر اسماء و صفات کے طے کرنے پر منحصر ہے، اس وجہ سے تجلیات کی نہایت ہوگی۔

اور اگر کہا جائے کہ تجلیاتِ ذات کو بھی بے نہایت کہا گیا ہے جیسا کہ حضرت مولوی جامی قدس سرہ نے شرح لمعات میں اس کی تصریح کی ہے تو تجلیات کو محدود کرنا کس وجہ سے درست ہے؟ تو جواب میں ہم کہتے ہیں کہ وہ تجلیاتِ ذاتیہ بھی شیون و اعتبارات کے ملاحظہ کے بغیر ممکن نہیں ہیں۔ اور ہم جو کچھ بیان کر رہے ہیں وہ ایک ایسا امر ہے جو تجلیاتِ صفاتی سے ماوراء ہے خواہ وہ تجلیات

ذاتی ہوں یا صفاتی۔ کیونکہ اس مقام میں تجلی کا اطلاق جائز نہیں ہوگا خواہ کوئی تجلی ہو، اس لئے کہ تجلی سے شے کا ظہور مراد ہے جو دوسرے یا تیسرے یا چوتھے مرتبہ میں ہو، جہاں تک اللہ تعالیٰ چاہے (مشاہدہ کرائے) اور یہاں پر تمام مراتب ساقط ہوگئے اور تمام مسافت طے ہو چکی۔

اگر یہ پوچھا جائے کہ ان تجلیات کو تجلیاتِ ذاتی کس اعتبار سے کہا جاتا ہے تو ہم کہتے ہیں کہ اگر وہ تجلیات (اصولِ ذات میں) معانی زائدہ (تجلیاتِ ذاتی کے علاوہ) کے ملاحظہ سے ہیں تو وہ تجلیاتِ صفات ہیں اور اگر غیر زائدہ معانی کے ملاحظہ سے ہیں تو وہ تجلیاتِ ذات ہیں، لہٰذا وحدت کا ظہور جو تعین اوّل ہے اور حق تعالیٰ کی ذات پر زائد نہیں ہے اس لئے بزرگوں نے اس کو تجلیٔ ذات کہا ہے اور ہمارا مطلب حضرت ذات تعالیٰ وتقدس ہے جہاں معانی کے ملاحظہ کی ہرگز گنجائش نہیں ہے خواہ وہ معانی زائد ہوں یا غیر زائد۔ کیونکہ تمام معانی بطریقِ اجمال طے ہو کر حضرت ذات تعالیٰ وتقدس تک وصول میسر ہوا ہے۔

اور جاننا چاہئے کہ وصل اس مقام پر مطلب کے رنگ میں بے چون و بے چگونہ ہے، اور وہ اتصال جس کو عقل وفہم سمجھ سکے بحث سے خارج ہے اور اس جنابِ قدس کے شایاں نہیں ہے کیونکہ چون کو بے چون کی طرف کوئی راہ نہیں ہے۔ لَا يَحْمِلُ عَطَايَا الْمَلِكِ اِلَّا مَطَايَاهُ (بادشاہ کے عطیات کو اس کی سواریاں ہی اٹھا سکتی ہیں) ؎

اتصالِ بے تکیف بے قیاس ہست رب الناس را با جانِ ناس

(ربِّ انساں سے اتصالِ بشر کیفیت اس کی کیا ہے؟ کس کو خبر؟)

اس طریقۂ عالیہ کے مشائخ میں سے کسی نے بھی اپنے طریقے کی انتہا کی خبر نہیں دی، بلکہ اپنے طریقے کے ابتدا کی نسبت کہا ہے کہ نہایت کا بھی اسی میں اندراج ہے۔ جب ان کی ابتدا میں دوسروں کی انتہا ملی ہوئی ہے تو ان کی انتہا کے لئے بھی ضروری ہے کہ اس کی ابتدا کے مناسب ہو۔ اور یہ وہی چیز ہے جس کا اظہار کر کے اس فقیر نے (حق تعالیٰ کی عنایت سے) امتیاز حاصل کیا ہے ؎

اگر بادشہ بر درِ پیر زن تو اے خواجہ سبلت مکن

(اگر بادشہ آئے بڑھیا کے گھر تو اے خواجہ ہرگز تعجب نہ کر)

لِلّٰهِ سُبْحَانَهٗ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ عَلٰى ذٰلِكَ (اس بات پر اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کا احسان ہے)۔

اے بھائی! اس نہایت (انتہا) کے واصل حضرات اس طریقے میں اور دوسرے طریقوں میں بہت ہی کم ہیں۔ اگر ایسے حضرات کی تعداد کو شمار کیا جائے تو ممکن ہے کہ جو نزدیک ہیں وہ دوری اختیار کرلیں اور جو دُور ہیں ان کے انکار سے تو کوئی تعجب ہی نہیں۔ یہ سب کچھ اُس کے حبیب علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات انتہا واکملہا کے صدقہ میں نہایت النہایت تک کمال کے وصول کی وجہ سے ہے ———— اور اس طریقۂ عالیہ کی خصوصیتوں میں سے ایک خصوصیت "سفر در وطن" ہے کہ جس سے مراد سیرِ انفسی ہے۔ اگرچہ سیرِ انفسی تمام مشائخ کے طریقوں سے ثابت ہے، لیکن وہ سیر، سیرِ آفاقی کے طے کرنے کے بعد (مقامِ) نہایت میں حاصل ہوتی ہے، اور اس طریق (نقشبندیہ) میں ابتدا ہی اس سیر سے ہوتی ہے اور سیرِ آفاقی اِس سیر کے ضمن میں خود بخود طے ہو جاتی ہے۔ لہٰذا اس سیر کا مقصد جو ابتدا میں حاصل ہوتا ہے وہ "اندراج النہایت فی البدایت" ہے یعنی ابتدا میں انتہا کا مندرج ہوتا ہے ———— اور دوسری خصوصیت "خلوت در انجمن" ہے جو "سفر در وطن" پر متفرع و مترتب ہے۔ جب "سفر در وطن" میسر ہو جائے تو "خلوت در انجمن" بھی اس کے ضمن میں میسر ہو جائے گی۔ لہٰذا سالک انجمن کے تفرقہ میں رہتے ہوئے بھی وطن (دل) کے خلوت خانہ میں سفر کرتا ہے اور آفاق کا تفرقہ نفس کے حجرے میں راہ نہیں پاتا۔ یہ خلوت اگرچہ دوسرے طریقوں کے منتہیوں کو بھی حاصل ہے لیکن اس طریقے میں چونکہ ابتدا ہی میں یہ بات میسر ہو جاتی ہے اس لئے یہ اس طریقے کی خصوصیت ہوئی۔

جاننا چاہئے کہ "خلوت در انجمن" ایسے انداز پر ہے کہ وطن کے خلوت خانے کے دروازوں کو بند کر دیا گیا ہو اور اس کے سوراخوں کو بھی مسدود کر دیا ہو، یعنی انجمن کے تفرقہ میں کسی ایک چیز کی طرف بھی التفات نہ کرے، اور (باطن میں) متکلم و مخاطب نہ ہو، نہ آنکھوں کو ڈھانپے اور نہ حواس کو جان بوجھ کر معطل کرے، کیونکہ یہ (باتیں) اس طریقے کے خلاف ہیں۔

اے بھائی! یہ سب حیلہ و تکلف ابتدا اور وسط کے درجوں میں ہے اور انتہا میں اس قسم کے حیلوں کا کچھ کام نہیں (لہٰذا منتہی) عین تفرقہ میں بھی (دل کی) جمعیت سے ہے اور نفس غفلت (کی انجمن) میں بھی حاضر ہے ———— اس جگہ کوئی شخص یہ گمان نہ کرے کہ مطلقاً منتہی کے حق میں تفرقہ اور عدم تفرقہ بہمہ وجوہ مساوی ہے۔ ایسا نہیں ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ تفرقہ و عدم تفرقہ اس کے باطن کے نفس جمعیت میں برابر ہیں۔ اسی طرح اگر ظاہر کو باطن کے ساتھ جمع کرلیں اور ظاہر سے بھی تفرقہ کو دفع کر دیں تو بہت ہی

بہتر اور مناسب ہے ـــــ حق سبحانہٗ وتعالیٰ اپنے حبیب علیہ وعلیٰ آلہ الصلوۃ والسلام سے فرماتا ہے:
وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا (سورہ مزمل آیت ۸) (اپنے رب کے نام کو یاد کر اور سب سے قطع تعلق کرکے اس کی طرف متوجہ ہو جا)۔

جاننا چاہئے کہ بعض اوقات ظاہری تفرقہ سے چارہ نہیں ہوتا تاکہ مخلوق کے حقوق ادا ہو سکیں لہٰذا یہ ظاہری تفرقہ بھی بعض اوقات قابلِ ستایش اور مستحسن ہے، لیکن باطن کا تفرقہ اوقات میں سے کسی وقت بھی جائز نہیں کہ وہ خالص حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے لئے ہے ـــــ لہٰذا بندوں کے (اوقات میں) تین حصے حق تعالیٰ کے لئے مقرر ہوئے یعنی باطن سب کا سب اور ظاہر کا ایک نصف بھی اور ظاہر کا بقیہ نصف مخلوق کے حقوق کی ادائیگی کے لئے باقی رہا۔ چونکہ ان حقوق کے ادا کرنے میں ہر وقت حق سبحانہٗ کے اوامر کی بجاآوری ہے اس لئے وہ نصف بھی حق سبحانہ وتعالیٰ کی طرف راجع ہو گیا۔ وَإِلَيْهِ يُرْجَعُ الْأَمْرُ كُلُّهُ فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ (ہود آیت ۱۲۳) (اور تمام کاموں کا اسی کی طرف رجوع ہے پس آپ اسی کی عبادت کیجئے اور اسی پر بھروسہ رکھئے اور آپ کا رب ان سب باتوں سے بے خبر نہیں جو کچھ تم کر رہے ہو)۔

اور اس طریقہ میں جذبہ سلوک پر مقدم ہے اور سیر کی ابتدا عالمِ امر سے ہے نہ کہ عالمِ خلق سے، برخلاف اکثر دوسرے طریقوں کے (کہ ان کے سیر کی ابتدا عالمِ خلق سے ہے) ـــــ اور اس طریق میں سلوک کی منازل جذبہ کے مراتب طے ہونے کے ضمن میں قطع ہو جاتی ہیں اور عالمِ خلق کی سیر عالمِ امر کی سیر کے تحت میسر ہو جاتی ہے، لہٰذا اگر اس اعتبار سے بھی کہیں کہ اس طریق میں انتہا ابتدا میں درج ہے تو کہنے کی گنجائش رکھتا ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ اس طریقہ کی ابتدا ہی میں انتہا کی سیر درج ہے نہ یہ کہ انتہا سے ابتدا کی سیر کے لئے نیچے آجائیں اور نہایت کی سیر تمام کرنے کے بعد بدایت کی سیر اختیار کریں ـــــ اس (مضمون) سے اس شخص کا زعم باطل ہو گیا جو کہتا ہے کہ "اس (نقشبندیہ) طریقہ کی انتہا دوسرے تمام مشائخ کے طریقوں کی ابتدا ہے" ـــــ

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اس طریقے کے بعض مشائخ کی عبارتوں میں واقع ہے کہ ان کو اسماء وصفات کی سیر ان کی نسبت کے تمام ہونے کے بعد واقع ہوئی ہے تو یہ درست ہے کہ ان کی نہایت دوسرے طریقوں کے مشائخ کی بدایت ہو گئی کیونکہ اسماء وصفات کی سیر تجلیاتِ ذاتیہ کی سیر کی نسبت ابتدا میں ہے

تو ہم جواب میں کہتے ہیں کہ ان (مشائخ نقشبندیہ) کی سیر اسماء و صفات میں تجلیاتِ ذاتیہ کی سیر کے بعد نہیں ہے بلکہ اسی سیر کے ضمن میں وہ سیر بھی واقع ہو جاتی ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ جب اسماء و صفات کی سیر بعض عوارض کے سبب سے ظہور میں آتی ہے اور تجلیاتِ ذاتیہ کی سیر پوشیدہ ہو جاتی ہے تو یہ خیال پیدا ہو جاتا ہے کہ وہ سیر (تجلیاتِ ذاتیہ) کو تمام کر کے تجلیات اسمائی و صفاتی میں داخل ہو گیا ہے، حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ ہاں ولایت کے تمام مدارج میں سیر کی تکمیل کے بعد مخلوق کو حق جل وعلا کی طرف دعوت دینے کے لئے عالم کی طرف رجوع واقع ہوتا ہے، اگر اس رجوع کو ان کی انتہا سمجھ کر اس کو اپنی ابتدا تصور کی ہو تو کچھ بعید نہیں ـــــــ لیکن (فقیر) کیا کہے جبکہ اس کے مشائخ ہی اسی نہایت میں رجوع رکھتے ہیں، اور اسی طرح نہایت و بدایت سے مراد ولایت کی بدایت و نہایت ہے اور رجوع کی یہ سیر ولایت سے تعلق نہیں رکھتی بلکہ دعوت و تبلیغ کے مرتبہ کا ایک حصہ ہے ـــــــ اور یہ طریقہ (نقشبندیہ) سب طریقوں سے قریب ترین ہے اور بیشک موصل (مقصود تک پہنچانے والا) ہے۔

حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہٗ فرماتے ہیں "طریقِ ما اقربِ طرق است" (ہمارا طریقہ (وصول الی اللہ میں) تمام طریقوں سے قریب ترین ہے)۔ اور یہ بھی فرمایا کہ "میں نے حق سبحانہٗ و تعالیٰ سے ایسے طریقے کے لئے دعا کی جو یقیناً موصل ہو" اور آپ کی یہ دعا قبول ہو گئی ـــــــ چنانچہ رشحات میں حضرت خواجہ احرار قدس سرہ سے منقول ہے کہ یہ طریقہ مقبول اور موصل کیوں نہ ہو جبکہ انتہا اس کی ابتدا میں مندرج ہے۔ بہت ہی بدقسمت ہے وہ شخص جو اس طریقہ میں داخل ہو اور استقامت اختیار نہ کرے اور بے نصیب رہے۔

مصرع   خورشید نہ مجرم ار کسے بینا نیست   (اندھا نہ دیکھ پائے تو سورج کا کیا قصور)

ہاں اگر کوئی طالب کسی ناقص (شیخ) کے ہاتھ پڑ جائے تو اس میں طریقہ کا کیا قصور ہے اور طالب کا بھی کہاں قصور۔ کیونکہ فی الحقیقت اس طریق کا رہبر موصل ہے نہ کہ نفسِ طریق ـــــــ ـــــــ اور اس طریق کی ابتدا میں حلاوت و وجدان ہے اور انتہا میں بے مزگی اور فقدان (گم ہونا) جو کہ مطلوب کے حصول کی ناامیدی کے لوازمات میں سے ہے، بخلاف دوسرے طریقوں کے کہ جن کی ابتدا میں بے مزگی اور فقدان ہے اور انتہا میں حلاوت و وجدان ہے ـــــــ اور اسی طرح اس طریق کی ابتدا میں قرب و شہود ہے اور انتہا میں بعد و حرمان۔ بخلاف دوسرے تمام طریقوں والے

مشائخ کرام کے۔ اس (مضمون) سے طریقوں کے فرق کو قیاس کرنا چاہیے ـــــ اور اس طریقۂ عالیہ کی بزرگی اور برتری دریافت کرنی چاہیے، کیونکہ قرب و شہود، حلاوت و وجدان، دوری و مہجوری کی خبر دیتے ہیں اور بُعد و حرمان، بے حلاوتی اور فقدان، نہایتِ قرب کی خبر دیتے ہیں، لہٰذا سمجھ والے ہی سمجھ سکتے ہیں۔

اس راز کی وضاحت یا شرح میں اتنا بیان کیا جاتا ہے کہ کسی شخص کے لئے اپنے نفس سے زیادہ قریب ترین کوئی چیز نہیں ہے اور نسبتِ قرب، شہود و حلاوت اور وجدان اس کے اپنے حق کے نفس میں مفقود ہے اور اپنے سے غیر کی نسبت جس سے بیگانگی رکھتا ہے اس میں یہ تمام نسبتیں موجود ہیں:ـــ فَالْعَاقِلُ تَكْفِيْهِ الْإِشَارَةُ (پس عقلمند کے لئے ایک ہی اشارہ کافی ہے)۔

اور اس طریقۂ عالیہ کے اکابر نے احوال و مواجید کو احکامِ شرعیہ کے تابع کر کے اذواق و معارف کو علومِ دینیہ کا خادم بنایا ہے اور احکامِ شرعیہ کے قیمتی جواہرات کو بچوں کی طرح وجد و حال کے اخروٹ و منقی کے عوض نہیں پسند کرتے، اور صوفیہ کے کلماتِ سُکریہ پر مغرور و مفتوں نہیں ہوتے وہ احوال جو شرعی ممنوعات اور روشن سنتوں کے خلاف اختیار کرنے سے حاصل ہوتے ہیں قبول نہیں کرتے۔ اور نہ ہی اس کو پسند کرتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ سماع و رقص کو جائز نہیں رکھتے اور ذکرِ جہر کو بھی قبول نہیں کرتے۔ ان کا حال دوام پر ہے اور ان کا وقت استمراری ہے، وہ تجلّیِ ذاتی جو دوسروں کے لئے برق کی مانند ہے ان کے لئے دائمی ہے، اور وہ حضوری جس کے پیچھے غیبت ہو، ان بزرگوں کے نزدیک اعتبار سے ساقط ہے بلکہ ان کا معاملہ حضور و تجلی سے بھی بلند تر ہے۔ جیسا کہ پہلے اشارہ کیا جا چکا ہے۔

حضرت خواجہ احرار قدس سرہٗ نے فرمایا ہے کہ اس سلسلۂ نقشبندیہ کے خواجگان قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم ہر زرّاق و رقاص (مکر کرنے والے اور ناچنے والے) کے ساتھ نسبت نہیں رکھتے، ان کا کام اس سے بہت بلند ہے ـــــ اور اس طریق میں پیری و مریدی طریقے کی تعلیم و تعلم پر موقوف ہے کلاہ و شجرہ پر موقوف نہیں جو کہ اکثر مشائخ کے سلسلوں میں رسم بن گئی ہے، یہاں تک کہ ان کے متاخرین نے پیری مریدی کو صرف کلاہ و شجرہ پر منحصر کر دیا ہے، یہی وجہ ہے کہ پیر کہلوانا پسند نہیں کرتے اور طریقت کے معلم کو مرشد کہتے ہیں، پیر نہیں جانتے، اور پیری کے آداب کی رعایت اس کے حق میں بجا نہیں لاتے، یہ بات ان کی کمال جہالت و نادانی کی وجہ سے ہے ـــــ وہ نہیں جانتے کہ ان کے مشائخ نے

پیرِ تعلیم و پیرِ صحبت کو بھی پیر ہی کہا ہے، اور پیر کہلوانا جائز قرار دیا ہے، بلکہ پیرِ اول کی حینِ حیات ہی میں اگر طالب اپنی ہدایت کسی دوسری جگہ دیکھے تو اس کے لئے جائز ہے کہ پیرِ اول کے انکار کے بغیر دوسرا پیر اختیار کر لے۔ حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہٗ نے اس بات کے جائز ہونے کے بارے میں علمائے بخارا کے فتوے کو درست قرار دیا ہے ——— ہاں اگر کسی پیر سے خرقۂ ارادت حاصل ہو گیا ہے تو دوسرے پیر سے خرقۂ ارادت نہ لے، اور اگر لے تو اس کو خرقۂ تبرک تصور کرے۔ اس سے یہ بات لازم نہیں آتی کہ دوسرا پیر ہرگز اختیار نہ کرے بلکہ روا ہے کہ خرقۂ ارادت ایک سے حاصل کرے اور طریقت کی تعلیم دوسرے سے اور صحبت تیسرے سے رکھے اور اگر یہ تینوں نعمتیں کسی ایک ہی (پیر) سے حاصل ہو جائیں تو زہے قسمت، اور جائز ہے کہ متعدد مشائخ کی تعلیم اور صحبت سے استفادہ کرے۔

جاننا چاہئے کہ پیر وہ ہے جو مرید کو حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی طرف رہنمائی کرے۔ اور یہ معنی تعلیمِ طریقت میں زیادہ ملحوظ اور واضح ہیں، کیونکہ پیرِ تعلیم شریعت کا بھی استاد ہے اور طریقت کا بھی رہنما ہے بخلاف پیرِ خرقہ کے۔ لہذا پیرِ تعلیم کے آداب کی رعایت کو بہت زیادہ ملحوظِ خاطر رکھنا چاہئے اور پیر بننے اور کہلانے کا زیادہ مستحق یہی ہے ——— اور اس طریق میں نفسِ امارہ کے ساتھ ریاضات و مجاہدات کرنا احکامِ شرعیہ کی بجا آوری اور سنتِ سنیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کی پیروی کا التزام کرنے میں ہے۔ کیونکہ رسولوں کے بھیجنے اور کتابوں کے نازل کرنے سے مقصود نفسِ امارہ کی خواہشات کو ختم کرنا ہے جو اپنے مولا جل سلطانہٗ کی دشمنی پر قائم ہے۔ لہذا نفسانی خواہشوں کا دور کرنا احکامِ شرعیہ کی بجا آوری پر وابستہ ہوا، جو شخص جسقدر شریعت میں راسخ اور ثابت قدم ہوگا اسی قدر خواہشاتِ نفسانی سے دور ہوگا۔ لہذا نفسِ امارہ پر شریعت کے اوامر و نواہی کی بجا آوری سے زیادہ گراں کوئی چیز نہیں، اور صاحبِ شریعت کی تقلید کے علاوہ کسی چیز میں اس (نفسِ امارہ) کی خرابی متصور نہیں ہے۔

(جو لوگ) وہ ریاضات و مجاہدات جو سنت کی تقلید کے علاوہ اختیار کریں وہ قابلِ اعتبار نہیں ہیں، جیسا کہ ہندوستان کے جوگی اور برہمن، اور یونان کے فلسفی اس معاملے میں شریک ہیں، اور وہ تمام ریاضتیں ان کے حق میں گمراہی کے اضافہ کے علاوہ اور کچھ نہیں ہیں اور سوائے خسارے کے کچھ رہنمائی نہیں کرتیں ——— اور اس طریق میں طالب کا سلوک اپنے شیخِ پیشوا کے تصرف پر منحصر ہے اس کے تصرف کے بغیر کچھ کام نہیں چلتا، کیونکہ ابتدا میں نہایت کا درج ہونا اسی کی شریف توجہ کا اثر ہے

اور بے چونی و بے چگونی کا حصول اسی کے کمالِ تصرف کا نتیجہ ہے۔ اور بیخودی کی وہ کیفیت جس کو انھوں نے مخفی (پوشیدہ) راہ سے تعبیر کیا ہے اس کا حاصل ہونا بشری کے اختیار میں نہیں ہے اور وہ توجہ جو شش جہت سے مُعرا (خالی) ہے اس کا وجود طالب کے حوصلہ کے لائق نہیں ہے ؎

نقشبندیہ عجب قافلہ سالارانند — کہ برند از رہ پنہاں بحرم قافلہ را

(نقشبندی عجیب رہبر ہیں — لے کے جائیں حرم وہ پوشیدہ)

یہ بزرگوار جس طرح نسبت کے عطا کرنے میں کامل قدرت رکھتے ہیں کہ طالبِ صادق کو بہت کم وقت میں حضور و آگاہی عطا فرما دیتے ہیں اسی طرح اس کی نسبت کے سلب کرنے میں بھی پوری قدرت رکھتے ہیں، اور ذرا سی بے توجہی سے صاحب نسبت کو محروم کر دیتے ہیں۔ ہاں سچ ہے، جو دیتے ہیں وہ لے بھی لیتے ہیں: اَعَاذَنَا اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ مِنْ غَضَبِہٖ وَغَضَبِ اَوْلِیَاءِہِ الْکِرَامِ (اللہ سبحانٗ اپنے غضب سے اور اپنے اولیائے کرام کے غصہ سے بچائے)۔

اس طریقۂ عالیہ میں افادہ اور استفادہ اکثر خاموشی میں ہے، اور یہ (بزرگوار) فرماتے ہیں کہ "جس کو ہمارے سکوت (خاموشی) سے نفع حاصل نہیں ہوا وہ ہمارے کلام سے کیا فائدہ اٹھائے گا"[1] اور اس سکوت کو انھوں نے تکلف کے طور پر اختیار نہیں کیا ہے بلکہ ان کے طریق (سلسلہ) کے لوازمات میں سے ہے، کیونکہ شروع ہی سے ان بزرگوں کی توجہ احدیتِ مجردہ کی طرف ہے۔ اسم اور صفت سے سوائے ذات کے اور کچھ نہیں چاہتے۔ اور جانتے ہیں کہ اس توجہ کے مناسب اور اس مقام کے شایان سکوت اور گونگا پن ہے: مَنْ عَرَفَ اللّٰہَ کَلَّ لِسَانُہٗ (جس نے اللہ تعالیٰ کو پہچان لیا اس کی زبان گُنگ ہو گئی) اس بات کی مصداق ہے۔

وَاَخْتِمُ ھٰذِہِ الْمَقَالَۃَ بِحَمْدِ اللّٰہِ سُبْحَانَہٗ وَبِصَلٰوۃِ حَبِیْبِہٖ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَاٰلِہِ الطَّاہِرِیْنَ وَعَلَیْہِمْ اَجْمَعِیْنَ۔ وَالسَّلَامُ (اب ہم اس مقالہ کو اللہ سبحانٗ کی حمد اور اس کے حبیب کی صلوٰۃ پر ختم کرتے ہیں۔ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ رب العٰلمین کے لئے ہیں اور سید المرسلین اور آپؐ کی پاک اولاد پر صلوٰۃ و سلام ہو) والسلام

---

[1] یہ مقولہ سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی قدس سرہٗ کا ہے۔

مکتوب ۲۲۲

دوصد و بست و دوئم

خواجہ محمد اشرف کابلی[1] کی طرف صادر فرمایا ـــــــــ احوال کی خرابی کے بیان میں اور دید قصور اپنے قصور کو دیکھنا) اور اپنی حسنات کو متہم سمجھنا ولایت کے کمالات کے ساتھ اس دید قصور کا جمع ہونا ہی بلکہ یہ شاہد ان کمالات ہی کا اثر ہے، اور اس کے مناسب بیان میں۔

اَللّٰهُمَّ وَفِّقْنَا لِمَرْضَاتِكَ وَثَبِّتْنَا عَلٰى طَاعَتِكَ بِحُرْمَةِ سَيِّدِ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِيْمَاتُ (بار الٰہا تو ہم کو اپنی مرضیات کی توفیق عطا فرما اور حضرت سید المرسلین و الآخرین علیہ وعلی آلہ الصلوات والتسلیمات کے طفیل اپنی طاعت پر ثابت قدم رکھ (آمین) ـــــــــ

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ مرید صادق وہ ہے کہ بیس سال کی مدت میں بھی اس کا کاتب شمال (بائیں جانب کا نامۂ اعمال لکھنے والا فرشتہ) کچھ بھی نہ لکھنے پائے ـــ (لیکن) یہ فقیر پر تقصیر اپنے ذوق و وجدان سے اپنے حق میں یہ بات پاتا ہے کہ کاتب یمین (دائیں جانب کا نیک اعمال لکھنے والا فرشتہ) معلوم نہیں ہوتا کہ بیس سال کی مدت میں کوئی نیکی میرے اعمال میں درج کرسکا ہو ـــــــــ خداوند جل سلطانہٗ جانتا ہے کہ میں نے یہ بات تصنع و تکلف کے ساتھ نہیں کہی بلکہ ذوق کے طور پر پاتا ہے کہ "کافر فرنگ" اس سے کئی درجہ بہتر ہے۔ اور اگر اس کی وجہ دریافت کریں تو (بندہ) جواب سے عاجز نہیں ہے۔ اور نیز بطریق ذوق اپنے آپ کو خطاؤں سے گھرا ہوا جانتا ہے اور گناہوں سے بھرا ہوا سمجھتا ہے اور وہ نیکیاں جو وجود میں آجاتی ہیں تو کاتب شمال کو ان کے لکھنے کا زیادہ سزاوار دیکھتا ہے، اور جانتا ہے کہ اس کا کاتب شمال ہمیشہ اپنے کام میں مصروف ہے اور کاتب یمین معطل و بیکار ہے ـــ اور دائیں طرف کے اعمالی نامے کے اوراق کو خالی اور سفید دیکھتا ہے، اور بائیں طرف کے نامۂ اعمال کے اوراق کو سیاہی سے بھرا ہوا دیکھتا ہے۔ اس کی رحمت کے علاوہ کوئی امید نہیں اور سوائے مغفرت کے اور کوئی وسیلہ نہیں: اَللّٰهُمَّ مَغْفِرَتُكَ اَوْسَعُ مِنْ ذُنُوْبِيْ وَرَحْمَتُكَ اَرْجٰى عِنْدِيْ مِنْ عَمَلِيْ (یا اللہ تیری بخشش میرے گناہوں سے زیادہ وسیع ہے اور مجھے اپنے عمل کی نسبت تیری رحمت سے زیادہ امید ہے) یہ دعا اس (عاجز) کے حال کے موافق ہے۔

---

[1] مکتوبات شریف میں آپ کے نام دو مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۱۳۱ کے فٹ نوٹ میں ملاحظہ ہو۔

عجب معاملہ ہے کہ فیوض و وارداتِ الٰہی جل سلطانہٗ جو متواتر کمال و تکمیل کے درجات میں وارد ہیں وہ بھی اس دیدِ قصور (اپنے حسنات کو قصور وار دیکھنے) کی تائید کرتے ہیں اور اس عیب بینی کو تقویت دیتے ہیں، اور بجائے عُجب (خود بینی) کے منقصت (نقص و کمی) کو زیادہ کرتے ہیں، اور رفعت و تکبّر کی بجائے تواضع و فروتنی کی راہ کھولتے ہیں، اور آنِ واحد میں کمالاتِ ولایت سے بھی مشرف اور دیدِ قصور سے بھی متصف ہے۔ (یہ فقیر) جسقدر بلند جاتا ہے اسی قدر زیادہ نیچے اپنے آپ کو دیکھتا ہے بلکہ بلندی پر جانا (عروج حاصل کرنا) اپنے آپ کو کمتر دیکھنے کا سبب ہوا ہے۔ عقلمند لوگ اس بات کو یقین کریں یا نہ کریں۔ اگر اس بات کا راز معلوم کرلیں تو شاید یقین آجائے۔

سوال:۔ ان دونوں متنافی (متضاد) چیزوں کے جمع ہونے کا کیا راز ہے؟ اور ایک متنافی کا وجود دوسرے متنافی کے وجود کا کیسے سبب ہوسکتا ہے؟۔

جواب:۔ دونوں متنافیوں کا جمع ہونا اس شرط پر محال ہے جبکہ دونوں کا محل ایک ہو اور جس بارے میں ہم گفتگو کر رہے ہیں یہ نہیں کہ اس کے محل متعدد ہیں۔ انسانِ کامل سے اوپر جانے والے اس کے عالمِ امر کے لطائف ہیں اور نیچے آنے والے عالمِ خلق کے لطائف۔ عالمِ امر کے لطائف جس قدر بلند و بالا جاتے ہیں اسی قدر عالمِ خلق سے مناسبت ختم ہو جاتی ہے۔ اور یہی بے مناسبتی عالمِ خلق کے نیچے ہونے کا سبب ہے، اور عالمِ خلق جسقدر زیادہ نیچے آتا ہے اسی قدر سالک کو بے حلاوت (بے مزہ) کردیتا ہے اور اس کے عیوب و نقائص کی دید زیادہ معلوم ہونے لگتی ہے ———

یہی وجہ ہے کہ منتہی مرجوع اس لذت و حلاوت کی آرزو کرتے ہیں جو کہ ان کو ابتدا میں میسر ہوتی تھی اور انتہا میں ہاتھ سے جاتی رہی اور اس کی جگہ بے مزگی پیدا ہو گئی۔ اور یہی وجہ ہے کہ عارف اپنے آپ سے کافر فرنگ کو بہتر جانتا ہے۔ کیونکہ کافر میں اس کے عالمِ امر اور عالمِ خلق کے اختلاط کی وجہ سے ایک نورانیت ہے، اور عارف میں یہ امتزاجی کیفیت ختم ہو گئی ہے۔ عالمِ خلق تنہا جس کے باعث عارف سے "انا" سرزد ہوتی ہے وہ جدا ہو گئی ہے جو سراسر ظلمت و کدورت سے بھری ہوئی ہے۔ اور عالمِ امر کے لطائف خواہ کتنے ہی نیچے آجائیں عالمِ خلق سے کوئی اختلاط نہیں رکھتے اور کچھ بھی امتزاج حاصل نہیں کرتے جیسا کہ ابتدا میں رکھتے تھے۔

وہ مکتوب جو برادرم خواجہ محمد طاہر کے بدست آپ نے ارسال کیا تھا موصول ہوا۔ رابطہ (تصورِ شیخ) کا

حاصل ہونا جو پوری مناسبت پر مبنی ہے، غَیبت (غیر حاضری) کے زمانے میں عظیم نعمتوں میں سے خیال کریں، اور جب تک موانعات دُور نہ ہو جائیں دلوں کے قُرب پر اکتفا کریں اور اس قرب کے باوجود "قربِ ابدان" (جسمانی قرب) کی خواہش کو ہاتھ سے نہ دیں، کیونکہ تمام نعمت اسی قرب سے وابستہ ہے ——— حضرت اویس قرنیؒ باوجود قربِ قلبی کے جسمانی قرب نہیں رکھتے تھے لہٰذا اس گروہ کے کمترین قرب والوں کے درجے کو نہ پہنچے، چنانچہ سونے کا پہاڑ خرچ کرنا ان کے ایک سیر جَو کے برابر نہیں ہو سکتا۔ پس صحبت کے برابر کوئی چیز نہیں ہے۔ والسلام

مکتوب ۲۲۳
دو صد و بست و سوم

خواجہ جمال الدین حسین کولابی[۱] کی طرف صادر فرمایا ——— احوال و واقعات کو اپنے شیخ بزرگوار کی خدمت میں اظہار کی ترغیب کے بیان میں۔

برادرم خواجہ جمال الدین حسین نے ایک مدت سے اپنے احوال کی کیفیات سے مطلع نہیں کیا۔ کیا آپ نے نہیں سُنا کہ مشائخ کُبرویہ اُس مرید کو جو تین دن تک اپنے احوال و واقعات شیخ کی خدمت میں پیش نہ کرے "کفِ پائے" (پاؤں کا تلوا، یا چپّل) کہتے ہیں ——— خیر جو کچھ ہوا سو ہوا، آئندہ ایسا نہ کریں اور جو کچھ ظاہر ہوتا رہے اس کو لکھتے رہا کریں ——— مکرمی و محترمی بھائی کے مبارک قدموں کو غنیمت سمجھ کر ان کی خدمت و دلجوئی کی کوشش کریں اور ان کی قیمتی صحبت کو بہت عزیز سمجھیں۔ ع

دادیم ترا زِ گنجِ مقصود نشان (پتا دیدیا گنجِ مقصود کا)

والسلام

مکتوب ۲۲۴
دو صد و بست و چہارم

میر محمد نعمان بدخشی[۲] کی طرف صادر فرمایا ——— آداب کی رعایت کے بیان میں اور آزار کے گمان کو

---

[۱] خواجہ جمال الدین حسین کے نام چھ مکتوبات ہیں دو مکتوبات میں نام کے ساتھ کولابی درج ہے ایک میں بدخشی ہے، گمان ہوتا ہے کہ یہ سب ایک ہی صاحب ہیں جو خواجہ حسام الدین کے صاحبزادے ہیں۔

[۲] میر محمد نعمان کے نام ۳۳ مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۱۱۹ پر درج ہے۔

دُور کرتے ہیں کہ جس کا وہم ظاہر کیا تھا اور احتیاط کا امر کرتے ہیں اور تعلیمِ طریقت کی تاکید کے بارے ہیں، اور فقر و تنگدستی کی سختی و نامرادی کو برداشت کرتے ہیں اور بعض نصائح و تنبیہات کے بیان ہیں جو ملا یار محمد قدیم کے مکتوب کی پشت پر لکھی تھیں۔

میرے سعادت مند بھائی، سیادت پناہ میر محمد نعمان کا مکتوب شریف موصول ہوا۔ اُن مقدمات کا مضمون جو آپ نے ترتیب دیا تھا اور ان شکوک کا مطلب جو آپ نے لکھا تھا واضح ہوا۔ بعض لوگ آپ کو "عقلِ زماں" (زمانے کا عقلمند) کہتے ہیں۔ اس قسم کی باتوں کو درمیان میں لانا، اس شخص کے ساتھ جس سے مفر نہ ہو، کیا مناسب ہے۔ جبکہ اس سے قطع تعلق نہیں کر سکتے اور نہ جدائی اختیار کر سکتے ہیں۔ باوجود اس کے آپ یہ خیال نہ کریں کہ اس قسم کی باتوں سے فقیر کے دل میں کسی قسم کا غبار آیا ہو جس کا نتیجہ آزار ہو سکے چہ جائے کہ ناراضگی کی نوبت پہنچے ـــــ آپ کی خوبیاں (ہماری) نظر میں ہیں اور آپ کی لغزشیں اعتبار سے ساقط ہیں۔ کسی طرح بھی اپنے دل کو پریشان نہ کریں اور کسی وجہ سے بھی ہماری طرف سے ناراضگی کا تصور نہ کریں کیونکہ کسی وجہ سے بھی آزار واقع نہیں ہے (یعنی ہم قطعاً ناراض نہیں ہیں) اور ناراضگی کیوں تصور کی جائے جبکہ ناراضگی کی کوئی وجہ ہی نہیں ہے۔ اور وہ امور جو بشریت کے تقاضے کی بنا پر سہو و نسیان کی وجہ سے واقع ہو جائیں وہ قابلِ مواخذہ نہیں ہیں ـــــ آزار (ناراضگی) کا وہم دل سے دُور کر کے طریقہ کی تعلیم اور طلبا کے افادہ میں سرگرم رہیں۔ ـــــ اور استخارہ کا حکم اس امر کی تاکید کے لئے ہے نہ کہ اس امر کی نفی کے لئے، کیونکہ جب شیطانِ لعین اور نفسِ بدترین اس مسکین کی گھات میں لگے ہوئے ہیں تو احتیاط اور تاکید کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہے، کہیں مکر و حیلہ سے سیدھی راہ سے ہٹا دیں اور اپنی فریب کاریوں اور ڈھکوسلوں سے بری باتوں کو حسنات کی صورت میں ظاہر کریں۔

اور بزرگوں نے فرمایا ہے کہ دشمنِ لعین (شیطان) جب طاعت و نصیحت کے راستہ سے (انسان میں) داخل ہوتا ہے تو اس کا دفع کرنا بہت دشوار ہو جاتا ہے، لہٰذا ہمیشہ التجا و زاری کرتے رہنا چاہئے، اور حق سبحانہٗ و تعالیٰ سے شکستگی و زاری کے ساتھ طلب کرنی چاہئے تاکہ اس راہ (طاعت و نصیحت) سے اس کو خرابی نہ پہنچے اور اس کا استدراج مطلوب نہ ہو۔ استقامت کا راستہ یہی ہے جو سعادتِ ابدی کی طرف رہنمائی کرے۔

دوسری (نصیحت) یہ ہے کہ اس گروہ کا جمال فقر و نامرادی میں ہے اور اس میں حضرت سید کونین علیہ وعلی آلہ الصلوات والتسلیمات کی پیروی ہے۔ حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ اپنے کمالِ کرم سے اپنے بندوں کے رزق کا خود کفیل (ذمہ دار) ہے اور ہم کو اور آپ کو اس فکر و تردد سے فارغ کردیا ہے۔ جسقدر اشخاص زیادہ ہوں گے اسی قدر رزق بھی زیادہ ہوگا۔ آپ اپنی ہمت کو جمع کرکے حق تعالیٰ وتقدس کی مرضیات حاصل کرنے میں متوجہ رہیں اور اپنے متعلقین کے غم کو حق سبحانہ کے کرم کے حوالہ کردیں۔ وَالْبَاقِیْ عِنْدَ التَّلَاقِیْ (باقی بوقتِ ملاقات)۔

بعض دوست جو اُس طرف سے آئے ہیں انھوں نے اظہار کیا ہے کہ "میر صاحب کے دل میں ابھی تک آزار کا وہم بیٹھا ہوا ہے" اس وجہ سے تاکید اور مبالغہ کے ساتھ تحریر کیا جاتا ہے کہ "آزار کا وہم دُور کردیں"۔

دوسری بات یہ کہ جو مکتوب ملا یار محمد قدیم کو تحریر کیا گیا تھا اور اس میں نصائح و مواعظ درج تھے، بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس مکتوب کے مضمون کو اُن کی طبیعت نے قبول نہیں کیا کیونکہ انھوں نے اس کا جواب نہیں دیا، اور دعا سلام سے بھی اپنے آپ کو معاف رکھا، ان کی طبیعت نے اس کو قبول نہیں کیا، نہ کرے ـــــــ وہ لوگ جو اس حقیر کے ساتھ نسبت رکھتے ہیں اگر ان کے غلط گمان اور خطاؤں کے مواد کو ان پر ظاہر نہ کروں اور حق کو باطل سے جدا نہ کروں تو اپنے فرائضِ منصبی سے کس طرح عہدہ برآ ہوسکتا ہوں اور آخرت میں کیا منہ دکھاؤں گا۔ آپ اُن سے یہ بات کہدیں ؎

من آنچہ شرطِ بلاغ است باتو می گویم　　تو خواہ از سخنم پند گیر و خواہ ملال

(جو حق کہنے کا ہے کہتا ہوں تم سے　　نصیحت اس سے پکڑو یا نہ پکڑو)

(ملا یار محمد کو) جاننا چاہیئے کہ شیخ بننے اور حق جل وعلا کی طرف مخلوق کو دعوت دینے کا مقام بہت ہی عالی ہے، اَلشَّیْخُ فِیْ قَوْمِہٖ کَالنَّبِیِّ فِیْ اُمَّتِہٖ[1] (شیخ (کی حیثیت) اپنی قوم میں ایسی ہے جیسی نبی کی اپنی امت میں) آپ نے سنا ہوگا ـــ ہر بے سروسامان کو اس عالی مقام سے کیا نسبت ہوسکتی ہے ؎

ہر گدائے مردِ میداں کے شود　　پشۂ آخر سلیماں کے شود

(ہر گدا کب مردِ میداں بن سکے؟　　کب کوئی مچھر سلیماں بن سکے؟)

احوال و مقامات کا مفصل علم حاصل ہونا اور مشاہدات و تجلیات کی حقیقت کی معرفت اور کشوف و

نصائح برائے شیخ معتبرا

[1] حاشیہ آئندہ صفحہ پر ملاحظہ ہو۔

الہامات کا حاصل ہونا اور واقعات کی تعبیرات کا ظاہر ہونا اس عالی مقام کے لوازمات میں سے ہے وَبِدُوْنِهَا خَرْطُ الْقَتَادِ (اس کے علاوہ کانٹوں میں ہاتھ ڈالنا ہے)۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ اکابر طریقت قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم اپنے بعض مریدوں کو مقامِ شیخی تک پہنچنے سے پہلے کسی مصلحت کے پیشِ نظر ایک طرح کی اجازت دیدیتے ہیں اور ایک لحاظ سے تجویز فرماتے ہیں کہ وہ طالبوں کو طریقت کی تعلیم دیں اور ان کے احوال وواقعات سے مطلع رہیں ——— اس طرح کی تجویز میں شیخ مقتدا پر لازم ہے کہ ان "مریدانِ مجاز" (اجازت یافتہ مریدوں) کو اس کام میں بڑی احتیاط سے کام کرنے کا حکم کریں اور تاکید کے ساتھ غلط مقامات کی نشان دہی کریں اور بار بار ان کے نقص کی اطلاع دیتے رہیں اور مبالغہ کے ساتھ ان کے ناقص ہونے کو ظاہر کریں ——— اس صورت میں اگر شیخ اظہارِ حق میں سستی کرے گا تو یہ خیانت ہوگی اور اگر مرید کو یہ بات پسند نہ آئے تو وہ بدنصیب ہے، کیونکہ وہ نہیں جانتا کہ حق جل وعلا کی رضامندی شیخ کی رضامندی سے وابستہ ہے اور حق تعالیٰ کا غضب شیخ کے غضب پر موقوف ہے۔ اس پر کیا مصیبت ہے کہ وہ نہیں سمجھتا کہ ہم سے قطع تعلق کرنا اس کو کہاں تک پہنچادے گا، اگر ہم سے قطع کرے گا تو اس کو کون ملادے گا۔ حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی پناہ! اگر اس قسم کے خیالات اس کے دل میں آئیں تو فوراً توبہ کرے اور استغفار کرے اور حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی درگاہ میں التجا وزاری کرے کہ وہ اس بڑی مصیبت (شیخ سے اعراض) میں اس کو مبتلا نہ کرے اور اس خطرناک بلا وآزمائش میں اس کو گرفتار نہ کرے۔

اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کا احسان ہے کہ دوستوں کی اس لاپروائی اور اضطراب سے کسی قسم کا غبار اور آزار اس (فقیر) کے دل میں داخل نہیں ہوا، اس وجہ سے امیدوار ہے کہ تمام کاموں کا انجام بخیر ہوگا ——— اور باقی احوال، واوضاع سعادتمند بھائی مولانا محمد صالح تفصیل کے ساتھ بیان کریں گے اور بعض شبہات کے مقامات کو ان سے دریافت کرلیں ——— اور سلام ہو اس شخص پر جس نے ہدایت کا راستہ اختیار کیا اور حضرت محمد مصطفےٰ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات اتمہا واکملہا کی متابعت کو لازم جانا۔

(بقیہ حاشیہ از صفحہ گذشتہ) امام سیوطیؒ نے درر المنتثرہ میں فرمایا کہ اس کو دیلمی نے ابو رافع کی حدیث سے سند کے ساتھ بیان کیا ہے اور اس کو اپنی جامع الصغیر میں الشیخ فی اھلہ کالنبی فی امتہ کے الفاظ سے ذکر کیا ہے اور اس کی نسبت خلیل کی طرف کی ہے اور ابن النجار نے ابو رافع سے الشیخ فی بیتہ کالنبی فی قومہ کے الفاظ سے بیان کیا ہے اور اس کو ابن حبان کی طرف ضعفا میں منسوب کیا ہے۔ اور سیوطی نے بھی اس کو ضعیف کہہ کر رد کردیا ہے لیکن اس کے معنی کو حدیث "العلماء ورثۃ الانبیاء" اور "علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل" تائید کرتی ہیں۔

مکتوب ۲۲۵

دو صد و بست و پنجم

ملا طاہر لاہوری[1] کی طرف صادر فرمایا ——— اس بیان میں کہ اس طریقۂ عالیہ کی ابتدا میں وہ احوال میسر ہو جاتے ہیں جو دوسرے (طریقے والوں) کو نہایت (آخر) میں حاصل ہوتے ہیں لیکن "اندراج نہایت در بدایت" کے طریق پر جو کہ اس طریقۂ عالی کے لوازمات میں سے ہے — ابتدا میں ایسے احوال ظاہر ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس صاحبِ احوال کو کامل اور مکمل قرار دیدیا جائے اور طریقہ سکھانے کی تعلیم کی اجازت دیدی جائے، اور اس کے مناسب بیان میں۔

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی نَبِیِّہٖ وَنُسَلِّمُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہِ الْکِرَامِ (ہم اللہ تعالیٰ کی حمد کرتے ہیں اور اس کے نبی پر درود بھیجتے ہیں اور آپ پر اور آپ کی بزرگ آل پر سلام بھیجتے ہیں ——— آپ کے پے در پے بھیجے ہوئے گرامی نامے موصول ہوئے اور طالبوں کی گرما گرمی اور ان کا ذوق و شوق اور جمعیت کا حال معلوم ہو کر خوشی پر خوشی حاصل ہوئی ——— حاصل کلام یہ ہے کہ چونکہ اس طریقے کی ابتدا ہی میں اس کی انتہا درج ہے لہذا اس طریقۂ عالیہ کے مبتدیوں کو شروع میں اس قسم کے احوال ظاہر ہوتے ہیں جن پر منتہی حضرات کے احوال کا شبہ ہوتا ہے۔ اس حیثیت سے دونوں قسم کے احوال کے درمیان سوائے اس عارف کے جس کی نظرِ بصیرت تیز ہو کوئی فرق محسوس نہیں کر سکتا ——— پس محض اعتماد کرتے ہوئے ان احوال پر جو احوال انھوں نے حاصل کر لئے ہیں ان کو طریقہ سکھانے کی اجازت نہیں دینی چاہئے کیونکہ ایسی صورت میں اس صاحبِ احوال کا نقصان اس کے طالبوں کے نقصان سے زیادہ ہے (اور اس بات کا) احتمال ہے کہ اس کا اپنے خیال کے مطابق کامل ہونا اس کی ترقی کو روک دیگا اور بہت ممکن ہے کہ جاہ و مرتبہ جو "مقامِ ارشاد" کے لوازمات سے ہے اس کو کسی مصیبت میں گرفتار کر دے

---

[1] آپ کے نام تین مکتوبات ہیں؛ دفتر اول مکتوب ۲۲۵-۲۲۷-۲۵۵۔ آپ حضرت مجدد صاحبؒ کے بڑے خلفا میں سے ہیں۔ حافظِ قرآن تھے اور ظاہری علوم میں کمال حاصل تھا۔ آپ نے بعجز و انکسار اور ذلت و افتقار کے ساتھ سالہا سال حضرت مجددؒ کے درِ دولت پر گذارے اور حضرت مجددؒ کے صاحبزادوں کی تعلیم و تدریس میں نہایت کوشش و سعی بلیغ فرماتے تھے چنانچہ مخدوم زادے فرمایا کرتے تھے "حضرت شیخ طاہر کے حقوق ہمارے اوپر اس قدر ہیں کہ ہم کسی طرح بھی ان کے شکریہ سے عہدہ بر آ نہیں ہو سکتے، اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے"! اہلِ پنجاب آپ کو "طاہر بندگی" کے نام سے یاد کرتے ہیں ۹۸۴ھ میں ولادت اور چھپن (۵۶) سال کی عمر میں بروز پنجشنبہ بوقت چاشت ۲۰ محرم الحرام سنہ ۱۰۴۰ھ / ۱۶۳۰ء کو وفات پائی۔ لاہور میں آپ کا مزار مرجع خلائق ہے۔

کیونکہ اس کا نفسِ امارہ ابھی تک اپنے کفر پر قائم ہے اور اس کا تزکیہ نہیں ہوا ہے۔ خیر جو کچھ ہوا سو ہوا، جس جماعت کو آپ نے اجازت دی ہے اس کو نرمی اور محبت سے سمجھائیں کہ اس طرح کی اجازت کمال پر منحصر نہیں ہے ابھی بہت کام کرنا باقی ہے۔ اس قسم کے احوال جو شروع میں ظاہر ہوتے ہیں "اندراجِ نہایت در بدایت" (ابتدا میں انتہا درج ہونے) کی قسم سے ہیں۔ اور مناسب نصیحتیں جو ان کے مناسب حال ہوں اختیار کریں اور ان کے نقائص سے ان کو مطلع کرتے رہیں ——— اب چونکہ آپ نے ان کو اجازت دیدی ہے اس لئے طریقہ کی تعلیم سے ان کو منع نہ کریں۔ ممکن ہے کہ آپ کی توجہ کی برکت سے "مقامِ ارشاد" کی حقیقت تک پہنچ جائیں ——— دوسرے یہ کہ جب آپ نے اس عظیم القدر کام کو شروع کر دیا ہے تو مبارک ہو۔ اس کام میں بڑی سعی و کوشش کریں اور سرگرم رہیں تاکہ طالبوں کی زیادہ سے زیادہ ترقی کا باعث ہو۔ والسلام

مکتوب ۲۲۶

دو صد و بست و ششم

اپنے برادرِ حقیقی میاں شیخ محمد مودود[1] کی طرف تحریر فرمایا ——— اس بیان میں کہ زندگی کی فرصت (مہلت) بہت کم ہے اور ہمیشہ کا عذاب اس پر مترتب ہے اور اس کے مناسب بیان میں۔

میرے محترم بھائی کا گرامی نامہ موصول ہو کر خوشی کا باعث ہوا۔ اے بھائی! وَفَّقَنَا اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَاِیَّاکَ (اللہ سبحانہ ہم کو اور تم کو (نیک اعمال کی) توفیق عطا فرمائے) زندگی کی فرصت بہت کم ہے (اگر زندگی خلافِ شریعت کاموں میں گذاری تو) اس پر ہمیشہ کا عذاب مترتب ہوگا۔ بڑے افسوس کی بات ہے کہ کوئی شخص (زندگی کی) اس فرصت کو بے فائدہ کاموں کے حصول میں خرچ کر ڈالے اور دائمی تکالیف کو اپنے اوپر لازم کر لے ——— اے بھائی! لوگ اطراف و جوانب سے اسبابِ دنیوی کو چھوڑ چھاڑ کر مور و ملخ (چیونٹی اور ٹڈی) کی طرح یہاں (سرہند) آرہے ہیں اور تم ہو کہ گھر کی دولت کی قدر نہ جان کر اس کمینی دنیا کی طلب میں بڑے مزے کے ساتھ بھاگے پھر رہے ہو اور بڑے شوق کے ساتھ اس کے حصول میں لگے ہوئے ہو: اَلْحَیَاءُ شُعْبَۃٌ مِّنَ الْاِیْمَانِ[2] (حیا ایمان کا

[1] آپ حضرت مجددؒ کے چھوٹے بھائی ہیں آپ کے نام دو مکتوب ہیں ایک یہی دوسرا دفتر دوم کا مکتوب ۱۵ ہے باقی حالات معلوم نہ ہو سکے۔
[2] اخرجہ الشیخان

شاخ ہے) یہ حدیثِ نبوی علیہ من الصلوات افضلہا ومن التسلیمات اکملہا ہے ـــــــ اے بھائی! اہل اللہ کا اس طریقہ پر اجتماع اور اس طرح بِلّٰہ فی اللہ کی (خالص اللہ کے لئے) جمعیت جو آج کل سرہند میں میسر ہے اگر تمام جہان کے چاروں طرف چکر لگاؤ تو بھی معلوم نہیں کہ اس دولت کا عشرِ عشیر (سواں حصہ) کہیں پا سکو، اور ذرا سا بھی اس ماجرے کا حال معلوم کر سکو۔ اور تم اس دولت کو مفت میں اپنے ہاتھ سے کھو دیا ہے، اور عمدہ قسم کے جواہرات کو چھوڑ کر بچوں کی طرح اخروٹ و منقی پر کفایت کی ہے مصرعہ

شرمت بادا ہزار شرمت بادا (شرم آئے ہزار شرم آئے)

اے برادر! شاید (قضا و قدر اس کے بعد) پھر کبھی فرصت نہ دیں، اگر دیں بھی تو اس قسم کا اجتماع قائم نہ رہے، اس وقت کیا علاج ہوگا اور کس طرح تدارک ہوگا اور کس چیز سے اس کی تلافی کر سکو گے تم نے خطا کی ہے اور غلط سمجھا ہے۔ مرغن اور شیریں لقموں پر فریفتہ نہ ہو جاؤ، نفیس اور مزین لباسوں پر دھوکہ نہ کھاؤ کہ ان کے نتائج دنیا و آخرت میں حسرت و ندامت کے علاوہ کچھ نہیں، اپنے اہل و عیال کی رضامندی حاصل کرنے کے لئے اپنے آپ کو مصیبت میں ڈالنا اور آخرت کا دائمی عذاب مول لینا عقل دور اندیش سے بہت دور ہے حق سبحانہ و تعالیٰ تم کو عقل دے اور غفلت سے متنبہ کرے ـــــــ اے بھائی! دنیا بے وفائی میں ضرب المثل ہے اور دنیا دار کمینگی اور بخیلی میں مشہور ہیں۔ بڑے افسوس کی بات ہے کہ اپنی قیمتی عمر کو اس بے وفا اور کمینی دنیا کے پیچھے صرف کرے۔ مَا عَلَی الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلَاغُ (قاصد کا کام پیغام پہنچا دینا ہے) وَالسَّلَامُ۔

مکتوب ۲۲۷
دو صد و بست و ہفتم

ملا طاہر لاہوری[1] کی طرف صادر فرمایا ـــــــ بعض پند و نصائح کے بیان میں جو کہ شیخی اور تکمیل کے مقام سے تعلق رکھتے ہیں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (تمام تعریف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) ـــــــ مکتوب شریف موصول ہو کر خوشی کا باعث ہوا۔ دوستوں کی

[1] آپ کے نام تین مکتوبات ہیں دفتر اول مکتوب ۲۲۵-۲۲۷-۲۵۵- اور آپ کا تذکرہ مکتوب ۲۲۵ پر گذر چکا ہے۔

لذت وحلاوت کے بارے میں جو کچھ آپ نے تحریر کیا تھا بہت زیادہ خوشی کا باعث ہوا ——
اے بھائی! حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے آپ کو یہ منصب عطا فرمایا ہے لہذا اس نعمتِ عظمیٰ کا شکر پوری طرح بجا لائیں اور اس بات کی احتیاط رکھیں کہ کوئی ایسا امر صادر نہ ہو جو مخلوقات کی نفرت کا باعث بنے اور وبالِ عظیم ہو (کیونکہ) مخلوق کی نفرت ملامتیہ جماعت کے حال کے مناسب ہے کہ وہ شیخی اور دعوت سے کوئی تعلق نہیں رکھتے، بلکہ ملامت کا مقام شیخی کے مقام کے خلاف ہے۔ ایسا نہ ہو کہ ان دونوں مقاموں کو (آپس میں) خلط ملط کر دیں۔ اور عین شیخی میں ملامت کی آرزو کرنا بہت بڑے ظلم کی بات ہے —— اور مریدوں کی نظروں میں اپنے آپ کو "متجمل" آراستہ و پیراستہ رکھیں، اور مریدوں کے ساتھ بہت زیادہ شیر وشکر اور بے تکلف نہ ہوں کیونکہ یہ سُبکی اور حقارت کا باعث ہے جو کہ "افادہ واستفادہ" (فائدہ پہنچانا اور فائدہ حاصل کرنا) دونوں کے منافی ہے اور حدودِ شرعیہ کی محافظت میں بہت زیادہ احتیاط رکھیں۔ جہاں تک ممکن ہو سکے رخصت پر عمل نہ کریں کہ یہ بھی طریقۂ عالیہ کے منافی ہے اور روشن سنت کی متابعت کے دعوے کے مخالف ہے۔

ایک بزرگ نے فرمایا ہے: رِیَاءُ الْعَارِفِیْنَ خَیْرٌ مِّنْ اِخْلَاصِ الْمُرِیْدِیْنَ (عارفوں کی ریا مریدوں کے اخلاص سے بہتر ہے) —— کیونکہ عارفوں کی ریا (دکھاوا) طالبوں کے دلوں کو حق جل سلطانہٗ کی جناب میں کھینچنے کے لئے ہوتا ہے لہذا لازماً (عارفوں کی ریا) مریدوں کے اخلاص سے بہتر ہوئی۔ اور اسی طرح عارفوں کے اعمال خاص طالبوں کے لئے اعمال کی بجا آوری میں تقلید کا باعث ہیں۔ اگر عارف خود عمل نہیں کریں گے تو طالبین بھی محروم رہیں گے۔ لہذا عارف اس لئے (ریا) کرتے ہیں تاکہ طالبین ان کی اقتدا کریں۔ یہ ریا عین اخلاص ہے بلکہ اخلاص سے بھی بہتر ہے جو اپنے نفع کے لئے ہو —— اس بات سے کوئی شخص یہ گمان نہ کرلے کہ عارفوں کا عمل صرف طالبوں کی تقلید کے لئے ہے اور عارفوں کو عمل کی ضرورت نہیں ہے، عِیَاذًا بِاللّٰہِ سُبْحَانَہٗ (اللہ سبحانہٗ کی پناہ) یہ بات خود عین الحاد وزندقہ ہے، بلکہ عارف اعمال کی بجا آوری میں تمام طالبوں کے ساتھ برابر ہیں، اور اعمال کی بجا آوری میں کوئی شخص بھی مستثنیٰ نہیں ہے —— خلاصۂ کلام یہ ہے کہ بسا اوقات عارف کے اعمال میں طالبوں کا نفع بھی مدنظر ہوتا ہے جو ان کی تقلید پر مربوط ہے، اس اعتبار سے وہ اس کو ریا کا نام دیتے ہیں۔

غرض کہ اپنے قول و فعل میں بہت زیادہ محتاط رہیں کیونکہ اس زمانے میں اکثر لوگ فساد و ہنگامے کے در پے ہیں، کوئی کام بھی ایسا سرزدنہ ہو جو اس مقام کے منافی ہو، اور جاہل لوگوں کو زبر گوئی کر طعن کرنے کا موقع ہاتھ آئے۔ اور حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ سے استقامت طلب کرتے رہیں ——

—— دوسرے یہ کہ مشائخ کی نسبتوں کے حاصل کرنے کے بارے میں آپ نے لکھا تھا، اس کی وجہ کئی مرتبہ آپ سے بالمشافہ بیان ہو چکی ہے، اس کے علاوہ اور کچھ نہ سمجھیں کہ اس میں خیریت نہیں ہے زیادہ کیا تحریر کیا جائے۔ والسلام

مکتوب ۲۲۸
دو صد و بست و ہشتم

میر محمد نعمان[۵۱] کی طرف صادر فرمایا —— بعض نصیحتوں کے بیان میں جو کہ مقام تکمیل اور تعلیم طریقت سے متعلق ہیں اور اس کے مناسب بیان میں۔

سیادت پناہ بھائی کا گرامی نامہ موصول ہو کر فرحت کا باعث ہوا —— اے بھائی! آپ سے کئی دفعہ کہا گیا ہے کہ اس طریق کا دار و مدار دو[۲] اصلوں پر ہے —— ایک[۱] یہ کہ شریعت پر اس حد تک استقامت اختیار کرنا کہ اس کے چھوٹے سے چھوٹے آداب کے ترک پر بھی راضی نہ ہوں۔ —— دوسرے[۲] یہ کہ شیخ طریقت کی محبت و اخلاص اس طرح راسخ و ثابت ہو جائے کہ اس (کے حکم) پر کسی قسم کے اعتراض کی ہرگز گنجایش نہ رہے، بلکہ اس (شیخ) کے تمام حرکات و سکنات مرید کی نظر میں پسندیدہ و محبوب دکھائی دیں —— ان دو اصلوں کے متعلق جو امور ہیں ان میں سے کسی امر میں بھی خلل واقع ہوتے سے اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔ اور اگر اللہ سبحانہٗ کی عنایت سے یہ دونوں اصل درست ہو گئیں تو دنیا و آخرت کی سعادت "نقد وقت" ہے —— اور دوسری نصیحتیں اور وصیتیں بھی آپ کے گوش گذار کی جا چکی ہیں۔ ان کی بجا آوری میں احتیاط رکھیں اور بڑی عاجزی و زاری سے اپنی کوتاہیوں کی تلافی کرتے رہیں اور اس ذی الحجہ کے عشرہ میں "ماہِ رمضان کے قضا اعتکاف" کی نیت سے اعتکاف میں بیٹھیں جو رمضان میں آپ سے قضا ہو گیا تھا تاکہ اس نیت سے سنت پر

---

[۵۱] آپ کے نام ۳۳ مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۱۱۹ پر ملاحظہ ہو۔

عمل کرنے کی سعادت حاصل ہو۔ اور اس عشرۂ اعتکاف میں گریہ وزاری، التجاو نیاز سے اپنی کوتاہیوں کی معافی طلب کریں۔ انشاء اللہ تعالیٰ فقیر بھی اس عشرہ میں (توجہ سے) تمہاری مدد کریگا۔

اجازت نامہ کی تحریر میں جو اسقدر مبالغہ اور اہتمام رکھتے ہیں اس سے آپ کا کیا مقصد ہے آپ کو طریقہ کے تعلیم دینے کی جو اجازت دی گئی ہے اگر وہ کافی نہیں ہے تو اجازت نامہ کیا کام دے گا۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ جو کچھ دل میں خیال آجائے اس کے لئے ضرور کوشش کی جائے۔ بہت سی ایسی باتیں دل میں گزرتی ہیں جن کا ترک کرنا انسب واولیٰ ہوتا ہے۔ نفس بڑا ضدی ہے جس کام کو بھی چاہتا ہے اس کو پورا کرنے کے درپے ہو جاتا ہے اور اس کے حق و باطل کا لحاظ نہیں کرتا ——— یہ چند کلمات آپ کی خاطر لکھدیئے گئے ہیں حضرت حق سبحانہٗ آپ کو نفع دے۔ اپنے کام کی فکر خود کرنی چاہئے تاکہ (دنیا سے) ایمان سلامت لے جائیں ——— اجازت نامہ اور مرید کام نہیں آئیں گے۔ ہاں اپنے کام کے ضمن میں اگر کوئی شخص سچی طلب کے ساتھ آئے تو اس کو طریقت کی تعلیم دیدی جائے، نہ یہ کہ تعلیم طریقت کو اپنا اصل کام (پیشہ) سمجھ لیں اور اپنا معاملہ اس کے تابع کر دیں کہ یہ سرا سر ضرر اور خسارہ ہے۔

مکتوب ۲۲۹

دوصد و بست و نہم

میرزا حسام الدین احمد[۱] کی طرف صادر فرمایا ——— اس بیان میں کہ ہمارا طریقہ بالکل وہی ہے جو حضرت ایشاں (خواجہ باقی باللہؒ) کا ہے اور ہماری نسبت بھی بالکل وہی ہے لیکن صناعت کا کامل ہونا اور نسبت کا تمام ہونا مختلف افکار کی آمیزش اور آراء کے پے درپے آنے پر موقوف ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) ——— آپ کے گرامی نامے جو آپ نے اپنے مخلص مشتاق کے نام تحریر کئے تھے پے درپے موصول ہو کر فرحت کی زیادتی اور محبت کی کثرت کا باعث ہوئے: جَزَاکُمُ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ عَنَّا خَیْرَ الْجَزَاءِ (اللہ سبحانہٗ آپ کو ہماری طرف سے بہترین جزا عطا فرمائے) ——— مختصر یہ کہ بعض شبہات اور تردّدات جو آپ نے لکھے تھے ان کا جواب یہ ہے کہ ہمارا طریقہ بعینہٖ ان حضرت

---

[۱] آپ کے نام سولہ[۱۶] مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۳۲ پر ملاحظہ ہو۔

(خواجہ باقی باللہ) قدس اللہ تعالیٰ سرہ الاقدس کا ہے اور نسبت بھی انہی کی نسبت شریفہ ہے۔ اس عالی طریق سے بڑھ کر اور کونسا طریقہ ہو سکتا ہے اور اس نسبت عالی سے بڑھ کر اور کونسی نسبت اولی و انسب ہے جس کو کوئی اختیار کرے ــــــ حاصل کلام یہ ہے کہ ہر صناعت (کاریگری) کی تکمیل اور ہر نسبت کی تتمیم (مکمل ہونا) مختلف افکار کی آمیزش اور انوار و آراء کے پے در پے وارد ہوتے پر منحصر ہے۔ مثلاً علم نحو جو سیبویہ (امام علم صرف و نحو) کے زمانے میں تھا اب متاخرین کے افکار کے ملنے کی وجہ سے دو سو گنا زیادہ ہو گیا اور بہت کامل و واضح ہو گیا۔ اس کے باوجود وہی سیبویہ کی نحو ہے جس میں متاخرین کے افکار نے اس کی آراستگی و پیراستگی کے علاوہ کوئی مزید اضافہ نہیں کیا۔

شیخ علاؤ الدولہ قدس سرہ کا مقولہ آپ کے مبارک کانوں تک پہنچا ہو گا کہ "جسقدر ذرائع زیادہ ہوں گے اسی قدر راستہ نزدیک تر اور روشن تر ہو گا" ــــــ اس نسبتِ عالیہ پر اس قسم کی زیادتی نے جو اس کی آراستگی و پیراستگی کی وجہ سے پیدا ہو گئی ہے بہت لوگوں کو (بدگمانیوں) میں ڈال دیا ہے (ورنہ) حقیقت معاملہ صرف اتنا ہی ہے جو بے تکلف اور بے تصنع ظاہر کر دیا گیا ہے ــــــ

ــــــ آپ اس فقیر کے رسائل و مکتوبات کو ملاحظہ فرمائیں کہ جن میں اس طریق کو اصحابِ کرام علیہم الرضوان کا طریقہ ثابت کیا ہے اور تمام نسبتوں پر اس نسبت کی فوقیت کو مدلل بیان کیا ہے، اور اس طریق عالی اور اس کے اکابرین کی تعریف اور مدح ایسے طریقے پر کی ہے کہ اس بزرگ خانوادہ کے خلفا میں سے کسی کو بھی اس کا عشر عشیر (سواں حصہ) بیان کرنے کی توفیق نہیں ہوئی ــــــ اور نیز یہ فقیر اپنے روزمرہ کی نشست و برخاست میں اس طریقہ کے آداب و لوازمات کی رعایت پوری طرح کرتا ہے اور سرِ مو بھی اس کی مخالفت یا انحراف کو پسند نہیں کرتا ــــــ تعجب ہے کہ یہ تمام خوبیاں آپ کی نظر سے پوشیدہ رہیں۔ اور اگر بالفرض پریشانی کے دنوں میں بعض دوستوں سے کلمہ و کلام میں غیر مناسب باتیں واقع ہو گئی ہوں اور آپ کی نظر میں آئی ہوں تو اس سے زیادہ تعجب یہ ہے کہ آپ ایسی باتوں کا یقین کر لیتے ہیں اور صرف سننے پر آپے سے باہر ہو جاتے ہیں۔ اگر حسنِ ظن ہے تو کیا اُسی جماعت کے ساتھ مخصوص ہے، شاید ہم حُسنِ ظن کے قابل نہیں ہیں ــــــ مختصر یہ اگر صرف کہنے سننے پر ہی دارومدار ہے تو پھر چغلخور نکتہ چینوں سے کبھی نجات متصور نہیں کی جا سکتی اور ان سے اخلاص کی بھی توقع نہیں (بہتر یہ ہے کہ آپ) گفت و شنید کو ترک کر کے گزری ہوئی باتوں کو

ــــــ
لہ آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب اول کے صفحہ ۳۶ پر ملاحظہ ہو۔

بھول جائیں تاکہ اخلاص پیدا ہو اور پرانی کلفت رفع ہو جائے۔

اور آپ نے لکھا تھا کہ حضراتِ پیرزادگان کی تربیت کا وقت آگیا ہے اور گزر رہا ہے لہذا حضرت ایشاں (خواجہ باقی باللہ) قدس سرہ کی وصیت یاد دلائی جاتی ہے —— میرے مخدوم و مکرم! اس میں خادموں کے لئے سعادت ہے کہ مخدوم زادوں کی خدمت کو اپنے اوپر فائز کر لیں۔ لیکن اس مدت میں موانعِ معلومہ (جو رکاوٹیں معلوم ہیں) کی وجہ سے اس ظاہری خدمت سے معذور رہا اور وصیت عالیہ کے ظہور کے وقت کا انتظار کرتا رہا۔ اب اگر آپ سمجھتے ہیں کہ کوئی موانع (رکاوٹ) نہیں ہے اور گفت و شنید کی راہ بند ہو گئی ہے تو حکم فرمائیں کہ (فقیر) چند روز کے لئے حاضر ہو کر اس خدمت میں مشغول ہو جائے۔ اگرچہ غور سے ملاحظہ فرمائیں تو فقیر سمجھتا ہے کہ اس کام کی بجا آوری میں صرف وصیت کے بجا لانے کا حکم ہے ورنہ آپ کی ظاہری و باطنی تربیت ان کے لئے کافی ہے کسی دوسرے کی حاجت نہیں۔

دوسرے یہ کہ برادرم مولانا عبد اللطیف فرماتے تھے کہ میاں محمد قلیج نے بڑے مخدوم زادے کی ظاہری تعلیم و تربیت اپنے ذمہ لے لی ہے اور آپ نے بھی اس تجویز کو پسند فرمایا ہے —— یہ بات سن کر بہت تعجب ہوا، اگر وہ اپنی نارسائی کی وجہ سے کوئی خیال کریں (تو اور بات ہے) لیکن آپ اس تجویز کو (کس طرح) پسند کرتے ہیں۔ مجھے اس بات کا ڈر ہے کہ کہیں محمد قلیج خاں کا یہ آزار دوسری جگہ (مخدوم زادے میں) سرایت نہ کر جائے۔

والسلام

مکتوب ۲۳۱

دو صد و سی و یکم

شیخ یوسف برکی[1] کی طرف صادر فرمایا —— بلند ہمتی کے بارے میں اور جو کچھ حاصل ہو جائے اس پر اکتفا نہ کرنا بلکہ جو کچھ مشہود و معلوم ہو جائے اس کی نفی کرنا اور اس معبود بے چون و بے چگون کا اثبات کرنا ہے جو دید و دانش سے ماوراء ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو —— آپ کے احوالِ گرامی کا تھوڑا سا تذکرہ آپ کی اجازت کے مطابق

[1] آپ کے نام چار مکتوبات ہیں دفتر اول مکتوب ۲۳۰۔ ۲۴۰۔ ۲۷۴۔ دفتر دوم مکتوب ۷۹۔ آپ شروع میں بعض مشائخ کی صحبت میں رہے اور آخر میں حضرت مجدد صاحب کی خدمت میں کئی سال گذار کر خلافت و اجازت کی سعادت سے مشرف ہوئے۔ ۱۰۳۲ھ میں جالندھر میں انتقال ہوا اور وہیں آپ کا مزار ہے۔ ؎ آپ مخدوم زادہ کلاں کے حقیقی ماموں ہیں۔

میاں بابو نے بیان کیا اور اس کی حقیقت دریافت کی۔ اسی لئے یہ چند فقرے تحریر کئے جاتے ہیں۔

میرے مخدوم! اس قسم کے احوال ابتدائی مراتب میں اس راہِ سلوک کے مبتدیوں کو بہت پیش آتے ہیں، ان میں سے کسی کا اعتبار نہ کریں بلکہ نفی کرتے رہیں، وصل کہاں اور نہایت کدھر؟ شعر

كَيْفَ الْوُصُولُ إِلَىٰ سُعَادَ وَدُونَهَا ... قُلَلُ الْجِبَالِ وَدُونَهُنَّ حُيُوفُ

(کس طرح جاؤں درِ محبوب تک ... درمیاں ہیں پُرخطر کوہ اور غار)

اللہ تعالیٰ کی ذات بے چون و بے چگون (بے مثل و بے کیف) ہے، اور جو کچھ دید و دانش اور شہود و کشف میں آتا ہے وہ اس کا غیر ہے، وہ سبحانہٗ و تعالیٰ وراء الوراء ہے —— اس راہ میں نادان بچوں کے مانند جوز و مویز (اخروٹ و منقی) پر ہرگز فریفتہ نہ ہو جائیں اور نہایت کے وصول پر مغرور نہ ہوں۔ اور اپنے واقعات و احوال کو ناقص مشائخ کے سامنے ظاہر نہ کریں کیونکہ وہ اپنے (علم و وجدان) کے حصول کے مطابق کم کو زیادہ سمجھتے ہیں اور ابتدا کو انتہا شمار کر لیتے ہیں جس کی وجہ سے باہمت طالب اپنے کمال کے زعم میں گرفتار (پھنس) ہو جاتا ہے اور اس کی طلب کی راہ میں فتور آجاتا ہے۔ —— شیخ کامل کی تلاش کرنی چاہئے اور اپنے باطنی امراض کا علاج اس سے کرانا چاہئے۔ اور جب تک شیخ کامل تک رسائی نہ ہو اپنے احوال کو کلمہ "لا" کے تحت لا کر نفی کرنی چاہئے اور معبودِ برحق کا جو کہ بے چون و بے چگون ہے اثبات کرنا چاہئے —— حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ "جو کچھ دیکھا، سُنا اور جانا گیا وہ سب اس کا غیر ہے اور کلا (لا الہ) کے کلمہ کی حقیقت سے اس کی نفی کرنی چاہئے"۔ —— اس کے علاوہ آئندہ جو کچھ بھی ظاہر ہو اس کی بھی نفی کریں کہ وہ حق تعالیٰ وراء الوراء ہے۔ اور اثبات کی جانب میں ایک کلمہ مستثنیٰ (یعنی اللہ) کے کلمے کے سوا کچھ ہاتھ میں نہ ہو۔ اس طریقت کے اکابرین کا یہی طریقہ ہے —

وَالسَّلَامُ عَلَىٰ مَنِ اتَّبَعَ الْهُدَىٰ وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰى عَلَيْهِ وَعَلَىٰ آلِهِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِيمَاتُ أَتَمُّهَا وَأَكْمَلُهَا (سلام ہو اس شخص پر جس نے ہدایت کی پیروی کی اور حضرت محمد مصطفےٰ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات اتمہا واکملہا کی پیروی کو اپنے اوپر لازم کیا)۔

مکتوب ۲۳۱
دو صد و سی و یکم

میر محمد نعمان[۱] کی طرف صادر فرمایا ——— ان سوالات کے جواب میں جو آپ سے کئے گئے تھے، اور دریافت کیا تھا کہ حصول اور وصول کے درمیان کیا فرق ہے اور وہ اسماء جو انبیاء علیہم الصلوات و التسلیمات کے تعینات کے مبادی ہیں وہ اولیاء کے تعینات کے مبادی ہیں یا نہیں، اور اگر ہیں تو ان میں کیا فرق ہے۔ اور یہ بھی دریافت کیا تھا کہ (مشائخ نقشبندیہ) ذکر جہر سے منع کرتے ہیں کہ یہ بدعت ہے، حالانکہ اس سے ذوق و شوق پیدا ہوتا ہے اور دوسری چیزیں جو آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے میں نہ تھیں مثلاً لباسِ فرجی، شال اور شلوار وغیرہ سے کیوں نہیں منع کرتے۔

نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی نَبِیِّہٖ وَ نُسَلِّمُ عَلَیْہِ وَ عَلٰی اٰلِہِ الْکِرَامِ (ہم اللہ تعالیٰ کی حمد کرتے ہیں اور اس کے نبی پر درود بھیجتے ہیں اور آپ پر اور آپ کی بزرگ اولاد پر سلام بھیجتے ہیں ــــ آپ کے دو مکتوب[۲] شریف پے در پے موصول ہوئے۔ پہلا مکتوب شورش و اضطراب کی خبر دیتا تھا لیکن دوسرا مکتوب نرم و ہموار اور شوق و سرگرمی کی خبر دیتا تھا ——— اے محبت کے نشان والے! امیر سعد الدین نے روانگی کے وقت (آپ کے خط کا) جواب طلب کیا۔ (فقیر کا) دماغ اس وقت غیر حاضر اور مقبوض (بند) تھا کہ اپنے ہاتھ سے خط بھی نہ لکھ سکتا تھا (چنانچہ) مولانا یار محمد جدید[۳] سے لکھنے کے لئے کہا ہے۔ دماغی غیر حاضری کے وقت میں اگر کوئی نامناسب کلمہ لکھا گیا ہو تو معذور سمجھیں ——— آپ کو چاہئے کہ معمولی بات پر نہ بگڑ جائیں اور معاملہ کو درہم برہم نہ کر دیں۔ حق سبحانہ و تعالیٰ ایسا نہ کرے کہ کوئی دل شکنی کا سبب پیدا ہو، یا رنجش اور روگردانی کے باعث کچھ لکھا جائے۔ ہاں اگر نصیحت کے طور پر کوئی بات لکھی جائے تو اس سے خوش ہونا چاہئے۔

آپ کے دوسرے مکتوب سے بہت زیادہ خوشی حاصل ہوئی۔ چستی و تیزی ہر کام میں درکار ہے، سستی اور افسردگی دشمنوں کو نصیب ہو۔ آپ نے لکھا تھا کہ "حصول اور وصول کے درمیان جو فرق ہے اس کو سمجھ نہیں سکا" ——— اے بھائی! "حصول" باوجود دوری کے متصور ہے اور "وصول" مشکل و

---

۱ آپ کے نام ۳۳ مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۱۱۹ پر گزر چکا۔ ۲ آپ کے نام صرف ایک مکتوب ۱۶۰ دفتر اول میں ہے اور وہیں تذکرہ ہے۔

دشوار ہے، جیسا کہ عنقا کو ایک مخصوص صورت کے ساتھ تصور کیا جا سکتا ہے تو کہہ سکتے ہیں کہ عنقا ہماری قوتِ مدرکہ میں حاصل ہے لیکن عنقا تک پہنچنا ثابت نہیں ہے۔ کیونکہ ظلّیت جو کسی چیز کے مرتبۂ ثانی میں ظہور سے مراد ہے اس چیز کے حصول کے منافی نہیں ہے لیکن اس چیز کا وصول ظلیت کی تاب نہیں لا سکتا، لہٰذا ان دونوں کے درمیان فرق معلوم ہو گیا۔

اور آپ نے یہ بھی دریافت کیا تھا کہ وہ اسماء جو انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے تعینات کے مبادی ہیں، وہی اسماء اولیاء کے تعینات کے بھی مبادی ہیں، یا ایسا نہیں ہے، اور اگر ہیں تو کیا فرق ہے ؟

—— اے عزیز! انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے مبادی ان اسماء کے کلیات ہیں، اور اولیاء کے تعینات کے مبادی ان اسماء کی جزئیات ہیں جو ان کی کلیات کے تحت درج ہیں۔ اور ان اسماء کی جزئیات سے مراد وہی اسماء ہیں جو ان کی قیود میں سے کسی قید کے ساتھ ماخوذ ہیں۔ جیسے کہ کسی شے کے ساتھ ارادہ بے قید اور ارادہ مقید ہوتا ہے، اور چونکہ اولیاء کو انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی پیروی کی وجہ سے ترقی ہوتی ہے اس لئے وہ اس قید کو دور کر کے مطلق کے ساتھ ملحق ہو جاتے ہیں —— اس فقیر نے اس فرق کو بعض مکاتیب میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے وہاں ملاحظہ کر لیں۔

نیز آپ نے دریافت کیا تھا کہ (اکابر نقشبندیہ) ذکرِ جہر سے منع کرتے ہیں کہ یہ بدعت ہے حالانکہ اس سے ذوق و شوق پیدا ہوتا ہے اور دوسری چیزوں سے جو کہ آنحضرت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کے زمانے میں نہیں تھیں مثلاً لباسِ فرجی، شال اور شلوار سے منع نہیں کرتے —— میرے مخدوم! آنحضرت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کا عمل دو قسم کا ہے: ایک عبادت کے طریقہ پر ہے اور دوسرا عرف و عادت کے طور پر، وہ عمل جو عبادت کے طریقے پر ہے اس کے خلاف کرنا بدعتِ منکرہ جانتا ہوں اور اس کے منع کرنے میں مبالغہ کرتا ہوں کہ یہ دین میں نئی نئی باتیں پیدا کرنا ہے اور وہ مردود ہے —— اور وہ عمل جو عرف و عادت کے طور پر ہے اس کے خلاف کرنا بدعت منکرہ نہیں جانتا اور اس کے منع کرنے میں مبالغہ نہیں کرتا کیونکہ اس کا تعلق دین سے نہیں اور اس کا ہونا نہ ہونا عرف و عادت پر موقوف ہے نہ کہ دین و ملت پر۔ جس طرح کہ بعض شہروں کا عرف دوسرے شہروں کے عرف کے خلاف ہے، اسی طرح ایک شہر میں زمانے کے تفاوت کے اعتبار کی وجہ سے عرف میں تفاوت ظاہر ہے۔ البتہ عادی سنت کی رعایت بھی بہت سے فائدوں اور سعادتوں کا باعث ہے، اللہ تعالیٰ ہم کو اور آپ کو حضرت سید المرسلین علیہ وعلیہم وعلیٰ تابعی کل من الصلوات افضلہا ومن التسلیمات اکملہا کی متابعت پر ثابت قدم رکھے۔

مکتوب ۲۳۲

(عبد الرحیم) خان خاناںؒ کی طرف صادر فرمایا ــــ کمینی دنیا کی حقیقت اور اس کی ردی زیبائش کی بُرائی میں اور اس کمینی دنیا کی محبت کے دُور کرنے کے علاج میں اور اس کے مناسب بیان میں۔

حضرتِ حق سبحانہٗ و تعالیٰ حضرت سید المرسلین علیہ و علیہم و علیٰ آلہٖ من الصلوات افضلہا ومن التسلیمات اکملہا کے طفیل ناپسندیدہ کمینی دنیا کی حقیقت اور اس کی گھٹیا زیب و زینت اور آرایش کی برائی کو آپ کی نظرِ بصیرت میں آشکارا اور منکشف کر کے آخرت کے حُسن و کمال کو جنت کے باغات اور نہروں کی تر و تازگی اور ان میں پروردگار جل سلطانہٗ کے دیدار کی زیادتی جلوہ گر فرمائے تاکہ اس جلد زوال پذیر کمینی دنیا سے بے رغبتی حاصل ہو کر عالمِ بقا کی طرف جو مولائے جل سلطانہٗ کی رضا کا مقام ہے توجہ میسر آئے ــــ جبتک اس کمینی دنیا کی بُرائی واضح نہ ہوگی اس کی گرفتاری سے خلاصی پانا محال ہے اور جب تک اس (دنیا کی) گرفتاری سے خلاصی میسر نہ ہو جائے فلاح و نجاتِ اخروی کا حاصل ہونا دشوار ہے: حُبُّ الدُّنْیَا رَأْسُ کُلِّ خَطِیْئَۃٍ[2] (دنیا کی محبت تمام خطاؤں کی جڑ ہے) طے شدہ فیصلہ ہے ــــ اور چونکہ علاج بالضد ہوتا ہے، اس لئے کمینی دنیا کی محبت دُور کرنے کا علاج آخرت کی نعمتوں کی رغبت دلانے پر اور روشن شریعت کے احکام کے موافق اعمال صالحہ بجالانے پر وابستہ ہے ــــ حضرتِ حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے دنیا کی زندگی کو پانچ[5] بلکہ چار چیزوں پر منحصر فرمایا ہے چنانچہ ارشاد ہے: اَنَّمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا لَعِبٌ وَّلَہْوٌ وَّزِیْنَۃٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَیْنَکُمْ وَتَکَاثُرٌ فِی الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ (سورۂ حدید آیت ۲۰) (دنیا کی زندگی محض کھیل، تماشا اور زینت اور ایک دوسرے پر فخر کرنا اور اموال و اولاد میں زیادتی کرنا ہے) لہٰذا لازمی طور پر جب اعمالِ صالحہ میں مشغول ہوں گے تو اس کا جزوِ اعظم جو لہو و لعب (کھیل اور تماشا) ہے کم ہو جائے گا اور ریشمی لباس اور سونے چاندی کے استعمال سے جن پر عمدہ اور اعلیٰ درجہ کی زینت کا مدار ہے پرہیز کرنے لگتا ہے اور اس کا دوسرا جزو جو زینت ہے زوال پذیر ہو جاتا ہے ــــ ــــ اور جب یقین ہو جائے کہ خدائے عز و جل کے نزدیک فضیلت و کرامت پرہیزگاری اور تقویٰ پر

[1] آپ کے نام ۱۳ مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۲۳ پر گذر چکا ہے۔ [2] رزین اور بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا مشکوٰۃ

موقوف ہے نہ کہ حسب ونسب پر، تو وہ فخر سے باز رہتا ہے۔ اور جب وہ جانتا ہے کہ اموال و اولاد (کی بیجا محبت) حق سبحانہ وتعالیٰ کے ذکر سے مانع ہیں اور اس کی پاک و بلند بارگاہ سے روکنے والے ہیں تو مجبوراً ان کے حصول کی زیادتی میں کمی کر دیتا ہے بلکہ ان کی زیادتی کو معیوب شمار کرتا ہے، غرض مَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا (حشر آیت ۵۹) (جو کچھ رسول تمہارے پاس لایا اس کو پکڑ لو اور جس سے منع کرے رک جاؤ) کَیْلَا یَضُرُّکُمْ شَیْءٌ (تاکہ کوئی چیز تم کو ضرر نہ پہنچائے) بیت

دادیم ترا ز گنج مقصود نشاں ‏ ‏ گر ما نہ رسیدیم تو شاید برسی

باقی مقصود یہ ہے کہ میاں شیخ عبدالمومن بزرگ زادہ ہیں، تحصیلِ علوم کی تکمیل کے بعد صوفیہ کے سلوک میں مشغول ہیں اور راہِ سلوک میں عجیب احوال کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ بشری ضرورت جیسے اہل وعیال کی وجہ سے پیدا ہوگئی ہے ان کو بے اختیار و مضطرب کر رہی ہے۔ یہ فقیر اس بے چینی اور پریشانی کو دُور کرنے کے لئے آپ کی جناب میں اُن کی رہنمائی کرتا ہے۔ مَنْ دَقَّ بَابَ الْکَرِیْمِ یَفْتَحْ (جس نے کریم کا دروازہ کھٹکھٹایا وہ دروازہ کھول دیتا ہے۔ وَالسَّلَامُ۔

مکتوب ۲۳۳
دو صد و سی و سیوم

عالی جناب شیخ فریدؒ کی طرف بعض عمدہ نصیحتوں کے بارے میں تحریر فرمایا۔

ثَبَّتَنَا اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَاِیَّاکُمْ عَلٰی جَادَّةِ جَدِّکُمُ الْاَمْجَدِ عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ مِنَ الصَّلَوٰتِ اَفْضَلُهَا وَمِنَ التَّسْلِیْمَاتِ اَکْمَلُهَا (اللہ تعالیٰ ہم کو اور آپ کو آپ کے جدّ بزرگوار علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ من الصلوات افضلہا ومن التسلیمات اکملہا کے لائے ہوئے طریقہ پر ثابت قدم رکھے) ——— حضرت خواجہ جیو (باقی باللہ) قدس سرہ کے عرس کے زمانے میں دہلی پہنچ کر یہ خیال تھا کہ آپ کی عالی خدمت میں بھی حاضر ہوں کہ اسی اثنا میں روانگی کی خبر پھیل گئی۔ مجبوراً توقف کر کے چند نامربوط کلموں سے آپ کو تکلیف دے رہا ہوں ——— (فقیر) خواہ حضور (روبرو) ہو یا غیبت (غائبانہ حالت) میں ہو آپ کی سلامتی کے لئے پوری توجہ کے ساتھ دعا گو ہے کہ (اللہ تعالیٰ) آپ کو ہر نامناسب اور ناشائستہ امور سے سلامت رکھے۔ اور بعض مرتبہ آپ کی خیر اندیشی کا غلبہ اس بات پر مجبور کرتا ہے کہ (فقیر بھی) آپ جیسی جسارت اختیار کر کے آپ کو

تاکید اور مبالغہ کے ساتھ ان باتوں سے منع کرے جو آپ کے شایانِ شان نہ ہوں، اور نا اہلوں کو بھی (آپ کی) مجلسِ شریف میں نہ رہنے دے۔ لیکن (فقیر) یہ بھی جانتا ہے کہ ان تمام آرزوؤں کا میسر ہونا ممکن نہیں ہے، مجبوراً آپ کے لئے غائبانہ دعا سے اپنی زبان کو تر کرتا ہوں شاید کہ یہ دعا قبول ہو جائے۔

حضرت خواجہ احرار قدس سرہٗ اپنی بزرگی اور بڑائی کی نسبت فرمایا کرتے تھے کہ اگرچہ یہ بات کفر ہے کہ کوئی شخص اتنا بڑا ہو جائے کہ اگر وہ برہم ہو جائے تو تمام عالم برہم ہو جائے لیکن کیا کیا جائے کہ (اللہ تعالیٰ نے) ہم کو ہمارے چاہنے کے بغیر بڑا بنا دیا ہے ——— آج اس قسم کی بزرگی اور بڑائی ممکن ہے کہ آپ کی جناب کے بارے میں صادق آئے کیونکہ آپ کی خوشحالی مخلوق کی خوشحالی ہے اور اس کے برعکس بھی۔ یہی وجہ ہے کہ لوگوں کی طرف سے آپ کے لئے دعائے خیر بارش کی طرح برس رہی ہے اور عام خلائق کے لئے مفید ہے، لہٰذا اس شخص پر افسوس ہے جو اس بزرگی اور بڑائی کے باوجود (آپ پر) دانہ خشخاش کے برابر انگشت نمائی کرے، اور یہ خشخاش کا دانہ دوستوں اور خیر خواہوں کے دلوں پر بارِ عظیم (بہت بڑا بوجھ) ہے۔ مہربانی فرما کر ان کے دلوں کو اس بوجھ سے ہلکا کر دیں ——— کافی عرصہ سے اس خیر اندیش نے اس بارے میں کوئی ایک لفظ بھی تحریر نہیں کیا کہ کہیں تکرار و مبالغہ آپ کی طبیعت پر گرانی کا سبب نہ بن جائے ؎

یار نازک بدن از بادِ ہوا می رنجد   ہمچو گل برگ ز آسیب صبا می رنجد
(نازک بدن کو بوجھ ہوا کا بھی ہے گراں   ہر پنکھڑی کو بوجھ صبا کا بھی ہے گراں)

لیکن دوستی (کے حق) سے یہ بات بعید معلوم ہوتی ہے کہ آپ کی گرانی خاطر کا لحاظ کر کے خاموشی اختیار کر لی جائے ؎

حافظ وظیفۂ تو دعا گفتن است و بس   در بندِ آں مباش کہ نہ شنید یا شنید
(حافظ ہمیشہ لوگوں کو دعا دیا کرو   پروا نہیں کہ کوئی وہ سنتا ہے یا نہیں)

کچھ مدت سے حرمین شریفین حرسہما اللہ سبحانہٗ عن الآفات (اللہ تعالیٰ ان دونوں کو آفات سے محفوظ رکھے) کی زیارت[1] کا ارادہ پیدا ہو گیا ہے اور اس سفر (یعنی دہلی آنے) کا باعث بھی یہی شوق ہے۔ اور چونکہ یہ ارادہ آپ کے صلاح و مشورے اور رضامندی پر وابستہ تھا لیکن (قافلہ کی) روانگی کی خبر نے اس ارادہ کو التوا میں ڈال دیا۔ اَلْخَیْرُ فِیْمَا صَنَعَ اللہُ سُبْحَانَہٗ (بہتری اسی میں ہے جو اللہ سبحانہٗ کرے)۔

والسلام

[1] یعنی حج کے ارادہ سے نکلنا یہ دوسری مرتبہ ہوا جو پورا نہ ہو سکا۔

مکتوب ۲۳۴

دو صد و سی و چہارم

حقائق آگاہ معارف دستگاہ، عالمِ ربانی عارفِ سبحانی مخدوم زادۂ کلاں یعنی شیخ محمد صادق[1] سَلَّمَہُ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَ اَبْقَاہُ وَ اَوْصَلَہٗ اِلٰی غَایَۃِ مَا یَتَمَنَّاہُ[م] کی طرف صادر فرمایا ــــــ اس بیان میں کہ واجب الوجود تعالیٰ کی حقیقت "وجودِ محض" ہے، جو ہر خیر و کمال کا منشا ہے اور ممکنات کے حقائق عدمات ہیں جو ہر شر و فساد کے مبادی ہیں، اور مَنْ عَرَفَ نَفْسَہٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّہٗ کے معنی، اور تجلی ذاتی کے بیان میں جو تمام نسبتوں اور اعتبارات سے بڑھ چڑھ کر ہے اور آیۂ کریمہ اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کے تاویلی معنوں اور اس کے مناسب بیان میں مع سوالات و جوابات کے جو اس مقام کی توضیح سے متعلق ہیں اور مع تنبیہات کے جو اس کی تلخیص کے لائق ہیں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ خدائے بیچون (بے مثال) کی حمد اور رہنما پیغمبر پر درود و سلام کے بعد میرے عزیز فرزند کو معلوم ہو کہ حق سبحانہ کی حقیقت وجود صرف (وجودِ محض) ہے کہ کوئی دوسرا امر اس کے ساتھ انضمام (ملا ہوا) نہیں ہے اور وہ وجود تعالیٰ ہر خیر و کمال کا منشا (پیدا ہونے کی جگہ) اور ہر حُسن و جمال کا مبدأ (ابتدا ہونے کی جگہ) ہے، اور وہ (وجود) جزوِ حقیقی اور ایسا بسیط ہے کہ اس کی ترکیب (ساخت) کو ذہنی اور خارجی طور پر ہرگز راہ نہیں ہے اور حقیقت کے اعتبار سے اس کا تصور دائرۂ امکان سے باہر ہے (یعنی تصور میں آنا محال ہے) اور وجود تعالیٰ ذات تعالیٰ پر ازروئے مواطات (یعنی محمول کا حمل موضوع پر بلا واسطہ ہے، دونوں میں اتحادِ محض کی بنا پر) محمول ہے، نہ کہ اشتقاق کے اعتبار سے (کیونکہ تغایر نہیں ہے اور حمل اشتقاق میں تغایر کا ہونا ضروری ہے) اگرچہ حمل کی نسبت کو بھی حقیقتاً اس مقام میں کوئی گنجائش نہیں ہے کیونکہ اُس جگہ تمام نسبتیں اعتبار سے ساقط ہیں ــــــ

اور وہ وجود جو عام اور مشترک ہے وہ اس وجود خاص تعالیٰ و تقدس کے ظلال میں سے ایک ظل ہے اور یہ ظل ذات تعالیٰ و تقدس پر محمول ہے۔ اور وہ اشیاء پر تشکیک (واسطے کے طور پر) ازروئے اشتقاق نہ کہ ازروئے مواطات ــــــ اور اس ظل سے مراد حضرت وجود تعالیٰ کا تنزلات کے مرتبوں میں ظہور ہے۔ اور اس ظل کے افراد میں سے اولیٰ اقدم اور اشرف وہ فرد ہے جو

[م] (اللہ سبحانہٗ ان کو سلامت رکھے اور ان کی عمر دراز فرمائے اور اس انتہائی درجے تک پہنچائے جس کے وہ خواہشمند ہیں)

---

[1] آپ کے نام پانچ مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۱۸۱ پر گذر چکا ہے۔

ذات تعالیٰ وتقدس پر اشتقاقاً محمول ہو۔ لہٰذا اصالت کے مرتبہ میں "اَللّٰہُ تَعَالٰی وُجُوْدٌ" (حملِ مواطات کے طور پر) تو کہہ سکتے ہیں "اَللّٰہُ تَعَالٰی مَوْجُوْدٌ" (حمل اشتقاق کے طور پر) نہیں کہہ سکتے۔ اور اس ظل کے مرتبہ میں "اللہ تعالیٰ مَوْجُوْدٌ" کہنا صحیح ہے نہ کہ "اَللّٰہُ تَعَالٰی وُجُوْدٌ" ——— اور چونکہ حکما اور صوفیہ کا ایک گروہ وجود کی عینیت کے قائل ہو گئے ہیں، اور اس فرق کی حقیقت پر مطلع نہیں ہوئے، اور ظل کو اصل سے جدا نہ کرتے ہوئے انھوں نے حملِ اشتقاق اور حملِ مواطات دونوں کا ایک ہی مرتبہ میں اثبات کیا ہے، اور حملِ اشتقاق کے درست کرنے میں بیجا تکلف اور حیلے کے محتاج ہوئے ہیں، اور حق وہی ہے جو میں نے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے الہام سے تحقیق کیا ہے۔

اور یہ اصالت وظلیت تمام صفاتِ حقیقیہ کی اصالت وظلیت کے مانند ہے۔ کیونکہ مرتبہ اصالت میں جو اجمال اور غیب الغیب کا مقام ہے ان صفات کا حمل کرنا جو مواطات کے طریقے پر ہے نہ کہ اشتقاق کے طریقے پر، کہہ سکتے ہیں "اللہ تعالیٰ عِلْمٌ" ہے، اور یہ نہیں کہہ سکتے کہ "اللہ تعالیٰ عَالِمٌ" ہے، کیونکہ حملِ اشتقاق میں مغائرت کے بغیر چارہ نہیں ہے اگرچہ وہ مغائرت اعتباری ہو (نہ کہ حقیقی) ۔ اور وہ مغائرت اس مرتبہ میں بالکل مفقود ہے کیونکہ مغائرت ظلیت کے مرتبوں میں ہوتی ہے اور اس جگہ کوئی ظلیت نہیں ہے، چونکہ وہ تعینِ اول سے کئی درجے بالاتر ہے اس وجہ سے کہ نسبتیں اس تعین میں اجمال کے طریقے پر ملحوظ ہیں، اور اس مقام میں اشیاء میں سے کسی شے کا کسی طرح کا بھی ملاحظہ نہیں ہے۔ اور ظل کے مرتبہ میں کہ جو اس اجمال کی تفصیل ہے حملِ اشتقاق صادق ہے نہ کہ حملِ مواطات۔ لیکن ان صفات کی عینیت اس مرتبہ میں وجود (تعالیٰ) کی عینیت کی فرع (شاخ) ہے جو ہر خیر وکمال کا مبدأ ہے اور ہر حُسن وجمال کا منشا (نشوونما کی جگہ) ہے۔

اس فقیر نے اپنی کتب ورسائل میں جس وجود کی عینیت کی نفی کی ہے اس سے مراد وجودِ ظلی سمجھنا چاہیے جو حملِ اشتقاق کا درست کرنے والا ہے اور یہ وجودِ ظلی بھی آثارِ خارجیہ کا مبدأ ہے، پس وہ ماہیتیں جو اس ظل سے متصف ہو گئیں وہ ہر مرتبہ میں موجوداتِ خارجیہ کے مراتب میں ہوں گی۔ پس تو سمجھ لے کیونکہ یہ تجھے بہت سے مواقع پر نفع دیگا ——— پس صفاتِ حقیقیہ بھی موجوداتِ خارجیہ ہوں گی اور ممکنات بھی خارج میں موجود ہوں گی ——— اس کو یاد رکھ۔

اے فرزند! ایک مخفی راز سنو! کہ کمالاتِ ذاتیہ حضرتِ ذات تعالیٰ و تقدس کے مرتبہ میں حضرتِ ذات کا عین ہیں۔ مثلاً صفتِ علم اس مقام میں حضرتِ ذات تعالیٰ کا عین ہے، اور قدرت و ارادت اور باقی صفات کا بھی یہی حال ہے، اور نیز اس مقام میں حضرتِ ذات بتمامہ علم ہے، اور اسی طرح بتمامہ قدرت ہے، نہ یہ کہ حضرتِ ذات کا بعض علم ہے اور بعض قدرت، کیونکہ وہاں بعض ہونا اور جزو بننا محال ہے۔ اور ان کمالات نے جو گویا حضرت ذات تعالیٰ سے منتزع (علیحدہ) ہیں حضرتِ علم کے مرتبہ میں تفصیل پائی ہے اور تمیز پیدا کر لی ہے۔ اور حضرت ذات تعالیٰ و تقدس اپنی وحدانیت کی اسی اجمالی صرافت پر باقی ہے۔ اس کے بعد کوئی چیز اس میں باقی نہیں رہی جو اس تفصیل میں داخل نہ ہوئی ہو اور متمیز نہ کی گئی ہو، بلکہ وہ تمام کمالات جو حضرت ذات تعالیٰ کے عین ہیں مرتبۂ علم میں آگئے ہیں۔ اور ان تفصیلی کمالات نے دوسرے مرتبہ میں وجودِ ظلی پیدا کر کے صفات کا نام حاصل کر لیا ہے اور حضرتِ ذات کے ساتھ جو ان تمام کی اصل ہے قیام پیدا کر لیا ہے ——— اور اعیانِ ثابتہ سے صاحبِ فصوص علیہ الرحمہ کی مراد یہی کمالاتِ مفصلہ ہیں جنھوں نے علم کے خانے میں وجودِ علمی حاصل کیا ہے۔ اور فقیر کے نزدیک ممکنات کے حقایق عدمات ہیں جو کہ ہر شر و نقص کا مبدأ و محل ہیں ان کمالات کے ساتھ ان میں منعکس ہو گئے ہیں۔ ——— یہ بات تفصیل طلب ہے گوشِ ہوش سے سننا چاہئے۔

جان لے! اللہ تعالیٰ تجھ کو ہدایت دے کہ عدم وجود کے مقابل ہے اور اس کی نقیض (ضد) ہے پس عدم بالذات ہر شر و نقص کے پیدا ہونے کی جگہ ہے بلکہ وہ ہر شر و فساد کا عین ہے جس طرح کہ وجود اجمال کے مرتبہ میں ہر خیر و کمال کا عین ہے ـــ اور جس طرح حضرتِ وجود اصل الاصل کے مقام میں ذات تعالیٰ پر اشتقاق کے طریق پر محمول نہیں ہے اسی طرح عدم بھی جو اس وجود کے مقابل ہے ماہیتِ عدمیہ پر اشتقاق کے طریق پر محمول نہیں ہے، اس مرتبہ میں اس ماہیت کو معدوم نہیں کہہ سکتے بلکہ وہ عدمِ محض ہے، اور تفصیلِ علمی کے مرتبوں میں کہ جو اس ماہیتِ عدمیہ سے تعلق قائم کئے ہوئے ہیں اس ماہیت کی جزئیات عدم کے ساتھ متصف ہو گئی ہیں اور حملِ اشتقاق وہاں درست ہوتا ہے۔ اور عدم کا مفہوم جو کہ گویا اس اجمالِ عدمیہ کی ماہیت سے منتزع (علیحدہ) ہے اور اس کے ظل کی مانند ہے اس ماہیتِ عدمیہ کے تمام مفصلہ افراد پر اشتقاق کے طریقے پر جزئیات میں

محمول ہوتا ہے، جیسا کہ آگے بیان ہوگا ——— اور چونکہ وہ عدم جو اجمال کے مرتبہ میں ہر شر و فساد کا عین تھا اور اللہ تعالیٰ سبحانہٗ کے علم میں ہر شر دوسرے شر سے جدا ہوگیا تھا اور ہر فساد دوسرے فساد سے ممتاز ہوگیا، اور جس طرح وجود کی جانب اجمال کے مرتبہ میں حضرتِ وجود ہر خیر و کمال کا عین تھا اور تفصیلِ علمی کے مرتبہ میں ہر کمال دوسرے کمال سے ممتاز ہو کر ہر خیر دوسرے خیر سے جدا ہوگیا۔ اسی طرح کمالاتِ وجودیہ میں سے ہر کمال اور نقائصِ عدمیہ میں سے ہر نقص جو اس کے مقابل ہے علم کے خانے میں منعکس ہوگیا ہے اور ایک دوسرے کی علمی صورتیں بن کر مل جُل گئی ہیں۔ ——— اور وہ عدمات جن سے مراد شرور و نقائص ہیں وہ ان کمالاتِ منعکسہ کے ساتھ جنھوں نے حضرتِ علم کے مرتبہ میں تفصیلِ علمی پائی ہے ممکنات کی ماہیتیں ہیں۔ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ وہ عدمات ان ماہیتوں کے اصول اور مواد کی طرح ہیں اور وہ کمالات ان میں حلول کی ہوئی صورتوں کی مانند ہیں۔ ——— پس اعیانِ ثابتہ سے اس حقیر کے نزدیک یہی عدمات اور کمالات مراد ہیں جو ایک دوسرے سے باہم مل جل گئے ہیں، اور یہ . . . . . ان ماہیاتِ عدمیہ مع ان تمام لوازمات اور ظلالِ وجودیہ کے کمالات کے جو حضرتِ علم میں منعکس ہوگئے ہیں اور ممکنات ماہیہ کا نام پالیا ہے، قادرِ مختار جل سلطانہ نے جب چاہا ان کو وجودِ ظلی کے رنگ میں رنگین کر کے موجوداتِ خارجیہ بنا دیا اور آثارِ خارجیہ کا مبدأ کر دیا۔

جاننا چاہئے کہ صورِ علمیہ جس سے مراد ممکنات کے اعیانِ ثابتہ اور ان کی ماہیت ہیں، ان کو رنگین کرنا اس معنی میں نہیں ہے کہ صورِ علمیہ نے خانۂ علم سے نکل کر وجودِ خارجی پیدا کر لیا ہے کیونکہ یہ محال ہے اور جہل کو مستلزم ہے تَعَالَى اللّٰهُ عَنْ ذٰلِكَ عُلُوًّا كَبِيْرًا (اللہ تعالیٰ اس سے بہت زیادہ بلند ہے) ——— بلکہ اس معنی میں ہے کہ ممکنات نے خارج میں صورِ علمیہ کے مطابق ایک وجود پیدا کر لیا ہے اور وجودِ علمی کے علاوہ اس وجودِ علمی کے موافق وجودِ خارجی حاصل کر لیا ہے، جیسے نجار (بڑھئی) تخت کی صورت کو ذہن میں تصور کر کے خارج میں اس کا اختراع کرتا ہے، اس صورت میں تخت کی وہ ذہنی تصویر جو حقیقت میں اس تخت کی ماہیت ہے اس نجار کے خانۂ علم سے باہر نہیں نکلی ہے بلکہ خارج میں اس تخت نے اس صورتِ ذہنیہ کے مطابق وجود پیدا کر لیا ہے۔ پس سمجھ لو۔

جاننا چاہئے کہ ہر عدم جو کمالاتِ وجودیہ کے ظلال میں سے ایک ظل ہے جو اس کے مقابل ہے اور جس نے منعکس کے ساتھ رنگین ہو کر خارج میں ایک زینت پیدا کر لی ہے۔ بخلاف عدم صرف کے کہ وہ ان ظلال سے متاثر نہیں ہوا اور نہ ان کے رنگ میں رنگا گیا، وہ کس طرح یہ رنگ پکڑ سکتا ہے جبکہ وہ ان ظلال کے مقابل میں ہے ہی نہیں، اگر وہ مقابلہ (حضوری) رکھتا ہے تو حضرتِ وجودِ صرف تعالیٰ و تقدس کے ساتھ رکھتا ہے ———— پس عارف تام المعرفت (کامل معرفت والا) جب حضرتِ وجود کی حضوری میں ترقی کر کے عدمِ صرف کے مقام میں نزول کرتا ہے تو اس کے توسل سے یہ عدم بھی اس حضرت (وجودِ صرف) کے ساتھ ایک طرح کا رنگ پیدا کر کے مزین اور مستحسن ہو جاتا ہے۔ اس وقت وہ عارف جو فی الحقیقت مراتبِ ذاتیہ کا جامع ہے اور اس وقت میں تمام اعدام کے مراتب کا جمع کرنے والا بھی اس نے تفصیلی اور اجمالی حُسن و خیریت پیدا کر لی ہے اور اس کو کمال و جمال حاصل ہو گیا ہے۔ اور یہ خیریت جو تمام ذات کے مراتب میں سرایت کئے ہوئے ہے اسی قسم کے عارف کے ساتھ مخصوص ہے۔ اگر غیر عارف میں بھی یہ خیریت سرایت کئے ہوئے ہے یا اس میں قصور ہے تو اس کے اعدامِ ذاتیہ کے بعض تفصیلی مراتب میں یا اس کے تمام تفصیلی مراتب میں درجات کے تفاوت سے جاری ہے۔ اور یہ آخری قسم بھی نادر الوجود ہے۔ لیکن عدم کے اجمال کے مرتبہ میں جو ہر شر و نقص کا عین ہے اس عارف کے علاوہ کسی نے بھی اس کی خیریت کی خوشبو نہیں پائی، اور نہ ہی حُسن کا رنگ پیدا کیا ———— لہذا ایسا عارف جو خیر تام سے متصف ہو چکا ہے اس کا شیطان بھی حسنِ اسلام پیدا کر لیتا ہے اور اس کا نفسِ امارہ بھی مطمئنہ ہو کر اپنے مولیٰ سے راضی ہو جاتا ہے ———— یہی وہ مقام ہے جبکہ سید المرسلین علیہ و علیہم الصلوات والتسلیمات نے فرمایا اَسْلَمَ شَیْطَانِیْ[1] (میرا شیطان مسلمان ہو گیا ہے)۔ لہذا کوئی غازی جنگ میں اس پر سبقت نہیں کرتا اور شیطان جیسے کو بھی خیر کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

سبحان اللہ! وہ معارف جو اس فقیر سے بے ارادہ ظہور میں آئے ہیں اگر اکثر لوگ جمع ہو کر ان جیسے پیش کرنے کی کوشش کریں تو معلوم نہیں کہ میسر ہو سکے، تحقیق کہ ان معارف کا بہت سا حصہ حضرت مہدی موعود علیہ الرضوان کو حاصل ہو گا۔

---

[1] اس کو مسلم نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کیا (مشکوٰۃ)

اگر بادشہ بر درِ پیر زن بیاید تو اے خواجہ سبلت مکن
(اگر بادشہ آئے بڑھیا کے گھر تو اے خواجہ ہرگز تعجب نہ کر)

فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (پس کیا ہی بابرکت ہے وہ اللہ تعالیٰ جو بہتر پیدا کرنے والا ہے اور اللہ تعالیٰ کی حمد ہے جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے) ـــــــــ لہذا ممکنات کے ذوات عدمات ہیں کہ جن میں وجودی کمالات کے ظلال نے منعکس ہو کر اِن کو مزین کر دیا ہے پس لازمی طور پر ممکنات بالذات ہر شر و فساد کے محل ہیں اور ہر برائی و نقص کی جائے پناہ، اور ہر خیر و کمال جو ان میں تعبیر اور پوشیدہ ہے وہ حضرتِ وجود سے عاریت (مستعار) ہے کہ وہ خیرِ محض ہے جو حضرتِ وجود کی وجہ سے فائض ہوا ہے ۔ آیۂ کریمہ مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ (نساء آیہ ۷۹) (جو بھی بھلائی تجھے پہنچتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے اور جو بھی برائی تجھے پہنچتی ہے وہ تیرے نفس کی طرف سے ہے) اس مضمون کی خبر دیتی ہے۔

اور جب اللہ جل سلطانہٗ کے فضل سے یہ "دیدِ عاریت" (مشاہدۂ مستعار) غلبہ پا لیتی ہے اور اپنے کمالات کو بہ تمام و کمال اس (حق تعالیٰ) کی طرف سے دیکھتا ہے تو خود کو "شرِ محض" پاتا ہے اور "نقصِ خالص" جانتا ہے، اور کوئی کمال اپنے اندر مشاہدہ نہیں کرتا اگرچہ وہ انعکاس کے طور پر ہی کیوں نہ ہو۔ اس شخص کے مانند ہے جو ننگا ہو لیکن اس نے عاریت کا (مانگا ہوا) لباس پہنا ہوا ہو۔ اور یہ "دیدِ عاریت" اُس پر اس طرح غلبہ حاصل کر لے کہ وہ اپنے خیال میں اپنا سارا لباس اُس مالک کا سمجھے تو یقیناً وہ شخص اپنے آپ کو پورے ذوق کے ساتھ ننگا سمجھے گا، اگرچہ اس نے "جامۂ عاریت" پہنا ہوا ہے۔ اس مشاہدہ والا شخص "مقامِ عبدیت" سے مشرف ہو جاتا ہے جو کہ ولایت کے تمام کمالات سے بڑھ کر ہے۔

تنبیہ:۔ یہ تمام شر و خیر اور نقص و کمال جو حقیقت میں وجود و عدم کا اجتماع ہے "جمع نقیضین" کی قسم سے نہیں ہے کہ تم اس کو محال سمجھو کیونکہ "وجودِ صرف" کا نقیض "عدمِ صرف" ہے اور یہ "مراتبِ ظلیہ" جس طرح کہ وجود کی جانب اصل کی بلندی سے تنزلات کی گہرائیوں میں نزول فرمایا ہے، اسی طرح عدم کی جانب بھی "صرافتِ عدم" کی گہرائیوں سے مراتبِ ظلیہ میں ظاہر ہو کر عروج کیا ہے، اور ان کا اجتماع "عناصرِ متضادہ" کے اجتماع کے رنگ میں ہے ہر ایک کے ضد یہ غلبہ اور تیزی کو

نور کر ان کو جمع کر دیا ہے: فَسُبْحَانَ مَنْ جَمَعَ بَیْنَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرِ (پس پاک ہے وہ ذات جس نے اندھیرے اور روشنی کو جمع کر دیا)۔

اگر یہ کہا جائے کہ تو نے (یعنی حضرت مجددؒ نے) مندرجہ بالا عبارت میں "عدمِ صرف" کو بھی "وجودِ صرف" کے ساتھ رنگ دے کر جو اس کی ضد ہے "اجتماعِ نقیضین" کا حکم پیدا کر دیا ہے ——— تو میں جواب میں کہتا ہوں کہ اجتماعِ نقیضین ایک مقام پر محال ہے لیکن ایک نقیض کا دوسرے نقیض کے ساتھ قیام کرنا اور ایک "اتصاف" (وصف) کا دوسرے وصف کے ساتھ (جمع) ہونا محال نہیں ہے، جیسا کہ اربابِ معقول (فلاسفہ) نے کہا ہے کہ وجود معدوم ہے اور وجود کا عدم کے ساتھ متصف ہونا محال نہیں ہے، لہذا اگر عدم موجود ہو کر وجود میں رنگین ہو جائے تو اس میں کیا قباحت ہے۔

اور اگر کہا جائے کہ عدم معقولاتِ ثانویہ سے ہے جو وجود خارجی کا منافی ہے تو وہ وجود خارجی سے کس طرح متصف ہوگا ——— تو میں اس کے جواب میں کہتا ہوں کہ عدم کے مفہوم کو معقولاتِ ثانویہ میں سے بیان کیا گیا ہے لیکن اگر عدم کے افراد میں سے کوئی فرد وجود سے متصف ہو جائے تو اس میں کیا پریشانی ہے۔ جس طرح اربابِ معقول نے وجود کے بارے میں اشکال کے طریقے پر کہا ہے کہ وجود کو چاہیئے کہ واجب الوجود تعالیٰ و تقدس کی ذات کا عین نہ ہو، کیونکہ وجود معقولاتِ ثانیہ سے ہے جو خارجی وجود نہیں رکھتا، اور ذات واجب الوجود تعالیٰ و تقدس خارج میں موجود ہے لہذا وہ عین نہیں ہے ——— اور انھوں نے اس اشکال کے جواب میں کہا ہے کہ وجود کا مفہوم معقولاتِ ثانویہ سے ہے نہ کہ اس کی جزئیات سے۔ لہذا اس کی جزئیات میں سے کوئی جزئی وجودِ خارجی کے منافی نہیں ہے اور ہو سکتا ہے کہ خارج میں موجود ہو۔

سوال: سابقہ تحقیق سے معلوم ہوا کہ حقیقی صفات کا وجود ظلال کے مرتبہ میں ہے اور اصل کے مرتبہ میں ان کا کوئی وجود حاصل نہیں ہے، یہ بات اہلِ حق شکر اللہ تعالیٰ سعیھم کی رائے کے خلاف ہے۔ کیونکہ وہ صفات کو کسی وقت بھی ذات تعالیٰ و تقدس سے جدا نہیں سمجھتے اور ممتنع الانفکاک (یعنی ان کا ذات تعالیٰ سے جدا ہونا محال) تصور کرتے ہیں۔

جواب: یہ ہے کہ اس بیان سے انفکاک کا جواز لازم نہیں آتا کیونکہ یہ ظل اس اصل کے لئے لازم ہے پس انفکاک نہ رہا ——— خلاصۂ کلام یہ ہے کہ وہ عارف جس کی توجہ کا قبلہ احدیتِ ذات تعالیٰ و تقدس ہے

اوراس کے سامنے اسماء وصفات میں سے کچھ بھی نہیں ہے وہ اس مقام میں ذات تعالیٰ ہی کو پاتا ہے اورصفات میں سے اس کو کچھ بھی ملحوظ نہیں رہتا (یہ بات نہیں ہے) کہ اس وقت صفات موجود نہیں (بلکہ اس کے ملاحظہ میں نہیں ہوتیں)۔ لہٰذا صفات کا حضرت ذات تعالیٰ وتقدس سے منقطع ہونا اس عارف کے مشاہدہ کے اعتبار سے ثابت ہوا نہ کہ حقیقت الامر کے اعتبار سے تاکہ اہلِ سنت کے مخالف ہو۔ پس سمجھ لو۔

من عرف نفسہ فقد عرف ربہ کے معنی

اس بیان سے مَنْ عَرَفَ نَفْسَہٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّہٗ [1] (جس نے اپنے نفس کو پہچانا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا) کے معنی واضح ہو گئے کیونکہ جس شخص نے اپنی حقیقت کو شرارت ونقص کے ساتھ پہچان لیا اور سمجھ لیا کہ ہر خیر وکمال جو اس میں پوشیدہ کیا گیا ہے وہ حضرت واجب الوجود تعالیٰ وتقدس کی طرف سے مستعار ہے، لہٰذا لازماً حق سبحانہٗ وتعالیٰ کو خیر وکمال اور حسن وجمال کے ذریعے پہچان لے گا ـــــــ اس تحقیق سے آیۂ کریمہ اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (نور آیت ۳۵ [۲۴]) (اللہ تعالیٰ نور ہے آسمانوں اور زمین کا) کے تاویلی معنی بھی واضح ہو گئے، کیونکہ جب ظاہر ہو گیا کہ ممکنات سب کے سب عدمات ہیں جو سراسر ظلمت وشرارت ہیں، اور ان میں خیر وکمال اور حسن وجمال حضرتِ وجود کی طرف سے ہے جو نفس ذات تعالیٰ وتقدس ہے اور ہر خیر وکمال اور حسن وجمال کا عین ہے لہٰذا لازمی طور پر آسمانوں اور زمین کا نور حضرت وجود ہی ہے جو واجب تعالیٰ وتقدس کی حقیقت ہے ـــــ اور چونکہ یہ نور آسمانوں اور زمین میں ظلال کے توسط سے ہے، اس لئے ان وہم کرنے والوں کے وہم کو دور کرنے کے لئے جو بے توسط سمجھتے ہیں اس نور کے لئے ایک مثال بیان کی گئی جیسا کہ حق تعالیٰ نے فرمایا: مَثَلُ نُوْرِہٖ کَمِشْکٰوۃٍ فِیْھَا مِصْبَاحٌ اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَۃٍ اِلٰی اٰخِرِ الْاٰیَۃِ الْکَرِیْمَۃِ (نور آیت ۳۵ [۲۴]) (اوراس کے نور کی مثال جیسے ایک طاق ہو جس میں ایک چراغ ہو وہ چراغ شیشہ میں رکھا ہو) تاکہ واسطوں کا ثبوت فراہم ہو جائے ـــــــ اور اس آیۂ کریمہ کے تاویلی معنی تفصیل کے ساتھ انشاء اللہ تعالیٰ کسی دوسری جگہ تحریر کئے جائیں گے کیونکہ اس میں بات کی بہت گنجائش ہے۔ اوراس مکتوب میں اس کی تفصیل کی گنجائش نہیں ہے۔

---

[1] بعض نے مقولہ کہا ہے اور بعض نے حدیث۔

اور یہ جو ہم نے کہا ہے کہ آیۂ کریمہ کے تاویلی معنی ہیں، کیونکہ تفسیری معنی نقل و سماع کے ساتھ مشروط ہیں: مَنْ فَسَّرَ الْقُرْاٰنَ بِرَاْیِہٖ فَقَدْ کَفَرَ[1] (جس شخص نے اپنی رائے سے قرآن کریم کی تفسیر کی تحقیق وہ کافر ہوگیا) آپ نے سُنا ہوگا۔ اور تاویل میں صرف احتمال کافی ہے بشرطیکہ وہ کتاب وسنت کے مخالف نہ ہو۔ لہذا ثابت ہوگیا کہ ممکنات کے ذوات و اصول عدمات ہیں اور ان کے نقائص و رذائل کے صفات ان عدمات کے مقتضیات ہیں جو قادر مختار جل سلطانہٗ کی صنعت و ایجاد سے وجود میں آئے ہیں اور ان میں صفاتِ کاملہ حضرت وجود تعالیٰ و تقدس کے کمالات کے ظلال سے مستعار ہیں جو انعکاس کے طریق پر ظہور پاکر قادر مختار جل سلطانہٗ کی ایجاد سے موجود ہوئے ہیں ــــــــــ اور اشیا کے حسن و قبح کا مصداق یہ ہے کہ وہ چیز جو آخرت سے تعلق رکھتی ہے اور آخرت کے لئے ذریعہ ووسیلہ ہے وہ حَسن (اچھی) ہے اگرچہ بظاہر اچھی معلوم نہ ہو، اور جو چیز دنیا سے تعلق رکھتی ہے اور دنیا کے حصول کا ذریعہ ووسیلہ ہے وہ قبیح (بُری) ہے اگرچہ بظاہر اچھی معلوم ہو اور حلاوت و طراوت کے ساتھ ظاہر ہو جیسا کہ دنیوی مزخرفات (جھوٹی زیب و زینت) کا یہی حال ہے ــــــــــ یہی وجہ ہے کہ شریعتِ مصطفویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ میں بے ریش لڑکوں اور اجنبی عورتوں کے حُسن اور دنیا (کمینی) کی زیب و زینت کی طرف رغبت و خواہش سے نظر کرنا منع فرمادیا گیا ہے کیونکہ یہ حسن و طراوت عدم کے مقتضیات سے ہے جو ہر شر و فساد کی جگہ ہے۔ اگر اس حسن و جمال کا منشا کمالاتِ وجودیہ ہوتے تو اس سے منع نہ فرماتے۔ اس لئے کہ اصل کے موجود ہوتے ظل کی طرف توجہ کرنا برا اور مکروہ ہے - اور یہ منع کرنا استحسان کے طور پر ہے نہ کہ واجب، برخلاف پہلے منع کرنے کے (جو کہ وجوبی ہے)۔ لہذا وہ حُسن جو دنیاوی مظاہر جمیلہ میں ظاہر ہوتا ہے وہ اس ذات تعالیٰ و تقدس کے حُسن کے ظلال سے نہیں ہے بلکہ عدم کے لوازمات سے ہے جس نے حَسن کی مجاورت (معیّت) کی وجہ سے ظاہر میں حُسن پیدا کرلیا ہے، اور حقیقت میں قبیح و ناقص ہے جیسے کہ زہر کو شکر کے غلاف میں ڈھانپ دیا جائے یا نجاست پر سونے کا غلاف چڑھا دیں ــــــــــ اور یہ جو خوبصورت عورتوں اور لونڈیوں سے نکاح کرنے کا حکم فرمایا گیا ہے وہ اولاد حاصل کرنے اور بقائے نسل کے لئے ہے جو نظامِ عالم کو باقی رکھنے کے لئے ضروری ہے۔

بے ریش لڑکوں اور خوبصورت عورتوں کو دیکھنا منع ہے

---

[1] معرب نے کہا کہ بعینہ ان الفاظ سے میں نے روایت نہیں دیکھی۔

لہذا بعض صوفیہ جو مظاہرِ جمیلہ اور دلکش نغمات میں اس خیال سے گرفتار ہیں کہ یہ حسن وجمال حضرت واجب الوجود تعالیٰ وتقدس کے کمالات سے مستعار ہے جو ان مظاہر میں ظاہر ہوا ہے اور اس گرفتاری کو نیک اور مستحسن خیال کرتے ہیں بلکہ وصول الی اللہ کا ذریعہ تصور کرتے ہیں ــــ اس فقیر کے نزدیک اس کے خلاف ثابت ہوا ہے۔ چنانچہ اس قسم کا تھوڑا سا مضمون اوپر بیان ہو چکا ہے۔

عجب معاملہ ہے کہ بعض صوفیہ اپنی مطلب براری کے لئے اس قول کو سند کے طور پر پیش کرتے ہیں جس میں کہا گیا ہے: اِیَّاکُمْ وَالْمُرْدَ فَاِنَّ فِیْھِمْ لَوْنًا کَلَوْنِ اللّٰہِ (تم ان بے ریشوں سے بچو کیونکہ ان میں اللہ تعالیٰ کے رنگ کی طرح کا رنگ ہے)۔ کلمہ "کَلَوْنِ اللّٰہِ" (اللہ تعالیٰ کے رنگ کی مانند) ان کو شبہ میں ڈال دیتا ہے، اور نہیں جانتے کہ یہ قول ان کے مطلب کے منافی ہے اور اس درویش کی معرفت کی تائید میں ہے کیونکہ کلمہ تحذیر "(بچنے کی تاکید) لاکر اُن کی طرف توجہ کرنے سے منع کیا گیا ہے اور ان کی غلط منشا کو بیان کیا گیا ہے کہ ان کا حُسن حق تعالیٰ سبحانہٗ کے حسن وجمال کی مانند ہے نہ کہ بعینہٖ اس کا حُسن۔ تاکہ غلطی میں نہ پڑ جائیں۔

آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: مَا الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃُ اِلَّا ضَرَّتَانِ اِنْ رَضِیَتْ اِحْدٰھُمَا سَخِطَتِ الْاُخْرٰی[1] (یعنی دنیا اور آخرت دو سوکنوں کی طرح ہیں اگر ایک راضی ہوگی تو دوسری ناراض ہو جائے گی) اس حدیث میں بھی اس بات کی تصریح ہے کہ دنیاوی حُسن وجمال اور اُخروی حسن وجمال دونوں ایک دوسرے کے نقیض اور ضد ہیں اور مقرر ہے (یعنی نصوص آیات واحادیث سے ثابت ہے) کہ حُسنِ دنیاوی ناپسندیدہ ہے اور حُسنِ اُخروی (اللہ تعالیٰ کی) مرضیات سے ہے۔ لہذا "شر" حسنِ دنیوی کے لئے لازم ہوگا اور "خیر" حُسنِ اُخروی کے لئے لازم۔ پس لازمًا اول کا منشا عدم ہوگا اور دوسرے کا منشا وجود ــــ ہاں بعض چیزیں ایسی ہیں کہ ایک وجہ کی بنا پر دنیا سے تعلق رکھتی ہیں اور دوسری وجہ سے آخرت سے متعلق ہیں۔ یہ اشیا (چیزیں) پہلی وجہ کے لحاظ سے قبیح (بُری) ہیں اور دوسری وجہ کے اعتبار سے حَسَن (اچھی) ہیں۔ اور ان دونوں کے درمیان، اور ان میں سے حسن وقبح کے درمیان تمیز کرنا علمِ شریعت پر موقوف ہے ــــ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

[1] اس حدیث کو امام احمدؒ وبیہقیؒ نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت کیا ہے۔

مَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا (سورہ حشر آیت ۵۹) (رسولؐ جو کچھ تم دے وہ لے لو اور جس سے منع کرے اس سے باز رہو) ــــــــ

حدیث شریف میں وارد ہے کہ جب سے اللہ تعالیٰ نے دنیا کو پیدا کیا ہے اس کی طرف نظر نہیں کی اور وہ حق تعالیٰ کی مبغوضہ ہے[۱] ــــــــ اور یہ سب کچھ اس کی برائی، شرارت اور فساد کی وجہ سے ہے جو عدم کے نقاضوں میں سے ہے جو کہ ہر شر و فساد کا محل ہے، اور دنیاوی حسن و جمال اس کی شیرینی اور تازگی راستہ کے کوڑے کرکٹ کی مانند ہیں جو منظورِ نظر نہیں ہیں، وہ تو آخرت کا جمال ہی ہے جو شایانِ نظر اور حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی مرضی کا مقام ہے۔ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ دنیاداروں کا حال بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے: تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ (انفال آیت ۶۷) (تم دنیا کا مال و اسباب چاہتے ہو اور اللہ تعالیٰ (تمہارے لئے) آخرت چاہتا ہے) ــــــــ

اَللّٰهُمَّ صَغِّرِ الدُّنْيَا بِاَعْيُنِنَا وَكَبِّرِ الْاٰخِرَةَ فِيْ قُلُوْبِنَا بِحُرْمَةِ مَنِ افْتَخَرَ بِالْفَقْرِ وَتَجَنَّبَ عَنِ الْغِنَا عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِيْمَاتُ اَتَمُّهَا وَاَكْمَلُهَا (یا اللہ! تو دنیا کو ہماری آنکھوں میں حقیر کر دے اور آخرت کی بزرگی اور بڑائی ہمارے دلوں میں ڈال دے بحرمت رسولِ اکرم علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات اتمہا واکملہا جنھوں نے فقر پر فخر کیا اور دولت مندی سے اجتناب کیا)۔

اور چونکہ شیخِ اجل شیخ محی الدین ابن عربیؒ کی نظر ان کے فساد اور نقص و شرارت کی حقیقت پر نہیں پڑی اس لئے انھوں نے حقائقِ ممکنات کو حق جل وعلا کی صورتِ علمیہ سمجھ لیا ہے۔ کیونکہ ان صورتوں نے حضرتِ ذات تعالیٰ و تقدس کے آئینے میں جو خارج میں اس کے جز کے سوا کچھ بھی موجود نہیں ہیں (انھوں نے) انعکاس پیدا کر کے خارج میں ظہور پیدا کر لیا ہے اور وہ ان صورِ علمیہ کو صورِ شیون اور صفاتِ واجبی جل سلطانہ کے علاوہ نہیں جانتے ہیں۔ لہٰذا لازمی طور پر انھوں نے وحدت الوجود کا حکم کیا ہے اور ممکنات کے وجود کو واجب تعالیٰ و تقدس کا عین کہا ہے اور شر و نقص کو اضافی و نسبتی قرار دے کر شرارتِ مطلق اور نقصِ محض کی نفی کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کسی چیز کو بالذات بری نہیں جانتے، یہاں تک کہ کفر و ضلالت کو ایمان و ہدایت کی نسبت برا جانتے ہیں، ان کی اپنی ذاتی نسبت کو برا نہیں جانتے کیونکہ وہ ان کو عین خیر و صلاح سمجھتے ہیں اور ان تمام چیزوں کے لئے اپنے ارباب کو ان کی نسبت استقامت کا حکم کرتے ہیں اور

[۱] اس حدیث کی تخریج سے متعلق مکتوب ۱۹۷ کا حاشیہ ملاحظہ ہو۔

آیۂ کریمہ مَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا اِنَّ رَبِّيْ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (سورہ ہود آیت ۵۶) (جتنے روئے زمین پر چلنے والے ہیں سب کی چوٹی اس (اللہ تعالیٰ) نے پکڑ رکھی ہے یقیناً میرا رب صراط مستقیم پر ہے) کو اس معنی پر شاہد لاتے ہیں ——— ہاں جو کوئی وحدت الوجود کا حکم کرتا ہے وہ اس قسم کی باتوں سے کس طرح کنارہ کر سکتا ہے ——— اور جو کچھ اس حقیر کے اوپر منکشف کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ "ماہیات" ممکنات کے عدمات ہیں جو کمالاتِ وجودیہ کے ساتھ ان میں منعکس ہو گئے ہیں اور رل مل گئے ہیں۔ جیسا کہ مفصل گذر چکا ہے۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ يُحِقُّ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيْلَ (اللہ سبحانہ ہی حق بات کو ثابت کرتا ہے اور وہی سیدھے راستے کی ہدایت دیتا ہے)۔

اے فرزند! یہ علوم و معارف (کہ جن کی نسبت) اہل اللہ میں سے کسی نے بھی صراحت کے ساتھ گفتگو نہیں کی اور نہ ہی اشارہ کیا، یہ "اشرفِ معارف" (نہایت اعلیٰ درجے کے) معارف ہیں اور "اکملِ علوم" میں سے ہیں جو ہزار سال کے بعد "منصۂ شہود" پر آئے ہیں اور واجب تعالیٰ و تقدس کی حقیقت اور ممکنات کے حقایق کو جسقدر کہ ممکن اور اس کے لائق ہے بیان کیا گیا ہے۔ یہ معارف کتاب و سنت کی مخالفت نہیں کرتے اور نہ ہی اہلِ حق کے اقوال کے مخالف ہیں ——— معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام کی اس دعا سے یہی مراد ہے جو آپ نے امت کو تعلیم فرمائی ہے: اَللّٰهُمَّ اَرِنَا حَقَائِقَ الْاَشْيَاءِ كَمَا هِيَ (یا اللہ تو ہم کو اشیاء کی حقیقت دکھا جیسی کہ وہ ہیں) ——— یہ وہ حقائق ہیں جو ان علوم کے ضمن میں بیان ہو گئے ہیں اور جو عبودیت کے مقام کے مناسب ہیں اور جو نقص و ذلت اور انکسار کہ بندگی کے حال کے مناسب ہے دلالت کرتے ہیں۔ وہ بندۂ عاجز جو اپنے آپ کو مولائے قادر کا عین جانے کمال درجہ بے ادبی ہے اور اس میں کوئی خیر نہیں۔

اے فرزند! یہ وہ وقت ہے جبکہ سابقہ امتوں میں ایسے ظلمت و تاریک بھرے وقت میں اولوالعزم پیغمبر مبعوث ہوتے تھے اور احیاء شریعت کرتے تھے۔ اور اس امت میں جو کہ خیر الامم ہے اور اس کے پیغمبر خاتم الرسل علیہ وعلی آلہ الصلوات والتسلیمات ہیں (آپ نے اس امت کے علماء کو انبیاء بنی اسرائیل[۱] کا مرتبہ دیا ہے اور علماء کے وجود کو انبیاء کے وجود سے کفایت فرمایا ہے، اسی لئے ہر صدی کے سرے پر (ختم یا شروع میں) اس امت کے علماء میں سے ایک مجدد کا تعین کرتے ہیں تا کہ احیائے شریعت فرمائے

ؒ۱ بخاری میں العلماء ورثۃ الانبیاء حدیث آئی ہے جس کو ابوداؤد، ترمذی، ابن حبان اور حاکم نے اپنی صحیح میں ...

بالخصوص ایک ہزار سال گذر جانے کے بعد جو کہ امم سابقہ میں اولوالعزم پیغمبر کی بعثت کا وقت قرار دیا گیا ہے ایسے وقت میں ہر پیغمبر کو کافی نہیں سمجھا گیا (بلکہ اولوالعزم پیغمبر مبعوث کیا گیا) اب بھی اسی طرح کے وقت میں ایک تام المعرفت عالم و عارف کی ضرورت ہے جو امم سابقہ کی طرح اولوالعزم (پیغمبر کے قائم مقام) ہو۔ شعر

فیض روح القدس ار باز مدد فرماید　　دیگراں ہم بکنند آنچہ مسیحا می کرد

(وحی کا فیض اگر پھر سے میسر ہو جائے　　دوسرے بھی وہ کریں جو کہ مسیحؑ نے کیا)

اے فرزند! "وجود صرف" "عدم صرف" کے مقابل ہے اور جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے کہ وجودِ صرف واجب الوجود تعالیٰ و تقدس کی حقیقت ہے جو ہر خیر و کمال کا عین ہے، اگرچہ اس عینیت کا ملاحظہ بھی نہایت اختصار سے ہوتا ہے کیونکہ اس مقام پر گنجائش نہیں ہے کہ وہاں ظلیت کی آمیزش رکھتی ہو اور عدمِ صرف جو اس وجود کے مقابل ہے وہ وہ عدم ہے جس کی طرف کسی نسبت و اضافت نے راہ نہیں پائی اور وہ ہر شر و نقص کا عین ہے، اگرچہ یہ عینیت بھی وہاں (عدم　گنجائش نہیں رکھتی کیونکہ وہ اضافت کی بو رکھتی ہے ــــــ اور یہ بات معلوم ہے کہ کسی چیز کا ظہور پورے طور پر اس چیز کے حقیقی مقابلے میں صورت اختیار کر لیتا ہے اور بِضِدِّهَا تَتَبَيَّنُ الْأَشْيَاءُ (اشیاء اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہیں) لہٰذا لازمی طور پر "وجود صرف" کا ظہور پورے طور پر عدم صرف کے آئینے میں حاصل ہوتا ہے ــــــ اور یہ بات طے شدہ ہے کہ نزول عروج کے اندازے کے مطابق ہوتا ہے لہٰذا اگر کسی کا عروج اللہ سبحانہٗ کی عنایت سے وجودِ صرف کے سامنے متحقق ہو جائے تو لازمی طور پر اس کا نزول بھی عدمِ صرف میں ہوگا جو اس کے مقابل ہے۔ لیکن عروج کے وقت وہاں عارف کا استہلاک ہے جس میں جہل لازم ہے، اور نزول کے وقت صحو متحقق ہے جو مقامِ علم و معرفت ہے اس مقام صحو میں اس کو اس تجلّی ذاتی سے جو ظلیت کی آمیزش سے مبرا اور شیون و اعتباراتِ ذاتیہ کے ملاحظہ سے منزہ ہے مشرف کر دیتے ہیں اور اس کو آگاہ کر دیتے ہیں کہ اس سے پہلے جو تجلی حاصل ہوتی تھی وہ اسماء، وصفات اور شیون و اعتبارات کے ظلال میں سے کسی ظل کے پردے میں تھی، اگرچہ عارف اس تجلی کو اسماء، وصفات اور شیون کے ملاحظہ کے بغیر جانتا ہے اور اس کو حضرت "وجودِ صرف" کی تجلی خیال کرتا ہے۔

سبحان اللہ! یہ "عدم" جو ہر شر و نقص کی جگہ ہے جس نے حضرت وجود تعالیٰ کے ظہور تام کے واسطے سے حُسن کے معنی پیدا کرلئے ہیں، اور وہ کچھ پایا ہے جو کسی نے نہیں پایا (نیز) جو فی نفسہ اپنی ذات میں قبیح تھا وہ حُسنِ عارضی کے واسطے سے مستحسن ہوگیا۔ اور انسان کا نفس امارہ جو بالذات شرارت کی طرف مائل ہے اس عدم کے ساتھ سب سے زیادہ کامل مناسبت رکھتا ہے تجلیٔ خاص میں سب سے فائق ہوگیا اور سب پر ترقی کرگیا۔ ع

کہ مستحقِ کرامت گنہگارانند (کرم کے مستحق بس عاصیاں ہیں)

جاننا چاہئے کہ "عارف تام المعرفت" عروج کے مقامات اور نزول کے مراتب کو تفصیل کے ساتھ طے کرنے کے بعد جب عدمِ صرف میں نزول کرتا ہے اور حضرتِ وجود کی آئینہ داری کرتا ہے تو اس وقت اس میں تمام اسمائی و صفاتی کمالات ظہور کرتے ہیں اور تفصیل کے ساتھ وہ تمام لطائف کو ظاہر پاتا ہے کہ جن کا متضمن مقامِ اجمال ہے ـــــــــــ اور یہ دولت اس کے علاوہ دوسرے کو میسر نہیں ہے اور یہ آئینہ داری ایک قابلِ فخر عمدہ لباس ہے جو اس کے قد پر سلا ہوا ہے۔ اگرچہ اس تفصیل نے حضرتِ علم کے خزینہ میں صورت حاصل کرلی ہے لیکن وہ آئینہ داری مرتبہ علم میں ہے اور اس عارف کی آئینہ داری مرتبۂ خارج میں ہے جس نے خارج میں تمام کمالات کو ظاہر کیا ہے۔

سوال: "مرآتیتِ عدم" کے کیا معنی ہیں، اور عدم جو کہ محض لاشے ہے اس کو کس اعتبار سے وجود کا آئینہ کہا ہے؟۔

جواب: عدم خارج کے اعتبار سے محض لاشے ہے لیکن اس نے علم میں ایک امتیاز پیدا کرلیا ہے بلکہ وجود ذہنی ثابت کرنے والوں کے نزدیک اس کو وجودِ علمی بھی حاصل ہوگیا ہے۔ اور اس کو وجود کا آئینہ اس اعتبار سے کہا ہے کہ عدم کے مرتبہ میں جو کچھ نقص و شرارت ثابت ہوگا وہ وجود سے جو اس کا نقیض ہے لازمی طور پر مسلوب ہوگا۔ اور ہر کمال جو عدم کے مرتبہ میں مسلوب ہوگا وہ حضرتِ وجود میں مثبت ہوگا۔ لہٰذا لازمی طور پر عدم کمالاتِ وجودی کے ظاہر کرنے کا سبب بن گیا۔ اور آئینہ ہونے کے یہی معنی ہیں اس کے علاوہ اور کوئی معنی نہیں۔ فَافْهَمْ فَاِنَّہٗ یَنْفَعُكَ وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ الْمُلْهِمُ (پس سمجھ لو کیونکہ یہ تمہارے لئے نفع بخش ہے اور اللہ سبحانہٗ الہام کرنے والا ہے)۔

اے فرزند! یہ معارف جو تحریر میں آئے ہیں امید ہے کہ الہاماتِ رحمانی سے ہوں گے جن میں ہرگز

مکتوبات شریفہ کی اہمیت

وساوسِ شیطانی کا شائبہ تک نہیں ہوا۔ اور اس معنی کی دلیل یہ ہے کہ جب یہ علوم تحریر کئے جا رہے تھے تو یہ فقیر خداوند جل سلطانہٗ کے حضور میں ملتجی ہوا اور دیکھا کہ گویا ملائکہ کرام علی نبینا و علیہم الصلوٰۃ والسلام اس مقام کے اطراف سے شیطان کو دفع کرتے ہیں اور اس مکان کے گرد نہیں آنے دیتے۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ اَعْلَمُ بِحَقِيْقَةِ الْحَالِ (اور اللہ سبحانہٗ ہی حقیقۃ الحال کو خوب جانتا ہے)۔

——— اور چونکہ اللہ تعالیٰ کی بزرگ ترین نعمتوں کے ظاہر کرنے میں بڑی اعلیٰ درجے کی شکر گذاری ہے اس لئے اس نعمتِ عظمیٰ کے اظہار کی جرأت کی ہے۔ امید ہے کہ یہ بات عُجب کے گمان سے پاک ہوگی۔ اس میں عُجب کی گنجائش کس طرح ہو سکتی ہے جبکہ اللہ تعالیٰ سبحانہٗ کی عنایت سے اپنا ذاتی نقص اور شرارت ہمہ وقت اپنی آنکھوں کے سامنے ہے، اور سب کمالات اللہ تعالیٰ ہی کی طرف منسوب ہیں ——— اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ اَوَّلًا وَّاٰخِرًا وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ دَائِمًا وَّسَرْمَدًا وَّعَلٰى اٰلِهِ الْكِرَامِ وَاَصْحَابِهِ الْعِظَامِ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَائِرِ مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِيْمَاتُ اَتَمُّهَا وَاَكْمَلُهَا (اول و آخر تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لئے ہیں اور اس کے رسول اور ان کی بزرگ اولاد اور اصحاب عظام پر ہمیشہ صلوٰۃ وسلام ہو، اور ان سب پر بھی جو ہدایت کے راستے پر چلے اور حضرت محمد مصطفیٰ علیہ وعلی آلہ الصلوات و التسلیمات کی متابعت کو لازم پکڑے)۔

مکتوب ۲۳۵

دو صد و سی و پنجم

ملا عبد الغفور[1] سمرقندی و حاجی بیگ فرکتی و خواجہ محمد اشرف کابلی کی طرف صادر فرمایا ——— اس بیان میں کہ اس گروہ (اہل اللہ) کی محبت دنیا و آخرت کی سعادتوں کا سرمایہ ہے اور احکامِ شرعیہ کے بجالانے اور باطنی جمعیت (اطمینان) حاصل کرنے کی توفیق اس محبت کے ثمرات ہیں، اور اس کے مناسب بیان میں۔

---

[1] ملا عبد الغفور سمرقندی کے نام تین مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۱۴۲ میں گذر چکا ہے ——— اور حاجی بیگ فرکتی کے نام چار مکتوبات ہیں دفتر اول مکتوب ۲۳۵ - ۳۰۹ - دفتر دوم مکتوب ۲۴ - ۳۰ - آپ بظاہر اہلِ سپاہ میں سے تھے لیکن بباطن حضرت مجددؒ کی خانقاہ کے بڑے لوگوں میں سے تھے ——— خواجہ محمد اشرف کے نام دس مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۱۳۱ پر گذر چکا ہے۔ تینوں حضرات حضرت مجدد کے خلفا میں سے ہیں۔

حمد و صلوٰۃ اور تبلیغِ دعوات کے بعد حقیقی دوستوں اور تحقیق شدہ مشتاقوں کو معلوم ہو کہ آپ کے مکتوباتِ شریفہ جو فرطِ محبت اور اشتیاق سے لبریز تھے موصول ہو کر خوشی اور مسرت کا باعث ہوئے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس محبت پر ثابت قدم رکھے۔ اس محبت کو دنیوی و اُخروی سعادتوں کا سرمایہ جان کر حضرتِ حق سبحانہٗ و تعالیٰ (کے حضور میں) استقامت اور مداومت کی دعا کرنی چاہئے ــــــ احکامِ شرعیہ کی بجا آوری کی توفیق اسی محبت کا نتیجہ ہے اور باطنی جمعیت (اطمینان) حاصل کرنے کا ثمرہ بھی یہی محبت ہے۔ اگر تمام دنیا اور اس کی ظلمتیں اور کدورتیں باطن میں ڈال دیں اور اس محبت کو قائم رکھیں تو کوئی غم نہیں بلکہ امیدوار رہنا چاہئے اور اگر تمام پہاڑوں کے برابر انوار و احوال کو باطن میں ڈال دیں اور اس محبت میں سے بال برابر لے لیں تو سوائے خرابی کے کچھ نہیں جاننا چاہئے اور اس کو استدراج شمار کرنا چاہئے ــــــ اس تعلق کو مضبوط کر کے اپنے کام میں مشغول رہیں اور بے فائدہ کاموں میں عمرِ عزیز کو ضائع نہ کریں ؎

ہمہ اندر زمن بتو این است　　کہ تو طفلے و خانہ رنگین است

(اک نصیحت ہے گو کہ سنگیں ہے　　تو ہے بچہ، مکان رنگیں ہے)

وَالسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَعَلٰی سَائِرِ مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَۃَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ مِنَ الصَّلَوَاتِ اَفْضَلُھَا وَمِنَ التَّسْلِیْمَاتِ اَکْمَلُھَا (اور سلام ہو آپ پر اور ان سب پر جو ہدایت کی پیروی کریں اور حضرت محمد مصطفیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ من الصلوات افضلہا ومن التسلیمات اکملہا کی متابعت کو اپنے اوپر لازم جانیں)۔

مکتوب ۲۳۶

دو صد و سی و ششم

مخدوم زادہ میاں شیخ محمد صادق[1] سلمہ اللہ تعالیٰ کی طرف بعض اسرار کے بیان میں صادر فرمایا۔

حمد و صلوٰۃ کے بعد میرے فرزندِ ارشد کو معلوم ہو کہ تمہارے خط سے جو تم نے اپنے احوال کی تفصیل میں لکھا تھا (اس سے) ایسا مفہوم ہوتا ہے کہ تم کو ولایتِ خاصہ محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کے ساتھ مناسبت پیدا ہو گئی ہے، اس بات سے خداوند جل سلطانہ کا شکر بجا لایا، کیونکہ مدت سے

---

[1] آپ کے نام پانچ مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۱۸۱ پر گذر چکا ہے۔

آرزو تھی کہ یہ حاصل شدہ دولت تم کو مل جائے۔ اور (خاص طور پر) اس زمانے میں امیدوار ہو کر اس کے لئے متوجہ ہوا کہ تمہارے اندر یہ دولت جذب ہو جائے۔ اتفاقاً اسی جستجو میں تم کو ولایتِ موسوی علیٰ نبینا وعلیہ الصلوات والتسلیمات میں داخل پایا پھر اس جگہ سے کھینچ کر ولایتِ خاصہ کے دائرہ میں داخل کر دیا۔ لِلّٰهِ سُبْحَانَهُ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ عَلٰی ذٰلِكَ (اس پر اللہ سبحانہٗ کی حمد اور احسان ہے)

ـــــ اور چونکہ تم کو اس ولایت میں زبردستی لایا گیا ہے اس لئے بیس روز سے زیادہ عرصہ ہو گیا کہ میں تم کو اپنے پہلو میں نگاہ رکھ کر پرورش کرتا ہوں۔ شاید اس نسبت کے متعلق تھوڑا بہت تم کو معلوم ہو گیا ہو۔ اب چونکہ یہ نسبت قوی ہو گئی ہے اس لئے امید ہے کہ تم کو بھی معلوم ہو گیا ہو گا۔

ـــــ اور حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے جو انعامات اس عاصی پر تواتر کے ساتھ مسلسل پہنچ رہے ہیں ان کی نسبت کیا لکھے ؎

من آں خاکم کہ ابرِ نو بہاری ‌ کند از لطف بر من قطرہ باری
اگر بر روید از تن صد زبانم ‌ چو سوسن شکر لطفش کے توانم [عہ]

دوسرے یہ کہ فرزند عزیز محمد سعید نے اپنے مکتوب میں جو احوال ظاہر کئے تھے بہت زیادہ صحیح ہیں۔ اس خصوصیت کے ساتھ دوستوں میں سے بہت کم لوگوں کو حاصل ہوئے ہیں۔ (فقیر) امیدوار ہے کہ حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ اس کو بھی ولایتِ خاصہ سے مشرف فرمائے گا ـــــ اور میرے فرزند محمد معصوم خود خداوند جل سلطانہٗ کے فضل سے ذاتی طور پر اس دولت کے قابل ہے حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ اپنے حبیب پاک علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کے طفیل قوت سے فعل میں لائے۔

مکتوب ۲۳۷
دو صد و سی و ہفتم

ملا محمد طالب بیانی[لہ] کی طرف سنتِ سنیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کی متابعت کی ترغیب میں اور طریقۂ عالیہ نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کی تعریف میں صادر فرمایا۔

ثَبَّتَنَا اللّٰهُ سُبْحَانَهُ وَاِيَّاكُمْ عَلٰی جَادَّةِ الشَّرِيْعَةِ الْحَقَّةِ الْمُصْطَفَوِيَّةِ عَلٰی صَاحِبِهَا الصَّلٰوةُ

لہ آپ کے نام صرف یہی ایک مکتوب ہے باقی حالات معلوم نہ ہو سکے۔

عہ (ترجمہ: وہ مٹی ہوں کہ گر ابرِ بہاری۔ کرے مجھ پر کرم سے قطرہ باری۔ بنیں تسبیح جیسی سو زبانیں۔ مگر شکرِ خدا کیا کرنے پائیں

وَالسَّلَامُ وَالتَّحِیَّۃُ وَعَلٰی اٰلِہِ الْکِرَامِ وَاَصْحَابِہِ الْعِظَامِ اللہ سبحانہ ہم کو اور آپ کو حضرت محمد مصطفیٰ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ اور آپ کی اولادِ کرام و اصحاب عظام کے سیدھے راستے پر ثابت قدم رکھے)۔

میرے سعادتمند بھائی! طریقۂ عالیہ نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے بزرگوں نے روشن سنت کی پیروی کو لازم و ضروری قرار دیا ہے اور عمل کو عزیمت پر اختیار فرمایا ہے۔ اگر اس التزام و اختیار کے ساتھ ان کو احوال و مواجید سے بھی مشرف کر دیں تو نعمتِ عظیم جانتے ہیں۔ اور اگر احوال و مواجید ان کو بخش دیں اور اس التزام و اختیار (سنتِ سنیہ) میں کوئی فتور واقع ہو تو وہ ان احوال کو پسند نہیں کرتے اور ان مواجید کو نہیں چاہتے اور اس فتور میں اپنی خرابی کے علاوہ کچھ نہیں جانتے ـــــ کیونکہ ہندوستان کے برہمنوں، جوگیوں اور یونان کے فلاسفہ اور حکماء تجلیاتِ صوری اور مکاشفاتِ مثالی اور علومِ توحیدی بہت رکھتے ہیں لیکن ان کو ان (علوم) سے سوائے خرابی اور رسوائی کے کچھ نتیجہ حاصل نہیں ہوتا، اور ان کے وقت کی دولت سوائے بُعد و حرمان کے کچھ نہیں۔

اے بھائی! جب آپ نے فضلِ الٰہی جل سلطانہٗ سے اپنے آپ کو ان اکابر کی ارادت کے رشتہ میں داخل کر لیا ہے تو ضروری ہے کہ ان کی پیروی کو اپنے اوپر لازم کریں اور سرِ مو بھی ان کی مخالفت نہ کریں تاکہ ان کے کمالات سے بہرہ مند ہو کر فیضیاب ہوں ـــــ سب سے پہلے اپنے عقائد کی تصحیح اہلِ سنت و جماعت کثّرہم اللہ سبحانہ کے اعتقادات کے مطابق کریں ـــــ دوسرے فرض، واجب، سنت، مندوب، حلال و حرام اور مشتبہ کا علم جو علمِ فقہ میں مذکور ہے حاصل کریں اور اس علم کے تقاضوں کے مطابق عمل کریں ـــــ تیسرے درجے میں علومِ صوفیہ کی طرف نوبت پہنچتی ہے۔ کیونکہ جبتک وہ دونوں بازو صحیح نہ ہوں گے عالمِ قدس کی طرف پرواز محال ہے۔ اگر ان دو بازوؤں کے بغیر احوال و مواجید میسر ہوں تو ان میں اپنی خرابی جاننی چاہیئے اور ان احوال و مواجید سے پناہ مانگنی چاہیئے۔ ع

کار اینست غیر ایں ہمہ ہیچ (کام بس یہ ہے باقی سب کچھ ہیچ ہے)

مَا عَلَی الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلَاغُ (قاصد کا کام صرف پہنچا دینا ہے)

میرے بھائی محترم میاں شیخ داؤد[1] وہاں آئے ہوئے ہیں ان کی صحبت کو غنیمت جانیں، اور وہ

---

[1] آپ حضرت مجدد کے خلفا میں سے ہیں آپ کے نام مکتوب اور تذکرہ دفتر اول مکتوب ۲۱۸ پر گذر چکا ہے۔

جو کچھ نصیحت و دلالت (رہنمائی) کریں اس کو اختیار کریں کیونکہ انھوں نے ان اکابر کے مریدوں کی صحبت میں بہت عرصہ گذارا ہے اور ان کی راہ و روش کو معلوم کیا ہے۔ جو دوست وہاں پر (رہتے) ہیں اور وہ جو اس طریقۂ عالیہ میں میر نعمان کی خدمت کے توسل سے داخل ہو گئے ہیں وہ بھی شیخ داؤد کی صحبت کو غنیمت جانیں اور ایک ہی جگہ حلقہ میں بیٹھیں اور ایک دوسرے میں مل جائیں تاکہ جمعیت حاصل ہو کر معاملہ ترقی پذیر ہو ——— اور مکتوبات کا مطالعہ اپنے اوپر لازم جانیں کیونکہ یہ فائدہ مند ہے ع

دادیم ترا ز گنج مقصود نشاں (گنج مقصود کا پتہ یہ ہے)

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ اَتَمُّهَا وَاَکْمَلُهَا (اور سلام ہو اس پر جس نے ہدایت کی پیروی کی اور حضرت محمد مصطفٰی علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی پیروی کو اپنے اوپر لازم جانا)۔

مکتوب ۲۳۸

دو صد و سی و ہشتم

میر محمد نعمان[1] کی طرف صادر فرمایا ——— اس بیان میں کہ (دینی) بھائیوں کے اضافہ ہونے میں بہت سی امیدیں وابستہ ہیں اور اس امر کی تنبیہ میں کہ ایسا نہ ہو مریدوں کے احوال و معارف پیروں کے توقف اور عُجب کا باعث بن جائیں۔ اور اس بیان میں کہ مریدوں کے احوال کو (پیروں کے لئے) شرم کا باعث ہونا چاہیے تاکہ وہ (مریدوں کو) ترقیات پر ترغیب دیں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوةُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهِ الطَّیِّبِیْنَ الطَّاهِرِیْنَ وَعَلَیْهِمْ اَجْمَعِیْنَ (تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لئے ہیں اور حضرت سید المرسلین اور آپ کی پاکیزہ مطہر اولاد و اصحاب سب پر صلوٰۃ و سلام ہو) ——— جو مکتوب شریف آپ نے خواجہ رحمی کے ذریعہ ارسال کیا تھا موصول ہو کر بہت زیادہ خوشی کا باعث ہوا۔ اور چونکہ اس میں آپ سے ہدایت حاصل کرنے والوں اور آپ کے مریدوں کے احوال تفصیل کے ساتھ درج تھے اس لئے مزید خوشی حاصل ہوئی۔ کیونکہ (دینی) بھائیوں کی کثرت بموجب اَکْثِرُوْا اِخْوَانَکُمْ فِی الدِّیْنِ (دینی بھائیوں کی تعداد میں (تبلیغ کے ذریعے) کثرت کرو) بہت سی امیدیں وابستہ ہیں۔ اور آیت کریمہ: سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِاَخِیْكَ (پ ۲۰ قصص ۳۵)

[1] آپ کے نام تینتیس ۳۳ مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۱۱۹ پر گذر چکا۔

(ہم تیرے بازو کو تیرے بھائی سے مضبوط کر دیں گے) اس بات کی تائید میں ہے ——— لیکن چاہیئے کہ اپنے احوال و اعمال پر نظر رہے اور اپنی حرکت و سکون ملاحظہ میں رہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ مریدوں کی ترقیاں پیروں کے توقف کا باعث بن جائیں اور مسترشدان (ہدایت پانے والوں) کی گرمجوشی مرشدوں کے کارخانے میں سردی و سستی پیدا کر دے، اس معنیٰ سے بہت زیادہ ڈرتے رہنا چاہیئے۔ اپنے مریدوں کے احوال و مقامات کو شیر ببر کی طرح سمجھنا چاہیئے نہ یہ کہ ان پر فخر و مباہات کرنے لگیں۔ ایسا نہ ہو کہ اس راہ سے عُجب و غرور کا دروازہ کھل جائے، بلکہ چاہیئے کہ بحکم اَلْحَیَاءُ شُعْبَۃٌ مِّنَ الْاِیْمَانِ[1] (حیا و شرم، ایمان کا ایک جزو (حصہ) ہے)۔ مریدوں کی ترقیاں شرمندگی اور خجالت کا باعث ہوں، اور طالبوں کی طلب کی گرمجوشی غیرت و عبرت کا موجب ہو ——— (نیز) چاہیئے کہ اپنے اعمال کو قاصر و کوتاہ اور اپنی نیتوں کو تہمت زدہ سمجھیں (تاکہ عُجب دُور رہے) اور حال و قال کی زبان کو کلمہ هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ (ق آیت ۳۰) (کیا اور بھی ہے) سے تر و تازہ رکھیں ——— اگرچہ آپ کے پسندیدہ احوال و اطوار سے یہی امید ہے کہ آپ اسی طرح معاملہ کرتے ہوں گے، لیکن دشمنانِ دین نفسِ امارہ و شیطانِ لعین کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے تاکید میں مبالغہ کیا گیا ہے تاکہ ایسا نہ ہو کہ اس کی وجہ سے طالبوں کی توجہ کی سرگرمی میں سردی و سستی واقع ہو جائے کیونکہ مقصود ان دونوں حالتوں کا جمع کرنا ہے، صرف ایک ہی کی فکر میں لگے رہنا قصور و کوتاہی میں داخل ہے۔

خواجہ رحمی اور سید احمد کو چاہیئے کہ وہ آپ کی خدمت میں حاضر رہیں اور آپ ان کے حال پر پوری توجہ فرماتے رہیں۔ میر عبد اللطیف کو بھی اگر توبہ کی توفیق ہو گئی ہو تو اس کی بھی مدد کریں تاکہ استقامت حاصل ہو ——— آپ نے لکھا تھا کہ بعض طالب طریقہ قادریہ کی فرمائش کرتے ہیں۔ آپ کو چاہیئے کہ طریقہ نقشبندیہ کے علاوہ کوئی دوسرا طریقہ تعلیم کسی کو بھی نہ سکھائیں تاکہ دو طریقے خلط ملط نہ ہو جائیں۔ لیکن اگر کلاہ و شجرہ طلب کریں اور استخارہ بھی اجازت دے تو مرید کر لیں اور نصیحت فرمائیں۔

وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَعَلٰى سَائِرِ اَصْحَابِكُمْ وَاَحْبَابِكُمْ وَعَلٰى سَائِرِ مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ اَتَمُّهَا وَاَكْمَلُهَا (سلام ہو تم پر اور تمہارے اصحاب و احباب پر اور ان سب پر جنھوں نے ہدایت کی پیروی کی اور حضرت محمد مصطفٰے علیہ وعلی آلہ الصلوۃ والسلام اتمہا واکملہا کی پیروی کو لازم جانا)

مکتوب ۲۳۹

دو صد و سی و نہم

ملا احمد برکی[1] کی طرف صادر فرمایا ان کے خط کے جواب میں جس میں انھوں نے بعض سوالات کئے تھے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہِ الطَّاھِرِیْنَ وَعَلَیْھِمْ اَجْمَعِیْنَ (تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لئے ہیں اور حضرت سید المرسلین اور آپ کی تمام پاک و مطہر آل و اصحاب پر صلوٰۃ و سلام ہو) ——— گرامی نامہ جو محبت و شفقت کی بنا پر آپ نے بھیجا تھا اس کے مضامین کے مطالعہ سے بڑی مسرت ہوئی۔

(۱) آپ نے لکھا تھا کہ "احوال کا عرض کرنا حالات کے اندازے پر منحصر ہے الخ ......"

میرے مخدوم! احوال کے حاصل ہونے سے مقصود یہ ہے کہ محوّل احوال (احوال کا پھیرنے والا یعنی حق تعالیٰ) کے ساتھ گرفتاری اور تعلق حاصل ہو جائے اور جب یہ گرفتاری (تعلق مع اللہ) حاصل ہو جائے تو پھر احوال حاصل ہوں یا نہ ہوں کچھ پرواہ نہیں۔

(۲) آپ نے لکھا تھا کہ "آپ نے بالمشافہ ایسا فرمایا تھا کہ ہم نے تمہارے حق میں بہت زیادہ تخم ریزی کی ہے الخ ...." میرے مخدوم اِنّی الواقعہ، اسی طرح ہے، لیکن اس کے ثمرات کا حاصل ہونا زندگی میں یا موت کے بعد (جیسا اللہ تعالیٰ کو منظور ہو) بے شمار زمانوں کے گذرنے پر موقوف ہے اَبْشِرْ وَلَا تَعْجَلْ بِہٖ (خوش ہو جاؤ اور جلدی نہ کرو)۔

(۳) آپ نے مولانا محمد صالح کے مقولے کے بارے میں تحریر کیا تھا۔ چونکہ مولانا مذکور موجود نہیں ہیں کہ ان کے مقولے کا مفہوم دریافت کیا جائے۔ (لیکن) ان کے مقولے پر اعتراض نہ کرنا چاہئے اسی میں خیر ہے، اور دل میں اس کا کچھ خیال نہ کریں۔

(۴) اور سوءِ ادب کی بابت جو آپ نے تحریر کیا تھا۔ لہٰذا مخلص دوستوں کی لغزشیں سب معاف ہیں اس کا بھی کچھ خیال نہ کریں۔

---

[1] آپ کے نام پانچ مکتوبات ہیں: دفتر اول مکتوب ۲۳۹-۲۵۰-۲۵۴-۲۷۵- اور دفتر دوم میں مکتوب ۱۴ ہے۔ برک، کابل اور قندھار کے درمیان ایک شہر ہے آپ وہاں کے جید علما میں سے تھے، ایک دوست کے ذریعے آپ کو حضرت مجددؒ کا تعارف ہوا لہٰذا آپ بصد اشتیاق برک سے سرہند آ کر مرید ہو گئے اور ایک ہی ہفتہ میں کمال کو پہنچ کر خلافت سے سرفراز ہو گئے۔ ۱۰۳۶ھ میں وفات پائی۔

(۵) آپ نے اپنے حال کے متعلق استفسار کیا تھا۔ (جواباً یہ ہے) کہ اللہ سبحانہٗ کی حمد اور اس کا احسان ہے کہ آپ مقبولین میں سے ہیں۔ قُبِلَ مَنْ قُبِلَ بِلَا عِلَّۃٍ (جو قبول کیا گیا وہ بلا کسی وجہ کے قبول کیا
(۶) آپ نے لکھا تھا کہ دو شیخ زادے آئے تھے کہ ذکر کی تلقین حاصل کریں الخ ....

میرے مخدوم! استخارہ ہر امر میں مسنون و مبارک ہے۔ لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ استخارہ کے بعد خواب یا واقعہ یا بیداری میں ایسی بات ظاہر ہو جو اس کام کے کرنے یا نہ کرنے پر دلالت کرتی ہو، بلکہ استخارہ کے بعد قلب کی طرف رجوع ہونا چاہئے۔ اگر دل میں اس کام کے کرنے کی رغبت یا میلان پہلے سے زیادہ ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ کام کرنا چاہئے اور اگر قلبی رغبت اسی قدر رہے جیسی کہ (استخارہ سے) پہلے تھی اور اس میں کوئی کمی نہیں ہوئی تب بھی منع نہیں ہے ایسی صورت میں استخاروں کی تکرار کرنی چاہئے تاکہ رغبت و میلان کی زیادتی معلوم ہو جائے ——— استخاروں کے تکرار کی انتہا سات مرتبہ ہے، اگر پہلی مرتبہ میں استخارہ ادا کرنے کے بعد توجہ میں کمی معلوم ہو تو یہ بات منع پر دلالت کرتی ہے۔ ایسی صورت میں بھی استخاروں کو چند بار کریں تو گنجائش ہے بلکہ ہر صورت میں استخارہ مکرر کرنا اولیٰ و انسب ہے۔ اور اس کام کے کرنے یا نہ کرنے میں احتیاط ضروری ہے۔

(۷) رسالہ[1] "مبدا و معاد" کی اس عبارت کے معنی جو اس جسد کے بیان میں لکھی گئی ہے جو روح کا مکتسب ہے (یعنی روح جس جسد سے افعالِ جسمانی کا اکتساب کرتی ہے) آپ نے دریافت کئے ہیں ——— میرے مخدوم! روح کا ایسے افعال اختیار کرنا جو اجسام کے افعال کے مناسب ہیں وہ اسی جسدِ مکتسب کی قسم سے ہیں اور اکابر قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کی روحانی امداد بھی اسی قسم کے جسمانی افعال کی مناسبت سے ہے کہ مختلف وجوہات کی بنا پر مختلف طریقوں سے انھوں نے دشمنوں کو ہلاک کیا اور دوستوں کی امداد فرمائی وغیرہ۔

(۸) آپ نے ظالموں کے فتنے سے محفوظ رہنے کے لئے (دعا کی) درخواست کی تھی (دعا کی گئی ایسا) حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے آپ کو اور آپ کے اہلِ خاندان کو بلکہ آپ کے علاقہ کو ظالموں کے شر سے محفوظ کر دیا ہے لہذا آپ خاطر جمع ہو کر حق تعالیٰ و تقدس کی بارگاہ میں پوری طرح متوجہ اور مشغول رہیں

[1] حضرت مجددؒ نے رسالہ مبدأ و معاد، منہاج ۱۳ میں اس بحث کو تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔

اور امید ہے کہ اس حفاظت کو کسی خاص وقت تک کے لئے معین نہیں کریں گے (بلکہ دائمی ہوگی) اِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ (والنجم ۵۳ آیت ۳۲) (بیشک تمہارے رب کی مغفرت بہت وسیع ہے) ـــــ لیکن اس جگہ کے رہنے والوں کو نصیحت فرمادیں کہ مسلمانوں کی بھلائی اور ان کی خیر خواہی کی وضع میں تبدیلی نہ کریں کیونکہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا فرمان ہے: اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ (رعد ۱۳ آیت ۱۱) (بیشک اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت اس وقت تک نہیں بدلتا جبتک کہ وہ خود اپنی حالت کو نہ بدلیں)۔ والسّلام

مکتوب ۲۴۰

دو صد و چہلم

شیخ یوسف برکیؒ کی طرف صادر فرمایا ـــــ اس راہ (سلوک) کی بے نہایتی اور کلمۂ طیبہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کے بعض فوائد کے بیان میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى (تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) ـــــ وہ مکتوب جو آپ کی خیریت کے انجام والے احوال پر مشتمل تھا موصول ہوا، اور اس کا مطالعہ خوشی کا باعث ہوا۔ ع

در عشق چنیں بو العجبیہا باشد (عشق میں باتیں ہیں ایسی ہی عجیب)

لیکن چاہئے کہ ان احوال سے گذر کر احوال کے بدلنے والے (یعنی حق تعالیٰ) تک پہنچنا چاہئے کہ وہاں سب جہالت و نادانی ہے۔ اس کے بعد اگر معرفت سے مشرف فرمائیں تو کیا ہی نعمت و سعادت ہے۔ مختصر یہ کہ جو کچھ دید و دانش (دیکھنے اور سمجھنے) میں آئے قابلِ نفی ہے۔ اگرچہ وہ کثرت میں وحدت کا شہود ہی ہو۔ کیونکہ اس وحدت کی کثرت میں ہرگز گنجائش نہیں ہے۔ جو کچھ دیکھتے ہیں تا ہے اس وحدت کی مثال اور صورت ہے نہ کہ وہ خود ـــــ لہٰذا آپ کے حال کے مناسب اس وقت کلمۂ طیبہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا ذکر ہے۔ اور اس کلمہ کی اسقدر تکرار کریں کہ آپ کی دید و دانش میں کوئی اور چیز باقی نہ رہے اور سامان کو حیرت و نادانی میں ڈال دے اور معاملہ کو فنا کی طرف لے جائے۔

ـــــ

لہ آپ کے نام چار مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۲۳۰ پر گذر چکا ہے۔

جبتک (سالک) حیرت و جہل کی طرف نہ چلا جائے فنا نصیب نہیں ہوتی، اور جس کو آپ نے فنا سمجھا ہے اس کا فنا سے کوئی تعلق نہیں۔ اس کی تعبیر عدم سے ہے نہ کہ فنا سے۔ اور جب جہل تک پہنچنے کے بعد فنا حاصل ہو جائے تو وہ اس راہ (سلوک) کا پہلا قدم ہوگا۔ وصل کہاں اور اتصال کس کو ؂

کَیْفَ الْوُصُوْلُ اِلٰی سُعَادَ وَدُوْنَهَا ۔۔۔ قُلَلُ الْجِبَالِ وَدُوْنَهُنَّ خُیُوْفٌ

(کس طرح جاؤں در محبوب تک ۔۔۔ درمیاں ہیں پُرخطر کوہ اور غار)

آپ کے احوال درست ہیں لیکن ان سے گذرنا ضروری ہے۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ مِنَ الصَّلَوَاتِ وَالتَّسْلِیْمَاتِ اَتَمُّھَا وَاَکْمَلُھَا (اور سلام ہو اس پر جس نے ہدایت کی پیروی کی اور حضرت محمد مصطفٰے علیہ وعلی آلہ الصلوات والتسلیمات اتمہا واکملہا کی متابعت کو اپنے اوپر لازم جانا۔

دوسری نصیحت شریعت پر استقامت ہے اور اپنے احوال کو شرعی اصول کے مطابق درست کرنا ہے عِیَاذًا بِاللّٰهِ سُبْحَانَهٗ (اللہ سبحانہ کی پناہ) اگر قول و فعل میں شریعت کے خلاف کوئی بات ظاہر ہو تو اس میں اپنی خرابی جاننا چاہئے۔ استقامت والے حضرات کا یہی طریقہ ہے۔ والسلام

مکتوب ۲۴۱
دوصد و چہل و یکم

مولانا محمد صالح[1] کی طرف بعض دوستوں کی ترقی کے بیان میں صادر فرمایا۔

حمد و صلوٰۃ کے بعد میرے سعادت مند بھائی کو معلوم ہو کہ اس جگہ کے حالات حمد کے لائق ہیں اور یہاں کے سب دوست خوش و خرم ہیں، بالخصوص مولانا محمد صدیق[2] ان دنوں اللہ سبحانہ کی عنایت سے ولایتِ خاصہ سے مشرف ہو گئے ہیں اور اسمِ جزئی سے اسمِ کُلّی کے ساتھ ملحق ہو گئے ہیں اس کے باوجود نظر فوق کی جانب رکھتے ہیں۔ وہاں (فوق) سے نصیبِ وافر (بہت بڑا حصہ) حاصل کر کے شاید رجوع کی طرف رجحان کریں: وَاللّٰهُ یَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ یَّشَآءُ (بقرہ آیت ۱۰۵) (اور اللہ جس کو چاہتا اپنی رحمت کے ساتھ مخصوص کر لیتا ہے) ـــــــ کبھی کبھی اپنے اور ان دوستوں کے احوال جو طریقہ میں داخل ہو گئے ہیں اور ہونے رہتے ہیں لکھدیا کریں اور چند روز وہیں قیام پذیر رہیں۔ والسلام

---

[1] آپ کے نام دس مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۱۶۱ پر گذر چکا ہے آپ کا انتقال ۱۰۳۸ھ میں ہوا۔
[2] آپ کے نام تیرہ ۱۳ مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۱۳۲ پر گذر چکا ہے۔

مکتوب ۲۴۲

دو صد و چہل و دویم

ملا بدیع الدین[1] کی جانب ان کے بعض سوالات کے جواب میں صادر فرمایا۔

حمد و صلوٰۃ اور تبلیغ دعوات کے بعد میرے عزیز بھائی کو معلوم ہو کہ درویش کمال نے آپ کا مکتوب شریف پہنچایا بہت خوشی کا باعث ہوا ـــــــ آپ نے اپنے اعمال اور نیتوں کو "دیدِ قصور" کی وجہ سے متہم سمجھنے کے بارے میں تحریر کیا تھا، اس کی وضاحت ہوئی۔ حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ اس "دیدِ قصور" کے مشاہدے میں زیادتی فرمائے اور اس اتہام کی تکمیل فرمائے۔ کیونکہ اس راہِ (سلوک) میں یہ دونوں (یعنی دیدِ قصور اور اتہام نیّات و اعمال) بڑی دولتیں ہیں۔

آپ نے لکھا تھا اور دریافت کیا تھا کہ اسم ذات تعالیٰ وتقدس کا شغل کس حد تک کرنا چاہئے اور اس اسم مبارک کی کس مقدار کی مداومت سے حجابات دُور ہو جاتے ہیں، اور نفی و اثبات کی نہایتِ حد کہاں تک ہے، اور اس کلمۂ متبرکہ سے کیا کیا کشائشیں (وسعتیں) پیش آتی ہیں اور کس مقدار میں حجابات اُٹھ جاتے ہیں؟ ـــــــ جاننا چاہئے کہ ذکر سے مراد غفلت کا دور کرنا ہے اور چونکہ ظاہر کو غفلت سے چارہ نہیں ہے خواہ ابتدا میں ہو یا انتہا میں، لہٰذا ظاہر ہے کہ ہمہ وقت ذکر کا محتاج ہے۔ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ بعض اوقات اسم ذات عز و جل کا ذکر زیادہ نفع بخش ہے اور بعض دوسرے اوقات میں ذکر نفی و اثبات انسب ہے ـــــــ باقی رہا باطن کا معاملہ تو وہاں بھی جبتک غفلت بالکل دُور نہ ہو جائے ذکر کے بغیر چارہ نہیں ہے البتہ اس قدر ہے کہ ابتدا میں یہ دو ذکر متعین (ضروری) ہیں اور وسط و انتہا میں یہ دونوں ذکر متعین نہیں ہیں۔ اگر تلاوتِ قرآن مجید اور نماز کی ادائیگی سے غفلت دُور ہو جائے تو گنجائش ہے۔ لیکن قرآن مجید کی تلاوت متوسط حال والوں کے مناسب ہے اور نمازِ نوافل کی ادائیگی منتہی حال والوں کے مناسب ہے۔

جاننا چاہئے کہ حضرتِ ذات تعالیٰ وتقدس کا وہ حضور جو اسماء و صفات کے ملاحظہ سے ہو اگرچہ دائمی ہو لیکن احدیتِ مجردہ کی طرف متوجہ ہونے والوں کے نزدیک غفلت میں داخل ہے۔ اس غفلت کو

---

[1] آپ کے نام دس مکتوبات ہیں اور تذکرہ دفتر اول مکتوب ۱۷۲ میں گذر چکا ہے۔

کو بھی دُور کرنا چاہیئے، اور وراء الوراء کی طرف جانا چاہیئے ؎

فراقِ دوست اگر اندک است اندک نیست
درونِ دیدہ اگر نیم موست بسیار است

(فراقِ یار اگر کم ہے کم نہیں سمجھو
اگر ہے آنکھ میں کچھ بال، کم نہیں جانو)

آپ نے وہ واقعات جو پیش آتے رہتے ہیں تحریر کئے تھے ان کا جواب پہلے بھی لکھا جا چکا ہے کہ یہ سب بشرات (خوشخبری دینے والے) ہیں، ابھی ان کے ظہور کا وقت نہیں آیا منتظر رہیں اور کام میں مشغول رہیں ؎

کَیْفَ الْوُصُوْلُ اِلٰی سُعَادَ وَدُوْنَھَا
قُلَلُ الْجِبَالِ وَدُوْنَھُنَّ حُیُوْفٌ

(کس طرح جاؤں درِ محبوب تک
درمیاں ہیں پُر خطر کوہ اور غار)

والسلام

مکتوب ۲۴۳

دو صد و چہل و سیوم

ملا ایوب محتسب[1] کی طرف طریقۂ عالیہ نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کی ترغیب میں صادر فرمایا۔

حمد و صلوٰۃ اور تبلیغ دعوات کے بعد میرے عزیز بھائی کو معلوم ہو کہ چند بار آپ نے اپنے خطوط نصیحتوں کی طلب میں تحریر کئے، لیکن یہ حقیر اپنی خرابیوں پر نظر کر کے آپ کے سوالات کے جوابات میں پیشقدمی نہیں کرتا تھا، اب جبکہ آپ کی طرف سے بار بار طلب ہوئی تو چند بے ربط و نامربوط فقرے تحریر میں آگئے ——— غور سے سنیں اور جان لیں کہ ہر شخص کے لئے جو چیز ضروری ہے اور وہ اس کا مکلف ہے وہ اوامر کی بجا آوری اور نواہی سے پرہیز کرنا ہے۔ آیۂ کریمہ مَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَھٰکُمْ عَنْهُ فَانْتَھُوْا (حشر آیت ۵۹) (رسول جو کچھ تم کو دے وہ لے لو اور جس سے وہ منع کرے اس سے باز رہو) اس معنی کی شاہد ہے۔ اور چونکہ (طالب کو) اخلاص کا حکم ہے: اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ (زمر آیت ۳۹) (آگاہ رہو کہ خالص دین (عبادت) اللہ ہی کے لئے ہے) اور وہ بغیر فنا کے حاصل نہیں ہوتا اور محبتِ ذاتیہ کے بغیر متصور نہیں ہوتا ——— لہذا طریقِ صوفیہ کا سلوک جس میں فنا اور محبتِ ذاتیہ کا حصول ہے ضروری ہوا۔ تاکہ اخلاص کی حقیقت شکل پذیر ہو۔ اور چونکہ صوفیہ کے طریقے کمال اور تکمیل کے مرتبوں میں متفاوت ہیں اس لئے ایسے طریقے کو جو روشن سنت کی پیروی کو لازم جانے اور احکامِ شرعیہ کی بجا آوری کے

[1] آپ کے نام صرف یہی ایک مکتوب ہے اور آپ کے حالات معلوم نہ ہو سکے۔

(بالکل) مطابق ہو اختیار کرنا اولیٰ اور بہت بہتر ہے، اور وہ طریقہ اکابر نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم العلیا کا طریق ہے۔ کیونکہ اس طریق کے بزرگوں نے سنت کو لازم قرار دیا ہے اور بدعت سے پرہیز فرمایا ہے۔ جہاں تک ہو سکے رخصت پر عمل کرنا پسند نہیں کرتے اگرچہ بظاہر اس کو باطن میں نافع پائیں اور عزیمت پر عمل کرنا نہیں چھوڑتے اگرچہ بظاہر اس کو باطن میں مضر جانیں۔ انھوں نے احوال و مواجید کو احکامِ شرعیہ کے تابع کیا ہے اور اذواق و معارف (کیفیات و کشفیات) کو علوم دینیہ کا خادم جانتے ہیں، اور احکام شرعیہ کے نفیس جواہرات کو بچوں کی طرح جوز و مویز (اخروٹ و منقی) اور وجد و حال کے بدلے نہیں دیتے، اور صوفیہ کی (حالتِ سکر والی) بیکار باتوں پر مغرور و مفتوں نہیں ہوتے، اور نص (قرآن) کو چھوڑ کر فص (فصوص الحکم) کی طرف مائل نہیں ہوتے، اور فتوحاتِ مدنیہ (احادیث و نصوصِ شرعیہ) کو چھوڑ کر فتوحاتِ مکیہ (شیخ اکبر کی تصنیف) کی طرف التفات نہیں کرتے، یہی وجہ ہے کہ ان کا حال دائمی ہے اور ان کا وقت استمراری (مستقل) ہے ـــــ اور ان کے باطن سے ماسویٰ کے نقوش اس طرح محو و زائل ہو جاتے ہیں کہ اگر وہ (ماسوی اللہ کو دل میں) حاضر کرنے کے لئے ہزار سال تک کوشش کریں تب بھی میسر نہ ہو۔ اور وہ تجلی ذاتی جو دوسروں کے لئے برق کی مانند ہے ان بزرگوں کے لئے دائمی ہے۔ اور وہ حضور جس کے پیچھے غیبت ہو ان عزیزوں کے نزدیک دائرۂ اعتبار سے ساقط ہے (آیت کریمہ) رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللهِ (سورہ نور ۲۴ آیت ۳۷) (وہ ایسے لوگ ہیں جنھیں تجارت اور خرید و فروخت اللہ کے ذکر سے غافل نہیں کرتی) ان کے حال کی نشاندہی کرتی ہے ـــــ اور اسی طرح ان کا طریق سب طریقوں سے زیادہ قریب اور یقیناً موصل ہے اور دوسروں کی نہایت ان بزرگوں کی بدایت میں مندرج ہے، اور ان کی نسبت جو کہ حضرتِ صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف منسوب ہے مشائخ کی تمام نسبتوں سے بڑھ کر ہے لیکن ہر شخص کی سمجھ ان اکابر کے مذاق کو نہیں پہنچ سکتی۔ ممکن ہے کہ اس طریقۂ عالیہ کے قاصر (کم ہمت و کوتاہ نظر) ان کے بعض کمالات سے انکار کر دیں ؎

قاصرے گر کند ایں طائفہ را طعن قصور — حاش للہ کہ برآرم بزباں ایں گلہ را
(گر کوئی طعن ان پہ کرتا ہے — توبہ توبہ، نہ کروں اس کا گلہ)

شاعرِ عرب (فرزدق) فرماتا ہے ؎

أُولٰئِكَ آبَائِي فَجِئْنِي بِمِثْلِهِمْ — إِذَا جَمَعَتْنَا يَا جَرِيرُ الْمَجَامِعُ
(ایسے ایسے باپ دادا تھے جریر — ذکر ان کا کیوں نہ ہو جب تھے کبیر)

حضرت خواجہ احرار قدس سرہ فرماتے ہیں کہ اس سلسلۂ عالیہ کے خواجگان قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم ہر زرّاق اور رقّاص (مکار اور رقص کرنے والے) کے ساتھ نسبت نہیں رکھتے، ان کا کارخانہ بلند ہے ؎

حیف باشد شرح او اندر جہاں ۔۔۔ ہمچو رازِ عشق باید در نہاں

لیک گفتم وصفِ او تا رہ برند ۔۔۔ پیش ازاں کز فوتِ آں حسرت خورند

(شرح ان کی خوبیوں کی کیا کروں ۔۔۔ مثلِ رازِ عشق انھیں پنہاں رکھوں

لیکن ان کا وصف کم کم ہے بیاں ۔۔۔ ہو نہ محرومی پہ حسرت بے گماں)

اگر ان برگزیدہ حضرات کے خصائص و کمالات کے بیان میں دفتروں کے دفتر لکھے جائیں تب بھی وہ دریائے بیکراں کے مقابلے میں قطرہ کے مانند ہیں۔ ع

وادیم ترا ز گنجِ مقصود نشاں ۔۔۔ (گنجِ مقصود کا پتا یہ ہے)

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ مِنَ الصَّلَوَاتِ اَفْضَلُهَا وَمِنَ التَّسْلِیْمَاتِ اَکْمَلُهَا اور سلام ہو اس پر جس نے ہدایت کی پیروی کی اور حضرت محمد مصطفےٰ علیہ وعلیٰ آلہ من الصلوات افضلہا ومن التسلیمات اکملہا کی متابعت کو اپنے اوپر لازم کیا)۔

مکتوب ۲۴۴

دوصد و چہل و چہارم

ملا محمد صالح کولابی[1] کی طرف صادر فرمایا ——— ان کے خط کے جواب میں جس میں انھوں نے اپنے احوال کی خرابی بیان کی تھی۔

میرے سعادتمند بھائی خواجہ محمد صالح کا گرامی نامہ موصول ہوا جس میں انھوں نے اپنی خرابیٔ احوال کے بارے میں لکھا تھا، امید ہے کہ اس سے بھی زیادہ خراب ہوں گے۔ اور اس خرابی کی نہایت اس مکتوب میں جو انھی ایام میں (فقیر نے اپنے) فرزند ارشد کے نام لکھا ہے درج ہو چکی ہے وہاں سے معلوم کریں ——— اگر آپ سمجھتے ہیں کہ آپ کا وہاں چند روز قیام کرنا دوستوں کی جمعیت (واطمینان) کا باعث ہے تو بہتر ہے کہ وہاں چند روز اور قیام کریں، یہ فقیر بھی دہلی کے سفر کا ارادہ

[1] آپ کے نام دس مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۱۶۱ پر گذر چکا ہے۔

وکار لسانِ قضا ذکرہ نمی

دکھتا ہے، اکثر استخارے اور توجہات اس سفر کا باعث ہیں ـــــــ اور اس مقام کو میرے فرزند ارشد (خواجہ محمد صادق) کو عنایت فرما دیا ہے اور ان کی ولایت میں داخل کر دیا گیا ہے۔ فقیر اس جگہ مسافروں کی طرح اُن کی ولایت میں بیٹھا ہوا ہے ـــــــ اور جو دوست طریقۂ عالیہ میں داخل ہو گئے ہیں بالخصوص میر سید مرتضیٰ، مولانا شکر اللہ اور میر سید نظام بہت دعاؤں کے ساتھ مخصوص ہیں۔ فرزندی خواجہ محمد صادق اور سب بھائی آپ کو اور سب دوستوں کو سلام و دعا کہتے ہیں۔

مکتوب ۲۴۵

دو صد و چہل و پنجم

سید انبیا[۱] کی طرف ان کے سوالات کے جواب میں تحریر فرمایا۔

حمد و صلوٰۃ اور تبلیغ دعوات کے بعد واضح ہو کہ مکتوب شریف جو قاصد کے ہمراہ ارسال کیا تھا موصول ہو کر خوشی کا باعث ہوا ـــــــ آپ نے لکھا تھا کہ ذکرِ نفی و اثبات اکیس (۲۱) عدد تک پہنچایا ہے لیکن اس پر مداومت نہیں رہتی، اور کبھی کبھی غیبت (ناغہ) بھی ہو جاتی ہے ـــــــ اے محبت کے نشان والے! ذکر کرنے میں ظاہراً شرائط میں سے کوئی نہ کوئی شرط مفقود ہے جس کی وجہ سے اس عدد پر کوئی نتیجہ مرتب نہیں ہوا۔ انشاء اللہ تعالیٰ بالمشافہ معلوم کر لیں گے۔

دوسرے آپ نے اس قول کے معنی دریافت کئے تھے اور لکھا تھا کہ حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے کام کو تکمیل کر کے فرمایا: ذِكْرُ اللِّسَانِ لَقْلَقَةٌ وَذِكْرُ الْقَلْبِ وَسْوَسَةٌ وَذِكْرُ الرُّوْحِ شِرْكٌ وَذِكْرُ السِّرِّ كُفْرٌ (زبان کا ذکر بکواس ہے اور قلب کا ذکر وسوسہ، روح کا ذکر شرک اور سر کا ذکر کفر ہے)؟ ـــــــ (جواب) آپ سمجھ لیں، کہ جب "ذکر" ذاکر و مذکور کی خبر دینے والا ہے، خواہ کوئی ذکر ہو اور اس کا اصل مقصود ذاکر اور ذکر کا مذکور میں فنا ہونا ہے اس لئے نتیجہ کے طور پر ذکر کو لقلقہ، وسوسہ، شرک اور کفر فرمایا ہے۔

بہر چہ از دوست وامانی چہ کفر آں حرف چہ ایماں ۔ بہر چہ از راہ دور افتی چہ زشت آں حرف و چہ زیبا

(جُدا جو حق سے کر دے ایسا ایمان کفر بن جائے ۔ تجھے گمراہ جو کر دے وہ خوبی عیب کہلائے)

---

[۱] آپ کے نام دو مکتوبات ہیں دفتر اول مکتوب ۲۴۵ - ۲۸۸ باقی حالات معلوم نہ ہو سکے البتہ فارسی نسخہ کے حاشیہ پر بطور نسخہ ملا صالح لکھا ہوا ہے اور اردو تراجم میں ملا محمد صالح درج ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ مکتوب دو دونوں بزرگوں کے نام ہوں۔

لیکن فنا و بقا کے حاصل ہونے سے پہلے ذکر کے لئے ان ناموں کے عارض ہونے کو جاننا ضروری ہے، کیونکہ بقا کے حاصل ہونے کے بعد ذاکر کا وجود اور ذکر کا ثبوت اس سے مذموم نہیں ہے۔ اور اگر اس کے معنی سمجھنے میں کچھ اخفا رہ گیا ہو تو بالمشافہ دریافت کرنے پر معلوم ہو جائے گا کیونکہ تحریر کا حوصلہ (گنجائش) کم ہے۔ لہذا اس قول کو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف نسبت دینا خصوصاً کام پورا ہونے کے بعد مستحسن نہیں ہے۔

دوسرا سوال یہ تھا کہ آپ نے لکھا تھا کہ "شیخ ابو سعید ابو الخیر[1] نے ابو علی سینا[2] سے مقصود (حق جل و علا) پر دلیل طلب کی تھی اور اس نے جواب میں لکھا تھا کہ "کفرِ حقیقی میں آجا اور اسلام مجازی سے نکل جا"۔ اور شیخ ابو سعید نے عین القضاۃ[3] کو لکھا کہ "اگر ایک لاکھ سال تک عبادت کرتا تو مجھے وہ فائدہ حاصل نہ ہوتا جو ابو علی سینا کے اس کلمہ سے حاصل ہوا"۔ عین القضاۃ نے جواب میں لکھا کہ "اگر آپ سمجھ لیتے تو اس بیچارے کی طرح مطعون اور ملامت زدہ ہو جاتے"۔

(جواب) جاننا چاہئے کہ کفرِ حقیقی سے مراد دوئی کا دور کرنا ہے اور کثرت کا کلی طور پر چھپ جانا ہے جو کہ فنا کا مقام ہے اور اس کفرِ حقیقی کے اوپر اسلامِ حقیقی کا مقام ہے جو بقا کا محل ہے۔ کفرِ حقیقی کو اسلامِ حقیقی سے نسبت دینا سراسر نقص و عیب ہے۔ یہ ابنِ سینا کی کوتاہ نظری ہے کہ اس نے اسلامِ حقیقی کی طرف رہنمائی نہیں کی اور حقیقت میں اس کو کفرِ حقیقی سے بھی کچھ نصیب نہیں ہوا، لہذا اس نے صرف علم و تقلید کی وجہ سے کہہ دیا اور لکھ دیا بلکہ اس کو تو اسلامِ مجازی سے بھی پورا حصہ حاصل نہیں ہوا اور وہ فلسفہ کی موشگافیوں میں الجھ کر رہ گیا ــــ امام غزالیؒ[4] اس کی تکفیر کرتے ہیں اور حق یہ ہے کہ اس کے فلسفی اصول اسلام کے اصول کے مخالف ہیں ــــ دوسرے یہ کہ شیخ ابو سعید عین القضاۃ کے زمانے سے بہت پہلے ہوئے ہیں وہ ان کو کیسے لکھتے ــــ اگر کوئی شبہ باقی رہ گیا ہو تو بوقتِ ملاقات دریافت فرمالیں۔ والسلام

---

[1] شیخ ابو سعید ابو الخیر کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۱۱ کے حاشیہ پر ملاحظہ ہو۔

[2] شیخ الرئیس بو علی سینا مسلم مفکرین اور حکما میں سے ہیں۔ ۳۷۰ھ / ۹۸۰ء میں بخارا کے قریب افشنا کے مقام پر پیدا ہوئے اور ۴۲۸ھ / ۱۰۳۷ء میں ہمدان میں وفات پائی۔ مختلف علوم و فنون کے ماہر تھے۔ تصانیف کی تعداد کافی ہے، ان میں شفا فلسفہ کی انسائیکلوپیڈیا اور قانون خاص طور پر مشہور ہیں ــــ

[3] آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۲۰۰ پر گذر چکا ہے۔

[4] حجۃ الاسلام امام محمد بن محمد غزالیؒ طوس کے رہنے والے اور جامع شریعت و طریقت تھے، تصوف میں شیخ ابو علی فارمدی سے نسبت حاصل تھی مذہباً شافعی تھے کثیر التصانیف ہیں۔ آپ کی تفسیر قرآن "یاقوت التاویل" چالیس جلدوں میں ہے علاوہ ازیں احیاء العلوم اور کیمیائے سعادت نہایت بلند پایہ تصانیف ہیں۔ ولادت ۴۵۰ھ اور وفات ۱۴ جمادی الآخر ۵۰۵ھ کو بغداد میں ہوئی۔

مکتوب ۲۴۶

دو صد و چہل و ششم

میر محمد نعمان[1] کی طرف صادر فرمایا ــــــ اس مقام کے حاصل ہونے کے بارے میں جو کمال و تکمیل کے مراتب میں متوقع اور مترصد (امیدوار) ہے، اور اس بے توفیقی کی وجہ کے بیان میں جو بعض اوقات طاری ہو جاتی ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ وَاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهِ الطَّاهِرِيْنَ وَعَلَيْهِمْ اَجْمَعِيْنَ (شروع اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم والا ہے، اور تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لئے ہیں اور حضرت سید المرسلین اور آپ کی پاک اولاد اور اصحاب پر صلوٰۃ و سلام ہو) ــــــ آپ کے مکتوبات گرامی پے در پے صادر ہوئے، اور بہت زیادہ خوشی حاصل ہوئی۔ کوئی قاصد اُن اطراف کی طرف جانے والا نہ ملا اس لئے ہر ایک کا جواب نہ لکھ سکا امید ہے کہ معذور سمجھیں گے ــــــ آپ نے میر داد کے ہمراہ جو مکتوب ارسال کیا تھا اس کے پہنچنے کے بعد ایک روز صبح کی نماز کے بعد دوستوں کے حلقہ میں بیٹھا ہوا تھا کہ ارادۃً یا بے ارادہ آپ کی جانب توجہ پیدا ہو گئی اور بقایا آثار جو آپ میں نظر آتے تھے اُن کو دُور کرنے کے درپے ہوا، اور وہ ظلمتیں اور کدورتیں جو محسوس ہو رہی تھیں ان کے دفع کرنے میں کوشش کرنے لگا یہانتک کہ آپ کے کمال کا ہلال بدر کامل بن گیا اور جو کچھ آفتاب ہدایت میں امانت رکھا تھا وہ سب کا سب اس بدر میں منعکس ہوا، یہانتک کہ کمال کی جانب میں کچھ باقی نہ رہا کہ جس کی توقع یا انتظار کیا جائے۔ اِلَّا اَنْ يَّتَّسِعَ الظَّرْفُ بَعْدَ ذٰلِكَ وَيَاْخُذَ بِقَدْرِ وُسْعَتِهٖ شَيْئًا فَشَيْئًا (سوائے اس کے کہ ظرف وسیع ہو جائے اور اس کے بعد اپنی وسعت کے موافق تھوڑا تھوڑا کر کے حاصل کرلے) ــــــ اور بہت دیر تک اس معنی کی مثالی صورت نظر میں رہی یہانتک کہ وہ یقین جو صدق کا مصداق ہے حاصل ہوا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ سُبْحَانَهٗ عَلٰى ذٰلِكَ (اس پر اللہ سبحانہٗ کا شکر ہے)

اس دولت کا حصول اس واقعہ کی تاویل ہے جو آپ نے دیکھا تھا اور جس کے حاصل

---

[1] آپ کے نام ۳۳ مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۱۱۹ پر گذر چکا ہے۔

ہونے کے لئے آپ بڑے مبالغہ اور تاکید کے ساتھ سوال کرتے تھے۔ لِلّٰہِ الْحَمْدُ سُبْحَانَہٗ وَالْمِنَّۃُ،
(اللہ سبحانہٗ کی حمد اور احسان ہے) کہ آپ کا قرض پورا پورا ادا ہو گیا، وعدہ وفا اور ایفائے عہد ہوا۔
امید ہے کہ اس کمال کے اندازے کے مطابق تکمیل حاصل ہو گی، اور اس علاقہ کے دشت و صحرا
آپ کے وجود شریف سے منور رہوں گے۔

آپ نے اپنی بے توفیقی کے متعلق تحریر کیا تھا اس کا ظاہری سبب قبض کی زیادتی ہے
اور چونکہ آپ کا قبض عرصہ تک رہتا ہے لہٰذا اس کا اثر اور نتیجہ بھی اس کی طوالت کی وجہ سے زیادہ
ہوتا ہے (لہٰذا اس کا خیال نہ کریں) اور اپنے آپ کو تکلف کے ساتھ اعمال و عبادت کے ادا کرنے میں
مشغول رکھیں اور اسی طرح عمل پیرا رہیں ـــــ دوسرے اس سال بہت علوم بلند اور
معارفِ ارجمند ظہور میں آئے ہیں، ان میں سے دو مسودے اخوند مولانا محمد امینؒ[1] اپنے ہمراہ لے گئے ہیں
ان میں کا ایک مسودہ ہمارے حضرت خواجہ (باقی باللہ) قدس سرہٗ کی بعض رباعیات کی شرح کے حل
میں ہے جو فیروز آباد کے دوستوں کی قرات کے وقت تحریر ہوئی تھیں، اس رسالہ میں توحید آمیز علوم ان
رباعیات کی تقریب کے سلسلہ میں درج ہوئے ہیں، اور علماء، اور ان صوفیہ کے درمیان جو کہ وحدت الوجود
کے قائل ہیں مطابقت پیدا کی ہے، اور وہ اس طرز پر تحریر ہوئے ہیں کہ فریقین کا نزاع لفظی رہ جاتا ہے۔
ـــــ اور دوسرا مسودہ وہ مکتوب ہے جو فرزندی وارشدی[2] کے نام نہایت بسط و
تفصیل کے ساتھ تحریر کیا گیا ہے اس کے مطالعہ کے وقت آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ یہ علوم کس درجہ
بلند ہیں۔ اگر ان میں کوئی بات شبہ والی ہو تو دریافت کریں۔

مکتوب ۲۴۷ (عربی)

دو صد و چہل و ہفتم

عرفان پناہ میرزا حسام الدین احمد[3] کی طرف صادر فرمایا ـــــ اس بیان میں کہ حق تعالیٰ و تقدس کے
وجودِ مقدس پر اس کا اپنا وجودِ حق جل سلطانہٗ ہی دلیل ہے نہ کہ اس کے علاوہ، اور اس کے مناسب بیان میں۔

---

[1] مولانا محمد امین کے نام دو مکتوب ہیں اور تذکرہ دفتر اول مکتوب ۱۶۶ پر درج ہے۔
[2] غالباً مخدوم زادہ کلاں خواجہ محمد صادق مراد ہیں اور مکتوب ۲۳۴ دفتر اول ہے۔
[3] آپ کے نام ۱۶ مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۳۲ پر گذر چکا ہے۔

عَرَفْتُ رَبِّیْ بِفَسْخِ الْعَزَائِمِ لَا بَلْ عَرَفْتُ فَسْخَ الْعَزَائِمِ بِرَبِّیْ (میں نے اپنے پروردگار کو اپنے مستحکم ارادوں کے ٹوٹنے سے پہچانا، نہیں بلکہ ارادوں کے ٹوٹنے کو اپنے پروردگار جل وعلا کے ساتھ پہچان لیا ہے)۔ کیونکہ وہ سبحانہٗ وتعالیٰ اپنے ماسویٰ پر دلیل ہے نہ کہ غیر اللہ اس سبحانہٗ پر دلیل ہے؟ اس لئے کہ دلیل اپنے مدلول سے اظہر ہوتی ہے اور اس سبحانہٗ وتعالیٰ سے زیادہ اور کونسی چیز اظہر ہے کیونکہ تمام اشیاء اس کے ساتھ اور اسی سے ظاہر ہوئی ہیں لہٰذا وہ سبحانہٗ وتعالیٰ اپنی ذات پر اور اپنے ماسوا پر دلیل ہے۔ پس لازماً عَرَفْتُ رَبِّیْ بِرَبِّیْ وَعَرَفْتُ الْاَشْیَاءَ بِہٖ تَعَالٰی (میں نے اپنے رب کو اپنے رب ہی کے ذریعہ پہچانا اور اشیاء کو اس سبحانہٗ وتعالیٰ کے ساتھ پہچانا) ـــــــ لہٰذا برہان اس جگہ "لمّی"[1] ہے (معلوم پر علت کے اثر کے ساتھ) اور اکثر کے گمان میں "اِنّی" ہے اور تفاوت نظر کے تفاوت سے ہے اور اختلاف بلحاظ منظر کے اختلاف کے ہے، بلکہ وہاں استدلال و برہان کی مجال نہیں ہے کیونکہ اس سبحانہٗ وتعالیٰ کے وجود میں کوئی پوشیدگی نہیں ہے اور اس کے ظہور میں کوئی شک و تردد نہیں ہے اور تمام بدیہیات (جانی بوجھی پیش نظر چیزوں) سے زیادہ ظاہر اور روشن ہے۔ اور یہ بات سوائے اس شخص کے کسی پر پوشیدہ نہیں جس کے دل میں مرض اور آنکھوں پر پردہ ہو۔ حالانکہ تمام اشیاء ظاہری حواس سے محسوس ہیں اور وضاحت کے ساتھ معلوم ہیں کہ ان سب کا وجود حق تعالیٰ وتقدس کی طرف سے ہے لیکن بعض لوگوں کو اس کا علم حاصل نہ ہونا کسی بیماری کے عارض ہونے کی وجہ سے ہے جو اصل مطلوب میں مضر نہیں ہے۔ وَالسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَعَلٰی سَائِرِ مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ اَتَمُّهَا وَاَکْمَلُهَا (اور سلام ہو آپ پر اور تمام لوگوں پر جنہوں نے ہدایت کی پیروی کی اور حضرت محمد مصطفےٰ علیہ و علی آلہ الصلوات و التسلیمات اتمہا و اکملہا کی متابعت کو اپنے اوپر لازم جانا)

مکتوب ۲۴۸
دو صد و چہل و ہشتم

یہ مکتوب بھی عالی جناب میرزا حسام الدین احمد کی طرف صادر فرمایا ـــــــ اس بیان میں کہ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی مکمل تابعداری کرنے والوں کو ان کے تمام کمالات سے بطریق تابعداری

---

[1] "برہانِ لمّی" یہ ہے کہ علت سے معلول کی طرف دلیل پکڑیں اور "اِنّی" یہ ہے کہ معلول سے علت کی طرف دلیل پکڑیں۔

کچھ نہ کچھ حصہ ملتا ہے۔ اور اس بیان میں کہ کوئی ولی کسی نبی کے مرتبہ پر نہیں پہنچ سکتا۔ اور اس بات کی تحقیق میں کہ آں سرور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے جو تجلی ذاتی مخصوص ہے اس کے کیا معنی ہیں اور اس کے مناسب بیان میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰىنَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْلَاۤ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ (اعراف آیت ۴۳) (اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے ہم کو اس طرف ہدایت کی اگر وہ ہم کو ہدایت نہ کرتا تو ہم ہرگز ہدایت نہ پاتے بیشک ہمارے رب کے رسول حق بات لے کر آئے ہیں) صَلَوٰاتُ اللّٰهِ تَعَالٰی وَتَسْلِیْمَاتُهٗ سُبْحَانَهٗ عَلَیْهِمْ وَعَلٰی اَتْبَاعِهِمْ وَاَنْصَارِهِمْ وَاَعْوَانِهِمْ وَخَزَنَةِ اَسْرَارِهِمْ۔ (ان پر اور ان کے تابعداروں پر اور ان کے انصار اور ان کے مددگاروں اور ان کے اسرار کے محافظوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے صلوٰۃ وسلام ہو) ——— انبیا علیہم الصلوات والتسلیمات کے کامل تبعین کمال متابعت و فرطِ محبت کے باعث بلکہ محض (اللہ تعالیٰ کی) عنایت و بخشش کی وجہ سے اپنے متبوعہ (اتباع کردہ) انبیا کے تمام کمالات کو جذب کر لیتے ہیں بلکہ ان کے رنگ میں پورے طور پر رنگے جاتے ہیں، یہانتک کہ متبوعان (جن انبیا کی پیروی کی گئی) اور متابعان (اتباع کرنے والے اولیا) کے درمیان اصالت و تبعیت اور اولیت و آخریت کے علاوہ کچھ فرق نہیں رہتا۔ باوجود اس امر کے کوئی تابع (اتباع کرنے والا) خواہ وہ افضل الرسل (صلی اللہ علیہ وسلم) کے تابعداروں ہی میں سے ہو کسی نبی کے مرتبہ کو نہیں پہنچتا اگرچہ وہ نبیوں میں سب سے کم درجہ کا نبی ہو ——— یہی وجہ ہے کہ حضرت صدیق رضؓ جو کہ انبیاؑ کے بعد تمام انسانوں میں سب سے افضل ہیں اُن کا سر ہمیشہ اس پیغمبر کے زیر قدم ہوگا جو تمام پیغمبروں سے کم درجہ ہے ——— اس کا سبب یہ ہے کہ تمام انبیا اور ان کے ارباب کے تعینات کے مبادی مقام اصل سے ہیں اور تمام اعلیٰ و اسفل امتوں اور ان کے ارباب کے مبادی تعینات اس اصل کے ظلال کے مقامات سے اپنے اپنے درجے کے موافق ہیں۔ پس اصل اور ظل کے درمیان مساوات کس طرح ہو سکتی ہے ——— اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِیْنَ ۝ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ ۝ وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ (صافات آیت ۱۷۱ تا ۱۷۳ ۳۷) (اور بیشک ہمارے مرسلین بندوں کے لئے ہمارا قول پہلے ہی سے طے شدہ ہے کہ یقیناً وہی غالب رہیں گے اور یقیناً ہمارا لشکر ہی غالب رہے گا۔)

اور یہ جو کہتے ہیں کہ تجلی ذات تعالیٰ وتقدس انبیا کے درمیان حضرت خاتم الرسل علیہ و علیہم الصلوات والتحیات

کے لئے مخصوص ہے اور آں سرورؐ کے کامل تابعداروں کو بھی اس تجلی سے حصہ حاصل ہے۔ اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ دوسرے انبیاءؑ کو تجلی ذات کا حصہ حاصل نہیں ہے اور تابعداری کی وجہ سے ان کے کاملوں کو نصیب ہے، حاشا وکلا (ہرگز ایسا نہیں ہے) کہ کوئی اس سے یہ مطلب تصور کرے کیونکہ اس میں اولیاء کی انبیاء پر فوقیت ہوتی ہے ـــــــ بلکہ آں سرور علیہ وعلی آلہ الصلوات والتسلیمات پر اس تجلی کے مخصوص ہونے کے یہ معنی ہیں کہ دوسروں کو اس تجلی کا حاصل ہونا آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طفیل اور تبعیت (اتباع) کی وجہ سے ہے، اور انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کو بھی اس تجلی کا حصول آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طفیل سے ہے، اور اس امت کے کامل اولیا کو بھی آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیروی کی وجہ سے حاصل ہے۔ انبیا اس نعمتِ عظمیٰ کے دسترخوان پر آپ علیہ الصلوات والتحیات کے طفیلی و ہمنشیں ہیں اور اولیا (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے) خادم، پس خوردہ کھانے والے اور ہمنشیں و طفیلی اور خادم پس خوردہ کھانے والے کے درمیان بہت فرق ہے۔ اس مقام میں قدم کو لغزش ہو جاتی ہے۔

اس تحقیق میں اور اس شبہ کے دور کرنے کے سلسلہ میں اس فقیر نے اپنے مکتوبات و رسائل میں متعدد توجیہات کا ذکر کیا ہے اور حق وہی ہے جو میں نے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے فضل وکرم سے ان مسودوں (مکتوبات) میں تحقیق کی ہے۔

آپ کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ اگرچہ تمام انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کو آں سرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کے طفیل اس تجلی سے حصۂ وافر نصیب ہے، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ولایتِ خاصہ نے ان کی امتوں کے اولیا میں سرایت نہیں کی اور نہ اس تجلی سے ان کو کوئی حصہ ملا کیونکہ جب ان کے اصول میں یہ دولت طفیلی اور عکسی طور پر ہو تو فروع میں عکس کے عکس کو کیا حاصل ہو سکتی ہے چنانچہ اس معنی کا مصداق کشفِ صریح ہے، استدلالِ عقلی پر مبنی نہیں ـــــــ

ـــــــ اور جو کچھ اس سے پیشتر ذکر کیا گیا کہ کامل پیروی کرنے والے کمال متابعت کے سبب اپنے متبوعوں کے پورے پورے کمالات جذب کر لیتے ہیں۔ ان کمالات سے مراد متبوعوں کے اصلی کمالات ہیں نہ کہ مطلقاً، تاکہ تعارض پیدا نہ ہو۔ بلکہ یہ لوگ اپنے انبیا میں سے ہر ایک نبی کی ولایتِ مخصوصہ سے بہرہ ور ہوئے ہیں، اور چونکہ سب امتوں کے درمیان یہی امت پیروی کے باعث اس تجلیٔ (ذاتی) سے مخصوص ہے اور اس دولتِ عظمیٰ سے مشرف ہے لہذا (یہ امت) خیر الامم ہو گئی، اور اس امت کے علماء بنی اسرائیل کے

انبیا کے رنگ میں ہو گئے ـــ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ط وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ط (جمعہ آیت ۴ [۶۲]) (یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے)۔

(یہ فقیر) چاہتا تھا کہ اس ولایتِ خاصہ کی خصوصیات اور فضائل میں سے کچھ تحریر کرے لیکن وقت کی تنگی نے موافقت نہ کی اور کاغذ بھی کوتاہ ہو گیا ـــ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی عنایت سے علوم و معارف "بارانِ نیساں" کی طرح برس رہے ہیں اور عجیب و غریب اسرار پر اطلاع بخش رہے ہیں اس راز کے محرم اپنی اپنی استعداد کے موافق میرے فرزندانِ گرامی ہیں، کیونکہ دوسرے دوست چند روز حضور میں ہیں اور چند روز غیبت میں۔ اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ ہر چند ولی، ولیِ کامل ہو لیکن صحابی کے مرتبہ کو نہیں پہنچتا ـــ آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کا شوق حد سے بڑھ گیا ہے۔ جو صحیفہ گرامی اس فقیر کے نام تحریر فرمایا تھا اس کے پہنچنے سے مشرف ہوا ـــ دیدِ قصور (اعمال کی کوتاہی کو نظر میں رکھنا) بہت بڑی نعمت ہے۔ لیکن تمام احوال میں میانہ روی بہت بہتر ہے۔ افراط، تفریط کی طرح حدِ اعتدال سے باہر ہے ـــ وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَعَلٰى سَائِرِ مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِيْمَاتُ (اور سلام ہو آپ پر اور ان سب پر جو ہدایت کی پیروی کریں اور حضرت محمد مصطفےٰ علیہ وعلی آلہ الصلوات والتسلیمات کی متابعت اپنے اوپر لازم کر لے)۔

مکتوب ۲۴۹
دو صد و چہل و نہم

حضرت سید الاولین والآخرینؐ کی متابعت کے فضائل اور اس پر مترتبہ کمالات اور اس کے ساتھ مخصوص مراتب کے بیان میں میرزا داراب[۱] کی طرف صادر فرمایا۔

اتباعِ رسولؐ کے فضائل

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى (تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) ـــ آخرت کی نجات اور دائمی فلاح حضرت سید الاولین والآخرین علیہ وعلی آلہ الصلوات والتسلیمات اتمہا واکملہا کی متابعت پر وابستہ ہے لہذا آنحضرتؐ کی متابعت کی وجہ سے (آپؐ کی امت کے برگزیدہ) حق جل سلطانہٗ کی محبوبیت کے مقام پر پہنچے ہیں، اور

---

[۱] آپ کے نام چار مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۱۷۰ پر گذر چکا ہے۔

آپؐ ہی کی متابعت سے تجلّیٔ ذات تعالیٰ و تقدس سے مشرف ہوتے ہیں، اور آپؐ ہی کی متابعت کی وجہ سے عبدیت کے مرتبہ پر جو تمام کمالات کے مراتب میں فوق ہے اور محبوبیت کے مقام کے حاصل ہونے کے بعد ہے سرفراز ہوتے ہیں، اور آپؐ ہی کی کامل پیروی کرنے والوں کو بنی اسرائیل کے انبیاء کے مانند فرمایا ہے ـــــ اور پیغمبرانِ اولوالعزم بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کی آرزو رکھتے تھے۔ اور اگر حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے میں زندہ ہوتے تو ان کو بھی آپؐ کی متابعت کے بغیر چارہ نہ ہوتا[1] ـــ اور حضرت عیسیٰ روح اللہؑ کے نزول اور حضرت حبیب اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت کا قصہ معلوم اور مشہور ہے ـــــ اور آپؐ کی امت آپؐ ہی کی متابعت کی برکت سے "خیر الامم"[2] قرار دی گئی، اور ان میں سے اکثر[3] اہلِ جنت میں سے ہیں اور کل بروزِ قیامت آپؐ ہی کی متابعت کی بدولت تمام امتوں سے پہلے بہشت میں داخل ہوں گے اور وہاں کی نعمتیں حاصل کریں گے۔ اسی طرح اور اسی طرح ہوگا (یہ فضائل و خصائص صرف اسی امت کے لئے مخصوص ہیں) ـــــ پس آپ کے اوپر لازم ہے کہ آنحضرت علیہ وعلیٰ جمیع اخوانہ من الصلوات افضلہا ومن التسلیمات اکملہا کی متابعت اور سنت کو لازم جان کر شریعتِ حقہ کے احکام بجا لائیں۔

دوسرے یہ کہ (یہ فقیر) شیخ اسمٰعیل کی سفارش کرتا ہے جو کہ معارف آگاہ حاجی عبد الحق کے دوستوں میں سے ہیں۔
والسلام

مکتوب ۲۵۰
دو صد و پنجاہم

ملا احمد برکی[4] کی طرف بعض سوالات کے حل میں صادر فرمایا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ حمد و صلوٰۃ اور تبلیغ دعوات کے بعد واضح ہو کہ اس طرف کے فقراء کے احوال و اوضاع شکر کے لائق ہیں اور آپ کی عافیت اللہ سبحانہٗ سے مطلوب ہے ـــــ

مکتوب گرامی موصول ہوا۔ آپ نے تحریر کیا ہے کہ وہ ذوق و فرحت جو پہلے حاصل تھی اب اپنے اندر نہیں پاتا

---

[1] قال صلی اللہ علیہ وسلم ولو کان موسیٰ حیا ما وسعہ الا اتباعی (رواہ احمد والبیہقی عن جابر۔ مشکوٰۃ)

[2] قال تعالیٰ کنتم خیر امۃ الآیۃ وقال صلی اللہ علیہ وسلم انتم تتمون سبعین امۃ انتم خیرہا واکرمہا علی اللہ تعالیٰ (رواہ الترمذی وابن ماجہ۔ مشکوٰۃ) ـــ [3] قال صلی اللہ علیہ وسلم اہل الجنۃ عشرون ومائۃ صف ثمانون منہا من ہذہ الامۃ واربعون من سائر الامم (رواہ الترمذی والدارمی والبیہقی۔ مشکوٰۃ) ـــ

[4] آپ کے نام چار مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۲۳۹ پر گذر چکا ہے۔

اور اس کو اپنا تنزل جانتا ہے ــــــ میرے بھائی کو معلوم ہو کہ پہلی حالت کا تعلق اہلِ وجد و سماع سے تھا جس میں جسد کو کامل دخل تھا، اور جو حالت اب میسر ہوئی ہے اس میں جسم کو بہت تھوڑا حصہ نصیب ہے، اس کا زیادہ تعلق روح و قلب کے ساتھ ہے، اس معاملہ کا بیان تفصیل چاہتا ہے ــــــ مختصر یہ کہ دوسری حالت پہلی حالت سے کئی درجہ بہتر ہے، اور ذوق و وجدان کا نہ پانا اور خوشی کا دور ہونا ذوق و خوشی کے وجدان سے بالاتر ہے، کیونکہ نسبت جسقدر جہالت اور حیرت کی طرف ترقی کرے اور جسد سے دُور ہو اسی قدر اصیل ہے اور مطلوب کے حصول میں نزدیک تر ہے۔ کیونکہ اس مقام میں عجز اور نادانی کے علاوہ کسی اور چیز کی گنجائش نہیں ہے (اسی لئے) جہل کو معرفت سے تعبیر کرتے ہیں اور عجز کو ادراک کا نام دیتے ہیں۔

آپ نے تحریر کیا تھا کہ اس نسبت کی وہ تاثیر جو پہلے تھی اب نہیں رہی ــــــ ہاں ہاں جسدی تاثیر نہیں رہی لیکن تاثیر روحی میں اضافہ ہو گیا ہے، اگرچہ ہر شخص اس کا ادراک نہیں کر سکتا لیکن کیا کیا جائے کہ آپ کو اس فقیر کے ساتھ صحبت بہت کم حاصل ہوئی ہے اور علوم و معارفِ خاصہ بہت کم ذکر ہوئے ہیں۔ شاید حق تعالیٰ کو منظور ہو اور دوسری صحبت میسر ہو جائے اور چند روز مل بیٹھیں۔

نیز آپ نے دریافت کیا تھا کہ آیا زادِ راہ اور سواری ہونے کے باوجود اس پُر فتن زمانے میں مکہ مکرمہ کا سفر فرض ہے یا نہیں ــــــ میرے مخدوم! اس بارے میں فقہ کی روایات میں بہت اختلاف ہے اور فقیہ ابو اللیث کا فتویٰ اس مسئلہ میں مختار ہے، انھوں نے کہا ہے کہ "اگر راستہ میں امن اور عدم ہلاکت کا گمان غالب ہے تو اس سفر کی فرضیت ثابت ہے ورنہ نہیں" ــــــ لیکن یہ وجوبِ ادا کی شرط ہے نفسِ وجوب کی شرط نہیں، یہی صحیح ہے لہٰذا ایسی صورت میں حج کی وصیت واجب ہو گی۔ چونکہ وقت نے موافقت نہیں کی اس لئے آپ کے دوسرے سوالات کو کسی دوسرے مکتوب پر موقوف کر دیا۔ والسلام

مکتوب ۲۵۱
دو صد و پنجاہ و یکم

مولانا محمد اشرف[۱] کی طرف صادر فرمایا ــــــ خلفائے راشدین کے فضائل اور حضرات شیخین کی افضلیت، اور حضرت امیر (علیؓ) کے بعض خصائص، اور اصحابِ کرام علیہم الرضوان کی تعظیم و توقیر

[۱] آپ کے نام دس مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۱۳۱ پر گذر چکا ہے۔

اور ان کے درمیانی جھگڑوں اور لڑائیوں کے بارے میں صحیح موقف اور اس کے متعلق بیان میں۔

حمد و صلوٰۃ اور تبلیغِ دعوات کے بعد میرے سعادت مند بھائی خواجہ محمد اشرف کو معلوم ہو کہ بعض علومِ غریبہ، اسرارِ عجیبہ، مواہبِ لطیفہ اور معارفِ شریفہ کہ جن میں اکثر حضرات شیخین و ذی النورین اور حیدرِ کرار (یعنی خلفائے اربعہ) رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے فضائل و کمالات سے تعلق رکھتے ہیں اپنی ناقص فہم کے مطابق حوالۂ قلم کرتا ہوں، ہوش کے کانوں سے سماعت فرمائیں۔

حضرت صدیق اور حضرت فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کمالاتِ محمدی سے حاصل ہونے اور ولایتِ مصطفوی علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے درجات پر فائز ہونے کے باوجود گذشتہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے درمیان ولایت کی جانب حضرت ابراہیم صلوات اللہ تعالیٰ و تسلیماتہٗ، علیٰ نبینا و علیہ کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں اور دعوت کی جانب جو کہ مقامِ نبوت کے مناسب ہے حضرت موسیٰ صلوات اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ و تسلیماتہٗ، علیٰ نبینا و علیہ سے مناسبت رکھتے ہیں ـــــ اور حضرت ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ دونوں طرف (ولایت و دعوت) کے لحاظ سے حضرت نوح صلوات اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ و تسلیماتہٗ علیٰ نبینا و علیہ کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں ـــــ اور حضرت امیر (علی) رضی اللہ تعالیٰ عنہ دونوں طرف (ولایت و دعوت) میں حضرت عیسیٰ صلوات اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ و تسلیماتہٗ علیٰ نبینا و علیہ کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں۔ اور چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام روح اللہ اور اس کے کلمۃ اللہ ہیں اس لئے لازمی طور پر نبوت کی بہ نسبت ولایت کی جانب ان میں غالب ہے اور حضرت امیرؓ میں بھی اسی مناسبت کی وجہ سے ولایت کی جہت غالب ہے ـــــ اور چاروں خلفاء کے مبادی تعینات، جہات کے اختلاف کی وجہ سے اجمالی اور تفصیلی طور پر صفت العلم ہیں، اور وہ صفت اجمال کے اعتبار سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ربؔ[۵۷] ہے، اور تفصیل کے اعتبار سے حضرت خلیلؑ کا رب ہے اور اجمال و تفصیل کی برزخیت کے اعتبار سے حضرت نوحؑ کا رب ہے، جیسے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا رب صفتِ کلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا رب صفتِ قدرت اور حضرت آدم علیہ السلام کا رب صفتِ تکوین ہے۔

۵۷؎ "رب" کے معنی پروردگار، پالنے والا، پرورش کرنے والا۔ یعنی ان حضرات کو حق تعالیٰ کی عام تربیت کے علاوہ خاص طور پر صفتِ کلام، صفتِ علم، صفتِ قدرت وغیرہ صفات سے تربیت و پرورش حاصل ہوئی ہے۔

اب ہم اصل بات کو بیان کرتے ہیں کہ حضرت صدیقؓ اور حضرت فاروقؓ اپنے اپنے مرتبہ کے موافق "بارِ نبوتِ محمدی" کے حامل ہیں ـــــ اور حضرت امیر (علیؓ) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ مناسبت کی وجہ سے ولایت کی جانب غلبہ کے باعث "حامل بارِ ولایتِ محمدیؐ" ہیں ـــــ اور حضرت ذی النورینؓ برزخیت (درمیانی حیثیت) کے اعتبار سے دونوں نسبتوں (یعنی نبوتِ محمدی و ولایتِ محمدی) کے حامل ہیں اور ہوسکتا ہے کہ اسی اعتبار سے ان کو ذوالنورین کہتے ہیں ـــــ اور چونکہ حضراتِ شیخین کو "حامل بارِ نبوت" فرمایا گیا ہے اسی لئے ان کو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے زیادہ مناسبت حاصل ہے کیونکہ مقامِ دعوت جو کہ مرتبۂ نبوت سے پیدا ہوا ہے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ باقی تمام انبیاء کے درمیان ان (حضرت موسیٰ علیہ السلام) میں بدرجۂ اتم و اکمل ہے۔ اور ان کی کتاب (توراۃ) قرآن مجید کے بعد نازل شدہ کتابوں میں بہترین ہے، لہٰذا ان کی امت پہلی امتوں کی نسبت زیادہ بہشت میں جائے گی ـــــ اگرچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت اور ان کی ملت تمام شریعتوں اور ملتوں سے افضل و اکمل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تمام پیغمبروں میں سے افضل الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی ملت کی پیروی کا حکم دیا گیا، چنانچہ آیت کریمہ ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا (سورہ نحل آیت ۱۲۳ [۱۶]) (پھر ہم نے تمہاری طرف وحی بھیجی کہ ملتِ ابراہیم کی پیروی کرو جو ایک طرف کے ہو رہے تھے) اسی مضمون کی شاہد ہے ـــــ اور حضرت مہدی موعود کہ ان کا رب بھی صفت العلم ہے جو حضرت امیر (علیؓ) کی مانند حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے مناسبت رکھتے ہیں، گویا حضرت عیسیٰؑ کا ایک قدم حضرت امیرؓ کے سر پر ہے اور دوسرا قدم حضرت مہدیؓ کے سر پر۔

جاننا چاہئے کہ ولایتِ موسوی، ولایتِ محمدی کے داہنی جانب واقع ہوتی ہے اور ولایتِ عیسوی اس ولایت کے بائیں جانب ہے۔ اور چونکہ حضرت امیرؓ ولایتِ محمدی کے حامل ہیں اسی لئے اکثر سلاسلِ اولیاء انہی سے منتسب ہوگئے ہیں اور حضرت امیر کے کمالات حضراتِ شیخین کے کمالات کی نسبت اکثر گوشہ نشین اولیاء پر جو ولایت کے کمالات سے مخصوص ہیں زیادہ ظاہر ہوئے ہیں ـــ اگر حضرات شیخین کی افضلیت پر اہلِ سنت کا اجماع نہ ہوتا تو اکثر اولیائے گوشہ نشین کا کشف حضرت امیرؓ کی فضیلت کا حکم کر دیتا ـــ چونکہ حضراتِ شیخین کے کمالات انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے کمالات کے مشابہ ہیں اور اربابِ ولایت کی ان کمالات تک دسترس نہیں ہے۔

اور اہلِ کشف کا کشف ان کے کمالاتِ نبوت کے درجات کی بلندی کے باعث راستے ہی میں ہے، ولایت کے کمالات ان کے کمالاتِ نبوت کے مقابلے میں کَالْمَطْرُوْحِ فِی الطَّرِیْقِ (راستے میں پھینکے ہوئے کی مانند) ہیں۔ کمالاتِ ولایت، کمالاتِ نبوت کے عروج تک پہنچنے کے لئے زینہ (سیڑھی) ہیں پس مقدمات کو مقاصد کی کیا خبر ہے اور مبادی کو مطالب کا کیا شعور ہے — آج یہ بات عہدِ نبوت کے بُعد کی وجہ سے اکثر لوگوں پر گراں اور قبولیت سے دُور معلوم ہوتی ہے، لیکن کیا کیا جائے ؎

در پسِ آئینہ طوطی صفتم ساختہ اند   ہر چہ استادِ ازل گفت ہماں می گویم

(مثلِ طوطی مجھے آئینے کے پیچھے ہے رکھا   وہی کہتا ہوں جو اُستادِ ازل سے ہے پڑھا)

لیکن اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کا احسان ہے کہ میں اس گفتگو میں علمائے اہلِ سنت شکر اللہ تعالیٰ سعیہم کے موافق ہوں اور ان کے اجماع سے متفق ہوں۔ اور (حق تعالیٰ نے) مجھ پر ان کے استدلالی علم کو کشفی اور اجمالی کو تفصیلی کر دیا ہے۔

اس فقیر کو جب تک کہ اپنے پیغمبرؐ کی متابعت کے باعث مقامِ نبوت کے کمالات تک نہیں پہنچا دیا گیا اور اُن کمالات سے پورا پورا حصہ نہیں دیدیا گیا اس وقت تک فضائلِ شیخین کو کشف کے طریقے پر اطلاع نہیں بخشی گئی اور تقلید کے علاوہ اَور کوئی راہ نہیں دکھائی گئی: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰىنَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْلَاۤ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ (اعراف آیہ ۴۳) (تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جس نے ہم کو اس کی ہدایت دی اگر اللہ تعالیٰ ہم کو ہدایت نہ دیتا تو ہم کبھی ہدایت نہ پاتے، بیشک ہمارے رب کے رسول حق (سچائی) کے ساتھ آئے ہیں)۔

ایک دن کسی شخص نے بیان کیا کہ (راویوں نے) لکھا ہے کہ حضرت امیرؓ کا نام بہشت کے دروازے پر ثبت کر دیا گیا، اس فقیر کے دل میں گزرا کہ حضرات شیخین کے لئے اس مقام پر کیا خصوصیتیں ہوں گی؟ پوری طرح توجہ کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ اس امت کا بہشت میں داخلہ ان دونوں اکابر حضرات کی تجویز اور استصواب پر ہوگا۔ گویا حضرت صدیقؓ بہشت کے دروازے پر کھڑے ہیں اور لوگوں کے داخلے کی تجویز فرماتے ہیں اور حضرت فاروقؓ ان کا ہاتھ پکڑ کر اندر لیجاتے ہیں۔ اور ایسا مشاہدہ میں آتا ہے کہ گویا تمام بہشت حضرت صدیقؓ کے نور سے بھری ہوئی ہے۔

اس حقیر کی نظر میں حضرات شیخین، تمام صحابہ کے درمیان ایک علیحدہ شان اور یگانہ درجہ

رکھتے ہیں گویا کہ کوئی بھی اس میں ان کا شریک نہیں ہے۔ حضرت صدیقؓ حضرت پیغمبر علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ گویا "ہم خانہ" ہیں، اگر فرق ہے تو صرف بلندی اور پستی کا ہے (یعنی سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم بالائی منزل میں ہیں اور حضرت صدیقؓ اسی محل کے نیچے کی منزل میں ہیں) اور حضرت فاروقؓ بھی حضرت صدیقؓ کے طفیل اس دولت سے مشرف ہیں اور باقی تمام صحابۂ کرام آنسرور علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کے ساتھ ہم سرائے یا ہم شہری ہونے کی نسبت رکھتے ہیں پھر امت کے اولیاء کی وہاں کیا رسائی ہو سکتی ہے۔ ع

ایں بس کہ رسد ز دور بانگ جرسم　　(دور ہی سے جو سنوں بانگِ جرس، کافی ہے)

پس یہ لوگ (اولیائے امت) شیخینؓ کے کمالات سے کیا حاصل کر سکتے ہیں (کیونکہ) یہ دونوں بزرگوار اپنی بزرگی اور برتری کی وجہ سے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام میں معدود (شمار کئے ہوئے) ہیں اور انبیاء کے فضائل کے ساتھ موصوف ہیں ــــــ حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم نے فرمایا: لَوْ کَانَ بَعْدِیْ نَبِیٌّ لَکَانَ عُمَرُ[۱] (اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو البتہ عمر ہوتا) ــــــ امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ حضرت فاروقؓ کی ماتم پرسی کے ایام میں حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نے صحابہؓ کی مجلس میں کہا: مَاتَ تِسْعَۃُ اَعْشَارِ الْعِلْمِ (آج ۹ حصہ علم فوت ہو گیا)۔ جب بعض حضرات نے اس کے معنی سمجھنے میں توقف ظاہر کیا تو فرمایا کہ میری مراد علم سے علم باللہ ہے (یعنی معرفتِ حق جل وعلا) نہ کہ حیض و نفاس کا علم (یعنی علم احکامِ شرعیہ)۔

اور حضرت صدیقؓ کے متعلق (یہ فقیر) کیا بیان کرے کہ حضرت عمرؓ کی تمام نیکیاں ان کی ایک نیکی کے برابر ہیں جیسا کہ مخبرِ صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے[۲] ــــــ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جو انحطاط و کمی حضرت فاروقؓ کو حضرت صدیقؓ سے ہے وہ اس انحطاط و کمی سے زیادہ ہے جو حضرت صدیقؓ کو حضرت پیغمبر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات سے ہے ــــ لہٰذا قیاس کرنا چاہیے کہ حضرت صدیقؓ سے دوسروں کا انحطاط و کمی کس درجہ کی ہوگی ــــ اور حضرات شیخینؓ وفات کے بعد بھی

---

[۱] رواہ الترمذی، قال المعرب ۔ ورواہ ابو یعلی والطبرانی والحاکم وابو نعیم۔
[۲] حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ایک شب جس میں آسمان پر بادل نہیں تھے اور آپؐ کا سرِ مبارک میری گود میں تھا میں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ! کیا کسی کی نیکیاں آسمان کے ستاروں کے برابر ہیں؟ آپؐ نے فرمایا ہاں عمرؓ کی۔ میں نے کہا پھر ابو بکرؓ کی حسنات کہاں ہیں؟ فرمایا: عمرؓ کی تمام نیکیاں ابو بکرؓ کی نیکیوں میں سے ایک نیکی کے برابر ہیں۔ رواہ رزین (مشکوٰۃ)

حضرت پیغمبرؐ سے جدا نہیں ہوئے اور ان کا حشر بھی اُنہی (پیغمبرؐ) کے درمیان (دائیں بائیں) ہوگا جیسا کہ (آنحضرتؐ نے) فرمایا ــــــ پس ان کی افضلیت (آنحضرتؐ سے) اقربیت کی وجہ سے ہوگی۔

یہ (حقیر) قلیل البضاعت (بے سروسامان) ان حضرات کے کمالات کے بارے میں کیا بیان کرے اور ان کے فضائل میں کیا ظاہر کرے۔ ایک ذرہ کی کیا طاقت کہ آفتاب کی باتیں کرے اور قطرے کی کیا مجال کہ بحرِ عمان (دریائے محیط) کی بات زبان پر لائے۔

وہ اولیائے کرام جو دعوتِ خلق کی طرف لوٹا دیئے گئے ہیں اور ولایت و دعوت دونوں طرف سے کامل حصہ رکھتے ہیں اور تابعین و تبع تابعین میں سے علمائے مجتہدین نے اپنے کشفِ صحیح کے نور سے اور فراستِ صادقہ اور متواتر خبروں کی بنیاد پر شیخین کے کمالات کو تھوڑا سا دریافت کیا ہے اور ان کے فضائل میں سے تھوڑی سی معرفت حاصل کرکے ناچار اُن کی افضلیت شان کا حکم دیا ہے اور اس پر اجماع کیا ہے اور اس کشف کو جو اس اجماع کے خلاف ظاہر ہوا اس کو عدم صحت پر محمول کرکے قابلِ اعتبار نہیں سمجھا ہے ــــــ اور اس کے علاوہ اور کسی کشف کا کس طرح اعتبار کیا جا سکتا ہے جبکہ صدرِ اول (عہدِ نبویؐ) میں ان کی افضلیت کی صحت مسلّم ہو چکی ہے، جیسا کہ امام بخاریؒ نے حضرت ابنِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی ہے: قَالَ كُنَّا فِي زَمَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ لَا نَعْدِلُ بِاَبِيْ بَكْرٍ اَحَدًا ثُمَّ عُمَرَ ثُمَّ عُثْمَانَ ثُمَّ نَتْرُكُ اَصْحَابَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ لَا نُفَاضِلُ بَيْنَهُمْ[۱] (حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ ہم نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں حضرت ابوبکرؓ پھر حضرت عمرؓ پھر حضرت عثمانؓ کے برابر کسی کو نہیں سمجھتے تھے، پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جملہ اصحاب کو چھوڑ دیتے تھے اور ان کے درمیان کسی کو فضیلت نہ دیتے تھے) ــــــ اور ابوداؤدؒ کی ایک روایت میں ہے کہ قَالَ كُنَّا نَقُوْلُ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ حَيٌّ اَفْضَلُ اُمَّةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ بَعْدَهٗ اَبُوْبَكْرٍ ثُمَّ عُمَرُ ثُمَّ عُثْمَانُ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمْ[۲] (حضرت ابنِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ میں کہا کرتے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تمام امت میں حضرت ابوبکرؓ افضل ہیں پھر حضرت عمرؓ پھر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم)۔

اور یہ جو کہا گیا ہے کہ "ولایت نبوت سے افضل ہے" یہ ارباب سکر (کی خبر) سے ہے جو اولیاء غیر مرجوع میں سے ہیں اور جن کو مقامِ نبوت کے کمالات سے زیادہ حصہ حاصل نہیں ہے ——— اور آپ کی نظر سے گذرا ہوگا کہ فقیر نے اپنے بعض رسائل میں تحقیق کی ہے کہ "نبوت، ولایت سے افضل ہے" اگرچہ اسی نبی کی ولایت ہو، اور حق (سچی بات) بھی یہی ہے۔ اور جس کسی نے اس کے خلاف کہا ہے وہ مقامِ نبوت کے کمالات کی نادانی کی وجہ سے کہا ہے۔ جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے۔

آپ کو معلوم ہے کہ اولیا کے تمام سلسلوں کے درمیان صرف سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ کی نسبت حضرت صدیق رضؓ سے ہے لہذا نسبتِ صحو بھی ان (مشائخ نقشبندیہ) کے درمیان غالب ہے اور ان کی دعوتِ (اسلام) کامل تر ہے، اور حضرتِ صدیق رضؓ کے کمالات ان پر زیادہ ظاہر ہوتے ہیں تو لازمی طور پر ان کی نسبت تمام سلسلوں کی نسبت سے بڑھ کر ہوگی۔ لہذا دوسرے ان کے کمالات کو کیا پا سکتے ہیں اور ان کی حقیقتِ معاملہ کو کیا سمجھ سکتے ہیں ——— میں یہ نہیں کہتا کہ تمام مشائخ نقشبندیہ اس معاملہ میں برابر ہیں۔ ہرگز ایسا نہیں ہے بلکہ اگر ہزاروں میں سے ایک بھی اس صفت میں کامل ہو جائے تو غنیمت ہے۔ میرا خیال ہے کہ حضرت مہدی موعود جو ولایت کی اکملیت کے لئے مقرر ہیں ان کو یہ نسبت حاصل ہوگی، اور وہ اس سلسلۂ عالیہ کی تتمیم و تکمیل فرمائیں گے، کیونکہ دوسری تمام ولایتوں کی نسبت اس نسبتِ عالیہ سے کمتر ہے ——— باقی تمام ولایتوں کو مرتبۂ نبوت کے کمالات سے بہت کم حصہ حاصل ہے، اور یہ ولایت حضرت صدیق رضؓ کی طرف منسوب ہونے کی وجہ سے ان کمالاتِ (نبوت) سے حظِ وافر رکھتی ہے جیسا کہ ابھی بیان ہوا۔ ع

ببیں تفاوتِ راہ از کجاست تا بکجا (یہ راہ دیکھو کہاں اور وہ راہ دیکھو کہاں)

اے بھائی! چونکہ حضرت امیر (علیؓ) بارِ ولایتِ محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیہ کے حامل ہیں اس لئے اقطاب، ابدال اور اوتاد کے مقام کی تربیت جو اولیائے عزلت میں سے ہیں اور کمالاتِ ولایت کی جانب ان میں غالب ہے ان کی تربیت حضرت امیر رضی اللہ عنہ کی اعانت و امداد سے سپرد ہے ——— قطب الاقطاب یعنی قطبِ مدار کا سر حضرت امیرؓ کے زیرِ قدم ہے۔ قطبِ مدار انہی کی حمایت اور رعایت سے اپنی مہم سرانجام دیتا ہے اور مداریت سے عہدہ برآ ہوتا ہے ——— حضرت فاطمہؓ اور امامین (حضرات حسنؓ و حسینؓ) بھی اسی مقام میں حضرت امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے شریک ہیں۔

جاننا چاہئے کہ پیغمبر علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کے اصحاب سب بزرگ ہیں لہذا تمام (صحابہ) کو بزرگی سے یاد کرنا چاہئے ــــــــ خطیب بغدادیؒ نے حضرت انسؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اِنَّ اللّٰہَ اخْتَارَنِیْ وَاخْتَارَلِیْ اَصْحَابًا وَاخْتَارَلِیْ مِنْھُمْ اَصْھَارًا وَّاَنْصَارًا فَمَنْ حَفِظَنِیْ فِیْھِمْ حَفِظَہُ اللّٰہُ وَمَنْ اٰذَانِیْ فِیْھِمْ اٰذَاہُ اللّٰہُ (تحقیق اللہ تعالیٰ نے مجھے پسند فرمایا اور میرے لئے اصحاب کو پسند کیا اور ان میں سے بعض کو میرے لئے قرابت دار اور مددگار پسند کیا پس جس شخص نے ان کے حق میں مجھے محفوظ رکھا اس کو اللہ تعالیٰ نے محفوظ رکھا اور جس نے ان کے حق میں مجھے ایذا دی اس کو اللہ تعالیٰ نے ایذا دی) ــــــــ اور طبرانی نے حضرت ابنِ عباسؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا: مَنْ سَبَّ اَصْحَابِیْ فَعَلَیْہِ لَعْنَۃُ اللّٰہِ وَالْمَلٰئِکَۃِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ (جس نے میرے اصحاب کو گالی دی اُس پر اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور تمام آدمیوں کی طرف سے لعنت ہے) ــــــــ اور ابن عدی نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا: اِنَّ اَشْرَارَ اُمَّتِیْ اَجْرَاُھُمْ عَلٰی اَصْحَابِیْ (میری امت کے بدترین وہ لوگ ہیں جو میرے اصحاب پر دلیر ہیں) ــــــــ

اور ان لڑائی جھگڑوں کو جو اُن کے درمیان واقع ہوئے ہیں نیک نیتی پر محمول کرنا چاہئے اور ہوا و تعصب سے دور سمجھنا چاہئے کیونکہ ان کی مخالفتیں اجتہاد و تاویل پر مبنی تھیں نہ کہ ہوا و ہوس پر، جیسا کہ جمہور اہل سنت کا موقف ہے ــــــــ لیکن جاننا چاہئے کہ حضرت امیر کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کے خلاف لڑنے والے خطا پر تھے اور "حق" حضرت امیرؓ کی جانب تھا. لیکن چونکہ یہ خطا خطائے اجتہادی ہے اس لئے ملامت سے دُور اور مواخذہ سے بَری ہے، جیسا کہ شارح[1] مواقف[2] آمدی[3] سے نقل کرتے ہیں کہ "جمل و صفین کے واقعات اجتہاد کی رُو سے ہوئے ہیں ــــــــ اور شیخ ابوشکور سلمی نے تمہید[4] میں تصریح کی ہے کہ اہلِ سنت و جماعت اس بات پر متفق ہیں کہ امیر معاویہؓ مع ان کے تمام اصحاب کے جو ان کے ہمراہ تھے سب خطا پر تھے لیکن ان کی خطا خطائے اجتہادی تھی۔

۱؎ شارح مواقف سید علی بن محمد جرجانی متوفی سنہ ۸۱۶ھ

۲؎ علم کلام کی بلند مرتبہ کتاب، مصنف علامہ عضد الدین عبد الرحمن بن احمد قاضی

۳؎ آپ کا لقب سیف الدین کنیت ابوالحسن، نام علی بن ابی علی محمد بن سالم تغلبی، فقیہ اصولی ہیں۔ وفات ۳ صفر سنہ ۶۳۱ھ (وفیات الاعیان)

۴؎ اصولِ معرفتِ توحید میں ایک مختصر رسالہ بمصنفہ ابوشکور محمد بن سید بن شعیب کشی حنفی۔

——— اور شیخ ابنِ حجرؒ نے صواعق[1] میں کہا ہے کہ امیر معاویہؓ اور حضرت امیرؓ کے درمیان جھگڑے اجتہاد کی بنا پر ہوئے ہیں، اور اس قول کو اہلِ سنت کے معتقدات سے فرمایا ہے ———

اور شارح مواقف نے جو یہ بات کہی ہے کہ ہمارے بہت سے اصحاب اس پر متفق ہیں کہ "وہ جھگڑا اجتہاد کی بنا پر نہیں تھا" معلوم نہیں کہ اصحاب سے ان کی مراد کونسا گروہ ہے۔ جبکہ اہلِ سنت اس کے خلاف حکم دیتے ہیں جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا۔ اور قوم کی کتابیں "خطائے اجتہادی" (کے حکم) سے بھری ہوئی ہیں، جیسا کہ امام غزالیؒ، قاضی ابو بکرؒ وغیرہ نے صراحت کی ہے۔ لہذا حضرت امیرؓ کے ساتھ جنگ کرنے والوں کو فاسق اور گمراہ کہنا جائز نہیں ہوا۔

قاضی (عیاض) نے شفا میں لکھا ہے کہ "حضرت امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے کہ جس شخص نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب میں سے کسی کو یعنی ابو بکر، عمر، عثمان، معاویہ اور عمرو بن العاص (وغیرہ) رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو گالی دی اور کہا کہ وہ کفر اور گمراہی پر تھے تو وہ واجب القتل ہے اور اگر اس کے علاوہ کوئی اور سب و شتم کا لفظ استعمال کیا جس طرح لوگ ایک دوسرے کو کہتے ہیں تو اس کو سخت سزا دی جائے کیونکہ حضرت امیرؓ کے خلاف جنگ کرنے والے کفر پر نہ تھے جیسا کہ بعض غالی رافضیوں کا خیال ہے اور نہ ہی فسق پر تھے جیسا کہ بعض نے خیال کیا ہے اور شارح مواقف نے اس قول کو کی طرف منسوب کیا ہے۔ یہ کیسے ممکن ہو سکتا جبکہ حضرت صدیقہؓ اور طلحہؓ و زبیرؓ اور بہت سے اصحاب کرام انہی میں سے تھے۔ اور طلحہؓ و زبیرؓ جمل کی لڑائی میں امیر معاویہؓ کے خروج سے پیشتر تیرہ ہزار مقتولین کے ساتھ شہید و قتل ہوئے۔ لہذا ان کو ضلالت اور فسق کی طرف منسوب کرنے پر سوائے اس شخص کے جس کے دل میں مرض اور باطن میں خبث (گندگی) ہو کوئی مسلمان جرأت نہیں کر سکتا۔"

اور یہ جو بعض فقہا نے اپنی عبارات میں امیر معاویہؓ کے حق میں لفظِ "جور" استعمال کیا ہے اور کہا ہے: كَانَ مُعَاوِيَةُ اِمَامًا جَائِرًا (معاویہ جور کرنے والے امام تھے) تو اس جور سے مراد یہ ہے کہ حضرت امیرؓ کی خلافت کے زمانے میں امیر معاویہ خلافت کے حقدار نہیں تھے، نہ کہ وہ جور جس کا انجام فسق و ضلالت ہے (یہ توجیہ اس لئے ہے) تاکہ اہلِ سنت کے اقوال کے موافق ہو جائے۔ اس کے باوجود

---

[1] شیخ شہاب الدین احمد ابن حجر الہیتمی کی مشہور کتاب "صواعقِ محرقہ"

استقامت والے حضرات ایسے الفاظ سے اجتناب کرتے ہیں جن سے مقصود کے خلاف وہم پیدا ہوتا ہو۔ اور "خطا" سے زیادہ کہنا پسند نہیں کرتے ــــــ اور امیر معاویہؓ جَور کرنے والے کیسے ہوسکتے ہیں جبکہ صحیح طور پر تحقیق ہوچکا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حقوق اور مسلمانوں کے حقوق میں امام عادل تھے۔ جیسا کہ صواعق میں ہے ــــــ اور حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ نے جو خطائے منکر کہا ہے انھوں نے زیادتی کی ہے اور لفظِ "خطا" سے زیادہ جو کچھ بھی کہا جائے خطا ہے اس کے بعد جو انھوں نے کہا ہے کہ اگر وہ مستحقِ لعنت ہیں الخ۔ یہ بھی نامناسب کہا ہے، اس کی تردید کی کیا حاجت ہے اور اس میں شک و شبہ کا کیا موقع ہے۔ اگر یہ بات یزید کے بارے میں کہی جائے تو گنجائش رکھتی ہے، لیکن حضرت معاویہؓ کے بارے میں ایسا کہنا بہت بُرا ہے ــــــ

احادیثِ نبویؐ میں معتبر اور ثقات کی اسناد سے مروی ہے کہ حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے امیر معاویہؓ کے حق میں دعا فرمائی اور فرمایا: اَللّٰھُمَّ عَلِّمْہُ الْکِتَابَ وَالْحِسَابَ وَقِہِ الْعَذَابَ[1] (یا اللہ! تو اس کو کتاب اور حساب کا علم دے اور اس کو عذاب سے بچا)۔ اور دوسری جگہ دعا میں فرمایا: اَللّٰھُمَّ اجْعَلْہُ ھَادِیًا وَّمَھْدِیًّا (یا اللہ! تو اس کو ہادی اور مہدی بنا) اور آنحضرتؐ کی یہ دعا مقبول ہے۔

بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ بات مولانا جامی سے سہو و نسیان کی بنا پر سرزد ہوئی ہوگی اور نیز مولانا نے انہی ابیات میں نام کی تصریح کے بغیر کہا ہے کہ "آں صحابی دیگر" (وہ صحابی دوسرے ہیں) اور یہ عبارت بھی ناخوشی کی خبر دیتی ہے۔ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِیْنَا اَوْ اَخْطَاْنَا (بقرہ ۲ آیت ۲۸۶) (اے ہمارے رب! ہماری بھول چوک پر گرفت نہ کیجیو)۔

اور یہ جو (بعض نے) امام شعبیؒ سے امیر معاویہؓ کی مذمت میں نقل کیا ہے اور ان کی برائی کو فسق سے بھی بدتر قرار دیا ہے وہ پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچا۔ (اور اگر اس بات کو تسلیم بھی کرلیا جائے تو) امام اعظم (ابوحنیفہؒ) جو ان کے شاگردوں میں سے ہیں اس نقل کو بیان کرنے کے زیادہ مستحق تھے۔ اور امام مالکؒ جو تابعین میں سے ہیں اور ان (امام شعبیؒ) کے ہمعصر اور علمائے مدینہ میں سب سے زیادہ عالم ہیں امیر معاویہؓ اور عمرو بن العاصؓ کے گالی دینے والے کو قتل کا حکم کرتے ہیں جیسا کہ اوپر بیان ہوا ــــــ اگر وہ سبّ و شتم کے مستحق ہوتے تو ان کے گالی دینے والے کو قتل کا حکم کیوں کرتے۔ پس

[1] اخرجہ احمد فی مسندہ عن العرباض بن ساریۃ (تاریخ الخلفاء)۔

معلوم ہوا کہ ان کو گالی دینا گناہ کبیرہ سمجھ کر ان کے گالی دینے والے کو قتل کا حکم کیا ہے، اور اسی طرح ان کو گالی دینا حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ اور عثمانؓ کو گالی دینے کی طرح خیال کیا ہے. جیسا کہ اوپر مذکور ہوا۔ لہذا حضرت معاویہؓ نکوہش (سرزنش و برائی) کے مستحق نہیں ہیں۔

اے برادر! اس معاملے میں امیر معاویہؓ تنہا نہیں ہیں بلکہ صحابۂ کرام کی کم و بیش نصف جماعت اس معاملہ میں حضرت معاویہؓ کے شریک ہیں۔ پس محاربانِ امیرؓ اگر کفر یا فسق پر ہوں تو نصف دین سے اعتماد ختم ہو جاتا ہے جو کہ ان کی تبلیغ کے ذریعہ سے ہم تک پہنچا ہے۔ اور اس طرح کی بات کو سوائے اس زندیق کے اور کوئی تجویز نہیں کرتا جس کا مقصود دین کی بربادی اور اس کو جھٹلانا ہے۔

اے بھائی! اس فتنے کے برپا ہونے کا منشا حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت ہے۔ اور ان کے قاتلوں سے ان کا قصاص طلب کرنا ہے۔ حضرت طلحہؓ و زبیرؓ جو اول مدینہ منورہ سے باہر نکلے تھے اس کی وجہ بھی تاخیر قصاص تھی اور حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بھی اس معاملے میں ان کی موافقت کی اور جنگِ جمل جس میں تیرہ ہزار آدمی قتل ہوئے اور حضرت طلحہؓ و زبیرؓ بھی جو عشرۂ مبشرہ میں سے ہیں وہ بھی شہید ہوئے۔ وہ بھی حضرت عثمانؓ کے قصاص کے تاخیر کی وجہ سے شہید ہوئے۔ اس کے بعد امیر معاویہؓ نے شام سے آکر ان کے ساتھ شریک ہو کر جنگِ صفین لڑی۔

حضرت امام غزالیؒ نے تصریح کی ہے کہ وہ جھگڑا خلافت پر نہیں ہوا بلکہ حضرت امیرؓ کی خلافت کی ابتدا ہی میں قصاص کے پورا کرنے کے لئے ہوا ـــــ اور شیخ ابن حجرؒ نے بھی اسی بات کو اہل سنت و جماعت کے معتقدات میں سے بیان کیا ہے ـــــ اور شیخ ابو شکور سلمی جو کہ حنفیہ علماء کے اکابرین میں سے ہیں فرماتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہؓ کا حضرت امیر (علیؓ) سے جھگڑا خلافت کے بارے میں تھا کیونکہ پیغمبر علیہ وعلی آلہ الصلوات والتسلیمات نے حضرت معاویہؓ سے فرمایا تھا کیا اِذَا مَلَكْتَ النَّاسَ فَارْفِقْ بِهِمْ[1] (جب تو لوگوں کا حاکم بن جائے تو ان کے ساتھ نرمی کرنا)۔ اسی وجہ سے حضرت معاویہؓ کو خلافت کی آرزو پیدا ہو گئی تھی۔ لیکن وہ اس جہاد میں خطا پر تھے اور حضرت امیرؓ حق پر ـــــ کیونکہ ان کی خلافت کا زمانہ حضرت امیرؓ کی خلافت کے زمانے کے بعد ہے۔ اور ان دونوں اقوال کے درمیان موافقت اس طرح ہے کہ ہو سکتا ہے کہ اس جھگڑے کی وجہ قصاص کی تاخیر ہو۔ اس کے بعد

[1] قال المعرب رواه مسلم وابن ابی شیبہ فی المصنف والطبرانی فی الکبیر بهذا اللفظ۔

امیر معاویہؓ کو خلافت کی آرزو پیدا ہو گئی ہو تب بھی بہر تقدیر اجتہاد اپنے محل میں واقع ہو گیا۔ اگر خطا پر ہے تو ایک درجہ اور اگر حق پر ہے تو دو درجہ بلکہ دس درجے (ثواب ہے)۔

اے بھائی! اس معاملہ میں سب سے بہتر اور سلامتی کا طریقہ یہی ہے کہ حضرت پیغمبر علیہ و علیہم الصلوات والتسلیمات کے اصحاب کے جھگڑوں کے ذکر سے خاموشی اختیار کی جائے اور ان کے جھگڑوں کے تذکروں سے منہ پھیر لیا جائے، کیونکہ حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے:۔ اِیَّاکُمْ وَمَا شَجَرَ بَیْنَ اَصْحَابِیْ[1] (میرے اصحاب کے درمیان جو جھگڑے ہوں ان سے اپنے آپ کو بچاؤ) ـــــ نیز آنحضرت پیغمبر علیہ و علی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: اِذَا ذُکِرَ اَصْحَابِیْ فَاَمْسِکُوْا[2] (جب میرے صحابہ (کے اختلاف) کا ذکر ہو تو خاموش ہو جاؤ) ـــــ اور نیز علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: اَللّٰہَ اَللّٰہَ فِیْ اَصْحَابِیْ لَا تَتَّخِذُوْھُمْ غَرَضًا[3] (میرے صحابہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور ان کو اپنے تیر کا نشانہ نہ بناؤ)۔

حضرت امام شافعیؒ نے فرمایا اور اسی طرح حضرت عمر بن عبد العزیزؒ سے بھی منقول ہے: تِلْکَ دِمَاءٌ طَھَّرَ اللّٰہُ عَنْھَا اَیْدِیَنَا فَلْنُطَھِّرْ عَنْھَا اَلْسِنَتَنَا (یہ وہ خون ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے ہمارے ہاتھوں کو بچایا ہے لہٰذا ہم کو چاہئے کہ اپنی زبانوں کو ان سے پاک رکھیں) ـــــ اس عبارت سے بھی مفہوم ہوتا ہے کہ ان کی خطاؤں کو زبان پر نہیں لانا چاہئے اور ان کے ذکرِ خیر کے علاوہ اور کچھ بیان نہ کرنا چاہئے ـــــ بدنصیب یزید فاسقوں کے زمرے میں سے ہے اس کی لعنت میں توقف کرنا اہلِ سنت والجماعت کے مقررہ اصول میں سے ہے کیونکہ شخصِ معین کو اگرچہ وہ کافر ہو لعنت تجویز نہیں کی گئی، مگر جب یقیناً معلوم ہو جائے کہ اس کا خاتمہ کفر پر ہوا ہے جیسا کہ ابی لہب جہنمی اور اس کی بیوی۔ نہ یہ کہ وہ لعنت کے لائق نہیں (یعنی وہ لعنت کے لائق ہیں) ـــــ (جیسا کہ قرآن کریم میں ہے) اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ لَعَنَھُمُ اللّٰہُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ (احزاب آیت ۵۷) (جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دیتے ہیں ان پر دنیا و آخرت میں اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے)۔

جاننا چاہئے کہ اس زمانہ میں چونکہ اکثر لوگ امامت کے معاملہ میں بحث کرتے رہتے ہیں، اور

[1] ذکرہ ابن الاثیر الجزری فی نہایۃ الغریب۔ [2] طبرانی نے حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت ثوبانؓ سے اور ابن عدی نے حضرت ابن عمرؓ سے۔
[3] اس کو ترمذی نے روایت کیا اور کہا ھذا حدیث غریب (مشکوٰۃ)

اصحابِ کرام علیہم الرضوان کی خلافت ومخالفت کی نسبت گفتگو کرنا اپنا نصب العین بنا لیا ہے۔ اور جاہل تاریخ داں اور سرکش بدعتیوں کی تقلید کرتے ہوئے اکثر اصحاب کرامؓ کو نیکی وبھلائی سے یاد نہیں کرتے اور نامناسب باتیں ان حضرات کی طرف منسوب کرتے رہتے ہیں۔ لہذا ضروری سمجھتے ہوئے جو کچھ معلوم تھا اس میں سے تھوڑا سا تحریر میں لاکر دوستوں تک پہنچا دیا گیا ــــــ آنحضرت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: اِذَا ظَهَرَتِ الْفِتَنُ اَوْ قَالَ الْبِدَعُ وَسُبَّتْ اَصْحَابِیْ فَلْيُظْهِرِ الْعَالِمُ عِلْمَهٗ، فَمَنْ لَّمْ يَفْعَلْ ذٰلِكَ فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ لَا يَقْبَلُ اللّٰهُ لَهٗ صَرْفًا وَّلَا عَدْلًا[ع۵] (جب فتنے یا یہ فرمایا بدعتیں ظاہر ہو جائیں اور میرے اصحاب کو گالیاں دی جائیں تو عالم کو چاہیئے کہ اپنے علم کو ظاہر کرے پس جس نے ایسا نہ کیا اس پر اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے، اللہ تعالیٰ اس کے نہ فرض قبول فرمائے گا نہ نفل)۔

لیکن اللہ تعالیٰ کا شکر اور احسان ہے کہ سلطانِ وقت (جہانگیر بادشاہ) اپنے آپ کو حنفی مذہب (کا پیرو) قرار دیتا ہے اور اہلِ سنت وجماعت سے جانتا ہے ورنہ مسلمانوں کو بڑی مشکل کا سامنا کرنا پڑتا۔ اس نعمتِ عظمیٰ کا شکر بجا لانا چاہیئے ــــــ پس چاہیئے کہ اہلِ سنت وجماعت کے معتقدات کے مطابق اپنے اعتقاد کا مدار رکھیں اور زید وعمر کی باتوں پر توجہ نہ دیں۔ جھوٹے افسانوں پر اپنے کام کی بنیاد رکھنا خود کو ضائع کرنا ہے۔ فرقہ ناجیہ (اہلِ سنت) کی تقلید ضروری ہے تاکہ نجات کی امید پیدا ہو۔ وَبِدُوْنِهٖ خَرْطُ الْقَتَادِ (ورنہ بے فائدہ تکلیف اٹھانا ہے) وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَعَلٰى سَآئِرِ مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ (اور سلام ہو تم پر اور ان سب پر جنہوں نے ہدایت کی پیروی کی اور حضرت محمد مصطفےٰ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت کو اپنے اوپر لازم کیا)۔

مکتوب ۲۵۲

دو صد و پنجاہ و دوئم

جناب شیخ بدیع الدین[۱] کی طرف صادر فرمایا ــــــ بعض سوالات کے جواب میں اور اس کے مناسب بیان میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى (تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں اور اس کے

۱؎ آپ کے نام دس مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۱۷۲ پر گزر چکا ہے۔

ع۵ معرب نے کہا کہ اس حدیث کو ابنِ حجر مکی نے صواعق میں جامع خطیب بغدادی کے حوالے سے نقل کیا ہے۔

برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) ــــ سعادت مند بھائی کا مکتوب موصول ہو کر بہت زیادہ خوشی کا باعث ہوا ــــ آپ نے جو سوالات کئے تھے ان کے جواب میں آپ کو معلوم ہو کہ حضرت نوحؑ اور حضرت ابراہیم صلوات اللہ تعالیٰ و تسلیماتہ سبحانہ، علیٰ نبینا وعلیہما کا مبدأ تعین (سرچشمہ) "صفت العلم" ہے جیسا کہ تعینِ محمدی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مبدأ بھی صفت (صفت العلم) ہے، فرق صرف جہات اور اعتبارات کا ہے، کیونکہ اس صفت کی ایک جانب عالِم کی طرف ہے اور دوسری معلوم کی طرف۔ پہلی وجہ (جانب) وحدت کے مناسب ہے اور دوسری وجہ کثرت کے موافق۔ اور اس صفت کے لئے بھی اجمال و تفصیل ہے کہ ہر ایک اعتبار کسی ایک بزرگ کے مبدأ تعین سے ہے۔

دوسرے وہ معارف جو نبوت و ولایت کا بار اُٹھانے سے تعلق رکھتے ہیں وہ خواجہ محمد اشرف کے نام والے مکتوب ۲۵۱ میں تفصیل کے ساتھ درج ہو چکے ہیں دوبارہ لکھنے کی ضرورت نہیں ہے وہاں سے معلوم کر لیں ــــ دوسرے یہ کہ (فقیر) چاہتا تھا کہ اس استفسار کے جواب میں کہ قطب[2] اور غوث اور خلیفہ کے درمیان کیا فرق ہے کچھ لکھے، لیکن اذن نہ ہوا۔ ان کو دوسرے وقت کیلئے موقوف رکھیں۔ والسلام

مکتوب ۲۵۳

دو صد و پنجاہ و سیوم

مشیخت مآب شیخ ادریس سامانی[1] کی طرف صادر فرمایا ــــ ان کے سوالات کے جواب میں اور اس راہ کی بے نہایتی اور رمز و اجمال کے طور پر بعض مقامات و منازل کی تفصیل کے بیان میں۔

حمد و صلوٰۃ اور تبلیغ دعوات کے بعد عرض ہے کہ اس طرف کے فقراء کے اوضاع و احوال حمد کے لائق ہیں، اور اللہ سبحانہ، کے حضور میں آپ کے لئے آنحضرت علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کے پسندیدہ طریقے پر سلامتی، عافیت، ثابت قدمی اور استقامت کا سوال کرتا ہوں ــــ

اُن احوال و مواجید کا بیان جو (آپ نے) مولانا عبد المومن کی زبانی حوالہ کیا تھا، اور ان کا جواب چاہا تھا، مولانا نے اس کو بیان کر کے کہا کہ آپ نے فرمایا ہے "کہ اگر میں زمین کی طرف نظر کرتا ہوں تو زمین کو نہیں پاتا اور اگر آسمان کی جانب دیکھتا ہوں تو اس کو بھی نہیں پاتا اور اسی طرح عرش و کرسی، بہشت و دوزخ کا

---

[1] آپ کے نام صرف یہی ایک مکتوب ہے اور حالات بھی معلوم نہ ہو سکے۔

[2] قطب، غوث سے متعلق مکتوب ۲۵۶ ملاحظہ ہو جو آگے آرہا ہے۔

وجود بھی نہیں پاتا، اور اگر کسی شخص کے پاس جاتا ہوں تو اس کا وجود بھی نہیں پاتا اور خود کو بھی موجود نہیں جانتا۔ اور حق جل شانہٗ کا وجود بے پایاں ہے اس کی نہایت کو کسی نے نہیں پایا۔ بزرگان (مشائخ طریقت) اسی مقام تک کی گفتگو کرتے ہیں اور یہاں تک پہنچ کروہ (مزید) سیر سے عاجز ہو گئے ہیں اور اس معنی سے زیادہ (سلوک) اختیار نہیں کر سکے ـــــ اگر آپ بھی اسی کو کمال سمجھتے ہیں اور اسی مقام میں ہیں تو پھر میں آپ کے پاس کس لئے آؤں اور کیوں تکلیف برداشت کروں۔ اور اگر اس کمال کے علاوہ کوئی اور امر ہے تو اس کی اطلاع دیں تاکہ میں ایک دوست کے ساتھ جو بہت زیادہ درد و طلب رکھتا ہے آپ کی خدمت میں حاضر ہوں۔ اس تردد کے حصول کی وجہ سے حاضر ہونے میں چند سال توقف رہا۔"

میرے مخدوم! یہ احوال اور انہی احوال کے مثل (واقعات) قلب کے تلوینات[1] کی وجہ سے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان احوال والے شخص نے مقاماتِ قلب سے ابھی چوتھے حصے سے زیادہ طے نہیں کیا، مقاماتِ قلب کے تین حصے اور طے کرنے چاہئیں تاکہ قلب کا معاملہ پورے طور پر طے ہو جائے۔ قلب کے بعد روح کا معاملہ اور روح کے بعد سر ہے، سر کے بعد خفی پھر اس کے بعد اخفیٰ ہے ان باقی ماندہ چاروں (مقامات) میں سے ہر ایک کے احوال و مواجید علیحدہ ہیں لہٰذا ہر ایک کو جدا جدا طے کرنا چاہیے اور ہر ایک کے کمالات سے مزین ہونا چاہیے ـــــــــ عالمِ امر کے ان پنجگانہ (پانچوں لطائف) سے گزرنے کے بعد اور ان کی اصول کی منازل کو درجہ بدرجہ طے کرنے کے بعد، اور اسماء و صفات کے مدارج ظلال طے کرنے کے بعد جو کہ درجہ بدرجہ ان اصولوں کے اصول ہیں، اسماء و صفات کی تجلیات اور شیون و اعتبارات کے ظہورات ہیں، ان تجلیات سے گزرنے کے بعد تجلیاتِ ذات تعالیٰ و تقدس ہے۔ اس وقت یہ معاملہ نفس کے اطمینان پر آجاتا ہے اور پروردگار جل سلطانہٗ کی رضا کا حصول میسر ہو جاتا ہے۔ اور وہ کمالات جو اس مقام (رضا و اطمینان کے مقام) پر حاصل ہوتے ہیں ان کے مقابلے میں سابقہ کمالات دریائے محیط کے مقابلے میں قطرہ کا حکم رکھتے ہیں۔ اس جگہ شرح صدر میسر ہوتا ہے اور (انسان) اسلامِ حقیقی سے مشرف ہو جاتا ہے ؎ ع

کار ایں است غیر ایں ہمہ ہیچ (کام بس یہ ہے اور باقی ہے)

[1] تلوین۔ گوناگوں کرنا۔ اہلِ تصوف کی اصطلاح میں مقاماتِ فقر میں سے ایک مقام کا نام ہے۔

اسماء و صفات کی وہ تجلیات جو عالمِ امر کے ان پنجگانہ منازل کو مع ان کے اصول اور اصولِ اصول کے قطع کرنے سے پہلے متوہم معلوم ہوتی ہیں وہ عالمِ امر کے بعض خواص کے ظہورات ہیں جو بے چونی اور لامکانیت سے کچھ حصہ رکھتے ہیں نہ کہ اسماء و صفات کی تجلیات سے۔ کسی سالک نے اسی مقام پر کہا ہے کہ میں تیس ۳۰ سال تک روح کو خدا سمجھ کر اس کی پرستش کرتا رہا۔ لہٰذا وصول کہاں اور سیری کس کے لئے۔ شعر

کَیْفَ الْوُصُوْلُ اِلٰی سُعَادَ وَدُوْنَهَا ۔۔۔ قُلَلُ الْجِبَالِ وَدُوْنَهُنَّ حُیُوْفٌ

(کس طرح پہنچوں در محبوب تک ۔۔۔ درمیاں ہیں پُرخطر کوہ اور غار)

چونکہ آپ نے خصوصیت کے ساتھ اس راہ کی حقیقت کی طلب ظاہر کی تھی لہٰذا مختصر طور پر اس کا کچھ بیان تحریر کیا گیا ہے۔ وَالْاَمْرُ عِنْدَ اللّٰہِ سُبْحَانَہٗ (اور اصل معاملہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے)۔ وَالسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَعَلٰی مَنْ لَّدَیْکُمْ (آپ پر اور آپ کے احباب پر سلام ہو)۔

مکتوب ۲۵۴

دو صد و پنجاہ و چہارم

ملا احمد برکی[۱] کی طرف صادر فرمایا ــــ بعض سوالات کے جواب میں جو انھوں نے دریافت کئے تھے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) ــــ آپ نے لکھا تھا کہ بعض بزرگوں نے فرمایا ہے کہ آدمی جو کچھ کرے وہ صاحبِ زماں کے حکم سے کرے تاکہ اس کا نتیجہ برآمد ہو، اگرچہ وہ مشروع کام ہو؛ اگر یہ بات صحیح ہے تو بندہ تمام مشروعات میں حکم کا امیدوار ہے؟ ــــ میرے مخدوم! بزرگوں کا قول صحیح ہے، اور آپ کے بارے میں اذن (اجازت) حاصل کر کے ماذون (صاحبِ اجازت) کیا ہے۔ لیکن جاننا چاہئے کہ نتیجہ سے مراد ایک محدود نتیجہ ہے نہ کہ مطلقاً۔

نیز آپ نے لکھا تھا کہ ایک رسالہ میں یہ تحریر دیکھی ہے کہ حضرت خواجہ احرار قدس سرہٗ نے فرمایا ہے کہ "قرآن بحقیقت از مرتبۂ عین جمع است" (یعنی قرآن مجید حقیقت میں مرتبۂ عین جمع سے ہے) یعنی ذات تعالیٰ و تقدس کی احدیت سے ہے ــــ لہٰذا جو کچھ رسالہ مبدا و معاد میں تحریر کیا گیا

[۱] آپ کے نام پانچ مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۲۳۹ پر گزر چکا ہے۔

کہ "حقیقتِ کعبۂ ربانی، حقیقتِ قرآنی سے بلند و بالا ہے" اس کے کیا معنی ہوں گے؟ ـــــــ میرے مخدوم! احدیتِ ذات سے مراد، احدیتِ مجردہ نہیں ہے کہ جس میں کوئی صفت و شان ملحوظ نہ ہو، کیونکہ حقیقتِ قرآن کا منشا صفتِ کلام سے ہے جو صفاتِ ثمانیہ (آٹھ صفات) میں سے ایک صفت ہے، اور حقیقتِ کعبہ کا مبدا و منشا وہ مرتبہ ہے جو شیونات و صفات کی تلوینات سے برتر ہے اس لئے اس کی فوقیت کی گنجائش ہو گئی۔

نیز آپ نے لکھا تھا کہ بعض تفاسیر میں درج ہے کہ اگر کوئی یہ کہے کہ میں کعبہ کو سجدہ کرتا ہوں تو وہ کافر ہو جاتا ہے کیونکہ سجدہ کعبہ کی جانب ہے نہ کہ کعبہ کو۔ اور دوسری جگہ لکھا ہے کہ ابتدائے اسلام میں سجدہ میں "لَکَ سَجَدْتُ" (میں نے تیرے لئے سجدہ کیا) کہتے تھے، ضمیروں کا مدلول نفسِ ذات تعالیٰ و تقدس ہے۔ لہٰذا رسالہ مبدا و معاد میں جو کچھ تحریر کیا گیا کہ کعبہ کی صورت جس طرح اشیاء کی صورتوں کی مسجود ہے اسی طرح کعبہ کی حقیقت بھی اشیاء کے حقائق کی مسجود ہے۔ اس کا کیا مطلب ہے؟ ـــــــ میرے مخدوم! یہ عبارتوں کے مسامحات (فروگذاشت اور آسانی کرنا) سے ہے جیسے کہ کہتے ہیں کہ "آدم مسجودِ ملائکہ ہے" حالانکہ سجدہ صرف خالق جل سلطانہٗ کے لئے ہے نہ کہ اس کی مخلوق اور اس کی مصنوع کے لئے، خواہ وہ کوئی مخلوق ہو ـــــــ آپ کو، آپ کے ساتھیوں اور دوستوں بالخصوص ملا پابندہ و شیخ حسن کو سلام ہو۔

مکتوب ۲۵۵
دو صد و پنجاہ و پنجم

ملا طاہر لاہوری[1] کی طرف صادر فرمایا۔ روشن سنت کے زندہ کرنے اور ناپسندیدہ بدعت کے دُور کرنے کی ترغیب میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) ـــــــ گرامی نامہ جو حافظ بہاء الدین کے ہمراہ روانہ کیا تھا پہنچ کر بہت زیادہ خوشی کا باعث ہوا ـــــــ یہ کتنی بڑی نعمت ہے کہ محبان اور مخلصان اپنی تمام توجہ اور

[1] آپ کے نام تین مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۲۲۵ پر گذر چکا ہے۔

ہمت کے ساتھ کسی سنتِ مصطفویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ میں سے کسی سنت کے زندہ کرنے میں متوجہ ہوں، اور (ساتھ ہی ساتھ) اپنی پوری تن دہی کے ساتھ منکرو ناپسندیدہ بدعتوں میں سے کسی بدعت کے دفع کرنے میں مستعد ہوں۔ سنت اور بدعت ایک دوسرے کی ضد ہیں اور ایک کے وجود سے دوسرے کی نفی لازم آتی ہے، لہٰذا ایک کے زندہ کرنے سے دوسرے کی موت واقع ہو جاتی ہے یعنی سنت کا زندہ کرنا بدعت کو مردہ کرنا ہے اور (اسی طرح) اس کے برعکس بھی (قیاس کر لیجئے)۔

—— پس بدعت، خواہ اس کو حَسَنَہ (نیک) کہیں یا سیّئہ (بری)، (ہر حال میں اس سے) سنّت کا دُور کرنا لازم آتا ہے۔ شاید (حسنہ کہہ کر) حُسنِ نسبی کی وجہ سے اعتبار کر لیا ہو (یعنی اس سے اضافی حسن مراد لیتے ہوں) ورنہ حسن مطلق کی وہاں گنجائش نہیں ہے کیونکہ تمام سنتیں حق جل سلطانہ کی مرضیات (پسندیدہ) ہیں اور ان کی اضداد (بدعتیں) مرضیاتِ شیطان ہیں —— آج یہ بات بدعت کی اشاعت کی وجہ سے اگرچہ بہت سے لوگوں پر گراں ہے لیکن کل (قیامت کے دن) ان کو معلوم ہو جائے گا کہ ہم ہدایت پر ہیں یا وہ لوگ۔

منقول ہے کہ حضرت مہدی اپنی سلطنت کے زمانے میں جب دین کی ترویج کریں گے اور اور احیائے سنت کا حکم دیں گے تو مدینہ کا عالم جس نے بدعت پر عمل کرنا اپنی عادت بنالی ہوگی اور اس (بدعت) کو اچھا سمجھ کر دین کے ساتھ ملا لیا ہوگا وہ تعجب سے کہے گا کہ اس شخص (امام مہدی) نے ہمارے دین کو ختم کر کے ہماری ملت کو مار ڈالا ہے۔ حضرت مہدی اس عالم کے قتل کا حکم فرمائیں گے اور اس کے حسنہ (اچھائی) کو سیئہ (برائی) خیال کریں گے: ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ (جمعہ آیت ۶۲) (یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ بہت بڑے فضل والا ہے)

وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَعَلٰى سَائِرِ مَنْ لَّدَيْكُمْ (آپ پر اور جو آپ کے ساتھ ہیں ان سب پر سلام ہو —— فقیر پر نسیان (بھول) کا غلبہ ہے، معلوم نہیں کہ آپ کے خط کو کس کے سپرد کیا تھا تاکہ سوالات کے موافق جواب لکھتا لہٰذا معذور خیال فرمائیں ——

میاں شیخ احمد فرملی دوستوں میں سے ہیں۔ چونکہ وہ آپ کے قرب وجوار میں رہتے ہیں لہٰذا امید ہے کہ ان کے حق میں التفات وتوجہ کو مدِ نظر رکھیں گے۔

مکتوب ۲۵۶

دو صد و پنجاہ و ششم

میاں شیخ بدیع الدین[1] کی طرف صادر فرمایا ــــــ ان سوالوں کے جواب میں جو (انھوں نے) دریافت کئے تھے کہ قطب و قطب الاقطاب اور غوث و خلیفہ کے کیا معنی ہیں؟ اور دریافت کیا تھا کہ اس حدیث تَوَاتُرِ مَنْ اِیْمَانُ اَبِیْ بَکْرٍ الخ کی کیا تحقیق ہے؟ اور اس کے مناسب بیان میں

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) ــــــ گرامی نامہ جو آپ نے ایک درویش کے ہمراہ ارسال کیا تھا موصول ہو کر بہت زیادہ مسرت کا باعث ہوا ــــــ آپ نے دریافت کیا تھا کہ قطب و قطب الاقطاب، غوث اور خلیفہ کے کیا معنی ہیں؟۔ اور ان میں سے ہر ایک کس خدمت پر مامور ہے، اور وہ اپنی خدمت سے مطلع ہیں یا نہیں؟۔ اور قطب الاقطاب کو جو بشارت (احکام) عالم غیب سے پہنچتی ہے اس کی کوئی اصل ہے یا وہم و خیال کا اختراع ہے؟ ــــــ

جاننا چاہئے کہ نبی علیہ و علیہم الصلوات والتسلیمات کے کامل تابعدار، مکمل طور پر تابعداری کرنے کی وجہ سے جب مقامِ نبوت کے کمالات کو تمام کر لیتے ہیں تو ان میں سے بعض کو منصبِ امامت پر سرفراز کرتے ہیں اور بعض کو محض اس کمال کے حصول پر ہی اکتفا فرماتے ہیں۔ یہ دونوں بزرگ اس کمال کے نفسِ حصول میں برابر ہیں، فرق صرف مرتبہ و عدم مرتبہ کا ہے اور ان امور کا بھی جو اس منصب سے تعلق رکھتے ہیں ــــــ جو حضرات ولایتِ نبوت کے کمالات کی پوری طرح تکمیل کر لیتے ہیں (تو ان میں سے) بعض کو منصبِ خلافت پر مشرف فرماتے ہیں اور بعض کو محض ان ہی کمالات کے حصول پر اکتفا کرتے ہیں، جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ــــــ یہ دونوں منصب (خلافت و امامت) کمالاتِ اصلیہ سے تعلق رکھتے ہیں اور کمالاتِ ظلیہ میں منصبِ امامت کے مناسب قطبِ ارشاد کا منصب ہے، اور منصبِ خلافت کے مناسب منصبِ قطبِ مدار ہے، گویا یہ دونوں مقام اُن دونوں مقاموں کے ظلال کے تحت ہیں (یعنی منصبِ امامت و منصبِ خلافت کا مقام ان کے اوپر ہے) ــــــ

[1] آپ کے نام دس مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۱۷۳ پر گزر چکا ہے۔

اور شیخ محی الدین العربیؒ کے نزدیک غوث ہی قطبِ مدار ہے۔ ان کے نزدیک غوثیت کا مرتبہ، منصبِ قطبیت سے علیحدہ کوئی منصب نہیں ہے ——— اور جو کچھ اس فقیر کا عقیدہ ہے وہ یہ ہے کہ غوث، قطبِ مدار کے علاوہ ہے بلکہ اس (قطبِ مدار) کا ممد و معاون ہے۔ قطبِ مدار بعض امور میں اس سے مدد لیتا ہے اور ابدال کے منصب مقرر کرنے میں بھی اس کو دخل ہے۔ اور قطب کو باعتبار اس کے اعوان و انصار کے قطب الاقطاب بھی کہتے ہیں، کیونکہ قطب الاقطاب کے اعوان و انصار اقطابِ حکمی ہیں، یہی وجہ ہے صاحب فتوحاتِ مکیہ لکھتے ہیں: مَا مِنْ قَرْيَةٍ مُّؤْمِنَةٍ كَانَتْ اَوْ كَافِرَةٍ اِلَّا وَفِيْهَا قُطْبٌ؛ (مومنوں یا کافروں کا کوئی قریہ ایسا نہیں ہے جس میں قطب نہ ہو) ——— جاننا چاہیئے کہ صاحبِ منصب کو یقیناً اپنے منصب کا علم ہوتا ہے۔ اور وہ جو اس منصب کا کمال رکھتا ہے لیکن منصب نہیں رکھتا اس کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ اربابِ علم ہو اور اپنی خدمت سے مطلع بھی ہو ——— اور وہ بشارت جو اس کو عالم غیب سے پہنچتی ہے اس مقام کے کمالات حاصل ہونے کی بشارت ہے نہ کہ اس مقام کے منصب کی بشارت جس کا تعلق علم سے ہے۔

نیز آپ نے دریافت کیا تھا کہ اس ایمان سے کیا مراد ہے جو اس حدیث میں ہے: لَوْ اُتُزِنَ اِيْمَانُ اَبِيْ بَكْرٍ مَعَ اِيْمَانِ اُمَّتِيْ لَرَجَحَ[1] (اگر ابو بکرؓ کا ایمان میری ساری امت کے ایمان کے ساتھ وزن کیا جائے تو یقیناً وہ غالب رہے گا) اس سے کیا مراد ہے اور اس کی ترجیح کا کیا سبب ہے؟ ———

جاننا چاہیئے کہ ایمان کی ترجیح مُؤْمَنٌ بِہٖ (جن پر ایمان لایا جاتا ہے) کے رجحان کے باعث ہے چونکہ حضرت صدیقؓ کا متعلقِ ایمان (جن کا ایمان سے تعلق ہے) تمام امت کے متعلقاتِ ایمان سے فوق و برتر ہے اس سے یقیناً راجح و غالب ہوگا۔ میرے مخدوم! عروجات و ترقیات میں (عارف و طالب کا) معاملہ یہاں تک پہنچ جاتا ہے کہ اگر ایک نقطہ زیادہ اوپر ہو جائے تو اس نقطہ عروج کے سبب جو کمال حاصل ہوا ہے وہ تمام سابقہ کمالات سے زیادہ ہو جاتا ہے، کیونکہ وہ نقطہ جو کچھ اس کے ماتحت ہے ان سب سے بالاتر ہے۔ اور یہی حال اس نقطہ کا ہے جو پہلے نقطہ پر فوقیت رکھتا ہے کیونکہ نقطۂ ما تقدم مع اپنے ماتحت کے نقطۂ فوق کے مقابلے میں حقیر و نقیر (کھجور کی گٹھلی کا گڑھا) ہے ——— اسی پر قیاس کر لیجئے، پس جس کے ایمان کا تعلق کمال بلندی پر ہو وہ بیشک ہر اس سے جو اس کے ماتحت (کمتر) ہو راجح و غالب ہوگا ——— ———

---

[1] امام سیوطیؒ نے الدر المنتثرہ میں اور ابن عدیؒ نے کامل میں بروایت حضرت ابن عمرؓ مرفوعاً روایت کیا ہے۔

اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ عارف (باللہ) کا معاملہ بھی کچھ اسی طرح کا ہے کہ طرفۃ العین (پلک جھپکتے ہی) سابقہ تمام کمالات پر فوقیت حاصل کر لیتا ہے۔ اور اس فقیر کی تحقیق کے اندازے کے مطابق ایک لمحہ میں تمام کمالاتِ ماتقدم سے بھی زیادہ پیش قدمی کر لیتا ہے: ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ (یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہے عطا فرمائے اور اللہ تعالیٰ بہت بڑے فضل والا ہے) (جمعہ ۶۲ آیت ۴)

اور نیز آپ نے دریافت کیا تھا کہ شیخ ابن العربیؒ اور ان کے متبعین نے لکھا ہے کہ جسقدر بچے حضرت موسیٰ علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وجہ سے قتل کئے گئے ان تمام مقتولوں کی قابلیت اور استعدادیں حضرت موسیٰ علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام میں منتقل ہو گئیں۔ اس بات کی حقیقت مفصل طور پر تحریر فرمائیں؟ ———— جاننا چاہئے کہ یہ بات صحیح ہے کیونکہ تحقیق سے ثابت ہے کہ جس طرح ایک شخص کو پوری جماعت کے کمالات حاصل ہونے کا سبب بناتے ہیں اسی طرح پوری جماعت کو بھی ایک شخص کے کمالات حاصل ہونے کا سبب بنا دیتے ہیں۔ پیر اگرچہ مریدوں کے کمالات کے حصول کا ذریعہ ہے لیکن مریدین بھی پیر کے کمالات کے اسباب ہیں ———— اس حقیقت کو فقیر نے ماکولات و مشروبات (کھانے پینے کی چیزوں) میں جو اجزائے بدن ہوتی ہیں محسوس کیا ہے کہ ہر وہ لقمہ اور گھونٹ کہ (انسان) کھاتا پیتا ہے اس کی استعداد و قابلیت کی جامعیت کا سبب بنتا ہے اور اس کے علاوہ بھی قابلیت پیدا کرتا ہے۔ اور جب کبھی لذیذ کھانوں کے ترک کرنے کا قصد کرتا تھا تو روک دیا جاتا تھا، اور اس جامعیت اور قابلیت کے حاصل ہونے کی وجہ سے ان لذیذ کھانوں کو ترک کرنے کی اجازت نہ ملتی تھی۔ اور اکثر ایسا ہوا ہے کہ ایک کی استعداد دوسرے میں پوری کی پوری یا تھوڑی منتقل کر دی گئی۔ اور محسوس ہوتا ہے کہ ان میں سے ایک خالی رہ گئی اور دوسری جمعیت سے پُر ہے۔

نیز آپ نے دریافت کیا تھا کہ شیخ نجم الدین کبریٰ نے اپنے ایک مرید کو ایک بزرگ (شیخ مصلح الدین خجندی) کی خدمت میں بھیجا تاکہ ان کے توسل سے معلوم کریں کہ وہ کس پیغمبر کے زیر قدم ہیں۔ ان بزرگ نے فرمایا کہ تیرا جہود کس کام میں ہے ———— شیخ نے اس عبارت سے سمجھ لیا کہ وہ حضرت موسیٰ صلوات اللہ تعالیٰ وتسلیماتہ، علیٰ نبینا و علیہ کے زیر قدم ہیں ———— اس عبارت سے یہ مطلب کس طرح لیا گیا؟ ————

(جواب) جاننا چاہئے کہ جہود، یہود کو کہتے ہیں جو حضرت موسیٰ علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امت ہیں۔

آپ نے دریافت کیا تھا کہ "نفحات" میں لکھا ہے کہ تمام اولیاء کی ولایت مرنے کے بعد سلب ہو جاتی ہے سوائے چار آدمیوں کے؟ ——— جاننا چاہیے کہ یہاں ولایت سے مراد ظہور کرامات و تصرفات ہے نہ کہ اصل ولایت جس سے قربِ الٰہی جل سلطانہ مراد ہے، اور نیز سلب سے مراد کرامات کے ظہور کی کثرت کا سلب ہونا ہے نہ کہ اس ظہور کے اصل کا سلب۔ چونکہ یہ بات کشفی ہے اور کشف میں خطا کی بہت گنجائش ہے۔ (معلوم نہیں کہ) صاحبِ کشف نے کیا دیکھا اور کیا سمجھا۔

نیز آپ نے اولیاء کی بعض کرامات کے ظہور کے متعلق دریافت کیا تھا ——— (جواب) آپ منتظر رہیں: سَیَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ یُّسْرًا (طلاق آیت ۶۵) (اللہ تعالیٰ عنقریب تنگی کے بعد فراخی عطا فرمائے گا)

نیز آپ نے دریافت کیا تھا کہ نیشاپوری میں لکھا ہے کہ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ (کوثر آیت ۳، ۱۰۸) (بیشک آپ کا دشمن ہی (جڑ کٹا) بے اولاد ہے) (یعنی شانئک) "یا" کے ساتھ تحقیق کیا ہے وہ ہمزہ کے ساتھ ہے یا "یا" کے ساتھ؟ ——— (جواب) وہ ہمزہ کے ساتھ ہے اور جس نے یا کے ساتھ لکھا ہے اس کی قرأت غیر مشہور ہوگی۔

آپ نے دریافت کیا تھا کہ بعض عورتیں مشغولی (یعنی اخذِ طریقہ و توجہ) کی طلبگار ہیں؟ ———

(جواب) اگر وہ محرم ہیں تو کوئی منع نہیں ورنہ پردہ میں بیٹھ کر طریقہ اخذ کریں۔

آپ نے دریافت کیا تھا کہ اہلِ حدیث نے ہر ماہ میں منحوس ایام قرار دیئے ہیں اور اس بارے میں وہ حدیث بھی نقل کرتے ہیں (اس سلسلہ میں) کیا کرنا چاہیے؟ ——— فقیر کے والد قدس سرہٗ فرماتے تھے کہ شیخ عبد اللہ (بصری) و شیخ رحمت اللہ (سندھی) جو اکابر محدثین سے تھے اور حرمین میں وہ شیخین کے لقب سے مشہور تھے، کسی تقریب کے سلسلہ میں ہندوستان تشریف لائے تھے تو فرماتے تھے کہ اس حدیث کو کرمانی شارح بخاری نے نقل کیا ہے لیکن ضعیف ہے۔ اس باب میں صحیح حدیث یہ ہے: اَلْاَیَّامُ اَیَّامُ اللّٰهِ وَالْعِبَادُ عِبَادُ اللّٰهِ (سب دن اللہ تعالیٰ کے دن ہیں اور سب بندے اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں) ——— اور وہ یہ بھی فرماتے تھے کہ دنوں کی نحوست، رحمتِ عالمیان علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کی ولادت سے ختم ہوگئی۔ اَیَّامٍ نَّحِسَاتٍ یعنی منحوس دن گذشتہ امتوں کی نسبت سے تھے ——— اور فقیر کا عمل بھی اسی پر ہے اور کسی دن کو بھی دوسرے دن پر ترجیح نہیں دیتا، جبتک کہ شارع علیہ السلام سے

اس کی ترجیح معلوم نہ کرلے۔ جیسا کہ جمعہ، رمضان وغیرہما۔

نیز آپ نے دریافت کیا تھا کہ وہ معارف جو بار نبوت کے اٹھانے سے تعلق رکھتے ہیں مجھ کو خواجہ محمد اشرف کے مکتوب میں نہیں ملے؟ ——— (جواب) آپ کو ابھی کہاں ملیں گے کیونکہ وہ مکتوب (۲۵۱) انہی ایام میں تحریر ہوا ہے اور اس کی نقل ابھی آپ کو نہیں پہنچی، مکتوب بہت طویل ہے شاید ایک جزء سے بھی زائد ہو۔ فقیر نے اس کی نقل آپ کی طرف بھیجنے کے لئے کہدیا ہے۔ والسلام

مکتوب ۲۵۷
دو صد و پنجاہ و ہفتم

میر محمد نعمان کی طرف اختصار کے طور پر طریقہ کے بیان میں صادر فرمایا۔

حمد و صلوٰۃ اور تبلیغ دعوات کے بعد واضح ہو کہ جو مکتوب شریف آپ نے شیخ احمد قرملی کے ہمراہ بھیجا تھا وصول ہو کر بہت زیادہ خوشی کا باعث ہوا ——— آپ نے وہ رسالہ جس میں طریقہ کا بیان ہے طلب فرمایا تھا، اس کے مسودے (ابھی ویسے ہی) پڑے ہوئے ہیں اگر توفیق نصیب ہوئی تو بیاض میں لکھ کر بھیجدیا جائے گا۔ فی الحال مختصر طور پر چند فقرے اس طریقے کے بیان میں تحریر کئے جاتے ہیں۔ گوشِ ہوش سے سماعت فرمائیں۔

میرے سیادت پناہ! وہ طریقہ جو ہم نے اختیار کیا ہے اس کے سیر کی ابتدا "قلب" سے ہے جو کہ "عالمِ امر" سے ہے، اور قلب کی سیر سے گذر کر مراتبِ روح ہیں جو اس سے اوپر ہیں اور روح سے گذرنے کے بعد معاملہ سِرّ کے ساتھ ہے جو اس سے اوپر ہے اور اسی طرح خفی و اخفیٰ کا حال ہے ——— ان لطائف پنجگانہ (پانچوں لطائف) کی منزلوں کو طے کرنے کے بعد اور ان میں سے ہر ایک کے متعلق علیحدہ علیحدہ علوم و معارف حاصل کرنے کے بعد اور ان احوال و مواجید کے ساتھ جو ان پنجگانہ لطائف میں سے ہر ایک کے ساتھ مخصوص (احوال) ہیں، ان کے متحقق ہونے کے بعد ان پنجگانہ (لطائف) کے اصول میں جو عالمِ کبیر میں ہے سیر واقع ہوتی ہے، کیونکہ جو کچھ بھی عالمِ صغیر میں ہے اس کی اصل عالمِ کبیر میں موجود ہے۔ عالمِ صغیر سے مراد انسان ہے اور عالمِ کبیر سے پوری کائنات کا مجموعہ مراد ہے ——— ان اصول پنجگانہ میں سیر کا آغاز عرشِ مجید سے ہوتا ہے جو انسان کے قلب کی اصل ہے۔

اور اس کے اوپر روحِ انسانی کی اصل ہے اور اس کے اوپر سرِ انسانی کی اصل ہے اور سر کی اصل کے اوپر خفی کی اصل ہے اور اصلِ خفی کے اوپر اخفیٰ کی اصل ہے۔ جب عالمِ کبیر کے ان پنجگانہ لطائف کو تفصیل کے ساتھ طے کر کے آخری نقطے پر پہنچتے ہیں تو دائرۂ امکان پورا ہو جاتا ہے اور فنا کی منزلوں میں سے اول منزل میں قدم رکھنا ہوتا ہے ـــــ اس کے بعد اگر ترقی واقع ہو تو اسماء وصفاتِ واجبی جل سلطانہٗ کے ظلال میں سیر واقع ہوگی، اور یہ ظلال وجوب وامکان کے درمیان برزخ کی طرح ہیں اور عالمِ کبیر کے ان پنجگانہ مراتب کے لئے اصول کی مانند ہیں، نیز ان ظلال میں بھی اسی ترتیب سے سیر واقع ہوگی جس طرح ان کے فروع میں ذکر کیا جا چکا ہے۔ اور اگر فضلِ ایزدی جل شانہٗ سے ان ظلال کے بکثرت منازل طے کر کے ان کے آخری نقطہ پر پہنچ جائیں تو پھر اسماء وصفاتِ واجبی جل سلطانہٗ میں سیر شروع ہوگی اور اسماء و صفات کی تجلیات ظاہر ہوں گی اور شیون واعتبارات کے ظہورات جلوہ فرما ہوں گے، اس وقت عالمِ امر کے پنجگانہ لطائف کا معاملہ طے ہو کر ان کا حق ادا ہو جائے گا ـــــ اس کے بعد اگر فضلِ خداوندی جل شانہٗ شاملِ حال ہو جائے تو اس مقام سے بھی ترقی کر کے نفس کے اطمینان کا معاملہ حاصل ہوگا اور مقامِ رضا کا حصول جو مقاماتِ سلوک کی انتہا ہے میسر ہوگا اور اسی مقام پر شرحِ صدر حاصل ہوتا ہے اور اسلامِ حقیقی کے شرف سے بھی مشرف ہو جاتا ہے، ان کے مقابلے میں وہ کمالات جو اس مقام پر حاصل ہوتے ہیں عالمِ امر سے متعلق ہیں اور دریائے محیط کے مقابلے میں قطرہ کے مانند ہیں ـــــ اور یہ سب کمالات جن کا ذکر کیا گیا اسمِ ظاہر سے تعلق رکھتے ہیں اور وہ کمالات جن کا تعلق اسمِ باطن سے ہے وہ دوسرے ہیں جن کا استتار (پوشیدہ ہونا) اور تبطن (باطن میں ہونا) ہی مناسب ہے ـــــ جب ان دو مبارک اسموں کے کمالات پورے طور پر حاصل ہو جائیں تو سالک کی پرواز کے لئے دو بازو میسر ہو جاتے ہیں کہ ان دو بازوؤں کی قوت سے عالمِ قدس میں پرواز کرتا ہے اور بے اندازہ ترقیاں حاصل کرتا ہے ـــــ اس معاملہ کی تفصیل بعض مسودات میں تحریر ہو چکی ہے میرے فرزند ارشد ان کو جمع کرنے کی کوشش کر رہے ہیں ـــــ دوسرے یہ کہ اگر ممکن ہو تو آپ ایک مرتبہ یہاں تشریف لائیں۔ لیکن اس شرط کے ساتھ کہ اس مقام کو خالی نہ چھوڑیں اور اس انتظام کو درہم برہم نہ کریں اور خود تنہا یہاں آجائیں اور دوستوں میں سے جس کسی کو پیش قدم (آگے بڑھا ہوا) اور مناسب سمجھیں اس جماعت کا پیشوا بنا کر اس علاقہ کی طرف متوجہ ہوں (یعنی تشریف لے آئیں: وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ اَعْلَمُ (اللہ سبحانہٗ بہتر جانتا ہے) کہ دوسرے وقت فرصت ملے یا نہ ملے۔ وَالسَّلَامُ

مکتوب ۲۵۸

دوصد و پنجاہ و ہشتم

شریف خاں[1] کی طرف حق تعالیٰ کی اقربیت کے بیان میں صادر فرمایا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰی (تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) ــــــــ گرامی نامہ جو آپ نے مہربانی فرما کر اس طرف کے فقراء کے نام تحریر کیا تھا موصول ہو کر خوشی اور مسرت کا باعث ہوا۔ جَزَاکُمُ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ خَيْرَ الْجَزَاءِ (اللہ سبحانہٗ آپ کو اس کی جزا اور عمدہ قسم کی جزا عطا فرمائے) ــــــــ میرے مخدوم! اگرچہ حق تعالیٰ کی اقربیت ہم سے زیادہ ہمارے ساتھ ہونا نصِ قطعی سے ثابت ہے لیکن کیا کیا جائے کہ حق تعالیٰ ہماری عقلوں، فہموں اور ہمارے علوم و ادراکات سے وراء الورا ہے۔ حالانکہ ہم جانتے ہیں کہ یہ وراثیت (بلندی شان) قرب کی جانب ہے نہ کہ بُعد کی۔ کیونکہ وہ سبحانہٗ ہر نزدیک سے زیادہ نزدیک ہے حتیٰ کہ اس سبحانہٗ کی ذاتِ احدیت ان صفات کی نسبت جن کے افعال و آثار ہمیں ہم اپنے سے زیادہ نزدیک پاتے ہیں۔

یہ معرفت عقل کی نظر کے طریقے سے ماوراء ہے، کیونکہ عقل اپنے سے زیادہ نزدیک ہونے کا تصور نہیں کر سکتی، کوئی ایسی مثال جو اس بحث کی وضاحت کر سکے ممکن کوشش کے باوجود نہ مل سکی۔ اس معرفت کی دلیل نصِ قطعی اور کشفِ صحیح سے ہے ــــــــ مشائخ طریقت نے توحید اور اتحاد کے بارے میں بہت گفتگو کی ہے اور قرب و معیت کو بیان فرمایا ہے لیکن حق تعالیٰ کی اقربیت کے متعلق خاموشی اختیار کی ہے اور کوئی تسلی بخش بیان اس بارے میں نہیں دیا ہے۔

عجیب معاملات ہیں کہ اس سبحانہٗ کی اقربیت (قریب سے قریب تر ہونا) ہمارے لئے اَبعدیت (دور سے دور تر ہونے) کا سبب ہوئی ہے۔ هٰذَا اِلٰی اَنْ يَّبْلُغَ الْكِتَابُ اَجَلَهٗ (یہی کافی ہے، یہانتک کہ کتاب اپنے مقررہ وقت کو پہنچے) فَافْهَمْ فَاِنَّ كَلَامَنَا اِشَارَةٌ وَّبَشَارَةٌ (پس سمجھ لو کہ ہمارا کلام اشارت اور بشارت آمیز ہے) ــــــــ اور سلام ہو آپ پر اور ان سب پر جنھوں نے ہدایت کی پیروی کی اور حضرت محمد مصطفیٰ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات اتمہا واکملہا کی متابعت کو اپنے اوپر لازم کیا۔

---

[1] آپ کے نام صرف یہی ایک مکتوب ہے، آپ خواجہ عبد الصمد شیریں قلم کے صاحبزادے اور جہانگیر کے ہم مکتب رفیق و جلیس تھے جہانگیر نے اپنے دور میں آپ کو پنج ہزاری کا منصب اور امیر الامراء کا خطاب دیا۔ آخر عمر میں دکن بھیجا گیا تھا وہیں انتقال ہوا۔ (مآثر الامراء)

مکتوب ۲۵۹

دو صد و پنجاہ و نہم

مخدوم زادہ خواجہ محمد سعیدؒ[۱] کی طرف صادر فرمایا جو جامع علومِ عقلیہ و نقلیہ اور صاحب نسبتِ عالیہ ہیں ــــ

رسولوں کے بھیجنے کے فوائد اور واجب الوجود تعالیٰ و تقدس کی معرفت میں عقل کا استقلال نہ ہونے اور شاہقِ جبل اور پیغمبروں کے زمانۂ فترت کے مشرکوں اور دار الحرب کے مشرکوں کے اطفال کے بارے میں حکمِ خاص فرمایا۔ اور ہندوستان کی اممِ سابقہ میں انبیا علیہم السلام کے مبعوث ہوتے ہیں اور ان کے مناسب بیان میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدَانَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْلَآ اَنْ هَدَانَا اللّٰهُ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ (سب تعریف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے جس نے ہم کو ہدایت عطا فرمائی اور ہم ہرگز ہدایت نہ پاتے اگر اللہ تعالیٰ ہم کو ہدایت نہ کرتا بیشک ہمارے رب کے پیغمبر حق کے ساتھ آئے ہیں) (اعراف آیت ۴۳)

انبیا علیہم الصلوات والتسلیمات کے بھیجنے کا شکر کس زبان سے ادا کیا جائے اور اس نعمت کے دینے والے یعنی حق تعالیٰ کا اعتقاد کس دل سے ظاہر کیا جائے اور وہ اعضا کہاں ہیں جو اس نعمتِ عظمیٰ کا بدلہ اعمالِ حسنہ کے ذریعے سے ادا کر سکیں، اگر ان بزرگوں کا وجود شریف نہ ہوتا تو ہم کم فہموں کو صانع تعالیٰ جل سلطانہٗ کے وجود اور اس کی وحدت کی طرف کون ہدایت کرتا ــــــــ یونان کے قدیم فلسفیوں نے اسقدر عقلمند ہونے کے باوجود صانع جل شانہٗ کے وجود کی طرف ہدایت نہیں پائی اور کائنات کے وجود کو زمانے کی طرف منسوب کیا اور جب انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی دعوت کے انوار روز بروز بلند ہوتے گئے تو متاخرین فلسفیوں نے ان انوار کی برکت سے اپنے متقدمین کے مذہب کا رد کیا اور صانع جل شانہٗ کے وجود کے قائل ہو گئے اور انھوں نے حق تعالیٰ کی وحدت کو ثابت کیا۔ پس ہماری عقلیں انوارِ نبوت کی تائید کے بغیر معزول و بیکار ہیں اور ہماری فہم انبیائے کرام علیہم الصلوات والتحیات کے وجود کے

---

[۱] آپ حضرت مجددؒ کے صاحبزادۂ دوم ہیں۔ شوال ۱۰۰۵ھ میں ولادت ہوئی۔ بچپن ہی سے آثارِ ولایت و کرامت آپ کی پیشانی سے ہویدا تھے۔ شیخ محمد طاہر لاہوری اور اپنے بڑے بھائی سے بعض کتابیں پڑھیں اور اپنے والد ماجد اور شیخ عبد الرحمٰن زہری سے حدیث کی کتابیں پڑھیں۔ تحصیل علم کے زمانے ہی میں حضرت مجددؒ کی توجہ سے نسبتِ نقشبندیہ سے مشرف ہو کر "خازن رحمت" کا لقب پایا۔ سترہ اٹھارہ سال کی عمر سے درس و تدریس میں مشغول ہو گئے۔ فقہ میں اپنا نظیر نہ رکھتے تھے اور دقیق سے دقیق مسائل معمولی توجہ سے حل فرما دیتے تھے۔ عالمگیر کی درخواست پر دہلی تشریف لے گئے واپسی میں سنبھالکہ کے مقام پر ۲۷ جمادی الاخریٰ ۱۰۷۰ھ کو آپ کا انتقال ہوا اور سرہند میں دفن کیے گئے۔ (از حضرت مجدد الف ثانیؒ) آپ کے ۲۴ مکتوبات ہیں۔ دفتر اول ۲۵۹-۲۹۶-۳۱۱- دفتر دوم ۳-۷۱-۹۱- دفتر سوم ۴۶-۴۸-۶۱-۷۳-۷۷-۸۸-۹۳- دونوں بھائیوں کے نام دفتر دوم ۵۵-۹۸- سوم ۲-۴۳-۶۴-۷۸-۸۲-۸۵-۱۰۴- صاحبزادوں کے نام- دفتر سوم ۸۳-۱۰۶-

توسط کے بغیر اس معاملے سے دُور ہیں۔ پھر ہمیں نہیں معلوم کہ ہمارے اصحاب ماتریدیہ نے بعض امور مثلاً صانع تعالیٰ سبحانہٗ کے وجود کے اثبات اور اس کی وحدت کے بارے میں عقل کے استقلال و کافی ہونے سے کیا مراد لی ہے کہ انھوں نے شاہقِ جبل (پہاڑ کی چوٹی پر رہنے والے) بُت پرست کو ان دونوں امور (یعنی وجود صانع کے اثبات اور اس کی وحدت) کے لئے مکلّف ٹھہرایا ہے اگرچہ اس کو پیغمبر کی دعوت نہیں پہنچی اور ان دونوں امور میں اس کے نظر و فکر کو ترک کرنے پر اس کے کفر اور خلود فی النار کا حکم دیا ہے حالانکہ ہم ظاہری تبلیغ اور حجتِ بالغہ کے بغیر جو کہ رسولوں کے بھیجنے پر وابستہ ہے کفر اور خلود فی النار کا حکم دینا صحیح نہیں سمجھتے۔ بیشک عقل اللہ تعالیٰ کی حجتوں میں سے ایک حجت ہے لیکن یہ حجت ہونے میں اتنی کامل حجت نہیں ہے جس پر شدید ترین عذاب مرتب ہو سکے۔

سوال: اگر شاہقِ جبل (پہاڑ کی چوٹی پر رہنے والا شخص) جو کہ بت پرست ہے دوزخ میں ہمیشہ کے لئے نہیں رہے گا تو پھر وہ بہشت میں جائے گا اور یہ جائز نہیں ہے کیونکہ بہشت میں داخل ہونا مشرک پر حرام ہے اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے حکایت کرتے ہوئے فرماتا ہے: اِنَّہٗ مَنْ یُّشْرِکْ بِاللّٰہِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰہُ عَلَیْہِ الْجَنَّۃَ وَمَاْوٰىہُ النَّارُ (سورۂ مائدہ ۵ آیت ۷۲) (جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرے اللہ تعالیٰ نے اس پر جنت حرام کر دی ہے اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے) اور جنت اور دوزخ کے درمیان کوئی واسطہ (یعنی ہمیشہ رہنے کی جگہ) ثابت نہیں ہوا ہے (کیونکہ) اصحابِ اعراف بھی چند روز کے بعد بہشت میں داخل ہو جائیں گے۔ پس ہمیشہ کا ٹھکانا جنت میں ہے یا دوزخ میں۔

(**جواب**) یہ سوال بہت مشکل ہے۔ میرے اس فرزند ارشد کو معلوم ہے کہ آپ مدت تک اس فقیر سے بار بار یہ سوال دریافت کرتے رہتے تھے اور تسلی بخش جواب نہیں پاتے تھے، اور صاحب فتوحات مکیہ نے اس سوال کے حل میں جو کچھ کہا ہے اور قیامت کے دن ان لوگوں کو (حق تعالیٰ کی طرف) دعوت کے لئے پیغمبر کا مبعوث ہونا ثابت کیا ہے اور ان کی اس دعوت کے ردّ و قبول کے بموجب دوزخ و بہشت کا حکم کیا ہے، وہ اس فقیر کے نزدیک مستحسن نہیں ہے کیونکہ آخرت دار جزا (بدلہ ملنے کا گھر) ہے نہ کہ دارِ تکلیف کہ جس کے لئے پیغمبر مبعوث کیا جائے ــــــ بہت مدت کے بعد اللہ تعالیٰ جل سلطانہٗ کی عنایت نے رہنمائی فرمائی اور اس معما کو حل کر دیا اور منکشف فرمایا کہ یہ لوگ نہ بہشت میں ہمیشہ رہیں گے نہ دوزخ میں،

پہاڑوں کی چوٹی پر رہنے والے مشرکوں کا حشر

بلکہ آخرت میں اٹھائے جانے اور زندہ کئے جانے کے بعد ان کو حساب کے مقام میں کھڑا کر کے ان کے گناہوں کے اندازے کے موافق عتاب و عذاب دیں گے اور (بندوں کے) حقوق پورے کرنے کے بعد غیر مکلف حیوانوں کی طرح ان کو بھی معدوم مطلق اور لاشئ محض کر دیں گے۔ لہٰذا ان میں سے خلود کس کے لئے اور مُخلد کون۔ ـــــــ اس عجیب و غریب معرفت کو جب (واقعہ میں) انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے حضور میں پیش کیا گیا تو سب نے اس کی تصدیق فرمائی اور قبولیت عطا کی۔ وَالْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰہِ سُبْحَانَہٗ (اور حقیقی علم تو اللہ تعالیٰ ہی کو ہے)

اس فقیر پر یہ بات بہت گراں گذرتی ہے کہ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ اپنی کمال شفقت و رحمت کے باوجود انبیاء علیہم الصلوات والتحیات کے واسطے سے ظاہری طور پر ابلاغ مبین (احکامِ دین پہنچائے بغیر) صرف عقل کے اعتبار پر جس میں خطا اور غلطی کی بہت گنجائش ہے اپنے بندے کو ہمیشہ کی آگ میں ڈال دے اور دائمی عذاب میں گرفتار کرے جس طرح کہ (اُس مشرک بندہ کے لئے) شرک کے باوجود جنت میں ہمیشہ رہنے کا حکم کرنا گراں معلوم ہوتا ہے جیسا کہ جنت و دوزخ کے درمیان واسطہ کا قائل نہ ہونے کے باعث اشعری کے مذہب سے لازم آتا ہے پس حق وہی ہے جو مجھے الہام ہوا کہ قیامت کے دن محاسبہ کی تکمیل کے بعد اس کو معدوم کر دیا جائے گا جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا۔

اور فقیر کے نزدیک دارِحرب کے مشرکوں کی نابالغ اولاد کے بارے میں بھی یہی حکم ہے کیونکہ بہشت میں داخل ہونا ایمان پر موقوف ہے، ایمان خواہ اصالت کے طور پر ہو یا تبعیت کے طور پر، (یعنی ماں باپ وغیرہ کے اتباع سے حاصل ہو) اگرچہ تبعیت دارالاسلام ہی سے ہو، جیسا کہ ذمی کافروں کی نابالغ اولاد کو ہے اور ان (مشرکین دارالحرب کی نابالغ اولاد) کے حق میں ایمان مطلق طور پر مفقود ہے پس ان کا بہشت میں داخل ہونا متصور نہیں ہے اور دوزخ میں داخل ہونا اور اس میں ہمیشہ رہنا تکلیف (مکلّف ہونا) کے ثابت ہونے کے بعد شرک پر منحصر ہے، اور یہ بھی ان کے حق میں مفقود ہے پس ان کا حکم بھی حیوانوں کے حکم کی مانند ہے کہ ان کو بعث و نشور کے بعد حساب کے لئے کھڑا کریں گے اور حقوق پورا کرنے کے بعد ان کو معدوم (نیست و نابود) کر دیں گے ـــــــ اور ان مشرکوں کے حق میں جو پیغمبروں کی فترت (انقطاع) کے زمانے (دو پیغمبروں کے درمیانی زمانہ) میں ہوئے ہیں جن کو کسی پیغمبر کی دعوت نہیں پہنچی (ان کے لئے بھی) یہی حکم ہے۔

ہندوستان میں انبیاء کی بعثت

اے فرزند! یہ فقیر جس قدر ملاحظہ کرتا ہے اور نظر دوڑاتا ہے تو کوئی ایسی جگہ (خطۂ زمین میں) نہیں پاتا جہاں ہمارے پیغمبر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی دعوت نہ پہنچی ہو، بلکہ محسوس ہوتا ہے کہ آنحضرت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی دعوت کا نور آفتاب کی طرح سب جگہ پہنچا ہے حتیٰ کہ یاجوج ماجوج میں بھی جن کے درمیان دیوار حائل ہے (وہاں بھی) پہنچا ہوا ہے ——— اور گزشتہ امتوں میں بھی ملاحظہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسی جگہ بہت کم ہی ہے جہاں پیغمبر مبعوث نہ ہوئے ہوں یہاں تک کہ زمینِ ہند میں بھی جو کہ اس معاملے سے دور دکھائی دیتی ہے معلوم و محسوس ہوتا ہے کہ اہلِ ہند سے بھی پیغمبر مبعوث ہوئے ہیں اور صانع جل شانہٗ کی طرف دعوت فرمائی ہے۔ اور ہندوستان کے بعض شہروں میں محسوس ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے انوار شرک کے اندھیروں میں مشعلوں کی طرح روشن ہیں اگر (یہ فقیر) ان شہروں کو متعین کرنا چاہے تو کر سکتا ہے ——— اور دیکھتا ہے کہ کوئی پیغمبر ایسا ہے جس پر کوئی بھی ایمان نہیں لایا اور اس کی دعوت کو قبول نہیں کیا۔ اور کوئی پیغمبر ایسا ہے جس پر صرف ایک آدمی ایمان لایا ہے، اور کسی پیغمبر کے تابع صرف دو شخص ہوئے ہیں اور بعض پر صرف تین آدمی ایمان لائے ہیں۔ تین آدمیوں سے زیادہ نظر نہیں آتے جو ہندوستان میں کسی ایک پیغمبر پر ایمان لائے ہوں تاکہ چار آدمی ایک پیغمبر کی امت ہوتے ——— اور ہند کے سردارانِ کفار نے واجب تعالیٰ کے وجود اور اس سبحانہٗ کی صفات سے اس تعالیٰ کی تنزیہات و تقدیسات کی نسبت جو کچھ لکھا ہے وہ سب قندیلِ نبوت کے انوار سے لیا گیا ہے کیونکہ گذشتہ امتوں میں ہر زمانے میں ایک نہ ایک پیغمبر ضرور گذرا ہے جس نے واجب تعالیٰ کے وجود اور اس جل شانہٗ کی صفاتِ ثبوتیہ سے اور اس سبحانہ وتعالیٰ کی تنزیہات و تقدیسات کی نسبت خبر دی ہے۔ اگر ان بزرگ پیغمبروں کا وجود مبارک نہ ہوتا تو ان بدبختوں (کافروں) کی لنگڑی اور اندھی عقل جو کفر و معاصی کی ظلمتوں سے آلودہ ہے اس دولت کی طرف کب ہدایت پاتی ——— ان بدنصیبوں کی ناقص عقلیں اپنی ذات کی حد تک اپنی الوہیت کا حکم کرتی ہیں اور اپنے علاوہ کسی کو معبود نہیں مانتیں جیسا کہ فرعونِ مصر نے کہا مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ (قصص آیہ ۳۸/۲۸) (میں نہیں جانتا کہ میرے علاوہ بھی تمہارا کوئی معبود ہے)۔ اور یہ بھی کہا: لَئِنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَيْرِيْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ (شعراء آیہ ۲۹/۲۶) ((اے موسیٰ!) اگر تو میرے علاوہ کسی اور کو معبود بنائے گا تو تجھے قید میں ڈال دوں گا) ———

اور چونکہ ان کو انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی تعلیمات سے معلوم ہو گیا کہ (کائنات) عالم کا بنانے والا

واجب الوجود تعالیٰ و تقدس ہے تو ان بدنصیبوں میں سے بعض نے اس دعوے کی برائی پر اطلاع پا کر تقلید اور پوشیدگی کے طور پر صانع حقیقی کا اثبات کیا اور اپنے اندر جاری وساری (حلول) سمجھا اور اس حیلہ سے لوگوں کو اپنی پرستش کی دعوت دی: تَعَالَى اللّٰهُ عَمَّا يَقُوْلُ الظّٰلِمُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا (اللہ تعالیٰ اس بات سے جو یہ ظالم کہتے ہیں بہت بڑا ہے) ——— اس مقام پر کوئی کوتاہ اندیش (کم عقل) یہ سوال نہ کرے کہ اگر زمین ہند میں انبیاءؑ مبعوث ہوتے تو یقینی طور پر اُن کی بعثت کی خبر ہم تک پہنچتی بلکہ وہ خبر بکثرت دعوتوں کے سبب تواتر کے ساتھ منقول ہوتی، جب ایسا نہیں ہے تو ویسا بھی نہیں ہے (یعنی پیغمبر نہیں آئے)۔

اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ ان مبعوث پیغمبروں کی دعوت عام نہیں تھی بلکہ بعض کی دعوت تو کسی ایک قوم کے ساتھ مخصوص تھی اور بعض کی دعوت کسی ایک گاؤں یا شہر پر تھی۔ اور بہت ممکن ہے کہ حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے اس قوم یا قریہ میں کسی ایک شخص کو اس دولت سے مشرف فرمایا ہو، اور اس شخص نے اس قوم یا قریہ کے لوگوں کو صانع جل شانہٗ کی معرفت کی دعوت دی ہو اور غیر اللہ کی عبادت سے منع کیا ہو، اور اس قوم یا قریہ نے اس کا انکار کیا ہو اور اس کو گمراہ و جاہل سمجھا ہو، اور جب ان کا انکار و تکذیب انتہا کو پہنچ گیا ہو تو حق جل و علا کی مدد نے آ کر ان کو ہلاک کر دیا ہو ——— اسی طرح کچھ مدت کے بعد دوسرا پیغمبر کسی قوم یا قریہ میں مبعوث ہوا ہو اور اس پیغمبر نے بھی ان کے ساتھ ایسا ہی معاملہ کیا ہو جیسا پہلے پیغمبر نے کیا تھا اور اس قوم نے اس پیغمبر کے ساتھ بھی وہی کچھ کیا ہو جیسا پہلے والے کے ساتھ کیا تھا۔ اور اسی طرح ہوتا رہا جب تک اللہ تعالیٰ نے چاہا۔

زمین ہند میں بھی قریوں اور شہروں کی بربادی و ہلاکت کے آثار بہت پائے جاتے ہیں۔ یہ قوم اگرچہ ہلاک ہو گئی لیکن وہ "کلمۂ دعوت" ان کے ہمعصروں کے درمیان باقی رہ گیا: وَجَعَلَهَا كَلِمَةً بَاقِيَةً فِيْ عَقِبِهٖ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ (زخرف ۴۳ آیت ۲۸) (اور اس کلمۂ (توحید) کو اس لئے (ان کے) پیچھے باقی رکھا کہ شاید وہ (حق کی طرف) رجوع کر آئیں)۔

مبعوث شدہ پیغمبروں کی نبوت کی خبر ہمیں اس وقت ملتی جبکہ بکثرت لوگ ان کے پیرو ہوتے اور قوت و شوکت پیدا کرتے (لیکن جب) ایک آدمی (پیغمبر) آیا اور چند روز دعوت کا کام کر کے چلا گیا کسی شخص نے اس کی بات کو قبول نہیں کیا، پھر دوسرا آیا اس نے بھی یہی کام کیا اور اس کا ایک شخص پیرو ہو گیا

اسی طرح دوسرا آیا اور اس کے دو یا تین پیرو بن گئے، تو پھر ان کی خبر کس طرح اشاعت پذیر ہوتی۔ چونکہ تمام کفار نے ان (پیغمبروں) کا انکار کیا اور اپنے باپ دادا کے دین کے مخالفوں کی تردید کرتے رہے تو پھر نقل کون کرتا اور کس سے نقل کی جاتی ——— دوسرا جواب یہ ہے کہ رسالت، نبوت اور پیغمبری کے الفاظ ان پیغمبروں اور ہمارے پیغمبر علیہ وعلیٰ آلہ وعلیٰ جمیع الانبیاء الصلوات والتسلیمات کی اتحادِ دعوت کے وسیلے سے عربی اور فارسی زبان میں آئے ہیں، ہندی لغت میں یہ الفاظ نہیں ہیں تاکہ ہند کے مبعوث شدہ انبیاء کو نبی، رسول یا پیغمبر کہتے اور ان ناموں سے ان کو موسوم کرتے ——— اور اسی طرح اس سوال کے جواب میں بطریقِ معارضہ (بطریقِ الزام) ہم کہتے ہیں کہ اگر ہند میں پیغمبر مبعوث نہیں ہوئے اور ان کی زبان میں ان کو دعوتِ حق نہیں دی گئی تو یقینی طور پر ان کا حکم شاہقِ جبل والوں کی طرح ہوگا کہ سرکشی اور الوہیت کے دعوے کے باوجود دوزخ میں نہ جائیں اور ان کو دائمی عذاب نہ ہو۔ اس بات کو نہ تو عقلِ سلیم ہی تسلیم کرتی ہے اور نہ کشفِ صحیح اس کی تائید کرتا ہے کیونکہ ہم اُن میں سے بعض سرکشوں کو دوزخ کے وسط میں دیکھتے ہیں۔ وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ اَعْلَمُ بِحَقِیْقَۃِ الْحَالِ (اور اللہ سبحانہ اصل حقیقت کو خوب جانتا ہے)

مکتوب ۲۶۰

دو صد و شصتم

حقائق آگاہ، معارف دستگاہ، مظہرِ فیضِ الٰہی، منبعِ رحمت نامتناہی مخدوم زادہ میاں شیخ محمد صادق[1] سلمہ اللہ تعالیٰ کی طرف صادر فرمایا ——— اس طریقے کے بیان میں جس سے آپ کو ممتاز کیا گیا ہے جو تینوں ولایتوں کی تربیت کرنے والوں کے ضمناً بیان میں ہے جس میں ایک ولایتِ صغریٰ جو ولایتِ اولیاء ہے اور (دوسری) ولایتِ کبریٰ جو ولایتِ انبیاء ہے اور (تیسری) ولایتِ علیا جو ولایتِ ملاءِ اعلیٰ ہے۔ اور یہ بیان ہر قسم کی ولایت پر نبوت کی افضلیت ہونے پر مشتمل ہے، اور لطائف عشرۂ انسانی کے بیان میں کہ ان میں سے پانچ عالمِ امر سے متعلق ہیں اور دوسرے پانچ عالمِ خلق سے جو کہ نفس اور عناصرِ اربعہ ہیں اور ہر کمال کی خصوصیت جو ان لطائف میں سے ہر ایک کے ساتھ مخصوص ہیں، اور عالمِ امر پر عالمِ خلق کی افضلیت کے بیان میں مع ان کمالات کے جو عنصرِ خاکی سے مخصوص ہیں، اور عجیب و غریب علوم و معارف کے بیان میں جو ہر مقام کے مناسب ہیں اور ان جیسی اور باتوں کے بیان میں۔

---

[1] آپ کے نام پانچ مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۱۸۱ پر درج ہے۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الۡمُرۡسَلِيۡنَ وَعَلَيۡهِمۡ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصۡحَابِهِ الطَّيِّبِيۡنَ الطَّاهِرِيۡنَ (شروع اللہ تعالیٰ کے نام سے جو نہایت مہربان اور بڑا رحم والا ہے۔ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے اور سید المرسلین اور آپ کے آل و اصحاب پر صلوٰۃ و سلام ہو) ——— اے فرزند! اللہ تعالیٰ سبحانہٗ تم کو سعادتمند کرے، جاننا چاہئے کہ عالمِ امر کے پانچ لطائف ہیں: قلب[1]، روح[2]، سر[3]، خفی[4] اور اخفی[5]، جو انسانی عالمِ صغیر کے اجزا ہیں، ان کے اصول عالمِ کبیر میں ہیں، جس طرح عناصرِ اربعہ جو کہ انسان کے اجزا ہیں اور اپنے اصول عالمِ کبیر میں رکھتے ہیں اور ان پنجگانہ لطائف کے اصول کا ظہور عرش کے اوپر ہے جو لامکانیت سے موصوف ہے، یہی وجہ ہے کہ عالمِ امر کو لامکانی کہتے ہیں ——— دائرہ امکان (تمام ممکنات خواہ وہ خلق ہو یا امر، خواہ وہ صغیر ہو یا کبیر) ان اصول کی نہایت تک تمام ہو جاتا ہے اور عدم کا وجود سے ملنا جو امکان کا منشا ہے اس مقام میں انتہا کو پہنچ جاتا ہے۔ اور جب سالک رشید محمدی المشرب عالمِ امر کے پنجگانہ لطائف کو ترتیب وار طے کر کے ان کے اصول ہیں جو کہ عالمِ کبیر میں ہیں سیر کرتا ہے اور بلند فطرتی بلکہ محض فضلِ خداوندی جل شانہٗ سے ان سب کو ترتیب اور تفصیل کے ساتھ طے کر کے ان کے اخیر نقطے تک پہنچتا ہے تو اس وقت وہ دائرہ امکان کو سیر الی اللہ کے ساتھ تمام کر لیتا ہے اور فنا کے اسم کا اطلاق اپنے اوپر حاصل کر کے ولایتِ صغریٰ میں جو کہ ولایتِ اولیا ہے سیر شروع کرتا ہے۔ ——— اس کے بعد اگر اللہ تعالیٰ و تقدس کے اسمائے وجوبی کے ظلال ہیں جو حقیقت میں عالمِ کبیر کے ان پنجگانہ لطائف کے اصول ہیں اور جن میں عدم کی کچھ آمیزش نہیں ہے سیر واقع ہو جائے اور ان سب کو اللہ تعالیٰ جل سلطانہٗ کے فضل سے سیر فی اللہ کے طریق سے طے کر کے ان کی نہایت تک پہنچ جائے تو وہ اسمائے وجوبی کے ظلال کے دائرے کو بھی پورا کر لیتا ہے اور اللہ جل سلطانہٗ کے اسماء و صفات واجبی کے مرتبہ تک پہنچ جاتا ہے ——— ولایتِ صغریٰ کے عروج کی نہایت یہیں تک ہے۔ اس مقام میں حقیقتِ فنا کا آغاز متحقق ہوتا ہے اور ولایتِ کبریٰ کی ابتدا ہیں جو کہ ولایتِ انبیا علیہم الصلوات و التسلیمات ہے قدم رکھا جاتا ہے۔

جاننا چاہئے کہ یہ دائرہ ظلی انبیائے کرام اور ملائکہ عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے علاوہ تمام مخلوقات کے مبادی تعینات کو شامل ہے اور ہر ایک اسم کا ظل کسی نہ کسی شخص کا مبدأ تعین ہے

یہاں تک کہ حضرت صدیق رضؓ جو انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے بعد افضل البشر ہیں ان کا مبدأ تعین اس دائرہ کے اوپر نقطۂ فوق ہے۔

اور یہ جو (بعض مشائخ نے) کہا ہے کہ جب سالک اس اسم تک جو اس کا مبداِ تعین ہے پہنچ جاتا ہے تو اس وقت سیر الی اللہ کو تمام کرلیتا ہے اس اسم سے مراد اسمِ الٰہی جل شانہٗ کا ظل جاننا چاہیے اور وہ اس اسم کی جزئیات میں سے ایک جزئی ہے نہ کہ اس اسم کی اصل۔ اور یہ دائرۂ ظل حقیقت میں اسماء و صفات کے مرتبہ کی تفصیل ہے ——— مثلاً علم ایک حقیقی صفت ہے جس کی بہت سی جزئیات ہیں اور ان جزئیات کی تفصیل اس صفت کے ظلال ہیں جو اجمال کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں اور اس صفت کی ہر ایک جزئی انبیائے کرامؑ اور ملائکہ عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے علاوہ باقی اشخاص میں سے کسی نہ کسی شخص کی حقیقت ہے، اور انبیاءؑ و ملائکہ کے مبادیٔ تعینات ان ظلال کے اصول یعنی ان مفصلہ جزئیات کی کلیات ہیں ——— مثلاً صفت العلم اور صفت القدرۃ اور صفت الارادہ وغیرہ اور بہت سے اشخاص ایک صفت میں جو کہ ان کا مبدأ تعین ہے مختلف اعتبارات کے لحاظ سے باہم شرکت رکھتے ہیں۔ مثلاً حضرت خاتم الرسل ؐ کا مبدأ تعین شان العلم ہے اور یہی صفت العلم ایک (خاص) اعتبار سے حضرت ابراہیم علیٰ نبینا و علیہ الصلوات و التسلیمات کا مبدأ تعین ہے، اور نیز یہی صفت ایک (اور خاص) اعتبار سے حضرت نوح علی نبینا و علیہ الصلوات والتسلیمات کا مبدأ تعین ہے۔ اور ان اعتبارات کے تعین کا ذکر خواجہ محمد اشرف کے مکتوب (۲۵۱) میں ہو چکا ہے۔

اور یہ جو بعض مشائخ نے فرمایا ہے کہ حقیقتِ محمدی تعینِ اول ہے جو حضرتِ اجمال ہے اور وحدت کے نام سے مسمیٰ ہے ——— ان کی مراد جو کچھ اس فقیر پر ظاہر ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ دائرۂ ظل کا مرکز یہی ہے۔ وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ اَعْلَمُ (اور اللہ سبحانہٗ ہی جانتا ہے) ——— اس دائرۂ ظل کو تعینِ اول خیال کیا ہے اور اس کے مرکز کو اجمال جانتے ہوئے وحدت کا نام لیا ہے، اور اس مرکز کی تفصیل کو جو اس دائرہ کا محیط ہے واحدیت گمان کیا ہے، اور دائرۂ ظل کے مقام سے اوپر جو اسماء و صفات کا دائرہ ہے، ذاتِ بے چون جو تعین سے مبرا ہے تصور کیا ہے، کیونکہ صفت کو انھوں نے عینِ ذات کہا ہے اور ذات پر زائد نہیں جانا ہے، حالانکہ ایسا نہیں ہے ——— بلکہ میں کہتا ہوں کہ اس

دائرہ ظل کا مرکز دائرہ فوق کے مرکز کا ظل ہے جو کہ دائرۂ ظل کی اصل ہے اور اسماء وصفات، شیون و اعتبارات کے دائرہ سے موسوم ہے۔ حقیقت میں حقیقتِ محمدی اسی دائرہ اصل کا مرکز ہے جو اسماء و شیونات کا اجمال ہے اور اس دائرہ میں ان اسماء وصفات کی تفصیل واحدیت کا مرتبہ ہے اور ظلالِ اسماء کے مرتبہ میں وحدت اور واحدیت کا اطلاق کرنا ظل کو اصل کے مشابہ سمجھنے پر مبنی ہے، اور سیر فی اللہ کا اطلاق بھی اس مقام میں اسی قسم سے ہے کیونکہ وہ سیر فی الحقیقت سیر الی اللہ میں داخل ہے۔ اسی طرح ہے ——— اس کے بعد اگر اسماء وصفات کے دائرہ میں جو کہ اس دائرہ ظل کا اصل ہے سیر فی اللہ کے طریق پر عروج واقع ہو جائے تو وہاں ولایتِ کبریٰ کے کمالات شروع ہو جاتے ہیں۔ اور یہ ولایتِ کبریٰ (بلاواسطہ اصلی طور پر) انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے ساتھ مخصوص ہے اور ان کی پیروی کے باعث ان کے اصحاب کرام بھی اس دولت سے مشرف ہوئے ہیں، اس دائرہ کے نیچے کا نصف حصہ اسماء و صفاتِ زائدہ کو متضمن ہے اور اس کا نصف بالائی حصہ شیون و اعتباراتِ ذاتیہ پر مشتمل ہے۔

عالمِ امر کے پنجگانہ (لطائف و مراتب) کے عروج کی انتہا اسماء و شیونات کے دائرہ کی نہایت تک ہے اس کے بعد اگر محض فضلِ ایزدی جل شانہٗ سے مقامِ صفات و شیونات پر ترقی واقع ہو جائے تو ان کے اصول کے دائرہ میں سیر واقع ہو گی، اور اس دائرہ اصول سے گزرنے کے بعد ان اصول کے اصول کا دائرہ ہے اس دائرہ کے طے کرنے کے بعد دائرۂ فوق سے ایک قوس (نصف دائرہ کے مانند) ظاہر ہو گی اس کو بھی قطع کرنا پڑتا ہے۔ اور چونکہ اس دائرہ فوق سے قوس کے علاوہ اور کچھ ظاہر نہیں ہوا اس لئے اسی قوس پر بس کیا گیا ——— شاید اس جگہ کوئی راز ہو گا جس پر (عالمِ غیب سے) اطلاع نہیں بخشی گئی ——— اور اسماء وصفات کے یہ اصولِ سہ گانہ جو مذکور ہوئے حضرت تعالیٰ و تقدس میں محض اعتبارات ہیں جو کہ صفات و شیونات کے مبادی ہو گئے ہیں۔ ان اصولِ سہ گانہ کے کمالات کا حاصل ہونا نفسِ مطمئنہ کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس (نفس) کو اس مقام میں اطمینان حاصل ہو جاتا ہے اور اسی مقام میں شرح صدر حاصل ہوتا ہے اور سالک اسلامِ حقیقی سے مشرف ہو جاتا ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں نفسِ مطمئنہ صدارت کے تخت پر جلوس فرماتا ہے اور مقامِ رضا پر ترقی کرتا ہے۔ یہ مقام ولایتِ کبریٰ کی انتہا کا مقام ہے جو ولایتِ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کا مقام ہے

جب اس فقیر کی سیر یہاں تک ہو چکی تو وہم و خیال میں آیا کہ سب کام مکمل ہو چکا ہے، (اتنے میں عالمِ غیب سے) ندا آئی کہ "یہ سب کچھ اسمِ ظاہر کی تفصیل تھی جو کہ پرواز کے لئے ایک بازو ہے، اور اسمِ باطن کی سیر ابھی باقی ہے جو کہ عالمِ قدس کی طرف پرواز کرنے کے لئے دوسرا بازو ہے، اور جب تو اس کو بھی مفصل طور پر انجام دیدے گا تو اس وقت تجھے پرواز کے لئے دو بازو عطا ہوں گے"۔ اور جب اللہ سبحانہ، کی عنایت سے اسمِ باطن کی سیر بھی انجام پا چکی تو دو بازو میسر ہو گئے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰنَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْلَاۤ اَنْ هَدٰنَا اللّٰهُ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے جس نے ہم کو اس کی ہدایت بخشی اگر وہ ہم کو ہدایت نہ بخشتا تو ہم کبھی ہدایت نہ پاتے، بیشک ہمارے رب کے رسول حق لے کر آئے ہیں)۔ (اعراف آیت ۴۳)

اے فرزند! اسمِ باطن کی سیر کی نسبت کیا لکھا جائے۔ اس سیر کا حال استتار و تبطن (در پردہ رہنے) ہی کے مناسب ہے۔ البتہ اس مقام کے متعلق صرف اس قدر بیان کیا جاتا ہے کہ اسمِ ظاہر کی سیر صفات میں ہے بغیر اس بات کے، کہ اس کے ضمن میں ذات تعالیٰ و تقدس ملحوظ ہو، اور اسمِ باطن کی سیر بھی اگرچہ اسماء میں ہے لیکن اس کے ضمن میں ذات تعالیٰ ملحوظ ہے اور یہ اسماء ڈھالوں (سپر) کے مانند ہیں جو حضرت ذات تعالیٰ و تقدس کے حجابات ہیں ——— مثلاً صفتِ علم میں ذات تعالیٰ ہرگز ملحوظ نہیں ہے لیکن اُس کے "اسمِ علیم" میں ذات تعالیٰ صفت کے پردہ میں ملحوظ ہے، کیونکہ علیم ایک ذات ہے جس کی صفت "علم" ہے پس "علم کی سیر" اسمِ ظاہر" کی سیر ہے اور "علیم کی سیر" اسمِ باطن" کی سیر ہے۔ باقی تمام صفات و اسماء کا حال بھی اسی پر قیاس کریں ——— یہ اسماء جو اسمِ باطن سے تعلق رکھتے ہیں ملائکہ ملاءِ اعلیٰ علیٰ نبینا و علیہم الصلوات والتحیات کے تعینات کے مبادی ہیں، اور اور ان اسماء میں سیر کا آغاز کرنا ولایتِ علیا میں قدم رکھنا ہے جو کہ ملاءِ اعلیٰ کی ولایت ہے ——— ——— اور اسمِ ظاہر و اسمِ باطن کے بیان میں جو علم اور علیم کے درمیان فرق ظاہر کیا گیا ہے، تم اس فرق کو تھوڑا نہ سمجھو اور نہ یہ کہو کہ "علم" سے "علیم" تک بہت کم راستہ ہے، بلکہ وہ فرق ایسا ہے جیسا کہ مرکزِ زمین سے محدّب (سطح) عرش کے درمیان ہے نیز اس فرق کی نسبت ایسی ہے جیسے قطرہ کو دریائے محیط کی نسبت کا فرق ہے، کہنے کو تو یہ نزدیک ہے لیکن حاصل ہوتے میں بہت دور ہے اور ان مقامات کا ذکر جو مجمل طور پر بیان کیا گیا ہے وہ بھی اسی قسم سے ہے ———

مثلاً کہا گیا ہے کہ پنجگانہ (لطائف و مراتب) عالم امر کو طے کر کے ان کے اصول میں سیر کرے تاکہ دائرۂ امکان تمام ہو جائے۔ اس مختصر سی عبارت میں "سیر الی اللہ" کا پوری طرح ذکر آگیا ہے، لیکن اس سیر کے حاصل ہونے میں پچاس ہزار سالہ راہ کی مدت کا اندازہ کیا گیا ہے: آیۂ کریمہ تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَیْهِ فِیْ یَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِیْنَ اَلْفَ سَنَةٍ (معارج آیت ۴) (فرشتے اور روح اس کی جانب ایک دن میں چڑھتے ہیں جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے) ۔ اسی مطلب کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ حق تعالیٰ جل سلطانہ کی عنایت کے جذب و کشش سے کوئی بعید نہیں کہ اس مدت دراز کے کام کو طرفۃ العین (آنکھ جھپکنے) میں میسر کر دے۔ ع

باکریماں کارہا دشوار نیست (کریموں پر نہیں ہیں کام دشوار)

اور اسی طرح سے یہ جو کہا گیا ہے کہ دائرۂ اسماء وصفات اور شیون و اعتبارات کو طے کر کے ان کے اصول میں سیر کرے، تمام اسماء وصفات اور شیون و اعتبارات کا طے کرنا کہتے میں تو آسان ہے لیکن طے کرنے میں بہت مشکل ہے۔ اور مشائخ نے اس سیر کو طے کرنے کی دشواری کے متعلق فرمایا ہے کہ مَنَازِلُ الْوُصُوْلِ لَا تَنْقَطِعُ اَبَدَ الْاٰبِدِیْنَ (وصول کی منزلیں ابدالآباد تک کبھی ختم نہیں ہوتیں) ــــ اور مشائخ نے ان مراتب کی سیر کے پورا ہونے کو ناممکن سمجھا ہے ؎

نہ حسنش غایتے دارد نہ سعدی را سخن پایاں بمیرد تشنہ مستسقی و دریا ہمچناں باقی

(نہ اُس کے حُسن کی حد ہے نہ سعدی کا سخن آخر مرے پیاسا ہی مستسقی مگر دریا رہے جاری)

یہ خیال نہ کرنا چاہئے کہ وصول (الی اللہ) کے مراتب کا انقطاع تجلیات ذاتیہ کے اعتبار سے کہا گیا ہے نہ کہ تجلیاتِ صفاتیہ کے اعتبار سے، اور (مشائخ نے) حُسن سے مراد حُسنِ ذاتی قرار دیا ہے نہ کہ حُسنِ صفاتی۔ کیونکہ ہم کہتے ہیں کہ وہ تجلیاتِ ذاتیہ شیون و اعتبار کے ملاحظہ کے بغیر نہیں ہیں اور وہ حُسنِ ذاتی، صفاتِ جمالیہ کے روپوش (حجاب) کے بغیر نہیں ہے کیونکہ اس مقام میں ان روپوشوں کے بغیر گفتگو کی مجال نہیں ہے: مَنْ عَرَفَ اللّٰهَ كَلَّ لِسَانُهٗ (جس نے اللہ تعالیٰ کو پہچان لیا اس کی زبان گنگ ہو گئی) ــــــــ اور تجلی ایک قسم کی ظلیت چاہتی ہے لہٰذا اس مقام میں شیون کے ملاحظہ کے بغیر چارہ نہیں۔ پس وہ منازلِ وصول اور مراتبِ حُسن اسی اسماء و شیونات کے دائرہ میں داخل ہیں جس کا انقطاع (طے کرنا) ان (مشائخ) کے نزدیک دشوار ہے۔ لیکن وہ امر

جو اس درویش پر ظاہر کیا گیا وہ تجلیات و ظہورات سے ماوراء (بالاتر) ہے، خواہ وہ تجلیات ذاتی ہوں یا صفاتی اور حسن وجمال سے وراء ہیں، خواہ وہ حُسن ذاتی ہو یا صفاتی؟ ——————

مختصر یہ کہ مطالبِ بلند اور مقاصدِ ارجمند کے موتیوں کو مختصر طور پر عبارات کی لڑی میں پرو دیا ہے اور دریائے بیکراں کو چند کوزوں میں بھر دیا ہے۔ فَلَا تَكُنْ مِنَ الْقَاصِرِيْنَ (پس کم ہمت نہ ہو)۔

اب ہم اصل مطلب کی طرف آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اسم ظاہر اور اسم باطن کے دونوں بازوؤں کے حصول کے بعد جب (اس فقیر کو) پرواز میسر ہوئی اور عروجات واقع ہوئے تو معلوم ہوا کہ یہ ترقیاں اصالت کے طور پر عنصرِ ناری کے نصیب ہیں اور عنصرِ ہوائی اور عنصر آبی کے ملائکہ کرام علیٰ نبینا و علیہم الصلوات والتسلیمات کو بھی ان سہ گانہ عناصر سے حصہ ملا ہے، جیسا کہ وارد ہوا ہے کہ بعض ملائکہ آتش اور برف کی مخلوق ہیں اور ان کی تسبیح یہ ہے سُبْحَانَ مَنْ جَمَعَ بَيْنَ النَّارِ وَالثَّلْجِ (تعریف ہے اس ذات کی جس نے آگ اور برف کو جمع کر دیا) (یعنی ملائکہ کو آتش اور برف کو ملا کر مخلوق کیا) ——— اور اس سیر کے دوران ایک واقعہ پیش آیا کہ گویا میں ایک راستہ پر جا رہا ہوں اور چلتے چلتے تھک گیا ہوں۔ چوب اور عصا کی آرزو پیدا ہوئی کہ شاید ان کی مدد سے (بقیہ) راہ طے کر سکوں لیکن میسر نہیں ہوئی اور ہر خس و خاشاک پر ہاتھ ڈالتا ہوں تاکہ راستہ کی تقویت کا باعث ہو لیکن راستہ طے کرنے کے بغیر بھی چارہ نہیں ہے۔ اور جب کچھ مدت اسی حال میں سیر کی تو ایک فنائے شہر (شہر کی حدود) ظاہر ہوا، اس فنا کی مسافت طے کرنے کے بعد شہر میں داخل ہوا۔ (اس وقت) مجھ کو مطلع کیا گیا کہ اس شہر سے مراد تعین اول ہے جو تمام اسماء و صفات اور شیون و اعتبارات کے مراتب کا جامع ہے۔ اور نیز ان مراتب کے اصول اور ان کے اصول کے اصول کا جامع ہے اور اعتباراتِ ذاتیہ کا منتہا ہے جن کے درمیان تمیز کرنا علمِ حصولی کے مناسب ہے، اس کے بعد اگر سیر نصیب ہو تو وہ علم حضوری کے مناسب ہوگی۔

اے فرزند! علمِ حصولی اور علمِ حضوری کا اطلاق حضرت جل سلطانہٗ کے ہاں بطور تشبیہ و تمثیل (مشابہ اور مثال) و تنظیر (نظیر) کے اعتبار سے ہے (نہ کہ حقیقت کی رو سے)۔ کیونکہ وہ صفات جن کا وجود ذات تعالیٰ و تقدس کی ذات کے وجود پر زائد ہے ان کا علم علمِ حصولی کے مناسب ہے اور وہ

اعتباراتِ ذاتیہ جن کا ذات تعالیٰ وتقدس پر زائد ہونا ہرگز متصور نہیں ہے ان کا علم علمِ حضوری کے مناسب ہے ورنہ وہاں سوائے اس تعلق کے جو علم کو اپنے معلوم سے ہے اس امر کے بغیر کہ معلوم سے اس میں کیا حاصل ہوتا ہے اور کچھ نہیں ہے۔ پس سمجھ لیجئے۔

اور یہ تعینِ اول اشارہ ہے اس جامع شہر کا جو تمام انبیائے کرام اور ملائکہ عظام علیہم الصلوات والتسلیمات کی تمام ولایات کا جامع ہے اور ولایتِ علیا کی منتہا ہے جو اصالتہً ملاءِ اعلیٰ کے ساتھ مخصوص ہے ـــــــ اس مقام میں یہ ملاحظہ کیا گیا کہ آیا یہ تعینِ اول "حقیقتِ محمدی" ہے یا نہیں۔ معلوم ہوا کہ حقیقتِ محمدی وہی ہے جس کا اوپر ذکر ہوا۔ اور اس کو تعین اول اس اعتبار سے کہا گیا ہے کہ وہ اسماء وصفات اور شیون واعتبارات کے جامع ہونے کے اعتبار سے اس تعینِ اول کے ظل کا کام کرتی ہے، اور وہ سیر جو اس شہر سے اوپر واقع ہو وہ کمالاتِ نبوت کی ابتدا ہے جن کا حصول انبیاء علیہم الصلوات والتحیات کے ساتھ مخصوص ہے اور یہ کمالات مقامِ نبوت سے ناشی (پیدا) ہوئے ہیں۔ اور انبیاء کے کامل تابعداروں کو بھی ان کی پیروی کے طفیل ان کمالات میں سے کچھ حصہ حاصل ہے، اور لطائفِ انسانی کے درمیان عنصرِ خاکی کو بھی اصالت کے طور پر ان کمالات کا کافی حصہ حاصل ہے۔ اور تمام اجزائے انسانی خواہ وہ عالمِ امر سے ہوں یا عالمِ خلق سے سب کے سب اس مقام میں اسی عنصرِ پاک کے تابع ہیں اور اس کے طفیل اس دولت سے مشرف ہیں، اور چونکہ یہ عنصر بشر کے ساتھ مخصوص ہے اس لئے لازمی طور پر "خواصِ بشر" "خواصِ ملائکہ" سے افضل ہو گئے، کیونکہ جو کچھ اس عنصر کو میسر ہوا ہے کسی کو بھی میسر نہیں ہوا۔ اور دُنُوّ (نزدیک ہونا) کے بعد تَدَلّی (قریب ہونا) کی حقیقت اس مقام میں ظاہر ہوئی اور فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ (النجم آیت ۹) (دو کمانوں کا فاصلہ تھا یا اس سے بھی کم) کا رمز بھی اسی مقام پر منکشف ہوتا ہے ـــــــ اور اس سیر میں معلوم ہوتا ہے کہ تمام ولایتوں کے کمالات خواہ وہ ولایتِ صغریٰ ہو یا ولایتِ کبریٰ یا ولایتِ علیا سب کے سب مقامِ نبوت کے کمالات کے ظلال ہیں اور وہ تمام کمالات خاص ان کمالات کی حقیقت کے لئے شبح اور مثال کی طرح ہیں ـــــــ اور روشن ہو جاتا ہے کہ اس سیر کے ضمن میں ایک نقطے کا قطع کرنا مقامِ ولایت کے تمام کمالات کو طے کرنے سے زیادہ ہے۔ لہٰذا قیاس کرنا چاہئے کہ ان تمام کمالات کو سابقہ تمام کمالات کے ساتھ کیا نسبت ہو گی۔ دریائے بیکراں کو بھی ایک قطرہ کے ساتھ کچھ نہ کچھ نسبت

ہوتی ہے (لیکن) یہاں تو یہ نسبت بھی مفقود ہے، مگر ہم اسقدر کہہ سکتے ہیں کہ مقامِ نبوت کو مقامِ ولایت کے ساتھ ایسی نسبت ہے جیسی کہ غیر متناہی کو متناہی کے ساتھ ہے ——

سبحان اللہ! کوئی بے وقوف جاہل اس راز کے بارے میں کہتا ہے کہ "ولایت نبوت سے افضل ہے" اور دوسرا (جاہل) اس معاملہ کی ناواقفیت کی وجہ سے اس کی توجیہ میں کہتا ہے کہ "نبی کی ولایت اس کی نبوت سے افضل ہے: كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ (کہف آیت ۵) (کتنی بڑی بات ہے جو ان کے منہ سے نکلتی ہے) —— اور جب اللہ سبحانہٗ کی عنایت اور اس کے حبیب علیہ وعلی آلہ الصلوات والتسلیمات کے طفیل سے اس سیر کو بھی انجام تک پہنچایا تو مشہود ہوا کہ اگر بالفرض اس سیر میں دوسرا قدم بڑھائے تو وہ عدمِ محض میں پڑے گا کیونکہ اس سے آگے عدمِ محض کے سوا کچھ نہیں ہے۔

اے فرزند! اس ماجرا سے تم اس وہم میں نہ پڑ جانا کہ عنقا شکار ہو گیا اور سیمرغ دام میں پھنس گیا ؎

عنقا شکار کس نشود دام باز چیں — کاینجا ہمیشہ باد بدست است دام را

(اُٹھالے جال، شکارِ عنقا محال — بس یہاں جال کا یہی ہے مآل)

کیونکہ وہ سبحانہٗ تعالیٰ وراء الوراء ثم وراء الوراء ثم وراء الوراء ہے ؎

ہنوز ایوان استغنا بلند است — مرا فکرے رسیدن ناپسند است

(قصرِ استغنا تو اونچا ہے ہنوز — سخت مشکل واں پہنچنا ہے ہنوز)

وہ ورائیت (بلند سے بلند تر درجہ) حجابات کے وجود کے اعتبار سے نہیں ہے کیونکہ تمام حجابات اُٹھ چکے ہیں بلکہ وہ ورائیت عظمت وکبریائی کے ثبوت کے اعتبار سے ہے جو ادراک وفہم کے مانع اور وجدان کے منافی ہے، کیونکہ وہ سبحانہٗ وجود میں اقرب ہے اور وجدان سے دور ہے ——

ہاں بعض کامل مرادوالوں کو انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے طفیل عظمت وکبریائی کے پردوں میں جگہ دی جاتی ہے اور ان کو بارگاہ کا محرم بنا دیا جاتا ہے۔ فَعُومِلَ مَعَهُمْ مَا عُومِلَ مَعَهُمْ (پس ان کے ساتھ جو معاملہ ہوا سو ہوا)۔

اے فرزند! یہ معاملہ انسان کی اس ہیئتِ وحدانی سے مخصوص ہے جو کہ عالمِ خلق وعالمِ امر کے مجموعہ سے پیدا ہوئی ہے، اس طرح ہے کہ اس مقام میں بھی سب کا رئیس (سردار) "عنصرِ خاک" ہے۔

اور یہ جو کہا گیا ہے: لَيْسَ وَرَاءَهٗ اِلَّا الْعَدَمُ الْمَحْضُ (اس کے اوپر سوائے عدم محض کے کچھ نہیں ہے) وہ اس لئے کہا ہے کہ وجودِ خارجی اور وجودِ علمی کے مراتب تمام ہونے کے بعد عدم کا حاصل ہوتا ہے جو اس (وجود) کی نقیض ہے اور اللہ سبحانہٗ کی ذات اس وجود و عدم سے وراء ہے جس طرح عدم کو وہاں راہ نہیں ہے اسی طرح وجود کی بھی گنجائش نہیں ہے۔ کیونکہ وہ وجود جس کی نقیض عدم پر مبنی ہو وہ اس بارگاہ جل سلطانہٗ کی شایانِ شان نہیں ہے۔ اور اگر اس مرتبہ میں وجود کا اطلاق عبارت کی تنگی کی وجہ سے کریں (تو اس سے مراد وہ وجود ہوگا) جس کی نقیض بننے کی عدم کو مجال نہیں ہے ـــــــ اور جو کچھ اس فقیر نے اپنے بعض مکاتیب میں لکھا ہے کہ حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی حقیقت "وجودِ محض" ہے وہ اس معاملہ کی حقیقت تک اپنی نارسائی کے باعث لکھا گیا ہے اور وہ بعض معارف جو توحید وجودی وغیرہ کے بارے میں لکھے ہیں وہ بھی اسی قسم سے ہیں (ان کا منشا بھی عدم اطلاع کی وجہ سے ہے) اور جب اس معاملہ کی اصل حقیقت سے آگاہی ہوگئی تو جو کچھ ابتدا اور وسط میں لکھا اور کہا ہے اس پر نادم ہوا اور استغفار کیا۔ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ وَاَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مِنْ جَمِيْعِ مَا كَرِهَ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى (میں اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگتا ہوں اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں ان تمام باتوں سے جو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کو ناپسند ہیں)۔

اس بیان سے واضح ہوگیا کہ کمالاتِ نبوت صعود (چڑھنا) کے مراتب میں ہیں۔ اور اسی طرح نبوت کے عروجات میں حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی طرف توجہ ہے۔ ایسا نہیں ہے جیسا کہ اکثر لوگوں نے گمان کیا ہے کہ ولایت میں حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی طرف توجہ ہے اور نبوت میں توجہ مخلوق کی طرف۔ اور ولایت، مراتبِ عروج میں ہے اور نبوت، مدارجِ نزول میں۔ اسی وجہ سے بعض لوگوں نے یہ وہم کرلیا کہ ولایت نبوت سے افضل ہے۔ ہاں ولایت ونبوت دونوں کو عروج و ہبوط حاصل ہے اور دونوں کا رُخ عروج میں حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی طرف ہے اور ہبوط میں دونوں کا منہ مخلوق کی طرف ہے ـــــــ ـــــــ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ نبوت ہبوط کے مرتبہ میں کلّی طور پر مخلوق کی طرف متوجہ ہے اور ولایت کو ہبوط کے مرتبہ میں مخلوق کی طرف پوری توجہ نہیں ہے بلکہ اس کا باطن حق کی طرف ہے اور اس کا ظاہر مخلوق کی طرف۔ اس کا راز یہ ہے کہ صاحبِ ولایت نے مقاماتِ عروج کو پوری طرح طے نہیں کیا اور نزول کرلیا ہے، اس لئے لازمی طور پر اس کو فوق کی نگرانی ہر وقت دامنگیر ہے

اور کلی طور پر اس کی توجہ خلق کے ساتھ ہونے میں مانع ہے، برخلاف صاحبِ نبوت کے کہ اس نے عروج کے تمام مقامات طے کر کے ہبوط فرمایا ہے لہٰذا وہ پورے طور پر مخلوق کو حق جل وعلا کی طرف دعوت دینے میں متوجہ ہے ــــــــ پس سمجھ لو کہ یہ معرفت شریفہ اور اسی قسم کے دوسرے معارف اس سے پہلے کسی ایک نے بھی بیان نہیں کئے۔

جاننا چاہئے کہ جس طرح مراتبِ عروج میں عنصرِ خاک سب سے بالا جاتا ہے اسی طرح منازلِ ہبوط میں بھی وہ عنصر (خاک) سب سے زیادہ نیچے آجاتا ہے اور کیوں نیچے نہ آئے جبکہ اس کا مکان طبعی سب سے نیچے ہے اور چونکہ وہ (عنصرِ خاک) سب سے زیادہ نیچے آجاتا ہے اس لئے اس کے صاحب (یعنی بشر) کی دعوت اتم ہوتی ہے اور اس کا فائدہ بھی اکمل ہوتا ہے۔

اے فرزند! جان لے کہ چونکہ طریقہ نقشبندیہ میں سیر کی ابتدا قلب سے ہوتی ہے جس کا تعلق عالمِ امر سے ہے اسی لئے یاد کی ابتدا بھی عالمِ امر سے کی گئی، بخلاف دوسرے مشائخ کرامؒ کے طریقوں کے جو شروع میں تزکیۂ نفس کرتے ہیں اور قالب (وجود) کی تطہیر (پاک) فرماتے ہیں، اس کے بعد عالمِ امر میں آتے ہیں اور جہاں تک اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا ہے اس میں عروج کرتے ہیں ــــــــ یہی وجہ ہے کہ دوسروں کی انتہا ان بزرگواروں کی ابتدا میں مندرج ہے اور یہ طریقہ سب طریقوں سے اقرب ہے، کیونکہ ان کو اس سیر کے ضمن میں تزکیہ وتطہیر بوجہ احسن (بہت اچھی طرح) میسر ہو جاتا ہے اور مسافت (راستہ) کوتاہ ہو جاتی ہے۔ لہٰذا لازمی طور پر ان بزرگواروں نے عالمِ خلق کی سیر کو قصداً ضائع وبیکار ہی نہیں جانا بلکہ مطلب کے حاصل ہونے میں مضر اور مانع یقین کیا ہے۔ کیونکہ (دوسرے) طریقوں کے سالک جب ریاضاتِ شاقہ اور مجاہداتِ شدیدہ اور تزکیہ کے قدم کے ساتھ عالمِ خلق کی صورت کے دشت وصحرا طے کرنے کے بعد عالمِ امر میں سیر شروع کرتے ہیں اور قلبی جذبہ اور روح کے لذتوں میں پڑتے ہیں تو اکثر اوقات ایسا ہوتا ہے کہ وہ اسی انجذاب میں قناعت کرتے اور اسی لذت پر کفایت کر لیتے ہیں اور اس عالم پر لامکانیت کا گمان ان کو دامنگیر ہو جاتا ہے۔ اور اس عالم کی بیچونی کی آمیزش ان کو حقیقی بے چونی سے باز رکھتی ہے ــــــــ شاید اسی مقام پر کسی سالک نے کہا ہے کہ میں تیس سال تک روح کو خدا سمجھ کر اس کی پرستش کرتا رہا۔ اور دوسرے نے کہا کہ استویٰ کا بسر اور عرش کے اوپر تنزیہ کا ظہور دقیق ومخفی معارف میں سے ہے۔

اور سابقہ بیان سے معلوم ہو گیا کہ وہ تنزیہ بھی دائرہ امکان میں داخل ہے بلکہ وہ تنزیہ نما ہے اور فی الحقیقت تشبیہ ہے بخلاف اس عالی طریقہ (نقشبندیہ) کے بزرگواروں کے کہ مقامِ جذبہ سے شروع کرتے ہیں اور اس کی لذتوں کی مدد سے ترقی کرتے ہیں کیونکہ یہ انجذاب و تلذذ ان (بزرگواروں) کے حق میں ایسا ہے جیسا کہ دوسروں کے حق میں ریاضات و مجاہدات ہوتے ہیں اور جو کچھ دوسروں کے لئے وصول کا مانع ہے وہ ان بزرگوں کے لئے ممد و معاون ہے، وہ عالمِ امر کی لامکانیت کو عین مکانیت تصور کر کے لامکانی حقیقی کی طرف توجہ فرماتے ہیں اور اس عالم (عالمِ امر) کی بیچونی کو عین چون جان کر حقیقی بے چونی کی طرف عروج کرتے ہیں، اس لئے لازمی طور پر دوسروں کی طرح وجد و حال کے رنگ پر مفتوں نہیں ہوتے۔ اور بچوں کی طرح اس راہ (سلوک) کے جوز و مویز پر بیوقوف نہیں بنتے، اور تُرہاتِ صوفیہ (صوفیوں کی باطل لہو آمیز) باتوں پر خوش نہیں ہوتے۔ اور شطحیاتِ مشائخ (مشائخ کی ظاہر خلافِ شرع باتوں) پر فخر نہیں کرتے بلکہ احدیتِ صرف کی طرف متوجہ ہیں اور اسم و صفت سے سوائے ذاتِ مقدس کے کچھ نہیں چاہتے۔

جاننا چاہئے کہ یہ عروج جس کا پہلے ذکر ہو چکا ہے محمدی المشرب (سالک) کے ساتھ مخصوص ہے جو تام الاستعداد (پوری استعداد والا) ہے اور جو عالمِ امر کے جواہر خمسہ کے کمالات سے کامل حصہ رکھتا ہے خواہ وہ عالمِ صغیر سے ہو یا عالمِ کبیر سے، اسی طرح ان پنجگانہ اصول سے جو اسماءِ وجوبی کے ظلال ہیں بہت بڑا حصہ رکھتا ہے، اور نیز ان ظلال کے اصول سے جو اسماء و صفات سے مقدم ہیں بہرہ ور ہوتا ہے ــــــ اور یہ جو میں نے کہا ہے کہ "وہ تام الاستعداد" والا ہو کیونکہ بسا اوقات ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ (سالک) بظاہر "محمدی المشرب" ہے جو کمالاتِ اخفیٰ سے بھی کہ مراتبِ (عالمِ) امر کی انتہا ہے حصہ رکھتا ہے لیکن معاملۂ اخفیٰ کو انجام تک نہیں پہنچایا (اس لئے اس کی استعداد ناقص ہے) اور وہ اس کا آخری نقطۂ انتہا نہیں ہوتا بلکہ وہ ابتدا یا وسط ہی میں رہ جاتا ہے اور جب وہ اخفیٰ میں کوتاہی کرتا ہے تو اس کے اندازے کے مطابق اصول میں بھی کوتاہی کرے گا اور کام انجام تک نہیں پہنچائے گا۔ اور عالمِ امر کے باقی چارگانہ مراتب میں بھی یہی نسبت ہے کہ ہر مرتبہ کی استعداد کا کامل ہونا اس کے آخری نقطہ کے وصول سے وابستہ ہے، ابتدا اور وسط اس نقص کی خبر دیتا ہے اگرچہ نہایت سے بال برابر بھی کوتاہی ہو ؎

فراقِ دوست اگر اندک است اندک نیست درونِ دیدہ اگر نیم موست بسیار است

(فراقِ یار اگر کم ہے کم نہیں سمجھو اگر ہے آنکھ میں کچھ بال، کم نہیں جانو)

اور یہ کوتاہی اصول میں اور اصول کے اصول میں بھی سرایت کر جائے گی اور وصولِ مطلب سے باز رکھے گی۔ اور جو کچھ میں نے کہا ہے کہ "یہ بیان محمدی المشرب کے ساتھ مخصوص ہے" اس لئے کہا ہے کہ غیر محمدی المشرب میں کسی ایک کا کمال درجاتِ ولایت میں سے درجۂ اُولیٰ تک ہی محدود ہوتا ہے اور درجۂ اولیٰ سے مراد مرتبۂ قلب ہے، اور کسی دوسرے کا کمال درجاتِ ولایت میں سے درجۂ ثانی (یعنی مقامِ روح) تک محدود ہے، اور تیسرے شخص کے کمال کا عروج تیسرے درجے تک ہوتا ہے جو مقامِ سِرّ ہے، اور چوتھے شخص کے کمال کا عروج چوتھے درجے تک ہے جس کا مقام خفی ہے۔ درجۂ اولیٰ کی مناسبت صفاتِ افعال کی تجلی کے ساتھ ہے، اور درجۂ ثانیہ کو صفاتِ ثبوتیہ ذاتیہ کی تجلی سے اور درجۂ ثالث کو شیون و اعتباراتِ ذاتیہ سے مناسبت ہے، اور درجۂ چہارم کو صفاتِ سلبیہ کے ساتھ جس کا مقام تقدیس و تنزیہ ہے مناسبت ہے اور درجاتِ ولایت میں سے ہر درجہ اولوالعزم انبیاء میں سے کسی ایک نبی کے زیرِ قدم ہے۔

ولایت کا درجۂ اولیٰ حضرت آدم علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زیرِ قدم ہے اور اِن کا ربّ "صفتِ تکوین" ہے جو کہ افعال کے صادر ہونے کا منشا ہے ۔۔۔۔ اور دوسرا درجہ حضرت ابراہیمؑ کے زیرِ قدم ہے اور حضرت نوح علیٰ نبینا و علیہم الصلوات والتسلیمات بھی اس مقام میں شریک ہیں اور اِن کا ربّ صفت العلم ہے جو صفاتِ ذاتیہ میں اجمع (سب سے زیادہ جامع) ہے ۔۔۔۔ اور تیسرا درجہ حضرت موسیٰ علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زیرِ قدم ہے اور اُن کا ربّ مقاماتِ شیوناتِ سے شان الکلام ہے ۔۔۔۔ اور چوتھا درجہ حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زیرِ قدم ہے اور اِن کا ربّ صفاتِ سلبیہ سے ہے نہ کہ صفاتِ ثبوتیہ سے کہ جس کا مقام تقدیس و تنزیہ ہے اور اکثر ملائکہ کرام علیٰ نبینا و علیہم الصلوٰۃ والسلام بھی اس مقام میں حضرت عیسیٰؑ کے ساتھ مشارکت رکھتے ہیں اور ان (ملائکہ) کو اس مقام میں شانِ عظیم حاصل ہے ۔۔۔۔ اور پانچواں درجہ حضرت خاتم الرسل علیہ و علیہم الصلوات والتسلیمات کے زیرِ قدم ہے اور ان علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ربّ، ربّ الارباب ہے جو تمام صفات و شیونات اور تقدیسات و تنزیہات کا جامع ہے اور ان کمالات کے

دائرے کا مرکز ہے، اور صفات و شیونات کے مرتبہ میں اس ربِّ جامع کی تعبیر "شان العلم" کے ساتھ مناسب ہے کہ یہ شان عظیم الشان تمام کمالات کی جامع ہے اور اسی مناسبت سے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ملّت حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ملّت ہوئی اور اُن کا قبلہ آپ کا قبلہ بنا۔ علیہما الصلوات والتسلیمات۔

جاننا چاہئے کہ اقدامِ ولایت کی ایک دوسرے پر فضیلت درجات کے مقدم و مؤخر ہونے کے اعتبار سے نہیں ہے تاکہ صاحبِ اخفیٰ دوسروں سے افضل ہو جائے۔ علیٰ ہذا القیاس بلکہ اصل سے قریب و بعید ہونے اور ظلال کے درجات کی منزلوں کو زیادہ یا کم طے کرنے کے اعتبار سے ہے۔ لہٰذا ہوسکتا ہے کہ صاحبِ قلب قرب کے اعتبار سے اصل کے ساتھ صاحبِ اخفیٰ سے کہ اس نے یہ قرب حاصل نہیں کیا افضل ہو، اور کیونکر نہ ہو جبکہ نبی کی وہ ولایت جو ولایت کے درجۂ اولیٰ میں ہے اس ولی کی ولایت سے قطعی طور پر افضل ہے جو ولایت کے آخری درجہ میں ہے۔

پوشیدہ نہ رہے کہ لطائف کا مذکورہ بالا ترتیب کے ساتھ سلوک طے کرنا یعنی قلب سے روح کی طرف اور روح سے سِرّ اور سِر سے خفی اور خفی سے اخفیٰ تک پہنچنا "محمدی المشرب" کے لئے مخصوص ہے جو ان پنجگانہ عالمِ امر کو ترتیب وار طے کرکے ان کے اصولوں میں سیر کرتا ہے، اس کے بعد اصول کے اصول میں اسی ترتیب کی رعایت رکھتے ہوئے کام کو انجام تک پہنچاتا ہے۔

اور یہ راہِ سلوک جس کی ترتیب مذکور ہوتی ہے وصول (الی اللہ) کے لئے شاہراہ ہے اور احدیت کی طرف توجہ کرنے والوں کے لئے خاص صراطِ مستقیم ہے بخلاف دوسری ولایتوں کے جنھوں نے گویا ہر درجہ میں نقب کھود کر مطلوب تک لے گئے ہیں۔ مثلاً مقامِ قلب سے نقب کھود کر افعال کی صفات تک جو اصل کی اصل ہے پہنچایا اور اسی طرح مقامِ روح سے گویا نقب کھود کر صفاتِ ذاتیہ تک پہنچایا وعلیٰ ہذا القیاس ——— اور اس میں شک نہیں کہ اس تعالیٰ کے افعال و صفات اس کی ذات سے منفک (جدا) نہیں ہیں، اگر جدائی ہے تو ظلال میں ہے۔ لہٰذا اس مقام میں افعال و صفات کے واصلوں کو بھی ذاتِ بے چون تعالیٰ و تقدس کی تجلیات سے بھی حصہ حاصل ہوگا، جس طرح صاحبِ اخفیٰ کو اس کام کے تمام کرنے کے بعد یہ دولت میسر ہوگی اگرچہ علو و سفل (بلندی و پستی) کے اعتبار سے فرق باقی رہے گا اور صاحبِ قلب صاحبِ اخفیٰ کی برابری نہ کرسکے گا۔

(اے فرزند!) اس جگہ یہ غلطی نہ کرنا کہ یہ فرق جو اولیاء کے درمیان ایک دوسرے کے ساتھ متصور ہے دونوں کے مرتبہ کمال تک پہنچنے کے بعد صاحب ولایتِ قلب کا درجہ صاحب ولایتِ اخفیٰ سے کم ہے، لیکن انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی نسبت اولیاء میں یہ فرق مفقود ہے کیونکہ نبی کی ولایت جو مقام قلب سے ناشی (پیدا ہوئی) ہے وہ ولی کی ولایت سے جو مقام اخفیٰ سے ناشی ہوتی ہے افضل ہے اگرچہ اس ولی نے اخفیٰ کے کمالات کو انجام تک پہنچا دیا ہو، اور اس صاحبِ ولایت کی سیر ہمیشہ اس نبی کی ولایت کے زیر قدم ہے ——— اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ فرماتا ہے: وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ ۝ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ ۝ وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ۝ (صافات آیت ۱۷۱ تا ۱۷۳) (اور بیشک ہمارے بندوں میں جو رسول ہیں ان کے لئے ہمارا حکم پہلے ہی ہو چکا ہے کہ یقیناً انہی کی مدد کی جائے گی اور یقیناً ہمارا لشکر ہی غالب ہے) ——— ہاں یہ فرق انبیاء کے درمیان ایک دوسرے کے لئے متصور ہے کہ صاحبِ علو (بلند درجہ والے) کا درجہ صاحبِ سفل (کم درجے والے) سے افضل ہو، لیکن یہ فرق بھی انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے درمیان عالمِ امر کے دائرہ کمالات کے اخیر تک ہے، اس کے بعد یہ فضیلت بلندی و پستی (کے درجات) سے وابستہ نہیں ہے بلکہ ممکن ہے کہ اس مقام میں پستی والا بلندی والے سے افضل ہو ——— جیسا کہ ہم نے اس مقام میں حضرت موسیٰ و حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کے درمیان اس تفاوت کو مشاہدہ کیا ہے کہ حضرت موسیٰؑ اس مقام میں جسم اور شانِ عظیم کے ساتھ ہیں اور حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہا الصلوٰۃ والسلام میں یہ جسامت اور شان نہیں ہے۔ ——— لیکن ہم کو معلوم ہوا ہے کہ اس مقام میں یہ فرق بلندی و پستی کے علاوہ ایک اور امر کی وجہ سے ہے جس کو ہم ان شاء اللہ تعالیٰ اس (تعالیٰ) کے حسنِ توفیق اور کمال احسان و کرم سے اس کے بعد مفصل طور پر بیان کریں گے۔

اسی طرح یہ تفاوت حضرت خلیل الرحمٰن اور حضرت خاتم الرسل علیہم الصلوات والتسلیمات کے علاوہ تمام انبیا کے درمیان ان کے کمالات میں جو کعبۂ ربانی کی حقیقت کے ساتھ کہ تمام حقائق بشریت اور ملکیت سے برتر ہے تعلق رکھتے ہیں مشاہدہ کیا ہے کہ حضرت خلیل الرحمٰنؑ کو اس مقام میں وہ شانِ عظیم اور بلند مرتبہ حاصل ہے جو کسی ایک کو بھی وہ شان و مرتبہ میسر نہیں ہوا ——— ——— اس عجیب مقام میں جو عظمت و کبریائی کے پردوں کے ظہور کا مقام ہے، اس کے

مناسب ہے، اس مقام کے مرکز یعنی مقامِ اجمالی کے کمالات حضرت خاتم الرسل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نصیب ہیں اور باقی سب مفصل طور پر حضرت خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے مسلّم ہیں۔ اور اُن کے علاوہ دوسرے انبیاء اور کامل اولیا علیہم الصلوات والتسلیمات سب ان کے طفیلی ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ ہمارے پیغمبر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات نے اس اجمال کی تفصیل (حق تعالیٰ سے) دریافت فرمائی ہے۔ چنانچہ اپنے مسئولہ صلوات و برکات کو حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوات والتسلیمات کی صلوات و برکات کے ساتھ تشبیہ دی ہے ——— اور اس فقیر پر ظاہر کیا گیا ہے کہ ہزار سال گزرنے کے بعد وہ تفصیل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو میسر ہو گئی اور آپ کا سوال قبول ہو گیا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ سُبْحَانَہٗ عَلٰی ذٰلِکَ وَعَلٰی جَمِیْعِ نَعْمَائِہٖ (اللہ سبحانہٗ کا اس پر اور تمام نعمتوں پر شکر ہے) ——— اور اس عالی مقام کے کمالات تمام ولایتوں کے کمالات اور نبوت و رسالت کے کمالات سے بلند تر ہیں اور بلند تر کیوں نہ ہوں جبکہ یہی حقیقت، انبیاءِ کرام اور ملائکہ عظام علیہم الصلوات والتحیات کی مسجود الیہ ہے۔

اور اس فقیر نے رسالہ "مبدأ و معاد" میں جو کچھ لکھا ہے کہ "حقیقتِ محمدی اپنے مقام سے عروج کر کے حقیقتِ کعبہ کے مقام تک جو اس سے بلند تر ہے پہنچ کر متحد ہو گئی اور حقیقتِ محمدی نے اس مقام پر حقیقتِ احمدی کا نام حاصل کر لیا۔" وہ حقیقتِ کعبہ اس حقیقت کے ظلال میں سے ایک ظل ہے کہ (یہ فقیر) اس حقیقت کے عدم ظہور کے وقت میں ان سب کو حقیقت سمجھتا تھا۔ اس قسم کے اشتباہ بہت واقع ہوتے ہیں کہ (عارف) اصل کے ظاہر نہ ہونے کے وقت ظل کو اصل سمجھتا ہے اور اس کو حقیقت کا نام دیتا ہے، یہی وجہ ہے کہ ایک مقام چند مرتبہ ظاہر ہوتا ہے اس کا راز یہی ہے کہ اس مقام کے ظہورات اس مقام کے ظلال کے اعتبار سے ہیں۔ حقیقت میں اس مقام کی حقیقت وہی ہے جو آخری مرتبہ میں ظاہر ہوئی ہے ——— اگر کوئی کہے کہ یہ کہاں سے معلوم ہوا کہ یہ مرتبہ اس مقام کے آخری مرتبہ کے ظہورات میں سے ہے تاکہ اس کو حقیقت جان لیا جائے تو میں کہتا ہوں کہ سابقہ ظہورات کی ظلیت کا علم حاصل ہونا اس ظہور کی آخریت پر شاہدِ عدل ہے، کیونکہ یہ علم سابقہ ظہورات کے وقت حاصل نہیں ہے بلکہ ہر ظہور کو حقیقت سمجھتا ہے اور ان میں سے کسی کو بھی ظل نہیں سمجھتا اگرچہ نہیں جانتا کہ ان حقائق کا اختلاف کہاں سے آیا ہے فافہم

اے فرزند! سابقہ معارف سے معلوم ہو گیا کہ وہ کمالات جو عالمِ امر سے تعلق رکھتے ہیں ان کمالات کے لئے جو عالمِ خلق سے متعلق ہیں مقدمات اور زینوں کی طرح ہیں اور پہلے کمالات ظلیت سے خالی نہیں ہیں اور وہ مقامات ولایت سے مخصوص ہیں اور دوسرے کمالات نے ظلیت کی آمیزش سے جو اس نشاۃِ دنیاوی کے ظہورات کے مناسب ہے خالی ہو کر مقاماتِ نبوت سے کامل حصہ حاصل کر لیا ہے لہٰذا طریقت و حقیقت جو ولایت سے وابستہ ہیں دونوں شریعت کے لئے جو مقامِ نبوت سے ناشی (پیدا) ہے خادموں میں سے ہیں اور نبوت کے عروج کے لئے ولایت ایک زینہ ہے۔

اس بیان سے معلوم ہوا کہ وہ سیر جو اکابرِ نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم نے اختیار کی ہے اور جس کی ابتدا عالمِ امر سے کی ہے اولیٰ و انسب ہے کیونکہ ادنیٰ سے جو عالمِ امر ہے اعلیٰ کی طرف جو عالمِ خلق ہے ترقی کرنی چاہئے نہ کہ اعلیٰ سے ادنیٰ کی طرف۔ لیکن کیا کیا جائے کہ یہ معما سب پر حل نہیں ہوا ——— دوسروں نے صورت (ظاہر) پر نظر ڈالی اور عالمِ خلق کو پست دیکھا اور پستی سے شروع کر کے بلندی کی طرف (یعنی عالمِ خلق سے عالمِ امر کی طرف) ترقی کی، اور یہ نہیں جانا کہ حقیقتِ معاملہ دگرگوں (برعکس) ہے اور پستی حقیقت میں بلندی ہے اور بلندی حقیقت میں پستی ہے۔ ——— ہاں نقطۂ آخر جو عالمِ خلق ہے نقطۂ اولیٰ سے جو اصل الاصل ہے نزدیک واقع ہوا ہے یہ قرب کسی دوسرے کو میسر نہیں ہوا ع

کہ مستحقِ کرامت گنہگار انند (کرم کے مستحق بس عاصیاں ہیں)

یہ دید (مشاہدہ) مشکوٰۃِ نبوت سے اقتباس ہے۔ اربابِ ولایت نے اس معرفت (جو عالمِ خلق سے متعلق ہے) سے بہت کم حصہ پایا ہے۔ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات نے سیر کی ابتداء عالمِ امر سے کی ہے اور حقیقت سے شریعت کی طرف آئے ہیں ——— خلاصۂ کلام یہ ہے کہ ان کامل اولیاء کے لئے جن کی سیر انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی سیر کے موافق ہوئی ہے، ابتدا میں شریعت کی صورت ہے اور وسط میں طریقت و حقیقت کہ جس کا تعلق ولایت سے ہے اور عالمِ امر کے مناسب ہے، اور آخر میں شریعت کی حقیقت ہے جو ثمرۂ نبوت ہے ——— لہٰذا یہ بات طے شدہ ہوئی کہ طریقت و حقیقت کا حصول شریعت کی حقیقت کے حصول کی تمہید ہے۔ اور کامل اولیاء کی بدایت (ابتدا) اور انبیاءِ مرسل کی بدایت، حقیقت ہے اور دونوں کی انتہا شریعت ہوئی۔ تو جس نے یہ کہا کہ "اولیاء کی بدایت انبیاء کی نہایت ہے"

اور اولیاء کی ہدایت اور انبیا کی نہایت سے شریعت مراد لی ہے، اس کے کچھ معنی نہیں ہیں۔ ہاں وہ بیچارہ جو حقیقتِ معاملہ سے آگاہی نہیں رکھتا مجبوراً اس نے شطحی کلام کیا (یعنی ظاہر کے خلاف بات کہی)۔

ـــــــ ان معارف کو اگرچہ کسی نے بیان نہیں کیا بلکہ اکثر نے اس کے برعکس بیان کیا ہے اور ادراک سے دُور ہو گئے ہیں، لیکن وہ انصاف پسند جو انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی بزرگی ملاحظہ میں رکھے اور اس پر شریعت کی عظمت کا بھی غلبہ ہو تو احتمال ہے کہ ان مخفی اسرار کو قبول کرے گا اور اس قبولیت کو اپنے ایمان کی زیادتی کا وسیلہ بنائے گا۔

اے فرزند! سنو، انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات نے دعوت کو عالمِ خلق پر منحصر رکھا ہے بُنِیَ الْاِسْلَامُ عَلٰی خَمْسٍ[1] (اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے) اور چونکہ قلب کی مناسبت عالمِ خلق سے زیادہ ہے لہذا اس کی تصدیق کے لئے دعوت کا حکم فرمایا اور قلب کے ماوریٰ کی نسبت کوئی بات نہیں فرمائی اور اس کو کَالْمَطْرُوْحِ فِی الطَّرِیْقِ (راستہ میں پڑا ہوا کوڑا) کی طرح سمجھا اور اس کو مقاصد میں شمار نہیں کیا۔ ہاں بہشت کی نعمتیں اور دوزخ کی مصیبتیں، اور دیدار کی دولت اور محرومی کی بدنصیبی یہ سب عالمِ خلق سے وابستہ ہیں اور عالمِ امر کے ساتھ ان کا کچھ تعلق نہیں۔ دوسرے وہ عمل جو فرض، واجب اور سنت ہے، ان کی بجاآوری اسی قالب سے تعلق رکھتی ہے جو عالمِ خلق سے ہے، اور جو کچھ کہ عالمِ امر کا حصہ ہے وہ اعمالِ نافلہ سے متعلق ہے۔ پس وہ قرب جو ان اعمال کے ادا کرنے کا ثمرہ ہے وہ اعمال کے اندازے کے مطابق ہو گا۔ لہذا لازمی طور پر وہ قرب جو ادائے فرض کا ثمرہ ہے عالمِ خلق کا نصیب ہے اور وہ قرب جو ادائے نوافل کا ثمرہ ہے وہ عالمِ امر کا نصیب ہے۔ اور اس میں شک نہیں ہے کہ نفل کی فرض کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں۔ کاش! اس کو دریائے محیط کے مقابلے میں قطرہ ہی کی نسبت ہوتی، بلکہ سنت کے مقابلے میں بھی نفل کی یہی نسبت ہے، اگرچہ سنت اور فرض کے درمیان بھی قطرہ اور دریا کی نسبت ہے۔ لہذا دونوں قربوں (قرب بالنوافل اور قرب بالفرائض) کے درمیانی فرق کو اسی پر قیاس کر لینا چاہیے، اور عالمِ خلق کا شرف عالمِ امر پر اسی فرق سے سمجھ لینا چاہیے۔

نفل کی فرض کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں

اکثر لوگ جو اس معنی سے بے نصیب ہیں اپنے فرائض کو خراب کر کے نوافل کی ترویج میں کوشش کرتے ہیں۔ صوفیائے خام ذکر اور فکر کو اہم ترین ضروریات جان کر فرائض اور سنتوں کی

[1] اس حدیث کو بخاری و مسلم نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کیا۔

بجا آوری میں سستی کرتے ہیں اور چلوں اور ریاضتوں کو اختیار کر کے جمعہ اور جماعت کو ترک کر دیتے ہیں، وہ یہ نہیں جانتے کہ ایک فرض کا جماعت کے ساتھ ادا کرنا ان کے ہزاروں چلوں سے بہتر ہے، ہاں آدابِ شرعیہ کی رعایت کے ساتھ ذکر و فکر میں مشغول ہونا بہت بہتر اور اہم ترین کام ہے۔

اور علماء بے سرانجام بھی نوافل کو رواج دینے میں کوشش کرتے ہیں اور فرائض کو خراب و ابتر کرتے ہیں۔ مثلاً نمازِ عاشورا کو جو حضرت پیغمبر علیہ وعلی آلہ الصلوات والتسلیمات سے صحت کے ساتھ نہیں پہنچی جماعت اور تمام جمعیت کے ساتھ اہتمام سے ادا کرتے ہیں، حالانکہ جانتے ہیں کہ فقہ کی روایات نمازِ نفل باجماعت کی کراہت پر ناطق ہیں اور فرض کی ادائیگی میں سستی برتتے ہیں۔ بہت کم (لوگ) ایسے ہیں کہ فرض نماز کو مستحب وقت میں ادا کریں بلکہ اصل وقت سے بھی تجاوز کر جاتے ہیں اور نماز باجماعت کا بھی زیادہ اہتمام نہیں کرتے۔ ایک یا دو آدمیوں کی جماعت پر قناعت کر لیتے ہیں بلکہ بسا اوقات تنہا پڑھ لینے پر ہی کفایت کرتے ہیں۔ جب اسلام کے پیشواؤں کا یہ حال ہو تو عوام کے بارے میں کیا کہا جائے۔ اس عمل کی نحوست کی وجہ سے اسلام میں ضعف پیدا ہو گیا اور اور اس فعل کی ظلمت کی وجہ سے ہوا وہوس اور بدعت عام ہو گئی ؎

اندکے پیش تو گفتم غمِ دل ترسیدم　　کہ دل آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

(غمِ دل مختصر ہی کہتا ہوں　　دکھ نہ پہنچائے میری بات طویل)

اور اسی طرح نوافل کی ادائیگی متجملہ ظلال کے ایک ظل سے قریب کر دیتی ہے اور اصل قرب فرائض کی ادائیگی میں ہے کہ جس میں ظلیت کی آمیزش نہیں ہے۔ مگر وہ نوافل جو فرائض کی تکمیل کے لئے ادا کئے جائیں وہ بھی قربِ اصل کے لئے ممد و معاون اور فرض کے ملحقات سے ہیں، لہٰذا لازمی طور پر فرائض کی ادائیگی کا تعلق عالمِ خلق کے مناسب ہے جو اصل کے ساتھ متوجہ ہے، اور نوافل کی ادائیگی عالمِ امر کے مناسب ہے جس کا چہرہ ظل کی طرف ہے۔ تمام فرائض اگرچہ اصل کی طرف قرب بخشتے ہیں لیکن ان میں سب سے افضل و اکمل صلوٰۃ (نماز) ہے۔ اَلصَّلٰوۃُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِ[1] (نماز مؤمن کے لئے معراج ہے) ——— اور اَقْرَبُ مَا یَکُوْنُ الْعَبْدُ مِنَ الرَّبِّ فِی الصَّلٰوۃِ[2] (بندے کو سب سے زیادہ قرب اپنے پروردگار سے نماز میں ہوتا ہے) تم نے سنا ہوگا۔

---

[1] یہ حدیث صوفیہ میں مشہور ہے۔ [2] مسلم ابو داؤد اور نسائی نے اس کو حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے۔

اور وہ وقتِ خاص جو حضرت پیغمبر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کو حاصل تھا جس کی تعبیر لِیْ مَعَ اللہِ وَقْتٌ[1] (اللہ تعالیٰ کے ساتھ میرا ایک وقت ہے) سے کی ہے فقیر کے نزدیک نماز ہی میں ہے۔ نماز ہی گناہوں کا کفارہ ہے اور نماز ہی فواحش و منکرات سے روکتی ہے اور نماز ہی ہے جس میں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے لئے راحت تلاش کرتے تھے اسی لئے آپؐ فرماتے تھے اَرِحْنِیْ یَا بِلَالُ[2] (اے بلال مجھے آرام دے)۔ اور نماز ہی کو دین کا ستون[3] فرمایا ہے اور نماز ہی اسلام اور کفر میں فرق ظاہر کرتی ہے۔

اب ہم اصل بات کی طرف رجوع کرتے ہیں اور عالمِ خلق کی عالمِ امر پر افزونی (فضیلت) بیان کرتے ہیں۔ عالمِ امر نے اس جگہ (دنیا) میں پورا پورا حظ (لذت) حاصل کر کے مشاہدہ اور معائنہ میں مشغول ہو گیا ہے، کل (روزِ قیامت) کو بہشت میں معاملہ عالمِ خلق سے ہوگا اور بلا کیف اسی تعالیٰ کی رویت میسر ہوگی ——— اور اسی طرح مشاہدہ کا تعلق وجوب کے ظلال میں سے ایک ظل ہے اور آخرت میں واجب الوجود کا دیدار ہے۔ لہذا جسقدر مشاہدہ اور رویت، ظلیت اور اصالت میں فرق ہے اسی قدر عالمِ امر اور عالمِ خلق میں فرق ہے جان لو۔ پھر جان لو کہ مشاہدہ ولایت کا ثمرہ ہے اور رویت نبوت کا ثمرہ، جو انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی تابعداری کی وجہ سے عام تابعداروں کو بھی میسر ہوگی۔ اس مقام پر ولایت و نبوت کے درمیان جو فرق ہے وہ سمجھ لو۔

تنبیہ: جس عارف کو عالمِ امر کے ساتھ زیادہ مناسبت ہوگی اس کا قدم کمالاتِ ولایت میں زیادہ تر ہوگا اور جس کو عالمِ خلق سے زیادہ مناسبت ہوگی اس کا قدم کمالاتِ نبوت میں بہت زیادہ ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام ولایت میں بیشتر قدم رکھتے ہیں اور حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا قدم زیادہ تر نبوت میں ہے کیونکہ حضرت عیسیٰؑ میں (عالمِ) امر کی نسبت غالب ہے جس کی وجہ سے وہ روحانیوں سے ملحق ہو گئے اور حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہما الصلوٰۃ والسلام کا رُخ عالمِ خلق کی طرف غالب ہے لہذا انھوں نے مشاہدہ پر اکتفا نہ کر کے رویتِ بصری[4] کی درخواست کی ——— کمالاتِ نبوت میں انبیاءؑ کے

---

[1] رسالہ قشیریہ میں ان الفاظ کے ساتھ ہے "لی وقت لا یسعنی فیہ غیر ربی"۔ [2] اس کو دار قطنی نے علل میں روایت کیا۔
[3] حدیث میں ہے "الصلوٰۃ عماد الدین من اقامہا اقام الدین ومن ترکہا فقد ہدم الدین"۔
[4] جیسا کہ حضرت موسیٰؑ نے کہا "رب ارنی انظر الیک"۔

اقدام کے تفاوت ہونے کا سبب یہی ہے، جس کے بیان کرنے کا وعدہ میں نے پہلے کیا تھا، نہ کہ بعض لطائف کی بلندی اور بعض کی پستی جو کہ کمالاتِ ولایت کے تفاوت میں معتبر ہے۔ وَاللّٰہُ سُبْحَانَہُ الْمُلْہِمُ لِلصَّوَابِ (اللہ سبحانہٗ بہتری کا الہام کرنے والا ہے)۔

اے فرزند! چونکہ علومِ نبوت جو کہ شرائع و احکام اور قالب (جسدِ خاکی) کے ساتھ زیادہ تر تعلق رکھتے ہیں اور انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کو بھی اسی وجہ سے عالمِ خلق کے ساتھ زیادہ مناسبت ہے اس مقام پر بعض نے گمان کیا ہے کہ نبوت سے مراد، مقاماتِ قرب تک جو مقامِ ولایت سے تعلق رکھتے ہیں عروج کرنے کے بعد دعوتِ خلق کے لئے نزول کرنا ہے۔ اور یہ نہیں جانتے کہ عروج کی انتہا اور قرب کی غایت اسی مقام (یعنی مقامِ دعوت) ہی ہے۔ اور وہ قرب جو پہلے حاصل ہوا تھا وہ اس قرب کے ظلال میں سے ایک ظل ہے جو کہ بُعد (دوری) کی صورت میں متصور ہوتا ہے، اور وہ عروج جو اس سے پہلے حاصل ہوا تھا وہ اس عروج کے عکسوں میں سے ایک عکس تھا جو ظاہر میں نزول دکھائی دیتا ہے ________ کیا تم نہیں دیکھتے کہ دائرہ کا مرکز دائرہ کے محیط کی نسبت سب سے زیادہ دُور نقطہ ہے۔ حالانکہ حقیقت میں کوئی نقطہ بھی مرکز کے نقطہ کی نسبت محیط سے زیادہ قریب نہیں ہے کیونکہ محیط اس نقطۂ اجمال کی تفصیل ہے اور یہ نسبت کسی دوسرے نقطہ کو میسر نہیں ہوتی۔ ظاہر بین عوام اس اقربیت کو نہیں معلوم کر سکے اس لئے اس نقطہ کے لئے ابعدیت (بہت زیادہ دور ہونے) کا حکم کرتے ہیں اور اس نقطہ کی اقربیت کے حکم کو جہلِ مرکب تصور کرتے ہیں اور اس حکم کرنے والے کو جاہل اور احمق سمجھتے ہیں۔ وَاللّٰہُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰی مَا تَصِفُوْنَ (یوسف ۱۲ آیت ۱۸) (اور جو کچھ تم بیان کرتے ہو اس پر اللہ تعالیٰ ہی سے مدد مطلوب ہے)

جاننا چاہئے کہ نفسِ مطمئنہ شرحِ صدر کے حصول کے بعد جو کمالاتِ ولایتِ کبریٰ کے لوازم میں سے ہے اپنے مقام سے عروج کر کے تختِ صدر پر ترقی کر جاتا ہے اور وہاں تمکن و سلطنت حاصل کر لیتا ہے اور قرب کے ممالک پر غلبہ پا لیتا ہے، یہ تختِ صدر حقیقت میں مرتبۂ ولایتِ کبریٰ کے عروج کے تمام مقامات سے بلند ہے، اور اس تخت پر پہنچنے والے کی نظر ابطنِ بطون (قلب کی گہرائیوں) میں نفوذ کرتی ہے اور غیب الغیب (پوشیدہ سے پوشیدہ) میں سرایت کر جاتی ہے۔ ہاں اگر کوئی شخص بہت اونچے مکان پر چڑھ جائے تو اس کی نگاہ بھی دُور سے دور تک پہنچ جائے گی

اور اس مطمئنہ کی تمکین کے بعد عقل بھی اپنے مقام سے نکل کر اس کے ساتھ مل جائے گی، اور عقلِ معاد کا نام حاصل کرلے گی، اور دونوں باہم اتفاق بلکہ اتحاد کے ساتھ اپنے کام میں متوجہ ہو جائیں گے۔

اے فرزند! اس مطمئنہ کو اب مخالفت کی گنجائش باقی نہیں رہی اور سرکشی کی مجال بھی نہیں۔ اور کلّی طور پر اپنے مطلوب کی طرف متوجہ ہے اور پوری طرح اپنا مقصود حاصل کرنے میں مشغول ہے۔ اس کی پوری ہمت پروردگار جل سلطانہٗ کی رضا (حاصل کرنے) کے علاوہ کچھ نہیں اور اس کا مطلب اس بزرگ بلند و بالا کی اطاعت و عبادت کے سوا کچھ نہیں۔ سبحان اللہ، وہ (نفسِ) امارہ جو اول بدترین خلائق تھا اب اطمینان اور حضرتِ سبحان کی رضا حاصل ہونے کے بعد عالمِ امر کے لطائف کا رئیس (سردار) بن گیا اور اپنے ہمسروں کا سردار ہو گیا۔ مخبر صادق علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے کیا خوب فرمایا ہے: خِيَارُكُمْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ خِيَارُكُمْ فِي الْإِسْلَامِ إِذَا فَقِهُوا[1] (جو لوگ زمانۂ جاہلیت میں تم میں سے اچھے تھے وہ اسلام میں بھی تم میں اچھے ہیں جبکہ انھوں نے دین کو سمجھ لیا) ——— اس کے بعد اگر کوئی صورت خلاف و سرکشی کی پیدا ہوئی تو اس کا منشا (سرچشمہ) عناصرِ اربعہ کے مختلف طبائع ہیں جو اجزائے قالب (جسم کے اجزاء) ہیں، اگر قوتِ غضبیہ کا غلبہ ہے تو وہ بھی وہیں سے پیدا ہوا ہے اور اگر شہوانیت کا غلبہ ہے تو وہ بھی وہیں سے، اور اگر حرص و شر کا غلبہ ہے تو وہ بھی وہیں سے اٹھا ہے، اور اگر بخل و کمینگی ہے تو وہ بھی وہیں سے ہے۔ ——— کیا تم نہیں دیکھتے کہ تمام حیوانات جن میں نفسِ امارہ نہیں ہے ان میں بھی یہ تمام رذائل بدرجہ اتم و اکمل پائے جاتے ہیں۔ لہذا بہت ممکن ہے کہ مراد اس جہادِ اکبر سے جو ہمارے پیغمبر علیہ و علیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات نے فرمایا ہے: رَجَعْنَا مِنَ الْجِهَادِ الْأَصْغَرِ إِلَى الْجِهَادِ الْأَكْبَرِ[2] (اب ہم جہادِ اصغر سے جہادِ اکبر کی طرف لوٹتے ہیں) جہاد با قالب ہو نہ کہ جہاد بانفس، جیسا کہ کہا گیا ہے کہ نفس اطمینان (کی حد) تک پہنچ چکا ہے اور "راضی و مرضی" (یعنی وہ حق تعالیٰ سے راضی اور حق تعالیٰ اس سے راضی) ہو گیا ہے۔ لہذا خلاف و سرکشی کی صورت اس سے متصور نہ ہو گی ——— ——— اور خلاف و سرکشی کی صورت میں اجزائے قالب سے مراد ارادۂ ترکِ اولیٰ ہے اور امورِ رخصت کے ارتکاب اور ترکِ عزیمت کا ارادہ ہے، نہ کہ حرام اشیاء کا ارتکاب اور فرائض و واجبات کے ترک کا ارادہ، جو کہ اس کے حق میں "نصیبِ دشمناں" ہو چکا ہے۔

---

[1] بخاری و مسلم بروایت حضرت ابوہریرہ [2] اس حدیث کی تحقیق دفتر اول مکتوب ۱۴۱ پر ملاحظہ فرمائیں۔

اے فرزند! اگرچہ عناصرِ اربعہ کے کمالات، کمالاتِ مطمئنہ سے بڑھ کر ہیں جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے لیکن مطمئنہ چونکہ مقامِ ولایت سے مناسبت رکھتا ہے اور عالمِ امر سے ملحق ہے اس لئے صاحبِ سکر ہے اور مقامِ استغراق میں ہے، ناچار اس میں مخالفت کی طاقت نہیں رہی، اور چونکہ عناصر میں مقامِ نبوت کی مناسبت زیادہ ہے اس لئے ان میں صحو (ہوش) غالب ہے، اسی لئے بعض منافع اور فوائد جو ان سے وابستہ ہیں ان میں مخالفت کی صورت باقی رہتی ہے۔ پس سمجھ لو۔

جاننا چاہئے کہ منصبِ نبوت حضرت خاتم الرسل علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات پر ختم ہو چکا ہے لیکن اُس منصب کے کمالات میں آپؐ کی تابعداری کی وجہ سے آپؐ کے تابعداروں کو بھی پورا پورا حصہ حاصل ہے، یہ کمالات طبقۂ صحابہؓ میں بہت زیادہ ہیں اور تابعین اور تبع تابعین میں بھی یہ دولت کچھ نہ کچھ سرایت کئے ہوئے ہے، اس کے بعد یہ کمالات پوشیدگی میں چلے گئے اور ولایتِ ظلی (ولایتِ صغریٰ) کے کمالات کا غلبہ جلوہ گر ہو گیا۔ لیکن امید ہے کہ ہزار سال گذرنے کے بعد یہ دولت از سرِ نو تازہ ہو کر غلبہ وشیوع (عموم) حاصل کرلے اور کمالاتِ اصلی ظہور میں آئیں اور ظلی پوشیدہ ہو جائیں اور حضرت مہدی علیہ الرضوان اس نسبت عالیہ کو ظاہر و باطن کے ساتھ رواج دیں۔

اے فرزند! نبی علیہ وعلیٰ آلہ الصلوۃ والسلام کا کامل تابعدار اپنی کامل تابعداری کی وجہ سے جب مقامِ نبوت کے کمالات کو پورا کرلیتا ہے تو اگر وہ اہلِ مناصب سے ہے تو اس کو "منصبِ امامت" پر سرفراز کردیتے ہیں اور جب وہ ولایتِ کبریٰ کے کمالات کو پورا کرلیتا ہے اور اہلِ منصب سے ہوتا ہے تو اس کو "منصبِ خلافت" سے مشرف کردیتے ہیں۔ اور کمالاتِ ظلی کے مقامات سے منصبِ امامت کے مناسب "قطبِ ارشاد" کا منصب ہے اور منصبِ خلافت کے مناسب "قطبِ مدار" کا منصب ہے گویا نیچے کے یہ دونوں مقام ان اوپر کے دونوں مقاموں کے ظلال ہیں۔

شیخ محی الدین ابن العربیؒ کے نزدیک "غوث ہی قطب مدار ہے غوثیت کا منصب علیحدہ نہیں ہے"۔ لیکن جو کچھ اس فقیر کا اعتقاد ہے وہ یہ ہے کہ غوث "قطب مدار" نہیں ہے بلکہ قطب بعض امور میں اس سے مدد لیتا ہے اور ابدال کے مناصب کی تقرری میں بھی اس کو دخل ہے ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ (جمعہ آیت ۴)

تذییل (ایک چیز کا دوسری چیز پر اضافہ کرنا) وہ علوم و معارف جو "مقامِ نبوت" اور اس نبوت کی ولایت کے مقام کے مناسب ہیں انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے شرائع (شریعتیں) ہیں، اور چونکہ نبوت کے مرتبوں میں تفاوت ہے اس لئے اس تفاوت کے اندازے کے مطابق انبیاءؑ کی شرائع میں بھی اختلاف آگیا ہے۔ اور وہ معارف جو "مقامِ ولایتِ اولیاء" کے مناسب ہیں مشائخ کی شطحیات (خلافِ شرع باتیں) ہیں۔ اور وہ علوم جو توحید و اتحاد (توحیدِ وجودی) کی خبر دیتے ہیں اور احاطہ و سریان کی خبر اور قرب و معیت کا نشان بتاتے ہیں اور وحدانیت ظلیت کو ظاہر کرتے ہیں اور شہود و مشاہدہ ثابت کرتے ہیں۔ غرضکہ انبیاء کے معارف کتاب و سنت ہیں اور اولیاء کے معارف فصوص (الحکم)، وفتوحاتِ مکیہ ہیں۔ ع

قیاس کُن زگلستانِ من بہارِ مرا (مری بہار کا اندازہ گلستاں سے کر)

اولیاء کی ولایت حق تعالیٰ کے قرب کی طرف سراغ دیتی ہے، اور انبیاء کی ولایت حق تعالیٰ کی اقربیت کا نشان بتاتی ہے۔ اور ولایتِ اولیا شہود کی طرف دلالت کرتی ہے اور ولایتِ انبیاء اس مجہول الکیفیت (بے کیفی و بے رنگی) کی نسبت کا ثبوت دیتی ہے۔ اولیاء کی ولایت اقربیت کو نہیں پہچانتی کہ کیا ہے اور جہالت کو نہیں جانتی کہ کہاں ہے۔ اور ولایتِ انبیا اقربیت کے باوجود قرب کو عین بُعد جانتی ہے۔ اور شہود کو عین غیبت سمجھتی ہے۔ ع گر گویم شرح ایں بیحد شود۔ (شرح اس کی گر کہوں طول ہو جائے)

اے فرزند! کمالاتِ نبوت کے بیان میں گفتگو اور ولایت پر اس کی فضیلت اور ولایت سہ گانہ (تینوں ولایتوں یعنی) ولایتِ صغریٰ، ولایتِ کبریٰ اور ولایتِ علیا کے درمیان فرق اور ان میں سے ہر ایک کے مناسب معارف اور ہر ایک کے متعلقہ مقامات کو اس لئے طول طویل کیا ہے اور بار بار لمبے چوڑے فقرے اس لئے بیان کئے گئے ہیں تاکہ نہایت عجیب و غریب ہونے کے باوجود لوگوں کی سمجھ میں آسکیں اور کسی کو ان کے انکار کی مجال نہ رہے ——— یہ علوم کشفی اور بدیہی ہیں؛ استدلالی اور فطری نہیں ہیں۔ اور ان میں بعض مقدمات کا ذکر تنبیہ اور عوام کی سمجھ سے قریب لانے کے لئے ہے بلکہ خواص کے سمجھنے کے لئے وضاحت اور تشریح ہے۔ یہ سب شروع سے اخیر تک اس طریقہ پر بیان کیا گیا جس پر حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے اس حقیر کو ممتاز کیا ہے، اس کی بنیاد نسبتِ نقشبندیہ ہے جس کی ابتدا میں انتہا مندرج ہے، اسی بنیاد پر بہت سی عمارتیں اور قسم قسم کے محل بنائے گئے ہیں، اگر

یہ بیج پیدا نہ ہوتی تو معاملہ یہاں تک نہ پہنچتا یعنی بخارا اور سمرقند سے اس بیج کو لا کر زمینِ ہند (سرہند) میں بویا گیا جس کا خمیر "مدینۂ طیبہ" اور "مکۂ معظمہ" کی خاک سے تیار کیا گیا اور "فضل" کے پانی سے سالہا سال اس کو سیراب کیا گیا اور "احسان" کی تربیت سے اس کی پرورش کی گئی، جب وہ کھیتی کمال کو پہنچ گئی تو ان علوم و معارف کا ثمرہ اس سے حاصل ہوا ——— اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰىنَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ (تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے ہم کو اس کی ہدایت دی اگر وہ ہم کو ہدایت نہ دیتا تو ہم کبھی ہدایت نہ پاتے، بیشک ہمارے رب کے رسول حق کے ساتھ آئے ہیں) ۔ (اعراف آیہ ۴۳)

جاننا چاہیے کہ اس طریقۂ عالیہ کا سلوک ایسے شیخ مقتدا کی محبت کے رابطہ پر وابستہ ہے جس نے سیرِ مرادی سے اس راہ کو طے کیا ہو اور قوتِ انجذاب سے ان کمالات کے ساتھ رنگا ہوا ہو اس کی نظر قلبی امراض کو شفا بخشتی ہے اور اس کی توجہ باطنی امراض دُور کرتی ہے، ایسا صاحبِ کمال اپنے وقت کا امام اور اپنے زمانے کا خلیفہ ہے، اقطاب و ابدال اس کے مقامات کے ظلال میں خوش ہیں، اور اوتاد و نجبا اس کے کمالات کے سمندر سے ایک قطرہ پر قناعت کئے بیٹھے ہیں اس کی ہدایت و ارشاد کا نور اس کے ارادہ اور خواہش کے بغیر آفتاب کے نور کی طرح ہر شخص پر چمکتا ہے، پس کس طرح نہ چمکے جبکہ وہ خود چاہے، اگرچہ یہ خواہش اس کے اپنے اختیار میں نہ ہو۔ کیونکہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ وہ کسی امر کی خواہش طلب کرتا ہے لیکن وہ خواہش اس میں پیدا نہیں ہوتی ۔ اور یہ بھی ضروری نہیں کہ وہ لوگ جو اس کے نور سے ہدایت پائیں اور اس کے وسیلے سے راہِ راست پر آجائیں، اس معنی کو خوب جان لیں ——— بلکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ وہ اپنے رشد و ہدایت کی اصل کو بھی کما حقہ نہیں جانتے حالانکہ وہ شیخ مقتدا کے کمالات سے متحقق ہوتے ہیں جن کے سبب ایک جہان کو ہدایت کرتے ہیں، کیونکہ علم سب کو نہیں دیا جاتا اور سیرِ مقامات کی تفصیل کی معرفت ہر ایک کو نہیں بخشتے ۔ ہاں وہ شیخ جس کے وجود شریف پر وصول کے طریقوں میں سے کسی خاص طریقے کی بنا کا مدار ہے بیشک وہ صاحبِ علم اور سیر کی تفصیل سے آگاہ ہوتا ہے اور دوسروں کو اسی کے علم پر کفایت کر کے اس کے ذریعے سے مرتبۂ کمال و تکمیل تک پہنچاتے ہیں اور فنا و بقا سے مشرف کرتے ہیں ۔ ع

خاص کند بندۂ مصلحتِ عام را (عام کے فائدے کو خاص آیا)

(ہمارے اس طریقے میں) افادہ اور استفادہ انعکاسی اور انصباغی ہے، مرید محبت کے رابطہ سے جو وہ اپنے شیخ مقتدا کے ساتھ رکھتا ہے لحظہ بلحظہ اس کا رنگ پکڑتا جاتا ہے اور انعکاس کے طریق پر اس کے انوار سے منور ہوتا جاتا ہے۔ اس صورت میں افادہ اور استفادہ کے لئے علم کی کیا ضرورت ہے۔ ——— (مثلاً) خربزہ (خربوزہ) سورج کی گرمی سے لمحہ بلمحہ پکتا ہے اور کچھ زمانہ گذرنے کے بعد پختہ ہو جاتا ہے، اس کے لئے کیا ضروری ہے کہ اس (خربوزہ) کو اپنے پختہ ہو جانے کا علم ہو، یا سورج کو اس کے پک جانے کا علم ہو۔ ہاں ظاہری طور پر سلوک و تسلیک اختیار کرنے کے لئے علم کا ہونا ضروری ہے جو دوسرے سلاسل سے وابستہ ہے، لیکن ہمارے طریقے میں جو کہ اصحاب کرام علیہم الرضوان کا طریقہ ہے سلوک و تسلیک کا علم کچھ درکار نہیں ہے۔ اگرچہ شیخ مقتدا جو اس طریقے کے بانی کی طرح ہے علم کے کمال اور معرفت کے نور سے متحقق ہے پس ناچار اس طریقۂ عالیہ میں وصول الی اللہ کے لئے زندے اور مردے، بچے اور بوڑھے، جوان اور کہول (درمیانی عمر والے) سب برابر ہیں جو رابطۂ محبت یا صاحب دولت (شیخ کامل) کی توجہ سے اپنے بلند مقاصد پر پہنچتے ہیں: ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ (جمعہ ۶۲ آیت ۴) (یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے)

لیکن جاننا چاہئے کہ اگرچہ منتہی صاحبِ علم نہیں ہوتا لیکن خوارق ظہور کے بغیر چارہ نہیں۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اس کے ظہور کا اس کو اختیار نہیں ہوتا بلکہ بسا اوقات اس کو اس ظہور کا علم بھی نہیں ہوتا۔ لوگ اس سے خوارق دیکھتے ہیں لیکن اس کو اس کی اطلاع بھی نہیں ہوتی ———

——— اور یہ جو کہا گیا ہے کہ "منتہی صاحبِ علم نہیں ہوتا" اس سے مراد احوال کا تفصیلی علم نہ ہونا ہے نہ کہ مطلقاً عدمِ علم ہ اس حیثیت سے ہے کہ وہ اپنے احوال کو کچھ نہیں سمجھتا، جیسا کہ اوپر اشارہ کیا گیا ہے۔

اور اس کی ہدایت کا یہ نور اس کے مریدوں میں بے واسطہ یا بواسطہ یا بہت سے واسطوں سے اس وقت تک جاری و ساری رہتا ہے جبتک کہ اس کا مخصوص طریقہ مختلف تغیرات اور تبدیلیوں کی آلودگی سے ملوث نہ ہو جائے، اور مخترعات (من گھڑت باتوں) اور مبتدعات (نت نئی بدعتوں) کی وجہ سے خراب نہ ہو جائے۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ (رعد ۱۳ آیت ۱۱) اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت کو نہیں بدلتا جبتک کہ وہ خود اپنی حالت نہ بدلیں)۔

تعجب ہے کہ ان میں سے ایک گروہ ان تبدیلیوں کو اس طریقے کی تکمیلات گمان کرتے ہیں اور ان الحاقات کو اس نسبت کا تتمہ تصور کرتے ہیں اور نہیں جانتے کہ یہ تتمیم و تکمیل ہر بے سر انجام کا کام نہیں ہے اور الحاق و اختراع ہر بے سرو سامان کے لئے سزاوار نہیں ہے ؎

ہزار نکتۂ باریک تر ز مو اینجاست　　نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

(یہاں تو بال سے باریک راز ہیں لاکھوں　　مُنڈائے سر تو قلندر کوئی نہیں بنتا)

سنتِ سنیہ (روشن و بلند سنتیں) علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کے نور کو بدعتوں کے اندھیروں نے پوشیدہ کر دیا ہے اور ملتِ مصطفویہ علیٰ مصدرہا الصلوۃ والسلام والتحیۃ کی رونق کو امورِ محدثہ (نئے بنے کام) کی گند گیوں نے ضائع کر دیا ہے، پھر اس سے زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ بعض لوگ ان محدثات (دین میں نئی نئی باتیں جاری کرنا) کو امورِ مستحسنہ (نیک کام) جانتے ہیں اور ان بدعتوں کو حسنہ خیال کرتے ہیں اور ان حسنات سے دین کی تکمیل اور ملت کی تتمیم (پورا ہونے) کو تلاش کرتے ہیں اور ان امور کے بجالانے کی ترغیبیں دیتے ہیں هَدَاهُمُ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ سَوَاءَ الصِّرَاطِ (اللہ سبحانہٗ ان کو سیدھے راستے کی ہدایت دے) ——— کیا ان لوگوں کو معلوم نہیں کہ دین تو ان محدثات سے پہلے ہی کامل ہو چکا ہے اور نعمتِ خداوندی پوری ہو چکی ہے اور حضرتِ حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی رضامندی اس سے حاصل ہو چکی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا (مائدہ آیت ۳) (آج میں نے دین کو تمہارے لئے کامل کر دیا اور اپنی نعمت کو تم پر پورا کر دیا اور تمہارے لئے دینِ اسلام کو پسند کیا)۔ پس ان محدثات (بدعات) سے دین کا کمال طلب کرنا حقیقت میں اس آیۂ کریمہ کے مفہوم سے انکار کرنا ہے۔

اندکے پیش تو گفتم غمِ دل ترسیدم　　کہ دل آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

(غمِ دل مختصر ہی کہتا ہوں　　دکھ نہ پہنچائے میری بات طویل)

علمائے مجتہدین نے دین کے احکام (واضح طور پر) ظاہر فرما دیئے ہیںؓ اور کوئی ایسی چیز ایجاد نہیں کی جو اس (دین) میں نہیں ہے۔ لہٰذا اجتہاد کے احکام امورِ محدثہ میں سے نہیں ہیں بلکہ وہ اصولِ دین میں سے ہیں کیونکہ چوتھی اصل قیاس ہے۔

- ؓ یہ عبارت دراصل ایک سوال کا جواب ہے کہ جب دین مکمل ہو گیا تو پھر احکامِ اجتہاد کی کیا ضرورت ہے کہ وہ بھی امورِ محدثہ میں شامل ہیں؟ جواب میں فرمایا کہ اجتہاد اور قیاس یہ احکام کو ظاہر کرتے ہیں اثبات نہیں کرتے کیونکہ فقہ کے اصولِ اربعہ میں سے چوتھی اصل قیاس ہے۔

اے فرزند! وہ معرفت جو "رسالہ مبدأ و معاد" میں اسی افادہ و استفادہ کے بارے میں جو "قطبِ ارشاد" سے متعلق ہے تحریر ہوا ہے چونکہ وہ اس مقام کے ساتھ مناسبت رکھتی ہے اور بہت سودمند ہے لہٰذا وہ معرفت اس مکتوب میں بھی تحریر کی گئی ہے اُسی جگہ سے معلوم کریں ـ

ـــــــ "قطبِ ارشاد" جو فردیت کے کمالات کا بھی جامع ہوتا ہے بہت ہی عزیز الوجود اور کمیاب ہے، اور بہت قرنوں اور بے شمار زمانوں کے بعد اس قسم کا گوہر ظہور میں آتا ہے، اور دنیائے تاریک اس نور کے ظہور سے نورانی ہو جاتی ہے، اور اس کے ارشاد و ہدایت کا نور محیطِ عرش سے مرکزِ فرش تک تمام عالم کو شامل ہو جاتا ہے، اور جس کسی کو رشد و ہدایت اور ایمان و معرفت حاصل ہوتا ہے اسی کے واسطے سے حاصل ہوتا ہے اور اسی کی ذات سے مستفاد ہوتا ہے، اور اس کے توسط کے بغیر کوئی شخص بھی اس دولت تک رسائی حاصل نہیں کر سکتا ـــــــ مثلاً اس کی ہدایت کا نور دریائے محیط کی طرح تمام عالم کو گھیرے ہوئے ہے اور گویا وہ دریا منجمد (جما ہوا) ہے، اور اس میں مطلقاً حرکت نہیں ہے، اور وہ شخص جو اس بزرگ کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اس کے ساتھ اخلاص رکھتا ہے، یا یہ کہ وہ بزرگ خود کسی طالب کے حال پر متوجہ ہو جائے تو اس توجہ کے دوران طالب کے دل میں ایک سوراخ کھل جاتا ہے اور اس راستے سے جس قدر توجہ اور اخلاص ہوتا ہے اسی قدر وہ اس دریا سے سیراب ہوتا جاتا ہے۔ اسی طرح وہ شخص بھی جو ذکرِ الٰہی جل شانہٗ کی طرف متوجہ ہے اور اور اس عزیز بزرگ کی طرف متوجہ نہیں ہے، اور یہ بے توجہی کسی انکار کی وجہ سے نہیں بلکہ وہ اس بزرگ کو پہچانتا ہی نہیں تو اسی اندازہ کی فیض رسانی اسے بھی حاصل ہو جاتی ہے لیکن دوسری صورت کی نسبت پہلی صورت میں افادہ زیادہ بڑھ کر ہے ـــــــ لیکن جو شخص اس بزرگ کا منکر ہو یا وہ بزرگ اس سے آزردہ خاطر ہے، اگرچہ وہ ذکرِ الٰہی تعالیٰ و تقدس میں مشغول رہے لیکن حقیقی رشد و ہدایت سے محروم ہی رہتا ہے۔ یہی انکار و آزار اس کے فیض کا مانع ہو جاتا ہے بغیر اس امر کے کہ وہ بزرگ اس کے عدمِ افادہ کی طرف متوجہ ہو، یا اس کو ضرر پہنچانے کا قصد کرے، کیونکہ ہدایت کی حقیقت اس کے حق میں مفقود رہے، وہ صرف رُشد کی صورت ہے، اور صورتِ بے معنی سے بہت کم نفع پہنچتا ہے۔ لیکن وہ جماعت جو اس بزرگ کے ساتھ اخلاص و محبت رکھتی ہے اگرچہ توجہِ مذکور اور ذکرِ الٰہی تعالیٰ شانہٗ سے خالی ہو تو اس کو محض محبت کی وجہ سے رشد و ہدایت کا نور حاصل ہو جاتا ہے۔

اور یہی معرفت اس مکتوب کا آخری حصہ ہے۔

بس کنم خود زیرکاں را ایں بس است | بانگِ دو کردم اگر در دِہ کس است
(اسقدر کافی ہے دانا کے لئے | کردیا اعلان شاید سن سکو)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اَوَّلًا وَّ اٰخِرًا وَّ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِہٖ دَائِمًا وَّ سَرْمَدًا (اولاً و آخراً تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لئے ہیں جو رحمٰن اور رحیم ہے اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور آپ کی آل پر ہمیشہ اور ابدالآباد تک صلوٰۃ و سلام ہو)۔

مکتوب ۲۶۱

دو صد و شصت و یکم

سیادت مآب میر محمد نعمان[۱] کی جانب نماز کے فضائل اور اس کے مخصوص کمالات کے بیان میں جو معارفِ بلند اور حقائقِ ارجمند کے ضمن میں ہیں صادر فرمایا۔

حمد و صلوٰۃ اور تبلیغِ دعوات کے بعد میرے عزیز بھائی ارشدہ اللہ سبحانہ کو معلوم ہو کہ اسلام کے پنجگانہ ارکان میں سے "نماز" رکنِ دوم ہے جو تمام عبادات کی جامع ہے اور ایک ایسا جزو ہے کہ جس نے اپنی جامعیت کی وجہ سے کُل کا حکم پیدا کر لیا ہے اور تمام مقرب اعمال پر سبقت لے گئی ہے اور وہ دولتِ رویتِ (باری تعالیٰ) جو سرورِ عالمیان علیہ وعلی آلہ الصلوات والتسلیمات کو شبِ معراج بہشت میں میسر ہوئی تھی، دنیا میں نزول فرمانے کے بعد اس جہان کے مناسب آپؐ کو وہ دولت نماز میں میسر ہوتی تھی۔ اسی لئے آنحضرت علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے: اَلصَّلٰوةُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِ[۲] (نماز مومن کی معراج ہے) ——— اور یہ بھی آپ علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے: اَقْرَبُ مَا يَكُوْنُ الْعَبْدُ مِنَ الرَّبِّ فِی الصَّلٰوةِ[۳] (بندے کو اپنے رب کے ساتھ سب سے زیادہ قرب نماز میں ہوتا ہے) ——— اور آپ علیہ وعلیہم الصلوات والتحیات کے کامل تابعداروں کو بھی اس جہان میں اس دولت کا بہت سا حصہ نماز میں حاصل ہے، اگرچہ حقیقی رویت میسر نہیں ہے کیونکہ یہ جہان اس کی تاب و طاقت نہیں رکھتا۔ اگر (حق تعالیٰ) نماز کا حکم نہ فرماتا تو مقصود کے چہرے سے نقاب کون اٹھاتا اور طالب کو مطلوب کی طرف کون رہنمائی کرتا ———

۱؎ آپ کے نام ۳۳ مکتوبات ہیں اور دفتر اول مکتوب ۱۱۹ پر آپ کا تذکرہ درج ہے۔
۲؎ یہ حدیث صوفیہ میں مشہور ہے۔ ۳؎ مسلم ابوداود اور نسائی نے تقریباً انہی الفاظ میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کی ہے۔

نماز ہی ہے جو غمگساروں کے لئے لذت بخش ہے اور نماز ہی ہے جو بیماروں کو راحت دہ ہے: اَرِحْنِیْ یَا بِلَالُ (اے بلالؓ مجھے راحت دے) اس حقیقت کا رمز ہے ـــــ اور قُرَّۃُ عَیْنِیْ فِی الصَّلٰوۃِ (میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے) میں اسی آرزو کی طرف اشارہ ہے ـــــــــــ وہ ذوق و مواجید، علوم و معارف، احوال و مقامات، انوار و الوان، تلوینات و تمکینات (بیقراری و اطمینان) تجلیاتِ متکیفہ و غیر متکیفہ (کیفیت والی اور بے کیفیت والی تجلیات) اور ظہوراتِ متلونہ و غیر متلونہ (رنگا رنگ و بے رنگ ظہورات) ان میں سے جو کچھ نماز کے علاوہ (اوقات میں) میسر ہوں اور نماز کی حقیقت سے آگاہی کے بغیر ظاہر ہوں ان سب کا منشا ظلال و امثال ہے بلکہ وہم و خیال سے پیدا ہوئے ہیں ـــــــــــ وہ نمازی جو نماز کی حقیقت سے آگاہ ہے نماز کی ادائیگی کے وقت گویا عالمِ دنیا سے باہر نکل جاتا ہے اور عالمِ آخرت میں پہنچ جاتا ہے لہٰذا وہ اس وقت اس دولت سے جو آخرت کے ساتھ مخصوص ہے حصہ حاصل کر لیتا ہے، اور اصل سے ظلیت کی آمیزش کے بغیر فائدہ اٹھاتا ہے۔ کیونکہ عالمِ دنیا (کا معاملہ) کمالاتِ ظلی تک محدود ہے اور وہ معاملہ جو ظلال سے باہر ہے آخرت کے ساتھ مخصوص ہے ـــــــــــ پس معراج سے چارہ نہ ہوگا اور وہ مومنوں کے حق میں نماز ہے، اور یہ دولت اس امت کے ساتھ مخصوص ہے جو اپنے پیغمبر علیہ و علیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کی متابعت کے سبب جو کہ شبِ معراج میں دنیا سے آخرت میں تشریف لے گئے اور بہشت میں پہنچ کر (حق تعالیٰ کی) رویت کی دولت سے مشرف ہوئے (لہٰذا یہ امت بھی) اس کمال کے ساتھ مشرف اور اس سعادت سے فیضیاب ہوئی۔ اَللّٰھُمَّ اَجْزِہٖ عَنَّا مَا ھُوَ اَھْلُہٗ وَ اَجْزِہٖ عَنَّا اَفْضَلَ مَا جَزَیْتَ نَبِیًّا عَنْ اُمَّتِہٖ وَاجْزِ الْاَنْبِیَاءَ کُلَّھُمْ جَزَاءً خَیْرًا فَاِنَّھُمْ دُعَاۃُ الْخَلْقِ اِلَی اللّٰہِ سُبْحَانَہٗ وَ ھُدَاتُھُمْ اِلٰی لِقَاءِ اللّٰہِ تَعَالٰی (یا اللہ! تو ہماری طرف سے ان (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) کو ایسی جزا عطا فرما جو اُن کی شایانِ شان ہے اور ان کو ہماری طرف سے اس سے بھی افضل جزا عطا فرما جو تو نے امت کی طرف سے کسی نبی کو عطا فرمائی ہو اور ہماری طرف سے تمام انبیاء (علیہم السلام) کو جزا عطا فرما کیونکہ وہ سب کے سب مخلوق کو حق تعالیٰ کی طرف دعوت دینے والے اور اس (حق تعالیٰ) کی طرف ہدایت دینے والے ہیں)

اس گروہ میں سے بعض لوگ جن کو نماز کی حقیقت سے آگاہی حاصل نہیں ہوئی اور اس کے مخصوص کمالات پر اطلاع نہیں بخشی گئی انھوں نے اپنے امراض کا علاج دوسرے امور میں تلاش کیا اور اپنی مرادوں کا حاصل دوسری چیزوں پر وابستہ جانا، بلکہ ان میں سے ایک گروہ نے نماز کو بے فائدہ اور دُور از کار سمجھ کر اس (وصولِ الی اللہ) کی بنیاد (نماز کے علاوہ) اور چیزوں (عبادات) پر رکھی اور روزہ کو نماز سے افضل جانا ——— (مثلاً) صاحب فتوحاتِ مکیہ کہتے ہیں کہ "روزہ میں جو کھانے پینے کا ترک ہے وہ صفتِ صمدیت سے متحقق ہوتا ہے اور نماز میں غیر و غیریت کی طرف آنا اور عابد و معبود کا جاننا ہے" ——— اس قسم کی باتیں اہلِ سکر کے احوال میں سے ہیں جو مسئلہ "توحیدِ وجودی" پر مبنی ہیں ۔ اور ایسی باتیں "حقیقتِ نماز" سے "عدمِ آگاہی" (بے خبری) کی وجہ سے ہیں، بلکہ اس طائفہ (صوفیہ) کی ایک کثیر جماعت نے اپنے اضطراب و بیقراری کی تسکین کو سماع و نغمہ اور وجد و تواجد میں تلاش کیا اور اپنے مطلوب کو نغمہ کے پردوں میں مطالعہ کیا اور رقص و رقاصی کو اپنا مسلک بنا لیا ہے، حالانکہ انھوں نے سُنا ہوگا: مَا جَعَلَ اللّٰهُ فِی الْحَرَامِ شِفَاءً[۱] (اللہ تعالیٰ نے حرام چیز میں شفا نہیں رکھی) ——— ہاں: اَلْغَرِیْقُ یَتَعَلَّقُ بِکُلِّ حَشِیْشٍ وَحُبُّ الشَّیْءِ یُعْمِیْ وَیُصِمُّ (ڈوبنے والا شخص ہر ایک تنکے کا سہارا ڈھونڈتا ہے اور کسی چیز کی محبت اندھا اور بہرہ کر دیتی ہے) ——— اگر نماز کے کمالات کی کچھ بھی حقیقت ان پر منکشف ہو جاتی تو وہ ہرگز سماع و نغمہ کا دم نہ بھرتے اور وجد و تواجد کو یاد نہ کرتے ع

چوں ندیدند حقیقت رہِ افسانہ زدند (جب حقیقت نہ ملی ڈھونڈلی افسانے کی راہ)

اے بھائی! جس قدر فرق نماز و نغمہ میں ہے اسی قدر فرق نماز کے مخصوصہ کمالات اور نغمہ سے پیدا ہونے والے کمالات میں ہے۔ عاقل کو ایک اشارہ ہی کافی ہے۔

یہ وہ کمال ہے جو ہزار سال کے بعد وجود میں آیا ہے، اور آخریت ہے جو اولیت کے رنگ میں ظاہر ہوئی ہے، شاید حضور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات نے اسی وجہ سے فرمایا ہے: اَوَّلُهُمْ خَیْرٌ اَمْ اٰخِرُهُمْ (ان میں سے اول بہتر ہیں یا ان میں سے آخر) ——— اور یہ نہیں فرمایا: اَوَّلُهُمْ خَیْرٌ اَمْ اَوْسَطُهُمْ (ان میں سے اول بہتر ہیں یا درمیان والے) کیونکہ آخر کو اول کے ساتھ زیادہ مناسبت دیکھی

[۱] ملا علی قاری نے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں لکھا ہے کہ طبرانی نے سندِ صحیح سے حضرت ام سلمہؓ سے روایت کیا ہے کہ: ان اللہ تعالیٰ لم یجعل شفاءکم فیما حرم علیکم۔

جو تردد کا محل ہے ——— اور دوسری حدیث[1] میں آپ علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا "کہ اس امت کے بہترین (لوگ) اول میں ہیں یا آخر میں، اور درمیان میں تیرگی (اندھیرا) ہے"۔

——— ہاں اس امت کے متاخرین میں اگرچہ وہ نسبت بلند ہے مگر قلیل بلکہ اقل (بہت کم) ہے، لیکن اس امت کے وسط میں اگرچہ وہ نسبت بلند نہیں ہے لیکن کثیر ہے بلکہ بہت زیادہ ہے: وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ كَمِّيَّةً وَّكَيْفِيَّةً (ان میں سے ہر ایک کے لئے کمیت اور کیفیت کے لحاظ سے ایک جہت ہے)۔ لیکن اس نسبت کے اقل (بہت کم) ہونے کی وجہ سے متاخرین کو بلند درجہ پر پہنچا دیا اور سابقین (اولین) کے ساتھ مناسبت دے کر خوشخبری دیدی۔ (جیسا کہ حضور علیہ و علی آلہ الصلوات والتسلیمات نے فرمایا[2]: اَلْاِسْلَامُ بَدَأَ غَرِيْبًا وَسَيَعُوْدُ كَمَا بَدَأَ فَطُوْبٰى لِلْغُرَبَاءِ (اسلام کی ابتدا غربت سے ہوئی اور آخر میں پھر ویسا ہی غریب ہو جائے گا لہٰذا غریبوں کے لئے خوشخبری ہے)۔

——— اور اس امت کے آخری حصہ کا شروع آں سرور علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام کی رحلت فرمانے کے بعد الفِ ثانی (یعنی دوسرے ہزار سال کی ابتدا سے) ہے۔ کیونکہ الف یعنی ہزار سال کے گذرنے کو امور کے تغیر میں عظیم خاصیت ہے اور اشیا کی تبدیلی میں قوی تاثیر ہے۔ اور چونکہ اس امت میں نسخ و تبدیلی نہیں ہے اسی لئے سابقین کی نسبت اسی تر و تازگی کے ساتھ متاخرین میں جلوہ گر ہوئی ہے اور (اس نے) الفِ ثانی میں شریعت کی تائید اور ملت کی تجدید فرمائی ہے۔ اس معنی پر حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت مہدی علیہ الرضوان دونوں عادل گواہ ہیں ؎

فیض روح القدس ار باز مدد فرماید   دیگراں ہم بکنند آنچہ مسیحا میکرد!

(وحی کا فیض اگر پھر سے میسر آجائے   دوسرے بھی وہ کریں جو کہ مسیحا نے کیا)

اے بھائی! یہ بات آج اکثر لوگوں پر گراں ہے اور ان کی فہم سے بہت دور معلوم ہوتی ہے لیکن اگر انصاف سے کام لیں اور ایک دوسرے کے علوم و معارف کا موازنہ کریں اور ان کے احوال کی صحت و سقم (صحیح اور غلط) کو علومِ شرعیہ کی مطابقت و عدم مطابقت سے ملاحظہ کریں اور شریعت و نبوت کی تعظیم و توقیر کو غور سے دیکھیں کہ (دونوں میں سے) کس میں زیادہ تر (مطابقت) ہے تو ممکن ہے کہ یہ بات

---

[1] قال صلی اللہ علیہ وسلم خیر امتی اولہا و آخرہا وفی وسطہا الکدر فی نوادر الاصول الحکیم الترمذی عن ابی الدرداء، قالہ المعرب

[2] مسلم و ابن ماجہ بروایت ابو ہریرہ اور طبرانی بروایت سلمان فارسی اور امام احمد و ترمذی اور رافعی اور خطیب اور ابن عساکر وغیرہ رحمہم اللہ تعالیٰ۔

ان کو فہم سے دُور معلوم نہ ہو۔

آپ نے دیکھا ہو گا کہ فقیر نے اپنی کتابوں اور رسالوں میں لکھا ہے کہ "طریقت و حقیقت دونوں شریعت کے خادم ہیں" اور "نبوت ولایت سے افضل ہے" اگرچہ اسی نبی کی ولایت ہو ـــــ اور یہ بھی لکھا ہے کہ "کمالاتِ ولایت کو کمالاتِ نبوت کے ساتھ کچھ نسبت نہیں ہے" کاش کہ ان کے درمیان دریائے محیط کے مقابلہ میں قطرہ کی نسبت ہوتی ـــــ اس قسم کی بہت سی باتیں اس مکتوب[1] میں جو طریقے کے بیان میں اپنے فرزند کی طرف لکھا ہے (اس میں) خاص طور پر لکھی گئی ہیں وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

اس گفتگو سے مقصود حق سبحانہ و تعالیٰ کی نعمت کا اظہار ہے تاکہ اس طریقے کے طالبوں کے لئے ترغیب کا باعث ہو، نہ یہ کہ دوسروں پر اپنی فضیلت (کا اظہار) کیونکہ "خدائے جل و علا کی معرفت اس شخص پر حرام ہے جو اپنے آپ کو کافرِ فرنگ سے بہتر جانے۔" تو پھر اس شخص کا کیا حال ہو جو اپنے آپ کو اکابرِ دین سے بہتر جانے۔ ابیات:

ولے چوں شہ مرا برداشت از خاک ۔ سزد گر بگذرانم سر ز افلاک
من آں خاکم کہ ابرِ نوبہاری ۔ کند از لطف بر من قطرہ باری
اگر بر روید از تن صد زبانم ۔ چو سوسن شکر لطفش کے توانم

(زمیں سے شاہ نے مجھ کو اٹھایا ۔ بجا ہے گر اٹھاؤں سر کو اونچا
وہ مٹی ہوں کہ گر ابرِ بہاری ۔ کرے مجھ پر کرم سے قطرہ باری
اگر ہوں مثلِ سوسن سَو زبانیں ۔ خدا کا شکر ہم کیا کرنے پائیں)

اس مکتوب کے مطالعہ کے بعد اگر آپ کو نماز کے سیکھنے کا شوق اور اس کے بعض مخصوص کمالات حاصل کرنے کا خیال پیدا ہو اور وہ (شوق) آپ کو بے آرام کردے تو استخاروں کے بعد اس طرف متوجہ ہوں اور عمر کا کچھ حصہ نماز سیکھنے میں گزاریں ـــــ وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ الْھَادِیْ اِلٰی سَبِیْلِ الرَّشَادِ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَۃَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہِ الصَّلَوٰتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ اَتَمُّھَا وَاَکْمَلُھَا (اللہ تعالیٰ ہی سیدھے راستے کی طرف ہدایت دینے والا ہے اور سلام ہو اس پر جس نے ہدایت کی پیروی کی اور حضرت محمد مصطفےٰ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات اتمہا و اکملہا کی متابعت کو اپنے اوپر لازم جانا)

[1] مکتوب ۲۶۰ دفتر اول مخدوم زادہ کلاں خواجہ محمد صادق رحمۃ اللہ علیہ کے نام صادر فرمایا۔

مکتوب ۲۶۲
دو صد و شصت و دوم

مولانا محب علی[1] کی طرف صادر فرمایا ــــ اس بیان میں کہ ہمارا تعلق حُبی ہے اور ہماری نسبت انعکاسی، جو قُرب و بُعد میں کچھ فرق نہیں رکھتی، اور اس کے مناسب بیان میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (تمام تعریف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے اور برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) ــــ صحیفہ شریفہ جو آپ نے مہربانی فرماکر تحریر کیا تھا موصول ہوکر خوشی کا باعث ہوا۔ چونکہ وہ فرطِ محبت اور کمالِ اختصاص سے لبریز تھا اس لئے بہت زیادہ خوشی حاصل ہوئی۔ آپ نے سابقہ وعدہ کے پورا کرنے کے لئے لکھا تھا۔

میرے مخدوم! شرعی طریقوں میں سے جس وضع پر آپ چاہیں رہیں، کوئی مضائقہ نہیں بشرطیکہ یہ رشتۂ محبت نہ ٹوٹے، بلکہ روز بروز مضبوط ہوتا جائے، اور یہ شعلۂ اشتیاق و محبت سرد نہ پڑنے پائے بلکہ لحظہ بلحظہ اس میں زیادتی اور تیزی ہوتی رہے، کیونکہ ہمارا تعلق حُبی (محبت پر) ہے اور ہماری نسبت انعکاسی اور انصباغی (دوسرے کا اثر و عکس قبول کرنا اور رنگ میں رنگ جانا) ہے اس لئے جلد یا بدیر اور طریق کی بعض خصوصیات کا علم نہ ہونے کے باعث قرب و بعد میں کچھ فرق نہیں رکھتی۔ اس معنی کی تحقیق اس مکتوب کے خاتمہ سے جو فرزندی[2] وارشدی کے نام اس طریقہ کے بیان میں لکھا ہے معلوم کریں ــــ اس مکتوب کی نقل برادرم سیادت پناہ میر محمد نعمان کے دوست لے گئے ہیں وہاں سے منگوالیں۔ کلام کو زیادہ طول کیا دیا جائے۔ والسّلام

---

[1] آپ کے نام صرف یہی ایک مکتوب ہے۔ مولانا محب علی بن صدر الدین ٹھٹوی سندھی فقیہ و شاعر تھے، آپ کے دادا علی سلطان بابر کے ساتھ ہندوستان آئے اور شہید ہوگئے۔ والد ماجد نے ہمایوں کے ہمراہ بلاد ہند کا سفر کیا اور ٹھٹہ میں سکونت اختیار کرلی چنانچہ آپ کی ولادت ٹھٹہ میں ہوئی۔ والد ماجد کا سایہ بچپن ہی میں اٹھ گیا، آپ نے بڑی محنت سے علم حاصل کیا۔ جب عبد الرحیم خان خاناں نے سندھ فتح کیا تو آپ ان کے ہمراہ آگرہ چلے گئے پھر برہان پور چلے گئے اور شیخ محمد بن فضل اللہ برہانپوری سے طریقت کی تکمیل کی، بعد ازاں حرمین شریفین چلے گئے۔ حج کرکے واپس برہان پور پہنچے تو شاہجہان بادشاہ اپنے ساتھ دہلی لے آئے اور بقیہ زندگی شاہجہان کی مصاحبت میں گذاری ۱۰۴۰ھ کے بعد انتقال ہوا۔ (نزہۃ الخواطر ج ۵ ص ۳۲۲)

[2] مخدوم زادۂ کلاں خواجہ محمد صادق کے نام دفتر اول مکتوب ۲۶۰۔

مکتوب ۲۶۳

دو صد و شصت و سوم

جناب معارف آگاہ میاں شیخ تاج[1] کی طرف صادر فرمایا ـــــــ ان معارف کے بیان میں جو کعبۂ ربانی سے تعلق رکھتے ہیں اور نماز کے فضائل اور اس کے مناسب بیان میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) ـــــــ آپ کے قدومِ مسرت لزوم (تشریف آوری) کی خوشخبری سن کر مشتاق دوستوں کو بہت زیادہ خوشی حاصل ہوئی، اس پر اللہ سبحانہٗ کی حمد اور احسان ہے ؎

انصاف بدہ اے فلک مینا فام ۔۔۔ تا زین دو کدام خوب تر کرد خرام
خورشید جہانتابِ تو از جانبِ شرق ۔۔۔ یا ماہِ جہاں گردِ من از جانبِ شام

(اے فلک انصاف کر بہرِ خدا ۔۔۔ کون اِن دونوں میں بہتر ہے بتا
تیرا سورج ہے جو مشرق سے اُٹھے؟ ۔۔۔ یا وہ چاند آئے جو بیشک شام سے؟)

جب آپ نے (حرمین شریفین سے ہندوستان میں) قدم رنجہ فرمایا ہے (تشریف لے آئے ہیں) تو جلد تشریف لائیں، کیونکہ ہم آپ کی آمد کے مشتاق و منتظر ہیں اور بیت اللہ شریف کی خبریں سننے کی آرزو رکھتے ہیں۔

---

[1] آپ کے نام صرف یہی ایک مکتوب ہے۔ شیخ تاج الدین بن زکریا بن سلطان عثمانی نقشبندی حنفی، سنبھل ضلع مراد آباد میں پیدا ہوئے وہیں تحصیلِ علوم کیا۔ اس کے بعد حضرت خواجہ اللہ بخشؒ گڈھ مکٹیسر (ضلع میرٹھ) سے بیعت ہو کر خلافت پائی۔ حضرت شیخؒ کی وفات کے بعد حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ سے بیعت کی اور چند دن میں سلوکِ نقشبندیہ کی تکمیل کر کے صاحبِ اجازت ہو گئے اور مستقل طور پر حضرت خواجہؒ کی خدمت میں رہے۔ حضرت خواجہؒ کی رحلت کا آپ کو شدید صدمہ ہوا بعد ازاں آپ نے سیاحت اختیار کی اور ۱۰۴۲ھ میں بصرہ پہنچے تو وہاں بہت مقبولیت حاصل ہوئی۔ پھر مکہ مکرمہ میں سکونت اختیار کی وہاں بہت مخلوق آپ سے فیضیاب ہوئی حتیٰ کہ علماء و مشائخ نے بھی آپ سے طریقہ اخذ کیا۔ آپ نے چند رسائل بھی تصنیف فرمائے۔ ننانوے سال کی عمر میں عصر و مغرب کے درمیان بروز بدھ ۱۸ جمادی الاخری ۱۰۵۰ھ کو وفات پائی اور مکہ کے پہاڑ قیقعان کے دامن میں دفن ہوئے۔ (زبدۃ المقامات ص ۷۰ تا ۷۷، ونزھۃ الخواطر ج ۵ ص ۹۹) آپ کے مفصل حالات میں ایک مستقل کتاب بزبانِ عربی بانکے پور لائبریری (ہندوستان) میں موجود ہے (رود کوثر ص ۲۲۱) ـــــــ اس مکتوب سے واضح ہوتا ہے کہ حج کی سعادت کے بعد آپ ہندوستان تشریف لائے اور دوبارہ حرمین شریفین تشریف لے گئے (مرتب)

فقیر کے نزدیک جس طرح کعبۂ ربانی کی ظاہری صورت مخلوق کی صورتوں کے لئے خواہ وہ بشر ہوں یا ملک، مسجود الیہا ہے، اسی طرح اس (کعبہ شریف) کی حقیقت بھی تمام مخلوقات کے لئے مسجود الیہا ہے ـــــ پس لازمی طور پر وہ حقیقت (کعبۂ ربانی) تمام حقائق پر فوقیت رکھتی ہے اور اس (حقیقتِ کعبہ) کے متعلقہ کمالات تمام حقائق کے متعلقہ کمالات سے فائق تر ہیں۔ گویا حقیقتِ کعبہ، "حقائقِ کونی" اور "حقائقِ الٰہی" جل سلطانہٗ کے درمیان ایک برزخ (متوسط) راہ ہے۔ اور "حقائقِ الٰہی" سے مراد عظمت و کبریائی کے پردے ہیں کیونکہ کوئی رنگ و کیف اس (تعالیٰ شانہٗ) کے "دامانِ قدس" تک نہیں پہنچتا، اور کوئی ظلیت اس تک راہ نہیں پاتی ـــــ دنیاوی عروجات اور اس کے ظہورات کی نہایت "حقائقِ کونی" کی انتہا تک ہے۔ "حقائقِ الٰہی" جل شانہٗ سے کوئی حصہ حاصل ہونا آخرت کے ساتھ مخصوص ہے، مگر نماز میں جو کہ "مومن کی معراج ہے" اور اس معراج یعنی نماز میں گویا (وقتی طور پر) دنیا سے آخرت کی طرف جانا ہوتا ہے وہ حظ (لذت) جو آخرت میں نصیب ہوگا اس کا کچھ حصہ (نماز میں) میسر ہو جاتا ہے ـــــ میں خیال کرتا ہوں کہ اس دولت کے حاصل ہونے کا عمدہ ذریعہ نمازی کا نماز میں جہتِ کعبہ کی طرف متوجہ ہونے پر منحصر ہے، کیونکہ جہتِ کعبہ "حقائقِ الٰہی" تعالیٰ و تقدس کے ظہورات کا مقام ہے، لہٰذا "کعبہ" دنیا میں ایک "عجوبۂ روزگار" ہے جو بظاہر دنیا سے ہے لیکن حقیقت میں آخرت سے متعلق ہے۔ اور نماز نے بھی اس (کعبۂ معظمہ) کے توسط سے یہ نسبت پیدا کر لی ہے اور صورت و حقیقت میں دنیا اور آخرت کی جامع ہو گئی ہے ـــــ اور یہ بات متحقق ہو گئی ہے کہ وہ حالت (کیفیت) جو نماز کی ادائیگی میں میسر ہوتی ہے وہ ان تمام حالات سے بلند و بالا ہے جو نماز کے علاوہ حاصل ہوتے ہیں کیونکہ وہ (بیرونِ نماز والے) حالات "دائرۂ ظل" سے باہر نہیں نکلتے خواہ وہ کتنے ہی بلند ہوں، اور یہ حالتِ (نماز) اصل سے حصہ رکھتی ہے۔ اور جس قدر فرق ظل اور اصل کے درمیان ہے اسی قدر فرق بیرونِ نماز والی حالت اور اندرونِ نماز والی حالت کے درمیان جاننا چاہئے ـــــ

ـــــ (یہ فقیر) مشاہدہ کرتا ہے کہ جو حالت اللہ سبحانہٗ کی عنایت سے موت کے وقت ظاہر ہوگی وہ نماز کی حالت سے بھی بلند ہوگی، کیونکہ موت، احوالِ آخرت کے مقدمات میں سے ہے اور جو چیز آخرت سے قریب ہے وہ اتم و اکمل ہے کیونکہ یہاں (دنیا میں) "ظہورِ صورت" ہے (یعنی

ظاہری کیفیت ہے) اور وہاں (آخرت میں) ظہورِ حقیقت۔ ان دونوں میں بہت بڑا فرق ہے

اور ایسے ہی وہ حالت جو الٰہی جل سلطانہٗ کے کرم سے "برزخِ صغریٰ" (قبر) میں میسر ہوگی وہ اس حالت سے بڑھ کر ہوگی جو موت کے وقت ہوتی ہے۔ اور یہی نسبت "برزخِ کبریٰ" کو جو کہ روزِ قیامت ہے "برزخِ صغریٰ" سے ہے کیونکہ وہاں "برزخِ کبریٰ" کا مشہود اتم و اکمل ہے اور جنات النعیم کا مشہود برزخِ کبریٰ کے مشہود کی نسبت زیادہ اتمیت و اکملیت رکھتا ہے اور اس کو ان تمام مقامات پر فوقیت حاصل ہے جس کے متعلق مخبرِ صادق علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات نے خبر دی ہے اور فرمایا ہے اِنَّ لِلّٰہِ جَنَّۃً لَیْسَ فِیْھَا حُوْرٌ وَّلَا قُصُوْرٌ یَتَجَلّٰی فِیْھَا رَبُّنَا ضَاحِکًا[1] (بیشک اللہ تعالیٰ کی ایک جنّت ہے جس میں نہ حور ہے نہ قصور (محلّات) اس میں اللہ تعالیٰ ہنستے ہوئے تجلی فرمائے گا) —

— لہٰذا تمام ظہورات میں سے ادنیٰ ظہورِ دنیا اور اس کا مافیہا ہے اور ان ظہورات میں سے اعلیٰ مقام جنّت ہے، بلکہ دنیا ہرگز ظہور کا مقام نہیں ہے وہ تو ظلال کے ظہورات اور مثال کی نمائش ہے جو دنیا کے ساتھ مخصوص ہے۔ فقیر کے نزدیک امورِ دنیاوی میں شمار ہیں۔ اور حقیقت میں وہ ظہورات، خواہ تجلیاتِ صفات ہوں یا تجلیاتِ ذات، سب دائرۂ امکان میں داخل ہیں: تَعَالَی اللّٰہُ عَمَّا یَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا کَبِیْرًا (اللہ تعالیٰ اس بات سے جو لوگ کہتے ہیں بلند و بالا ہے) —

— فقیر پورے طور پر جب دنیا کو ملاحظہ کرتا ہے تو اس کو محض خالی پاتا ہے، اور اس کے دماغ میں مطلوب کی کچھ بھی خوشبو نہیں پہنچی —

حاصل کلام یہ ہے کہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔ اس جگہ مطلوب کو تلاش کرنا اپنے آپ کو پریشان کرنا یا غیر مطلوب کو مطلوب جاننے (کی غلطی کرنا ہے) چنانچہ اکثر لوگ اس میں گرفتار ہیں اور اپنے خواب و خیال میں محوِ آرام ہیں۔ اس مقام میں صرف نماز ہی ہے جو وصل کی خبر دیتی ہے اور مطلوب کی خوشبو سنگھاتی ہے۔ وَدُوْنَہٗ خَرْطُ الْقَتَادِ (اس کے علاوہ بے فائدہ رنج اٹھانا ہے)۔

---

[1] مولانا نور احمد امرتسریؒ حاشیہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ مجھے اس حدیث کی کوئی اصل نہیں ملی لیکن کتبِ صوفیہ میں یہ حدیث مشہور ہے اور شیخ شرف الدین یحییٰ منیریؒ کے مکتوبات میں بھی موجود ہے تشیید المبانی میں بھی ہے۔

اس کے بعد محشیؒ نے مشکوٰۃ کے "باب صفۃ الجنۃ واہلہا" سے حضرت انسؓ اور حضرت ابوہریرہؓ کی دو حدیثیں نقل کی ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ جنت میں ایک بازار ہے جس میں جنتی ہر جمعہ کو جایا کریں گے وہاں ایک ہوا چلے گی جس سے ان کے حسن و جمال میں اضافہ ہوگا اور وہاں وہ اللہ تعالیٰ کے دیدار سے مشرف ہوا کریں گے۔ پھر وہاں سے وہ اپنے اپنے گھروں کو واپس جائیں گے جہاں ان کی ازواج ہوں گی۔" ان احادیث سے مذکورہ حدیث کی تائید ہوتی ہے۔ واللہ اعلم

مکتوب ۲۶۴

دو صد و شصت و چہارم

میر سید باقر سارنگپوری[1] کی طرف صادر فرمایا ـــــ اس بیان میں کہ اپنے معاملہ کو حیرت اور جہالت پر محمول کرنا چاہیے اور احوال و کشوف پر اعتماد نہیں کرنا چاہیے اور اس کے ضمن میں اس واقعہ کا ذکر اور تعبیر فرمائی جس کا اظہار اس علاقہ کے بعض مشائخ میں سے کسی نے کیا تھا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) ـــــ صحیفۂ شریفہ جو فرطِ محبت اور کمال اشتیاق سے آپ نے تحریر فرمایا تھا موصول ہو کر بہت زیادہ خوشی کا باعث ہوا ـــــ آپ اپنے کام کی طرف متوجہ رہیں اور اسماء و صفات کے ملاحظہ کے بغیر اسمِ ذات تعالیٰ و تقدس کے ذکر میں مشغول رہیں تاکہ معاملہ جہالت تک پہنچ جائے اور کام حیرت کے ساتھ انجام پذیر ہو۔ کیونکہ اسماء و صفات کا ملاحظہ بسا اوقات احوال کے ظہور کا باعث ہوتا ہے اور مواجید کے صادر ہونے کا واسطہ بن جاتا ہے۔ آپ نے سنا ہو گا کہ احوال و مواجید میں خطا کا بہت زیادہ احتمال ہے اور اس مقام میں حق کے ساتھ باطل کا اشتباہ بہت زیادہ ہے۔

آپ غور فرمائیں کہ ان دنوں گرد و نواح کے مشائخ میں سے ایک شیخ نے فقیر کے پاس پیغام بھیجا اور (اس طرح) اپنے احوال کا اظہار کیا کہ "مجھے فنا و محویت اس درجہ حاصل ہو گئی ہے کہ جس چیز پر نظر پڑتی ہے کچھ نہیں معلوم ہوتا (کہ کیا ہے)، زمین و آسمان کو دیکھتا ہوں تو کچھ نہیں پاتا حتی کہ عرش و کرسی کو بھی نہیں پاتا، اور جب خود کو ملاحظہ کرتا ہوں تو اپنے آپ کو بھی نہیں پاتا، اور اگر کسی کے پاس جاتا ہوں تو اس کو بھی نہیں پاتا، اور خدائے عزوجل و علا بے نہایت ہے اس کی نہایت کو کسی نے نہیں پایا، مشائخ نے اسی کو کمال سمجھ لیا ہے اگر تو بھی اسی کو کمال سمجھتا ہے تو پھر میں طلبِ حق جل و علا کے لئے تیرے پاس کیوں آؤں، اور اگر کسی اور بات میں کمال سمجھتا ہے تو تحریر کر۔"

---

[1] بعض نسخوں میں سہارنپوری درج ہے۔ آپ کے نام صرف یہی ایک مکتوب ہے۔ آپ حضرت مجددؒ کے قدیم الخدمت احباب میں سے ہیں آخری عمر میں خلافت پائی (روضۃ القیومیہ رکن اول ص ۳۳۹)

فقیر نے اس کے جواب میں لکھا کہ یہ احوال قلب کی تلوینات (قلبی کیفیات کا تغیر و تبدل) میں سے ہیں، اور قلب اس راہ کا زینۂ اول ہے۔ اور صاحبِ احوال نے ابھی مقامِ قلب کا ایک چوتھائی حصہ طے کیا ہے اور قلب کے باقی تین حصے اور طے کرنے چاہئیں، اس کے بعد دوسرے زینہ پر چڑھنا چاہئے جس سے مراد روح ہے۔ پھر جہاں تک اللہ تعالیٰ چاہے عروج حاصل ہو۔ ——— اس ماجرے کے کچھ مدت بعد فقیر کے دوستوں میں سے ایک دوست نے جو اس طریقہ کو اخذ کر کے اپنے وطن گیا ہوا تھا، جب واپس آکر اپنا حال بیان کیا تو معلوم ہوا کہ اس کا حال بالکل اس شیخ کے موافق ہے جس نے سوال کیا تھا بلکہ یہ دوست اس مقام میں اس (شیخ) سے بھی آگے قدم رکھتا ہے اور جب اس کے حال میں غور کیا گیا تو ظاہر ہوا کہ اس کی یہ فنا و محویت عنصرِ ہوا میں ہے جو ذرات میں سے ہر ذرہ کو محیط ہے اور ہوا کے علاوہ اور کوئی امر مشہود نہیں ہوا۔ اسی کو اس نے خدائے بے نہایت جان لیا ہے۔ تَعَالَى اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ عَنْ ذٰلِكَ عُلُوًّا كَبِيْرًا (اللہ تعالیٰ سبحانہ اس سے بہت بلند و بالا ہے) ——— دوسری مرتبہ اس دوست کو طلب کر کے جب اس کے احوال کی تفتیش کی تو یقین ہو گیا کہ اس کی گرفتاری کا سبب عنصرِ ہوا کے علاوہ کچھ نہیں اور اس کو بھی اس (باطنی کیفیت) سے مطلع کر دیا اور جب اس نے بھی اپنے وجدان کی طرف رجوع کیا تو اس کو معلوم ہو گیا کہ اس کو ہوا کے علاوہ کوئی چیز حاصل نہیں ہے اور اس نے اس احوال سے استغفار کر کے قدم آگے بڑھایا۔

جاننا چاہئے کہ عالمِ خلق جو عناصرِ اربعہ کا عالم ہے اور عالمِ ارواح کے درمیان قلب برزخ کے مانند ہے اور وہ دونوں عالم کا رنگ رکھتا ہے۔ گویا قلب کا نصف حصہ عالمِ خلق سے متعلق ہے اور دوسرا نصف حصہ عالمِ ارواح سے۔ اور وہ دوسرا حصہ جس کو ہم نے عالمِ خلق سے منصف کیا ہے اگر اس (نصف حصہ کو) بھی نصف کریں تو معاملہ عنصرِ ہوا کا ہو جائے گا۔ پس قلب کے چوتھے حصے سے مراد مقامِ ہوا ہے جو قلب کے ضمن میں ہے۔ لہٰذا جو کچھ کہ آخر میں ظاہر ہوا وہ جوابِ اول کے موافق ہے۔ اور اس کی حقیقت کے کشف کا بیان ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰىنَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْلَاۤ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ (تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے جس نے ہم کو اس کی ہدایت دی اور ہم ہرگز ہدایت نہ پاتے اگر وہ ہم کو ہدایت نہ دیتا۔ بیشک ہمارے رب کے رسول حق بات لائے ہیں)۔ (اعراف آیت ۴۳)

اس سے زیادہ (لکھنے کے لئے) وقت میں گنجائش نہیں : وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَعَلٰى سَائِرِ مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ مِنَ الصَّلَوَاتِ اَفْضَلُهَا وَمِنَ التَّسْلِيْمَاتِ اَكْمَلُهَا (اور سلام ہو آپ پر اور ان سب پر جنھوں نے ہدایت کی پیروی کی اور حضرت محمد مصطفٰی علیہ وعلٰی آلہ من الصلوات افضلہا ومن التسلیمات اکملہا کی متابعت کو اپنے اوپر لازم جانا)۔

مکتوب ۲۶۵

(فارسی و عربی)

دو صد و شصت و پنجم

شیخ عبدالہادی بدایونی کی طرف صادر فرمایا ــــــ اس میں کہ عزلت اختیار کرنے میں مسلمانوں کے حقوق ضائع نہ ہونے چاہئیں، حقوق اور اس کے مناسب بیان ہیں۔

حمد و صلوٰۃ اور تبلیغ دعوات کے بعد واضح ہو کہ میرے سعادتمند بھائی کا مکتوب مرغوب موصول ہو کر بہت زیادہ خوشی کا باعث ہوا ــــــ اللہ تعالٰی کا شکر اور احسان ہے کہ مفارقت وجدائی کے عرصۂ دراز نے محبت واخلاص اور مودت واختصاص میں کوئی تاثیر نہیں کی، اس کے باوجود اگر آپ یہاں تشریف لے آتے تو زیادہ مناسب تھا: اَلْخَيْرُ فِيْمَا صَنَعَ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ (اور بہتری اسی میں ہے جو اللہ تعالٰی کرے)۔

آپ نے گوشہ نشینی اختیار کرنے کی آرزو کی تھی، ہاں بیشک گوشہ نشینی صدیقین کی آرزو ہے آپ کو مبارک ہو۔ آپ گوشہ نشینی اختیار کریں اور اس طرح یکسو ہوں کہ مسلمانوں کے حقوق کی رعایت ہاتھ سے نہ جانے دیں ــــــ آنحضرت علیہ وعلٰی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: حَقُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ خَمْسٌ رَدُّ السَّلَامِ وَعِيَادَةُ الْمَرِيْضِ وَاتِّبَاعُ الْجَنَائِزِ وَاِجَابَةُ الدَّعْوَةِ وَتَشْمِيْتُ الْعَاطِسِ[۲] (مسلمان کے مسلمان پر پانچ حق ہیں (۱) سلام کا جواب دینا (۲) مریض کی عیادت کرنا۔ (۳) جنازہ کے ساتھ چلنا۔ (۴) دعوت کا قبول کرنا۔ (۵) اور چھینک کا جواب دینا) ــــــ لیکن

---

۱ آپ کے نام صرف یہی ایک مکتوب ہے آپ بڑے عالم وفاضل اور مشہور مشائخ میں سے تھے۔ آپ نے پہلے حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ سے بیعت کی بعد ازاں عرصہ دراز تک حضرت مجدد الف ثانیؒ کی خدمت میں گذارے اور اجازتِ تعلیم وتربیت سے مشرف ہوئے۔ ۹ شعبان ۱۰۴۱ھ کو انتقال ہوا اور خرم شاہ کے تکیہ بدایوں میں آپ کا مزار ہے۔

۲ بخاری و مسلم۔

دعوت قبول کرنے میں چند شرطیں ہیں: ــــ "احیاء العلوم"[1] میں لکھا ہے کہ "اگر طعام مشتبہ ہو، یا دعوت کا مکان اور وہاں کا فرش حلال نہ ہو، یا وہاں ریشمی فرش اور چاندی کے برتن ہوں، یا چھت یا دیوار پر جانداروں کی تصویریں ہوں، یا باجے یا سماع کی کوئی چیز موجود ہو، یا کسی قسم کا لہو و لعب کا شغل ہو، یا غیبت و بہتان (چغلی) اور جھوٹ وغیرہ سننا پڑے تو ان سب صورتوں میں دعوت کا قبول کرنا منع ہے، اور یہ سب امور اس دعوت کی حرمت اور کراہت کا موجب ہیں۔ اور اسی طرح اگر دعوت کرنے والا ظالم یا فاسق یا مبتدع (بدعتی) یا شریر یا تکلف کرنے والا اور فخر و مباہات کا طالب ہے تب بھی یہی حکم ہے" ــــ اور "شرعۃ الاسلام"[2] میں ہے کہ "ایسے طعام کی دعوت قبول نہ کریں جو ریا و سمعہ کے لئے تیار کیا گیا ہو" ــــ اور "محیط"[3] میں ہے کہ جس دستر خوان پر لہو و لعب یا سرود کا سامان ہو، یا وہاں لوگ غیبت کرتے ہوں، یا شراب پیتے ہوں وہاں بیٹھنا نہیں چاہئے ــــ اگر یہ سب موانع موجود نہ ہوں تو دعوت قبول کرنے سے چارہ نہیں ہے، لیکن اس زمانے میں ان موانع کا مفقود ہونا دشوار ہے ــــ اور نیز جان لیں کہ ع

عزلت از اغیار باید نے زیار (غیر سے دوری نہ ہر گز یار سے)

کیونکہ ہمرازوں کے ساتھ صحبت رکھنا اس طریقۂ عالیہ کی سنتِ مؤکدہ ہے ــــ حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہٗ نے فرمایا ہے کہ "ہمارا طریق صحبت ہے کیونکہ خلوت میں شہرت ہے اور شہرت میں آفت"۔ ــــ اور صحبت سے ان کی مراد طریقت سے موافقت کرنے والوں کی صحبت ہے نہ کہ مخالفین طریقت کی صحبت، کیونکہ ایک کا دوسرے میں فانی ہونا صحبت کی شرط ہے جو موافقت کے بغیر میسر نہیں ہوتا۔ ــــ اور مریض کی عیادت سنت ہے جبکہ اس بیمار کا کوئی خبر گیر ہو اور اس کی تیمار داری کرتا ہو، ورنہ اس بیمار کی عیادت (بیمار پرسی) واجب ہے جیسا کہ مشکوٰۃ کے حاشیہ[4] میں کہا ہے ــــ اور نمازِ جنازہ میں حاضر ہونے کے لئے کم از کم چند قدم جنازے کے پیچھے چلنا چاہئے تاکہ میت کا حق ادا ہو جائے۔ ــــ اور جمعہ و جماعت اور نماز پنجگانہ و نماز عیدین میں حاضر ہونا ضروریاتِ اسلام میں سے ہے کہ جن سے چارہ نہیں ہے اور باقی وقتوں کو تبتل و انقطاع (تنہائی و گوشہ نشینی) میں گذاریں لیکن پہلے

۱؎ یہ حجۃ الاسلام امام غزالیؒ کی تصنیف ہے ــــ ۲؎ یہ امام محمد بن ابو بکر معروف بہ امام زادہؒ حنفی متوفی ۵۷۳ھ کی تصنیف ہے ــــ ۳؎ یہ امام رضی الدین محمد بن محمد سرخسی کی تصنیف ہے۔

۴؎ قال فی المرقاۃ وعیادۃ المریض سنۃ اذا کان لہ متعہد و الا فواجب۔

نیت کی تصحیح کر لینی چاہئے اور گوشہ نشینی کو دنیا کی کسی غرض سے آلودہ نہ کریں، اور ذکرِ الٰہی جل سلطانہ کے ساتھ باطنی جمعیت کے حاصل ہونے اور بے فائدہ و بے کار اشغال سے منہ موڑنے کے سوا (گوشہ نشینی سے) اور کچھ مقصود نہ ہو ـــــ اور تصحیحِ نیت میں بڑی احتیاط کریں ایسا نہ ہو کہ اس کے ضمن میں کوئی نفسانی غرض پوشیدہ ہو، اور نیت کے درست کرنے میں (اللہ تعالیٰ کے حضور میں) التجا و تضرع بہت زیادہ کریں اور عاجزی و انکساری اختیار کریں تاکہ "حقیقتِ نیت" میسر ہو جائے۔ سات استخارے ادا کریں تاکہ تصحیحِ نیت کے ساتھ گوشہ نشینی اختیار کر سکیں، امید ہے کہ اس پر بڑے بڑے فائدے مترتب ہوں گے۔ باقی حالات کو ملاقات پر موقوف رکھا ہے۔ والسلام

مکتوب ۲۶۶

دو صد و شصت و ششم

حضرات پیرزادگان خواجہ عبداللہ و خواجہ عبید اللہ کی طرف صادر فرمایا ـــــ بعض عقائد کلامیہ کے بیان میں جو اہلِ سنت و جماعت شکر اللہ تعالیٰ سعیہم کی آراء کے موافق اور جو آپ کو الہام اور فراست کی بِنا پر حاصل ہوئے نہ کہ تقلید و تخمین (گمان) کے مطابق۔ ابتدائے احوال میں حضرت پیغمبر علیہ علی آلہ الصلوات والتسلیمات کی خواب میں زیارت ہوئی اور آپؐ نے فرمایا کہ "تم علمِ کلام کے مجتہدوں میں سے ہو"۔ اور اس واقعہ کو آپ نے حضرت خواجہ (باقی باللہؒ) کی خدمت میں عرض کیا تھا، اسی روز سے حضرت والا (مجدد الف ثانیؒ) کی مسائلِ کلامیہ کے ہر مسئلہ میں علیحدہ رائے اور

؎ آپ کے نام سات مکتوبات ہیں دفتر اول میں صرف یہی ایک مکتوب ہے جو دونوں بھائیوں کے نام ہے اور عقائد کے بیان میں بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ نے "مالا بد منہ" میں اس مکتوب سے اقتباسات لئے ہیں اور شاہ غلام علی دہلویؒ فرماتے ہیں کہ "یہ مکتوب علمِ عقائد میں فائدہ کثیر رکھتا ہے"۔ بقیہ چھ مکتوبات یہ ہیں دفتر دوم مکتوب ۲۳۔ ۳۵-۵۹ ۔ دفتر سوم مکتوب ۵۶-۶۰-۷۱۔ آپ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کے چھوٹے صاحبزادے ہیں ۶ رجب ۱۰۱۰ھ کو اپنے بھائی خواجہ عبید اللہ سے جو خواجہ باقی باللہؒ کی دوسری زوجہ سے تھے چار ماہ بعد پیدا ہوئے۔ حضرت مجدد صاحبؒ جب حضرت خواجہ صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو خواجہؒ صاحب دونوں شیر خوار صاحبزادوں کو حضرت مجدد صاحبؒ کی خدمت میں لائے اور فرمایا کہ ان پر توجہ کرو۔ حضرت خواجہ باقی باللہ کے وصال کے بعد خواجہ حسام الدین احمد نے دونوں صاحبزادوں کی تربیت فرمائی بعد ازاں خواجہ عبداللہ حضرت مجددؒ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور وارداتِ کثیرہ سے بہرہ ور ہو کر خلافت پائی۔ خواجہ عبداللہ حافظِ قرآن، خوشگو شاعر اور صاحبِ تصانیف تھے حضرت شاہ ولی اللہؒ کے والد آپ سے بیعت تھے۔ بروز بدھ ۲۵ جمادی الاولیٰ ۱۰۷۴ھ کو وفات پائی اور اپنے والد کے قریب اسی قبرستان میں دفن ہوئے۔

جدا حکم ہے، البتہ اکثر مسائل میں مشائخ ماتریدیہ سے موافقت رکھتے ہیں۔ اور فلاسفہ کے رد میں اور ان کی مذمت اور برائی کے بیان میں اور ملحدوں اور زندیقوں کے رد میں جنھوں نے صوفیہ کی مراد کو نہیں سمجھا اور گمراہ ہو گئے۔ اور بعض فقہی احکام کے بیان میں جو صلوۃ سے متعلق ہیں۔ اور طریقۂ عالیہ نقشبندیہ کے کمالات کے بیان میں کہ ان کا التزام سنت کی تابعداری میں ہے۔ اور سماع و سرود کے منع کرنے اور رقاصوں کی مجلس میں شرکت سے منع کرنے کے بیان میں اور ان کے مناسب بیان میں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط رَبِّ یَسِّرْ وَلَا تُعَسِّرْ وَتَمِّمْ بِالْخَیْرِ (اے رب (ہمارے) کام کو آسان کر اور مشکل میں نہ ڈال اور خیر و خوبی سے مکمل فرما) ـــــــ حمد و صلوۃ اور تبلیغ دعوات کے بعد مخدوم زادوں کی جناب میں عرض ہے کہ یہ فقیر سر سے پاؤں تک آپ کے والدِ بزرگوار کے احسانات میں غرق ہے اور اس طریقۂ (نقشبندیہ) میں الف ب کا سبق اُن ہی سے حاصل کیا ہے۔ اس راہ میں حروفِ تہجی بھی ان ہی سے سیکھے ہیں، اور "اندراج النہایت فی البدایت" (ابتدا میں انتہا کا درج ہونا) کی دولت بھی ان ہی کی صحبت کی برکت سے حاصل ہوئی ہے۔ اور "سفر در وطن" کی سعادت بھی ان ہی کی خدمت کے صدقے میں ملی ہے ـــــــ ان کی شریف توجہ نے "ڈھائی ماہ" میں اس ناقابل کو "نسبتِ نقشبندیہ" تک پہنچا دیا اور ان اکابر کا حضور خاص عطا فرما دیا۔ اور اس قلیل مدت میں جو تجلیات، ظہورات، انوار، الوان، بے رنگیاں اور بے کیفیتیں ان کے طفیل حاصل ہوئیں ان کی کیا شرح کروں اور کیا تفصیل بیان کروں ـــــــ ان کی توجہ شریف کی برکت سے معارفِ توحید، اتحاد، قرب و معیت اور احاطہ و سَرَیان میں شاید ہی کوئی دقیقہ رہ گیا ہو جو اس فقیر پر نہ کھولا گیا ہو اور اس کی حقیقت کی اطلاع نہ دی گئی ہو۔ وحدت کا شہود کثرت میں اور کثرت کا مشاہدہ وحدت میں کرنا ان معارف کے مقدمات و مبادی میں سے ہے۔

مختصر یہ کہ جس جگہ نسبتِ نقشبندیہ اور ان بزرگوں کا حضور خاص ہے وہاں ان معارف کو زبان پر لانا اور شہود و مشاہدہ کا نشان بیان کرنا کوتاہ نظری ہے، کیونکہ ان اکابرین کا کارخانہ بہت بلند ہے اور ہر زرّاق (مکّار) اور رقّاص (ناچنے والا) اس کے ساتھ کوئی نسبت نہیں رکھتا۔ جب اس قسم کے بلند درجے والی دولت اُن (خواجہ باقی باللہؒ) سے اس فقیر کو پہنچی ہو تو اگر تمام عمر بھی اپنے سر کو خدام بارگاہ عالی (کے قدموں) میں پامال کرے تو بھی کچھ حق ادا نہ ہو۔

(یہ عاجز) اپنی کوتاہیاں کیا عرض کرے اور اپنی شرمندگیوں کا کیا اظہار کرے۔ لیکن معارف آگاہ خواجہ حسام الدین احمدؒ کو حضرتِ حق سبحانہٗ ہماری طرف سے جزائے خیر دے کہ انھوں نے ہم کم ہمتوں کا بوجھ اپنے اوپر اٹھانے کا التزام کر کے خدام بارگاہ کی خدمت کے لئے اپنی کمرِ ہمت کو باندھ لیا اور ہم دور پڑے ہوؤں کو اس سے فارغ کر دیا۔

گر بر تنِ من زباں شود ہر موئے یک شکرِ وے از ہزار نتوانم کرد

(ہر بال بھی گر زباں ہو اک شکر بھی کیا بیاں ہو)

یہ فقیر تین[۳] مرتبہ حضرت ایشاں (خواجہ باقی باللہؒ) کی قدم بوسی کی دولت سے مشرف ہوا، آخری مرتبہ (کی حاضری پر) فقیر سے ارشاد فرمایا کہ "مجھ پر بدن کا ضعف غالب آگیا ہے، زندگی کی امید کم ہے، بچوں کے احوال سے خبردار رہنا ہوگا" ——— اور اپنے حضور میں آپ (دونوں) کو طلب فرمایا، اس وقت آپ دودھ پلانے والیوں کی گود میں تھے۔ اور فقیر کو حکم دیا کہ ان (بچوں) پر توجہ کرو۔ حسب الامران ہی کے حضور میں اس فقیر نے آپ (دونوں) کی طرف توجہ کی، یہانتک کہ اس توجہ کا اثر ظاہر میں بھی نمایاں ہوا۔ بعد ازاں فرمایا کہ "ان بچوں کی والداؤں پر بھی غائبانہ توجہ کرو"۔ حسب الحکم ان پر بھی غائبانہ توجہ کی گئی امید ہے کہ حضرت ایشاں (خواجہ صاحبؒ) کی برکت سے اس توجہ کے نتائج وثمرات حاصل ہوں گے ——— آپ ہرگز یہ تصور نہ کریں کہ ان کے واجب الاطاعت حکم اور وصیتِ لازمہ سے (کسی قسم کی) غفلت اور فراموشی واقع ہوئی ہے، ہرگز نہیں۔ بلکہ (یہ حقیر) آپ کی طرف سے اشارہ اور اجازت کا منتظر ہے۔

• فی الحال چند فقرے بطریقِ نصیحت لکھے جاتے ہیں، امید ہے کہ گوشِ ہوش سے سماعت فرمائیں گے، اَسْعَدَکُمُ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ (اللہ سبحانہٗ آپ کو سعادتمند بنائے)

عقلمندوں پر سب سے اول فرض یہ ہے کہ علمائے اہلِ سنت وجماعت شکر اللہ تعالیٰ سعیہم جو فرقۂ ناجیہ ہیں ان کی صحیح رائے کے مطابق اپنے عقائد کو درست کریں۔ چنانچہ بعض مسائلِ اعتقادیہ جن میں قدرے پوشیدگی ہے ان کا اظہار کیا جاتا ہے۔

عقیدہ ۱ : جاننا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذاتِ مقدس کے ساتھ خود موجود ہے، اور تمام اشیاء اس تعالیٰ کی ایجاد سے موجود ہیں۔ اور حق تعالیٰ اپنی ذات وصفات اور افعال میں یگانہ ہے

عقیدہ ۱: حق تعالیٰ اپنی ذات وصفات اور افعال میں یگانہ ہے

اور فی الحقیقت کسی امر میں بھی خواہ وجودی ہو یا غیر وجودی کوئی بھی اس کے ساتھ شریک نہیں ہے (اس کی جناب میں) مشارکتِ اسمی اور مناسبتِ لفظی بحث سے خارج ہے ——— اللہ سبحانہٗ کی صفات اور افعال اس کی ذات کی طرح بے چون اور بے چگونہ ہیں۔ اور ممکنات کی صفات اور افعال کے ساتھ کچھ مناسبت نہیں رکھتے، مثلاً صفت العلم اُس سبحانہٗ کی ایک صفت قدیم اور بسیطِ حقیقی ہے جس میں "تعدد اور تکثر" کو ہرگز دخل نہیں ہے، اگرچہ وہ تکثر تعددِ تعلقات کے اعتبار سے ہی کیوں نہ ہو، کیونکہ وہاں ایک ہی بسیط انکشاف ہے کہ ازل و ابد کی معلومات اُسی انکشاف سے منکشف ہوتی ہیں۔ اور (حق تعالیٰ) تمام اشیاء کو ان کے "متناسبہ و متضادہ" (موافق و مخالف) احوال کے ساتھ کُلّی و جُزئی طور پر ہر ایک کے اوقاتِ مخصوصہ کے ساتھ آنِ واحد میں بسیط جانتا ہے۔ ——— یعنی اسی ایک آن میں "زید" کو موجود بھی جانتا ہے اور معدوم بھی اور جنین (ماں کے پیٹ میں بھی) اور طفل، جوان اور بوڑھا بھی، زندہ اور مردہ بھی، کھڑا ہوا اور بیٹھا بھی، تکیہ لگائے ہوئے اور لیٹا ہوا بھی، ہنستا ہوا اور روتا ہوا بھی، لذت پانے والا اور تکلیف پانے والا بھی، عزت والا اور ذلیل بھی، برزخ میں بھی اور حشرات (عرصۂ قیامت) میں بھی، جنت میں بھی اور اس کی لذات و نعمتوں میں بھی جانتا ہے، لہٰذا تعددِ تعلق بھی اس مقام میں مفقود ہے۔ کیونکہ تعددِ تعلقات، تعددِ اوقات اور وقت کی کثرت چاہتا ہے۔ اور وہاں ازل سے ابد تک صرف ایک ہی آنِ واحد بسیط ہے جس میں کسی قسم کا تعدد نہیں ہے کیونکہ حق تعالیٰ پر نہ زمانہ جاری ہے اور نہ تقدم و تاخر کے احکام جاری ہو سکتے ہیں ——— لہٰذا اس تعالیٰ کے علم میں اگر ہم معلومات کے ساتھ تعلق کا اثبات کریں تو وہ صرف ایک تعلق ہوگا جو تمام معلومات کے ساتھ متعلق ہے اور وہ تعلق بھی مجہول الکیفیت ہے (یعنی اس تعلق کی کیفیت معلوم نہیں) اور صفت العلم کی طرح بے چون و بے چگونہ ہے۔

ہم اس تصور کے استبعاد (یعنی قیاس اور فہم سے دُور اور بعید ہونے) کو ایک مثال کے ذریعے زائل کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ایک شخص ایک ہی وقت میں ایک "کلمہ" کو اس کے "اقسامِ متبائنہ" (مختلف اقسام) اور "احوالِ متغائرہ" (متفرق احوال) اور "اعتباراتِ متضادہ" (مخالف اعتبارات) سے جانتا ہے، لہٰذا اسی ایک وقت میں اُس "کلمہ" کو اسم بھی جانتا ہے اور فعل بھی، حرف بھی اور ثلاثی بھی (یعنی تین حروف والا)، رباعی (چار حروف والا) بھی اور معرب بھی (یعنی جو تینوں حالتیں رفعی نصبی اور جری قبول کرے) مبنی بھی

عوامل کے ذریعے تغیر و تبدل پانا)، متمکن (ٹھہرنے والا) بھی اور غیر متمکن بھی، منصرف (وہ اسم جو تنوین قبول کرے) بھی اور غیر منصرف بھی، معرفہ [خاص] (پہچانا ہوا) بھی اور نکرہ [عام] (جو نہ پہچانا جائے) بھی، ماضی بھی اور مستقبل بھی، امر بھی اور نہی بھی جانتا ہے، بلکہ اس شخص کے لئے جائز ہے کہ وہ کہے کہ میں "کلمہ" کے تمام اقسام اور اعتبارات کو کلمہ کے آئینے میں بیک وقت تفصیل کے ساتھ دیکھتا ہوں، جبکہ ممکن کے علم میں بلکہ ممکن کی دید میں اضداد کا جمع ہونا متصور ہے تو پھر اس واجب تعالیٰ وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى (نحل آیت ۶۰) (اور اللہ تعالیٰ کی مثال سب سے اعلیٰ ہے) کے علم میں یہ بات کس طرح بعید معلوم ہوتی ہے۔

جاننا چاہیئے کہ اس جگہ اگرچہ ظاہر صورت میں "جمع ضدین" ہے لیکن حقیقت میں ان کے درمیان ضدیت (تضاد) مفقود ہے کیونکہ اگرچہ (حق تعالیٰ) "زید" کو آنِ واحد میں موجود اور معدوم جانتا ہے لیکن اسی آن میں یہ بھی جانتا ہے کہ اس کے وجود کا وقت مثلاً ہزار سال سنہ ہجری کے بعد ہے اور اس کے وجود سے "عدمِ سابق" کا وقت اس سال معین سے پہلے ہے، اور اس کے عدم لاحق کا وقت گیارہ سو سال کے بعد ہے۔ لہٰذا حقیقت میں ان دونوں کے درمیان زمانے کی تبدیلی کی وجہ سے کوئی تضاد نہیں ہے، اور باقی احوال کو بھی اسی پر قیاس کر سکتے ہیں، پس سمجھ لو۔

اس تحقیق سے واضح ہو گیا کہ حق تعالیٰ کا علم اگرچہ تغیر پانے والی جزئیات سے متعلق ہو لیکن اس کے علم میں تغیر کا شائبہ بھی راہ نہیں پاتا اور حدوث کا گمان اس کی صفت میں پیدا نہیں ہوتا، جیسا کہ فلاسفہ نے زعم (غلط دعوی) کیا ہے۔ کیونکہ تغیر اسی تقدیر پر متصور ہو سکتا ہے جبکہ ایک کو دوسرے کے بعد جانا ہو، اور جب سب کو آنِ واحد میں جان لے تو پھر تغیر و حدوث کی گنجائش نہیں ہے ——— پس اس کی کچھ حاجت نہیں ہے کہ ہم اس (تعالیٰ) کے لئے متعدد تعلقات کا اثبات کریں تاکہ تغیر و حدوث ان تعلقات کے ساتھ راجع ہو، نہ کہ صفتِ علم کی طرف، جیسا کہ بعض متکلمین نے فلاسفہ کے شبہ کو دُور کرنے کے لئے کیا ہے۔ ہاں اگر معلومات کی جانب تعدد تعلقات کا اثبات کریں تو اس کی گنجائش ہے۔

اور اسی طرح ایک کلام بسیط ہے جو ازل سے ابد تک اسی ایک کلام کے ساتھ گویا (ناطق) ہے۔ اگر "امر" ہے تو وہ بھی وہیں سے پیدا ہوا ہے اور اگر "نہی" ہے تو وہ بھی وہیں سے ہے اور اگر اعلام (خبر) ہے تو بھی وہیں سے ماخوذ ہے اگر استفہام ہے تو وہ بھی وہیں سے، اگر تمنی یا ترجی ہے
(آرزو کرنا۔ امید رکھنا)

تو وہ بھی وہیں سے مستفاد ہے ــــــــ تمام نازل شدہ کتابیں اور بھیجے ہوئے صحیفے اس "کلامِ بسیط" کا ایک ورق ہیں، اگر "توریت" ہے تو وہ بھی وہیں سے لکھی گئی ہے، اور "انجیل" ہے تو اس نے بھی وہیں سے صورتِ لفظی حاصل کی ہے، اور اگر "زبور" ہے تو وہ بھی وہیں سے مسطور ہوئی ہے اور اگر "فرقان" ہے تو وہ بھی وہیں سے نازل ہوا ہے۔ ؎

واللہ کلامِ حق کہ علی الحق یکے ست و بس (واللہ بس کلامِ خدا ہے کلامِ حق)
پس در نزول مختلف آثار آمدہ (ہاں نزول میں مختلف آثار آئے ہیں)

اور اسی طرح ایک ہی فعل ہے اور اسی ایک فعل کے ذریعے اولین و آخرین کی مصنوعات وجود میں آرہی ہیں (جیسا کہ ارشاد ہے) وَمَآ اَمْرُنَآ اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍۭ بِالْبَصَرِ (سورہ قمر آیت ۵۰ پ ۵۴) (اور ہمارا حکم بس ایسا یکبارگی ہو جائے گا جیسے آنکھ جھپکانا) ۔ اس آیت کریمہ میں (اس حقیقتِ مذکورہ کی طرف) اشارہ ہے کہ اگر زندہ کرنا یا مارنا ہے تو وہ اسی ایک فعل سے مربوط ہے۔ اور اگر ایلام (تکلیف) ہے یا انعام ہے تو وہ بھی اسی ایک فعل سے (منوط) ملا ہوا ہے، اور اگر ایجاد ہے یا اعدام (مٹا دینا) ہے تو وہ بھی اسی ایک فعل سے پیدا ہوا ہے ــــــــ لہٰذا حق سبحانہٗ و تعالیٰ کے فعل میں بھی تعدد تعلقات ثابت نہیں ہے بلکہ ایک ہی تعلق سے مخلوقات اولین و آخرین اپنے وجود کے اوقاتِ مخصوصہ میں وجود پذیر ہو رہی ہیں، اور یہ تعلق بھی حق تعالیٰ کے فعل کے مانند بے چون و بے چگونہ ہے کیونکہ چون کو بے چون کے ساتھ کوئی راہ نہیں ہے: لَا يَحْمِلُ عَطَايَا الْمَلِكِ اِلَّا مَطَايَاهُ (بادشاہوں کی بخششیں ان کے اونٹ ہی اٹھا سکتے ہیں)۔

اشعریؒ[1] چونکہ حق جل سلطانہٗ کے فعل کی حقیقت سے واقف نہ تھے اس لئے تکوین کو حادث کہہ دیا اور اس سبحانہٗ کے افعال کو بھی حادث جان لیا اور انھوں نے یہ نہیں جانا کہ یہ سب حق سبحانہٗ کے فعلِ ازلی کے آثار ہیں نہ کہ اس تعالیٰ کے افعال ــــــــ اور اسی قبیل سے یہ ہے کہ بعض صوفیہ جنھوں نے تجلی افعال کا اثبات کیا ہے اور اس مقام میں ممکنات کے افعال کے آئینے میں سوائے فعلِ واحد جل سلطانہٗ کے کچھ نہیں دیکھا، وہ تجلی حقیقت میں حق سبحانہٗ کے فعل کے آثار کی ایک تجلی ہے

[1] یعنی امام ابوالحسن اشعریؒ جو فرقۂ اشاعرہ کے بانی اور علم کلام کے موجد تھے ۲۶۰ھ بصرہ میں پیدا ہوئے، ابتدا میں معتزلہ کے سرگرم کارکن رہے، پھر شافعی مسلک اختیار کرکے دینی مسائل کو فلسفیانہ انداز سے مرتب کیا اور تقریباً ۳۰۰ سو کتابیں لکھیں جن میں "مقالات الاسلامین" سب سے زیادہ اہم ہے۔ ۳۲۴ھ بغداد میں آپ کا انتقال ہوا۔

نہ کہ اس تعالیٰ کے فعل کی تجلّی، کیونکہ اس تعالیٰ کے فعل کو جو بے چون و بے چگونہ ہے اور قدیم ہے اور اس تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قائم ہے جس کو "تکوین" کہتے ہیں، محدثات کے آئینے میں اس کی گنجائش نہیں اور ممکنات کے مظاہر میں اس کا کوئی ظہور نہیں ؎

در تنگنائے صورت معنی چگونہ گنجد　　در کلبۂ گدایاں سلطان چہ کار دارد

(صورت کے تنگ گھر میں معنی کہاں سے آئے　　منگتے کی جھونپڑی میں کیوں بادشاہ جائے)

اس فقیر کے نزدیک افعال و صفات کی تجلی، ذات تعالیٰ و تقدس کی تجلی کے بغیر متصور نہیں ہے کیونکہ افعال و صفات، حضرت ذات تعالیٰ و تقدس سے جدا نہیں ہیں تا کہ ان کی تجلّی ذات کی تجلی کے بغیر متصور ہو سکے ———— اور جو کچھ ذات تعالیٰ و تقدس سے جدا ہے وہ اس سبحانہ کی صفات و افعال کے ظلال ہیں، لہٰذا ان کی تجلی افعال و صفات کے ظلال کی تجلی ہوئی نہ کہ افعال و صفات کی تجلّی۔ لیکن ہر شخص کی سمجھ اس کمال تک نہیں پہنچ سکتی: ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ (جمعہ آیت ۶۲) (یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ بہت بڑے فضل والا ہے)۔

عقیدہ (۲) اب ہم اصل بات کی طرف رجوع ہوتے ہیں: کہ اللہ تعالیٰ کسی چیز میں حلول نہیں کرتا اور نہ ہی کوئی چیز اس میں حلول کر سکتی ہے لیکن وہ تعالیٰ "محیطِ اشیاء" ہے (یعنی تمام اشیا کو اپنے احاطہ میں لئے ہوئے ہے) اور ان کے ساتھ قرب و معیت رکھتا ہے، اور وہ احاطہ قرب و معیت ایسا نہیں ہے جو ہماری فہم قاصر میں آ سکے کیونکہ یہ (بات) اس تعالیٰ کی جنابِ قدس کے شایانِ شان نہیں ہے ———— اور (صوفیہ) جو کچھ کشف و شہود سے معلوم کرتے ہیں وہ تعالیٰ اس سے بھی منزّہ ہے۔ کیونکہ ممکن (بشر وغیرہ) کو حق تعالیٰ کی ذات و صفات اور افعال کی حقیقت سے سوائے جہل و نادانی اور حیرت کے کچھ نصیب نہیں ہے۔ غیب پر ایمان لانا چاہئے اور جو کچھ مکشوف و مشہود ہو اس کو "لا" کی نفی کے تحت لانا چاہئے۔ ؎ عقیدہ ۲۶

عنقا شکار کس نشود دام باز چیں　　کایں جا ہمیشہ باد بدست است دام را

(اٹھا لے جال، شکار عنقا محال　　بس یہاں جال کا یہی ہے مآل)

حضرت ایشاں (خواجہ باقی باللہؒ) کی ایک بیت مثنوی کا اس مقام کے مناسب ہے ؎

ہنوز ایوانِ استغنا بلند است | مرا فکرِ رسیدن ناپسند است
قصرِ استغنا تو اونچا ہے ہنوز | سخت مشکل واں پہنچنا ہے ہنوز

پس ہم ایمان لاتے ہیں کہ وہ تعالیٰ "محیطِ اشیاء" (یعنی تمام اشیاء کو محیط ہے) اوران سے قریب ہے، اوران کے ساتھ ہے لیکن اس احاطہ اور قرب ومعیت کے معنی (وحقیقت) اس تعالیٰ کے ساتھ کیا ہیں وہ ہم نہیں جانتے۔ اس کو احاطہ اور قربِ علمی کہنا بھی تاویلات کے تشابہ سے ہے اور ہم اس تاویل کے قائل نہیں ہیں۔

عقیدہ ۳ عقیدہ (۳) اور حق تعالیٰ کسی چیز کے ساتھ متحد نہیں ہے اور اسی طرح کوئی چیز بھی اس سبحانہٗ کے ساتھ متحد نہیں ہوسکتی۔ اور بعض صوفیہ کی عبارات سے جو کچھ اتحاد کا مفہوم لیا جاتا ہے وہ ان کی مراد کے خلاف ہے کیونکہ ان کی مراد اُس کلام سے جس سے اتحاد کا وہم ہوتا ہے اِذَا تَمَّ الْفَقْرُ فَهُوَ اللّٰهُ سے یہ ہے کہ جب فقر تمام ہوجائے اور نیستی محض (فنائیت) حاصل ہوجائے تو اس وقت اللہ تعالیٰ کے سوا کچھ باقی نہیں رہتا، نہ یہ کہ وہ فقیر خدائے تعالیٰ کے ساتھ متحد ہوجاتا ہے اور خدا بن جاتا ہے کیونکہ یہ کفر اور زندقہ ہے تَعَالَى اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ عَمَّا يَتَوَهَّمُ الظَّالِمُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا (اللہ تعالیٰ سبحانہٗ ظالموں کے وہم وگمان سے بہت بلند اور بڑا ہے)۔
—— اور ہمارے حضرت خواجہ (باقی باللہؒ) قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ اَنَا الْحَقُّ سے یہ مراد نہیں ہے کہ "میں حق ہوں" بلکہ مطلب یہ ہے کہ "میں نہیں ہوں حق سبحانہٗ موجود ہے"۔

عقیدہ ۴ عقیدہ (۴) اور تغیر وتبدل کو اُس تعالیٰ کی ذات وصفات اور افعال میں کوئی راہ نہیں ہے فَسُبْحَانَ مَنْ لَّا يَتَغَيَّرُ بِذَاتِهٖ وَلَا بِصِفَاتِهٖ وَلَا فِيْ اَفْعَالِهٖ بِحُدُوْثِ الْاَكْوَانِ (پس پاک ہے وہ ذات جو اپنی ذات وصفات اور افعال میں کائنات (موجودات) کے حدوث (حوادث) سے متغیر نہیں ہوتی) —— اور جو کچھ صوفیہ وجودیہ نے تنزلاتِ خمسہ کے بارے میں اثبات کیا ہے وہ مرتبہ وجوب میں تغیر وتبدل کی قسم سے نہیں ہے کیونکہ وہ کفر وگمراہی ہے بلکہ ان تنزلات کو حق تعالیٰ کے کمال کے ظہورات کے مراتب میں اعتبار کیا ہے بغیر اس بات کے کہ حق تعالیٰ کی ذات وصفات اور افعال میں کوئی تغیر وتبدل راہ پائے۔

عقیدہ ۵ عقیدہ (۵): اور حق تعالیٰ اپنی ذات وصفات اور افعال میں غنی مطلق ہے اور کسی امر (کام) میں بھی کسی چیز کا محتاج نہیں ہے، اور جس طرح وجود میں محتاج نہیں ہے اسی طرح ظہور میں بھی

محتاج نہیں ہے ـــــــ اور یہ جو بعض صوفیہ کی عبارات سے مفہوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ اپنے اسمائی و صفاتی کمالات کے ظہور میں ہمارا محتاج ہے۔ یہ بات فقیر پر بہت گراں ہے بلکہ جانتا ہے کہ ان (مخلوق) کی پیدائش سے مقصود خود ان کے اپنے کمالات کا حاصل ہونا ہے نہ کہ وہ کمال جو حق تعالیٰ و تقدس کی بارگاہ کی طرف عائد ہو سکے۔ آیۂ کریمہ: وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ﴿۵۱ ذاریات آیہ ۵۶﴾ ای لِیَعْرِفُوْنِ (اور میں نے جن و انس کو صرف اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔ یعنی اپنی معرفت کے لئے) اسی مطلب کی تائید کرتی ہے ـــــــ لہٰذا جن و انس کی پیدائش سے مقصود ان کو معرفت کا حصول ہے جو کہ ان کے لئے کمال ہے، نہ یہ کہ ایسا امر جو حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی بارگاہ کی طرف عائد ہو سکے۔ ـــــــ اور یہ جو حدیثِ قدسی میں آیا ہے: فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ لِاُعْرَفَ[1] (میں نے مخلوق کو اس لئے پیدا کیا ہے تاکہ میں پہچانا جاؤں)۔ اس جگہ بھی ان کی اپنی معرفت مراد ہے نہ یہ کہ میں (یعنی حق تعالیٰ) معروف ہو جاؤں اور ان کی معرفت کے توسل سے کمال حاصل کروں۔ تَعَالَی اللّٰهُ عَنْ ذٰلِكَ عُلُوًّا كَبِيْرًا (اللہ تعالیٰ ان باتوں سے بہت بلند اور سب سے بڑا ہے)۔

عقیدۂ (۶): حق تعالیٰ نقص کی تمام صفتوں (اقسام) اور حدوث کے تمام نشانات سے منزہ اور مبرا ہے، جس طرح وہ جسم و جسمانی نہیں ہے مکانی و زمانی بھی نہیں ہے بلکہ تمام صفات کمال اسی کے لئے ثابت ہیں، جن میں سے آٹھ صفاتِ کمال وجودِ ذات تعالیٰ و تقدس پر وجودِ زائد کے ساتھ موجود ہیں۔ اور وہ آٹھ صفات: حیاتؔ ۱، علمؔ ۲، قدرتؔ ۳، ارادہؔ ۴، سمعؔ ۵، بصرؔ ۶، کلامؔ ۷ اور تکوینؔ ۸ (پیدا کرنا) ہیں، اور یہ صفات خارج میں موجود ہیں، اور ایسا نہیں ہے کہ وجودِ ذات پر وجودِ زائد کے ساتھ علم میں موجود ہیں اور خارج میں نفسِ ذات تعالیٰ و تقدس ہیں جیسا کہ بعض صوفیہ وجودیہ نے گمان کیا ہے اور کہا ہے ؎ عقیدہ ۶

از روئے تعقل ہمہ غیر اند صفات ۔۔۔ با ذاتِ تو از روئے تحقق ہمہ عین

(عقل کہتی ہے صفات اغیار ہیں ۔۔۔ سچ یہ ہے وہ ذات میں ہیں عینِ ذات)

کیونکہ اس میں درحقیقت صفات کی نفی ہے اس لئے صفات کی نفی کرنے والے یعنی معتزلہ اور فلاسفہ نے بھی تغائرِ علمی اور اتحادِ خارجی کہا ہے اور تغائرِ علمی سے انکار نہیں کیا اور یہ نہیں کہا کہ علم کا مفہوم عین مفہوم ذات تعالیٰ و تقدس ہے یا عین مفہوم قدرت و ارادہ ہے، بلکہ عینیت وجودِ خارجی کے اعتبار سے کہا ہے۔ لہٰذا جب تک یہ (صوفیہ) وجودِ خارجی کے تغائر کا اعتبار نہ کریں صفات کے انکار

[1] ملا علی قاری نے فرمایا کہ اس کے معنی صحیح ہیں اور آیت "وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون" سے مستفاد ہے۔ (معرب)

کرنے والوں میں سے نہیں نکلتے، کیونکہ تغایرِ اعتباری کچھ نفع نہیں دیتا، کَمَا عَرَفْتَ جیسا کہ تو نے سمجھ لیا۔

عقیدہ (۷) اور حق تعالیٰ قدیم اور ازلی ہے اور اس کے سوا کسی کے لئے "قِدَم و ازل" ثابت نہیں، تمام ملتوں کا اس پر اجماع ہے اور جو شخص بھی حق جل وعلا کے سوا کسی غیر کے قِدَم و ازلیت کا قائل ہوا اس کی تکفیر کی ہے ——— امام غزالیؒ نے اسی وجہ سے ابنِ سینا اور فارابی اور ان جیسے عقائد والوں کی تکفیر کی ہے جو عقول و نفوس کے قِدَم کے قائل ہیں اور ہیولیٰ اور صورت کے قدیم ہونے کا گمان رکھتے ہیں اور آسمانوں کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ان کو بھی قدیم جانتا ہے ——— اور ہمارے خواجہ حضرت (باقی باللہ) قدس سرہ فرماتے تھے کہ "شیخ محی الدین بن العربیؒ کاملین کی ارواح کے قدیم ہونے کے قائل ہیں"۔ اس بات کو ظاہر کی طرف سے پھیر کر تاویل پر محمول کرنا چاہئے تاکہ اہل ملت کے اجماع کے مخالف نہ ہو۔ عقیدہ ۷

عقیدہ (۸) اور حق تعالیٰ قادر مختار ہے۔ ایجاب کی آمیزش اور اضطرار کے گمان سے منزّہ اور مبرّا ہے۔ بے عقل فلاسفہ نے کمال کو ایجاب میں جان کر واجب تعالیٰ سے اختیار کی نفی کر کے اس کے ایجاب کا اثبات کیا ہے، اور ان بے عقلوں نے ذات واجب تعالیٰ و تقدس کو بیکار سمجھا ہے اور سوائے ایک مصنوع کے کہ وہ بھی ایجاب سے ہے زمین و آسمان کے خالق سے صادر نہ جان کر حوادث کے وجود کو عقلِ فعال کی نسبت دی ہے جس کا وجود ان کے وہم کے علاوہ کہیں ثابت نہیں ہے۔ اور ان کے فاسد زعم میں حق سبحانہ' و تعالیٰ سے ان کو کچھ کام نہیں ہے ——— ——— لازمی طور پر چاہئے تھا کہ اضطراب و اضطرار کے وقت اپنی عقلِ فعال کی طرف التجا کرتے اور حضرت حق سبحانہ' کی طرف رجوع نہ کرتے کیونکہ ان کے نزدیک حوادث کے وجود میں اُس تعالیٰ کی کوئی مداخلت نہیں ہے، اور کہتے ہیں کہ عقلِ فعال ہی حوادث کی ایجاد سے تعلق رکھتی ہے بلکہ وہ تو عقلِ فعال سے بھی رجوع نہیں کرتے کیونکہ ان کے نزدیک بلیات کے دفع کرنے میں بھی اس کا اختیار نہیں ہے۔ یہ بدنصیب (فلاسفہ) اپنی بے وقوفی اور حماقت میں فرقہ ضلالہ سے بھی آگے بڑھ گئے حالانکہ کافر بھی بخلاف ان بدبختوں کے حق سبحانہ' و تعالیٰ سے التجا کرتے ہیں اور بلاؤں کے دفعیہ کو اسی تعالیٰ سے طلب کرتے ہیں ——— تمام گمراہ اور بے دین فرقوں کی نسبت ان بدبختوں میں دو چیزیں زیادہ ہیں ایک یہ کہ احکام منزلہ کا کفر اور انکار کرتے ہیں اور عقیدہ ۸

اخبارِ مرسلہ کے ساتھ عداوت و دشمنی رکھتے ہیں، دوسرے یہ کہ اپنے بیہودہ اور واہی مطالب او ر مقاصد کے ثابت کرنے میں بیہودہ مقدمات کو ترتیب دیتے اور جھوٹے دلائل اور باطل شواہد کو عمل میں لاتے ہیں، اپنے مطالب و مقاصد کے ثابت کرنے میں جسقدر ان کو خبط لاحق ہوا ہے اور کسی بے وقوف کو اسقدر لاحق نہیں ہوا ـــــــ آسمان اور ستارے جو ہر وقت بے قرار او ر سر گرداں ہیں اپنے کاموں کا مدار ان کی حرکات اور اوضاع پر رکھا ہے، اور آسمانوں کے خالق اور ستاروں کے موجد و محرک اور مدبر (یعنی اللہ تعالیٰ) کی طرف سے آنکھیں بند کر لی ہیں اور دور از معاملہ سمجھتے ہیں۔ یہ لوگ کیا ہی بے خرد اور کتنے بے وقوف ہیں، اور ان سے بھی زیادہ بے وقوف اور احمق وہ شخص ہے جو ان کو دانا سمجھتا اور عقلمند جانتا ہے ـــــــ ان کے منظم اور منضبط یعنی مرتب کردہ علوم میں سے ایک علم ہندسہ ہے جو محض لایعنی، بیہودہ اور لاطائل ہے۔ بھلا مثلث کے تینوں زاویوں کا دو[۲] زاویۂ قائمہ کے برابر ہونا کس کام آئے گا اور شکلِ عروسی اور ماموتی جو ان کے نزدیک بڑی مشکل اور جانکاہ ہے کس غرض کے لئے ہے ـــــــ علمِ طب و نجوم اور علمِ تہذیبِ اخلاق جو ان کے تمام علوم میں سے بہترین علوم ہیں، انھوں نے گذشتہ انبیاء علیٰ نبینا و علیہم الصلوات والتسلیمات کی کتابوں سے چرا کر اپنے باطل اور بیہودہ علوم کو رائج کیا ہے، جیسا کہ امام غزالیؒ نے اپنے رسالہ "المنقذ عن الضلال" میں اس امر کی تصریح کی ہے۔

اہلِ ملت اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے متبعین اگر دلائل و براہین میں غلطی کریں تو کچھ ڈر نہیں کیونکہ ان کے کام کا مدار انبیاء علیہم الصلواۃ والسلام کی تقلید پر ہے اور اپنے مطالبِ عالیہ کے ثبوت کے لئے دلائل و براہین کو صرف بطور تبرع (بطورِ احسان) لاتے ہیں۔ یہی تقلید ان کے لئے کافی ہے، بخلاف ان بدبختوں کے جو تقلید سے نکل کر صرف دلائل کے ساتھ اپنے مطالب کو ثابت کرنے کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں، ضَلُّوْا فَاَضَلُّوْا (یہ خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا)۔

حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت کی دعوت جب افلاطون[۱] کو پہنچی جو ان بدنصیبوں کا سب سے بڑا سردار ہے تو اس نے کہا: نَحْنُ قَوْمٌ مُّهْتَدُوْنَ لَا حَاجَةَ بِنَا اِلٰى مَنْ يَّهْدِيْنَا (ہم ہدایت یافتہ قوم ہیں اور ہم کو ایسے شخص کی حاجت نہیں ہے جو ہم کو ہدایت دے) ـــــــ ـــــــ اس بے وقوف کو چاہئے تھا کہ ایسے شخص کو جو مُردوں کو زندہ کر دیتا ہے اور مادر زاد اندھے کو

۱؎ مشہور افلاطون کا زمانہ ۴۲۷ قبل مسیح سے ۳۴۷ قبل مسیح تک ہی ہو سکتا ہے کہ حضرت کے زمانے کا افلاطون کوئی اور ہو۔ واللہ اعلم

بینا (دیکھنے والا) اور ابرص (جذامی کوڑھی) کو اچھا کر دیتا ہے، جو (ان کی) حکمت کے قانون سے ناممکن ہے پہلے ان کو دیکھنا اور ان کے حالات دریافت کرنا (پھر جواب دینا) بغیر دیکھے جواب دینا کمال درجہ دشمنی اور کمینہ پن ہے ؎

فلسفہ چوں اکثرش باشد سَفَہ پس کُلِّ آں — ہم سَفَہ باشد کہ حکمِ کُل حکمِ اکثر است

(فلسفہ اکثر سفہ ہے، بس سفہ — کُل کا حکم آخر ہے اکثر کا حکم)

نَجَّانَا اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ عَنْ ظُلُمَاتِ مُعْتَقَدَاتِھِمُ السُّوْءِ (اللہ سبحانہٗ ان کے برے عقائد کی تاریکی سے ہم کو نجات دے) ——— ان ہی ایام میں فرزندی محمد معصوم نے "جواہر شرح مواقف" کو پورا کیا ہے۔ اثنائے سبق میں ان بے وقوفوں (فلاسفہ) کی برائیاں واضح طور پر سامنے آئیں اور ان کی وجہ سے بہت فائدے مترتب ہوئے: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ ھَدٰنَا لِھٰذَا وَمَا کُنَّا لِنَھْتَدِیَ لَوْلَآ اَنْ ھَدٰنَا اللّٰہُ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ (تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے ہم کو ہدایت دی اگر وہ ہم کو ہدایت نہ دیتا تو ہم ہرگز ہدایت نہ پاتے، بیشک ہمارے رب کے رسول حق بات لیکر آئے) (اعراف آیہ ۴۳)

——— اور شیخ محی الدین ابن عربیؒ کی (بعض) عبارتیں بھی ایجاب کی طرف ناظر ہیں اور قدرت کے معنی میں فلسفہ کے ساتھ موافقت رکھتی ہیں کہ اس کے ترک کی صحت قادر (حق تعالیٰ) سے تجویز نہیں کرتے اور فعل کی جانب کو لازم جانتے ہیں۔

عجب معاملہ ہے کہ شیخ محی الدین (اللہ تعالیٰ کے) مقبولین میں سے نظر آتے ہیں لیکن ان کے اکثر علوم جو اہلِ حق کی آراء کے مخالف ہیں خطا اور نادرست ظاہر ہوتے ہیں شاید ان کو خطائے کشفی کے باعث معذور رکھا گیا ہے اور خطائے اجتہادی کی طرح ان سے ملامت دُور کر دی گئی ہے ——— شیخ محی الدین کے حق میں فقیر کا اعتقاد یہی ہے کہ ان کو مقبولین میں سے جانتا ہے اور ان کے ان علوم کو (جو اہلِ حق کے) مخالف ہیں خطا اور ضرر رساں دیکھتا ہے ——— اس گروہ (صوفیہ) کے بعض لوگ ایسے ہیں کہ شیخ (موصوف) کو طعن و ملامت بھی کرتے ہیں اور ان کے علومِ مخالفہ کو بھی غلط اور نادرست سمجھتے ہیں۔ اور اس گروہ کے بعض لوگ شیخ (موصوف) کی تقلید اختیار کر کے ان کے تمام علوم کو درست جانتے ہیں اور دلائل و شواہد سے ان علوم کی حقیقت کو ثابت کرتے ہیں۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ان ہر دو فریق نے افراط و تفریط کا راستہ اختیار کیا ہے

اور میانہ روی سے دُور ہو گئے ہیں ——— شیخ (موصوف) کو جو کہ اولیائے مقبولین میں سے ہیں خطائے کشفی کے باعث کس طرح رد کر دیا جائے اور ان کے علوم کو جو کہ صحت و صواب سے دُور ہیں اور اہلِ حق کی رائے کے مخالف ہیں تقلید کی وجہ سے کس طرح قبول کیا جا سکتا ہے: فَالْحَقُّ هُوَ التَّوَسُّطُ الَّذِیْ وَفَّقَنِیَ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ بِمَنِّهٖ وَكَرَمِهٖ (پس حق اسی میانہ روی میں ہے جس کی توفیق اللہ سبحانہٗ نے اپنے فضل و کرم سے مجھے بخشی ہے)۔

مسئلہ وحدت الوجود ہاں مسئلہ "وحدت الوجود" میں اس گروہ (صوفیہ) کی ایک بڑی جماعت شیخ کے ساتھ شریک ہے اگرچہ شیخ (موصوف) اس مسئلہ میں بھی ایک خاص طرز رکھتے ہیں لیکن اصل بات میں وہ سب لوگ (شیخ کے ساتھ) شریک ہیں۔ یہ مسئلہ بھی اگرچہ ظاہر میں اہلِ حق کے عقائد کے مخالف ہے لیکن توجیہ کے قابل اور تطبیق دینے کے لائق ہے ——— اس فقیر نے اللہ سبحانہٗ کی عنایت سے ہمارے حضرت (خواجہ باقی باللہؒ) کی "شرح رباعیات" کی شرح میں اس مسئلہ کو اہلِ حق کے عقائد کے ساتھ تطبیق دی ہے اور فریقین کے نزاع کو لفظ کی طرف پھیرا ہے (یعنی نزاعِ لفظی ثابت کیا ہے) اور طرفین کے شکوک و شبہات کو اس طرح حل کیا ہے کہ اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہی: كَمَا لَا يَخْفٰى عَلَى النَّاظِرِ فِيْهِ (جیسا کہ اس کے دیکھنے والے پر پوشیدہ نہیں ہے)۔

عقیدہ ۹ عقیدہ (۹) جاننا چاہئے کہ تمام ممکنات خواہ جواہر ہوں یا اعراض، خواہ اجسام و عقول ہوں یا نفوس، افلاک ہوں یا عناصر، سب اسی قادر مختار کی ایجاد کئے ہوئے ہیں جو ان کو یہاں خانۂ عدم سے معرضِ وجود میں لایا ہے، اور جس طرح یہ سب اپنے وجود میں اس تعالیٰ کے محتاج ہیں اسی طرح بقا (باقی رہنے) میں بھی اس سبحانہٗ کے محتاج ہیں، اور اُس نے اسباب و وسائل کے وجود کو اپنے فعل کا روپوش بنا دیا ہے اور حکمت کو اپنی قدرت کے پردے بنا دیئے ہیں: یہی نہیں بلکہ اسباب کو اپنے فعل کے ثبوت کے دلائل قرار دے کر حکمت کو اپنی قدرت کے وجود کا وسیلہ فرمایا ہے کیونکہ وہ عقلمند حضرات جنھوں نے حضرات انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی متابعت میں اپنی بصیرت کو سرمگیں اور روشن کر لیا ہے وہ جانتے ہیں کہ اسباب و وسائل اپنے وجود و بقا میں اس سبحانہٗ کے محتاج ہیں اور اپنا ثبوت و قیام اسی تعالیٰ و تقدس سے اور اسی کے ساتھ رکھتے ہیں۔ ورنہ حقیقت میں وہ جمادِ محض ہیں، وہ کس طرح دوسرے میں جو وہ بھی ان کے مثل (جماد) ہے

اثر انداز ہو سکتے ہیں اور ان میں احداث و اختراع کس طرح کر سکتے ہیں (ہر گز نہیں) بلکہ ان کے علاوہ اور قادر ہے جو ان کو ایجاد کرتا ہے اور ہر ایک کے لائق و مناسب کمالات ان کو عطا فرماتا ہے جیسا کہ عقلمند آدمی جمادِ محض سے فعل کو دیکھ کر اس کے فاعل اور محرک کا سراغ لگا لیتے ہیں کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ یہ فعل اس (جماد) کے حال کے لائق نہیں ہے بلکہ اس کے علاوہ کوئی اور فاعل ہے جو اس فعل کو اس میں ایجاد کرتا ہے، لہذا عقلمندوں کے نزدیک جماد کا فعل، فاعلِ حقیقی کے فعل کا روپوش ہونا ثابت نہیں ہوا۔ بلکہ اس کی جمادیت کی طرف نظر کرنے کے لحاظ سے اس کا وہ فعل فاعلِ حقیقی کے وجود پر دلیل ہو گیا۔ پس یہاں بھی اسی طرح ہے ——

البتہ اس بے وقوف کے فہم میں جماد کا فعل فاعلِ حقیقی کے فعل کا روپوش بن گیا جس نے اپنی حد درجہ بے وقوفی کی وجہ سے جمادِ محض کو اس ظاہری فعل کے سبب صاحبِ قدرت جان لیا ہے اور فاعلِ حقیقی کا منکر ہو گیا ہے: يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا (بقرہ آیت ۲۶) (گمراہ کرتا ہے اس سے بہت لوگوں کو اور ہدایت کرتا ہے اس سے بہت لوگوں کو)

یہ معرفت "مشکوٰۃِ نبوت" سے مقتبس ہے لیکن ہر شخص کی فہم اس تک نہیں پہنچتی۔ ایک جماعت اس کمال کو اسباب کے دور کرنے میں جانتی ہے اور شروع ہی سے چیزوں کو بغیر اسباب کے توسط کے حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی طرف منسوب کرتی ہے اور نہیں جانتے کہ اسباب کے رفع کرنے میں حکمت ختم ہو جاتی ہے جس کے ضمن میں بہت سی مصلحتیں مدِنظر ہیں: رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا (آل عمران آیت ۱۹۱) (اے ہمارے رب! تو نے یہ سب بیکار اور بے فائدہ پیدا نہیں کیا)۔

انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات بھی اسباب کی رعایت کرتے ہیں اور (باوجود اس رعایت کے) اپنے کام کو حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی مراعات سے جانتے ہیں جیسا کہ حضرت یعقوب علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے نظرِ بد لگ جانے کے خیال سے اپنے لڑکوں کو وصیت فرمائی تھی: يٰبَنِيَّ لَا تَدْخُلُوْا مِنْۢ بَابٍ وَّاحِدٍ وَّادْخُلُوْا مِنْ اَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ (یوسف آیت ۶۷) (اے میرے بیٹو! تم ایک دروازہ سے داخل نہ ہونا بلکہ متفرق دروازوں سے داخل ہونا)۔

اور (حضرت یعقوبؑ نے) اس احتیاطی تدبیر کی رعایت کے باوجود اپنے حکم کو جل سلطانہٗ کے سپرد کر کے فرمایا: وَمَآ اُغْنِيْ عَنْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ۭ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ۭ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۚ وَعَلَيْهِ

فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ (یوسف ۱۲ آیت ۶۷) (میں تم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کچھ بھی نہیں بچا سکتا۔ بیشک حکم صرف اللہ تعالیٰ ہی کا ہے اسی پر میں نے توکل (بھروسہ) کیا اور اسی پر توکل کرنے والوں کو توکل کرنا چاہیے) ——— اور حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے ان کی اس معرفت کو پسند فرما کر اس بات کو اپنی طرف منسوب کر کے فرمایا: وَاِنَّهٗ لَذُوْ عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ (یوسف ۱۲ آیت ۶۸) (اور وہ (حضرت یعقوبؑ) بیشک بہت ہی صاحبِ علم تھے اس لئے کہ ہم نے ان کو اپنے پاس سے علم سکھایا تھا لیکن اکثر لوگ اس بات کو نہیں جانتے) ——— اور حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے قرآن مجید میں ہمارے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی اسباب کے واسطہ کا اشارہ فرمایا ہے: يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (انفال آیت ۶۴) (اے نبی! آپ کے لئے اللہ تعالیٰ کافی ہے اور وہ مومنین بھی جو آپ کی اتباع کرتے ہیں)۔

باقی رہا یہ کہ اسباب کی تاثیر روا ہے کیونکہ بعض اوقات حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ اسباب میں بھی تاثیر فرما دیتا ہے تاکہ وہ موثر ہو جائے، اور بعض اوقات ان میں تاثیر پیدا نہیں فرماتا لہٰذا ناچار اس کا کوئی اثر مرتب نہیں ہوتا۔ چنانچہ ہم (روزمرہ) اسباب میں اس حقیقت کا مشاہدہ کرتے ہیں کہ کبھی ان اسباب پر مسببات کا وجود مرتب ہوتا ہے اور کبھی کوئی اثر ان سے ظاہر نہیں ہوتا۔ اسباب کی تاثیر سے مطلقاً انکار کرنا لغو و باطل ہے: تاثیر کو ماننا چاہیئے لیکن اس تاثیر کو بھی اس کے سبب کی طرح حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی ایجاد سے جاننا چاہیئے۔ فقیر کی رائے اس مسئلہ میں یہی ہے، وَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ الْمُلْهِمُ (جیسا کہ اللہ سبحانہ نے الہام فرمایا)

اس بیان سے واضح ہو گیا کہ اسباب کا واسطہ توکل کے منافی نہیں ہے جیسا کہ ناقصوں نے خیال کیا ہے بلکہ اسباب میں توسط کا خیال کرنا "کمالِ توکل" ہے۔ جیسا کہ حضرت یعقوب علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسباب کو مدِ نظر رکھتے ہوئے معاملہ کو حق جل وعلا کے سپرد کرنے کو توکل فرمایا عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ (یوسف ۱۲ آیت ۶۷) (اسی پر میں نے توکل کیا اور اسی پر توکل کرنے والوں کو توکل (بھروسہ) کرنا چاہیے)۔

عقیدہ (۱۰) اور حق تعالیٰ خیر و شر کا ارادہ کرنے والا بھی ہے اور دونوں (خیر و شر) کا پیدا کرنے والا بھی، لیکن وہ خیر سے راضی ہوتا ہے اور شر سے ناراض۔ ارادہ اور رضا کے درمیان یہ ایک بڑا باریک عقیدہ ۱۰

اور دقیق فرق ہے جس کی طرف حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے اہلِ سنت کو ہدایت عطا فرمائی ہے۔ باقی تمام فرقے اس فرق کو نہ سمجھنے کی وجہ سے گمراہی میں مبتلا ہو گئے ہیں ـــــ اسی وجہ سے معتزلہ نے بندہ کو اپنے افعال کا خالق کہا ہے اور کفر و معاصی کی ایجاد کو اس (بندہ) سے منسوب کیا ہے ــــ ـــــــ شیخ محی الدینؒ اور ان کی پیروی کرنے والوں کے کلام سے یہ مفہوم پیدا ہوتا ہے کہ "جس طرح ایمان وعمل صالح "اسم الہادی" کے پسندیدہ ہیں اسی طرح کفر و معاصی بھی "اسم المضل" کے پسندیدہ ہیں" ـــــــ (شیخ کی) یہ بات بھی اہلِ حق کے خلاف ہے اور ایجاب کی طرف میلان رکھتی ہے جو رضا کا متنا ہوتی ہے۔ جیسا کہ کہتے ہیں کہ آفتاب کا کام ضو فشانی (روشنی پھیلانا) ہے اور اس میں اس کی مرضی شامل ہے۔ اور حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے اپنے بندوں کو قدرت وارادہ عطا کیا ہے کہ اپنے اختیار سے اپنے افعال کا کسب کرتے ہیں۔ افعال کا پیدا کرنا حق سبحانہٗ کی طرف منسوب ہے اور ان افعال کا کسب بندوں کی جانب منسوب ہے۔ اللہ سبحانہٗ کی عادت اسی طرح جاری ہے کہ بندہ جب اپنے فعل کا ارادہ کرتا ہے تو حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ اس فعل کو پیدا کر دیتا ہے۔ چونکہ بندہ کا فعل اپنے اختیار سے صادر ہوتا ہے اس لئے لازمی طور پر اس کی تعریف اور برائی، ثواب اور عذاب بھی اسی سے متعلق ہو جاتا ہے ـــــــ اور جنھوں نے یہ کہا ہے کہ بندے کا اختیار کمزور اور ضعیف ہے اگر حق سبحانہٗ کی قوتِ اختیار کے اعتبار سے (اس بندے کے اختیار) کو ضعیف کہا ہے تو مسلم ہے اور اگر اس معنی میں کہا گیا ہے کہ جس کام کے کرنے میں اس کو مامور کیا گیا ہے وہ (قوت واختیار) کافی نہیں ہے، تو یہ بات صحیح نہیں: فَاِنَّ اللّٰہَ سُبْحَانَہٗ لَا یُکَلِّفُ بِمَا لَیْسَ فِیْ وُسْعِہٖ بَلْ یُرِیْدُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ الْعُسْرَ (پس بیشک اللہ سبحانہٗ ایسے کام کی تکلیف نہیں دیتا جو بندے کی وسعت سے باہر ہو بلکہ وہ تو آسانی کا ارادہ کرتا ہے اور تنگی کا ارادہ نہیں کرتا)۔

خلاصۂ کلام یہ کہ "فعلِ موقّت" (چند روزہ زندگی کے فعل) پر جزائے مخلد (دائمی عذاب) کا مقرر کرنا حق تعالیٰ کے حوالہ ہے، جس نے "کفرِ موقت" کی سزا اس کے اعمال کے موافق "عذابِ مخلّد" فرمائی۔ اور "تلذذاتِ دائمی" (یعنی بہشت اور جو کچھ اس میں ہے) کو "ایمانِ موقت" (زندگی بھر کے ایمان) پر وابستہ کر دیا، ذٰلِکَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْحَکِیْمِ (یہ عزیز و حکیم کا مقرر کردہ ہے)۔

اللہ سبحانہٗ کی توفیق سے اس قدر تو ہم جانتے ہیں کہ حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ جو ظاہری

اور باطنی نعمتوں کا دینے والا اور آسمان و زمین کا پیدا کرنے والا ہے اور جس کی بارگاہِ قدس کے لئے ہر قسم کی بزرگی اور کمال ثابت ہے، اس کی نسبت کفر اختیار کرنے کی سزا بھی ایسی ہی ہونی چاہیے جو سخت ترین سزاؤں میں سے ہو، اور وہ ہمیشہ عذاب میں رہتا ہے۔ اور اسی طرح اس منعم بزرگ و برتر پر ایمان بالغیب لانا اور نفس و شیطان کی مزاحمت کے باوجود اس کو راست گو جاننے کی جزا بھی ویسی ہی ہونی چاہیے جو سب جزاؤں سے بہتر اور اعلیٰ درجہ کی ہو اور وہ دائمی نعمت و لذات میں رہتا ہے۔

بعض مشائخ نے فرمایا ہے کہ "درحقیقت بہشت میں داخل ہونا محض حق سبحانہٗ کے فضل پر موقوف ہے، اور اس کو ایمان کے ساتھ مربوط کرنا اس وجہ سے ہے کہ اعمال کی جزا لذیذ ترین معلوم ہو۔" ـــــ لیکن اس فقیر کے نزدیک حقیقتاً بہشت میں داخل ہونا ایمان کی وابستگی پر موقوف ہے لیکن ایمان بھی اس سبحانہٗ و تعالیٰ کا فضل اور عطیہ ہے ـــــ اور جہنم میں داخل ہونا کفر کے ساتھ وابستہ ہے اور کفر نفسِ امارہ کی خواہشات سے پیدا ہوتا ہے: مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ (نساء آیت ۷۹) (جو کچھ بھلائی تجھ کو پہنچتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور جو کچھ برائی تجھ کو پہنچتی ہے وہ تیرے نفس کی طرف سے ہے)

جاننا چاہیے کہ بہشت کے داخلہ کو ایمان کے ساتھ مربوط کرنا حقیقت میں ایمان کی تعظیم و تکریم ہے بلکہ "مومَن بہ" (جس پر ایمان لایا گیا) کی تعظیم ہے جس پر اسقدر بڑا عظیم الشان اجر مرتب ہوا ہے ـــــ اور اسی طرح دوزخ میں داخل ہونے کو کفر کے ساتھ وابستہ کرنے میں کفر کی تحقیر ہے، اور اس ذات کی تعظیم ہے جس کی نسبت یہ کفر وقوع میں آیا اور اس طور پر دائمی عذاب اس پر مترتب ہوا ـــــ برخلاف اس بات کے جو بعض مشائخ نے کہی ہے وہ اس دقیقہ سے خالی ہے۔ اور نیز دوزخ میں داخل ہونا بھی اتصاف کے تقاضے پر ہے اور کوئی مثال اس طرح پر جاری نہیں ہے۔ کیونکہ جہنم میں داخل ہونا حقیقت میں کفر کے ساتھ مربوط ہے۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ الْمُلْهِمُ. هٰذَا ۔ (اللہ سبحانہٗ ہی الہام فرمانے والا ہے) اس کو یاد رکھیں

عقیدہ (۱۱) اور حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ کو مومنین آخرت میں بے جہت، بے کیف اور بے شبہ و بے مثال جنت میں دیکھیں گے ـــــ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے کہ جس میں اہل سنت کے علاوہ تمام اہلِ ملت اور غیر اہل ملت سب اس کے منکر ہیں اور بے جہت و بے کیف رویت کو

جائز نہیں سمجھتے. حتیٰ کہ شیخ محی الدین بن العربیؒ بھی آخرت کی رویت کو "تجلیِ صوری" کے ساتھ بیان کرتے ہیں اور اس تجلیٔ صوری کے علاوہ کچھ تجویز نہیں کرتے ـــــــــ ایک روز ہمارے حضرت (خواجہ باقی باللہؒ) شیخ سے نقل کرتے تھے کہ اگر معتزلہ رویت کو تنزیہ کے مرتبہ میں مقید نہ کرتے اور تشبیہ کے بھی قائل ہو جاتے اور اسی رویت کو تجلیٔ (صوری) سمجھ لیتے تو ہرگز رویت کا انکار نہ کرتے اور محال نہ سمجھتے. یعنی ان کا انکار بے جہتی اور بے کیفی کی وجہ سے ہے جو مرتبۂ تنزیہ کے ساتھ مخصوص ہے. بخلاف اس تجلی کے جس میں جہت اور کیف ملحوظ رکھا جاتا ہے۔

ـــــــــ یہ بات پوشیدہ نہ رہے کہ آخرت کی رویت کو تجلی صوری کی طرح بیان کرنا فی الحقیقت خاص رویت کا انکار کرنا ہے کیونکہ وہ تجلیٔ صوری اگرچہ دنیاوی تجلیاتِ صوریہ سے مختلف ہے لیکن حق تعالیٰ کی رویت نہیں ہے ؎

یَرَاہُ الْمُؤْمِنُوْنَ بِغَیْرِ کَیْفٍ وَاِدْرَاکٍ وَضَرْبٍ مِّنْ مِّثَالٍ

(جنتی کو دیدِ حق کی ہوگی سیر کیف و ادراک اور مثالوں کے بغیر)

عقیدہ (۱۲) انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی بعثت عالم (تمام جہان) کے لئے سراسر رحمت ہے [عقیدہ ۱۲]
اگر ان بزرگواروں کے وجود کا وسیلہ نہ ہوتا تو ہم جیسے گمراہوں کو ذات و صفات واجب الوجود تعالیٰ و تقدس کی معرفت کی طرف کون ہدایت فرماتا اور ہمارے مولا جل شانہٗ کی مرضیات و نامرضیات والی چیزوں میں کون تمیز کراتا، اور ہماری ناقص عقلیں ان (بزرگواروں) کے نورِ دعوت کی تائید کے بغیر اس کے سمجھنے سے معزول و بیکار ہیں اور ہمارے افہامِ ناتمام ان بزرگواروں کی تقلید کے بغیر اس معاملہ میں عاجز و بے بس ہیں ـــــــــ بیشک عقل اگرچہ ایک حجت (دلیل) ہے لیکن یہ ایک ناتمام حجت ہے جو مرتبۂ بلوغ تک نہیں پہنچی ہے. "حجتِ بالغہ" (دلیلِ کامل) انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی بعثت ہے جس پر آخرت کا دائمی عذاب و ثواب وابستہ ہے۔

سوال:۔ جب آخرت کا دائمی عذاب بعثت پر موقوف ہے تو پھر بعثت کو "رحمتِ عالمیان" کہنا کیا معنی ہوگا۔

جواب: بعثتِ (انبیاءؑ) عین رحمت ہے کیونکہ واجب الوجود تعالیٰ و تقدس کی ذات و صفات کی معرفت کا سبب ہے جس میں دنیا و آخرت کی سعادتیں شامل ہیں۔ اور بعثتِ (انبیاءؑ) کی دولت کی وجہ سے

معلوم ہو گیا کہ فلاں چیز حق تعالیٰ کی بارگاہ قدس کے مناسب ہے اور فلاں نامناسب۔ کیونکہ ہماری لنگڑی اور اندھی عقل امکان و حدوث کے داغ سے داغدار ہے' وہ کیا سمجھے کہ اس حضرتِ وجوب کے لئے جس کے واسطے قدم لازم ہے اس کے اسماء و صفات اور افعال میں سے کون سے مناسب ہیں اور کون سے نامناسب' تاکہ ان مناسب (اسماء و صفات) کا اطلاق کیا جائے اور نامناسب سے پرہیز کیا جائے۔ بلکہ اوقات (ہماری اندھی عقل) اپنے نقص کی وجہ سے کمال کو نقص جانتی ہے اور نقص کو کمال سمجھنے لگتی ہے ———— فقیر کے نزدیک یہ (مناسب و نامناسب کا) امتیاز تمام ظاہری اور باطنی نعمتوں سے بڑھ کر ہے۔ وہ شخص بڑا ہی بدبخت ہے جو نامناسب امور کو اس تعالیٰ کی پاک بارگاہ کی طرف منسوب کر دے اور ناشائستہ چیزوں کو حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ کے ساتھ نسبت دے ———— یہ بعثتِ (انبیاء) ہی کا کارنامہ ہے جس نے حق کو باطل سے جدا کر دیا بعثت ہی کی وجہ سے غیر مستحقِ عبادت اور مستحقِ عبادت (حق جل و علا) کے درمیان تمیز قائم کی۔ یہ بعثت ہی ہے کہ جس کے ذریعے حق جل و علا کے راستے کی طرف دعوت دی جاتی ہے جو بندوں کو مولےٰ جل سلطانہ کے قرب اور وصل کی سعادت تک پہنچاتی ہے۔ اور بعثت ہی کے وسیلے سے مولیٰ جل شانہٗ کی مرضیات کی اطلاع میسر ہوتی ہے۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ———— بعثت ہی کے طفیل اس تعالیٰ کی ملک میں تصرف کا جواز و عدم جواز کی تمیز حاصل ہوتی ہے۔ اور بعثت کے فوائد کی شالیں بکثرت ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ انبیاء کی بعثت سراپا رحمت ہے۔ اور جو شخص اپنے نفسِ امارہ کا مطیع ہو گیا اور شیطانِ لعین کے حکم سے بعثت کا انکار کرتا ہے اور بعثت کے تقاضوں کے مطابق عمل نہیں کرتا تو اس میں بعثت کا کیا گناہ، اور بعثت کس طرح رحمت نہ ہو گی۔

سوال: ہر چند عقل اپنی ذات کی حد تک احکامِ الٰہی جل شانہٗ کی بجا آوری میں ناقص و ناتمام ہے لیکن ایسا کیوں نہیں ہو سکتا کہ تصفیہ اور تزکیہ حاصل ہونے کے بعد عقل کو مرتبۂ وجوب تعالیٰ و تقدس کے ساتھ ایک بے تکیف مناسبت اور اتصال پیدا ہو جائے کہ جس مناسبت اور اتصال کے سبب وہ احکام کو وہاں سے اخذ کرلے اور اس کو اس بعثت کی جو فرشتے کے واسطے سے ہے کوئی حاجت نہ رہے۔

جواب: اگرچہ عقل یہ مناسبت اور اتصال پیدا کر لے لیکن وہ تعلق جو اس کا جسمانی بدن کے ساتھ ہے وہ بالکل ختم نہیں ہوتا اور کامل طور پر علیحدگی حاصل نہیں ہوتی' لہٰذا قوتِ واہمہ ہمیشہ

دامنگیر رہتی ہے اور قوتِ متخیلہ ہرگز اس کا خیال نہیں چھوڑتی، اور قوتِ غضبیہ و شہویہ ہمیشہ اس کے ساتھ رہتی ہے، اور حرص و لالچ کے رذائل ہر وقت اس کے ہمنشین رہتے ہیں، سہو و نسیان جو نوعِ انسانی کی لوازمات میں سے ہیں اس کی عقل سے مکمل طور پر جدا نہیں ہوتے، اور غلطی و خطا جو اس جہان کا خاصہ ہے اس سے جدا نہیں ہوتے۔ لہٰذا عقل اعتماد کے لائق نہیں ہے، اور اس سے ماخوذ احکام وہم اور تصرفِ خیال کے غلبہ سے محفوظ نہیں رہتے اور نسیان و خطا کے گمان کی آمیزش سے محفوظ نہیں رہتے، برخلاف فرشتے کے کہ وہ ان اوصاف سے پاک اور ان رذائل سے مبرا ہے تو لازماً وہ اعتماد کے قابل ہے اور اس سے ماخوذ احکام وہم و خیال کی آمیزش اور نسیان و خطا کے گمان سے محفوظ ہیں۔

اور بعض اوقات وہ علوم جو تلقیٔ روحانی (القائے روحانی) سے اخذ کئے ہوئے ہوتے ہیں ان کے متعلق تبلیغ کے دوران ایسا محسوس ہوتا ہے کہ قویٰ و حواس کے ساتھ بعض مقدماتِ مسلّمہ غیر صادقہ جو وہم و خیال یا کسی اور ذریعہ سے حاصل ہوئے ہیں بے اختیار ان علوم کے ساتھ اس طرح خلط ملط ہو جاتے ہیں کہ اس وقت ہرگز تمیز ممکن نہیں رہتی، اور دوسرے وقت میں ایسا ہوتا ہے کہ اس تمیز کا علم دیدیا جاتا ہے اور کبھی نہیں دیا جاتا۔ لہٰذا لازمی طور پر وہ علوم ان مقدمات کے مل جانے کی وجہ سے کذب کی ہیئت پیدا کر لیتے ہیں اور اعتماد کے قابل نہیں رہتے —— تاہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ تصفیہ اور تزکیہ کا حاصل ہونا "اعمالِ صالحہ" کے بجا لانے پر موقوف ہے جو "مرضیاتِ مولیٰ سبحانہ" ہیں۔ اور یہ معنی بعثتِ (انبیاء) پر وابستہ ہیں، جیسا کہ بیان ہو چکا۔

لہٰذا ثابت ہوا کہ بعثت کے بغیر تصفیہ اور تزکیہ کی حقیقت میسر نہیں ہوتی اور وہ صفائی جو کفار اور اہلِ فسق کو حاصل ہوتی ہے وہ نفس کی صفائی ہے نہ کہ قلب کی صفائی۔ اور نفس کی صفائی سوائے گمراہی کے کچھ نہیں بڑھاتی، اور سوائے نقصان کے اور کچھ ہاتھ نہیں آتا —— اور بعض غیبی امور کا کشف جو صفائی نفس کے وقت کفار اور اہلِ فسق کو حاصل ہو جاتا ہے وہ استدراج ہے جس سے مقصود اس جماعت کی خرابی اور نقصان ہے: نَجَّانَا اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ عَنْ ھٰذِہِ الْبَلِیَّۃِ بِحُرْمَۃِ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ عَلَیْہِ وَعَلَیْھِمُ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاٰلِ کُلٍّ (اللہ سبحانہٗ حضرت سید المرسلین علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات وعلیٰ آلہٖ کے طفیل ہم کو اس بلا سے نجات دے)

اس تحقیق سے واضح ہو گیا کہ تکلیفِ شرعی جو بعثتِ (انبیاء) کی راہ سے ثابت ہوئی ہے وہ بھی

رحمت ہی ہے، نہ کہ جس طرح تکلیفِ شرعی کے منکروں یعنی ملحدوں اور زندیقوں نے گمان کیا ہے اور تکلیفِ شرعی کو مصیبت جان کر غیر معقول اور ناپسند قرار دیا ہے اور کہتے ہیں کہ یہ کون سی مہربانی ہے کہ بندوں کو امورِ شاقہ کی تکلیف دی جائے پھر ان سے کہا جائے کہ اگر تم اس تکلیف کے مطابق عمل کرو گے تو بہشت میں جاؤ گے اور اگر اس کے خلاف کرو گے تو دوزخ میں جاؤ گے، ان کو ایسے امور کی کیوں تکلیف دیتے ہیں اور ان کو کیوں نہیں چھوڑ دیتے کہ کھائیں پئیں اور سوئیں، اور جس طرح چاہیں اپنے طور پر زندگی بسر کریں ——— (یہ منکرین) بدنصیب اور بے عقل یہ نہیں جانتے کہ از روئے عقل "شکرِ منعم" ادا کرنا واجب ہے اور یہ تکلیفاتِ شرعیہ اس شکر کے بجالانے کا بیان ہے۔ لہٰذا تکلیفِ (شرعی) عقل کی رو سے بھی واجب ہے۔ اور اسی طرح "نظامِ عالم" "تکلیفاتِ شرعی" کے ساتھ وابستہ ہے ——— اگر ہر ایک کو اس کے حال پر چھوڑ دیا جاتا تو سوائے شرارت و فساد کے کچھ ظہور میں نہ آتا، اور ہر بوالہوس دوسرے کے جان و مال میں دست درازی کرتا اور خباثت و شرارت سے پیش آتا، اس طرح خود بھی ضائع ہوتا اور دوسروں کو ضائع کرتا۔ عِیَاذًا بِاللّٰہِ سُبْحَانَہٗ اگر سختی اور شرعی موانع حائل نہ ہوتے تو معلوم نہیں کہ کس قدر شرارت و فساد ظاہر ہوتا۔ وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يَّا اُولِي الْاَلْبَابِ (بقرہ ۲ آیت ۱۷۹) (اے عقلمندو! تمہارے لئے قصاص میں ہی زندگی ہے) (نص قاطع ہے) ؎

اگر چوبِ حاکم نباشد ز پے — کند زنگئے مست در کعبہ قے

(اگر چوبِ حاکم کا ہوتا نہ خوف — شرابی تو کعبے میں کر دیتا قے)

یا ہم یہ کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ زمین و آسمان اور ہر چیز کا خود مختار مالک ہے اور (تمام) بندے اس سبحانہ کے مملوک اور غلام ہیں۔ لہٰذا جو حکم و تصرف وہ ان میں فرماتا ہے وہ عین خیر و صلاح ہے اور ظلم و فساد کی آمیزش سے منزّہ و مبرّا ہے۔ لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ (انبیا ۲۱ آیت ۲۳) (وہ جو کچھ کرتا ہے اس سے کوئی نہیں پوچھ سکتا) ؎

کرا زہرۂ آنکہ از بیمِ تو — کشاید زباں جز بہ تسلیمِ تو

(ترے خوف سے کس کو ہے حوصلہ — کہ تسلیم سے ہٹ کے کھولے زباں)

اگر وہ سب کو دوزخ میں ڈال دے اور دائمی عذاب کا حکم فرمائے تو کسی کو اعتراض کی کیا مجال ہے اور یہ غیر کی ملک میں تصرف نہیں ہے کہ اس میں ظلم و ستم کا شائبہ ہو۔ برخلاف ہماری املاک کے جو فی الحقیقت اسی سبحانہٗ کی املاک ہیں۔ ان املاک میں تمام تصرفات (سوائے ان کے جو جائز ہیں)

عین ستم ہیں۔ کیونکہ صاحب شرع نے بعض مصالح کی بنا پر ان املاک کی نسبت ہماری طرف کردی ہے لیکن حقیقت میں وہ سب اسی سبحانہٗ کی ملکیت ہیں۔ لہذا ان میں ہمارا تصرف اسی قدر جائز ہے جس قدر مالک علی الاطلاق (بالکلیہ مالک حق تعالیٰ) نے اس میں تصرف کی اجازت دی اور مباح فرمایا ——

—— کیونکہ ان بزرگواروں (یعنی انبیاء) علیہم الصلوات والتسلیمات نے حق جل وعلا کے احکام کے بارے میں خبریں دی ہیں، اور جو احکام بیان فرمائے ہیں وہ سب سچے اور واقعہ کے مطابق ہیں —— (علماء نے) احکامِ اجتہادیہ میں ان بزرگوار (پیغمبران) علیہم الصلوات والتسلیمات والتحیات سے اگرچہ خطا کو تجویز کیا ہے لیکن خطا کے برقرار رکھنے کو ان کے حق میں جائز نہیں رکھا اور فرمایا ہے کہ: ان کو ان کی خطا پر جلدی متنبہ کردیتے ہیں اور ان کی خطا کا تدارک صواب سے کردیتے ہیں: فَلَا اِعْتِدَادَ بِذٰلِکَ الْخَطَاءِ (لہذا یہ خطا کسی گنتی میں نہیں ہے)۔

عقیدہ (۱۳)۔ اور قبر کا عذاب خاص طور پر کافروں کے لئے اور بعض گنہگار اہلِ ایمان کے لئے "حق" ہے کیونکہ مخبرِ صادق علیہ وعلی آلہ الصلوات والتسلیمات نے اس کی خبر دی ہے۔ عقیدہ ۱۳

عقیدہ (۱۴) اور قبر میں مؤمنوں اور کافروں سے منکر نکیر کا سوال بھی "حق" ہے۔ کیونکہ دنیا اور آخرت کے درمیان "قبر" ایک برزخ ہے۔ اس کا عذاب بھی ایک وجہ سے دنیاوی عذاب سے مناسبت رکھتا ہے اور انقطاع پذیر (ختم ہونے والا) ہے، اور دوسری وجہ سے اس کو عذابِ اخروی کے ساتھ مناسبت ہے کیونکہ وہ حقیقت میں آخرت کے عذابوں میں سے ہے۔ آیتِ کریمہ: اَلنَّارُ یُعْرَضُوْنَ عَلَیْہَا غُدُوًّا وَّعَشِیًّا (مومن آیت ۴۶) (وہ صبح وشام آگ (دوزخ) پر پیش کئے جاتے ہیں) نَزَلَتْ فِیْ عَذَابِ الْقَبْرِ (یہ آیت عذاب قبر کے متعلق نازل ہوئی ہے) —— اور اسی طرح قبر کی راحت بھی دو حیثیتیں رکھتی ہے وہ شخص بہت ہی سعادتمند ہے جس کی لغزشوں اور گناہوں کو کمال کرم اور مہربانی سے معاف فرمادیں اور ہرگز اس سے مواخذہ نہ کریں، اور اگر مقامِ مواخذہ میں آجائے تو بھی اپنی کمالِ رحمت سے دنیاوی آلام ومصائب کی تکالیف کو اس کے گناہوں کا کفارہ قرار دیدیں۔ اور اگر کچھ باقی رہ جائے تو قبر کی تنگی اور ان تکلیفوں کو جو اس مقام میں مقرر ہیں ان سے کفارہ کردیں تاکہ پاک وپاکیزہ ہوکر حشر میں مبعوث ہو۔ اور جس کسی کے لئے ایسا نہ کریں اور اس کا مواخذہ آخرت پر چھوڑ دیں تو یہ بھی عین عدل ہے۔ لیکن گنہگاروں اور شرمساروں کے حال پر افسوس ہے —— ہاں اگر وہ (گنہگار) اہل اسلام سے ہے تو اس کا انجام رحمت ہے۔

اور وہ عذابِ ابدی سے محفوظ ہے، یہ بھی ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ رَبَّنَا اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا اِنَّكَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ بِحُرْمَةِ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَعَلَیْهِمُ الصَّلَوٰتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ (اے ہمارے رب! سید المرسلین علیہ وعلیٰ آلہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کے طفیل ہمارے نور کو کامل فرما اور ہم کو بخش دے بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے)۔

عقیدہ (۱۵) روزِ قیامت "حق" ہے۔ اس روز آسمان، ستارے، زمین، پہاڑ، سمندر، حیوان، نباتات اور معدنیات سب کے سب معدوم و ناچیز ہو جائیں گے، آسمان شق ہو جائیں گے اور ستارے منتشر ہو کر گر جائیں گے، اور زمین و پہاڑ پراگندہ ذرات ہو جائیں گے۔ یہ تمام توڑ پھوڑ اور فنا کا تعلق نفخۂ اولیٰ سے ہے ——— اور نفخۂ ثانیہ (دوسرے صور) پر لوگ قبروں سے اٹھ کر محشر کی طرف روانہ ہوں گے ——— اور فلاسفہ (یعنی حکماء یونان وغیرہ) آسمانوں، ستاروں کے نیست و نابود ہونے کو نہیں مانتے اور ان کا فانی اور فاسد ہونا جائز نہیں سمجھتے، وہ ان کو ازلی اور ابدی کہتے ہیں ——— اور اس امر کے باوجود ان میں سے متاخرین اپنی بے وقوفی کی وجہ سے اپنے آپ کو زمرۂ اہلِ اسلام میں شمار کرتے ہیں اور اسلام کے بعض احکام بھی بجا لانے کا دعوی کرتے ہیں ——— زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ بعض اہلِ اسلام ان کی ان باتوں پر یقین رکھتے ہیں اور جرأت و دلیری کے ساتھ ان کو مسلمان سمجھتے ہیں۔ اور اس سے بھی زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ بعض مسلمان ان لوگوں میں سے بعض کے اسلام کو کامل جانتے ہیں، اور اگر کوئی ان پر طعن و تشنیع کرے تو اس کو بہت برا سمجھتے ہیں۔ حالانکہ یہ لوگ نصوصِ قطعی کے منکر ہیں اور انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے اجماع کا انکار کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ وَاِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ (تکویر آیہ ۱و۲)[81] جب آفتاب بے نور ہو جائے گا اور ستارے ٹوٹ ٹوٹ کر گر پڑیں گے) ——— نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ (انشقاق آیہ ۱و۲)[84] (جب آسمان پھٹ جائے گا اور اپنے رب کا حکم سن لے گا اور وہ اسی لائق ہے) ——— اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَفُتِحَتِ السَّمَاءُ فَكَانَتْ اَبْوَابًا (نبا آیہ ۱۹)[78] (اور آسمان کھل جائے گا اور اس میں دروازے ہی دروازے ہو جائیں گے (یعنی پھٹ جائے گا) ——— اس قسم کی مثالیں قرآن مجید میں بکثرت موجود ہیں ——— وہ یہ نہیں جانتے کہ صرف کلمۂ شہادت زبان سے ادا کر لینا اسلام میں کافی نہیں ہے، بلکہ ان تمام چیزوں کی تصدیق بھی ضروری ہے جن کا بجا لانا اور

ان پر عمل کرنا دین کی ضروریات میں سے ہے اور کفر و کافری سے تبرّا اور بیزار ہونا بھی ضروری ہے تاکہ اسلام متصور ہو جائے۔ وَبِدُوْنِہٖ خَرْطُ الْقَتَادِ (اس کے علاوہ بے فائدہ تکلیف اٹھانا ہے)۔

عقیدہ (۱۶) اور حساب، میزان (اعمال کا وزن ہونا) اور پلصراط "حق" ہے کہ مخبرِ صادق علیہ و علی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کی خبر دی ہے۔ (لیکن) نبوت کے اطوار سے ناواقفیت کی بنا پر بعض جاہلوں کا ان امور کو بعید از عقل سمجھنا درجۂ اعتبار سے ساقط ہے کیونکہ نبوت کے اطوار عقل کے اطوار سے بالاتر ہیں۔ حقیقت میں انبیاء کرامؑ کی سچی خبروں کو عقل کی نظر کے موافق کرنے کی کوشش کرنا حقیقت میں "طورِ نبوت" سے انکار ہے، کیونکہ یہاں معاملہ صرف تقلیدِ (انبیا) پر مبنی ہے ———— وہ یہ نہیں جانتے کہ "طورِ نبوت" "طورِ عقل" کے مخالف ہے، بلکہ "طورِ عقل" انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی تقلید کی تائید کے بغیر اس عالی مطلب کی طرف ہدایت حاصل نہیں کر سکتی۔ مخالفت دوسری چیز ہے اور رسائی نہ ہونا دوسری بات ہے۔ کیونکہ مخالفت رسائی کے بعد متصور ہوتی ہے۔

عقیدہ (۱۷) اور بہشت و دوزخ موجود ہیں۔ قیامت کے دن حساب کے بعد ایک گروہ بہشت میں بھیجا جائے گا اور دوسرا گروہ دوزخ میں۔ اور ان (مومنوں) کے لئے ثواب اور (کفار کے لئے) عذاب دائمی و ابدی ہوگا جو کبھی ختم ہونے والا نہیں۔ جیسا کہ قطعی اور موکدہ نصوص اس امر پر دلالت کرتے ہیں۔

صاحبِ فصوص (شیخ محی الدین ابن عربیؒ) کہتے ہیں کہ سب کا انجام "رحمت" ہے (جیسا کہ حق تعالیٰ نے فرمایا) وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ (اعراف آیۃ ۱۵۶) (اور میری رحمت سب چیزوں کو گھیرے ہوئے ہے)۔ ———— اور کفار کے لئے دوزخ کا عذاب تین حقبہ (ایک حقبہ اسّی برس کی مدت) تک ثابت ہے۔ اور اس کے بعد کہتے ہیں کہ "آگ ان کے حق میں بَرْدًا وَّسَلَامًا (ٹھنڈی اور سلامتی والی) ہو جائے گی جیسا کہ حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام پر ہو گئی تھی۔ اور حق جل وعلا کی وعید میں خلاف کرنے کو جائز سمجھتے ہیں ———— اور وہ (صاحبِ فصوص) یہ کہتے ہیں کہ اہلِ دل (صوفیہ) میں سے کوئی بھی کفار کے دائمی عذاب کی طرف نہیں گیا ہے"۔ اور اس مسئلہ میں بھی وہ راہِ حق سے دور جا پڑے ہیں، اور انھوں نے یہ نہیں جانا کہ مومنوں اور کافروں کے حق میں "وسعتِ رحمت" صرف اسی دنیا میں مخصوص ہے لیکن آخرت میں کافروں کو رحمت کی بو تک نہیں پہنچے گی، جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے؟ اِنَّہٗ لَا یَایْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰہِ اِلَّا الْقَوْمُ الْکَافِرُوْنَ (یوسف ۱۲ آیۃ ۸۷) (بیشک اللہ تعالیٰ کی رحمت سے

سوائے کافروں کے کوئی مایوس (ناامید) نہ ہوگا) ـــــــ جیسا کہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ کے بعد فرمایا ہے: فَسَاَکْتُبُهَا لِلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوةَ وَالَّذِیْنَ هُمْ بِاٰیٰتِنَا یُؤْمِنُوْنَ (اعراف آیت ۱۵۶) (پھر میں اپنی رحمت کو ان لوگوں کے لئے لکھوں گا جو متقی ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں، اور ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں) ــــــــ شیخ (ابنِ عربیؒ) نے آیت کے اول حصہ کو تو پڑھ لیا اور آخری حصہ کے عمل کو نہ فرمایا۔

اور جیسا کہ حق تعالیٰ نے فرمایا: اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِیْنَ (اعراف آیت ۵۶) (بیشک اللہ تعالیٰ کی رحمت محسنین کے قریب ہے) ـــــ نیز آیۂ کریمہ فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ (ابراہیم آیت ۱۴/۴۷) (پس ہرگز گمان نہ کرو کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں سے وعدہ خلافی کرے گا)۔ بھی وعدہ خلافی کی خصوصیت پر دلالت نہیں کرتی ــــــ اور ہوسکتا ہے کہ اس جگہ وعدہ خلافی کے نہ ہونے کا اقتصار و انحصار اس وجہ سے ہو کہ وعدہ سے مراد رسولوں کی نصرت اور کفار پر ان کا غلبہ ہے۔ اور یہ بات وعدہ و وعید دونوں کو متضمن ہے یعنی رسولوں کے لئے وعدہ ہے اور کفار کے لئے وعید ـــــ لہٰذا اس آیۂ کریمہ میں بھی خلفِ وعدہ (وعدہ خلافی) کی نفی ہوتی ہے اور خلفِ وعید کی بھی نفی۔ فَالْاٰیَةُ مُسْتَشْهَدٌ عَلَیْهِ لَا لَهٗ (لہٰذا آیتِ مذکورہ شیخ کے خلاف ہے تائید میں نہیں ہے) ــــــــ اور اسی طرح خلف در وعید (وعید میں خلاف ہونا) بھی وعدہ خلافی کے مانند جھوٹ کو مستلزم ہے۔ اور یہ حضرت جل سلطانہٗ کے شایانِ شان نہیں ہے۔ کیونکہ وہ (حق تعالیٰ) ازل ہی میں جانتا تھا کہ کفار کو دائمی عذاب نہیں دوں گا۔ باوجود اس کے کسی مصلحت کی بنا پر اپنے علم کے خلاف فرمادیا کہ میں ان پر دائمی عذاب مسلط کردوں گا۔ اس بات کو جائز کرنا نہایت ہی برا ہے: سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا یَصِفُوْنَ (صفٰت آیت ۳۷/۱۸۰) (تمہارا بڑی عزت والا رب ان باتوں سے پاک ہے جو یہ بیان کرتے ہیں)

اور کفار کے لئے دائمی عذاب کے نہ ہونے پر اہلِ دل (صوفیہ) کا اجماع صرف شیخ کا اپنا کشف ہے اور کشف میں خطا اور غلطی کی بہت گنجائش ہے اور خصوصاً وہ کشف جو مسلمانوں کے اجماع کے مخالف ہو، اس لئے اس کا کچھ اعتبار و اعتماد نہیں ہے۔

عقیدہ (۱۸): فرشتے، خداوند جل سلطانہٗ کے بندے ہیں جو گناہوں سے پاک اور خطا و نسیان (بھول چوک) سے بھی محفوظ ہیں (جیسا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے) لَا یَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ

مَا یُؤْمَرُوْنَ (تحریم آیت ۶ [۶۶]) (اللہ تعالیٰ جو حکم ان کو کرتا ہے وہ اس میں اس کی نافرمانی نہیں کرتے اور وہی کرتے ہیں جو ان کو حکم ہوتا ہے)۔ وہ کھانے پینے سے اور مرد و زن ہونے سے منزہ اور مبرا ہیں۔ قرآن مجید میں ان کے لئے مذکر ضمیروں کا استعمال اس اعتبار سے ہے کہ صنفِ ذکور کو صنفِ نساء کے مقابلہ میں شرف حاصل ہے چنانچہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے اپنی ذات کے لئے بھی مذکر ضمیروں کا استعمال کیا ہے ——

اور حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے بعض (فرشتوں) کو رسالت کے لئے منتخب کیا ہے جیسا کہ بعض انسانوں کو رسالت کی دولت سے مشرف فرمایا ہے (جیسا کہ ارشاد ہے) اَللّٰہُ یَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ (حج آیت ۷۵ [۲۲]) (اللہ تعالیٰ فرشتوں اور انسانوں میں سے بعض کو رسالت کے لئے منتخب فرما لیتا ہے)۔

—— جمہور علماء اہلِ حق اس بات پر متفق ہیں کہ "خاص انسان خاص فرشتوں سے افضل ہیں"۔ اور امام غزالیؒ اور امام الحرمین[۱] اور صاحبِ فتوحاتِ مکیہ اس بات کے قائل ہیں کہ خاص فرشتے خاص انسانوں سے افضل ہیں —— اور جو کچھ اس فقیر پر ظاہر کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ فرشتہ کی ولایت نبی علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ولایت سے افضل ہے لیکن نبوت و رسالت میں نبی کے لئے ایک ایسا درجہ ہے کہ جس تک فرشتہ نہیں پہنچا ہے اور وہ درجہ عنصرِ خاک کی وجہ سے ظاہر ہوا ہے جو بشر کے ساتھ مخصوص ہے ——

—— اور اس فقیر پر یہ بھی ظاہر کیا گیا ہے کہ "کمالاتِ ولایت" "کمالاتِ نبوت" کے مقابلہ میں کسی گنتی میں نہیں ہیں، کاش کہ ان کے درمیان وہ نسبت ہی ہوتی جو قطرہ کو دریائے محیط کے ساتھ ہے۔ مگر ایسا نہیں ہے۔ پس وہ فضیلت جو نبی کو نبوت کی وجہ سے حاصل ہوئی ہے وہ اس فضیلت سے کئی گنا زائد ہے جو ولایت کی وجہ سے حاصل ہو، لہٰذا "فضیلتِ مطلق" انبیائے کرام علیہم الصلوات والتسلیمات کا حصہ ہے اور جزئی فضیلت ملائکہ کرام کے لئے ہے۔ پس درست وہی ہے جو علمائے کرام شکر اللہ تعالیٰ سعیہم نے فرمایا ہے ——

—— اس تحقیق سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے درجات میں۔ کسی نبی کے درجے تک کوئی ولی نہیں پہنچا بلکہ اس ولی کا سر ہمیشہ اس نبی کے قدم کے نیچے ہوتا ہے۔

جاننا چاہئے کہ ان مسائل میں سے ہر ایک مسئلہ میں جن میں علماء اور صوفیہ کا اختلاف ہے، جب اچھی طرح غور اور ملاحظہ کیا جاتا ہے تو حق علماء کی جانب معلوم ہوتا ہے۔ اور اس کا راز یہ ہے کہ علماء کی نظر نے انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی متابعت کے باعث نبوت کے کمالات اور اس کے علوم میں نفوذ کیا ہے

[۱] یعنی امام الحرمین عبد الملک بن عبد اللہ الجوینی المتوفی ۴۷۸ھ

اور صوفیہ کی نظر ولایت کے کمالات اور اس کے معارف تک محدود رہتی ہے۔ لہٰذا وہ علم جو نبوت کی مشکوٰۃ سے حاصل کیا جائے وہ لازماً اس علم سے جو مرتبۂ ولایت سے اخذ کیا گیا ہو کئی درجے زیادہ صحیح اور حق ہوگا۔

ان معارف میں سے بعض کی تحقیق اس مکتوب (دفتر اول مکتوب ۲۶۰) میں جو فرزندی ارشدی (خواجہ محمد صادقؒ) کے نام طریقے کے بیان میں لکھا ہے درج ہو چکی ہے، اگر کچھ دقت اور پوشیدگی رہ گئی ہو تو اس (مکتوب کی طرف) رجوع کریں۔

عقیدہ (۱۹) ایمان سے مراد، جو کچھ دینی امور سے متعلق ضرورت اور تواتر کے طریق پر ہم تک پہنچا ہے اس کی دل سے تصدیق کرنا ہے، اور زبان سے اقرار کرنا بھی ایمان کا رکن ہے، جیسا کہ (علماء نے کہا ہے) کہ اس کے بغیر (ایمان کے) منہدم ہونے کا احتمال ہے، اور اس علامت کی تصدیق کفر پر تبری کرنا اور کافری سے اور جو کچھ کافری کے لوازم وخصائص ہیں جیسے زُنّار کا باندھنا اور اس کے مانند وغیرہ سے بیزاری کا اظہار کرنا ہے ——— اللہ سبحانہٗ کی پناہ! اگر کوئی اس تصدیق کا بھی دعوی کرے اور کفر سے بیزاری کا اظہار نہ کرے تو وہ دو دینوں کا تصدیق کرنے والا بن جائے گا جو ارتداد کے داغ سے داغدار ہوگا اور حقیقت میں اس کا حکم منافق کے حکم میں ہے: لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ (نساء آیہ ۱۴۳) (نہ ادھر کے رہے نہ اُدھر کے) ——— لہٰذا ایمان کی تحقیق میں کفر سے تبرّی (بیزاری کا اظہار) کئے بغیر چارہ نہیں۔ تبرّی کا ادنیٰ درجہ دل سے بیزاری کرنا ہے۔ اور تبری کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ دل اور جسم دونوں سے ہو، اور تبری سے مراد حق جل وعلا کے دشمنوں کے ساتھ دشمنی رکھنا ہے۔ خواہ دشمنی قلب سے ہو جبکہ ان سے نقصان پہنچنے کا خوف ہو، خواہ دل اور جسم دونوں سے ہو جبکہ ان سے ضرر کا خوف نہ ہو۔ آیۂ کریمہ: يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ (توبہ ۹ آیہ ۷۳) (اے نبی! کفار اور منافقین سے جہاد کرو اور ان کے ساتھ سختی سے پیش آؤ) اس مضمون کی تائید کرتی ہے ——— ——— کیونکہ خدائے عز وجل کی محبت اور اس کے رسول علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کی محبت ان کے دشمنوں کی دشمنی کے بغیر صورت پذیر نہیں ہوتی۔ اس جگہ یہ مصرع صادق آتا ہے۔ ع

تولّی بے تبرّی نیست ممکن (حُبِّ حق کے واسطے ہر غیر سے نفرت ضرور)

شیعہ (فرقہ) نے جو یہ قاعدہ اہلِ بیت کی محبت اور دوستی میں جاری کیا ہے اور تینوں خلفاؓ اور اوران کے علاوہ اکثر صحابہؓ پر تبرّی کرنا اہلِ بیت کی دوستی کی شرط قرار دیا ہے نامناسب ہے، کیونکہ

دوستوں کی محبت کے لئے شرط ہے کہ ان کے دشمنوں سے تبرّی کیا جائے، نہ کہ مطلق طور پر دشمنوں کے علاوہ دوسروں سے بھی ہو۔ اور کوئی عقلمند منصف اس بات کو تجویز نہیں کرتا کہ پیغمبر علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کے اصحاب پیغمبر علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات والتحیات کے اہل بیت کے دشمن ہوں، اور حالانکہ ان بزرگواروں نے آپ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوۃ والسلام کی محبت میں اپنے اموال اور جانوں کو صرف کردیا اور اپنی عزت و حکومت کو برباد کردیا تو اہلِ بیت سے ان کی دشمنی کس طرح منسوب کی جاسکتی ہے، جبکہ نصِ قطعی سے آں سرورِ عالم علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کے قرابت داروں کی محبت ثابت ہے۔ اور دعوت کی اجرت کو اُن کی محبت قرار دیا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى وَمَنْ يَّقْتَرِفْ حَسَنَةً نَّزِدْ لَهٗ فِيْهَا حُسْنًا (شوریٰ ۴۲ آیت ۲۳) (آپ ان سے کہہ دیجئے کہ میں تم سے اہلِ قرابت کی دوستی کے علاوہ کوئی بدلہ نہیں چاہتا۔ اور جو شخص ایک نیکی کمائے گا ہم اس کی نیکیوں میں اور زیادتی کردیں گے)۔

اور حضرت ابراہیم خلیل الرحمٰن علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو جو یہ بزرگی حاصل ہوئی اور "شجرۂ انبیا" بن گئے، یہ سب اس تعالیٰ کے دشمنوں کے ساتھ (علی الاعلان) تبرّی کرنے کی وجہ سے ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ (ممتحنہ ۶۰ آیت ۴) (تمہارے لئے ابراہیمؑ میں اور ان لوگوں میں جو ان کے ساتھ تھے ایک عمدہ نمونہ ہے جبکہ انھوں نے اپنی قوم سے کہا کہ ہم تم سے اور جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو ان سے بیزار ہیں، اور ہم تمہارے منکر ہیں اور ہم میں اور تم میں ہمیشہ کے لئے عداوت اور بغض ظاہر ہوگیا جبتک تم اللہ واحد پر ایمان نہ لاؤ)۔

اور اس فقیر کی نظر میں "رضائے حق جل وعلا" حاصل کرنے کے لئے اس تبرّی (بیزاری) کے اظہار کے برابر کوئی عمل نہیں ہے۔ (یہ فقیر اپنے ذوق میں) پاتا ہے کہ حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ کو کفر و کافری کے ساتھ ذاتی عداوت ہے۔ اور یہ آفاقی آلہہ مثلاً لات و عزّیٰ اور ان کی پوجا کرنے والے ذاتی طور پر حق جل سلطانہٗ کے دشمن ہیں، اور دوزخ کا دائمی عذاب اس بُرے فعل کی سزا ہے اور خواہشِ نفسانی کے آلہہ اور تمام بُرے اعمال یہ نسبت نہیں رکھتے کیونکہ ان کی عداوت اور غضب

ذاتی نسبت سے نہیں ہے۔ اگر غضب ہے تو وہ صفات کی طرف منسوب ہے، اور اگر عقاب وعتاب (عذاب وغصہ) ہے تو افعال کی طرف راجع ہے، لہذا دوزخ کا دائمی عذاب اُن کے گناہوں کی سزا نہیں ہوئی بلکہ (حق تعالیٰ نے) ان کی مغفرت کو اپنی مشیت اور ارادہ پر منحصر رکھا ہے۔

جاننا چاہئے کہ جب کفر اور کافروں کے ساتھ ذاتی عداوت تحقیق ہو چکی تو لازماً رحمت ورافت جو "صفاتِ جمال" میں سے ہے آخرت میں کافروں کو نہ پہنچے گی، اور رحمت کی صفت ذاتی عداوت کو دور نہیں کرے گی۔ کیونکہ جو چیز ذات کے ساتھ تعلق رکھتی ہے اس چیز کی نسبت جو صفت سے تعلق رکھتی ہے زیادہ قوی اور بلند ہے، لہذا مقتضائے صفت (صفت کے تقاضے) مقتضائے ذات کو تبدیل نہیں کر سکتے ——— اور یہ جو حدیثِ قدسی میں آیا ہے: سَبَقَتْ رَحْمَتِيْ عَلٰى غَضَبِيْ[1] (میری رحمت میرے غضب پر سبقت لے گئی) ——— اس غضب سے مراد، غضبِ صفاتی سمجھنا چاہئے جو گنہگار مؤمنوں کے ساتھ مخصوص ہے نہ کہ غضبِ ذاتی جو مشرکوں کے ساتھ مخصوص ہے۔

سوال: اگر یہ کہا جائے کہ دنیا میں کافروں کو رحمت سے حصہ حاصل ہے، جیسا کہ تونے مندرجہ بالا عبارت میں تحقیق کی ہے تو پھر دنیا میں رحمت کی صفت نے ذاتی عداوت کو کیسے دُور کر دیا؟

جواب: میں کہتا ہوں کہ دنیا میں خاص کافروں کو رحمت کا حاصل ہونا ظاہری طور پر اور صورت کے اعتبار سے ہے لیکن حقیقت میں وہ ان کے حق میں استدراج اور کید (دھوکہ) ہے، ان کے حق میں آیۂ کریمہ: ـ اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّبَنِيْنَ نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرٰتِ بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ (مؤمنون آیت ۵۵،۵۶) (کیا یہ لوگ گمان کرتے ہیں کہ ہم مال اور اولاد میں جو ان کو ترقی دے رہے ہیں تو اس سے ان کو فائدہ پہنچانے میں جلدی کر رہے ہیں (نہیں) بلکہ ان کو اس (حکمت) کا شعور نہیں ہے) ——— اور آیۂ کریمہ: سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ وَاُمْلِيْ لَهُمْ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ (اعراف آیت ۱۸۲،۱۸۳) (ہم ان کو (جہنم کی طرف) اس طرح آہستہ آہستہ لے جاتے ہیں جس کی ان کو خبر نہیں ہوتی اور ہم ان کو مہلت دیتے ہیں بیشک ہماری تدبیر بہت مضبوط ہے) ان ہی معنی پر شاہد ہیں۔ پس سمجھ لو۔

فائدہ جلیلہ: دوزخ کا دائمی عذاب کفر کی جزا (بدلہ) ہے اور بس ——— اگر پوچھیں کہ ایک شخص ایمان کے باوجود کفر کی رسمیں بجا لاتا اور اہلِ کفر کی رسموں کی تعظیم کرتا ہے، اور علماء اس پر کفر کا حکم لگاتے ہیں

---

[1] بخاری و مسلم بروایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

اور مرتد سمجھتے ہیں جیسا کہ ہندوستان کے اکثر مسلمان اس بلا میں مبتلا ہیں۔ لہٰذا چاہئے کہ علما کے فتوے کے بموجب وہ شخص آخرت کے ابدی عذاب میں گرفتار ہو، حالانکہ اخبارِ صحاح (صحیح احادیث) میں آچکا ہے کہ جس شخص کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہوگا اس کو دوزخ سے باہر نکال لیں گے اور دائمی عذاب میں نہ رہنے دیں گے۔ آپ کے نزدیک اس مسئلہ کی کیا تحقیق ہے؟ ــــــ (جواب) میں کہتا ہوں اگر وہ شخص کافر محض ہے تو دائمی عذاب اس کا نصیب ہے، عِيَاذًا بِاللّٰهِ سُبْحَانَهٗ مِنْهُ (اللہ سبحانہٗ کی اس سے پناہ)۔ اور اگر کفر کی رسومات بجالانے کے باوجود ذرہ برابر ایمان بھی رکھتا ہے تو وہ دوزخ کے عذاب میں مبتلا تو ہوگا لیکن اس ذرہ برابر ایمان کی برکت سے امید ہے کہ ابدی عذاب سے خلاصی ہو جائے گی اور دائمی گرفتاری سے نجات پالے گا۔

فقیر ایک مرتبہ ایک شخص کی مزاج پرسی کے لئے گیا جس کا معاملہ نزع و موت کے قریب پہنچ چکا تھا۔ جب فقیر اس کے حال پر متوجہ ہوا تو معلوم ہوا کہ اس کا قلب "ظلمات بسیار" (بہت زیادہ ظلمتوں) میں گھرا ہوا ہے، ہر چند اُن ظلمتوں کے دُور کرنے میں متوجہ ہوا لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا۔ پھر بہت زیادہ توجہ کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ یہ ظلمات و تاریکیاں "صفاتِ کفر" کی وجہ سے پیدا ہوئی ہیں جو اس میں پوشیدہ ہیں، اور یہ کدورتیں اس کے کفر او راہلِ کفر کے ساتھ دوستی کی وجہ سے پیدا ہوئی ہیں، اور توجہ کرنے سے یہ ظلمتیں دُور نہیں ہو سکتیں، بلکہ ان ظلمات کا نقیہ دوزخ کے عذاب پر وابستہ ہے جو کفر کی جزا ہے ــــــ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ ذرہ برابر ایمان بھی رکھتا ہے جس کی برکت سے آخر کار اس کو دوزخ سے نکال لیا جائے گا ــــــ اور جب اس کے حال کو مشاہدہ کر لیا تو اب دل میں آیا کہ اس کی نمازِ جنازہ پڑھی جائے یا نہیں؟۔ توجہ کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ نماز ادا کرنی چاہئے ــــــ لہٰذا وہ مسلمان جو ایمان کے باوجود اہل کفر کی رسومات بجالاتے ہیں اور (ہنود کے) تہواروں کے ایام کی تعظیم کرتے ہیں، ان کی نمازِ جنازہ پڑھنی چاہئے اور ان کو کفار کے ساتھ نہیں ملا دینا چاہئے جیسا کہ آجکل علماء کا معمول ہے ــــــ اور امید وار رہنا چاہئے کہ آخر کار ایمان کی برکت کی وجہ سے دائمی عذاب سے نجات حاصل ہو جائے گی۔

ذرہ برابر ایمان کی برکت

پس معلوم ہوا کہ اہلِ کفر کے لئے عفو اور مغفرت نہیں ہے۔ (آیۂ کریمہ) إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهٖ (نساء آیت ۴۸) (بیشک اللہ اس کو نہیں بخشے گا جس نے اس کے ساتھ کسی کو شریک قرار دیا) ــــــ اور اگر وہ محض کافر ہے تو "عذابِ ابدی" اس کے کفر کی جزا ہے۔ اور اگر ذرہ برابر بھی ایمان

رکھتا ہے تو اس کی جزا "عذابِ موقت" (وقتی عذاب) ہے، اور باقی تمام کبیرہ گناہوں کو اگر حق سبحانہٗ و تعالیٰ چاہے تو بخش دے اور چاہے عذاب دے ——— فقیر کے نزدیک "عذابِ دوزخ" خواہ وقتی ہو یا دائمی، کفر اور صفاتِ کفر کے ساتھ مخصوص ہے، جیسا کہ آگے تحقیق سے معلوم ہوگا ——— اور کبیرہ گناہ والے جن کے گناہ توبہ، شفاعت یا صرف عفو واحسان کے ساتھ مغفرت کے قابل نہیں ہوتے، یا جن کبیرہ گناہوں کا کفارہ دنیاوی تکالیف یا سختیوں اور سکراتِ موت سے نہیں ہوا، امید ہے کہ ایسے لوگوں میں سے بعض کو قبر کا عذاب کفایت کرے گا اور بعض کے لئے قبر کی سختی کے باوجود قیامت کا خوف اور اس دن کی تکالیف کافی ہوں گی اور ان کے گناہوں میں سے کوئی گناہ باقی نہیں چھوڑیں گے جس کی وجہ سے دوزخ کے عذاب کے مستحق ہوں۔ چنانچہ آیۂ کریمہ: اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْٓا اِیْمَانَھُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِکَ لَھُمُ الْاَمْنُ (انعام آیت ۸۲) (جو لوگ ایمان رکھتے ہیں اور اپنے ایمان کو شرک سے ملوث نہیں کرتے ان کے لئے امن وسلامتی ہے) ۔ اسی مضمون کی تائید کرتی ہے۔ کیونکہ یہاں ظلم سے مراد شرک ہے۔ وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ اَعْلَمُ بِحَقَائِقِ الْاُمُوْرِ کُلِّھَا (اور اللہ سبحانہٗ ہی تمام امور کے حقائق کو بہتر جانتا ہے) ۔

اور اگر یہ کہا جائے کہ کفر کے علاوہ بعض گناہوں کی سزا بھی عذابِ دوزخ آئی ہے جیسا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَمَنْ یَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُہٗ جَھَنَّمُ خَالِدًا فِیْھَا[1] (نساء آیت ۹۳) (جو شخص کسی مومن کو قصداً قتل کرے پس اس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا) ——— اور اخبار (احادیث شریفہ) میں ہے کہ جو شخص قصداً ایک نمازِ فرض قضا کرے تو اس کو ایک حقبہ (یعنی اسّی سال) دوزخ میں عذاب دیا جائے گا۔ لہٰذا دوزخ کا عذاب صرف کافروں کے لئے ہی مخصوص نہ رہا (اور تم کہتے ہو کہ دوزخ کا عذاب کافروں کے لئے ہی مخصوص ہے) ——— (جواب میں) میں کہتا ہوں کہ یہ عذاب اس قاتل کے لئے مخصوص ہے جو قتل کو حلال جانے کیونکہ قتل کو حلال جاننے والا کافر ہے۔ جیسا کہ مفسرین نے بیان کیا ہے۔ اور کفر کے علاوہ دوسرے گناہوں کے لئے بھی دوزخ کا عذاب آیا ہے۔ وہ بھی

---

[1] پوری آیت ملاحظہ ہو جو موجودہ حالات میں نہایت اہم اور قابلِ غور ہے: وَمَنْ یَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُہٗ جَھَنَّمُ خَالِدًا فِیْھَا وَغَضِبَ اللّٰہُ عَلَیْہِ وَلَعَنَہٗ وَاَعَدَّ لَہٗ عَذَابًا عَظِیْمًا (سورہ نساء آیت ۹۳) (اور جو شخص کسی مومن کو قصداً قتل کرے پس اس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس پر اللہ تعالیٰ غضبناک ہوگا اور اس پر لعنت کرے گا اور اس شخص کے لئے اس نے بڑا سخت عذاب تیار کیا ہوا ہے) ۔ نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں فرمایا "خبردار میرے بعد کفار کی طرح گمراہ نہ ہو جانا کہ آپس میں ایک دوسرے کی گردنیں کاٹنے لگو.... تمہارے خون اور تمہارے مال تم میں ایک دوسرے پر اسی طرح حرام ہیں جس طرح تمہارا یہ دن (یوم عرفہ) تمہارے اس مہینے (ذی الحجہ) میں تمہارے اس شہر (مکہ مکرمہ) میں محترم ہیں"۔

صفاتِ کفر کے شائبہ سے خالی نہیں ہے، جیسا کہ اس گناہ کو معمولی سمجھنا اور اس کے ارتکاب کے وقت بے پروائی کرنا اور شرعی اوامر و نواہی کو بیکار و خوار سمجھنا وغیرہ وغیرہ ـــــــ اور خبر (حدیث) میں ہے: شَفَاعَتِیْ لِاَھْلِ الْکَبَائِرِ مِنْ اُمَّتِیْ[1] (میری شفاعت میری امت کے کبیرہ گناہ کرنے والوں کے لئے ہوگی) ـــــــ اور دوسری جگہ فرمایا ہے کہ: اُمَّتِیْ اُمَّۃٌ مَّرْحُوْمَۃٌ لَاعَذَابَ لَھَا فِی الْاٰخِرَۃِ[2] (میری امت، امتِ مرحومہ (رحم کی ہوئی) ہے، اس کے لئے آخرت میں عذاب نہیں ہے) ـــــــ اور آیۂ کریمہ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْٓا اِیْمَانَھُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِکَ لَھُمُ الْاَمْنُ (انعام آیت ۸۲ پ۶) جو لوگ ایمان لائے اور اپنے ایمان کو شرک سے ملوث نہیں کیا ان ہی کے لئے امن ہے) بھی اس معنی کی تائید کرتی ہے، جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔

اور مشرکوں کے بچوں کے احوال، اور پہاڑوں پر رہنے والے، اور پیغمبروں کے زمانۂ فترت کے مشرکوں کا حال، اس مکتوب (دفتر اول مکتوب ۲۵۹) میں جو فرزندی محمد سعیدؒ کے نام تحریر ہوا ہے مفصل مذکور ہو چکا ہے وہاں ملاحظہ کرلیں۔

اور ایمان کے کم و زیادہ ہوتے میں علماء کا اختلاف ہے۔ امام اعظم کوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اَلْاِیْمَانُ لَا یَزِیْدُ وَلَا یَنْقُصُ (ایمان نہ زیادہ ہوتا ہے نہ کم) ـــــــ اور امام شافعی رحمہ اللہ سبحانہٗ فرماتے ہیں: یَزِیْدُ وَیَنْقُصُ (ایمان زیادہ اور کم ہوتا ہے) ـــــــ اور اس میں شک نہیں کہ ایمان سے مراد تصدیق اور یقین قلبی ہے جس میں زیادتی و کمی کی گنجائش نہیں، لہذا جو ایمان کہ کمی و زیادتی کو تسلیم کرے وہ دائرۂ ظن میں داخل ہے نہ کہ یقین کے درجہ میں ـــــــ ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ اعمالِ صالحہ کا بجالانا اس یقین کو جلا دیتا ہے اور غیر صالح اعمال کا بجالانا یقین کو مکدر کر دیتا ہے۔ لہذا (ایمان کی) کمی و زیادتی اعمال کے اعتبار سے اس یقین کو روشن و جلا کرنے میں ثابت ہوتی نہ کہ نفسِ یقین میں۔ ـــــــ ایک جماعت جس نے یقین کو جِلا یافتہ اور روشن معلوم کیا تو اس نے اس یقین کی نسبت جو جلا یافتہ اور روشن نہیں، زیادہ کہہ دیا۔ گویا بعض لوگوں نے غیر متجلی یقین کو یقین ہی نہیں سمجھا اور انہی میں سے بعض نے متجلی کو یقین جان کر غیر متجلی کو ناقص کہہ دیا ـــــــ اور دوسرے گروہ نے جو نظر کی تیزی اور بصیرت رکھتے تھے دیکھا کہ یہ کمی و زیادتی یقین کی صفات کی طرف راجع ہے نہ کہ نفسِ یقین کی طرف۔

---

[1] اس حدیث کو ترمذی، ابوداؤد نے حضرت انسؓ سے اور ابنِ ماجہ نے حضرت جابرؓ سے روایت کیا ہے۔

[2] اس حدیث کو خطیب اور ابن النجار نے حضرت ابنِ عباسؓ سے روایت کیا۔

اس وجہ سے انھوں نے یقین کو غیر زائد و ناقص کہدیا ــــــــ اس کی مثال ایسی ہے جیسے دو آئینے جو باہم برابر ہوں لیکن روشنی اور نورانیت میں تفاوت رکھتے ہوں، جب ایک شخص اس آئینے کو دیکھتا ہے جس میں جلا اور روشنی زیادہ ہے اور وہ نور اور روشنی کی نمایندگی زیادہ کرتا ہے تو وہ کہہ اٹھتا ہے کہ یہ آئینہ دوسرے آئینے سے زیادہ روشن ہے کیونکہ اس میں جلا اور روشنی زیادہ نہیں ہے - اور دوسرا شخص یہ کہتا ہے کہ یہ دونوں آئینے (کمی و زیادتی میں) برابر ہیں البتہ فرق صرف جلا کی نمایندگی کا ہے جو ان دونوں کی صفات ہیں ــــــــ پس دوسرے کی نظر صائب ہے اور شئے کی حقیقت تک رسائی رکھتا ہے اور پہلے شخص کی نظر ظاہر پر ہے لہذا کوتاہ ہے اور صفت سے ذات تک نہیں پہنچی ہے آیۂ کریمہ يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ (مجادلہ آیۂ ۱۱) (اللہ تم میں سے ایمان والوں کے اوران لوگوں کے جن کو علم عطا ہوا ہے درجے بلند کردے گا) -

اس تحقیق سے کہ جس کے اظہار کے لئے اس فقیر کو توفیق بخشی گئی، مخالفین کے اعتراضات جو جو انھوں نے ایمان کے زیادہ اور کم نہ ہونے پر کئے تھے زائل ہوگئے، اور عام مؤمنوں کا ایمان تمام وجوہ میں انبیا علیہم الصلوات والتسلیمات کے ایمان کے مثل نہیں ہوا، کیونکہ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کا ایمان تمام تر جلا یافتہ و نورانی ہے جو ثمرات و نتائج کئی گنا (زیادہ) رکھتا ہے اُن عام مؤمنوں کے ایمان کے مقابلہ پر جو اپنے درجات کے فرق کے لحاظ سے بہت سی ظلمتیں اور کدورتیں رکھتا ہے - ــــــــ اور اسی طرح حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایمان جو وزن میں تمام امت کے ایمان سے زیادہ ہے اس کو بھی جلا اور نورانیت کے اعتبار سے سمجھنا چاہیئے، اور زیادتی کو صفات کاملہ کی طرف راجع کرنا چاہیئے ــــــــ کیا تم نہیں دیکھتے کہ انبیا علیہم الصلوات و التسلیمات نفسِ انسانیت میں عام لوگوں کے ساتھ برابر ہیں اور حقیقت و ذات میں سب باہم متحد ہیں لیکن صفاتِ کاملہ کے اعتبار سے ان (انبیاءؑ) کو دوسرے (انسانوں) پر فضیلت حاصل ہے اور جس میں صفاتِ کاملہ نہیں ہیں گویا وہ اس نوع سے خارج اور اس کے فضائل و خصائص سے محروم ہے لیکن اس تفاوت کے باوجود نفسِ انسانیت میں زیادتی و کمی واقع نہیں، اور نہیں کہہ سکتے کہ وہ انسانیت زیادتی و نقصان کے قابل ہے . وَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ الْمُلْهِمُ لِلصَّوَابِ (اللہ سبحانہٗ صحیح بات کا الہام کرنے والا ہے) -

اور اسی طرح بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ "تصدیقِ ایمانی" سے مراد ان کے نزدیک تصدیق منطقی ہے جو ظن اور یقین دونوں کو شامل ہے، اس صورت میں "نفسِ ایمان" میں کمی و زیادتی کی گنجائش ہے، لیکن صحیح یہی ہے کہ اس جگہ تصدیق سے مراد یقین و اذعانِ قلبی (دل سے قبول کر لینا ہے) نہ کہ عام معنیٰ میں جس میں ظن بھی شامل ہے۔

امام اعظمؒ فرماتے ہیں "اَنَا مُؤْمِنٌ حَقًّا" (میں یقیناً مؤمن ہوں)۔ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں "اَنَا مُؤْمِنٌ اِنْ شَاءَ اللّٰہُ تَعَالٰی" (میں مؤمن ہوں اگر اللہ تعالیٰ چاہے) ——— حقیقت میں اس کا اختلاف "نزاعِ لفظی" ہے۔ مذہبِ اول (پہلے قول) کا تعلق ایمانِ حال سے ہے، اور مذہبِ ثانی (دوسرے قول) کا تعلق مآل و عاقبت کار سے ہے، لیکن صورتِ استثناء سے پرہیز کرنا اولیٰ و احوط ہے۔ کَمَا لَا یَخْفٰی عَلَی الْمُنْصِفِ (جیسا کہ منصف لوگوں پر پوشیدہ نہیں ہے)۔

عقیدہ ۲۰ **عقیدہ** (۲۰)۔ اور اولیاء اللہ کی کرامات حق ہیں اور ان سے بکثرت خوارقِ عادات واقع ہونے کی وجہ سے ان کی یہ بات عادتِ مستمرہ (دائمی) بن گئی ہے، اور کرامات کا انکار کرنے والا علم عادی اور ضروری کا انکار کرنے والا ہے۔ نبی کا معجزہ نبوت کے دعوے سے مقرون (ملا ہوا) ہوتا ہے، اور ولی کی کرامت اس معنیٰ میں خالی ہے بلکہ اس نبی کی پیروی کے اعتراف کے ساتھ مقرون (ملی ہوئی) ہوتی ہے۔ فَلَا اِشْتِبَاہَ بَیْنَ الْمُعْجِزَۃِ وَالْکَرَامَۃِ کَمَا زَعَمَ الْمُنْکِرُوْنَ (لہٰذا معجزہ اور کرامت کے درمیان کوئی اشتباہ نہیں رہا جیسا کہ منکروں نے گمان کیا ہے)۔

عقیدہ ۲۱ **عقیدہ** (۲۱)۔ اور خلفائے راشدین کے درمیان افضلیت خلافت کی ترتیب کے مطابق ہے لیکن شیخین کی افضلیت صحابہ اور تابعین کے اجماع سے ثابت ہوتی ہے۔ چنانچہ اکابرین ائمہ کی ایک جماعت نے جن میں امام شافعیؒ بھی ہیں جنھوں نے اس بات کو نقل کیا ہے کہ "شیخ الامام ابو الحسن[1] اشعریؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابو بکرؓ کی فضیلت پھر حضرت عمرؓ کی فضیلت بقیہ تمام امت پر قطعی ہے" ———

اور امام ذہبیؒ[2] نے فرمایا کہ حضرت علیؓ کا یہ قول ان کی خلافت و مملکت کے زمانے میں آپ کے متبعین میں سے

---

[1] امام ابو الحسن اشعریؒ فرقۂ اشاعرہ کے بانی اور علم کلام کے موجد تھے۔ سنہ ۲۶۰ھ بصرہ میں پیدا ہوئے۔ چالیس سال کی عمر تک آپ فرقۂ معتزلہ کے سرگرم رکن رہے۔ بعد میں فقہ شافعی کی حدود میں رہ کر آپ نے دینی مسائل کو فلسفیانہ استدلال کے ساتھ متکلم کیا۔ تقریباً تین سو کتابیں تصنیف کیں۔ آپ کے معتقدین میں بڑے بڑے امام پیدا ہوئے۔ مثلاً باقلانی، ابن فورق، اسفرائنی، القشیری، الجوینی اور امام غزالیؒ ہیں۔ سنہ ۳۲۴ھ بغداد میں آپ کا وصال ہوا۔

[2] اعنی شمس الدین ابا عبد اللہ محمد بن احمد الذہبی المتوفی سنہ ۷۴۸ھ (کشف الظنون)

ایک جم غفیر کے سامنے تواتر کے ساتھ منقول ہے کہ اَنَّ اَبَا بَکْرٍ وَّ عُمَرَ اَفْضَلُ الْاُمَّۃِ (ابوبکرؓ اور عمرؓ تمام امت میں افضل ہیں) ــــــ پھر فرماتے ہیں کہ اس روایت کو اَسّی سے زیادہ راویوں نے حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے روایت کیا ہے [۲] ــــــ پھر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ رافضیوں کا برا کرے یہ کیسے جاہل ہیں ــــــ اور بخاری نے ان (حضرت علیؓ) سے روایت کی ہے کہ انھوں نے فرمایا: خَیْرُ النَّاسِ بَعْدَ النَّبِیِّ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ اَبُوْبَکْرٍ ثُمَّ عُمَرُ ثُمَّ رَجُلٌ اٰخَرُ فَقَالَ ابْنُہٗ مُحَمَّدُ بْنُ الْحَنَفِیَّۃِ ثُمَّ اَنْتَ فَقَالَ اِنَّمَا اَنَا رَجُلٌ مِّنَ الْمُسْلِمِیْنَ (نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بعد تمام لوگوں میں بہتر حضرت ابوبکرؓ پھر حضرت عمرؓ ہیں پھر ایک اور شخص۔ (اس پر) آپ کے صاحبزادے محمد بن حنفیہؒ نے کہا کہ پھر آپ۔ (اس بات پر حضرت علیؓ نے فرمایا کہ میں تو مسلمانوں میں سے ایک فرد ہوں)۔

امام ذہبیؒ وغیرہ نے حضرت علیؓ سے بسند صحیح روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ مجھے اطلاع ملی ہے کہ لوگ مجھے ان دونوں (شیخین) پر فضیلت دیتے ہیں، لہٰذا جو بھی مجھ کو اُن پر فضیلت دیتا ہے وہ مفتری (جھوٹا) ہے اور اس کے لئے وہ سزا ہے جو ایک مفتری کی ہوتی ہے ــــــ اور دارقطنی نے آپ (حضرت علیؓ) سے روایت کی ہے کہ میں جس کو پاؤں گا کہ وہ حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ پر مجھے فضیلت دیتا ہے تو میں اس کو اتنے کوڑے لگاؤں گا جتنے ایک مفتری کو لگنے چاہئیں ــــــ اس قسم کی اور بہت سی روایتیں خود حضرت علیؓ سے اور آپ کے علاوہ دیگر صحابہ کرامؓ سے اس کثرت اور تواتر سے آئی ہیں جس میں کسی کو انکار کی مجال نہیں ــــــ حتیٰ کہ عبدالرزاق جو اکابر شیعہ سے ہے کہتا ہے کہ اُفَضِّلُ الشَّیْخَیْنِ بِتَفْضِیْلِ عَلِیٍّ اِیَّاھُمَا عَلٰی نَفْسِہٖ وَاِلَّا لَمَا فَضَّلْتُھُمَا کَفٰی بِیْ وِزْرًا اَنْ اُحِبَّہٗ ثُمَّ اُخَالِفَہٗ (میں شیخین کو اس لئے فضیلت دیتا ہوں کہ خود حضرت علیؓ نے اپنے اوپر اُن کو فضیلت دی ہے ورنہ میں ان (شیخین) کو کبھی فضیلت نہ دیتا۔ میرے نزدیک یہ گناہ ہے کہ میں اُن (حضرت علیؓ) سے محبت کا دعویٰ کروں اور پھر ان (کے اقوال) کی مخالفت کروں) ــــــ یہ سب کچھ صواعق [۱] سے لیا گیا ہے۔

لیکن اب رہی حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر فضیلت،

---

[۱] "الصواعق المحرقۃ فی الرد علی اھل البدع والزندقۃ" یہ امام علامہ فقیہ محدث شہاب الدین احمد ابن حجر الہیتمی المکی کی تصنیف ہے۔

[۲] اور ان میں سے ایک جماعت کا نام بھی لیا ہے۔

سو اکثر علمائے اہلِ سنت اس مسلک پر ہیں کہ شیخین کے بعد حضرت عثمانؓ افضل ہیں پھر ان کے بعد حضرت علیؓ۔ اور ائمہ اربعہ مجتہدین کا مذہب بھی یہی ہے[1]۔ اور بعض لوگوں نے حضرت عثمانؓ کی فضیلت کے بارے میں امام مالکؒ سے جو توقف نقل کیا ہے، اس کے متعلق قاضی عیاضؒ نے فرمایا ہے کہ امام مالکؒ نے اس توقف سے حضرت عثمانؓ کی فضیلت کی طرف رجوع کر لیا ہے ـــــ اور قرطبیؒ نے کہا کہ انشاء اللہ تعالیٰ یہی اصح ہے ـــــ اور اسی طرح وہ توقف جو بعض نے امام اعظم رحمہ اللہ کی اس عبارت سے سمجھا ہے کہ مِنْ عَلَامَاتِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ تَفْضِيْلُ الشَّيْخَيْنِ وَمَحَبَّةُ الْخَتَنَيْنِ (اہلِ سنت والجماعت کی علامت میں سے یہ بھی ہے کہ شیخین کو فضیلت دی جائے اور ختنین (دونوں داماد) (حضرت عثمانؓ و حضرت علیؓ) سے محبت کی جائے)۔

اس فقیر کے نزدیک اس عبارت کے اختیار کرنے میں ایک دوسرا محل ہے کہ حضرات ختنین کی خلافت کے زمانے میں بہت زیادہ فتنے وفساد پیدا ہو گئے تھے جس کی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں بہت کدورت پیدا ہو گئی تھی۔ اس لئے امام (ابو حنیفہؒ) نے اس بات کو مدنظر رکھ کر ان کے حق میں محبت کا لفظ اختیار کیا ہے اور ان کی دوستی کو علاماتِ اہلِ سنت سے قرار دیا ہے، بغیر اس امر کے کہ کسی قسم کا توقف ملحوظ ہو، اور کیسے توقف ہو سکتا ہے کیونکہ حنفیوں کی کتابیں ایسے مضامین سے بھری پڑی ہیں کہ ان (خلفائے راشدین) کی فضیلت ان کی ترتیب (ترتیبِ خلافت) کے مطابق ہے۔

مختصر یہ کہ شیخین کی افضلیت یقینی ہے اور حضرت عثمانؓ کی افضلیت اُن سے کم درجہ کی ہے۔ لیکن زیادہ احتیاط اسی میں ہے کہ حضرت عثمانؓ کی افضلیت کے منکر کو بلکہ شیخین کی افضلیت کے منکر کے لئے بھی ہم کفر کا حکم نہ لگائیں البتہ ان کو بدعتی و گمراہ جانیں، کیونکہ ان کی تکفیر میں علماء کا اختلاف ہے اور اس اجماع کے قطعی ہونے میں بہت قیل وقال ہے، اس کا منکر بد تعصب یزید کا ساتھی ہے، اسی احتیاط کی بنا پر اس (یزید) کے لعن طعن کرنے میں توقف کیا ہے۔ اور وہ ایذا جو حضرت پیغمبر علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کو خلفائے راشدین کو ایذا رسانی کی جہت سے پہنچی ہے وہ ایسی ہی ہے جیسی کہ حضرت ابنین (حضرت امام حسنؓ و امام حسینؓ) کو ایذا رسانی کی جہت سے پہنچی ہے۔

---

[1] یعنی فقہ کے چاروں امام حضرت امام ابوحنیفہؒ، حضرت امام شافعیؒ حضرت امام مالکؒ، حضرت امام احمد بن حنبلؒ

آنحضرت علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: اَللّٰہَ اَللّٰہَ فِیْ اَصْحَابِیْ لَا تَتَّخِذُوْھُمْ غَرَضًا مِنْ بَعْدِیْ فَمَنْ اَحَبَّھُمْ فَبِحُبِّیْ اَحَبَّھُمْ وَمَنْ اَبْغَضَھُمْ فَبِبُغْضِیْ اَبْغَضَھُمْ وَمَنْ اٰذَاھُمْ فَقَدْ اٰذَانِیْ وَمَنْ اٰذَانِیْ فَقَدْ اٰذَی اللّٰہَ وَمَنْ اٰذَی اللّٰہَ فَیُوْشِکُ اَنْ یَّاْخُذَہٗ[1] (میرے اصحاب کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو، اللہ تعالیٰ سے ڈرو، میرے بعد ان کو نشانہ (ملامت) نہ بنانا۔ جس نے ان کو دوست رکھا اس نے گویا میری محبت کے باعث ان کو دوست رکھا۔ اور جس نے ان سے بغض رکھا اس نے گویا میری دشمنی کی وجہ سے ان سے بغض رکھا۔ اور جس نے ان کو ایذا دی اس نے گویا مجھ کو ایذا دی اور جس نے مجھ کو ایذا دی اس نے گویا اللہ تعالیٰ کو ایذا دی (یعنی اللہ تعالیٰ کو ناراض کیا) اور جس نے اللہ تعالیٰ (کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام) کو ایذا دی قریب ہے کہ وہ (اللہ تعالیٰ) اس سے مواخذہ کرے گا) ——— اور اللہ تعالیٰ عزوجل نے فرمایا: اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ لَعَنَھُمُ اللّٰہُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ (احزاب ۳۳ آیت ۵۷) (بیشک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دیتے ہیں اُن پر دنیا اور آخرت میں اللہ کی لعنت ہے) ۔

اور جو کچھ مولانا سعد الدین نے شرح عقائد نسفی میں اس فضیلت کے بارے میں انصاف سمجھا ہے وہ انصاف سے دُور ہے اور جو تردید انھوں نے کی ہے وہ سراسر لاحاصل ہے، کیونکہ علماء کے نزدیک یہ بات مقرر ہے کہ اس جگہ افضلیت سے وہ مراد ہے جو خدائے جل وعلا کے نزدیک کثرت ثواب کے اعتبار سے ہے، نہ کہ وہ افضلیت جو فضائل ومناقب بکثرت ظاہر ہونے کے اعتبار سے ہو کیونکہ ایسی فضیلت عقلمندوں کے نزدیک اعتبار کے لائق ہے ۔ اور سلفِ صحابہ وتابعین نے جسقدر فضائل ومناقب حضرت امیرؓ کے نقل کئے ہیں وہ اور کسی صحابی کی نسبت منقول نہیں ——— حتیٰ کہ امام احمدؒ نے فرمایا" جو فضائل حضرت علیؓ کے بارے میں آئے ہیں وہ کسی اور صحابی کی نسبت نہیں آئے"۔ ——— اس کے باوجود وہ تینوں خلفاء کی فضیلت کے بارے میں حکم کرتے ہیں ——— پس معلوم ہوا کہ افضلیت کی وجہ ان فضائل ومناقب کے علاوہ کچھ اور ہے، اور اُس افضلیت کی اطلاع "دولت وحی" کے مشاہدہ کرنے والوں کو میسر ہے جنھوں نے صریح طور پر یا قرائن سے معلوم کیا ہے اور وہ پیغمبر علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کے صحابہؓ ہیں ——— لہذا جو کچھ کہ شارح عقائد نسفی نے بیان کیا ہے کہ افضلیت سے مراد کثرتِ ثواب ہے تو توقف کی گنجائش سے ساقط ہے کیونکہ توقف کے لئے

---

[1] اس حدیث کو ترمذی نے حضرت عبد اللہ بن مغفلؓ سے روایت کیا ۔

اس وقت کی گنجائش ہوتی ہے جبکہ اس افضلیت کو (صاحب شریعت کی طرف سے) صراحۃً یا دلالۃً معلوم نہ کر لیا ہو۔ اور جب معلوم کر لیا ہو تو پھر توقف کیوں۔ اور اگر معلوم نہیں کیا تو افضلیت کا حکم کیوں کریں ——— اور جو شخص سب کو برابر سمجھتا ہے اور ایک دوسرے پر افضلیت دینا بیکار سمجھتا ہے وہ فضول اور لاحاصل ہے۔ وہ عجیب احمق ہے جو اہلِ حق کے اجماع کو فضول و بیکار سمجھتا ہے۔ شاید فضل کا لفظ اس کو فضولی کی طرف لے گیا ہے ——— اور جو کچھ صاحبِ فتوحاتِ مکیہ کہتے ہیں کہ ان کی خلافت کی ترتیب کا سبب ان کی عمروں کی مدتوں سے ہے۔ (یہ بات) ان کی فضیلت میں مساوات پر دلالت نہیں کرتی۔ کیونکہ خلافت کا معاملہ دوسرا ہے اور افضلیت کی بحث دوسری ——— اور اگر یہ بات تسلیم کر لی جائے تو یہ اور اس قسم کی دوسری باتیں جو ان (شیخ اکبرؒ) کی شطحیات سے ہیں ان کی شان کے لائق نہیں ہیں، ان کے اکثر کشفیہ معارف جو اہلِ سنت کے علوم سے جدا واقع ہوئے ہیں وہ صواب سے دور ہیں، لہٰذا ایسی باتوں کی متابعت وہی شخص کر سکتا ہے جس کا دل بیمار ہے یا مقلدِ محض ہے۔

اور صحابہؓ کے درمیان جو لڑائی جھگڑے واقع ہوئے ان کی اچھے معنوں میں تاویل کرنی چاہئے اور نفسانی خواہش و تعصب سے دور رکھنا چاہئے ——— تفتازانیؒ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی افراطِ محبت کے باوجود فرماتے ہیں "جو مخالفات و محاربات (جنگ و جدال) ان (صحابہؓ) کے درمیان واقع ہوئے ہیں وہ خلافت کا نزاع نہ تھا بلکہ خطائے اجتہادی کے سبب سے تھا ——— اور اس (شرح عقائد) کے حاشیہ خیالی[1] میں ہے کہ حضرت معاویہؓ اور ان کے لشکر نے (حضرت علیؓ) کی اطاعت سے بغاوت کی اور ساتھ ہی اس امر کا اعتراف بھی کیا کہ وہ (حضرت علیؓ) تمام اہلِ زمانہ سے افضل ہیں اور وہ امامت کے ان سے زیادہ حقدار ہیں۔ ایک شبہ کی وجہ سے، کہ حضرت علیؓ کا حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قاتلوں سے قصاص نہ لینا تھا ——— اور حاشیہ قرہ کمال (الدین اسمٰعیل) میں حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ "ہمارے جن بھائیوں نے ہمارے خلاف بغاوت کی وہ فاسق و کافر نہیں ہیں کیونکہ ان کے لئے تاویل ہے" ——— اور اس میں شک نہیں کہ خطائے اجتہادی ملامت اور طعن و تشنیع سے بہت دور ہے ———

حضرت خیر البشر علیہ و علیٰ آلہ الصلوات والتحیات کے حقوقِ صحبت کی رعایت کر کے تمام صحابۂ کرامؓ کو نیکی کے ساتھ یاد کرنا چاہئے اور پیغمبر علیہ و علیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کی دوستی کی

[1] احمد بن موسیٰ "خیالی" کے نام سے مشہور ہیں۔ سنہ ۸۶۰ھ میں وفات پائی۔ (کشف الظنون)

وجہ سے ان کو دوست رکھنا چاہیے ـــــ (کیونکہ) آنحضرت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: مَنْ اَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّیْ اَحَبَّهُمْ وَمَنْ اَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِیْ اَبْغَضَهُمْ (جس نے اُن (صحابہؓ) کو دوست رکھا اس نے میری محبت کی وجہ سے ان کو دوست رکھا اور جس نے ان سے بغض رکھا اُس نے میرے ساتھ بغض کی وجہ سے ان سے بغض رکھا)۔ یعنی وہ محبت جو میرے اصحاب سے متعلق کی گئی ہے ایسی ہی محبت ہے جیسی کہ مجھ سے متعلق ہے اور اسی طرح وہ بغض جو ان سے تعلق رکھتا ہے ایسا ہی بغض ہے جیسا کہ مجھ سے کیا جائے۔

ہم کو حضرت امیر (علیؓ) کے ساتھ جنگ کرنے والوں سے کوئی دوستی نہیں ہے بلکہ مناسب ہے کہ ہم ان سے بیزار ہوں، لیکن چونکہ وہ سب پیغمبرؐ کے اصحابِ کرام ہیںؓ کہ ما بمحبتِ ایشاں ماموریم واز بغض وایذائے ایشاں ممنوع" یعنی ہم کو اُن کے ساتھ محبت رکھنے کا حکم ہے اور اُن کے ساتھ بغض وایذا رسانی سے روک دیئے گئے ہیں۔ اس لئے لازماً ہم بھی پیغمبر علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کی دوستی کی وجہ سے تمام صحابہؓ کو دوست رکھتے ہیں اور ان کے ساتھ بغض وایذا رسانی سے دُور رہتے ہیں کیونکہ ان سے بغض و ایذا کا معاملہ سرورِ عالمؐ تک پہنچتا ہے۔ لیکن جو محق (حق پر) ہے ہم اس کو حق والا ہی کہیں گے اور مخطی (بلا قصد خطا وار) کو مخطی ـــــ حضرت امیر (علیؓ) حق پر تھے اور ان کے مخالف خطا پر۔ اس سے زیادہ کہنا فضول ہے ـــــ اس بحث کی تحقیق کا تفصیل سے ذکر اس مکتوب (۲۵۱ دفتر اول) میں درج ہے جو خواجہ محمد اشرف کو لکھا گیا ہے۔ اگر کوئی بات پوشیدہ رہ گئی ہو تو اس مکتوب کی طرف رجوع فرمائیں۔

تصحیحِ عقائد کے بعد احکامِ فقہ کی تعلیم حاصل کرنے کے بغیر چارہ نہیں، اور فرض وواجب، حلال وحرام، سنت ومستحب، مشتبہ ومکروہ کی واقفیت بھی ضروری ہے، اور اسی طرح علمِ (فقہ) کے تقاضے کے مطابق عمل کرنا بھی ضروری ہے۔ فقہ کی کتابوں کا مطالعہ ضروریاتِ (دین) میں سے سمجھیں، اور اعمالِ صالحہ کی بجا آوری کی رعایت میں سعیِ بلیغ فرمائیں، اور نماز جو کہ دین کا ستون ہے اس کے چند ارکان و فضائل بیان کئے جاتے ہیں، غور سے سنیں۔

اول وضو کامل اور پورے طور پر کرنے کے سوا چارہ نہیں ہے، ہر عضو کو تین بار بتمام وکمال دھونا چاہیئے تاکہ سنت کے طریقہ پر وضو ادا ہو، اور سر کا مسح بالاستیعاب یعنی سارے سر کا مسح کرنا چاہیئے اور کانوں اور گردن کے مسح میں خوب احتیاط کرنی چاہیئے اور بائیں ہاتھ کی خنصر یعنی چھنگلیا سے

پاؤں کی انگلیوں کے نیچے کی طرف سے خلال کرنا لکھا ہے اس کی رعایت رکھیں، اور مستحب کے بجالانے کو معمولی نہ سمجھیں، مستحب حق جل و علا کے نزدیک پسندیدہ اور محبوب عمل ہے، اگر تمام دنیا کے عوض اللہ تعالیٰ کا ایک پسندیدہ اور محبوب فعل معلوم ہو جائے اور اس کے مطابق عمل میسر ہو جائے تو غنیمت ہے اس کا بعینہٖ یہی حکم ہے کہ کوئی چند خزف ریزوں یعنی ٹھیکروں سے نفیس جواہر خرید لے اور بے فائدہ جماد یعنی پتھر سے روح کو حاصل کرے ـــــــ کمالِ طہارت اور کامل وضو کے بعد نماز کا قصد کرنا چاہیے جو "مؤمن کی معراج" ہے اور کوشش کرنی چاہیئے کہ فرض نماز باجماعت ادا ہوں بلکہ امام کے ساتھ تکبیرِ اولیٰ بھی ترک نہیں ہونی چاہیئے اور نماز کو مستحب وقت میں ادا کرنا چاہیئے، قرأت میں قدر مسنون کو مدنظر رکھنا چاہیئے ـــــ رکوع و سجود میں بھی طمانیت ضروری ہے کیونکہ فرض ہے یا بقول مختار واجب، ـــــ قومہ میں اس طرح سیدھا کھڑا ہونا چاہیئے کہ تمام بدن کی ہڈیاں اپنی اپنی جگہ پر آجائیں۔ اور سیدھا کھڑے ہونے کے بعد طمانیت درکار ہے کیونکہ طمانیت فرض ہے یا واجب یا سنت علی اختلاف الاقوال۔ ـــــ ایسے ہی جلسہ میں جو دو سجدوں کے درمیان ہے اچھی طرح بیٹھنے کے بعد اطمینان ضروری ہے جیسا کہ قومہ میں ـــــ اور رکوع و سجود کی کم سے کم تسبیحیں تین بار ہیں اور زیادہ سے زیادہ سات بار یا گیارہ بار ہیں علی اختلاف الاقوال ـــ اور امام کی تسبیح مقتدیوں کے حال کے اندازہ کے مطابق ہونی چاہیئے ـــــ شرم کی بات ہے کہ انسان تنہا نماز پڑھنے کی حالت میں طاقت ہوتے ہوئے اقل تسبیحات پر کفایت کرے، اگر زیادہ نہ ہو سکے تو پانچ یا سات بار تو کہے ـــــ اور سجدہ کرتے وقت اول وہ اعضا زمین پر رکھے جو زمین کے نزدیک ہیں۔ پس اول دونوں زانو زمین پر رکھے پھر دونوں ہاتھ پھر ناک پھر پیشانی، زانو اور ہاتھ زمین پر رکھتے وقت دائیں طرف سے ابتدا کی جائے ـــــ اور سر اٹھاتے وقت اول ان اعضا کو اٹھانا چاہیئے جو آسمان سے نزدیک ہیں، پس پہلے پیشانی اٹھانی چاہیئے ـــــ اور قیام کے وقت اپنی نظر کو سجدہ کی جگہ پر، اور رکوع کے وقت اپنے پاؤں پر، اور سجدے میں ناک کی نوک پر، اور جلوس کے وقت اپنے دونوں ہاتھوں پر یا اپنی گود کی طرف نظر رکھنی چاہیئے ـــــ جب نظر پراگندہ ہونے سے روک لی جائے اور مذکورہ بالا جگہوں میں جمالی جائے تو سمجھ لینا چاہیئے کہ نماز جمعیت اور حضورِ دل کے ساتھ میسر ہو گئی اور خشوع کے ساتھ ادا ہو گئی جیسا کہ نبی کریم علیہ و علیٰ آلہ الصلوۃ والسلام سے منقول ہے ـــــ اور ایسے ہی رکوع کے وقت دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو کھلا رکھنا اور سجود کے وقت انگلیوں کا ملانا سنت ہے اس کو بھی

مدِ نظر رکھنا چاہیئے ـــــ انگلیوں کا کھلا رکھنا یا مِلانا بے تقریب و بے فائدہ نہیں ہے ۔ صاحبِ شرع نے اس میں کئی قسم کے فائدے ملاحظہ کر کے اس پر عمل فرمایا ہے ـــــ نیز صاحب شریعت علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت کے برابر کوئی فائدہ نہیں ہے ـــــ یہ سب احکام مفصل اور واضح طور پر کتبِ فقہ میں درج ہیں، یہاں بیان کرنے سے مقصود یہ ہے کہ علم فقہ کے مطابق عمل بجالانے میں ترغیب ہو ـــــ وَفَّقَنَا اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَاِیَّاکُمْ عَلَی الْاَعْمَالِ الصَّالِحَۃِ الْمُوَافِقَۃِ لِلْعُلُوْمِ الشَّرْعِیَّۃِ بَعْدَ اَنْ وَفَّقَنَا اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ لِتَصْحِیْحِ الْعَقَائِدِ الدِّیْنِیَّۃِ بِحُرْمَۃِ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ عَلَیْہِ وَعَلَیْھِمْ وَعَلٰی اٰلِ کُلٍّ مِّنَ الصَّلَوَاتِ اَفْضَلُھَا وَمِنَ التَّسْلِیْمَاتِ اَکْمَلُھَا (اللہ تعالیٰ ہم کو اور آپ کو حضرت سید المرسلین علیہ وعلیہم وعلی آل کل من الصلوات افضلہا ومن التسلیمات اکملہا کے طفیل دینی عقائد کی تصحیح کے بعد علوم شرعیہ کے موافق اعمالِ صالحہ بجالانے کی توفیق عطا فرمائے (آمین)۔

اگر نماز کے فضائل جاننے اور اس کے مخصوص کمالات معلوم کرنے کا ذوق و شوق اپنے اندر پائیں تو تین مکتوب جو ایک دوسرے سے متصل اور ملے ہوئے ہیں ان کا مطالعہ فرمائیں :ـــ پہلا مکتوب (مکتوب ۲۶۰) فرزندی محمد صادق کے نام لکھا گیا ہے اور دوسرا مکتوب (مکتوب ۲۶۱) میر محمد نعمان کے نام اور تیسرا مکتوب (مکتوب ۲۶۳) مشیخت مآب میاں شیخ تاج کے نام لکھا ہے ۔

نماز سے متعلق تین اہم مکتوبات

ان اعتقادی اور عملی دو بازوؤں کے حاصل ہونے کے بعد اگر حق تعالیٰ جل سلطانہٗ کی توفیق رہنمائی فرمائے تو صوفیہ کے عالی طریقہ کا سلوک (اختیار) کرے جو اس غرض سے نہیں کہ وہ اعتقاد و عمل کے علاوہ کوئی زائد چیز ہے یا کوئی نئی چیز حاصل کرنا ہے بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ معتقدات کی نسبت ایسا یقین و اطمینان حاصل ہو جائے کہ شک ڈالنے والے کی شک اندازی سے زائل نہ ہو، اور شبہ کے پیش آنے سے باطل نہ ہو جائے، کیونکہ بحث و مباحثہ کے پاؤں لکڑی کے ہوتے ہیں، اور دلائل قائم رہنے والے نہیں ہوتے: اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ (رعد ۱۳ آیت ۲۸) (خبردار کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر ہی سے دلوں کو اطمینان حاصل ہوتا ہے) ـــــ اور اعمال کی بجا آوری کے لئے آسانی اور سہولت حاصل کریں، اور سستی و سرکشی جو نفسِ امارہ سے پیدا ہوتی ہے اس کو دور کریں ۔ اور اسی طرح طریقۂ صوفیہ کے سلوک کا مقصود یہ نہیں ہے کہ غیبی صورتوں اور شکلوں کا مشاہدہ اور طرح طرح کے انوار کا معائنہ کریں یہ تو خود لہو و لعب میں داخل ہیں، یہ حسّی صورتیں اور انوار کس قدر نقصان رکھتے ہیں

کہ کوئی شخص انوار و صورِ غیبی کی تمنا میں اپنے آپ کو ریاضات و مجاہدات میں لگا دے، کیونکہ یہ (حسّی) صورتیں اور وہ (غیبی) صورتیں، اور یہ انوار اور وہ انوار سب کے سب حق جل و علا کی مخلوق ہیں، اور وہ حق تعالیٰ کے وجود پر دلالت کرنے والی نشانیاں ہیں۔

اور صوفیہ کے طریقوں میں سے طریقۂ عالیہ نقشبندیہ کا اختیار کرنا اولیٰ و انسب ہے۔ کیونکہ ان بزرگواروں نے سنت کی پیروی کو اپنے اوپر لازم کر لیا ہے اور بدعت سے پرہیز کیا ہے، اگر ان کو پیروی کی دولت حاصل ہو جائے اور حال و احوال کچھ بھی حاصل نہ ہوں تو خوش ہیں۔ اور اگر احوال کے باوجود سنت کی پیروی میں سستی اور نقصان جانیں تو ان احوال کو پسند نہیں کرتے —— یہی وجہ ہے کہ ان بزرگواروں نے سماع و رقص کو تجویز نہیں کیا اور جو احوال (سماع کے دوران) ان پر مرتب ہوتے ہیں ان کو بھی قابلِ اعتبار نہیں سمجھتے بلکہ ذکرِ جہر کو بھی بدعت جان کر اس سے منع فرماتے ہیں، اور وہ ثمرات جو اس کیفیت پر مرتب ہوتے ہیں ان کو بھی قابلِ التفات نہیں سمجھتے۔

ایک دن ہم حضرت ایشاں (خواجہ باقی باللہؒ) کی مجلسِ طعام میں حاضر تھے۔ شیخ کمال جو ہمارے حضرت خواجہؒ کے مخلصوں میں سے تھے، انھوں نے کھانا شروع کرتے وقت ان کے حضور میں اسمِ اللہ بلند آواز سے کہا۔ آپ کو ناگوار ہوا حتیٰ کہ آپ نے کافی سرزنش فرمائی اور فرمایا کہ ان کو منع کریں کہ ہمارے کھانے کی مجلس میں حاضر نہ ہوا کریں —— اور میں نے حضرتِ ایشاں (خواجہ باقی باللہؒ) سے سنا ہے کہ حضرت خواجہ نقشبندؒ علماءِ بخارا کو جمع کر کے حضرت امیر کلالؒ کی خانقاہ میں لے گئے تاکہ وہ ان کو ذکرِ جہر سے منع فرمائیں۔ چنانچہ علماءِ کرامؒ نے حضرت امیرؒ کی خدمت میں عرض کیا کہ ذکرِ جہر بدعت ہے آپ ایسا نہ کریں۔ انھوں نے فرمایا کہ ہم آئندہ نہیں کریں گے۔

جب اس طریقے کے بزرگوار (صوفیائے ربانی) ذکرِ جہر سے منع کرنے میں اسقدر مبالغہ کرتے ہیں تو پھر سماع و رقص اور وجد و تواجد کا کیا ذکر۔ وہ احوال و مواجید جو غیر مشروع اسباب پر مرتب ہوں فقیر کے نزدیک استدراج کی قسم سے ہیں کیونکہ استدراج والوں کو بھی احوال و اذواق حاصل ہوتے ہیں اور جہان کی صورتوں کے آئینوں میں کشفِ توحید اور مکاشفہ و معائنہ ان کو بھی ظاہر ہو جاتا ہے۔ اس امر میں حکمائے یونان اور ہندوستان کے جوگی و برہمن سب برابر ہیں، احوال کے سچا اور صادق ہونے کی علامت ان احوال کا علومِ شرعیہ کے مطابق ہونا اور محرّمہ و مشتبہ امور کے ارتکاب سے بچنا ہے۔

جاننا چاہئے کہ سماع و رقص درحقیقت لہو و لعب میں داخل ہیں: آیۂ کریمہ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ (سورۂ لقمن آیت ۶ پ۲۱) (اور لوگوں میں (کوئی) ایسا بھی (نالائق) ہے جو واہیات (وخرافات) قصے کہانیاں مول لے لیتا ہے) سرود سے منع کرنے کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ چنانچہ مجاہدؒ جو حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے شاگرد ہیں اور کبار تابعین میں سے ہیں فرماتے ہیں لَهْوَ الْحَدِيْثِ سے مراد سرود ہے ــــــ اور تفسیر مدارک میں ہے کہ لهو الحديث سے مراد (بعد عشا) بیہودہ قصے کہانیوں میں وقت گذارنا اور سرود وغیرہ ہے۔ اور حضرت ابنِ عباس و ابنِ مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم قسم کھاتے تھے کہ بیشک وہ غنا و سرود ہے ــــــ حضرت مجاہدؒ اللہ تعالیٰ کے قول لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ (الفرقان آیت ۷۲ پ۲۵) (زور میں حاضر نہیں ہوتے) کی تفسیر میں فرماتے ہیں اَیْ لَا يَحْضُرُوْنَ الْغِنَاءِ (یعنی سرود و سماع میں حاضر نہیں ہوتے) ــــــ اور امام الہدیٰ ابو منصور ماتریدی سے روایت کی گئی ہے کہ جس شخص نے ہمارے زمانے کے کسی قاری کو (جو کلماتِ قرآن میں گانے کی طرز پر پڑھنے کی وجہ سے تغیر پیدا کرتا ہے) قرأت کے وقت کہا کہ تو نے بہت اچھا پڑھا تو وہ کافر ہو جاتا ہے[1] اور اس کی عورت کو طلاق ہو جاتی ہے، اور اللہ تعالیٰ اس کی تمام نیکیوں کو ضائع کر دیتا ہے ــــــ اور ابو نصیر الدبوسی سے حکایت کی گئی ہے کہ انھوں نے قاضی ظہیر الدین خوارزمی سے نقل کیا ہے کہ جس نے گانے والے یا کسی اور سے سرود سنا یا فعلِ حرام کو دیکھا اور اس کو اچھا جانا اسی وقت مرتد ہو جاتا ہے خواہ اچھا جاننا اعتقاد کی رو سے ہو یا بغیر اعتقاد کے، کیونکہ اس نے شریعت کے حکم کو باطل کر دیا اور جس نے شریعت کے حکم کو باطل کر دیا وہ کسی مجتہد کے نزدیک مؤمن نہیں رہتا اور اللہ تعالیٰ اس کی عبادت کو قبول نہیں کرتا اور اس کی سب نیکیوں کو ضائع کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اس سے بچائے۔

سرود و غنا کی حرمت میں آیات و احادیث اور روایاتِ فقہیہ اس کثرت سے ہیں کہ ان کا شمار کرنا مشکل ہے۔ اس کے باوجود اگر کوئی شخص منسوخ حدیث یا روایتِ شاذہ (یعنی غیر معتبر) کو سرود کے مباح ہونے میں پیش کرے تو اس کا اعتبار نہیں کرنا چاہئے، کیونکہ کسی فقیہ نے کسی زمانے میں بھی سرود کے مباح ہونے کا فتویٰ نہیں دیا ہے اور نہ ہی رقص و پاکوبی کو جائز قرار دیا ہے جیسا کہ امام ہمام ضیاء الدین

[1] درمختار میں ہے کہ قرآن و اذان میں آواز کو خوبصورتی سے پھرانا اچھا ہے جبکہ حروف میں تغیر واقع نہ ہوا ہو، اگر تغیر واقع ہوا تو اس کے لئے بھی اور سننے والے کے لئے بھی مکروہ ہے اور اس کو احسنت کہنا یعنی تو نے اچھا کیا اگر اس کے خاموش ہونے کی وجہ سے (بطور دعا کے) ہے تو اچھا ہے اور اگر اس کی اس (گانے کی طرز کی) قرأت کی وجہ سے احسنت کہا تو اس پر کفر کا ڈر ہے۔

شامی کے رسالہ ملتقط میں مذکور ہے ـــــ اور صوفیہ کا عمل حل و حرمت میں سند نہیں ہے۔ کیا ان کے لئے صرف یہی کافی نہیں ہے کہ ہم ان کو معذور سمجھیں اور ان کو ملامت نہ کریں اور ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیں، یہاں تو امام ابو حنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ اور امام محمد رحمہم اللہ کا قول معتبر ہے، نہ کہ ابو بکر شبلی اور ابو الحسن نوری کا عمل ـــــ اس زمانے کے خام صوفیوں نے اپنے پیروں کے عمل کا بہانہ بنا کر سرود و رقص کو اپنا دین و ملت بنا لیا ہے اور اسی کو طاعت و عبادت سمجھ لیا ہے: اَلَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا دِیْنَهُمْ لَهْوًا وَّ لَعِبًا (اعراف آیت ۵۱) (یعنی یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے لہو و لعب کو اپنا دین بنا لیا ہے) ـــــ اور سابقہ روایت سے معلوم ہو چکا کہ جو شخص فعلِ حرام کو مستحسن اور اچھا جانے وہ اسلام کے گروہ سے نکل جاتا اور مرتد ہو جاتا ہے۔ تو پھر خیال کرنا چاہئے کہ سماع و رقص کی مجلس کی تعظیم کرنا بلکہ اس کو طاعت و عبادت سمجھنا کس قدر بُرا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کا احسان ہے کہ ہمارے پیر اس مرض میں مبتلا نہ ہوئے اور ہم متبعین کو اس قسم کے امور کی تقلید سے چھڑا دیا۔

سننے میں آیا ہے کہ مخدوم زادے سرود کی طرف رغبت رکھتے ہیں اور جمعہ کی راتوں میں سرود اور قصیدہ خوانی کی مجالس منعقد کرتے ہیں اور اکثر احباب اس امر میں موافقت کرتے ہیں۔ نہایت تعجب کی بات ہے کہ دوسرے سلسلوں کے مرید تو اپنے پیروں کے عمل کا بہانہ بنا کر اس امر کے مرتکب ہوتے ہیں اور شرعی حرمت کو اپنے پیروں کے عمل سے دفع کرتے ہیں اگرچہ فی الحقیقت وہ اس امر میں حق پر نہیں ہیں۔ بھلا اس سلسلہ کے احباب اس ارتکاب میں کونسا عذر پیش کریں گے ـــــ ایک طرف حرمتِ شرعی اور دوسری طرف اپنے پیروں کی مخالفت ہوئی، نہ اہلِ شریعت اس فعل سے راضی اور نہ اہلِ طریقت۔ ـــــ اگر حرمتِ شرعی نہ بھی ہوتی تو بھی طریقت میں کسی نئے امر کا پیدا کرنا بُرا ہوتا، پھر ایسا امر کس طرح بُرا نہ ہو جبکہ حرمتِ شرعی بھی اس کے ساتھ جمع ہو جائے ـــــ مجھے یقین ہے کہ جناب مرزا جیو (یعنی خواجہ حسام الدین صاحب) اس امر سے راضی نہ ہوں گے لیکن آپ کے آداب کو مدنظر رکھ کر صریح طور پر منع بھی نہ کرتے ہوں گے اور دوستوں کو اس اجتماع سے نہ روکتے ہوں گے ـــــ اس فقیر نے چونکہ اپنے آنے میں کچھ توقف دیکھا اس لئے چند فقرے جمع کر کے لکھ کر بھیج دیئے ہیں۔ اس سبق کو مرزا جیو کی خدمت میں پیش کر دیں، اور اول سے آخر تک اُن کے سامنے پڑھیں۔

والسلام

مکتوب ۲۶۷
دو صد و شصت و ہفتم

میرزا حسام الدین احمد[۱] کی طرف صادر فرمایا — اس بیان میں کہ وہ اسرار و دقائق جن سے حضرت ایشاں (حضرت مجددؒ) ممتاز ہوئے ہیں ان میں سے تھوڑا سا بھی ظاہر نہیں کیا جا سکتا بلکہ رمز و اشارہ کے ساتھ بھی ان کے بارے میں گفتگو نہیں کی سکتی، وہ اسرار "مشکوٰۃِ نبوت" سے مقتبس ہیں اور ملائکہ علیین بھی اس دولت میں شریک ہیں، اور اس کے مناسب بیان میں۔

حمد و صلوٰۃ اور تبلیغ دعوات کے بعد عرض ہے کہ آپ کا صحیفہ شریفہ جو از روئے لطف و کرم اس حقیر کے نام تحریر فرمایا تھا اس کے مطالعہ سے مشرف ہوا۔ جَزَاکُمُ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ خَیْرًا (اللہ سبحانہٗ آپ کو اس کی بہترین جزا عطا فرمائے) — حق جل سلطانہٗ کے انعامات میں سے کیا کیا تحریر کرے اور اس کا شکر کس طرح ادا کرے — وہ علوم و معارف جن کا فیضان ہوتا رہتا ہے ان میں سے بیشتر حصہ تحریر ہوتا رہتا ہے اور ہر اہل و نا اہل کے گوش گزار ہوتا رہتا ہے، لیکن وہ اسرار و دقائق جن کے ساتھ یہ فقیر ممتاز ہے اس کا ذرا سا حصہ بھی اظہار نہیں کیا جا سکتا بلکہ رمز و اشارہ سے بھی ان دقائق کا ذکر نہیں کیا جا سکتا — بلکہ اپنے فرزند عزیز (خواجہ محمد صادقؒ) جو اس فقیر کے معارف کا مجموعہ اور مقاماتِ سلوک و جذبہ کا نسخہ ہے اس سے بھی ان اسرار و دقائق میں سے کوئی ایک رمز بیان نہیں کر سکتا، اور ان کے پوشیدہ رکھنے میں پوری پوری احتیاط و کوشش کرتا ہے حالانکہ فقیر جانتا ہے کہ میرا فرزند "محرمانِ اسرار" میں سے ہے اور خطا و غلطی سے محفوظ ہے لیکن (یہ فقیر) کیا کرے کہ معانی کی دقت اور باریکی زبان کو پکڑ لیتی ہے اور اسرار کی لطافت ہونٹوں کو بند کر دیتی ہے: وَيَضِيْقُ صَدْرِيْ وَلَا يَنْطَلِقُ لِسَانِيْ (شعراء آیت ۱۳ پ ۲۶) (میرا سینہ تنگ ہو جاتا ہے اور میری زبان جاری نہیں رہتی) نقدِ وقت ہے — اور وہ اسرار اس قبیل (قسم) میں سے نہیں ہیں کہ بیان میں نہیں آ سکتے بلکہ وہ ایسے ہیں کہ بیان میں لائے ہی نہیں جا سکتے ؎

فریادِ حافظ ایں ہمہ آخر بہرزہ نیست ہم قصۂ غریب و حدیثِ عجیب ہست

(نہیں بکواس یہ حافظ کی فریاد وہ البتہ عجیب احوال کی ہے)

---

[۱] آپ کے نام سولہ مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۳۲ صفحہ ۱۲۷ پر ملاحظہ ہو۔

یہ دولت جس کے پوشیدہ رکھنے میں ہم کوشش کرتے ہیں انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے "مشکوٰۃِ نبوت" سے اقتباس کی ہوئی ہے، اور ملائکہ ملاءِ اعلیٰ علیٰ نبینا وعلیہم الصلوات والتسلیمات بھی اس دولت میں شریک ہیں، اور انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی متابعت کرنے والوں میں سے جس کو اس دولت سے مشرف فرمائیں وہ بھی اس دولت میں شریک ہے ——— حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دو قسم کے علم سیکھے ہیں، ان دو علموں میں سے ایک یہ ہے جو میں نے تمہارے درمیان پھیلا دیا اور بیان کیا، اور دوسرا علم وہ ہے کہ اگر میں تم پر ظاہر کر دوں تو میرا گلا کاٹ دیا جائے اور وہ علم "علمِ اسرار" ہے کہ ہر شخص کی فہم وہاں تک رسائی حاصل نہیں کر سکتی: ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ (جمعہ آیت ۴) (یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے)۔

دوسری عرض یہ ہے کہ وہ مکتوب (۲۶۶) جو حضرات خواجہ زادوں کے نام تحریر کیا ہے آپ کی نظر سے بھی گذرا ہوگا ——— میرے مخدوم ومکرم! طریقت میں بھی کوئی نئی بات نکالنا اس فقیر کے نزدیک اس بدعت سے کم نہیں ہے جو دین میں پیدا کی جائے۔ "برکاتِ طریقت" اسی وقت تک جاری و ساری رہتے ہیں جب تک کہ طریقت میں کوئی نئی بات پیدا نہ کی جائے، اور جب کوئی نئی بات طریقت میں پیدا ہو جائے تو اس طریقے کے فیوض وبرکات کی راہ بند ہو جاتی ہے ——— لہٰذا طریقت کی محافظت انتہائی ضروری ہوئی، اور طریقت کی مخالفت سے پرہیز کرنا بھی ضروریات میں سے ہو گیا۔ پس آپ جس جگہ بھی ہوں اور جس سے بھی اپنے طریقے کی مخالفت دیکھیں تو نہایت سختی اور سرزنش کے ساتھ اس کو روکیں اور اس طریقت کی ترویج وتقویت میں کوشش کریں۔ والسلام والاکرام۔

مکتوب ۲۶۸
دو صد و شصت و ہشتم

(عبد الرحیم خان خاناں[1] کی طرف صادر فرمایا ——— اس بیان میں کہ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی وراثت کا علم کونسا ہے؟ اور وہ حدیث علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل کون سے علماء مراد ہیں؟

اور اس بیان میں کہ "علمِ اسرار" جو انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی وراثت سے باقی رہ گیا ہے وہ

---

[1] آپ کے نام تیرہ مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۲۳ صفحہ ۹۶ پر ملاحظہ ہو۔

علم توحیدِ وجودی کے ان اسرار کے علاوہ ہے جن کے بارے میں اولیائے امت نے کلام کیا ہے، اور احاطہ و سریان اور قرب و معیت اور ان کے مناسب بیان میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) ——— اس علاقہ کے فقراء کے احوال و اطوار شکر کے لائق ہیں ——— وَالْمَسْئُوْلُ مِنَ اللّٰہِ سُبْحَانَہٗ سَلَامَتُکُمْ وَعَافِیَتُکُمْ وَثَبَاتُکُمْ وَاسْتِقَامَتُکُمْ (اور ہم آپ کی سلامتی عافیت، ثابت قدمی اور استقامت کے لئے اللہ سبحانہٗ سے دعا کرتے ہیں)۔

چونکہ "علمِ وراثت" کی بحث درمیان میں آگئی ہے اس لئے چند کلمے وقتی ضرورت کی بنا پر تحریر کئے جاتے ہیں: ——— حدیث شریف میں وارد ہے اَلْعُلَمَاءُ وَرَثَۃُ الْاَنْبِیَاءِ [1] (علماء انبیاء کے وارث ہیں) ——— واضح ہو کہ جو علم انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات سے باقی و جاری ہے دو قسم کا ہے: (ایک) علمِ احکام (دوسرا) علمِ اسرار ——— اور (انبیاء کی) وراثت کا عالم (کہلانے کا مستحق) وہی شخص ہو سکتا ہے جو دونوں قسم کے علم سے بہرہ ور ہو، نہ یہ کہ صرف ایک قسم کا علم حاصل ہو اور دوسری قسم سے محروم ہو ——— یہ بات وراثت کے منافی ہے، کیونکہ وارث کو مورث کے ہر قسم کے ترکہ میں سے حصہ ملتا ہے، نہ کہ بعض میں حصہ ہو اور بعض میں نہ ہو۔ اور وہ شخص جس کا حصہ کسی خاص معین تک محدود ہو وہ (وارث نہیں بلکہ) غرما (قرض خواہ) میں داخل ہے، جس کا حصہ اس کے حق کی جنس سے متعلق ہے، اسی طرح آنحضرت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے: عُلَمَاءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَاءِ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ (میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کے مانند ہیں)۔

اور علماء سے مراد علمائے وارث ہیں نہ کہ غرما کہ جنھوں نے ترکہ کا بعض حصہ لیا ——— کیونکہ وارث کو قرب و جنسیت کی وجہ سے بھی مورث کے مانند کہہ سکتے ہیں بخلاف غریم کے کہ وہ اس تعلق سے خالی ہے، لہٰذا جو شخص وارث نہیں ہے وہ عالم بھی نہیں ہے، مگر یہ کہ اس کے علم کو ایک نوع کے ساتھ مقید کر دیا جائے اور مثال کے طور پر یوں کہیں کہ وہ علمِ احکام کا عالم ہے۔ اور عالم مطلق وہ ہے جو وارث ہو اور اس کو دونوں قسم کے علوم سے وافر حصہ حاصل ہو ——— اکثر لوگوں کا یہ گمان ہے کہ علمِ اسرار سے مراد علمِ توحید وجودی ہے اور کثرت میں شہود وحدت اور وحدت میں کثرت کا

[1] اس حدیث کو احمد ترمذی ابی داؤد اور ابن ماجہ نے حضرت ابو درداء سے روایت کیا۔ مشکوٰۃ

مشاہدہ ہے۔ اور احاطہ و سریان کے معارف اور اس تعالیٰ کی قرب و معیت سے کنایہ ہے جس طرح کہ اربابِ احوال کے نزدیک مکشوف و مشہود ہے حاشا و کلا ثم حاشا و کلا (ہرگز نہیں پھر ہرگز نہیں) کہ اس قسم کے علوم و معارف "علم اسرار" سے ہوں اور "مرتبۂ نبوت" کے لائق ہوں، کیونکہ ان معارف کی بنیاد وقتی سکر اور غلبۂ حال پر ہے جو صحو (ہوش) کے منافی ہے، اور انبیاء علیہم الصلوات والتحیات کا علم، خواہ وہ علمِ احکام ہو یا علمِ اسرار سب کا سب صحو در صحو (اعلیٰ درجہ کا ہوش) ہے، کہ سکر کا ایک شمہ بھی اس میں نہیں ملا ہے، بلکہ یہ معارف اس مقامِ ولایت کے مناسب ہیں جو سکر میں قدم راسخ رکھتا ہے ـــــ لہذا یہ علوم "اسرارِ ولایت" سے متعلق ہیں نہ کہ "اسرارِ نبوتِ انبیاء" علیہم الصلوات والتسلیمات سے۔ اگرچہ (نبی سے) ولایت بھی ثابت ہے لیکن اس کے احکام مغلوب ہیں اور نبوت کے احکام کے مقابلہ میں مضمحل و بے حقیقت ہیں ؎

بلے ہر جا شود مہر آشکارا　　سُہا را جز نہاں بودن چہ یارا
(یقیناً ہر جگہ سورج عیاں ہے　　سُہا اس واسطے ہوتا نہاں ہے)

فقیر نے اپنی کتابوں اور رسالوں میں لکھا ہے اور تحقیق کی ہے کہ "کمالاتِ نبوت" دریائے محیط کا حکم رکھتے ہیں اور "کمالاتِ ولایت" ان کے مقابلے میں ایک حقیر قطرہ کے مانند ہیں، لیکن کیا کریں جن لوگوں کو "کمالاتِ نبوت" تک رسائی نہیں ہے انھوں نے کہا اَلْوَلَایَةُ اَفْضَلُ مِنَ النُّبُوَّةِ (ولایت نبوت سے افضل ہے) ـــــ اور ایک جماعت نے اس کی توجیہ میں کہا ہے کہ نبی کی ولایت اس کی نبوت سے افضل ہے ـــ ان دونوں گروہوں نے نبوت کی حقیقت کو نہ سمجھا اور غائب پر حکم کیا ہے۔ صحو پر سکر کو ترجیح دینے کا حکم بھی اسی حکم کی طرح ہے، اگر صحو کی حقیقت کو جان لیتے تو ہرگز سکر کو صحو کے ساتھ نسبت نہ دیتے۔ ع

چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک　　(کہاں خاک اور کہاں عالمِ پاک)

شاید ان لوگوں نے خواص کے صحو کو عوام کے صحو کی مانند سمجھ کر سکر کو اس پر ترجیح دی ہے کاش کہ خواص کے سکر کو بھی عوام کے سکر کی طرح سمجھتے اور اس حکم کی جرأت نہ کرتے، کیونکہ علماء کے نزدیک یہ بات ثابت و مقرر ہے کہ صحو سکر سے بہتر ہے ـــــ اگر صحو و سکر مجازی ہے تو بھی یہ حکم ثابت ہے اور اگر حقیقی ہے تب بھی یہ حکم ثابت ہے ـــــ ولایت کو نبوت سے افضل کہنے اور سکر کو

صحو پر ترجیح دینے کا حکم ایسا ہی ہے جیسے کوئی کفر کو اسلام پر ترجیح دے اور جہل کو علم سے بہتر جانے، کیونکہ کفر و جہل "مقام ولایت" کے مناسب ہے، اور اسلام و معرفت "مرتبۂ نبوت" کے مناسب ہے، منصور کہتا ہے شعر

کَفَرْتُ بِدِیْنِ اللّٰهِ وَالْکُفْرُ وَاجِبٌ　　لَدَیَّ وَعِنْدَ الْمُسْلِمِیْنَ قَبِیْحٌ

(دین کو چھوڑا کفر واقع ہو گیا　　اور مسلماں اس کو کہتے ہیں قبیح)

اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کفر سے پناہ مانگتے ہیں[۱]: قُلْ کُلٌّ یَّعْمَلُ عَلٰی شَاکِلَتِہٖ (بنی اسرائیل آیت ۸۴) (آپ کہہ دیجئے کہ ہر شخص اپنے طریقے پر کام کر رہا ہے) —— چنانچہ جس طرح عالم مجاز میں اسلام کفر سے بہتر ہے اسی طرح حقیقت میں بھی اسلام کو کفر سے بہتر جاننا چاہئے۔ فَاِنَّ الْمَجَازَ قَنْطَرَۃُ الْحَقِیْقَۃِ (تحقیق مجاز حقیقت کا پل ہے)۔

اگر کہا جائے کہ مقام ولایت میں جس طرح کہ مرتبہ جمع میں کفر، سکر اور جہل ثابت ہے اسی طرح مرتبۂ فرق بعد الجمع میں اسلام، صحو اور معرفت بھی متحقق و ثابت ہے، لہذا کفر و سکر و جہل کو ولایت کے مقام کے مناسب کہنے کے کیا معنی ہوں گے؟ —— ہم کہتے ہیں کہ صحو وغیرہ کو مرتبۂ فرق میں ثابت کرنا مرتبۂ جمع کی نسبت سے ہے جو سراسر سکر و استتار (پوشیدہ) ہے ورنہ اس مرتبہ میں صحو بھی سکر کے ساتھ ملا ہوا ہے اور اس کا اسلام کفر سے خلط ملط ہے اور اس کی معرفت جہل کے ساتھ ملی ہوئی ہے۔ اگر فقیر کتابت میں گنجائش سمجھتا تو مرتبۂ فرق کے احوال و معارف کو تفصیل سے ذکر کرتا، اور اس مرتبہ میں سکر وغیرہ کے اختلاط اور اس کے مانند کو بیان کرتا۔ سمجھدار لوگ شاید اپنی فراست کی بنا پر اس معانی کی باریکی کو سمجھ لیں۔ اَلْعَجَبُ کُلُّ الْعَجَبِ (تعجب ہی تعجب ہے)۔

پس اس قدر سمجھ لینا کافی ہے کہ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کو یہ تمام بزرگی اور بڑائی نبوت کی وجہ سے حاصل ہے نہ کہ ولایت کی وجہ سے۔ اور ولایت نبوت کے لئے ایک خادم سے زیادہ نہیں ہے، اگر ولایت کو نبوت پر فضیلت حاصل ہوتی تو ملائکۂ ملاءِ اعلیٰ جن کی ولایت تمام ولایات سے اکمل درجہ کی ہے تمام انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات سے افضل ہوتے —— اور (صوفیہ کی) جماعت میں سے ایک گروہ نے جب ولایت کو نبوت سے افضل جان کر ملاءِ اعلیٰ کی ولایت کو انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی ولایت سے اکمل خیال کیا تو لازماً ملائکہ علیین کو انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات سے افضل قرار دے دیا اور جمہور اہل سنت سے علیحدہ ہو گئے۔ یہ سب کچھ ان سے نبوت کی

[۱] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے بعد دعا کرتے تھے: اللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْکُفْرِ وَالْفَقْرِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ (رواہ النسائیؒ)

حقیقت پر عدم واقفیت کی وجہ سے ہے ـــــ اور چونکہ لوگوں کی نظر میں عہد نبوت کی دوری کی وجہ سے کمالاتِ نبوت، ولایت کے کمالات کے سامنے حقیر (کم درجہ) معلوم ہوتے ہیں اس لئے (اس غلط فہمی کو دور کرنے کے لئے فقیر نے) مجبوراً گفتگو کو طول دیا اور حقیقتِ معاملہ کو تھوڑا سا ظاہر کر دیا۔
رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِیْٓ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَی الْقَوْمِ الْکٰفِرِیْنَ
(آل عمران آیۃ ۱۴۷)[۳] (اے پروردگار! ہمارے گناہ بخش دے اور ہمارے کاموں میں جو ہم سے زیادتیاں ہوئی ہیں ان کو بھی بخش دے اور ہم کو ثابت قدم رکھ اور کافروں پر ہماری مدد فرما) ـــــ اخوی ارشدی میاں شیخ داؤد چونکہ اس طرف جانے والے تھے اس لئے وہی اس تکلیف (عریضہ پہنچانے) کے باعث ہوئے ہیں۔ والسلام

مکتوب ۲۶۹
دویست و شصت و نہم

(شیخ فرید)[لہ] مرتضیٰ خاں کی طرف صادر فرمایا ـــــ دین کے دشمنوں کی اہانت کرنے اور ان بیوقوفوں اور بدبختوں کے جھوٹے خداؤں کی توہین و تخریب پر ترغیب دینے اور اس عظیم القدر کام کی تمنا ظاہر کرنے میں اور اس کے مناسب بیان میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) ـــــ ہر شخص کے دل میں کسی نہ کسی امر کی تمنا ہوا کرتی ہے (اسی طرح) اس فقیر کی بہت زیادہ تمنا یہی ہے کہ خدائے عزوجل کے دشمنوں اور اس کے پیغمبر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کے دشمنوں کے ساتھ سختی کی جائے اور ان بدنصیبوں کو رسوا کیا جائے اور ان کے باطل معبودوں کو ذلیل و خوار کیا جائے ـــــ اور (یہ فقیر) یقین کے ساتھ جانتا ہے کہ حق جل وعلا کے نزدیک اس عمل سے زیادہ پسندیدہ عمل کوئی نہیں ہے اسی وجہ سے آپ کو اس پسندیدہ عمل کے لئے بار بار ترغیب دیتا ہے اور اس عمل کی بجاآوری کو اسلام کے اہم ترین امور میں سے جانتا ہے۔ چونکہ آپ بذاتِ خود وہاں تشریف لے گئے ہیں اور اس گندے مقام اور وہاں کے رہنے والوں کی تحقیر اور اہانت کے لئے متعین ہوئے ہیں اس لئے سب سے پہلے اس نعمت کا شکر بجالانا چاہئے کیونکہ بکثرت لوگ اس جگہ کی اور وہاں کے باشندوں کی

لہ آپ کے نام بائیس ۲۲ مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۴۳ صفحہ ۱۵۵ پر ملاحظہ ہو۔

تعظیم و توقیر کے لئے جاتے ہیں۔ لِلّٰہِ سُبْحَانَہٗ الْحَمْدُ وَالْمِنَّۃُ (اللہ سبحانہ کی حمد اور اس کا احسان ہے) کہ حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے ہم کو اس بلا میں مبتلا نہیں کیا۔ اس نعمتِ عظمیٰ کا شکر ادا کرنے کے بعد ان بدنصیبوں کی اور ان کے جھوٹے معبودوں کی تحقیر و توہین میں سعی بلیغ کرنی چاہیئے اور ہر ممکن ذریعے سے خواہ پوشیدہ (طور پر) ہو یا ظاہر (ہر طرح) ان لوگوں کی تخریب میں کوشش کرنی چاہیئے۔ اور ان (ہاتھوں سے بنائے ہوئے) بت تراشیدہ ناتراشیدہ گستاخ و بے ادب کی اہانت کرنی چاہیئے امید ہے کہ بعض غفلتیں جو آپ سے وقوع میں آئی ہیں اس عمل کی وجہ سے ان کی تلافی اور کفارہ ہو جائے گا ـــــــ جسمانی کمزوری اور سردی کی شدت مانع ہے ورنہ (یہ فقیر) خود آپ کی خدمت میں پہنچ کر اس کام کو بجالانے کی ترغیب دیتا۔ اور اس تقریب سے اس پتھر پر تھوکتا اور اس کو اپنی سعادت کا سرمایہ سمجھتا۔ اور اس سے زیادہ کیا مبالغہ کیا جائے۔ والسّلام

مکتوب ۲۷۰

دویست و ہفتادم

شیخ نور محمد[1] کی طرف صادر فرمایا ـــــ اس بیان میں کہ بعض صحبتیں گوشہ نشینی پر ترجیح رکھتی ہیں۔

بعض صحبتیں گوشہ نشینی و تنہائی پر ترجیح رکھتی ہیں

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) ـــــ میرے بھائی شیخ نور محمد! آپ نے (ہم) دُور پڑے ہوؤں کو اس طرح بُھلا دیا ہے کہ سلام و پیام سے بھی یاد نہیں کرتے ـــــ آپ کو گوشہ نشینی و یکسوئی کی بڑی خواہش تھی سو میسّر ہو گئی۔ لیکن بعض ایسی صحبتیں ہیں جو گوشہ نشینی اور تنہائی پر فضیلت رکھتی ہیں۔ (مثلاً) حضرت اویس قرنیؒ کے حال پر قیاس کریں کہ چونکہ آپ نے گوشہ نشینی اختیار کی لہٰذا حضرت خیر البشر علیہ و علیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کی صحبت حاصل نہ کر سکے اور اسی لئے وہ صحبت کے کمالات سے بہرہ ور نہ ہوئے اور تابعین میں سے ہو گئے اور اول درجہ کی فضیلت سے محروم ہو کر دوسرے درجہ میں رہ گئے۔

ـــــ اللہ سبحانہٗ کی عنایت سے (یہاں) ہر روز کی صحبت نئی طرز پر ہے: مَنِ اسْتَوٰی یَوْمَاہُ فَھُوَ مَغْبُوْنٌ (جس کے دو دن برابر ہوں وہ نقصان میں ہے)۔ اور سلام ہو آپ پر اور اُن سب پر جو ہدایت کے راستے پر چلے اور حضرت محمد مصطفیٰ علیہ و علیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کی متابعت کو لازم پکڑیں۔

---

[1] آپ کے نام چھ مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ مکتوب ۱۷۰ دفتر اول صفحہ ۳۷۶ پر ملاحظہ ہو۔

مکتوب ۲۷۱
دویست و ہفتاد و یکم

شیخ حسن برکی[ا] کی طرف صادر فرمایا ـــــ ایک واقعہ کے استفسار کے حل میں جو انھوں نے دیکھا تھا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) ـــــ میرے عزیز بھائی شیخ حسن کا مکتوب شریف موصول ہوا، اللہ تعالیٰ اس کے (یعنی آپ کے) حال کو اچھا کرے اور اپنے کمال تک پہنچائے) ـــــ جو واقعہ آپ پر ظاہر ہوا اور آپ نے تحریر کیا تھا اس کا حال واضح ہوا، آپ (اس کے) امیدوار رہیں، اور جو کچھ (ذکر) آپ کو امر کیا گیا ہے اس کی بجا آوری میں پوری تن دہی سے کوشش کریں اور احکامِ شرعیہ کو بجالانے میں بال برابر بھی تجاوز نہ کریں اور اہل سنت وجماعت کے عقائد حقہ کے ساتھ اپنے آپ کو آراستہ رکھیں۔

ع کار این است وغیرِ ایں ہمہ ہیچ (کام بس یہ ہے اور باقی ہیچ)

اگر آپ کے والدین اور بھائی بھی راضی ہوں تو ہندوستان کی سیر کو غنیمت شمار کریں۔ والسلام

مکتوب ۲۷۲
دویست و ہفتاد و دوم

میر سید محب اللہ مانکپوری[۲] کی طرف صادر فرمایا ـــــ ایمان بالغیب اور ایمانِ شہودی کے بیان میں اور ان میں سے ہر ایک کے اصحاب کے بیان میں جو ایمان بالغیب کو ایمانِ شہادت پر فضیلت دیتے ہیں

[ا] آپ کے نام تین[۳] مکتوبات ہیں، دفتر اول مکتوب ۲۷۱ دفتر دوم مکتوب ۷۷، دفتر سوم مکتوب ۱۰۵۔ آپ شیخ احمد برکی کے شاگرد ہیں حضرت مجددؒ کی تعریف سن کر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور صحبتِ بابرکت سے فیضیاب ہو کر خلافت پائی اور وطن واپس ہو گئے اور شیخ احمد برکی کے انتقال کے بعد حضرت مجددؒ نے آپ کو ان کا جانشین مقرر فرمایا۔

[۲] آپ کے نام دس مکتوبات ہیں دفتر اول مکتوب ۲۷۲، ۲۹۵، ۲۹۸، ۳۰۵ دفتر دوم مکتوب ۱۹، ۸۹، دفتر سوم مکتوب ۳، ۷، ۱۳، ۲۹ آپ کی ماہ صفر سنہ ۹۹۶ھ صوبہ اودھ میں ولادت ہوئی۔ ظاہری علوم حاصل کرنے کے بعد شیخ فضل اللہ برہانپوری سے خلافت پائی۔ پھر حضرت مجددؒ کی خدمت میں سرہند حاضر ہوئے اور خلافت سے سرفراز ہو کر وطن واپس چلے گئے لیکن تلون مزاجی کی وجہ سے حضرت مجددؒ کے انتقال کے بعد گنگوہ پہنچے اور حضرت ابو سعیدؒ سے بیعت ہو کر خلافت حاصل کی۔ شاہجہاں اور دارا شکوہ کو آپ سے عقیدت تھی لیکن عالمگیر آپ کے موافق نہ تھے۔ ۹ رجب سنہ ۱۰۵۸ھ کو الہ آباد میں وفات پائی۔

اور توحیدِ شہودی و توحیدِ وجودی کے بیان میں، اور اس بیان میں کہ "فنا" کے حاصل ہونے میں توحیدِ شہودی درکار ہے توحیدِ وجودی درکار نہیں، اور اس بیان میں کہ اول شخص جس نے توحیدِ وجودی کا اظہار کیا اور اس کو صراحت سے بیان کیا وہ "صاحبِ فتوحاتِ مکیہ" ہیں، اگرچہ گذشتہ مشائخ کی عبارات بھی توحید و اتحاد کی خبر دیتی ہیں لیکن وہ توحیدِ شہودی پر محمول ہیں، اور اس کے مناسب بیان میں۔

حمد و صلوٰۃ کے بعد سیادت پناہ برادرِ عزیز میر محب اللہ کو واضح ہو کہ واجب الوجود تعالیٰ کی ذاتِ پاک اور اس کی تمام صفات کے ساتھ غیب پر ایمان لانا انبیا علیہم الصلوات والتسلیمات اور ان کے اصحاب اور وہ اولیا جو بتمام و کمال رجوع رکھتے ہیں ان کا حصہ ہے، اور ان کی نسبت اصحابؓ کی سی ہے، اگرچہ یہ قلیل ہیں بلکہ اقل ہیں، اور وہ علما اور عامۂ مومنین کا حصہ ہے۔ اور ایمانِ شہودی عامۂ صوفیہ کے نصیب ہے، خواہ وہ اربابِ عزلت (گوشہ نشین) ہوں یا اربابِ عشرت (لوگوں کے ساتھ رہنے والے)۔ کیونکہ اربابِ عشرت خواہ کتنے ہی مرجوع (رجوع کرنے والے) ہوں لیکن انھوں نے کامل طور پر رجوع نہیں کیا ہے لہٰذا ان کا باطن اسی طرح فوق کی طرف نگراں ہے یعنی ظاہر میں وہ مخلوق کے ساتھ ہیں اور باطن میں حق جل سلطانہٗ کے ساتھ۔ لہٰذا ہر وقت ایمانِ شہودی ان کی شان ہے ــــــ اور انبیا علیہم الصلوات والتسلیمات چونکہ پورے طور پر مرجوع ہیں لہٰذا وہ ظاہر اور باطن میں مخلوق کو حق جل وعلا کی طرف دعوت دینے میں متوجہ ہیں اس لئے ایمان بالغیب ان کے شایانِ شان ہے ــــــ اور اس فقیر نے اپنے بعض رسائل میں (اس بات کی) تحقیق کی ہے کہ باوجود رجوع کے فوق کا نگراں رہنا نقصان دہ اور انجام کار تک نہ پہنچنے کی علامت ہے۔ اور کلی طور پر رجوع کرنا نہایت النہایت تک پہنچنے کی علامت ہے، اور صوفیہ نے کمال کو "جمع بین التوجہین" یعنی دونوں توجہات کو جمع ہونے میں جانا ہے اور تشبیہ و تنزیہ کے جامع کو کاملین میں سے شمار کیا ہے۔ ؏

آں ایشانند و من چنینم یارب (وہ تو ایسے ہیں اور میں ایسا ہوں)

اور انبیا علیہم الصلوات والتسلیمات جب مقامِ دعوت سے فارغ ہو جاتے ہیں اور عالمِ بقا کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور رجوع کی مصلحت تکمیل کو پہنچ جاتی ہے تو وہ بڑے اشتیاق کے ساتھ الرَّفِیْقُ الْاَعْلٰی (بلند درجے والے ساتھی) کی ندا لگا کر کلی طور پر حق جل شانہٗ کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں اور مراتبِ قرب میں فرحاں و شاداں ہوتے ہیں ؎

؂ هَنِيْئًا لِأَرْبَابِ النَّعِيْمِ نَعِيْمُهَا وَلِلْعَاشِقِ الْمِسْكِيْنِ مَا يَتَجَرَّعُ

(مبارک منعموں کو ان کی نعمت مبارک عاشقِ مسکیں کو کلفت)

فقیر کے نزدیک کمال یہ ہے کہ عروج کے وقت میں کثرت بالکلیہ طور پر نظر سے اُٹھ جائے، یہانتک کہ اسماء اور صفات بھی ملحوظ نہ رہیں اور احدیتِ مجردہ کے علاوہ کچھ بھی مشاہدہ میں نہ رہے، ثُمَّ عُوْمِلَ مَعَهٗ مَا عُوْمِلَ مَعَهٗ (پھر اس کے ساتھ معاملہ کیا جائیگا جو کچھ بھی کیا جائیگا۔ اور رجوع کے وقت میں مکمل طور پر نظر کثرت پر پڑے اور عام مومنین کی طرح مخلوق کے علاوہ کوئی اور امر مشاہدہ میں نہ رہے، اور اطاعت کی ادائیگی اور مخلوق کو حق جل وعلا کی طرف دعوت دینے کے علاوہ کوئی اور کام اس سے سرزد نہ ہو، اور جب دعوت کا کام پورا کرلے اور اس فانی دنیا کو رخصت کردے تو کلی طور پر جنابِ قدس کی طرف متوجہ ہوجائے اور اپنے سامان کو غیب سے شہادت کی طرف لے جائے اور معاملہ کو گوش سے آغوش میں لے آئے: ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ (جمعہ آیت ۴)

(یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ بہت بڑے فضل والا ہے)۔

کوئی ناقص کلی طور پر رجوع کرنے کو نقص خیال نہ کرے اور باطن کی توجہ کو جو حق جل سلطانہ کی طرف ہوتی ہے مخلوق کی طرف توجہ سے جو اُن کی دعوت و تکمیل کے لئے ہے بہتر نہ جانے، کیونکہ صاحبِ رجوع اپنے اختیار سے رجوع کے مقام میں نہیں آیا ہے بلکہ حق جل سلطانہ کے ارادہ سے اعلیٰ سے اسفل کی طرف نزول کیا ہے اور وصل سے ہجر کے ساتھ قرار پکڑا ہے لہذا صاحبِ رجوع حق جل شانہ کے ارادہ سے قائم اور اپنے ارادہ سے فانی ہے، اور صاحبِ توجہ وصل اور شہود سے محظوظ اور قربِ معیت سے شاداں ہے۔ ؂

ہجرے کہ بود مرادِ محبوب : از وصل ہزار بار خوشتر

(وہ ہجر جو ہے مرادِ دلبر ہے وصل سے ہزار بار بہتر)

لِأَنَّ فِي الْوِصَالِ عُبَيْدُ نَفْسِيْ وَفِي الْهِجْرَانِ مَوْلٰى لِلْمَوَالِيْ

وَشُغْلِيْ بِالْحَبِيْبِ بِكُلِّ حَالٍ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ شُغْلِيْ بِحَالِيْ

(ہے وصل میں نفس کی غلامی ہے ہجر میں غلامیِ گرامی

ہے ہجر ہمیشہ یار کی یاد ہر حال سے پیاری ہے یہی یاد)

اور رجوع کے فضائل و کمالات بہت زیادہ ہیں۔ صاحبِ توجہ کو صاحبِ رجوع کے ساتھ وہی نسبت ہے

جو قطرہ کو دریائے محیط کے ساتھ ہے، کیونکہ یہ رجوع نبوت کے فضائل میں سے ہے اور وہ توجہ ولایت کے آثار میں سے، شَتَّانَ مَا بَیْنَھُمَا (ان دونوں کے درمیان بہت بڑا فرق ہے) ــــــ لیکن ہر شخص کی فہم اس کمال تک نہیں پہنچ سکتی: ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ (جمعہ آیت ۴) (یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے)۔

تنزیہ اور تشبیہ کو جمع کرنے والوں میں سے بعض کہتے ہیں کہ "تمام مومنین کو تنزیہ کے ساتھ ایمان حاصل ہے، عارف وہ ہے جو ایمانِ تشبیہ کو بھی اس کے ساتھ جمع کرے اور مخلوق کو خالق کا ظہور دیکھے اور کثرت کو وحدت کا لباس سمجھے اور مصنوع میں صانع کا مطالعہ کرے" ــــــ مختصر یہ کہ صرف تنزیہ کی طرف توجہ کا رہنا ان کے نزدیک نقص ہے اور کثرت کے ملاحظہ کے بغیر وحدت کا مشاہدہ کرنا ان کے نزدیک عیب ہے۔ یہ جماعت احدیتِ صرف کی طرف متوجہ ہونے والوں کو ناقص شمار کرتی ہے اور کثرت کے مطالعہ کے بغیر وحدت کے ملاحظہ کو محدود و مقید خیال کرتی ہے ــــــ

ــــــ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِہٖ ۔ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی دعوت تنزیہِ صرف ہے اور تمام آسمانی کتابیں اسی ایمانِ تنزیہی کی ناطق ہیں ــــــ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات آفاقی و انفسی باطل خداؤں کی نفی کرتے ہیں اور ان کے باطل ہونے کا اعلان کرتے ہیں، اور اس واجب الوجود کی وحدت کی طرف جو بیچون و بے چگون ہے رہنمائی کرتے ہیں، یہ کبھی کسی نے نہیں سُنا کہ کسی پیغمبر نے ایمانِ تشبیہی (مظاہر و مناظر میں خدا کو ثابت کرنا) کی طرف دعوت دی ہو اور مخلوق کو خالق کا ظہور کہا ہو۔ تمام پیغمبر علیہم الصلوات والتسلیمات واجب الوجود تعالیٰ و تقدس کی توحید کے کلمہ میں متفق ہیں، اور حق تعالیٰ کے سوا تمام ارباب (باطل خداؤں) کی نفی کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

قُلْ یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۭ بَیْنَنَا وَبَیْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَیْـًٔا وَّلَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ۝ (آل عمران آیت ۶۳) (اے رسول!) آپ کہدیجئے کہ اے اہل کتاب آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں (مشترک) ہے یہ کہ ہم اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کی عبادت نہ کریں اور نہ ہی کسی کو اس کا شریک ٹھہرائیں، اور اللہ تعالیٰ کے سوا ہم میں سے کوئی کسی کو اپنا رب نہ قرار دے، پھر اگر وہ (اس بات کو) نہ مانیں تو آپ کہدیں کہ تم گواہ رہو کہ ہم (اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار) مسلمان ہیں)۔

یہ لوگ بے شمار (باطل معبود) ارباب ثابت کرتے ہیں اور سب کو رب الارباب کے ظہورات خیال کرتے ہیں اور کتاب وسنت کو اپنے مطلب کی شہادت میں پیش کرتے ہیں :-

مثلاً الکتاب (قرآن مجید میں ہے) هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ (الحدید آیت ۳ پ ۲۷) (وہی اول ہے وہی آخر، وہی ظاہر ہے وہی باطن (مخفی) ——— (نیز) وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ (انفال آیت ۱۷) اور آپ نے (خاک کی مٹھی) نہیں پھینکی جب پھینکی، لیکن اللہ تعالیٰ نے پھینکی- ——— (نیز) إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ (الفتح آیت ۱۰ پ ۲۶) (تحقیق جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ ہی سے بیعت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے)۔

اور السنۃ (یعنی احادیث شریفہ میں ہے) : اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الْاَوَّلُ فَلَيْسَ قَبْلَكَ شَيْءٌ وَاَنْتَ الْاٰخِرُ فَلَيْسَ بَعْدَكَ شَيْءٌ وَاَنْتَ الظَّاهِرُ فَلَيْسَ فَوْقَكَ شَيْءٌ وَاَنْتَ الْبَاطِنُ فَلَيْسَ دُوْنَكَ شَيْءٌ (یا اللہ تو ہی اول ہے اور تجھ سے پہلے کوئی شے نہیں، اور تو ہی آخر ہے جس کے بعد کوئی شے نہیں اور تو ہی ظاہر ہے اور تجھ سے زیادہ کوئی چیز ظاہر نہیں، اور تو ہی باطن ہے اور تجھ سے زیادہ کوئی چیز پوشیدہ نہیں)۔

ان (مندرجہ بالا آیات واحادیث) میں کوئی شہادت نہیں ہے کیونکہ یہ عبارتیں بلیغ انداز میں ماسوی اللہ کے کمال وجود کی نفی کیلئے بطور حصر ہیں نہ کہ اصل وجود کی نفی پر، جیسا کہ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:- لَا صَلٰوةَ اِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ (سورۂ فاتحہ کے بغیر نماز کامل نہیں ہوتی) ——— اور فرمایا لَا اِيْمَانَ لِمَنْ لَا اَمَانَةَ لَهٗ (جو شخص امانتدار نہیں اس میں ایمان کامل نہیں)۔

کتاب وسنت میں اس قسم کی مثالیں بکثرت موجود ہیں، یہ توجیہ نصوص (قرآن واحادیث) کی تاویل نہیں ہے جیسا کہ ان لوگوں نے خیال کیا ہے بلکہ نصوص کو کمالِ بلاغت ——— پر محمول کیا ہے۔ اور چونکہ عرف (محاوراتِ عامہ) میں جب کسی شخص کے امر رسالت (سفارت) کا اہتمام کرتا ہوتا ہے تو اس کے لئے کہا جاتا ہے کہ اس کا ہاتھ میرا ہاتھ ہے (جیسا کہ ید اللہ فوق ایدیھم) اس سے مقصود حقیقت نہیں ہے بلکہ مجاز ہے جو حقیقت سے بھی زیادہ بلیغ ہے اور جب فاعل سے جو کامل قدرت والے مالک کا غلام اور بندہ ہے اس کی قدرت کے اندازہ سے بڑھ کر کوئی فعل صادر ہو اور اس فعل میں اس مالک و قادر کی التفات و توجہ مدنظر ہو تو اس وقت مالک کو یہ بات سزاوار ہے کہ یہ کہہ دے کہ "یہ کام میں نے کیا ہے نہ کہ تو نے" ——— یہ بات اتحاد فعل پر اور

اتحادِ ذات پر کچھ بھی دلالت نہیں کرتی۔ حَاشَا وَکَلَّا (ہرگز ایسا نہیں ہے) کہ بندہ غلام کا فعل عین مالک مقتدر کا فعل ہو، یا اس کی ذات بندہ غلام کی ذات کا عین بن جائے۔

اِس جماعت نے شاید انبیا علیہم الصلوات والتسلیمات کے مذاق کو نہیں سمجھا کیونکہ اِن کی دعوت کا مدار اثنینیت (دوئی) پر ہے اور غیر کے وجود و غیریت پر ہے، ان کی عبارتوں کو توحید و اتحاد پر لانا بیہودہ تکلف ہے۔ اگر فی الحقیقت ایک ہی موجود ہوتا اور اس کے سوا اس کے تمام ظہورات ہوتے اور اس کے ماسوا کی عبادت اسی کی عبادت ہوتی، جیسا کہ اس جماعت نے گمان کیا ہے تو پھر انبیا علیہم الصلوات والسلام اسقدر تاکید و مبالغہ کے ساتھ (اس کی پرستش سے) کیوں منع کرتے اور ان کی پرستش پر دائمی عذاب کیوں مرتب کرتے، اور ان کی پرستش کرنے والوں کو خدا کا دشمن کیوں قرار دیتے ان لوگوں کو ان کی غلطی پر اطلاع کیوں نہ دیتے، اور ان کی "دیدِ غیریت" کو جو جہالت کی وجہ سے ان میں پیدا ہو گئی تھی کیوں دُور نہ کرتے، اور ان کی عبادت کو عین حق جل و علا کی عبادت کیوں نہ بتاتے۔

ان لوگوں میں سے بعض یہ کہتے ہیں کہ حضرات پیغمبر علیہم الصلوات والتسلیمات نے عوام کے "قصورِ فہم" کو مدِنظر رکھتے ہوئے توحیدِ وجودی کے اسرار کو پوشیدہ رکھا ہے اور اپنی دعوت کی بنا غیر و غیریت پر رکھی ہے اور وحدت کو چھپا کر کثرت پر دلالت کی ہے ———— یہ بات شیعوں کے تقیہ کے مانند سننے کے قابل نہیں ہے۔ حضرات پیغمبر علیہم الصلوات والتسلیمات جو کچھ کہ نفس الامر (حقیقتِ کار) ہے اس کی تبلیغ کے زیادہ مستحق اور سزاوار ہیں، اور جب نفس الامر میں ایک ہی (ذات) موجود ہے اور اس کے غیر کا کوئی وجود نہیں ہے تو وہ اس کو پوشیدہ رکھ کر کیوں نفس الامر کے خلاف اظہار کریں۔ بالخصوص وہ احکام جو واجب الوجود تعالیٰ و تقدس کی ذات و صفات اور افعال سے تعلق رکھتے ہیں، ان کے اظہار و اعلان کے وہ زیادہ حقدار ہیں اگرچہ کوتاہ نظر ان کے سمجھنے میں قاصر ہوں۔

کیا تم نہیں دیکھتے کہ قرآن کریم کی آیاتِ متشابہات اور احادیثِ شریفہ کے متشابہات جن کے سمجھنے سے عوام کیا خواص بھی عاجز ہیں۔ اس کے باوجود (انبیائے کرامؑ حق تعالیٰ کی طرف سے) ان کے اظہار کرنے سے منع نہیں ہوئے اور نہ ہی عوام کی غلطی اور کوتاہ فہمی ان کے اظہار کی مانع ہوئی۔ ———— یہ جماعت اس شخص کو جو دو[2] وجود کا قائل ہے اور اُس تعالیٰ کے ماسوا کی عبادت سے پرہیز کرتا ہے اس کو مشرک کہتی ہے، اور اس شخص کو جو ایک وجود کا قائل ہے اس کو موحد کہتی ہے اگرچہ وہ

ہزار بتوں کی عبادت کرتا ہو اس خیال سے کہ یہ (بت) حق سبحانہ کے ظہورات ہیں اور ان کی عبادت حق تعالیٰ شانہ ہی کی عبادت ہے۔ انصاف سے کام لینا چاہئے کہ ان دونوں میں سے کون مشرک ہے اور کون موحد؟۔

انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات نے وحدتِ وجود کی دعوت نہیں دی اور نہ ہی دو وجود کہنے والے کو مشرک کہا ہے بلکہ ان کی دعوت ایک معبود جل شانہ کی وحدت پر ہے، اور ماسوا کی عبادت کو شرک کہتے ہیں ——— اگرچہ صوفیہ وجودیہ ماسوا (غیر حق) کو غیریت کے عنوان سے نہ جانیں تو بھی شرک دفع نہیں کر سکتے، ماسوا ماسوا ہی ہے خواہ جانیں یا نہ جانیں۔ ان میں سے بعض متاخرین عالم (خلق) کو حق جل سلطانہ کا عین نہیں کہتے اور عینیت سے پرہیز کرتے ہیں، اور عینیت کے ماننے والوں کو طعن و تشنیع کرتے ہیں، اسی وجہ سے شیخ محی الدین (ابن العربی) اور ان کے متبعین کے ساتھ انکار سے پیش آتے ہیں اور ان کو بری طرح سے یاد کرتے ہیں ——— اسی طرح یہ جماعت عالم کو حق تعالےٰ جل سلطانہ کا غیر بھی نہیں کہتے بلکہ نہ تو حق تعالیٰ کا عین جانتے ہیں اور نہ ہی حق جل وعلا کا غیر سمجھتے ہیں۔ یہ بات بھی صواب سے دور ہے (صحیح نہیں ہے)، کیونکہ اَلْاِثْنَانِ مُتَغَایِرَانِ (دو چیزیں ایک دوسرے کی غیر ہوتی ہیں)۔ قاعدہ کلیہ ہے اثنینیت (دوئی) کا منکر بداہتِ عقل کا مخالف ہے، (یعنی وہ الف، ب ت سے بھی واقف نہیں ہے)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ متکلمین نے صفات واجبی جل سلطانہ کے بارے میں لَاھُوَ وَلَا غَیْرُہٗ (نہ وہ عینِ ذات ہے اور نہ وہ غیر ذات) کہا ہے اور غیر سے غیر اصطلاحی مراد لے کر اس امر کو مد نظر رکھا ہے کہ دو متغائر چیزوں کا باہم انفکاک (علیحدہ) ہونا جائز ہے کیونکہ صفاتِ واجبی جل سلطانہ حضرت ذات تعالیٰ و تقدس سے جدا نہیں ہیں اور نہ ہی اس تعالیٰ و تقدس کی صفاتِ قدیمہ اور ذات کے درمیان جدائی کا جواز متصور ہو سکتا ہے لہٰذا لَاھُوَ وَلَا غَیْرُہٗ صفاتِ قدیمہ میں صادق ہے، برخلاف عالم (مخلوق) کے کہ اس میں یہ نسبت مفقود ہے کیونکہ کَانَ اللّٰہُ وَلَمْ یَکُنْ مَعَہٗ شَیْءٌ (کیونکہ اللہ تعالیٰ موجود تھا اور کوئی شے اس کے ساتھ موجود نہ تھی)۔ لہٰذا عالم سے غیریت کی نفی کرنا بھی لغت اور اصطلاح دونوں صدق سے دور ہے ——— اس جماعت نے حقیقتِ حال تک اپنی نارسائی کی وجہ سے عالم (مخلوق) کو صفاتِ قدیمہ کے مانند خیال کیا ہے اور اس (عالم) کے لئے ایک مخصوص حکم کا اطلاق کیا ہے

اور چونکہ یہ جماعت عینیتِ عالم کی نفی کی قائل ہوگئی ہے اس لئے عالم کی غیریت کا قائل ہونا ان پر لازم ہوگیا سا اور وہ توحیدِ وجودی والے گروہ سے نکل آئی اور عالم کے متعدد وجودوں کی قائل ہوگئی کیونکہ توحیدِ وجودی میں عین کہنے کے بغیر چارہ نہیں، جیسا کہ شیخ محی الدینؒ اور ان کے متبعین نے کہا ہے، اور ان کا عین کہنا اس معنی میں نہیں ہے کہ عالم اپنے صانع کے ساتھ متحد ہے حاشا وکلاّ (ہرگز ایسا نہیں ہے) بلکہ اس معنی میں ہے کہ عالم معدوم ہے اور واجب الوجود تعالیٰ وتقدس موجود ہے جیسا کہ اس فقیر نے اپنے بعض رسائل میں اس معنی کی تحقیق کی ہے۔

سوال: صوفیہ وجودیہ دُوو جود کے کہنے والے کو مشرک کہتے ہیں اور وہ اس اعتبار سے ہے کہ وہ دُوبین (دُو دیکھنے والا) ہے اور دُو دیکھنے والا طریقت کا مشرک ہے۔

جواب: دوبینی (دُو دیکھنا) جو کہ طریقت میں شرک ہے وہ توحیدِ شہودی سے دفع ہو جاتا ہے اور اس مقام میں توحیدِ وجودی کا کچھ کام نہیں چاہئے کہ سالک کا مشہود و ملحوظ ایک ذاتِ مقدس کے علاوہ کوئی دوسرا امر نہ ہو تاکہ فنا متحقق ہو کر طریقت کا شرک دُور ہو جائے۔ (جیسا کہ) دن میں آفتاب کو تنہا دیکھتے ہیں اور ستاروں کو نہیں دیکھ سکتے (اسی طرح) دُو کا دیکھنا دور ہو گیا ہے، اگرچہ ہزاروں ستارے دن میں بھی موجود ہیں ——— مقصود یہ ہے کہ ایک آفتاب مشہود ہے خواہ ستارے معدوم ہوں یا موجود۔ بلکہ ہم کہتے ہیں کہ کمالِ فنا اس صورت میں ہے کہ اشیا موجود ہوں لیکن سالک مطلوبِ حقیقی کے ساتھ کمال تعلق کی وجہ سے کسی چیز کی طرف التفات نہ کرے بلکہ کسی چیز کو دیکھے بھی نہیں اور کوئی چیز اس کی "دیدۂ بصیرت" میں بھی نہ آئے۔ اور اگر چیزیں موجود نہ ہوں تو فنا کس چیز سے متحقق ہوگی اور فانی کس چیز سے ہوگا اور کس چیز کو فراموش کرے گا۔

سب سے پہلے جس شخص نے توحیدِ وجودی کی تصریح کی ہے وہ شیخ محی الدین ابن العربیؒ ہیں، اس سے پہلے کے مشائخ کی عبارتیں اگرچہ توحید و اتحاد کی خبر دیتی ہیں لیکن توحیدِ شہودی پر حمل کرنے کے قابل ہیں کیونکہ جب وہ حق جل شانہٗ کے غیر کو نہیں دیکھتے تو بعض کہتے ہیں، لَيْسَ فِي جُبَّتِي سِوَى اللهِ (میرے جُبّہ میں اللہ تعالیٰ کے سوا اور کچھ نہیں)۔ اور بعض سُبْحَانِي (میں پاک ہوں) پکار اٹھتے ہیں ــــ اور بعض لَيْسَ فِي الدَّارِ غَيْرُهٗ دَيَّارٌ (گھر میں اس کے سوا کوئی رہنے والا نہیں ہے) کی آواز لگاتے ہیں۔

یہ سب پھول ایک ہی "یک بینی" کی شاخ سے کھلے ہیں، ان عبارتوں میں سے کوئی عبارت بھی وحدتِ وجود پر دلالت نہیں کرتی ——— اور جس شخص نے مسئلۂ وحدتِ وجود کو ابواب و فصول میں لکھا ہے اور صرف و نحو کی مانند اس کو تالیف کیا ہے وہ شیخ محی الدینؒ ہی ہیں، اور اس مسئلہ کے بعض دقیق معارف کو اپنی طرف منسوب کیا ہے حتیٰ کہ انھوں نے کہا کہ "خاتم النبوت" بعض علوم و معارف کو "خاتم الولایت" سے اخذ کرتا ہے۔ اور "خاتم ولایت محمدی" اپنے آپ کو جانتے ہیں۔ ان کے شارحین نے اس کی توجیہ میں کہا ہے کہ اگر بادشاہ اپنے خزانچی سے کوئی چیز لے لے تو کیا نقصان ہے۔

غرض فنا و بقا اور ولایتِ صغریٰ و کبریٰ کے کمالات حاصل کرنے کے لئے توحیدِ وجودی بالکل درکار نہیں ہے توحیدِ شہودی حاصل ہونی چاہیئے تاکہ فنا متحقق ہو جائے اور ماسوی اللہ کا نسیان بھی حاصل ہو جائے ——— ہو سکتا ہے کہ کسی سالک کو ابتدا سے انتہا تک سیر میسر ہو جائے اور توحیدِ وجودی کے علوم و معارف میں سے کچھ بھی اس پر ظاہر نہ ہو۔ بلکہ قریب ہے کہ ان علوم کا انکار کر دے ——— فقیر کے نزدیک وہ راستہ جو ان معارف کے ظہور کے بغیر سلوک کے ساتھ میسر ہو جائے وہ اس راستے سے زیادہ قریب ہے جو اس ظہور پر مشتمل ہے، اور نیز اس راہ (توحید شہودی) کے سالکوں میں سے اکثر مطلوب تک پہنچتے ہیں اور اُس راہ (توحیدِ وجودی) کے چلنے والے اکثر راستہ ہی میں رہ جاتے ہیں اور دریا کے ایک قطرے کے ساتھ سیراب ہو جاتے ہیں، اور ظل و اصل کے باہمی اتحاد کے وہم میں پڑ کر ظل میں گرفتار رہتے ہیں اور اصل سے محروم ہو جاتے ہیں۔ اس حقیقت کو (اس فقیر نے) تجربات ہی سے معلوم کیا ہے۔ وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ الْمُلْهِمُ لِلصَّوَابِ (اور اللہ سبحانہٗ صحیح بات دل میں ڈالنے والا ہے)۔

اور نیز اس فقیر کو، اگرچہ راہِ ثانی (یعنی توحیدِ وجودی کی راہ) سے سیر و سلوک میسر ہوا ہے اور توحیدِ وجودی کے علوم و معارف کے ظہورات سے کافی حصہ حاصل ہوا ہے لیکن چونکہ خداوند جل سلطانہٗ کی عنایت اس فقیر کے شاملِ حال تھی اور فقیر کی سیر محبوبی تھی اس لئے راستے کے جنگلوں اور صحراؤں کو فضل و عنایت کی امداد سے طے کرا دیا اور کمال مہربانی کے ساتھ ظلال سے گزار کر اصل تک پہنچا دیا اور جب معاملہ مریدوں تک پہنچا تو معلوم ہوا کہ دوسرا راستہ (یعنی توحید شہودی کی راہ) وصول سے زیادہ قریب اور حصول کے لئے زیادہ آسان ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدَانَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْلَا اَنْ

هَدٰىنَا اللّٰهُ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے جس نے ہم کو ہدایت دی اگر وہ ہم کو ہدایت نہ دیتا تو ہم کبھی ہدایت نہ پاتے بیشک ہمارے رب کے رسول حق بات لائے ہیں (اعراف آیت ۴۳)۔

تنبیہ: سابقہ تحقیق سے معلوم ہو گیا کہ اگرچہ موجودات متعدد ہوں اور حق جل و علا کا ماسوا بھی موجود ہو پھر بھی یہ بات روا ہے کہ فنا اور بقا متحقق ہو جائے اور ولایتِ صغریٰ و کبریٰ بھی حاصل ہو جائے، کیونکہ ماسویٰ کا نسیان فنا ہے نہ یہ کہ ماسوا کا نیست و نابود کرنا، اور چاہئے کہ ماسویٰ کی دید مفقود ہو جائے، نہ یہ کہ ماسویٰ معدوم و ناچیز ہو جائے۔ یہ بات ظاہر ہونے کے باوجود اکثر خواص پر بھی پوشیدہ رہی ہے تو عوام کے بارے میں کیا کہا جائے ـــ ان لوگوں نے توحیدِ شہودی کو توحیدِ وجودی کا عین خیال کر کے وحدتِ وجود کی معرفت کو اس راہ کی شرائط میں سے جانا ہے، اور دو وجود کہنے والے کو ضالّ و مضل (گمراہ اور گمراہ کرنے والا) خیال کیا ہے یہاں تک کہ ان میں سے اکثر نے حق جل سلطانہٗ کی معرفت کو توحیدِ وجودی کے معارف میں منحصر خیال کیا ہے، اور شہودِ وحدت کو کثرت کے آئینے میں انجام کار تصور کیا ہے ـــ ان میں سے بعض نے یہاں تک تصریح کی ہے کہ ہمارے حضرت پیغمبر علیہ و علیٰ جمیع اخوانہ من الصلوات افضلہا و من التسلیمات اکملہا کمالاتِ نبوت کے حصول کے بعد شہودِ وحدت در کثرت کے مقام میں رہے ہیں، اور آیتِ کریمہ اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ (کوثر آیت ۱) (بیشک ہم نے آپ کو کوثر (خیر کثیر) عطا کی) اسی مقام کی طرف اشارہ کرتے ہیں، اور اس آیتِ کریمہ کا ترجمہ اس عبارت سے کرتے ہیں "تحقیق کہ ہم نے آپ کو کثرت میں وحدت کا مشاہدہ عطا کیا" ـــ معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے کوثر کے "و" کے درمیان آنے سے جو حروف کثر کے درمیان ہے اس سے اس اشارہ کو سمجھا ہے۔ حاشا و کلا (ہرگز ایسا نہیں ہے) کہ اس قسم کے معارف مقامِ نبوت کے شایاں ہوں۔ کیونکہ انبیاء علیہم الصلوات والتحیات خدائے بے چون جل سلطانہٗ کی طرف دعوت دیتے رہے ہیں، اور جو چیز چون کے آئینے میں گنجائش رکھتی ہے وہ بے چونی سے بے نصیب ہے اور چونی و چندی کے داغ سے داغدار ہے، حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ ان کو انصاف دے۔ شاید یہ لوگ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کو اپنے کمالات کی ترازو میں تولنا چاہتے ہیں اور ان کے کمالات کو اپنے کمالات کی مانند جانتے ہیں، كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ (کہف آیت ۵) (کتنی بھاری بات ہے جو ان کے منہ سے نکلی ہے) ـــ

چوں آں کرمے کہ در سنگے نہاں است — زمین و آسمان او ہماں است

(وہ کیڑا جو کہ پتھر میں نہاں ہے — زمین و آسماں اس کا وہاں ہے)

(حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی) امت کا یہ کمینہ (خود حضرت مجددؒ) اس قسم کی معرفت سے جو شروع میں اس کو حاصل ہوئی تھی ندامت و استغفار کرتا ہے اور ایسا شہود جو نصاریٰ (عیسائیوں) کے حلول کے (عقیدہ کے) مانند ہے اس پاک بارگاہ سے اس کی نفی کرتا ہے۔

حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ "جو کچھ دیکھا گیا، سنا گیا اور سمجھا گیا وہ سب اس کا غیر ہے کلمۂ لا کی حقیقت سے اس کی نفی کرنی چاہیئے۔ لہٰذا کثرت میں وحدت کا مشاہدہ بھی نفی کے لائق ہے اور جو کچھ نفی کے لائق ہے وہ بھی اس جناب قدس سے منتفی اور دور ہے ——— حضرت خواجہ قدس سرہٗ کے اس کلام نے مجھ کو اس شہود سے نکالا اور مشاہدہ و معائنہ کی گرفتاریوں سے نجات بخشی اور میرے اسباب (ہستی) کو علم سے جہل کی طرف اور معرفت سے حیرت کی طرف لے گیا۔ جَزَاهُ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ عَنِّیْ خَیْرَ الْجَزَاءِ (اللہ سبحانہٗ ان کو میری طرف سے جزائے خیر دے) ——— میں صرف اسی ایک بات سے حضرت خواجہؒ کا مرید اور ان کا حلقہ بگوش مطیع ہوں، اور سچ بات تو یہ ہے کہ اولیاء میں سے شاید ہی کسی نے اس کلام کی مانند بات کی ہو اور تمام مشاہدات و معائنات کی اس طریقے سے نفی کی ہو ——— اس مقام میں ان کے اس کلام کی حقیقت کو ڈھونڈنا چاہیئے جو کہ آپ نے فرمایا ہے "معرفتِ خدا بر بہاء الدین حرام اگر ابتدائے او انتہائے بایزید نباشد" (یعنی بہاء الدین پر خدا کی معرفت حرام ہو اگر اس کی ابتدا بایزید کی انتہا نہ ہو) ——— کیونکہ حضرت بایزیدؒ اس بزرگی کے باوجود شہود و مشاہدہ سے آگے نہیں بڑھے اور سُبْحَانِیْ مَا اَعْظَمَ شَانِیْ (میں پاک ہوں اور میری شان بڑی ہے) کے تنگ کوچہ سے قدم باہر نہیں نکالا بخلاف ہمارے حضرت خواجہؒ کے کہ انھوں نے ایک ہی کلمۂ لا سے ان کے تمام مشاہدات کی نفی فرما دی ہے اور سب کو غیر حق جل سلطانہٗ قرار دے دیا۔ ان (بایزیدؒ) کا تنزیہ حضرت خواجہؒ کے نزدیک تشبیہ ہے اور اُن کا بے چون (ان کے نزدیک) چون ہے اور اُن کا کمال (ان کے نزدیک) نقص ہے۔ لہٰذا لازمی طور پر اُن (بایزیدؒ) کی انتہا تشبیہ سے آگے نہیں گزری ہے جو ہمارے خواجہؒ کی ابتدا ہوگئی کیونکہ ابتدا تشبیہ سے ہے اور انتہا تنزیہ کے ساتھ۔ شاید کہ آخری حال میں حضرت بایزیدؒ کو اس نقص کی اطلاع بخش دی گئی ہو، کیونکہ موت کے وقت

وہ کہتے تھے کہ مَا ذَکَرْتُكَ اِلَّا عَنْ غَفْلَةٍ وَمَا خَدَمْتُكَ اِلَّا عَنْ فَتْرَةٍ (میں نے تجھ کو یاد نہیں کیا مگر غفلت سے اور میں نے تیری خدمت (عبادت) نہیں کی مگر سستی سے)۔ انھوں نے اپنے پہلے حضور (مشاہدہ) کو غفلت سمجھا کیونکہ وہ حضور اللہ تعالیٰ کا حضور نہ تھا بلکہ ظلال میں سے ایک ظل کا حضور اور اس کے ظہورات میں سے ایک ظہور تھا، لہٰذا لازمی طور پر وہ حضرت جل سلطانہٗ سے غافل ہوئے۔

چونکہ وہ بلند و بزرگ ذات وراء الوراء ہے، تمام ظلال اور ظہورات اس کے مبادی و مقدمات ہیں، اور اس کے معارج (زینے) اور مُعِدّات (اسباب و ذرائع) ہیں۔ اور جو کچھ کہ حضرت خواجہؒ نے فرمایا ہے "ما نہایت را در بدایت درج می کنیم" (ہم نہایت (انتہا) کو بدایت (ابتدا) میں درج کرتے ہیں) عین واقعہ کے مطابق ہے ص ...... اس طریقۂ عالیہ کے ہدایت یافتہ مبتدی کو یہ دولت اپنے شیخ مقتدا سے جو اس کمال کے ساتھ مشرف ہوتا ہے انعکاسی طور پر حاصل ہو جاتی ہے خواہ وہ اس کو جانیں یا نہ جانیں۔ لہٰذا لازمی طور پر کاملوں کی نہایت ان بزرگواروں کی بدایت میں درج ہوگی۔

حاصل کلام یہ ہے کہ اگر احدیت کی توجہ ان میں غلبہ پیدا کرے اور ظاہر کو بھی باطن کے رنگ میں رنگ دے تو سالک سفلی مشاہدات سے جو ممکنات کے آئینوں میں ظاہر ہوتے رہتے ہیں آزاد ہو جاتا ہے اور معارفِ تشبیہی سے چھٹکارا پا جاتا ہے۔ اور اگر توجہ کا یہ غلبہ پیدا نہ ہو سکے اور صرف باطن پر ہی محدود رہے تو اکثر اوقات ایسا ہوتا ہے کہ بظاہر کثرت میں وحدت کے مشاہدہ کی لذت پاتا ہے اور توحید و اتحاد سے محظوظ ہوتا ہے۔ لیکن یہ شہود اُن کے حق میں ظاہر پر ہی محدود رہتا ہے اور باطن میں کچھ بھی سرایت نہیں کرتا اور ان کا باطن احدیتِ صرف کی طرف متوجہ رہتا ہے اور ان کا ظاہر کثرت میں وحدت کا مشاہدہ کرتا ہے، بہت ممکن ہے کہ ظاہری نسبت کے غلبہ کی وجہ سے باطنی توجہ معلوم نہ ہو اور شہودِ ظاہر کے علاوہ کوئی اور امر مفہوم نہ ہو ——— جیسا کہ ابتدا میں ان سطور کے لکھنے والے (حضرت مجددؒ) کا حال تھا کہ ظاہری نسبت کے غلبہ کی وجہ سے باطنی توجہ جو احدیتِ صرف کی طرف تھی آگاہی نہیں رکھتا تھا اور کلی طور پر اپنے آپ کو کثرت میں وحدتِ شہود کی طرف متوجہ پاتا تھا ——— ایک مدت کے بعد حضرت حق سبحانہٗ نے باطن کی توجہ پر اطلاع بخشی اور باطن کو ظاہر پر نصرت دی اور معاملہ یہاں تک پہنچا دیا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ سُبْحَانَہٗ عَلٰی ذٰلِكَ۔

ص کیونکہ ابتدا ہی سے ان (حضرت خواجہؒ) کی توجہ احدیتِ صرف کی طرف ہے اور اسم و صفت کو سوائے ذات تعالیٰ کے اور کچھ نہیں پاتے۔

وہ معارفِ توحیدی اور مشاہداتِ سفلی جو اس بزرگ خاندان (نقشبندیہ) کے بعض خلفاسے ظاہر ہوئے ہیں وہ بھی اسی قسم سے ہیں نہ یہ کہ یہ حضرات ظاہر و باطن میں شہود کی طرف متوجہ اور اسی معرفت میں گرفتار رہے ہیں بخلاف دوسرے (بزرگوں) کے جو ظاہر و باطن میں اسی شہود کے گرفتار رہتے ہیں اور اس شہود کو جامع تنزیہ و تشبیہ جان کر اسی کو کمال سمجھ بیٹھے ہیں ——— اس جماعت کا اگرچہ باطن بھی تنزیہ صرف کے ساتھ ایمان رکھتا ہے لیکن ان کی گرفتاری دوسری چیز ہے اور ایمان کچھ اور، اور حال بھی اور ہے اور علم بھی کچھ اور ——— اور وہ جماعت جو تنزیہ صرف کے ساتھ ایمان نہیں رکھتی اور اور مشاہدۂ سفلی کے سوا دوسری کسی چیز پر اعتقاد نہیں رکھتی وہ ملحدوں (بے دینوں) میں سے ہے جو اس بحث سے خارج ہے۔

فقیر کے نزدیک ممکنات کے آئینوں میں حق جل وعلا کا وہ شہود جس کو صوفیہ کی ایک جماعت کمال جانتی ہے اور تشبیہ و تنزیہ کے درمیان جمع ہونا خیال کرتی ہے وہ درحقیقت حق جل وعلا کا شہود نہیں ہے، ان آئینوں میں اس کا مشہود اُن کے خیالی اور من گھڑت (تصور) کے سوا اور کچھ نہیں ہے کیونکہ جو کچھ وہ ممکن میں دیکھتے ہیں وہ واجب تعالیٰ و تقدس نہیں ہے اور جو کچھ وہ حادث میں پاتے ہیں وہ قدیم نہیں ہے، اور جو کچھ (ان کو) تشبیہ میں ظاہر ہوتا ہے وہ تنزیہ نہیں ہے، ہرگز ہرگز صوفیہ کی اس قسم کی ترہات (یعنی باطل خلافِ شرع باتوں) پر فریفتہ نہ ہونا چاہئے اور حق جل سلطانہٗ کے غیر کو حق نہ جاننا چاہئے ——— ——— اگرچہ یہ لوگ غلبۂ حال کی وجہ سے معذور ہیں، اور خطا کار مجتہد کی طرح مواخذہ سے بری ہیں لیکن ان کے مقلدوں کے ساتھ (قیامت کے روز) معلوم نہیں کہ کس طرح معاملہ کریں گے۔ کاش کہ مجتہد مخطی کے مقلدوں کی طرح ہی ہوتے، اور اگر ان کے ساتھ ایسا معاملہ نہ کیا گیا تو پھر ان کے لئے بہت مشکل ہے ——— قیاس و اجتہاد اصولِ شرعیہ میں سے ایک اصل ہے جس کی تقلید پر ہم کو مامور کیا گیا ہے بخلاف کشف و الہام کے کہ اس کی تقلید کا ہم کو امر نہیں فرمایا گیا اور الہام دوسروں پر حجت نہیں ہے لیکن اجتہاد مقلد پر حجت ہے پس علمائے مجتہدین کی تقلید کرنی چاہئے، اور دین کے اصول کو اُن کی رائے کے موافق ڈھونڈنا چاہئے، اور صوفیہ جو کچھ علمائے مجتہدین کی آراء کے خلاف کہیں یا کریں ان کی تقلید نہیں کرنی چاہئے اور ان پر حُسنِ ظن رکھتے ہوئے ان کے طعن سے اپنے منہ کو بند رکھنا چاہئے اور ان کی اس قسم کی باتوں کو شطحیات میں سے شمار

کرنا چاہیئے اور ظاہر کی طرف سے مصروف و پھرا ہوا خیال کرنا چاہیئے۔

بڑے تعجب کی بات ہے کہ ان میں سے بعض صوفیہ عام لوگوں کو اپنے کشفیہ و الہامیہ امور مثلاً وحدت الوجود پر ایمان لانے کی رہنمائی کرتے ہیں اور ان کی تقلید پر ترغیب دیتے ہیں اور ان کے عدم (یعنی ایسا عقیدہ نہ رکھنے) پر سرزنش کرتے ہیں۔ کاش یہ لوگ ان امور کے عدم انکار پر دلالت کرتے اور ان کے منکر پر تہدید اور تنبیہ فرماتے کیونکہ ایمان اور چیز ہے اور عدم انکار اور چیز۔ ان امور کے ساتھ ایمان لانا لازمی نہیں ہے، ہاں ان امور کے انکار سے بچنا چاہیئے ایسا نہ ہو کہ ان امور کا انکار ان امور والوں کے انکار تک پہنچا دے اور حق جل و علا کے اولیاء کے ساتھ بغض و عداوت پیدا کر دے۔ علماءِ اہلِ حق کی آراء کے موافق عمل کرنا چاہیئے اور صوفیہ کی کشفی باتوں سے حُسنِ ظن کے ساتھ سکوت اختیار کرنا چاہیئے اور لَا و نَعَمْ پر جرأت نہ کرنی چاہیئے: هٰذَا هُوَ الْحَقُّ الْمُتَوَسِّطُ بَيْنَ الْإِفْرَاطِ وَالتَّفْرِيْطِ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ الْمُلْهِمُ لِلصَّوَابِ (یہی وہ حق ہے جو افراط و تفریط کے درمیان ہے اور اللہ تعالیٰ بہتری کی طرف الہام کرنے والا ہے)۔

عجیب کاروبار ہے کہ ان لوگوں میں سے بہت سے اس راہ کے مدعی اس شہود و مشاہدہ پر بھی قناعت نہیں کرتے بلکہ اس شہود کو تنزل خیال کر کے اس جہان میں رویتِ بصری کے بھی قائل ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم واجب الوجود جل سلطانہ کی ذات بیچون کو دیکھتے ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ وہ دولت جو ہمارے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو شبِ معراج میں ایک دفعہ حاصل ہوئی تھی ہم کو ہر روز میسر ہے اور وہ نور جو اُن کے دیکھنے میں آتا ہے اس کو صبح کی سفیدی سے تشبیہ دیتے ہیں اور اس نور کو مرتبۂ بے کیفی خیال کرتے ہیں، اور مراتبِ عروج کی نہایت اس نور کے ظہور تک تصور کرتے ہیں: تَعَالَى اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ عَمَّا يَقُوْلُ الظَّالِمُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا (اللہ تعالیٰ سبحانہٗ اس بات سے جو ظالم کہتے ہیں بہت بڑا ہے) ——

—— اور نیز حضرت حق جل شانہٗ کے ساتھ اپنا کلام و مکالمہ کرنا ثابت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے ایسا ایسا فرمایا ہے، کبھی اپنے دشمنوں کے حق میں حضرت عز سبحانہٗ کی طرف سے کئی کئی قسم کی وعیدیں (یعنی بہت سے عذاب) نقل کرتے ہیں، اور کبھی اپنے دوستوں کو بشارتیں دیتے ہیں اور ان میں سے بعض اس طرح کہتے ہیں کہ رات کے بقیہ تہائی یا چوتھائی حصہ سے لیکر صبح کی نماز تک میں حق سبحانہٗ و تعالیٰ کے ساتھ کلام کرتا رہا اور ہر طرح کی باتیں پوچھتا رہا اور جواب لیتا رہا، ——

لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْ عُتُوًّا كَبِيْرًا (الفرقان آیت ۲۱) (ان لوگوں نے اپنے آپ میں تکبر کیا اور بڑی سرکشی کی)۔ ان لوگوں کی باتوں سے مفہوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ اس نورِ مرئی[1] کو عین جل سلطانہٗ سمجھتے ہیں اور اس نور کو حق تعالیٰ کی ذات تصور کرتے ہیں، نہ یہ کہ اس کے ظہورات میں سے کوئی ظہور یا اس کے ظلال میں سے کوئی ظل جانتے ہوں ــــــ اس میں کچھ شک نہیں کہ اس نور کو حق جل سلطانہ کی ذات کہنا محض افترا، صرف الحاد اور خالص زندقہ ہے، یا اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کا نہایت ہی حلم و تحمل ہے کہ اس قسم کے مفتریوں کے لئے طرح طرح کے عذابوں میں جلدی نہیں کرتا اور ان کی بیخ کنی نہیں فرماتا۔ سُبْحَانَكَ عَلٰى حِلْمِكَ بَعْدَ عِلْمِكَ سُبْحَانَكَ عَلٰى عَفْوِكَ بَعْدَ قُدْرَتِكَ (یا اللہ تو پاک ہے اور ہماری برائیوں کو جاننے کے باوجود حلم فرماتا ہے اور یا اللہ تو پاک ہے اور قدرت کے باوجود معاف کرتا ہے)۔

اور حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی قوم صرف رویت کی طلب ہی کی وجہ سے ہلاک ہوگئی اور حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے طلبِ رویت کے بعد لَنْ تَرَانِيْ[2] کا زخم کھایا اور بیہوش ہو کر گر پڑے اور اس طلب سے تائب ہوئے۔ اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم جو محبوب رب العالمین اور تمام اولین و آخرین موجودات میں سے بہترین ہیں باوجودیکہ معراجِ بدنی سے مشرف ہوئے اور عرش و کرسی سے گذر کر مکان و زمان سے بھی بالا چلے گئے، باوجود قرآنی اشاروں کے آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رویت میں بھی علماء کا اختلاف ہے اور اکثر علماء آنحضرت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی عدم رویت کے قائل ہیں ــــــ چنانچہ حضرت امام غزالیؒ فرماتے ہیں: وَالْاَصَحُّ اَنَّهٗ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ مَا رَاٰى رَبَّهٗ سُبْحَانَهٗ لَيْلَةَ الْمِعْرَاجِ (صحیح یہی ہے کہ آنحضرت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے معراج کی شب میں اپنے رب کو نہیں دیکھا) ــــــ (لیکن) یہ بے سرو سامان اپنے خیالِ باطل میں ہر روز خدائے جل شانہٗ کو دیکھتے ہیں جبکہ حال یہ ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کے ایک مرتبہ کے دیدار میں بھی علماء قیل و قال کر رہے ہیں۔ فَضَحَهُمُ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ مَا اَجْهَلَهُمْ (اللہ تعالیٰ ان کو خوار کرے، کیا نادان ہیں)

اور اسی طرح اس جماعت کی باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کلام جس کو یہ سنتے ہیں اس کی نسبت حق سبحانہٗ سے ایسی جانتے ہیں جیسی کلام کی نسبت متکلم سے، یہ عین الحاد ہے۔

---

[1] وہ نور جو نظر آئے۔ [2] ترجمہ (تم مجھے ہرگز نہ دیکھ سکو گے) سورۂ اعراف آیت ۱۴۳

حَاشَا وَکَلَّا (ہرگز ایسا نہیں ہے) کہ حضرت حق سبحانہٗ سے تکلم کے انداز میں کوئی ایسا کلام صادر ہو جس میں تقدیم و تاخیر کی ترتیب ہو کہ وہ حادث (فنا ہونے والا) کلام کی علامت ہے ——— شاید مشائخ کبار کی باتوں نے ان کو غلطی میں ڈال دیا ہے، کیونکہ مشائخ نے بھی حضرت جل سلطانہ کے ساتھ کلام اور مکالمہ ثابت کیا ہے۔ لیکن یہ بات جاننی چاہئے کہ مشائخ کے کلام کی نسبت جو وہ حضرت حق سبحانہٗ سے کرتے ہیں ایسی نہیں ہے جو کلام کو اپنے متکلم کے ساتھ ہوتی ہے بلکہ وہ وہی نسبت ثابت کرتے ہیں جو مخلوق کو اپنے خالق کے ساتھ ہے اور اس میں کوئی محظور (رکاوٹ) اور قباحت نہیں ہے ——— حضرت موسیٰ علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو شجرۂ مبارکہ سے حق جل شانہٗ کا کلام سنا تو اس کلام کو حق جل سلطانہ کے ساتھ وہی نسبت تھی جو مخلوق کو اپنے خالق کے ساتھ ہوتی ہے نہ یہ کہ وہ نسبت جو کلام کو اپنے متکلم کے ساتھ ہوتی ہے، اور اسی طرح وہ کلام جو حضرت جبرئیل علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام نے (اللہ تعالیٰ) سے سنا اس کلام کی بھی وہی نسبت تھی جو مخلوق کو اپنے خالق کے ساتھ ہے ———

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ وہ کلام بھی کلامِ حق جل سلطانہٗ ہے اور اس کا منکر کافر و زندیق ہے، گویا کلامِ حق مشترک ہے کلامِ نفسی اور کلامِ لفظی کے درمیان، جس کو بلا واسطہ کسی امر کے حضرتِ حق سبحانہٗ و تعالیٰ ایجاد فرماتا ہے۔ لہٰذا کلامِ لفظی بھی حقیقت میں کلامِ حق جل و علا ہوا۔ ناچار اس کا منکر بھی کافر ہوگا۔ فَافْهَمْ فَإِنَّ هٰذَا التَّحْقِيْقَ يَنْفَعُكَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْمَوَاضِعِ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ الْمُوَفِّقُ (پس سمجھ لیں کہ یہ تحقیق آپ کو بہت سے مقامات پر نفع دیگی اور اللہ سبحانہ ہی توفیق دینے والا ہے)۔

جاننا چاہیے کہ وہ وجود جس کو ہم ممکنات کے لئے ثابت کرتے ہیں وہ ایسا غیر مستقل اور ضعیف وجود ہے جو ممکن کے تمام صفات کی طرح ہے، ممکن کے علم کی (حقیقت) واجب تعالیٰ کے علم کے مقابلے میں کیا حقیقت ہے اور قدرتِ قدیمہ کے مقابلے میں قدرتِ حادثہ کیا اعتبار رکھتی ہے، اسی طرح ممکن کا وجود، واجب تعالیٰ کے وجود کے مقابلے میں محض لاشئے ہے ——— کیونکہ واقعہ یہ ہے کہ دیکھنے والا ان دونوں وجودوں کے فرق مراتب کے باعث شک میں پڑ جاتا ہے کہ آیا وجود کا اطلاق ان دونوں فردوں پر حقیقت کی وجہ سے ہے، یا ایک فرد پر بطریقِ حقیقت ہے اور دوسرے پر بطریقِ مجاز۔

کیا تم نہیں دیکھتے کہ صوفیہ کا ایک بہت بڑا گروہ شقِ ثانی (طریق مجاز) پر یقین رکھتا ہے، اور وجود کے اطلاق کو ممکن کے وجود پر بطریق مجاز سمجھتا ہے اور ممکنات کے وجود کو ثابت نہیں کرتا، مگر عوام یا اخصِ خواص جن سے مراد انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہیں اور ان کے بعض وہ امتی جو ان کی ولایتِ اصلیہ سے مشرف ہوئے ہیں اور دائرۂ ظلال کو کلی طور پر طے کر چکے ہیں، عوام جو ظاہر کے دیکھنے والے ہیں وہ واجب تعالیٰ کے وجود اور ممکن کے وجود کو مطلق وجود کے اقسام سے جانتے ہیں، اور دونوں کو موجود تصور کرتے ہیں، اور اخصِ خواص دور بین اور تیز نظر والے ہیں جو ہر دو وجود کو مطلق وجود کے افراد سے جانتے ہیں اور افرادِ وجود کے مراتب کے فرق کو وجود کی صفات و اعتبارات کی طرف راجع کرتے ہیں نہ کہ وجود کی حقیقت اور ذات کی طرف تا کہ ایک حقیقت ہو اور دوسرا مجاز۔

اور ایک متوسط جماعت جو عوام سے ایک قدم آگے رکھتی ہے اور اخصِ خواص کے کمالات تک نہیں پہنچی اس کے لئے مشکل ہے کہ وہ ممکنات کے وجود کی قائل ہو جائے اور ممکن کے وجود پر حقیقت کے طریق سے وجود کا اطلاق کرے۔ اسی وجہ سے (متوسطین) کہتے ہیں کہ ممکن کو موجود اس تعلق کی وجہ سے کہتے ہیں کہ اس کی نسبت وجود کے ساتھ ہے، جیسے کہتے ہیں مَاءٌ مُّشَمَّسٌ (آفتاب کی حرارت سے گرم شدہ پانی) اس لئے نہیں کہ اس کا وجود اس (آفتاب) کے ساتھ قائم ہے تا کہ حقیقت کے طریقے پر موجود ہو ——— اس جماعت کے بعض لوگ وجودِ ممکن کے بارے میں خاموش ہیں اور نفی و اثبات کے ساتھ اس کی تصریح نہیں کرتے، اور بعض دوسرے ممکن سے وجود کی نفی کرتے ہیں اور واجب تعالیٰ کے علاوہ اور کسی کو موجود نہیں جانتے ——— اور ان میں سے ایک گروہ ممکن کے وجود کو جس طرح واجب تعالیٰ کے وجود کا عین نہیں جانتے اسی طرح واجب تعالیٰ کے وجود کا غیر بھی نہیں جانتے ——— اور ان میں سے ایک گروہ نے اس کی تصریح کی ہے کہ جس وجود کے ساتھ واجب تعالیٰ کا وجود موجود ہے اور ممکن بھی اسی وجود کے ساتھ موجود ہے، اور یہ عبارت بھی وجودِ ممکن کی نفی کرتی ہے ——— مختصر یہ کہ ممکن کا وجود ثابت کرنے کے لئے تیز بینی کی ضرورت ہے تا کہ وجودِ واجب تعالیٰ کے انوار کی روشنی میں اس کو دیکھا جا سکے، تیز نظر والے دن میں بھی آفتاب کی تیز روشنی کے باوجود ستاروں کو دیکھ لیتے ہیں اور جو تیز بین نہیں ہیں وہ نہیں دیکھ سکتے لہٰذا ممکنات کا وجود دن میں ستاروں کے وجود کے مانند ہے کہ جو تیز بین ہیں وہ دیکھ سکتے ہیں اور ضعیف البصر اس دید سے محروم ہیں۔

اگر کوئی پوچھے کہ عوام ضعفِ بصر اور کورئ بصیرت کے باوجود ممکنات کے وجود کو کس طرح دیکھ سکتے ہیں حالانکہ وجودِ واجب تعالیٰ کے انوار کی روشنی اس کی دید کے لئے مانع ہے —— اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ عوام اربابِ علم سے تعلق رکھتے ہیں نہ کہ اربابِ دید سے، اور ہماری گفتگو اربابِ دید کی نسبت ہے نہ کہ اربابِ علم کی، کیونکہ اربابِ علم اس بحث سے خارج ہیں، لہٰذا وجودِ واجب تعالیٰ کے انوار کا ظہور اُن کے حق میں مفقود ہے، پس ممکنات کے وجود کی دید کے لئے مانع نہ ہوگی۔ —— یا ہم کہتے ہیں کہ انوار کا ظہور وجودِ ممکنات کے شہود کا مانع ہے نہ کہ وجودِ ممکنات کے علم کا مانع ہے۔ کیونکہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ چیزوں کا علم سننے اور پیروی سے بھی حاصل ہو جاتا ہے اور نظر و استدلال سے بھی متصور ہو سکتا ہے، چنانچہ آفتاب کی روشنی کے ظہور کے باوجود دن میں ستاروں کے وجود کا علم ضعیف نظر والوں کو بھی حاصل ہے، اسی طرح عوام کو ممکنات کے وجود کا علم ہے نہ کہ وجودِ ممکنات کا شہود، کیونکہ شہود بصیرت کی صفات سے ہے اور ان کی بصیرت اندھی ہے مشہود خواہ مَلک (فرشتہ) ہو یا ملکوت جبروت ہو یا لاہوت۔

اے عزیز! جس طرح عوام اس بحث میں اخصِ خواص کے ساتھ شریک ہیں، اسی طرح دوسری باتوں میں بھی ان کے درمیان شرکت حاصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات بہت سے احکام میں عوام کے مانند زندگی بسر کرتے تھے اور معاشرتی زندگی میں مخلوق اور اہل و عیال کے ساتھ عوام کی مانند معاملہ فرماتے تھے اور اپنے اہل و عیال کے ساتھ حسنِ معاشرت سے متعلق حضرت خیر البشر علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کی بہت سی احادیث مشہور ہیں —— چنانچہ منقول ہے کہ ایک روز حضرت سید البشر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوۃ والسلام، امامین (یعنی حضرت امام حسن و حسین) کی پیشانی کا بوسہ لے رہے تھے اور بہت خوشی و انبساط کے ساتھ ان سے گھل مِل رہے تھے۔ حاضرین میں سے ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہؐ! میرے گیارہ لڑکے ہیں اور میں نے ان میں سے کسی کا بوسہ نہیں لیا۔ حضرت پیغمبر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا یہ (اللہ تعالیٰ کی) رحمت ہے جو وہ اپنے رحیم (مہربان) بندوں کو عطا فرماتا ہے —— اور چونکہ اخصِ خواص بھی بعض اوصاف میں عوام کے ساتھ شریک ہیں اگرچہ وہ شرکت ظاہری صورت کے اعتبار سے ہو، اس لئے عوام اپنی نارسائی اور قصورِ فہم کی وجہ سے ان (اخص خواص) کے کمالات سے بہت کم حصہ رکھتے ہیں اور ان کو

اپنی مثل خیال کرتے ہیں، اور جو شخص ان کے اوصاف و شمائل ہیں ان سے مختلف ہو، اس کے گرد ہی گھومتے رہتے ہیں اور اس کو بزرگ خیال کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اولیا کے ان اوصاف واخلاق کو جو ان عوام کے اوصاف سے مختلف ہیں ان کو بہتر سمجھتے ہیں جو ان کے اخلاق و اوصاف کے مشابہ ہیں اگرچہ وہ اخلاق انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات ہیں موجود ہوں۔

(اے عزیز!) سنو! مخدوم شیخ فرید شکر گنج[1] سے نقل کیا گیا ہے کہ جب ان کے لڑکوں میں سے ایک لڑکے کا انتقال ہو گیا اور اس کی موت کی خبر آپ کو پہنچائی گئی تو آپ پر (رنج وغم سے متعلق) کچھ تغیر نہ ہوا اور فرمایا سگ بچہ مر گیا ہے اس کو باہر پھینک دو ——— اور جب حضرت سید البشر علیہ وعلی آلہ الصلوۃ والسلام کے صاحبزادے حضرت ابراہیمؓ کا انتقال ہوا تو حضرت پیغمبر علیہ وعلی آلہ الصلوۃ والسلام اسقدر غمگین ہوئے کہ آنسو نکل آئے اور فرمایا: اِنَّا بِفِرَاقِكَ يَا اِبْرَاهِيْمُ لَمَحْزُوْنُوْنَ (اے ابراہیم! ہم تیری جدائی کی وجہ سے بہت غمگین ہیں) اور بڑے مبالغہ اور تاکید کے ساتھ غم واندوہ کا اظہار فرمایا ——— (فرمائیں) کہ حضرت شکر گنج بہتر ہیں یا حضرت سید البشرؐ؟ ——— عوام کالانعام کے نزدیک پہلا معاملہ بہتر ہے اور اس کو بے تعلق جانتے ہیں اور دوسرے کو عین تعلق اور (اولاد سے) لگاؤ خیال کرتے ہیں: اَعَاذَنَا اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ عَنْ مُعْتَقِدَاتِهِمُ السُّوْءِ (اللہ تعالیٰ ہم کو ان کے برے اعتقادات سے اپنی پناہ میں رکھے) ——— اور چونکہ یہ جہان آزمائش و امتحان کی جگہ ہے عوام کو شبہ میں ڈالنا اور مشتبہ کرنا عین حکمت و مصلحت ہے: اَللّٰهُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّارْزُقْنَا اتِّبَاعَهٗ وَاَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَّارْزُقْنَا اجْتِنَابَهٗ بِحُرْمَةِ سَيِّدِ الْبَشَرِ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ مِنَ الصَّلَوَاتِ اَفْضَلُهَا وَمِنَ التَّسْلِيْمَاتِ اَكْمَلُهَا (اے اللہ! حضرت سید البشر علیہ وعلی آلہ الصلوات والتسلیمات کے طفیل ہم کو حق دکھا اور حق کی تابعداری نصیب فرما اور باطل کو باطل کر کے دکھا اور اس سے ہم کو بچا)۔

اب ہم اصل بات بیان کرتے ہیں کہ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کا ایمان اور ان کے اصحاب کا ایمان اور ان کے اولیاء کا ایمان جو کہ اصحاب کے ساتھ ملحق ہیں شہود کے بعد دعوت (خلق) کی طرف رجوع کرنے کی وجہ سے غیبت کے ساتھ قرار پایا ہوا ہوتا ہے، جس طرح کہ کوئی شخص سورج کو

---

[1] شیخ فرید شکر گنجؒ کے والد شیخ جمال الدین فاروقی سلطان شہاب الدین غوری کے زمانے میں کابل سے لاہور تشریف لائے کھتی وال ضلع ملتان ۵۸۵ھ میں حضرت بابا شکر گنجؒ کی ولادت ہوئی۔ ملتان میں زیر تعلیم تھے کہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی تشریف لے آئے، آپ فوراً حضرت سے بیعت ہو گئے اور تکمیل سلوک کے بعد خلافت پائی، ۹۵ سال کی عمر میں ہفتہ کے دن ۵ محرم ۶۶۴ھ کو پاک

دن میں دیکھتا ہے تو آفتاب کے وجود کے ساتھ ایمانِ شہودی پیدا ہو جاتا ہے اور جب رات ہو جاتی ہے تو اس کا ایمانِ شہودی ایمانِ غیب میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ اور علماء کا ایمان اگرچہ غیب کے ساتھ ہے لیکن ان کا غیب انبیاء علیہم الصلوات والتحیات کی متابعت کے نور کے واسطہ سے حکمِ حدس (یعنی ذہن کی طرف منتقل ہو جانے) کا حکم پیدا کر لیتا ہے اور استدلالیت سے نکل جاتا ہے۔ اس جگہ علماء سے مراد علماءِ آخرت ہیں نہ کہ علماءِ دنیا۔ کیونکہ علماءِ دنیا عام مومنین کے زمرے میں داخل ہیں، اور ایمان بالغیب جو عامۂ مومنین کے ساتھ منسوب ہے ان کے اقسام میں سے بہترین قسم وہ ایمان ہے جو انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی تقلید کے ساتھ وابستہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی کتاب اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت سے ملا ہوا ہے۔

ہمعصرت کے ساتھ بنیادی سے مطالبہ [margin note, uncertain reading]

سوال: علماء نے فرمایا ہے کہ ایمان استدلالی ایمان تقلیدی سے بہتر ہے یہاں تک کہ بہت سے علماء استدلال کو ایمان کی شرط قرار دیتے ہیں اور ایمانِ تقلیدی کو معتبر نہیں جانتے، اور تم نے ایمانِ تقلیدی کو بہتر کہا ہے؟

جواب: وہ ایمان جو انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی تقلید سے حاصل ہوتا ہے دراصل ایمانِ استدلالی ہے کیونکہ صاحبِ تقلید دلیل کے ساتھ جانتا ہے کہ انبیاء علیہم الصلوات والتحیات تبلیغِ رسالت میں صادق ہیں کیونکہ وہ شخص جس کی (رسالت کی) تصدیق حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے معجزات کے ذریعے کی ہے یقیناً وہ سچا ہے لہٰذا تمام انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات جن کی تائید معجزات سے ہوئی ہے وہ سب کے سب سچے ہیں ——— غیر معتبر تقلید وہ ہے کہ ایمان میں اپنے آباء و اجداد کی تقلید کرے اور انبیاء علیہم الصلوات والتحیات کی صداقت اور ان کی تبلیغ کی حقیقت اور راستی کو منظور نہ رکھے، ایسا ایمان بہت سے علماء کے نزدیک معتبر نہیں ہے ——— باقی رہا (ایمانِ) استدلالی جو اربابِ نظر (منطقی) اپنے مقدمات کے ذریعے حاصل کرتے ہیں اور صغریٰ و کبریٰ کی ترتیب سے نتیجہ نکال کر ایمان حاصل کرتے ہیں وہ (ایمانِ) استدلالی ایک ایسا امر ہے جو امکان سے نزدیک اور وقوع سے دور ہے، کیونکہ استدلال کے مقام میں واجب تعالیٰ کے اثبات کے لئے اربابِ نظر میں سے مولانا جلال الدین دوانیؒ[1] جیسا معلوم نہیں کہ کوئی اور گزرا ہو، کیونکہ وہ محقق بھی ہے اور متاخرین میں سے ہے اور اس نے اس عالی مطلب کے ثابت کرنے میں بہت کوشش کی ہے، اس کے باوجود کوئی مقدمہ اس کے استدلالات کے

---

[1] یعنی محمد بن اسعد الصدیقی شارح عقائد عضدیہ المتوفی ۹۸۰ھ

مقدمات میں سے ایسا نہیں ہے جس میں اس کے رسالوں کے حاشیہ نگاروں نے منع یا نقص کے ساتھ پیش نہ کیا ہو، اور معتبر اعتراضات نہ کئے ہوں ـــــــ اس صاحبِ استدلال پر بہت افسوس ہے جو ایمان کو محض استدلال ہی سے حاصل کرتا ہے اور انبیا علیہم الصلوات والتسلیمات کی تقلید اس کی دستگیری اور مدد نہیں کرتی۔ رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ۝

(آل عمران آیت ۵۳) (اے رب ہمارے یا ہم اس پر ایمان لائے جو تو نے نازل فرمایا اور ہم نے رسول کی اتباع کی پس تو ہم کو گواہوں کے ساتھ لکھ لے)۔

مکتوب ۲۷۳

دو صد و ہفتاد و سوم

مرزا حسام الدین احمد[1] کی طرف صادر فرمایا ـــــــ اس بیان میں کہ سالک کو چاہئے کہ اپنے شیخ کے طریقے کو لازم جانے اور دوسرے مشائخ کے طریقے کی طرف التفات نہ کرے اور اگر واقعات اس کے خلاف ظاہر ہوں تو ان کا کچھ اعتبار نہ کرے کیونکہ شیطان زبردست دشمن ہے اور اس کے مکر و فریب سے غافل نہیں ہونا چاہئے اور اس کے مناسب بیان میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدٰىنَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ عَلَيْهِمْ مِنَ الصَّلَوَاتِ اَتَمُّهَا وَمِنَ التَّحِيَّاتِ اَكْمَلُهَا (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے جس نے ہم کو ہدایت دی اور ہم ہرگز ہدایت نہ پاتے اگر اللہ تعالیٰ ہم کو ہدایت نہ دیتا بیشک ہمارے رب کے رسول حق بات لیکر آئے ہیں، (اعراف آیت ۴۳) اللہ تعالیٰ اُن (رسولوں) پر پوری صلوات اور کامل تحیات نازل فرمائے) ـــــــ آپ کا التفات نامہ جو آپ نے مہربانی فرما کر اس حقیر کے نام لکھا تھا وصول ہو کر خوشی اور مسرت کا باعث ہوا، اللہ تعالیٰ آپ کو اس کی جزائے خیر عطا فرمائے۔

آپ کے گرامی نامہ میں لکھا ہوا تھا کہ "اگر سماع کے منع ہونے کا مبالغہ ایسے مولود کے منع ہونے کو بھی شامل ہے جو نعتیہ قصیدوں اور غیر نعتیہ اشعار کے پڑھنے سے مراد ہے (جیسا کہ آپ کہتے ہیں) تو برادر عزیز میر محمد نعمان اور اس جگہ کے بعض دوستوں کے لئے جنھوں نے واقعہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا ہے کہ اس مجلسِ مولود سے بہت خوش ہیں، یہی وجہ ہے کہ مولود کے سننے کو ترک کرنا ان کے لئے بہت مشکل ہے۔

---

[1] آپ کے نام ۱۶ مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۳۲ پر ملاحظہ فرمائیں۔

میرے مخدوم! اگر وقائع کا کچھ اعتبار ہوتا اور خوابوں پر بھروسہ ہوتا تو مریدوں کو پیروں کی کچھ ضرورت نہ رہتی اور طریقوں میں سے کسی ایک طریقے کو اپنے اوپر لازم کرنا لغو اور بے فائدہ ہوتا کیونکہ ہر ایک مرید اپنے واقعات کے موافق عمل کر لیتا اور اپنے خوابوں کے مطابق زندگی بسر کرتا، خواہ وہ واقعات اور منامات پیر کے طریقے کے موافق ہوں یا نہ ہوں اور خواہ پیر کو پسند ہوں یا نہ ہوں۔ اس طریقے پر سلسلۂ پیری و مریدی درہم و برہم ہو جاتا اور ہر بوالہوس اپنی وضع و طریقے پر مضبوطی سے قائم ہو جاتا۔ ——— حالانکہ مرید صادق ہزارہا واقعات کو پیر کی موجودگی میں آدھے جو کے عوض بھی نہیں خریدتا اور طالبِ رشید پیر کی حضوری (موجودگی) کی بدولت خوابوں کو پریشان و جھوٹے خواب جانتا اور ان کی طرف کچھ التفات نہیں کرتا۔ شیطان لعین ایک طاقتور دشمن ہے، جب منتہی حضرات اس کے فریب سے امن میں نہیں ہیں اور اس کے مکر سے لرزاں و ترساں ہیں تو پھر مبتدیوں اور متوسطوں کا کیا ذکر ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ منتہی شیطان کے غلبہ سے محفوظ و مصئون ہیں بخلاف مبتدیوں اور متوسطوں کے، پس ان کے واقعات اعتماد کے لائق نہیں ہیں اور نہ ہی دشمن کے مکر سے محفوظ ہیں۔

سوال: وہ واقعہ کہ جس واقعہ میں حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ کو دیکھیں اور زیارت ہو وہ سچ ہے اور (یہ بات) شیطان کے مکر و فریب سے محفوظ ہے: فَاِنَّ الشَّیْطَانَ لَا یَتَمَثَّلُ بِصُوْرَتِہٖ کَمَا وَرَدَ[1] (کیونکہ شیطان ان (حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی صورت میں نہیں آسکتا جیسا کہ (حدیث میں) وارد ہے۔

پس وہ وقائع جن کا ہم ذکر کر رہے ہیں سچے ہیں اور شیطان کے مکر و فریب سے محفوظ ہیں۔

جواب: صاحب فتوحاتِ مکیہ (شیخ ابن العربیؒ) فرماتے ہیں کہ آں سرور علیہ و علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کی اس صورتِ خاصہ کے ساتھ جو کہ مدینہ منورہ میں (گنبدِ خضرا کے اندر) مدفون و آرام فرما ہیں شیطان متمثل نہیں ہو سکتا (لیکن) اس مخصوص صورت کے علاوہ جس صورت کے ساتھ بھی آپؐ کو دیکھا جائے شیطان کے عدم متمثل ہونے کا حکم تجویز نہیں کرتے۔ (یعنی شیخ اکبرؒ کے نزدیک اس صورتِ خاص (شبیہ مبارک) کے علاوہ اور جس صورت میں بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھیں شیطان متمثل ہو سکتا ہے، اور امام ابنِ سیرینؒ بھی اسی طرف گئے ہیں)۔ اور اس میں کچھ شک نہیں کہ

---

[1] جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں من رآنی فی المنام فقد رآنی فان الشیطان لا یتمثل فی صورتی (بخاری و مسلم) یعنی جس نے مجھے خواب میں دیکھا تو بیشک اس نے مجھے ہی دیکھا کیونکہ شیطان میری صورت میں متمثل نہیں ہو سکتا۔

کہ آنحضرت علیٰ صاحبہا الصلوۃ والسلام کی اس صورتِ خاص (شبیہ مبارک) کی تمیز و تشخص خصوصاً خوابوں میں بہت مشکل اور دشوار ہے، پھر یہ بات کس طرح اعتماد کے لائق ہوگی۔ اور اگر شیطان کے متمثل نہ ہونے کو آں سرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی اس صورتِ خاصہ کے ساتھ مخصوص نہ کریں اور جس صورت میں بھی لوگ آں سرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوۃ والسلام کے دیدار سے مشرف ہوں اس صورت میں شیطان کے متمثل نہ ہونے کو تجویز کریں جیسا کہ بہت سے علماء اس طرف گئے ہیں تو یہ بات بھی آں سرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوۃ والسلام کی رفعتِ شان کے نہایت مناسب ہے ——

میں کہتا ہوں کہ اس صورت سے (جو خواب میں دیکھی ہے) احکام کا اخذ کرنا اور آنحضرتؐ کی مرضی و نامرضی کا معلوم کرنا بہت مشکل ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ دشمنِ لعین (شیطان) درمیان میں واسطہ بن گیا ہو اور خلافِ واقعہ کو واقعہ کی صورت میں ظاہر کیا ہو اور دیکھنے والے کو شک و شبہ میں ڈال دیا ہو، اور اپنی عبارت و اشارت کو آں سرور علیٰ صاحبہا الصلوۃ والسلام کی اس صورت کی عبارتؐ اشارت کر کے دکھایا ہو۔ —— چنانچہ مروی ہے کہ ایک دن حضرت سید البشر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوۃ مجلس میں تشریف رکھتے تھے اور قریش کے بڑے بڑے سردار اور اہلِ کفر کے رئیس بھی اس مجلس میں حاضر تھے اور بہت سے صحابۂ کرامؓ بھی وہاں موجود تھے۔ حضرت سید البشر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوۃ والسلام نے اُن کے سامنے سورۂ والنجم کی تلاوت شروع کی اور جب ان کے باطل معبودوں کے ذکر پر پہنچے تو شیطانِ لعین نے اس وقت چند فقرے ان کے بتوں کی تعریف میں آں سرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوۃ والسلام کے کلام کے ساتھ اس طرح شامل کر دیئے کہ حاضرین نے اس کو آں سرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوۃ والسلام کا کلام سمجھا اور اس میں کچھ تمیز نہ کر سکے (اس پر) جو کافر وہاں موجود تھے (انھوں نے خوش ہو کر) شور مچا دیا اور کہنے لگے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ہمارے ساتھ صلح کر لی اور ہمارے بتوں کی تعریف کی۔ حاضرینِ اہلِ اسلام بھی اس کلام سے حیرت میں پڑ گئے، (لیکن) آنسرور صلی اللہ علیہ وسلم اس لعین کے کلام سے مطلع نہ ہو سکے آپؐ نے فرمایا کیا بات ہے؟ (یہ کافر کیوں خوش ہو رہے ہیں) صحابۂ کرامؓ نے عرض کیا کہ اثنائے کلام میں آپ سے اس قسم کے فقرے ظاہر ہوئے۔ آں سرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوۃ والسلام (یہ بات سن کر) متفکر اور مغموم ہو گئے —— اسی اثنا میں جبرئیل امین علیٰ نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام وحی لے کر حاضر ہوئے کہ وہ کلام شیطان کا القا کیا ہوا تھا، اور کوئی نبی یا رسول ایسا نہیں گذرا کہ جس کے

کلام میں شیطان نے القا نہ کیا ہو، جس کے بعد حق سبحانہ و تعالیٰ نے اس کو رد کر کے اپنے کلام کو محکم بنایا ہے۔[1]

پس جب آں سرور علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی حیاتِ مبارکہ بیداری کے وقت صحابۂ کرامؓ کی مجلس میں شیطانِ لعین نے اپنے باطل کلام کو آں سرور علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے کلام میں القا کر دیا (ملا دیا) اور (حاضرینِ صحابہؓ میں سے) کسی نے تمیز نہ کی تو آں سرور علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد خواب کی حالت میں جو کہ حواس کے معطل اور بیکار ہونے کا محل اور شک و شبہ کا مقام ہے دیکھنے والے کی تنہائی کے باوجود کہاں سے معلوم ہو سکتا ہے کہ یہ واقعہ شیطان کے تصرف اور مکر و فریب سے محفوظ و مامون ہے ــــــــ اس کے باوجود میں کہتا ہوں کہ جب نعتیہ قصیدوں کے پڑھنے اور سننے والوں کے ذہن میں یہ بات بیٹھ چکی تھی کہ آنسرور علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام اس عمل سے راضی ہیں جیسا کہ ممدوح لوگ اپنی مدح کرنے والوں سے راضی ہوتے ہیں اور یہ حقیقت ان کی قوتِ متخیلہ میں منقش ہو گئی ہو تو ہو سکتا ہے کہ واقعہ میں اسی اپنی متخیلہ صورت کو دیکھا ہو، قطع نظر اس کے کہ اس واقعہ کی کوئی حقیقت بھی ہے یا صرف تمثیلِ شیطانی ہی ہے ــــــــ

ــــــــ اور نیز واقعات اور رویائے صادقہ کبھی ظاہر پر محمول ہوتے ہیں اور ان کی حقیقت وہی ہوتی ہے جو دیکھنے والے نے دیکھی ہے، مثلاً زید کی صورت کو خواب میں دیکھا ہے اور اس سے مراد زید کی وہی حقیقت ہے۔ اور کبھی واقعات اور رویائے صادقہ ظاہر سے پھرے ہوئے اور تعبیر پر محمول ہوتے ہیں، مثلاً زید کی صورت کو خواب میں دیکھا اور اس سے مراد عمرو کو رکھا گیا اس مناسبت کے لحاظ سے جو زید و عمرو کے درمیان ہے ــــــــ لہٰذا کس طرح معلوم ہو سکتا ہے کہ احباب کے یہ واقعات ظاہر پر محمول ہیں اور ظاہر سے پھرے ہوئے نہیں ہیں۔ کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ ان واقعات سے مراد ان کی تعبیریں ہوں اور وہ واقعات دوسرے امور سے کنایہ ہوں، بغیر اس کے کہ تمثیلِ شیطانی کی گنجائش ہو ــــــــ غرضکہ وقائع کا کچھ اعتبار نہیں کرنا چاہئے ــــــــ اشیاء خارج میں موجود ہیں کوشش کرنی چاہئے کہ اشیاء کو بیداری میں دیکھیں جو کہ اعتبار کے لائق ہے اور اس میں تعبیر کی بھی گنجائش نہیں ــــــــ

---

[1] جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ مِنۡ رَّسُوۡلٍ وَّلَا نَبِىٍّ اِلَّاۤ اِذَا تَمَنّٰۤى اَلۡقَى الشَّيۡطٰنُ فِىۡۤ اُمۡنِيَّتِهٖ‌ ۚ فَيَنۡسَخُ اللّٰهُ مَا يُلۡقِى الشَّيۡطٰنُ ثُمَّ يُحۡكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ‌ ؕ (حج آیت ۵۲ پ ۲۲) (اور ہم نے آپ سے قبل کوئی رسول اور کوئی نبی ایسا نہیں بھیجا جس کو یہ قصہ پیش نہ آیا ہو کہ جب اس نے کچھ پڑھا شیطان نے اس کے پڑھنے میں ملا دیا، پھر اللہ تعالیٰ شیطان کے ڈالے ہوئے شبہات کو نیست و نابود کر دیتا ہے پھر اللہ تعالیٰ اپنی آیات کو محکم کر دیتا ہے)۔

"آنچہ در خواب وخیال دیدہ شود خواب وخیال است" جو کچھ خواب وخیال میں دیکھا جائے وہ خواب و خیال ہی ہے۔ ——— وہاں کے احباب ایک عرصے سے اپنی وضع کے مطابق زندگی بسر کررہے ہیں اُن کے اختیار کی لگام ان کے اپنے ہاتھ میں ہے لیکن میر محمد نعمان کو فقیر کے حکم کی تعمیل کے سوا چارہ نہیں، عِیَاذًا بِاللّٰہِ سُبْحَانَہٗ (اللہ سبحانہٗ کی پناہ) کہ منع کرنے کے بعد ایک لمحہ بھی توقف کرے، اگر بالفرض توقف کرے بھی تو کس کا نقصان ہوگا ——— اس منع کرنے میں فقیر کا مبالغہ اپنی طریقت کی مخالفت کی وجہ سے ہے، وہ مخالفت خواہ بطریق سماع ورقص ہو یا بطریق مولود و شعر خوانی۔ ہر سلسلہ کے لئے مطلبِ خاص کے ساتھ ایک وصول ہے، اور اس طریق میں مطلبِ خاص کا وصول ان امور کے ترک کرنے پر وابستہ ہے، جس شخص کو اس طریقے کے مطلبِ (خاص تک پہنچنے) کی طلب ہو اس کو چاہئے کہ طریق کی مخالفت سے پرہیز کرے اور دوسرے طریقوں کے مطالب سے منظورِ نظر نہ ہوں۔

(رقص وسماع اور مولود سے ممانعت)

اور حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہٗ نے فرمایا ہے کہ "ما نہ این کار می کنیم ونہ انکار می کنیم" ہم یہ کام خود نہیں کرتے اور نہ اس کا انکار کرتے ہیں۔ یعنی یہ کام ہمارے خاص طریقے کے خلاف ہے اس لئے نہیں کرتے اور چونکہ اس کو دوسرے مشائخ کرتے ہیں اس لئے منع بھی نہیں کرتے۔ وَلِكُلٍّ وِجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا (بقرہ آیت ۱۴۸) (اور ہر شخص کے واسطے ایک جہت (قبلہ) ہے کہ وہ اس کی طرف منہ کرتا ہے)۔

فیروز آباد (نواحِ دہلی کی ایک بستی) جو ہم فقراء کا ملجا و ماویٰ ہے اور ہمارے پیروں اور پیشواؤں کا مرکز ہے، اور جب وہاں اس طرح کی کوئی بات ہوتی ہے جو اس طریقۂ عالیہ کے خلاف ہے تو ہم فقراء کے لئے نہایت اضطراب و بیقراری کا مقام ہے ——— حضرت مخدوم زادے اپنے والد بزرگوار کے طریقے کی حفاظت کے زیادہ مستحق اور حقدار ہیں ——— حضرت خواجہ احرار قدس سرہٗ کے فرزندوں نے اپنے والد بزرگوار کے طریقے کے تبدیل ہو جانے کے بعد اصل طریقے کی حفاظت کی اور تغیر کرنے والوں سے جھگڑا کیا۔ چنانچہ آپ کے مبارک کانوں میں بھی یہ بات پہنچی ہوگی۔

نیز آپ نے ہمارے حضرت خواجہ (باقی باللہؒ) کے مشربِ قوی العذب (نہایت خوشگوار طریقہ) کے متعلق لکھا تھا۔ ہاں ہاں ابتدائی احوال میں بعض امور کے اندر ملامتیہ مذہب کی رعایت کی وجہ سے آسانی اور نرمی برتتے تھے اور ملامت کو ترجیح دے کر بعض چیزوں میں عزیمت کو ترک کر دیا کرتے تھے، لیکن آخر میں ان امور سے بھی پرہیز اختیار کر لیا تھا اور ملامت و ملامتیہ کا ذکر تک نہیں کرتے تھے ———

اگر آپ انصاف کی نظر سے دیکھیں کہ بالفرض حضرت ایشاں (خواجہ باقی باللہ) اگر اس وقت دنیا میں بقیدِ حیات ہوتے اور ایسی مجلس واجتماع کا انعقاد اُن کی موجودگی میں ہوتا تو وہ اس امر سے راضی ہوتے اور اس اجتماع کو پسند کرتے یا ناپسند کرتے ـــــــ فقیر کو اس کا یقین ہے کہ وہ اس کو ہرگز جائز نہیں سمجھتے بلکہ اس کا انکار کرتے ـــــــ فقیر کا مقصد تبلیغ کرنا ہے قبول کریں یا نہ کریں کوئی مضائقہ نہیں اور نہ جھگڑے کی کوئی گنجائش ہے۔ اگر مخدوم زادے اور ان کے احباب اسی حال پر قائم رہیں (اور اپنی حالت کو نہ بدلیں) تو ہم فقیروں کو ان کی صحبت سے سوائے مایوسی اور دُور رہنے کے کوئی چارہ نہیں ہے اس سے زیادہ کیا تکلیف دی جائے۔ والسلام اولاً وآخراً۔

مکتوب ۲۷۴

دو صد و ہفتاد و چہارم

شیخ یوسف[1] برکی کی طرف صادر فرمایا ـــــــ بلند ہمتی کی ترغیب میں اور سفلی مشاہدات جو کثرت کے آئینوں سے تعلق رکھتے ہیں ان کی طرف التفات نہ کرنے اور اس کے مناسب بیان میں۔

حمد وصلوٰۃ اور تبلیغ دعوات کے بعد واضح ہو کہ تینوں مکتوب جو آپ نے ارسال کئے تھے موصول ہوئے اور وہ وقائع، احوال اور کرامات جو اُن میں درج تھے سب واضح طور پر معلوم ہوئے۔ وہ حال جو آپ نے کثرت میں شہودِ وحدت کے آخر حال میں لکھا ہے اور اس عبارت کے ساتھ ادا کیا ہے کہ (ایمان کی) انتہا یہ ہے کہ اول حال کی طرح حال ہو جائے اور گم ہونے کا (خیال) بھی گُم ہو جائے، یعنی (یہ حال ہو جائے کہ) میں بندہ ہوں، مخلوق ہوں اور حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں ہوں۔ یہ حال اصلی ہے اور مذکورہ احوال سے بلند و بالا ہے، لیکن انتہا دوسری چیز ہے، اور نہایت اس سے کئی منزلیں دُور ہے ؎

هنوز ایوان استغنا بلند است | مرا فکرِ رسیدن ناپسند است
(قصرِ استغنا تو اونچا ہے ہنوز | سخت مشکل واں پہنچنا ہے ہنوز)

کلمہ طیبہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے تکرار کا مقصود جو فقیر نے اپنے سابقہ مکتوب میں آپ کو لکھا تھا کہ

---

[1] آپ کے نام چار مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۲۳۰ پر گزر چکا ہے۔

اس شہود کی بھی نفی ہو جائے جو کثرت کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ لِلّٰہِ سُبْحَانَہٗ الْحَمْدُ وَالْمِنَّۃُ (اللہ سبحانہ کی حمد اور اس کا احسان ہے) کہ اس کلمۂ طیبہ کی برکت سے یہ شہود آپ سے زائل ہو گیا، آپ بلند ہمت رکھیں اور اس راہ کی جوز و مویز (معمولی چیزوں) پر اکتفا نہ کریں۔ اِنَّ اللّٰہَ سُبْحَانَہٗ یُحِبُّ مَعَالِیَ الْھِمَمِ (اللہ سبحانہٗ بلند ہمت والوں کو دوست رکھتا ہے) ــــــ آپ توحید (وجودی) کے تنگ کوچہ سے نکل کر (توحیدِ شہودی کی) شاہراہ پر آ گئے ہیں کتنی بڑی نعمت ہے، اگر آپ پہلے احوال کا ذکر نہ کریں اور کثرت آمیز شہود کی لذتوں کی یاد نہ کریں اور عمر بھر استقامت کے ساتھ اس راہ کی تگ و دو میں مشغول رہیں (تو بہت اچھا ہے)۔ (کیونکہ) بہت سے شہودِ کثرت کے پوستیوں کو ہم نے دیکھا ہے کہ انھوں نے اپنے اس کام کی غلطی پر اطلاع پا کر پوست پینا چھوڑ دیا۔ اتفاقاً ایک مدت کے بعد جب کبھی پوست پینے کا خیال اور اس کی لذت یاد آئی تو پھر اپنی قدیم حالت کی طرف لوٹ آئے (اور پینا شروع کر دیا) ــــــ میرے مخدوم! وہ شہود جو کثرت کے آئینوں سے تعلق رکھتا ہے بہت لذت بخش ہے اور شہودِ تنزیہی کہ جس کا تعلق جہل (حیرت) سے ہے وہ لذت سے دور ہے۔ شیخ مقتدا کی مدد کے بغیر اس راہ پر چلنا مشکل ہے۔

برادر عزیز مولانا احمد برکیؒ[1] جس کو عام لوگ علمائے ظاہر سے جانتے ہیں اور وہ خود بھی اپنے احوال اور اپنے دوستوں کے احوال کی خبر نہیں رکھتا اس کا راز یہ ہے کہ اس کا باطن شہودِ تنزیہی کی طرف متوجہ ہے جو جہل کا مقام ہے اور اس کا ایمان علماء کی طرح ایمان بغیب ہے، اس کے باطن نے بلند فطرت ہونے کی وجہ سے کثرت آمیز شہود کی طرف التفات نہیں کی ہے اور اس کا ظاہر ترہاتِ صوفیہ (وہ کلمات جو بظاہر شریعت کے خلاف ہوں) کے ساتھ فریفتہ اور مغرور نہیں ہوا، اس کا وجودِ مبارک ان اطراف میں غنیمت ہے۔ یہ حالت جس کے حاصل ہونے کی آپ نے خبر دی ہے مولانا مذکور مدت سے اس حالت کے ساتھ متحقق ہے خواہ اس کو اس کا علم ہو یا نہ ہو۔ فقیر کے نزدیک اس جگہ (کی اصلاح) کا مدار مولانا کے وجود پر ہے ــــــ بڑے تعجب کی بات ہے کہ یہ امر ان اطراف کے صاحبانِ کشف پر کس طرح مخفی رہا ہے (حالانکہ) فقیر کے علم میں مولانا (کی شرافت و بزرگی) وجودِ آفتاب کی طرح ظاہر و باہر ہے زیادہ کیا تکلیف دی جائے۔ دعا و فاتحہ کی التماس ہے۔ والسلام

[1] آپ حضرت مجددؒ کے خلفا میں سے تھے آپ کے نام پانچ مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۲۳۹ پر گذر چکا ہے۔

مکتوب ۲۷۵
دو صد و ہفتاد و پنجم

ملا احمد برکی کی طرف صادر فرمایا ــــ ایک سوال کے جواب میں جو انھوں نے اپنی قبولیت کے بارے میں کیا تھا، اور اپنے دوستوں میں سے ایک دوست کے احوال میں تحریر کیا تھا اور علوم شرعیہ کی تعلیم اور احکامِ فقہیہ کی نشر و اشاعت کی ترغیب دینے اور اس کے مناسب بیان میں۔

حمد و صلوٰۃ اور تبلیغ دعوات کے بعد واضح ہو کہ دو مکتوب جو آپ نے شیخ حسن وغیرہ کے ہمراہ روانہ کئے تھے موصول ہو کر بہت زیادہ خوشی کا باعث ہوئے ــــ ایک خط خواجہ اویسؒ (قرنی) کے احوال سے متعلق تھا۔ اور دوسرے مکتوب میں اپنی قبولیت کی نسبت استفسار تھا ــــ اسی اثنا میں آپ کے حال پر توجہ کی گئی تو دیکھا کہ اس گرد و نواح کے سب لوگ آپ کی طرف دوڑے چلے آرہے ہیں اور آپ سے التجا کر رہے ہیں۔ (پھر معلوم ہوا کہ آپ کو اس علاقہ کا (قطب) مدار بنا دیا گیا ہے اور ان حدود و اطراف کے لوگوں کو آپ کے ساتھ وابستہ کیا گیا ہے۔ لِلّٰہِ سُبْحَانَہُ الْحَمْدُ وَالْمِنَّۃُ عَلٰی ذٰلِکَ (اس امر پر اللہ سبحانہٗ کی حمد اور احسان ہے) ــــ اس معاملہ کے ظہور کو واقعات (خواب) میں سے خیال نہ کریں کیونکہ واقعات میں شک و شبہ کا گمان ہوتا ہے بلکہ مشاہدات اور محسوسات میں سے شمار کریں۔

اس دولت کے حاصل کرنے کا سب سے عمدہ ذریعہ علومِ شرعیہ کی تعلیم دینا ہے اور احکامِ فقہیہ کی نشر و اشاعت کرنا ہے (خصوصاً) اس مقام میں جہاں جہالت متمکن (جگہ پکڑے ہوئے) ہو اور بدعت نے اپنا اثر و رسوخ پیدا کر لیا ہو، پھر اس محبت و اخلاص کے ساتھ جو کہ اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے آپ کو اپنے دوستوں کے لئے عطا فرمایا ہے (آپ کو شاں ہیں) فَعَلَیْکُمْ بِتَعْلِیْمِ الْعُلُوْمِ الدِّیْنِیَّۃِ وَنَشْرِ الْاَحْکَامِ الْفِقْہِیَّۃِ مَا اسْتَطَعْتُمْ فَاِنَّھُمَا مِلَاکُ الْاَمْرِ وَمَنَاطُ الْاِرْتِقَاءِ وَمَدَارُ النَّجَاۃِ (لہٰذا آپ پر لازم ہے کہ علومِ دینیہ کی تعلیم دیں اور اپنی استطاعت کے مطابق احکام فقہیہ کی نشر و اشاعت میں مشغول رہیں کیونکہ اسی کام پر ترقی اور نجات کا دارومدار ہے) ــــ اور اپنی کمرِ ہمت کو مضبوط باندھ کر خود کو علماء کے زمرہ میں شامل رکھیں اور امرِ معروف و نہی عن المنکر کے ذریعہ مخلوق کو حق جل سلطانہٗ کے راستے کی رہنمائی فرمائیں، جیسا کہ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّ ھٰذِہٖ تَذْکِرَۃٌ فَمَنْ

شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰی رَبِّہٖ سَبِیۡلًا (مزمل آیت ۱۹) (یہ (قرآن) وعظ و نصیحت ہے پس جو شخص چاہے (اس کے ذریعے) اپنے رب کی طرف راستہ اختیار کرے)۔

ذکر قلبی بھی کہ جس کی آپ کو اجازت دی گئی ہے وہ احکامِ شرعیہ کے بجالانے میں اور نفسِ امارہ کی سرکشی کو دُور کرنے میں معاون و مددگار ہے، اس طریقے کو بھی جاری رکھیں اور اپنے احوال اور اپنے دوستوں کے احوال کے مطلع نہ ہونے پر آزردہ نہ ہوں اور اس بات کو اپنی بے حاصلی کی دلیل نہ سمجھیں، دوستوں کے احوال آپ کے کمالات کی آئینہ داری میں کافی ہیں، یہ بھی آپ ہی کے احوال ہیں جو دوستوں میں منعکس ہو کر ظاہر ہو رہے ہیں ــــــــــ شیخ حسن بھی آپ کے ارکانِ دولت میں سے ہے، آپ کے معاملہ کا ممد و معاون ہے اگر بالفرض آپ کو ماوراء النہر یا ہندوستان کی سیر کی خواہش پیدا ہو جائے تو وہاں آپ کا قائم مقام شیخ حسن ہے اس کے حق میں اپنی التفات و توجہ فرماتے رہیں اور بہت کوشش فرمائیں کہ وہ علومِ دینی کی ضروری تحصیل سے جلد سے جلد فارغ ہو جائے۔ ہندوستان کی سیر کے لئے آنا اس کے حق میں بھی غنیمت ہو اور آپ کے حق میں بھی: رَزَقَنَا اللّٰہُ سُبۡحَانَہٗ وَاِیَّاکُمُ الۡاِسۡتِقَامَۃَ عَلٰی مِلَّۃِ الۡاِسۡلَامِ عَلٰی صَاحِبِھَا الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ وَالتَّحِیَّۃُ (اللہ سبحانہٗ ہم کو اور آپ کو آنحضرت علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کی ملت اسلام پر استقامت عطا فرمائے)۔

آپ نے لکھا تھا کہ چھ ماہ ہو گئے ہیں کہ اس دوست کی ترقی واقع ہو گئی ہے، جو کچھ اس کو غَیبت اور بے شعوری کی حالت میں ارواحِ طیبات دکھائی دیتی تھیں وہ اب ہوش میں دیکھ رہا ہے۔ میرے مخدوم! یہ دیکھنا ترقی کی کوئی دلیل نہیں خواہ (حالتِ) شعور میں دیکھیں یا بے شعوری میں۔ کیونکہ پہلا قدم اس راہ میں یہ ہے کہ حق سبحانہٗ کے علاوہ کچھ نہ دیکھے اور اس سبحانہٗ کے علاوہ اس کے اندیشہ خیال میں کچھ نہ رہے، اس معنی میں نہیں کہ چیزوں کو اس بزرگ ہستی کا غیر نہ دیکھے اور ماسوا کے عنوان سے نہ جانے۔ کیونکہ یہ بات بجائے خود کثرت سے دیکھنا ہے بلکہ اس سبحانہٗ کے علاوہ غیر کو ہرگز نہ دیکھے اور نہ جانے۔ اس حالت کو فنا سے تعبیر کرتے ہیں اور اس راہ کی منزلوں میں سے پہلی منزل ہے۔ وَدُوۡنَہٗ خَرۡطُ الۡقَتَادِ (اس کے علاوہ کانٹوں میں ہاتھ ڈالنا ہے) ؎

ہیچ کس را تا نگردد او فنا نیست رہ در بارگاہِ کبریا

(جب تک انساں کر نہ لے خود کو فنا کیسے پائے بارگاہ کبریا)

وہ مکتوبات جو ان ایام میں لکھے گئے ہیں بہت زیادہ عزیز الوجود اور نادر ہیں اور ان میں بہت عجیب و غریب فوائد درج ہوئے ہیں، ان کی نقل شیخ حسن (اپنے ہمراہ) لے گئے ہیں، ان کو بہت غور سے ملاحظہ فرمائیں ــــــ آپ نے اپنی والدۂ مرحومہ کی مغفرت کے لئے دعا کی التماس کی تھی وہ عرض قبول ہو گئی ہے ــــــ اس اطراف کے باقی احوال شیخ حسن تفصیل کے ساتھ بیان کریں گے ــــــ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَۃَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ مِنَ الصَّلَوَاتِ اَفْضَلُھَا وَمِنَ التَّحِیَّاتِ اَکْمَلُھَا (اور سلام ہو اس پر جس نے ہدایت کی پیروی کی اور حضرت محمد مصطفٰی علیہ وعلی آلہ الصلوات افضلہا ومن التحیات اکملہا کی متابعت کو اپنے اوپر لازم جانا)

فقیر اور فقیر زادے سلامتیٔ خاتمہ کے لئے دعا کی التماس کرتے ہیں۔ والسلام

مکتوب ۲۷۶
دوبیست وہفتاد و ششم

میاں شیخ بدیع الدین[1] کی طرف صادر فرمایا ــــــ قرآن کریم کی آیاتِ محکمات و متشابہات کا بیان اور علمائے راسخین اور ان کے کمالات اور ان کے مناسب بیان میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَعَلَیْھِمْ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہِ الطَّیِّبِیْنَ الطَّاھِرِیْنَ اَجْمَعِیْنَ جَعَلَنَا اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَاِیَّاکُمْ مِنَ الرَّاسِخِیْنَ فِی الْعِلْمِ (سب تعریف اللہ تعالیٰ رب العالمین کے لئے ہے اور صلوٰۃ وسلام ہو حضرت سید المرسلین علیہم وعلی آلہ واصحابہ الطیبین الطاہرین اجمعین پر۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اور آپ کو راسخین فی العلم میں سے بنائے (آمین)۔

اے بھائی! حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے اپنی کتاب (قرآن) مجید (کی آیاتِ مقدسہ) کو دو قسموں پر نازل فرمایا ہے (ایک) محکمات (دوسری) متشابہات ــــــ قسمِ اول (محکمات) علمِ شرائع واحکام کا منشا و مبدا ہے، اور قسمِ ثانی (متشابہات) حقائق واسرار کے علم کا خزانہ ہے۔ ــــــ قرآن مجید اور احادیثِ شریفہ میں (حق تعالیٰ کے لئے جو الفاظ) یَدٌ (ہاتھ) وَجْہ قَدَم (پاؤں) سَاق (پنڈلی) اَصَابِع (انگلیاں) اور اَنَامِل (پورے) آئے ہیں، سب متشابہات میں سے ہیں ــــــ اور اسی طرح حروفِ مقطعات، جو قرآن مجید کی سورتوں کے شروع میں آئے ہیں

[1] آپ کے نام دس مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۱۷۲ پر گذر چکا ہے۔

وہ بھی متشابہات میں سے ہیں کہ جن کی تاویل پر علماءِ راسخین کے علاوہ کسی کو اطلاع نہیں دی گئی۔ یہ خیال نہ کریں کہ تاویل مراد قدرت سے ہے جس کی تعبیر یَدٌ سے کی ہے یا مراد ذات سے ہے جس کو وَجْہ (چہرہ) سے تعبیر کیا ہے بلکہ ان کی تاویل اُن گہرے اور پوشیدہ رازوں میں سے ہے جو اخصِ خواص پر ظاہر کئے گئے ہیں ــــــــ (یہ فقیر) حروفِ مقطعاتِ قرآنی کے بارے میں کیا تحریر کرے کیونکہ ان حروف میں سے ہر ایک حرف عاشق و معشوق کے (درمیان) پوشیدہ رازوں کا بحرِ مواج (موجیں مارتا ہوا سمندر) ہے اور محب و محبوب کے دقیق اور پوشیدہ رموز میں سے ایک رمز ہے[ؔ]۔

اور محکمات اگرچہ کتاب کی امہات (یعنی اصلِ اصول) ہیں، لیکن ان کے نتائج و ثمرات جو متشابہات ہیں اور کتاب کے اصل مقاصد میں سے ہیں، امہات کی حیثیت نتائج حاصل کرنے کے لئے وسائل و ذرائع سے زیادہ نہیں ہے لہذا کتاب کا لُب یعنی مغز متشابہات ہیں اور محکمات اس کا قشر یعنی پوست ہیں۔ یہ متشابہات ہی ہیں جو رمز و اشارہ کے ساتھ اصل بیان کو ظاہر کرتے ہیں اور بخلاف محکمات کے، مرتبہ کی حقیقتِ معاملہ کی نشاندہی کرتے ہیں۔ متشابہات گویا حقائق ہیں اور محکمات متشابہات کی نسبت ان حقائق کی صورتیں ہیں۔ عالمِ راسخ وہ شخص ہے جو لُب یعنی مغز کو قشر کے ساتھ جمع کر سکے اور حقیقت کو ظاہری شکل و صورت میں لا سکے۔ ــــــــ علمائے قشریہ قشر کے ساتھ خوش ہیں اور صرف محکمات پر ہی اکتفا کر لیتے ہیں، اور علمائے راسخین محکمات کے علم کو حاصل کر کے متشابہات کی تاویل سے بھی حظِ وافر (پورا پورا حصہ) حاصل کر لیتے ہیں اور صورت و حقیقت کو بھی جو محکم و متشابہ ہیں جمع کر لیتے ہیں، لیکن وہ شخص جو محکمات کے علم کے بغیر اور ان کے موافق عمل کے بغیر متشابہات کی تاویل تلاش کرے اور صورت کو چھوڑ کر حقیقت کی طرف دوڑے وہ ایسا نادان ہے کہ جس کو اپنی نادانی کی بھی خبر نہیں ہے اور ایسا گمراہ ہے جو اپنی گمراہی کا بھی شعور نہیں رکھتا۔ وہ یہ نہیں سمجھتا کہ یہ دنیا صورت اور حقیقت سے مرکب ہے جبتک یہ دنیا فانی ہے کوئی حقیقت اپنی صورت سے جُدا نہیں ہو سکتی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ (حجر آیۃ ۹۹) اَیِ الْمَوْتُ كَمَا قَالَ الْمُفَسِّرُوْنَ (اپنے رب کی عبادت کرہا نتک کہ تجھ کو یقین (یعنی موت) آجائے۔ جیسا کہ مفسرین نے کہا ہے)۔ کہ (اللہ تعالیٰ نے) عبادت کو موت کے وقت تک منتہی کر دیا جو دنیا کا بھی منتہا ہے۔ لِاَنَّ مَنْ مَاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِيَامَتُهٗ[ل] (جو شخص مر گیا اس پر قیامت قائم ہو گئی)۔

[ل] اس حدیث کو دیلمی نے حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے۔ [ؔ] ان اسرار کی تھوڑی سی جھلک دفتر اول مکتوب ۳۱۱ میں ہے۔

اور نشاءِ اُخروی (آخرت کی نشوونما) میں جو حقائق کے ظہور کی جگہ ہے وہاں حقائق سے صورتوں کا جدا ہونا حاصل ہو جاتا ہے۔ لہٰذا ہر جہان کا حکم جداگانہ ہے، ایک کو دوسرے کے ساتھ سوائے جاہل یا زندیق (بے دین) کے جس کا مقصد احکامِ شرعیہ کا جھٹلانا ہو کوئی خلط ملط نہیں کرتا، کیونکہ شریعت کا ہر حکم جو مبتدی کے لئے ہے وہی منتہی کے لئے ہے (نیز) عام مؤمنین اور اخص خواص عارفین بھی اس معاملہ میں برابر ہیں ـــــــ اور اکثر متصوفینِ خام (کچے صوفیہ) اور بے سروسامان ملحد اس امر کے درپے ہیں کہ اپنی گردنوں کو شریعت کی اطاعت سے نکال لیں اور احکامِ شرعیہ کو عوام کے لئے ہی مخصوص رکھیں۔ یہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ صرف خواص معرفتِ الٰہی کے مکلف ہیں اور بس، جیسا کہ اپنی جہالت کے باعث امیروں اور بادشاہوں کو عدل و انصاف کے سوا اور کسی چیز کا مکلف نہیں جانتے اور کہتے ہیں کہ شریعت کے احکام بجالانے سے مقصود یہ ہے کہ معرفت حاصل ہو جائے اور جب معرفت حاصل ہو گئی تو پھر شرعی تکلیفات بھی ساقط ہو گئیں۔ اور شہادت کے طور پر اس آیت کو پیش کرتے ہیں: وَاعْبُدْ رَبَّکَ حَتّٰی یَاْتِیَکَ الْیَقِیْنُ (حجر ۱۵ آیت ۹۹) (اپنے رب کی عبادت کر حتی کہ تجھے یقین حاصل ہو جائے) ـــــــ اور یقین کے معنی اللہ کرتے ہیں (یعنی اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہو جائے) جیسا کہ سہل تستریؒ [1] نے کہا ہے۔ یعنی عبادت کی انتہا حق تعالیٰ کی معرفت حاصل ہونے تک ہی ہے۔ بظاہر جس شخص نے یقین کے معنی اللہ سبحانہٗ کے کئے ہیں اس سے اس کی مراد یہ ہوگی کہ عبادت کی تکلیف کی انتہا حق جل و علا کی معرفت حاصل ہو جانے تک ہے نہ کہ نفسِ عبادت کی انتہا، کیونکہ یہ امر الحاد و زندقہ تک پہنچانے والا ہے، اور یہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ عارفوں کی عبادت ریائی (دکھاوے کی) ہے یعنی عارف اس لئے عبادت کرتے ہیں کہ ان کے مقتدی اور پیرو ان کی اقتدا کریں نہ یہ کہ عارف عبادت کے محتاج ہیں۔ اور اس قول کی تائید میں مشائخ کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا ہے کہ جب تک پیر منافق او دُرائی (ریاکار) نہ ہو مرید اس سے نفع حاصل نہیں کر سکتے: خَذَلَهُمُ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ مَا اَجْهَلَهُمْ (اللہ سبحانہٗ ان کو ذلیل و خوار کرے یہ لوگ کیسے جاہل ہیں)۔

عارفوں کو جس قدر عبادت کی ضرورت (اور احتیاج) ہے اس کا دسواں حصہ بھی مبتدیوں کو حاصل نہیں ہے

[1] سہل بن عبداللہ تستریؒ کی کنیت ابو محمد ہے، اکابرین صوفیہ میں سے ہیں اور انوار معرفت کے علماء میں آپ کا شمار ہے۔ حضرت ذوالنون مصریؒ کے شاگرد اور سید الطائفہ حضرت جنید بغدادیؒ کے ہمعصر تھے۔ محرم الحرام ۲۸۳ھ میں انتقال ہوا۔

کیونکہ ان کے عروج عبادت پر ہی وابستہ ہیں اور ان کی ترقیاں شرائع اور احکام کے بجالانے پر ہی منحصر ہیں۔ عبادات کے ثمرات اور فائدے جن کی توقع عوام کو کل قیامت کے دن ہے وہ ثمرات عارفوں کو آج ہی حاصل ہیں اس لئے یہ عبادت کے زیادہ مستحق ہیں اور ان کو شریعت کی زیادہ حاجت ہے۔

جاننا چاہئے کہ شریعت سے مراد، صورت اور حقیقت کا مجموعہ ہے، جس میں صورت ظاہری شریعت ہے اور اس کی حقیقت باطن شریعت ہے۔ لہذا پوست اور مغز دونوں شریعت کے اجزا ہیں اور محکم ومتشابہ دونوں اس کے افراد ہیں ـــــــ علماء ظاہر نے صرف اس کے پوست پر ہی اکتفا کیا ہے اور علماء راسخین نے پوست اور مغز دونوں کو جمع کر کے صورت اور حقیقت کے مجموعہ سے پورا پورا فائدہ حاصل کیا ہے، لہذا شریعت کو ایک ایسے شخص کے مانند تصور کرنا چاہئے جو صورت وحقیقت دونوں سے مرکب ہے۔ ایک جماعت نے صرف اس کی ظاہری صورت کے ساتھ تعلق پیدا کر لیا ہے اور اس کی حقیقت کا انکار کر بیٹھی ہے اور ھدایہ[۱] و بزدوی[۲] کے سوا اپنا پیر مقتدی کسی کو نہیں سمجھتی۔ یہ گروہ علماء قشر (پوست) ہیں اور دوسرا گروہ اس کی حقیقت میں گرفتار ہو گئے، مگر اس حقیقت کو شریعت کی حقیقت نہیں جانتے بلکہ شریعت کو ظاہر صورت پر محدود سمجھتے ہیں اور صرف پوست ہی پوست خیال کرتے ہیں اور مغز کو اس کے سوا تصور کرتے ہیں۔ اسی طرح احکام شریعت کی بجا آوری میں بھی سر مو باز نہیں رہتے اور صورت کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتے، اور احکام شریعت میں سے کسی ایک حکم کے ترک کرنے والے کو جھوٹا اور گمراہ سمجھتے ہیں۔ یہی لوگ اللہ جل سلطانہ کے دوستوں میں خواص ہیں جو اس سبحانہ وتعالی کی محبت میں اس کے ماسوا سے قطع تعلق کر لیا ہے ـــــــ اور ایک گروہ وہ ہے جو شریعت کو صورت وحقیقت کا مرکب جانتے ہیں اور پوست ومغز کا مجموعہ یقین کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک شریعت کی صورت کا حاصل کرنا اس کی حقیقت کے حاصل ہوئے بغیر اعتبار کے معیار سے ساقط ہے اور اس کی حقیقت کا حاصل ہونا اثبات صورت کے بغیر ناتمام وناقص ہے بلکہ ظاہری صورت کو حاصل کرنے کے لئے حقیقت کے ثبوت کے بغیر بھی اسلام ہی سے جانتے ہیں اور اس کو نجات بخشنے والا تصور کرتے ہیں جیسا کہ علمائے ظاہر اور عام مؤمنین کا حال ہے، اور ثبوت صورت کے بغیر حقیقت کے حصول کو محالات میں سے تصور کرتے ہیں اور اس کے قائل کو بے دین اور گمراہ سمجھتے ہیں۔

---

[۱] ہدایہ "فقہ حنفی کی مشہور ومستند کتاب ہے جو شیخ الاسلام برہان الدین علی بن ابی بکر مرغینانی المتوفی ۵۹۳ھ کی تصنیف ہے۔

[۲] علم اصول فقہ میں فخر الاسلام علی بن محمد بزدوی حنفی المتوفی ۴۸۲ھ کی تصنیف ہے۔

مختصر یہ کہ ظاہری اور باطنی کمالات ان بزرگواروں کے نزدیک کمالاتِ شرعیہ پر منحصر ہیں اور علوم و معارفِ الٰہیہ کا انحصار اہلِ سنت کی رائے اور ان کے عقائد کلامیہ (علمِ کلام) کے ثبوت سے پیوستہ ہیں، اور ہزاروں شہود و مشاہدات کو صرف حق جل و علا کی بے چونی و بے چگونی کے ایک مسئلہ کے برابر نہیں سمجھتے جو کہ مسئلہ کلامیہ میں سے ہے، اور ان احوال و مواجید اور تجلیات و ظہورات کو جو شرعی احکام کے کسی حکم کے خلاف ظاہر ہوں ان کو نیم جَو سے بھی نہیں خریدتے اور اس قسم کے ظہورات کو استدراج گمان کرتے ہیں۔ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ (انعام آیت ۹۰) (یہ وہ لوگ تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی تھی پس آپ بھی ان کے طریقے پر چلیں) ——— یہ لوگ علماءِ راسخین ہیں کہ جن کو حقیقتِ معاملہ کی اطلاع بخشی گئی ہے، اور آدابِ شریعت کی برکت سے ان کو حقیقتِ شریعت تک پہنچا دیا گیا ہے بخلاف دوسرے گروہ کے کہ وہ بھی اگرچہ حقیقت کی طرف متوجہ ہیں اور اس کے ساتھ گرفتار ہیں نیز حتی الامکان (شریعت کی بجا آوری میں) سرِ مو تجاوز نہیں کرتے لیکن چونکہ وہ اس حقیقت کو شریعت سے الگ سمجھ بیٹھے ہیں اور شریعت کو اس حقیقت کا پوست تصور کر لیا ہے اس لئے لازمی طور پر حقیقت کے ظلالوں میں سے کسی ایک ظل میں رہ گئے ہیں اور حقیقتِ معاملہ سے اصلِ حقیقت تک پہنچنے کی نہیں پائی، لہٰذا لازمی طور پر ان کی ولایت ظلی ہو گئی، اور ان کا قرب صفاتی ہو گیا، بخلاف علماءِ راسخین کی ولایت کے کہ وہ اصل ہے اور انھوں نے اصل تک پہنچنے کی راہ　کو حاصل کر لیا ہے، اور ظلال کے تمام پردوں سے گذر گئے ہیں، پس لازمی طور پر ان کی ولایت　انبیا علیہم الصلوات و التسلیمات کی ولایت ہے اور ان اولیا کی ولایت، ولایتِ انبیا علیہم الصلوات و التسلیمات و التحیات کا ظل ہے۔

ایک مدت تک یہ فقیر متشابہات کی تاویل کو صرف حضرت حق سبحانہٗ کے علم میں جانتا تھا اور علمائے راسخین کو متشابہات کے ساتھ ایمان رکھنے کے سوا بہرہ ور نہیں پاتا تھا، اور ان تاویلوں کو جو علمائے صوفیہ نے بیان کی ہیں ان متشابہات کی شان کے لائق نہیں سمجھتا تھا اور وہ اسرار جو پوشیدہ رکھنے کے قابل ہیں ان کی تاویلات کا تصور نہیں کرتا تھا جیسا کہ عین القضاۃ[1] نے بعض متشابہات کی تاویل میں کہا ہے، مثلاً الف، لام، میم سے اَلَمْ مراد لی ہے جس کے معنی درد کے ہیں جو کہ عشق و محبت کے لوازمات میں سے ہے وغیرہ۔ آخر کار جب حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے متشابہات کی

[1] عین القضاۃ ہمدانیؒ کی کنیت اور نام ابو الفضائل عبداللہ بن محمد المیان جی ہے، آپ شیخ محمد بن حمویہؒ اور امام غزالیؒ کے صحبت یافتہ تھے۔ صوری و معنوی کمالات و فضائل کے جامع تھے۔

تاویل کا تھوڑا سا حصہ اس فقیر پر ظاہر کیا اور اس دریائے محیط میں سے ایک چھوٹی سی نہر اس مسکین کی استعداد کی زمین پر کھول دی تب معلوم ہوا کہ علمائے راسخین کو بھی متشابہات کی تاویلات سے بہت بڑا حصہ حاصل ہے: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ ھَدٰنَا لِھٰذَا وَمَا کُنَّا لِنَھْتَدِیَ لَوْلَآ اَنْ ھَدٰنَا اللّٰہُ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ (اعراف آیہ ۴۳) (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے جس نے ہم کو ہدایت دی اگر وہ ہم کو ہدایت نہ دیتا تو ہم کبھی راہ نہ پاتے، بیشک ہمارے رب کے رسول حق بات لائے ہیں)۔

واقعاتِ مسطورہ کی تعبیر جو آپ نے طلب کی تھی اس کو حضور و ملاقات پر منحصر رکھا گیا ہے اسی لئے اس کی نسبت کچھ نہیں لکھا گیا۔ کیا کیا جائے قلم دوسرے معارف کی طرف چل پڑا اور دیگر معاملہ سامنے آگیا، امید ہے کہ معذور فرمائیں گے: وَالسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَعَلٰی سَائِرِ مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَۃَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَعَلٰی اِخْوَانِہِ الصَّلَوٰتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ الْعُلٰی (اور سلام ہو آپ پر اور ان پر جو ہدایت کی راہ پر چلے اور حضرت محمد مصطفٰے علیہ وعلی آلہ وعلی اخوانہ الصلوات والتسلیمات العلی کی متابعت کو لازم جانا)۔

مکتوب ۲۷۷

دویست و ہفتاد و ہفتم

مُلّا عبدالحی[1] کی طرف صادر فرمایا۔۔۔۔ علم الیقین، عین الیقین اور حق الیقین کے بیان میں۔

یہ علوم ان علومِ سابقہ میں سے ہیں جو آپ نے توسطِ حال میں تحریر کئے تھے، اس معرفت میں شہود کی انتہا شہودِ انفسی ہے۔ اور وہ جو آپ نے اخیر میں لکھے تھے ان میں شہودِ انفسی کو شہودِ آفاقی کے مانند بے فائدہ سمجھ کر انفس و آفاق سے شہود کو بالاتر ثابت کیا تھا بلکہ نفسِ شہود کو وصول کا دروازہ سمجھ کر اس سے بالاتر ہو کر ان علوم و معارف کو تحریر کیا تھا، جیسا کہ آپ کی کتابوں اور رسالوں سے یہ معنی واضح ہیں۔

اَرْشَدَکَ اللّٰہُ تَعَالٰی (اللہ تعالیٰ آپ کو ہدایت دے) جان لیں کہ حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ

---

[1] آپ کے نام پانچ مکتوبات ہیں یعنی دفتر اول مکتوب ۲۷۷-۲۹۱-۳۰۴- دفتر دوم مکتوب ۷-۳۷۔۔۔۔ شیخ عبدالحی بن خواجہ چاکر حنفی حصار شادمان (علاقہ اصفہان) کے اکابر علما میں سے تھے حضرت مجدد الف ثانیؒ کی خدمت میں سالہا سال گزارے اور خلافت حاصل کی۔ مکتوباتِ شریفہ کا دفتر دوم جس کا تاریخی نام "نور الخلائق" ہے آپ ہی نے ۱۰۲۸ھ جمع فرمایا۔ ۱۰۵۰ھ حج و زیارتِ حرمین شریفین سے مشرف ہوئے اور ۱۰۷۰ھ میں وفات پائی۔

کی ذات ہیں علم الیقین ان آیات ونشانات کے شہود سے مراد ہے جو اس تعالیٰ وتقدس کی قدرت پر دلالت کرتے ہیں، ان آیات کے شہود کو سیر آفاقی کہتے ہیں، لیکن ذاتی شہود وحضور سیر انفسی کے علاوہ متصور نہیں ہوتا اور وہ سوائے سالک کے نفس کے اور کہیں متصور نہیں ہوتا ؎

ذرہ گربس نیک ور بس بد بود گرچہ عمرے تگ زند در خود بود

(ذرّہ، ذرہ ہی رہے گا عمر بھر لاکھ دوڑے کم زیادہ ہو اگر)

اور جو کچھ (سالک) اپنے سے باہر مشاہدہ کرتا ہے وہ سب اس تعالیٰ کی ذات پر دلائل و آثار کے مشاہدہ کی قسم سے ہے نہ کہ عز سلطانہٗ کی ذات کا مشاہدہ ——— قطب المحققین سید العارفین ناصر الدین خواجہ عبید اللہ قدس سرہ الاقدس نے فرمایا ہے کہ "سیر دو قسم کی ہے، ایک سیرِ مستطیل اور دوسری سیرِ مستدیر۔ سیرِ مستطیل دُور سے دُور تر ہے اور سیرِ مستدیر قریب سے قریب تر ہے، سیرِ مستطیل یہ ہے کہ مقصود کو اپنے دائرے کے باہر تلاش کیا جائے، اور سیرِ مستدیر یہ ہے کہ اپنے دل کے گرد چکر لگاتے ہوتے اپنے مقصود کو اپنے اندر ہی تلاش کریں ——— لہٰذا وہ تجلیات جو حسّی اور مثالی صورتوں میں اور اسی طرح انوار کے پردوں میں ہوں خواہ کوئی بھی صورت ہو، اور کوئی بھی نور ظاہر ہو، خواہ وہ نور رنگین ہو یا بے رنگ ہو، اور متناہی ہو یا غیر متناہی، اور کائنات کو محیط کئے ہوئے ہو یا (محیط کئے ہوئے) نہ ہو سب علم الیقین میں داخل ہیں ——— حضرت مخدومی مولوی عبد الرحمٰن جامی قدس سرہ السامی شرح لمعات میں اس بیت کی شرح میں فرماتے ہیں ؎

اے دوست ترا بہر مکان می جستم ہر دم خبرت از این وآں می جستم

(تجھے میں ڈھونڈتا پھرتا تھا اے دوست ٹھکانا پوچھتا ہر جا تھا اے دوست)

(یعنی اس شعر میں بھی) مشاہدۂ آفاقی کی طرف اشارہ ہے جو علم الیقین کے لئے مفید ہے اور یہ شہود چونکہ سوائے اشارات واستدلال کے مقصود کی خبر نہیں دیتا اور اس کا حضور نہیں بخشتا اس لئے یہ شہود کے رنگ میں دھوئیں اور حرارت کے مانند آگ کی موجودگی پر دلالت کرتا ہے۔ لہٰذا یہ شہود دائرہ علم سے باہر نہیں آتا اور سوائے علم الیقین کے کچھ مفید نہیں ہوتا اور نہ ہی سالک کا وجود اس سے فانی ہو سکتا ہے۔

عین الیقین سے مراد حق سبحانہٗ کا شہود ہے، علم الیقین کے طریقے پر معلوم ہو جانے کے بعد

اس کا شہود سالک کی فنا کو لازم ہے، اور اس شہود کے غلبہ میں سالک کے وجود کا تعین بالکل گم ہو جاتا ہے اور اس کے دیدۂ شہود میں اس کا کوئی اثر باقی نہیں رہتا، اور سالک خود اپنے شہود میں فانی و مستہلک ہو جاتا ہے، اور یہ شہود اس بزرگ جماعت قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے نزدیک ادراکِ بسیط سے تعبیر کیا گیا ہے اور اسی کو معرفت بھی کہتے ہیں، اور اس ادراک میں عوام و خواص دونوں شریک ہیں لیکن ان دونوں کے درمیان فرق یہ ہے کہ خواص کو مخلوق کا شہود حق جل وعلا کے شہود سے مزاحم نہیں ہوتا بلکہ ان (خواص) کے شہود کی آنکھ میں سوائے حق جل وعلا کے شہود کے اور کچھ نہیں ہوتا ——— اور عوام کے لئے یہ (شہود) مزاحم ہے اسی لئے عوام ایسے شہود سے غافل اور اس کے ادراک سے بے خبر رہتے ہیں۔ اور ایسا عین الیقین، علم الیقین کے لئے حجاب ہے۔ جیسا کہ کہا گیا ہے اَنَّ عِلْمَ الْیَقِیْنِ حِجَابُہٗ (بیشک علم الیقین (عین الیقین کا) حجاب ہے)۔ اس شہود کی تحقیق کے وقت سوائے حیرت و نادانی کے اور کچھ نہیں ہے۔ علم کو اس مقام میں ہرگز گنجائش نہیں ——— بعض بزرگ قدس اللہ تعالیٰ سرہ نے فرمایا ہے کہ "علم الیقین عین الیقین کا حجاب ہے، اور عین الیقین علم الیقین کا حجاب" ——— اور نیز بعض نے فرمایا ہے کہ اس شخص کی علامت جس نے اس (حق تعالیٰ) کو پہچان لیا جیسا کہ اس کے پہچاننے کا حق ہے، یہ ہے کہ اس کے سِرّ سے واقف و مطلع ہو جاتا ہے لیکن اس کو اس کا علم نہیں ہو سکتا۔ ایسا شخص اس معرفت میں کامل ہے جس کے علاوہ کوئی اور معرفت بلند نہیں ہے ——— اور نیز بعض قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم العلیا نے فرمایا ہے کہ سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کا عارف وہ شخص ہے جو اس میں سب سے زیادہ حیرت زدہ ہے۔

اور حق الیقین سے مراد اُس سبحانہٗ کا ایسا شہود ہے کہ جس کے بعد طالب کا تعین اور اضمحلال ختم ہو جائے۔ لیکن (عارف کے لئے) حق سبحانہٗ کا یہ شہود حق تعالیٰ کے ساتھ ہوتا ہے نہ کہ (عارف کے) اپنے ساتھ کیونکہ وَلَا یَحْمِلُ عَطَایَا الْمَلِکِ اِلَّا مَطَایَاہُ (بادشاہ کے عطیات کو اس کی سواریاں ہی اٹھا سکتی ہیں) ——— اور یہ شہود بقا باللہ میں جو "بِیْ یَسْمَعُ وَبِیْ یُبْصِرُ"[۱] کا مقام ہے حاصل ہو جاتا ہے، جہاں سالک کو فنائے مطلق کی تحقیق کے بعد جو ذات و صفات کی فنا ہے حق سبحانہٗ وتعالیٰ محض اپنی عنایت سے اپنی طرف سے ایک وجود عطا فرماتا ہے اور سکرِ حال اور بیخودی سے صحو و افاقت (ہوشیاری) میں لاتا ہے اور اس وجود کو "وجودِ موہوبِ حقانی" کہتے ہیں (یعنی حق تعالیٰ کا عطا کردہ وجود)۔ اس مقام میں

[۱] یعنی وہ میرے ہی ذریعے سنتا ہے اور میرے ہی ذریعے وہ دیکھتا ہے۔

علم اور عین ایک دوسرے کا حجاب نہیں ہوتے بلکہ (عارف) عین شہود میں عالم ہے اور عین علم میں مشاہد ہوتا ہے اور یہ تعین بھی عارف کا اپنا ہے کہ عارف اس مقام میں اپنے آپ کو عین عز شانہ پاتا ہے نہ کہ تعینِ کونی، کیونکہ اس کا کوئی اثر عارف کے شہود کی آنکھ میں باقی نہیں رہتا اور تجلیاتِ صوریہ میں سے جو خود اپنی تعینات اور صورتوں کو حق تعالیٰ شانہ پاتے ہیں وہ تعیناتِ کونیہ ہیں کہ جن کی طرف فنا نے راہ نہیں پائی ہے: فَاَیْنَ اَحَدُهُمَا عَنِ الْاٰخَرِ (ان دونوں کے درمیان بہت بڑا فرق ہے) مَا لِلتُّرَابِ وَرَبِّ الْاَرْبَابِ (کہاں مٹی اور کہاں اس کے پالنے والوں کا پالنے والا) (چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک)

اگرچہ عوام کے نزدیک ظاہری عبارت میں تجلی صوری (جس میں اپنے آپ کو حق پاتے ہیں) اور حق الیقین (کہ اس مقام میں بھی اپنے آپ کو حق پاتا ہے) کے درمیان کوئی فرق معلوم نہیں ہوتا، لیکن تجلیٔ صوری میں انا صورت اختیار کر لیتی ہے اور حق الیقین میں حقیقت پر۔ اور نیز تجلی صوری میں حق کو خود اپنے ساتھ دیکھتا ہے اور اس مقام میں حق کو حق تعالیٰ ساتھ دیکھتا ہے اور ظاہر ہے کہ حق کو اپنے آپ سے نہیں دیکھ سکتے، لہٰذا تجلی صوری میں شہود کا اطلاق مجاز کے طریق پر ہے کیونکہ حق کو حق کے سوا نہیں دیکھ سکتے، اور وہ مرتبہ حق الیقین ہی ہے کہ جس میں شہود کی حقیقت متحقق ہو جاتی ہے۔

اور زمانے کے بعض مشائخ کو جب اس فرق کی اطلاع نہیں ہو سکی اور تعین کونی کے علاوہ اس تعین کا علم نہ ہو سکا تو انھوں نے ان اکابر قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم پر زبانِ طعن دراز کی جنھوں نے حق الیقین کی اس طرح تفسیر و تشریح فرمائی ہے جس طرح کہ مقرر و ثابت ہو چکی ہے اور دعویٰ کیا کہ یہ تعین، تجلیٔ صوری میں بھی حاصل ہو جاتا ہے جو راہِ سلوک کا قدمِ اول ہے، حالانکہ اس تعین کی ان بزرگواروں نے حق الیقین کے ساتھ تفسیر و تشریح کی ہے جو سلوک میں انتہائی قدم ہے، ان کا یہ خیال کس طرح درست ہو سکتا ہے۔ بلکہ بعض مشائخ نے یہاں تک فرما دیا کہ وہ حق الیقین جو ان بزرگواروں کو نہایت میں حاصل ہوتا ہے وہ ہم کو تجلیٔ صوری میں حاصل ہو جاتا ہے جو ہمارا اول قدم ہے ——— وَاللّٰهُ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ (بقرہ آیۃ ۲۱۲) (اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے سیدھے راستے کی ہدایت دیتا ہے)

والسّلام

مکتوب ۲۷۸
دویست و ہفتاد و ہشتم

ملا عبد الکریم سامی[1] کے نام صادر فرمایا ــــــ اس بیان میں کہ ہر شخص اپنے عقائد کو درست کرنے اور شریعتِ غرا کے تقاضوں کے مطابق عمل کرنے کے بعد اپنے قلب کو ماسوائے جل وعلا سے سلامت رکھے جس کو نسیانِ ماسوا کہتے ہیں۔ اور طریقۂ عالیہ نقشبندیہ کی تعریف اور مُردوں کی امداد و اعانت کی ترغیب میں اور اس کے مناسب بیان میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) ــــــ برادرِ عزیز کا مکتوب مرغوب موصول ہو کر فرحت کا باعث ہوا۔ وہ نصیحت جو دوستوں کو کی جاتی ہے یہ ہے کہ اہلِ سنت وجماعت شکر اللہ تعالیٰ سعیہم (اللہ تعالیٰ ان کی کوششوں کو مشکور فرمائے) کی عقائد کی کتابوں کے موافق اپنے عقائد کی تصحیح کے بعد اور احکامِ فقہیہ کی ادائیگی یعنی فرض، واجب، سنت، مندوب (مستحب) حلال وحرام، مکروہ ومشتبہ، امتثالاً و انتہاءً (اوامر ونواہی) کا لحاظ رکھنے کے بعد اپنے قلب کو ماسوائے حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی گرفتاری سے سلامت رکھیں، اور یہ بات اس وقت میسر ہوتی ہے جب دل میں ماسوائے حق جل وعلا کسی کا گذر نہ رہے اگر بالفرض ہزار سال تک زندگی وفا کرے تب بھی دل میں حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے غیر کا گذر نہ ہو، اس معنی میں نہیں کہ دل میں اشیاء کا گذر ہو اور ان کو غیرِ حق جل سلطانہٗ نہ سمجھیں کیونکہ یہ معنی تو ابتداء توحید کے مراقبہ کرنے والوں کو بھی میسر ہو جاتی ہے بلکہ اس معنی میں کہ اشیاء ہرگز دل میں نہ آنے پائیں، اور یہ (اشیاء کے نہ گذرنے کی کیفیت نسیانِ قلب پر مبنی ہے کہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے ماسوا کو اس طرح بھول جائیں کہ اگر کسی شئے کو تکلف کے ساتھ بھی یاد میں لانا چاہیں تو اس کو یاد نہ آئے۔ یہ دولت "فناءِ قلب" سے تعبیر کی جاتی ہے اور اس راہ میں یہ پہلا قدم ہے، اور باقی ولایت کے تمام کمالات اسی دولت کی فرع ہیں ؎

ہیچ کس را تا نہ گردد او فنا نیست رہ در بارگاہِ کبریا
(جب تک انساں کرنہ لے خود کو فنا کیسے پائے بارگاہِ کبریا)

---

[1] آپ کے نام صرف یہی ایک مکتوب ہے۔ ملا عبد الکریم سامی بن درویزہ الحنفی پشاوری عالم اور فقیہ تھے۔ شیخ علی خواص ترمذی سے طریقہ اخذ کیا "مخزن الاسلام" تصنیف کی۔ علاقہ یوسف زئی باغستان میں ۱۰۷۲ھ میں وفات پائی۔

اور اس دولتِ عظمیٰ کے حاصل کرنے کے لئے قریب ترین راستہ طریقۂ عالیہ نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم ہے، کیونکہ ان بزرگواروں نے اپنے سیر کی ابتدا عالمِ امر سے کی ہے اور قلب سے مقلب قلب (قلب کے پھیرنے والے) کی طرف لے گئے ہیں اور انھوں نے دوسروں کی ریاضتوں اور مجاہدوں کی بجائے سنت کو لازم پکڑا ہے اور بدعت سے پرہیز کیا ہے ——— حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہٗ فرماتے ہیں "طریقِ ما اقربِ طرق است اما التزامِ سنت کارِ مشکل است" یعنی ہمارا طریقہ سب طریقوں سے قریب ترین ہے لیکن سنت کا التزام کرنا بہت مشکل کام ہے ——— فَطُوْبیٰ لِمَنْ تَوَسَّلَ بِهِمْ وَاقْتَدٰى بِهَدْيِهِمْ (مبارک ہیں وہ لوگ جنھوں نے ان کا وسیلہ حاصل کرکے ان کی ہدایت کی پیروی کی) مولانا جامیؒ فرماتے ہیں :-

نقشبندیہ عجب قافلہ سالارانند ‌ ‌ ‌ کہ برند از رہِ پنہاں بحرم قافلہ را

از دلِ سالکِ رہ جاذبۂ صحبتِ شان ‌ ‌ ‌ مے برد وسوسۂ خلوت و فکرِ چلّہ را

قاصرے گر کند ایں طائفہ را طعنِ قصور ‌ ‌ ‌ حاشاللہ کہ برآرم بزباں ایں گلہ را

ہمہ شیرانِ جہاں بستۂ ایں سلسلہ اند ‌ ‌ ‌ روبہ از حیلہ چساں بگسلد ایں سلسلہ را

(نقشبندی عجیب رہبر ہیں ‌ ‌ ‌ لے کے جائیں حرم وہ پوشیدہ

ان کی صحبت سے سالکوں کے لئے ‌ ‌ ‌ ہے ضروری نہ خلوت و چلّہ

کوئی کوتہ نظر جو طعن کرے ‌ ‌ ‌ نہیں لاؤں زباں پہ کوئی گلہ

شیر اس سلسلے میں آتے ہیں ‌ ‌ ‌ لومڑی کیا کرے گی کچھ حیلہ)

دوسری التماس یہ ہے کہ قاضی محمد شریف کا محبت بھرا گرامی نامہ موصول ہوا، کیونکہ وہ فقراء کی محبت کی زیادتی پر مبنی تھا اس لئے بہت خوشی کا موجب ہوا. فقیر کی طرف سے دعا و سلام ان کو پہنچا دیں۔

تیسرے یہ کہ برادر شیخ حبیب اللہ کا مکتوب مرغوب موصول ہوا، انھوں نے اپنے والد مرحوم کی وفات کے متعلق لکھا تھا، اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ہ فقیر کی طرف سے دعا پہنچا کر تعزیت کر دیں اور کہہ دیں کہ دعا، فاتحہ، صدقہ اور استغفار سے اپنے والد مرحوم کی امداد و اعانت کریں: فَاِنَّ الْمَيِّتَ كَالْغَرِيْقِ يَنْتَظِرُ دَعْوَةً تَلْحَقُهٗ مِنْ اَبٍ اَوْ اُمٍّ اَوْ اَخٍ اَوْ صَدِيْقٍ (پس بیشک میت ڈوبنے والے کے مانند ہوتی ہے اور اس دعا کی منتظر رہتی ہے جو اسے باپ یا ماں یا بھائی یا دوست کی طرف سے پہنچتی ہے) (بیہقی)

چوتھے یہ واضح ہو کہ شیخ احمدان بزرگواروں کا طریقہ اخذ کر کے بہت متاثر ہوا ہے، حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ اس کو استقامت باکرامت فرمائے ——— مشارٌ الیہ چونکہ نیا نیا اسلام میں داخل ہوا ہے (یعنی نومسلم ہے) اس لئے اس کو عقائدِ کلامیہ جو فارسی کتابوں میں مذکور ہیں سکھائیں اور احکامِ فقہیہ کی بھی تعلیم دیں تاکہ اس کو فرض، واجب، سنن، مستحب، حلال وحرام اور مکروہ ومشتبہ کی پہچان ہو جائے اور ان تقاضوں کے مطابق زندگی بسر کرے۔ اس کے لئے گلستاں و بوستاں کا پڑھنا پڑھانا بیکار کاموں میں سے ہے۔ والسّلام

مکتوب ۲۷۹

دو صد و ہفتاد و نہم

مُلا حسن کشمیری[1] کی طرف صادر فرمایا ——— ان کے اس احسان کے شکریہ کی ادائیگی میں کہ انھوں نے طریقۂ عالیہ نقشبندیہ کی طرف رہنمائی فرمائی اور حضرت ایشاں (خواجہ باقی باللہ) قدس سرہ الاقدس کی خدمت وصحبت کی ترغیب دی اور اس کے ضمن میں خداوند جل سلطانہٗ کی ان نعمتوں کا اظہار کیا جو ان کے توسط سے حاصل ہوئی تھیں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) ——— وہ گرامی نامہ جو آپ نے از روئے کرم والتفات اس فقیر کے نام لکھا تھا جناب مولانا مہدی علی کے ذریعے موصول ہو کر بہت زیادہ خوشی کا باعث ہوا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو سلامت رکھے ——— آپ نے شیخ محی الدین ابن العربی قدس سرہٗ کی اس عبارت کے بارے میں دریافت کیا تھا: سَبَبُ تَرْتِیْبِ خِلَافَتِہِمْ مُدَّۃُ اَعْمَارِہِمْ (ان کی خلافت کی ترتیب کا سبب ان کی عمروں کی مدت ہے)۔ یہ عبارت شیخ موصوف کی مصنفات میں سے کس کتاب میں واقع ہے؟

میرے مخدوم! فقیر نے اس عبارت کو عرصہ ہوا کہ "فتوحاتِ مکیہ" میں دیکھا تھا، اب ہر چند تلاش کیا لیکن وہ مقام نہ مل سکا۔ اگر پھر نظر میں آگیا تو ان شاء اللہ تعالیٰ مطلع کروں گا۔

دوسرے یہ کہ فقیر آپ کی نعمت کا شکریہ ادا کرنے اور آپ کے اس احسان کا بدلہ دینے میں قصور اور عاجزی کا اعتراف کرتا ہے، یہ سب کاروبار اسی نعمت پر مبنی ہے، اور یہ سب دید و داد اسی احسان پر

[1] آپ کے نام پانچ مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۹۹ پر گزر چکا ہے۔

وابستہ ہے۔ آپ کے حسنِ توسط اور وسیلہ سے فقیر کو وہ کچھ دیا گیا ہے جو کسی نے کم ہی دیکھا ہے، اور آپ کے توسل کی یُمن و برکت سے وہ کچھ بخشا گیا ہے کہ جس کا مزہ کسی نے کم ہی چکھا ہے، خاص خاص عطیے اس قدر عطا فرمائے گئے ہیں کہ اکثر لوگوں کو اس قسم کے عام عطیے بھی حاصل نہیں ہوئے۔ احوال و مقامات، اذواق و مواجید، علوم و معارف اور تجلیات و ظہورات سب کو راہِ عروج کے زینے بنا کر فقیر کو قرب کے درجوں اور وصول کی منزلوں تک پہنچا دیا گیا ——— قرب و وصول کا لفظ بیرانِ عبارت کی تنگی کے باعث اختیار کیا ہے ورنہ وہاں نہ قرب ہے نہ وصول، نہ عبارت ہے نہ اشارہ، نہ شہود ہے نہ حلول، نہ اتحاد ہے نہ کیف، نہ این و آں، نہ زمان نہ مکان، نہ احاطہ نہ سریان، نہ علم نہ معرفت، نہ جہل نہ حیرت ؎

چہ گویم با تو از مرغے نشانہ ۔۔۔ کہ با عنقا بود ہم آشیانہ
زعنقا ہست نامِ پیش مردم ۔۔۔ زمرغِ من بود آں نام ہم گم
(بتاؤں کیا تجھے اس مرغ کا حال ۔۔۔ وہ عنقا کا ہوا ہم آشیانہ
سبھی کہتے ہیں عنقا، گو ہے معدوم ۔۔۔ مگر اس کا نہیں کچھ نام معلوم)

چونکہ خداوند جل سلطانہٗ کے ان احسانوں کے اس اظہار میں جس کا ظہور عالم اسباب میں آپ کی اسی نعمت پر مترتب ہوا ہے لہٰذا آپ کی نعمت کا شکر بھی شامل تھا اس لئے چند فقروں میں درج کر کے تحریر کیا گیا تاکہ آپ کی نعمت کا تھوڑا سا شکریہ ادا ہو جائے۔ وَالسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَعَلٰی سَائِرِ مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَۃَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْہِ وَعَلَیْھِمُ الصَّلَوٰتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ (سلام ہو آپ پر اور ان تمام لوگوں پر جو ہدایت کی پیروی کرے اور حضرت محمد مصطفٰی علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کی متابعت کو لازم پکڑے)

مکتوب ۲۸۰

دولیت و ہشتادم

حافظ محمود[1] کی طرف صادر فرمایا ——— اس بیان میں کہ اس جماعت کی محبت سعادتوں کا سرمایہ ہے اور جس کو اس نعمت سے مشرف فرماتے ہیں اور استقامت بخشتے ہیں اس کو سب کچھ دیدیتے ہیں۔

حمد و صلوٰۃ اور تبلیغ دعوات کے بعد واضح ہو کہ آپ کا مکتوب شریف جو جناب مولانا احمد دی علی کے

[1] آپ کے نام تین مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۱۴۷ پر گذر چکا ہے۔

ہمراہ ارسال کیا تھا پہنچا اور بہت خوشی کا باعث ہوا، اللہ سبحانہٗ کی حمد ہے کہ فقرا کی محبت جو دنیا و آخرت کا سرمایہ ہے آپ کے اندر کامل طور پر قائم ہو چکی ہے اور مفارقت کی مدتِ دراز نے اس میں کچھ اثر نہیں کیا۔

دو۲ چیزوں کی محافظت کرنا لازم و ضروری ہے: ایک صاحبِ شریعت علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت اور دوسرے شیخِ مقتدا کی محبت و اخلاص ــــ ان دو چیزوں کے ساتھ اور جو کچھ دیں سب ہی نعمت ہے۔ اور اگر کچھ بھی نہ دیں لیکن یہ دو چیزیں راسخ اور مضبوط ہوں تو پھر کچھ غم نہیں، آخر کار دیدیں گے اور اگر نعوذ باللہ ان دو چیزوں میں سے کسی ایک میں خلل پڑ جائے اور اس کے باوجود احوال اور اذواق بدستور اپنے حال پر رہیں تو ان کو استدراج جاننا چاہئے اور اپنی خرابی و بربادی خیال کرنا چاہئے، استقامت کا یہی طریقہ ہے وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ الْمُوَفِّقُ۔ والسّلام

مکتوب ۲۸۱

دو صد و ہشتاد و یکم

سیادت مآب میر محمد نعمان[1] کی طرف صادر فرمایا ــــ سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ کی نسبت حاصل کرنے کی نعمت کے شکریہ میں، اور یہ کہ اس طریق میں تبعیت اور وراثت کے طریقے پر کمالاتِ نبوت کی طرف راستہ کھول دیتے ہیں، اور جو شخص اس طریقے میں اپنے خوابوں اور واقعات پر اعتماد کرے اور نئے نئے امور پیدا کرے اور آدابِ طریقت کی رعایت نہ کرے وہ زیاں کار اور ناامید رہتا ہے اور اس کے مناسب بیان میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) ــــ اس نعمتِ عظمیٰ کا شکر کس زبان سے ادا کیا جائے کہ حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے ہم فقیروں کو اہل سنت و جماعت شکر اللہ تعالیٰ سعیہم کی صائب رائے کے مطابق اپنے عقائد کی درستگی کے بعد طریقۂ عالیہ نقشبندیہ کے سلوک سے مشرف فرمایا اور اس بزرگ خاندان کے مریدوں اور نسبت رکھنے والوں میں شامل فرمایا ــــ اس فقیر کے نزدیک اس طریق میں ایک قدم رکھنا دوسرے سلسلوں کے سات قدموں سے بہتر ہے، یہ ایک ایسی راہ ہے جس میں تبعیت و وراثت کے طور پر کمالاتِ نبوت کی طرف راستہ کھل جاتا ہے جو اس طریقۂ عالیہ کے ساتھ مخصوص ہے، دوسرے طریقوں کی انتہا صرف کمالاتِ ولایت کی نہایت تک ہے اس سے آگے کمالاتِ نبوت کی طرف کوئی

---

[1] آپ کے نام ۳۳ مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۱۱۹ پر گذر چکا ہے۔

راہ نہیں کھلتی ——— یہی وجہ ہے کہ اس فقیر نے اپنی کتابوں اور رسالوں میں تحریر کیا ہے کہ ان (نقشبندیہ) بزرگواروں کا طریقہ اصحابِ کرام علیہم الرضوان کا طریقہ ہے، چنانچہ اصحاب کرام وراثت کے طور پر کمالاتِ نبوت سے حظِ وافر رکھتے ہیں، اور اس طریقے کے منتہی بھی تبعیت کے طور پر ان کمالات سے کافی حصہ پالیتے ہیں ——— وہ بتدی اور متوسط جنھوں نے اس طریق کو اپنے اوپر لازم کر لیا ہے اور اس طریقے کے منتہیوں کے ساتھ کامل محبت رکھتے ہیں وہ بھی امیدوار ہیں (جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے) اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ (آدمی اسی کے ساتھ ہے جس سے وہ محبت رکھتا ہے) دور پڑے ہوئے لوگوں کے لئے یہ ایک بشارت ہے ——— اس طریقے میں مایوس اور خسارہ والا وہ شخص ہے جو اس طریق میں داخل ہو کر بھی اس طریقے کے آداب کو مدنظر نہ رکھے اور نئے نئے امور اس طریق میں پیدا کر لے اور اس طریقہ کے برخلاف اپنے واقعات اور خوابوں پر اعتماد کرے، اس صورت میں طریقے کا گناہ کیا ہے۔ وہ اپنے خوابوں اور واقعات کی راہ پر چلتا ہے اور اپنے اختیار سے کعبۂ معظمہ کے راستے سے منھ پھیر کر ترکستان کی طرف جا رہا ہے ؎

ترسم نہ رسی بہ کعبہ اے اعرابی ——— ایں راہ کہ تو می روی بترکستان است

(کہاں کعبہ کو پہنچے گا تو انجان؟ ——— کہ ترکی کی طرف تو جا رہا ہے

یہ بات اچھی نہیں معلوم ہوتی کہ دوستوں کی جمعیت اور اس طریقے کے طالبوں کی سرگرمیوں کے باوجود آپ کو جگہ سے بے جگہ کروں۔ اس سے پیشتر بھی (اس فقیر نے) ان حدود کی سیر کے لئے اشارہ کیا تھا اور وہ شرائط کے ساتھ مشروط تھا اور اب بھی وہ انھیں شرائط کے ساتھ مشروط ہے۔ ——— بار بار استخارہ کرنے اور انشراح قلب کے بعد بغیر کسی شبہ اور تردد کے اپنی جگہ کسی شخص کو مقرر کریں تاکہ سابق وضع میں وہاں کسی قسم کی کوئی سستی یا کوتاہی واقع نہ ہو سکے پھر اگر آپ ان حدود کی طرف متوجہ ہوں تو گنجائش ہو سکتی ہے۔ اور ان شرائط کے بغیر وہاں کے معاملہ کو درہم برہم نہ کریں اور طالبوں کی جمعیت کے اندر فتور نہ ڈالیں۔ اس سے زیادہ کیا مبالغہ کیا جائے۔

والسّلام

مکتوب ۲۸۲

دوصد و ہشتاد و دوئم

میاں شیخ بدیع الدین[1] کی طرف صادر فرمایا ـــــ حضرت الیاس اور حضرت خضر علی نبینا و علیہما الصلوٰۃ والسلام کی ملاقات اور ان کے کچھ احوال کے بیان میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) ـــــ مدت سے بعض احباب حضرت خضر علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کے احوال کے بارے میں دریافت کرتے رہتے تھے۔ چونکہ فقیر کو ان کے احوال پر پوری طرح اطلاع نہیں دی گئی تھی اس لئے جواب میں توقف کر رہا تھا ـــــ اتفاقاً آج صبح کے حلقہ میں دیکھا کہ حضرت الیاس اور حضرت خضر علی نبینا و علیہما الصلوات والتسلیمات روحانیوں کی صورت میں تشریف فرما ہیں۔ اور روحانی ملاقات میں حضرت خضرؑ نے فرمایا کہ ہم عالمِ ارواح میں سے ہیں اور حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے ہماری ارواح کو ایسی قدرتِ کاملہ عطا فرمائی ہے کہ عالمِ اجسام کی صورت میں متمثل ہو کر وہ کام انجام دیں جو عالمِ اجسام سے وقوع میں آتے ہیں، یعنی حرکات و سکناتِ جسمانی اور طاعات و عباداتِ بدنی ہماری ارواح سے صادر ہوتی ہیں ـــــ اسی اثنا میں (اُن سے) دریافت کیا گیا کہ کیا آپ امام شافعیؒ کے مذہب کے مطابق نماز ادا کرتے ہیں؟۔ (انھوں نے) جواب دیا کہ ہم احکامِ شرعیہ کے مکلف نہیں ہیں لیکن چونکہ قطبِ مدار کے اہم کاموں کو ہمارے ساتھ مربوط کیا گیا ہے اور قطبِ مدار امام شافعیؒ کے مذہب پر ہے (اس لئے) ہم بھی اس کے پیچھے شافعی مذہب کے مطابق نماز ادا کرتے ہیں"۔

اس وقت یہ معلوم ہوا کہ ان کی اطاعت پر کوئی جزا مترتب نہیں ہے، صرف طاعت کی ادائیگی میں اہلِ طاعت کے ساتھ موافقت کرتے ہیں اور عبادت کی صورت کی رعایت مدِ نظر رکھتے ہیں ـــــ ـــــ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ولایت کے کمالات فقہ شافعی کے ساتھ موافقت رکھتے ہیں، اور نبوت کے کمالات کو فقہ حنفی کے ساتھ مناسبت ہے ـــــ (یعنی) اگر بالفرض اس امت میں کوئی پیغمبر مبعوث ہوتا تو وہ فقہ حنفی کے موافق عمل کرتا ـــــ اور اس وقت حضرت خواجہ محمد پارسا قدس سرہٗ کی اس بات کی حقیقت بھی معلوم ہو گئی جو انھوں نے "فصولِ ستہ" میں نقل کی ہے کہ حضرت عیسیٰ علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام

[1] آپ کے نام دس مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۱۷۲ پر گذر چکا ہے۔

نزول کے بعد امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذہب پر عمل کریں گے ــــــــ اس وقت دل نے چاہا کہ ان دونوں بزرگواروں سے کچھ سوال کرے (لیکن انھوں نے) فرمایا کہ خداوند جل شانہٗ کی عنایت اگر کسی شخص کے شاملِ حال ہو تو اس میں ہمارا کیا دخل ہے۔ گویا انھوں نے اپنے آپ کو درمیان سے نکال لیا ــــــ اور حضرت الیاس علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس گفتگو کے دوران کوئی بات نہیں کی۔ والسلام

مکتوب ۲۸۳

رویت و مشاہدہ وسوم

صوفی قربان بیگ[1] کی طرف صادر فرمایا ــــــ اس بیان میں کہ شبِ معراج میں حضرت رسالت خاتمیت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کی رویت (عالم) دنیا میں واقع نہیں ہوئی بلکہ وہ (عالم) آخرت میں واقع ہوئی ہے۔

آپ نے دریافت کیا تھا کہ اہلِ سنت وجماعت کا (اس پر) اجماع ہے کہ (حق تعالیٰ کی) رویت دنیا میں واقع نہیں ہے حتیٰ کہ اکثر علماءِ اہلِ سنت نے حضرت رسالت خاتمیت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کی رویت کا شبِ معراج میں بھی انکار کیا ہے ــــــ حجۃ الاسلام (امام غزالی) نے فرمایا ہے کہ صحیح یہی ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے شبِ معراج میں اپنے رب کو نہیں دیکھا ــــ اور تم نے (یعنی حضرت مجددؒ نے) اپنے رسائل میں شبِ معراج میں آنسرور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رویت کے دنیا میں واقع ہونے کا اعتراف کیا ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟

اس کے جواب میں ہم یہ کہتے ہیں کہ شبِ معراج میں آں سرور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو رویتِ (باری تعالیٰ) دنیا میں واقع نہیں ہوئی بلکہ آخرت میں واقع ہوئی ہے کیونکہ آں سرور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس رات جب مکان و زمان کے دائرے سے باہر پہنچ گئے اور تنگیٔ مکان سے نکل گئے تو ازل و ابد کو آنِ واحد پایا اور بدایت (ابتدا) و نہایت (انتہا) کو ایک نقطہ میں متحد دیکھا، اہلِ بہشت کو جو ہزارہا سال کے بعد بہشت میں جائیں گے دیکھ لیا۔ عبد الرحمٰن بن عوفؓ کو جو کہ فقرائے صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے پانچ سو سال کے بعد بہشت میں جائیں گے، دیکھا کہ اس مدت کے گذرنے کے بعد

شبِ معراج میں رویتِ باری تعالیٰ کا

[1] آپ کے نام دو مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۱۱۴ پر گذر چکا ہے۔

بہشت میں آگئے ہیں اور (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے) ان سے اس توقف کی وجہ دریافت کی —— پس وہ رویت جو اس مقام میں واقع ہوئی وہ آخرت کی رویت ہے اور اس اجماع کے منافی نہیں ہے جو (دنیا میں) رویت کے عدم وقوع پر ہوا ہے اور اس کو رویتِ دنیوی کہنا مجاز کے طور پر ہے اور ظاہر پر مبنی ہے: وَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ اَعْلَمُ بِحَقَائِقِ الْاُمُوْرِ كُلِّهَا (اور اللہ سبحانہٗ تمام کاموں کی حقیقتوں کو جانتا ہے)۔

مکتوب ۲۸۴
دویست و ہشتاد و چہارم

ملا عبد القادر انبالوی[۱] کی طرف صادر فرمایا —— اس بیان میں کہ احوال و مواجید عالمِ امر کا حصہ ہیں اور ان کے احوال کا علم، عالمِ خلق کے احوال سے متعلق ہے۔ یہ معرفت (حضرت مجددؒ کی) سابقہ معرفت سے متعلق ہے۔ حقیقتِ معاملہ وہی ہے جو حضرت مخدوم زادہ کلاں (خواجہ محمد صادق علیہ الرحمہ) کے مکتوب ۲۶۰ میں طریقت کے بیان میں تحریر ہوا۔

جاننا چاہئے کہ انسان مرکب ہے عالمِ خلق سے جو اس کا ظاہر ہے اور عالمِ امر سے جو اس کا باطن ہے۔ احوال و مواجید اور مشاہدات و تجلیات جو ابتدا اور وسط میں ظاہر ہوتے ہیں، انسان کے عالمِ امر کا حصہ ہیں، اور اسی طرح حیرت و نادانی اور عجز و یاس جو انتہا میں حاصل ہوتے ہیں وہ بھی عالمِ امر ہی کا حصہ ہیں جو کہ انسان کا باطن ہے اور ظاہر کے لئے (اس مصرع کے مصداق) حکم ہے مصرع

وَلِلْاَرْضِ مِنْ كَاْسِ الْكِرَامِ نَصِيْبٌ

حالاتِ وارده کے قوی ہونے کے وقت اس ماجرے سے حصہ ملتا ہے، اگرچہ اس میں ثبات و استقامت نہیں ہے لیکن تھوڑا سا اس کا رنگ آجاتا ہے اور اصل معاملہ کہ جس کا تعلق ظاہر سے ہے ان احوال کا علم ہے کیونکہ باطن کو احوال حاصل ہوتے ہیں لیکن ان احوال کا علم نہیں ہوتا۔ اگر ظاہر نہ ہوتا تو عقل و تمیز کی راہ نہ کھلتی۔ مثالیہ صورتیں اور معارج و مقامات کا ظہور، ظاہری ادراک کے لئے ہے،

---

[۱] آپ کے نام چار مکتوب ہیں، دفتر اول مکتوب ۲۸۴، دفتر دوم مکتوب ۵۶، ۹۴ - دفتر سوم مکتوب ۱۱۸ - مولانا عبد القادر انبالوی بن محمود پانی پتی ثم اجینی۔ آپ نے شیخ عبد الملک بن عبد الغفور پانی پتی سے جو آپ کے بنی اعمام میں سے تھے علم حاصل کیا پھر شیخ عبد الرزاق جھنجھانوی کے مرید ہوئے بعد ازاں حج و زیارت حرمین سے مشرف ہوئے صاحب تصانیف تھے ۱۰۱۱ھ اجین میں وفات پائی (نزہۃ الخواطر ج ۵ ص ۲۳۶) (یا کوئی اور صاحب ہیں)

لہذا احوال باطن کے لئے ہے اور اس حال کا علم ظاہر کے لئے ـــــــــــ اس بیان سے معلوم ہوا کہ وہ اولیاء جو صاحب علم ہیں اور وہ (اولیاء) جو علم سے بے بہرہ ہیں نفسِ حصولِ احوال میں کچھ بھی فرق نہیں رکھتے، اگر کچھ فرق ہے تو علم کی راہ سے اس کے احوال میں ہے اور (دوسرا گروہ احوال کا) علم نہ ہونے سے متعلق ہے ـــــــــــ مثلاً ایک شخص جس پر بھوک کی حالت طاری ہے اور (بھوک کی وجہ سے) بے قرار و بے آرام ہے (اور ساتھ ہی وہ یہ بھی) جانتا ہے کہ اس حالت کو جوع (بھوک) کہتے ہیں۔ اور اسی طرح ایک دوسرا شخص ہے کہ اس پر بھی وہی حالت طاری ہے لیکن وہ اس حالت کو نہیں جانتا کہ اس کو جوع سے تعبیر کرتے ہیں لہذا یہ دونوں شخص اس حالت کے حصول میں برابر ہیں مگر صرف علم اور عدم علم (جاننے اور نہ جاننے) میں فرق ہے۔

جاننا چاہئے کہ وہ جماعت جو علم نہیں رکھتی وہ دو قسم ہے، ایک وہ گروہ جو احوال کے نفسِ حصول کا بھی علم نہیں رکھتے اور نہ ہی ان کی تلوینات سے واقف ہیں، اور دوسرا گروہ وہ ہے جو احوال کی گوناگوں حالتوں کی خبر رکھتے ہیں لیکن وہ احوال کی تشخیص نہیں کر سکتے۔ یہ جماعت اگرچہ احوال کی تشخیص نہیں کر سکتی لیکن اربابِ علم کے زمرہ میں داخل ہے اور مشیخت کے شایاں ہے، (یعنی شیخ بننے کے لائق ہے) ـــــــــــ اور احوال کی تشخیص کرنا ہر شیخ کا کام نہیں بلکہ یہ دولت صدیوں گزر جانے کے بعد ظہور پذیر ہوتی ہے یہاں تک کہ کسی ایک کو اس دولت سے نواز دیا جاتا ہے اور دوسروں کو اس کے علم کے حوالہ کر کے اس کا طفیلی بنا دیا جاتا ہے۔ (جس طرح کہ) انبیاء اولوالعزم صلوات اللہ تعالیٰ و تسلیماتہ علیہم بہت عرصہ گزر جانے کے بعد مبعوث ہوتے تھے اور ان میں سے ہر ایک اپنے اپنے مقامِ متمیزہ کے ساتھ مخصوص ہوتا تھا۔ اور دوسرے انبیاء علیہم الصلوات والتحیات ان کی پیروی کے ساتھ مامور ہوتے تھے اور دین کی دعوت میں انہی کے احکام پر اکتفا کرتے تھے۔ مصراع

خاص کند بندۂ مصلحتِ عام را

(عام کے فائدے کو خاص آیا)

والسلام

مکتوب ۲۸۵

دو صد و ہشتاد و پنجم

میر سید محب اللہ[1] مانکپوری کی طرف صادر فرمایا ــــــ سماع اور وجد و رقص کے احکام اور بعض ان معارف کے بیان میں جو روح سے تعلق رکھتے ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى (شروع اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) ــــــ اللہ تعالیٰ تم کو سیدھے راستہ کی ہدایت دے اور ہدایت کے راستے پر چلائے ــــــ

جان لو کہ سماع اور وجد اس جماعت کے لئے مفید ہے جو تقلبِ احوال سے (جن کے احوال بدلتے رہتے ہیں) متصف ہیں اور وہ تبدیلیٔ اوقات کے ساتھ داغدار ہیں جو ایک وقت میں حاضر اور دوسرے وقت میں غائب ہو جاتے ہیں، یہ لوگ کبھی واجد (اپنے مقصود کو پانے والے) ہوتے ہیں اور کبھی فاقد (گم کرنے والے)! یہ لوگ "اربابِ قلوب" ہیں کہ تجلیاتِ صفاتیہ کے مقام میں ایک صفت سے دوسری صفت کی طرف اور ایک اسم سے دوسرے اسم کی طرف منتقل اور متحول (تبدیل) ہوتے رہتے ہیں، تلونِ احوال ان کے وقت کی اصلی دولت ہے اور امیدوں کی پراگندگی ان کے مقام کا حاصل ہے، اور دوامِ حال ان کے حق میں محال ہے اور استمرارِ وقت (وقت کا ایک ہی کیفیت پر قائم رہنا) ان کے شایانِ شان نہیں، وہ ایک وقت حالتِ قبض میں ہوتے ہیں اور دوسرے وقت حالتِ بسط میں یعنی یہ لوگ ابن الوقت (وقت کے بیٹے) اور وقت کے مغلوب ہیں، کبھی عروج کرتے ہیں اور کبھی ہبوط (نیچے آجاتے ہیں)۔

(لیکن ان کے برعکس) "اربابِ تجلیاتِ ذاتیہ" جو مقامِ قلب سے کلی طور پر باہر آکر مقلب قلب (حق تعالیٰ) کے ساتھ وابستہ ہو گئے ہیں اور کلیتہً احوال کی غلامی سے نکل کر محولِ احوال (احوال کو تبدیل کرنے والے یعنی حق تعالیٰ) کی بارگاہ میں پہنچ گئے ہیں، یہ سماع و وجد کے محتاج نہیں ہیں، کیونکہ ان کا وقت دائمی ہے اور ان کا حال سرمدی ہے، نہیں، بلکہ ان کے لئے نہ وقت ہے اور نہ حال، یہ لوگ ابوالوقت (وقت کے باپ) ہیں اور اصحابِ تمکین (اطمینان والے) ہیں اور یہ ایسے واصل ہیں جو رجوع سے قطعاً محفوظ ہیں اور نہ فقد ہے (یعنی ان سے ان کا مقصود گم نہیں ہو سکتا) لہٰذا جن کے لئے

[1] آپ کے نام دس مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ مکتوب ۲۷۲ پر گذر چکا ہے۔

فقد نہیں ان کے لئے وجد بھی نہیں ــــــ ہاں منتہیوں کی ایک قسم ایسی بھی ہے کہ باوجود استمرارِ وقت ان کے لئے سماع مفید ہے اس کا تفصیلی بیان انشاء اللہ تعالیٰ اس بحث کے آخر میں تحریر کیا جائے گا۔

اگر سوال کریں کہ حضرت رسالت خاتمیت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والتحیۃ نے فرمایا ہے: لِیْ مَعَ اللّٰہِ وَقْتٌ لَا یَسَعُنِیْ فِیْہِ مَلَکٌ مُقَرَّبٌ وَّلَا نَبِیٌّ مُّرْسَلٌ[1] (میرے لئے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک ایسا وقت بھی ہے جس میں کوئی مقرب فرشتہ یا نبی مرسل کو دخل نہیں ہے) ــــــ اس حدیث سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ وقت دائمی نہیں ہوتا ــــــ ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ اس حدیث کو اگر صحیح مان لیا جائے تو بعض مشائخ نے اس وقت سے مراد وقتِ مستمرہ لیا ہے یعنی لِیْ مَعَ اللّٰہِ وَقْتٌ مُّسْتَمِرٌّ (مجھے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہمیشہ ایک ایسا وقت نصیب ہے) پس اس میں کوئی اشکال باقی نہیں رہا ــــــ دوسرا جواب یہ ہے کہ وقتِ مستمر میں کبھی کوئی کیفیتِ خاصہ حاصل ہو جاتی ہے تو ممکن ہے کہ وقت سے مراد وہ وقتِ نادر مراد ہو اور اس کیفیت کو نادرہ مراد لیں۔ اس صورت میں بھی اشکال زائل ہو جاتا ہے۔

اگر سوال کریں کہ ہو سکتا ہے کہ خوش آوازی اس کیفیتِ نادرہ کے حاصل کرنے میں دخل رکھتی ہو، لہٰذا منتہی بھی اس کیفیت کے حاصل کرنے کے لئے سماع کا محتاج ہو ــــــ تو اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ اس کیفیت کی حقیقت غالباً ادائے نماز کے دوران ہے اور اگر اتفاقاً نماز کے علاوہ بھی وہ کیفیت حاصل ہو جائے تو وہ بھی نماز کے ثمرات و نتائج میں سے ہے۔ ممکن ہے کہ حدیث شریف قُرَّۃُ عَیْنِیْ فِی الصَّلٰوۃِ[2] (میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں ہے) میں اسی کیفیتِ نادرہ کی طرف اشارہ ہو ــــــ ایک دوسری حدیث شریف میں وارد ہے: اَقْرَبُ مَا یَکُوْنُ الْعَبْدُ مِنَ الرَّبِّ فِی الصَّلٰوۃِ[3] (بندہ کو اللہ تعالیٰ کا سب سے زیادہ قرب نماز میں حاصل ہوتا ہے) ــــــ اور اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے: وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ (علق آیہ ۱۹ ۹۶) (اور سجدہ کر اور قریب ہو جا) ــــــ اس میں شک نہیں وہ تمام اوقات جن میں قربِ الٰہی جل شانہٗ زیادہ ہوتا ہے ان اوقات میں غیر حق کی گنجائش کی نفی بھی زیادہ ہو گی۔ جیسا کہ اس حدیث شریف اور آیتِ کریمہ سے بھی مفہوم ہوتا ہے کہ وہ وقت نماز میں ہے۔ اور وقت کے استمرار اور وصل کے دوام پر مشائخ کا اتفاق ہے۔ ــــــ

---

[1] یہ حدیث مکتوب ۹۹ دفتر اول صفحہ ۲۷۵ پر گزر چکی ہے۔ [2] و [3] کی تحقیق و تخریج مکتوب ۲۶۰ و ۲۶۱ کے حاشیہ پر ملاحظہ ہو۔

(چنانچہ) حضرت ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں" جو شخص بھی واپس لوٹا وہ راستے ہی سے واپس لوٹا اور جس کو وصل حاصل ہوگیا وہ واپس نہیں لوٹا۔" (آنرا کہ خبر شد خبرش باز نیامد)۔

اور "یادداشت" سے مراد جنابِ قدسِ خداوندی جل سلطانہٗ کے ساتھ دوامِ حضور ہے۔ طریقۂ حضرات خواجگانِ (نقشبندیہ) قدس اللہ تعالیٰ ارواحہم میں یہ امر مقرر ہے ـــــ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ دوامِ وقت سے انکار کرنا نارسائی کی علامت ہے۔ مشائخ کرامؒ کی ایک چھوٹی سی جماعت جیسے ابنِ عطا وغیرہ جو اس بات کے قائل ہیں کہ واصل کے لئے صفاتِ بشریت کی طرف رجوع کرنا جائز ہے۔ ان کی اس بات سے وقت کا دائمی نہ ہونا مفہوم ہوتا ہے۔ وہ جوازِ رجوع میں تو اختلاف رکھتے ہیں لیکن اس کے وقوع میں وہ بھی اختلاف نہیں کرتے، کیونکہ (واصل کے لئے) رجوع کا وقوع ممکن نہیں، جیسا کہ اربابِ طریقت پر مخفی نہیں ہے۔ لہٰذا مشائخ کرامؒ کا واصل کے لئے عدمِ رجوع پر اجماع ثابت ہوگیا اور یہ بھی ثابت ہوگیا کہ بعض کا اختلاف صرف رجوع کے جواز میں ہے (نہ کہ اس کے وقوع میں) اس مضمون کو ذہن نشین کرلیں۔

منتہی حضرات میں سے ایک جماعت ایسی ہے کہ کمال کے درجات میں سے ایک درجے تک اس کو پہنچنے اور جمالِ لایزال کے مشاہدہ حاصل ہونے کے بعد برودتِ قویہ (شدید سردی یعنی کامل تسکین) حاصل ہوجاتی ہے بلکہ پورے طور پر طمانیت حاصل ہوجاتی ہے جو ان کو منازلِ وصول تک عروج کرنے سے باز رکھتی ہے کیونکہ وصول کے منازل ابھی درپیش ہیں اور قرب کے مدارج کی انتہا ابھی منقطع نہیں ہوئی، لیکن اس ٹھنڈک اور طمانیت کے باوجود عروج کی رغبت رکھتے ہیں اور مطلوب کے کمالِ قرب کی آرزو رکھتے ہیں، ایسی حالت میں ان کے لئے سماع مفید اور حرارت بخش ہوتا ہے اور ایسے حضرات کو ہر وقت سماع کی مدد سے منازلِ قرب تک عروج میسر ہوجاتا ہے۔ اور تسکین حاصل ہونے کے بعد ان منازل سے نیچے آجاتے ہیں لیکن عروج کے مقامات کا رنگ ساتھ لاتے ہیں اور اس رنگ کے ساتھ رنگین ہوجاتے ہیں اور یہ وجد (پانا) فقد (نہ پانے) کے بعد نہیں ہے کیونکہ فقدان کے حق میں مفقود ہے بلکہ دوامِ وصل کے باوجود یہ وجد وصول کی منازل کی ترقی کے لئے ہے۔ منتہی اور واصلوں کے لئے سماع اور وجد اسی قسم کا ہے ـــــ ہاں فنا و بقا کے بعد ان کو اگرچہ جذبہ عطا ہوتا ہے لیکن چونکہ ٹھنڈک غالب ہوجاتی ہے اور صرف جذبہ منازلِ عروج کی ترقی حاصل کرنے میں کافی نہیں ہوتا اس لئے سماع کے محتاج ہوجاتے ہیں۔

اور مشائخ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم میں سے ایک اور گروہ ہے جن کے نفوس درجۂ ولایت کے وصول کے بعد مقامِ عبدیت میں نیچے اُتر آتے ہیں اور ان کی ارواح ان کے نفوس کی مزاحمت کے بغیر اپنے اصلی مقام میں جنابِ قدس کی طرف متوجہ رہتی ہیں اور ان کو ہر وقت نفسِ مطمئنہ کے مقام سے جو کہ مقامِ بندگی میں متمکن اور راسخ ہو چکا ہے ان کی روح کو مدد پہنچتی رہتی ہے اور روح کو اس امداد کی وجہ سے مطلوب کے ساتھ ایک خاص مناسبت پیدا ہو جاتی ہے ـــــــــ ان بزرگواروں کا آرام وچین عبادات میں ہے اور ان کی تسکین بندگی وطاعات کے حقوق کی ادائیگی میں ہے، ان کی طبیعت میں عروج کا میلان کم ہے اور صعود (بلندی کی طرف چڑھنے) کا شوق بھی ان کے باطنوں میں قلیل ہے ابھی تک ان کی جبین شریعت کی متابعت کی وجہ سے روشن ہے اور سنت کی پیروی کے سرمہ سے ان کی بصیرت کی آنکھ سرگیں ہے، اسی لئے یہ حضرات حدید البصر (تیز نگاہ والے) ہوتے ہیں، یہ دُور سے وہ کچھ دیکھ لیتے ہیں جس کو نزدیک والے دیکھنے سے عاجز ہیں۔ اگرچہ ان لوگوں کا عروج کم ہے لیکن وہ نورانی ہیں جو اصل نور سے منور ہیں، اور اپنے مقام میں شانِ عظیم رکھتے ہیں اور جلیل القدر ہیں، ان کو سماع ووجد کی کچھ حاجت نہیں، ان کی عبادات ان کے لئے سماع کا کام کرتی ہیں اور اصل کی نورانیت عروج سے کفایت کرتی ہے ـــــــــ اہلِ سماع ووجد کے مقلدوں کا ایک گروہ جو ان بزرگواروں کی عظیم شان سے واقف نہیں ہے وہ اپنے آپ کو عشاق میں سے سمجھتے ہیں اور ان کو زاہدوں میں سے جانتے ہیں، گویا یہ لوگ عشق ومحبت کو رقص ووجد میں منحصر سمجھتے ہیں۔

اور منتہی حضرات میں سے ایک گروہ وہ ہے جو سیر الی اللہ کے راستوں کو طے کرنے اور بقا باللہ کے متحقق ہو جانے کے بعد جب ان کو جذبِ قوی عنایت فرمادیا جاتا ہے تو جذب وانجذاب کی رسی سے کشاں کشاں لے جاتے ہیں۔ ان لوگوں میں ٹھنڈک سرایت نہیں کر سکتی اور ان کی تسکین مقامِ عروج میں محال ہے اور یہ حضرات عروج میں عجیب وغریب امور کے محتاج نہیں ہوتے اور سماع ورقص کو ان کے خلوت خانہ کے تنگ کوچہ میں دخل نہیں ہے اور وجد وتواجد کا ان کے ساتھ کوئی سروکار نہیں ـــــــــ یہ حضرات انجذابی عروج کے ساتھ ممکن الوصول مرتبہ کی آخری انتہا تک پہنچ جاتے ہیں اور آں سرور علیہ وعلی آلہ الصلوات والتسلیمات والتحیات کی متابعت کی وجہ سے اس مقام سے جو کہ آں سرور علیہ الصلوٰۃ والتحیہ کے مقام کے ساتھ مخصوص ہے کچھ حصہ پالیتے ہیں۔ اس قسم کا

وصول طائفۂ افراد کے ساتھ ہی مخصوص ہے، اقطاب کو بھی اس مقام سے کوئی حصہ حاصل نہیں ہے۔ اگر محض فضلِ ایزدی جل سلطانہٗ سے نہایت النہایت تک پہنچنے والے اس قسم کے واصل کو عالم (دنیا) کی طرف واپس لوٹادیں اور طالبانِ حق کی تربیت اس کے حوالہ کردیں تو اس کا نفس بندگی کے مقام میں نیچے آجاتا ہے اور اس کی روح نفس کی آمیزش کے بغیر جناب مقدس کی طرف متوجہ رہتی ہے ایسا شخص کمالاتِ فردیت کا جامع اور تکمیلاتِ قطبیت کا حاوی (احاطہ کئے ہوئے) ہوتا ہے۔

اور یہاں قطب سے ہماری مراد قطبِ ارشاد ہے نہ کہ قطبِ اوتاد۔ اس کو مقاماتِ ظلّی کے علوم اور مدارج اصلی کے معارف میسر ہیں، بلکہ اس مقام پر جہاں وہ ہوتا ہے وہاں نہ ظل ہے نہ اصل، کیونکہ اس کو ظل اور اصل سے بھی گذار دیا گیا ہے، ایسا (شخص) کامل و مکمل نہایت عزیز الوجود ہے، اگر بیشمار زمانوں کے بعد بھی اس کا ظہور ہوجائے تب بھی غنیمت ہے، اس سے پورا جہان منور ہوجاتا ہے اور اس کی نظر قلبی امراض کے لئے شفا بخش ہے اور اس کی توجہ سے ناپسندیدہ اور ردی اخلاق دُور ہوجاتے ہیں، یہی وہ ہستی ہے جو عروج کے مدارج کو طے کرکے مقامِ بندگی میں اُتر آئی ہے اور عبادات کے ذریعہ آرام وانس حاصل کرلیا ہے اور مقامِ عبدیت ہیں کہ جس سے بلند مقاماتِ ولایت میں سے کوئی اور مقام نہیں ہے، اس طائفہ میں سے کسی ایک شخص کو منتخب کرکے مشرف کردیتے ہیں اور منصبِ محبوبیت کی قابلیت بھی اس کے لئے مسلم ہوتی ہے، ایسا شخص مرتبۂ ولایت کے تمام کمالات کا جامع ہوتا ہے اور درجۂ دعوتِ (دینی) کے تمام مقامات سے جو کہ ولایتِ خاصہ اور کمالاتِ نبوت ہیں بہرہ مند ہوتا ہے۔ مختصر یہ کہ اس کی شان میں یہ مصرع صادق آتا ہے:-

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری (تجھ میں تنہا ہیں سبھی کی خوبیاں)

اس بات کو ذہن نشین کرلو کہ مبتدی کے لئے سماع و وجد مضر (نقصان دہ) ہے اگرچہ شرائط کے موافق ہی کیوں نہ ہو، اور اس کے عروج کے منافی ہے ——— سماع کی شرائط کا کچھ حال انشاء اللہ تعالیٰ اس مکتوب کے آخر میں تحریر کیا جائے گا۔

اس (مبتدی) کا وجد علت کی وجہ سے ہے لہٰذا اس کا حال وبال ہے، اس کی حرکت طبعی ہے اور اس کا تحرک ہوائے نفسانی سے مخلوط ہے۔ اور مبتدی سے میری مراد وہ شخص ہے جو اربابِ قلوب میں سے نہیں ہے۔ اور "اربابِ قلوب" وہ حضرات ہیں جو مبتدی اور منتہی کے درمیانی مقام (متوسطان)

ہیں ہوتے ہیں۔ اور منتہی وہ ہے جو فانی فی اللہ اور باقی باللہ ہے اور وہی واصل کامل ہوتا ہے ——
اور انتہا کے درجات بہت ہیں جو ایک دوسرے پر فوقیت رکھتے ہیں اور وصول کے مراتب بھی اسقدر ہیں کہ ان کا طے کرنا ابدالآباد تک ممکن نہیں —— مختصر یہ کہ سماع متوسطین (درمیانی درجہ) کے سالکوں کے لئے مفید ہے اور ایک قسم کے منتہیوں کے لئے بھی نافع ہے، جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے۔

لیکن جاننا چاہئے کہ "اربابِ قلوب" (متوسط حضرات) کے لئے بھی سماع کی مطلقاً حاجت نہیں ہے بلکہ (سماع) ان لوگوں کے لئے ہے جو جذب کی دولت سے مشرف نہیں ہوئے اور سخت مجاہدات و ریاضات کے ذریعے راہِ سلوک طے کرنا چاہتے ہیں، اس صورت میں اس جماعت کے لئے سماع و وجد ممد و معاون ہے اور اگر اربابِ قلوب مجذوبوں میں سے ہیں تو ان کے سیر کی مسافت جذبے کی مدد سے طے ہو جاتی ہے لہٰذا وہ بھی سماع کے محتاج نہیں ہیں —— اور نیز یہ بھی جاننا چاہئے کہ غیر مجذوب اربابِ قلوب کے لئے بھی سماع مطلقاً طور پر نافع نہیں ہے بلکہ اس سے بہرہ مند ہونا شرائط کے ساتھ مشروط ہے وَبِدُونِهَا خَرْطُ الْقَتَادِ (اس کے علاوہ بے فائدہ رنج اٹھانا ہے) —— اور منجملہ ان شرائط کے ایک شرط یہ ہے کہ وہ اپنے کامل ہونے کا اعتقاد نہ رکھے۔ اور اگر وہ اپنی کاملیت کا معتقد ہے تو اس کی ترقی محبوس (مقید) ہو گئی —— ہاں سماع اس شخص کو بھی ایک قسم کا عروج بخشتا ہے لیکن تسکین کے بعد پھر اس مقام سے نیچے آجاتا ہے —— اور باقی دوسری شرائط مستقیم الاحوال اکابرین کی کتابوں مثلاً "عوارف المعارف" وغیرہ میں واضح طور پر درج ہیں جن میں سے اکثر (شرائط) اس زمانے کے سماع سننے والوں میں مفقود ہیں، بلکہ اس قسم کا سماع و رقص جو اس زمانے میں رائج ہے اور اس قسم کے اجتماعات جو آجکل متعارف و مشہور ہیں بلاشبہ مضرِ محض اور منافی صرف (بالکل ممنوع) ہیں۔ سماع و رقص کے ذریعے عروج کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا اور روحانی ترقی بھی اس صورت میں متصور نہیں۔ سماع سے یہاں امداد و اعانت حاصل کرنا مفقود و معدوم ہے بلکہ نقصان اور منافات اس میں موجود ہیں۔

تنبیہ: اگرچہ بعض منتہی حضرات کے لئے بھی سماع و رقص درکار ہے لیکن چونکہ ان حضرات کو بھی عروج کے مراتب طے کرنے باقی ہیں لہٰذا وہ بھی متوسطین میں سے ہیں اور جب تک عروج کے تمام ممکن الحصول مراتب طے نہ کر لیں انتہا کی حقیقت ان سے مفقود ہے۔ اس کو نہایت کہنا سیر الی اللہ کی نہایت کے اعتبار سے ہے، اور اس سیر کی انتہا اس اسم تک ہے جو اس سالک کا مظہر ہے، اس کے بعد

اس اسم اور اس کے متعلقات میں سیر ہوتی ہے۔ اور جب اس اسم سے اور اس کے تمام متعلقات سے جو ارباب اسم پر منکشف ہوتے ہیں گزر کر حقیقی مسمیٰ کی طرف پہنچ جاتا ہے اور وہاں فنا و بقا پیدا کر لیتا ہے تو اس وقت وہ منتہی حقیقی ہوتا ہے۔ اور فی الحقیقت سیر الی اللہ کی نہایت اسی صورت میں متحقق ہوتی ہے۔ —— (صوفیہ نے) نہایتِ اول کو بھی جس کی نہایت اسم تک ہی ہے اس کو سیر الی اللہ کی نہایت سے اعتبار کیا ہے، اور اس فنا و بقا کے اعتبار سے جو اس مرتبہ میں حاصل ہوتی ہے ولایت کے اسم کا اس پر اطلاق کیا ہے —— اور یہ جو بعض کہتے ہیں کہ سیر فی اللہ کی کوئی نہایت نہیں ہے تو یہ (بات) سیرِ بقا کے وقت میں ہے، عروج کے منازل طے کرنے کے بعد اس سیر (فی اللہ) کی بے نہایتی کے یہ معنی ہیں کہ اگر سالک کی سیر اس اسم میں واقع ہو جائے اور وہ اس اسم کے مندرجہ شیونات کے ساتھ مفصل طور پر متصف ہو جائے پھر بھی ہرگز اس کی نہایت تک نہیں پہنچ سکتا کیونکہ ہر اسم بے انتہا شیوناتِ مندرجہ پر مشتمل ہے۔ لیکن عروج کے وقت میں (کارکنانِ قضا و قدر) اگر چاہیں کہ اس کو اس اسم سے گزار دیں تو یہ ممکن ہے کہ ایک ہی قدم میں (سالک) اس اسم کو طے کر لے اور نہایت النہایت تک پہنچ جائے اور اگر اسی جگہ مستہلک (فنا) ہو جائے تو زہے شرافت، اور اگر مخلوق کی تربیت کے لئے اس کو واپس کر دیں تو زہے فضیلت۔

آپ یہ گمان نہ کریں کہ اس اسم کے ساتھ وصول ایک آسان کام ہے، (نہیں) جان جوکھوں میں ڈالنی پڑتی ہے تب کہیں اس دولت سے مشرف فرماتے ہیں (دیکھیں) کس صاحبِ نصیب کو اس نعمتِ عظمیٰ سے سرفراز کرتے ہیں —— اور جس کو آپ تنزیہ و تقدیس خیال کرتے ہیں بہت ممکن ہے کہ وہ عینِ تنقیص ہو، بلکہ بہت سے مراتب جن کو آپ تنزیہ خیال کرتے ہیں وہ تو مقامِ روح سے بھی بہت نیچے ہیں اور وہ تنزیہ بھی جس کو آپ عرش سے بھی بالاتر خیال کرتے ہیں وہ بھی تشبیہ کے دائرے میں داخل ہے اور وہ مکشوفِ منزہ، عالمِ ارواح میں سے ہے کیونکہ عرش تمام جہات کو محدد (گھیرے ہوئے) اور منتہائے ابعاد (دوری کی انتہا) ہے۔ اور عالمِ ارواح، عالمِ جہات و ابعاد سے ماوراء ہے کیونکہ روح لامکانی ہے وہ مکان میں نہیں سما سکتی۔ اور روح کو عرش کے اوپر ثابت کرنا اس وہم میں نہ ڈال دے کہ روح تجھ سے دور ہے اور آپ کے اور روح کے درمیان دور دراز کی مسافت ہے، ایسا نہیں ہے بلکہ روح کو لامکانیت کے باوجود تمام جگہوں کے ساتھ برابر کی نسبت ہے۔ ماوراءِ عرش کہنے کے دوسرے معنی ہیں اور جب تک آپ وہاں تک نہ پہنچیں اس معنی کو نہیں سمجھ سکتے۔

صوفیہ کا ایک گروہ جو تنزیہ روحی تک پہنچ چکے ہیں اور اس کو فوق العرش پایا ہے، انھوں نے اس کو تنزیہ الٰہی جل شانہٗ تصور کر لیا ہے اور اس مقام کے علوم و معارف کو دقیق علوم میں سے کہا ہے، اور استواء کے سِر کو اس مقام میں حل کیا ہے، اور حق یہی ہے کہ وہ نور، روح کا نور ہے ——— اس فقیر کو بھی اس مقام کے حصول کے وقت اسی قسم کا شبہ پیدا ہوا تھا، لیکن چونکہ عنایتِ خداوندی جل سلطانہ نے اس گرداب سے نکال دیا تو معلوم ہوا کہ وہ نور، روح کا نور تھا نہ کہ جل سلطانہٗ کا نور۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ ھَدٰنَا لِھٰذَا وَمَا کُنَّا لِنَھْتَدِیَ لَوْلَآ اَنْ ھَدٰنَا اللّٰہُ (اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے ہم کو ہدایت عطا فرمائی اور اگر وہ ہم کو ہدایت نہ دیتا تو ہم کبھی ہدایت نہ پا سکتے) (اعراف آیہ ۴۳) ——— اور چونکہ روح لامکانی ہے اور بے چونی و بے چگونی کی صورت میں مخلوق ہے تو لازمی طور پر یہ بات شبہ میں ڈالتی ہے: وَاللّٰہُ یُحِقُّ الْحَقَّ وَھُوَ یَھْدِی السَّبِیْلَ (اللہ تعالیٰ ہی حق کو ثابت کرتا ہے اور وہی سیدھے راستے کی طرف ہدایت دیتا ہے)۔

اور (صوفیوں کا) ایک گروہ جو فوق العرش سے "نورِ روح" کے ساتھ نیچے آتے ہیں اور اس کے ساتھ بقا پیدا کر لیتے ہیں وہ اپنے آپ کو تشبیہ و تنزیہ کے مابین جامع سمجھتے ہیں، اور اگر اس نور کو اپنے آپ سے جدا پاتے ہیں تو اس کو "فرق بعد الجمع" کا مقام تصور کرتے ہیں ——— صوفیوں کے مغالطوں کی ایسی بہت سی مثالیں ہیں ——— اللہ سبحانہٗ ہی ان مغالطوں اور دھوکوں سے بچانے والا ہے۔

جاننا چاہئے کہ روح اگرچہ عالمِ بے چون کی طرف نسبت رکھتی ہے لیکن بیچونِ حقیقی (حق جل و علا) کی نسبت سے چون کے دائرہ میں داخل ہے گویا کہ وہ عالمِ چون اور جنابِ قدس بیچونِ حقیقی کے درمیان برزخ ہے، لہٰذا یہ دونوں طرف کے رنگ سے رنگین ہے اور اس میں دونوں اعتبار صحیح ہیں بخلاف بے چونِ حقیقی کے کہ اس کو چون کی خوشبو ہرگز نہیں پہنچ سکتی ——— پس جب تک وہ (سالک) تمام مقاماتِ روح سے عروج نہ کر لے اس اسم تک نہیں پہنچ سکتا۔ لہٰذا اول تمام آسمانوں کے طبقات حتیٰ کہ عرش سے بھی گذر جانا چاہئے اور لوازمِ مکان سے مکمل طور پر باہر نکلنا چاہئے بعد ازاں عالمِ ارواح کی لامکانیت کے مراتب کو بھی طے کرنا چاہئے پھر (سالک) اس اسم تک پہنچتا ہے ؎

خواجہ پندارد کہ مردِ واصل است حاصلِ خواجہ بجز پندار نیست

(لوگ خود کو واصلِ حق جانتے وہ نہیں پندار کو پہچانتے)

پس وہ سبحانہٗ تعالیٰ وراء الوراء ہے ——— اس عالمِ خلق کے اوپر عالمِ امر ہے اور عالمِ امر کے اوپر

اسماء و شیونات کے ظلی، اصلی، اجمالی اور تفصیلی مراتب ہیں، اور ان مراتب ظلی اصلی کوئی اجمالی اور تفصیلی کے مطلوبِ حقیقی کو تلاش کرنا چاہیئے۔ دیکھیے کس خوش نصیب کو اس جستجو سے نوازتے ہیں اور کس صاحبِ وقت کو اس سعادت سے مشرف فرماتے ہیں: ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ (جمعہ آیت ۴-۶۲) (یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ بہت بڑے فضل والا ہے) ——— ہمت کو بلند رکھنا چاہیئے اور جو کچھ حاصل ہو جائے اس پر قناعت نہیں کرنی چاہیئے، اور اس (معبود حقیقی) کو وراء الوراء میں تلاش کرنا چاہیئے ؎

كَيْفَ الْوُصُوْلُ اِلٰى سُعَادَ وَدُوْنَهَا ... قُلَلُ الْجِبَالِ وَدُوْنَهُنَّ حُيُوْفُ

(ہائے پہنچوں کس طرح ہیں کوئے یار ... راہ میں ہیں پُرخطر کوہ اور غار)

تنبیہ آخر: دوامِ وصل اور استمرارِ وقت اس شخص کے لئے مسلّم ہے جو فنائے مطلق سے متحقق ہونے کے بعد بقا باللہ کے ساتھ مشرف ہو چکا ہو، اور اس کا علمِ حصولی علمِ حضوری میں تبدیل ہو گیا ہو ہم اس بحث کو مندرجہ ذیل بیان سے واضح ولائح (روشن) کرتے ہیں:-

جاننا چاہیئے کہ ہر وہ علم جو عالم کو اپنی ذات کے ماسوی سے حاصل ہوتا ہے اس کے حصول کا طریقہ عالم کے ذہن میں معلوم کی صورت کا حاصل ہونا ہے، اس کو علمِ حصولی کہتے ہیں۔ اور جو علم صورت کے حصول کا محتاج نہیں ہوتا وہ عالم کی اپنی ذات کا علم ہے، یہ علمِ حضوری ہے، کیونکہ اس میں ذات بنفسہ عالم کے نزدیک حاضر ہے۔ اور علمِ حصولی میں جب تک معلوم کی صورت (ذہن میں) حاصل رہتی ہے تب تک عالم معلوم کی طرف متوجہ رہتا ہے اور جب وہ صورت ذہن سے زائل ہو گئی تو ذہن کی وہ توجہ بھی ختم ہو جاتی ہے لہٰذا علمِ حصولی میں دوامِ توجہ از روئے عادت محال ہے بخلاف علمِ حضوری کے کہ اس میں معلوم سے غفلت غیر متصور ہے، کیونکہ اس علم کے تحقق کا منشا عالم کی ذات کا حضور ہے اور چونکہ یہ حضور دائمی ہے اس لئے ذات کا علم بھی دائمی ہوگا، لہٰذا اپنی ذات سے توجہ کا زوال ممکن نہیں، اور بقا باللہ میں علمِ حضوری ہے جس کا زوال متصور نہیں ہے ——— ایسا گمان نہ کریں کہ بقا باللہ سے مراد یہ ہے کہ اپنے آپ کو عین حق جانے جیسا کہ صوفیوں کے بعض گروہ نے اس کی تعبیر حق الیقین سے کی ہے۔ ایسا نہیں ہے بلکہ بقا باللہ جو فنائے مطلق کے بعد حاصل ہوتی ہے اس قسم کے علوم سے کوئی نسبت نہیں رکھتی۔ ——— اور یہ حق الیقین جو کہ بعض (صوفیہ) نے کہا ہے اس بقا کے مناسب ہے جو حالتِ جذب میں

حاصل ہوتا ہے، (لیکن) وہ بقا جو ہمارا مقصود ہے وہ دوسری چیز ہے۔ ع

ذوقِ ایں مے نشناسی بخدا تا نچشی (جب تک نہیں پیوگے مزہ ہی نہ آئے گا)

لہٰذا استمرارِ توجہ اور دوامِ حضور بقا باللہ کی صورت میں ثابت ہوا، بقا باللہ کے ساتھ تحقق ہونے سے پہلے دوامِ حضور ممکن نہیں ہے، اگرچہ بہت سے صوفیا کو اس مقام پر پہنچنے سے پہلے ہی اس مقام کو حاصل کرنے کا وہم ہو جاتا ہے بالخصوص طریقۂ عالیہ نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم میں۔ لیکن حق بات وہی ہے جس کی میں نے تحقیق کی ہے اور درست وہی ہے جس کا مجھے الہام ہوا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے اور سب کی بازگشت اسی کی طرف ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ اَوَّلاً وَّ اٰخِرًا وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ دَائِمًا وَّ سَرْمَدًا۔

مکتوب ۲۸۶
دو صد و ہشتاد و ششم

مولانا امان اللہ[1] فقیہ کی طرف صادر فرمایا ــــ صحیح اعتقاد کے بارے میں جو اہلِ سنت و جماعت کی صائب رائے کے موافق کتاب و سنت سے ماخوذ ہے، اور اس جماعت کے رد میں جس نے اہلِ سنت و جماعت کے معتقدات کے خلاف سمجھا ہے یا اہلِ حق کے خلاف کشف سے معلوم کیا ہے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اَرْشَدَکَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَاَلْھَمَکَ سَوَاءَ الصِّرَاطِ (اللہ تعالیٰ آپ کو سیدھا راستہ دکھائے اور سیدھے راستے پر چلنے کی توفیق بخشے) ــــ جاننا چاہئے کہ طریقِ سالک کی جملہ ضروریات میں سے ایک (چیز) "اعتقادِ صحیح" ہے، جس کو علمائے اہلِ سنت و جماعت نے کتاب و سنت اور آثارِ سلف (اقوال) سے استنباط فرمایا ہے اور کتاب و سنت کو ان معانی پر محمول رکھنا بھی ضروری ہے جن معانی کو تمام علمائے اہلِ حق یعنی اہلِ سنت و جماعت نے اس کو کتاب و سنت سے سمجھا ہے۔ اور اگر بالفرض کشف و الہام کے ساتھ ان معانی مفہومہ کے برخلاف کوئی امر ظاہر ہو تو اس کا کوئی اعتبار نہیں، اور اس سے پناہ مانگنی چاہئے ــــ مثلاً وہ آیات و احادیث جن کے ظاہر (الفاظ) سے توحیدِ وجودی کا

[1] آپ کے نام تین مکتوبات ہیں دفتر اول مکتوب ۲۸۶، ۳۰۱ دفتر سوم مکتوب ۲۰۔ آپ حضرت مجددؒ کے خلفائے اجل میں سے ہیں۔ ۱۰۳۱ھ میں حج کا شوق ہوا تو پا پیادہ بغیر توشہ و زادِ راہ کے روانہ ہو گئے اور اسی بے سرو سامانی کے ساتھ حجاز پہنچ گئے، حج کے بعد مدینہ منورہ تشریف لے گئے پھر مصر و شام گئے اور وہیں آپ کا انتقال ہو گیا۔

مفہوم سمجھا جاتا ہے، اسی طرح (جن آیات و احادیث سے) احاطہ و سریان اور قرب معیتِ ذاتیہ معلوم ہوتے ہیں جبکہ علماءِ اہلِ حق نے ان آیات و احادیث سے یہ معنی نہیں سمجھے، تو اگر اثناءِ راہ میں سالک پر یہ معانی منکشف ہو جائیں اور وہ سوائے ایک کے کسی کو موجود نہ پائے اور اس کو محیط بالذات جانے اور از روئے ذات کے قریب جانے، اگرچہ وہ اس وقت غلبۂ حال اور سکرِ وقت کے باعث معذور ہے لیکن اس کو چاہیے کہ ہمیشہ حق تعالیٰ کی بارگاہ میں التجا و زاری کرتا رہے تاکہ وہ اس کو اس بھنور سے نکال کر جو امور کہ علمائے اہلِ حق کی آرائے صائبہ کے مطابق ہیں اس پر منکشف کرے اور ان کے معتقداتِ حقہ کے برخلاف سرِ مو ظاہر نہ کرے ——— غرض علمائے اہلِ حق کے معانی مفہومہ کو اپنے کشف کا مصداق اور اپنے الہام کی کسوٹی بنانا چاہیے کیونکہ وہ معانی جو ان کے مفہومہ معانی کے خلاف ہیں محلِ اعتبار سے ساقط ہیں اس لئے کہ ہر مبتدع (بدعتی) اور ضال (گمراہ) اپنے معتقدات کا مقتدا کتاب و سنت ہی کو جانتا ہے اور اپنی ناقص فہم کے موافق اسی (کتاب و سنت) سے معانی غیر مطابقہ سمجھ لیتا ہے یُضِلُّ بِہٖ کَثِیْرًا وَّیَھْدِیْ بِہٖ کَثِیْرًا (بقرہ آیت ۲۶) (اللہ تعالیٰ) اس سے اکثر کو ہدایت دیتا ہے اور اکثر کو گمراہ کرتا ہے) ——— اور یہ جو میں نے کہا ہے کہ علمائے اہلِ حق کے معانی مفہومہ معتبر ہیں اور ان کے برخلاف معتبر نہیں ہیں، وہ اس سبب سے کہا ہے کہ انھوں نے (یعنی علمائے حق نے) ان معانی کو آثارِ صحابہ و سلفِ صالحین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے تتبع اور اتباع سے اخذ کیا ہے، اور ان کے نجومِ ہدایت کے انوار سے اقتباس فرمایا ہے، اسی لئے نجاتِ ابدی (اُخروی) انہی کے لئے مخصوص ہو گئی ہے اور فلاحِ سرمدی انہی کو نصیب ہوئی ہے۔ اُولٰٓئِکَ حِزْبُ اللّٰہِ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰہِ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (مجادلہ ۵۸ آیت ۲۲) (یہ لوگ اللہ تعالیٰ کا گروہ ہیں خبردار! اللہ تعالیٰ کا گروہ ہی فلاح پانے والا ہے) ———

——— اور اگر بعض علماء اپنے صحیح اعتقاد کے باوجود فرعیات (اعمال) میں سستی برتیں اور اعمال میں تقصیرات کے مرتکب ہوں تو اس بات سے مطلق علماء کا انکار کرنا اور سب (علماء) کو مطعون کرنا محض بے انصافی اور صرف مکابرہ (ہٹ دھرمی) ہے، بلکہ اس میں دین کی اکثر ضروریات کا انکار ہے، کیونکہ ان ضروریات کے ناقل اور ان کے کھوٹے کھرے کو پہچاننے والے یہی لوگ ہیں۔ اگر ان لوگوں کا نورِ ہدایت ہم تک نہ پہنچتا تو ہم کبھی ہدایت نہ پاتے، اور اگر یہ لوگ صواب کو خطا سے الگ نہ کر دیتے تو ہم گمراہ رہتے، یہی لوگ ہیں جنھوں نے اپنی ساری کوشش کو دینِ قویم کا کلمہ بلند کرنے میں صرف کر دی، اور بکثرت لوگوں کو

صراطِ مستقیم پر چلایا، جس نے ان کی متابعت کی وہ بچ گیا اور نجات پا گیا، اور جس نے ان کی مخالفت کی وہ خود بھی گمراہ ہوا اور اس نے دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔

جاننا چاہئے کہ صوفیہ کے اعتقادات آخر کار تمام سلوک کے منازل طے کرنے اور ولایت کے اعلیٰ درجات حاصل کرنے کے بعد وہی اعتقادات ہوتے ہیں جو علمائے اہلِ حق کے ہیں۔ خلاصۂ کلام یہ کہ علماء کو ان (معتقدات کا حصول) نقل یا استدلال سے ہے اور صوفیہ کو کشف و الہام کے ذریعہ۔ اگرچہ بعض صوفیہ کو اثنائے راہِ سلوک میں وقتی سکر اور غلبۂ حال کی وجہ سے ان اعتقادات کے خلاف بعض امور ظاہر ہوتے ہیں، اگر ان کو ان مقامات سے گذار کر منزلِ مقصود تک پہنچا دیا جائے تو ان کی مخالفت ھَبَاءً مَّنْثُوْرًا (غبار کی طرح منتشر) ہو جاتی ہے۔ اور اگر اس کے باوجود کچھ مخالفت باقی رہ جائے تو بھی امید ہے کہ اس مخالفت پر گرفت نہیں کریں گے بلکہ اس کے لئے "مجتہد مخطی" کا حکم ہوگا، کیونکہ مجتہد نے استنباط میں غلطی کی اور صوفی نے کشف میں ــــــــــ اس گروہ کی بعض مخالفتوں میں سے ایک وحدتِ وجود اور احاطۂ قرب و معیتِ ذاتی کا حکم ہے جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے۔

اور اسی طرح صفاتِ سبعہ یا ثمانیہ[1] کے وجود سے ان کا انکار ہے جو خارج میں ذات عزسلطانہٗ کے وجود پر زائد جانتے ہیں، حالانکہ علمائے اہلِ سنت (وجماعت) صفات کو موجود جانتے ہیں، اور خارج میں وجود ذات تعالیٰ پر ان کا زائد وجود تسلیم کرتے ہیں، یہ انکار اس وجہ سے پیدا ہوا کہ اس وقت ان کو صفات کے آئینہ میں ذات تعالیٰ و تقدس مشہود ہوتا ہے، اور یہ بات سب کو معلوم ہے کہ آئینہ دیکھنے والے کی نظر سے پوشیدہ ہوتا ہے (لہٰذا اس پوشیدگی کے باعث خارج میں ان (صفات) کے عدم وجود کا حکم دیتے ہیں اور یہ گمان کرتے ہیں کہ اگر (صفات) موجود ہوتے تو مشہود بھی ہوتے، فَحَیْثُ لَاشُھُوْدَ لَاوُجُوْدَ (چونکہ شہود نہیں اس لئے وجود بھی نہیں) ــــــــــ اور علماء پر اس وجہ سے کہ انھوں نے صفات کے وجود کا حکم کیا ہے طعن کرتے ہیں بلکہ کفر اور دوئی کا حکم کرتے ہیں۔ اَعَاذَنَا اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ عَنِ الْجُرْأَتِ فِی الطَّعْنِ (اللہ سبحانہ کی پناہ ان کی اس جرأت طعن پر)۔

اور اگر ان (بعض صوفیہ) کو اس مقام سے ترقی ہو جاتی اور ان کا شہود اس پردہ سے باہر آجاتا اور مرآتیت (آئینہ داری) کا حکم زائل ہو جاتا تو وہ صفات کو جدا دیکھتے اور ان کے انکار کا حکم نہ کرتے اور ان کو اکابر علماء کی طعن و تشنیع تک نوبت نہ پہنچتی ــــــــــ اور ان کی جملہ مخالفتوں میں سے ایک یہ ہے کہ

[1] وہ صفات یہ ہیں: علم، قدرت، سمع، بصر، ارادہ، حیوٰۃ، کلام اور تکوین۔ البتہ تکوین میں اختلاف ہے اسی وجہ سے "صفاتِ سبعہ یا ثمانیہ" کہا ہے۔

یہ لوگ بعض ایسے امور کا حکم کرتے ہیں جو واجب تعالیٰ و تقدس کے ایجاب کو متلزم ہیں، اگرچہ یہ لوگ (حق تعالیٰ پر) لفظِ ایجاب کا اطلاق نہیں کرتے اور ارادہ کا اثبات ظاہر کرتے ہیں لیکن فی الحقیقت ارادہ کی نفی کرنے والے ہیں اور اس حکم میں تمام اہلِ ملل کے مخالف ہیں ـــــــ ان کے جملہ امور میں سے ایک حکم یہ ہے کہ حق سبحانہٗ و تعالیٰ اپنی قدرت کے ساتھ قادر ہے اس معنی میں کہ اِنْ شَاءَ فَعَلَ وَاِنْ لَّمْ يَشَاْ لَمْ يَفْعَلْ (اگر چاہے تو کرے اور اگر نہ چاہے تو نہ کرے) ـــــ لیکن پہلی شرط کو وہ واجب الصدق (ضرور ایسا کرے گا) جانتے ہیں اور دوسری (شرط) کو ممتنع الصدق (یعنی ہرگز ایسا نہیں کریگا) اور یہ قول ایجاب سے متعلق ہے، بلکہ یہ قدرت کے اس معنی کا انکار ہے جو اہلِ ملل کے نزدیک مقرر و ثابت ہے۔ کیونکہ ان کے نزدیک قدرت کے معنی صحتِ فعل اور ترکِ (فعل) کے ہیں، اور ان کے قول کے مطابق وجوبِ فعل اور امتناعِ ترک (ترک کا منع کرنا) لازم آتا ہے، لہٰذا اس میں بہت فرق ہے کہاں یہ اور کہاں وہ۔

ـــــــ اس مسئلہ میں بعض صوفیہ کا مذہب حکما کے مذہب کے عین مطابق ہے اور قضیۂ اولیٰ کو واجب الصدق (یعنی اللہ تعالیٰ ضرور کرے گا) اور دوسرے کو ممتنع الصدق (ہرگز ایسا نہیں کریگا) تسلیم کرتے ہوئے ارادہ کا اثبات کرنا اور اس اثبات کے ساتھ خود کو حکما و فلاسفہ سے جدا کرنا کچھ مفید نہیں کیونکہ ارادہ کے معنی دو۲ متساوی چیزوں میں سے ایک کی تخصیص کرنے کا نام ہے، پس جہاں تساوی اور مساوات نہیں ہے وہاں ارادہ بھی نہیں ہے۔ اور اس جگہ وجوب و امتناع کے درمیان تساوی و مساوات معدوم ہے۔ فافہم (پس جان لو)۔

اور ان جملہ امور (یعنی بعض صوفیہ کی مخالف باتوں) میں سے یہ ہے کہ یہ مسئلۂ قضا و قدر کی تحقیق میں ایسی روش اختیار کرتے ہیں جو بظاہر ایجاب ہے اور اس بحث پر ان کی جملہ عبارتوں میں سے ایک عبارت یہ ہے کہ اَلْحَاكِمُ مَحْكُوْمٌ وَالْمَحْكُوْمُ حَاكِمٌ (یعنی حاکم محکوم ہے اور محکوم حاکم ہے) ایجاب سے قطع نظر کر کے حق سبحانہٗ و تعالیٰ کو کسی کا محکوم بنانا اور کسی کو اس پر حاکم مقرر کرنا بہت بڑی برائی ہے وَاِنَّهُمْ لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا (مجادلہ آیت ۲) (اور وہ لوگ بلاشبہ ایک نامعقول اور جھوٹ بات کہتے ہیں) ـــــــ ان (صوفیہ) کی اس طرح کی مخالف باتوں کی اور بھی بہت مثالیں موجود ہیں۔ جیسا کہ "بَعْدَ مِرَا اِمْكَانِ رُؤْيَةِ الْحَقِّ سُبْحَانَهٗ اِلَّا بِتَجَلِّيٍ صُوْرِيٍّ (حق سبحانہٗ کی رویت کا امکان نہیں مگر تجلی صوری کی صورت میں) ـــــ اس قول سے بھی حق سبحانہٗ کی

رویت کا انکار لازم آتا ہے، کیونکہ وہ رویت جو تجلی صوری کی صورت میں انھوں نے تجویز کی ہے وہ حقیقت میں حق سبحانہٗ کی رویت نہیں ہے بلکہ شبہ ومثال کی قسم سے ہے ؎

یَرَاہُ الْمُؤْمِنُوْنَ بِغَیْرِ کَیْفٍ وَاِدْرَاکٍ وَّضَرْبٍ مِّنْ مِّثَالٍ

(جنتی کو دیدِ حق کی ہوگی سیر کیف وادراک اور مثالوں کے بغیر)

اور ان کا یہ قول کہ "کاملین کی ارواح ازلی اور قدیم ہیں"۔ یہ قول بھی اہلِ اسلام کے مخالف ہے کیونکہ اہلِ اسلام کے نزدیک تمام عالم مع اپنے تمام اجزا کے حادث ہے، اور ارواح بھی جملہ عالم میں سے ہیں کیونکہ "عالم" تمام ماسوی اللہ کا نام ہے فافہم ——— لہذا سالک کو چاہئے کہ حقیقتِ کار حاصل ہونے سے پہلے اپنے تمام کشف والہام کی مخالفت کے باوجود علمائے اہلِ حق کی تقلید کو اپنے اوپر لازم جانے اور علماء کو محق (حق بجانب) اور خود کو مخطی (خطا کرنے والا) جانے۔ کیونکہ علماء کی مستند (دلیل) انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی تقلید ہے جو وحی قطعی کے ساتھ مؤید ہے اور خطا وغلطی سے معصوم ہے اور (سالک کا) کشف والہام وحی سے ثابت شدہ احکامِ الٰہی کی مخالفت کی وجہ سے سراسر خطا وغلط ہے۔ لہذا اپنے کشف کو علماء کے قول پر مقدم جاننا درحقیقت احکامِ قطعیہ منزلہ پر اپنے کشف والہام کو مقدم جاننا ہے اور یہ عین گمراہی اور سراسر خسارہ ہے۔

اور جس طرح کتاب وسنت کے مطابق اعتقاد رکھنا ضروری ہے اسی طرح عمل بھی انہی تقاضوں کے مطابق کرنا چاہئے جو کہ ائمہ مجتہدین نے کتاب وسنت سے استنباط کر کے احکامِ شرعیہ حلال وحرام، فرض وواجب، سنت ومستحب اور مکروہ ومشتبہ کے احکام کا استخراج کیا ہے، ان احکام کا علم بھی ضروری ہے ——— اور مقلد کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ مجتہد کی رائے کے خلاف کتاب وسنت سے احکام اخذ کرے اور ان پر عمل کرے۔ (اس کو چاہئے کہ) عمل میں اس مجتہد کے مذہب سے جس کی وہ اتباع کرتا ہے قولِ مختار کو اختیار کرے اور رخصت سے پرہیز کر کے عزیمت پر عمل کرے اور جہاں تک ممکن ہو سکے مجتہدین کے اقوال کے جمع کرنے میں سعیٔ بلیغ کرے تاکہ متفق علیہ کے قول پر عمل واقع ہو ——— مثلاً امام شافعیؒ وضو میں نیت کرنا فرض قرار دیتے ہیں تو چاہئے کہ بے نیت وضو نہ کرے ——— اور اسی طرح (امام شافعیؒ وضو میں) اعضا کے دھونے میں ترتیب اور پے در پے (بغیر وقفہ کے) دھونے کو لازم جانتے ہیں، لہذا ترتیب وتواتر کی رعایت کرنی چاہئے[1]۔

[1] اس سلسلہ میں حضرت مجدد رح کا مکتوب ۳۱۲ دفتر اول ملاحظہ فرمائیں۔

(اسی طرح) امام مالکؒ اعضا کے دھونے میں ملنے کو فرض قرار دیتے ہیں لہٰذا اعضا کو ملنا بھی چاہئیے ——— اسی طرح وہ لمسِ نساء (عورتوں کو چھونا) اور مسِّ ذکر کو وضو کا توڑنے والا کہتے ہیں، لہٰذا لمسِ نسا اور مسِّ ذکر کے واقع ہونے کی صورت میں وضو کی تجدید (نئے سرے سے وضو) کرے علیٰ ہذا القیاس۔

ان اعتقادی (اعتقادِ صحیح) اور عملی (عمل صالح) کے دو بازو حاصل ہونے کے بعد قربِ ایزدی جل شانہٗ کے درجات کے عروج کی طرف متوجہ ہونا چاہئیے، اور ظلمانی منازل کے قطع کرنے کا طالب اور مسالکِ نورانی کا سالک ہونا چاہئیے۔

لیکن جاننا چاہئیے کہ یہ منازل طے کرنا اور درجات کا عروج ایسے شیخ کامل کی توجہ سے وابستہ ہیں جو مکمل طور پر راہ دان (راستے کا جاننے والا) اور راہ بیں (راہ کا دیکھنے والا) اور راہ نما ہو، اس کی نظر قلبی امراض کے لئے شافی اور اس کی توجہ خراب و ناپسندیدہ اخلاق دفع کرنے والی ہے لہٰذا (طالب) سب سے پہلے شیخِ (کامل) تلاش کرے، اگر محض فضلِ خداوندی جل شانہٗ سے شیخ تک پہنچ جائے تو شیخ کی معرفت و حصول کو نعمتِ عظمیٰ تصور کر کے اپنے آپ کو اس کا ملازم و خدمت گار بنالے اور مکمل طور پر اس کا مطیع ہو جائے ——— شیخ الاسلامؒ ہروی فرماتے ہیں: —

"الٰہی یہ کیا عجیب ماجرا ہے جو تو نے اپنے دوستوں کے ساتھ کیا ہوا ہے کہ جس نے ان کو پہچان لیا تجھ کو پالیا اور جب تک تجھ کو نہ پایا ان کو نہ پہچانا" ——— اور اپنے اختیارات کو کلی طور پر شیخ کے اختیار میں گم کردے اور اپنے آپ کو تمام مرادوں سے خالی کر کے اپنی ہمت کو اس کی خدمت میں صرف کرے، اور شیخ جو کچھ اس کو حکم فرمائے اس کو اپنی سعادت کا سرمایہ جان کر اس کی بجا آوری میں پوری کوشش کرے۔ شیخ مقتدا اگر اس کی قابلیت کے مطابق کوئی ذکر مناسب سمجھے گا تو اس کا حکم دے گا اور اگر توجہ و مراقبہ اس کے حال کے مناسب دیکھے گا تو اس کا اشارہ کرے گا، اور اگر صرف صحبت ہی میں رہنا کافی سمجھے گا تو اس کا حکم کرے گا ——— مختصر یہ کہ شیخ کی صحبت حاصل ہونے کی صورت میں اس راہ کی شرائط میں سے کسی شرط کے تحت ذکر کرنے کی حاجت نہیں، (کیونکہ) شیخ جو کچھ بھی طالب کے حال کے مناسب سمجھے گا اس کا حکم کرے گا۔ اور اگر راہِ سلوک کی بعض شرائط میں سے کسی امر میں کوئی تقصیر یا کوتاہی واقع ہو جائے تو شیخ کی صحبت اس کمی کو پورا کردے گی اور اس کی توجہ اس نقصان کی تلافی کردے گی۔

---

[1] آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۱۰۶ کے حاشیہ پر گزر چکا ہے۔

اور اگر کوئی ایسے شیخ مقتدا کی شرفِ صحبت سے مشرف نہ ہو تو پھر اگر وہ (حق تعالیٰ کی) مرادوں میں سے ہے تو کارکنانِ قضا و قدر اس کو جذب کر لیں گے اور محض عنایتِ بے غایت سے اس کے کام کو پورا کر دیں گے، اور ہر وہ شرط و ادب جو اس کام میں درکار ہو گا اس پر خبردار کر دیں گے اور منازلِ سلوک کے قطع کرنے میں بعض اکابرین کی روحانیات کو اس کی راہ کا وسیلہ بنا دیں گے، کیونکہ عادت اللہ سبحانہٗ اسی طرح جاری و ساری ہے کہ راہِ سلوک کے طے کرنے میں مشائخ کی روحانیت کا واسطہ درکار ہوتا ہے ـــــ اور اگر وہ مریدوں میں سے ہے تو اس کا کام شیخ مقتدا کے وسیلہ کے بغیر خطرہ میں ہے جب تک کہ شیخ (کامل) نہ مل جائے اس کو چاہیئے کہ وہ ہمیشہ حق سبحانہٗ کی بارگاہ میں التجا و تضرع اور زاری کرتا رہے تاکہ اس کو شیخ مقتدا تک پہنچا دیں ـــــ نیز اس کو چاہیئے کہ راہِ سلوک کی شرائط کی رعایت کو اپنے اوپر لازم جانے۔ ان شرائط کا ذکر مشائخ کی کتابوں میں تفصیل سے موجود ہے وہاں ملاحظہ کر کے اس کی پوری پوری رعایت کریں۔

اس راہ کی سب سے عظیم ترین شرط نفس کی مخالفت ہے اور وہ مقامِ ورع و تقویٰ کی رعایت پر موقوف ہے جس سے مراد حرام چیزوں سے بچنا ہے۔ اور حرام چیزوں سے اس وقت تک نہیں بچ سکتے جب تک کہ ضرورت سے زیادہ مباحات سے پرہیز نہ کرے، کیونکہ مباحات کے ارتکاب میں (نفس کی لگام ڈھیلی رکھنا) مشکوک اشیاء تک پہنچا دیتا ہے، اور مشتبہ حرام کے نزدیک ہے (اس لئے) حرام میں مبتلا ہونے کا قوی احتمال ہے (حدیث شریف میں ہے) وَمَنْ حَامَ حَوْلَ الْحِمٰى يُوشِكُ اَنْ يَّقَعَ فِيْهِ[1] (جو شخص چراگاہ کے ارد گرد پھرتا ہے اس کا اس میں داخل ہونے کا احتمال ہے) ـــــ لہٰذا محرمات (حرام چیزوں) سے اجتناب کرنا فضول مباحات سے بچنے پر موقوف ہوا۔ پس ورع و تقویٰ کے (حصول کے) لئے فضول مباحات سے بچنا بھی لازم ہوا، اور ترقی و عروج ورع (تقویٰ) پر وابستہ ہے۔

اس کا بیان یہ ہے کہ ہر اعمال کے دو جزو ہیں ایک امتثالِ امر (احکام کا بجا لانا) اور دوسرے انتہاء از مناہی (منع کی ہوئی چیزوں سے پرہیز) ـــــ اوامر کی بجا آوری میں تو قدسیاں (فرشتے) بھی (انسان کے ساتھ) شریک ہیں، اگر صرف اوامر کی بجا آوری ہی سے ترقی واقع ہوتی تو قدسیوں (فرشتوں کے درجات میں) بھی ترقی واقع ہوتی (لیکن ان کے درجات میں ترقی نہیں ہوتی۔ اس سے معلوم ہوا کہ انسان کو

---

[1] بخاری و مسلم بروایت نعمان بن بشیر والحدیث طویل و ہذا لفظہ۔ منہ

بھی صرف اوامر کی بجاآوری سے ترقی نہ ہوگی جبتک کہ وہ مناہی سے باز نہ رہے) اور فرشتوں کے لئے مناہی سے بچنے کا سوال ہی نہیں کیونکہ وہ فطرۃً (گناہوں سے) معصوم ہیں مخالفت کی مجال نہیں رکھتے کہ جس سے انھیں روکنے کی ضرورت پیش آئے ——— لہذا اس بات سے لازم آیا کہ ترقی اسی جزو (دوم) پر وابستہ ہے اور یہ اجتناب سراسر نفس کی مخالفت ہے کیونکہ شریعت خواہشِ نفس کو دور کرنے اور ظلمانی رسومات کو دفع کرنے کے لئے وارد ہوئی ہے، کیونکہ نفس کی طبیعت کا تقاضا یا تو حرام کا ارتکاب ہے یا ایسے فضول کاموں کا اختیار کرنا ہے جو حرام تک پہنچا دیتا ہے لہذا حرام اور فضول سے اجتناب عین مخالفتِ نفس ہے۔

اگر سوال کریں کہ اوامر کی بجاآوری میں بھی نفس کی مخالفت ہے کیونکہ نفس نہیں چاہتا کہ عبادات میں مشغول ہو، لہذا اوامر کی بجاآوری پر بھی ترقی ہونا لازم ہوا۔ اور چونکہ فرشتوں میں امتثالِ اوامر (احکام کی بجاآوری) کی مخالفت مفقود ہے اس لئے وہ ان کی ترقی کا سبب بھی نہیں۔ فالقیاس مع الفارق (لہذا یہ غلط بات پر قیاس کرنا ہے) ——— اس کا جواب یہ ہے کہ عبادات کی ادائیگی میں نفس کا راضی نہ ہونا اس وجہ سے ہے کہ وہ اپنی فراغت و آرام کا خواہاں ہے، وہ نہیں چاہتا کہ اپنے آپ کو کسی چیز سے مقید کرے اور یہ فراغت اور عدم تقید (پابندی قبول نہ کرنا) بھی حرام یا فضول کاموں میں داخل ہے۔ لہذا اوامر کے بجالانے میں بھی نفس امارہ کی مخالفت اس حرام یا فضول سے اجتناب کی وجہ سے ہے نہ کہ صرف اوامر کی ادائیگی کی بنا پر، کیونکہ یہ چیز ملائکہ کو بھی حاصل ہے۔ پس یہ قیاس صحیح ہے۔

لہذا ہر وہ طریقہ جس میں نفس کی مخالفت زیادہ ہو وہ (حق تعالیٰ تک پہنچاتے میں) سب طریقوں سے اقرب (زیادہ قریب) ہے ——— اور اس میں کچھ شک نہیں کہ نفس کی مخالفت کی رعایت تمام طریقوں سے زیادہ سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ میں ہے کیونکہ ان (نقشبندیہ) بزرگوں نے عزیمت پر عمل کیا ہے اور رخصت سے اجتناب کرتے ہیں۔ اور یہ بات معلوم ہے کہ عزیمت میں ہر دو جزو یعنی حرام اور فضول کے پرہیز کی رعایت کی گئی ہے بخلاف رخصت کے جس میں صرف حرام سے اجتناب کیا گیا ہے۔

اور اگر یہ کہا جائے کہ ہو سکتا ہے کہ باقی دوسرے طریقوں نے بھی عزیمت کو اختیار کیا ہو ——— تو اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ اکثر طریقوں میں سماع و رقص (جائز) ہے، جس میں بڑے چلے اور تکلف کے بعد صرف رخصت تک نوبت پہنچتی ہے اس میں عزیمت کی کیا مجال ہے۔ ———

اور اسی طرح ذکرِ جہر ہے کہ اس میں بھی رخصت سے زیادہ کوئی چیز تصور نہیں کی جا سکتی ۔ ـــــ اور اسی طرح دوسرے مشائخ کے سلاسل نے بھی اپنے اپنے طریقوں میں نیک نیتی کے ساتھ امورِ محدثہ (نئے نئے کام) پیدا کئے ہیں کہ جن کی درستگی کی انتہا صرف رخصت تک ہے، بخلاف اس سلسلۂ عالیہ کے اکابرین کے کہ انھوں نے بال برابر بھی سنّت کی مخالفت تجویز نہیں کی، اور ابداع و احداث (اپنی طرف سے نئی چیز لانا اور پیدا کرنا) روا نہیں رکھا ـــــ لہذا اس طریقے میں نفس کی مخالفت بدرجۂ اتم موجود ہے اور یہ طریقہ سب طریقوں سے قریب ترین ہے، اس لئے طالب کو اس طریقے کا اختیار کرنا اولیٰ و انسب ہے کیونکہ یہ راستہ نہایت ہی قریب کا ہے، اور ان بزرگوں کا مطلب کمال رفعت میں ہے اور ان کے خلفائے متاخرین کی ایک جماعت نے ان بزرگوں کے اوضاع و اطوار کو ترک کر کے بعض ایسے نئے نئے امور جیسے سماع و رقص اور (ذکرِ) جہر اختیار کر لئے ہیں، اس کی وجہ عدمِ وصول ہے، یہ لوگ اس بزرگ خاندان کے اکابرین کی نیتوں کی حقیقت تک نہیں پہنچے اور خیال کر بیٹھے ہیں کہ ان محدثات و مبتدعات (نت نئی باتوں اور بدعتوں) سے اس طریقے کی تکمیل و تتمیم کر رہے ہیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ اس طرح سے وہ (طریقہ کو) خراب اور ضائع کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ وَاللّٰهُ يُحِقُّ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيْلَ (اللہ تعالیٰ ہی حق کو ثابت کرتا ہے اور وہی سیدھے راستے کی طرف ہدایت دیتا ہے)۔

مکتوب ۲۸۷
دو صد و ہشتاد و ہفتم

حقائق آگاہ حضرت مجددؒ کے برادر حقیقی میاں غلام محمد[1] کی طرف صادر فرمایا ـــــ جذبہ و سلوک اور ان معارف کے بیان میں جو ان دونوں مقاموں کے مناسب ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدٰنَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا اَنْ هَدٰنَا اللّٰهُ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ وَخَتَمَهُمْ بِاَفْضَلِهِمْ وَاَكْمَلِهِمْ مُحَمَّدِنِ الَّذِيْ جَآءَ بِالصِّدْقِ صَلَوَاتُ اللّٰهِ سُبْحَانَهٗ وَبَرَكَاتُهٗ وَتَحِيَّاتُهٗ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَعَلَيْهِمْ وَعَلٰى مَنْ تَابَعَهُمْ

[1] آپ حضرت مجدد صاحبؒ کے چھوٹے بھائی ہیں، آپ کے نام دو مکتوبات ہیں ایک تو یہی اور دوسرا دفتر دوم مکتوب ۱۲، آپ کے حالات تو معلوم نہ ہو سکے البتہ مکتوبات سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ بھی حضرت مجددؒ کے خلفا یا مریدوں میں سے تھے۔

اَجْمَعِیْنَ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ اٰمِیْن (تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے ہمیں ہدایت دی اگر وہ ہم کو ہدایت نہ دیتا تو ہم کبھی ہدایت نہ پاتے، بیشک ہمارے رب کے رسول حق بات لے کر آئے اور ان میں کے افضل و اکمل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جو صدق کے ساتھ تشریف لائے اور ان پر سلسلۂ رسالت کو ختم کیا، اور اللہ سبحانہ کی صلوات و برکات اور تحیات تو آپ پر اور آپ کی آل اور ان سب پر جو آپ کی اتباع کریں۔ آمین)۔

جیسا کہ دیکھا گیا ہے کہ طالبانِ طریقت اپنی کم ہمتی، پست فطرتی اور شیخ کامل و مکمل کی نایابی کی وجہ سے (راہِ سلوک کا) طویل راستہ اور بلند مطلب کو مختصر راستے اور پست مقصد میں پڑ کر نیچے لے آئے ہیں اور ان کو اس راہ میں جو کچھ بھی حقیر اور معمولی چیز میسّر آئی اسی پر اکتفا کر لی اور اسی کو اپنا مقصد سمجھ بیٹھے اور اس کے حاصل ہو جانے پر خود کو کامل اور منتہی خیال کر لیا، اور وہ احوال جو منتہیانِ راہ اور واصلانِ درگاہ نے اپنے انجامِ کار اور نہایتِ روزگار کی وجہ سے بیان فرمائے ہیں یہ پست فطرت جماعت اپنی قوتِ متخیلہ کے غلبہ کی وجہ سے ان کے کامل احوال کو اپنے ناقص احوال پر ڈھالنے کی کوشش کرتے ہیں، یہ تو ایسا قصہ ہے جیسے ع

بخواب اندر مگر موشے شتر شد (خواب میں چوہا بنا ہے اونٹ کیا)

انھوں نے بحرِ عمیق سے ایک قطرہ بلکہ قطرہ کے مانند دریائے عمان سے ایک بوند یا اس بوند کی صورت پر قناعت کر لی ہے اور چون کو بے چون تصور کر کے بے چون سے ہٹ کر چون پر آرام و اکتفا کر بیٹھے ہیں، اور مانند کو بے مانند (یعنی مثل کو بے مثل) خیال کر کے بے مانند سے ہٹ کر مانند پر فریفتہ ہو گئے ہیں (بخلاف) اس جماعت کے جس کا حال یہ ہے کہ تقلید کی وجہ سے بے مانند (بے چون) ذات پر ایمان لائے ہیں اور بے مانند (بے مثل) ذات کے گرویدہ ہو گئے ہیں۔ وہ ان ناتمام طالبانِ سلوک کے احوال سے اور سراب کے ساتھ آرام حاصل کرنے والوں کے حالات سے مرتبہ میں کئی درجے بہتر ہیں۔ مُحِق اور مُبطِل (حق اور باطل) اور مُصیب اور مُخطی (صحیح اور خطا کار) کے درمیان بہت بڑا فرق ہے۔ ——— اور ان طالبوں پر جو ابھی مطلب و مقصد تک نہیں پہنچے اور جو حادث کو قدیم جانتے ہیں اور چون کو بے چون خیال کرتے ہیں اگر ان کے کشف غیر صحیح (غلط) پر معذور نہ رکھا گیا اور ان کی اس خطا و غلطی پر مؤاخذہ کیا گیا تو ان کے حال پر بہت افسوس ہے۔ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِیْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا (بقرہ آیت ۲۸۶) (اے ہمارے رب تو ہماری بھول اور خطا پر مواخذہ نہ کرنا)۔

مثلاً ایک شخص (طالب نارسیدہ) کعبۂ (معظمہ) کا طالب ہوا اور شوق کے ساتھ اس تک پہنچنے کے لئے روانہ ہوا۔ اتفاقاً سفر کے دوران خانۂ کعبہ جیسا ایک مکان اس کو نظر آیا کیونکہ وہ (مکان) صرف صورت میں (خانۂ کعبہ کے) مشابہ تھا اس لئے اس شخص نے خیال کیا کہ یہی کعبہ ہے لہذا اسی جگہ معتکف ہوگیا ــــــــ ایک اور دوسرے شخص نے کعبہ کی خصوصیات کو واصلانِ کعبہ (کعبۂ معظمہ کی زیارت سے مشرف شدہ حضرات) سے دریافت کرکے کعبہ کی تحقیق تصدیق کی۔ اس شخص نے اگرچہ کعبہ کے راستے کی طلب میں ایک قدم بھی نہیں اُٹھایا لیکن اس نے غیر کعبہ کو کعبہ نہیں سمجھا یہ شخص اپنی تصدیق میں سچا ہے۔ اس کا حال اس خطا کار مذکورہ طالب سے بہتر ہے ــــــــ ہاں اس طالب کا حال جو ابھی مطلب تک نہیں پہنچا لیکن غیر مطلب کو مطلب نہیں سمجھا (یعنی اصل مقصد کو نہیں چھوڑا) اس مقلدِ محق کے حال سے جس نے مطلب کے راستے میں ایک قدم بھی نہیں اُٹھایا بہتر ہے، کیونکہ اس نے مطلوب کی صحیح تصدیق کے باوجود مطلوب کی طرف کچھ نہ کچھ حصہ بھی قطع کرلیا ہے لہذا زیادتی (فضیلت) اس کے لئے متحقق و ثابت ہوگئی ــــــــ اور ان میں سے ایک گروہ نے اس خیالی کمال اور وہمی وصال کی بنیاد پر اپنے آپ کو پیری کی مسند اور مخلوق کی پیشوائی کے لئے منتخب کیا ہے اور اپنے نقصان کی وجہ سے بہت سے کمالات کی استعداد رکھنے والے لوگوں کی استعداد کو ضائع کردیا ہے، اور اپنی صحبت کی ٹھنڈک کی بد قسمتی کی وجہ سے طالبوں کی طلب کی گرمی ضائع کررہے ہیں؛ ضَلُّوْا فَاَضَلُّوْا ضَاعُوْا فَاَضَاعُوْا (خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا، خود بھی ضائع ہوئے اور دوسروں کو بھی ضائع کیا) ــــــــ کمال کا یہ تخیل اور وصال کا یہ وہم سالکانِ بجذب نارسیدہ کی نسبت مجذوبانِ سلوک ناکردہ میں زیادہ ہوتا ہے کیونکہ بندی اور منتہی جذب کی صورت میں ایک دوسرے کے شریک ہیں اور بظاہر عشق و محبت میں مساوی ہیں۔ اگرچہ حقیقت میں وہ ایک دوسرے سے کچھ بھی مناسبت نہیں رکھتے اور ان کے احوال بھی ایک دوسرے سے جدا ہیں۔ ع

چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک (کہاں خاک اور کہاں ہے عالمِ پاک)

ابتدا میں جو کچھ ہے وہ معلول ہے (یعنی علت اور نقص سے خالی نہیں) اور غرض پر محمول ہے اور انتہا میں چونکہ وہ حق کے ساتھ ہوتا ہے اس لئے سب کچھ حق کے لئے ہوتا ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ اس بیان کی تفصیل عنقریب ذکر کی جائے گی ــ یہ صوری مشابہت اور یہ ظاہری مناسبت اسی خیال کی وجہ ہوتی ہے ــ

اور چونکہ طریقہ عالیہ نقشبندیہ میں جذبہ، سلوک پر مقدم ہے اس لئے اس طریقے کے مجذوبوں کو جو سلوک کی دولت سے مشرف نہیں ہوئے ان کو اس قسم کا خیال اور اس طرح کا وہم بہت زیادہ لاحق ہوتا ہے ــــ اور ان میں سے ایک جماعت جس کو مقامِ جذبہ میں منقلب احوال حاصل ہوجاتے ہیں اور ایک حال سے دوسرے حال کی طرف چلے جاتے ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ سلوک کی منازل قطع ہوگئیں اور سیر الی اللہ کے راستے طے ہوچکے ہیں۔ اور ان تبدیلیوں سے وہ اپنے آپ کو مجذوب سالک خیال کر بیٹھے ہیں اس لئے خاطر فاتر (فتور والے دل) میں آیا کہ جذبہ وسلوک کی حقیقت کے بیان میں اور ان دونوں مقاموں کے فرق کے بیان میں چند فقرے لکھے جائیں۔ نیز وہ خاصیتیں بھی لکھی جائیں جو ایک کو دوسرے سے ممتاز کرتی ہیں اور جذبِ بتدی اور جذبِ منتہی کے درمیان فرق اور مقامِ تکمیل وارشاد کی حقیقت اور دوسرے علوم جو اس مقام کے مناسب ہیں بیان کئے جائیں: لِیُحِقَّ الْحَقَّ وَیُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ کَرِہَ الْمُجْرِمُوْنَ (انفال آیت) (تاکہ حق کا حق ہونا اور باطل کا باطل ہونا ثابت کردے اگرچہ مجرم ناراض ہوں) ــــ اب میں حق سبحانہٗ کی حسنِ توفیق سے اس بیان کو شروع کرتا ہوں اور وہی سبحانہ سیدھے راستے کی ہدایت دیتا ہے اور وہی سب سے اچھا کارساز ہے اور سب سے اچھا وکیل ہے)۔

یہ مکتوب دو مقاصد اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے: مقصدِ اول میں ان معارف کا بیان ہے جو مقامِ جذبہ سے متعلق ہیں اور مقصدِ ثانی میں مقامِ سلوک سے تعلق ہے اور خاتمہ میں ان بعض متفرق علوم ومعارف کا ذکر ہے جن کا جاننا طالبوں کے لئے کثیر المنفعت ہے۔

ح ان معارف کا بیان ہے جن کا

مقصدِ اول:۔ جاننا چاہئے کہ وہ مجذوب جنھوں نے سلوک کو مکمل طور پر طے نہیں کیا اگرچہ جذبِ قوی رکھتے ہوں اور خواہ کسی راہ سے بھی منجذب (جذب حاصل کئے ہوئے) ہوں وہ اربابِ قلوب کے گروہ میں داخل ہیں کیونکہ بغیر سلوک اور تزکیۂ نفس کے وہ مقامِ قلب سے آگے نہیں گذر سکتے اور مقلبِ قلب (یعنی حق تعالیٰ) تک نہیں پہنچ سکتے، ان کا جذب انجذابِ قلبی ہے اور ان کی محبت عرضی ہے ذاتی نہیں، غرضی ہے اصلی نہیں۔ کیونکہ نفس اس مقام میں روح کے ساتھ ملا ہوا ہے اور ظلمت اور نور اس معاملہ میں مخلوط ہیں، اور جب تک روح مطلوب کی طرف توجہ کرنے کے لئے نفس سے مجرد اور آزاد نہ ہوجائے اور نفس روح سے جدا ہوکر بندگی کے مقام میں نیچے نہ آجائے اس وقت تک مقامِ قلب کی تنگی سے مکمل طور پر نہیں نکل سکتے اور مقلبِ قلب تک نہیں پہنچ سکتے،

اور مطلوب کی طرف روحی انجذاب حاصل نہیں کر سکتے۔ کیونکہ جبتک یہ دونوں (نفس و روح) حقیقت میں جمع ہیں، حقیقتِ جامعۂ قلبیہ محکم اور غالب ہے، خالص روح کا انجذاب متصور نہیں اور روح کا نفس سے خلاصی پانا سلوک کی منازل کو طے کرنے اور سیر الی اللہ کے راستے طے کرنے اور سیر فی اللہ سے متحقق ہونے کے بعد بلکہ فرق بعد الجمع کا مقام حاصل ہونے کے بعد جس کا تعلق سیر عن اللہ باللہ سے ہے صورت پذیر نہیں ہوتا (یعنی روح نفس سے آزادی حاصل نہیں کر سکتی) ؎

ہر گدائے مرد میداں کے شود پشۂ آخر سلیماں کے شود

(ہر گدا کب مردِ میداں ہو سکے کوئی مچھر کب سلیماںؑ ہو سکے؟)

پس اس بیان سے جذبِ منتہی اور جذبِ مبتدی کے درمیان فرق ظاہر ہو گیا۔

ان اربابِ قلوب مجذوبوں کا شہود کثرت کے پردے میں ہے، خواہ وہ اس معنی (باطنی کیفیت) کو معلوم کریں یا نہ کریں، اور ان کا مشہود اس عالم کثرت میں نہیں مگر عالمِ ارواح میں جو لطافت احاطہ اور سریان میں اپنے موجد (یعنی حق جل و علا) کے ساتھ صورتاً مشابہت رکھتا ہے: اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ (بیشک اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا) ——— اور اس مناسبت کے ساتھ روح کے شہود کو حق تعالیٰ و تقدس کا شہود جانتے ہیں، اور احاطہ و سریان اور قرب و معیت بھی اسی قیاس پر ہیں، کیونکہ سالک کی نظر صرف مقامِ فوق تک عبور کر سکتی ہے مقامِ فوقِ فوق تک نہیں جا سکتی، اور ان کا مقامِ فوق مقامِ روح ہے، لہٰذا ان کی نظر مقامِ روح سے بالا نہیں جا سکتی اور ان کا مشہود سوائے روح کے کوئی اور امر نہیں ہوتا، نظر کا فوقِ روح تک جانا مقامِ روح تک پہنچنے پر موقوف ہے ——— اور محبت و انجذاب بھی اسی شہود کی طرح ہیں، حق سبحانہ کا شہود بلکہ جناب قدسِ خداوندی کی محبت و انجذاب کا پیدا ہونا فنا کے حصول کے ساتھ وابستہ ہے جس کو سیر الی اللہ کی نہایت سے تعبیر کرتے ہیں ؎

ہیچ کس را تا نہ گردد او فنا نیست رہ در بارگاہ کبریا

(جب تک انساں کر نہ لے خود کو فنا کیسے پائے بارگاہِ کبریا)

اس مقام میں شہود کا اطلاق میدانِ عبارت کی تنگی کے باعث ہے ورنہ ان بزرگوں کا کارخانہ شہود کے وراء الوراء سے متعارف و مشہور ہے جیسا کہ ان کا مقصد بے چون و بے چگونہ ہے اور ان کا

اتصال بھی اس پاک سبحانہٗ کے ساتھ بے چون وبے چگونہ ہے کیونکہ چون کو بے چون کی طرف کوئی راہ نہیں۔
لَا یَحْمِلُ الْعَطَایَا الْمَلِكِ اِلَّا مَطَایَاهُ (بادشاہوں کے عطیات کو بادشاہوں کی سواریاں ہی اٹھا سکتی ہیں)۔

اتصالے بے تکیف بے قیاس   ہست رب الناس را باجانِ ناس

(ربِّ انساں سے اتّصالِ بشر   کیفیت اس کی کیا ہے؟ کس کو خبر؟)

محققین اربابِ سلوک کے نزدیک جو نہایت کار تک پہنچ چکے ہیں حق سبحانہٗ کا احاطہ وسریان اور قرب ومعیت ایک علمی ہے جیسا کہ علمائے اہلِ حق شکر اللہ تعالیٰ سعیہم کا مسلک ہے، قربِ ذاتی اور اس طرح کی دوسری باتوں کا حکم کرنا ان کے نزدیک بے حاصلی اور دوری کے مترادف ہے، نزدیک والے حضرات قربِ ذاتی کا حکم نہیں کرتے ——— ایک بزرگ فرماتے ہیں" جو یہ کہتا ہے کہ میں (حق تعالیٰ کے) نزدیک ہوں حقیقت میں وہ دور ہے اور جو اپنے آپ کو دور سمجھتا ہے وہ نزدیک ہے، تصوف یہی ہے"۔ ——— اور وہ علم جو توحید وجودی کے ساتھ متعلق ہے اس کا مقصد انجذاب اور محبتِ قلبی پیدا کرنا ہے۔ اربابِ قلوب جنھوں نے جذبہ پیدا نہیں کیا اور سلوک کے راستے سے منازل قطع کر رہے ہوں ان کے لئے یہ علم مناسبت نہیں رکھتا ———
اور اسی طرح وہ مجذوب جو سلوک کے ساتھ اپنے قلب کی تمام توجہ مقلبِ قلب (حق تعالیٰ) کی طرف کئے ہوئے ہیں وہ بھی ان علوم سے برات کا اظہار کرتے اور استغفار کرتے ہیں ———
بعض مجذوب ایسے بھی ہوتے ہیں جو اگرچہ سلوک کے راستے سے آتے ہیں اور منازل طے کرتے ہیں لیکن ان کی نظر مقام مالوف (مانوس مقام) سے جدا نہیں ہوتی اور وہ فوق کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ اس قسم کے علوم ان کے دامن کو نہیں چھوڑتے اور وہ اس گرداب (بھنور) سے باہر نہیں آسکتے، لہٰذا مدارج قرب پر عروج کرنے اور معارج قدس میں صعود کرنے میں قاصر اور لنگڑے رہتے ہیں ———
رَبَّنَا اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا (نساء آیت ۷۵) (اے رب ہم کو اس بستی سے نکال جس کے رہنے والے ظالم ہیں اور ہمارے لئے اپنے پاس سے کوئی ولی مقرر کر اور ہمارے لئے اپنے پاس سے مددگار بھیج)۔
(سالک کا) ان علوم سے تبرّی (بیزار ہونا) مطلب کی نہایت کے حصول ہونے کی علامت ہے کیونکہ جس قدر تنزیہ وتزکیہ کے ساتھ زیادہ مناسبت پیدا ہوگی عالم کی اپنے صانع کے ساتھ

بے مناسبتی زیادہ ہوتی جائے گی۔ اس حالت میں عالم کو صانع کا عین جاننا یا صانع کو عالم کا محیط بالذات خیال کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ مَالِلتُّرَابِ وَرَبِّ الْاَرْبَابِ (چہ نسبت خاک را با عالم پاک)۔

معرفت: حضرت خواجہ نقشبند قدس اللہ تعالیٰ سرہ الاقدس فرماتے ہیں "مانہایت را در بدایت درج می کنیم" (ہم نہایت کو بدایت میں درج کرتے ہیں) اس عبارت کے معنی یہ ہیں کہ وہ انجذاب و محبت جو منتہی کو انتہا میں میسر ہوتا ہے وہ انجذاب و محبت اس طریقۂ عالیہ میں ابتدا ہی سے پیدا ہو جاتا ہے، کیونکہ منتہی کا انجذاب روح کا انجذاب ہے اور بتدی کا جذب، جذبِ قلبی ہے، اور چونکہ قلب، روح اور نفس کے درمیان برزخ ہے اس لئے جذبِ قلبی کے ضمن میں جذبِ روحی بھی حاصل ہو جاتا ہے۔ اور اس اندراج کی یہ تخصیص اس طریقۂ عالیہ کے ساتھ کرنا اگرچہ یہ بات تمام جذبات میں حاصل ہے اس وجہ سے ہے کہ اس طریقۂ عالیہ کے بزرگوں نے اس مطلب کے حاصل کرنے کے لئے ایک خاص طریقہ وضع کر لیا ہے اور اس مطلب کے حصول کے لئے ایک راہ متعین کر لی ہے، اور دوسرے (طریقوں کے) حضرات کو یہ مطلب (وصول الی اللہ) اتفاقاً حاصل ہو جاتا ہے ان کے ہاں کوئی خاص ضابطہ مقرر نہیں ہے ——— اور اس طریقۂ عالیہ کے بزرگوں کو جذبہ کے مقام میں ایک خاص شان حاصل ہے جو دوسروں کو میسر نہیں، اور اگر ہے تو شاذ و نادر ہے۔ اسی بنا پر ان میں سے بعض حضرات کو اس مقام میں بھی بغیر منازلِ سلوک طے کرنے کے اربابِ سلوک کی فنا و بقا کے مشابہ ایک طرح کی فنا و بقا حاصل ہو جاتی ہے اور مقامِ تکمیل کا کچھ حصہ بھی جو مقامِ سیر عن اللہ باللہ کے مشابہ ہے حاصل ہو جاتا ہے کہ جس کے ساتھ یہ لوگ مستعد لوگوں کی تربیت کرتے ہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ اس بحث کی تحقیق عنقریب تحریر کی جائے گی۔

اس جگہ ایک نکتہ ہے جس کا جاننا ضروری ہے، وہ یہ کہ روح کو بدن کے ساتھ تعلق ہونے سے پہلے اپنے مقصود کی طرف ایک قسم کی توجہ حاصل تھی، اور جب (روح) بدن کے ساتھ متعلق ہو گئی تو وہ توجہ بھی زائل ہو گئی ——— اس سلسلۂ عالیہ کے اکابرین نے اس سابقہ توجہ کے ظہور کے لئے ایک طریقہ وضع کیا ہے لیکن چونکہ روح کا تعلق بدن سے ہے اس لئے توجۂ قلبی موجود رہتی ہے جو نفس و روح دونوں کی توجہ کی جامع ہے۔ اور اس میں شک نہیں کہ توجہ روحی توجہ قلبی میں مندرج ہے لیکن وہ توجہ روحی جو منتہیوں کو روح کی فنا کے بعد حاصل ہوتی ہے اور اس کی بقا حقانی وجود کے ساتھ ہے

جس کو ہم بقا باللہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور توجہ روحی جو قلبی توجہ کے ضمن میں ہے بلکہ روح کی توجہ جو بدن کے ساتھ متعلق ہونے سے پہلے تھی وہ ایسی توجہ ہے جو با وجود ہستی روح ہونے کے فنا نے اس کی طرف راہ نہیں پائی اور روح کی ہستی کے وجود کے ساتھ روح کی توجہ کے درمیان، اور روح کی فنا کے ساتھ روح کی توجہ کے درمیان بہت بڑا فرق ہے ـــــــ لہذا اس توجہ روحی مندرجہ کو نہایت کہنا اس اعتبار سے ہے کہ وہ روح ہی کی توجہ ہے کیونکہ نہایت میں صرف یہی توجہ باقی رہ جاتی ہے اور بس۔ لہذا بدایت میں نہایت کے اندراج سے مراد یہ ہے کہ نہایت کی صورت بدایت میں مندرج ہے نہ کہ نہایت کی حقیقت، کیونکہ اس کا بدایت میں اندراج محال ہے۔ ہوسکتا ہے کہ لفظ "صورت" اس لئے نہ لائے ہوں کہ اس راہ کے طالبوں میں ترغیب اور شوق پیدا ہو۔ اور حقیقت یہی ہے جو میں نے اللہ تعالیٰ کی توفیق سے تحقیق کی۔

اور وہ سابقین (سبقت کرنے والے) جن کا انجذاب بے تعمل و بے کسب (یعنی بغیر عملی تکلیف اور بغیر ظاہری کسب کے) ہے بلکہ وہ توجہ وحضور کے ذریعے آئے ہیں ان کا انجذاب بھی قلبی ہے اور روح کی توجہ اس سابقہ توجہ کا اثر ہے جس کا تعلق بدن سے بالکلیہ زائل نہیں ہوا ہے (بلکہ باقی ہے) لہذا سابق توجہ (روحی) کے ظہور کے لئے کسب وعمل کی ضرورت اس جماعت کے لئے ہے جس نے (بدنی تعلق کی وجہ سے) اس سابقہ توجہ کو فراموش کردیا ہے۔ گویا کہ کسب توجہِ سابق کے لئے ایک تنبیہ ہے، اور اس گم شدہ دولت کے لئے یاددہانی ہے لیکن سابق توجہ کے فراموش کرنے والے سابقانِ مذکورہ سے زیادہ لطیف استعداد رکھنے والے ہیں، کیونکہ توجہِ سابق کو بالکلیہ فراموش کردینا متوجہ الیہ کی طرف بالفعل توجہ کے ساتھ گم ہونے کی خبر دیتا ہے اور توجہ کا عدم نسیان ایسا نہیں ہے ـــــــ غایۃ ما فی الباب (خلاصۂ کلام یہ ہے) کہ سابقین میں وہ توجہ بھی شمول (عموم) اور سریان (سرایت کرجانا) پیدا کرلیتی ہے اور ان کا بدن بھی روح کی شان کا حکم پیدا کرلیتا ہے جیسا کہ محبوبین اور مرادین کی شان ہے۔ لیکن شمولِ محبوبان (محبوبوں کی سرایت) اور شمولِ سابقان کے درمیان ایسا ہی فرق ہے جیسا کہ حقیقتِ شے اور صورتِ شے میں ہوتا ہے، جس طرح کہ اس کے جاننے والوں پر ظاہر ہے ـــــــ ہاں محبانِ واصل اور مریدانِ کامل کو بھی اس قسم کی شمول کا تحقق حاصل ہوجاتا ہے لیکن وہ کالبرق (بجلی کی مانند) ہے دائمی نہیں ہے۔ شمولِ دائمی محبوبوں کا خاصہ ہے۔

معرفت: مجذوبانِ اربابِ قلوب جب مقامِ قلب میں متمکن ہو کر رسوخ (ثبات) پیدا کر لیتے ہیں اور ایک قسم کی معرفت وصحو (عقل و ہوش) جو اس مقام کے مناسب ہے ان کو میسر ہو جاتا ہے تو وہ بھی طالبوں کو فائدہ پہنچا سکتے ہیں اور ان کی صحبت میں طالبوں کو انجذاب و محبت قلبی حاصل ہو جاتی ہے لیکن کمال تک نہیں پہنچ سکتے کیونکہ وہ خود بھی حد کمال تک نہیں پہنچ سکے ہیں اس لئے دوسروں کے کمال حاصل کرنے کا ذریعہ نہیں بن سکتے۔ مشہور ہے کہ ناقص کے ذریعہ کوئی بھی کامل نہیں بن سکتا۔

البتہ ان کی فیض رسانی جس قدر بھی ہو اربابِ سلوک کے افادہ سے زیادہ ہوتی ہے، وہ کتنا ہی سلوک کی انتہا کو پہنچ جائیں اور منتہیوں والا جذب پیدا کر لیں لیکن وہ مقامِ قلب میں سیر عن اللہ باللہ کے طریق سے نیچے نہیں آئیں گے، کیونکہ وہ منتہی جس نے ابھی عالم (مخلوق) کی طرف رجوع نہیں کیا وہ تکمیل و افادہ کا مرتبہ نہیں رکھتا کیونکہ عالم کے ساتھ اس کی کوئی مناسبت اور توجہ نہیں ہوئی جس کے ذریعے وہ فائدہ پہنچا سکے۔

شیخِ مقتدا کو برزخ کہنا اس اعتبار سے ہے کہ وہ مقامِ برزخیت میں جس کو مقامِ قلب کہتے ہیں نیچے اُتر آیا ہے اور روح اور نفس دونوں کی جہت سے اس نے حصۂ وافر حاصل کر لیا ہے۔ روح کی جہت سے وہ اپنے فوق سے فائدہ حاصل کرتا ہے اور نفس کی جہت سے وہ اپنے ماتحت کو فائدہ پہنچاتا ہے کیونکہ اس کے لئے حق سبحانہٗ کی توجہ مخلوق کی توجہ کے ساتھ جمع ہو گئی ہے پس (ان دونوں توجہوں میں) کسی قسم کا کوئی حجاب نہیں ہے لہذا ایک ہی وقت میں اس کو افادہ اور استفادہ (دونوں) حاصل ہوتے ہیں ـــــــ بعض مشائخ اس برزخیت کو برزخیت بین الخلق والحق (مخلوق اور حق کے درمیان برزخیت) کہتے ہیں اور شیخِ برزخ کو جامع بین التشبیہ والتنزیہ قرار دیتے ہیں۔

پوشیدہ نہ رہے کہ اس قسم کی برزخیت جس کی بنیاد سکر پر ہو شیخی کے مقام کے لائق نہیں ہے کیونکہ اس کی بنیاد صحو پر ہے اس لئے ان کا نفس اس مقام میں روح کے انوار کے غلبوں میں مندرج ہوتا ہے اور یہی اندراج سکر کا پیدا کرنے والا ہے۔ اور قلب کی برزخیت کے مقام میں نفس اور روح ایک دوسرے سے جدا رہتے ہیں لہذا لازمی طور پر وہاں سکر کی گنجائش نہیں رہتی بلکہ وہاں سب صحو ہی صحو ہے جو مقامِ دعوت کے مناسب ہے۔ یہ بات ذہن نشین رہے ـــــــ اور جب شیخِ کامل کو مقامِ قلب میں نیچے لاتے ہیں تو اس کو برزخیت کی وجہ سے عالم (دنیا) کے ساتھ مناسبت پیدا

ہوجاتی ہے اور وہ مستعد طالبوں کے لئے حصولِ کمالات کا ذریعہ بن جاتا ہے، اور مجذوبِ متمکن چونکہ مقامِ قلب میں ہوتا ہے اس لئے وہ بھی عالم (مخلوق) کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے اور اپنی توجہ کو ان سے باز نہیں رکھتا اور انجذاب و محبت سے اگرچہ قلبی ہی ہو اس میں اس کو حصہ حاصل ہوتا ہے، لہذا لازمی طور پر فیض پہنچانے کا دروازہ اس کے لئے کشادہ ہوجاتا ہے ـــــــ بلکہ ہم کہتے ہیں کہ مجذوبِ متمکن (مقامِ قلب میں قرار پذیر مجذوب) کی نسبت فائدہ و فیض مقدار کے لحاظ سے منتہی مرجوع سے زیادہ ہوتا ہے، منتہی کے فائدے کی کیفیت اور حالت، مجذوب کے افادہ کی کیفیت سے زیادہ ہے کیونکہ منتہی مرجوع کو بھی اگرچہ عالم کے ساتھ مناسبت پیدا ہوگئی ہے لیکن وہ ظاہری صورت ہے ورنہ حقیقت میں (وہ منتہی عالم سے) جدا ہے اور اصل رنگ میں رنگا ہوا ہے اور اس کے ساتھ بقا حاصل کرچکا ہے ـــــــ اور اس مجذوب کو حقیقتاً اس عالم کے ساتھ مناسبت ہے اور جملہ افرادِ عالم میں سے ایک ہے اور اس بقا کے ساتھ وہ باقی ہے جس کے ساتھ عالم باقی ہے۔ پس ناچار طالبین مناسبتِ حقیقی کے باعث مجذوب سے زیادہ فائدہ حاصل کر لیتے ہیں اور منتہی مرجوع سے فائدہ کم ہوتا ہے۔ لیکن کمالاتِ ولایت کے مراتب کا فائدہ منتہی کے ساتھ مخصوص ہے، لہذا فائدہ پہنچانے کی کیفیت میں منتہی کا پہلو راجح اور غالب ہے ـــــــ اور اسی طرح منتہی کو حقیقت میں ہمت اور توجہ نہیں ہوتی لیکن مجذوب صاحبِ ہمت و توجہ ہوتا ہے اور اپنی ہمت اور توجہ سے طالب کے کام کو ترقی دے کر آگے بڑھاتا ہے اگرچہ وہ حدِ کمال تک نہیں پہنچا سکتا ـــــــ اور اسی طرح طالبوں کو مجذوبوں سے جو نہایت توجہ حاصل ہوتی ہے وہ روح کی وہی سابقہ توجہ ہے جو انھوں نے فراموش کردی تھی اور ان مجذوبوں کی صحبت میں پھر ان کو یاد آگئی، اور اندراج کے طریقے پر توجہ قلبی حاصل ہوگئی۔ بخلاف اس توجہ کے جو منتہیوں کی صحبت میں حاصل ہوتی ہے کیونکہ وہ توجہ حادث (نئی) ہے جو اس سے پہلے ان میں ہرگز موجود نہ تھی اور وہ روح کی فنا بلکہ اس کے وجودِ حقانی کے ساتھ بقا پر موقوف تھی لہذا لازمی طور پر پہلی توجہ اسہل الحصول (یعنی حاصل ہونے میں زیادہ آسان) ہے اور توجہ ثانی متعسر الوجود (یعنی جس کا وجود دشوار) ہے جو چیز کہ آسان ہوتی ہے وہ زیادہ ہوتی ہے اور جو چیز دشوار ہوتی ہے وہ کم سے کم ہوتی ہے ـــــــ ـــــــ اسی لئے کہا گیا ہے کہ جہتِ جذبہ حاصل کرنے میں شیخ مقتدا کا واسطہ نہیں ہے کیونکہ

وہ نسبت طالب کو پہلے حاصل ہو چکی تھی وہ صرف نسیان کے باعث تنبیہ اور تعلیم کا محتاج ہو گیا ہے لہٰذا ایسے شیخ کو "شیخِ تعلیم" کہتے ہیں نہ کہ "شیخِ تربیت"۔ اور جہتِ سلوک میں سلوک کی منازل طے کرنے کے لئے "شیخِ مقتدا" درکار ہے اور اس کی تربیت ضروری ہے ــــــــ

ــــــ شیخ مقتدا کو چاہئے کہ اس قسم کے مجذوب متمکن کو افادۂ عام کی اجازت نہ دے اور اس کو تکمیل و پیری کے مقام پر نہ بٹھائے کیونکہ طالبوں میں بعض ایسے ہوتے ہیں جن کی استعداد بلند ہوتی ہے اور وہ کمال و تکمیل کی قابلیت اپنے اندر بدرجہ اتم رکھتے ہیں۔ اس مجذوب کی صحبت میں اگر آجائیں تو احتمال ہے کہ ان کی استعداد ضائع ہو جائے اور قابلیت بھی ختم ہو جائے ــــــــ

ــــــ مثلاً وہ زمین جس میں گندم کی کاشت کی عمدہ قابلیت ہے اگر اس میں گندم کا اچھا بیج ڈالا جائے تو بیج کی استعداد کے اندازہ کے مطابق پیداوار اچھی ہوگی اور اگر اس زمین میں خراب گندم یا چنے کا بیج ڈال دیا جائے تو اچھی کاشت تو کجا اس کی پیداوار کی استعداد بھی مسلوب و ضائع ہو جائیگی۔ اور اگر بالفرض شیخ مقتدا اس کو اجازت دینے میں کوئی بہتری و مصلحت دیکھے اور اس میں فائدہ پہنچانے کی کوئی معقولیت پائے تو اس کے افادہ کو بعض شرائط و قیود کے ساتھ مقید کر دے، مثلاً افادہ کے طریق پر طالب کی مناسبت کا ظاہر ہونا اور اس کی صحبت میں طالب کی استعداد کا ضائع نہ ہونا، اور اس اقتدا و ریاست میں اس کے نفس کا سرکش نہ ہونا، کیونکہ تزکیۂ نفس نہ ہونے کی وجہ سے اس سے ہوائے نفسانی زائل نہیں ہوئی ہے۔ اور جب (اس مجذوب متمکن کو) معلوم ہو جائے کہ طالب اس سے انتہائی فائدہ حاصل کر چکا ہے اور اس طالب کی استعداد میں ابھی ترقی کی قابلیت موجود ہے تو اس کو چاہئے کہ اس پر اس معنی کو ظاہر کر کے رخصت کر دے تاکہ وہ اپنا کام کسی دوسرے شیخ سے مکمل اور پورا کر لے، اور اپنے آپ کو منتہی نہ جانے اور اس حیلہ و بہانہ سے لوگوں کی رہزنی نہ کرے، اور اسی طرح کی اور شرائط جو اس کے وقت اور حال کے مناسب ہوں اس کے سامنے بیان کر دے اور ان باتوں کی وصیت کر کے اس کو اجازت دیدے ــــــــ لیکن منتہی مرجوع (الی الخلق) فائدہ اور تکمیل میں ان قیود و شرائط کا محتاج نہیں ہے کیونکہ اس کو جامعیت کی وجہ سے تمام طریقوں کی استعداد اور مناسبت حاصل ہے، لہٰذا ہر شخص اس سے اپنی استعداد اور مناسبت کے لحاظ سے فائدہ اٹھا سکتا ہے اگرچہ شیوخ اور مقتداؤں کی صحبت میں مناسبت کے قوی یا ضعیف ہونے کے

اعتبار سے جلدی یا دیر میں (فیضیاب ہوتے ہیں) فرق ہے لیکن اصل فائدہ پہنچانے میں جملہ مشائخ مساوی الاقدام (برابر) ہیں ——— شیخ مقتدا کے لئے لازم ہے کہ طالب کو فائدہ پہنچانے کے وقت میں حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی بارگاہ میں التجا کرتا رہے اور اس کی حبلِ متین (مضبوط رسی) کو پکڑے رہے اور اس شہرت کے ضمن میں (جس میں مکرو استدراج پوشیدہ ہو) حضرتِ حق سبحانہٗ کے خوف سے پناہ مانگے، اور یہ التجا نہ صرف اس معاملہ میں بلکہ تمام معاملات میں اور تمام اوقات میں حق سبحانہ وتعالیٰ نے اس کو عطا فرمادی ہے جو اوقات میں سے کسی وقت میں اور افعال میں سے کسی فعل میں اس سے جدا نہیں ہوتی: ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ (جمعہ آیت ۴) (یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہے عطا فرمائے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے)۔

مقصدِ ثانی ان معارف کے بیان میں جو سلوک سے تعلق رکھتے ہیں۔

جاننا چاہئے کہ جب کوئی طالب طریقۂ سلوک میں فوق کی طرف متوجہ ہوتا ہے اگر وہ اس اسم تک جو اس کا رب ہے پہنچ جائے اور اس میں فانی و مستہلک ہو جائے تو اس پر فنا کا اطلاق درست ہو جاتا ہے، پھر اس اسم کے ساتھ بقا حاصل ہونے کے بعد بقا کا اطلاق اس پر مسلم ہو جاتا ہے، اور اس فنا و بقا کے حصول کے بعد ولایت کے مرتبۂ اولیٰ (پہلے مرتبہ) کے ساتھ مشرف ہو جاتا ہے لیکن یہاں تفصیل ہے جس کو بسط کے ساتھ بیان کرنا ضروری ہے۔

تمہید: وہ فیض جو ذات تعالیٰ وتقدس کی طرف سے پہنچتا ہے ۲ دو قسم کا ہے ———
ایک قسم وہ ہے جس کا تعلق ایجاد، ابقا، تخلیق، ترزیق، احیا اور امانت (یعنی موجود کرنا، باقی رکھنا، پیدا کرنا، رزق دینا، زندہ کرنا اور مارنا) سے ہے، اسی طرح کی اور بہت مثالیں ہیں ———
اور دوسری قسم وہ ہے جو ایمان، معرفت اور مراتبِ ولایت و نبوت کے جملہ کمالات سے متعلق ہے ——— پہلی قسم: صفات کے ذریعے فیض رسانی ہے اور بس۔ دوسری قسم: بعض کو (فیض) صفات کے ذریعے سے اور بعض کو شیونات کے توسط سے پہنچتا ہے۔ اور صفات و شیونات کے درمیان بہت باریک فرق ہے جو محمدی المشرب اولیاء کے علاوہ کسی پر ظاہر نہیں ہوا اور نہ ہی کسی اور نے اس کی نسبت کلام کیا ——— مختصر یہ کہ "صفات" ذات تعالیٰ وتقدس پر زائد وجود کے ساتھ خارج میں موجود ہیں۔ اور "شیونات" عز سلطانہٗ کی ذات میں صرف اعتبارات کے درجے میں ہیں۔

یہ بحث ایک مثال سے واضح و روشن ہو جاتی ہے۔ مثلاً پانی طبعی طور پر اوپر سے نیچے کو آتا ہے اس کا یہ فعلِ طبعی اس کے اندر حیات، علم، قدرت اور ارادہ کا اعتبار پیدا کرتا ہے، کیونکہ اربابِ علم اپنے ثقل کے واسطے سے اور اپنے علم کے تقاضے کے مطابق اوپر سے نیچے آتے ہیں اور فوق کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ اور علم حیات کا تابع ہے اور ارادہ علم کا تابع، اس طرح قدرت بھی ثابت ہو گئی کیونکہ ارادہ کا استعمال احد المقدورین (دو مقدوروں میں سے ایک کو اختیار کرنا) کی خصوصیت ہے ـــــــ یہ اعتبارات پانی کی ذات میں بمنزلہ شیونات ہیں اگر ان اعتبارات کے باوجود پانی کی ذات میں زائد صفات ثابت ہو جائیں تو وہ وجودِ زائد کے ساتھ صفاتِ موجودہ کی طرح ہوں گے۔ پانی کو اعتباراتِ اولی کی بنیاد پر حی، عالم، قادر اور مرید نہیں کہہ سکتے۔ ان ناموں کے ثابت کرنے کے لئے صفاتِ زائدہ کا ثابت ہونا درکار ہے۔ لہٰذا جو کچھ بعض مشائخ کی عبارت میں پانی کے متعلق مندرجہ بالا اسموں کے ثبوت میں واقع ہوا ہے ان کی بنیاد شیون و صفات میں فرق نہ کرنے کی وجہ سے ہے۔ اور اسی طرح صفات کے وجود کی نفی کا حکم بھی اس فرق کے معلوم نہ ہونے پر محمول ہے ـــــــ اور شیون و صفات کے درمیان دوسرا فرق یہ ہے کہ مقامِ شیون صاحبِ شان کے روبرو ہے اور مقامِ صفات ایسا نہیں ہے ـــــــ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم اور وہ اولیاء رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین جو آپ کے مبارک نقشِ قدم پر ہیں ان کو فیضِ ثانی کا وصول شیونات کے توسط سے ہے اور باقی تمام انبیاء صلوات اللہ تعالیٰ وبرکاتہٗ علی نبینا و علیہم وعلی جمیع اتباعہم اور وہ جماعت جو ان کے نقشِ قدم پر ہے ان کے لئے اس فیض کا حاصل کرنا بلکہ فیضِ اول کا ان کو پہنچنا بھی صفات کے توسط سے ہے ـــــــ لہٰذا ہم کہتے ہیں کہ وہ اسم جو آں سرور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا رب ہے اور فیضِ دوم کے وصول کا واسطہ ہے وہ شان العلم کا ظل ہے اور یہ شان تمام اجمالی و تفصیلی شیون کی جامع ہے اور وہ ظل شانِ علم کے لئے ذات تعالیٰ و تقدس کی قابلیت بلکہ تمام اجمالی و تفصیلی شیون کی قابلیت کے لئے ہے لیکن شانِ علم کے شمول کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے۔

جاننا چاہئے کہ یہ قابلیت اگرچہ ذات عز شانہ اور شان العلم کے درمیان برزخ کا درجہ رکھتی ہے لیکن چونکہ اس کی ایک جہت بے رنگ ہے اور وہ ذات تعالیٰ شانہٗ کی جہت ہے برزخ میں بھی اس کا کوئی رنگ پیدا نہیں ہوتا، لہٰذا وہ برزخ بھی دوسری جہت کے رنگ میں ہے

جو شان العلم کے رنگ سے رنگین ہے پس لازمی طور پر اس کو اس شان کا ظل کہا گیا ہے۔ اور اسی طرح ظلِ شے مرتبۂ دوم میں ظہورِ شے سے عبارت ہے اگرچہ وہ شبہ و مثال ہی کی صورت میں ہو ـــــــ اور چونکہ برزخ کا حصول طرفین کے حصول کے بعد ہے یقیناً یہ برزخ مکاشفہ کے وقت میں اس شان کے تحت منکشف ہوتا ہے، لہذا اس ظہور کے اعتبار سے آخر تک ظلیت کا اطلاق مناسب معلوم ہوتا ہے ـــــــ اور اولیاء اللہ کا ایک وہ گروہ جو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہم وسلم وبارک کے مبارک قدم پر ہے اور وہ اسماء جو ان کے فیضِ ثانی کے وصول میں ان کے ارباب ہیں اس جامع قابلیت کے ظلال ہیں اور اس ظلِّ مجمل کے لئے تفصیل کی مانند ہیں اور باقی تمام انبیا صلوات اللہ تعالیٰ وتسلیماتہ علی نبینا وعلیہم کے ارباب اور ان کے لئے فیضِ اول و ثانی کے وصول کا واسطہ اتصافِ ذات عز سلطانہٗ کی وہ قابلیتیں ہیں جو صفاتِ زائدہ کے ساتھ موجود ہیں ـــــــ اور وہ گروہ جو ان کے نقش قدم پر ہے ان کے ارباب وہ صفات ہیں جو ان کے لئے فیض اول و ثانی کے وصول کے حق میں ہیں، اور آں سرور علیہ وعلی آلہ الصلوات والتسلیمات کے لئے فیضِ اول کے وصول کا واسطہ اور ذریعہ تمام صفات کے ساتھ اتصاف ذات تعالیٰ وتقدس کی قابلیت ہے۔ گویا کہ وہ تمام قابلیتیں جو انبیا صلوات اللہ وبرکاتہٗ علی نبینا وعلیہم کے لئے فیوض کے وسائل ہیں وہ اس قابلیتِ جامع کے ظلال ہیں اور اس جامع مجمل کے لئے تفصیلات کی مانند ہیں ـــــــ اور وہ گروہ جو آنسرور علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والتحیۃ کے مبارک قدم پر ہے ان کے لئے بھی فیضِ اول کے پہنچنے کے لئے ذرائع علیحدہ ہیں کیونکہ وہ صفات ہیں۔ لہذا محمدیوں (محمدی المشرب حضرات) کے لئے فیضِ اول کے وسائل و ذرائع فیضِ ثانی کے وصول کے ذرائع سے جدا ہیں بخلاف دوسروں کے کہ ان کے لئے ایک (ہی ذریعہ یعنی صفات) ہے۔

بعض مشائخ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم نے آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والتحیہ کے رب کو قابلیتِ اتصاف میں منحصر کیا ہے، اس کی وجہ شیون اور صفات کے درمیان فرق نہ ہونا ہے بلکہ مقامِ شیون کا عدمِ علم ہے: وَاللّٰہُ یُحِقُّ الْحَقَّ وَھُوَ یَھْدِی السَّبِیْلَ (اور اللہ تعالیٰ ہی حق کو ظاہر کرتا ہے اور وہی سیدھے راستے کی ہدایت دیتا ہے) ـــــــ لہذا (یہ بات) تحقیق ہو گئی کہ آں سرور علیہ الصلوٰۃ والسلام والتحیہ کا رب مقامِ شیون میں اور خانۂ صفات میں بھی رب الارباب ہے،

اور ہر دو فیض کے وصول کا واسطہ ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مراتبِ ولایت کے کمالات کا فیض پہنچنا (حق تعالیٰ کی) ذات سے امر زائد (اضافی حکم) کے توسط کے بغیر ہے، کیونکہ شیون عین ذاتِ (حق تعالیٰ) ہیں اور ان میں زیادتی کا اعتبار کرنا عقل کے منتزعات (اعتبارات) سے ہے۔ لہذا تجلیٔ ذاتی آپؐ کے لئے مخصوص ہو گئی، اور آپ کے کامل تابعدار چونکہ آپؐ کی راہ سے فیض حاصل کرتے ہیں اس لئے وہ بھی اس مقام سے بہرہ مند ہوتے ہیں اور دوسروں کے لئے چونکہ صفاتی واسطے درمیان میں ہیں اور صفات وجودِ زائد کے ساتھ موجود ہیں لہذا ایک بڑا مضبوط حجاب درمیان میں آ گیا اور تجلیٔ صفاتی ان کے نامزد ہو گئی۔

جاننا چاہئے کہ "قابلیتِ اتصاف" (صفت سے متصف ہونے کی قابلیت) اگرچہ ایک اعتبار ہے لیکن اس کا کوئی وجود زائد نہیں اور چونکہ صفات موجود ہیں نہ کہ ان کی قابلیت، لیکن چونکہ قابلیتیں ذات و صفات بلکہ شیون و صفات کے درمیان برزخ ہیں اور برزخ اپنی دونوں طرف کا رنگ رکھتا ہے اس لئے قابلیتوں نے بھی صفات کا رنگ حاصل کر کے حائلیت (حائل یا مانع ہونا) کی حیثیت اختیار کر لی ہے ؎

فراقِ دوست اگر اندک است اندک نیست درونِ دیدہ اگر نیم مُوست بسیار است

(فراقِ یار اگر کم ہے کم نہیں سمجھو اگر ہے آنکھ میں کچھ بال، کم نہیں جانو)

اس بیان سے واضح ہو گیا کہ ذات تعالیٰ و تقدس کا بے پردہ ظہور تجلیٔ شہودی کے منافی نہیں ہے لیکن تجلیٔ وجودی کے منافی ہے لہذا آں سرور علیہ الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کے لئے کمالاتِ ولایت کے فیضِ (ثانی یعنی شہودی فیض) پہنچنے کی جانب میں کوئی حجاب حائل نہیں ہوا اور فیضِ (اول) وجودی کے حاصل کرنے کی جانب میں حجاب درمیان میں آ گیا جو "قابلیتِ اتصاف" سے ظاہر ہے جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے ________ ایسا نہ کہا جائے کہ جب شیون اور ان کی قابلیتیں عقل کے اعتبار سے ہوں تو ان کا وجود ذہنی ثابت ہوا اور اسی وجہ سے "حجابِ علمی" لازم ہو گیا ________ خلاصۂ کلام یہ کہ صفاتی حجابات خارجی ہیں اور شیون کے حجابات علمی۔ کیونکہ ہم کہتے ہیں کہ موجود ذہنی دو موجود خارجی کے درمیان پردہ نہیں ہو سکتا بلکہ موجود خارجی کے لئے صرف موجود خارجی ہی پردہ ہو سکتا ہے۔ اور اگر اس کو تسلیم بھی کر لیں تو بعض معارف کے حاصل ہونے سے علمی حجابات کا درمیان سے

اُٹھ جانا ممکن ہے بخلاف خارجی کے کہ اس کا زائل ہونا ممکن نہیں۔

جب یہ مقدمات معلوم ہو گئے تو جاننا چاہئے کہ (سالک) اگر محمدی (المشرب) ہے تو اس کے سیر کی انتہا جو سیر الی اللہ سے موسوم ہے اس شان کے ظل تک ہے جو اس کا اسم ہے اور اس اسم میں فنا ہونے کے بعد فنا فی اللہ سے مشرف ہو جاتا ہے اور اگر اس کو اس اسم کے ساتھ بقا حاصل ہو گئی تو اس کو بقا باللہ بھی میسر ہو جاتی ہے اور وہ اس فنا و بقا کے ساتھ ولایتِ خاصہ محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیہ کے مرتبۂ اولیٰ میں داخل ہو جاتا ہے۔ اور اگر محمدی مشرب نہیں ہے تو صرف صفت کی قابلیت کے ساتھ یا نفسِ صفت تک پہنچا ہے جو اس کا رب ہے۔ اور اگر وہ اس اسم میں فانی ہو جائے تو اس پر فانی فی اللہ کا اطلاق نہیں کرنا چاہئے ——— اور اسی طرح اس اسم کے ساتھ بقا کی صورت میں وہ باقی باللہ بھی نہیں ہے کیونکہ اسم "اللہ" اس مرتبہ سے مراد ہے جو تمام شیون و صفات کا جامع ہے اور چونکہ شیون کی جہت میں زیادتی صرف اعتباری ہے اس لئے وہ عین ذات ہیں اور ایک دوسرے کا بھی عین ہیں (یعنی وہ امر اعتباری عقلی ہے نہ کہ موجود وجودِ خارجی)۔ لہٰذا ایک اعتبار میں فنا ہونا تمام اعتبارات میں بلکہ ذات تعالیٰ و تقدس میں فنا ہونا ہے، اسی طرح ایک اعتبار میں بقا ہونا تمام اعتبارات میں بقا ہونا ہے۔ پس اس صورت میں فانی فی اللہ اور باقی باللہ کہنا درست ہو جاتا ہے بخلاف صفات کی جانب کے جو ذات (تعالیٰ) پر وجود زائدہ کے ساتھ موجود ہیں۔ ان کی مغایرت ذات عز سلطانہ کے ساتھ اور (آپس میں) ایک دوسرے کے ساتھ تحقیقی ہے نہ کہ اعتباری۔ لہٰذا ایک صفت میں فانی ہونا تمام صفات میں فانی ہونے کو مستلزم نہیں ہے اور اسی طرح بقا کا حال ہے۔ لہٰذا مجبوراً اس فانی کو فانی فی اللہ اور باقی کو باقی باللہ نہیں کہنا چاہئے بلکہ مطلق فانی اور باقی کہہ سکتے ہیں، یا کسی ایک صفت کے ساتھ مقید کر کے کہہ سکتے ہیں (جیسے) علم کی صفت میں فانی ہے یا صفتِ علم کے ساتھ باقی ہے۔ لہٰذا ناچار محمدیوں (محمدی مشرب) کی فنا سب سے اتم اور ان کی بقا سب سے اکمل ہے۔

اسی طرح محمدی (مشرب) کا عروج چونکہ شیون کی جانب ہے اور شیون کو عالم کے ساتھ کچھ بھی مناسبت نہیں ہے کیونکہ عالم صفات کا ظل ہے نہ کہ شیون کا ظل، لہٰذا سالک کا ایک شان میں فنا ہونا اس کی فنائے مطلق کو مستلزم ہو گیا اس طرح پر کہ سالک کے وجود کی بقا اور اس کا کچھ اثر باقی نہ رہے گا۔ اور اسی طرح بقا کی صورت میں کامل طور پر اس شان کے ساتھ باقی ہو جاتا ہے

بخلاف فانی فی الصفات کے کہ جو مکمل طور پر اپنے سے باہر نہیں آتا اور اس کا اثر زائل نہیں ہوتا کیونکہ کیونکہ سالک کا وجود اسی صفت کا اثر ہے اور اسی کا ظل ہے، لہذا اصل کا ظہور ظل کے وجود کو مکمل طور پر محو کرنے والا (نیست و نابود کرنے والا) نہیں ہوتا اور بقا بھی فنا کے اندازہ کے مطابق ہوتی ہے لہذا محمدی (مشرب) بشری صفات کی طرف لوٹ آنے سے مامون و محفوظ ہوتا ہے اور رَدّ کے خوف سے محفوظ ہو جاتا ہے کیونکہ وہ کُلّی طور پر اپنے آپ سے نکل کر حق سبحانہٗ کے ساتھ بقا حاصل کر چکا ہے ـــــــ اس مقام میں عَود (رجوع کرنا) محال ہے بخلاف فنائے صفاتی کی صورت کے کیونکہ اس جگہ وجودِ سالک کا اثر باقی رہنے کی وجہ سے عَود کرنا ممکن ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ مشائخ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے درمیان (صفاتِ بشری کی طرف) واصل کے رجوع کرنے کے جواز یا عدم جواز میں جو اختلاف ہے وہ اسی سبب سے ہو، لیکن حق یہ ہے کہ اگر وہ محمدی (مشرب) ہے تو عود سے محفوظ ہے ورنہ معاملہ خطرہ میں ہے ـــــــ اور اسی طرح وہ اختلاف جو (مشائخ کے درمیان) سالک کی فنا کے بعد وجودِ سالک کے اثر کے زوال پذیر ہونے میں ہے۔ بعض (مشائخ) زوالِ عین و اثر کے قائل ہیں (یعنی وہ ذات و صفات منکے زوال کے قائل ہیں) اور بعض نے اثر کے زوال کو جائز قرار نہیں دیا۔ اس معاملے میں بھی (حق بات جاننے کے لئے) تفصیل کی ضرورت ہے ـــــــ اگر (وہ شخص) محمدی (مشرب) ہے تو عین و اثر دونوں کو گم کر دیتا ہے اور اگر وہ غیر (محمدی مشرب) ہے تو اس (کے وجود) کا اثر زائل نہیں ہوتا کیونکہ وہ صفت جو اس کی اصل ہے وہ باقی ہے لہذا اس کے ظل کا بالکلیہ زوال ممکن نہیں۔

یہاں ایک نازک نکتہ ہے ـــــ جاننا چاہئے کہ عین و اثر کے زوال سے مراد زوالِ شہودی ہے نہ کہ وجودی۔ کیونکہ زوالِ وجودی کا قول الحاد و زندقہ (بے دینی) کو لازم آتا ہے۔ اور اس گروہ کی ایک جماعت نے زوالِ وجودی تصور کیا ہے اور ممکن کے اثر کے زوال سے اعراض کیا ہے اور اس کو الحاد و زندقہ سمجھ لیا ہے لیکن حق بات وہی ہے جس کو میں نے حق سبحانہٗ کے اطلاع دینے پر تحقیق کیا ہے۔

تعجب ہے کہ (یہ لوگ) زوالِ وجودی کے قائل ہونے کے باوجود زوالِ عین کے بھی قائل ہو گئے ہیں کیونکہ عینِ وجود کے زوال کا حکم کرنا اثر کے زوال کے رنگ میں مستلزم الحاد و زندقہ ہے۔ ـــــــ مختصر یہ کہ زوالِ وجودی عین و اثر میں محال ہے اور زوالِ شہودی ہر دو میں ممکن بلکہ

واقع ہے لیکن (بے زوال) محمدی مشرب والوں کے لئے مخصوص ہے، کیونکہ محمدی (مشرب والے) کُلّی طور پر قلب سے نکل کر مقلبِ قلب (حق تعالیٰ) تک پہنچ جاتے ہیں اور احوال کے بدلنے سے محفوظ ہیں اور غیرِ حق کی غلامی سے مکمل طور پر آزاد ہیں، اور دوسروں کو چونکہ وجودِ آثار دامنگیر ہے، نیز احوال کی تبدیلی ان کا نقدِ وقت ہے، اس لئے مقامِ قلب سے خلاصی نہیں پا سکتے، کیونکہ ان کا وجود آثار اور تبدیلیٔ احوال حقیقتِ جامعہ قلبیہ کے نور کی شاخوں میں سے ہے۔ لہذا دوسروں کا شہود ہمیشہ پردہ میں ہوگا کیونکہ جسقدر بھی سالک کے وجود کا بقیہ حصہ ثابت ہے مطلوب کا پردہ بھی اسی قدر ہے اور جب اثر باقی ہے تو وہی اثر پردہ ہے۔

معرفت: اگر سالک غیر متعارف سلوک کے راستے سے مراتبِ فوق کے اسم میں سے کسی مرتبہ میں پہنچے جو اس کا رب ہے، اور بغیر اس کے کہ اس اسم میں پہنچے اس مرتبہ میں (پہنچنے سے پہلے ہی) فانی اور مستہلک ہو جائے تو ایسی حالت میں بھی فنائے فی اللہ کہنا درست ہے اور یہی حال اس مرتبہ میں بقا کا ہے۔ لہذا اس اسم کے ساتھ فنا فی اللہ کی تحقیق اس اعتبار سے ہے کہ تمام فناؤں کے مراتب میں سے یہ پہلا مرتبہ ہے۔

معرفت: سلوک کی کئی قسمیں ہیں: بعض[۱] کا سلوک جذبہ پر مقدم ہے، اور بعض[۲] کا جذبہ سلوک پر مقدم ہے۔ اور ایک[۳] جماعت کو سلوک کی منزلیں طے کرنے کے دوران جذبہ حاصل ہو جاتا ہے، اور ایک جماعت کو سلوک کی منازل کا طے کرنا تو میسر ہو جاتا ہے لیکن وہ جذبہ کی حد تک نہیں پہنچتے۔ جذبہ کا (سلوک پر) مقدم ہونا صرف محبوبوں کے لئے ہے اور باقی قسمیں محبین سے تعلق رکھتی ہیں ——— محبوں کے راہِ سلوک طے کرنے سے مراد دس مشہور مقامات کی ترتیب و تفصیل کے ساتھ طے کرنا ہے، اور محبوبوں کے سلوک میں دس مقامات کا خلاصہ حاصل ہو جاتا ہے ان کو ترتیب و تفصیل سے کوئی سروکار نہیں ——— وحدتِ وجود اور اس کے مانند احاطہ و سریان اور معیتِ ذاتیہ کا علم جذبۂ مقدم یا متوسط کے ساتھ وابستہ ہے، لیکن سلوکِ خالص اور منتہی حضرات کے جذبہ کو اس قسم کے علوم سے کوئی مناسبت نہیں ہے جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا۔ اور منتہی حضرات کے حق الیقین کو بھی توحیدِ وجودی کے ساتھ مناسبت رکھنے والے علوم سے کوئی مناسبت نہیں ہے۔ جس جگہ بھی اربابِ توحیدِ وجودی کے مقام کے مناسب حق الیقین کا بیان کیا گیا ہے

وہ مجذوبانِ مبتدی یا متوسط کا حق الیقین ہے (نہ کہ منتہی حضرات کا حق الیقین)۔

معرفت: بعض مشائخ نے فرمایا ہے کہ جب طالب کا کام جذبہ تک پہنچ جاتا ہے تو پھر جذبہ ہی اس کا رہبر بن جاتا ہے اور بس۔ یعنی اس کو کسی دوسرے رہبر کے توسط کی ضرورت نہیں بلکہ وہی جذبہ اس کے لئے کافی ہے۔ اگر اس جذبہ سے سیر فی اللہ کا جذبہ مراد ہے تو بس یہ کافی ہے لیکن لفظ "رہبر" اس ارادہ کے منافی ہے کیونکہ سیر فی اللہ کے بعد کوئی مسافت (سیر) نہیں ہے کہ جس کے طے کرنے کے لئے وہ رہبر کا محتاج ہو، اور اسی طرح جذبۂ متقدم بھی مراد نہیں ہے جیسا کہ عبارت سے متبادر (بظاہر) مفہوم ہوتا ہے (یعنی جذبۂ متقدم مطلقاً انجامِ کار سلوک کی طرف لے جائے یا نہ لے جائے وہ جذبہ ہے) لہذا ناچار جذبۂ متوسط ہی مراد ہوگا لیکن وہ مطلوب کے وصول کی پوری کفالت کرتا ہوا معلوم نہیں ہوتا۔ کیونکہ بہت سے متوسط اس جذبہ کے حصول کے وقت فوق کی طرف عروج کرنے سے رہ جاتے ہیں اور اسی جذبہ کو جذبۂ نہایت سمجھ لیتے ہیں، اگر یہ (جذبہ) کافی ہوتا تو (ان کو) راستہ میں نہ چھوڑ دیتا۔ ہاں چونکہ جذبۂ مقدم کا تعلق محبوبوں سے ہے اگر کافی حاصل ہو جائے تو بھی گنجائش رکھتا ہے کیونکہ محبوبوں کو محض عنایت کے قلابہ (حلقہ) سے اپنی طرف کھینچ لیتے ہیں اور راستہ میں نہیں چھوڑتے، لیکن یہ کفایت تمام متقدم جذبات کے حق میں بھی ممنوع ہے صرف وہ جذبہ جو انجام کار سلوک کی طرف کھینچ لے وہی کافی ہے۔ اور اگر وہ سلوک تک نہیں آیا تو یہ مجذوب ابتر (بے نصیب) ہے اور محبوبوں میں سے نہیں ہے۔

خاتمہ

مشائخ کرام قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے ایک گروہ نے کہا ہے کہ تجلیٔ ذاتی شعور کو زائل کرنے والی اور حواسِ ظاہرہ کو معطل کرنے والی ہے، ان میں سے بعض نے اپنے حال کی نسبت ایسا کہا ہے کہ اس تجلیٔ ذاتی کے ظہور کے وقت ایک عرصہ تک وہ بے حس و حرکت پڑے رہے اور لوگوں نے ان کو مُردہ خیال کر لیا۔ اور بعض دوسروں نے تجلیٔ ذات میں کلام کرنے اور اس کے سوا سے منع کیا ہے

——— اس بات کی حقیقت یہ ہے کہ تجلیٔ ذات اسماء میں سے ایک اسم کے پردہ میں ہے، اور پردہ کا باقی رہنا صاحبِ تجلی کے وجود کے اثر کی بقا کے باعث ہے اور وہ بے شعوری اس بقیہ (اثر کے) واسطہ سے ہے اگر وہ کُلّی طور پر فانی ہو جاتا اور بقاباللہ سے مشرف ہو جاتا تو وہ تجلی اس کو ہرگز بے شعور نہ کرتی ؎

یُحْرَقُ بِالنَّارِ مَنْ یَّمَسُّ بِھَا وَمَنْ ھُوَ النَّارُ کَیْفَ یُحْرَقُ

(جو چھوئے آگ وہ جلادے گی جو ہو خود آگ اُسے جلائے کون؟)

(اس شعر میں) پہلا شخص جو آگ کو چھونے والا ہے اس لئے آگ اس کو چھوتے ہی جلادے گی اور لاشے (نیست و نابود) کردے گی۔ اور دوسرا وہ شخص ہے جو عین آگ ہے اس لئے آگ آگ کو کیسے جلائے گی ـــــ بلکہ ہم کہتے ہیں کہ جو تجلی کسی پردے میں ہوتی ہے وہ تجلئ ذات نہیں ہے بلکہ تجلئ صفات میں داخل ہے، کیونکہ تجلئ ذات جو آنحضرت علیہ الصلوۃ والسلام والتحیۃ کے لئے مخصوص ہے وہ تجلی بے پردہ ہے، اور پردہ کی علامت بے شعوری ہے اور بے شعوری دُوری کی وجہ سے ہے اور بے پردگی کی دلیل شعور ہے اور شعور کمالِ حضور کی شان ہے ـــــــــ ایک بزرگ علیہ الغفران (اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے) اس تجلی بالاصالت والاستقلال (جو اصالت اور استقلال کے ساتھ ہے) کے بارے میں اس طرح خبر دی ہے اور کہا ہے ؎

موسیٰؑ زہوش رفت بیک پرتو صفات تو عینِ ذات می نگری در تبسّمی

(اک پرتوِ صفات سے موسیٰؑ نے کھوئے ہوش اور آپؐ عینِ ذات بھی دیکھیں تو مسکرائیں)

اور یہی تجلئ ذاتی جو بے پردہ ہے محبوبوں کو دائمی طور پر حاصل ہے اور محبوں کے لئے برقی (کیفیت رکھتی) ہے، کیونکہ محبوبوں کے ابدان (اجسام) نے ان کی ارواح کا رنگ اختیار کرلیا ہے اور وہ نسبت کُلّی طور پر ان میں سرایت کرگئی ہے اور محبوں میں یہ سرایت کہیں کہیں ہے (ہر کسی کو میسر نہیں)۔ ـــــــ اور جو کچھ کہ حدیثِ نبوی علیہ من الصلوۃ اتمہا ومن التحیات اکملہا میں واقع ہوا ہے لِیْ مَعَ اللّٰہِ وَقْتٌ[1] (مجھ کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک خاص وقت حاصل ہے) اس (حدیث) میں وقت سے مراد یہ برقی تجلی نہیں ہے کیونکہ یہ تجلی آں سرور علیہ الصلوۃ والسلام کے حق میں جو تمام مرادوں اور محبوبوں کے بادشاہ ہیں دائمی ہے بلکہ "وقت" سے اس دائمی تجلی کی ایک خاص قسم کی خصوصیت مراد ہے جو بر سبیلِ قلّت (بہت کم) حاصل ہوتی تھی، جیسا کہ اربابِ (طریقت) پر پوشیدہ نہیں ہے۔

معرفت: مشائخ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے اس حدیث لِیْ مَعَ اللّٰہِ وَقْتٌ لَا یَسَعُنِیْ فِیْہِ مَلَکٌ مُّقَرَّبٌ وَّلَا نَبِیٌّ مُّرْسَلٌ (مجھ کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک ایسا وقت حاصل ہے کہ جس میں

[1] اس حدیث کی تخریج سے متعلق دفتر اول مکتوب ۹۹ میں گذر چکی ہے۔

کسی مقرب فرشتہ اور نبی مرسل کی گنجائش نہیں) کی وضاحت میں دو گروہ ہیں، ایک گروہ نے "وقت" سے دائمی وقت مراد لیا ہے اور دوسرا گروہ ندرتِ وقت (شاذ و نادر) کا قائل ہے۔ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ استمرارِ وقت (دائمی حضور) کے باوجود شاذ و نادر وقت بھی متحقق ہے۔ جیسا کہ پیشتر) اس کی طرف اشارہ کیا جا چکا ہے ——— اور اس حقیر کے نزدیک اس نادر "وقت" کی تحقیق نماز ادا کرنے کے وقت میں ہے۔ شاید کہ آں سرور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حدیث شریف قُرَّةُ عَيْنِي فِي الصَّلٰوةِ[۱] (میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں ہے) میں اسی کی طرف اشارہ فرمایا ہے ———

نیز اسی طرح آں سرور علیہ الصلوٰۃ والسلام والتحیہ نے فرمایا: اَقْرَبُ مَا يَكُوْنُ الْعَبْدُ مِنَ الرَّبِّ فِي الصَّلٰوةِ[۲] (سب سے زیادہ قرب بندہ کو اپنے رب سے نماز میں ہوتا ہے) ——— اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ (علق آیہ ۱۹ پ ۹۶) (سجدہ کر اور قرب حاصل کر) ——— لہٰذا اس وقت میں کہ جب قربِ الٰہی جل شانہٗ زیادہ حاصل ہوتا ہے اس وقت میں غیر کی گنجائش ہرگز نہیں ہوگی ———

——— اور جو کچھ کہ بعض مشائخ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم نے فرمایا ہے اور اپنے حال کی قوت اور اس کے دائمی ہونے کی اس طرح خبر دی ہے: "یعنی میرا حال نماز میں بھی ویسا ہی ہوتا ہے جیسا کہ نماز سے قبل ہوتا ہے"۔ پس احادیث مذکورہ بلکہ نص مذکورہ مساوات اور استمرار کی نفی کرتی ہیں۔

جاننا چاہئے کہ استمرارِ وقت تحقیق شدہ ہے۔ بات صرف یہ ہے کہ استمرار کے باوجود حالتِ نادرہ بھی واقع ہوئی ہے یا نہیں۔ ایک جماعت جس کو ندرتِ وقت کی اطلاع نہیں دی گئی وہ اس کی نفی کے قائل ہو گئے اور دوسری جماعت جس کو اس مقام سے بہرہ ور کیا گیا انھوں نے اس نادر وقت کا اقرار کر لیا ——— اور سچی بات یہ ہے کہ جس شخص کو آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کے طفیل نماز میں جمعیت عطا کی گئی ہو اور اس قرب کی دولت میں سے تھوڑا سا حصہ عطا کیا گیا ہو وہ بہت ہی کم ہیں۔ رَزَقَنَا اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ بِكَمَالِ كَرَمِهٖ نَصِيْبًا مِّنْ هٰذَا الْمَقَامِ بِحُرْمَةِ مُحَمَّدٍ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهِ الصَّلٰوةُ وَالتَّحِيَّةُ وَالسَّلَامُ (اللہ سبحانہٗ اپنے کمال کرم سے حضرت محمد رسول اللہ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والتحیۃ والسلام کے طفیل ہم کو بھی اس مقام سے حصہ عطا فرمائے (آمین)۔

---

[۱] رواہ النسائی والحاکم [۲] رواہ المسلم عن ابی ہریرہؓ

معرفت: صفات کے منتہی حضرات، علوم و معارف میں مجذوبوں سے نزدیک ہیں اور شہود کی دولت میں بھی دونوں کی شان یک رنگ ہے، کیونکہ دونوں اربابِ قلوب میں سے ہیں، البتہ اتنا فرق ہے کہ اربابِ صفات تفاصیل سے مطلع ہیں بخلاف مجذوبوں کے (کہ وہ تفاصیل سے مطلع نہیں) ـــــ اور اسی طرح اربابِ صفات سلوک اور فوق کی طرف عروج کرنے کی وجہ سے ان مجذوبوں کی نسبت جنھوں نے عروج نہیں کیا زیادہ قرب رکھتے ہیں، لیکن اصل کی محبت ان (مجذوبوں) کی دامنگیر ہے اگرچہ حجاب درمیان میں ہے۔ کیا عجب ہے اگر اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ (آدمی اسی کے ساتھ ہے جس سے وہ محبت کرتا ہے) کے تحت مجذوبوں میں بھی اصلی قرب و معیت کا اعتبار کیا جائے کیونکہ مجذوب بھی محبت میں محمدیوں کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں، اگرچہ محبتِ ذاتی میں حجابات حائل ہیں لیکن مجذوبوں میں بھی محبت پائی جاتی ہے۔

معرفت: اس گروہِ (صوفیا) کے بعض لوگوں کی عبارت میں واقع ہے کہ اقطاب کے لئے تجلیٔ صفات ہے اور افراد کے لئے تجلیٔ ذات۔ یہ بات غور طلب ہے کیونکہ قطب محمدی مشرب ہوتا ہے اور محمدیوں کے لئے تجلیٔ ذات ہے۔ ہاں اس (تجلیٔ ذات) میں بھی بہت فرق ہے۔ وہ قرب جو افراد کو حاصل ہے اقطاب کو نہیں ہے، لیکن دونوں کو تجلی ذات سے حصہ حاصل ہے، ہاں اگر ہم یہ کہیں کہ قطب سے مراد قطبِ ابدال ہے جو کہ حضرت اسرافیلؑ کے قدم پر ہوتا ہے نہ کہ حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قدم مبارک پر (تو پھر یہ بات درست ہے)۔

معرفت: اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ (بیشک اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو اپنی صورت پر پیدا فرمایا)۔ اللہ تعالیٰ بے چون و بے چگونہ (بے مثل و بے کیف) ہے، اس نے آدم (علیہ السلام) کی روح کو بھی جو آدم کا خلاصہ ہے بے چون و بے چگون کی صورت پر پیدا کیا۔ لہٰذا جس طرح کہ حق سبحانہٗ و تعالیٰ لامکانی ہے روح بھی لامکانی ہوئی، اور روح کو بدن کے ساتھ وہی نسبت ہے جو حق تعالیٰ و تقدس کو عالم کے ساتھ ہے کہ نہ عالم میں داخل ہے نہ خارج ہے، نہ متصل ہے نہ منفصل۔ اور قیومیت (یعنی تدبیر و تصرف کی نسبت) سے زیادہ اور کوئی نسبت مفہوم نہیں ہوتی۔ روح بدن کے ذرات میں سے ہر ذرہ کی منتظم اور درست رکھنے والی ہے جس طرح کہ اللہ تعالیٰ "قیوم عالم" (یعنے مدبر و متصرف) ہے، بدن کے لئے اللہ تعالیٰ کی قیومیت، روح کی قیومیت کے واسطے سے ہے۔ جو فیض بھی حق تعالیٰ کی طرف سے

وارد ہوتا ہے اس فیض کا محلِ ورود اولاً اور ابتداءً روح ہے، پھر روح کے واسطے سے وہ فیض بدن کو پہنچتا ہے اور جبکہ روح بے چونی و بے چگونگی کی صورت پر پیدا کی گئی ہے تو لازمی طور پر بے چون و بے چگونِ حقیقی کی اس میں گنجائش ہوگئی: (جیسا کہ اس حدیث شریف سے ثابت ہے) لَا یَسَعُنِیْ اَرْضِیْ وَلَا سَمَائِیْ وَلٰکِنْ یَسَعُنِیْ قَلْبُ عَبْدِیَ الْمُؤْمِنُ (میری گنجائش نہ میری زمین رکھتی ہے اور نہ میرا آسمان، البتہ میری گنجائش میرے مومن بندہ کا قلب ہے) ——— کیونکہ آسمان و زمین اسقدر وسعت و فراخی کے باوجود دائرہ مکان میں داخل ہیں اور چونی و چگونی کے داغ سے داغدار ہیں اس لئے لامکانی کی جو چندی و چونی (کمیت و کیفیت اور مقدار) سے مقدس اور پاک ہے گنجائش نہیں رکھتے، کیونکہ لامکانی مکان میں سمانے کی گنجائش نہیں رکھتی، اور بے چون، چون میں آرام حاصل نہیں کر سکتا، تو لامحالہ عبدِ مؤمن کے قلب میں جو لامکانی اور چندی و چونی سے پاک و مبرا ہے گنجائش متحقق ہوگئی ———

——— مؤمن بندے کے قلب کی خصوصیت اسی بنا پر ہے کہ غیر مومن کامل کا قلب لامکانی کی بلندی سے نیچے آچکا ہے اور چندی و چونی میں گرفتار ہو کر اس کا حکم اختیار کر چکا ہے، لہٰذا اس نزول اور گرفتاری کی وجہ سے دائرۂ مکانی میں داخل ہوگیا ہے اور چونی پیدا کر کے اس قابلیت کو ضائع کر دیا ہے: اُولٰئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ (اعراف آیۃ ۱۷۹) (یہ لوگ چوپایوں کی مانند ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ گئے گذرے) ——— جن مشائخ نے اپنے وسعتِ قلب کی نسبت خبر دی ہے تو ان کی مراد قلب کی لامکانیت ہوگی کیونکہ مکان خواہ کتنا ہی فراخ اور وسیع ہو پھر بھی تنگ ہی ہے۔ عرش اپنی عظمت و فراخی کے باوجود چونکہ مکانی ہے اس لئے لامکانی (روح) کے مقابلے میں رائی کے دانے کا حکم رکھتا ہے بلکہ اس سے بھی کم تر ——— بلکہ ہم کہتے ہیں کہ یہ قلب چونکہ انوارِ قدم (ازل) کی تجلی کا محل بن چکا ہے اور قدیم (یعنی حق تعالیٰ) کے ساتھ بقا حاصل کر چکا ہے اس لئے عرش اور جو کچھ اس میں ہے اگر اس میں ڈال دیئے جائیں تو محو اور لاشے ہو جائیں اور ان کا کوئی اثر باقی نہ رہے جیسا کہ سید الطائفہ (جنید بغدادیؒ) نے اس مقام پر فرمایا ہے کہ "جب مُحْدَثْ (فانی) قدیم کے ساتھ مل جائے تو اس کا کوئی اثر باقی نہیں رہتا"۔

یہ ایک ایسا یکتا لباس ہے جو خاص روح کے قد پر سیا گیا ہے۔ ملائکہ کو بھی یہ خصوصیت حاصل نہیں ہے کیونکہ وہ بھی دائرہ مکان میں داخل ہیں اور چون سے متصف ہیں اسی لئے انسان

خلیفۂ رحمٰن جل سلطانہٗ قرار پایا۔ ہاں صورتِ شئے ہی خلیفۂ شئے ہوتی ہے، جبتک شئے (اصل) کی صورت پر مخلوق (پیدا) نہ کی گئی ہو (اس وقت تک) اصل شئے کی خلافت کے شایاں نہیں ہو سکتی اور جبتک خلافت کے لائق نہ ہو اصل کی امانت کا بوجھ نہیں اٹھا سکتی۔ لَا یَحْمِلُ عَطَایَا الْمَلِکِ اِلَّا مَطَایَاہٗ (بادشاہوں کے عطیات اس کی سواریاں ہی اُٹھا سکتی ہیں)۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَۃَ عَلَی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَیْنَ اَنْ یَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ اِنَّهٗ کَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا (احزاب آیت ۷۲) (بیشک ہم نے امانت کو آسماں، زمین اور پہاڑوں پر پیش کیا تو انھوں نے اس کے اُٹھانے سے انکار کر دیا اور ڈر گئے (لیکن) انسان نے اس کو اٹھا لیا بیشک وہ بڑا ظالم اور جاہل ہے) ———— (یعنی انسان) اپنے نفس پر اس حیثیت سے بہت ظلم کرنے والا ہے کہ اپنے وجود اور توابع وجود کا کوئی اثر اور حکم باقی نہیں چھوڑتا اور زیادہ نادان اور جاہل اس اعتبار سے ہے کہ اس کو اپنے مقصود سے متعلق کچھ ادراک نہیں اور نہ ہی اس کو اتنا علم ہے کہ اپنے مطلوب کی نسبت معلوم کر سکے، بلکہ اس مقام میں ادراک سے عاجز ہونا ہی ادراک ہے اور جہالت کا اعتراف ہی معرفت ہے البتہ جس کو اللہ تعالیٰ کی معرفت زیادہ ہو گی وہ سب سے زیادہ حیرت میں ہوگا۔

تنبیہ: اگر بعض عبارات میں کوئی ایسا لفظ واقع ہو جائے جس سے حق تعالیٰ وتقدس کی شان میں ظرفیت و مظروفیت ہونے کا وہم ہوتا ہو تو اس کو میدانِ عبارت کی تنگی پر محمول کرنا چاہیے اور کلام کی مراد کو علماء اہل سنت کی آراء کے مطابق سمجھنا چاہیے۔

معرفت: عالم خواہ صغیر (انسان) ہو یا کبیر (مجموعۂ کائنات) سب اسماء اور صفاتِ الٰہیہ تعالیٰ شانہٗ کے مظاہر ہیں اور اس سبحانہٗ وتعالیٰ کے شیون و کمالاتِ ذاتیہ کے آئینے ہیں، اور وہ سبحانہٗ وتعالیٰ ایک مخفی خزانہ تھا اور ایک پوشیدہ راز تھا اس نے چاہا کہ پوشیدگی سے ظہور میں جلوہ گر ہو اور اپنے آپ کو اجمال سے تفصیل میں لائے (چنانچہ اس نے) عالم کو پیدا کیا تاکہ اپنی اصل پر دلالت کرے اور اپنی حقیقت پر علامت ہو۔ لہٰذا عالم کو اپنے صانعِ بے چون کے ساتھ اس کے سوا کوئی نسبت نہیں کہ عالم (دنیا) اس کی مخلوق ہے، اور اس تعالیٰ وتقدس کے پوشیدہ کمالات پر دلیل ہے۔ اور اس نسبت کے علاوہ ہر حکم اتحاد و عینیت اور احاطہ و معیت وغیرہ

سب سُکرِ وقت اور غلبۂ حال کی قسم سے ہیں ——— مستقیم الاحوال اکابر جنھوں نے ان کے صحو (ہوش) کے جام سے ایک گھونٹ پی لیا ہے وہ بھی ان علوم سے بیزار اور استغفار کرتے ہیں، اگرچہ ان میں سے بعض کو راہِ سلوک کے دوران یہ علوم بھی حاصل ہو جاتے ہیں لیکن آخر کار ان علوم سے گزار دیتے ہیں اور علومِ شریعت کے مطابق ان پر علومِ لَدُنّی وارد فرماتے ہیں۔

اس بحث کی تحقیق کے لئے ہم ایک مثال بیان کرتے ہیں: ایک نہایت ہوشیار عالم صاحبِ فنون جب چاہتا ہے کہ اپنے پوشیدہ کمالات کے خزانے کو ظہور کے میدان میں لائے اور اپنے پوشیدہ فنون کو بر ملا ظاہر کرے تو وہ حروف و اصوات (آواز) کو ایجاد کرتا ہے تاکہ ان حروف و آواز کے پردوں میں ان کمالات کے جلووں کو ظاہر کرکے اپنے فنون کا اظہار کرے۔ لہٰذا ایسی صورت میں یہ حروف و اصوات اس کے پوشیدہ معانوں پر دلالت کرنے والے ہوں گے۔ لیکن اس عالِم موجد کے ساتھ ان کو اس کے علاوہ کوئی نسبت نہیں کہ وہ عالِم ان کا موجد ہے اور یہ سب اس کے پوشیدہ کمالات پر دلالت کرنے والے ہیں۔ اور حروف و اصوات کو اس عالِم موجد کا عین یا ان معانی کا عین کہنا کوئی معنی نہیں رکھتا ——— اور اسی طرح احاطہ و معیت کا حکم کرنا بھی اس واقعہ میں غیر متحقق ہے۔ معانی اپنی اسی پوشیدہ سادگی میں ہیں۔ ہاں جس طرح معانی اور صاحبِ معانی اور حروف و اصوات کے درمیان دال اور مدلول ہونے کی نسبت موجود اور متحقق ہے، اسی لئے بعض معانی زائدہ غیر واقع تخیل میں آجاتے ہیں ——— حقیقت میں وہ عالِم اور اس کے پوشیدہ معانی اس نسبتِ زائدہ سے منزہ و مبرا ہیں اور یہ حروف و اصوات خارج میں موجود ہیں نہ یہ کہ وہ عالِم اور معانی موجود ہیں اور وہ حروف و اصوات محض اوہام و خیالات ہیں۔ پس عالَم (جو ماسوا اللہ سے مراد ہے) وجودِ ظلّی اور کونِ تبعی کے ساتھ خارج میں موجود ہے نہ کہ عالَم اوہام و خیالات ہے ——— یہ مذہب بعینہٖ سوفسطائی مذہب کے مطابق ہے جو عالَم کو اوہام و خیالات جانتا ہے اور کہتا ہے کہ عالَم میں حقیقت کو ثابت کرنا عالَم کو اوہام و خیالات سے نہیں نکالتا، اور اس صورت میں حقیقت موجود ہوگی نہ کہ عالَم۔ کیونکہ عالَم اس حقیقتِ مفروضہ کے علاوہ ہے۔

تنبیہ: عالَم کا اس تعالیٰ کے اسماء و صفات کا مظہریت اور مرائیت (ظاہر ہونا اور آئینہ ہونے) سے مراد یہ ہے کہ وہ اسماء و صفات کی صورتوں کا مظہر اور آئینہ ہے نہ کہ اسماء و صفات کے آئینے۔

کیونکہ اسم بھی مسمیٰ کے مانند کسی آئینے میں محدود نہیں ہو سکتا، اور صفت بھی (اپنے بے مثل) موصوف کی طرح کسی مظہر میں مقید نہیں ہو سکتی ؎

در تنگنائے صورت معنی چگونہ گنجد در کلبۂ گدایاں سلطاں چہ کار دارد

(صورت کے تنگ گھر میں معنی کہاں سمائے منگتے کی جھونپڑی کیوں بادشاہ جائے)

معرفت: آں سرور علیہ الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کی کامل تابعداری کرنے والے اگرچہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کی اتباع کی برکت سے اس تجلئ ذات سے جو بالاصالت آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خاصہ ہے بہرہ مند ہیں اور باقی تمام انبیاء علی نبینا وعلیہم الصلوات والتحیات والتسلیمات کے لئے تجلیاتِ صفات ہیں، اور تجلئ ذات تجلئ صفات سے اشرف ہے۔ لیکن جاننا چاہیے کہ انبیاء علی نبینا وعلیہم الصلوات والتحیات کو تجلیاتِ صفات میں قُرب کے وہ مراتب حاصل ہیں جو اس امت کے کامل تابعداروں کو بطریقِ تبعیت تجلی ذاتی حاصل ہونے کے باوجود حاصل نہیں ہیں۔ ـــــــــ مثلاً کوئی شخص "جمالِ آفتاب" کی محبت میں عروج کے مدارج طے کرتا ہوا سورج تک پہنچ جائے اور سورج اور اس کے درمیان سوائے ایک باریک پردے کے کچھ بھی حائل نہ رہے۔ اور ایک دوسرا شخص جو "ذاتِ آفتاب" کی محبت کے باوجود ان مراتب تک عروج کرنے سے عاجز ہو اگرچہ اس شخص کے اور آفتاب کے درمیان کوئی پردہ حائل نہ ہو تو اس میں کوئی شک نہیں کہ پہلا شخص آفتاب سے زیادہ نزدیک ہے اور اس کے کمالات دقیقہ کو زیادہ جاننے والا ہے۔ پس جس کو قرب زیادہ حاصل ہے وہ معرفت میں بھی زیادہ فاضل تر ہے ـــــــ لہٰذا اس امت کے اولیاء میں سے جو کہ "خیر الامم" ہے کوئی ولی اپنے پیغمبر کی افضلیت کے باوجود انبیاء میں سے کسی نبی کے مرتبہ تک نہیں پہنچ سکتا، اگرچہ اس (ولی) کو اپنے پیغمبر کی متابعت کی وجہ سے اس مقام سے جس کے ساتھ اس کو افضلیت حاصل ہے بہرہ مند ہو چکا ہو، کیونکہ کُلّی فضیلت صرف انبیاء کرام کو حاصل ہے اور اولیاء ان کے طفیلی ہیں ـــــ ہم اسی مضمون پر اپنے کلام کو ختم کرتے ہیں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ سُبْحَانَهٗ عَلٰى ذٰلِكَ وَعَلٰى جَمِيْعِ نَعْمَائِهٖ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى اَفْضَلِ اَنْبِيَائِهٖ وَعَلٰى جَمِيْعِ الْاَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ وَالْمَلٰٓئِكَةِ الْمُقَرَّبِيْنَ وَعَلَى الصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصّٰلِحِيْنَ (اس نعمت اور تمام نعمتوں پر اللہ سبحانہٗ کی حمد ہے اور انبیاء میں سے افضل نبی اور تمام انبیاء و مرسلین وملائکۃ المقربین، صدیقین شہداء اور صالحین پر صلوٰۃ وسلام ہو)۔

مکتوب ۲۸۸
دو صد و ہشتاد و ہشتم

سید انبیا سارنگپوری[1] کی طرف صادر فرمایا ــــــ عاشورا، شبِ قدر اور شب برأت وغیرہ میں نوافل (نماز) کو باجماعت ادا کرنے سے منع کرنے اور اس کے مناسب بیان میں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ شَرَّفَنَا بِمُتَابَعَةِ سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ وَجَنَّبَنَا عَنِ ارْتِكَابِ الْمُبْتَدَعَاتِ فِی الدِّيْنِ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ قَمَعَ بُنْيَانَ الضَّلَالَةِ وَرَفَعَ اَعْلَامَ الْهِدَايَةِ وَعَلٰی اٰلِهِ الْاَبْرَارِ وَصَحْبِهِ الْاَخْيَارِ (شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان اور بڑا رحم والا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی حمد ہے کہ اس نے ہم کو سید المرسلین (صلی اللہ علیہ وسلم) کی متابعت سے مشرف فرمایا۔ اور دین میں بدعات کے ارتکاب سے بچایا، اور آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جنھوں نے گمراہیوں کی بنیادوں کا قلع قمع کیا اور ہدایت کے جھنڈوں کو بلند کیا، اور آپ کی آل ابرار اور اصحاب اخیار پر صلوۃ وسلام ہو) ــــــ جاننا چاہئے کہ اس زمانے میں اکثر خواص وعوام نوافل کے ادا کرنے میں تو بہت زیادہ اہتمام کرتے ہیں اور فرض نماز (ں) میں سستی کرتے ہیں اور ان (فرائض) میں سنن و مستحبات کی رعایت بھی بہت کم کرتے ہیں۔ نوافل کو عزیز جانتے ہیں، اور فرائض کو ذلیل وخوار۔ بہت کم لوگ ایسے ہیں جو فرائض کو مستحب وقتوں میں ادا کرتے ہوں۔ جماعتِ مسنونہ کی تکثیر (کثرت) میں بلکہ نفسِ جماعت کی بھی کوئی پابندی نہیں کرتے، اور نفسِ فرائض کو غفلت و سستی کے ساتھ ادا کرنے کو غنیمت جانتے ہیں لیکن عاشورا (دسویں محرم) کے دن اور شبِ برأت اور ماہِ رجب کی ستائیسویں شب اور ماہِ مذکور (رجب) کے اول جمعہ کی شب کو جس کا نام انھوں نے لیلۃ الرغائب (ماہِ رجب کی پہلی شبِ جمعہ) رکھا ہے نہایت اہتمام کر کے نوافل کو بہت بڑی جمعیت کے ساتھ باجماعت ادا کرتے ہیں اور اس کو نیک و مستحسن خیال کرتے ہیں اور نہیں جانتے کہ یہ (نوافل کو اہتمام کے ساتھ باجماعت ادا کرنا) شیطان کا مکر و فریب ہے جو کہ سیئات کو حسنات کی صورت میں ظاہر کرتا ہے۔ (جیسا کہ) ــــــ (۱) شیخ الاسلام مولانا عصام الدین ہروی شرح وقایہ کے حاشیہ میں فرماتے ہیں کہ نوافل کو باجماعت

نوافل باجماعت ادا کرنے کی ممانعت

[1] آپ کے نام دو مکتوبات ہیں دفتر اول مکتوب ۲۴۵-۲۸۸ باقی حالات معلوم نہ ہوسکے۔ مولانا نسیم احمد فریدی نے آپ کا نام سید غلام انبیا لکھا ہے۔

ادا کرنا اور فرضوں کی جماعت کو ترک کرنا شیطان کا مکر و فریب ہے ——— (۲) جاننا چاہئے کہ نوافل کو کامل جمعیت اور جماعت کے ساتھ ادا کرنا مذمومہ و مکروہہ بدعتوں میں سے ہے اور ان (بدعتوں) میں سے ہے جن کے متعلق حضرت رسالت خاتمیت علیہ من الصلوۃ افضلہا و من التسلیمات اکملہا نے فرمایا ہے مَنْ اَحْدَثَ فِیْ دِیْنِنَا ھٰذَا فَھُوَ رَدٌّ [۱] (جس کسی نے ہمارے اس دین میں نئی بات نکالی وہ ردّ (مردود) ہے) ———

——— (۳) جاننا چاہئے کہ نوافل کو جماعت کے ساتھ ادا کرنا بعض فقہی روایتوں کی رو سے مطلق طور پر مکروہ ہے اور دوسری روایات میں کراہت تداعی و تجمیع (یعنی اعلان و اجتماع) کے ساتھ مشروط کہا گیا ہے۔ اگر تداعی کے بغیر ایک ۲ دو آدمی مسجد کے گوشہ میں نفل (نماز) جماعت سے ادا کریں تو یہ بغیر کراہت کے جائز ہے، تین آدمیوں (کی جماعت) میں مشائخ کا اختلاف ہے اور بعض روایات میں چار آدمیوں کی جماعت بالاتفاق مکروہ ہے اور بعض دوسری روایات میں اصح یہ ہے کہ مکروہ ہے ———

(۴) فتاویٰ سراجیہ [۲] میں ہے کہ "تراویح اور کسوف (سورج گرہن) کی نماز کے علاوہ دیگر نوافل کو باجماعت ادا کرنا مکروہ ہے" ——— (۵) اور فتاویٰ غیاثیہ میں شیخ الامام سرخسی [۳] رحمۃ اللہ سبحانہ نے فرمایا کہ رمضان کے علاوہ نماز نوافل کو جماعت سے ادا کرنا جبکہ تداعی (اعلان) کے طریق پر ہو مکروہ ہے لیکن جب ایک یا دو آدمی اقتدا کریں تو مکروہ نہیں اور تین میں اختلاف ہے اور چار میں بلا اختلاف مکروہ ہے ——— (۶) اور (فقہ کی مشہور کتاب) خلاصہ میں ہے کہ نفلوں کی جماعت جب تداعی کے طریق پر ہو تو مکروہ ہے لیکن اگر اذان و اقامت کے بغیر گوشہ مسجد میں ادا کی جائے تو مکروہ نہیں ———

——— (۷) اور شمس الائمہ حلوانی [۴] رح نے کہا ہے کہ جب امام کے علاوہ تین آدمی ہوں تو بالاتفاق

۱؎ بخاری و مسلم بروایت حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

۲؎ از تصنیف سراج الدین اوشی بن عثمان بن محمد رح۔ مصنف نے فتاویٰ سراجیہ میں بعض ایسے نادر مسائل بیان کئے ہیں جن سے اکثر کتب خالی ہیں۔ فتاوی مذکور کی تکمیل مقام اوش ماہ محرم سنہ ۹۶۵ھ میں ہوئی۔

۳؎ آپ کا نام محمد بن احمد بن سہل ابوبکر شمس الائمہ سرخسی رح ہے، آپ امام، علامہ، حجت الاسلام، متکلم، مناظر اور علم اصول کے ماہر اور مسائل میں مجتہد تھے۔ ایک مدت تک شمس الائمہ حلوانی کی خدمت میں رہے، سنہ ۴۹۰ یا سنہ ۵۰۰ھ میں وفات پائی۔ بادشاہ وقت خاقان کو نیکی کی تلقین کی پاداش میں قید کر دیا چنانچہ اوزجند کی جیل میں مبسوط کی پندرہ جلدیں تصنیف فرمائیں۔ سرخس خراسان میں ہے۔

۴؎ آپ کا نام عبدالعزیز بن احمد بن نصر بن صالح بخاری حنفی حلوانی ہے۔ آپ کے والد حلوے کی تجارت کرتے تھے اور فقراء کو بغیر قیمت حلوا دیتے تھے اور ان فقراء سے فرماتے کہ میرے بیٹے کے لئے دعا کرو۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے شمس الائمہ کو بہت اونچا مقام عطا فرمایا۔ اگر حلوانی شہر کی طرف نسبت ہو تو یہ لفظ حلوائی کی بجائے حلوانی ہوگا۔ سنہ ۴۴۸ھ یا سنہ ۴۴۹ھ میں وفات پائی۔

مکروہ نہیں، اور چار میں اختلاف ہے اور اصح یہی ہے کہ مکروہ ہے ——— اور فتاویٰ شافیہ میں ہے کہ ماہِ رمضان کے علاوہ نوافل کو جماعت سے ادا نہ کریں اور نوافل کو تداعی کے طور پر یعنی اذان اور اقامت کے ساتھ ادا کرنا مکروہ ہے لیکن ایک یا دو آدمی اقتدا کر لیں جو تداعی کے طور پر نہ ہوں تو مکروہ نہیں، اور اگر تین اقتدا کریں تو اس میں مشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ کا اختلاف ہے اور اگر چار آدمی اقتدا کریں تو بالاتفاق مکروہ ہے۔

اس قسم کی اور بھی بہت سی روایتیں ہیں اور فقہ کی کتابیں ان سے بھری ہوئی ہیں، اور اگر کوئی ایسی روایت مل جائے جس میں عدد کا ذکر نہ ہو اور اس سے مطلق طور پر نفل نماز کو جماعت سے ادا کرنا جائز ثابت ہوتا ہو تو اس کو مقید پر محمول کرنا چاہئے جو دوسری روایات میں واقع ہے اور مطلق سے مقید مراد لینا چاہئے اور جواز کو دو یا تین پر منحصر کرنا چاہئے کیونکہ علماءِ حنفیہ اگرچہ اصول میں مطلق کو اپنے اطلاق پر ہی رکھنے کے قائل ہیں اور مقید پر حمل نہیں کرتے لیکن روایات میں مطلق کو مقید پر حمل کرنا جائز بلکہ لازم جانتے ہیں ——— اور اگر ہم بفرضِ محال حمل نہ بھی کریں اور اطلاق پر ہی رہنے دیں جبکہ یہ مطلق قوتِ (ثبوت) میں مقید کے برابر ہو تو وہ اس مقید کا معارض ہوگا حالانکہ قوت میں مساوات ممنوع ہے کیونکہ کراہت کی روایتیں باوجود کثرت کے مختار اور مفتیٰ بہا ہیں، برخلاف اباحت کی روایتوں کے۔ اور اگر دونوں کی مساوات تسلیم کر لی جائے تو ہم کہتے ہیں کہ کراہت و اباحت کے دلائل باہم متعارض ہونے کی صورت میں کراہت ہی کو ترجیح ہے کیونکہ احتیاط کی رعایت اسی میں ہے جیسا کہ اصولِ فقہ کے جاننے والوں کے نزدیک مقرر ہے ——— پس وہ لوگ جو روزِ عاشورا و شبِ برات اور لیلۃ الرغائب (ماہِ رجب کی پہلی شبِ جمعہ) میں نمازِ نوافل کو باجماعت ادا کرتے ہیں اور دو دو سو یا تین تین سو یا اس سے کم و بیش آدمی مساجد میں جمع ہوتے ہیں اور اس نماز و اجتماع اور جماعت کو مستحسن خیال کرتے ہیں، ایسے لوگ باتفاقِ فقہاء امرِ مکروہ کے مرتکب ہیں ——— اور مکروہ کو مستحسن جاننا بڑے گناہوں میں سے ہے کیونکہ حرام کو مباح جاننا کفر تک پہنچا دیتا ہے اور مکروہ کو حَسَن، نیک اور بہتر سمجھنا ایک درجہ اس سے کم ہے۔ اس فعل کی برائی کو اچھی طرح ملاحظہ کرنا چاہئے ———

اور کراہت کے رفع کرنے کے بارے میں ان کے پاس سند عدمِ تداعی ہے، ہاں عدمِ تداعی بعض روایات کے مطابق کراہت کو دفع کرتی ہے لیکن ایک یا دو (مقتدیوں) کے ساتھ مخصوص ہے اور وہ بھی اس شرط پر کہ

گوشۂ مسجد میں ہو۔ وَبِدُوْنِهَا خَرْطُ الْقَتَادِ (اس کے علاوہ بے فائدہ رنج اٹھانا ہے)۔

تداعی سے مراد نفل نماز کے ادا کرنے کے لئے ایک دوسرے کو خبر دینا ہے، اور یہ معنی ان جماعتوں میں متحقق ہیں جو عاشورا وغیرہ کے دن قبیلہ قبیلہ ایک دوسرے کو خبر کرتے اور بلاتے ہیں کہ فلاں شیخ یا فلاں عالم کی مسجد میں جانا چاہیئے اور نفل نماز جماعت سے ادا کرنی چاہیئے، اور اس فعل کو بطریق عادت ادا کرتے ہیں۔ اس قسم کی اطلاع دینا اذان واقامت سے بھی ابلغ (زیادہ بڑھ کر) ہے۔ پس تداعی بھی ثابت ہو گئی۔ اگر تداعی کو اذان واقامت پر ہی مخصوص رکھیں جیسا کہ بعض روایات میں واقع ہوا ہے اور اس سے اذان واقامت کی حقیقت مراد لیں تو پھر بھی جواب وہی ہے جو اوپر گذر چکا کہ (ایسی نماز) ایک یا دو (مقتدی) کے ساتھ مخصوص ہے وہ بھی دوسری شرط کے ساتھ جو اوپر مذکور ہو چکی ہے (یعنی مسجد کے گوشہ میں ہو)۔

جاننا چاہیئے کہ چونکہ ادائے نوافل کی بنیاد اخفاء وتستّر (پوشیدگی) پر ہے اس لئے نوافل میں ریا و سمعہ کا گمان ہو سکتا ہے، اور جماعت اخفا کے منافی ہے اور فرائض کے ادا کرنے میں اظہار و اعلان مطلوب ہے کیونکہ یہ ریا وسمعہ کی آمیزش سے پاک ہے پس ان کا جماعت کے ساتھ ادا کرنا مناسب ہے۔

علاوہ بریں ہم یہ کہتے ہیں کہ کثرتِ اجتماع فتنہ پیدا ہونے کا محل ہے یہی وجہ ہے کہ نمازِ جمعہ ادا کرنے کے لئے سلطان یا اس کے نائب کا حاضر ہونا شرط قرار دیا گیا ہے تاکہ فتنہ پیدا ہونے سے امن رہے۔ اور ان مکروہ جماعتوں میں بھی فتنہ پیدا ہونے کا قوی احتمال ہے پس یہ اجتماع بھی مشروع نہ ہوگا بلکہ منکر اور ممنوع ہوگا۔ حدیث نبوی علیہ من الصلوات افضلہا ومن التسلیمات اکملہا اَلْفِتْنَةُ نَائِمَةٌ لَعَنَ اللّٰهُ مَنْ اَيْقَظَهَا[1] (فتنہ سویا ہوتا ہے جو اس کو جگاتا ہے اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہوتی ہے)۔

پس اسلام کے والیوں، قاضیوں اور محتسبوں پر لازم ہے کہ اس طرح کے اجتماع سے (لوگوں کو) منع کریں اور اس بارے میں بہت ہی زجر و تنبیہ کریں تاکہ یہ بدعت جس سے فتنہ برپا ہونے کا اندیشہ ہے جڑ سے اکھڑ جائے۔ وَاللّٰهُ يُحِقُّ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيْلَ (اور اللہ تعالیٰ ہی حق کو ثابت کرتا ہے اور وہی سیدھے راستے کی ہدایت دیتا ہے)۔

---

[1] علامہ محمد مراد مکیؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو امام رافعیؒ نے حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کیا ہے۔

مکتوب ۲۸۹ (عربی)

دوصد و ہشتاد و نہم

مولانا بدرالدین[1] کی طرف صادر فرمایا ـــــ قضا و قدر کے اسرار اور اس کے مناسب بیان میں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ط تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں کہ جس نے قضا و قدر کے اسرار کو اپنے خاص بندوں پر منکشف فرمایا اور عوام کی نظر سے اس راز کو اس لئے پوشیدہ رکھا تاکہ وہ راہِ راست اور میانہ روی سے بھٹک نہ جائیں۔ اور صلوٰۃ و سلام ہو اس ذاتِ عالی پر کہ جس کے توسط سے حق تعالیٰ نے اپنی حجتِ بالغہ کو کامل و مکمل کر دیا اور ان کی وجہ سے نافرمانوں اور ہلاک ہونے والوں کے چھوٹے حیلے ٹوٹ گئے اور ان کے نیکوکار آل و اصحاب اور ان پرہیزگاروں پر بھی جو قدر پر ایمان لائے اور قضا پر راضی ہوئے۔

اس (حمد و صلوٰۃ) کے بعد واضح ہو کہ مسئلہ قضا و قدر (کی تحقیق) میں اکثر لوگ حیرت اور گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں، اور اکثر ناظرین پر اس مسئلہ کے وہم و خیال غالب رہتے ہیں حتی کہ جو کچھ افعال، بندہ سے اختیار کے ساتھ صادر ہوتے ہیں ان کے بارے میں بعض (یعنی جبریہ) نے کہا ہے کہ یہ محض جبر ہے اور بعض (یعنی قدریہ) بندہ کے افعال کو خدائے واحد و قہار کی طرف منسوب نہیں کرتے۔ ان دونوں گروہوں (یعنی جبریہ و قدریہ) میں سے ہر ایک نے اعتقاد میں جو کہ صراطِ مستقیم اور راہِ راست ہے (اعتدال اور میانہ روی کو چھوڑ کر) افراط و تفریط کو اختیار کر لیا ہے۔ اور اس اعتدال و میانہ روی کے راستے سے فرقۂ ناجیہ نے موافقت کی ہے جو کہ اہل سنت و جماعت رضی اللہ تعالیٰ عنہم و عن اسلافہم و اخلافہم ہیں، لہذا ان حضرات نے افراط و تفریط کو چھوڑ کر اعتدال و میانہ روی کو اختیار کیا ہے۔ قضا و قدر کے اسرار

حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے حضرت امام جعفر صادق بن محمد (باقر) رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے دریافت کیا کہ اے فرزند رسول اللہ ﷺ! کیا اللہ تعالیٰ نے کوئی امر (معاملہ) اپنے بندوں کے سپرد کر دیا ہے؟ انھوں نے جواب میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس بات سے عظیم اور برتر ہے، کہ اپنی ربوبیت کو اپنے بندوں کے سپرد کر دے ـــ پھر (امام ابو حنیفہؒ نے) عرض کیا کہ کیا اللہ تعالیٰ نے اس پر

[1] آپ کے نام چار مکتوبات ہیں دفتر اول مکتوب ۲۸۹-۲۹۷ دفتر دوم مکتوب ۴۰ دفتر سوم مکتوب ۳۱۔ مولانا بدرالدین سرہندی حضرت مجددؒ کے ہم وطن اور اجل خلفا میں سے تھے۔ پندرہ سال کی عمر میں حضرت مجددؒ سے بیعت کی اور سترہ سال خدمت میں رہے اور تکمیل سلوک کے بعد خلافت پائی۔ آپ کی کئی تصانیف ہیں ان میں سے حضرات القدس بہت مشہور و مقبول ہے۔ تاریخ ولادت و وفات معلوم نہ ہو سکے۔

بندوں کو مجبور پیدا کیا ہے؟۔ (امام جعفر صادقؓ نے) فرمایا کہ یہ بات بھی اللہ تعالیٰ کی شانِ عدالت سے بعید ہے کہ بندوں کو پہلے کسی بات پر مجبور کردے پھر اُن کو اس پر عذاب دے۔ پھر عرض کیا کہ اس معاملہ کی اصل حقیقت کیا ہے؟ (امام جعفر صادقؓ نے) فرمایا کہ (حقیقتِ معاملہ) اس کے بین بین ہے، نہ بالکل جبر ہے نہ تفویض (بالکل مختار) اور نہ اکراہ (مجبور کرنا) ہے نہ تسلیط (کسی حکم کا مُسلط کردینا)۔ ــــــ (حضرت مجدد صاحبؒ فرماتے ہیں) اسی لئے اہلِ سنت نے فرمایا کہ بندوں کے اختیاری افعال خلق و ایجاد کی حیثیت سے حق تعالیٰ کی قدرت کی طرف منسوب ہیں اور دوسری حیثیت یعنی کسب و اکتساب کی رو سے بندوں کی قدرت کی طرف منسوب ہیں۔ لہذا بندوں کی حرکت کو حق تعالیٰ کی قدرت کی طرف نسبت کے اعتبار سے مخلوق اور ایجاد کہتے ہیں اور بندہ کی قدرت کے ساتھ ربط اور تعلق کے اعتبار سے کسب و اکتساب کہتے ہیں۔

(لیکن اہلِ سنت میں سے امام ابوالحسن) اشعریؒ کا رجحان اس طرف ہے کہ بندوں کے اختیار کو ان کے افعال میں کچھ دخل نہیں ہے لیکن تحقیق یہ ہے کہ حق سبحانہٗ بطریق جری العادت (یعنی عادت اللہ اسی طرح جاری ہے) کہ ان (بندوں) کے اختیار کے بعد ان کے افعال کو وجود میں لے آتا ہے۔ اسی لئے ان (امام ابوالحسن اشعریؒ) کے نزدیک قدرتِ حادثہ (بندے کا اختیار) کوئی تاثیر نہیں رکھتی۔ اور یہ مذہب جبر کی طرف مائل ہے اسی لئے اس کو "جبر المتوسط" کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے ـــــــ اور استاذ ابو اسحاق اسفرائنیؒ نے فرمایا ہے کہ اصل فعل اور حصولِ فعل میں قدرتِ حادثہ کی تاثیر کو دخل ہے اور (بندے کا فعل) دونوں قدرتوں (یعنی اللہ تعالیٰ کی قدرت اور بندے کی قدرت) کے مجموعے سے وجود میں آتا ہے۔ اور انھوں نے اثرِ واحد کے لئے دو مختلف جہتوں کے لحاظ سے دو مؤثروں کا جمع ہونا جائز قرار دیا ہے۔ ـــــــ اور قاضی ابوبکر الباقلانیؒ وصفِ فعل میں قدرتِ حادثہ (بندے کی قدرت) کی تاثیر کے بایں طور قائل ہیں جبکہ فعل کو طاعت و معصیت (دونوں) کے ساتھ موصوف کردیا جائے۔

اور اس بندۂ ضعیف کے نزدیک مختار یہ ہے کہ اصلِ فعل اور وصفِ فعل دونوں میں (بیک وقت) قدرتِ حادثہ کی تاثیر کو دخل ہے، کیونکہ قدرتِ حادثہ کی تاثیر کے بغیر وصف میں تاثیر کے کوئی معنی نہیں۔ کیونکہ وصف کا اثر اصل پر متفرع ہوتا ہے۔ لیکن وہ اصل فعل کی تاثیر پر ایک زائد تاثیر کا محتاج ہے، کیونکہ وصف کا وجود اصل کے وجود پر زائد ہے، اور بندے کی قدرت کی تاثیر کے قول میں کوئی محذور گناہ نہیں ہے ـــ اگرچہ یہ بات اشعری پر گراں ہوگی، کیونکہ قدرتِ حادثہ میں تاثیر کا وصف بھی اللہ سبحانہٗ

کی ایجاد سے ہے جیساکہ "نفسِ قدرت" بھی اس بزرگ تعالیٰ کی ایجاد سے ہے اور قدرتِ حادثہ کی تاثیر کا قول وہی ہے جو صواب کے نزدیک ہے ——— اور اشعری کا مذہب فی الحقیقت دائرۂ جبر میں داخل ہے کیونکہ ان کے نزدیک بندے کا حقیقت میں کوئی اختیار نہیں ہے اور نہ ہی اس کی قدرتِ حادثہ میں کوئی تاثیر ہے مگر یہ کہ جبریہ کے نزدیک فعلِ اختیاری کو بھی فاعل کی طرف حقیقی طور پر منسوب نہیں کیا جاتا بلکہ مجازی طور پر نسبت کرتے ہیں۔ لیکن اشعری کے نزدیک فاعل (یعنی بندہ) کے ساتھ حقیقتاً نسبت کی جاتی ہے، اگرچہ اس کے لئے خاص طور پر کوئی اختیار ثابت نہیں۔ کیونکہ فعل حقیقی طور پر بندے کی قدرت کی طرف منسوب ہوتا ہے خواہ یہ قدرت کسی درجہ میں مؤثر ہو۔ جیساکہ اشعری کے علاوہ اہلِ سنت کا مذہب ہے، یا مدارِ محض ہو جیساکہ اس (اشعری) کا مذہب ہے۔ اور اسی فرق کے اعتبار سے اہلِ حق کا مذہب اہلِ باطل کے مذہب سے ممتاز ہو جاتا ہے۔ لیکن فعل کا فاعل سے حقیقی طور پر نفی کرنا اور مجازی طور پر اس کا اثبات کرنا جیساکہ جبریہ کا مذہب ہے کفرِ محض اور بدیہی امر کا انکار ہے۔

صاحبِ تمہید[۱] نے فرمایا ہے کہ جبریہ میں سے بعض اس بات کے قائل ہیں کہ بندے سے کسی فعل کا صادر ہونا ظاہری اور مجازی طور پر ہے حقیقتاً اس کو کوئی استطاعت و طاقت حاصل نہیں ہے بلکہ بندہ ایک درخت کی مانند ہے کہ جب ہوا اس کو حرکت دیتی ہے تو وہ متحرک ہو جاتا ہے۔ اسی طرح بندہ بھی درخت کی طرح مجبورِ محض ہے اور یہ قول کفر ہے اور جس نے ایسا اعتقاد رکھا وہ کافر ہو گیا ——— ——— اور نیز (صاحبِ تمہید نے) یہ بھی فرمایا کہ جبریہ میں ان کے قول کے مطابق بندوں (کے اپنے افعال میں سے کوئی فعل حقیقتاً نہ خیر ہے نہ شر، اور (بندے) جو کچھ کرتے ہیں ان کا فاعل وہی حق سبحانہٗ ہے، یہ بھی کفر ہے۔

اگر کوئی سوال کرے کہ جب بندہ کی قدرت کے لئے افعال میں کوئی تاثیر نہیں اور نہ حقیقتاً اس کو کوئی اختیار ہے تو پھر اشعری کے نزدیک بندہ کی طرف حقیقتاً افعال کی نسبت کرنے کے کیا معنی ہیں؟ ——— ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ اگرچہ بندے کی قدرت افعال کے صدور میں کوئی تاثیر نہیں ہے لیکن حق سبحانہٗ نے اس کو وجودِ افعال کا مدار بنا دیا ہے اس طریقہ پر کہ حق تعالیٰ اپنی عادتِ جاریہ کے مطابق بندوں کو افعال کی طرف ان کے اپنے اختیار اور قدرت صرف کر دینے کے فوراً بعد افعال کو پیدا

[۱] یعنی ابوالمعین میمون بن محمد النسفی الحنفی المتوفی ۵۰۸ھ (کشف الظنون)۔

اور بندہ کی قدرت وجود افعال کے لئے علّتِ عادیہ بن جاتی ہے۔ لہٰذا اس طرح عادت کے طور پر افعال کے صادر ہونے میں قدرت کا خاص دخل ثابت ہے کیونکہ افعال بندے کی قدرت کے بغیر عادۃً وجود میں نہیں آسکتے اگرچہ افعال کے صادر ہونے میں اس کی کوئی تاثیر ثابت نہیں ہے، لہٰذا علّتِ عادیہ کے اعتبار سے بندوں کے افعال کو حقیقتاً ان کی طرف نسبت کی جاتی ہے اور مذہبِ اشعری کی تصحیح میں کلام کی نہایت یہی ہے۔ لیکن اب بھی یہ کلام محلِ تامّل ہے۔

جاننا چاہیئے کہ اہلِ سنت قدر (تقدیر) پر ایمان رکھتے ہیں اور اس امر کے قائل ہیں کہ قدر خواہ خیر ہو یا شر، شیریں ہو یا تلخ، سب اللہ سبحانہٗ کی طرف سے ہے کیونکہ قدر و تقدیر کے معنی احداث اور ایجاد کے ہیں اور معلوم ہے کہ سب امور کا محدث اور موجد اللہ سبحانہٗ ہے اور اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے: لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ (انعام آیت ۱۰۲) نہیں کوئی معبود مگر وہ جو ہر چیز کا خالق ہے پس اسی کی عبادت کرو) —— اور معتزلہ اور قدریہ نے قضا و قدر کا انکار کیا اور انھوں نے دعویٰ کیا ہے کہ بندوں کے افعال محض بندے کی قدرت کی وجہ سے وجود میں آتے ہیں۔ اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر اللہ سبحانہٗ شر کا فیصلہ کرے اور پھر اس پر عذاب دے تو یہ بات اس ذاتِ عالی کی طرف سے جور و ستم ہے اور یہ قول ان کی جہالت کا باعث ہے کیونکہ حق سبحانہ کی قضا بندے سے قدرت اور اختیار کو سلب نہیں کرتی بلکہ اس طرح قضا فرماتی ہے کہ بندہ اپنے اختیار کے ساتھ اس کو کرے یا نہ کرے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ ایسی قضا (بندے کے) اختیار کو لازم اور واجب قرار دیتی ہے اور اس کے اختیار کو ثابت کرتی ہے وہ ہرگز اس کے منافی نہیں ہے[ص] کیونکہ قضا کے اعتبار سے حق سبحانہٗ و تعالیٰ کے افعال یا تو واجب ہیں یا ممتنع۔ کیونکہ اگر قضا وجود سے متعلق ہے تو واجب ہے اور اگر عدمِ وجود سے ہے تو ممتنع ہے۔ لہٰذا اگر اختیار کے ساتھ فعل کا واجب ہونا اختیار کے منافی ہوتا تو باری تعالیٰ اپنے افعال میں خود مختار نہ رہے گا۔ اور یہ بات کفر ہے —— اور یہ بات کسی پر پوشیدہ نہیں ہے کہ اس بات کا قائل ہونا کہ بندے کے لئے کمالِ ضعف کے باوجود اپنے افعال کی ایجاد میں مستقل طور پر قدرت تسلیم کرنا نہایت بے وقوفی ہے اور کمال نادانی اس کا منشا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ ماوراء النہر کے مشائخ شکر اللہ تعالیٰ سعیہم نے اس مسئلہ میں ان (معتزلہ و قدریہ) کی تضلیل (گمراہی) کے بارے میں بہت مبالغہ کیا ہے اور یہاں تک کہہ دیا کہ مجوس کا حال ان کے حال سے بہتر ہے، کیونکہ مجوس نے ایک شریک کے

[ص] اور (معتزلہ کا قول) حق تعالیٰ کے افعال کے بھی خلاف ہے۔

علاوہ دوسرے کا اثبات نہیں کیا اور معتزلہ نے بے شمار شریک ثابت کر دیئے ہیں ——— اور جبریہ نے دعویٰ کیا ہے کہ بندہ کا ہرگز اس کا اپنا کوئی فعل نہیں ہے، نہ قدرت، نہ ارادہ اور نہ اختیار۔ اس کی حرکات جمادات کی طرح ہیں، اور کہا ہے کہ بندے کو نہ تو اس کے اچھے کام پر کوئی ثواب دیا جائے گا اور نہ بُرے کام پر کوئی عذاب کیا جائے گا اور کفار اور گنہگار لوگ معذور ہیں اس لئے ان سے کوئی باز پرس نہ ہوگی کیونکہ تمام افعال اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں اور بندہ اس میں مجبورِ محض ہے، اور یہ قول بھی کفر ہے۔ اور یہ گروہ مرجیہ ملعون ہے، کیونکہ یہی لوگ کہتے ہیں کہ معصیت کوئی ضرر نہیں پہنچاتی اور عاصی کو کوئی سزا نہیں ہوگی۔

اور حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: لُعِنَتِ الْمُرْجِئَةُ عَلٰى لِسَانِ سَبْعِيْنَ نَبِيًّا[1] (مرجئہ ستر انبیاء کی زبان سے لعنت کئے گئے ہیں) ——— اور ان کا مذہب ظاہر طور پر باطل ہے اس لئے کہ "حرکتِ بطش" (اپنے اختیار سے حرکت دینے) اور "حرکتِ ارتعاش" (مرضِ رعشہ سے حرکت پیدا ہونے) میں فرق ظاہر ہے۔ اور ہم یہ بات قطعی طور پر جانتے ہیں کہ پہلی حرکت اختیاری ہے اور دوسری غیر اختیاری ——— نصوصِ قطعیہ بھی اس مذہب کی نفی کرتی ہے جیسا کہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے: جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (واقعہ ۵۶ آیت ۲۴) (یہ ان اعمال کی جزا ہے جو وہ کرتے تھے) اور نیز حق تعالیٰ نے فرمایا: فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ (کہف ۱۸ آیت ۲۹) (جو شخص چاہے مومن بن جائے اور جو چاہے کافر بن جائے) وغیرہ۔

اور جاننا چاہیئے کہ اکثر لوگ اپنی کم ہمتی اور ناقص نیتوں کی وجہ سے حیلے اور عذر تلاش کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اپنے نفس سے آخرت کے سوال و جواب کو نکال دیں اور باز پرس سے بچ جائیں۔ لہٰذا وہ اشعری کے مذہب بلکہ جبریہ کے مذہب کی طرف مائل ہیں۔ اور کبھی وہ اس بات کا دعویٰ کرتے ہیں کہ بندے کو حقیقتاً کوئی اختیار حاصل نہیں اور فعل کی نسبت بھی اس کی طرف مجازاً ہے۔ اور کبھی بندے کے ضعفِ اختیار کے قائل ہوتے ہیں جس سے جبر لازم آتا ہے ——— اور اسی طرح اس مقام میں بعض صوفیہ کے کلام کو سنتے ہیں (کہ وہ کہتے ہیں) کہ تمام کاموں کا فاعل ایک ہی ہے اور بس، اور بندے کی قدرت کو اس کے اپنے افعال و حرکات میں کوئی دخل نہیں ہے، اور اس کی حرکات جمادات کی حرکات کی مانند ہیں، بلکہ بندے کا وجود ذات و صفت کی رو سے سراب کی مانند ہے جیسے پیاسا آدمی

---

[1] اس حدیث کو امام صغانیؒ نے کنوز الحقائق میں اور امام سیوطیؒ نے تاریخ میں بحوالہ حاکم حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے اور اسی مضمون کی ایک حدیث امام ترمذیؒ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی ہے۔

ہموار و چمکدار زمین کو (دور سے) پانی گمان کرتا ہے، یہاں تک کہ جب وہ اس کے نزدیک پہنچتا ہے تو وہاں کوئی چیز نہیں پاتا البتہ اپنے نزدیک اللہ تعالیٰ کی ذات کو پاتا ہے (صوفیہ کی) اس قسم کی باتوں نے ان کو اپنے قول و فعل میں مداہنت و سستی پر دلیر کر دیا ہے ——— لہذا ہم اس مقام میں تحقیق کے طور پر کہتے ہیں کہ اللہ سبحانہ ہی حقیقتِ حال سے خوب واقف ہے ——— اگر حقیقتاً بندہ کے لئے اختیار ثابت نہ ہوتا جیسا کہ اشعری کا مذہب ہے تو اللہ تعالیٰ ظلم کی نسبت بندوں کی طرف نہ کرتا۔ کیونکہ اشعری کے نزدیک نہ ہی بندوں کو کچھ اختیار حاصل ہے اور نہ ہی ان کی قدرت کے لئے کچھ تاثیر ہے بلکہ ان کی قدرت و تاثیر ان کے نزدیک مدار محض ہے، حالانکہ اللہ سبحانہ نے اپنی کتاب مجید میں متعدد مقامات[1] پر ظلم کو بندوں کی طرف منسوب کیا ہے اور تاثیر کے بغیر قدرت کا محض مدار ہوتا اگرچہ فی الجملہ ہی ہو ظلم کا ذمہ دار نہیں بنایا۔ ہاں حق تعالیٰ کا بندوں کو تکلیف یا عذاب دینا بغیر اس امر کے کہ ان کے لئے اختیار ثابت ہو ہرگز ظلم نہیں ہے کیونکہ وہ سبحانہ مالک علی الاطلاق (مطلق طور پر مالک) ہے اور جس طرح چاہتا ہے اپنی مطلق ملک میں تصرف کرتا ہے۔ لیکن ان (بندوں) کے ساتھ ظلم کی نسبت سے ان کے اختیار کا ثبوت لازم آتا ہے۔ اور اس مسئلہ میں مجاز کا احتمال متبادر (فوراً ذہن میں آنے والا) کے خلاف ہے۔ لہذا بلا ضرورت اس کا ارتکاب نہیں کرنا چاہئے، لیکن ضعفِ اختیار کا قائل ہونا دو حال سے خالی نہیں۔ اگر ضعف سے مراد یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے اختیار کی نسبت بندہ کا اختیار ضعیف ہے تو یہ بات مسلم ہے اور اس میں کوئی جھگڑا نہیں۔ اور اگر ضعف کے یہ معنیٰ ہیں کہ افعال کے صدور میں بندہ کا استقلال نہیں، تو یہ بھی تسلیم ہے، لیکن ضعف کے یہ معنیٰ مسلم نہیں کہ صدورِ افعال میں بندہ کے اختیار کو کچھ دخل نہیں ہے، اور یہ اول مسئلہ ہے (جس میں نزاع ہے) اور منع کی سند تفصیلی طور پر پہلے گزر چکی ہے۔

اس بات کو جاننا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو ان کی طاقت کے اندازے اور استطاعت کے مطابق تکلیف دی ہے اور اس تکلیف میں بھی رعایت رکھی ہے کیونکہ انسان کی خلقت ضعیف ہے جیسا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے: یُرِیْدُ اللّٰہُ اَنْ یُّخَفِّفَ عَنْکُمْ وَ خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا۔ (نساء آیت ۲۸) (اللہ تعالیٰ تمہارے لئے آسانی چاہتا ہے اور انسان کو ضعیف (کمزور) پیدا کیا گیا ہے)۔ تخفیف کیوں نہ کرے

---

[1] مثلاً حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلٰکِنْ کَانُوْٓا اَنْفُسَھُمْ یَظْلِمُوْنَ ۔ فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِیْنَ ھَادُوْا ۔ اِنَّکُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَکُمْ ۔ وَاللّٰہُ عَلِیْمٌۢ بِالظّٰلِمِیْنَ ۔

جبکہ وہ سبحانہ حکیم (حکمت والا) رؤف (مہربانی کرنے والا) اور رحیم (بڑا مہربان) ہے لہٰذا اس کے لئے سزاوار نہیں کہ وہ اپنے بندے کو ایسی تکلیف دے جو اس کی استطاعت سے باہر ہو، چنانچہ اس نے اپنے بندے کو بڑے بھاری پتھر اٹھانے کا حکم نہیں دیا جس کو وہ اٹھا نہ سکے، بلکہ ایسی چیزوں کا مکلّف کیا ہے جس کو بندہ آسانی سے انجام دے سکتا ہے، جیسے "نماز" جس میں قیام، رکوع، سجود اور قرأتِ میسرہ (آسان قرأت) شامل ہیں، اور یہ سب نہایت ہی آسان ہیں۔ اور اسی طرح "روزہ" اس میں بھی بہت سہولت ہے۔ اور "زکوٰۃ" کا بھی یہی حال ہے جس کا چالیسواں حصہ (سال گذرنے پر) مقرر ہے، سارا یا نصف مال دینا نہیں کیا جو بندہ پر دشوار ہو ——— اور یہ بھی اس کی کمال رافت و مہربانی ہے کہ اس نے عذر کی موجودگی میں مامور بہ (فرض و واجب) کا بدل و عوض بھی مقرر فرما دیا چنانچہ وضو کا بدل تیمم کو مشروع کر دیا اور اسی طرح حکم دیا کہ اگر کوئی کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو وہ بیٹھ کر ادا کرے اور جو کوئی بیٹھنے کی بھی طاقت نہ رکھتا ہو وہ پہلو پر لیٹ کر نماز ادا کرے اور جو شخص رکوع و سجود کی قدرت رکھتا ہو وہ اشارے سے ادا کرے وغیرہ۔ اور اس کے علاوہ بھی بہت سہولتیں ہیں جو اس شخص پر پوشیدہ نہیں جو احکامِ شرعیہ کو اعتبار کی نظر سے دیکھنے والا ہے ——— غرض ان تمام تکلیفاتِ شرعیہ میں بہت زیادہ آسانی اور سہولت ہے اور تکلیفات والے اوراق میں حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی اپنے بندوں پر کمال درجہ رافت ظاہر ہوتی ہے۔ ان تکلیفاتِ شرعیہ کے آسان ہونے کی تصدیق اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ عوام اور زیادہ تکلیفاتِ شرعیہ کی آرزو کرتے ہیں یعنی چاہتے ہیں کہ فرض روزے ماموراتِ شرعیہ سے زیادہ ہوتے یا فرض نمازیں زیادہ ہوتیں علیٰ ہذا القیاس۔ اور اس قسم کی تمنا و آرزو کی وجہ صرف یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کمال مہربانی سے رعایت و تخفیف فرمائی ہے اور ان احکامِ شرعیہ کی بجا آوری میں آسانی پیدا کی ہے ——— اور بعض لوگوں کو ان احکام میں آسانی محسوس نہ ہونے کی وجہ ان کے نفسِ امارہ کی خواہشات اور "نفسانی ظلمتیں" اور "طبعی کدورتیں" ہیں جو اللہ سبحانہٗ کی رحمت میں کھڑی رہتی ہیں، جیسا کہ اللہ سبحانہٗ کا ارشاد ہے: كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِينَ مَا تَدْعُوهُمْ إِلَيْهِ (شوریٰ آیت ۱۳) (مشرکین پر وہ بات بہت گراں ہے جس کی طرف تم ان کو بلاتے ہو) ——— نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَإِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ إِلَّا عَلَى الْخَاشِعِينَ (بقرہ آیت ۴۵) (اور بیشک وہ (نماز) سب پر گراں ہے مگر جن کے اندر خشوع ہو) ——— لہٰذا جس طرح ظاہری مرض میں فرائض کی ادائیگی مشکل کا سبب بنتی ہے

اسی طرح باطنی مرض بھی دشواری کا باعث ہوجاتا ہے۔ حالانکہ روشن شریعت نفسِ امارہ کی انہی رسومات اور خواہشات کے ازالہ کے لئے وارد ہوئی ہے۔ لہٰذا ہوائے نفس اور متابعتِ شریعت دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں، پس لازمی طور پر اس دشواری کا وجود ہوائے نفس کے وجود پر دلالت کرتا ہے: لہٰذا (اتباعِ شریعت میں جسقدر دشواری محسوس ہوگی اسی اندازے کے مطابق ہوائے نفس کی موجودگی جاننا چاہئے، اور جب ہوائے نفس پورے طور پر ختم ہوجائے گی تو احکامِ شرع میں بھی کوئی تنگی باقی نہ رہے گی۔

لیکن بعض صوفیہ کے کلام سے جو اختیار کی نفی ہیں یا اس کے ضعف میں پہلے بیان ہوچکا ہے اس کے متعلق جاننا چاہئے کہ اگر ان (صوفیہ) کا کلام شریعت کے مطابق نہیں ہے تو اس کا ہرگز اعتبار نہیں ہے، لہٰذا وہ نہ حجت ہے اور نہ تقلید کے قابل، کیونکہ حجت اور تقلید کے لائق تو علمائے اہل سنت کے اقوال ہیں۔ لہٰذا صوفیوں کے جو اقوال ان (علمائے اہلِ سنت) کے اقوال کے مطابق ہوں وہ قابلِ قبول ہیں اور جو ان کے اقوال کے مخالف ہیں وہ غیر مقبول ہیں۔

اسی طرح ہم کہتے ہیں کہ مستقیم الاحوال صوفیہ شریعت سے تجاوز نہیں کرتے، نہ احوال میں نہ اعمال میں، نہ اقوال میں اور نہ علوم و معارف میں۔ وہ جانتے ہیں کہ شریعت سے تھوڑی سی مخالفت کا باقی رہنا بھی حال کی خرابی اور دل کے خلل کی وجہ سے ہوتا ہے، اگر حال درست و صادق ہوتا تو شریعتِ حقہ کی ہرگز مخالفت نہ ہوتی۔

مختصر یہ کہ شریعت کے خلاف ہونا بے دینی کی دلیل اور الحاد کی علامت ہے اور خلاصۂ کلام یہ ہے کہ اگر کسی صوفی سے غلبۂ حال میں اپنے کشف اور سکرِ وقت کی وجہ سے کوئی ایسا کلام صادر ہوا ہو جو شریعت کے مخالف ہو تو اس میں وہ معذور ہے اور اس کا کشف صحیح نہیں ہے، لہٰذا وہ تقلید کے قابل بھی نہیں ہے بلکہ مناسب یہ ہے کہ اس کے کلام کو ظاہری معنوں سے پھیر کر صحیح معنوں کی طرف لوٹا دیا جائے کیونکہ اہلِ سکر کا کلام ظاہری معنوں سے پھرا ہوا ہوتا ہے۔

هٰذَا مَا تَيَسَّرَ لِيْ فِيْ هٰذَا الْمَقَامِ بِعَوْنِ اللّٰهِ سُبْحَانَهٗ وَحُسْنِ تَوْفِيْقِهٖ تَعَالٰى (یہ ہے جو اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کی مدد سے اور اس کی حُسنِ توفیق سے اس مقام میں مجھے میسر ہوا ہے)۔

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى (تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں، اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو)۔

مکتوب ۲۹۰

دوصد و نودم

ملا محمد ہاشم[1] کی جانب صادر فرمایا ——— اس طریقے کے بیان میں کہ حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ نے حضرت مجددؒ کو ابتدائے حال ہی میں اس کے ساتھ مخصوص فرمادیا تھا اور طالبوں کو اس طریقے پر چلانے کی توفیق بخشی تھی اور طریقۂ عالیہ نقشبندیہ اور اندراجِ نہایت دربدایت کے بیان میں جو اس طریقے کے لوازم میں سے ہے اور اس حضوری کے بیان میں جو اس طریقے کے بزرگوں کے نزدیک معتبر ہے جس کو نسبتِ نقشبندیہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور بعض احوال، اذواق اور علوم و معارف وغیرہ کے بیان میں جو طریقۂ نقشبندیہ میں حاصل ہوتے ہیں اور ان بزرگوں کے جذبات کا بیان اور ان کے مناسب بیان میں۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَيِّدِ الۡمُرۡسَلِيۡنَ وَاٰلِهٖ وَاَصۡحَابِهِ الطَّيِّبِيۡنَ الطَّاهِرِيۡنَ۔ (سب تعریف اللہ رب العالمین کے لئے ہے اور حضرت سید المرسلین اور آپ کی آل و اصحاب طیبین وطاہرین پر صلوٰۃ وسلام ہو) ——— جاننا چاہئے کہ وہ طریقہ جو اَقرب (بہت قریب والا)، اَسبق (جلد پہنچانے والا)، اَوفق (کتاب و سنت کے زیادہ موافق)، اَوثق (زیادہ معتبر و مضبوط) اَسلم (تسلیم شدہ) اَحکم (سب پر غالب)، اَصدق (زیادہ سچا)، اَدلّ (زیادہ رہنمائی والا) اَعلیٰ (سب سے بلند)، اَجلّ (زیادہ بزرگی والا)، اَرفع (زیادہ بلند)، اَکمل (زیادہ کامل و مکمل) ہے وہ طریقہ عالیہ نقشبندیہ ہے، قَدَّسَ اللّٰهُ تَعَالٰی اَرۡوَاحَ اَهَالِيۡهَا وَاَسۡرَارَ مَوَالِيۡهَا (اللہ تعالیٰ ان کی ارواح کو پاک کرے اور ان کے اسرار کی حفاظت فرمائے) ——— اس طریقے کی یہ تمام بزرگی اور

---

[1] آپ کے نام تیرہ[13] مکتوبات ہیں دفتر اول مکتوب ۲۹۰ - ۳۱۰ - ۳۱۳ - دفتر دوم مکتوب ۴۷ - ۹۳ - ۹۷ - دفتر سوم مکتوب ۴۲ - ۵۲ - ۶۸ - ۷۵ - ۹۰ - ۹۲ - ۹۶ - حضرت خواجہ محمد ہاشم بن محمد قاسم کی موضع کشم علاقہ بدخشاں میں ولادت ہوئی۔ ابتدائی تعلیم کے بعد آپ ہندوستان تشریف لائے اتفاقاً برہان پور پہنچے تو حضرت خواجہ میر نعمانؒ سے ملاقات ہوگئی اور آپ اُن سے بیعت ہوگئے۔ بعد ازاں میر صاحب کی دامادی کا شرف بھی حاصل ہوگیا۔ اسی دوران حضرت مجدد الف ثانیؒ سے خط و کتابت کا سلسلہ شروع ہوا اور آپ سنہ ۱۰۳۱ھ میں پہلی بار حضرت مجدد صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دو سال تک سفر و حضر، خلوت و جلوت میں حضرت کی خدمت میں رہے چنانچہ حضرت مجدد صاحبؒ کے اجل خلفا میں آپ کا شمار ہے۔ آپ کو انشا پردازی اور شاعری میں بھی کمال حاصل تھا۔ آپ کی تصانیف میں "زبدۃ المقامات" بہت مشہور ہے اس کے فارسی اور اردو تراجم شائع ہو چکے ہیں اور حال ہی میں دوسری تصنیف "نسمات القدس" کا اردو ترجمہ بھی شائع ہوگیا ہے۔ ولادت سنہ ۹۸۹ھ اور وفات سنہ ۱۰۵۴ھ برہان پور میں ہوئی۔

اس سلسلے کے بزرگوں کی یہ علوِ شان روشن سنت علیٰ صاحبہا الصلوۃ والسلام والتحیہ کی متابعت کو لازم جاننے اور ناپسندیدہ بدعتوں سے پرہیز کرنے کی وجہ سے ہے، یہی (نقشبندی بزرگ) ہیں کہ اصحابِ کرام علیہم الرضوان من الملک المنان کی طرح ان کے کام کی ابتدا ہی میں انتہا مندرج ہو گئی ہے اور ان کے حضور و آگاہی نے دوام پیدا کر کے درجۂ کمال تک پہنچنے کے بعد ان کی آگاہی دوسروں کی آگہی پر فوقیت لے گئی ہے۔

حضرت مجدد صاحب کے اسباقِ سلوک طے کرنے کی کیفیات

اے بھائی! اللہ تعالیٰ تم کو سیدھے راستے پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اس درویش کو جب اس راہ کی ہوس و خواہش پیدا ہوئی تو حق جل وعلا کی عنایت ہادئ راہ بن کر اس کو ولایت پناہ حقیقت آگاہ اندراج النہایت فی البدایت کے طریقے کی ہدایت کرنے والے اور درجاتِ ولایت تک پہنچانے والے راستے کے والی اور پسندیدہ دین کی تائید کرنے والے، ہمارے شیخ، آقا اور امام خواجہ محمد باقی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ کی خدمت میں پہنچایا جو سلسلۂ حضراتِ نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے ایک بہت بڑے خلیفہ تھے انھوں نے اس درویش کو اسمِ ذات جل سلطانہٗ کا ذکر تعلیم فرمایا، اور اپنے مقررہ طریق پر ایسی توجہ فرمائی کہ مجھے کمال درجہ لذت حاصل ہوئی اور کمالِ شوق سے گریہ شروع ہو گیا ———— پھر ایک روز کے بعد بے خودی کی کیفیت جو ان بزرگوں کے نزدیک معتبر ہے اور غَیبت کے نام سے موسوم ہے مجھ پر طاری ہوئی۔

بیخودی

اس بے خودی کی حالت میں میں نے دیکھا کہ ایک محیط سمندر ہے جس میں تمام عالم کی صورتیں اور شکلیں اس طرح نمایاں ہیں جیسے پانی میں چیزوں کے عکس نظر آتے ہیں۔ یہ بیخودی آہستہ آہستہ غالب آتی گئی اور دیر تک رہنے لگی، کبھی ایک پہر اور کبھی دو پہر تک اور بعض مرتبہ رات بھر یہی حالت رہتی۔ ———— جب میں نے یہ حالت حضرت پیر و مرشد خواجہ صاحبؒ کی خدمت میں عرض کی تو آپ نے فرمایا "تم کو فنا کی ایک قسم حاصل ہو گئی ہے"۔ پھر آپ نے مجھے ذکر کرنے سے منع فرما دیا اور اس آگاہی کی نگہداشت کا حکم دیا ———— دو دن کے بعد مجھے "فنائے مصطلح" حاصل ہو گئی۔ جب میں نے اس کی کیفیت حضرت خواجہؒ کی خدمت میں عرض کی تو آپ نے فرمایا "اپنے کام میں لگے رہو۔

فنائے فنا

———— بعد ازاں "فنائے فنا" حاصل ہوئی۔ پھر عرض کیا تو آپ نے فرمایا "کیا تم تمام عالم کو ایک دیکھتے ہو اور (ذاتِ) واحد کے ساتھ متصل پاتے ہو"۔ میں نے عرض کیا حضور ایسا ہی محسوس ہوتا ہے۔ حضرت خواجہؒ نے فرمایا "فنائے فنا میں قابلِ اعتبار یہ بات ہے کہ اس اتصال کے دیکھنے کے باوجود

بے شعوری حاصل ہو"۔ چنانچہ اسی شب اس قسم کی "فنائے فنا" حاصل ہوگئی ـــــــــــ میں نے حضرت خواجہؒ کی خدمت میں اس کی کیفیت بھی عرض کردی کہ میں اپنے علم کو حق سبحانہٗ کی نسبت علمِ حضوری پاتا ہوں (یعنی علمِ حصولی پالینے کے بعد بلاتوسط حصول صورت علمِ حضوری پاتا ہوں) اور جو اوصاف میری طرف منسوب تھے حق سبحانہٗ کی طرف منسوب پاتا ہوں ـــــــــــ پھر ایک سیاہ رنگ کا نور ظاہر ہوا جو تمام اشیائے عالم کو گھیرے ہوئے تھا۔ میں سمجھا کہ حق جل وعلا یہی ہے۔ جب میں نے عرض کیا تو حضرت خواجہؒ نے فرمایا "حق جل سلطانہٗ مشہود ہے لیکن نور کے پردے میں ہے۔" نیز یہ بھی فرمایا کہ "یہ انبساط اور پھیلاؤ جو اس نور میں دکھائی دیتا ہے (دراصل "علم" میں ہے کیونکہ ذاتِ حق جل شانہٗ کا تعلق متعدد اشیا کے ساتھ ہے جو کہ اوپر نیچے واقع ہوئی ہیں اس لئے منبسط اور پھیلا ہوا دکھائی دیتا ہے اس انبساط کی بھی نفی کرنی چاہیے ـــــــــــ اس کے بعد وہ پھیلا ہوا سیاہ نور سکڑنے اور کم ہونے لگا حتی کہ ایک نقطہ سا رہ گیا۔ حضرتؒ نے فرمایا "اس نقطے کی بھی نفی کرنی چاہیے اور مقامِ حیرت میں آجانا چاہیئے" ـــــــــــ میں نے ایسا ہی کیا۔ چنانچہ وہ نقطۂ موہوم بھی درمیان سے زائل ہوگیا اور میں مقامِ حیرت تک پہنچ گیا کہ جس میں حق تعالیٰ کا شہود (پردۂ نور کے بغیر) خود بخود ہے۔ جب میں نے حضرت خواجہؒ کی خدمت میں یہ کیفیت عرض کی تو فرمایا "یہی حضور، حضراتِ نقشبندیہ کا حضور ہے اور نسبتِ نقشبندیہ اسی حضور کو کہتے ہیں اور اس حضور کو حضورِ بے غَیبت بھی کہتے ہیں اور اندراج نہایت در بدایت (بدایت میں نہایت کا مندرج ہونا) اسی مقام میں حاصل ہوتا ہے۔ اور اس طریقہ میں طالب کو اس نسبت کا حاصل ہونا ایسا ہی ہے جیسا کہ دوسرے سلسلوں میں طالب کا اپنے پیر سے اذکار و اوراد اخذ کرنا تاکہ طالب ان پر عمل کرکے اپنے مقصود تک پہنچے۔ ع

قیاس کن زگلستانِ من بہارِ مرا (مری بہار کا اندازہ گلستاں سے کر)

اس درویش کو یہ عزیز الوجود نسبت ذکر کی تعلیم کی ابتدا سے دو ماہ اور چند روز بعد حاصل ہوگئی تھی۔ اور اس فنا کے حاصل ہونے کے بعد ایک اور فنا حاصل ہوئی جس کو "فنائے حقیقی" کہتے ہیں اور دل کو اس قدر وسعت حاصل ہوئی کہ عرش سے لے کر مرکزِ زمین تک تمام عالم (موجودات) کو اس وسعت کے مقابلے میں رائی کے ایک دانے کی مقدار کے برابر بھی قدر حاصل نہ تھی ـــــــــــ بعد ازاں میں اپنے آپ کو اور عالم کے ہر فرد کو بلکہ ہر ذرّے کو دیکھتا تھا کہ یہ سب حق تعالیٰ ہے، اس کے بعد عالم کے

ہر ذرّے کو الگ الگ اپنا عین دیکھا اور اپنے آپ کو ان سب کا عین پایا، یہانتک کہ تمام عالم کو ایک ذرّے میں گم پایا۔ اس کے بعد اپنے آپ کو بلکہ ہر ذرّے کو اسقدر منبسط اور وسیع دیکھا کہ تمام عالم بلکہ اس سے کئی گنا اور عالم کی اس میں گنجائش ہے۔ بلکہ اپنے آپ کو اور ہر ذرّے کو ایسا پھیلا ہوا نور پایا جو ہر ذرّے میں سرایت کئے ہوئے ہے اور عالم کی صورتیں اور شکلیں اس نور میں گھل مل گئیں اور فنا ہو گئی ہیں۔

——— بعد ازاں میں نے اپنے آپ کو بلکہ ہر ذرّے کو تمام عالم کا قائم رکھنے والا پایا۔ جب یہ کیفیت حضرت خواجہؒ کی خدمت میں عرض کی تو آپ نے فرمایا "توحید میں "حق الیقین" کا مرتبہ یہی ہے اور "جمع الجمع" بھی اسی مقام کو کہتے ہیں ——— بعد ازاں عالم کی تمام صورتیں اور شکلیں جن کو میں پہلے حق تعالیٰ پاتا تھا اب وہ وہمی اور خیالی دکھائی دینے لگیں۔ پہلے ہر ذرّے کو بغیر کسی فرق و تمیز کے حق تعالیٰ پاتا تھا اور اب اسی ذرّے کو موہوم پایا، اس امر سے نہایت حیرت ہوئی۔ اور اس اثنا میں فصوص الحکم کی وہ عبارت جو میں نے اپنے والد بزرگوار علیہ الرحمہ سے سنی تھی یاد آئی کہ صاحب فصوص نے فرمایا ہے:

فرق حق الیقین اور جمع الجمع

اِنْ شِئْتَ قُلْتَ اِنَّہٗ اَیِ الْعَالَمَ حَقٌّ وَّاِنْ شِئْتَ قُلْتَ اِنَّہٗ خَلْقٌ وَاِنْ شِئْتَ قُلْتَ اِنَّہٗ حَقٌّ مِّنْ وَجْہٍ وَخَلْقٌ مِّنْ وَجْہٍ وَّاِنْ شِئْتَ قُلْتَ بِالْحَیْرَتِ لِعَدَمِ التَّمِیْزِ بَیْنَھُمَا (یعنی اگر تو چاہے تو کہہ سکتا ہے کہ عالم حق سبحانہٗ ہے اور اگر چاہے تو یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ عالم مخلوق ہے اور اگر چاہے تو اس طرح بھی کہہ سکتا ہے کہ وہ ایک اعتبار سے حق ہے اور ایک اعتبار سے مخلوق ہے اور اگر تو چاہے تو ان دونوں میں تمیز نہ ہونے کی وجہ سے حیرت کا اظہار کرے یعنی یہ سب بجا ہے)۔ اس عبارت سے اس اضطراب میں کسی قدر تسکین ہو گئی ——— اس کے بعد میں نے حضرت خواجہؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی حالت عرض کی تو آپ نے ارشاد فرمایا "ابھی تمہارا حضور صاف نہیں ہوا، اپنے کام میں مشغول رہو حتیٰ کہ موجود اور موہوم میں تمیز واضح ہو جائے"۔ میں نے فصوص کی وہ عبارت عرض کی جس سے عدم تمیز ظاہر ہوتی تھی۔ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ "شیخ (ابن عربیؒ) نے اس عبارت میں کامل شخص کا حال بیان نہیں کیا، عدم تمیز بھی بعض اشخاص کی نسبت ثابت ہے"۔ حسب الامر میں اپنے کام میں مشغول ہو گیا ———

——— حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے محض حضرت ایشاں (خواجہ صاحبؒ) کی توجہ شریفہ سے دو روز کے بعد موجود اور موہوم کے درمیان تمیز ظاہر فرما دی، یہانتک کہ میں نے موجود حقیقی کو موہوم خیالی سے ممتاز پایا اور وہ صفات و افعال اور آثار جو موہوم محض دکھائی دیتے تھے میں نے

حق سبحانہٗ سے دیکھا اور ان صفات و افعال کو بھی موہوم محض پایا اور خارج میں بجز ایک ذات کے کچھ موجود نہ دیکھا۔ جب میں نے یہ حالت حضرت خواجہؒ کی خدمت میں عرض کی تو ارشاد فرمایا کہ

مرتبۂ فرق بعد الجمع

"مرتبۂ فرق بعد الجمع" یہی ہے اور سعی و کوشش کی انتہا یہیں تک ہے، اس سے زیادہ جو کچھ کسی کی فطرت و استعداد میں مقدر کیا گیا ہے ظاہر ہو جاتا ہے اور اس مرتبہ کو مشائخ طریقت مقامِ تکمیل کہتے ہیں۔

سکر و صحو

جاننا چاہئے کہ اس درویش کو جب پہلی مرتبہ سکر سے صحو میں لائے اور فنا سے بقا کے ساتھ مشرف فرمایا تو میں جب اپنے وجود کے ذرات میں سے ہر ذرے میں نظر کرتا تھا تو حق تعالیٰ کے سوا کچھ نہ پاتا تھا اور ہر ذرے کو اس تعالیٰ کے شہود کا آئینہ پاتا تھا۔ اس مقام سے مجھے پھر حیرت میں لے گئے۔ پھر جب ہوش میں لائے تو میں نے حق سبحانہٗ کو اپنے وجود کے ذرات میں سے ہر ذرے کے ساتھ پایا نہ کہ ہر ذرے میں۔ اور پہلا مقام اس دوسرے مقام کی نسبت بہت نیچے نظر آیا ـــــ پھر حیرت میں لے گئے جب ہوش میں لائے تو اس مرتبہ میں حق سبحانہٗ کو میں نے نہ عالم کے متصل پایا نہ اس سے منفصل اور نہ عالم میں داخل پایا اور نہ اس سے خارج میں معلوم کیا۔ معیت و احاطہ اور سریان کی نسبت جس طرح کہ اول میں پاتا تھا بالکل منتفی ہو گئی، اس کے باوجود اسی کیفیت کے ساتھ مشاہدہ کرایا گیا بلکہ اس طرح گویا کہ محسوس کرا دیا گیا اور عالم بھی اس وقت مشہود تھا لیکن حق سبحانہٗ کے ساتھ اس نسبتِ مذکورہ سے کچھ نسبت نہ رکھتا تھا ـــــ پھر مجھے حیرت میں لے گئے۔ جب صحو میں لائے تو معلوم ہوا کہ حق سبحانہٗ و تعالیٰ کو عالم کے ساتھ اس نسبتِ مذکورہ کے علاوہ ایک اور نسبت ہے اور وہ نسبت مجہول الکیفیت ہے یعنی وہ تعالیٰ مجہول الکیفیت نسبت سے مشہود ہوا ہے ـــــ پھر مجھے حیرت میں لے گئے اور اس مرتبہ میں ایک قسم کا قبض طاری ہو گیا۔ پھر جب ہوش میں لائے تو حق تعالیٰ اس مجہول الکیفیت نسبت کے بغیر اس طرح مشہود ہوا کہ اس کو عالم کے ساتھ کوئی بھی نسبت نہیں رکھتا

معلوم الکیفیت اور مجہول الکیفیت

نہ ہی معلوم الکیفیت اور نہ مجہول الکیفیت، اور عالم اس وقت بھی اسی خصوصیت کے ساتھ مشہود تھا۔ ـــــ اس وقت مجھے ایک خاص علم عنایت ہوا جس کے باعث ہر دو شہود کے حاصل ہونے کے باوجود مخلوق اور حق تعالیٰ کے درمیان کوئی مناسبت نہ رہی۔ اس وقت مجھے بتایا گیا کہ اس صفت و تنزیہ کا مشہود ذاتِ حق سبحانہٗ و تعالیٰ نہیں ہے وہ تعالیٰ اس سے بلند و برتر ہے بلکہ یہ مشہود اس کے تکوین کے تعلق کی مثالی صورت ہے کیونکہ حق تعالیٰ تعلقاتِ کونی سے بالاتر ہے خواہ وہ تعلق

معلوم الکیفیت ہو یا مجہول الکیفیت۔ ھَیْھَاتَ ھَیْھَاتَ (ہرگز نہیں یہ بعید از قیاس ہے)، شعر

کَیْفَ الْوُصُوْلُ اِلٰی سُعَادَ وَدُوْنَھَا — قُلَلُ الْجِبَالِ وَدُوْنَھُنَّ حُیُوْفٗ

(ہائے پہنچوں کس طرح میں کوئے یار — راہ میں ہیں پُر خطر کوہ اور غار)

اے عزیز! اگر قلم کو تفصیلِ احوال اور معارف کے بیان میں جاری رکھوں تو معاملہ بہت طویل ہو جائے گا، بالخصوص توحیدِ وجودی کے معارف اور اشیاء کی ظلیّت کے علوم اگر بیان کئے جائیں تو وہ جماعت جس نے توحیدِ وجودی میں اپنی ساری عمر گذار دی ہے ان کو معلوم ہو جائے گا کہ اس بحرِ بیکراں سے ایک قطرہ بھی انھوں نے حاصل نہیں کیا۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ وہی جماعت اس درویش کو اربابِ توحیدِ وجودی میں شامل نہیں کرتی بلکہ توحیدِ وجودی کے منکرین علماء میں سے شمار کرتی ہے اور اپنی کوتاہ نظری کی وجہ سے یہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ توحیدِ وجودی کے معارف پر اصرار کرنا ہی کمال ہے اور اس مقام سے ترقی کرنا نقص میں داخل ہے ؂

بے خردے چند ز خود بے خبر — عیب پسندند بزعمِ ہنر

(جو خود اپنی خبر نہیں رکھتے — عیب کو جانتے ہیں اپنا ہنر)

اس امر میں اس جماعت کی دلیل پہلے مشائخ کے وہ اقوال ہیں جو توحیدِ وجودی کے بارے میں واقع ہوئے ہیں۔ حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ ان حضرات کو انصاف کی توفیق عطا فرمائے کہ انھوں نے کیسے جان لیا کہ ان مشائخ کو اس مقام (وحدت الوجود) سے آگے ترقی واقع نہیں ہوئی اور وہ اسی مقام میں محدود ہو گئے ہیں ——— بات معارفِ توحیدی کے نفسِ حصول کے بارے میں نہیں ہے کیونکہ وہ تو اس راہ میں یقینی طور پر واقع ہے بلکہ بات دراصل اس مقام سے آگے ترقی کے بارے میں ہے اگر ترقی کرنے والے حضرات کو توحیدِ وجودی کا منکر کہیں اور ان پر یہ اصطلاح لگا دیں تو کیا جھگڑا ہے۔

اب ہم اصل بات کی طرف آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جس طرح قلیل (چیز) کثرت پر دلالت کرتی ہے اور قطرہ بحرِ غدیر (بحرِ بے کراں) کی طرف اشارہ کرتا ہے اسی طرح میں نے بھی مختصر کلام اور قطرے پر اکتفا کیا ہے

اے برادر! جب حضرت خواجہؒ نے مجھ کو کامل و مکمل جان کر تعلیم طریقہ کی اجازت عطا فرمائی اور طالبوں کی ایک جماعت کو میرے حوالے کیا تو اس وقت مجھ کو اپنے کمال و تکمیل میں تردّد تھا۔ لیکن آپ نے فرمایا کہ تردّد کا کوئی مقام نہیں ہے کیونکہ مشائخِ عظام نے ان ہی مقامات کو کمال و تکمیل کا

مقام فرمایا ہے اگر اس مقام میں تردد کریں تو مشائخ کی کاملیت میں تردد لازم آتا ہے ــــــــ حسب الحکم طریقت کی تعلیم دینی شروع کر دی، اور طالبوں کے کام میں توجہات کو مد نظر رکھا چنانچہ طالبوں میں اس کا بڑا اثر محسوس ہوا، یہانتک کہ سالکوں کا سالوں کا کام گھڑیوں میں ہونے لگا۔ کچھ مدت تک اس کام کو بڑی سرگرمی اور مستعدی سے کرتا رہا ــــــــ آخر کار پھر مجھے اپنے نقص کا علم پیدا ہوا اور مجھ پر ظاہر کیا گیا کہ تجلیٔ ذاتی برقی جس کو مشائخ کبار نے "نہایت" کہا ہے اس راہ میں کچھ بھی ظاہر نہیں ہوئی اور یہ بھی معلوم نہیں ہو سکا کہ "سیر الی اللہ اور سیر فی اللہ" کیا ہے۔ لہٰذا اس قسم کے کمالات کا حاصل کرنا ضروری ہے۔ اس وقت اپنے نقص کا علم پختہ ہو گیا اور وہ طالب جو میرے گرد جمع تھے سب کو اکٹھا کر کے ان کے سامنے اپنا نقص بیان کیا اور سب کو رخصت کرنا چاہا لیکن طالبوں نے میری اس بات کو کسرِ نفسی پر محمول کرتے ہوئے اپنے عقیدے سے نہ پھرے۔ پھر کچھ مدت کے بعد حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے اپنے حبیب علیہ و آلہ الصلوات والتسلیمات کے طفیل احوالِ منتظرہ (یعنی تجلیٔ ذاتی برقی و معنیٔ سیر الی اللہ و فی اللہ) بھی عطا فرما دیئے۔

سیر الی اللہ اور سیر فی اللہ

فصل: جاننا چاہیئے کہ حضرات خواجگان (نقشبندیہ) قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے طریقے کا حاصل اور خلاصہ اہل سنت و جماعت کے عقائد کے مطابق اعتقاد رکھنا ہے اور سنتِ سنیہ مصطفویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کی اتباع، اور بدعت اور ہوائے نفسانیہ سے اجتناب کرنا ہے اور جہانتک ممکن ہو سکے اہم امور میں عزیمت پر عمل اور رخصت پر عمل کرنے سے احتراز کرنا (بچنا) ہے۔ بعد ازاں جہتِ جذبہ میں اوّلاً استہلاک و اضمحلال ہے اور اس استہلاک کو عدم (فنا) سے تعبیر کرتے ہیں اور وہ بقا جو اس جہت میں اس استہلاک (فنا) کے متحقق ہونے کے بعد پیدا ہوتی ہے اس کو وجودِ عدم سے تعبیر کرتے ہیں یعنی وہ وجود اور بقا جو عدم (فنا) پر مترتب ہوتا ہے وہ استہلاک ہے اور اس استہلاک اور اضمحلال سے یہ مراد نہیں کہ حسّ بھی غائب ہو جائے بلکہ بعض کو اس استہلاک یعنی فنا کے بعد اتفاقاً حسّ سے غیبت (بے خبری) ہو جاتی ہے اور بعض کو نہیں ہوتی۔

اور اس بقا والے کے لئے ممکن ہے کہ صفاتِ بشریت کی طرف رجوع کرے اور اخلاقِ نفسانیہ کی طرف لوٹ آئے، بخلاف اس بقا کے جو فنا پر مرتب ہوتی ہے کہ اس سے عود کرنا جائز نہیں ہے۔ اور ممکن ہے کہ حضرت خواجۂ بزرگ (نقشبند) قدس اللہ تعالیٰ سرہ الاقدس نے اسی معنی کے لحاظ سے فرمایا ہو کہ

"وجودِ عدم وجودِ بشریت کی طرف لوٹ آتا ہے، لیکن وجودِ فنا وجودِ بشریت کی طرف ہرگز عود نہیں کر سکتا کیونکہ بقائے اول (وجودِ عدم کے ساتھ) ابھی راہ میں باقی ہے اور راستے میں سے رجوع کرنا ممکن ہے۔ اور دوسرا (وجودِ فنا) واصل اور منتہی ہو چکا ہے اور واصل کے لئے رجوع نہیں ہوتا" ——— ایک بزرگ فرماتے ہیں "جو کوئی واپس لوٹا وہ راستے ہی میں تھا اور جو واصل ہو گیا وہ واپس نہیں لوٹا"۔

جاننا چاہئے کہ صاحبِ وجودِ عدم اگرچہ راستے ہی میں ہے لیکن "اندراج النہایت فی البدایت" کے تحت اپنے کام کی انتہا سے بھی آگاہ ہے، اور جو کچھ کہ منتہی کو آخر میں میسر ہوتا ہے اس کا خلاصہ اس کو اس جہت میں مجمل طور پر حاصل ہو جاتا ہے اور چونکہ اس نسبت نے منتہی کے ساتھ شمول و عموم پیدا کر لیا ہے اور اس نسبت کی سرایت و تاثر عام طور پر اس کی روحانیت و جسمانیت کو حاصل ہو چکی ہے اور وجودِ عدم کی یہ نسبت (بندہ کے) خلاصۂ قلب پر موقوف ہے اگرچہ فی الجملہ اور اجمال ہی کے طور پر ہو ——— اسی وجہ سے منتہی تفصیل کا حامل ہوتا ہے اور اس کا صفاتِ جسمانیہ کی طرف رجوع کرنا ممتنع ہے کیونکہ اس نسبت نے اس کے مراتبِ جسمانیہ میں سرایت کر کے ان صفات سے اس کو باہر نکال کر فانی کر دیا ہے، اور یہ فنا محض عطیہ ہے اور عطیۂ خداوندی سے رجوع کرنا جناب قدس تعالیٰ و تقدس کی بارگاہ کے لائق نہیں ہے، بخلاف صاحبِ وجودِ عدم کے کہ یہ سرایت اس کے حق میں معدوم مفقود ہے ——— خلاصہ کلام یہ ہے، چونکہ یہ تمام مراتب قلب کے تابع ہیں اور وہ نسبت تبعیت کے طور پر ان میں جاری و ساری ہے اور ان کو غلبہ سے باز رکھ کر مغلوب کر چکی ہے لیکن فنا و زوال تک نہیں پہنچا سکی، اسی وجہ سے اس سے رجوع کرنا ممکن ہے کیونکہ مغلوب کبھی بعض عوارض کے پیش آنے[ص] کی بنا پر غالب ہو جاتا ہے اور زائل شدہ چیز کا واپس آنا ممکن نہیں جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔

جاننا چاہئے کہ اس سلسلۂ عالیہ کے بعض مشائخ قدس اللہ تعالیٰ ارواحہم نے استہلاک و اضمحلالِ مذکورہ کو اور اس بقا کو جو اس پر مترتب ہوتی ہے فنا و بقا کا اطلاق کیا ہے اور تجلئ ذاتی اور شہودِ ذاتی کا بھی اس مرتبہ میں اثبات کیا ہے اور اس باقی (بقا والے) کو "واصل" کہا ہے اور "یادداشت" کو بھی جو جناب قدس حق سبحانہٗ کی بارگاہ کی دوامِ آگاہی سے عبارت ہے اسی مقام میں متحقق جانتے ہیں، اور یہ سب کچھ "اندراج النہایت فی البدایت" یعنی ابتدا میں انتہا کے درج ہونے کے اعتبار سے ہے ورنہ فنا اور بقا منتہی اور واصل کے علاوہ اور کسی کو حاصل نہیں ہوتی اور تجلئ ذاتی بھی اسی کے ساتھ

[ص] اور بعض نسخوں میں لاکے بجائے الاحق ہے

مخصوص ہے اور اللہ سبحانہٗ کے ساتھ دوامِ حضور بھی منتہی واصل کے لئے ہے کیونکہ اس کے لئے رجوع ہرگز نہیں ہے۔ لیکن پہلا اطلاق بھی مذکورہ اعتبار سے صحیح ہے اور ایک عمدہ وجہ پر مبنی ہے ——— ——— اور فنا و بقا، تجلیٔ ذاتی و شہودِ ذاتی، اور وصل و یادداشت جو حضرت خواجہ احرار قدس اللہ تعالیٰ سرہ الاقدس کی کتاب "فقرات" میں واقع ہے (وہ بھی) اسی قسم سے ہے ——— ایک بزرگ فرمایا کرتے تھے کہ اس کتاب کے مکتوبات و رسائل میں جو کچھ تحریر ہے اس کی اصل حضرت ایشاں (خواجہ احرار) کے بعض مخلصین کی عقل و دانش اور معرفت کے مطابق ہے۔ تَکَلَّمُوا النَّاسَ عَلٰی قَدْرِ عُقُوْلِهِمْ (لوگوں سے ان کے اندازۂ عقل کے مطابق کلام کرو) کے مقولے کی اس میں خاص رعایت رکھی گئی ہے ———

——— اور رسالہ "سلسلۃ الاحرار" ہے جو حضرت خواجہ احرار کے کلام کے طریقے کے مطابق واقع ہوا ہے سب اور "شرح رباعیات" جو کہ ہمارے خواجہ مؤید الدین الرضی شیخنا و مولانا محمد الباقی سلمہ اللہ تعالیٰ نے لکھی ہے، اسی قسم سے ہیں ——— اور اس بقا کو بلکہ ہر وہ بقا جو اس جذبہ کے تحت پیدا ہو، اس کا رخ "توحیدِ وجودی" کی طرف ہے۔ لہٰذا بعض مشائخ نے حق الیقین کو اس طرح بیان کیا ہے کہ آخر کار وہ "توحیدِ وجودی" پر منتج ہوتا ہے۔ اور اسی بیان نے بعض لوگوں کو شبہ میں ڈال دیا ہے کہ ان کے حق الیقین سے مراد تجلیٔ صوری ہے جس کا نتیجہ طعن و تشنیع ہوا ———

——— اور حق بات یہ ہے کہ ان کا حق الیقین اسی جذبہ کی جہت سے پیدا ہوا ہے اور یہ معرفت اس مقام کے مناسب ہے۔ تجلیٔ صوری دوسری چیز ہے۔ جیسا کہ اربابِ طریقت پر مخفی نہیں ہے، اور کثرت کے آئینے میں وحدت کا شہود اس طرح مشاہدہ کرنا کہ آئینہ بالکل پوشیدہ ہو جائے اور (ذات) باقی کے علاوہ کچھ بھی مشہود نہ رہے۔ اس مقام کو "یادداشت" کے مناسب جان کر اس مرتبہ پر "یادداشت" کا اطلاق کیا ہے اور اس کو تجلیٔ ذاتی و شہودِ ذاتی بھی کہتے ہیں اور اس مقام کو "مقامِ احسان" (یعنی اخلاص) بھی فرمایا گیا ہے، اور اسی گم ہونے کو "وصل" سے تعبیر کرتے ہیں۔ ع

تو درو گم شو وصال این ست و بس (اس میں کھو جا وصال بس یہی ہے)

اور یہ اصطلاح حضرت ناصر الدین خواجہ عبید اللہ (احرار) کے ساتھ مخصوص ہے اس سلسلہ کے مشائخ متقدمین میں سے کسی نے بھی اس اصطلاح کا ذکر نہیں فرمایا۔ ع

ہرچہ خوباں کنند خوب آید (جو بھی اچھے کریں وہ اچھا ہے)

آپ ہی کے کلمات قدسی صفات میں سے ہے کہ "ہماری زبان دل کا آئینہ ہے، اور دل روح کا آئینہ اور روح حقیقتِ انسانی کا آئینہ، اور حقیقتِ انسانی حق سبحانہٗ وتعالیٰ کا آئینہ ہے اور حقائقِ غیبیہ غیبی ذات سے دور دراز کی مسافتیں طے کر کے زبان پر آتے ہیں اور اس جگہ لفظوں کی صورت اختیار کر کے حقائق کی استعداد رکھنے والوں کے کانوں تک پہنچتے ہیں" ـــــ اور (حضرت خواجہ احرارؒ نے) یہ بھی فرمایا کہ "بعض اکابرین نے جن کی میں نے خدمت اختیار کی، انھوں نے ۲ دو چیزیں مجھے عطا فرمائیں: ان میں سے ایک یہ کہ "جو کچھ میں لکھوں وہ جدید ہو قدیم نہ ہو" دوسرے یہ کہ "جو کچھ میں کہوں وہ (حق تعالیٰ کے نزدیک) مقبول ہو مردود نہ ہو"۔ ان کلماتِ قدسیہ سے آپ کی بزرگی اور آپ کے معارف کی بلندئ شان مفہوم ہوتی ہے، اور واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ وہ (خواجہ احرارؒ) ان باتوں کے درمیان نہیں ہیں اور آئینہ سے زیادہ نہیں ہیں۔ وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ اَعْلَمُ بِحَقِیْقَۃِ حَالِہٖ وَمَا عِنْدَہٗ مِنْ عُلُوِّ دَرَجَتِہٖ وَ مَنْزِلَتِہٖ لِکَمَالِہٖ (اور اللہ سبحانہٗ ہی حقیقتِ حال سے واقف ہے اور ان کے بلند درجات اور منزلِ کمال کو بھی وہی جانتا ہے)

ـــــ آپ مثنوی کے ان اشعار کو جو آپ کے حال کے مناسب ہیں اکثر پڑھا کرتے تھے۔ مثنوی:

ہر کسے از ظنِ خود شد یارِ من — از درونِ من نجست اسرارِ من

سرِّ من از نالۂ من دور نیست — لیک گوش و چشم را این نور نیست

(لوگ اپنے ظن سے میرے یار ہیں — گو کہ بس نا واقفِ اسرار ہیں

راز میرا ہے نہیں نالہ سے دور — کانوں آنکھوں میں نہیں لیکن یہ نور)

یہ حقیر اپنی ناقص فہم کے مطابق اس مکتوب کے آخر میں ان علوم و معارف کی حقیقت کا مختصر بیان تحریر کرے گا۔ وَالْاَمْرُ عِنْدَ اللّٰہِ سُبْحَانَہٗ (اور اصل حکم اللہ سبحانہٗ ہی کا ہے)۔

اگر حق سبحانہٗ اپنی کمال عنایت سے ان میں سے بعض کو اس جذبے کے حصول اور اس کی تمام جہت کے بعد سلوک کی دولت سے مشرف فرمائے تو جذبہ کی مدد سے دور دراز کی مسافت کو جس کا اندازہ پچاس ہزار سال ہے، آیت کریمہ کے مطابق تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِکَۃُ وَالرُّوْحُ اِلَیْہِ فِیْ یَوْمٍ کَانَ مِقْدَارُہٗ خَمْسِیْنَ اَلْفَ سَنَۃٍ (معارج آیت ۴) (فرشتے اور روح اس کی طرف چڑھتے ہیں ایسے دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے) اسی اندازہ کی طرف اشارہ ہے۔ تھوڑی سی مدت میں اس کو طے کیا جا سکتا ہے اور فنا فی اللہ اور بقا باللہ کی حقیقت تک پہنچ سکتا ہے

سلوک کی منتہا سیر الی اللہ کی انتہا تک ہے کہ جس کو فنائے مطلق سے تعبیر کرتے ہیں اور اس کے بعد پھر مقامِ جذبہ ہے جس کو سیر فی اللہ اور بقا باللہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ سیر الی اللہ سے مراد اس اسم کی سیر ہے کہ جس کا مظہر سالک ہے اور سیر فی اللہ بھی اسی اسم کی سیر ہے، کیونکہ ہر اسم بے انتہا اسماء کا جامع ہے لہٰذا اس سیر کی بھی کوئی انتہا نہ ہوگی ——— اس درویش کو اس مقام میں خاص معرفت حاصل ہے اور اس کا ذکر بھی انشاء اللہ تعالیٰ جلد ہی کیا جائے گا ——— عروج کے مراتب میں یہ اسم عینِ ثابتہ کے اوپر ہے کیونکہ سالک کا عینِ ثابتہ اسی اسم کا ظل اور اسی کی صورتِ علمیہ ہے اور وہ جماعت جو حق جل شانہٗ کے فضل کے ساتھ مخصوص ہے وہ اس اسم سے بھی آگے عروج کر جاتی ہے اور بے نہایت جہاں تک اللہ تعالیٰ چاہے ترقیات حاصل کرتی ہے۔ شعر

وَمِنْ بَعْدِ هٰذَا مَا يَدِقُّ صِفَاتُهٗ وَمَا كَتْمُهٗ اَحْظٰى لَدَيْهِ وَاَجْمَلُ

(بعد اس کے جو بھی ہے مجوب ہے اس کا پوشیدہ ہی رہنا خوب ہے)

اگرچہ تمام دوسرے سلسلوں کے اربابِ سلوک جہتِ ثانی میں ان (نقشبندیہ) حضرات کے ساتھ شریک ہیں اور فنا فی اللہ و بقا باللہ کے ساتھ متحقق ہیں، لیکن وہ مسافت جو اربابِ سلوک، ریاضات اور مجاہدات کی بنا پر طے کرتے ہیں اور ایک طویل زمانے کے بعد اس کی انتہا کو پہنچتے ہیں۔ اس عالی خاندان کے بزرگ شہود کی دولت کی لذت اور مقصود کے ذوقِ یافت کی وجہ سے اس طویل مسافت کو تھوڑے عرصے میں طے کر لیتے ہیں اور اپنے کعبۂ مطلوب تک پہنچ جاتے ہیں اور مقصود تک پہنچنے کے بعد بے انتہا ترقی کرتے ہیں کہ (دوسرے) اربابِ سلوک کے منتہی اس ترقی اور قرب میں بہت کم حصہ پاتے ہیں، کیونکہ جذبے کا سلوک پر مقدم ہونا ایک قسم کی محبوبیت کے معنی چاہتا ہے، جب تک طالب "مراد" نہ بن جائے (اس کو) جذب نہیں کرتے، اور جب (اپنی طرف) کھینچتے ہیں تو معاملہ نزدیک تر ہو جاتا ہے اور بہت زیادہ قرب پیدا کر لیتا ہے۔ جس کو طلب کیا گیا ہو (یعنی مطلوب و مراد ہو) اور جو طلب کرنے والا ہو (یعنی طالب و مرید) ان دونوں میں بہت فرق ہے۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ (ترجمہ آیت) (یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ بہت بڑے فضل والا ہے)۔

مثنوی

عشقِ معشوقاں نہان است و ستیر — عشقِ عاشق بادو صد طبل و نفیر
لیک عشقِ عاشقاں تن زہ کند — عشقِ معشوقاں خوش و فربہ کند

(عشقِ معشوقاں نہاں ہر وقت ہے — عشقِ عاشق بس عیاں ہر وقت ہے
عشق، عاشق کو مگر لاغر کرے — عشق، معشوقوں کو فربہ تر کرے)

اور اگر یہ کہا جائے کہ دوسرے سلاسل کے "مراد والے" (اربابِ طریقت بھی) اس ترقی اور قرب میں شریک ہیں کیونکہ جذبہ ان کے سلوک پر بھی مقدم ہے لہذا اس طریقہ (نقشبندیہ) کی دوسرے طریقوں پر فضیلت کیوں کر ہوئی اور اس کو قریب ترین طریقہ کس وجہ سے کہا گیا ہے؟ ـــــ اس کا جواب یہ ہے کہ دوسرے طریقے اس معنی کے حصول کے لئے وضع نہیں کئے گئے بلکہ (حقیقت یہ ہے کہ) ان میں سے بعض کو یہ دولت اتفاقاً ہاتھ آجاتی ہے، اور یہ طریقہ (نقشبندیہ) اس دولت کے حصول کے لئے ہی وضع کیا گیا ہے ـــــ اور "یادداشت" جو اس سلسلۂ عالیہ کے اکابرین کی عبارت میں واقع ہے وہ جذبہ و سلوک کی دونوں جہتوں کے متحقق ہونے کے بعد متصور ہوتی ہے اور اس کو نہایت کہنا شہود و آگاہی کے مراتب کی انتہا کے اعتبار سے ہے، ورنہ "نہایتِ مطلق" وراء الوراء ہے ـــــ اس کی تفصیل یہ ہے کہ شہود یا تو صورت کے آئینہ میں ہے یا معنی کے آئینہ میں، یا صورت و معنی سے وراء ہے، جس کو "شہودِ بے پردہ برقی" کہتے ہیں۔ یعنی اس شہود کا حصول برق کی مانند ہے پھر پردہ میں ہو جاتا ہے۔ یہی شہود اگر فضلِ ایزدی جل سلطانہ سے دوام اختیار کر لے اور مکمل طور پر پردوں کی تنگی سے باہر نکل آئے تو اسے "یادداشت" کے نام سے تعبیر کرتے ہیں اور یہی حضورِ بے غیبت ہے لہذا جب بھی شہود پردہ میں ہوگا غیبت متحقق ہوگی، جب تک دائمی طور پر بے پردگی پیدا نہ ہو جائے اس پر "یادداشت" کے نام کا اطلاق نہیں ہوتا۔

یہاں ایک نکتہ ہے جس کا جاننا ضروری ہے کہ ہر واصل کے سِرّ (باطن) کو رجوع نہیں ہوتا اور اس کی آگاہی دائمی ہوتی ہے لیکن اس نسبت کا سریان ان کے کلیہ میں برق کی مانند ہے، بخلاف محبوبوں کے کہ جن کا جذبہ ان کے سلوک پر مقدم ہے، ان کے حق میں یہ سریان دائمی ہے اور ان کے کلیہ نے سِرّ کا حکم اختیار کر لیا ہے اور وہ سِرّ کا کام انجام دیتا ہے جیسا کہ اس کے متعلق اشارہ کیا گیا ہے۔ چنانچہ ان کے جسم ان کی روحوں کے مانند نرم ہو جاتے ہیں یہانتک کہ ان کے ظاہر ان کے باطن کی طرح اور ان کے باطن ان کے ظاہر کی طرح ہو جاتے ہیں۔

پس لازمی طور پر ان کی آگاہی میں غیبت کی گنجائش نہیں لہٰذا یہ نسبت تمام نسبتوں سے بالاتر ہے، اور یہی معنی ان حضرات (نقشبندیہ) کی کتب و رسائل سے ظاہر و شائع ہوتے ہیں۔ کیونکہ نسبت سے مراد آگاہی ہے اور آگاہی کے مراتب کی انتہا یہی ہے کہ بے پردہ میسر ہو اور دوام اختیار کر لے۔ اور اس طریقے کے مشائخ جو اس نسبت کو اپنے طریقے کے ساتھ مخصوص جانتے ہیں اس دولت (حضور و آگاہی) کے حصول کے لئے اس طریق کے وضع کے اعتبار سے ہے جیسا کہ گذر چکا اور اگر دوسرے بعض سلاسل کے اکابرین کو بھی یہ دولت میسر ہو جائے تو جائز ہے اور واقع ہے۔

اکابر اہل اللہ کے پیشوا شیخ ابو سعید ابوالخیر قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ اس آگاہی کا ایک رمز بیان کرتے ہیں اور اپنے استادؒ[1] سے اس کی تحقیق فرماتے ہیں اور دریافت کرتے ہیں کہ کیا یہ حدیث (کیفیت) دائمی ہوتی ہے؟۔ استاد جواب میں فرماتے ہیں "نہیں"۔ شیخ دوبارہ اس سوال کا تکرار کرتے ہیں اور وہی جواب پاتے ہیں۔ پھر جب تیسری مرتبہ اسی سوال کو عرض کیا تو (استاد نے) جواب میں فرمایا "اگر ایسا ہو تو شاذ و نادر ہوتی ہے۔ یہ سن کر شیخ (ابو سعیدؒ) حالتِ وجد میں آگئے اور فرمایا کہ یہ بھی انہی نوادرات میں سے ہے۔

اور جو کچھ کہ میں نے کہا تھا کہ "نہایتِ مطلق وراء الوراء ہے"۔ اس کی وضاحت یہ ہے کہ اس آگاہی کے حاصل ہونے کے بعد اگر عروج واقع ہو تو وہ حیرت کے بھنور میں پڑ جاتا ہے اور اس آگاہی کو تمام عروج کے مراتب کی طرح پیچھے چھوڑ جاتا ہے۔ اور یہی وہ حیرت ہے جس کو "حیرتِ کبریٰ" کے نام سے موسوم کرتے ہیں اور جو اکابر الاکابر کے ساتھ مخصوص ہے، جیسا کہ ان بزرگوں کی کتابوں میں واقع ہے۔

ایک بزرگ اس مقام میں فرماتے ہیں ؎

حُسنِ تو مرا کرد چناں زیر و زبر کز خال و خط و زلفِ توام نیست خبر
(حُسن نے تیرے کر دیا ہے نڈھال خال و خط کا بھی کچھ رہا نہ خیال)

ایک اور بزرگ فرماتے ہیں ؎

عشق بالائے کفر و دیں دیدم برتر از شک و از یقیں دیدم
کفر و دین و یقین و شک ہر چار ہمہ با عقل ہم نشیں دیدم
چوں گذشتم ز عقلِ صد عالم چوں بگویم کہ کفر و دیں دیدم
ہر چہ ہستند سدِّ راہ تواند سدِّ اسکندری ہمیں دیدم

[1] شیخ ابو علی دقاق قدس سرہٗ نیشاپوری، وفات ماہ ذیقعدہ ۴۰۵ھ

(ترجمہ) (عشق اونچا ہے کفر و دیں سے بھی شک سے افضل ہے اور یقیں سے بھی
کفر و دین و یقین و شک جو ہیں عقل تک ہے رسائی ان سب کی
جب میں دنیا کی عقل سے گزرا کفر و دیں کی حقیقت اب جانی
سامنے جو ہے سب رکاوٹ ہے سدّ اسکندری یہی ہے بنی)

ایک دوسرے بزرگ فرماتے ہیں ؎

لَا و ھُو زاں سرائے روز بہی باز گشتند جیب و کیسہ تہی
(۱) لَا کی اور (۲) ھُو کی منزلیں بھی خام درگہِ حق سے واپسی ناکام)

اس حیرت کے حاصل ہونے کے بعد "مقامِ معرفت" ہے۔ دیکھئے کس کو اس دولت سے مشرف فرماتے ہیں، اور "کفرِ حقیقی" کے بعد "ایمانِ حقیقی" کے حصول کے ساتھ جو کہ "مقامِ حیرت" ہے نوازتے ہیں ——— محققین کے مطلوب کی انتہا اسی ایمان میں ہے، اور مقامِ دعوت اور کمالِ متابعت حضرت صاحبِ شریعت علیہ الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ . . . . . اَدْعُوْا اِلَی اللّٰہِ عَلٰی بَصِیْرَۃٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِیْ (یوسف آیت ۱۰۸) (میں اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتا ہوں اور میں اور میرے پیروکار کامل بصیرت پر ہیں) اسی مقام میں ہے ——— اور آں سرورِ دین و دنیا علیہ الصلوٰۃ والسلام اسی ایمان کے طلبگار ہیں۔ اور فرماتے ہیں: اَللّٰھُمَّ اَعْطِنِیْ اِیْمَانًا صَادِقًا وَّیَقِیْنًا لَیْسَ بَعْدَہٗ کُفْرٌ[۱] (اے اللہ تو مجھے ایمانِ صادق عطا فرما اور ایسا یقین نصیب فرما جس کے بعد کفر نہ ہو) ——— اور آپؐ "کفرِ حقیقی" سے جو کہ "مقامِ حیرت" ہے پناہ مانگتے تھے اور فرماتے ہیں: اَعُوْذُ بِکَ مِنَ الْفَقْرِ وَالْکُفْرِ[۲] (اے اللہ میں فقر اور کفر سے تیری پناہ مانگتا ہوں)۔ یہ مرتبہ حق الیقین کے مرتبوں کی انتہا ہے۔ اور اس مقام پر "علم" اور "عین" ایک دوسرے کے لئے حجاب نہیں ہیں شعر

ھَنِیْئًا لِاَرْبَابِ النَّعِیْمِ نَعِیْمُھَا وَلِلْعَاشِقِ الْمِسْکِیْنِ مَا یَتَجَرَّعُ
(مبارک منعموں کو ان کی نعمت مبارک عاشقِ مسکیں کو کلفت)

اس نکتہ کو ذہن نشین کر لو۔

اللہ تعالیٰ تم کو ہدایت دے، جان لو کہ ان بزرگوں کا جذبہ دو قسم کا ہے ـــ اول قسم:

---

[۱] ترمذی، طبرانی، بیہقی اور محمد بن نصر اللہ المروزی نے کتاب الدعوات میں بیان کیا ہے [۲] بیہقی اور حاکم نے اس حدیث کو حضرت انسؓ سے روایت کیا۔

جو حضرت صدیق اکبرؓ سے پہنچا ہے، اس اعتبار سے ان (مشائخ نقشبندیہ) کا طریقہ حضرت (صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ)
کی طرف منسوب ہے، اور اس کا حاصل کرنا ایک خاص توجہ پر موقوف ہے جو جملہ موجودات کی قیوم ہے اور
اس میں استہلاک و اضمحلال (یعنی فنا و استغراق) نصیب ہوتا ہے ——— اور دوسری قسم وہ ہے
جس کے ظہور کا مبدأ اس طریقے میں حضرت خواجہ نقشبندؒ ہیں۔ اور یہ (جذبہ) معیتِ ذاتیہ کی راہ سے
پیدا ہوتا ہے، اور وہ جذبہ حضرت خواجہ سے پہلے ان کے خلیفۂ اول خواجہ علاؤ الدین کو پہنچا ہے۔ اور چونکہ
وہ اپنے وقت کے "قطبِ ارشاد" تھے، اس لئے آپ نے اس قسم کے جذبے کے حصول کے لئے ایک طریقہ
بھی وضع فرما دیا، اور وہ طریقہ آپ کے خاندان کے خلفا میں "طریقۂ علائیہ" کے نام سے مشہور ہے اور
ان کی تحریر میں درج ہے کہ سب سے اقرب اور نزدیک تر طریقوں میں "طریقۂ علائیہ" ہے۔ اگرچہ اس
جذبہ کی بنیاد حضرت خواجہ نقشبندؒ سے ہے لیکن اس جذبہ کو حاصل کرنے کے لئے طریقے کا وضع کرنا
خواجہ علاء الدین قدس اللہ تعالیٰ اسرارہما کے ساتھ مخصوص ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ یہ طریقہ
کثیر البرکت ہے، اس طریقے کا تھوڑا سا حصہ بھی دوسرے طریقوں کے مقابلے میں زیادہ نفع بخش ہے،
اس وقت تک علائیہ و احراریہ خاندانوں کے مشائخ اس دولتِ عظمیٰ سے بہرہ مند ہیں اور طالبوں
کی تربیت اسی طریقے سے فرما رہے ہیں۔ حضرت خواجہ (عبید اللہ) احرارؒ کو یہ دولتِ عظمیٰ مولانا یعقوب
چرخی علیہما الرضوان سے جو حضرت خواجہ علاء الدینؒ کے خلفا میں سے ہیں پہنچی ہے۔

اول قسم کا جذبہ جو حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف منسوب ہے اس کے حصول کے لئے
ایک علیحدہ طریقہ موضوع ہے اور وہ "طریقۂ وقوفِ عددی" ہے اور وہ سلوک بھی جو اس جذبے کے
حاصل ہونے کے بعد متحقق ہوتا ہے دو قسم پر مشتمل ہے بلکہ اس کی کئی قسمیں ہیں۔ ایک قسم وہ ہے کہ
حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس طریقے کے ساتھ پیوستہ ہیں (یعنی مقصود تک پہنچے ہیں) اور حضرت
رسالت خاتمیت علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ بھی اسی خانۂ جذبہ اور اسی طریقے سے (مقصود تک پہنچے ہیں۔
——— اور حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے کمالِ اخلاص کے باعث جو کہ آپ آں سرور
علیہ الصلوٰۃ والسلام سے رکھتے تھے اور اُن (کی محبت) میں فانی تھے اسی وجہ سے تمام اصحابِ کرام
رضوان اللہ تعالیٰ و تقدس علیہم اجمعین کے درمیان اس طریقے کی خصوصیت کے ساتھ مخصوص ہوئے ہیں۔
——— اور اسی جذبہ و سلوک کی نسبت امام جعفر صادقؓ کو بھی اسی خصوصیت کے ساتھ پہنچی ہے۔

اور چونکہ حضرت امام (جعفر صادقؓ) کی والدہ ماجدہ حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد میں سے تھیں اسی بنا پر امام (جعفر صادقؓ) نے ان دونوں جہتوں کے اعتبار کی وجہ سے فرمایا وَلَدَنِیْ اَبُوْبَکْرٍ مَرَّتَیْنِ (مجھے حضرت ابو بکرؓ سے نجیب الطرفین ہونے کا شرف حاصل ہے) اور چونکہ حضرت امام (جعفر صادقؓ) کو اپنے آبائے کرام سے جدا نسبت حاصل ہے اس لئے وہ ان دونوں طریقوں کے جامع ہیں اور اس جذبہ کو آپ نے ان کے سلوک کے ساتھ جمع کر دیا ہے اور اس سلوک کے ذریعے مقصود تک پہنچے ہیں ــــــــــ

اور ان دونوں سلوک کے درمیان فرق یہ ہے کہ حضرت امیر (یعنی حضرت علیؓ) کا سلوک سیرِ آفاقی سے قطع ہوتا ہے اور حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سلوک (حضرت امیرؓ کے) سیر آفاقی سے کوئی خاص تعلق نہیں رکھتا۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے خانۂ جذبہ سے نقب لگا کر مطلوب تک پہنچا دیا جائے ــــــــــ سلوکِ اول (حضرت علی والے سلوک) میں معارف کا حصول ہے، اور دوسرے (یعنی حضرت صدیقؓ والے سلوک) میں غلبۂ محبت ہے۔ پس لازمی طور پر حضرت امیرؓ "بابِ مدینۂ علم"[1] قرار پائے، اور حضرت صدیقؓ نے آں سرور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خُلّت (دوستی) کی قابلیت حاصل کر لی (جیسا کہ) آں حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: لَوْ کُنْتُ مُتَّخِذًا اَحَدًا خَلِیْلًا لَاتَّخَذْتُ اَبَا بَکْرٍ خَلِیْلًا (اگر میں کسی کو اپنا خلیل (دوست) بناتا تو ابو بکرؓ کو بناتا) ــــــــــ لہٰذا حضرت امام (جعفر صادقؓ) نے جہتِ جذبہ کی جامعیت کے اعتبار سے کہ جس کی بنیاد محبت پر ہے اور سلوکِ آفاقی کی جہت سے کہ جس کا منشاء علوم[2] و معارف ہے، محبت و معرفت (دونوں) سے وافر حصہ حاصل کیا ــــــــــ بعد ازاں حضرت امام (جعفر صادقؓ) نے اس "نسبتِ مرکّبہ" کو ودیعت کے طریق پر (بطورِ امانت) سلطان العارفین (بایزید بسطامی) قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ کے سپرد کر دیا، گویا اس بارِ امانت کو آپ نے اُن کی پُشت پر رکھا، تاکہ بتدریج (وہ امانت) اس کے اہل تک پہنچ جائے ــــــــــ اور ان کی توجہ کا رُخ اس امانت کے اٹھانے سے پیشتر دوسری جانب تھا کیونکہ ان کی نسبت اس امانت کے تحمّل سے کوئی مناسبت نہیں رکھتی تھی اور اس تحمل میں بھی بہت سی حکمتیں ہیں، اگرچہ اس نسبت کے اٹھانے والے حضرات نے اس نسبت سے بہت کم حصہ پایا ہے، لیکن اس نسبت کو ان بزرگوں کے انوار سے بہت بڑا حصہ ملا ہے ــــــــــ

[1] یہ قول اس حدیث کی طرف اشارہ ہے جو حضرت علیؓ سے مروی ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا أنا دار الحکمۃ وعلی بابھا اور یہ حدیث أنا مدینۃ العلم وعلی بابھا سے بھی مشہور ہے۔ اور علماء نے کہا ہے کہ یہ حدیث (ترمذی) شریک کے علاوہ ثقہ راویوں میں سے کسی ایک سے بھی مروی نہیں ہے۔

مثلاً سُکر کی وہ قسم جو اس نسبت سے ملی ہوئی ہے وہ سلطان العارفین (بایزید بسطامیؒ) کے انوار کے آثار میں سے ہے، وہ سُکر بستریوں کو حِس سے بیگانہ بنا دیتی ہے اور ہوش غائب کر دیتی ہے۔ اس کے بعد رفتہ رفتہ یہ سُکر پوشیدہ ہوتا جاتا ہے اور صحو کے غلبہ کے اعتبار سے وہ نسبت صحو کے مراتب میں گھُل مل جاتی ہے یعنی ظاہر میں صحو اور باطن میں سُکر ہوتا ہے۔ اور یہ بیت ان کے حال کے مناسب ہے ؎

از دروں شو آشنا و از بروں بیگانہ وش　　　این چنیں زیبا روش کم مے بود اندر جہاں

(آشنا باطن میں، بیگانہ ہو ظاہر میں کوئی　　　یہ روش کیا خوب ہے لیکن نہیں اس کا سُراغ)

علیٰ ہذا القیاس، اسی طرح وہ نسبت ہر بزرگ سے نور حاصل کرتی ہوئی اپنے اہل تک پہنچ گئی، اور وہ عارفِ ربانی حضرت خواجہ عبد الخالق غجدوانی قدس اللہ تعالیٰ و تبارک اسرارہم ہیں جو حضراتِ خواجگان کے سلسلے کے سرِ حلقہ ہیں جن کے زمانے میں یہ نسبتِ عالیہ از سرِ نو تازگی حاصل کر کے ظہور کے میدان میں آ گئی ——— ان کے بعد اس سلسلہ میں سلوکِ آفاقی کی یہ نسبت پھر پوشیدہ ہو گئی، اور جذبہ حاصل ہونے کے بعد (مشائخ کرام) دوسرے راستوں سے سلوک حاصل کر کے عروج کو پہنچے، یہاں تک کہ حضرت خواجہ نقشبند قدس اللہ تعالیٰ سرہ الاقدس عالم میں ظہور پذیر ہوئے اور وہ نسبت اسی جذبے اور سلوکِ آفاقی کے ساتھ دوبارہ نمودار ہوئی۔ اور ان دونوں جہتوں کی وجہ سے "معرفت و محبت" کے کمال کی جامع ہو گئی، اور اس (جامعیت) کے باوجود جذبے کی ایک دوسری قسم جو جمعیت کی راہ سے پیدا ہوتی ہے وہ بھی آپ کو عطا فرمائی گئی، جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ——— ——— اور آپ (خواجہ نقشبندؒ) کے کمالات سے بہت بڑا حصہ آپ کے نائب مناب حضرت خواجہ علاء الحق والدینؒ کو حاصل ہوا، اور آپ ان ہر دو جذبے اور سلوکِ آفاقی کی دولت سے مشرف ہوئے اور قطبِ ارشاد کے مقام تک پہنچے ——— اور اسی طرح حضرت خواجہ محمد پارساؒ نے بھی ان کے کمالات سے پورا پورا حصہ حاصل کیا اور حضرت خواجۂ بزرگ (خواجہ بہاء الدین نقشبندؒ) اپنی عمر کے آخری ایام میں، آپ (خواجہ پارساؒ) کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ "جس کو میری ملاقات کی آرزو ہو وہ محمد پارساؒ سے ملاقات کرلے"۔ اور یہ بھی اُن حضرت (خواجۂ بزرگ) سے منقول ہے کہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ بہاء الدین (یعنی میرے) وجود کا مقصود محمد (پارسا) کا ظہور ہے۔ اور حضرت خواجہ پارسا کو ان کمالات کے باوجود مولانا عارف ریوگری کی فردیت کی نسبت بھی حاصل تھی جو انھوں نے اپنی عمر کے آخری ایام میں آپ کو عطا

فرمائی تھی، اور اسی نسبت کے غلبہ کی وجہ سے آپ کو شیخی (کی مسند) پر بیٹھنے اور طالبوں کی تکمیل کرانے سے تامل تھا۔ ورنہ آپ کو کمال و تکمیل میں بہت بلند درجہ حاصل تھا ——— حضرت خواجہ نقشبندؒ آپ (خواجہ محمد پارساؒ) کی نسبت فرمایا کرتے تھے کہ "اگر وہ شیخی (یعنی پیری) اختیار کرے تو تمام عالم ان سے منور ہو جائے"۔ اور مولانا عارفؒ نے فردیت کی اس نسبت کو مولانا بہاء الدینؒ[1] (قشلاقی) سے جو ان کے دادا تھے حاصل کیا تھا۔

جاننا چاہئے کہ نسبتِ فردیت کی توجہ مکمل طور پر حق سبحانہٗ کی طرف ہوتی ہے اور اس کا تعلق شیخی و تکمیل اور دعوت سے بالکل نہیں ہے اور اگر وہ نسبت قطبِ ارشاد کی نسبت کے ساتھ کہ جس کا تعلق مقامِ دعوت و تکمیلِ خلق سے ہے جمع ہو جائے تو پھر دیکھنا چاہئے کہ اگر فردیت کی نسبت غالب ہے تو ارشاد و تکمیل کا پلّہ اس صورت میں مغلوب ہو جائے گا ورنہ ان دو نسبتوں والا حدِ اعتدال میں ہوگا یعنی اس کا ظاہر مکمل طور پر مخلوق کے ساتھ ہے اور اس کا باطن بالکلیہ حق تعالیٰ و تقدس کے ساتھ۔ مخلوق کو خالق کی طرف دعوت دینے کے مقام میں ان دو نسبتوں والا بڑا درجہ رکھتا ہے۔ اگرچہ قطبِ ارشاد کی نسبت والا تنہا بھی مقامِ دعوت میں کافی ہے لیکن ان بزرگوں کو اس مقام میں ایک اور ہی درجہ حاصل ہے، ان کی نظر امراضِ قلبی کو شفا بخشتی ہے اور ان کی صحبت بُرے اور ناپسندیدہ اخلاق کو دُور کر دیتی ہے ——— ——— سید الطائفہ جنید بغدادیؒ اس دولتِ عظمیٰ کی سعادت سے بہرہ مند تھے اور اس مرتبہ سے شرف حاصل کئے ہوئے تھے ان کو قطبیت کی نسبت حضرت شیخ سری سقطی سے حاصل ہوئی تھی اور فردیت کی نسبت شیخ محمد قصاب (آملی) سے تھی۔ ان کے پاکیزہ کلمات میں سے ایک یہ ہے کہ "لوگ خیال کرتے ہیں کہ میں سری سقطیؒ کا مرید ہوں، نہیں، میں تو محمد قصاب کا مرید ہوں"۔ گویا نسبتِ فردیت کو غالب کر کے آپ نے قطبیت کی نسبت کو فراموش کر دیا اور اس کو (نسبت فردیت) کے مقابلہ میں معدوم سمجھا۔

حضرت خواجہ نقشبند کے خلفا کے بعد اس بزرگ خاندان کے چراغ حضرت خواجہ احرارؒ تھے جو خواجگان کے جذبہ کو مکمل طور پر طے کرنے کے بعد سیرِ آفاقی کی طرف متوجہ ہوئے اور جب تک سیر کو اسم تک نہیں پہنچایا اس وقت تک بغیر اس کے کہ اس اسم میں آکر اپنے آپ کو فنائیت اور استہلاک پیدا کریں پھر خانۂ جذب میں آگئے

---

[1] مولانا بہاء الدین قشلاقی اپنے دور کے مقتدا اور صاحبِ کرامات بزرگ تھے ان کی ولادت قشلاق میں ہوئی جو بخارا کے مضافات میں بارہ فرسنگ کی مسافت پر ہے۔ آپ حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ کے شیخ صحبت اور استادِ حدیث تھے اور مولانا عارف ریک گری کے والد تھے، مولانا عارف، حضرت میر کلالؒ سے بیعت کرنے سے پہلے ان کے مرید تھے۔

اور اسی جہت میں آپ نے خاص اضمحلال اور استہلاک پیدا کیا پھر اسی جہت میں ایک طرح کی بقا بھی حاصل کی مختصر یہ کہ آپ اس جہت میں عظیم شان رکھتے تھے، اور علوم و معارف جو فنا و بقا کے ذریعے حاصل ہوتے ہیں آپ کو اسی مقام میں حاصل ہو گئے۔ ——— اگرچہ دونوں جہتوں کے تغایر (فرق) ہونے کے اعتبار سے علوم میں تفاوت ظاہر ہے اور ان تفاوت میں سے ایک توحید وجودی کا اثبات اور عدم اثبات ہے، اور اسی طرح ان امور کا اثبات کرنا ہے جو توحیدِ وجودی کے مناسب ہیں۔ مثلاً احاطہ و سَریان اور معیتِ ذاتیہ اور کثرت میں وحدت کا اس طرح مشاہدہ کرنا کہ کثرت بالکل پوشیدہ ہو جائے کہ سالک کی زبان پر کلمہ "اَنَا" ہرگز نہ آئے وغیرہ۔ بخلاف ان علوم کے جو فنائے مطلق کے بعد بقا پر مترتب ہوتے ہیں کیونکہ وہ اس طرح سے نہیں ہیں بلکہ ان کے علوم شریعتِ حقہ کے علوم سے مطابقت رکھتے ہیں اور اس قسم کے حیلے بہانے اور تکلفات اور سوال و جواب کے محتاج نہیں ہیں۔

مختصر یہ کہ وہ بقا جو جذبہ کی جہت میں ہے وہ جذبہ خواہ کسی قسم کا ہو سکر سے نہیں نکالتا اور صحو میں نہیں لاتا، اسی وجہ سے (اس کلمۂ) اَنَا کی بقا کے باوجود باقی پر رجوع نہیں کرتی اور نہ ہی اس کی جانب اشارہ کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ جذبہ میں محبت کا غلبہ ہے اور محبت کے غلبہ کے لئے سُکر لازم ہے لہذا کسی بھی وجہ سے وہ سکر سے جدا نہیں ہوتا اس لئے اس کے علوم میں بھی سکر کی آمیزش ہوتی ہے۔ مثلاً وحدتِ وجود کا قائل ہونا سکر اور غلبہ محبت پر مبنی ہے اس حیثیت سے کہ اس کی نظر میں سوائے محبوب کے اور کوئی چیز باقی نہیں رہتی اس لئے وہ محبوب کے علاوہ سب کی نفی کا حکم دیتا ہے اور اگر وہ صحو میں آتا تو محبوب کا شہود اس کے لئے ماسوا کے شہود سے مانع نہ ہوتا اور وحدتِ وجود کا حکم نہ کرتا۔ ——— اور وہ بقا جو فنائے مطلق کے بعد ہے اور سلوک کی انتہا ہے اس کا منشاء صحو اور معرفت کا مبدأ ہے۔ سکر کو اس مقام میں کوئی دخل نہیں ہے، سالک کے جو علوم و معارف فنا کی حالت میں گم ہو جاتے ہیں وہ سب رجوع کر آتے ہیں لیکن اصل کے رنگ میں رنگین ہوتے ہیں، اور یہی معنی بقا باللہ کے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے علوم میں سکر کی مجال نہیں ہوتی، لہذا ان کے علوم حضرات انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات والتحیات والبرکات الیٰ یوم الدین کے علوم کے مطابق ہوتے ہیں۔

اور اسی طرح میں نے ایک بزرگ سے سنا ہے کہ حضرت خواجہ (احرارؒ) نے اپنی والدہ کے آبا و اجداد سے بھی جو عجیب و غریب احوال والے تھے اور قوی جذبہ رکھتے تھے ایک نسبت حاصل کی تھی اور بارہ اقطاب کے

مقام سے جن کے ساتھ دین کی تائید وابستہ ہے اور جو محبت میں بھی عظیم شان رکھتے ہیں حضرت خواجہ (احرارؒ) کو اُن سے بھی بہت بڑا حصہ حاصل تھا اور شریعت کی تائید اور دین کی نصرت آپ کو وہیں سے میسر ہوئی تھی۔ ان (خواجہ احرارؒ) کے بلند حالات میں سے کچھ حصہ اوپر گذر چکا ہے ——— بعد ازاں ان بزرگوں کے طریقے کا احیاء اور ان عزیزوں کے آداب کی اشاعت سے بالخصوص ممالکِ ہندوستان جہاں کے باشندے ان کے کمالات سے بے بہرہ تھے ارشاد پناہی معارف آگاہی مؤید الدین الرضی شیخنا و مولانا محمد الباقی سلمہ اللہ تعالیٰ کے ظہور کی برکت سے متحقق ہوگئی ——— یہ فقیر چاہتا تھا کہ حضرت موصوف کے کمالات سے بھی کچھ اس مکتوب میں درج کرے لیکن حضرت کی رضا اس بارے میں مفہوم نہ ہوئی لہٰذا اس باب میں جرأت نہ کی۔

مکتوب ۲۹۱
دو صد و نود و یکم

مولانا عبد الحیؒ [1] کی طرف صادر فرمایا ——— توحیدِ وجودی و شہودی کے مراتب اور ان کے متعلقہ معارف کے بیان میں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ ——— اللہ تعالیٰ آپ کو رشد و ہدایت عطا فرمائے۔ اس بات کو جان لیں کہ ایک جماعت کے لئے توحیدِ وجودی کا منشا مراقبات کی کثرت سے مشق کرنا اور کلمۂ طیبہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کے معنی کو لَا مَوْجُوْدَ اِلَّا اللّٰهُ کے ساتھ سمجھنا ہے۔ اس قسم کی توحید حیلہ سازی اور تامل و تخیل کے بعد سلطانِ خیال کے غلبہ و ذریعے سے ظاہر ہوتی ہے کیونکہ توحید کے معنی کی کثرتِ مزاولت کی وجہ سے اس کی معرفت کا نقش قوتِ متخیلہ میں بن جاتا ہے ——— چونکہ اس قسم کی توحید اس صاحبِ توحید کی اپنی بنائی ہوئی ہوتی ہے اس لئے وہ علت سے خالی نہیں ہے۔ یہ توحید والا شخص اربابِ احوال میں سے نہیں ہے کیونکہ اربابِ احوال، اربابِ قلوب ہوتے ہیں اور اس توحید والے کو ابھی مقامِ قلب کی بھی کچھ خبر نہیں، اس لئے کہ یہ توحید محض علمی ہے اس سے زیادہ کچھ نہیں (یعنی حال والی نہیں ہے) لیکن علم کے بھی کئی درجے ہیں بعض کا درجہ بعض سے اوپر ہے۔

توحیدِ وجودی و شہودی کے مراتب

---

[1] آپ کے نام پانچ مکتوبات ہیں اور دفتر اول مکتوب ۲۷۷ پر آپ کا مختصر تذکرہ درج ہے۔

اور دوسری جماعت کے لئے "توحیدِ وجودی" کا منشا انجذاب اور محبتِ قلبی ہے کیونکہ وہ لوگ ابتدا میں اُن اذکار و مراقبات میں مشغول ہوتے ہیں جو توحید کے معنی کے تخیل سے خالی ہوتے ہیں اور پھر اپنی محنت و کوشش سے یا صرف عنایتِ ازلی سے مقامِ قلب تک پہنچتے ہیں اور ایک طرح کا جذب پیدا کر لیتے ہیں، اگر اس مقام میں ان پر توحیدِ وجودی کا جمال ظاہر ہو جائے تو اس کا سبب محبوب کی محبت کا غلبہ ہوگا کہ جس نے محبوب کے ماسوٰی کو ان کی نظر سے مخفی و پوشیدہ کر دیا ہے اور چونکہ وہ ماسوائے محبوب کسی کو نہیں دیکھتے اور نہ ہی پاتے ہیں اس لئے محبوب کے علاوہ کسی کو موجود نہیں جانتے۔ توحید کی یہ قسم احوال سے ہے اور تخیل کی علّت اور توہم کی آمیزش سے پاک و مبرا ہے ۔۔۔۔۔۔

اور اگر اربابِ قلوب کی اس جماعت کو اس مقام سے عالم کی طرف واپس لے آئیں تو وہ لوگ اپنے محبوب کو ذراتِ عالم میں سے ہر ذرہ میں مشاہدہ کرتے ہیں اور موجودات کو اپنے محبوب کے حسن و جمال کے آئینے اور مظاہر سمجھتے ہیں۔ اور اگر محض فضل خداوندی جل شانہ سے یہ اربابِ قلوب، مقامِ قلب سے نکل کر مقلبِ قلب، (حق جل وعلا) کی بارگاہ کی طرف متوجہ ہو جائیں تو یہ توحیدی معرفت جو ان کو مقامِ قلب میں پیدا ہوئی تھی زائل ہونے لگتی ہے اور جسقدر وہ عروج کی بلندیوں میں ترقی کرتے جاتے ہیں اپنے آپ کو اس معرفت کے ساتھ اسی قدر زیادہ نامناسب پاتے ہیں حتیٰ کہ ان میں سے بعض اس معرفت والوں کے طعن و انکار کی حد تک پہنچ جاتے ہیں، مثل رکن الدین ابو المکارم شیخ علاء الدولہ سمنانیؒ کے اور بعض دوسرے حضرات کے لئے اس معرفت کے زائل ہونے کے بعد اس کی نفی کرنے یا ثابت کرنے سے کچھ کام نہیں رہتا ۔۔۔۔۔۔ ان سطور کا کاتب اس معرفت والوں کے انکار سے اجتناب کرتا ہے اور ان کو طعن کرنے سے اپنے آپ کو دور رکھتا ہے۔ انکار و طعن کی مجال اس وقت ہوتی ہے جبکہ اس حال کے ظہور میں اس حال والوں کا اپنا قصد و اختیار ہو، ان کے ارادہ کے بغیر یہ معنی ان سے ظاہر ہو رہے ہیں، وہ اس حال میں مغلوب ہیں اس لئے معذور ہیں، اور معذور و مضطر پر کوئی ردّ و طعن کی گنجائش نہیں ہے، لیکن (اس کے باوجود یہ فقیر) اس قدر جانتا ہے کہ اس معرفت کے اوپر بھی ایک اور معرفت ہے، اور اس حال سے آگے بھی ایک دوسری حالت ثابت ہے۔ اس مقام پر رُکے ہوئے حضرات بہت سے کمالات سے رُکے ہوئے ہیں اور بے شمار مقامات سے محروم رہتے ہیں۔

یہ بے سروسامان حقیر (یعنی حضرت مجددؒ) بغیر اس بات کے کہ معنیٔ توحید میں مشق کرے، اور

مراقبات واذکار کے ضمن میں ان کے لئے محنت وکوشش کرے محض فضلِ ایزدی سے اور ہدایت وافاضت پناہی، حقائق ومعارف آگاہی مؤید الدین الرضی شیخنا ومولانا محمد الباقی قدس اللہ تعالیٰ سرہ الاقدس کی صحبت میں ذکر کی تعلیم کے بعد اور ان کی التفات و توجہ سے قلب کے مقام میں لا کر اس معرفت کا دروازہ کھول دیا اور اس مقام کے علوم ومعارف بہت عطا فرمائے، اور ان معارف کے دقائق منکشف کر کے ایک مدت تک اسی مقام میں رکھا۔ آخر الامر کمال بندہ نوازی سے مقامِ قلب سے نکال لائے اور اسی اثنا میں وہ (توحید وجودی کی) معرفت زوال پذیر ہو کر رفتہ رفتہ پورے طور پر معدوم ہو گئی۔

اپنے احوال کے اظہار کا مقصد یہ ہے کہ معلوم ہو جائے کہ اس مضمون کا لکھنے والا اپنے کشف اور ذوق کی وجہ سے اس بات کو تحریر میں لایا ہے نہ کہ ظن وتقلید کی بنیاد پر ——— اور وہ معارفِ توحیدی جو بعض اولیاء اللہ سے ظاہر ہوئے ہیں اور چونکہ ابتدائے حال میں اور مقامِ قلب پر صادر ہوئے ہیں اس لئے ان کو اس راہ سے کوئی نقصان نہیں ہوتا ——— اس حقیر نے بھی اُس وقت (زمانے میں) معارفِ توحیدی پر کئی رسائل لکھے ہیں، اور چونکہ بعض دوستوں نے ان تحریروں کو منتشر کر دیا اس لئے ان کا جمع کرنا دشوار ہو گیا اور ان رسائل کو ان کے حال پر چھوڑ دیا، نقص اس وقت لازم آتا جبکہ اس مقام سے اوپر نہ لے جائیں۔

۳ اربابِ توحید میں سے ایک گروہ کے لوگ وہ ہیں جو اپنے مشہود میں استہلاک (نیستی) واضمحلال (فنائیت) کامل طور پر پیدا کر لیتے ہیں اور ان کا ارادہ یہ ہوتا ہے کہ اپنے مشہود میں ہمیشہ مضمحل ومعدوم رہیں اور ان کے وجود سے کوئی اثر ظاہر نہ ہو، یہ لوگ کلمۂ "اَنَا" کے رجوع کو اپنے لئے کفر جانتے ہیں اور ان کے نزدیک کام کی انتہا فنا ونیستی ہے۔ مشاہدہ (عالم میں مشہودِ حق) کو بھی گرفتاری جانتے ہیں۔ ان میں سے بعض فرماتے ہیں اَشْتَھِیْ عَدَمًا لَّا اَعُوْدُ اَبَدًا (میں ایسا عدم چاہتا ہوں کہ جس کا وجود ہرگز کبھی نہ ہو)۔ یہی لوگ محبت کے مقتول ہیں ——— اور حدیثِ قدسی مَنْ قَتَلْتُہٗ فَاَنَا دِیَتُہٗ (جس کو میں قتل کرتا ہوں اس کا خون بہا بھی میں خود ہوتا ہوں) انہی کی شان میں ثابت ہے۔ یہ لوگ ہمیشہ وجود کے زیر بار رہتے ہیں اور ایک لمحہ بھی آرام نہیں پاتے۔ کیونکہ آرام غفلت میں ہوتا ہے، دائمی فنائیت کے ہوتے ہوئے غفلت کی گنجائش نہیں ہے ——— شیخ الاسلام ہرویؒ فرماتے ہیں کہ "جو شخص مجھ کو ایک ساعت کے لئے حق تعالیٰ سے غافل کر دے امید ہے کہ اس کے گناہ بخش دیئے جائیں۔ ——— اور وجودِ بشریت کے لئے

غفلت درکار ہے۔ حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے اپنے کمالِ کرم ان میں سے ہر ایک کے ظاہر کو ان کی استعداد کے موافق ان امور میں جو غفلت کو مستلزم ہیں مشغول کر دیا ہے تاکہ وہ بارِ وجود کسی قدر ان سے ہلکا ہو جائے چنانچہ ایک جماعت کو سماع و رقص کی الفت دیدی، اور ایک گروہ کو کتابوں کی تصنیف اور علوم و معارف تحریر کرنا شعار بنا دیا گیا، اور ایک گروہ کو بعض مباح امور میں مشغول کر دیا ہے —— (جیسا کہ) عبد اللہ اصطخری سگ بانوں (کتوں والوں) کے ہمراہ جنگل میں چلے جایا کرتے تھے۔ کسی شخص نے ایک بزرگ سے اس کا راز دریافت کیا تو اُن بزرگ نے فرمایا یہ اس لئے تاکہ ان کا نفس کچھ وقت کے لئے بارِ وجود سے خلاصی حاصل کر لے —— اور بعض کو توحید وجودی کے علوم اور وحدت میں کثرت کے مشاہدہ سے آرام دیا تاکہ اس بار سے ایک ساعت کے لئے آرام پا لیں۔

اور وہ توحید جو مشائخ نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے بعض اکابر بزرگوں سے ظاہر ہوئی ہے اسی قسم سے ہے۔ ان بزرگوں کی نسبت تنزیہ صرف کی طرف لے جاتی ہے وہ عالم اور شہود در عالم سے کچھ واسطہ نہیں رکھتے —— اور وہ معارف جو ارشاد پناہی حقائق و معارف دستگاہی ناصر الدین خواجہ عبید اللہؒ نے توحید وجودی اور کثرت میں وحدت کے شہود کے مناسب تحریر فرمائے ہیں توحید کی اسی اخیر قسم سے ہیں۔ ان کی کتاب "فقرات" جو بعض علومِ توحید وغیرہ پر مشتمل ہے اس کتاب کا منشا اور ان معارف کا مقصود ان کا عالم کے ساتھ انس و الفت پیدا کرنا ہے —— اور ہمارے خواجہ (باقی باللہؒ) کے معارف جو آپ نے بعض رسالوں میں کتاب "فقرات" کے کلام کے مطابق تحریر فرمائے ہیں اسی قسم سے ہیں۔ ان علومِ توحید کا منشا نہ جذبہ ہے اور نہ غلبۂ محبت، اور ان کے مشہود کو عالم کے ساتھ کچھ بھی نسبت نہیں ہے، ان کو جو کچھ عالم میں دکھاتے ہیں ان کے مشہودِ حقیقی کا شبہ و مثال ہے۔

مثلاً ایک شخص آفتاب کے جمال میں گرفتار ہے اور اپنی کمالِ محبت کی وجہ سے آفتاب میں گم ہو گیا ہے اور اپنا نام و نشان بھی کچھ نہ چھوڑا۔ اس گم شدہ کو اگر چاہیں کہ دوبارہ (آفتاب کی گرفتاریِ محبت سے) واپس لے آئیں اور اس میں آفتاب کے علاوہ کسی دوسرے کی الفت و محبت پیدا کر دیں تاکہ ایک لمحہ آفتاب کے انوار کے غلبہ سے اپنا سانس درست کر کے تھوڑی دیر آرام کر لے۔ تو اسی آفتاب کو اس عالم کے آئینوں میں جلوہ نما کرتے ہیں اور اس آمیزش یا تعلق کے ساتھ اس کو اس عالم سے ایک انس و التفات پیدا کراتے ہیں اور اس کو یہ باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں کہ یہ عالم عین آفتاب ہے اور سوائے آفتاب کے

اور کوئی چیز موجود نہیں ہے اور کبھی ذراتِ عالم کے آئینوں میں اس کو جمالِ آفتاب کی رونمائی کراتے ہیں۔
اس جگہ کوئی یہ سوال نہ کرے کہ چونکہ نفس الامر میں عالم عین آفتاب نہیں لہذا اس کو آفتاب بتانا خلافِ واقع ہوگا ــــــ اس کے جواب میں ہم یہ کہتے ہیں کہ عالم کے افراد بعض امور میں ایک دوسرے سے اشتراک رکھتے ہیں اور دوسرے معاملات میں امتیاز (فرق)۔ حق سبحانہ وتعالیٰ اپنی کمالِ قدرت سے بعض امور کو جو امتیاز کا باعث ہیں بعض حکمتوں اور مصلحتوں کی بنیاد پر ان کی نظروں سے پوشیدہ کر دیتا ہے اور صرف اجزائے مشترکہ کو ظاہر فرما دیتا ہے، لہذا لازمی طور پر ایک دوسرے کے ساتھ اتحاد کے حکم میں آجاتے ہیں، پس اسی طرح وہ شخص آفتاب کو بھی اسی تعلق سے عالم کا عین پاتا ہے۔ اور اسی طرح حق سبحانہٗ کو اگرچہ عالم کے ساتھ حقیقت میں کچھ بھی مناسبت نہیں لیکن مشابہتِ اسمی اس اتحاد کو صحیح و درست کر دیتی ہے ــــــ مثلاً حق سبحانہٗ وتعالیٰ موجود ہے اور عالم بھی موجود ہے لیکن حقیقت میں ان دونوں وجودوں کے درمیان کوئی مناسبت نہیں ہے ــــــ اسی طرح حق تعالیٰ سمیع، بصیر، حی، قادر اور مرید ہے، اور عالم کے بعض افراد بھی انہی صفات سے متصف ہیں اگرچہ ایک دوسرے کی صفات (یعنی واجب تعالیٰ کی صفات اور ممکن کی صفات) ایک دوسرے سے جدا ہیں لیکن چونکہ وجودِ امکانی کی خصوصیت اور صفاتِ محدثات کے نقائص ان کی نظروں سے (حکمت کی بنا پر) پوشیدہ کر دیئے گئے ہیں، اس لئے اگر ان (واجب و ممکن) کے درمیان اتحاد کا حکم کر دیا جائے تو گنجائش ہے۔

توحید کی یہ آخری قسم اقسامِ توحید میں سب سے اعلیٰ قسم ہے۔ بلکہ حقیقت میں اس معرفت والے حضرات اس وارد (حال) کے مغلوب نہیں ہیں اور ان کا سکر اس معرفت کی وجہ سے نہیں ہوا ہے بلکہ اس حال کو اُن پر کسی مصلحت کی بنا پر طاری کر دیا گیا ہے اور یہ بات ملحوظ ہے کہ اس معرفت کے وسیلے سے ان کو سکر سے صحو میں لائیں اور تسلّی دیں جیسا کہ بعض کو سماع و رقص سے اور بعض کو بعض امورِ مباحہ کے ساتھ مشغول کر کے تسلّی دی گئی ہے ــــــ جاننا چاہئے کہ ان (مذکورہ) گروہوں میں سے بعض حضرات ان بعض امور کے متعلق جو ان کے مشہود کے مغائر (غیر) میں سے ہیں وہ ان میں مشغول رہتے ہیں اور تسلّی حاصل کرتے ہیں بخلاف ان بزرگوں کے جو ان کے مشہود کے مغائر کی طرف التفات نہیں کرتے اور نہ ان کے تابع ہوتے ہیں۔ لہذا لازمی طور پر عالم کو ان کے مشہود کا عین ظاہر

کرتے ہیں، یا عالم کے آئینے میں اس کو جلوہ گر کرتے ہیں تاکہ ایک ساعت کے لئے اس بارِ گراں سے تخفیف حاصل کریں ـــــــــ اس آخری قسم کی توحید کا منشا اس حقیر کو کشف اور ذوق کے طریقے سے معلوم نہیں تھا، صرف پہلی دو قسموں کو ہی جانتا تھا، البتہ اس (تیسری) قسم کا صرف ظن و گمان رکھتا تھا اسی وجہ سے رسائل و مکتوبات میں انہی دو وجوہات بلکہ وجہ دوم کو لکھا ہے اور توحیدِ وجودی کو اسی پر منحصر کیا ہے ـــــــــ لیکن جب ارشاد پناہی قبلہ گاہی (خواجہ باقی باللہؒ) کی رحلت کے بعد آپ کے مزار شریف کی تقریبِ زیارت کے لئے محفوظ شہر دہلی جانے کا اتفاق ہوا، اور عید کے روز مزار شریف پر حاضری دی تو مزار مبارک پر توجہ کرنے کے دوران آپ کی روحانیتِ مقدسہ پورے التفات کے ساتھ ظاہر ہوئی، اور کمال درجہ غریب نوازی کی بنا پر اپنی نسبتِ خاصہ جو حضرت خواجہ احرارؒ سے منسوب ہے آپ نے مرحمت فرمائی۔ جب فقیر نے اس نسبت کو اپنے اندر پایا تو ان علوم و معارف کی حقیقت کو بطریق ذوق حاصل کیا اور معلوم ہوا کہ آپ کے اندر توحیدِ وجودی کا منشا انجذابِ قلبی اور غلبۂ محبت نہیں ہے بلکہ اس معرفت سے مقصود اس غلبہ کی تخفیف ہے ـــــــــ ایک مدت تک اس معنی کے اظہار کو مناسب نہیں سمجھا لیکن چونکہ بعض رسائل میں ان دو وجوہ کا ذکر پہلے ہو چکا تھا جن کی وجہ سے کم فہم لوگ وہم میں پڑ گئے تھے، کیونکہ اُس بیان سے دو بزرگوں (یعنی خواجہ احرارؒ اور خواجہ باقی باللہؒ) کی تنقیص لازم آتی ہے کہ ان کا طریقہ اربابِ توحید کا طریقہ ہے۔ لہٰذا لوگوں نے اس ذریعے سے (اس فقیر کے حق میں) فتنہ انگیزی کی زبان درازی کی، یہاں تک کہ بعض کم ارادت طالبوں کے احوال کے فتور کا باعث ہو گیا۔ اس لئے ضرورت و مصلحت کی بنا پر توحید کی اس (تیسری) قسم کا اظہار کرنا مناسب سمجھا اور اس واقعہ (یعنی حضرت خواجہ باقی باللہؒ کی زیارتِ قبر) کو بطورِ دلیل تحریر میں لایا۔

ہمارے خواجہ صاحبؒ کے مخلصوں میں سے ایک درویش نے نقل کیا کہ (خواجہ صاحب) فرمایا کرتے تھے کہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ ہم اربابِ توحید کی کتابوں کے مطالعہ سے نسبت حاصل کرتے ہیں، ایسا نہیں ہے بلکہ (مطالعۂ کتب سے) مقصود یہ ہے کہ ایک ساعت کے لئے اپنے آپ کو غافل کر لیں۔ یہ بات سابق کلام کی تائید کرتا ہے۔

فضیلت پناہی شیخ عبدالحق (محدث دہلویؒ) جو کہ ہمارے خواجہ صاحبؒ کے مخلصوں میں سے ہیں

نقل کرتے ہیں کہ حضرت خواجہؒ رحلت کے آخری ایام میں فرمایا کرتے تھے کہ ہم کو مکمل طور پر یقین حاصل ہو گیا کہ توحید (وجودی) ایک تنگ کوچہ ہے اور شاہراہ دوسری ہے۔ اگرچہ پہلے بھی ہم یہی جانتے تھے لیکن اس قسم کا یقین اب ظہور پذیر ہوا ہے ـــــــ اس بات سے یہ بھی مفہوم ہوتا ہے کہ آخر کار آپؒ کا مشرب بھی توحید وجودی سے مناسبت نہ رکھتا تھا۔ البتہ ابتدائے حال میں اگر اس قسم کی توحید ظاہر ہوئی ہو تو کوئی ڈر کی بات نہیں ہے، بلکہ اکثر مشائخ کو ابتدا میں اسی قسم کی توحید ظہور پذیر ہوئی ہے اور آخر کار وہ اس سے نکل آئے ہیں۔

اور اسی طرح جذبۂ نقشبندیہ کے مقام میں پہنچنے کے بعد حضرت خواجہ نقشبندؒ اور حضرت خواجہ احرارؒ کے طریقے ایک دوسرے سے جدا ہو جاتے ہیں اور علوم و معارف بھی ایک دوسرے سے جدا ہیں۔ بعد ازاں حضرت خواجہ احرارؒ کی توجہ کا غلبہ اپنے مادری آباء و اجداد کی نسبتِ باطنی کے اعتبار سے ہے جو پشت در پشت سے بزرگ ہوتے چلے آئے ہیں اور یہ فنا و نیستی جو اوپر مذکور ہو چکی ہے انہی بزرگوں کی نسبت کے لوازمات میں سے ہے ـــــــ اس حقیر نے اپنے ہم عصر لوگوں کی مصلحت کو مدِ نظر رکھ کر طالبوں کی تربیت کے لئے حضرت خواجہ نقشبندؒ کا طریقہ اختیار کیا ہے، چونکہ آپ کے علوم و معارف، ظاہری شریعت کے علوم و معارف سے بہت زیادہ مناسبت رکھتے ہیں اور اس فاسد زمانہ میں جبکہ ارکانِ شریعت کی ادائیگی میں لوگ بہت سست ہو گئے ہیں ان کو ظاہر کرنا مناسب دیکھتے ہوئے طالبوں کے فائدے کی غرض سے اس طریقے کا تعین کیا۔ اگر حق سبحانہٗ اس حقیر کے ذریعے سے طریقۂ احراریہ کو رواج دینا چاہتا تو عالم کو اس کے نور سے منور کر دیتا۔ کیونکہ دونوں بزرگوں کے انوار بطریق کمال اس فقیر کو عطا فرمائے گئے ہیں اور دونوں بزرگوں کے طریقوں کی تکمیل (مجھ پر) ظاہر کر دی گئی ہے۔ اِنَّ الْفَضْلَ بِیَدِ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰہُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ (حدید ۵۷ آیت ۲۹) (بیشک فضل اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہے جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ بہت بڑے فضل والا ہے) ؎

بادشاہے ست کز عنایتِ خویش ہر دو عالم بیک گدا بخشد

(عجیب بادشاہ ہے کہ چاہے اگر دو عالم، گدا ہی کو وہ بخش دے)

؎ اگر بادشہ بر درِ پیر زن بیاید تو اے خواجہ سبلت مکن

(اگر بادشاہ آئے بڑھیا کے گھر تو اے خواجہ، ہرگز تعجب نہ کر)

اور بحکم وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ (ضحٰی آیت ۱۱ [۹۳]) (تم اپنے رب کی نعمت کا اظہار کرو) کے تحت (یہ حقیر) بعض پوشیدہ اسرار کو معرضِ ظہور میں لایا ہے۔ حق سبحانہ وتعالیٰ طالبانِ حق کو ان سے بہرہ مند فرمائے۔ اگرچہ (یہ فقیر) جانتا ہے کہ منکروں کو انکار کی زیادتی کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا لیکن مقصود طالبوں کو فائدہ پہنچانا ہے اور منکر اس بحث سے خارج ہیں اور مطمحِ نظر (مقصد) سے باہر ہیں۔ يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا وَيَهْدِي بِهِ كَثِيرًا (بقرہ آیت ۲۶ [۲]) (اس سے بہت لوگ گمراہ ہوتے ہیں اور بہت لوگ ہدایت پاتے ہیں)۔

اربابِ بصیرت پر یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ مصلحت کی بنا پر ایک طریقے کو اختیار کرنے سے دوسرے طریقے پر اس کی افضلیت لازم نہیں آتی اور نہ دوسرے طریقے کا نقص ظاہر ہوتا ہے ؎

دروازۂ شہر را تواں بست — نتواں دہنِ مخالفاں بست

(شہر کا دروازہ ہو سکتا ہے بند — دشمنوں کا بند منہ ہو کس طرح)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ذِي الْإِنْعَامِ وَالْمِنَّةِ أَوَّلًا وَّآخِرًا وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ وَالتَّحِيَّةُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ سَرْمَدًا وَّعَلٰى اٰلِهِ الْأَخْيَارِ وَأَصْحَابِهِ الْأَبْرَارِ (اول و آخر تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو بڑے انعام و احسان والا ہے اور صلوٰۃ و سلام اور تحیۃ ہو اس کے رسول پر اور آپؐ کی بزرگ اولاد اور نیک اصحاب پر)۔

مکتوب ۲۹۲

دوصد نود و دوئم

شیخ عبد الحمید بنگالی [۱] کی طرف صادر فرمایا ——— مریدوں کے لئے ضروری آداب کے بیان میں اور ان کے بعض شبہات دور کرنے اور اس کے مناسب بیان میں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ أَدَّبَنَا بِالْآدَابِ النَّبَوِيَّةِ وَهَدَانَا بِالْأَخْلَاقِ الْمُصْطَفَوِيَّةِ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِيْمَاتُ أَتَمُّهَا وَأَكْمَلُهَا (شروع اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے ہم کو آدابِ نبوی کے ساتھ مؤدب کیا اور اخلاقِ مصطفویہ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والتسلیمات اتمہا واکملہا کی جانب ہم کو ہدایت فرمائی ہے)۔

جاننا چاہئے کہ اس راہ کے سالک دو حال سے خالی نہیں ہیں: یا تو وہ مرید ہیں یا مراد ہیں۔

---

۱ آپ کے نام پانچ مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ و تفصیل دفتر اول مکتوب ۱۵۸ پر ملاحظہ فرمائیں۔

اگر مراد ہیں تو اُن کے لئے مبارک بادی ہے، کیونکہ (کارکنانِ قضاء وقدر) ان کو انجذاب ومحبت کی راہ سے کشاں کشاں لے جائیں گے اور مطلبِ اعلیٰ پر پہنچا دیں گے۔ اور ہر ادب جو بھی درکار ہوگا وہ توسط یا بلا توسط ان کو سکھا دیں گے۔ اور اگر کوئی لغزش واقع ہوگئی تو جلد ان کو آگاہ کر دیا جائے گا، اور اس کا مواخذہ نہیں کیا جائے گا، اور اگر ظاہری پیر کی ضرورت ہوگی تو بغیر کسی کوشش کے ان کو اس دولت (مرشد کامل) کی طرف رہنمائی فرمادیں گے ـــــ مختصر یہ کہ عنایتِ ازلی جل سلطانہٗ ان بزرگوں کے حال کی متکفّل ہوتی ہے، (حق تعالیٰ کسی ذریعے سے) سبب اور بلا سبب ان کے کام کی کفایت فرماتا ہے: اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ (شوریٰ آیت ۱۳ ۴۲) (اللہ تعالیٰ اپنے لئے منتخب کر لیتا ہے جس کو چاہتا ہے)۔

اور اگر مریدوں میں سے ہیں تو ان کا کام پیرِ کامل ومکمل کے توسط کے بغیر دشوار ہے، بلکہ (ان کے لئے) ایسا پیر ہونا چاہئے جو "دولتِ جذبہ وسلوک" سے مشرف کیا گیا ہو، اور "فنا وبقا" کی سعادت سے بھی بہرہ مند ہو چکا ہو، نیز "سیر الی اللہ، سیر فی اللہ، سیر عن اللہ باللہ اور سیر فی الاشیا باللہ" کے تمام مرحلوں کو طے کر چکا ہو، اگر اس کا جذبہ اس کے سلوک پر مقدم ہے اور وہ مراد (والے حضرات) کی تربیت کا پروردہ ہے تو وہ (مرشد) کبریتِ احمر (سرخ گندھک یعنی اکسیر) کی مانند ہے۔ اس کا کلام دوا ہے، اور اس کی نظر شفا ہے، مُردہ دلوں کو زندہ کرنا اس کی توجہ شریف پر وابستہ ہے اور پژمردہ جانوں کی تازگی اس کے التفاتِ لطیف سے مربوط ہے۔ اگر اس قسم کا "صاحبِ دولت شیخ" میسر نہ ہو تو سالک مجذوب بھی غنیمت ہے، اس سے بھی ناقصوں کی تربیت ہو جاتی ہے اور اس کے توسط سے فنا وبقا کی دولت تک پہنچ جاتے ہیں ؎

آسماں نسبت بعرش آمد فرود ورنہ بس عالی ست پیشِ خاکِ تود

(عرش سے نیچے ہے بیشک آسماں پھر بھی اونچا ہے زمیں سے وہ مکاں)

اگر خداوند جل سلطانہٗ کی عنایت سے کسی طالب کو ایسے پیر کامل ومکمل کی طرف رہنمائی نصیب ہو جائے تو اس کے وجود شریف کو غنیمت جانے اور پورے طور پر اپنے آپ کو اس کے سپرد کر دے اور اس کی مرضیات میں اپنی سعادت سمجھے اور اس کی خلافِ مرضیات کو اپنی شقاوت وبدنصیبی جانے ـــ خلاصہ یہ کہ اپنی خواہش اس کی رضا کے تابع کر دے۔

حدیثِ نبوی علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات اتمہا واکملہا میں ہے: لَنْ یُّؤْمِنَ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یَکُوْنَ هَوَاهُ تَبَعًا لِّمَا جِئْتُ بِهٖ[1] (تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنی خواہش کو اس امر کے تابع نہ کر دے جس کو میں لایا ہوں)۔

مریدوں کے لئے ضروری آداب و شرائط

جاننا چاہیے کہ صحبتِ (شیخ) کے آداب کی رعایت اور شرائط کو مدِ نظر رکھنا اس راہ کی ضروریات میں سے ہے تاکہ افادہ اور استفادہ کا راستہ کھل جائے، ورنہ (آداب کی رعایت کے بغیر) صحبت سے کوئی نتیجہ پیدا نہ ہوگا اور اس کی مجلس سے کوئی فائدہ حاصل نہ ہوگا (اس لئے) بعض ضروری آداب و شرائط لکھے جاتے ہیں، گوشِ ہوش سے سننے چاہئیں:۔

جان لیں کہ طالب کو چاہیئے کہ اپنے "چہرۂ دل" کو تمام اطراف و جوانب سے ہٹا کر اپنے مرشد کی طرف متوجہ کرے اور پیر کی خدمت میں رہتے ہوئے اس کی اجازت کے بغیر نوافل و اذکار میں بھی مشغول نہ ہو اور نہ ہی اس کے حضور میں اس کے علاوہ کسی اور کی طرف التفات کرے، اور پوری طرح اسی کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھا رہے۔ حتیٰ کہ جب تک وہ حکم نہ کرے ذکر میں بھی مشغول نہ ہو۔ اور اس کی خدمت میں رہتے ہوئے نمازِ فرض و سنت کے علاوہ کچھ ادا نہ کرے۔

سلطانِ ایں وقت (جہانگیر) کا واقعہ منقول ہے کہ اس کا وزیر اس کے سامنے کھڑا تھا اسی اثناء میں اتفاقاً وزیر کی نظر اس کے اپنے کپڑے پر پڑی اور وہ اس کے بند کو اپنے ہاتھ سے درست کرنے لگا۔ اسی حال میں تھا کہ اچانک بادشاہ کی نظر وزیر پر پڑ گئی کہ وہ اس کے غیر (یعنی اپنے کپڑے) کی طرف متوجہ ہے، تو بادشاہ نے نہایت عتاب آمیز لہجہ میں کہا کہ "میں اس بات کو برداشت نہیں کر سکتا کہ میرا وزیر میرے حضور میں اپنے کپڑے کے بند کی طرف توجہ کرے" ——— سوچنا چاہیئے کہ جب کمینی دنیا کے وسائل (مثلاً بادشاہ) کے لئے چھوٹے چھوٹے آداب ضروری ہیں تو وصول الی اللہ کے وسائل (مثلاً پیر) کے لئے ان آداب کی کامل درجہ رعایت نہایت ہی ضروری ہوگی ——— لہٰذا جہاں تک ممکن ہو سکے ایسی جگہ کھڑا نہ ہو کہ اس کا سایہ پیر کے کپڑوں یا سایہ پر پڑے اور اس کے مصلے پر پاؤں نہ رکھے اور اس کے وضو کی جگہ پر وضو نہ کرے اور اس کے خاص برتنوں کو استعمال نہ کرے اور اس کے حضور میں پانی نہ پیئے، کھانا نہ کھائے اور نہ کسی سے گفتگو کرے بلکہ کسی دوسرے کی طرف متوجہ بھی نہ ہو۔ اور پیر کی غیبت (غیر موجودگی) میں جہاں پیر رہتا ہے اس جگہ کی طرف پاؤں نہ پھیلائے اور نہ اس کی طرف

[1] رواہ فی شرح السنۃ۔ وقال النووی ہذا حدیث صحیح قالہ فی المشکوٰۃ

سمجھے، اور جو کچھ پیر سے صادر ہو اس کو صواب (درست) جانے اگرچہ بظاہر درست معلوم نہ ہو، وہ جو کچھ کرتا ہے الہام سے کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے اذن سے کرتا ہے لہٰذا اس صورت میں اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں ہے، اگرچہ بعض صورتوں میں اس کے الہام میں خطا کا ہونا ممکن ہے لیکن "خطائے الہامی" "خطائے اجتہادی" کے مانند ہے اس پر ملامت واعتراض جائز نہیں ——— اور نیز چونکہ اس مرید کو اپنے پیر سے محبت پیدا ہو چکی ہے اس لئے جو کچھ محبوب (پیر) سے صادر ہوتا ہے مُحِب (مرید) کی نظر میں محبوب دکھائی دیتا ہے لہٰذا اعتراض کی گنجائش نہیں ہے۔ کھانے پینے، پہننے سونے اور طاعت کرنے کے ہر چھوٹے بڑے کاموں میں پیر ہی کی اقتدا کرنی چاہئے، نماز کو بھی اسی کی طرز پر ادا کرنا چاہئے اور فقہ کو بھی اسی کے عمل سے اخذ کرنا چاہئے۔ ؎

آں راکہ در سرائے نگاریست فارغ است | از باغ و بوستاں و تماشائے لالہ زار
(جو شخص ہو نگار کے گھر سب ہے اس کے پاس | باغ اور لالہ زار کی حاجت نہیں اُسے)

اور اس (پیر) کی حرکات وسکنات پر کسی قسم کے اعتراض کو دخل نہ دے اگرچہ وہ اعتراض رائی کے دانے کی برابر ہو، کیونکہ اعتراض سے سوائے محرومی کے کچھ حاصل نہیں ہوتا اور تمام مخلوقات میں سب سے زیادہ بدبخت وہ شخص ہے جو اس بزرگ گروہ کا عیب بیں ہے (عیب دیکھنے والا)۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اس بلائے عظیم سے بچائے ——— اور اپنے پیر سے خوارق وکرامات طلب نہ کرے اگرچہ وہ طلب خطرات (قلبی) اور وساوس کے طریق پر ہوں۔ کیا آپ نے سُنا ہے کہ کسی مومن نے اپنے پیغمبر سے معجزہ طلب کیا ہے (یعنی ایسا کبھی نہیں ہوا) معجزہ طلب کرنے والے کافر اور منکر لوگ ہوتے ہیں ؎

معجزات از بہرِ قہرِ دشمن است | بوئے جنسیت پئے دل بُردن است
موجبِ ایماں نباشد معجزات | بوئے جنسیت کند جذبِ صفات
(معجزہ ہے عجزِ دشمن کے لئے | اپنے اپنایت سے ہیں اپنے بنے
موجبِ ایماں نہیں ہیں معجزات | بلکہ اپنایت سے ہے جذبِ صفات)

اگر دل میں کسی قسم کا شبہ پیدا ہو تو اس کو بلا توقف (پیر کی خدمت میں) عرض کردے، (پھر بھی) اگر حل نہ ہو تو اپنی تقصیر سمجھے اور پیر کی طرف کسی قسم کی کوتاہی یا عیب ونقص منسوب نہ کرے، اور جو واقعہ بھی ظاہر ہو پیر سے پوشیدہ نہ رکھے، اور واقعات کی تعبیر اسی سے دریافت کرے، اور جو تعبیر خود طالب پر

منکشف ہو وہ بھی عرض کر دے، اور صواب و خطا کو اسی سے طلب کرے۔ اور اپنے کشفوں پر ہرگز بھروسہ نہ کرے کیونکہ اس دار (فانی) میں حق باطل کے ساتھ ملا ہوا ہے اور خطا صواب کے ساتھ ملی جلی ہوئی ہے اور بے ضرورت اور بلا اجازت اس سے جدا نہ ہو، کیونکہ اس کے غیر کو اس کے اوپر اختیار کرنا ارادت کے منافی ہے اور اپنی آواز کو اس کی آواز سے بلند نہ کرے اور بلند آواز سے اس کے ساتھ گفتگو نہ کرے کہ بے ادبی میں داخل ہے، اور (ظاہر و باطن میں) جو فیض و فتوح اس کو پہنچے اس کو اپنے پیر ہی کے ذریعے سمجھے، اور اگر واقعہ میں دیکھے کہ فیض دوسرے مشائخ سے پہنچا ہے اس کو بھی اپنے پیر ہی سے جانے اور یہ سمجھے کہ چونکہ پیر تمام کمالات و فیوض کا جامع ہے اس لئے پیر کا خاص فیض مرید کی خاص استعداد کے مناسب اس شیخ کے کمال کے موافق جس سے یہ صورتِ افاضہ ظاہر ہوئی ہے مرید کو پہنچا ہے، اور وہ پیر کے لطائف میں سے ایک لطیفہ ہے جو اس فیض سے مناسبت رکھتا ہے اور اس شیخ کی صورت میں ظاہر ہوا ہے۔ ابتلا و آزمائش کی وجہ سے مرید نے اس کو دوسرا شیخ خیال کیا ہے اور فیض کو اس کی طرف سے جانا ہے یہ بڑا بھاری مغالطہ ہے۔ حق سبحانہٗ اس لغزش سے محفوظ رکھے اور سید البشر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات و التسلیمات کے طفیل پیر کے ساتھ حسنِ اعتقاد اور اس کی محبت پر ثابت قدم رکھے (آمین)۔

غرض اَلطَّرِیْقُ کُلُّہٗ اَدَبٌ (طریقت سراپا ادب ہے) مثل مشہور ہے کوئی بے ادب خدا تک نہیں پہنچا۔ اور اگر مرید بعض آداب کے بجا لانے میں اپنے آپ کو عاجز جانے اور ان کو کما حقہ ادا نہ کر سکے اور کوشش کرنے کے بعد بھی اس سے عہدہ برآ نہ ہو سکے تو قابلِ معافی ہے لیکن اس کو اپنے قصور کا اقرار ضروری ہے اور اگر اعاذنا اللہ سبحانہٗ آداب کی رعایت بھی نہ کرے اور اپنے آپ کو قصوروار بھی نہ جانے تو وہ ان بزرگوں کی برکات سے محروم رہتا ہے ؎

ہر کرا روئے بہ بہبود نہ بود   دیدنِ روئے نبی سود نہ بود
(جس کی قسمت میں نہ وہ بہبود تھی   دیدِ پیغمبرؐ اسے بے سود تھی)

ہاں اگر کوئی مرید اپنے پیر کی توجہ کی برکت سے فنا و بقا کے مرتبہ پر پہنچ جائے اور اس پر الہام و فراست کا طریقہ کھل جائے اور پیر بھی اس کو تسلیم کر لے اور اس کے کمال کی گواہی دے تو اس مرید کے لئے جائز ہے کہ وہ بعض الہامی امور میں اپنے پیر کے خلاف کرے اور اپنے الہام کے تقاضے پر عمل کرے، اگرچہ پیر کے نزدیک اس کے خلاف ہی متحقق ہو چکا ہو، کیونکہ وہ مرید اس وقت پیر کی

تقلید کے حلقہ سے باہر نکل آیا ہے اور اس کے حق میں تقلید کرنا خطا ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ اصحابِ پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات نے بعض اجتہادی امور اور غیر منزلہ احکام میں آں سرور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اختلاف کیا ہے اور بعض اوقات صواب اور صحیح ہونا ان اصحاب کی طرف ظاہر ہوا ہے جیسا کہ اربابِ علم سے پوشیدہ نہیں ہے۔

پس معلوم ہوا کہ مرتبۂ کمال پر پہنچنے کے بعد مرید کو پیر سے اختلاف کرنا جائز ہے اور سوءِ ادب سے مبرا ہے، بلکہ اس جگہ پر تو یہی ادب ہے ورنہ اصحابِ پیغمبر علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کہ جو کمالِ ادب میں مؤدب تھے سوائے تقلیدِ امر کے اور کوئی کام نہ کرتے ——— (امام) ابو یوسفؒ کے لئے مرتبۂ اجتہاد پر پہنچنے کے بعد (امام) ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی تقلید کرنا خطا ہے بلکہ اپنی رائے کی متابعت میں صواب ہے نہ کہ ابی حنیفہؒ کی رائے میں ——— امام ابو یوسفؒ کا مشہور قول ہے "میں امام ابو حنیفہؒ کے ساتھ مسئلہ خلقِ قرآن میں چھ مہینے تک جھگڑتا رہا" ——— آپ نے سنا ہوگا کہ "ایک صنعت کی بہت سے افکار کے ملنے سے تکمیل ہوتی ہے"۔ اگر (فن اور علم) ایک ہی فکر پر قائم رہتے تو ان میں کوئی اضافہ نہ ہوتا۔ وہ علمِ نحو جو امام سیبویہ کے زمانے میں تھا آج (نحویوں کی) مختلف آراء اور بہت سے نظائر کے ملنے سے ہزار گنا زیادہ کامل ہو چکا ہے لیکن چونکہ اس کی بنا د امام سیبویہ نے رکھی ہے اس لئے فضیلت اسی کے لئے ہے (یعنی) فضیلت متقدمین کے لئے ہے لیکن کمال ان (متاخرین) کے لئے ——— مَثَلُ اُمَّتِیْ کَمَثَلِ الْمَطَرِ لَا یُدْرٰی اَوَّلُهُمْ خَیْرٌ اَمْ اٰخِرُهُمْ (میری امت کی مثال بارش کی مانند ہے نہیں معلوم کہ اس کا اول اچھا ہے یا آخر) حدیث نبوی علیہ الصلوۃ والسلام ہے۔

تتمہ: بعض مریدوں کے شبہ دور کرنے کے بیان میں۔

جاننا چاہئے کہ بزرگوں نے کہا ہے کہ "اَلشَّیْخُ یُحْیِیْ وَیُمِیْتُ" (شیخ زندگی بھی دے سکتا ہے اور مار بھی سکتا ہے)۔ (یعنی احیا اور اماتت مقامِ شیخی کے لوازمات میں سے ہے لیکن اس "احیا" سے مراد احیائے روحی ہے نہ کہ جسمی۔ اور اسی طرح "اماتت" سے مراد بھی روحانی موت ہے نہ کہ جسمانی۔ اور حیات و موت سے مراد فنا و بقا ہے جو مقامِ ولایت و کمال کو پہنچاتا ہے۔ اور شیخِ مقتدا اللہ سبحانہٗ کے اذن سے ان دونوں امر کا کفیل و ضامن ہے، لہٰذا شیخ کے لئے اس احیا اور اماتت کے بغیر چارا نہیں ہے ——— یُحْیِیْ وَیُمِیْتُ کے معنی یُبْقِیْ وَیُفْنِیْ ہیں (یعنی باقی رکھنا اور فنا کرنا)

جسمانی اجساد امانت کو منصبِ شیخی سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ شیخ مقتدا کہربا (مقناطیس) کی طرح ہے، جس کو اس سے مناسبت ہوگی وہ خس وخاشاک کی طرح اس کے پیچھے دوڑتا چلا آتا ہے اور اپنا حصہ اس کے ذریعے حاصل کر لیتا ہے۔ خوارق و کرامات مریدوں کے جذب کرنے کے لئے نہیں ہیں بلکہ باطنی مریدین تو طور پر معنوی مناسبت سے اس کی جانب کھنچے چلے آتے ہیں۔ اور جو شخص ان بزرگوں سے نسبت نہیں رکھتا وہ ان کے کمالات کی دولت سے بھی محروم رہتا ہے، اگرچہ وہ ہزار معجزے اور خوارق و کرامات دیکھے۔ ابوجہل اور ابولہب کا حال اس معنیٰ اور مطلب کے لئے شاہد ہے۔ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ نے کفار کے حق میں فرمایا ہے: وَاِنْ یَّرَوْا كُلَّ اٰیَةٍ لَّا یُؤْمِنُوْا بِهَا حَتّٰۤى اِذَا جَآءُوْكَ یُجَادِلُوْنَكَ یَقُوْلُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّاۤ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ۝ (انعام آیت ۲۵) (یہ لوگ خواہ کتنی ہی نشانیاں اور معجزات دیکھ لیں تو بھی ایمان نہ لائیں گے حتیٰ کہ جب وہ آپ کے پاس آئیں گے تو آپ سے جھگڑا کریں گے اور کافر لوگ کہیں گے کہ یہ تو پہلے لوگوں کے قصے کہانیاں ہیں)۔ والسّلام

فارسی و عربی

مکتوب ۲۹۳

دو صد و نود و سوم

شیخ محمد چتری[1] کی طرف صادر فرمایا ــــ ان کے سوالات کے جواب میں جو کہ انھوں نے دریافت کیے تھے۔

(سوال ۱) لِی مَعَ اللّٰهِ وَقْتٌ[2] حدیث نبوی علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام میں آیا ہے۔ اور ابوذر رضؓ غفاری نے بھی اسی طرح کہا ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ ــــ (سوال ۲) اور دریافت کیا تھا قَدَمِیْ هٰذِهٖ عَلٰی رَقَبَةِ كُلِّ وَلِیِّ[3] اللّٰهِ حضرت شیخ عبدالقادرؒ نے فرمایا ہے، اور دوسروں نے بھی ایسا ہی کہا ہے۔ اس معاملہ کی حقیقت کیا ہے؟ ــ (سوال ۳) اور دریافت کیا تھا کہ جن اولیاء کی گردن پر آپ کا قدم ہے ان سے مراد آپ کے ہم عصر اولیاء ہیں یا مطلقاً تمام اولیاء مراد ہیں؟ ـ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) ــــ صحیفۂ گرامی جو آپ نے ارسال کیا تھا موصول ہونے پر مسرت و خوشی کا باعث ہوا، یہ کتنی بڑی نعمت ہے کہ حق جل و علا کے دوست، دور افتادوں کو بھی یاد فرمائیں۔ ــــ

[1] آپ کے نام پانچ مکتوبات ہیں۔ تذکرہ و تفصیل دفتر اول مکتوب ۲۷ پر ملاحظہ ہو۔ [2] تشریح کیلئے ملاحظہ ہو دفتر اول مکتوب ... کا آخری حصہ

(آپ کے گرامی نامہ میں) تحریر تھا کہ حضرت رسالت پناہ علیہ و علیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات نے فرمایا ہے: لِیْ مَعَ اللّٰہِ وَقْتٌ (میرے لئے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک وقت ہے)۔ اور حضرت ابوذر غفاریؓ[1] نے بھی ایسا ہی کہا ہے ــــ اور حضرت میران محی الدین (شیخ عبد القادر جیلانیؒ) نے فرمایا ہے کہ "میرا قدم تمام اولیاء کی گردنوں پر ہے"۔ اور دوسروں نے بھی ایسا ہی کہا ہے"۔ اکثر اوقات ان دونوں جملوں پر بہت شور و غوغا ہوتا ہے۔ مہربانی فرما کر ان دونوں باتوں کی حقیقتِ حال سے آگاہ فرمائیں کہ ان دونوں کے درمیان کیا فرق ہے؟ اور پوری توجہ فرما کر وضاحت سے تحریر فرمائیں تاکہ اس غریب کے فہم میں آجائے۔

میرے مخدوم! اس فقیر نے اپنے رسائل میں لکھا ہے کہ آں سرور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو باوجود استمرارِ وقت (دائمی حضوری) ایک نادر وقت بھی حاصل تھا اور وہ وقت ادائے نماز کے دوران میسر آتا تھا اَلصَّلٰوۃُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِ (نماز مومن کے لئے معراج ہے) آپ نے سنا ہوگا۔ اور اَرِحْنِیْ یَا بِلَالُ (اے بلالؓ مجھے راحت پہنچا)۔ اس مطلب کے ثبوت کے لئے شاہدِ عدل ہے۔ اور ابوذر غفاریؓ بھی وراثت اور تبعیت کی بنا پر اس دولت سے مشرف ہوئے تھے کیونکہ آں سرور علیہ و علیہم الصلوات والتسلیمات کے کامل تابعداروں کے لئے بھی آپ کے تمام کمالات سے وراثت اور تبعیت کے طور پر بہت بڑا حصہ اور حظِ کامل حاصل ہے۔ ــــ

ــــ اور جو کچھ کہ حضرت شیخ عبد القادر قدس سرہٗ نے فرمایا ہے کہ قَدَمِیْ هٰذِهٖ عَلٰی رَقَبَةِ كُلِّ وَلِیِّ اللّٰهِ (میرا قدم تمام اولیاء کی گردنوں پر ہے)۔ صاحبِ عوارف[2] جو مرید اور شیخ ابو نجیب سہروردی کے پروردہ ہیں اور

---

[1] مکہ مکرمہ سے جو کاروانی راستہ شام کی طرف جاتا ہے اس پر قبیلۂ غفار آباد تھا۔ آپ جنادہ بن کعب صعیر بن الواقعہ بن سفیان ابن حرام بن غفار کے صاحبزادے ہیں آپ کا نام جندب اور کنیت ابوذر ہے۔ آخر حق سبحانہٗ و تعالیٰ کا فضل آپ کے شاملِ حال ہوا تو آپ مکہ معظمہ پہنچ گئے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کسی سے دریافت کیا تو غل مچ گیا کہ یہ صابی ہے لہٰذا اہلِ مکہ نے خوب زدوکوب کیا حتیٰ کہ آپ بیہوش ہو گئے۔ حسنِ اتفاق سے حضرت علیؓ سے ملاقات ہو گئی اور آپ ان کے ہمراہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام سے مشرف ہو گئے۔ اسلام لانے کے بعد مسجد حرام میں پہنچے اور بلند آواز سے کلمۂ شہادت کا نعرہ بلند کیا۔ یہ سنتے ہی قریش نے مارنا شروع کر دیا۔ اتفاق سے حضرت عباسؓ کا ادھر گزر ہوا تو انھوں نے قریش سے کہا کہ یہ آدمی قبیلۂ غفار کا ہے جہاں سے تمہارے شامی تاجروں کا راستہ ہے۔ تب انھوں نے چھوڑا۔ کچھ عرصہ قیام کے بعد آپ وطن واپس آ گئے اور تبلیغِ اسلام میں کوشاں رہے حتیٰ کہ ۵ھ میں قبیلۂ غفار اور قبیلۂ اسلم کو ہمراہ لیکر حاضرِ خدمت ہو گئے اور بقیہ عمر آپؐ کی خدمت میں گزاری۔ آپ کو امارت سے نفرت اور فقر پر فخر تھا۔ ۸ ذی الحجہ ۳۲ھ کو آپ کا انتقال ہوا اور حضرت ابن مسعودؓ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ ربذہ کے مقام پر جو مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان واقع ہے مزار مبارک ہے۔

[2] حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی کا نسب حضرت ابوبکر صدیقؓ سے ملتا ہے۔ آپ رجب یا شعبان ۵۳۶ھ شہر سہرورد میں پیدا ہوئے اور حصولِ علم کے لئے اپنے چچا شیخ ابو نجیب کی خدمت میں بغداد پہنچے۔ شیخ نجیب ہی سے تعلیم کی تکمیل کر کے خلافت حاصل کی۔ اور یکم محرم ۶۳۲ھ بغداد میں وصال ہوا۔ شیخ نجیب کی ولادت ۴۹۰ھ اور وفات ۱۷ جمادی الآخر ۵۶۳ھ میں ہوئی۔

حضرت شیخ عبد القادر کے مصاحبوں اور رازداروں میں سے ہیں اس کلمہ کو ان کلموں میں سے بتایا ہے جو عُجب اور خود بینی پر مشتمل ہیں، اور جو مشائخ سے احوال کی ابتدا میں سکر کے باقی ماندہ اثرات کی وجہ سے صادر ہوئے ہیں ـــــ اور "نفحات" میں شیخ حماد دباسؒ نے جو حضرت شیخ (عبد القادر جیلانی) کے شیوخ میں سے ہیں نقل کیا ہے کہ انھوں نے فراست کے طور پر یہ فرمایا تھا کہ اس عجمی (شیخ عبد القادرؒ) کا ایسا مبارک قدم ہے کہ اس وقت کے تمام اولیاء کی گردن پر ہوگا اور وہ (اس بات کے کہنے پر) مامور ہوگا کہ قَدَمِی ھٰذِہٖ عَلٰی رَقَبَۃِ کُلِّ وَلِیِّ اللّٰہِ۔ اور جس وقت وہ یہ کہیں گے تو یقیناً تمام اولیا اپنی گردنیں جھکا دیں گے ـــــ بہر حال حضرت شیخ اس بات (کے اظہار) میں حق بجانب ہیں، اس کلام کو خواہ انھوں نے بقیہ سکر کی حالت میں کہا ہو اور خواہ وہ اس کلام کے اظہار پر مامور ہوں، بہر صورت ان کا قدم اس وقت کے تمام اولیا، کی گردنوں پر ہوا ہے۔ اور اس وقت کے تمام اولیاء ان کے زیر قدم ہوئے ہیں ـــــ لیکن جاننا چاہئے کہ یہ حکم اس وقت کے اولیاء کے لئے ہی مخصوص تھا، ان سے پہلے کے اولیا اور بعد کے آنے والے اولیا، اس حکم سے خارج ہیں جیسا کہ شیخ حماد کے کلام سے مفہوم ہوتا ہے کہ ان کا قدم آنؒ کے اپنے وقت میں تمام اولیا، کی گردن پر ہوگا۔

اور نیز ایک غوث جو اس وقت بغداد میں تھے، حضرت شیخؒ اور ابن سقلی اللہ ان کی زیارت کے لئے گئے تھے تو غوث نے اپنی فراست کی بنا پر شیخؒ کے حق میں فرمایا تھا کہ میں دیکھتا ہوں تو بغداد میں منبر پر بیٹھا ہوا کہہ رہا ہے قَدَمِی ھٰذِہٖ عَلٰی رَقَبَۃِ کُلِّ وَلِیِّ اللّٰہِ۔ اور میں دیکھتا ہوں کہ تمام اولیا نے تیرے اجلال و اکرام کی وجہ سے اپنی گردنوں کو جھکا لیا ہے ـــــ اس بزرگ (غوث) کے کلام سے بھی یہی مفہوم ہوتا ہے کہ یہ حکم اس وقت کے اولیا کے ساتھ ہی مخصوص تھا اگر حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ اس وقت بھی کسی کو چشم بینا عطا فرمائے تو وہ بھی دیکھ سکتا ہے جیسا کہ اس غوث نے دیکھا تھا کہ اس وقت کے اولیا کی گردنیں ان کے قدم کے نیچے ہیں اور یہ حکم اس وقت کے اولیا سے تجاوز کر کے کسی اور وقت کے اولیا تک نہیں پہنچا، کیونکہ اولیائے متقدمین کے بارے میں یہ حکم کس طرح جائز ہو سکتا ہے کہ جن میں اصحاب کرامؓ بھی شامل ہیں جو یقیناً حضرت شیخ (عبد القادرؒ) سے افضل ہیں اور متاخرین میں بھی

ملے آپ حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ کے شیوخ میں سے ہیں، آپ اُمی تھے لیکن آپ پر معارف و اسرار کے دروازے کھل گئے جن کی وجہ سے بڑے بڑے مشائخ کے پیشوا بن گئے۔ ماہ رمضان ۵۲۵ھ میں وفات پائی۔ منقول ہے کہ شیخ حماد نے حضرت شیخ کے متعلق فرمایا تھا کہ ایک وقت آئے گا کہ اس عجمی شخص کے قدم اولیا کی گردن پر ہوں گے۔

یہ حکم کیسے جائز ہو سکتا ہے کہ ان میں حضرت مہدیؑ شامل ہیں جن کی تشریف آوری کی بشارت آں سرور علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے دی ہے اور امت کو آپ کے وجود کی خوشخبری دی ہے اور (ان کو) خلیفۃ اللہ فرمایا ہے۔ اور اسی طرح اولوالعزم پیغمبر حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اصحاب جو کہ سابقین میں سے ہیں اور اس شریعت کی متابعت کی وجہ سے حضرت خاتم الرسل علیہ و علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اصحاب سے ملحق ہیں ـــــ متاخرین کی اسی بزرگی کے باعث ممکن ہے کہ آں سرور علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ فرمایا ہو: لَا يُدْرٰى اَوَّلُهُمْ خَيْرٌ اَمْ اٰخِرُهُمْ (ترمذی) (نہیں معلوم کہ (اس امت کے) اول لوگ بہتر ہیں یا آخر کے) ـــــ مختصر یہ کہ حضرت شیخ عبدالقادرؒ ولایت میں بہت بڑی شان اور بلند درجہ رکھتے ہیں، اور (آپؒ نے) ولایتِ خاصۂ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کو لطیفۂ سر کی راہ سے آخری نقطہ تک پہنچایا ہے اور اس دائرہ کے سرِ حلقہ ہوئے ہیں۔

اس بیان سے کوئی شخص یہ وہم نہ کرلے کہ چونکہ حضرت شیخؒ ولایتِ محمدیہ کے سرِ حلقہ ہیں اس لئے وہ تمام اولیاء سے افضل ہیں، کیونکہ ولایتِ محمدی علیٰ نبینا و علیہم الصلوات والتحیات تمام ولایتوں سے بلند ہے، کیونکہ ہم کہتے ہیں کہ وہ ولایتِ محمدیہ کے سرِ حلقہ ہیں جو لطیفۂ سر کی راہ سے حاصل ہوتی ہے، جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے نہ کہ مطلق اس ولایت کے سرِ حلقہ ہیں جس سے ان کی (تمام اولیا پر) افضلیت لازم آئے ـــــ یا ہم یہ کہتے ہیں کہ مطلق ولایتِ محمدیہ کے سرِ حلقہ ہونے سے ان کی افضلیت لازم نہیں آتی کیونکہ ہو سکتا ہے کہ کوئی دوسرا بھی کمالاتِ نبوتِ محمدیہ میں تبعیت اور وراثت کے طریق پر پیشقدمی حاصل کئے ہوئے ہو اور ان کمالات کی وجہ سے افضلیت اس کے لئے ثابت ہو۔

حضرت شیخ عبدالقادرؒ کے مریدوں کی ایک جماعت شیخ کے حق میں بہت زیادہ غلو کرتی ہے اور محبت کی وجہ سے افراط کی طرف چلے جاتے ہیں جیسا کہ حضرت امیر (علی) کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کے محبان ان کی محبت میں افراط کرتے ہیں۔ اس جماعت کی گفتگو اور کلام سے مفہوم ہوتا ہے کہ وہ حضرت شیخ کو پہلے اور ان کے بعد کے تمام اولیاء سے افضل جانتے ہیں۔ اور انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے علاوہ معلوم نہیں کہ کسی دوسرے کو حضرت شیخ پر فضیلت دیتے ہوں، یہ حد سے زیادہ محبت کی وجہ ہے ـــــ ـــــ اور اگر یہ کہا جائے کہ خوارق و کرامات جسقدر شیخؒ سے وجود میں آئے ہیں کسی دوسرے ولی سے ظہور میں نہیں آئے اس لئے فضیلت انہی کے لئے ہوئی ـــــ لہذا ہم یہ کہتے ہیں کہ خوارق کے

ظہور کی کثرت افضلیت کی دلیل نہیں ہے ۔ ہو سکتا ہے کہ کسی ولی سے کوئی خوارق ظہور میں نہ آئے لیکن وہ اس ولی سے افضل ہو جس سے خوارق و کرامات بکثرت ظاہر ہوئے ہوں۔

شیخ الشیوخ (شہاب الدین سہروردیؒ) عوارف میں مشائخ کے خوارق و کرامات کے ذکر کے بعد فرماتے ہیں کہ "یہ سب کچھ (خوارق و کرامات) اللہ تعالیٰ کی بخشش و عطا ہے جو بعض لوگوں پر (بطورِ مکاشفہ) ظاہر کرتا ہے اور ان کو عطا فرماتا ہے اور ان کے ساتھ عزت بڑھاتا ہے، اور بعض لوگ ایسے بھی ہیں کہ جو مرتبہ میں ان سے بڑھ کر ہیں لیکن ان کو (خوارق و کرامات سے) کچھ بھی حاصل نہیں، کیونکہ کرامات یقین کی تقویت کا باعث ہیں اور جس کو صرف یقین عطا کیا گیا ہو اس کو ذکرِ قلبی اور ذکرِ ذات کے علاوہ ان کرامات کی کچھ حاجت نہیں" [1] ۔۔۔۔۔ خوارق کے ظہور کی کثرت کو افضلیت کی دلیل قرار دینا ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص حضرت امیر (علیؓ) کے مناقب اور فضائل کی کثرت کی وجہ سے حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہما پر ان کے افضل ہونے کی دلیل بنائے۔ کیونکہ حضرت صدیقؓ سے اس قدر فضائل و مناقب ظہور میں نہیں آئے (جسقدر کہ حضرت علیؓ سے ظہور میں آئے ہیں)۔

اے بھائی! غور سے سنو کہ خوارقِ عادات کی دو[2] قسمیں ہیں ۔۔۔۔۔ قسم اول: وہ علوم و معارفِ الٰہی جل سلطانہ ہیں کہ جن کا تعلق ذات و صفات اور افعالِ واجبی جل و علا کے ساتھ ہے اور وہ نظرِ عقل کے دائرے سے ماوراء ہیں اور متعارف و معتاد (جانا پہچانا اور عرف و عادات) کے خلاف ہیں۔ لہٰذا (حق تعالیٰ نے) اپنے خاص بندوں کو اُن کے ساتھ ممتاز فرمایا ہے ۔۔۔۔۔ اور قسمِ دوم مخلوقات کی صورتوں کا کشف ہونا اور ان غیبی باتوں پر اطلاع پانا اور ان کی خبریں دینا ہے جو اس عالم کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں ۔۔۔۔۔ نوع اول کا تعلق اہلِ حق اور اربابِ معرفت کے ساتھ مخصوص ہے اور نوعِ دوم میں محق اور مبطل (سچے اور جھوٹے دونوں طرح کے لوگ) شامل ہیں کیونکہ دوسری قسم اہلِ استدراج کو بھی حاصل ہے ۔۔۔۔۔ قسمِ اول خدائے جل و علا کے نزدیک بزرگی اور اعتبار رکھتی ہے اسی وجہ سے اس نے اس کو (قسم اول کو) اپنے اولیاء کے ساتھ مخصوص کر دیا ہے اور اپنے دشمنوں کو اس میں شریک نہیں کیا ۔۔۔۔۔ اور دوسری قسم عام خلائق کے نزدیک معتبر ہے اور ان کی نظروں میں معزز و محترم ہے۔ یہی باتیں (یعنی خرقِ عادت) اگرچہ استدراج والوں سے ظاہر ہوتی ہیں لیکن ممکن ہے کہ عام لوگ اپنی نادانی کی وجہ سے ان کی پرستش شروع کر دیں اور جو طلب یا بس (وہ تصنع سے کریں)

[1] عوارف المعارف باب ۳۷ جلد ثانی

اس کی وجہ سے اس کے مطیع و فرمانبردار بن جائیں۔ بلکہ یہ محجوبان (عام لوگ) قسمِ اول کو خوارق سے نہیں جانتے اور کرامات میں سے شمار نہیں کرتے، کیونکہ ان کے نزدیک خوارق قسمِ دوم میں منحصر ہے۔ اور کرامات ان ناواقف لوگوں کے خیال میں مخلوقات کی صورتوں کا کشف اور غیب کی خبروں سے متعلق ہے — ان بے وقوفوں پر افسوس ہے جو اتنا بھی نہیں جانتے کہ وہ علم جو حاضر یا غائب مخلوقات کے احوال سے تعلق رکھتا ہے اس میں کونسی شرافت و کرامت پائی جاتی ہے، بلکہ یہ علم تو اس قابل ہے کہ وہ جہالت سے بدل جائے تاکہ مخلوقات سے اور ان کے احوال سے نسیان حاصل ہو جائے۔ وہ تو حق تعالیٰ و تقدس کی معرفت ہی ہے جو شرافت و کرامت کے لائق ہے اور اعزاز و احترام بھی اسی کے شایانِ شان ہے ؎

پری نہفتہ رخ و دیو در کرشمہ و ناز ‏ ‏ ‏ ‏ بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی ست

(پری چھپی ہے، دکھاتا ہے دیو ناز و ادا ‏ ‏ ‏ ‏ عجب معاملہ ہے عقل جس سے حیراں ہے)

ہم نے جو کچھ ذکر کیا ہے وہ تقریباً وہی ہے جو شیخ الاسلام ہرویؒ اور امام انصاریؒ[1] نے اپنی کتاب "منازل السائرین" میں اور اس کے شارحؒ[2] نے فرمایا ہے کہ میرے نزدیک جو بات تجربہ سے ثابت ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ اہلِ معرفت کی فراست یہ ہے کہ وہ لوگ تمیز کر لیتے ہیں کہ کون شخص حضرتِ حق جل و علا کی بارگاہ کے شایان ہے اور کونسا نہیں۔ اور ان اہلِ استعداد کو بھی پہچان لیتے ہیں جو حق سبحانہٗ کے ساتھ مشغول ہیں یا اور حضرت حق سبحانہٗ کے حضور میں مقامِ جمع تک پہنچے ہوئے ہیں اور یہی اہلِ معرفت کی فراست ہے۔ لیکن اہلِ ریاضت جن کو بھوک، گوشہ نشینی اور تصفیۂ باطن کے ذریعہ وصول الی الحق کے بغیر فراست حاصل ہوتی ہے ان کی فراست یہ ہے کہ مخلوقات کی تصویروں کے کشف کرتے اور غیب کی خبریں دیتے ہیں جو مخلوقات سے مختص ہیں لہٰذا یہ لوگ صرف مخلوقات ہی کی خبریں دے سکتے ہیں (اس کا حق تعالیٰ کی خوشنودی سے کوئی واسطہ نہیں) کیونکہ وہ حق تعالیٰ سے محجوب (حجاب میں) ہوتے ہیں ——— اور چونکہ اہلِ معرفت حق تعالیٰ کی طرف مشغول رہتے ہیں اور جو علوم و معرفت ان پر وارد ہوتے ہیں (ان کی روشنی میں) وہ جو خبریں دیتے ہیں وہ حق تعالیٰ ہی کی طرف سے دیتے ہیں ——— اور چونکہ اکثر دنیا داروں کے دل، حق سبحانہٗ و تعالیٰ سے منقطع ہوتے ہیں اور وہ دنیا میں ہمہ تن مشغول ہیں اس لئے ان کے دل ارباب کشف اور غیب کی خبریں دینے والوں کی طرف مائل ہو جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ لوگ ان کو بزرگ جانتے ہیں اور یہ اعتقاد کر لیتے ہیں کہ یہ لوگ اہل اللہ اور اس کے خاص بندے ہیں۔ اور اہلِ حقیقت کے

---

[1] الحنبلی الصوفی المتوفی سنہ ۴۸۱ھ [2] یعنی الشیخ کمال الدین عبدالرزاق الکاشی المتوفی سنہ ۷۳۰ھ (کشف الظنون)

کشف سے منہ موڑ لیتے ہیں اور وہ (اولیا) جو کچھ حق تعالیٰ سبحانہٗ کے بارے میں ان کو بتاتے ہیں اس کے ساتھ ان پر اتہام لگاتے ہیں۔ اور اہلِ دنیا کہتے ہیں کہ اگر یہ لوگ اہلِ حق ہوتے جیسا کہ لوگ گمان کرتے ہیں تو یہ ضرور ہمارے احوال اور مخلوقات کے احوال سے ہم کو خبر دیتے، اور یقیناً جب یہ مخلوقات کے احوال کے کشف پر قدرت نہیں رکھتے تو امورِ اعلیٰ کے کشف پر کس طرح قادر ہو سکتے ہیں۔ ـــــ اہلِ دنیا اس خام خیالی کی وجہ سے ان کو جھوٹا سمجھتے ہیں اور صحیح خبروں سے ناواقف رہتے ہیں اور یہ نہیں جانتے کہ حق تعالیٰ نے ان کو خلق کے ملاحظہ سے محفوظ کر کے اپنے لئے مخصوص کر لیا ہے اور اپنے ماسوا سے ان کی حمایت پر رشک کرنے کی وجہ سے ان کو دُور کر دیا ہے۔ ـــــ اگر وہ لوگ مخلوق کی طرف رغبت کرنے والے ہوتے تو وہ حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی شان کے لائق نہ ہوتے۔ اور یقیناً ہم نے اکثر اہلِ حق کو دیکھا ہے کہ جب وہ صورتوں کے کشف کی طرف تھوڑی سی بھی توجہ کرتے ہیں تو وہ کچھ پا لیتے ہیں جو دوسرے ان کی فراست کے ادراک پر کچھ بھی قدرت نہیں رکھتے جیسی کہ اہلِ معرفت رکھتے ہیں۔ اور یہ وہ فراست ہے جو حق سبحانہٗ اور ان چیزوں سے جو اس کے قریب ہیں تعلق رکھتی ہے، لیکن اربابِ صفا جو اس خصوصیت سے خارج ہیں اور مخلوق سے متعلق ہیں ان کی فراست نہ تو حضرت حق سبحانہٗ سے تعلق رکھتی ہے اور نہ حق سبحانہٗ سے قرب رکھنے والی چیزوں سے۔ اور اس فراست میں مسلمان، نصاریٰ، یہود اور دوسرے گروہ بھی شامل ہیں کیونکہ اس فراست میں حق سبحانہٗ کے نزدیک کوئی بزرگی نہیں ہے جس سے وہ اپنے خاص بندوں کو مخصوص فرماتا۔

مکتوب ۲۹۴

دوصد و نود و چہارم

جامع علومِ ظاہرہ و معارف و اسرارِ باطنہ مخدوم زادہ مجدالدین خواجہ محمد معصوم[1] سلمہ اللہ تعالیٰ کی طرف صادر فرمایا۔

ـــــ ان معارف کے بیان میں جو واجب الوجود تعالیٰ و تقدس کی صفاتِ ثمانیہ (آٹھ صفات) کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں، اور انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے مبادی تعینات اور تمام مخلوقات کے مبادی تعینات

---

[1] مکتوبات شریفہ میں آپ کے نام ستائیس (۲۷) مکتوبات ہیں جن میں سے سولہ (۱۶) صرف آپ کے نام ہیں یعنی دفترِ اول مکتوب ۲۹۴-۳۰۰-۳۰۲- دفترِ دوم ۶-۱۱-۲۲-۷۲-۷۳- دفترِ سوم ۵۳-۶۲-۷۴-۷۶-۷۹-۸۰-۹۴-۱۰۹-۱۱۰- اور نو (۹) مکتوبات آپ کے اور خواجہ محمد سعیدؒ کے نام ہیں: دفترِ دوم ۵۵-۹۸- دفترِ سوم ۲-۴۳-۶۴-۷۸-۸۲-۸۵-۱۰۴- نیز "بزرگ صاحبزادوں کے نام" ۸۳-۱۰۶- (باقی بر صفحہ آئندہ)

کی تحقیق میں، اور اس بیان میں کہ جزئیات اپنے کلی کے ساتھ ملے ہوئے ہوتے ہیں اور ایک کلی کے جزئیات اس سے منتقل ہو کر دوسری کُلّی کے ساتھ ملنے کے عدم جواز میں۔ اور انبیاء و اولیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی تجلی اور شہود کے فرق کے بیان میں، نیز انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے توسط کے باوجود ان کے کامل تابعداروں کیلئے وصلِ عریاں کے حصول کے بیان میں، اور مشائخ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کی عبارات میں جو محو و اضمحلال کے الفاظ ہیں اس کی تحقیق کے بارے میں اور اس کے مناسب بیان میں۔

صفاتِ ثمانیہ کا بیان

واجب الوجود تعالیٰ و تقدس کی صفاتِ ثمانیہ حقیقیہ (یعنی آٹھ حقیقی صفات) ہیں جن میں اول شان "صفت الحیات" ہے اور آخری شان "صفتِ تکوین" ہے۔ صفاتِ ثمانیہ کی تین قسمیں ہیں: ایک قسم[1] وہ ہے جس کا تعلق عالم کے ساتھ غالب ہے اور اس کی اضافت و نسبت مخلوق کے ساتھ زیادہ تر ہے جیسے تکوین۔ یہی وجہ ہے کہ اہلِ سنت و جماعت کے ایک گروہ نے اس کے وجود کا انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ تکوین صفات اضافیہ میں سے ہے۔ اور حق یہی ہے کہ وہ حقیقی صفات میں سے ہے جس میں اضافت غالب ہے ——— اور دوسری قسم[2] وہ ہے جو (عالم کے ساتھ بھی) اضافت رکھتی ہے لیکن پہلی قسم سے کمتر، جیسے کہ علم، قدرت، ارادہ، سمع، بصر اور کلام ——— اور تیسری قسم[3] ان دونوں قسموں سے اعلیٰ ہے جس کو عالم کے ساتھ کسی طرح کا بھی تعلق نہیں ہے اور وہ اضافت کی بُو تک نہیں رکھتی۔ جیسے حیات۔ یہ صفت تمام صفات کی اُمّ (جڑ) ہے اور سب کی اصل ہے اور سب سے اسبق ہے۔ اور اس صفت کے قریب ترین صفتِ علم ہے جو حضرت خاتم الرسل علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات انبیاء واکملہا کا مبدأ تعین ہے ——— اور دوسری صفات دوسری مخلوقات کے تعینات کی مبادی ہیں۔ اور چونکہ ہر صفت متعدد تعلقات کے اعتبار سے بہت سی جزئیات رکھتی ہے جیسے تکوین کہ اس سے متعدد تعلقات کے اعتبار سے تخلیق (پیدا کرنا)، ترزیق (رزق دینا)، احیاء (زندہ کرنا) اور اماتت

(بقیہ از صفحہ گزشتہ) آپ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے فرزندِ سوم ہیں، بروز پیر ۱۱ شوال ۱۰۰۷ھ م ۷ مئی ۱۵۹۹ء بستی ملک حیدر میں ولادت ہوئی (جو سرہند شریف سے متصل ہے) تین ماہ میں قرآن شریف حفظ کیا اور کتب درسیہ اپنے بھائی خواجہ محمد صادقؒ، شیخ محمد طاہر لاہوریؒ اور حضرت مجدد الف ثانیؒ سے پڑھیں اور سولہ سال کی عمر میں تحصیل علوم سے فارغ ہو گئے اور تکمیلِ سلوک کے بعد حضرت مجددؒ نے آپ کو مقاماتِ عالیہ قیومیہ کی بشارت دی اور آپ ہی حضرت مجددؒ کے خلیفہ و جانشین ہوئے اور آپ ہی حضرت مجددؒ کے مکتوبات کے شارح ہیں اور سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کی ترویج و اشاعت میں آپ کا بڑا حصہ ہے بروز ہفتہ دوپہر کے وقت ۹ ربیع الاول ۱۰۷۹ھ وصال فرمایا۔ آپ کی سیرت پر مفصل اور جامع کتاب "انوارِ معصومیہ" ادارہ مجددیہ سے شائع ہو چکی ہے۔

(مارنا) کی جزئیات پیدا ہوئی ہیں، یہ جزئیات بھی اپنی کلیات کی طرح مخلوقات کے تعینات کی مبادی ہیں، اور جس کا مبدأ تعین کُلّی ہے وہ دوسرے تعینات (کے اشخاص) جن کے مبادی اس کُلّی کے جزئیات ہیں وہ اس شخص کے تابع ہوں گے اور اسی کے زیرِ قدم زندگی بسر کریں گے۔ اسی وجہ سے کہتے ہیں کہ فلاں (شخص) حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے زیرِ قدم ہے اور فلاں حضرت عیسیٰ کے زیرِ قدم اور فلاں حضرت موسیٰ علیہم الصلوات والتحیات والتسلیمات اتمہا واکملہا کے زیرِ قدم ہے۔

——— اور چونکہ یہ جزئیات سلوک کے طریقے پر ترقی حاصل کرتی ہیں اس لئے اپنی کلیات کے ساتھ ملحق ہو جاتی ہیں اور ان جزئیات کا شہود کلیات کا شہود ہی ہو جاتا ہے، البتہ ان میں صرف اصالت اور تبعیت کا فرق رہ جاتا ہے۔ اور امتیاز صرف توسط اور عدم توسط کی بنا پر ہوگا کیونکہ تابع جو کچھ پاتا ہے اور جو کچھ دیکھتا ہے وہ اصل کے توسط کے بغیر ناممکن ہے، ہاں کبھی ایسا ہوتا ہے کہ تابع اپنی کوتاہی کی وجہ سے اصل کو متوسط نہیں جانتا ——— لیکن حقیقت میں اصل، تابع اور اس کے مشہود کے درمیان حائل ہوتا ہے، اور ایسا حائل نہیں ہوتا جو شہود کا مانع ہو بلکہ وہ صاف عینک کے مانند شہود کا باعث ہوتا ہے، اور جائز نہیں ہے کہ ایک کلی کی جزئیات ترقی کر کے اپنی کلی سے باہر نکل کر دوسری کلی کے تحت آجائے اور اُن کا مشہود بن کر دوسری کلی کا مشہود بن جائے۔

——— مثلاً ایک جماعت جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زیرِ قدم ہے منتقل ہو کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زیرِ قدم آجائے (ایسا نہیں ہو سکتا) لیکن یہ ہو سکتا ہے کہ حضرت محمد علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے زیرِ قدم آجائے بلکہ ہمیشہ آپؐ کے زیرِ قدم ہی ہیں۔ کیونکہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا رب، ربّ الارباب ہے اور ان تمام کلیات کی اصل ہے ——— لہٰذا اس (ربِّ محمدؐ) کی نسبت ان تمام (منتقلہ) جزئیات کے لئے اصل الاصل کی ہوگی، اور یہ ترقی گویا اصل الاصل کی طرف ہوگی نہ کہ اصل کے ساتھ، جو کہ ان کی اصل کے مخالف ہے۔ اور ان کی جزئیات و کلیات کے درمیان فرق اسقدر رہ جائے گا کہ جزئی کے لئے دو حائل درمیان میں ہیں ایک اپنی اصل جو اس کی کُلّی ہے اور دوسری اصل الاصل حائل ہے اور اس کی کُلّی کے لئے حجاب اصل الاصل ہے اور بس ——— یہاں سے معلوم ہوا کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کا شہود بے پردۂ تعینات ہے اور دوسروں کا شہود تعینات کے پردے میں ہے یا از کم از کم تعینِ محمدیؐ کا پردہ (حائل ہے)۔ اسی وجہ سے کہتے ہیں کہ تجلیٔ ذات

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ وسلم کا خاصہ ہے اور دوسروں کے لئے تجلی پردۂ صفات میں ہے، یا کم از کم رب الارباب کے پردہ میں ہے جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا رب ہے اور جو صفت ایجات کے علاوہ تمام اسماء و صفات سے فوق (وراء الوراء) ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ اس بیان سے لازم آتا ہے کہ تمام انبیاء علیٰ نبینا علیہم الصلوات والتسلیمات کا شہود مبدأ تعین محمدی کے پردہ میں ہے جو کہ ان کا رب ہے اور آپ علیہ الصلوۃ والسلام کی امت کے وہ اولیا جو بالاصالت آپ کے زیر قدم ہیں ان کا شہود بھی تمام انبیاء کے شہود کے مانند رب الارباب کے پردہ میں ہوگا لہذا تمام انبیا علی نبینا وعلیہم الصلوات والتحیات کے درمیان اور آپ علیہ الصلوۃ والسلام کی امت کے اولیاء کے درمیان کیا فرق ہوا؟ ——— جواب میں ہم کہتے ہیں کہ انبیاء کے لئے اس شہود کے علاوہ جو حقیقت محمدی کے پردہ میں ہے ایک دوسرا شہود بھی حاصل ہے جو ان ——— کے تعینات مبادی کی راہ سے پیدا ہوتا ہے اور اصالتاً اپنی مخصوص عینکوں کو بصیرت کی آنکھوں پر رکھ کر غیب الغیب کا مشاہدہ کرتے ہیں ——— جاننا چاہئے کہ یہ دو شہود اس معنی میں نہیں ہیں کہ ہر دو بیک وقت متحقق ہوتے ہیں بلکہ اس معنی میں ہیں کہ (سالک) اگر ترقی کر کے اصل الاصل تک پہنچ جائے تو اس کا شہود حقیقت محمدی کے پردہ میں ہے جس طرح حضرت عیسی علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کہ وہ نزول کے بعد اس دولت سے مشرف ہوں گے۔ اور یہ ترقی بہت دشوار ہے اور تقریباً ناممکن الحصول ہے۔ اس کے حصول کے لئے خداوند جل سلطانہٗ کا فضل عظیم درکار ہے اور عالم اسباب میں محمدی المشرب شیخ کی مہربانی کی ضرورت ہے۔ اور اگر کسی نے اپنی اصل سے ترقی نہ کی اور اپنی حقیقت سے حقیقت الحقائق تک نہ پہنچا تو اس کا شہود اس کی اپنی حقیقت مخصوصہ کے پردے میں ہے۔

(اے فرزند!) جان اور آگاہ ہو! جس طرح حقیقت الحقائق سے حضرت ذات تعالیٰ وتقدس کی طرف ایک راستہ ہے جو بہت سے منازل طے کرنے کے بعد اس تک وصول میسر ہوتا ہے اسی طرح تمام حقائق کلیات سے بھی حضرت حق تعالیٰ وتقدس تک ایک راہ ہے جس میں بہت سے مراحل طے کرنے کے بعد وصول حاصل ہوتا ہے ——— خلاصۂ کلام یہ ہے کہ حقیقت الحقائق کی راہ میں وصل عریاں ہے، اگرچہ دوسرے طریقوں سے بھی وصل ذات حاصل ہو جاتا ہے لیکن اصول عالیہ کے منتہا کا ایک باریک پیراہن یعنی حقیقت محمدی درمیان میں حائل ہے اگرچہ وہ حجاب استوار نہیں ہے،

اور مانع و مضبوط بھی نہیں ہے بلکہ صرف اسی قدر مانع حجاب ہے کہ تجلئ ذات کے اطلاق کا مانع ہے ورنہ عام انبیاء کے لئے بھی بالاصالت ذات تعالیٰ سے حصہ نصیب ہے اور ان کی امت کے کاملین کو ان بزرگوں (انبیاء) علیہم وعلی اممہم الصلوات والتحیات کی پیروی کے باعث حصہ حاصل ہوتا ہے۔

سوال: جبکہ صفت الحیات، صفت العلم سے بالاتر ہے لہذا حقیقت الحقائق کی راہ میں بھی صفت الحیات کا تعین حائل ہو گیا پھر وصلِ عریاں کس طرح حاصل ہو گا اور اس کو تجلئ ذات کیوں کہتے ہیں؟

جواب: وہ تعین لا تعین کے مانند ہے، کیونکہ فوق کے مراتب میں وہ تعین (تعینِ صفات الحیات) نابود و لاشے ہو جاتا ہے اور حضرت ذات تعالیٰ کے مرتبہ میں اس کا کوئی اعتبار نہیں رہتا۔ اگرچہ دوسری صفات کے لئے بھی حضرت ذات تعالیٰ کے مرتبہ میں کچھ اعتبار نہیں ہے لیکن وہ مرتبۂ ذات تک اس طرح نہیں پہنچتیں کہ (راستے میں) معدوم ہو جائیں بخلاف صفت الحیات کے کہ جو وہاں تک پہنچ کر لاشے ہو جاتی ہے لہذا حقیقتِ محمدیؐ کا تعین اور دوسری تمام خلائق کے تعینات دائمی ہوئے اور مراتب کے کسی مرتبہ میں بھی زوال محال ہے۔ ہاں کسی چیز تک پہنچنا اور بات ہے اور اس شے میں فانی ہونا امرِ دیگر ہے ——— اور بعض مشائخ قدس اللہ تعالیٰ ارواحہم کی عبارت میں جو لفظ "محو و اضمحلال" استعمال ہوتا ہے اس سے مراد محوِ نظری ہے نہ کہ محوِ عینی (یعنی حقیقی اور ذاتی نہیں) یعنی سالک کا تعین (اپنا وجود شخصی) اس کی نظر سے مرتفع (زائل) ہو جاتا ہے نہ یہ کہ نفس الامر (فی الواقع) محو ہو جاتا ہے کیونکہ یہ الحاق و زندقہ ہے۔ اس راستہ کے ناقصوں کی ایک جماعت ان وہم میں ڈالنے والے الفاظ سے محو و اضمحلالِ عینی خیال کر کے زندقہ تک پہنچ گئے ہیں اور آخرت کے عذاب و ثواب کا انکار کر دیا ہے اور انھوں نے خیال کیا ہے کہ جس طرح (آغاز میں) وحدت سے کثرت میں آئے ہیں اسی طرح دوسری مرتبہ (انجام کار) کثرت سے وحدت میں چلے جائیں گے اور یہ کثرت اس وحدت میں مضمحل (نابود) ہو جائے گی ——— اور ان زندیقوں میں سے ایک جماعت نے اس محو ہونے کو قیامتِ کبریٰ خیال کیا ہے۔ اور حشر و نشر، حساب اور صراط و میزان سے انکار کیا ہے۔ ضَلُّوْا فَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ (یہ لوگ خود بھی گمراہ ہوئے اور بہت سے لوگوں کو بھی گمراہ کیا)

(اس فقیر) نے اس جماعت کے ایک شخص کو دیکھا کہ اپنے مطلب کی وضاحت میں مولانا عبد الرحمن جامی قدس اللہ سرہٗ کے اس شعر کو بطور شہادت پیش کرتا تھا ؎

جامی معاد و مبدأ ما وحدت است و بس — ما در میانہ کثرت موہوم والسلام

(وحدت نہیں ہے جامی مگر مبدأ و معاد — کثرت میں ہم ہیں اور نہیں کچھ ہے والسلام)

یہ (ناقص) لوگ نہیں جانتے کہ مولانا کی اس بیت سے مراد وحدت کی طرف عود ورجوع کرنا نظر وشہود کے اعتبار سے ہے کیونکہ ایک ذات کے علاوہ ان کا کچھ مشہود نہیں ہے اور تمام کی تمام کثرتیں ان کی نظر سے پوشیدہ ہوگئیں لہٰذا اس (بیت) سے رجوعِ عینی ووجودی مراد نہیں ہے ——— یہ لوگ شاید اندھے ہیں، اور دیکھتے نہیں کہ جب کسی کامل سے عجز ونقص اور احتیاج زائل نہیں ہوئے تو پھر وحدت کی طرف رجوعِ وجودی کے کیا معنی ہوئے؟ اور اگر وحدت کی طرف رجوع کرنا موت کے بعد خیال کیا ہے تو کافر زندیق ہیں کہ عذابِ آخرت سے انکار کرتے ہیں اور انبیا علیہم الصلوات والتسلیمات انتہا واکملہا کی دعوت کو باطل سمجھتے ہیں۔

سوال (از مکتوب الیہ) آپ نے اپنے بعض رسالوں میں لکھا ہے کہ "لطیفہ' فنائے اخفٰی ولایتِ محمدیؐ کے ساتھ مخصوص ہے" اس کلام کے کیا معنی ہیں ——— **جواب:** گزشتہ تحقیق سے یہ معلوم ہوگیا کہ "وصلِ عریاں" صرف "ولایتِ محمدیؐ" کے ساتھ مخصوص ہے اور دوسروں کے لئے بھی اگرچہ حجابات اُٹھ جاتے ہیں لیکن پھر بھی ایک جیلولہ (پردہ) پیراہنِ شعر (بال سے باریک کپڑے) کی مانند جو حقیقتِ محمدیؐ کے توسط کی راہ سے ہوتا ہے درمیان میں حائل رہنے سے چارہ نہیں ہے جیسا کہ پہلے بیان ہوچکا ——— لہٰذا (لطیفہ) اخفٰی سے جو کہ انسانی مراتب کی انتہا ہے بلندی میں اس جیلولہ کے اندازے کے مطابق باقی رہتی ہے، پس اس باقی ماندہ کے لحاظ سے فنائے مطلق کا اطلاق جائز نہیں ہوگا۔ اور اس بقیہ کی بقا کو محمدیؐ (مشرب) کے علاوہ کوئی اور معلوم نہیں کرسکتا۔ اگر ہزاروں محمدی المشرب میں سے کسی ایک کو بھی یہ تیزیٔ نظر حاصل ہوجائے تو بسا غنیمت ہے ——— مختلف طبقات کے مشائخ میں سے اکثر حضرات نے صرف روح اور سِر کے متعلق گفتگو کی ہے لیکن ایسے بہت ہی کم ہیں جنھوں نے خفی کے راز کو بیان کیا ہو تو پھر وہ اخفٰی کی کیفیت کس طرح بیان کرسکتے ہیں۔ اور جس شخص نے دریائے اخفٰی میں غوطہ لگایا ہو اور اس کے ذرات میں سے ہر ذرے تک پہنچ کر اس کی حقیقت پر اطلاع پا چکا ہو وہ کبریتِ احمر کی مانند ہے ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ (جمعہ آیت ۴)[۶۳] (یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ بہت بڑے فضل والا ہے)۔

سوال:۔ آپ اس پر اعتقاد رکھتے ہیں کہ جو کچھ نبی علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کو کمالات حاصل ہوئے ہیں تو آپؐ کے کامل تابعداروں کو بھی (آپؐ کی) پیروی کی بدولت ان کمالات سے حصہ حاصل ہے۔ لہٰذا

لازم ہوگا کہ وصلِ عریاں میں بھی ان کو حصہ حاصل ہو۔ حالانکہ وہی (حیلولۂ) نبی درمیان میں حائل ہے؟

جواب:۔ وصلِ عریاں میں "حیلولۂ نبی" کوئی ضرر نہیں رکھتا کیونکہ وصل تابعداری کی بنیاد پر ہے نہ کہ اصالت کے طور پر، لہذا حیلولۂ نبی تبعیت (اتباع کے مفہوم) کی مزید تاکید کرنا ہے نہ کہ اس کے منافی، کیونکہ تبعیت کے معنی متوسط کا حائل ہونا ہے نہ کہ اس توسط کا رفع ہونا کہ وہ اصالت کے مقام کے مناسب ہے، لہذا وہ حیلولہ یعنی توسط بھی ہوگا اور وصلِ عریاں بھی جو کہ تبعیت کے طور پر میسر ہوتا ہے۔ پس خوب سمجھ لیں۔

سوال:۔ کیا سبب ہے کہ ہمارے نبی علیہ و علیہم الصلوات والتسلیمات کے کامل تابعداروں کے حق میں تو وصلِ عریاں اور تجلیٔ ذات کا اطلاق کرتے ہیں اور دوسرے انبیا صلوات اللہ تعالیٰ و تسلیماتہ علیٰ نبینا و علیہم کے لئے اس اطلاق کو تجویز نہیں کرتے حالانکہ ہمارے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا حیلولہ (توسط) دونوں کے حق میں ثابت ہے ——— جواب:۔ اس اطلاق کی تجویز مکمل طور پر پیروی کرنے والوں کے حق میں تبعیت (تابعداری) کے اعتبار سے ہے کہ اس کا اطلاق نبی کے توسط کے منافی نہیں ہے، جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے۔ اور دوسرے انبیا علیٰ نبینا و علیہم الصلوات والتحیات کے حق میں اگر اس اطلاق کو تجویز کیا جائے تو وہ اصالت کے اعتبار سے ہوگا کیونکہ یہ بزرگوار اصالت کے طور پر قطع منازل کرکے حضرت ذات تعالیٰ وتقدس تک پہنچے ہیں۔ اور اس میں کچھ شک نہیں کہ اصالت کی صورت میں توسط کا حصول اس اطلاق کے منافی ہوگا، لہذا فرق واضح ہوگیا۔

جاننا چاہیئے کہ گذشتہ انبیائے کرام علیٰ نبینا و علیہم و علیٰ اٰلہم الصلوٰۃ والسلام والتحیہ اور اس امت کے کامل تابعداروں کے درمیان اصالت اور تبعیت کا فرق انبیاء علیٰ نبینا و علیہم الصلوات والتحیات کی افضلیت کے سبب سے ہے، کیونکہ اصل ایک مقصد ہوتا ہے اور تابع اس کے طفیلی ہوتے ہیں۔ اگرچہ پیروی کرنے والوں پر وصلِ عریاں اور تجلیٔ ذات کا اطلاق صحیح ہے اور متبوعان میں یہ اطلاق درست نہیں ہے کیونکہ طفیلی کی کیا حقیقت ہے کہ وہ مقصود کے ساتھ برابری کرے۔ اور (طفیلی کو) یہ برابری کیسے میسر آسکتی ہے کیونکہ وہ (قرب کی) دولت اتم واکمل طریقہ پر اصل کے لئے ہے اور تابع میں اسم و رسم کے طور پر۔ لیکن اس قدر مناسبت بھی تشبیہ کی تصحیح کرتی ہے اور تابع کو متبوع کی مانند بنا دیتی ہے۔ لہذا خاتم الرسل علیہ و علیہم الصلوات والتسلیمات نے اپنی امت کے علماء کو بنی اسرائیل کے انبیاء کی مانند فرمایا ہے ———

لہذا اس بیان سے یہ بات لازم آتی ہے کہ اس امت کے اولیاء کے لئے تجلیٔ ذات کا حاصل ہونا ان انبیاء پر

جن کو تجلی ذات حاصل نہیں فضیلت کا باعث نہیں ہے ماس بات پر غور کرنا چاہئے، کیونکہ یہ مقامِ لغزش ہے اور انصاف سے کام لینا چاہئے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب حضرت محمد علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے طفیل ان علوم کے ساتھ اس ضعیف بندے کو ممتاز فرمایا ہے۔

سوال: یہ بات طے شدہ ہے کہ آفرینشِ (کائنات کی پیدائش) سے مقصود خاتم الرسل علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات ہیں اور دوسرے سب نفسِ وجود اور حصولِ کمالات میں آپ کے طفیلی ہیں اور آپؐ کی پیروی کی وجہ سے بلند درجات پر پہنچے ہیں، لہذا قیامت کے دن حضرت آدمؑ اور دوسرے تمام (پیغمبران) آپ علیہ وعلیہم الصلوٰت والتسلیمات کے جھنڈے کے نیچے ہوں گے[1]۔ اور آپ (یعنی حضرت مجدد) کہتے ہیں کہ تمام انبیاء علیٰ نبینا وعلیہم الصلوات والتسلیمات کو وصول کی دولت بطریقِ اصالت ہے نہ کہ بطریقِ تبعیت اس کی کیا وجہ ہے؟ ———— جواب: جس طرح حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کے لئے اپنی حقیقت کی جہت سے حضرت حق تعالیٰ وتقدس کی طرف ایک راہ ہے اسی طرح دوسرے انبیا علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰات والتسلیمات کے لئے بھی اپنی حقیقتوں کی جہت سے حضرت حق تعالیٰ شانہٗ تک راستے ہیں (اس لئے) اس وصول میں تابع ہونے کا معنی ملحوظ نہیں ہے بخلاف امتیوں کے جو انبیاء کی پیروی کی وجہ سے ان کے حقائق کی راہ سے اپنی اپنی استعداد کے مطابق اپنے مطلب تک پہنچتے ہیں ان کے حق میں اصالت مفقود ہے ———— خلاصۂ کلام یہ کہ چونکہ دوسروں کا وصل اگرچہ بالاصالت ہو وصلِ عریانی نہیں ہے اس لئے حضرت خاتم الرسل علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کی حقیقت مطلوب کا پیراہنِ شعر (باریک پردہ کی مانند) حائل ہے، لہذا لازمی طور پر جو فیض بھی پہنچتا ہے وہ آپؐ کی حقیقت کے ساتھ اتصال پاتا ہے۔ اس کے بعد آپؐ کے توسط سے دوسروں تک پہنچتا ہے۔ اور تبعیت کے معنی یہی حصولِ توسط ہے، لہذا وہ اصالت اس تبعیت کے خلاف نہیں ہے۔ اور اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ وہ تبعیت (پیروی) جو امتوں کے حق میں کہی گئی ہے وہ اس تبعیت سے وراء ہے جو اصالت کے منافی ہے جیسا کہ پہلے کئی بار بیان کیا جا چکا ہے۔ پس دونوں کے درمیان فرق ظاہر ہو گیا۔

[1] جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: أَنَا سَيِّدُ وُلْدِ آدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا فَخْرَ وَبِيَدِي لِوَاءُ الْحَمْدِ وَلَا فَخْرَ وَمَا مِنْ نَبِيٍّ يَوْمَئِذٍ آدَمَ فَمَنْ سِوَاهُ إِلَّا تَحْتَ لِوَائِي۔ (رواہ الترمذی)

(سوال) اگر یہ کہا جائے کہ عروج کے مراتب میں صفت العیات سے بھی کاملین کو حصہ ملتا ہے یا نہیں؟ تو میں کہتا ہوں کہ ہاں ملتا ہے ـــــ اور اگر یہ کہا جائے کہ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ جب یہ صفت (صفت العیات) اپنی انتہا کو پہنچ کر حضرت ذات تعالیٰ وتقدس کے حضور میں نابود ولاشے ہو جاتی ہے تو مقام محو ولاشے سے کاملین کو کیا نصیب ہو گا؟ اور حالانکہ آپ نے اوپر بیان کیا ہے کہ تعینات حقائق کے لئے اضمحلال عینی نہیں ہے اور اگر ہے تو وہ نظری ہے کیونکہ اضمحلالِ عینی الحاد وزندقہ تک پہنچا دیتا ہے ـــــ جواب :۔ اضمحلالِ عینی کی کیا ضرورت ہے، اضمحلال نظری ہی کافی ہے اگرچہ اس اضمحلال میں بہت سے مراتب متفاوت ہیں، پس سمجھ لیں۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَہٗ اَعْلَمُ بِحَقِیْقَةِ الْحَالِ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِہِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ اَتَمُّهَا وَاَکْمَلُهَا (حقیقتِ حال اللہ سبحانہٗ ہی جانتا ہے۔ اور سلام ہو اس پر جس نے ہدایت کی پیروی کی اور حضرت محمد مصطفےٰ علیہ وعلی آلہ الصلوات والتسلیمات اتمہا واکملہا کی متابعت کو اپنے اوپر لازم کیا)

مکتوب ۲۹۵
دوصد و نود و پنجم

حاجی یوسف[1] کشمیری کی طرف صادر فرمایا ـــــ نظر برقدم[1]، ہوش دردم[2]، سفر در وطن[3] اور خلوت در انجمن[4] کے بیان میں جو کہ مشائخ طریقہ عالیہ نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے مقررہ اصول ہیں۔

نظر برقدم کے چار معانی

جاننا چاہیے کہ مشائخ طریقہ نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے مقررہ اصولوں میں سے ایک اصول "نظر برقدم" ہے۔ نظر برقدم سے یہ مراد نہیں کہ نظر قدم سے تجاوز نہ کرے اور قدم سے آگے نہ بڑھائے کیونکہ یہ چیز خلافِ واقع ہے، بلکہ (مراد یہ ہے کہ) نظر[1] ہمیشہ قدم سے آگے رہے اور قدم کو اپنے پیچھے رکھے کیونکہ بلند زینوں پر جانے کے لئے پہلے نظر چڑھتی ہے اس کے بعد قدم آگے بڑھتا ہے اور جب قدم نظر کے مرتبہ پر پہنچ گیا تو نظر بھی زینے کے اگلے حصے پر پہنچ جاتی ہے اور قدم اس کی پیروی میں اوپر چلا جاتا ہے اس کے بعد نظر اس مقام سے آگے ترقی کرتی ہے، علیٰ ہذا القیاس ـــــ اور اگر مراد یہ ہے کہ نظر[2] اس مقام تک ترقی کرے جہاں پر قدم کی گنجائش نہ ہو تو یہ بھی خلافِ واقع ہے، کیونکہ قدم کے تمام

---

[1] آپ کے نام تین مکتوبات ہیں: دفتر اول مکتوب ۲۹۵-۳۰۳۔ دفتر دوم مکتوب ۳۸۔ مکتوب ۳۰۳ میں آپ کے نام کے ساتھ لفظ "موذن" بھی درج ہے۔ باقی حالات معلوم نہ ہو سکے۔

ہونے کے بعد اگر نظر تنہا نہ ہو تو بہت سے کمال کے مراتب فوت ہو جاتے ہیں ـــــ اس کی وضاح[ت] یہ ہے کہ قدم کی انتہا سالک کی استعداد کے مراتب کی انتہا ہے بلکہ اس نبی کی استعداد کی انتہا تک ہے جس کے قدم پر وہ سالک ہے، لیکن قدمِ اول اصالت کے ساتھ ہے اور قدمِ ثانی اس نبی کی پیروی میں اور ان دو استعدادوں کے مرتبوں سے اوپر اس کا قدم نہیں جا سکتا البتہ نظر جا سکتی ہے۔ اور یہ نظر جب حدت (تیزی) حاصل کر لیتی ہے تو اس کی انتہا اس نبی علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کی نظر کے مرتبوں کی انتہا ہو جاتی ہے جس کے قدم پر وہ سالک ہے کیونکہ نبی کی کامل پیروی کرنے والوں کو بھی اس کے جملہ کمالات سے حصہ حاصل ہوتا ہے لیکن مراتبِ استعداد کی انتہا تک جو کہ سالک کی اصالت و تبعیت پر منحصر ہے قدم اور نظر موافقت رکھتے ہیں اس کے بعد قدم کوتاہی اور نظر تنہا صعود کرتی ہے، او[ر] اس نبی کی نظر کے مراتب کی انتہا تک ترقی کر لیتی ہے ـــــ لہذا معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم الصلوٰ[ۃ] والتسلیمات کی نظر بھی ان کے قدموں سے آگے صعود کرتی ہے اور ان بزرگوں یعنی انبیاء کی کامل تابعداری کرنے والوں کو بھی ان کی نظروں کے مقامات سے حصہ حاصل ہوتا ہے جیسا کہ ان کے قدموں کے مقامات سے ان کو حصہ ملتا ہے۔ اور خاتم الانبیاء علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کے قدمِ مبارک کے اوپر مقامِ رویت ہے جس کا وعدہ دوسروں کے لئے آخرت میں ہے۔ اور جو کچھ دوسروں کے لئے ادھار ہے وہ آپؐ کے لئے نقد ہے اور آپؐ کی کامل تابعداری کرنے والوں کو بھی اس مقام سے حصہ حاصل ہے، اگرچہ رویت نہیں ہے ؎

فریادِ حافظ ایں ہمہ آخر بہرزہ نیست ۔۔۔ ہم قصۂ غریب و حدیثِ عجیب ہست

(نہیں بکواس یہ حافظ کی **فریاد** ۔۔۔ وہ البتہ عجیب احوال کی ہے)

اب ہم اصل بات کی طرف آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ "نظر بر قدم" سے مراد یہ ہو کہ قدم کو چاہئے کہ نظر سے پیچھے نہ رہے اس طرح پر کہ کسی وقت میں بھی قدم مقامِ نظر تک نہ پہنچے تو یہ درست ہے، کیونکہ یہ معنی ترقی کو روکتے ہیں۔[1] اور اسی طرح اگر قدم اور نظر سے ظاہری قدم و نظر مراد لی جائے تو بھی گنجائش ہے کیونکہ راستہ چلتے وقت نظر پراگندگی پیدا کرتی ہے اور مختلف چیزوں کے دیکھنے کی وجہ سے انتشار پیدا ہوتا ہے اور اگر نظر کو قدم پر جما لیا جائے تو جمعیت (اطمینان) کے لئے بہت اقرب ہے اور یہ مراد دوسرے کلمہ کے معنی کے قریب ہے، اور وہ کلمہ "ہوش در دم" ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ پہلا کلمہ پراگندگی کو دور کرنے کے لئے ہے جو آفاق (بیرونی حالات) سے

---

۱ یعنی نظر سے قدم کا پیچھے رہ جانا اور مقامِ نظر تک کسی وقت میں نہ پہنچنا مانع ترقی ہے)۔

پیدا ہوتی ہے اور کلمۂ ثانی انفس (اندرون) کی پراگندگی کو دور کرنے کے لئے ہے ـــــ اور تیسرا کلمہ جو دونوں کلموں کے قریب ہے وہ کلمہ "سفر در وطن" ہے اور اس سے مراد انفس[۱] کی سیر ہے کہ اس کا نتیجہ حصول "اندراج النہایت فی البدایت" ہے (یعنی ابتدا میں انتہا کا حاصل ہونا) جو اس طریقۂ عالیہ کے ساتھ مخصوص ہے ـــــ اگرچہ "سیر انفسی" تمام طریقوں میں ہے لیکن "سیر آفاقی" حاصل ہونے کے بعد ہے اور اس طریقے میں ابتدا ہی اس سیر سے ہوتی ہے اور سیرِ آفاقی اس سیر کے ضمن میں مندرج ہے۔ اس اعتبار سے اس طریقۂ عالیہ کو "اندراج البدایۃ فی النہایۃ" کہنے کی گنجائش رکھتا ہے ـــــ اور کلمۂ چہارم جو ان تینوں کلموں کے ساتھ ہے وہ کلمہ "خلوت[۲] در انجمن" ہے۔ جب "سفر در وطن" میسر ہو جائے تو انجمن (لوگوں میں رہتے ہوئے) میں بھی خلوت خانۂ وطن میں سفر جاری رہتا ہے اور آفاق کی پراگندگی انفس کے حجرے میں داخل ہونے نہیں پاتی۔ یہ بھی اس وقت ہے جبکہ حجرۂ (نفس) کے دروازے اور سوراخوں کو بند کیا ہوا ہو۔ لہذا انجمن میں متکلم اور مخاطب کا تفرقہ نہ ہونا چاہئے، اور کسی کی طرف بھی متوجہ نہ ہوں ـــــ اور یہ تمام حیلے اور تکلفات ابتدائے سیر اور اس کے وسط میں اختیار کرنے پڑتے ہیں لیکن سیر کی انتہا میں ان کا کوئی کام نہیں ہے، عین تفرقہ میں بھی جمعیت حاصل ہوتی ہے اور عین غفلت میں حاضر (یعنی حضوری حاصل رہتی ہے) ـــــ اس جگہ کوئی شخص یہ گمان نہ کر لے کہ منتہی کے حق میں تفرقہ اور عدم تفرقہ مطلقاً برابر ہے، ایسا نہیں ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ تفرقہ اور عدم تفرقہ اس کی باطن کی جمعیت کے لئے برابر ہے۔ اس کے باوجود اگر ظاہر کو باطن کے ساتھ جمع کر لے اور تفرقہ کو ظاہر سے دفع کر دے تو یہ اولیٰ و انسب ہوگا۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ اپنے نبی علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام سے فرماتا ہے: وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا[۳] (مزمل آیت ۸) (اور اپنے رب کا نام یاد کرتے رہو اور سب سے قطع تعلق کر کے اسی کی طرف متوجہ رہو)۔

جاننا چاہئے کہ بعض اوقات ظاہری تفرقہ کے بغیر چارہ نہیں ہوتا کیونکہ مخلوق کے حقوق بھی ادا کرنے پڑتے ہیں لہذا ظاہری تفرقہ بھی بعض اوقات مستحسن ہوتا ہے لیکن باطنی تفرقہ اوقات میں سے

---

[۱] اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے: سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ ۔ (حم[۴۱] سجدہ آیت ۵۳) (عنقریب ہم ان کو اپنی نشانیاں ان کے گرد و نواح میں بھی دکھائیں گے اور خود ان کی ذات میں بھی یہاں تک کہ ان پر ظاہر ہو جائے کہ یہ (قرآن) حق ہے ـــــ [۲] نیز ارشاد ہے رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَن ذِكْرِ اللَّهِ[۲۴] (نور آیت ۳۷) (وہ ایسے مرد ہیں کہ خرید و فروخت کی حالت میں بھی اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل نہیں ہوتے)

کسی وقت بھی مستحسن نہیں ہے کیونکہ وہ (باطن) خالص حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے لئے ہے، لہٰذا بندوں کے (اوقات کے) تین حصے حق جل شانہٗ کے لئے مسلم ہیں، باطن کُل کا کُل، اور ظاہر کا نصف حصہ اور ظاہر کا دوسرا نصف حصہ مخلوق کے حقوق کی ادائیگی کے لئے ہے۔ اور ان حقوق کی ادائیگی چونکہ حق سبحانہٗ کے احکام کی فرمانبرداری میں ہے لہٰذا وہ نصف حصہ بھی حق تعالیٰ وتقدس کی طرف راجع ہو گیا ــــ اِلَيْهِ يُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهٗ فَاعْبُدْهُ (ہود آیہ ۱۲۳) (تمام کام اسی کی طرف رجوع کرتے ہیں پس تم اسی کی عبادت کرو) والسلام

مکتوب ۲۹۶

دوصد ونود وششم

حضرت مخدوم زادہ خواجہ محمد سعیدؒ[1] سلمہ اللہ تعالیٰ وابقاہ کی طرف صادر فرمایا ــــ حق جل وعلا کی صفات کے بسیط ہونے اور اشیاء کے ساتھ کثرتِ تعلق کی نفی کرنے کے بیان میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ وَاٰلِهِ الطَّاهِرِيْنَ اَجْمَعِيْنَ۔

(اللہ تعالیٰ کی حمد ہے جو پروردگار ہے دونوں جہان کا اور صلوٰۃ وسلام ہو حضرت سید المرسلین اور آپ کی سب پاک اولاد پر)۔

اللہ تعالیٰ تم کو سعادتمند کرے۔ جاننا چاہئے کہ صفاتِ واجبی جل سلطانہٗ اس بلند وبرتر ذات کے مانند بے چون وبے چگونہ (بے مثل وبے کیف) ہیں اور حقیقت کی بساطت پر ہیں (اضافی نہیں ہیں) مثلاً ایک ہی انکشاف ایسا بسیط ہے کہ اس سے تمام ازل وابد کی معلومات منکشف ہو جاتے ہیں، اور ایک ہی قدرتِ کاملہ بسیط ہے کہ اولین وآخرین کے مقدورات اس کے وسیلے سے وجود میں آتے ہیں، اور ایک ہی کلام بسیط ہے کہ جس کے ساتھ ازل سے ابد تک وہی کلام گویا ہے، علیٰ ہذا القیاس اسی طرح باقی تمام صفاتِ حقیقیہ کا حال ہے اور وہ تعدد بھی جو معلومات اور مقدورات کے اعتبار سے پیدا ہوتا ہے وہ سب اس مرتبہ میں مفقود ومعدوم ہے تمام اشیاء حق سبحانہٗ کی معلوم ومقدور ہیں، لیکن صفتِ علم اور صفتِ قدرت کو ان اشیاء کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ یہ معرفت عقل کی نظر کے احاطہ سے بالا ہے ــــ ارباب معقول (یعنی فلاسفہ) اس طرح کے معنی کو ہرگز جائز نہیں جانتے اور محال خیال کرتے ہیں کہ اشیاء حق تعالیٰ کے علم میں ہوں اور حق تعالے کے علم کا ان سے کوئی تعلق نہ ہو، اور اسی طرح وہ (حق تعالیٰ کے) مقدور ہیں ہوں لیکن قدرت ان سے

---

[1] آپ کے نام ۲۴ مکتوبات ہیں اور آپ کا مختصر تذکرہ دفتر اول مکتوب ۲۵۹ پر ملاحظہ ہو۔

متعلق نہ ہو ـــــــ یہ لوگ نہیں دیکھتے کہ اس مرتبہ میں ازل وابد آنِ واحد (بیک وقت) حاضر (موجود) ہیں (یعنی ایک ہی لمحہ میں موجود حاضر اور غیر منقسم ہیں) بلکہ آن کی بھی گنجائش نہیں ہے کہ اقربِ تَشے اور اس کی اوفق (موافقت) کے سوا اور الفاظ سے تعبیر کیا جا سکے۔ اور ازل وابد کی موجودات اس آنِ حاضر میں حاضر (موجود) ہیں ـــــــ اور (حق تعالیٰ) اسی آنِ حاضر میں زید کو معدوم بھی جانتا ہے اور موجود بھی، اور جنین کو (ماں کے پیٹ میں) بھی جانتا ہے اور صبی (بچپن کی حالت) میں بھی، جوان بھی بوڑھا بھی اور زندہ بھی جانتا ہے اور مردہ بھی، برزخ کی حالت میں بھی جانتا ہے اور حشر و حساب میں بھی۔ اور معلوم ہے کہ اس آن کو اس آن موجودات سے کوئی تعلق نہیں، کیونکہ اگر اس (آن) سے تعلق پیدا کرے تو آنیت سے نکل جائے گا اور اس (آن) کا نام زمانہ ہوگا اور ماضی و مستقبل بن جائے گا، لہذا یہ سب موجودات اس آنِ واحد میں ثابت بھی ہیں اور ثابت نہیں بھی ـــــــ لہذا اگر ایک انکشافِ بسیطِ حقیقی ثابت کیا جائے جس کا معلومات میں سے کسی ایک معلوم سے بھی تعلق نہ ہو اور تمام معلومات اس ایک انکشاف سے معلوم ہو جائیں تو کیا تعجب ہے کیونکہ اس مقام میں ضدین کا جمع ہونا محال نہیں بلکہ ممکن ہے کیونکہ (اجتماعِ ضدین کے محال ہونے کے لئے اتحادِ زمانہ) اتحادِ جہت کے ساتھ مخصوص ہے، اور اس جگہ زمانہ کی گنجائش نہیں ہے اس لئے کہ اس سبحانہ وتعالیٰ پر زمانے کے احکام جاری نہیں ہو سکتے۔ اور اتحادِ جہت بھی مفقود ہے کیونکہ اس میں اجمال و تفصیل کا فرق ہے ـــــــ جس طرح کہ کوئی شخص کلمہ کے مرتبہ میں کہے کہ کلمہ اسم بھی ہے اور فعل و حرف بھی، حالانکہ یہ (تینوں) ایک دوسرے کے مخالف ہیں ان سب کو اس مرتبہ میں آنِ واحد کے اندر متحد دیکھتا ہوں اور منصرف کو عینِ غیر منصرف پاتا ہوں اور مبنی کو عین معرب جانتا ہوں۔ اور وہ شخص یہ بھی کہتا ہے کہ اس جامعیت کے باوجود اس کلمہ کو ان اقسام میں سے کسی ایک قسم سے بھی تعلق نہیں وہ ان سب سے مستغنی ہے تو عقلمندوں میں سے کوئی شخص بھی اس کا انکار نہیں کریگا اور اس کو دور از قیاس نہیں جانے گا، تو پھر ہم اس بات میں جس کو ہم بیان کر رہے ہیں وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى (نحل آیت ۶۰) (اور اعلیٰ مثال اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے) کیوں بعید جانیں اور کیوں توقف کریں ـــــــ اور اگر یہ کہیں کہ کسی شخص نے اس قسم کی بات نہیں کہی ہے تو ہم کہتے ہیں کہ اگر کسی نے نہیں کہی تو کیا ہوا جبکہ یہ بات دوسروں کی بات کے مخالف نہیں ہے اور نہ ہی حق تعالیٰ و تقدس کے مرتبہ وجوب کے نامناسب ہے۔ ع خربوزہ بخور نزا بفالیز چہ کار (کھا لے خربوزہ۔ گزر فالیز سے)

وہ مثال جو اس معرفت کی وضاحت کے لئے مخلوقات میں سے دی جاسکتی ہے اور لوگوں نے بیان کی ہے کہ "علم بعلت مستلزم علم بمعلول است" (علت کا علم معلول کے علم کو مستلزم ہے) ۔ اور اس صورت میں بالاصالۃ قوتِ مدرکہ (انسانی علم) کی طرف متوجہ ہے اور علت کے ساتھ تعلق پیدا کرلیا ہے اور معلول کا علم علت کے علم کے تابع ہے بغیر اس بات کے کہ معلول کے ساتھ کوئی دوسرا تعلق پیدا کرے ـــــ لیکن اربابِ معقول (یعنی فلاسفہ) اس صورت میں بھی علم کے تعلق کے بغیر دوسرے مرتبہ میں معلول کی معلومیت کو جائز قرار نہیں دیں گے اگرچہ اس کا تعلق بالاصالت نہ ہو۔ لیکن معلوم نہیں کہ اس مثال سے زیادہ قریب ترین کوئی مثال ہو جو بیان کی جائے۔ کیونکہ (مثال سے) مقصود توضیح (بیان) ہے نہ کہ اثبات۔ وَاللّٰهُ تَعَالٰی اَعْلَمُ بِحَقَائِقِ الْاُمُوْرِ كُلِّهَا (اور تمام امور کے حقائق سے اللہ تعالیٰ ہی واقف ہے) وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَيْهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ مِنَ الصَّلَوَاتِ وَالتَّحِيَّاتِ الْمُبَارَكَاتِ اَتَمُّهَا وَاَكْمَلُهَا (اور صلوۃ وسلام ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے اور حضرت محمد مصطفٰے علیہ وعلی آلہ من الصلوات والتحیات المبارکات اتمہا واکملہا کی متابعت کو لازم کرے)۔

مکتوب ۲۹۷ (عربی)
دوصد و نود و ہفتم

مولانا بدر الدین[1] سرہندی کی طرف صادر فرمایا ـــــ حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے احاطہ و سریان کی تحقیق میں اور مثالوں کے ساتھ اس کی وضاحت (اور وجوبی وامکانی مراتب کے تحفظ کی رعایت میں۔

جاننا چاہیئے کہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ کا احاطہ اشیاء کے ساتھ ایسا ہے جیسا مجمل کا احاطہ مفصل کے ساتھ، اور (اشیاء میں) اس کا سریان ایسا ہے جیسا کہ "کلمہ" جو اپنی تمام اقسام میں جاری وساری ہے خواہ وہ اسم ہو، فعل ہو یا حرف ہو، اور ان کی قسموں میں جیسے ماضی، مضارع، امر و نہی، مصدر، اسم فاعل و مفعول اور مستثنیٰ، متصل منقطع، حال، تمیز، ثلاثی، رباعی، خماسی، حروف جارہ وناصبہ اور وہ حروف جو افعال کے ساتھ مخصوص ہیں، اور اسماء کے ساتھ مختص حروف اور ان پر داخل ہونے والے حروف، اور دوسری اقسام جو نامتناہی تقسیم سے ظاہر ہوتے ہیں۔ لہٰذا یہ تمام قسمیں کلمہ کے ساتھ مغایرت نہیں رکھتے

[1] آپ کے نام چار مکتوبات ہیں اور مختصر تذکرہ دفتر اول مکتوب ۲۸۹ پر ملاحظہ ہو۔

بلکہ یہ سب اعتبارات ہیں جو کلمہ کے تحت مندرج ہیں اور کلمہ سے ان کی تفصیل و تمیز پاتے ہیں اور باہم ایک دوسرے سے متمیز ہونے میں اعتبارِ عقلی کے سوا اور کسی چیز کا اضافہ نہیں ہوا، اور خارج میں کلمہ کے علاوہ اور کچھ موجود نہیں ہے اور اسی وجہ سے یہ حمل صحیح ہے لیکن مراتب میں سے ہر مرتبہ میں (کلمہ کا) ایک الگ نام ہے جس کے ساتھ وہ مخصوص ہے، اور کچھ احکام ایسے ہیں جو اسی مرتبہ کے ساتھ مخصوص ہیں، مثلاً اقترانِ زمانہ کے ساتھ معنیٔ مستقل پر دلالت کرنے والا کلمہ فعل کہلاتا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ اور جو بالاستقلال اپنے معنی پر دلالت کرے اور اس میں زمانے کا تعلق نہ ہو تو وہ اسم ہے، اور جو اپنے معنی پر بالاستقلال دلالت نہ کرے اس کو حرف کہتے ہیں، اور اسی طرح جس میں گذشتہ زمانہ پایا جائے اس کو فعل ماضی کہتے ہیں اور جس میں زمانۂ حال و استقبال پایا جائے اس کو مضارع کہتے ہیں اور جس میں نو مشہور علتوں میں سے دو علتیں پائی جائیں اس کو غیر منصرف کہتے ہیں ورنہ منصرف ہے، اور وہ حروف جن کا عمل جر ہو ان کو جارہ کہتے ہیں، اور وہ حروف جن کا عمل نصب ہو ان کو ناصبہ کہتے ہیں، لہٰذا ایک مرتبہ کے اسم کا اطلاق دوسرے مرتبہ پر کرنا اور ایک کے احکام کو دوسرے پر جاری کرنا ایسا ہے جیسے فعل ماضی کو مضارع پر اور منصرف کو غیر منصرف پر اور جارہ کو ناصبہ پر اطلاق کریں، حالانکہ یہ سب مراتب کے اعتبار سے کلمہ ہی ہیں لیکن ایک کے احکام کو دوسرے پر جاری کرنا سراسر گمراہی اور راہ راست سے خارج ہوتا ہے۔

پس ہم کہتے ہیں کہ اللہ سبحانہٗ ہی بہتر جانتا ہے کہ تنزل وجود سبحانہٗ کے مراتب میں سے ہر مرتبہ کے لئے ایک خاص اسم ہے اور ایک خاص حکم ہے جو صرف اسی مرتبہ کے ساتھ خاص ہے اور اس کے علاوہ نہیں پایا جاتا۔ لہٰذا وجوبِ ذاتی اور استغنائے ذاتی مرتبۂ جمع اور الوہیت کے ساتھ مخصوص ہیں، اور امکانِ ذاتی اور افتقارِ ذاتی (ذاتی احتیاج) مرتبۂ کون و فساد (دنیا جہان) کے ساتھ مخصوص ہیں۔ ——— اور مرتبۂ اولیٰ ربوبیت و خالقیت کا مرتبہ ہے اور مرتبۂ ثانیہ عبودیت و مخلوقیت کا مرتبہ ہے پس اگر ایک مرتبہ کے اسماء کا اطلاق دوسرے مرتبہ پر کریں یا ایک مرتبہ کے مخصوص احکام کو دوسرے مرتبہ پر جاری کریں تو وہ خالص زندقہ اور کفر محض ہو گا۔

تعجب ہے کہ بعض بے دین ملحد اور زندیق کس طرح مراتب کو ایک دوسرے کے ساتھ خلط ملط کر دیتے ہیں اور ایک مرتبہ کے احکام دوسرے پر کیسے جاری کرتے ہیں اور ممکن کو واجب کی صفات سے

اور واجب کو ممکن کی صفات کے ساتھ موصوف کرتے ہیں، حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ ممکن جو ایک ہی مرتبہ ہے لیکن اس کے صفات ایک دوسرے سے الگ الگ ہیں اور ان کے احکام میں بھی اختلاف ہے اور وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ مرتبۂ کونیہ میں ان کے اتحاد کے باوجود ان کا باہمی تمائز اور ان کے احکام کا اختلاف ہرگز زائل نہیں ہوتا، کیونکہ وہ بدیہی طور پر جانتے ہیں کہ حرارت اور روشنی آگ کی مخصوص صفات میں سے ہے اس میں سے کوئی صفت بھی پانی میں نہیں پائی جاتی اور پانی کو بھی ان صفات سے موصوف نہیں کیا جا سکتا۔ اور اسی طرح برودت (سردی) جو پانی کے ساتھ مخصوص ہے آگ میں موجود نہیں، اور اسی طرح (یہ لوگ) اپنی بیویوں اور ماؤں میں بھی امتیاز کے قائل ہیں اور دونوں کے احکام جدا جدا ہونے کا حکم کرتے ہیں۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ الْهَادِیْ اِلٰی سَبِیْلِ الرَّشَادِ (اور اللہ سبحانہٗ ہی سیدھے راستے کی ہدایت کرتا ہے)۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی (اور سلام ہو اس پر جو راہِ راست کی پیروی کرے)۔

مکتوب ۲۹۸

(دو صد و نود و ہشتم)

میر سید محب اللہ مانکپوری[1] کے نام صادر فرمایا — اشاراتِ خفیہ اور عباراتِ لطیفہ کے طریق پر نہایتِ کار تک پہنچنے کے بیان میں اور اس معما کے راز میں جس کی مخدوم زادہ کلاں (خواجہ محمد صادق) علیہ الرحمۃ والرضوان کے علاوہ دوستوں میں سے کسی کو اس کی اطلاع نہیں ہوئی۔

اللہ تعالیٰ تم کو ہدایت دے! جاننا چاہئے کہ مدتِ دراز سے (یہ فقیر) ظلال میں سیر کرتا تھا اور ظل کے وصول کو عینِ حصول سمجھتا تھا حالانکہ اصل کے ساتھ وصول میسر ہو چکا ہے۔ سوائے ظل کے کچھ حصول نہیں رکھتا جس طرح کہ آئینہ جو ایسے شخص کے ہاتھ میں ہو جس کے حصے میں آئینہ آنے والا ہے مگر اس آئینے کو (اس شخص سے) سوائے ظل کے اور کچھ حاصل نہیں۔ پس سمجھ لو کہ ہمارا کلام اشارہ میں ہوتا ہے۔

جاننا چاہئے کہ طریقے کے بیان کے مناسب جو رموز و اشارات تحریر کئے گئے ہیں اس مقام کے مناسب جان کر وہ عبارت اس مکتوب میں بھی درج کر دی ہے۔ غور کریں:-

"ذکرِ جان ماخوذ از پیرِ راہ دان ملازمت بر آں باز گشت بفضلِ حضرتِ رحمٰن وصلِ عریاں باقی ہمہ حسبان"۔

---

[1] آپ کے نام دس مکتوبات ہیں اور آپ کا مختصر تذکرہ دفترِ اول مکتوب ۲۷۲ پر ملاحظہ ہو۔

(یعنی ذکرِ قلبی جو شیخِ طریقت سے حاصل کیا ہو اس پر استقامت رکھیں تاکہ بازگشت حاصل ہو، بعد ازاں وصلِ عریاں کا نصیب ہونا حضرتِ رحمٰن کے فضل پر موقوف ہے، باقی سب وہم و گمان ہے) وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ مِنَ الصَّلَوَاتِ اَتَمُّھَا وَمِنَ التَّحِیَّاتِ اَکْمَلُھَا (اور سلام ہو اس پر جو ہدایت پر چلا اور حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کو اپنے اوپر لازم کیا)

مکتوب ۲۹۹

دوصد و نود و نہم

شیخ فرید راںہوتی[1] کی طرف صادر فرمایا ــــــ مصیبت پر صبر و استقامت اور قضا پر صبر و رضا کی تلقین کرنے اور مرضِ طاعون میں موت کی فضیلت میں اور اس بیان میں کہ طاعون کی زمین سے بھاگنا گناہِ کبیرہ ہے جیسا کہ کفار سے جنگ کے دن بھاگنا گناہِ کبیرہ ہے۔

حمد و صلوٰۃ اور تبلیغِ دعوات کے بعد عرض ہے کہ آپ کا مکتوب شریف موصول ہوا۔ آپ نے مصیبتوں کے متعلق لکھا تھا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ (بقرہ ۲ آیت ۱۵۶) (ہم اللہ ہی کے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے) پس صبر و تحمل کے ساتھ قضا پر راضی رہنا چاہیے ؎

من از تو روئے نہ پیچم گرم بیازاری | کہ خوش بود ز عزیزاں تحمل و خواری

(ستانا تم کو آتا ہے، منانا ہم کو آتا ہے | تحمل اور خواری عاشقوں کا خاص شیوہ ہے)

اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے: مَآ اَصَابَکُمْ مِّنْ مُّصِیْبَةٍ فَبِمَا کَسَبَتْ اَیْدِیْکُمْ وَیَعْفُوْ عَنْ کَثِیْرٍ (شوریٰ ۴۲ آیت ۳۰) (جو مصیبت بھی تم کو پہنچتی ہے وہ تمہارے ہی ہاتھوں (کے برے اعمال) کا نتیجہ ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ بہت (سے گناہوں سے (معاف) درگذر کرتا ہے) ــــــ اور اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے:۔ ظَھَرَ الْفَسَادُ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا کَسَبَتْ اَیْدِی النَّاسِ (روم ۳۰ آیت ۴۱) (خشکی اور تری میں لوگوں کے ہاتھوں سے پیدا کیا ہوا (برے اعمال کے باعث) فساد پھیل گیا) ــــــ اس وبا (طاعون) میں ہماری شومیٔ اعمال (بدبختی) کی وجہ سے سب سے پہلے چوہے ہلاک ہوئے اس لئے کہ وہ ہم سے زیادہ اختلاط رکھتے ہیں، پھر عورتیں، جن کے وجود پر نوعِ انسان کی نسل و بقا کا انحصار ہے مردوں سے زیادہ مرگئیں۔

---

[1] آپ کے نام صرف یہی ایک مکتوب ہے نیز آپ کے حالات بھی معلوم نہ ہو سکے۔

اس وبا (طاعون) میں جو کوئی مرنے سے بھاگا اور سلامت رہ گیا اس کی زندگی پر خاک ہو۔ اور جو نہ بھاگا اور مر گیا اس کے لئے شہادت کی موت کی خوشخبری ہے۔

شیخ الاسلام ابنِ حجرؒ نے اپنی کتاب "بذل الماعون فی فضل الطاعون" میں تحقیق سے لکھا ہے کہ "جو شخص طاعون سے مر جائے اس سے قبر میں کوئی سوال نہیں ہوگا، کیونکہ اس کی مثال جنگ میں قتل ہونے والے کے مانند ہے۔ (اور یہ بھی لکھا ہے کہ) جو شخص طاعون کے زمانے میں (طلبِ ثواب کی نیت سے) صبر سے بیٹھا رہا (اور یہ یقین رکھتا ہو) کہ مجھے وہی پہنچے گا جو میرے نصیب میں لکھا ہوا ہے تو وہ شخص بھی اگر طاعون کے علاوہ کسی اور مرض میں مرا تو اس سے بھی عذاب و سوالِ قبر نہ ہوگا، کیونکہ وہ مرابط یعنی جہاد کے لئے مستعد اور تیار رہنے والے کے مانند ہے ——— جیسا کہ شیخ الاجل سیوطیؒ نے اپنی کتاب "شرح الصدور بشرح احوال الموتی والقبور" میں ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ بہت عمدہ توجیہ ہے۔ اسی طرح جو شخص (طاعون سے) نہ بھاگا اور نہ مرا تو وہ غازیوں اور مجاہدوں میں شمار ہوگا، اور صابروں و مصیبت برداشت کرنے والوں کے زمرہ میں ہوگا ——— کیونکہ ہر شخص کے لئے ایک وقت مقرر ہے جس میں تقدیم و تاخیر کی کوئی گنجائش نہیں[۱]۔ اکثر بھاگنے والے جو سلامت رہ گئے وہ اس لئے کہ ان کی موت کا وقت ابھی نہیں آیا تھا نہ کہ اس لئے کہ ان کا بھاگ جانا موت سے بچنے کا باعث ہو گیا۔ اور اکثر صبر کرنے والے جو ہلاک ہو گئے وہ بھی وقت مقررہ (عمر پوری ہو جانے) کی وجہ سے ہلاک ہے۔ پس نہ تو بھاگ جانا نجات کا باعث ہوا اور نہ بیٹھا رہنا ہلاکت کا سبب ——— یہ بھاگنا جہاد کے دن بھاگنے کے مانند اور گناہِ کبیرہ ہے۔ اور یہ خداوند جل سلطانہ کی طرف سے خفیہ تدبیر[۲] ہے کہ بھاگنے والے سلامت رہ گئے اور صبر کرنے والے ہلاک ہو گئے۔ یُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا (بقرہ آیت ۲۶) (اللہ تعالیٰ اس سے بہت سے لوگوں کو گمراہ کرتا ہے اور بہت سے لوگوں کو ہدایت دیتا ہے)۔

آپ کے صبر و تحمل اور مسلمانوں کے ساتھ آپ کی امداد و اعانت کے بارے میں سنا جاتا ہے۔ اللہ سبحانہٗ آپ کو اس کی جزائے خیر عطا فرمائے۔ بچوں کی تربیت میں اور ان کی ایذا برداشت کرنے میں دل برداشتہ نہ ہوں کیونکہ اس پر بہت بڑے اجر کے مرتب ہونے کی امید ہے۔ زیادہ کیا لکھا جائے۔ والسلام

---

[۱] جیسا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ (اعراف آیت ۳۴)

[۲] قال تعالیٰ: اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ ۚ فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ (اعراف آیت ۹۹)

مکتوب ۳۰۰

سر صدم

مخدوم زادہ جامع علوم عقلی و نقلی مجدالدین خواجہ محمد معصوم[1] سلمہ اللہ تعالیٰ کی طرف صادر فرمایا ———

دقیق اسرار اور نادر معارف کو رمز و اشارہ کی زبان میں اور مقام قاب قوسین او ادنیٰ کو بھی اشارہ کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) ——— انسانِ کامل جب اسماء و صفات کی تفصیلی سیر کے مراتب طے کر کے جامعیتِ تامہ پیدا کر لیتا ہے اور اسماء و صفاتِ الٰہی جل سلطانہٗ کے کمالات کا آئینہ بن جاتا ہے اور اس کا عدمِ ذاتی جو ان کمالات کا آئینہ ہے مکمل طور پر پوشیدہ ہو جاتا ہے، اور ان کمالات کے علاوہ اس میں اور کوئی چیز ظاہر نہیں ہوتی، تو اس وقت "فنائے تام" کے حاصل ہونے کے بعد جو اس کے عدم کے پوشیدہ ہونے پر وابستہ تھی ایک بقائے خاص کے ساتھ جو ان کمالات پر موقوف ہے مشرف ہو جاتا ہے اور اس پر ولایت کا اسم صادق آتا ہے۔ اس کے بعد اگر عنایتِ ازلی جل سلطانہٗ اس کے شاملِ حال ہو جائے تو ممکن ہے کہ دوبارہ یہ کمالات جن کے ساتھ اس عارف نے بقا حاصل کی تھی حضرت تعالیٰ و تقدس کی ذات کے آئینہ میں منعکس ہو جائیں اور وہاں ظہور پیدا کر لیں تو اس وقت قَابَ قَوْسَیْنِ کے راز کا ظہور ہوتا ہے۔

جاننا چاہئے کہ اس مقام میں آئینے میں کسی شے کے ظہور سے مراد یہ ہے کہ اس شے کو اس آئینے کے ساتھ نسبتِ مجہولہ حاصل ہو جائے نہ یہ کہ وہاں مرأت (آئینہ) کی حقیقت ہے اور اس میں حصولِ شے ہے۔ وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی (نحل آیت ۶۰) (اعلیٰ صفات اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہیں)۔ اور جب وہ کمالات جن کے ساتھ عارف نے بقا حاصل کی ہے اس جنابِ قدس کے آئینے میں حقیقت و اصالت کے طور پر منعکس ہو جاتے ہیں اور وہاں ظہور پیدا کر لیتے ہیں تو اس کو نسبتِ مجہول الکیفیت حاصل ہو جاتی ہے اس وقت "انا" جس کا تعلق عارف کے ساتھ ہے وہاں اس کا اطلاق ہوتا ہے اور اپنے آپ کو ان کمالاتِ ظاہرہ کا عین دیکھتا ہے۔ قاب قوسین کے مقام میں اس کے عروج کی انتہا یہیں تک ہے۔

---

[1] آپ کے نام ستائیس مکتوبات ہیں اور آپ کا مختصر تذکرہ اور مکتوبات کی تفصیل کے لئے مکتوب ۲۹۴ ملاحظہ ہو۔

اے فرزند! غور سے سن! صورت کا آئینہ جس میں حسن و جمال منعکس ہوتا ہے اگر بالفرض وہ حیات اور علم کا آئینہ بن جائے تو لازمی طور پر اس حسن و جمال کے ظہور سے لذت پانے والا ہو گا اور حظِ وافر حاصل کرلے گا حقیقت کے آئینے میں اگرچہ لذت اور رنج والم مفقود ہے کیونکہ وہ صفاتِ امکانی میں سے ہے لیکن وہ امر جو اس بلند مرتبہ کے شایانِ شان ہے اور نقص و حدوث کے نشانات سے مبرا ہے وہ کائن و ثابت ہے۔

فریادِ حافظ ایں ہمہ آخر بہرزہ نیست ۔ ہم قصۂ غریب و حدیثِ عجیب ہست

(نہیں بکواس یہ حافظ کی فریاد وہ البتہ عجیب احوال کی ہے)

یہ کمالاتِ ظاہرہ جنھوں نے اس مرتبہ میں مجہول الکیفیت نسبت پیدا کرلی ہے ان کا حکم بعینہٖ ایسا ہے جیسے انسان کے عالمِ خلق کو عالمِ امر کے ساتھ نسبت ہے۔ اس مقام پر مَنْ عَرَفَ نَفْسَہٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّہٗ (جس نے اپنے آپ کو پہچانا اس نے اپنے رب کو پہچانا) کا راز حاصل ہو جاتا ہے۔ اور جب یہ ظاہرہ کمالات جو حضرتِ ذات تعالیٰ و تقدس کے اجمال کی تفصیل ہیں (انھوں نے) حضرتِ اجمال کے ساتھ مجہول الکیفیت نسبت پیدا کرلی ہے اور بے کیف اتصال حاصل کرکے حضرتِ اجمال کی آئینہ داری کرلی ہے تو لازمی طور پر حضرتِ اجمال میں مجرد اعتبار اور محض توہم سے تفصیل بھی پیدا ہو گئی جو عارف کے انکے عروج کا باعث ہوئی۔ یہ کمال مقامِ اوادنیٰ سے وابستہ ہے۔ مصرع

قلم ایں جا رسید و سر بشکست (سرِ قلم ہو گیا قلم کا یہاں)

یہ ہے نہایت النہایت اور غایت الغایت کا بیان، جس کا سمجھنا خواص کے ادراک سے بھی کوسوں دور ہے، پھر عوام کے بارے میں کیا کہا جائے۔ جبکہ اخصِّ خواص میں سے بھی اقلِّ قلیل حضرات ایسے ہیں جو اس دولتِ معرفت سے سرفراز ہوئے ہیں۔ ؎

اگر بادشہ بردرِ پیر زن ۔ بیاید تو اے خواجہ سبلت مکن

(اگر بادشہ آئے بڑھیا کے گھر تو اے خواجہ، ہرگز تعجب نہ کر)

یہ نہایت ظہورات و تجلیات کے اعتبار سے ہے کیونکہ اس کے بعد کسی دوسری قسم کی تجلی اور ظہور متصور نہیں۔ ؎

وَمِنْ بَعْدِ ھٰذَا مَا یَدِقُّ صِفَاتُہٗ ۔ وَمَا کَتْمُہٗ اَحْظٰی لَدَیْہِ وَاَجْمَلُ

(بعد اس کے جو بھی ہے محجوب ہے اس کا پوشیدہ ہی رہنا خوب ہے)

والسلام علیٰ من اتبع الہدیٰ والتزم متابعۃ المصطفیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وعلیٰ جمیع الانبیاء والمرسلین وعلیٰ کل ملائکۃ المقربین الصلوات والتسلیمات والتحیات والبرکات اتمہا واکملہا وادلہا واعلٰہا واوذحہا وابقاہا واعمہا واشملہا۔

مکتوب ۳۰۱

سہ صد و یکم

مولانا امان اللہ کی طرف صادر فرمایا ـــــــ قربِ نبوت اور قربِ ولایت اور ان راہوں کے بیان میں جو قربِ نبوت تک پہنچانے والی ہیں اور اس کے مناسب بیان میں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ حمد و صلوٰۃ کے بعد میرے فرزند مولانا امان اللہ کو معلوم ہو کہ نبوت سے مراد وہ قربِ الٰہی ہے جس میں ظلیت کا کچھ بھی شائبہ نہیں۔ اس قرب کا عروج حق جل وعلا کی طرف رُخ رکھتا ہے، اور اس کا نزول مخلوق کی طرف۔ یہ قرب بالاصالت انبیا علیہم الصلوات و التسلیمات کے نصیب ہے اور یہ منصب انہی بزرگوں علیہم الصلوات والبرکات کے ساتھ مخصوص ہے نیز یہ منصب حضرت سید البشر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام پر ختم ہو چکا ہے لہٰذا حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والتحیۃ بھی نزول کے بعد حضرت خاتم الرسل علیہا الصلوٰۃ والسلام کی متابعت کریں گے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ (جس طرح) متبعین اور خادموں کو اپنے مالکوں کی دولت اور ان کے پس خوردہ سے حصہ حاصل ہوتا ہے (اسی طرح) انبیا علیہم الصلوات والتحیات کی دولتِ قرب سے ان کے کامل متبعین کو بھی حصہ حاصل ہوتا ہے نیز اس مقام کے علوم و معارف اور کمالات سے وراثت کے طریق پر کامل متبعین کو بھی حصہ نصیب ہوتا ہے۔ ع

خاص کند بندۂ مصلحت عام را (عام کے فائدے کو خاص آیا)

پس آنحضرت خاتم الرسل علیہ وعلیٰ آلہ وعلیٰ جمیع الانبیاء والرسل الصلوات والتحیات کی بعثت کے بعد آپ کے متبعین کو تبعیت و وراثت کے طریق پر کمالاتِ نبوت کا حاصل ہونا آپ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی خاتمیت کے منافی نہیں ہے، فَلَا تَکُوۡنَنَّ مِنَ الۡمُمۡتَرِیۡنَ (بقرہ آیت ۱۴۷) (پس آپ شک کرنے والوں میں سے نہ ہوں)۔

اللہ تعالیٰ آپ کو سعادتمند کرے، آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ کمالاتِ نبوت تک پہنچانے والے دو راستے ہیں: ایک وہ راستہ جو مقام ولایت کے مفصل کمالات طے کرنے پر موقوف ہے اور ان تجلیاتِ ظلیہ اور معارفِ سکریہ کے حصول پر منحصر ہے جو مرتبۂ ولایت کے قرب کے مناسب ہیں، ان

لہ آپ کے نام تین مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ مکتوب ۲۸۶ پر گذر چکا ہے۔

کمالات کے طے کرنے اور ان تجلیات کے حاصل ہونے کے بعد کمالاتِ نبوت میں قدم رکھا جاتا ہے، اس مقام میں اصل تک وصول ہوتا ہے اور ظلّیت کی طرف التفات کرنا گناہ ہے ——— اور دوسرا راستہ وہ ہے جس میں ولایت کے ان کمالات کے حصول کے بغیر ہی کمالاتِ نبوت تک وصول (پہنچنا) میسر ہو جاتا ہے، اور یہ دوسرا راستہ شاہراہ ہے اور کمالاتِ نبوت تک پہنچنے کا قریب ترین راستہ ہے ——— ——— انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور ان کے اصحاب کرام میں سے جو بھی ان انبیائے کرام علیہم وعلیٰ اصحابہم الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کی تبعیت ووراثت کے طریق پر کمالاتِ نبوت تک پہنچے ہیں "الا ماشاء اللہ تعالیٰ" وہ اسی راستے سے پہنچے ہیں۔ ——— اور پہلا راستہ بہت دور و دراز والا ہے اور اس کا حاصل ہونا دشوار اور اس کا وصول محال ہے۔

اولیاء کی ایک جماعت جو ولایت کے مقام میں نزول کے شرف سے مشرف ہوئی ہے اس نے مقامِ نزول کے کمالات کو کمالاتِ نبوت خیال کر لیا ہے اور مخلوق کی طرف متوجہ ہونے کو جو مقامِ دعوت کے مناسب ہے مقامِ نبوت کی خصوصیت میں سے سمجھا ہے، ایسا نہیں ہے بلکہ یہ نزول اس کے عروج کے رنگ میں دونوں ولایتوں سے متعلق ہے۔ وہ عروج و نزول دوسری چیز ہے جو مقامِ ولایت سے اوپر ہے اور نبوت سے تعلق رکھتا ہے، اور مخلوق کے ساتھ یہ توجہ مخلوق کی اس توجہ کے ماسوا ہے جو کہ نبوت کے مناسب ہے اور یہ دعوت اس دعوتِ (خلق) کے بغیر ہے جس کو کمالاتِ نبوت سے شمار کیا گیا ہے ——— یہ گمان کرنے والے کیا کریں کہ انھوں نے ولایت کے دائرہ سے باہر قدم ہی نہیں رکھا اور نبوت کے کمالات کی حقیقت کو بھی نہیں سمجھا بلکہ ولایت کے نصف حصہ کو جو اس کے عروج کی جانب ہے کامل ولایت گمان کر لیا ہے اور اس کے دوسرے نصف حصے کو جو نزول کی جانب ہے مقامِ نبوت تصور کر لیا ہے ؎

چو آں کرمے کہ در سنگے نہاں است	زمین و آسمانِ او ہماں است
(وہ کیڑا جو کہ پتھر میں نہاں ہے	وہی اس کا زمین و آسماں ہے)

اور ممکن ہے کہ کوئی شخص پہلی راہ سے بھی وصول حاصل کرلے اور ولایت و نبوت کے مفصل کمالات کو جمع کرلے اور ان دونوں مقامات کے کمالات کے درمیان جیسا کہ ان کا حق ہے تمیز حاصل کرلے اور ہر ایک کے عروج و نزول کو جدا کرلے اور اس بات کا حکم کرے کہ نبی کی نبوت اس کی ولایت سے بہتر ہے۔

جاننا چاہئے کہ دوسری راہ سے وصول کے بعد اگرچہ مقاماتِ ولایت کے مفصل کمالات حاصل نہیں ہوتے لیکن ولایت کا خلاصہ اور نچوڑ بہت خوبی کے ساتھ میسر آجاتا ہے اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ اہلِ ولایت نے کمالاتِ ولایت کا پوست (چھلکا) حاصل کر لیا ہے اور اس واصل نے اس کے مغز کو حاصل کیا ہے —
——— ہاں بعض علومِ سُکریہ اور ظہوراتِ ظلّیہ کی وجہ سے جو اربابِ ولایت کو حاصل ہوتے ہیں وہ واصل ان علوم و ظہورات سے کم بہرہ ور ہوتے ہیں، یہ معنی ان کے لئے برتری یا فضیلت کا باعث نہیں، کیونکہ اس واصل کے لئے یہ علوم و ظہورات موجبِ ننگ و عار ہیں۔ بلکہ مناسب ہے کہ وہ ان کو اپنے حق میں گناہ اور سوءِ ادب سمجھے ——— ہاں اصل کا واصل اس اصل کے ظلال سے بھاگتا اور پناہ مانگتا ہے۔ ظل کے ساتھ گرفتاری اس ظل کے اصل تک نہ پہنچنے کے وقت تک ہے۔ اصل کے ساتھ واصل ہونے کے بعد ظل بے حاصل ہو جاتا ہے اور ظل کی طرف توجہ کرنا بے ادبی ہے۔

اے فرزند! کمالاتِ نبوت کا حصول محض بخشش اور اس کے فضل و کرم پر موقوف ہے، کسب و عمل کو اس دولتِ عظمیٰ کے حصول میں کچھ دخل نہیں ——— بھلا وہ کسب و عمل کونسا ہے جو اس دولتِ عظمیٰ کے حصول کا نتیجہ ہو اور وہ کونسا ریاضت و مجاہدہ ہے جو اس روشن ترین نعمت (کے حصول) کا ذریعہ ہو۔ بخلاف کمالاتِ ولایت کے کہ جس کی ابتدا اور مقدمات کسبی ہیں اور اس کا حصول ریاضت و مجاہدے پر منحصر ہے۔ اگرچہ یہ بھی جائز ہے کہ بعض کو بغیر کسب و عمل کی محنت کے اس دولت سے نواز دیا جائے اور فنا و بقا کہ جس سے ولایت مراد ہے وہ بھی (حق تعالیٰ کی) بخشش ہے کہ مقدمات کے کسب کے بعد اپنے فضل و کرم سے جس کو چاہے عنایت کر دے اور فنا و بقا کی دولت سے مشرف کر دے ——— اور آں سرور علیہ و علی جمیع الانبیاء والمرسلین وعلی الملائکۃ المقربین وعلی اہل طاعتہ اجمعین الصلوات والتسلیمات کی بعثت سے قبل اور بعثت کے بعد کے ریاضات و مجاہدات اس دولت کے حاصل کرنے کے لئے نہ تھے بلکہ ان سے دوسرے منافع اور فوائد منظور تھے مثلاً حساب کی کمی، بشری لغزشوں کی تلافی، درجات کی بلندی اور مرسل فرشتوں کی صحبت کی رعایت جو کھانے پینے سے پاک ہیں، اور خوارق کے ظہور کی کثرت جو مقامِ نبوت کے مناسب ہے اور اسی طرح کی اور مصلحتیں۔

جاننا چاہئے کہ اس بخشش کا حصول انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے حق میں بلا واسطہ ہے اور انبیاء علیہم الصلوات والتحیات کے اصحاب کے حق میں جو تبعیت و وراثت کے طور پر اس دولت سے

مشرف ہوئے ہیں وہ بھی ان انبیاء علیہم الصلوات والبرکات کے توسط سے ہیں ——— انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات اور ان کے اصحاب کے بعد بہت کم حضرات اس دولت سے مشرف ہوئے ہیں۔ اگرچہ جائز ہے کہ کسی دوسرے کو بھی تبعیت ووراثت کے طور پر اس دولت سے سرفراز کیا جائے۔

فیض روح القدس ار باز مدد فرماید   دیگراں ہم بکنند آنچہ مسیحا می کرد
(وحی کا فیض اگر پھر سے میسر آجائے   دوسرے بھی وہ کریں جو کہ مسیحؑ نے کیا)

میں خیال کرتا ہوں کہ اس دولت نے کبار تابعین پر بھی اپنا پرتو ڈالا ہے اور اکابر تبع تابعین پر بھی سایہ فگن ہوئی ہے۔ بعد ازاں یہ دولت پوشیدہ ہو گئی حتی کہ آں سرور علیہ وعلی آلہ الصلوات والتسلیمات کی بعثت سے الفِ ثانی[1] (دوسرے ہزار سال) کی باری آگئی اور اس وقت پھر وہ دولت تبعیت ووراثت کے طور پر منصۂ شہود میں آگئی اور آخر (زمانے) کو اول (زمانے) کے مشابہ بنا دیا ہے ؎

اگر پادشہ بر درِ پیر زن   بیاید تو اے خواجہ سبلت مکن
(اگر بادشہ آئے بڑھیا کے گھر   تو اے خواجہ، ہرگز تعجب نہ کر)

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَيْهِ وَعَلٰی اٰلِهِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِيْمَاتُ اَتَمُّهَا وَاَكْمَلُهَا (اور سلام ہو اس پر جس نے ہدایت کی پیروی کی اور حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کو اپنے اوپر لازم کیا)

مکتوب ۳۰۲

سہ صد و دوم

جامع علومِ ظاہری اور اسرار و معارفِ باطنی اعنی مخدوم زادہ مجد الدین خواجہ محمد معصوم[2] سلمہ اللہ تعالیٰ کی طرف صادر فرمایا ——— اس بیان میں کہ ولایت کی تین قسمیں ہیں (۱) ولایتِ اولیاء (۲) ولایت انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات (۳) اور ولایتِ ملاءِ اعلیٰ علیٰ نبینا علیہم الصلوات والتحیات، اور ان کے درمیان فرق کے بیان میں۔ اور اس بیان میں کہ نبوت ولایت سے افضل ہے۔ نیز ان بعض خاص معارف کے بیان میں جن کا تعلق نبوت سے ہے اور اس کے مناسب بیان میں۔

اللہ تعالیٰ تم کو رشد و ہدایت عنایت فرمائے۔ جان لیں کہ ولایت سے مراد قربِ الٰہی جل سلطانہٗ ہے

---

[1] اس قول میں آپ کے "مجدد الف ثانیؒ" کی وجہ تسمیہ کی طرف اشارہ ہے۔
[2] آپ کے نام ستائیس[27] مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۲۹۴ پر ملاحظہ فرمائیں۔

جو ظلیت کی آمیزش کے بغیر ممکن نہیں، اور حجابات کے پردوں کے بغیر حاصل نہیں ـــــ اگر اولیاء کی ولایت ہے تو وہ ظلیت کے داغ سے داغدار ہے اور انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی ولایت اگرچہ ظلیت سے نکل چکی ہے لیکن اسماء وصفات کے حجابات کے پردوں کے بغیر متحقق نہیں ہے۔ اور ولایتِ ملاءِ اعلیٰ علیٰ نبینا وعلیہم الصلوات والتسلیمات اگرچہ اسماء وصفات کے حجابات سے بلند وبرتر ہے لیکن شیون و اعتباراتِ ذاتیہ کے حجابات اس میں بھی موجود ہیں ـــــ یہ صرف نبوت ورسالت ہی ہے کہ جس میں ظلیت کی کوئی آمیزش نہیں ہے اور صفات واعتبارات کے سب حجابات راستے ہی میں رہ جاتے ہیں، لہذا لازمی طور پر نبوت ولایت سے افضل ہوئی، اور قربِ نبوت ذاتی اور اصلی ہے، اور جو شخص ان دونوں کی حقیقت پر مطلع نہیں ہوا، اس نے اس کے خلاف حکم دیا اور حقیقت کے برعکس یقین کیا ہے۔ لہذا وصول مرتبۂ نبوت میں ہے اور حصول مقامِ ولایت میں۔ کیونکہ حصول ملاحظۂ ظلیت کے بغیر صورت پذیر نہیں ہو سکتا بخلاف وصول کے ـــــ نیز کمالِ حصول میں دوئی زائل ہو جاتی ہے اور کمالِ وصول میں دوئی باقی رہتی ہے، لہذا دوئی کا دور ہونا مقامِ ولایت کے مناسب ہے اور دوئی کا باقی رہنا مقامِ نبوت کے مناسب ہے۔ اور جب دوئی کا زوال ہونا مقامِ ولایت کے مناسب ہے تو لازمی طور پر ہمہ وقت سکر (مستی) کا طاری رہنا مقامِ ولایت کے لئے ضروری ہوا، اور نبوت کے مرتبہ میں چونکہ دوئی باقی رہتی ہے لہذا صحو (ہوشیاری) بھی اس مرتبہ کی خصوصیت میں سے ہے ـــــ نیز تجلیات کا حصول خواہ صورت وشکل کے لباس میں ہو یا رنگوں اور انوار کے پردوں میں وہ سب مقاماتِ ولایت سے متعلق ہیں اور اس کے مقدمات اور مبادی طے کرنے میں سے ہیں، بخلاف مرتبۂ نبوت کے کہ اس مقام میں اصل کے ساتھ وصول ہے اور ان تجلیات وظہورات سے جو اس اصل کے ظلال ہیں ان سے استغنا حاصل ہوتا ہے اور اسی طرح اس (مرتبۂ نبوت) کے مقدمات ومبادی طے کرنے کے وقت میں ان تجلیات کی ضرورت نہیں بجز اس کے کہ ولایت کے راستے سے عروج واقع ہو لیکن اس وقت بھی ان تجلیات کا حصول ولایت کے واسطے سے ہے نہ کہ وصولِ نبوت کے راستے سے مسافت طے کرنے کے ذریعے۔ مختصر یہ کہ تجلیات وظہورات ظلال کی خبر دیتے ہیں اور وہ شخص جو ظلال کی گرفتاری سے آزاد ہو چکا ہے اور تجلیات سے نجات پائے ہوئے ہے اس کو مَازَاغَ الْبَصَرُ کا راز طلب وتلاش کرنا چاہیے۔

اے فرزند! عشق کا ولولہ، محبت کا طنطنہ اور شوق انگیز نعرے، درد بھری آہیں، وجد و تواجد، رقص و رقاصی، یہ سب ظلال کے مقام ہیں اور ظہورات و تجلیاتِ ظلیہ کے وقت میں یہ سب ہوتے ہیں۔ اصل کے ساتھ وصول ہونے کے بعد ان امور کا حصول متصور نہیں ہے۔ اس مقام میں محبت کے معنی ارادہ اطاعت ہے جیسا کہ علماء نے فرمایا ہے نہ کہ اس سے کوئی اور زائد معنی جو کہ ذوق و شوق کا منشا ہیں، جیسا کہ بعض صوفیوں نے بھی ایسا گمان کیا ہے۔

اے فرزند! غور سے سنو، چونکہ مقامِ ولایت میں دوئی کا زوال (دور ہونا) مطلوب ہے اس لئے لازمی طور پر اولیا ارادہ کے زوال میں کوشش کرتے ہیں ——— شیخ (بایزید) بسطام فرماتے ہیں اُرِیْدُ اَنْ لَّا اُرِیْدَ (میرا ارادہ یہ ہے کہ میرا کوئی ارادہ نہ رہے) ——— اور نبوت کے مرتبہ میں چونکہ دوئی کا زوال درکار نہیں ہے اس لئے نفسِ ارادہ کا زوال بھی مطلوب نہیں، اور کیسے (زوال) مطلوب ہو سکتا ہے جبکہ ارادہ فی حدِّ ذاتہٖ (اپنی ذات کی حد میں) ایک کامل صفت ہے، اگر کوئی نقص اس کے اندر پایا جاتا ہے تو وہ اس کے متعلق کی ناپاکی اور خبث کی وجہ سے ہے، لہٰذا چاہئے کہ اس کا متعلق کوئی بُرا اور ناپسندیدہ امر نہ ہو بلکہ اس کی تمام مرادیں حق جل و علا کی مرضی کے موافق ہوں ——— اور اسی طرح مقامِ ولایت میں تمام بشری صفات کی نفی میں کوشش کرتے ہیں اور مرتبۂ نبوت میں ان صفات کے بُرے متعلقات کی نفی کرتے ہیں نہ کہ ان صفات کے اصل کی نفی جو فی حدِّ ذاتہٖ (اپنی ذات کی حد میں) کامل ہیں، مثلاً صفتِ علم جو اپنی ذات کی حد میں صفاتِ کاملہ میں سے ہے، اگر اس میں کوئی نقص واقع ہو گیا ہے تو وہ اس کے بُرے متعلق کی راہ سے ہے لہٰذا اس صفت کے بُرے متعلق کی نفی ضروری ہے نہ کہ اس صفت کے اصل کی نفی، علیٰ ہذا القیاس ——— پس جو شخص ولایت کے راستے سے مقامِ نبوت میں آیا ہے اس کے لئے اثنائے راہ میں اصل صفات کی نفی سے چارہ نہیں اور جو شخص اس (مرتبۂ نبوت کے) مقام پر ولایت کی راہ کے توسط کے بغیر پہنچا ہے اس کے لئے اصل صفات کی نفی کوئی ضروری نہیں بلکہ صرف ان صفات کے بُرے متعلقات کی نفی ضروری ہے۔

جاننا چاہئے کہ اس ولایت سے مراد جس کا ابھی ذکر ہوا ہے ولایتِ ظلی ہے جس کو ولایتِ صغریٰ اور ولایتِ اولیا سے تعبیر کرتے ہیں لیکن ولایتِ انبیاء جو ظل سے گذر چکی ہے وہ دوسری ہے وہاں صفاتِ بشریت کے بُرے متعلقات کی نفی ہے نہ کہ ان صفات کے اصل کی نفی۔ اور جب صفات کے

بُرے متعلقات کی نفی حاصل ہوگئی تو گویا انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی ولایت کے حصول سے پیوستہ ہوگیا اس کے بعد جو عروج واقع ہوگا وہ کمالاتِ نبوت کے متعلق ہوگا۔

اس بیان سے واضح ہوگیا کہ (کمالاتِ) نبوت کے لئے اصل ولایت کا ہونا ضروری ہے کیونکہ ولایت اس کے مبادی اور مقدمات میں سے ہے، لیکن کمالاتِ نبوت تک پہنچنے میں ولایتِ ظلی کا حاصل ہونا کوئی ضروری نہیں، بعض کو تو اس کا اتفاق ہوجاتا ہے اور بعض کا ہرگز اس طرف گذر نہیں ہوتا۔ پس خوب سمجھ لو ——— اور اس میں کچھ شک نہیں کہ اصل صفات کی نفی کرنا ان صفات کے بُرے متعلقات کے دور کرنے کی نسبت بہت دشوار ہے لہذا کمالاتِ نبوت کا حصول، کمالاتِ ولایت کے حصول کی نسبت آسان اور نزدیک تر ہے۔ اور ہر وہ کام جو اپنی اصل کے ساتھ وصول رکھتا ہے اس کو آسانی اور قرب کی یہی نسبت ہے بخلاف ان امور کے جو اصل سے جدا ہیں ——— کیا تم نہیں دیکھتے کہ اصل کیمیا آسان عمل کے ساتھ میسر ہوتا ہے اور قریب ترین راستے سے حاصل ہوجاتا ہے اور جو شخص اس کے اصل (عمل ونسخہ) سے جدا اور دُور ہے وہ محنت ومشقت میں پڑا رہتا ہے اور اپنی ساری عمر اس کے حاصل کرنے میں ضائع کردیتا ہے پھر بھی اس کے وقت کی دولت حرمان و مایوسی ہے، اور وہ چیز جو اس کو محنت شاقہ کے بعد حاصل ہوتی ہے وہ اصل کی شباہت لئے ہوئے ہے اور بسا اوقات وہ عارضی شباہت بھی اس سے زائل ہوجاتی ہے اور اپنی اصل کی طرف رجوع کرجاتی ہے اور مکاری وحیلہ سازی تک نوبت پہنچ جاتی ہے بخلاف اصل سے واصل کے جو باوجود عمل کی سہولت اور راہ کی نزدیکی کے کہ وہ دھوکے اور جھوٹ کے خوف سے امن میں ہے ——— اس راہ کے سالکوں کی ایک جماعت جو ریاضاتِ شاقہ اور مجاہداتِ شدیدہ کی وجہ سے ظلال میں سے ایک ظل تک رسائی حاصل کرلیتی ہے اس نے یہ گمان کرلیا ہے کہ مطلب کا وصول ریاضاتِ شاقہ اور مجاہداتِ شدیدہ پر منحصر ہے اور یہ نہیں جانتے کہ دوسری راہ اس راہ سے زیادہ اقرب ہے جو نہایت النہایت تک پہنچا دینے والی ہے، اور وہ راستہ اجتباء (برگزیدگی)[۹] کا راستہ ہے جو محض (حق تعالیٰ) کے فضل وکرم پر موقوف ہے۔ اور وہ راہ جو انھوں نے اختیار کی ہے وہ راہِ انابت ہے مجاہدات سے وابستہ ہے۔ اس راہ کے واصل اقل قلیل (بہت ہی کم) ہیں، مگر راہِ اجتبا (برگزیدگی) کے واصل جمّ غفیر (بہت زیادہ) ہیں ——— تمام انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات اسی

[۹] اللہ یجتبی الیہ من یشاء ویھدی الیہ من ینیب (شوریٰ آیت ۱۳)

اجتباء کے راستے سے گئے ہیں اور ان (انبیاء علیہم الصلوات والتحیات) کے اصحاب بھی وراثت و تبعیت کے طور پر اجتبا کی راہ سے واصل ہوئے ہیں ـــــــ ارباب اجتباء کی ریاضتیں وصولِ نعمت کے شکر کی ادائیگی کی وجہ سے ہیں۔ آنحضرت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام سے ایک سائل نے عرض کیا کہ جب آپ کے اول و آخر کے تمام گناہ بخش دیئے گئے ہیں تو پھر آپ یہ ریاضاتِ شاقہ کیوں کرتے ہیں؟ آپ نے جواب میں فرمایا: اَفَلَا اَکُوْنَ عَبْدًا شَکُوْرًا[1] (کیا میں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں)۔ اور اہلِ انابت کے مجاہدات وصول کے حاصل کرنے کے لئے ہیں۔ ان دونوں میں بڑا فرق ہے ـــــــ "راہِ اجتباء راہ بردن" (برگزیدہ راہ پر دوسروں کو لے جانے والا) اور "راہِ انابت راہ رفتن" (یعنی خود چل کر راستہ طے کرنے والا)۔ از بردن تا رفتن (یعنی راہ طے کرانا اور خود چلنے) میں بڑا فرق ہے۔ (راہِ اجتباء والے) جلدی جلدی لے جاتے ہیں اور جلدی ہی پہنچا دیتے ہیں اور "راہ رفتن" والے دیر دیر سے چلتے ہیں اور راہ ہی میں رہ جاتے ہیں ـــــــ حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ فرماتے ہیں "ما فضلیانیم" (یعنی ہم فضلی ہیں اور حق جل وعلا کی نسبتِ فضل ہم کو حاصل ہے) ـــــــ بیشک جب تک اس کا فضل شامل حال نہ ہو دوسروں کی نہایت اُن کی بدایت میں کس طرح مندرج ہو سکتی ہے۔ ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰہُ ذُوالْفَضْلِ الْعَظِیْمِ (جمعہ آیت ۴) (یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے)

اب ہم اصل بات کو بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ عریضے جو اس فقیر نے اپنے پیر بزرگوار قدس سرہ کی خدمت میں لکھے ہیں، اس میں لکھا ہے کہ "تمام مرادیں ختم ہو چکی ہیں لیکن نفسِ ارادہ ابھی تک اپنی جگہ پر قائم ہے"۔ پھر ایک مدت کے بعد (خواجہ صاحبؒ کی خدمت میں) تحریر کیا کہ "وہ ارادہ بھی مرادات کی مانند زائل ہو گیا ہے" ـــــــ اور جب حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ نے اس فقیر کو انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی وراثت سے مشرف فرمایا تو اس فقیر نے جانا کہ اصل مقصد اس ارادہ کی برائی کے متعلق کو زائل کرنا ہے نہ کہ نفسِ ارادہ کو ختم کرنا۔ کیونکہ یہ لازم نہیں ہے کہ اصل (نفسِ ارادہ) کے زائل ہونے کے بعد برے متعلق کا رفع ہونا اتم و اکمل طور حاصل ہو جائے۔ بلکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ محض فضل سے وہ کچھ میسر ہو جاتا ہے کہ تعمل و تکلف (عمل اور محنت) سے اس کا سوواں[100] حصہ بھی حاصل نہیں ہوتا۔

---

[1] شمائل ترمذی بروایت حضرت مغیرہ و ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔

اے فرزند! مقامِ ولایت میں دنیا و آخرت (دونوں) سے ہاتھ دھونے پڑتے ہیں اور آخرت کی گرفتاری کو دنیا کی گرفتاری کے مانند شمار کرنا چاہئے اور آخرت کے درد کو بھی دنیا کے درد کی مانند محمود (اچھا) نہیں سمجھنا چاہئے ——— امام داؤد طائیؒ فرماتے ہیں: "اگر تم سلامتی چاہتے ہو تو دنیا کو سلام کہدو اور اگر کرامت کا ارادہ رکھتے ہو تو آخرت پر تکبیر کہہ دو (یعنی ناامید ہو جاؤ) ——— اور اسی گروہ میں سے ایک دوسرے بزرگ کہتے ہیں آیۂ کریمہ مِنْكُمْ مَنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ (آل عمران آیت ۱۵۲) (تم میں سے بعض دنیا چاہتے ہیں اور تم میں سے بعض آخرت چاہتے ہیں) گویا (حق تعالیٰ کو) دونوں فریقوں سے شکایت ہے۔

مختصر یہ کہ "فنا" جس سے مراد حق جل وعلا کے سوا (ہر شے کو) فراموش کر دینا ہے وہ دنیا و آخرت دونوں کو شامل ہے اور فنا و بقا دونوں ولایت کے اجزا ہیں، لہذا ولایت میں آخرت کی فراموشی سے چارہ نہیں اور کمالاتِ نبوت میں آخرت کی گرفتاری محمود ہے اور آخرت کا درد پسندیدہ و مقبول ہے بلکہ اس مقام میں دردِ آخرت کا درد ہے اور گرفتاری آخرت کی گرفتاری ہے۔ جیسا کہ آیۂ کریمہ میں ہے: يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا (سجدہ آیت ۱۶) (وہ اپنے رب کو خوف اور طمع (امید) سے پکارتے ہیں) ——— اور آیتِ کریمہ: وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ (رعد آیت ۲۱) (اور وہ اپنے رب سے ڈرتے ہیں) ——— وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ (بنی اسرائیل آیت ۵۷) (اور اس کے عذاب سے خائف ہیں) ——— اور آیۂ کریمہ اَلَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَهُمْ مِّنَ السَّاعَةِ مُشْفِقُوْنَ (انبیا آیت ۴۹) (جو لوگ اپنے رب سے بے دیکھے ڈرتے ہیں اور قیامت کی گھڑی سے بھی ڈرتے رہتے ہیں)۔ (یہ آیتیں) اس مقام والوں کے لئے نقدِ وقت ہیں۔ ——— ان کا گریہ و نالہ آخرت کے احوال یاد کرنے سے ہے اور ان کا درد و الم احوالِ قیامت کے خوف کی وجہ سے ہے، وہ ہمیشہ فتنۂ قبر سے پناہ مانگتے رہتے ہیں اور ہمیشہ آتشِ دوزخ سے بھی پناہ تلاش کرتے ہیں اور گریہ و زاری میں مصروف رہتے ہیں، ان کے نزدیک حق جل وعلا کا درد آخرت کا درد ہے اور ان کا شوق و محبت آخرت کے شوق و محبت کی وجہ سے ہے، کیونکہ اگر لقا (ملاقات) ہے تو اس کا وعدہ بھی آخرت میں ہے، اور اگر رضا ہے تو اس کا کمال بھی آخرت پر موقوف ہے ——— دنیا، حق جل وعلا کی مبغوضہ اور آخرت اس بزرگ و برتر کی مرضیہ اور پسندیدہ ہے۔ مبغوضہ کی مرضیہ کے ساتھ کسی امر میں بھی برابری نہیں ہو سکتی۔ لہذا ناپسندیدہ سے منہ پھیر لینا چاہئے اور پسندیدہ کو

(آخرت) کو قبول کرنا اس کے شایاں ہے۔ البتہ پسندیدہ سے روگردانی کرنا عین سکر ہے اور اس تعالیٰ کی مرضی و موعود کے خلاف ہے۔ آیۂ کریمہ: وَاللّٰهُ يَدْعُوْا إِلَىٰ دَارِ السَّلٰمِ (یونس آیت ۲۵) (اور اللہ تعالیٰ (دار السلام (جنت) کی طرف بلاتا ہے) اس معنی پر گواہ ہے ــــــ حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے (قرآنِ کریم میں جگہ جگہ) مبالغہ اور تاکید کے ساتھ آخرت کی ترغیب دی ہے لہٰذا آخرت سے روگردانی کرنا درحقیقت حق جل و علا سے مقابلہ کرنا ہے، اور اس بزرگ و برتر کی مرضی کے خلاف کرنا ہے ــــــ

ــــــ امام داؤد طائیؒ نے باوجود اس بزرگی کے کہ ولایت میں قدم راسخ رکھتے تھے اس لئے ترکِ آخرت کو کرامت کہہ دیا مگر یہ نہیں سمجھا کہ اصحاب کرام علیہم الرضوان سب کے سب آخرت کے درد میں گرفتار اور آخرت کے عذاب سے ترساں و لرزاں رہتے تھے۔

ایک دن حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اونٹ پر سوار ایک گلی سے گذر رہے تھے کسی قاری نے اس آیت کو پڑھا: إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ ه مَّا لَهُ مِن دَافِعٍ (طور آیت ۷، ۸) (بیشک تیرے رب کا عذاب واقع ہو کر رہے گا اس کو کوئی ٹال نہیں سکتا)۔ اس آیت کے سنتے ہی آپ کے ہوش اُڑ گئے اور آپ بےخود ہو کر اونٹ سے زمین پر گر گئے (لوگوں نے) وہاں سے اٹھا کر گھر پہنچا دیا اور ایک عرصہ تک اس درد کی وجہ سے بیمار رہے اور لوگ آپ کی عیادت کے لئے آتے رہے۔

ہاں بیشک مقامِ فنا میں اور احوال کے توسط میں دنیا و آخرت سے نسیان (فراموشی) میسر ہو جاتی ہے اور (سالک) آخرت کی گرفتاری کو دنیاوی گرفتاری کی طرح جانتا ہے لیکن جب بقا کے شرف سے مشرف ہو کر کام انجام تک پہنچ جاتا ہے اور کمالاتِ نبوت اس پر پرتو ڈالتے ہیں تو اس وقت سارا درد و الم آخرت کے لئے ہو جاتا ہے، اور دوزخ سے پناہ مانگنا اور بہشت کی تمنا کرنا یہ سب موجود ہو جاتی ہیں ــ بہشت کے درخت، نہریں اور حور و غلمان دنیاوی چیزوں سے کوئی مناسبت نہیں رکھتے، بلکہ یہ دونوں (دنیا کی اشیا اور آخرت کی اشیا) ایک دوسرے کی نقیض (ضد) ہیں جیسے غضب اور رضا ایک دوسرے کی ضد ہیں ــــــ وہ درخت اور نہریں جو بہشت میں ہیں وہ (بندوں کے) اعمالِ صالحہ کے نتائج و ثمرات ہیں۔ (جیسا کہ) حضرت پیغمبر علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ بہشت میں درخت نہیں ہیں وہاں درخت لگاؤ۔ صحابہؓ نے دریافت کیا کہ وہاں کس طرح درخت لگائیں؟۔ آنحضرت علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ تسبیح، تحمید، تمجید اور تہلیل کے ذریعے۔ یعنی

سُبْحَانَ اللهِ کہو تا کہ بہشت میں ایک پودا لگا دیا جائے ـــــ لہذا بہشت کے درخت تسبیح کا نتیجہ ہیں ـــــ جس طرح کمالاتِ تنزیہی اس کلمہ (سُبْحَانَ اللهِ) کے اندر حروف و آواز کے لباس میں مندرج ہیں اسی طرح بہشت میں ان کمالات کو درخت کے لباس میں پنہاں کر دیا گیا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس جو کچھ بھی بہشت میں ہے وہ عملِ صالح کا نتیجہ ہے اور جو کچھ کہ کمالاتِ وجوبی تعالیٰ و تقدس سے قول و عملِ صالح کے لباس میں اندراج ہوئے ہیں بہشت میں وہی کمالات لذتوں اور نعمتوں کے پردے میں ظہور کریں گے۔ لہذا وہاں کی لذتیں اور نعمتیں (اللہ تعالیٰ) کی پسندیدہ اور مقبول ہیں اور لقاء و وصول (حق تعالیٰ سے ملاقات اور اس تک پہنچنے) کا وسیلہ ہیں۔

رابعہ[1] بیچاری اگر اس راز سے واقف ہوتیں تو بہشت کو جلانے کی فکر نہ کرتیں اور اس کی گرفتاری کو حق جل و علا کی گرفتاری کے علاوہ نہ جانتیں۔ بخلاف دنیاوی لذتوں اور نعمتوں کے کہ ان کا منشا خباثت و شرارت ہے جس کا نتیجہ آخرت میں محرومی ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہم کو اس سے محفوظ رکھے۔ ـــــ یہ دنیاوی لذتیں اگرچہ شرعی طور پر مباح ہیں لیکن (آخرت میں) ان کا محاسبہ درپیش ہے، اگر رحمتِ حق دستگیری نہ فرمائے تو افسوس صد افسوس۔ اور اگر وہ (لذت) مباح شرعی نہیں ہے تو پھر مورد وعید ہے: رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا وَإِنْ لَمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ (اعراف آیت ۲۳) (اے رب ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اگر تو ہم کو نہ بخشے اور رحم نہ فرمائے تو ہم خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے)۔

لہذا اس لذت کو اس لذت سے کوئی نسبت نہیں اور یہ (دنیاوی) لذت زہرِ قاتل ہے اور وہ (اُخروی) لذت تریاقِ نافع ہے۔ پس آخرت کا درد یا تو عام مومنین کو نصیب ہے یا اخص خواص کا حصہ ہے خواص اس درد سے پرہیز کرتے ہیں اور کرامت و بزرگی اس کے خلاف میں سمجھتے ہیں۔ ع

آں ایشانند من چنینم یا رب (وہ ایسے ہیں میں ایسا ہوں خدایا)

---

[1] آپ بصرہ کی رہنے والی تھیں، اپنے زمانے کی بلند درجہ خاتون گذری ہیں۔ حضرت سفیان ثوریؒ آپ سے مسائل دریافت کیا کرتے تھے۔ آپ کے متعلق مشہور ہے کہ ایک مرتبہ آپ ایک ہاتھ میں پانی اور دوسرے ہاتھ میں آگ لئے ہوئے جا رہی تھیں کسی نے دریافت کیا کہ کہاں تشریف لے جا رہی ہیں۔ آپ نے جواب میں فرمایا کہ پانی سے دوزخ کو بجھانے اور آگ سے جنت کو جلانے جا رہی ہوں کیونکہ لوگ جنت کے لالچ میں اور دوزخ کے ڈر سے عبادت کرتے ہیں۔ حضرت مجدد صاحبؒ نے اسی واقعہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ ۱۸۵ھ میں انتقال ہوا اور بصرہ میں مزار پر انوار ہے۔

مکتوب ۳۰۳

عربی و فارسی

سہ صد و سوم

حاجی یوسف مؤذن کے نام ــــ کلماتِ اذان کے معانی کے بیان میں صادر فرمایا۔

حمد و صلوٰۃ کے بعد جاننا چاہئے کہ "کلماتِ اذان" سات ہیں: ــــ (۱) اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ (اللہ بہت بڑا ہے) یعنی اللہ تعالیٰ کی شان اس سے بہت بلند ہے کہ اس کو کسی عبادت کی حاجت ہو۔ اس مہتم بالشان معنی کی تاکید کے لئے اس کلمہ کو چار بار دہرایا گیا ہے ــــ (۲) اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ (میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے) نیز وہ اپنی صفتِ کبریائی کے ساتھ ساتھ ہر عبادت گذار کی عبادت سے مستغنی ہے ــــ (۳) اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ (میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں) اور اس تعالیٰ کی طرف سے عبادت کا طریقہ ہم تک پہنچانے والے ہیں، اور حق تعالیٰ کی پاک بارگاہ کے لائق وہی عبادت ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام کی تبلیغ و رسالت کے ذریعہ حاصل ہوئی ــــ (۴) حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ (آؤ نماز کی طرف) ــــ (۵) حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ (آؤ فلاح و بہبود کی طرف) یہ دو کلمے وہ ہیں جن کے ذریعے نمازی کو فلاح و بہبود اور کامیابی کی طرف لے جانے والی فرض نماز کی ادائیگی کی طرف بلایا جاتا ہے ــــ (۶) اَللّٰہُ اَکْبَرُ (اللہ تعالیٰ بہت بڑا ہے) یعنی کسی کی بھی عبادت اس پاک بارگاہ کے لائق نہیں (نیز اس کلمہ مقدسہ کی عظمت و بزرگی ملاحظہ ہو کہ اس کو بطور تاکید چھ مرتبہ اذان میں لایا گیا ہے) ــــ (۷) لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ (نہیں ہے کوئی معبود مگر اللہ تعالیٰ) یعنی صرف اللہ تعالیٰ ہی عبادت کا مستحق ہے اگرچہ کسی سے بھی اس کی بارگاہِ قدس کے لائق عبادت ہو ہی نہیں سکتی ــــ ان کلمات کی بزرگی سے جو نماز کے اعلان کے لئے (شارع علیہ السلام نے) مقرر فرمائے ہیں نماز کی بزرگی شان سمجھنی چاہئے۔ ع

سالے کہ نکوست از بہارش پیداست (سال اچھا ہے گر بہار اچھی ہے)

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنَ الْمُصَلِّیْنَ الْمُفْلِحِیْنَ بِحُرْمَۃِ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ عَلَیْہِ وَعَلَیْھِمُ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ اَتَمُّھَا وَاَکْمَلُھَا (یا اللہ! مجھے ان نمازیوں میں سے بنا دے جو فلاح پا گئے ہیں بحرمۃ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم)۔

سلہ آپ کے نام تین مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ مکتوب ۲۹۵ پر گذر چکا ہے۔

مکتوب ۳۰۴
صد و چہارم

مولانا عبدالحیؒ[1] کی طرف صادر فرمایا ہے ——— ان اعمالِ صالحہ کے بیان میں جن پر حق تعالیٰ و تقدس نے اکثر آیاتِ قرآنی میں دخولِ بہشت کا وعدہ وابستہ فرمایا ہے نیز شکر ادا کرنے اور نماز کے بعض معانی و اسرار کے بیان میں۔

اللہ تعالیٰ آپ کو سعادت مند کرے، حمد و صلوٰۃ کے بعد واضح ہو کہ (یہ فقیر) مدت تک اس تردد میں رہا کہ اعمالِ صالحہ سے مراد (وہ کون سے اعمال ہیں جن پر حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے قرآن مجید کی اکثر آیات میں دخول بہشت کے وعدہ کو موقوف فرمایا ہے، آیا تمام اعمالِ صالحہ ہیں یا (ان میں کے) بعض ہیں۔ اور اگر تمام ہیں تو یہ امر بہت مشکل ہے کیونکہ تمام اعمالِ صالحہ کے بجالانے کی توفیق شاید ہی کسی کو حاصل ہو۔ اور اگر بعض مراد ہیں تو یہ بات مجہول اور غیر معین ہے ——— آخر محض فضلِ خداوندی جل سلطانہٗ سے یہ بات دل میں آئی کہ اعمالِ صالحہ سے مراد شاید اسلام کے پانچ ارکان (کلمۂ شہادت و رسالت[1]، نماز[2]، روزہ[3]، زکوٰۃ[4] اور حج[5]) ہیں جن پر اسلام کی بنیاد ہے۔ اگر اسلام کے یہ اصولِ پنجگانہ کامل طور پر ادا ہو جائیں تو امید ہے کہ فلاح و نجات حاصل ہو جائے گی کیونکہ یہ اپنی ذاتی حدود میں اعمالِ صالحہ ہیں اور تمام برائیوں اور منکرات سے روکنے والے ہیں (مثلاً نماز کے متعلق حق تعالیٰ کا ارشاد ہے) اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ (عنکبوت[29] آیت ۴۵) (بیشک نماز تمام بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے) ۔(یہ آیت) اس معنی پر شاہد ہے ——— اور جب اسلام کے ان پنجگانہ ارکان کا بجالانا میسر ہو جائے تو امید ہے کہ (حق تعالیٰ کا) شکر بھی ادا ہو گیا، اور جب شکر ادا ہو گیا تو عذاب سے بھی نجات حاصل ہو گئی (کیونکہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے) مَا یَفْعَلُ اللّٰہُ بِعَذَابِکُمْ اِنْ شَکَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ (نساء[4] آیت ۱۴۷) (اگر تم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو اور اس پر ایمان لے آؤ تو وہ تمہیں کیوں عذاب دے گا) ——— پس ان پنجگانہ ارکان کی ادائیگی میں دل و جان سے کوشش کرنی چاہئے۔ خاص طور پر نماز کے قائم کرنے میں جو دین کا ستون ہے جہاں تک ہو سکے اس کے آداب میں سے کسی ادب کے ترک کرنے پر راضی نہ ہونا چاہئے (اور فرض، سنت، مستحب میں سے کسی کو بھی ترک نہیں کرنا چاہئے)۔ اگر نماز کو

[1] آپ کے نام پانچ مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ مکتوب ۲۷۷ پر گزر چکا ہے۔

کامل طور پر ادا کر لیا تو گویا اسلام کی اصلِ عظیم حاصل ہو گئی اور نجات کے لئے حبلِ متین یعنی مضبوط رسّی مل گئی۔ وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ الْمُوَفِّقُ (اور اللہ تعالیٰ ہی اس کی توفیق دینے والا ہے)۔

اسرار الصلوٰۃ

جاننا چاہیئے کہ نماز میں تکبیرِ اولیٰ سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ حق تعالیٰ و تقدس عابدوں کی عبادت اور نمازیوں کی نماز سے مستغنی و برتر ہے اور وہ تکبیریں جو ہر رکنِ نماز کے بعد ہیں وہ اس امر کے رموز و اشارات ہیں کہ یہ رکن جو ادا ہوا ہے وہ اس قابل نہیں ہے کہ اس کو حق تعالیٰ کی بارگاہِ قدس کی عبادت کے لائق کہا جا سکے۔ ـــــــ رکوع کی تسبیح (سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْم (پاک ہے میرا پروردگار جو بڑی عظمت والا ہے) اس میں چونکہ تکبیر کے معنی ملحوظ ہیں اس لئے رکوع کے آخر میں تکبیر کہنے کا حکم نہیں فرمایا گیا (بلکہ سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ (اللہ تعالیٰ نے اس بندے کی (بات) سن لی جس نے اس کی تعریف کی) برخلاف دونوں سجدوں کے کہ ان میں بھی اگرچہ تسبیحات ہیں پھر بھی اول و آخر تکبیر (اَللّٰہُ اَکْبَرُ) کہنے کا حکم فرمایا ہے تاکہ کسی کو یہ وہم نہ ہو کہ سجود میں چونکہ نہایت عاجزی و پستی اور نہایت ذلت و انکساری ہے اس لئے حقِ عبادت ادا ہو جاتا ہے، لہٰذا اس وہم کو دور کرنے کے لئے سجود کی تسبیح (سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی (پاک ہے میرا پروردگار جو اعلیٰ شان والا ہے) میں لفظِ اعلیٰ اختیار کیا ہے اور تکبیر کی تکرار بھی مسنون ہوئی ـــــــ

اور چونکہ نماز مومن کی معراج ہے اس لئے نماز کے آخر میں ان کلمات کے پڑھنے کا حکم صادر فرمایا جن کے ساتھ آن سرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام شبِ معراج میں مشرف ہوئے تھے۔ لہٰذا نمازی کو چاہیئے کہ اپنی نماز کو اپنے لئے آلۂ معراج بنائے اور نماز ہی میں انتہائی قربِ خداوندی ڈھونڈے ـــــــ

آں سرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے: اَقْرَبُ مَا یَکُوْنُ الْعَبْدُ مِنَ الرَّبِّ فِی الصَّلٰوۃِ[1] (بندہ کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ سب سے زیادہ قرب نماز میں حاصل ہوتا ہے)۔ اور چونکہ نمازی اللہ تعالیٰ عز شانہٗ سے مناجات کرنے والا اور نماز کے ادا کرنے وقت حق تعالیٰ کی عظمت و جلال کا مشاہدہ کرنے والا ہوتا ہے اور حق تعالیٰ کا رعب و ہیبت اس پر چھا جاتا ہے اس لئے اس کی تسلی کے واسطے نماز کو دو سلاموں پر ختم کرنے کا امر فرمایا ـــــــ اور یہ جو حدیثِ نبوی[2] علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام میں ہر فرض نماز کے بعد سو مرتبہ تسبیح و تحمید، تکبیر اور تہلیل کا حکم ہے فقیر کے علم میں اس کا راز یہ ہے کہ نماز کی ادائیگی میں جو قصور و کوتاہی واقع ہوئی ہو اس کی تلافی تسبیح و تکبیر کے ساتھ کی جائے تاکہ اپنی عبادت کے ناتمام و ناقابل ہونے کا اقرار ہو سکے، اور چونکہ حق تعالیٰ کی توفیق سے عبادت کا ادا کرنا میسر ہوا ہے تو اس نعمت کا

---

[1] اس روایت کو ابوداؤد اور نسائیؒ نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کیا۔ [2] برصفحۂ آئندہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہہ کر شکر بجا لانا چاہئے اور حق تعالیٰ کے سوا اور کسی کو عبادت کا مستحق نہ بنانا چاہئے۔ امید ہے کہ جب نماز اس طرح ان شرائط و آداب کے ساتھ ادا کی جائے گی اور اس کے بعد تہ دل سے ان کلماتِ طیبہ کے ساتھ تقصیر و کوتاہی کی تلافی کر لی جائے اور توفیقِ عبادت کی نعمت کا شکر ادا کیا جائے اور حق تعالیٰ کے سوا کسی غیر کے مستحقِ عبادت ہونے کی نفی کر لی جائے تو امید ہے کہ وہ نماز حق تعالیٰ جل شانہٗ کی بارگاہ میں قبولیت کے لائق ہو جائے گی اور ایسی نماز ادا کرنے والا فلاح پانے والا ہو جائے گا۔ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنَا مِنَ الْمُصَلِّیْنَ الْمُفْلِحِیْنَ بِحُرْمَۃِ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ عَلَیْہِ وَعَلَیْھِمْ وَعَلٰی اٰلِہِ الصَّلَوٰاتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ

(اے اللہ ! ہم کو سید المرسلین علیہ و علیہم و علی آلہ الصلوات و التسلیمات ہم کو فلاح پانے والے نمازیوں میں سے بنا دے)۔

مکتوب ۳۰۵

سہ صد و پنجم

میر محب اللہ[1] کی طرف صادر فرمایا ——— نماز کے اسرار کے بیان میں، اور مبتدی اور عامی کی نماز اور منتہی کی نماز کے درمیان فرق اور اس کے مناسب بیان میں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو) ——— اللہ تعالیٰ تم کو ہدایت دے! واضح ہو کہ نماز کو کامل طور پر ادا کرنے اور اس میں کمال حاصل ہونے سے مراد فقیر کے نزدیک یہ ہے کہ نماز کے فرائض و واجبات اور سنن و مستحبات جن کا بیان کتبِ فقہ میں تفصیل کے ساتھ آ چکا ہے (سب کو احتیاط سے ادا کرنا چاہئے) ان چاروں امور کے علاوہ اور کوئی امر ایسا نہیں ہے جس کو نماز کے کامل کرنے میں دخل ہو، نماز کا خشوع و خضوع بھی ان ہی (چاروں) پر وابستہ ہے۔ بعض لوگ ان امور کے جان لینے کو کافی سمجھتے ہیں اور عمل کرنے میں سستی و کاہلی کرتے ہیں اس لئے لازمی طور پر نماز کے کمالات سے بے نصیب رہتے ہیں ———

اور بعض لوگ حق سبحانہٗ کے ساتھ حضورِ قلب میں بڑا اہتمام کرتے ہیں لیکن اعمال ادبیہ جوارح

(بقیہ حاشیہ از صفحہ گذشتہ) ؎ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص ہر نماز کے بعد سُبْحَانَ اللّٰہِ ۳۳ مرتبہ، اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ۳۳ مرتبہ اَللّٰہُ اَکْبَرُ ۳۳ مرتبہ اور ایک مرتبہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ پڑھے (جو مجموعی طور پر سو مرتبہ ہوئیں) تو اس کی خطائیں بخش دی جاتی ہیں اگرچہ گناہ سمندر کے جھاگ کے برابر ہوں۔ (مشکوٰۃ بحوالہ مسلم)

(حاشیہ صفحہ ہذا) [1] آپ کے نام دس مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ مکتوب ۲۷۲ پر گذر چکا ہے۔

(یعنی ظاہری اعضا سے تعلق رکھنے والے مستحبات) کی طرف کم توجہ کرتے ہیں، صرف فرائض اور سنتوں پر کفایت کرتے ہیں، یہ لوگ بھی نماز کی حقیقت سے واقف نہیں ہیں اور کمالِ نماز کو غیر نماز سے ڈھونڈتے ہیں کیونکہ حضورِ قلب کو نماز کے احکام سے نہیں جانتے ——— اور یہ جو حدیث میں آیا ہے لَاصَلٰوۃَ اِلَّا بِحُضُوْرِ الْقَلْبِ (نماز حضورِ قلب کے بغیر کامل نہیں ہوتی) ممکن ہے کہ اس میں حضورِ قلب سے مراد یہ ہو کہ ان امورِ اربعہ کے ادا کرنے میں دل کو حاضر رکھا جائے تاکہ ان امور میں سے کسی امر کے بجا لانے میں کچھ فتور واقع نہ ہو۔ اس حضورِ قلب کے علاوہ اور کوئی حضور فی الحال اس فقیر کی سمجھ میں نہیں آتا۔

سوال :- جب نماز کی تکمیل اور اس کا کمال ان چار امور کے بجا لانے پر وابستہ ہوا اور کوئی دوسرا امر کمالِ نماز کے لئے ملحوظ نہ رہا تو منتہی، مبتدی بلکہ عامی کی نماز میں کیا فرق ہوا، جو ان چاروں امور کے بجا لانے پر مشروط ہے؟

جواب :- (مبتدی و منتہی کی نماز میں) فرق عمل کرنے والے کی طرف سے ہے، نہ کہ عمل کی رو سے ایک ہی عمل کا ثواب عمل کرنے والوں کے تفاوت سے مختلف ہوتا ہے۔ مثلاً وہ عمل جو کسی مقبول و محبوب عامل سے وقوع میں آئے اس کا اجر اس کے اجر سے کئی گنا زیادہ ہوگا جو اس عامل کے سوا کسی غیر کے اسی عمل پر مرتب ہو، کیونکہ عامل جتنا عظیم القدر ہوتا ہے اسی قدر اس کے عمل کا اجر بھی عظیم تر ہوگا۔ اسی وجہ سے کہتے ہیں کہ عارف کا نمائشی عمل مرید کے اخلاص والے عمل سے بہتر ہوتا ہے۔ پھر کس طرح بہتر نہ ہو جبکہ عارف کا عمل سراسر اخلاص سے لبریز ہوتا ہے ——— یہی وجہ ہے کہ حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت پیغمبر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے سہو کو اپنے صواب سے بہتر جانتے ہوئے حضور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کے سہو کی آرزو کرتے تھے جیسا کہ (حضرت صدیقؓ) فرماتے ہیں: یَا لَیْتَنِیْ کُنْتُ سَہْوَ مُحَمَّدٍ (اے کاش میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا سہو ہو جاتا)۔ گویا ان کی آرزو یہی تھی کہ کلی طور پر آں سرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کا سہو ہو جائیں۔ لہٰذا اپنے تمام اعمال و احوال کو آں سرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کے عمل سہو سے کم جانتے ہیں اور پوری آرزو کے ساتھ سوال کرتے ہیں کہ ان کی تمام نیکیاں آں سرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے سہو کے برابر ہی ہو جائیں ——— اور آنحضرت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے سہو کی مثال یہ ہے کہ ایک مرتبہ آں سرور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے چار رکعت والی فرض

نماز میں سہو کی وجہ سے دو رکعت پر سلام پھیر دیا جیسا کہ مروی ہےلہ ـــــــ پس منتہی کی نماز پر دنیاوی نتائج اور ثمرات کے باوجود آخرت کا بڑا بھاری اجر بھی مرتب ہوتا ہے بخلاف مبتدی اور عامی کی نماز کے۔ ع

چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک (کہاں خاک اور کہاں ہے عالمِ پاک)

منتہی کی نماز کی چند خصوصیات بیان کی جاتی ہیں، ان سے قیاس کر لیں ـــــــ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ منتہی نماز میں قراءتِ قرآن کے وقت اور تسبیحات و تکبیرات کے اوقات میں اپنی زبان کو شجرۂ موسوی کی مانند پاتا ہے اور اپنے قوی و اعضا کو آلات و وسائط سے زیادہ نہیں جانتا، اور کبھی ایسا محسوس کرتا ہے کہ ادائگی نماز کے وقت اس کے باطن و حقیقت نے (اس کی) ظاہر و صورت سے اپنا تعلق منقطع کر لیا ہے اور وہ عالمِ غیب سے ملحق ہو گیا ہے اور غیب کے ساتھ مجہول الکیفیت نسبت پیدا کر لی ہے ـــــــ اور جب نماز سے فارغ ہوتا ہے تو پھر اس عالم کی طرف رجوع کرتا ہے ـــــــ یا اصل سوال کے جواب میں کہتا ہوں کہ یہ مذکورہ چاروں اعمال (فرض، واجب، سنت اور مستحب) کا بتمام و کمال بجا لانا منتہی کے نصیب ہے، مبتدی اور عامی ان امور کو بہ تمام و کمال ادا کرنے کی توفیق سے دور ہیں، اگرچہ (ان کے لئے بھی) ممکن اور جائز ہے (لیکن ایسا کم ہوتا ہے) کیونکہ (حق تعالیٰ کا ارشاد ہے) وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ (بقرہ آیت ۴۵)[3] (خاشعین کے علاوہ دوسروں پر (نماز) بہت گراں ہے) وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى (اور سلام ہو اس پر جس نے ہدایت کی پیروی کی)۔

مکتوب ۳۰۶

سہ صد و ششم

مولانا صالح[2] کی طرف صادر فرمایا ـــــــ حقائق آگاہ، معارف دستگاہ مخدوم زادہ کلاں خواجہ محمد صادق علیہ الرحمۃ والغفران اور دونوں چھوٹے مخدوم زادوں مرحوم و مغفور محمد فرخ و محمد عیسیٰ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے بعض مناقب و کمالات میں، اور اس مکتوب کے آخر میں ارباب ولایت کی فنا کا بیان ہے، اور اس بیان میں کہ یہ فنا قرب نبوت میں کچھ درکار نہیں اور اس کے مناسب بیان میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى (تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو)

لہ یہ واقعہ بخاری اور مسلم میں بروایت حضرت ابوہریرہؓ مذکور ہے۔ (مشکوٰۃ)

[2] آپ کے نام دس مکتوبات ہیں اور دفتر اول مکتوب ۱۶۱ پر آپ کا تذکرہ ہو چکا ہے۔

میرے بھائی ملا صالح کو اہلِ سرہند کے حالات معلوم ہو گئے ہوں گے اور یہ کہ میرے فرزند کلاں (محمد صادق) رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مع اپنے دو۲ چھوٹے بھائیوں محمد فرخ و محمد عیسیٰ کے سفرِ آخرت اختیار کیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ـــــ اللہ تعالیٰ سبحانہٗ کی حمد ہے کہ اس نے پہلے تو باقی ماندہ (لوگوں) کو صبر کی طاقت عطا فرمائی، پھر اس بلا و مصیبت کو سرد کر کے ختم کر دیا کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

من از نو روئے نہ پیچم گرم بیا زاری ۔۔۔ کہ خوش بود ز عزیزاں تحمل و خواری

(ستانا تم کو آتا ہے، منانا ہم کو آتا ہے ۔۔۔ تحمل اور خواری عاشقوں کا خاص شیوہ ہے)

مرحوم فرزندوں کے محاسن

میرا فرزند مرحوم (خواجہ محمد صادق) حق جل و علا کی آیات میں سے ایک آیت (نشانی) اور رب العالمین کی رحمتوں میں سے ایک رحمت تھا جو بیس ۲۴ برس کی عمر میں اس نے وہ کچھ پایا کہ شاید ہی کسی کو نصیب ہوا ہو پایۂ مولویت اور علوم عقلیہ و نقلیہ کی تدریس کو حد کمال تک پہنچایا تھا حتیٰ کہ اس کے شاگرد بیضاوی اور شرح مواقف وغیرہ کے پڑھانے میں اعلیٰ درجے کا ملکہ رکھتے ہیں، اس کی معرفت و عرفان کی حکایات اور شہود و کشف کے قصے بیان سے باہر ہیں۔ آپ کو معلوم ہے کہ آٹھ سال کی عمر میں وہ ایسا مغلوب الحال ہو جاتا تھا کہ ہمارے حضرت خواجہ (باقی باللہ) قدس سرہٗ اس کے حال کی تسکین اور معالجہ کے طور پر بازار کا مشکوک و مشتبہ کھانے سے علاج کرتے تھے۔ اور فرمایا کرتے تھے کہ "جسقدر مجھ کو محمد صادق سے محبت ہے کسی اور سے نہیں، اور اسی طرح جسقدر محبت اُس کو ہمارے ساتھ ہے اور کسی کے ساتھ نہیں"۔ اس کلام سے اس کی بزرگی کا اندازہ کرنا چاہئے ـــــ ولایتِ موسوی کو اس نے نقطۂ آخر تک پہنچایا تھا اور اُس ولایتِ علیہ کے عجائب و غرائب بیان کیا کرتا تھا، ہمیشہ خاشع، خاضع، ملتجی اور متضرع متذلل اور منکسر رہتا تھا، اور کہا کرتا تھا کہ ہر ایک ولی نے حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ سے کسی ایک چیز کی درخواست کی ہے اور میں نے التجا و تضرع چاہی ہے۔

اور محمد فرخ کی نسبت کیا لکھوں وہ گیارہ سال کی عمر میں طالب علم اور کافیہ خواں ہو گیا تھا اور بڑی سمجھ سے سبق پڑھا کرتا تھا اور ہمیشہ آخرت کے عذاب سے ڈرتا اور کانپتا رہتا تھا اور دعا کیا کرتا تھا کہ بچپن ہی میں دنیائے کمینی کو وداع کر دے تا کہ عذابِ آخرت سے نجات پائے۔ مرضِ موت میں جو احباب اس کی بیمار پرسی کو آتے تھے وہ عجائب و غرائب حالات اس سے مشاہدہ کرتے تھے۔

اور محمد عیسیٰ سے آٹھ سال کی عمر میں لوگوں نے اسقدر کرامات و خوارق دیکھے کہ بیان سے باہر ہیں

غرض (تینوں فرزند) جواہر نفیسہ تھے جو امانت کے طور پر ہمارے سپرد کئے ہوئے تھے، اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کا احسان ہے کہ بلا جبر و اکراہ امانت والوں کی امانت ادا کر دی گئی۔ اَللّٰهُمَّ لَا تَحْرِمْنَا اَجْرَهُمْ وَلَا تَفْتِنَّا بَعْدَهُمْ بِحُرْمَةِ سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ عَلَيْهِ وَعَلَيْهِمُ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِيْمَاتُ (یا اللہ! تو ان کے اجر سے ہم کو محروم نہ کیجیو اور ان کے بعد فتنے میں نہ ڈالیو بحرمۃ سید المرسلین علیہ و علیہم الصلوات والتسلیمات)۔ ع

از ہر چہ می رود سخنِ دوست خوشتر است (جس طرح بات اس کی ہو گی خوب ہے)

جاننا چاہئے کہ "فنا" سے مقصود، جس سے حق سبحانہٗ کے ماسوا کا نسیان مراد ہے، یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے علاوہ (ہر چیز) کی محبت و گرفتاری (دل سے) دور ہو جائے۔ کیونکہ جب اشیاء کی ذوات و صفات اور افعال دید و دانش سے زائل ہو جاتے ہیں تو لازمی طور پر اُن سے محبت و گرفتاری بھی رُو بزوال ہو جاتی ہے اور ولایت کی راہ میں حق جل و علا کے علاوہ کی گرفتاری کے زوال کے بغیر چارہ نہیں ——— اور قربِ نبوت کے مدارج میں اشیاء کی گرفتاری کے زوال کے لئے اشیا کا نسیان بالکل درکار نہیں ہے، کیونکہ قربِ نبوت میں اصل کے ساتھ گرفتاری بذاتِ خود حسین و جمیل ہے، وہ اس قابل نہیں چھوڑتی کہ اشیاء کے ساتھ گرفتاری جو اپنی ذات میں نہایت قبیح اور غیر مستحسن ہے اس کا نام و نشان بھی باقی رہے خواہ اشیاء سے فراموشی ہو یا نہ ہو، اس لئے کہ اشیاء کے علم نے ان کی گرفتاری کی وجہ سے اور حق تعالیٰ کی بارگاہ سے روگردانی مستلزم ہونے کی وجہ سے برائی کی صفت پیدا کر لی ہے، اور جب اشیا کی گرفتاری زائل ہو گئی تو علمِ اشیا بھی مذموم نہ رہا۔ علم اشیاء کیسے مذموم ہو سکتا ہے جبکہ تمام اشیاء کا علم حق جل سلطانہٗ کے علم میں ہے اور ان سب اشیاء کا علم صفاتِ کاملہ میں سے ہے۔

(سوال) اگر یہ کہا جائے کہ جب حق جل و علا کے سوا کا علم زائل نہیں ہوتا تو حق جل و علا کا علم ماسوائے حق جل شانہٗ کے علم کے ساتھ ایک وقت میں کیسے جمع ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا اس تعالیٰ شانہٗ کے ماسوا کے نسیان کے بغیر چارہ نہیں ہے ——— (جواب میں) ہم کہتے ہیں کہ وہ علم جس کا تعلق اشیاء سے ہے وہ علمِ حصولی کی قسم سے ہے اور وہ علم جو حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ سے تعلق پیدا کرتا ہے وہ علمِ حضوری کے مشابہ ہے۔ لہٰذا یہ دونوں علم ایک ہی وقت میں جمع ہو سکتے ہیں اور کوئی محذور و محال لازم نہیں آئے گا۔ محال اس وقت لازم آتا ہے جبکہ دونوں علم حصولی ہوں۔ ——— اور جو کچھ ہم نے کہا ہے کہ ایک علم، علمِ حصولی کی قسم سے ہے اور دوسرا علمِ حضوری کے

مشابہ ہے کیونکہ وہاں نہ تو حقیقتِ حصول ہے اور نہ گنجائشِ حضور ——— اور حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ کا وہ علم جو اشیا سے تعلق رکھتا ہے حصولی نہیں ہے کیونکہ ممکنات کو حق تعالیٰ کی ذات وصفات میں کوئی حلول (سرایت) اور کوئی حصول نہیں ہے اور عارف کا علم اس (علم) کا پرتو ہے ——— اور وہ علم جو حضرتِ حق سبحانہٗ سے متعلق ہے اس کو حضوری بھی نہیں کہہ سکتے کیونکہ وہ تعالیٰ مدرِک کے ادراک سے بھی زیادہ نزدیک ہے۔ علمِ حضوری کو اس علم کے ساتھ وہی نسبت ہے جو علمِ حصولی کو علمِ حضوری کے ساتھ ہے۔ یہ معرفت عقل وفکر کے طور سے وراء (بالاتر) ہے۔ مَنْ لَّمْ یَذُقْ لَمْ یَدْرِ (جس نے چکھا ہی نہیں وہ اس کے مزہ کو کیا جانے) ——— لہذا یہ بات ثابت ہوگئی کہ علمِ اشیا حق جل وعلا کے علم کے منافی نہیں ہے لہذا اشیاء کا نسیان کچھ ضروری نہیں بخلاف ولایت کے طریقے کے کہ وہاں اشیا کی گرفتاری کے زوال کے بغیر اشیاء کی فراموشی متصور نہیں ہے کیونکہ ولایت میں گرفتاریٔ ظلال ہوتی ہے البتہ گرفتاریٔ ظلال کو اس قدر قوت حاصل نہیں ہے کہ علمِ اشیا کے باوجود اشیاء کی گرفتاری کو زائل کر سکے، لہذا پہلے اشیاء کا نسیان ہونا ضروری ہے تاکہ گرفتاری زائل ہو جائے ——— یہ ایک ایسی معرفت ہے جو اس درویش کے ساتھ مخصوص ہے اور کسی دوسرے نے اس کی نسبت کلام نہیں کیا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰنَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰنَا اللّٰهُ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ (اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے ہم کو ہدایت دی اگر وہ ہدایت نہ دیتا تو ہم ہدایت نہ پاتے بیشک ہمارے رب کی طرف سے رسول حق بات لے کر آئے) (اعراف آیت ۴۳)

مکتوب ۳۰۷

سہ صد وہفتم

مولانا عبد الواحد لاہوری[1] کی طرف صادر فرمایا ——— کلمۂ طیبہ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ کے معنی اور اس کے مناسب بیان میں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ حمد وصلوٰۃ کے بعد واضح ہو کہ (حق تعالیٰ کی عبادت کرنے والا عبادت کی ادائیگی کے دوران جو کچھ حسن وکمال کی قسم سے اپنی عبادت میں پاتا ہے وہ سب توفیقِ خداوند جل سلطانہٗ کی طرف راجع ہے اور اسی تعالیٰ ہی کی حُسنِ تربیت اور احسان سے ہے اور جو کچھ

[1] آپ کے نام تین مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۱۱۶ پر گذر چکا ہے۔

کوتاہی و ناتمامی کی قسم سے اپنی عبادت میں پاتا ہے وہ سب اس کے اپنے نفس کی طرف راجع ہے اور اس کی جبلی شرارت کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے ورنہ اس بزرگ و برتر کی بارگاہ میں نقص و قصور کی قسم سے کوئی چیز راجع نہیں ہے وہاں تو سب خیر و کمال ہی ہے۔ اور اسی طرح جو کچھ اس جہان میں واقع ہوتا ہے اس کا حسن و کمال بھی حق تعالیٰ کی پاک بارگاہ کی طرف راجع ہے (لیکن) اس عالم کا شر و نقص ممکنات کے دائرے کی طرف عود کرتا ہے جو نیستی میں قدم راسخ رکھتا ہے اور عدم ہر شر و نقص کے پیدا ہونے کی جگہ ہے۔

سبحان اللہ وبحمدہ کے فضائل

کلمۂ طیبہ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ (اللہ تعالیٰ پاک ہے اور اسی کے لئے حمد و شکر ہے) پوری بلاغت کے ساتھ ان دو چیزوں کو بیان فرماتا ہے ــــــ اس کلمہ کا جزو اول (سُبْحَانَ اللّٰهِ) حق تعالیٰ کی کمال درجہ تنزیہ و تقدیس ظاہر کرتا ہے اور ان تمام شرور و نقائص سے جو اس تعالیٰ کی پاک بارگاہ کے شایاں نہیں ہیں پاکی بیان کرتا ہے ــــــ اور (جزو ثانی وَبِحَمْدِهٖ) حمد کے ساتھ ساتھ شکر کی ادائیگی سے عبارت ہے اور ہر شکر کی اصل ہے، حق تعالیٰ کی صفات و افعالِ جمیلہ اور انعامات و احساناتِ جزیلہ پر شکر ادا کرتا ہے، جیسا کہ حدیثِ نبوی علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات میں آیا ہے کہ جو شخص اس کلمہ (سبحان اللہ وبحمدہ) کو دن یا رات میں سو بار پڑھے تو کوئی شخص بھی اس دن رات میں اس کی برابری نہیں کر سکتا مگر وہ شخص جو اس کلمۂ طیبہ کو پڑھے، اور کیسے برابری کر سکتا ہے جبکہ اس کا ہر عمل اور اس کی ہر عبارت خداوند جل سلطانہ کے شکروں میں سے ایک شکر کی ادائیگی ہے جو اس کلمۂ طیبہ کے دوسرے جزو (بحمدہ) سے ادا ہوتا ہے۔ اور اس کا دوسرا جزو (سبحان اللہ) جس میں حق تعالیٰ کی تنزیہ و تقدیس کا بیان ہے علیحدہ ہے لہذا آپ اس کلمہ طیبہ کو رات دن میں سو مرتبہ پڑھنا اپنے اوپر لازم کر لیں۔ اللہ تعالیٰ توفیق دینے والا ہے۔

سوال: ۔حدیثِ نبوی علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات میں وارد ہے: سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ عَدَدَ خَلْقِهٖ وَرِضَا نَفْسِهٖ وَزِنَةَ عَرْشِهٖ وَمِدَادَ كَلِمَاتِهٖ[1] (اللہ تعالیٰ پاک ہے اور اسی کے لئے سب تعریفیں ہیں اس کی مخلوق کی مقدار میں، اور ایسی عمدہ تسبیح جو اس کی رضا کے مطابق ہو اور عرش کے وزن کے جتنی برابر ہو اور اس کے کلمات کی مقدار کے برابر ہو) ــــــ اور (حدیث شریف میں) یہ بھی آیا ہے: سُبْحَانَ اللّٰهِ مِلْأُ الْمِيْزَانِ (اللہ تعالیٰ کی ایسی تسبیح جو میزان کو بھر دے) ــــــ اور یہ بھی آیا ہے: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ اَضْعَافَ مَا حَمِدَهٗ جَمِيْعُ خَلْقِهٖ (اللہ تعالیٰ ہی کے لئے تمام تعریفیں ہیں اس سے کئی گنا زیادہ جو اس کی تمام مخلوق نے کی ہیں) ــــــ حالانکہ کہنے والے نے (ان کلمات کو) ایک مرتبہ سے

[1] مشکوۃ بحوالہ مسلم شریف۔

زیادہ نہیں کہا اور ایک دفعہ سے زیادہ واقع نہیں ہوا پھر اس کو عَدَدَ خَلْقِہٖ کس اعتبار سے کہتے ہیں اور رِضَا نَفْسِہٖ کس معنی کے لحاظ سے کہیں اور زِنَةَ عَرْشِہٖ کس طرح ہوگا اور مِدَادَ کَلِمَاتِہٖ کیسے درست ہوگا اور میزان کو کیسے بھر دے گا اور اَضْعَافَ مَا حَمِدَہٗ جَمِیْعُ خَلْقِہٖ کس معنی کے لحاظ سے کہا جائے گا؟

(جواب میں) ہم کہتے ہیں کہ "انسان" عالمِ خلق اور عالمِ امر کا جامع ہے اور جو کچھ خلق اور امر میں ہے وہ انسان میں زائد شے کے ساتھ موجود ہے اور وہ اس کی ہیئتِ وحدانی ہے جو خلق وامر کی ترکیب سے پیدا ہوئی ہے اور یہ ہیئتِ وحدانی انسان کے علاوہ کسی اور کو میسر نہیں ہوئی، اور یہ ہیئت ایک غریب عجوبہ اور عجیب نمونہ ہے۔ لہٰذا وہ حمد جو انسان سے وقوع میں آتی ہے وہ تمام خلائق کی حمد سے کئی گنا زیادہ ہے اسی قیاس پر تمام سوالات کا حل سمجھ لیں ـــــــ پس تمام مخلوق سے انسان کے علاوہ مراد لینی چاہئے اور اگر انسان کو بھی اس میں شامل کر لیں تو ہم کہتے ہیں کہ جس طرح انسانِ کامل تمام افرادِ عالم کو اپنے اجزا پاتا ہے اسی طرح افرادِ انسان کو بھی اپنے اجزا پاتا ہے اور اپنے آپ کو سب کا کُل جانتا ہے۔ اس صورت میں اپنی حمد کو تمام عالم کی حمد سے کئی گنا زیادہ معلوم کرتا ہے اور تمام افرادِ انسانی کی حمد سے بھی اپنی حمد کو کئی گنا زیادہ پائے گا ـــــــ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَۃَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ مِنَ الصَّلَوَاتِ اَتَمُّھَا وَمِنَ التَّحِیَّاتِ اَکْمَلُھَا (اور سلام ہو اس شخص پر جو ہدایت کی پیروی کرے اور حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کو اپنے اوپر لازم کرے)۔

مکتوب ۳۰۸ عربی
سہ صد و ہشتم

مولانا فیض اللہ پانی پتی[1] کی طرف صادر فرمایا ـــــ حدیث نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کَلِمَتَانِ خَفِیْفَتَانِ عَلَی اللِّسَانِ ثَقِیْلَتَانِ فِی الْمِیْزَانِ حَبِیْبَتَانِ اِلَی الرَّحْمٰنِ "سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ" کے معنی کے بیان میں۔

اللہ تعالیٰ آپ کو ہدایت فرمائے: جاننا چاہئے کہ آنحضرت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ دو[2] کلمے ایسے ہیں جو زبان پر ہلکے اور میزان میں بھاری ہیں اور رحمٰن کے نزدیک بہت پسندیدہ ہیں (وہ یہ ہیں

۱؎ آپ کے نام صرف یہی ایک مکتوب ہے اور حالات معلوم نہ ہو سکے۔

سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ (اللہ تعالیٰ پاک و منزہ ہے اور اسی کے لئے تمام حمد اور شکر ہے، اللہ تعالیٰ پاک ہے اور بہت عظیم ہے) ——— ان دونوں کلموں کا زبان پر ہلکا ہونا قلتِ حروف کی وجہ سے تو ظاہر ہی ہے لیکن میزان میں ان کا بھاری ہونا اور رحمٰن کے نزدیک پسندیدہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ پہلے کلمہ کا جزوِ اول (سبحان اللہ) ظاہر کرتا ہے کہ حق تعالیٰ ان تمام باتوں سے جو اس کی جنابِ قدس عزوجل کے لائق نہیں ہیں منزہ اور پاک ہے، نیز اس کی بارگاہ کبریا کا تمام نقائص اور حدوث و زوال کے نشانات سے پاک و منزہ ہونا ظاہر کرتا ہے ——— اور اس کلمہ کا دوسرا جزو (وبحمدہٖ) اللہ تعالیٰ کی صفاتِ کمال اور شیوناتِ جمال کا ثبوت بہم پہنچاتا ہے، خواہ وہ صفات و شیونات فضائل میں سے ہوں یا فواضل میں سے، دونوں چیزوں میں اضافت استغراق کے لئے ہے تاکہ تمام تنزیہات و تقدیسات اور کمال و جمال کے تمام صفات حق تعالیٰ ہی کے اثبات کا فائدہ دیں پس کلمۂ اولیٰ (سبحان اللہ وبحمدہ) کے دونوں اجزا کا حاصل اور خلاصہ یہ ہے کہ تمام تنزیہات و تقدیسات حق تعالیٰ ہی کی طرف راجع ہیں اور تمام صفات کمال و جمال بھی اسی ذات عزوجل کے لئے ثابت ہیں۔ ——— اور کلمۂ ثانیہ (سبحان اللہ العظیم) کا حاصل یہ ہے کہ تمام تنزیہات و تقدیسات اسی ذات عزوجلّ کے لئے ہیں اور عظمت و کبریائی کا اثبات بھی اسی کے لئے ہے، اور ان کلمات میں اس امر کی طرف بھی اشارہ ہے کہ تمام نقائص حق تعالیٰ سے اس کی عظمت و کبریائی کے باعث مسلوب ہیں۔ اسی وجہ سے یہ دونوں کلمے میزان میں بھاری اور خدائے رحمٰن کے نزدیک محبوب ہیں۔

اور نیز "تسبیح" توبہ کی کنجی بلکہ توبہ کا خلاصہ ہے جیسا کہ بعض مکاتیب میں اس کی تحقیق کر چکا ہوں لہٰذا "تسبیح" گناہوں کے محو کرنے اور خطاؤں کے معاف ہونے کا وسیلہ ہے، اس وجہ سے بھی یہ کلمے میزان میں بھاری اور نیکیوں کے پلے کو جھکانے والے اور رحمٰن کو پیارے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ عفو کو پسند فرماتا ہے۔ اور اسی طرح تسبیح اور حمد کرنے والا جب حق تعالیٰ کی پاک بارگاہ کو اس کی شان کے خلاف چیزوں سے پاک اور منزہ ظاہر کرتا ہے اور اس بلند و برتر ذات کے لئے صفاتِ کمال و جمال کا اثبات کرتا ہے تو حق جل شانہٗ کریم و وہاب سے بھی امید ہے کہ وہ تسبیح کرنے والے کو غیر مناسب باتوں سے پاک کر دے گا اور حمد کرنے والے میں صفاتِ کمال پیدا کر دے گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ (رحمٰن آیت ۶۰) (نیکی کا بدلہ نیکی کے سوا کچھ نہیں ہے) ——— لہٰذا لازمی طور پر یہ دونوں کلمے میزان میں بھاری ہیں کیونکہ ان کے تکرار کی وجہ سے گناہ محو ہو جاتے ہیں اور چونکہ خدائے رحمٰن کو پسندیدہ ہیں اس لئے اس کے واسطے سے اچھے اخلاق پیدا ہو جاتے ہیں۔ والسّلام

مکتوب ۳۰۹
سہ صد و نہم

مولانا حاجی محمد فرکتی[1] کی طرف صادر فرمایا ــــــ دن رات کے محاسبہ کے بارے میں جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے: حَاسِبُوْا قَبْلَ اَنْ تُحَاسَبُوْا (اپنا محاسبہ کرو قبل اس کے کہ تمہارا محاسبہ ہو)۔

(دن رات کا حساب)

حمد و صلوٰۃ اور تبلیغِ دعوات کے بعد واضح ہو کہ۔ مشائخ کرام قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کی ایک جماعت نے محاسبہ کا طریقہ (اس طرح) اختیار کیا ہے کہ وہ رات کو سونے سے پہلے اپنے دن بھر کے اقوال و افعال اور حرکات و سکنات کے دفتر کو ملاحظہ کرتے ہیں اور ہر ایک عمل کی حقیقت کا تفصیلی جائزہ لیتے ہیں اور اپنے قصوروں اور گناہوں کا توبہ و استغفار اور التجا و تضرع کے ذریعہ تدارک کرتے ہیں، اور اپنے نیک اعمال و افعال کو حق تعالیٰ کی توفیق کی طرف منسوب کر کے حق جل و علا کی حمد اور اس کا شکر بجا لاتے ہیں ــــــ صاحبِ فتوحات مکیہ (شیخ ابن عربی) قدس سرہ جو کہ محاسبہ کرنے والوں میں سے ہیں فرماتے ہیں کہ "میں اپنے محاسبہ میں دوسرے مشائخ سے بڑھ گیا ہوں اور میں اپنے (قلبی) خطروں اور نیتوں کا بھی محاسبہ کرتا ہوں ــــــ اور اس فقیر کے نزدیک سونے سے پہلے سو مرتبہ تسبیح، تحمید اور تکبیر (سبحان اللہ، الحمد للہ اور اللہ اکبر) کا پڑھنا جس طرح کہ مخبرِ صادق علیہ و علیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات سے ثابت ہے محاسبہ کا حکم رکھتا ہے اور محاسبہ کا کام دیتا ہے۔ گویا ان کلمات کا پڑھنے والا کلمہ تسبیح کے تکرار سے جو کہ توبہ کی کنجی ہے اپنی تقصیرات اور برائیوں سے عذر خواہی کرتا ہے اور حق تعالیٰ کی مقدس بارگاہ کو ان امور سے جن کے باعث وہ ان برائیوں کا مرتکب ہوا ہے منزہ اور مبرا ظاہر کرتا ہے کیونکہ برائیوں کے مرتکب کو اگر امر و نہی کے احکام صادر کرنے والی ذات تعالیٰ و تقدس کی عظمت و کبریائی ملحوظ و منظور ہوتی تو وہ حق تعالیٰ کے حکم کے بجا لانے میں ہرگز سبقت و دلیری نہ کرتا، اور جب اس نے حکم نہ ماننے پر دلیری کی تو معلوم ہوا کہ اس مرتکب کے نزدیک حق تعالیٰ کے امر و نہی کا کچھ اعتبار و شمار نہیں تھا اَعَاذَنَا اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ مِنْ ذٰلِکَ (اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے بچائے) پس وہ اس کلمہ تنزیہ کے تکرار سے اس کوتاہی کی تلافی کرتا ہے۔

---

[1] آپ کے نام چار مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۲۳۵ پر گزر چکا ہے۔

نیز جاننا چاہیے کہ استغفار کرنے میں گناہوں کے ڈھانپنے کی طلب ہے اور کلمہ تنزیہ کے تکرار میں گناہ کے بیخ کنی کی طلب ہے۔ یہ (دونوں کلمے سبحان اللہ اور استغفر اللہ) کس طرح برابر ہو سکتے ہیں۔ سبحان اللہ ایک ایسا عجیب کلمہ ہے کہ اس کے الفاظ بہت کم ہیں لیکن اس کے معانی و منافع بہت زیادہ ہیں، اور کلمۂ تحمید (الحمد للہ) کی تکرار سے حق تعالیٰ کی توفیق اور اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرنا ہے، اور کلمۂ تکبیر (اللہ اکبر) کی تکرار میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس کی پاک بارگاہ اس سے بہت ہی بلند ہے کہ یہ عذر خواہی اور شکر گذاری اس ذات جل شانہٗ کے لائق ہو، کیونکہ اس کی عذر خواہی اور استغفار بہت سی عذر خواہیوں اور استغفارات کی محتاج ہے اور اس (بندہ) کا حمد کرنا اس کے اپنے نفس کی طرف راجع ہے (نہ کہ حق تعالیٰ کی طرف)۔ سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ۝ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (صفٰت ۳۷ آیت ۱۸۰ تا ۱۸۲) (پاک ہے تمہارا رب عزت والا ان باتوں سے جو یہ بیان کرتے ہیں اور سلام ہو تمام رسولوں پر اور تمام تعریف اللہ رب العالمین کے لئے ہے)۔

محاسبہ کرنے والے شکر اور استغفار پر اکتفا کرتے ہیں لیکن ان کلماتِ قدسیہ کے ساتھ استغفار کا کام بھی ہو جاتا ہے اور شکر بھی ادا ہو جاتا ہے، اور نیز استغفار اور شکر کے نقص کا اظہار کرنے کی طرف بھی اشارہ ہو جاتا ہے۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ (بقرہ ۲ آیت ۱۲۷) (اے رب ہماری یہ دعا قبول فرما) وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ سیدنا محمد وعلیٰ آلہٖ وصحبہ الطاہرین وسلم وبارک علیہ وعلیہم اجمعین۔

مکتوب ۳۱۰ سہ صد و دہم

مولانا محمد ہاشمؒ[1] کی طرف صادر فرمایا ـــــ انسان کی جامعیت اور بعض ان پوشیدہ اسرار کے بارے میں جو اس مقام سے تعلق رکھتے ہیں اور اس کے مناسب بیان میں۔

حمد و صلوٰۃ کے بعد واضح ہو کہ انسان میں جو کچھ کمالات ہیں وہ سب مرتبۂ وجوب تعالت و تقدست سے مستفاد ہیں، اگر علم ہے تو وہ بھی اس مرتبہ کے علم سے مستفاد ہے اور اگر قدرت ہے تو وہ بھی اسی مرتبہ کی قدرت سے ماخوذ ہے، علیٰ ہذا القیاس۔ لیکن ہر مرتبہ کا کمال اس مرتبہ کے اندازے کے موافق ہے۔ انسان کے

۱؎ آپ کے نام تیرہ ۱۳ مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۲۹۰ پر گذر چکا ہے۔

علم کو واجب تعالیٰ کے علم کے سامنے وہ نسبت ہے جو مُردے کا حکم رکھتا ہے اور لاشے محض ہے اس کو اس زندہ کے ساتھ نسبت ہے جس نے حیاتِ ابدی سے زندگی پائی ہو۔ اسی طرح انسان کی قدرت کو واجب تعالیٰ کی قدرت کے سامنے وہ نسبت ہے جو عنکبوت (مکڑی) کو جو (اپنے لعاب سے) اپنا گھر بناتی ہے اس شخص کے ساتھ نسبت ہے جس کی ایک پھونک سے زمین و آسمان اور پہاڑ و دریا ریزہ ریزہ ہو کر گرد و غبار کی طرح اُڑ جائیں، دوسرے کمالات کی نسبت کو بھی اسی پر قیاس کرنا چاہئے۔ یہ فرق بھی میدانِ عبارت کی تنگی کے باعث بیان کیا گیا ہے ورنہ ع چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک (کہاں خاک اور کہاں ہے عالمِ پاک)

پس انسان کے کمالات مرتبۂ وجوب تعالیٰ و تقدس کے کمالات کی صورت کی طرح ہوئے لیکن ان کمالات نے اس مرتبہ کے کمالات سے مشارکتِ اسمی کے سوا اور کچھ حاصل نہیں کیا، اسی لئے فرمایا ہے اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ (بیشک اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی (صفاتی) صورت پر پیدا کیا) اور مَنْ عَرَفَ نَفْسَہٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّہٗ (جس نے اپنی (حقیقتِ) نفس کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا) کے معنی اس بیان سے بھی واضح ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ جو کچھ نفسِ (انسانی) میں ہے وہ اس کی (ظاہری) صورت ہے اور اس کی اصل و حقیقت وہ ہے جو مرتبۂ وجوب تعالیٰ و تقدس کے مرتبہ میں حاصل ہے۔ اس بیان سے انسان کی خلافت کے راز کو سمجھنا چاہئے، کیونکہ شے کی صورت ہی شے کا خلیفہ ہوتی ہے۔

اس مقام میں زندیقوں اور فرقۂ مجسمہ نے (وہ لوگ جو حق تعالیٰ کے لئے جسم کے قائل ہیں) گمان کیا ہے کہ حق تعالیٰ عز و جل سلطانہ انسان کی صورت پر ہے، اور اپنی بے وقوفی کی وجہ سے انسانی قویٰ اور اعضا کو حضرت جل سلطانہٗ کے لئے اثبات کیا ہے، ضَلُّوْا فَاَضَلُّوْا (خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا) اور یہ نہ جانا کہ اس کی صورت اور مثل کا اطلاق حق جل و علا میں تشبیہ و تمثیل کی قسم سے ہے (یعنی استعارہ اور مجاز کے طور پر ہے) نہ کہ تحقیق اور ثبوت کے طور پر۔ کیونکہ اس صورت کی حقیقت ترکیب چاہتی ہے اور تبعض و تجزی (ٹکڑے ٹکڑے اور اجزا) کی خواہاں ہے جو وجوب کے منافی اور قِدم کے مانع ہے۔ متشابہاتِ قرآنی بھی ظاہری معنوں پر نہیں بلکہ تاویل پر محمول ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَمَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَہٗۤ اِلَّا اللّٰہُ (آل عمران آیت ۳) (اس کی تاویل اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا)۔ یعنی اس متشابہ کی تاویل (اصل مراد) کو اللہ عز و جل کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ حق جل و علا کے نزدیک متشابہ بھی تاویل پر محمول اور ظاہر سے مصروف ہیں۔ (یعنی ظاہری

معنی پر محمول نہیں) ــــــــ اور علمائے راسخین کو بھی اس تاویل کے علم سے ایک حصہ عطا فرمایا ہے۔ چنانچہ علمِ غیب جو اس سبحانہٗ ہی کے لئے مخصوص ہے اپنے خاص رسولوں کو اس پر اطلاع بخشتا ہے۔ اس تاویل کے متعلق یہ خیال نہ کریں کہ جس طرح "ید" کی تاویل قدرت سے اور "وجہ" کی تاویل ذات سے کرتے ہیں، ہرگز ایسا نہیں ہے بلکہ وہ تاویل ان اسرار میں سے ہے جس کا علم اخصِ خواص کو عطا فرماتا ہے۔

جاننا چاہئے کہ صاحبِ فتوحاتِ مکیہ (شیخ ابنِ عربیؒ) اور ان کے متبعین کہتے ہیں کہ جس طرح واجب تعالیٰ وتقدس کی صفات اس کی ذات کا عین ہیں اسی طرح یہ صفات بھی ایک دوسرے کے عین ہیں، مثلاً علم جس طرح اس کی ذات کا عین ہے" اس کی قدرت کا بھی عین ہے اور اسی طرح عین ارادہ، عین سمع اور عین بصر بھی ہے۔ علیٰ ہذا القیاس اسی طرح تمام صفات۔

یہ بات فقیر کے نزدیک صواب سے دُور ہے کیونکہ یہ بات صفاتِ زائدہ کے وجود کی نفی پر مبنی ہے جو اہلِ سنت وجماعت کے مذہب کے خلاف ہے کیونکہ صفاتِ ثمانیہ (آٹھ صفات) یا سبع (سات) ان بزرگوں کی آراء کے موافق خارج میں موجود ہیں۔ شاید کہ ذات وصفاتِ واجبی تعالیٰ وتقدس کی عینیت (اتحاد) کا وہم ان (شیخ ابنِ عربیؒ وغیرہ) کو اس وجہ سے پیدا ہوا ہے کہ انھوں نے (ذات وصفات واجبی) کے تغایر وتباین (غیر اور جُدا ہونے) کو اس مقام (یعنی ذات وصفاتِ ممکنات) کے تغایر وتباین کے رنگ میں خیال کیا ہے، اور جب ان کو اس مقام میں جو کہ ہمارے ذات وصفات کے تغایر وتباین کے رنگ میں ہے نہ پایا اور ان کے تمائز (ممتاز کرنے والی کیفیت) کو ان تمائز کے مشابہ نہ دیکھا تو لازمی طور پر انھوں نے تغایر وتمائز کی نفی کا حکم کردیا اور ایک دوسرے کی عینیت کے قائل ہوگئے ــــــ انھوں نے یہ نہ سمجھا کہ اس مقام کے تمائز وتباین ذات وصفاتِ واجبی تعالیٰ کے مانند بیچون وبے چگونہ (بے مثل وبے کیف) ہیں اور ان تمائز کو ان تمائز کے ساتھ سوائے ظاہری صورت اور نام کے کوئی نسبت نہیں۔ لہٰذا اس مقام میں تباین وتمائز متحقق ہیں لیکن ہم اس کے ادراک سے عاجز ہیں، نہ یہ کہ جس چیز کا ہم ادراک نہیں کرسکتے اس کی نفی کردیں اور اہلِ حق کے مخالف ہوجائیں۔

وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ الْمُلْہِمُ لِلصَّوَابِ (اور اللہ تعالیٰ سبحانہٗ ہی صحیح بات کا الہام کرنے والا ہے)۔

مکتوب ۳۱۱
سہ صد و یازدہم

مظہرِ فیضِ الٰہی و منظرِ اسرارِ نامتناہی مخدوم زادہ خواجہ محمد سعید[۱] سلمہ اللہ تعالیٰ کی طرف صادر فرمایا۔

——— رموز و اشارہ کے طور پر دقیق اسرار اور نادر حقائق کے بیان میں۔

یہ اسرار "حروفِ مقطعات" سے متعلق ہیں جو قرآنی آیاتِ متشابہات" میں سے ہیں، اور جن کی تاویل سے علمائے راسخین کو اطلاع دی گئی ہے۔ (مثلاً الٓمٓ سے متعلق بیت ملاحظہ ہو) ؎

هائے دو چشمی است مربیّ ما ہمچو الف ربِّ حبیبِ خدا
لام مربیّ خلیل اللہ است میم ز تدبیر کلیم آگہ است

(ہائے دو چشمی ہے مُربیّ مرا جیسے الف ربّ حبیبِ خدا
لام مربی ہے براہیمؑ کا موسیٰؑ تدبیر ہے سر میم کا)

حضرت کلیم علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کاروبار کی ابتدا "حقیقتِ الف" ہے اور اس حقیر کے معاملہ کا مبدا بھی تبعیت و وراثت کے طور پر یہی "حقیقتِ الف" ہے لیکن حضرت کلیم علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بازگشت "حقیقتِ میم" کی طرف ہے اور اس حقیر کی بازگشت "حقیقت ہائے دو چشمی" کی طرف ہے۔ ابھی تک میرا مرجع و ماویٰ (جائے پناہ) یہی "ھا" کی حقیقت ہے۔ اور یہ حقیقت وہی ہے جس کو "غیبِ ہُویت" سے تعبیر کرتے ہیں، اور یہ حقیقت "گنجینۂ رحمت" (رحمت کا خزانہ) ہے۔ ایک رحمت تو اس دنیا میں پھیلا دی گئی اور ننانوے رحمتیں جو آخرت کے لئے بطور ذخیرہ ہیں ان سب کی مستقر و مستودع (جائے قرار و امانت گاہ) یہی حقیقت ہے، گویا کہ اس کا ایک چشمہ دنیا کی رحمت کا مخزن ہے اور دوسرا آخرت کا گنجینۂ رحمت ہے۔ ارحم الراحمین کی صفت اسی حقیقت سے ظہور پذیر ہوتی ہے ———

——— اس مقام (آخرت) میں "جمالِ صرف" کا ظہور ہے کہ اس میں جلال کی ذرہ برابر بھی آمیزش نہیں۔ دوستوں کو جو کچھ دنیا میں محنت و مشقت دی جاتی ہے وہ "تربیتِ جمال" ہے جو "جلال" کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے، اور دشمنوں کو دنیا میں جو نعمتیں اور خوشی دی جاتی ہے

[۱] آپ کے نام ۲۴ مکتوبات ہیں جن کی تفصیل اور تذکرہ مکتوب ۲۵۹ پر گذر چکا ہے۔

وہ جلال کا ظہور ہے جو جمال کی صورت میں ظاہر ہوا ہے، یہ اللہ جل سلطانہٗ کی خفیہ تدبیر ہے :-
یُضِلُّ بِہٖ کَثِیۡرًا وَّ یَھۡدِیۡ بِہٖ کَثِیۡرًا (بقرہ آیت ۲۶) (اللہ تعالیٰ) گمراہ کرتا ہے اس سے بہت لوگوں کو اور ہدایت دیتا ہے اس سے بہت لوگوں کو۔

اور حضرت خاتم الرسل علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کے کاروبار کی ابتدا ایسی حقیقت سے ہے جو "حقیقتِ الف" سے فوق ہے اور اسی طرح حضرت خلیل علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا مبدأ وہی "حقیقتِ فوقانی" ہے ——— خلاصۂ کلام یہ ہے کہ حضرت خاتم الرسل ؐ کے مبدأ کی حقیقت اس حقیقت کا اجمال ہے اور حضرت خلیلؑ کے مبدا کی حقیقت اس حقیقت کی تفصیل ہے علیہم الصلوات والتسلیمات اتمہا واکملہا ——— اور حضرت خاتم الرسل علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کی بازگشت "حقیقتِ الف" ہے، اور حضرت خلیل علیٰ نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کی بازگشت "حقیقتِ لام" ہے۔ ہاں اجمال کو وحدت کے ساتھ زیادہ مناسبت ہے اس وجہ سے الف کی طرف مراجعت میسر ہوئی جو وحدت کے قریب ہے۔ اور تفصیل کو چونکہ کثرت کے ساتھ زیادہ مناسبت ہے اس لئے اس کو لام کی طرف بازگشت حاصل ہوئی جو کثرت کے نزدیک ہے۔ لہٰذا حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہم الصلوۃ والسلام مبدأ میں بھی کثیر البرکت ہیں اور معاد و مرجع میں بھی ——— یہی وجہ ہے کہ حضرت سید البشر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوۃ والسلام کی صلوٰۃ وبرکت حضرت خلیل علیٰ نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کی صلوٰۃ وبرکت کی مانند و مماثل ہیں (جیسا کہ اللہ تعالیٰ سے ہم اس کا سوال کرتے ہیں)، اور اللہ تعالیٰ کے اسماء میں ان کا مرتبہ صفات کے مرتبہ سے بلند و بالا ہے ———

حضرت خاتم الرسل علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کے ربّ کا اسم مبارک "اللہ" ہے تعالیٰ شانہٗ۔ اور اس حقیر کے رب کا اسم مبارک "الرحمٰن" ہے جل وعلا۔ اور چونکہ اس حقیر کو مبدا کے لحاظ سے حضرت کلیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کے ساتھ زیادہ مناسبت ہے، لہٰذا لازمی طور پر ان حضرت (کلیم) سے بہت زیادہ برکات اس حقیر کو پہنچی ہیں اگرچہ اس حقیر کی ولایت، ولایتِ موسوی نہیں ہے لیکن اس ولایت کی برکات سے پُر ہے اور بہت زیادہ ترقی اس راستے سے حاصل کی ہیں۔

اور اس حقیر نے اس ولایت سے جو استفادہ کیا ہے وہ اس ولایت کے اجمال کی راہ سے کیا ہے ——— اور میرے فرزند اعظم (خواجہ محمد صادق) نے اس ولایت سے تفصیلاً استفادہ کیا ہے ——— اس فقیر کی ولایت جو ولایتِ موسوی سے مستفاد ہے اس مومن آدمی[1] کی ولایت کے مانند ہے جو آل فرعون سے تھا اور میرے فرزند علیہ الرحمۃ کی ولایت فرعون کے جادوگروں کی ولایت کے مشابہ ہے جو ایمان لے آئے تھے۔ والسلام

---

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو سورہ مومن ۴۰ آیت ۲۸۔

مکتوب ۳۱۲

سہ صد و دوازدہم

میر محمد نعمان[1] کی طرف صادر فرمایا ——— ان سوالات کے جواب میں جو اشارۂ سبابہ کی تحقیق میں دریافت کئے تھے اور اس بارے میں علمائے حنفیہ کا مختار مذہب کیا ہے؟

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَعَلٰی اِخْوَانِہٖ مِنَ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ وَالْمَلٰٓئِکَۃِ الْمُقَرَّبِیْنَ وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصَّالِحِیْنَ اَجْمَعِیْنَ (تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام عالموں کا پروردگار ہے اور حضرت سید المرسلین اور آپ کے تمام بھائیوں انبیاء والمرسلین اور ملائکہ مقربین اور اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں پر صلوٰۃ وسلام ہو) ——— مکتوب شریف جو آپ نے ملا محمود کے ہمراہ ارسال کیا تھا موصول ہو کر بہت خوشی کا باعث ہوا ——— آپ نے دریافت کیا تھا کہ علما کہتے ہیں کہ مدینۂ منورہ میں روضۂ متبرکہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیہ کی زمین مکۂ معظمہ سے بزرگ تر ہے۔ حالانکہ صورت و حقیقتِ کعبۂ معظمہ، صورت و حقیقتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کی مسجود الیہ ہے، تو پھر روضۂ متبرکہ کی زمین کس لحاظ سے بزرگ تر ہوگی؟ ——— میرے مخدوم! جو کچھ اس فقیر کے نزدیک ثابت ہوا ہے وہ یہ ہے کہ کعبۂ معظمہ بہترین جگہوں میں سے ہے، اس کے بعد روضۂ مقدسہ مدینہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ ہے، اس کے بعد زمینِ حرمِ مکہ حَرَسَہَا اللّٰہُ تَعَالٰی عَنِ الْاٰفَاتِ (اللہ تعالیٰ اس کو آفات سے محفوظ رکھے)۔ اگر علما نے روضۂ متبرکہ (کی زمین) کو مکۂ معظمہ (کی زمین) سے بہتر کہا ہے تو اس سے مراد مکۂ معظمہ کی زمین کعبۂ مقدسہ کے علاوہ ہوگی۔

اسی طرح آپ نے اشارۂ سبابہ[2] کے جائز ہونے کے بارے میں دریافت کیا تھا اور مولانا علم اللہ مرحوم کا لکھا ہوا رسالہ بھیجا ہے کہ اس باب میں آپ کا کیا حکم ہے؟ ——— میرے مخدوم! حدیثِ نبوی علیٰ مصدرہا الصلوٰۃ والسلام اشارۂ سبابہ کے جائز ہونے کے بارے میں بہت زیادہ وارد ہوئی ہیں اور فقہ حنفیہ کی بعض روایات بھی اس بارے میں آئی ہیں جیسا کہ مولانا (علم اللہ) نے اپنے رسالہ میں لکھا ہے لیکن جب فقہ حنفیہ کی کتابوں کو بغور ملاحظہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اشارہ کے جائز ہونے کی روایات

---

[1] آپ کے نام ۳۳ مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۱۱۹ پر گذر چکا ہے ۔ [2] رفع سبابہ سے متعلق کچھ تفصیل کتاب "حضرت مجدد الف ثانیؒ" کے باب "اولاد امجاد" تذکرہ حضرت خواجہ محمد یحییٰ میں درج ہے وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

اصولِ روایات کے خلاف اور ظاہر مذہب کے بھی خلاف ہیں ــــــ اور یہ جو امام محمد شیبانیؒ نے کہا ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم اشارہ کرتے تھے اور اسی طرح ہم بھی اشارہ کرتے ہیں جس طرح نبی علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کرتے تھے" ــــــ پھر انھوں (امام محمدؒ) نے کہا کہ "یہی میرا قول ہے اور یہی ابی حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول ہے"۔ یہ نادر روایات میں سے ہے نہ کہ روایاتِ اصول میں سے ــــــ جیسا کہ فتاویٰ غرائب میں ہے کہ محیط میں لکھا ہے "کیا نمازی اپنے دائیں ہاتھ کی انگشتِ سبابہ سے اشارہ کرے؟" (لیکن) امام محمدؒ نے اصل (مبسوط) میں اس مسئلہ کا ذکر نہیں کیا ــــ البتہ مشائخ نے اس میں اختلاف کیا ہے، ان میں سے بعض نے کہا اشارہ نہ کرے اور بعض نے کہا اشارہ کرے ــــــ پھر امام محمدؒ نے روایتِ اصول کے علاوہ ایک حدیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپؐ اشارہ کرتے تھے۔ پھر امام محمدؒ نے کہا کہ "یہی میرا اور ابی حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول ہے" ــــــ اور بعض نے کہا کہ یہ سنت ہے اور بعض نے کہا کہ مستحب ہے۔ پھر کہا کہ یہ وہ ہے جو (فتاویٰ غرائب میں) علماء نے لکھا ہے اور صحیح یہ ہے کہ اشارہ حرام ہے ــــــ

اور سراجیہ میں ہے کہ نماز میں اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہتے وقت سبابہ کا اشارہ مکروہ ہے کیونکہ یہی مختار مذہب ہے اور کبریٰ میں بھی یہی ہے، اور اسی پر فتویٰ ہے۔ کیونکہ نماز کی بنا سکون و وقار پر ہے۔ ــــــ اور فتاویٰ غیاثیہ میں ہے کہ تشہد کے وقت انگشتِ سبابہ سے اشارہ نہ کریں، یہی مختار ہے اور اسی پر فتویٰ ہے ــــــ اور جامع الرموز میں ہے کہ "نہ اشارہ کریں اور نہ عقد کریں" اور ہمارے اصحاب کا یہی ظاہر اصول ہے، جیسا کہ زاہدی میں ہے اور اسی پر فتویٰ ہے جیسا کہ مضمرات اور ولوالجی اور خلاصہ وغیرہ میں ہے ــــــ اور ہمارے اصحاب سے منقول ہے کہ یہ سنت ہے جیسا کہ خزانۃ الروایات میں تاتارخانیہ سے مذکور ہے کہ جب تشہد پر پہنچے اور لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہے تو کیا دائیں ہاتھ کی انگشتِ سبابہ سے اشارہ کرے؟ لیکن امام محمد نے اصل (مبسوط) میں اس کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ البتہ مشائخ کا اس میں اختلاف ہے۔ بعض نے کہا کہ اشارہ نہ کریں۔ اور اسی طرح کبریٰ میں ہے اور اسی پر فتویٰ ہے اور بعض نے اس بارے میں کہا کہ اشارہ کریں ــــــ اور غیاثیہ میں ہے کہ تشہد کے وقت انگشتِ سبابہ سے اشارہ نہ کریں، یہی مختار ہے۔

جب معتبر روایات میں اشارہ کی حرمت واقع ہوئی ہے اور اس کی کراہت پر فتویٰ دیدیا گیا ہے

اور اشارہ و عقد کو منع کیا ہے اور اس کو اصحاب کا ظاہر اصول کہتے ہیں تو پھر ہم مقلدوں کو مناسب نہیں ہے کہ احادیث کے تقاضوں کے مطابق عمل کر کے اشارہ (سبابہ) کرنے کی جرأت کریں اور اسقدر علمائے مجتہدین کے فتووں کے باوجود ایک امر حرام، مکروہ اور منہی کے مرتکب ہوں۔

حنفیہ میں سے اس امر (اشارہ سبابہ) کا ارتکاب کرنے والا دو حال سے خالی نہیں، یا تو وہ ان علمائے مجتہدین (کے متعلق خیال کرتا ہے کہ ان) کو اشارہ کے اثبات کے جواز میں ان معروف احادیث کا علم نہیں تھا، یا یہ کہ اُن کو ان احادیث کا عالم تو جانتا ہے لیکن ان بزرگوں کے حق میں ان احادیث پر عمل کرنا جائز تسلیم نہیں کرتا، اور یہ خیال کرتا ہے کہ انھوں نے احادیث کے خلاف اپنی آراء کے موافق حرمت کراہت کا حکم کیا ہے، اور یہ دونوں شقیں فاسد ہیں ان کو سوائے بیوقوف اور دشمن کے اور کوئی جائز نہیں سمجھتا ــــــ اور جیسا کہ ترغیب الصلوٰۃ میں ہے کہ تشہد میں انگشتِ شہادت کا اٹھانا علمائے متقدمین کی سنت ہے لیکن علمائے متاخرین نے اس کا انکار کیا ہے جیسا کہ رافضیوں نے اس میں مبالغہ سے کام لیا ہے اس لئے سنیوں نے ترک کر دیا ہے سُنّی سے رافضی کی تہمت کا دور کرنا روایاتِ کتبِ معتبرہ کے مخالف ہے کیونکہ ہمارے اصحاب کا ظاہر اصول عدم اشارہ اور عدم عقد پر ہے۔ لہذا عدم اشارہ علمائے متقدمین کی سنت ہے اور ترک کی وجہ تہمت کی نفی کا باعث نہیں ہے ــــــ ان اکابرین کے ساتھ ہمارا حسنِ ظن یہ ہے کہ جبتک اس بارے میں حرمت یا کراہت کی دلیل ان پر ظاہر نہیں ہوئی انھوں نے حرمت یا کراہت کا حکم نہیں کیا۔ کیونکہ وہ اشارہ کی سنت و استحباب کا ذکر کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ یہ فقہا نے ذکر کیا ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ اشارہ حرام ہے ــــــ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان بزرگوں کے نزدیک اشارہ کے سنت و استحباب کے دلائل صحت کو نہیں پہنچے بلکہ ان کی صحت کے خلاف پہنچے ہیں۔

حاصل کلام یہ ہے کہ ہم کو اس دلیل کا علم نہیں ہے اور یہ معنی اکابرین کے حق میں کسی عیب کو متلزم نہیں ہیں ــــــ اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ ہمارے پاس اس دلیل کے خلاف علم ہے تو ہم کہتے ہیں کہ مقلد کا علم اس کے حلال و حرام ہونے کے ثبوت میں معتبر نہیں بلکہ اس بارے میں مجتہد کا گمان معتبر ہے۔ سب سے پہلے مجتہدین کے دلائل کو مکڑی کے گھر (جالے) سے بھی زیادہ کمزور کہنا بڑی جرأت کی بات ہے، اپنے علم کو ان اکابرین کے علم پر ترجیح دینا اور اصحابِ حنفیہ کے

ظاہر اصول کو باطل بتانا اور مفتیٰ بہا معتبر روایات کو درہم برہم کرنا اور شاذ و نادر کہنا ہے۔ یہ اکابر احادیث کو عہدِ (نبویؐ) کے قرب اور علم کی زیادتی اور ورع و تقوی حاصل ہونے کی وجہ سے ہم دور افتادوں سے بہتر جانتے تھے، اور اس کی صحت و سقم اور نسخ و عدم نسخ کو ہم سے زیادہ جانتے تھے اور ان احادیث علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے موافق عمل کو ترک کرنے میں کوئی نہ کوئی وجہ موجہ (معتبر دلیل) ضرور رکھتے ہوں گے ــــــ ہم ناقص فہم والے صرف اسقدر جانتے ہیں کہ احادیث کے راوی اشارہ و عقد کی کیفیت میں بہت زیادہ اختلاف رکھتے ہیں اور ان کے کثرتِ اختلاف نے نفسِ اشارہ میں بھی اضطراب پیدا کر دیا ہے، چنانچہ بعض روایات سے مفہوم ہوتا ہے کہ آپؐ نے بغیر عقد کے اشارہ فرمایا ہے، اور جو حضرات عقد کے ساتھ کہتے ہیں انھوں نے ترپن ۵۳ کے عدد جیسا عقد روایت کیا ہے اور بعض دوسری روایات میں تیئس ۲۳ کا عدد جیسا عقد ہے، اور بعض نے خنصر (چھنگلیا) اور بنصر (اس کے ساتھ والی انگلی) کے ساتھ قبضہ (بند) کرنے اور ابہام باوسطی (انگوٹھے کا درمیانی انگلی کے ساتھ حلقہ بنا کر) حلقہ اشارہ سبابہ کی روایت کی ہے۔ اور ایک روایت میں صرف انگوٹھے کو درمیانی انگلی پر رکھ دینے کو ہی اشارہ قرار دیا ہے، اور ایک روایت میں اس طرح بھی آیا ہے کہ دائیں ہاتھ کو بائیں ران پر رکھ کر اور بائیں ہاتھ کو دائیں پاؤں پر رکھ کر اشارہ کرتے تھے۔ اور دوسری روایت میں ہے کہ دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ کی پشت پر اور پہنچے کو پہنچے پر اور کہنی کو کہنی پر رکھ کر اشارہ کرتے تھے۔ اور بعض روایات میں آیا ہے کہ تمام انگلیوں کو بند کر کے اشارہ فرماتے تھے اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ سبابہ کی تحریک کے بغیر اشارہ کرتے تھے اور بعض حرکت کا ثبوت ظاہر کرتے ہیں۔ اور اسی طرح بعض روایات میں واقع ہے کہ تشہد کے پڑھتے وقت کسی کلمے کے تعین کے بغیر اشارہ فرماتے تھے۔ اور بعض دوسری احادیث میں آیا ہے کہ کلمۂ شہادت کے الفاظ پڑھتے وقت اشارہ فرماتے تھے۔ اور بعض راویوں نے اس کو دعا کے وقت میں مقید کر دیا ہے کہ آپ فرماتے تھے: یَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِیْ عَلٰی دِیْنِکَ (اے دلوں کو پھیرنے والے میرے قلب کو اپنے دین پر ثابت رکھ) ــــــ اور جب علمائے حنفیہ نے اشارہ کرنے میں راویوں کے عمل کا اضطراب دیکھا تو ایک فعلِ زائد کو نماز میں قیاس کے برخلاف ثابت نہیں کیا کیونکہ نماز کی بنا سکون و وقار پر ہے ــــــ اور اسی طرح جہاں تک ہو سکے تمام انگلیوں کو قبلہ کی طرف متوجہ رکھنا سنت ہے، جیسا کہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے: فَلْیُوَجِّہْ مِنْ اَعْضَائِہٖ الْقِبْلَۃَ مَا اسْتَطَاعَ (نمازی کو چاہئے جہاں تک ہو سکے اپنے تمام اعضا کو قبلہ کی طرف متوجہ رکھے)۔

(سوال) اگر یہ کہیں کہ اختلاف کی کثرت اس وقت مضطرب کر دیتی ہے جبکہ روایات کے درمیان موافقت ممکن نہ ہو حالانکہ اس بارے میں موافقت ممکن ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ تمام روایات کو آنحضرتؐ نے مختلف اوقات میں کیا ہو؟ —— (جواب) تو ہم یہ کہتے ہیں کہ اکثر روایات میں لفظ کانَ واقع ہوا ہے جو غیر منطقیوں کے نزدیک اَدواتِ کلیہ[1] (آلات کلیہ) میں سے ہے۔ اس صورت میں موافقت ممکن نہیں۔

اور جو کچھ کہ امام اعظمؒ سے منقول ہے کہ "اگر میرے قول کے خلاف کوئی حدیث مل جائے تو میرے قول کو ترک کر کے حدیث پر عمل کرو"۔ اس سے مراد وہ حدیث ہے جو حضرت امام تک نہیں پہنچی ہے اور اس حدیث کا علم نہ ہونے کی بِنا پر اس کے خلاف حکم فرمایا ہے۔ اور اشارہ کی احادیث اس قسم سے نہیں ہیں بلکہ معروف احادیث ہیں جو عدم علم کا احتمال نہیں رکھتیں —— (سوال) اور اگر یہ کہیں کہ علمائے حنفیہ نے اشارہ کے جواز کا بھی فتویٰ دیا ہے لہٰذا متعارض فتووں میں سے جس کے مطابق بھی عمل کیا جائے جائز ہوگا؟ —— (جواب) ہم یہ کہتے ہیں کہ اگر جواز اور عدم جواز، اور حلت و حرمت میں تعارض (ٹکراؤ) واقع ہو جائے تو عدم جواز اور حرمت کی جانب کو ترجیح ہوگی۔

نیز شیخ ابنِ ہمامؒ نے رفع یدین کے بارے میں کہا ہے کہ رفع اور عدم رفع کی احادیث متعارض ہیں۔ ہم قیاس کی بنا پر عدم رفع کی احادیث کو ترجیح دیتے ہیں کیونکہ صلوٰۃ کی بنا سکون و خشوع پر ہے جو اجماع کے نزدیک مطلوب و مرغوب ہے —— اور شیخ ابن ہمامؒ پر تعجب ہوتا ہے کہ انھوں نے (کس طرح) کہہ دیا کہ بہت سے مشائخ سے عدم اشارہ مروی ہے جو روایت و درایت کے خلاف ہے۔ اس طرح انھوں نے علمائے مجتہدین پر جہالت کی نسبت قائم کر دی، حالانکہ وہ قیاس سے دلیل لا رہے ہیں جو شرع کا چوتھا اصل ہے اور وہ حنفیہ کے نزدیک ظاہر مذہب اور ظاہر روایت ہے —— اور اسی شیخ نے راویوں کے کثرتِ اختلاف اور اضطراب کی وجہ سے حدیث قلّتین (د کو ضعیف قرار دیا ہے —— فرزند ارشد محمد سعید اس بارے میں ایک رسالہ لکھ رہے ہیں تیار ہونے پر انشاء اللہ روانہ کیا جائے گا —— اور نیز آپ نے دریافت کیا تھا کہ آپ کے طالبان طریقہ ہر طرف جمع ہیں اور کسی جگہ بھی دلیری نہیں کی اور نہ ہی کسی سے کہا کہ تم سرِ حلقہ ہو۔ جو اشارہ ہو اور جس کو اس کا اہل سمجھیں حکم فرمائیں تا کہ اس کو جماعت کا سرِ حلقہ بنا دیا جائے —— (جواب) یہ حکم آپ کی صوابدید پر موقوف ہے استخارہ اور توجہ کے بعد (جس کو مناسب سمجھیں) حکم کر دیں۔ والسلام علیکم وعلیٰ من لدیکم۔

[1] فن حدیث کے ماہرین سے یہ بات پوشیدہ نہیں کہ کتب حدیث میں یہ لفظ (ادوات) ہمیشہ کلیت کے لئے ہی نہیں آتا ورنہ بہت سے مقامات پر تعارض پیدا ہو جائے۔

مکتوب ۳۱۳

سہ صد و سیز دہم

خواجہ محمد ہاشم کی طرف صادر فرمایا ـــــ ان کے سوالات کے جواب میں جو انھوں نے لکھے تھے۔ سوال اول[۱]: یہ کہ اصحابِ کرامؓ کے کمالاتِ فنا و بقا اور سلوک و جذبے کے ساتھ وابستہ تھے یا نہیں؟۔ سوال دوم[۲]: یہ کہ طریقۂ عالیہ نقشبندیہ میں ریاضتوں سے منع کرتے ہیں اور ان کو مضر جانتے ہیں حالانکہ آں سرور علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ و السلام نے سخت ریاضتیں برداشت کی ہیں؟۔ سوال سوم[۳] یہ کہ یہ طریقہ حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف کیوں منسوب ہوا؟۔ سوال چہارم[۴]: آپ نے ایک مکتوب میں تحریر فرمایا ہے کہ طالب کو ولایتِ موسوی سے ولایتِ محمدی میں تصرف کے ساتھ نہیں لایا جا سکتا، اور دوسرے مکتوب میں تحریر فرمایا ہے کہ تم کو ولایتِ موسوی سے ولایتِ محمدی میں لایا گیا۔ ان دونوں باتوں میں کس طرح موافقت کی جائے؟۔ سوال پنجم[۵] یہ کہ کرتا پیش چاک پہننا چاہئے یا وہ جس کا گریبان چاک ہو۔ سوال ششم[۶]: نفی و اثبات کی توجہ احدیت کی توجہ کے ساتھ کس طرح جمع ہو سکتی ہے؟۔ سوال ہفتم[۷] یہ کہ نفی و اثبات کے ذکر کے وقت جو دل سے کیا جاتا ہے تو لَا کو اوپر کی طرف کیوں لے جاتے ہیں اور اِلَّا کو دائیں طرف کیوں لاتے ہیں ــ اور اس کے آخر میں پیر کے آداب کی رعایتوں کا بیان ہے۔ اور نیز آپ نے فرمایا کہ مکتوبات کے اس دفتر کو اسی مکتوب پر ختم کریں اور تین سو تیرہ[۳۱۳] عدد کی رعایت کریں کیونکہ یہ عدد پیغمبران مرسل علیہم الصلوات والتسلیمات اور اہلِ بدر رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی تعداد کے موافق ہے۔ نیز آپ نے فرمایا کہ اس مکتوب کے خاتمہ پر وہ عرضداشتیں جو حضرت مخدوم زادہ کلاں (خواجہ محمد صادق) علیہم الرحمہ والغفران نے آپ کو لکھی تھیں شامل کر دیں تاکہ پڑھنے والے دعا و فاتحہ سے ان کو یاد کریں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط بعد الحمد للہ والصلوٰۃ و تبلیغ الدعوات میرے بھائی جناب محمد ہاشم پر واضح ہو کہ وہ سوالات جن کا حل میر سید محب اللہ کے مکتوب میں دریافت کیا جو کچھ معلوم تھا ان کے جواب میں لکھ کر بھیج دیا تھا۔

سوال اول[۱] کا حاصل یہ ہے کہ قربِ الٰہی جل سلطانہٗ کا حصول فنا فی اللہ و بقا باللہ اور تمام مقامات جذبہ و سلوک کے طے کرنے پر موقوف ہے۔ لیکن اصحاب کرام حضرت خیر الانام علیہ و علیہم الصلوٰۃ والسلام

---

[۱] آپ کے نام تیرہ[۱۳] مکتوبات ہیں اور آپ کا تذکرہ دفتر اول مکتوب ۲۹۰ پر گزر چکا ہے۔

کی ایک ہی صحبت کی وجہ سے تمام اولیائے امت سے افضل ہو گئے۔ آیا یہ تمام سیر و سلوک اور ان کی فنا و بقا اسی ایک صحبت میں میسر ہو گئی، یا وہ ایک ہی صحبت تمام سیر و سلوک سے افضل تھی ——— دوسرے یہ کہ اصحاب کرامؓ کی فنا و بقا آنحضرت علیہ وعلیہم الصلوۃ والتحیۃ کی توجہ و تصرف کی برکت تھی) یا محض اسلام لانے (کی وجہ سے) یا ان کو سلوک و جذبہ کا علم حالاً و مقاماً حاصل تھا یا نہیں۔ اور اگر تھا تو اس کو کس نام سے تعبیر کرتے تھے، اور اگر سلوک و تصرف کا طریقہ نہ تھا تو اس کو بدعتِ حسنہ کہہ سکتے ہیں (یا نہیں) ——— جواب: جاننا چاہئے کہ اس مشکل کا حل صحبت کے ساتھ وابستہ اور خدمت پر موقوف ہے کیونکہ جو باتیں اس عرصے میں کسی نے نہیں کہی وہ صرف ایک مرتبہ کے لکھنے میں آپ کی سمجھ میں کیسے آجائے گی۔ لیکن چونکہ آپ نے سوال کیا ہے اس لئے جواب دینے کے بغیر چارہ نہیں لہذا ضرورۃً اجمال کے طور پر اس کا حل لکھا جاتا ہے، غور سے سنیں: وہ قرب جو فنا و بقا اور سلوک و جذبے سے وابستہ ہے وہ قربِ ولایت ہے جس سے اولیائے امت مشرف ہوتے ہیں، اور جو قرب اصحاب کرامؓ کو صحبت خیر الانام علیہ وعلیہم الصلوۃ والسلام میں میسر ہوا وہ قربِ نبوت ہے جو ان کو تبعیت و وراثت کے طور پر حاصل ہوا تھا، اس قرب میں نہ فنا ہے نہ بقا، نہ جذبہ ہے نہ سلوک۔ اور یہ قرب مراتب کے لحاظ سے قربِ ولایت سے بہت اعلیٰ و افضل ہے کیونکہ یہ قرب، قربِ اصالت ہے اور وہ قرب، قربِ ظلیت۔ شَتَّانَ مَا بَیْنَھُمَا (ان دونوں میں بہت بڑا فرق ہے) لیکن ہر شخص کی عقل اس معرفت کی مذاق (ادراک) تک نہیں پہنچ سکتی۔ ممکن ہے کہ خواص بھی اس معرفت کی فہم میں عوام کے ساتھ شریک ہوں ؎

صوفی بُدے ہر آنکہ بعالم قلندر است	گر بوعلی نوائے قلندر نواختے
پھر سب قلندرانِ جہاں ہوتے صوفیہ)	(گر بوعلی لگاتے صدائے قلندری

ہاں اگر قربِ ولایت کی راہ سے کمالاتِ قربِ نبوت کی طرف عروج واقع ہو تو فنا و بقا اور جذبہ و سلوک کے بغیر چارہ نہیں کیونکہ یہ سب اس قرب کے مبادی (مقدمات) اور معدات (اسباب) ہیں اور اگر یہ راستہ نہ اختیار کیا گیا ہو اور قربِ نبوت کی شاہراہ اختیار کی گئی ہو تو فنا و بقا اور جذبہ و سلوک کچھ درکار نہیں۔ چونکہ اصحاب کرامؓ قربِ نبوت کی شاہراہ سے گئے ہیں جہاں جذبہ و سلوک، فنا و بقا کا کوئی کام نہیں ——— اس معرفت کا بیان ایک مکتوب (نمبر ۳۰۱) میں جو بنام مولانا امان اللہ لکھا گیا ہے وہاں سے طلب کریں ——— اس فقیر نے ہر جگہ اپنے مکتوبات اور

رسائل میں لکھا ہے کہ میرا معاملہ سلوک و جذبہ سے ماوراء ہے اور تجلیات و ظہورات سے بھی ماوراء ہے اس سے مراد یہی قرب (قرب نبوت) ہے ——— میں اپنے حضرت خواجہ (باقی باللہ) قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر تھا کہ اس دولت کا ظہور پیش آیا اور میں نے اس عبارت کو حضرت خواجہؒ کی خدمت میں عرض کیا کہ مجھ پر یہ امر ظاہر ہوا ہے کہ "سیر انفسی کو اس امر کے ساتھ وہ نسبت ہے جو سیر آفاقی کو سیر انفسی کے ساتھ ہے۔" اور میں (اس وقت) اپنے اندر اس سے زیادہ طاقت و قدرت نہ پاتا تھا کہ اس عبارت کے علاوہ کوئی اور اس دولت کی تعبیر کرسکوں۔ سالہا سال کے بعد جب یہ عجیب و غریب معاملہ صاف طور پر واضح ہوا تو مجمل عبارت کے ساتھ تحریر میں لایا گیا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ ھَدٰنَا لِھٰذَا وَمَا کُنَّا لِنَھْتَدِیَ لَوْلَآ اَنْ ھَدٰنَا اللّٰہُ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ (اعراف آیت ۴۳) اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے ہم کو ہدایت دی اگر وہ ہدایت نہ دیتا تو ہم ہرگز ہدایت نہ پاتے بیشک ہمارے رب کے رسول حق بات لے کر آئے) ——— لہٰذا عبارتِ فنا و بقا اور جذبہ و سلوک یہ محدث (نئی پیدا شدہ) اور مشائخ کے مخترعات (ایجادات) میں سے ہیں۔ مولوی جامی علیہ الرحمہ نفحات میں تحریر کرتے ہیں کہ "پہلا شخص جس نے فنا و بقا کا نام لیا وہ ابو سعید خراز قدس سرہ ہیں۔

سوال دوم کا حاصل یہ ہے کہ طریقۂ عالیہ نقشبندیہ میں سنت کی پیروی لازم ہے۔ حالانکہ آنسرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے عجیب و غریب ریاضتیں اور شدید بھوک و پیاس کی تکلیفیں برداشت کی ہیں (لیکن) اس طریق میں ریاضتوں سے منع کرتے ہیں بلکہ صورتوں کے کشف کی وجہ سے ریاضتوں کو مضر جانتے ہیں۔ یہ بات عجیب معلوم ہوتی ہے کہ سنت کی متابعت میں نقصان کا احتمال کیسے متصور ہوسکتا ہے ——— **جواب**: اے محبت کے نشان والے! کس نے کہہ دیا کہ اس طریقہ میں ریاضات منع ہیں اور کہاں سے سُن لیا ہے کہ (یہ حضرات) ریاضتوں کو مضر جانتے ہیں اس لئے کہ اس طریقے میں نسبت کی دائمی حفاظت اور متابعتِ سنت علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کو لازم جاننا، اور اپنے احوال کو پوشیدہ رکھنے کی کوشش کرنا، میانہ روی اختیار کرنا اور کھانے پینے اور لباس وغیرہ میں حدِ اعتدال کی رعایت کرنا (یہ سب) ریاضات شاقہ اور مجاہدات شدیدہ میں سے ہیں ——— خلاصۂ کلام یہ ہے کہ عوام کالانعام (وہ عوام جو چوپاؤں کے مانند ہیں) ان امور کو ریاضات میں شمار نہیں کرتے اور مجاہدات میں سے نہیں جانتے، ان کے نزدیک ریاضات و مجاہدات کا انحصار بھوک

(پیاس) میں منحصر ہے اور بھوکا پیاسا رہنا ان کی نظر میں بہت بڑی بات ہے کیونکہ درندہ صفت لوگوں کے نزدیک کھانا پینا ہی سب سے زیادہ ضروری اور بڑے مقاصد میں سے ہے، لہذا اس کا ترک کرنا ان کے نزدیک لازمی طور پر ریاضتِ شاقہ اور مجاہداتِ شدیدہ ہیں بخلاف نسبت کی دائمی حفاظت اور متابعتِ سنت علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ کو لازم رکھنے کے، یہ امور عوام کی نظر میں قابلِ قدر اور شمار کے قابل نہیں تاکہ ان کے ترک کو منکرات سمجھیں اور ان امور (پیروی سنت) کے حصول کو ریاضتیں شمار کریں۔ لہذا اس طریقے کے اکابرین پر لازم ہے کہ احوال کے پوشیدہ رکھنے کی کوشش کریں اور ایسی ریاضتوں کو ترک کر دیں جو عوام کی نظر میں عظیم القدر اور مخلوق میں مقبولیت کا باعث اور شہرت کے لئے لازم ہیں کہ ان میں آفت اور شرارت پوشیدہ ہے۔

آنحضرت علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے: بِحَسْبِ امْرِءٍ مِّنَ الشَّرِّ اَنْ يُّشَارَ اِلَيْهِ بِالْاَصَابِعِ فِيْ دِيْنٍ اَوْ دُنْيَا اِلَّا مَنْ عَصَمَهُ اللّٰهُ (مشکوٰۃ) (آدمی کے لئے یہی شر کافی ہے کہ دین و دنیا میں لوگ اس کی طرف انگشت نمائی کریں مگر جس کو اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے)۔

فقیر کے نزدیک ماکولات (کھانے پینے) کی چیزوں میں حدِ اعتدال کی رعایت کو مدِ نظر رکھنے کی نسبت گرسنگیہائے دور دراز (عرصے تک بھوکا پیاسا رہنا) زیادہ سہل ہے اور اس میں آسانی ہی آسانی ہے۔ (یہ فقیر) اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ میانہ روی کی رعایت کی ریاضت کثرتِ جوع کی ریاضت سے زیادہ مفید ہے ——— حضرت والد بزرگوار قدس سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے علمِ سلوک میں ایک رسالہ دیکھا ہے جس میں لکھا ہوا تھا کہ "کھانے پینے میں اعتدال کی رعایت رکھنا اور میانہ روی کی حد پر نگاہ رکھنا وصولِ مطلب کے لئے کافی ہے، اس رعایت کو ملحوظ رکھتے ہوئے ذکر و فکر کی زیادہ حاجت نہیں" ——— اور سچی بات یہ ہے کہ کھانے پینے اور پہننے بلکہ تمام امور میں توسطِ حال اور میانہ روی پر قائم رہنا بہت اچھی بات ہے ؎

نہ چنداں بخور کز دہانت بر آید   نہ چنداں کہ از ضعف جانت بر آید

(نہ کھا اتنا کہ منہ سے باہر آجائے   نہ کم اتنا کہ کمزوری سے مر جائے)

حضرتِ حق سبحانہ وتعالیٰ نے ہمارے حضرت پیغمبر علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام کو چالیس مردوں کی قوت عطا فرمائی تھی جس قوت کے سبب آپ شدید بھوک پیاس کو برداشت کر لیتے تھے اور اصحابِ کرام

بھی حضرت خیر البشر علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کی صحبت کی برکت سے اس بوجھ کو اُٹھا لیتے تھے اور ان کے اعمال و افعال میں کسی قسم کی سستی اور خلل واقع نہیں ہوتا تھا، بلکہ بھوک کی شدت کے باوجود دشمنوں کے خلاف جنگ کرنے کی ایسی طاقت و قدرت رکھتے تھے کہ سیر شکموں کو اس کا دسواں حصہ بھی میسر نہ تھا۔ یہی وجہ تھی کہ صابروں میں سے بیس۲۰ آدمی دو سو۲۰۰ کفار پر غالب آجاتے تھے اور سو۱۰۰ آدمیوں کو ہزار کافروں پر غلبہ حاصل ہو جاتا تھا ———— اور صحابہؓ کے علاوہ دوسرے بھوک پیاس برداشت کرنے والوں کا تو یہ حال ہے کہ سنتوں کے آداب بجالانے میں عاجز آجاتے ہیں بلکہ بہت سے ایسے ہیں کہ اپنے فرائض کی ادائیگی میں مشکل سے عہدہ برآ ہوتے ہیں. طاقت کے بغیر اس امر میں اصحابِ کرامؓ کی تقلید کرنا اپنے آپ کو فرائض و سنت کے بجالانے میں عاجز بنانا ہے۔

منقول ہے کہ حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آں سرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی تقلید میں صومِ وصال (یعنی بغیر افطار کئے مسلسل کئی دن روزے رکھنا) اختیار کیا، اور ضعف و ناتوانی کی وجہ سے زمین پر گر پڑے تو آنسرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے اعتراض کے طور پر فرمایا کہ "تم میں سے کون ہے جو میری مانند ہو، میں تو رات کو اپنے پروردگار کے پاس ہوتا ہوں اور وہی مجھ کو کھلاتا پلاتا ہے"[1] لہٰذا آپؐ بغیر طاقت کے تقلید اختیار کرنے کو مستحسن نہیں سمجھتے تھے ———— اور نیز اصحابِ کرامؓ حضرت خیر الانام علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کی صحبت کی برکت کی وجہ سے زیادہ بھوک پیاس کے خفیہ نقصانات سے محفوظ و مامون تھے اور دوسروں کو یہ حفظ و امن میسر نہیں ———— اس کا بیان یہ ہے کہ کثرتِ جوع (زیادہ بھوک) اگرچہ صفائی بخش ہے اور ایک جماعت کو صفائے قلب بخشتی ہے اور دوسری جماعت کو صفائی نفس حاصل ہوتی ہے، صفائی قلب ہدایت افزا اور نور بخش ہے اور صفائی نفس ضلالت نما اور ظلمت افزا ہے۔

فلاسفۂ یونان اور ہندوستان کے جوگیوں اور برہمن نے بھوک پیاس کی ریاضت سے صفائیٔ نفس حاصل کر کے ضلالت اور نقصان کی راہ میں پڑ گئے۔ بے عقل افلاطون[2] نے اپنے نفس کی صفائی پر بھروسہ کر کے اور اپنی خیالی کشفی صورتوں کو اپنا مقتدا بنا کر عُجب و نخوت اختیار کی اور حضرت عیسیٰ روح اللہ

---

[1] روی البخاری عن ابی ہریرۃؓ فی جملۃ حدیث بلفظ "فقال رجل من المسلمین انک تواصل یا رسول اللہؐ قال ایکم مثلی انی أبیت یطعمنی ربی ویسقینی"

[2] مشہور افلاطون کا زمانہ ۴۲۷ قبل مسیحؑ سے ۳۴۷ قبل مسیحؑ تک ہے لہٰذا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے کا افلاطون کوئی غیر معروف افلاطون ہوگا، [illegible] ۲۶۶ صفحہ ۱۲۱ [illegible] گزر چکا ہے۔

علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام جو اُس وقت حق تعالیٰ کی طرف سے مبعوث ہوئے تھے اس نے ان کی فرمانبرداری اختیار نہیں کی اور کہنے لگا "ہم ہدایت یافتہ قوم ہیں ہم کو کسی ہدایت دینے والے کی ضرورت نہیں"۔۔۔۔۔ اگر اس میں یہ ظلمت بڑھانے والی صفائی نہ ہوتی تو بیخیالی کشفی صورتیں اس کے راستے میں حائل نہ ہوتیں اور وصولِ مطلب کے لئے اس کی مانع نہ ہوتیں۔ اس نے (افلاطون) اپنی صفائی کے گمان پر اپنے آپ کو نورانی خیال کیا اور یہ نہ جانا کہ یہ صفائی نفسِ امارہ کی باریک کھال سے آگے نہیں بڑھی اور اس کا (نفسِ) امارہ اسی اپنی پہلی خباثت اور نجاست پر قائم ہے (اس کی حقیقت ایسی ہے جیسے) نجاستِ مغلظہ پر شکر کا باریک غلاف چڑھا دیا گیا ہو۔۔۔۔۔ قلب جو اپنی ذات کی حد میں پاکیزہ اور نورانی ہے اس کے چہرے پر نفسِ ظلمانی کی ہمسائیگی کی وجہ سے اگر زنگ آ جائے تو وہ تھوڑے سے تصفیہ کے بعد اپنی اصلی حالت پر رجوع کر لیتا ہے اور نورانی ہو جاتا ہے بخلاف نفس کے کہ وہ اپنی ذات کی حد میں خبیث ہے اور ظلمت اس کی صفت ہے جبتک قلب کی سیاست بلکہ سنّت کی متابعت اور اتباعِ شریعت علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ بلکہ محض فضلِ خداوندی جل سلطانہٗ سے مزکّی اور مطہّر نہ ہو اس وقت تک اس کا ذاتی خبث زائل نہیں ہو سکتا اور اس سے فلاح و بہبود متصور نہیں ہو سکتی۔۔۔۔۔ افلاطون نے کمال نادانی کی وجہ سے اپنی صفائی کو جس کا تعلق اس کے (نفسِ) امارہ سے تھا قلبِ عیسویؑ کی صفات کے مانند خیال کر لیا اور لازمی طور پر اس نے اپنے آپ کو ان کی طرح مہذب اور مطہر خیال کر کے ان (حضرت عیسیٰ) علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی دولتِ متابعت سے محروم رہا۔ اور ابدی خسارہ کے داغ سے داغدار ہو گیا۔ اَعَاذَنَا اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ مِنْ ھٰذَا الْبَلَاءِ (اللہ سبحانہٗ ہم کو اس بلا سے اپنی پناہ میں رکھے)۔

اور چونکہ یہ ضرر بھوک کی تہ میں پوشیدہ ہے اس لئے طریقہ نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے اکابرین نے بھوک پیاس کی ریاضت کو ترک کر کے کھانے پینے میں اعتدال کی ریاضت اور میانہ روی کے مجاہدے کی راہ اختیار کی اور بھوک پیاس کے نفع کو اس عظیم خطرے کے نقصان کے احتمال کی وجہ سے ترک کر دیا اور دوسرے لوگوں نے بھوک کے فائدوں کو ملاحظہ کر کے اس کے نقصانات سے آنکھیں بند کر لیں اور بھوک کی طرف ترغیب دینے لگے۔۔۔۔۔ عقلمندوں کے نزدیک یہ بات مقرر ہے کہ نقصان کے احتمال کی وجہ سے بہت زیادہ منافع کو چھوڑ سکتے ہیں۔ اسی مقولہ کے قریب قریب

وہ امر ہے جو علماء شکر اللہ تعالیٰ سعیہم نے فرمایا ہے کہ " اگر کوئی امر سنت اور بدعت کے درمیان دائر ہو تو اس سنت کے بجالانے کی نسبت ترکِ بدعت بہتر ہے "۔ یعنی بدعت میں نقصان کا احتمال اور سنت میں منافع کی توقع ہے تو ضرر کے احتمال کو منافع کی توقع پر ترجیح دے کر بدعت کو ترک کر دینا چاہیئے، تاکہ ایسا نہ ہو کہ سنت کے بجالانے میں دوسری راہ سے نقصان پیدا ہو جائے ——— اس بات کی حقیقت یہ ہے کہ وہ سنت گویا کہ اس (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے) زمانے کے ساتھ ملی ہوئی ہے۔ چونکہ ایک جماعت اس کی باریکی اور پوشیدگی کی وجہ معلوم نہ کر سکی اس لئے اس کی تقلید کرنے میں سبقت کی، اور دوسری جماعت نے اس کو موقت (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے ساتھ مخصوص) جان کر اس کی تقلید اختیار نہیں کی۔ وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ اَعْلَمُ بِحَقِیْقَۃِ الْحَالِ۔

سوالِ سوم کا حاصل یہ ہے کہ اس طریقۂ عالیہ کے اکابرین کی کتابوں میں درج ہے کہ ہماری نسبت حضرت صدیق (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے منسوب ہے بخلاف باقی تمام طریقوں کے ——— اگر کوئی مدعی یہ کہے کہ اکثر طریقے حضرت امام جعفرؒ تک پہنچتے ہیں اور (خود امام جعفر) حضرت صدیقؓ سے منسوب ہیں لہٰذا دوسرے سلاسل کیوں حضرت صدیقؓ کی طرف منسوب نہیں؟ ——— اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت امام (جعفر صادقؒ) حضرت صدیقؓ سے بھی نسبت رکھتے ہیں اور حضرت امیر (علی) رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی۔ اور ان دونوں نسبتوں کے اجتماع کے باوجود حضرت امام جعفرؓ میں ہر نسبت کے کمالات جدا ہیں اور وہ ایک دوسرے سے ممتاز ہیں۔ ایک جماعت نے صدیقی نسبت کے واسطے سے حضرت امام (جعفر) سے " نسبتِ صدیقیہ " اخذ کی اور وہ حضرت صدیقؓ کی طرف منسوب ہو گئے اور دوسری جماعت نے مناسبتِ امیری کے باعث " نسبتِ امیریہ " اخذ کی اور وہ حضرت امیر (علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی طرف منسوب ہو گئی ——— یہ فقیر ایک تقریب کے سلسلے میں پرگنہ بنارس گیا ہوا تھا جہاں دریائے گنگا و دریائے جمنا کے پانی باہم ملتے ہیں اور اس اجتماع کے باوجود محسوس ہوتا ہے کہ گنگا کا پانی علیحدہ ہے اور جمنا کا علیحدہ۔ اور ایسا اندازہ ہوتا ہے کہ گویا دونوں کے درمیان کوئی ایسا برزخ حائل ہے کہ ایک کا پانی دوسرے کے ساتھ خلط ملط نہیں ہوتا۔ ایک گروہ جو دریائے گنگا کے پانی کی طرف واقع ہے وہ اس مجتمع پانی کو پیتا ہے اور دوسری جماعت جو دریائے جمنا کی طرف رہتی ہے وہ دریائے جمنا کا پانی پیتی ہے۔

(سوال) اگر یہ کہیں کہ حضرت خواجہ محمد پارسا قدس سرہ نے رسالہ قدسیہ میں تحقیق کی ہے کہ حضرت امیر (علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے جس طرح حضرت رسالت خاتمیت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ سے تربیت حاصل کی ہے اسی طرح حضرت صدیقؓ نے بھی تربیت حاصل کی ہے لہذا حضرت امیرؓ کی نسبت عین حضرت صدیقؓ کی نسبت ہے۔ پھر ان دونوں میں کیوں فرق ہوا؟ ——— (جواب) ہم کہتے ہیں اتحادِ نسبت کے باوجود محل و مقام کے تعدد کی خصوصیات اپنے حال پر ہیں؟ کیونکہ ایک ہی پانی متعدد مقامات (سے گذرنے کی) باعث مختلف امتیازی کیفیت پیدا کرلیتا ہے اسی طرح یہ بات بھی جائز ہے کہ خصوصیت کی نظر سے ہر ایک طریقہ اس کی طرف منسوب ہو۔

سوالِ چہارم کا حاصل یہ ہے کہ "آپ نے ملا محمد صدیق کے مکتوب میں لکھا ہے کہ جو شخص ولایتِ موسوی کی استعداد رکھتا ہے معلوم نہیں کہ صاحبِ تصرف اس کو ولایتِ محمدی کی استعداد پر لا سکتا ہو"۔ اور درویش زادۂ کلاں (خواجہ محمد صادق) قدس سرہٗ کی طرف تحریر کردہ مکتوب میں لکھا ہے کہ "تم کو ولایتِ موسوی سے ولایتِ محمدی میں لایا گیا"۔ ان دونوں باتوں میں موافقت کس طرح ہو سکتی ہے؟ ——— جواب یہ ہے کہ ملا محمد صدیق کے مکتوب میں جو درج ہے کہ "ولایتِ موسوی سے ولایتِ محمدی میں لے جانا معلوم الوقوع نہیں"۔ اُس وقت اس امر کے واقع ہونے کا علم نہیں تھا اس کے بعد جب اس امر کو معلوم کرا دیا گیا اور تغیر و تبدیلی کی قدرت عطا کی گئی تو تحریر کیا گیا کہ "تم کو اس ولایت سے اُس ولایت میں لے جایا گیا"۔ ان دونوں باتوں میں زمانے کا اتحاد نہیں ہے جس کی وجہ سے تناقض متصور ہو۔

سوالِ پنجم کا حاصل یہ ہے کہ پیراہن (کرتہ) کو اس مقام کے صوفیہ آگے کے چاک کے ساتھ پہنتے ہیں اور کہتے ہیں کہ سنت یہی ہے اور حضرت میر (نعمان) کے خدام کرتے کا چاک بطریق حلقہ بناتے ہیں اس کی تحقیق کیا ہے؟ ——— جواب: جاننا چاہئے کہ ہم بھی اس بارے میں متردّد ہیں، کیونکہ اہلِ عرب آگے کے چاک والا کرتہ پہنتے ہیں اور اس کو سنت جانتے ہیں۔ اور حنفیہ کی بعض کتبِ معتبرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سامنے کے چاک والا کُرتہ مردوں کو نہیں پہننا چاہئے کہ یہ عورتوں کا لباس ہے ———
امام احمدؒ و ابوداؤدؒ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ پیغمبر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے: لُعِنَ الرَّجُلُ يَلْبَسُ لُبْسَ الْمَرْأَةِ وَالْمَرْأَةُ تَلْبَسُ لُبْسَ الرَّجُلِ (لعنت ہے اس مرد پر جو عورتوں جیسا لباس پہنے اور اس عورت پر بھی (لعنت ہے) جو مردوں جیسا لباس پہنے) ——— اور مطالب المومنین میں ہے

کہ "عورت مرد کی مشابہت نہ کرے اور نہ مرد عورت کی مشابہت کرے کیونکہ دونوں فریقوں پر لعنت کی گئی ہے" ——— بلکہ معلوم ہوتا ہے کہ پیش چاک والا کرتہ اہلِ دین اور اہلِ علم کا لباس نہیں ہے اسی لئے فقہا نے اہلِ ذمہ (وہ کافر جو اسلامی حکومت کے تحت ہوں) کے لئے اس لباس کو تجویز کیا ہے ——— اور جامع الرموز میں محیط سے نقل کیا ہے کہ وہ لباس جو اہلِ دین اور اہلِ علم کے ساتھ مخصوص ہے جیسے چادر، عمامہ اہلِ ذمہ نہ پہنیں بلکہ موٹے کپڑے کی قمیص پہنیں جس کے سینے پر عورتوں کی قمیص کی طرح چاک ہو ——— اور بعض علماء کے قول کے مطابق پیش چاک قمیص نہیں ہے بلکہ درع ہے اور ان کے نزدیک قمیص وہ ہے جو دونوں طرف (کندھوں کی طرف) سے کھلی ہو ——— اور جامع الرموز اور ہدایہ میں عورت کے کفن کے بیان میں لکھا ہے کہ قمیص کا بدل درع ہے اور ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ درع کا چاک سینے کی طرف ہوتا ہے اور قمیص کا چاک دونوں شانوں کی طرف۔ اور بعض نے دونوں کو ایک ہی قرار دیا ہے (کہ ان میں کوئی فرق نہیں ہے)۔

فقیر کے نزدیک یہ بہتر معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ مَردوں کو عورتوں کے مشابہ لباس پہننے سے منع کیا گیا ہے لہذا چاہیئے کہ جہاں عورتیں پیش چاک والا کرتہ پہنتی ہیں وہاں مَردوں کو عورتوں کی مشابہت کی وجہ سے (پیش چاک والا کُرتہ) ترک کر کے حلقۂ گریبان والا کرتہ پہنیں، اور جس علاقہ کی عورتیں حلقہ گریبان والا کرتہ پہنتی ہوں وہاں مردوں کو ضرورۃً پیش چاک والا کرتہ پہننا چاہیئے ——— اور عرب کی عورتیں حلقہ گریبان والا کرتہ پہنتی ہیں اس لئے مرد ضرورۃً پیش چاک والا کرتہ پہنتے ہیں۔ اسی طرح ماوراء النہر اور ہندوستان میں عورتوں کا لباس پیش چاک والا کرتہ ہے لہذا مردوں کو حلقۂ گریبان والا کرتہ پہننا چاہیئے ——— میاں شیخ عبد الحق (محدث) دہلوی کہتے تھے کہ میں مکہ معظمہ میں تھا، میں نے دیکھا کہ شیخ نظام نارنولی کا ایک مرید حلقہ (گول) گریبان والا کرتہ پہنے ہوئے کعبہ کا طواف کر رہا ہے اور اہلِ عرب کی ایک جماعت اس کے کرتہ پر تعجب کر رہی تھی کہ وہ عورتوں جیسا کرتہ پہنے ہوئے ہے ——— لہذا اعتبار عرفِ عام اور عادت کا ہے اس لئے اہلِ عرب کا عمل بھی صحیح ہے اور ہندوستان اور ماوراء النہر والوں کا عمل بھی درست ہے: لِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا (بقرہ آیۃ ۱۴۸) (ہر ایک کے لئے ایک سمت ہے جس کی طرف وہ اپنا منہ کرتا ہے) ——— اگر پیش چاک کُرتہ کا سنت ہونا ثابت ہوتا تو علمائے حنفیہ اس لباس کو اہلِ ذمہ کے لئے جائز قرار نہ دیتے اور اس کو اہلِ دین

اور اہلِ علم کے ساتھ مخصوص رکھتے۔ اور چونکہ عورتیں اس لباس میں پیش پیش ہیں لہٰذا یہاں مردوں کا لباس عورتوں کے لباس کے تابع کر دیا گیا۔

سوالِ ششم[۶] کا حاصل یہ ہے کہ چونکہ ابتدا ہی سے اس طریقے کے طالبوں کی توجہ احدیتِ صرف کی طرف ہے تو چاہیے کہ نفی و اثبات اس توجہ کے ساتھ جمع نہ کریں کیونکہ نفی کے وقت توجہ غیر کی طرف ہوتی ہے ——— جواب یہ ہے کہ غیر کی طرف توجہ کرنا احدیت کی طرف توجہ کی تقویت اور تربیت کے لئے ہے اور غیر کی نفی سے مقصود اغیار کی مزاحمت کے بغیر اس توجہ کا دائمی طور پر حاصل ہونا ہے لہٰذا غیر کی نفی کی طرف توجہ، احدیت کی طرف توجہ کے منافی نہیں ہے اور احدیت کی طرف توجہ کے منافی غیر کی توجہ ہے نہ کہ غیر کی نفی کی توجہ۔ ان دونوں کے درمیان بڑا فرق ہے۔

سوالِ ہفتم[۷] کا حاصل یہ ہے کہ اس طریقے کا مبتدی جو ذکر کام و زبان (زبانی) سے کرتا ہے، اسی ذکر کو قلب بھی ادا کرتا ہے تو آیا نفی و اثبات میں قلب بھی پورے طور پر ایسا کرتا ہے یا نہیں۔ اگر پورے طور پر کہتا ہے تو لا کو اوپر کی طرف اور اِلّا اللہ کو دائیں طرف کیوں پھیرتے ہیں؟ ——— اس کا جواب یہ ہے کہ اگر قلب پورے طور پر ذکر کرے تو اس میں کیا نقصان ہے کہ لا کو اوپر کی طرف لے جائے اور اِلّا کو دائیں جانب پھیر دے اور اِلّا اللہ کو اپنی طرف کھینچے، کیونکہ اس طریقے میں نفی و اثبات کو تخیل کے ساتھ ادا کرتے ہیں اور زبان و کام کے ساتھ اس کا کوئی واسطہ نہیں ہوتا۔ تاکہ جو کچھ کہیں دل بھی اس کی موافقت کرے اور اس قول کو شرط قرار دیں ——— یہ آپ کے آخر کے دو[۲] سوال (امام) فخر رازی کی تشکیکات کی قسم سے ہیں اگر آپ خود ان سوالوں کی طرف پوری توجہ کرتے یہ اشکال خود بخود دور ہو جاتے۔

باقی مقصود یہ ہے کہ وہاں کے بعض دوستوں نے کئی بار مجھ کو لکھا ہے کہ میر (نعمان) ان دنوں طالبوں کے احوال کی طرف کم توجہ دیتے ہیں اور عمارت کی تیاری میں لگے ہوئے ہیں اور فتوحات کی رقم عمارت پر خرچ ہوتی ہے جس کی وجہ سے فقرا محروم رہ جاتے ہیں۔ ان مقدمات کو انھوں نے ایسے انداز میں تحریر کیا ہے کہ اس سے اعتراض کے شائبہ کی گنجائش اور انکار کی بو آتی ہے ——— جاننا چاہیے کہ اس جماعت کا انکار زہرِ قاتل ہے اور ان بزرگوں کے اقوال و افعال پر اعتراض کرنا افعی سانپ کا زہر ہے جو ابدی موت کو پہنچا دیتا ہے اور دائمی طور پر ہلاک کر دیتا ہے۔ خاص طور پر جبکہ یہ انکار اور اعتراض اپنے پیر پر کیا جائے اور پیر کی ایذا کا سبب بنتا ہو، اس جماعت کا منکر ان کی دولت سے محروم ہے، اور ان پر

اعتراض کرنے والا ہمیشہ بے بہرہ اور نقصان میں رہنے والا ہے۔ جبتک پیر کی تمام حرکات وسکنات مرید کی نظر میں مستحسن اور زیبا نظر نہ آئیں پیر کے کمالات سے بے بہرہ رہتا ہے۔ اگر کچھ کمال حاصل بھی کرلے تو وہ استدراج ہے کہ اس کا انجام خرابی و رسوائی ہے ـــــ مرید اپنے پیر کی کمال محبت واخلاص کے باوجود اگر اپنے آپ میں بال برابر بھی پیر پر اعتراض کی گنجائش پائے تو اس کو اپنی خرابی کے علاوہ کچھ نہیں سمجھنا چاہئے، لہذا (ایسا مرید اپنے) پیر کے کمالات سے بے نصیب رہتا ہے۔ اگر بالفرض مرید کو پیر کے افعال میں سے کسی فعل پر شبہ پیدا ہوجائے اور کسی طرح دفع نہ ہو تو چاہئے کہ اس طرح اس کو دریافت کرے کہ اعتراض کی آمیزش سے پاک اور انکار کے گمان سے مبرا ہو۔ کیونکہ اس دنیا میں حق باطل کے ساتھ ملا ہوا ہے ـــــ اگر اتفاقاً پیر سے کوئی امر خلافِ شریعت صادر ہو جائے تو مرید کو چاہئے کہ اس امر میں پیر کی تقلید نہ کرے اور جہاں تک ممکن ہو سکے اس کو حسن ظن کے ساتھ نیک وجہ پر محمول کرے اور اس امر کی صحت و درستی کی وجہ تلاش کرتا رہے۔ اور اگر صحت کی وجہ ظاہر نہ ہو تو چاہئے کہ اس امتحان کے دور کرنے میں حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ سے ملتجی ہو اور گریہ زاری کے ساتھ پیر کی سلامتی کی درخواست کرے۔ اور اگر مرید کو پیر کے حق میں کسی امر مباح کے ارتکاب میں شبہ پیدا ہو جائے تو اس شبہ کا کچھ اعتبار نہ کرے کیونکہ مالک الامور جل سلطانہ نے مباح کام کے بجالانے میں منع نہیں فرمایا اور اعتراض نہیں کیا تو دوسرے کو کیا حق پہنچتا ہے کہ اپنی طرف سے اعتراض شروع کردے ـ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ بعض جگہ اولیٰ کام کے بجالانے سے اس کا ترک کرنا بہتر ہوتا ہے ـــــ حدیث نبوی علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام میں وارد ہے کہ اِنَّ اللّٰہَ کَمَا یُحِبُّ اَنْ یُّؤْتٰی بِالْعَزِیْمَةِ یُحِبُّ اَنْ یُّؤْتٰی بِالرُّخْصَةِ (بیشک اللہ تعالیٰ جس طرح عزیمت کا بجالانا پسند کرتا ہے اسی طرح رخصت پر عمل کرنا بھی پسند کرتا ہے) ـــــ حضرت میر (نعمان) جبکہ بہت زیادہ قبض کی حالت میں ہیں اگر ایام قبض میں مریدوں کے احوال میں مشغول نہ ہوں اور بعض مباح امور سے اپنی تسلی کریں تو اعتراض کی کیا گنجائش ہے۔ ـــــ اسی طرح (قبض کی حالت میں) عبداللہ اصطخری اپنی تسلی کے لئے کتے پالنے والوں کے ہمراہ جنگل میں شکار کے لئے جاتے تھے۔ اور بعض مشائخ (حالتِ قبض میں) اپنے آپ کو سرود و نغمہ سے تسلی دیتے تھے۔

والسلام علی من اتبع الہدیٰ والتزم متابعة المصطفیٰ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات اتمہا واکملہا۔

خاتمہ

وہ عرضداشتیں جو حضرت مغفرت پناہ مخدوم زادۂ کلاں (خواجہ محمد صادق) قدس سرہٗ نے حضرت مجددؒ کی خدمت میں لکھیں۔

عرضداشت اول: کمترین بندہ محمد صادق خدمت عالی میں عرض کرتا ہے کہ اس علاقہ کے احوال واوضاع حضور کی عالی توجہ کی برکت سے ظاہری و باطنی سکون کے ساتھ گذر رہے ہیں — عرصے سے حضرت کے خادموں کی طرف سے دل متفکر اور پریشان رہتا تھا کہ اس عریضہ کے تحریر کے دن میاں بدر الدین پہنچے اور تمام حضرات کی خیر و عافیت معلوم ہو کر بے حد فرحت اور بہت زیادہ خوشی حاصل ہوئی۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ سُبْحَانَہٗ عَلٰی ذٰلِکَ حَمْدًا کَثِیْرًا کَثِیْرًا (اللہ سبحانہٗ کی حمد ہے اس پر اور بہت زیادہ حمد ہے)۔

میرے قبلہ! حافظ بہاء الدین نے تیرھویں[۱۳] شب کو قرآن مجید ختم کیا اور چودھویں[۱۴] شب سے حافظ موسیٰ نے شروع کیا ہے پانچ پانچ پارے پڑھتے ہیں، آئندہ شب کو جو انیسویں شب ہے ختم ہو جائے گا۔ اور آخری عشرہ کے لئے حافظ بہاء الدین نے ذمہ لیا ہے وہ ختم کریں گے ——— حضرت سلامت! ایک رات تراویح میں حافظ قرآن پڑھ رہا تھا کہ اچانک ایک نہایت وسیع اور بہت نورانی مقام ظاہر ہوا گویا کہ وہ "حقیقتِ قرآنی" کا مقام تھا۔ اگرچہ میں اس کی جرأت نہیں کرسکتا لیکن ایسا معلوم ہوا کہ "حقیقتِ محمدی" علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام اس مقام کی اجمال ہے، گویا کہ دریائے عظیم کو کوزہ میں بند کردیا گیا ہے اور یہ مقام "حقیقتِ محمدی" کی تفصیل ہے اور اکثر انبیا اور اولیائے کاملین اپنی اپنی قدر کے مطابق اس مقام سے بہرہ مند ہو رہے ہیں اور اس مقام کا کامل اور تمام حصہ ہمارے پیغمبر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے علاوہ کسی اور کے لئے معلوم نہیں ہوتا۔ اور یہ حقیر بھی اس سے بہرہ مند ہوا۔ حق سبحانہٗ وتعالیٰ حضرت عالی کی توجہ کی برکت سے کامل حصہ عطا فرمائے، ابھی تک وہ مقام اچھی طرح واضح نہیں ہوا ہے ——— باقی احوال جمعیت وسکون سے گذر رہے ہیں اور اس ماہِ معظم (رمضان المبارک) میں بہت زیادہ برکت معلوم ہوتی ہے۔

برادرم محمد سعید کے احوال بہت اچھے ہیں اور ان کے اوقات دل کی جمعیت اور ذکر کے ساتھ گذر رہے ہیں۔ شہر کے یارانِ طریقت بھی کامل ذوق کے ساتھ حاضر ہوتے ہیں۔ حقیر نے چار پاروں سے کچھ زیادہ حفظ کرلیا ہے، بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ عید تک پانچ پارے حفظ ہو جائیں گے۔ زیادہ آداب و سلام۔

عرضداشت دوم: کمترین بندہ محمد صادق بارگاہِ اشرف میں عرض کرتا ہے کہ یہاں علاقہ کے احوال و اطوار شکر کے لائق ہیں اور اس ذات کعبۂ مرادات کی خیریت مع جملہ خادمان اور مخلص دوستوں کے مطلوب و مسئول ہے — سرفراز نامہ نامی و صحیفہ گرامی جو اسمٰعیل کے ہمراہ آپ نے ارسال فرمایا تھا اس کے مطالعہ سے مشرف ہو کر مسرور و محظوظ ہوا۔ حق سبحانہٗ وتعالیٰ آپ قبلۂ عالمیان کی مہربانی کا سایہ تمام اہلِ اسلام پر باقی اور پائندہ رکھے بحرمتہ نبی امی وآلہ الامجاد علیہ من الصلوات انمہا ومن التسلیمات اکملہا —— قبلہ گاہا! بندہ اپنے خرابی احوال کے بارے میں کیا عرض کرے، اپنے ماضی وحال کو بُرے اعمال میں ضائع کرنے پر حسرت وندامت کے سوا کوئی سرمایہ نہیں رکھتا۔ اور آرزو یہ ہے کہ کوئی لحظہ اور کوئی گھڑی بھی اس بزرگ و برتر کی رضا کے خلاف نہ گذرے لیکن یہ چیز اس وقت تک میسر نہیں آسکتی جبتک کہ اس درگاہ کے خادموں کی توجہ مدد اور دستگیری نہ فرمائے ؎

از کریماں کارہا دشوار نیست

الحمد للہ والمنۃ کہ ابتک حضور کی توجہ کی برکت سے جس طرح کہ حضور نے حکم فرمایا تھا استقامت حاصل ہے اور فتور کم ہی ہوتا ہے بلکہ روز بروز زیادتی اور ترقی کا امیدوار ہے۔ فجر، ظہر اور عصر کے بعد حلقہ میں بیٹھتا ہے۔ اور حافظ بہاء الدین جب اپنی مشغولیات سے فرصت پاتے ہیں تو تلاوتِ قرآن مجید میں مشغول ہو جاتے ہیں اور یہ فقیر بعض اوقات حالتِ قبض اور بعض اوقات حالتِ بسط میں ہوتا ہے۔ اور قبض وبسط، توجہ وذوق اور آرام اور اس کے سوا سب کا تعلق بدن کے ساتھ ہے اس سے آگے تجاوز نہیں کرتا اور لطائفِ ستہ نہ تو متوجہ ہیں اور نہ غافل۔ اگر متوجہ ہوتے ہیں تو ان کی توجہ علمِ حضوری کے مانند ہے بلکہ اس کا عین ہے لہٰذا توجہ اور ذوق اور اس کی مثل سب کو ظلال میں داخل سمجھتا ہے اور ظل سے زیادہ متجاوز نہیں پاتا۔ اور لطائف شروع میں تو بدن کے ساتھ ملے ہوئے تھے اور نظرِ بصیرت میں بدن کے علاوہ کوئی اور امر معلوم نہیں ہوتا تھا جیسا کہ حضور موفور السرور کی خدمت میں عرض کیا گیا تھا لیکن اب بدن سے ممتاز نظر آتے ہیں، اور (یہ فقیر) اس مقام کو مقامِ بقا جانتا ہے اور اس بقا کے بعد پھر ایک قسم کی فنا لطائف پر ظاہر ہوتی ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس فنا کے بغیر جو بقا کے بعد ہے کام کا تمام ہونا میسر نہیں ہوتا۔ فی الحال چند روز سے حالتِ قبض طاری ہے اور خوشی کا معاملہ کم ہے دیکھئے آگے کیا ظاہر ہوتا ہے لیکن ابھی تک عالم کی طرف توجہ واپس نہیں آئی۔ چونکہ احوال عرض کرنا ضروری تھا اس لئے چند کلمات لکھنے کی جرأت کی —— قبلہ گاہا! یہ فقیر ہر شب آپ کو خواب میں دیکھتا ہے الاماشاء اللہ تعالیٰ۔ زیادہ کیا عرض کرے کہ رسمی تکلفات میں داخل ہے والعبودیۃ: زیادہ آداب وسلام

عرضداشت سوم: کمترین بندہ محمد صادق عرض کرتا ہے کہ یہ حقیر مدت سے قبض وغم کی حالت میں تھا آخرکار محض حضور کی توجہ سے حضرت خداوند جل سلطانہٗ کی عنایت شاملِ حال ہوئی اور ایک ایسا عظیم بسط رونما ہوا اور اس بسط میں ایسا معلوم ہوا جیسا کہ پہلی یاد اور توجہ مثال کے طور اس شخص کی جانب سے ہوتی تھی اب جو کچھ ہوتا ہے اسی تعالیٰ وتقدس کی جانب سے ہے اور اپنے اندر قبول کرنے کی قابلیت سے زیادہ کچھ نہیں پاتا، اس آئینے کی طرح جس پر سورج طلوع ہوا تو اس طلوع کے باعث بدن اور لطائف سے ہر طرح کی ظلمت وکدورت دُور ہو کر ان میں کماحقہٗ نور وبرکت حاصل ہو جائے۔ لہٰذا اس بسط سے سینہ کشادہ اور قلب وسیع ہو گیا اور بدن نورانی بن گیا۔ اور روح وسر جو پہلے سے روشن تھے اب اور زیادہ روشن اور لطیف ہو گئے اور میں نے لطائف کے درمیان قلب پر تجلیٔ اکمل پائی۔ پھر جب میں نے قلب کی طرف نظر کی تو اس میں ایک اور قلب ظاہر ہوا اور اس پر بھی تجلی پڑ رہی تھی۔ پھر میں نے دل کے اندر والے دل کو دیکھا تو ظاہر ہوا کہ اس میں ایک اور دل ہے اور اس پر بھی تجلی پڑ رہی ہے اور اس طرح بے انتہا قلب ظاہر ہوئے (اور ہر قلب پر تجلی بھی ظاہر ہوئی) اور کوئی قلب بسیط ایسا ظاہر نہ ہوا جس میں ایک دوسرا قلب ظاہر نہ ہوا ہو۔ اب وہم ہوتا ہے کہ معاملہ قلبِ بسیط کی انتہا تک پہنچ گیا ہے لیکن یقین نہیں ہے اور معلوم ہوا کہ اس حالت سے پہلے کے تمام حالات اس حالت کی نسبت محض تکلفات تھے۔ اس مقام کا نام بھی دل پر گذرا تھا لیکن بے ادبی کے باعث عرض نہیں کیا۔ قبلہ گاہا! (کمترین کے یہ تمام حالات) حضور کی پاک توجہ کے اثر کا نتیجہ ہیں ؎

گر بر تنِ من زباں شود ہر موئے   یک شکر تو از ہزار نتوانم کرد

حضرت سلامت! حضور کے خادموں کی خدمت میں حاضر ہونے کے شوق وآرزو کی نسبت کیا شرح کرے اور کیا لکھے۔ رات دن بلکہ ہر گھڑی اس کا تصور رہتا ہے کہ کونسی نیک ساعت اور اچھی گھڑی ہو گی کہ یہ اعلیٰ مطلب اور بلند مقصد حاصل ہو گا۔ اس آرزو اور تمنّا کے علاوہ کچھ تصور میں نہیں آتا۔ حق سبحانہٗ وتعالیٰ بحسن وخوبی اور اچھے طریقے کے موافقت کے ساتھ اس دولتِ عظمیٰ سے مشرف فرمائے بحرمۃ النبی وآلہ الامجاد علیہ وعلیٰ آلہ من الصلوات اتمہا ومن التسلیمات اکملہا والعبودیۃ۔ زیادہ آداب وسلام

الحمد للہ اولاً وآخراً۔   تمّت بالخیر

اِشاریہ

(آیاتِ قرآنی)

[illegible]

احادیثِ شریفہ

اقوالِ بزرگان

مصطلحات

اسماء الرجال

جانوروں کے نام

پھل وغیرہ کے نام

اسماء العبادات

اسماء البلاد

معاملات

اسماء الکتب

اسماء الاشیاء

ادارۂ مجددیہ۔ ناظم آباد ۳، کراچی کی جملہ مطبوعات

- اثبات النبوۃ۔ (عربی مع اردو ترجمہ)۔ (از حضرت مجدد الفِ ثانی قدس سرہ العزیز)
- انوارِ معصومیہ۔ سوانح حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہ (از حضرت مولانا سید زوار حسین شاہ صاحب علیہ الرحمہ)
- حضرت مجدد الفِ ثانی رح۔ سوانح حضرت مجدد الفِ ثانی رح۔ 〃 〃 〃 〃
- حیاتِ سعیدیہ۔ سوانح حضرت خواجہ محمد سعید احمد پوری رح۔ 〃 〃 〃 〃
- رسالہ تہلیلیہ۔ (عربی مع اردو ترجمہ) —— (از حضرت مجدد الفِ ثانی قدس سرہ العزیز)
- ریڈیو تقاریر۔ (از حضرت مولانا سید زوار حسین شاہ صاحب علیہ الرحمہ)
- زبدۃ الفقہ۔ حصہ اول۔ کتاب الایمان و کتاب الطہارۃ۔ 〃 〃 〃 〃
- 〃 حصہ دوم کتاب الصلوٰۃ 〃 〃 〃 〃
- 〃 حصہ سوم کتاب الزکوٰۃ و کتاب الصوم 〃 〃 〃 〃
- شرحِ رباعیات (فارسی مع اردو ترجمہ) (از حضرت مجدد الفِ ثانی قدس سرہ العزیز)
- طریقہ حج اور دعائیں۔ (از حضرت مولانا سید زوار حسین شاہ صاحب علیہ الرحمہ)
- عمدۃ السلوک 〃 〃 〃 〃
- عمدۃ الفقہ۔ حصہ اول۔ کتاب الایمان و کتاب الطہارۃ۔ حصہ دوم کتاب الصلوٰۃ 〃 〃 〃
- حصہ سوم کتاب الزکوٰۃ۔ اور حصہ چہارم کتاب الحج 〃 〃 〃 〃
- مکتوباتِ حضرت مجدد الف ثانی فارسی۔ ہر سہ دفتر (حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ)
- مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی اردو ترجمہ۔ دفتر اول حصہ اول و دوم 〃
- 〃 〃 〃 دفتر دوم۔ دفتر سوم 〃
- مبدأ و معاد (فارسی مع اردو ترجمہ) 〃
- معارف لدنیہ 〃 〃 〃
- مکتوبات معصومیہ فارسی کامل ہر سہ دفتر (حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہٗ)
- اردو ترجمہ مکتوبات معصومیہ ہر سہ دفتر 〃
- معجم القرآن (لغات القرآن) • گلدستۂ عربی • گلدستۂ مناجات
- مقامات زواریہ • ہدایت الطالبین

ادارۂ مجددیہ: ۵/۲، ایچ، ناظم آباد ۳، کراچی